فقیہ واحد اشد علی الشیطٰن من الف عابد

فتاویٰ عالمگیری اردو جدید

مترجم

مولانا سید امیر علی رحمۃ اللہ تعالیٰ

تسہیل و عنوانات

مولانا ابو عبید اللہ

مکتبہ رحمانیہ

اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ - اردو بازار - لاہور

فَقِيهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

فتاویٰ عالمگیری جدید اردو

جلد نہم

مترجم
مولانا سیّد امیر علی رحمۃ اللہ تعالیٰ
مصنف تفسیر مواہب الرحمٰن و عین الہدایہ وغیرہ

تسہیل و عنوانات
مولانا ابو عبید اللہ
خطیب جامع مسجد رحمۃ للعلمین
ڈیفنس روڈ لاہور

- کتاب الکراہیۃ
- کتاب التحری
- کتاب احیاء الموات
- کتاب الشرب
- کتاب الاشربۃ
- کتاب الصید
- کتاب الرہن
- کتاب الجنایات
- کتاب الوصایا

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ——— فتاوی عالمگیری جدید اردو

مترجم ——— مولانا سید امیر علی رحمۃ اللہ تعالیٰ

تسہیل وعنوانات ——— مولانا ابو عبید اللہ

تصحیح ——— طارق اسمٰعیل صاحب ایم اے اسلامیات

مطبع ——— علی اعجاز پرنٹرز

ناشر ——— مکتبہ رحمانیہ

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

فہرست

كتاب الكراهية ☆

واضح ہو کہ مشائخ نے مکروہ کے معنی میں گفتگو کی ہے اور امام محمدؒ سے صریح یوں مروی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے لیکن چونکہ انہوں نے اس میں کوئی نص قاطع نہیں پائی اس واسطے اس پر حرام کا لفظ اطلاق نہیں کیا اور امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مکروہ قریب بحرام ہوتا ہے کذا فی الہدایہ اور یہی مختار ہے یہ شرح ابو المکارم میں ہے یہ وہ مکروہ ہے جو مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔ رہا مکروہ تنزیہی سو حلال سے زیادہ قریب ہے یہ شرح وقایہ میں ہے اور اصل فاصل دونوں میں یہ ہے کہ مکروہ کی اصل کو دیکھا جائے پس اگر اصل کو استحقاق اثبات حرمت ہو مگر حرمت کسی عارض کی وجہ سے ساقط کی گئی ہے تو عارض کو دیکھنا چاہئے کہ اگر ایسا عارض جس میں عام بلوئی ہو اور ضرورت سب کے حق میں ثابت ہو تو کراہت تنزیہی ہوگی اور اگر ضرورت اس وجہ تک نہ پہنچی ہو تو کراہت تحریمی ہوگی پس اپنی اصل کی طرف راجع ہوگی اور در صورت اولیٰ اس کے برعکس ہے اور اگر اصل کو استحقاق اباحت ہوگی مگر کوئی عارض محرم پیش آیا پس اگر گمان غالب ہو کہ عارض موجود ہے تو کراہت تحریمی ہوگی اور اگر گمان غالب نہ ہو تو کراہت تنزیہی ہوگی اوّل کی مثال جیسے بلی[1] کا جھوٹا۔ اور دوم کی مثال جیسے مادہ خر کا دودھ و گوشت اور سوم کی مثال جیسے بقرہ جلالہ و شکاری پرندوں کا جھوٹا ہے۔ یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔ اس کتاب میں تیس باب ہیں۔

---

[1] قولہ بلی کا جھوٹا یہ برائے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہے کہ بلی درندہ جانوروں میں سے ہے ورنہ صاحبین میں سے ایک کے نزدیک و باقی ائمہ مجتہدین کے نزدیک مکروہ نہیں ہے معنی کلام یہ ہیں کہ بلی کے جھوٹے کو استحقاق اثبات حرمت ہے کہ درندہ کا جھوٹا ہے مگر بلی سے احتراز دشوار ہے عام بلوی ہے پس مکروہ تنزیہی رہا اور گدھی کے دودھ و گوشت میں عام بلوی نہیں ہے اور گائے نجاست خوار کے جھوٹے میں اگر کثرت نجاست خوری موجود ہو تو یہی بات ہے ورنہ نہیں ۱۲

....

☆ امام قدوریؒ نے اس کو کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان دیا ہے۔ یہ عنوان عمدہ ہے کیونکہ حظر بمعنی منع ہے اور اباحہ بمعنی اطلاق و جواز ہے اور اس میں ان مسائل کو بیان کیا جائے گا جو ممنوع اور مباح ہیں اور بعض حضرات نے اس کو کتاب الاستحسان کا عنوان دیا ہے کیونکہ اس میں ان چیزوں کا بیان ہے جن کو شریعت نے مستحسن یا قبیح شمار کیا ہے۔ (حافظ)

''کتابت الکراہیۃ'' کی بابت دو تنبیہات

تنبیہ (۱) : جب فقہائے کرام کسی شئ پر کراہت تنزیہی کا حکم صادر فرماتے ہیں تو اس کو کراہیت تنزیہہ کے ساتھ مقید فرماتے ہیں ورنہ مطلقاً مکروہ بولنے کی صورت میں مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو شامی ص ۱۵۰' ج ۱۔ ص ۴۲۹' ج ۱۔ ص ۲۱۴' ج ۵۔ البحر ص ۱۳۱' ج ۱' العرف الشذی ص ۵۷ اور ملاحظہ ہو فقیر کا رسالہ تنقیح الافکار ص ۲۷۔

تنبیہ (۲) : وہ دلائل سمعیہ جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہوں' ان سے وجوب و کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے اور اگر ظنی الثبوت' ظنی الدلالت ہوں تو سنت و مستحب اور اگر ثانی کا عکس ہو تو فرض و حرام اور اگر اوّل کا عکس ہو تو اس کا حکم بھی اوّل جیسا ہے یعنی اس سے بھی وجوب و کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو شامی ص ۶۴' ج ۱۔ ص ۲۱۴' ج ۵ اور ملاحظہ ہو فقیر کا رسالہ تنقیح الافکار ص ۲۹۔

(حافظ)

باب اوّل☆

خبر واحد پر عمل کرنے کے بیان میں

اس باب میں دو فصلیں ہیں

فصل اوّل☆

اُمر دینی سے خبر دینے کے بیان میں

مثلاً کسی پانی کی طہارت ونجاست کی خبر دینا یا کسی چیز کی حرمت یا اباحت کی خبر دینا اور اس کے متصلات یعنی مثلاً پانی کی طہارت ونجاست میں دوخبریں متعارض واقع ہونے کے بیان میں یا کسی چیز کی حرمت واباحت کی دوخبریں متعارض ہونے کے بیان میں دینی امور مثل حلت وحرمت وطہارت ونجاست میں خبر واحد مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ یہ شخص واحد مسلمان ہو عادل ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث ہو خواہ آزاد ہو یا غلام ہو خواہ کسی پاک کو تہمت لگانے میں محدود ہوا ہو یا ایسا نہ ہوا ور شہادت کا لفظ وعدد شرط (۱) نہیں ہے یہ وجیز کردری میں ہے اور یہی محیط سرخسی و ہدایہ میں ہے۔ دینی باتوں میں کافر کا قول قبول نہیں ہوتا ہے لیکن معاملات میں کافر کا قول قبول ہوتا ہے سو معاملات میں قبول ہوتا اگر اس بات کو متضمن نہ ہو کہ دینی بات میں قبول ہو تو بضرورت دینی بات میں بھی قبول ہوگا یہ تبیین میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنے مجوسی اجیر یا خادم کو بازار بھیجا اور اس نے گوشت خریدا اور کہا کہ میں نے یہودی یا نصرانی یا مسلمان خریدا ہے تو اس شخص کو اس کے کھانے کی گنجائش ہے اور اگر اس کے سوائے کسی سے خریدنا بیان کرے تو کھانے کی گنجائش نہ ہوگی اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر سوائے اہل کتاب یا مسلمان کے کسی کے ہاتھ کا ذبیحہ ہو تو نہیں کھا سکتا ہے اس واسطے کہ جب حلت میں اس کا قول قبول ہوا تو حرمت میں بدرجۂ اولیٰ قبول ہوگا یہ ہدایہ میں ہے۔

مستور کا قول دیانات میں موافق ظاہر الروایات کے قبول نہ ہوگا اور یہی صحیح ہے یہ کافی میں ہے۔ سلطان کے منادی کی خبر مقبول ہے خواہ عادل ہو یا فاسق ہو یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر مسافر کو نماز کا وقت آ گیا مگر اس نے پانی نہ پایا سوائے ایک برتن کے کہ اس میں پانی تھا اور ایک شخص نے جو اس کے نزدیک مسلمان پسندیدہ ہے یعنی عادل نے اس کو یہ خبر دی کہ یہ نجس ہے تو مسافر مذکور اس سے وضو نہ کرے اسی طرح اگر اس مخبر نے کسی ثقہ سے یہ بات سنا بیان کیا ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اسی طرح اگر مخبر مذکور غلام یا باندی یا آزاد عورت ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ سب اس وقت ہے کہ خبر دینے والا عادل ہے اور اگر مخبر فاسق یا مستور ہو تو خبر میں نظر کرے پس اگر اس کی غالب رائے یہ ہو کہ یہ سچا ہے تو تیمم کرے اس سے وضو نہ کرے اور اگر پہلے اس پانی کو بہا دے پھر تیمم کرے تو اس میں زیادہ احتیاط ہے اور اگر اس کی رائے غالب میں یہ شخص جھوٹا ہو تو اس سے وضو کرے اور اس کے قول پر التفات نہ کرے اور یہ اس کے حق میں کافی ہوگا اور اس پر تیمم کرنا ضروری نہیں ہے اور یہ جواب حکمی ہے مگر احتیاط یوں ہے کہ اس کے حق میں افضل یہ ہے کہ وضو کے بعد تیمم کرے یہ محیط میں ہے اور اگر پانی کے نجس ہونے کی خبر دینے والا کوئی شخص ذمی ہو تو اس کا قول قبول نہ ہوگا اور اگر اس کے دل میں ایسی صورت میں یہ آیا کہ اس خبر میں یہ ذمی سچا ہے تو کتاب میں فرمایا کہ میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے کہ پہلے پانی کو بہا کر پھر تیمم کرے اور اگر اس سے وضو کر کے اس نے نماز پڑھ لی تو نماز ادا ہو جائے گی اور اگر پانی کے نجس ہونے کی خبر

(۱) یعنی تم سے مرد و [illegible] ہیں ۱۲

دینے والا کوئی نابالغ یا معتوہ ہو مگر دونوں ایسے ہیں جو کہتے ہیں اس کو سمجھتے ہیں تو اصح یہ ہے کہ ان دونوں کی خبر اس باب میں مثل خبر ذمی کے ہے کیونکہ ان دونوں کو ولایت الزامی [1] حاصل نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے گوشت خریدا پھر جب اس پر قبضہ کر لیا تو اس کو ایک مسلمان ثقہ نے یہ خبر دی کہ اس میں سور کا گوشت مخلوط ہو گیا تو مشتری کو اس میں سے کھانا روا نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے ایک مسلمان نے گوشت خرید کر قبضہ کر لیا پھر اس کو ایک مسلمان ثقہ نے خبر دی کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے تو مشتری کو اس میں سے کھانا نہیں چاہئے اور نہ دوسرے کو کھلانا چاہئے کیونکہ مخبر نے اس کو حرمۃ العین [2] و بطلان الملک کی خبر دی اور حرمۃ العین حق اللہ تعالیٰ ہے پس ایک شخص کی خبر سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ حرام ہے اور ملک باطل ہونا ایک شخص کی خبر سے ثابت نہیں ہوتا ہے اور حرمت ثابت ہونے کے واسطے بطلان [3] ملک ضروری نہیں ہے اور جب اس مقام پر حرمت باوجود اس کے کہ عین شے مشتری کی ملک میں باقی رہی ثابت ہوئی تو اپنے بائع کو واپس نہیں کر سکتا ہے اور نہ یہ اختیار ہے کہ بائع کو ثمن دینا روک لے کہ بیع باطل نہیں ہوئی اور اگر مشتری نے ہنوز گوشت خریدا نہ ہو لیکن جس کے ہاتھ میں گوشت تھا اس کو اس نے تناول کرنے کی اجازت دی پس اس کو ایک مسلمان ثقہ نے یہ خبر دی کہ یہ ذبیحہ مجوسی ہے تو اس کو کھانا حلال نہیں ہے اور اگر اس نے تناول کی اجازت دی پھر اس کے ہاتھ یہ گوشت فروخت کر دیا یا خریدنے والا کسی اور سبب سے بوجہ میراث یا ہبہ کے مالک ہوا پھر اس کو ایک مسلمان ثقہ نے یہ خبر دی کہ یہ حرام العین ہے تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر طعام و شراب کسی شخص کے قبضہ میں ہو اس نے ایک شخص کو اس میں سے تناول کرنے کی اجازت دی

ایک شخص نے طعام یا باندی خریدی یا بوجہ میراث، ہبہ، صدقہ یا وصیت کے اس کا مالک ہوا پھر ایک مسلمان ثقہ نے آکر گواہی دی کہ یہ چیز زید مخزومی کی ہے کہ جس سے بائع یا واہب یا میت نے غصب کر لی تھی تو میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے کہ اس طعام کے کھانے و پینے و باندی کی وطی سے پرہیز کرے اور اگر پرہیز نہ کیا تو اس میں گنجائش ہے اسی طرح اگر طعام و شراب کسی شخص کے قبضہ میں ہو اس نے ایک شخص کو اس میں سے تناول کرنے کی اجازت دی پس ایک ثقہ مسلمان نے اس سے کہا کہ یہ چیز اس کے پاس فلاں شخص سے مغصوبہ ہے اور جس کے قبضہ میں ہے وہ اس بات سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میری ہے حالانکہ یہ شخص متہم ہے ثقہ نہیں ہے تو میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ اس کے کھانے سے پرہیز کرے اور اگر اس کو کھا لیا یا پی لیا یا اس سے وضو کر لیا تو گنجائش ہے اور اس کے سوائے پانی نہ پایا حالانکہ وہ سفر میں ہے تو وضو کرے تیمم نہ کرے۔ یہ عینی شرح ہدایہ میں ہے اور امام محمد نے کتاب الاصل میں یہ صورت ذکر نہ فرمائی کہ جس کے ہاتھ میں کھانا یا پانی ہے کہ جس نے دوسرے کو تناول کرنے کی اجازت دی ہے اگر وہ ثقہ عادل ہو اور یہ بھی خبر دی ہو کہ میں نے اس کو کسی سے غصب نہیں کیا ہے تو کیا حکم ہے اور مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے پس شیخ فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے فرمایا کہ پرہیز نہ کرے گا کیونکہ خبریں ساقط ہو گئیں۔ بوجہ باہمی تعارض کے پس اباحت [ع] اصلی معتبر ہو گی بخلاف اس کے جب کہ قابض فاسق ہو تو ایسا نہیں ہے اور ان کے سوائے دوسرے مشائخ نے فرمایا کہ پرہیز کرے اور یہی صحیح ہے اور

حرام العین: ذات حرام ہے اور قولہ اس میں گنجائش ہے یعنی جواز ہے اگرچہ بہتر نہیں ہے ۱۲ منہ

قولہ اباحت اصلی اقول مسئلہ اصول یہ ہے کہ جو چیزیں میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں کیا ہم سب کو مباح ہیں سوائے ممنوع کے یا سب ممنوع ہیں سوائے مباح کے اور مختار قول اول ہے بقولہ تعالیٰ خلق لکم ما فی الارض جمیعا الا یہ و نحو با پس اصل میں چیزیں سب مباح ہیں سوائے بعض کے جس کو دلیل سے منع فرمایا ہے ۱۲

(۱) یعنی الزام کر دیں ۱۲ منہ (۲) یعنی یہ شے مردار ہے و حرام ہے اور مشتری کی ملک بھی باطل ہے ۱۲ منہ

(۳) حالانکہ جب یہ گوشت مردار ہوا تو مشتری کی ملک باطل ہوئی جاتی ہے۔

ملتقط اگر ایک شخص نے گوشت خریدنا چاہا اور اس سے ایک ثقہ مسلمان نے کہا کہ اس کو نہ خرید کہ یہ ذبیحہ مجوسی کا ہے اور قصاب نے کہا کہ تو خرید لے یہ مسلمان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہے اور قصاب ایک ثقہ آدمی ہے تو بنا بر قول شیخ ابو جعفرؒ کے قصاب کے قول سے کراہت جاتی رہے گی اور ان کے سوائے دوسرے مشائخ کے قول پر کراہت نہ جائے گی یہ محیط میں ہے۔ کسی مقام پر چند مسلمان کھانا کھاتے اور پانی پیتے تھے وہاں ایک مسلمان گیا ان لوگوں نے اس کو کھانے پینے کے واسطے بلایا پس اس سے ایک مسلمان ثقہ نے جس کو یہ پہچانتا تھا یوں کہا کہ یہ گوشت مجوسی کے ہاتھ کا ذبیحہ ہے اور اس پانی میں شراب مل گئی ہے اور جن لوگوں نے اس کو کھانے کے واسطے بلایا تھا انہوں نے کہا جیسا یہ کہتا ہے یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ حلال ہے تو ان لوگوں کی حالت دیکھے پس اگر یہ لوگ عدول وثقات ہوں تو اس ایک شخص کے قول پر التفات نہ کرے اور اگر یہ لوگ متہم ہوں تو شخص واحد کے قول کو اختیار کرے اور اس کو یہ روا نہ ہوگا کہ اس کھانے پانی کے قریب جائے اور فرمایا کہ اس میں کچھ فرق نہیں ہے کہ یہ مخبر جس نے حرمت کی خبر دی ہے مسلمان آزاد ہو یا مملوک ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث ہو۔ اور اگر قوم میں دو آدمی ثقہ ہوں تو ان کا قول اختیار کرے گا اور اگر ایک ثقہ ہوگا تو اس میں اپنی رائے غالب پر عمل کرے گا اور اگر کسی طرف اس کی رائے غالب نہ ہو بلکہ دونوں باتیں یکساں ہوں تو اس کے کھانے پینے میں کچھ ڈر نہیں ہے اسی طرح اس سے وضو کرنے میں بھی کچھ ڈر نہیں ہے کہ جب کسی طرف اس کی رائے غالب نہ ہوئی تو اصلی طہارت کو لے سکتا ہے اور اگر حلت کی خبر دینے والے دو ثقہ مملوک ہوں اور حرام کہنے والا ایک آزاد ثقہ ہو تو کھا لینے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر وہ شخص جس کے قول میں وہ حرام ہے دو ثقہ مملوک ہوں اور جو حلال کہتا ہے وہ ایک ثقہ آزاد ہو تو اس کو نہ کھانا چاہئے اسی طرح اگر حلت وحرمت میں سے ایک بات کی ایک ثقہ غلام نے خبر دی اور دوسری بات کی ثقہ آزاد نے خبر دی تو اپنی غالب رائے پر عمل کرے اور اگر دونوں باتوں میں سے ایک بات کی دو ثقہ غلاموں نے اور دوسری بات کی دو آزاد ثقہ نے خبر دی تو دونوں آزاد کے قول کو اختیار کرے[1] یہ مبسوط میں ہے اور اگر ایک طرف دو آزاد عادل ہوں اور دوسری جانب تین غلام ہوں تو غلاموں کا قول لیا جائے گا اور اگر ایک جانب دو آزاد عادل ہوں اور دوسری جانب چار غلام ثقہ ہوں تو چاروں غلاموں کی خبر کو ترجیح دی جائے گی اور حاصل یہ ہے کہ اگر غلام وآزاد دونوں ثقاہت میں یکساں ہوں تو امر دینی کے خبر دینے میں دونوں یکساں ہیں پس ترجیح[2] پہلے تو باعتبار عدد کے رکھی جائے گی پس اگر عدد میں برابر ہوں تو احکام میں فی الجملہ[(1)] حجت ہونے کے ساتھ ترجیح دی جائے گی اور اگر اس میں بھی یکساں ہوں تو ترجیح بوجہ تحری یعنی غالب رائے سے رکھی جائے گی اسی طرح اگر دونوں میں کسی امر کی خبر ایک مرد دو عورتوں نے دی اور دوسرے کی خبر دو مردوں نے دی تو ایک مرد دو عورتوں کا[(2)] قول لیا جائے گا کیونکہ اس میں تعداد کی زیادتی ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر ایک مسلمان نے ایک مشتری کے سامنے گواہی دی کہ یہ باندی جو اس بائع کے پاس ہے فلاں شخص کی باندی ہے اس سے بائع نے غصب کر لی ہے حالانکہ باندی مذکور بائع کی مملوکہ ہونے کا اقرار کرتی ہے اور جس شخص کے پاس ہے وہ غصب سے انکار کرتا ہے مگر وہ غیر[3] مامون[(3)] ہے تو میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ اس کو نہ خریدے اور اگر اس کو خریدا اور اس سے وطی کی تو اس کو اس کی گنجائش ہے اور اگر مشتری کو یہ خبر دی کہ یہ باندی اصلی حرہ ہے یا اسی قابض کی باندی تھی مگر اس نے آزاد کر دیا ہے اور مخبر مسلمان ثقہ ہے تو یہ صورت اور صورت اولیٰ دونوں یکساں ہیں یہ مبسوط میں ہے۔

---

[1] یعنی دو مردوں کے قول کو قطعاً نہیں لے سکتا ہے کیونکہ دو ایسے ہیں کہ حرمت وحلت کا اجتماع ہوا جاتا ہے ۱۲ منہ [2] قولہ ترجیح اقول ضرورت ترجیح کی اس وجہ سے کہ دونوں بقول نہیں لے سکتے ہیں اور یہی حال مجتہدوں کے یہاں اجتہاد میں ہے کیونکہ حلت وحرمت دونوں جمع کرنا غیر ممکن ہے اس واسطے مقلد لامحالہ کسی ایک قول کو اختیار کرے لیکن دوسروں کی نسبت درست نہیں ۱۲ [3] یہ الفاظ غیر ثقہ کے واسطے استعمال کرتے ہیں اور قولہ معاملات یعنی سوائے امور دین کے جو امور دنیا بسر کرنے کے لیے ہیں ۱۲ (۱) یعنی پس آزاد کی خبر بہ نسبت غلام کے مرجح ہوگی ۱۲ منہ (۲) بشرطیکہ ثقہ ہوں ۱۲ منہ (۳) یعنی چنداں ثقہ نہیں ہے۔

دوسری فصل☆

معاملات میں خبر واحد پر عمل کرنے کے بیان میں

معاملات میں ایک شخص کا قول مقبول ہوتا ہے خواہ عادل ہو یا فاسق ہو آزاد ہو یا غلام ہو مذکر ہو یا مؤنث ہو مسلمان ہو یا کافر ہوتا کہ جرح وضرورت دفع ہو اور منجملہ معاملات کے وکالات ومضاربات اور ہدیہ کے رسالات واذن فی التجارات ہے یہ کافی میں ہے اور جب معاملات میں خبر واحد صحیح ہوئی خواہ عادل ہو یا غیر عادل ہو تو اس میں یہ ضروری ہے کہ اس کی غالب رائے میں یہ ہو کہ یہ شخص اپنی خبر میں سچا ہے پس اگر اس کی رائے میں یہ امر غالب ہو تو اس کی خبر پر عمل کرے ورنہ عمل نہ کرے یہ سراج الوہاج میں ہے۔

اگر ایک باندی کسی شخص کی ہو اور اس کو دوسرے شخص نے لیا اور چاہا کہ اس کو فروخت کرے تو جو شخص اس کو پہلے شخص کی مملوکہ پہچانتا ہو اس کے واسطے اس باندی کا خریدنا مکروہ ہے جب تک یہ معلوم نہ کرے کہ اس نے پہلے مالک کی طرف سے کسی سبب سے باندی کی ملک حاصل کی ہے خواہ کوئی سبب ہو یا مالک نے اس کو اس باندی کے فروخت کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر اس نے خرید لی تو جائز ہوگی ورنہ مکروہ ہے۔ اور اگر اس کو معلوم ہے کہ مالک سے اس نے کسی سبب سے اپنی ملک میں لی ہے یا مالک نے اس کو باندی فروخت کرنے کی اجازت دی ہے تو اس سے خرید لینے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور یہ خرید بدون کراہت کے جائز ہوگی اور اگر اس شخص نے کہ بالفعل جس کے قبضہ میں ہے یہ کہا کہ میں نے مالک سے اس کو خریدا ہے یا اس نے مجھے ہبہ کی ہے یا مجھے صدقہ دی ہے یا مجھے اس کے فروخت کرنے کے واسطے وکیل کیا ہے تو اس شخص کو اس قابض سے خرید لینا حلال ہے بشرطیکہ بائع خبر دینے والا مسلمان عادل ہو اور واضح ہو کہ امام محمدؒ نے اس مسئلہ میں یوں شرط لگائی کہ جو شخص بالفعل قابض ہے وہ عادل مسلمان ہو حالانکہ عادل ہونا تو شرط ہے مگر اسلام شرط نہیں ہے اور حاکم شہیدؒ نے اپنی مختصر میں فقط عدالت کا ذکر کیا اور اسلام کا ذکر نہیں کیا اور جو حاکم شہیدؒ نے ذکر کیا اس سے ظاہر ہوا کہ جو امام محمدؒ نے اسلام کا لفظ ذکر کیا ہے یہ اتفاقی ہے شرط نہیں ہے اور اگر باندی کا قابض ایک مرد فاسق ہو تو فقط اس کی خبر اس کے ساتھ معاملہ مباح ہونا ثابت نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ اپنے دل سے تحری[(1)] کرے گا پس اگر اس کے دل میں یہ غالب ہوا کہ یہ سچا ہے تو اس سے خرید لینا حلال ہے اور اگر اس کے دل میں یہ آیا کہ یہ اپنے قول میں کاذب ہے تو اس سے خریدنا حلال نہیں ہے اور اگر اس باب میں اس کی رائے کسی طرف نہ ہو تو جو چیز جس حال پر تھی اس حال پر رہے گی جیسا دیانات میں حکم ہے۔

اسی طرح اگر یہ شخص مشتری یہ نہ جانتا ہو کہ یہ باندی اس قابض کے سوائے دوسرے شخص کی ہے حتیٰ کہ اس کو قابض نے یہ خبر دی کہ یہ باندی فلاں شخص کی ملک ہے اور فلاں شخص نے مجھے اس کے فروخت کے واسطے وکیل کیا ہے تو مشتری کو اس سے خرید لینا حلال نہیں ہے تاوقتیکہ اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں شخص یعنی مالک نے اس کی ملک میں دی ہے یا اس کو باندی فروخت کرنے کی اجازت دی ہے اور اگر مشتری یہ نہ جانتا ہو کہ یہ باندی کسی غیر کی ملک ہے اور نہ قابض نے اس بات کی اس کو خبر دی تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ مشتری اس سے خرید لے اگرچہ بائع کوئی فاسق ہو لیکن درصورتیکہ ایسی چیز ہو کہ ایسا شخص غالباً ایسی چیز کا مالک نہیں ہوتا مثلاً نفیس موتی ایک ایسے فقیر کے قبضہ میں ہو جس کے پاس ایک دن کا روزینہ نہیں ہے یا مثلاً کسی جاہل کے پاس ایسی کتاب ہو جس کے باپ دادا میں کوئی ایسی لیاقت کا نہیں گذرا ہے تو ایسی صورت میں مستحب ہے[!] کہ پرہیز کرے اور نہ اس سے خریدے اور نہ بطور ہدیہ ...

! قولہ مستحب اقول یہ دلیل ہے کہ جب شبہہ پر خرید چھوڑنا چاہئے تو جب غالب گمان ہو کہ یہ مال مسروقہ ہے تو خریدنا جائز نہیں ہے ۱۲

(۱) گمان غالب

صدقہ کے قبول کرے اور اگر ایسی چیز کو کوئی آزاد عورت لائی تو اس کا حکم مثل مرد کے ہے اور اگر کوئی باندی یا غلام لایا تو جب تک باندی یا غلام سے اس کا حال استفسار نہ کرے تب تک اس کو باندی یا غلام سے خرید نا نہیں چاہئے اور بطور ہبہ و صدقہ کے بھی لینا نہیں چاہئے۔ پس اگر غلام سے یہ حال دریافت کیا اور غلام نے خبر دی کہ میرے مولیٰ نے مجھے اس کے فروخت کرنے کی اجازت دی ہے یا اس کے ہبہ کرنے یا صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے پس اگر یہ غلام ثقہ ہو تو اس سے یہ چیز خرید لینے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر فاسق ہو تو اپنے دل میں تحری کرے پس اگر تحری میں اس کی رائے کسی طرف جمی تو خیر اور نہ جمی تو جو چیز جس حال پر تھی ویسی ہی رہے گی جیسا کہ آزاد کی صورت میں حکم ہے اور اگر اس کے پاس کوئی لڑکا صغیر یا لڑکی صغیرہ لائی خواہ آزاد تھی یا مملوک تھی تو بدون اس کے دریافت کرنے کے خریدنے کی گنجائش نہیں ہے پس اگر صغیر نے کہا کہ مجھے تجارت کی اجازت ہے تو یہ شخص جو خریدنے کا قصد رکھتا ہے تحری کرے اگرچہ یہ لڑکا عادل ہو پس اگر اس کی تحری میں کچھ نہ آیا تو جو جس حال پر تھی ویسی ہی باقی رہے گی جیسے تحری سے پہلے تھی اسی طرح اگر صغیر کوئی چیز لایا اور کسی کو بطور ہبہ یا صدقہ دینی چاہی تو اس شخص کو چاہئے کہ جب تک اس سے دریافت نہ کرے تب تک اس کا ہدیہ و صدقہ قبول نہ کرے پس اگر صغیر مذکور نے بیان کیا کہ مجھے صدقہ یا ہبہ کرنے کی اجازت ہے تو قابض اس میں تحری کرے اور جس طرف اس کی تحری ہو اسی پر حکم کی بنیاد رکھے اور اگر اس کے دل میں کسی طرف گمان غالب نہ ہوا تو جیسا کہ تحری سے پہلے تھا ویسا ہی رہے گا۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس شخص نے تحری کی اور تحری میں آیا کہ یہ صغیر اپنے قول میں صادق ہے تو بھی صغیر کے قول کی جبھی تصدیق کی جائے گی کہ جب اس نے یہ کہا کہ مال میرے باپ کا یا فلاں اجنبی کا یا میرے مولیٰ کا ہے اس نے مجھے اس کے ساتھ تیرے پاس تجھے صدقہ یا ہبہ دے کر بھیجا ہے۔ اور اگر صغیر نے کہا کہ یہ ہمارا مال ہے ہمارے باپ نے ہمیں اجازت دے دی ہے کہ ہم تجھے اس کو صدقہ دیں یا ہبہ دیں تو اس کو نہ چاہئے کہ اس کو قبول کرے یہ ذخیرہ میں ہے۔

باندی کا حاضر ہونا اور مولیٰ کی نسبت سے کچھ ہدیہ کی بابت آگاہ کرنا ☆

اگر کسی فقیر کے پاس کوئی باندی یا غلام اپنے مولیٰ کی طرف سے صدقہ لے کر آیا تو فقیر کو چاہئے کہ تحری کرے یہ محیط میں ہے اگر کسی شخص کے غلام یا اس کے صغیر بیٹے نے ایک شخص کو گھر میں آنے کی اجازت دی تو قیاس یہ ہے کہ تحری کرے لیکن لوگوں میں یہ عادت جاری ہو گئی ہے کہ اس سے انکار نہیں کرتے ہیں اس وجہ[1] سے جائز ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر عاقل لڑکا کسی بقال وغیرہ دکاندار کے پاس آیا تاکہ اس سے کوئی چیز خریدے اور اس کو خبر دی کہ میری ماں نے مجھے اس کے خریدنے کا حکم دیا ہے تو شیخ امام حلوائی نے فرمایا کہ اگر صابون وغیرہ کے مثل کوئی چیز طلب کی تو اس کے ہاتھ بیچنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور کشمش و باقلا و قبیطاء وغیرہ کی قسم سے جس کے کھانے کی اکثر لڑکوں کو عادت ہوتی ہے طلب کیا تو بقال کو چاہئے کہ اس کے ہاتھ نہ فروخت کرے یہ سراجیہ میں ہے۔ ایک باندی ایک شخص کے پاس آئی اور کہا کہ میرے مولیٰ نے مجھے تیرے پاس یہ ہدیہ دے کر بھیجا ہے تو اس شخص کو گنجائش ہے کہ اس سے لے لے اس واسطے کہ خبر واحد معاملات میں مقبول ہوتی ہے خواہ کیسا ہی ہو یعنی عادل ہو یا فاسق ہو لیکن عاقل ہونا ضروری ہے اور اس پر اجماع ہے یہ جامع صغیر و سراج الوہاج و عینی شرح ہدایہ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کو دیکھا کہ وہ ایک باندی کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ باندی میری ہے اور باندی اس کے قول کی تصدیق کرتی ہے کہ میں اس شخص کی ہوں پھر اس شخص نے وہی باندی کسی دوسرے شخص کے پاس دیکھی اور یہ شخص یہ کہتا تھا کہ یہ باندی فلاں شخص کی ہے اور فلاں شخص دعویٰ کرتا تھا کہ یہ میری ہے اور یہ باندی بھی اس کے قول کی تصدیق کرتی تھی کہ ہاں میں اس کی ہوں حالانکہ یہ سب اس وجہ سے تھا کہ میں نے ایک بھید پوشیدہ کی وجہ

(۱) یعنی بدون تحری ۱۲

سے فلاں شخص کو ایسا حکم کر دیا تھا اور باندی مذکور نے اس قائل کے قول کی بھی تصدیق کی اور یہ شخص مدعی مسلمان ثقہ ہے تو سامع کو روا ہے کہ باندی کو اس سے خرید لے اور اگر سامع کی غالب رائے میں آئے کہ یہ شخص جھوٹا ہے تو سامع کو اس سے خرید نا نہ چاہئے اور اس کا ہبہ(۱) وصدقہ بھی قبول کرنا نہ چاہئے اور اگر قابض حال نے ایسا نہ کیا بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ فلاں شخص نے مجھ سے براہ ظلم غصب کر لی تھی پھر میں نے اس سے چھین لی تو سامع کو نہیں چاہئے کہ اس سے خریدے اور نہ اس سے بطور ہبہ یا صدقہ کے قبول کرے خواہ یہ شخص مدعی غصب مرد ثقہ ہو یا غیر ثقہ ہو بخلاف اس کے اگر اس نے غصب کرنے کا دعویٰ نہ کیا فقط تلجیہ کا اقرار کیا ہو تو ایسا نہیں ہے کیونکہ غصب ایک امر مستنکر ہے پس اس میں اس کا قول قبول نہ ہوگا اور تلجیہ کی صورت میں اس نے امر مستنکر کی خبر نہیں دی پس اس کا قول قبول ہوگا۔ اور اگر قابض حال نے کہا کہ فلاں شخص نے میرے اوپر ظلم کیا اور میری باندی غصب کر لی پھر اس نے اس ظلم سے توبہ کی اور اقرار کیا کہ یہ باندی تیری ہے اور مجھے واپس دی پس اگر قابض حال ثقہ ہو تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ اس کا قول قبول کر کے باندی اس سے خرید لے۔ اسی طرح اگر اس نے کہا کہ فلاں شخص نے مجھ سے غصب کر لی تھی پس میں نے قاضی کے پاس نالش کی اور قاضی نے میرے نام بوجہ ایسی گواہی کے جس کو میں نے اپنے دعویٰ پر پیش کیا تھا یا غاصب مذکور کے قسم سے انکار کرنے کی وجہ سے ڈگری کر دی ہے تو سامع کو جائز ہے کہ اگر یہ شخص ثقہ ہو تو اس کا قول قبول کر لے اور اگر ان سب صورتوں میں سامع کی غالب رائے میں یہ قائل یعنی قابض حال جھوٹا ہو تو سب صورتوں میں اس سے خرید نا نہ چاہئے اور نہ اس کا قول قبول کرے اور اگر کہا کہ میرے نام قاضی نے باندی کی ڈگری کر دی اور باندی اس سے لے کر مجھے دے دی یا کہا کہ قاضی نے میرے نام باندی کی ڈگری کر دی پھر میں نے غاصب کے گھر سے باجازت یا بلا اجازت لے لی پس اگر ثقہ ہو تو سامع کو اس کا قول قبول کرنا جائز ہے اور اگر کہا کہ قاضی نے میرے نام ڈگری کی مگر غاصب مذکور نے اس حکم قضاء سے انکار کیا پس میں نے اس سے لے لی تو سامع کو اس کا قول قبول کرنا چاہئے اگرچہ ثقہ ہو چنانچہ اگر کہا کہ میں نے فلاں شخص سے یہ باندی خریدی ہے اور اس کو ثمن دے دیا تھا پھر اس نے بیع سے انکار کیا پس میں نے اس سے لے لی تو ایسی صورت میں اس کا قول قبول کرنا نہیں چاہئے۔ اور اگر ایک شخص نے کہا کہ میں نے یہ باندی فلاں شخص سے خریدی ہے اور اس کو ثمن نقد دے دیا اور اس کی اجازت سے اس پر قبضہ کر لیا ہے اور یہ قائل سننے والے کے نزدیک مامون ثقہ ہے اور سامع سے دوسرے شخص نے کہا کہ وہ فلاں شخص اس بیع سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس مشتری کے ہاتھ کچھ نہیں بیچا ہے اور دوسرا قائل بھی سامع کے نزدیک ثقہ ہے تو سامع کو اس کا قول قبول نہ کرنا چاہئے اور اس سے باندی نہ خریدنی چاہئے اور اگر دوسرا مخبر غیر ثقہ ہو لیکن سامع کی رائے غالب میں یہ دوسرا مخبر سچا ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر اس کی رائے غالب میں دوسرا مخبر جھوٹا ہو تو قابض سے خریدنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر دونوں غیر ثقہ ہوں اور سامع کی رائے غالب میں دوسرا مخبر سچا ہو تو سامع کو قابض سے خریدنا نہ چاہئے اور نہ اس کا قول قبول کرنا چاہئے یعنی یہ صورت بمنزلہ اس صورت کے ہے کہ دوسرا مخبر ثقہ ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

زید نے عمرو کو دیکھا کہ ایسی باندی فروخت کرتا ہے جس کو وہ خالد کی باندی جانتا ہے پس زید کے سامنے دو عادل گواہوں نے گواہی دی کہ باندی کے مولیٰ نے عمرو کو اس کے فروخت کرنے کے واسطے وکیل کیا ہے پس زید نے خرید کر عمرو کو اس کا ثمن دے دیا اور اس نے قبضہ کر لیا پھر باندی کا مولیٰ آیا اور اس نے وکالت وحکم دینے سے انکار کیا تو مشتری کو گنجائش ہے کہ اس کو نہ دے یہاں تک کہ وہ قاضی کے سامنے نالش کرے اور جب قاضی نے مالک کے نام باندی مذکور کی ڈگری کی تو مشتری یعنی زید کو اس کے روکنے کا اختیار نہ ہوگا لیکن اگر قاضی کے سامنے وکالت کے گواہ اعادہ کرے اور قاضی بطور شرعی اس وکالت کے ثبوت کا حکم دے دے تو زید کو

(۱) یعنی باندی کو بطور ہبہ ۱۲

اختیار ہوگا کہ اپنے ثمن[1] کے واسطے روکے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص زید نے کہا کہ مجھے عمرو نے اپنی باندی جو اس کی حویلی میں ہے فروخت کرنے اور مشتری کو دے دینے کا حکم دیا ہے تو اس میں کچھ ڈر نہیں ہے کہ مشتری مثلاً خالد اس باندی کو زید سے خرید لے اور عمرو کی حویلی میں سے اس کو لے کر خواہ زید کی اجازت سے یا بلا اجازت لے کر اس پر قبضہ کرلے جبکہ باندی کا ثمن اس کو ادا کر چکا بشرطیکہ زید ثقہ ہو یا غیر ثقہ ہو لیکن خالد کی رائے سے غالب میں وہ سچا ہو اور اگر خالد کی رائے غالب میں بائع جھوٹا ہو خواہ خرید نے سے پہلے اس کے دل میں اس کے جھوٹے ہونے کا گمان غالب ہوا ہو یا خرید نے کے بعد ایسا گمان غالب ہوا ہو مگر ہنوز قبضہ نہیں ہوا ہے تو خالد کو اس سے تعرض کرنا روا نہیں ہے جب تک کہ عمرو یعنی باندی کے مولیٰ سے اس کے حکم دینے کو دریافت نہ کرے اسی طرح اگر خالد نے باندی پر قبضہ کر کے اس سے وطی کر لی ہو پھر اس کے دل میں ایسا گمان غالب ہوا کہ بائع کاذب ہے تو خالد اس کی وطی سے الگ رہے یہاں تک کہ اس کی خبر کے راست و دروغ ہونے کو پہچانے اور یہی لوگوں کا دستور ہے تاوقتیکہ ایسے شخص کی طرف سے جو باندی کا مالک تھا یعنی عمرو کی طرف سے وکالت کا انکار ظاہر نہ ہوا اور جب ایسا انکار ظاہر ہو تو اس وقت سے باندی کی وطی کرنے سے دور رہے اس کے قریب نہ جائے اور باندی اس کو واپس کردے اور بائع سے اپنا ثمن وصول کرے اور مشتری کو چاہئے کہ باندی کے مولیٰ کو باندی کا عقر بھی دے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر زید نے کہا کہ میں عمرو کا وکیل ہوں اور میں نے عمرو کی بیٹی گواہوں کے سامنے تیرے نکاح میں دی ہے حالانکہ وہ لڑکی صغیر یا مجنونہ ہے تو جس سے خطاب کرتا ہے اس کو اس لڑکی سے وطی کرنا جائز ہے اور اگر باپ مر گیا ہو اور وہ لڑکی اپنے بھائی کی پرورش میں ہو تو جب تک اس کا بھائی ایسا اقرار نہ کرے تب تک اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔

اگر زید نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول نہ کیا تھا کہ کہیں غائب ہوگیا پھر اس کو کسی مخبر نے خبر دی کہ وہ عورت مرتد ہوگئی ہے پس اگر مخبر اس کے نزدیک ثقہ ہو خواہ وہ آزاد ہو یا مملوک ہو یا محدود القذف ہو تو زید اس کی تصدیق کر سکتا ہے اور اس عورت کے سوائے اور چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور اگر مخبر ثقہ نہ ہو مگر زید کی رائے غالب میں وہ سچا معلوم ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر اس کی رائے غالب میں وہ کاذب ہو تو تین سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتا ہے اور اگر کسی مخبر نے عورت مذکورہ کو ایسی خبر دی کہ اس کا شوہر مرتد ہوگیا تو اصل کے استحسان میں ہے کہ عورت مذکور اس شوہر کے سوائے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور فرمایا کہ مرد و عورت دونوں یکساں ہیں اور سیر میں مذکور ہے کہ جب تک اس کے پاس دو مرد یا ایک مرد و دو عورتیں گواہی نہ دیں تب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی ہے اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے ذکر فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ عورت مذکورہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اس واسطے کہ اس خبر سے مقصود یہ ہے کہ بیوی خصم میں جدائی ہوگئی اور جدائی ہو جانا دونوں کے مرتد ہونے سے یکساں ہوتا ہے خواہ عورت مرتد ہو جائے یا خاوند مرتد ہو جائے۔ اسی طرح اگر عورت صغیرہ ہو اور شوہر کو کسی نے خبر دی کہ اس نے تیری ماں یا بہن کا دودھ پی لیا تو یہ خبر صحیح ہے اور اگر شوہر کو کسی شخص نے خبر دی کہ جس دن تو نے اپنی عورت سے نکاح کیا ہے اس زمانہ میں وہ عورت مرتد تھی یعنی تو نے اس سے ایام ارتداد میں نکاح کیا ہے یا یہ خبر دی کہ وہ تیری رضاعی بہن ہے اور مخبر ثقہ آدمی ہے تو اس شخص کو یہ نہ چاہئے کہ اس کے سوائے چار عورتوں کو نکاح میں لائے جب تک کہ دو عادل گواہ اس کے سامنے ایسی گواہی نہ دیں کیونکہ اس نے ایسے عقد کے فاسد

[1] قولہ ثمن اقول جب قاضی نے وکالت کا حکم دیا تو انکار موکل باطل ہوگیا جواب یہ کہ ثبوت مذکور صرف مشتری کے حق میں ہے اور مدعی وکالت از موکل السرخسی نہیں ہے پس اس کے حق میں صرف اسی قدر ثبوت ہوا کہ موکل کا ہاتھ روکے جب تک ثمن نہ پہنچے پھر جب وکیل دعویٰ کرے تو گواہوں سے یہ موکل کے مقابل سے وکالت ثبوت ہو کہ موکل کا انکار باطل ہو

ہونے کی خبر دی جس پر ظاہراً صحت کا حکم تھا پس ایک شخص کے خبر دینے سے باطل نہ ہوگا بخلاف اوّل صورت کہ اس میں عقد ایسا نہیں ہے۔ پس اگر اس کے سامنے دو عادل گواہوں نے ایسی گواہی دی تو مرد مذکور کو روا ہے کہ اس بیوی کے سوائے چار عورتوں سے نکاح کرے اور اگر عورت کے پاس ایک شخص نے آ کر اس کو خبر دی کہ تیرا اصل نکاح فاسد واقع ہوا یا تیرا شوہر تیرا رضاعی بھائی ہے یا وقت نکاح کے مرتد تھا تو عورت مذکورہ کو یہ گنجائش نہیں ہے کہ اس کی خبر پر دوسرے شوہر سے نکاح کر لے اگرچہ مخبر ثقہ ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کسی شخص کی جورو مشتہات [1] ہو اور اس کو کسی نے خبر دی کہ تیری جورو کا تیرے باپ نے یا تیرے بیٹے نے شہوت سے بوسہ لے لیا اور اس کے دل میں آیا کہ یہ سچا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ عورت مذکورہ کی بہن سے نکاح کرے یا اس عورت کے سوائے چار عورتوں سے عقد کرے بخلاف اس کے اگر اس شخص کو نکاح سے سابق رشتہ رضاعت [2] یا مصاہرت کی خبر دی تو ایسا نہیں ہے اس واسطے کہ اس صورت میں شوہر خود اس کا منازع ہے اور باپ یا بیٹے کا چومنا عارض ہو جانے میں منازع نہیں ہے اس وجہ سے کہ شوہر کو اس کا علم نہیں ہے۔ پس جب اس کے دل میں یہی غالب گمان ہوا کہ سچا ہے تو ایسی خبر کا قبول کرنا واجب (۱) ہوا یہ وجیز کردری میں ہے۔

شوہر کی گمشدگی کی اطلاع دینے والے کی صداقت کا تعین کیسے کیا جائے گا؟

ایک عورت کا شوہر غائب ہو گیا پھر اس عورت کے پاس ایک مسلمان غیر ثقہ ایک خط لایا جو اس کے شوہر کی طرف سے اس عورت کے نام تھا جس میں اس نے اس عورت کو طلاق دی تھی اور اس عورت کو یقین نہیں ہے کہ یہ خط اسی کا ہے یا نہیں ہے مگر ہاں غالب گمان اس کا یہی ہے کہ یہ خط اسی کا ہے تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ عورت مذکورہ عدت میں بیٹھ کر عدت پوری کرنے کے بعد اپنا نکاح کرے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک عورت کا شوہر غائب (۲) ہو گیا پھر ایک مسلمان عادل نے آ کر اس عورت کو خبر دی کہ تیرے شوہر نے تجھے تین طلاق دیں یا وہ مر گیا ہے تو عورت مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ عدت پوری کر کے دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور اگر مخبر فاسق ہو تو تحری کرے پھر واضح ہو کہ اگر عادل مسلمان نے اس کو خبر دی کہ تیرا شوہر مر گیا ہے تو جبھی اس کی خبر پر اعتماد کرے کہ جب اس نے یوں خبر دی کہ میں نے اس کو مردہ معائنہ کیا یا میں اس کے جنازہ میں شریک ہوا ہوں اور اگر اس نے کہا کہ مجھے کسی نے خبر دی ہے تو اس کی خبر پر اعتماد نہ کرے اور اگر عورت کو ایک نے شوہر کے مرنے کی خبر دی اور دو آدمیوں نے اس کے زندہ ہونے کی خبر دی پس اگر موت کی خبر دینے والے نے کہا کہ میں نے اس کو مردہ دیکھا یا میں اس کے جنازہ میں شریک ہوا ہوں تو عورت مذکورہ کو بعد عدت کے دوسرے شوہر سے نکاح کر لینا حلال ہے اور جن دونوں نے اس کے زندہ ہونے کی خبر دی ہے اگر انہوں نے موت کی خبر دینے سے پیچھے کی تاریخ بیان کی ہے تو ان دونوں کا قول مقدم ہے اور اگر دو شخصوں نے اس کے مرنے یا قتل ہونے کی گواہی دی اور دو شخصوں نے اس کے زندہ ہونے کی خبر دی تو موت کی گواہی اولیٰ ہے یہ محیط میں ہے اور اگر دو عادل گواہوں نے عورت کے سامنے گواہی دی کہ تیرے شوہر نے تجھ کو تین طلاق دی ہیں حالانکہ شوہر اس کا انکار کرتا ہے پھر قاضی کے پاس گواہی ادا کرنے سے پہلے دونوں غائب ہو گئے یا مر گئے تو عورت کو گنجائش نہیں ہے کہ اس شوہر کے ساتھ رہے اگرچہ مرد اس کو قربت کے واسطے بلاتا ہو اور یہ گنجائش بھی نہیں ہے کہ نکاح کر لے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر دو گواہوں نے عورت کے سامنے طلاق کی گواہی دی پس اگر اس کا شوہر غائب ہو تو اس کو گنجائش ہے کہ عدت پوری کر کے دوسرے شوہر سے نکاح کر لے اور اگر حاضر ہو تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے لیکن اس کو یہ اختیار نہیں ہے

[1] وہ عورت کہ جس کی طرف مردوں کو خواہش ہوتی ہے ۱۲ منہ [2] قولہ رضاعت یعنی تیری بیوی بسبب دودھ پانے کے رشتہ کے مثلاً تیری بہن ہوتی ہے بسبب رشتہ و مصاہرت یعنی دامادی کے مثلاً تیری فلانہ جورو کی ماں ہے یا خالہ ہے تو اس کو قبول نہ کرے کیونکہ شوہر جانتا ہے کہ میں نے بظاہر صحیح نکاح کیا پس خود منازع ہے بخلاف مسئلہ عارض بوسہ کے فافہم ۱۲ منہ (۱) پس باطل ہو سکتا ہے ۱۲ (۲) مثلاً سفر کو گیا ۱۲ منہ

کہ شوہر کو اپنے ساتھ جماع کرنے کا قابو دے اسی طرح اگر عورت نے خود سنا ہو کہ شوہر نے اس کو تین طلاق دے دی ہیں مگر شوہر نے اس سے انکار کیا اور قسم کھا گیا پس قاضی نے عورت مذکورہ کو شوہر کے پاس واپس کر دیا تو بھی عورت مذکورہ کو اس کے ساتھ رہنے کی گنجائش نہیں ہے اور چاہئے کہ اپنا مال دے کر اپنے تئیں اس سے چھڑا دے یا اس کے پاس سے بھاگ جائے اور اگر اس پر قابو نہ پایا تو اس کو قتل[1] کرے اور اگر بھاگ گئی تو اس کو عدت پوری کر کے دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ یہ جو ذکر فرمایا کہ اگر بھاگ گئی تو اس کو پوری عدت کر کے دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کی گنجائش نہیں ہے یہ جواب قضاءً ہے اور دیانۃً فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ اس کو اختیار ہے کہ عدت پوری کر کے دوسرے شوہر سے نکاح کر لے یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک عورت نے ایک شخص سے کہا کہ مجھے میرے شوہر نے تین طلاق دی تھیں پس میری عدت گذر گئی تو اس شخص کو اختیار ہے کہ اگر یہ عورت عاملہ ہو تو اس سے نکاح کر لے اور اگر فاسقہ ہو تو تحری کرے اور جس طرف اس کا دل غالباً جھے اس پر عمل کرے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاق دی پھر بعد چندے اس سے نکاح کرنا چاہا پس عورت مذکورہ نے کہا کہ تیرے طلاق دینے کے بعد عدت گذر جانے کے بعد میں نے دوسرے شخص سے نکاح کیا اور اس نے میرے ساتھ دخول کیا پھر اس نے مجھے طلاق دے دی اور میری عدت گذر گئی ہے تو اس کے پہلے شوہر کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ نکاح کر لے بشرطیکہ یہ عورت اس کے نزدیک ثقہ ہو یا اس شخص کے دل میں یہ گمان غالب ہو کہ یہ عورت اس خبر میں سچی ہے اور واضح ہو کہ ایسی نقل میں اس بات کا بیان ہے کہ اگر عورت مذکور نے اپنے شوہر سے یوں کہا کہ میں تیرے واسطے حلال ہو گئی ہوں تو اس شخص کو یہ حلال نہ ہوگا کہ اتنے کہنے پر اس کے ساتھ نکاح کر لے جب تک کہ اس سے استفسار نہ کرے کہ مفصل کیا واقع ہوا ہے اس وجہ سے کہ حلالہ میں لوگوں میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک فقط عقد کرنے سے بدون دخول کے حلال ہو جاتی ہے تو اس کو چاہئے کہ بدون مفصل بیان کرنے کے عورت کی اتنی خبر دینے پر کہ میں تیرے واسطے حلال ہو گئی ہوں اعتماد کرے[2] اگر ایک نابالغ چھوٹی لڑکی جو اپنی ذات سے تعبیر نہیں کر سکتی ہے ایک شخص کے ہاتھ میں ہو اور وہ دعویٰ کرتا ہو کہ یہ میری ملک ہے پھر جب وہ بڑی ہوئی تو دوسرے شہر میں اُسے ایک شخص (۱) ملا پس اس باندی نے اس سے کہا کہ میں اصلی آزاد ہوں تو اس شخص کو اختیار نہیں ہے کہ اس باندی سے نکاح کرے اور اگر باندی مذکورہ نے یوں کہا کہ میں باندی تھی پھر اس نے مجھے آزاد کر دیا اور یہ باندی اس سامع کے نزدیک ثقہ ہے یا اس کے دل میں غالب گمان ہوا کہ یہ سچی ہے تو میرے نزدیک اس میں کچھ خوف نہیں ہے کہ اس باندی کے ساتھ نکاح کر لے یہ مبسوط میں ہے۔

عورت آزاد نے اگر ایک شخص سے نکاح کیا پھر دوسرے مرد سے کہا کہ میرا نکاح فاسد تھا۔ یا میرا شوہر دین اسلام کے سوائے کسی دوسری ملت پر تھا تو مخاطب کو روا نہیں ہے کہ اس کا قول قبول کرے اور اس سے نکاح کرے کیونکہ عورت مذکور نے امر مستنکر کی خبر دی ہے اور اگر یوں کہا کہ اس نے بعد نکاح کے مجھے طلاق دے دی یا اسلام سے مرتد ہو گیا تو مخاطب کو اس کی خبر پر اعتماد کرنے اور اس سے نکاح کرنے کی گنجائش ہے اس واسطے کہ اس نے ہر متحمل کی خبر دی ہے اگر عورت بطلان نکاح اوّل کی خبر دے تو اس کا قول قبول نہ ہوگا اور اگر نکاح ہونے کے بعد رضاعت واقع ہو جانے وغیرہ کسی امر عارضی سے حرام ہو جانے کی خبر دے پس اگر عورت مذکورہ ثقہ ہو یا ثقہ نہ ہو مگر مخاطب کے دل میں اس کے صادق ہونے کی رائے غالب ہو تو اس سے نکاح کر لینے میں کچھ ڈر نہیں

[1] قتل کرے اور چاہئے کہ زہر وغیرہ سے مارے چنانچہ سید ابو شجاع کے فتویٰ پر مصنف نے بیان کیا ہے اور قولہ جواب قضاء ہے یعنی قاضی بوجہ ثبوت نہ ہونے کے اس کا نکاح صحیح نہ رکھے گا۔ [2] کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ اس کا مذہب کیا ہے اور وہ کیا اعتقاد رکھتی ہے ۱۲ منہ

(۱) یعنی جس نے اس کو شہر اوّل میں قابض کے پاس جو اس کی ملک کا حالت صغر میں دعویٰ کرتا تھا اور جانتا تھا ۱۲ منہ

ہے۔ کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

دوسرا باب☆

غالب رائے پر عمل کرنے کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ باب دیانات و باب معاملات میں غالب رائے کے موافق عمل کرنا جائز ہے اسی طرح حقوق خون میں موافق رائے غالب کے عمل کرنا جائز ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر رات میں ایک شخص دوسرے کے گھر میں داخل ہوا حالانکہ وہ تلوار کھینچے ہوئے یا نیزہ تانے ہوئے ہے تاکہ حملہ کرے اور مالک حویلی کو یہ معلوم نہیں کہ یہ چور ہے یا چوروں سے بھاگا ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنی رائے سے حکم لے پس اگر غالب رائے میں یہ آیا کہ یہ چور ہے اس نے یہ قصد کیا ہے کہ میرا مال لے لے اور اگر میں اس کو منع کروں تو مجھے قتل کر دے اور اگر میں نے اس کو دھمکایا یا پڑوسیوں کو آواز دی تو جب تک کچھ کام نکلے اس سے پہلے ہی یہ مجھے قتل کر ڈالے گا تو ایسی حالت میں کچھ ڈر نہیں ہے کہ مالک حویلی تلوار نکال کر اس پر قتل کے واسطے حملہ کرے اور اگر اس کی غالب رائے میں یہ آئے کہ یہ شخص چوروں سے بھاگا ہوا آیا ہے تو مالک حویلی کو اس کے حق میں جلدی کرنے اور اس کو قتل کر ڈالنے کی گنجائش نہیں ہے اور واضح ہو کہ اس داخل ہو جانے والے کے حق میں غالب رائے حاصل ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس شخص کے لباس و ہیئت کو دیکھے پس اگر نیکوں کے مانند ہو یا اس حرکت سے پہلے اس کو پہچانتا ہو اور نیک لوگوں کے پاس بیٹھا دیکھتا ہو تو اس سے استدلال کرے گا کہ یہ شخص چوروں کے خوف سے بھاگا ہے اور اگر اس کو چوروں کے ساتھ ہم نشین پاتا ہو تو اس سے استدلال کرے گا کہ چور ہے یہ مبسوط میں ہے۔

مشائخ نے فرمایا کہ اگر مسلمانوں کے سامنے دارالحرب میں ایک گروہ آئے اور مسلمانوں پر ان کا حال مشتبہ ہو جائے کہ یہ مسلمان لوگ ہیں یا کافروں میں سے ہیں تو مسلمانوں کو اپنی رائے غالب پر عمل کرنا چاہئے یہ محیط میں ہے۔ فقیہ ابوجعفرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک مرد نے دوسرے مرد کو اپنی عورت کے ساتھ پایا پس آیا اس کو قتل کر سکتا ہے تو شیخؒ نے فرمایا کہ اگر وہ جانتا ہے کہ یہ مرد اجنبی دھمکانے یا چیخنے سے زنا سے باز رہے گا یا ہتھیار سے کم کسی ضرب سے باز رہے گا تو اس کو قتل نہ کرے اور ہتھیار کے ساتھ اس سے مقابلہ نہ کرے اور اگر جانتا ہے کہ بدوں قتل ہتھیار سے لڑائی کے باز نہ رہے گا تو اس کا قتل کرنا حلال ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر کسی نے اپنی جورو یا باندی کے ساتھ ایک شخص کو پایا کہ جو یہ بات چاہتا ہے کہ اس عورت کے اوپر[1] غالب ہو کر اس سے زنا کرے تو فرمایا کہ اس کو اختیار ہے کہ اس مرد فاجر کو قتل کر ڈالے اور اگر اس نے ایسے شخص کو اپنی جورو یا کسی عورت محرمہ کے ساتھ پایا حالانکہ یہ عورت بھی اس کی فرمانبرداری میں تھی تو اس مرد فاجر و عورت دونوں کو قتل کر ڈالے اسی طرح اگر جنگل میں کسی شخص نے اس کو روکا اور اس کا مال لینا چاہا پس اگر اس کا مال دس یا دس سے زیادہ ہو تو روکنے والے کو قتل کر سکتا ہے اور اگر دس سے کم ہو تو اس سے لڑائی کرے مگر اس کو قتل نہ کرے۔ اگر کسی شخص نے کسی آدمی کو دیکھا کہ یہ آدمی اس کی عورت یا کسی غیر کی عورت سے زنا کرتا ہے حالانکہ وہ محصن ہے پس یہ شخص چلایا مگر زنا کرنے والا نہ گیا اور نہ زنا سے باز رہا تو اس کو حلال ہو گا کہ زانی کو قتل کر ڈالے اور اس پر قصاص نہیں ہے اور اسی طرح اگر ایک چور کو دیکھا کہ اس کا مال چوراتا ہے پس چور چور چلایا مگر وہ نہ گیا یا کسی شخص کو دیکھا کہ اس کی دیوار یا غیر کی دیوار میں نقب لگاتا ہے حالانکہ یہ شخص مشہور چور ہے پس وہ چلایا مگر چور نہ گیا تو اس کا قتل کرنا حلال ہے اور قاتل مذکور پر قصاص نہ آئے گا۔ اگر کسی شخص نے چاہا کہ لڑکے یا عورت کو فاحشہ بات پر مجبور کرے تو ان دونوں پر واجب ہے کہ زبردستی کرنے والے سے قتال کریں۔ پس اگر

(۱) یعنی زبردستی ۱۲

انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا تو اس کا خون بدر ہو گا بشرطیکہ اس شخص کو بدون اس کے قتل کرنے کے منع نہ کر سکے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔
اگر کسی شخص نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس کو اس نے کبھی نہیں دیکھا ہے پھر ایک شخص اس عورت کو رات میں لایا اور اس کے پاس داخل کر گیا کہ یہ تیری جورو ہے تو اس کو گنجائش ہے کہ مخبر کا قول (۱) قبول کرے بشرطیکہ مخبر اس کے نزدیک ثقہ ہو یا اس کی رائے غالب میں مخبر سچا ہو کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

تیسرا باب ☆

اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ اس کے باپ کو قتل کرتا ہے تو اس کے واسطے جو احکام ہیں اور اس کے متصلات کے بیان میں

اگر ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ عمداً اس کے باپ کو قتل کرتا ہے مگر قاتل نے اس امر سے انکار کیا اور کہا کہ میں نے اس کو نہیں قتل کیا ہے[1] یا فرزند سے خفیہ اس امر کو کہہ دیا کہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اس وجہ سے کہ اس نے میرے باپ فلاں شخص کو عمداً قتل کیا تھا یا دین اسلام سے مرتد ہو گیا تھا حالانکہ یہ فرزند ان باتوں میں سے جو قاتل کہتا ہے کچھ نہیں جانتا ہے اور مقتول کا سوائے اس فرزند کے کوئی وارث نہیں ہے تو فرزند کو گنجائش ہے کہ قاتل کو عمداً قتل کر ڈالے اگر زید نے مثلاً کسی شخص پر گواہ قائم کئے کہ اس نے میرے باپ کو قتل کر ڈالا ہے اور قاضی نے قصاص کا حکم دے دیا تو زید کو اس کے قتل کر ڈالنے کا اختیار ہے اور اگر زید کے پاس دو عادل گواہوں نے گواہی دی کہ اس شخص نے تیرے باپ کو قتل کیا ہے تو زید کو فقط اس گواہی پر اس قاتل کے قتل کرنے کی گنجائش نہیں ہے تاوقتیکہ حکم قاضی نہ ہو اس واسطے کہ خالی گواہی حق کو واجب نہیں کرتی ہے جب تک کہ اس کے ساتھ حکم قاضی متصل نہ ہو اور جو حکم جواز ہم نے مقتول کے فرزند کے حق میں بیان کیا ہے ویسا ہی غیر فرزند کے حق میں ہے کہ اگر غیر نے قاتل کا قتل کرنا اپنی آنکھ سے دیکھا یا قاتل کی زبان سے اقرار سنا کہ میں نے اس کو قتل کیا ہے یا دیکھا یا کہ قاضی نے قاتل پر قصاص کا حکم دے دیا ہے تو اس غیر کو بھی روا ہے کہ فرزند مقتول کی قاتل کے قتل کرنے پر مدد کرے اور اگر غیر کے سامنے دو عادل گواہوں نے گواہی دی ہو کہ اس قاتل نے فلاں شخص کے باپ کو قتل کیا ہے تو اس غیر کو روا نہیں ہے کہ قاتل کے قتل کرنے پر فرزند مقتول کی مدد کرے حتیٰ کہ جب قاضی فرزند مقتول کے واسطے قصاص کا حکم دے تو مدد کر سکتا ہے اور اگر قاتل نے فرزند مقتول کے سامنے دو عادل گواہ پیش کئے کہ تیرے باپ نے میرے باپ کو عمداً قتل کیا تھا اس وجہ سے میں نے تیرے باپ کو قتل کیا ہے تو فرزند مقتول کو چاہئے کہ قاتل کے قتل کرنے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اس بات کو خوب دریافت کر لے اسی طرح غیر شخص کو بھی نہ چاہئے کہ مقتول کے فرزند کے قاتل کے قتل کرنے پر مدد کرے درصورتیکہ غیر شخص کے سامنے دو عادل گواہ ایسی گواہی دیں جیسی ہم نے بیان کی ہے یا اگر قاتل نے جس کو قتل کیا ہے اس کے مرتد ہونے کے دو گواہ عادل پیش کئے تو بھی جب تک اس بات میں خوب چھان پھٹک نہ کر لے تب تک قاتل کے قتل میں جلدی نہیں کرنی چاہئے اور اگر ایسی گواہی ایسے دو گواہوں نے ادا کی جو محدود القذف ہیں یا دو غلام ہیں یا فقط عورتیں ہیں ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے مگر سب عورتیں عادل ہیں یا دو فاسق گواہ ہیں تو ایسی صورت میں مقتول کے فرزند کو قاتل کا قتل کرنا روا ہے یا غیر کو اس کی مدد کرنا روا ہے لیکن اگر اس خبر کی چھان پھٹک کرنے کے بعد ایسا کرے تو اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر ایک ہی عادل گواہ نے جس کی گواہی جائز

---

[1] یعنی گواہ نہیں ہیں فقط فرزند نے قاتل کو قتل کرتے دیکھا ۱۲ منہ

(۱) اور اس سے وطی کرے ۱۲

ہے ایسی گواہی دی پھر قاتل نے کہا کہ میرے پاس ایسا ہی دوسرا گواہ بھی ہے تو استحساناً یہ حکم ہے کہ اس کے قتل میں جلدی نہ کرے بلکہ اتنا انتظار کر دیکھے کہ آیا دوسرا ایسا گواہ لاتا ہے یا نہیں لاتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر فرزند کے پاس دو عادل گواہوں نے یوں گواہی دی کہ اس قاتل نے تیرے باپ کو قتل کیا ہے یا قاتل نے ایسا اقرار کیا ہے تو فرزند اس کو قتل نہیں کر سکتا ہے اور نہ غیر شخص اس فرزند کی مدد کر سکتا ہے جب تک کہ اس گواہی کے ساتھ حکم قاضی موجود نہ ہو اور اگر قاضی نے قصاص کا حکم دیا پھر دو عادل گواہوں نے گواہی دی کہ مقتول نے اس قاتل کے ولی کو عمداً [1] قتل کیا ہے یا مقتول مرتد تھا تو از راہ دیانت صاحب قصاص کو نہ چاہئے کہ قاتل کے قتل میں جلدی کرے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ زید کے پاس کچھ مال ہے اور عمرو کے سامنے دو عادل گواہوں نے یوں گواہی دی کہ یہ مال تیرے باپ کا ہے اس سے زید نے غصب کر لیا ہے اور عمرو کے سوائے عمرو کے باپ کا کوئی وارث نہیں ہے تو عمرو ایسی گواہی سے زید پر مال کا دعویٰ کر سکتا ہے مگر جب تک گواہ قائم کر کے قاضی کا حکم حاصل نہ کرے تب تک زید سے یہ مال نہیں لے سکتا ہے اسی طرح جب تک اس طرح حکم قاضی اس گواہی کے ساتھ نہ پایا جائے تب تک غیر شخص کو بھی نہیں جائز ہے کہ فقط ایسے گواہوں پر عمرو کی اس مال لینے پر مدد کرے اور اگر عمرو نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہو کہ زید نے یہ مال میرے باپ سے لے لیا ہے تو ایسی صورت میں عمرو کو اس سے لے لینے کا اختیار ہے اسی طرح اگر زید نے اس کے سامنے اقرار کیا ہو کہ میں نے تیرے باپ سے غصب کر لیا ہے تو بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر غیر نے اپنی آنکھ سے غاصب کر لینا کا مشاہدہ کیا ہو تو اس کو بھی وارث کی مدد کرنے کا اختیار ہے حاصل آنکہ گواہی میں حکم قاضی کی ضرورت ہے معائنہ میں نہیں اور اگر وہ ایسی جگہ ہو کہ جہاں ایسا کوئی حکم نہیں پاتا ہے جو غاصب سے اس کو مال دلا دے اور غاصب دینے سے انکار کرتا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اس سے اپنا مال لے [2] لے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر تیسرے فریق نے مالِ غصب کی بابت گواہی دی ☆

اگر زید کے پاس دو گواہوں نے گواہی دی کہ عمرو نے تیرے باپ سے یہ مال غصب کرنے کا اقرار کیا ہے تو زید کو اس سے مال لے لینے کا اختیار نہیں ہے جب تک کہ قاضی کے سامنے اس کو ثابت نہ کرا دے اور اگر کسی شخص نے غاصب سے مال غصب کرنے کا اقرار سنا پھر سننے والے کو دو عادل گواہوں نے خبر دی کہ جس مال کا اس نے اقرار کیا تھا وہ اس کے حق میں ہبہ ہو گیا ہے تو سننے والے کو اختیار ہے چاہے اقرار کرنے والے پر مال کی بابت اقرار کی گواہی دے یا نہ دے اور اگر نکاح یا رقیت کا گواہ ہو پھر اس کو دو عادل شخصوں نے طلاق یا عتاق واقع ہونے کی خبر دی تو گواہ مذکور نکاح و رقیت کے گواہی نہ دے اور قصاص [3] سے عفو کرنے کا بھی یہی حکم ہے اور حسن ابن زیاد سے روایت ہے کہ وارث نے اگر اپنے مورث پر کسی شخص کا قرضہ معلوم کیا ہے پھر اس کو دو عادل آدمیوں نے خبر دی کہ اس نے ادا کر دیا ہے تو وارث مذکور روا نہیں ہے کہ قاضی کے سامنے اس طرح قسم کھا جائے کہ مجھے معلوم ہے کہ میرے مورث نے اس کا قرضہ ادا کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر میت نے اس کو خبر دی کہ میں نے ادا کر دیا ہے یا میت نے کسی عادل مرد یا عورت کے ساتھ ایسی خبر دی ہو تو بھی افضل یہ ہے کہ اپنے علم پر قسم نہ کھائے کذا فی الغیاثیہ۔

---

[1] قولہ عمداً: قول یقین اگر قاضی کے سامنے ثبوت نہ ہو تو وہ قصاص میں مارا جائے گا پس اصل یہ کہ وہ عند اللہ قاتل عمدی نہ ہوگا ۱۲

[2] قال المترجم مال لے لینا جبھی ہے کہ جب اس مال میں ایسا تغیر نہ آیا ہو کہ جس سے حق مالک منقطع ہو جاتا ہے ورنہ تاوان لے سکتا ہے اصل مال نہیں لے سکتا ہے ۱۲ منہ

[3] یعنی دو عادلوں نے خبر دی کہ اس قاتل کو کسی ولی جائز نے قصاص عفو کیا ہے تو گواہی نہ دے ۱۲ منہ

چوتھا باب☆

صلوٰۃ اور تسبیح اور قراۃ القرآن، ذکر، دعاء اور قرآن پڑھنے کے وقت آواز بلند کرنے کے بیان میں

اگر کسی نے کمر باندھے ہوئے نماز پڑھی تو مکروہ نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر مسلمان سے ایک کپڑا یا فرش خریدا تو اس پر نماز پڑھے اگرچہ بائع شراب خوار ہو اس واسطے کہ ظاہر حال مسلمان یہ ہے کہ وہ نجاست سے اجتناب کرتا ہے اور اگر مجوسی کے تہبند سے نماز پڑھی تو جائز ہے مگر مکروہ ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگرچہ بچہ کے سامنے نماز پڑھی تو کچھ ڈر نہیں ہے بشرطیکہ اس کے قریب نہ ہو اور عین الائمہ کرابیسی نے فرمایا کہ جس بیت میں بالوعہ ہو اس میں نماز مکروہ نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔ مشائخ نے تصویر کے سر میں بلا حبشہ کے اختلاف[1] کیا ہے کہ اس کا اتخاذ اور اس کے پاس نماز پڑھنا کیسا ہے اور کپڑے اور بیت میں تصویر کا رکھنا سوائے وقت نماز کے دو طور کا ہوتا ہے۔ ایک وہ کہ جس کا مرجع اس تصویر کی تعظیم ہو یعنی بغرض تعظیم رکھے تو وہ مکروہ ہے اور دوم وہ کہ اس کا مرجع اس تصویر کی تحقیر ہو تو وہ مکروہ نہیں ہے اور اسی سے ہم نے کہا کہ اگر تصویر دار فرش بچھا ہوا ہو تو مکروہ نہیں ہے اور اگر لٹکا ہوا ہو تو مکروہ ہے یہ محیط میں ہے۔ کلام میں سے بعض کلام تو موجب ثواب ہوتا ہے جیسے تسبیح و تحمید و قرات قرآن و احادیث نبوی و علم فقہ مگر کبھی ایسے کلام سے بھی گنہگار ہوتا ہے جب کہ اس کو جان بوجھ کر مجلس فسق میں بولا کیونکہ اس میں استہزاء و مخالف ہے لیکن اگر اس نے مجلس فسق میں اس غرض سے سبحان اللہ کہا کہ لوگ عبرت پکڑیں یا اس مجلس کو برا جان کر کہا یا اس غرض سے کہ جس بد حالت فسق میں وہ لوگ ہیں اس سے منہ موڑ کر اس طرف مشغول ہوں تو یہ بہتر ہے اسی طرح اگر بازار میں کسی نے بدیں نیت تسبیح پڑھی کہ لوگ غافل دنیا کے کاموں میں مشغول ہیں اور وہ تسبیح میں مشغول ہے تو یہی افضل ہے اور یہ امر اس کے بازار کے سوائے تنہا پڑھنے سے بہتر ہے یہ اختیار شرح مختار میں ہے۔

ایک شخص ایک تاجر کے پاس کپڑا لینے گیا پس جب تاجر نے کپڑا کھول کر دکھانا چاہا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی یا آنحضرت ﷺ پر درود بھیجا مگر نیت یہ ہے کہ مشتری کو آگاہ[2] کرے کہ کپڑا کتنا عمدہ ہے تو یہ مکروہ[3] ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے شراب پی پس کہا الحمدللہ تو اس کو ایسی جگہ پر الحمدللہ (۱) نہ کہنا چاہئے اور اگر کسی شخص نے غصب کی ہوئی چیز کھائی پس کہا کہ الحمدللہ تو شیخ امام اسماعیل زاہدؒ نے فرمایا کہ اس میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک چوکیدار لا الہ الا اللہ کہتا ہے یا آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو گنہگار ہوگا اس واسطے کہ وہ اس کے دام لیتا ہے بخلاف عالم کے کہ اگر اس نے مجلس میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجو یا قاری نے کہا کہ تکبیر کہو تو ان کو ثواب ہوگا۔ اور اگر فقاعی نے اپنی فقاع کھولنے کے وقت بقصد اس کی ترویج (۲) و تحسین کے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا یا تسبیح پڑھی یا قصہ[4] گو نے ان دونوں کلاموں کو بہ نظر گرمی ہنگامہ پڑھا تو گنہگار ہوگا اور اسی سے منع کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی بڑا آدمی مجلس میں آیا اس کی آمد آمد کے واسطے تسبیح پڑھی گئی یا آنحضرت ﷺ پر درود بھیجا گیا کہ لوگ اس کی آمد سے خوش ہو کر جگہ چھوڑیں یا تعظیماً کھڑے ہو جائیں تو گنہگار ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک قاضی[5] کے پاس ایک جماعت

[1] یعنی تصویر کا فقط سر بدوں دھڑ کے بنانا اور گھر میں رکھنا روا ہے یا نہیں ۱۲
[2] چنانچہ عادت ہے کہ سبحان اللہ کیا عمدہ ہے ۱۲ منہ
[3] بعض چیزوں میں سبحان اللہ بنظر تعجب و قدرت باری تعالیٰ ہوتی ہے اور وہ نیت پر ہے ۱۲ منہ
[4] خواہ واعظ قصہ گو ہے ۱۲ منہ
[5] شاید یہ لفظ قاضی بصاد مہملہ ہو بمعنی واعظ قصہ گو واللہ اعلم ۱۲ منہ
(۱) بعضوں نے کہا کہ کافر ہوگا ۱۲
(۲) رائج کرنا تحسین خوبی ظاہر کرنا ۱۲

عظیم بلند آواز سے تسبیح و تہلیل کرتی ہے تو کچھ ڈر نہیں ہے مگر چپکے سے پڑھنا افضل ہے اور اگر لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر و تسبیح و تہلیل کے واسطے جمع ہوں تو چپکے سے پڑھیں اور کشتی میں خوف پیدا ہونے کے وقت اور تلواروں سے (۱) ملاعبت کرنے کے وقت بھی چپکے سے پڑھنا افضل ہے اور آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کا یہی حکم ہے یہ قنیہ میں ہے یہ مستحب ہے کہ یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یوں بلا تعظیم نہ کہے کہ اللہ نے فرمایا یعنی اس کے ساتھ کوئی وصف اللہ تعالیٰ کا جو صالح تعظیم ہے پیچھے لگائے (۲) یہ وجیز کردری میں ہے۔ کسی شخص نے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام سنا تو اس پر واجب ہے کہ اس کی تعظیم کرے اور کہے کہ سبحان اللہ یا اس کے مثل کوئی لفظ کہے اور اگر اس نے رسول اللہ ﷺ کا نام سنا تو اس پر واجب ہے کہ درود بھیجے اور ایک ہی مجلس میں چند بار سنا تو اس میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ اس پر فقط ایک ہی مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے کذا فی فتاوی قاضی خان' اسی پر فتویٰ ہے کذا فی القنیہ۔

ایک ہی مجلس میں مکرر سہ کرر دُرُود سنے تو تکرار واجب ہے☆

امام طحاویؒ نے فرمایا کہ اس پر ہر بار سننے کے وقت درود بھیجنا واجب ہے اور امام طحاوی کا قول مختار ہے کذا فی الولوالجیہ اور اگر اللہ تعالیٰ کا نام چند بار سنا تو ہر بار اس پر تعظیم کرنی واجب ہے اور ہر بار کہے کہ سبحان اللہ و تبارک اللہ یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔ اور اگر سننے والے نے آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سننے کے وقت درود نہ بھیجا تو درود بھیجنا اس کی گردن پر قرضہ رہا بخلاف ذکر اللہ تعالیٰ کے کہ ہر دم اس کے واسطے محل اداء ہے پس محل قضاء نہ ہوگا اور آنحضرت ﷺ پر بجائے صلوٰۃ کے اگر سلام پہنچا تو کافی ہے یہ غرائب میں ہے اگر سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی غیر پر تنہا درود بھیجا مثلاً یوں کہا کہ اللھم صل علی فلاں تو مکروہ ہے اور اگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسرے کو جمع کر کے یوں کہا کہ اللھم صل علی محمد وعلی آلہ واصحابہ تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور صحابہ کا نام ذکر کرنے کے وقت رضی اللہ عنہ کہنا (۳) واجب [1] نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے اور اگر قرآن شریف پڑھتے وقت اس نے آنحضرت ﷺ کا نام سنا تو اس پر درود پڑھنا واجب نہیں ہے لیکن اگر قرآن شریف کی قرأت سے فارغ ہونے کے بعد اس نے درود بھیجا تو بہت بہتر ہے یہ ینابیع میں ہے اور اگر قرآن شریف پڑھنے میں رسول اللہ ﷺ کا نام آیا یعنی قرآن میں آیا تو ایسے وقت میں قرآن مجید کا اس کی تالیف و نظم پر پڑھنا بہ نسبت اس کے کہ بیچ میں درود پڑھنے لگے افضل ہے پھر بعد فراغت کے اگر اس نے درود پڑھا تو افضل ہے اور اگر نہ پڑھا تو اس پر گناہ نہ ہوگا یہ ملتقط میں ہے۔ شیخ بقائیؒ سے دریافت کیا گیا کہ قرآن پڑھنا افضل ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا تو فرمایا کہ طلوع آفتاب کے وقت اور ان اوقات میں جن میں نماز سے ممانعت ہے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا و دعاء و تسبیح بہ نسبت قرآن مجید پڑھنے کے اولیٰ ہے اور سلف رحمہم اللہ ان اوقات میں تسبیح کرتے تھے قرآن مجید نہیں پڑھتے تھے یہ غرائب میں ہے۔

قال المترجم [2]☆

اللہ تعالیٰ البقائی قد اتی بجواب حسن لا یرجی کلام افضل ابلغ من ہذا من ذی فطن واللہ تعالیٰ اعلم اور بعض سورتوں اور آیتوں کو مثل آیۃ الکرسی وغیرہ کے تفصیل دی جا سکتی ہے اور فضیلت کے یہ معنی ہیں کہ اس کی قرأت کا ثواب کثیر ہے اور بعض نے یہ معنی فرمائے کہ ان سے قلب زیادہ بیدار ہوتا ہے اور یہی معنی اقرب الی الصواب ہے اور بدیں معنی یہ کہا جاتا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں

[1] یعنی افضل مستحب ہے مگر واجب نہیں ہے ۱۲ [2] قال الخ یعنی شیخ بقائی پر اللہ تعالیٰ رحم کرے کہ اس سے بہتر جواب کی امید نہیں جو شیخؒ نے دیا ہے ۱۲

(۱) یعنی گانا سیکھنے کے وقت یا مشق کرنے کے وقت ۱۲ منہ (۲) مثلاً اللہ جل جلالہ یا عز و جل نے یوں فرمایا ۱۲ منہ

(۳) خواہ یہ لفظ یا اس کے معنی میں دوسرا لفظ کہے ۱۲ منہ

سے قرآن مجید افضل ہے اور افضل یہ ہے کہ بعض قرآن کو بعض پر بالکل تفصیل نہ دی جائے اور یہی مختار ہے۔ یہ جواہر اخلاطی میں ہے جس نے قرآن پڑھنے کا قصد کیا اس کو چاہئے کہ اپنے احوال میں سے اچھے حال کے ساتھ بیٹھے یعنی اپنے شایستہ کپڑے پہن کر عمامہ باندھ کر قبلہ رخ ہو بیٹھے اس واسطے کہ قرآن مجید کی تعظیم اور رفقہ کی واجب ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا چاہا پس اگر کوئی کام شروع کرنا چاہتا ہے تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم نہ پڑھے اور قراۃ قرآن چاہتا ہے تو تعوذ پڑھے یہ سراجیہ میں ہے اور محمد بن مقاتل سے مروی ہے کہ اگر کسی نے قرآن مجید کی سورت یا آیت پڑھنی چاہی تو اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور اس سے پیچھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے اور اگر کسی نے سورۂ انفال کی قرأت شروع کرنے کے وقت تعوذ وتسمیہ پڑھ لیا اور برابر سورۂ انفال سے سورہ توبہ تک پڑھتا چلا گیا اور سورۂ توبہ پڑھی تو پہلا تعوذ وتسمیہ اس کے حق میں کافی ہوگا اور اس کو نہ چاہئے کہ جن بزرگوں نے باہم اتفاق کر کے مصاحف جو لوگوں کے پاس ہیں لکھے ہیں ان کی مخالفت کرے اور اگر اس نے سورۂ انفال پڑھ کر قرأت چھوڑی پھر سورۂ توبہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس کے واسطے وہی چاہئے جو ابتدا میں سورۂ انفال شروع کرنے میں چاہئے تھا یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اور یہی حکم باقی سب سورتوں میں ہے یہ محیط میں ہے۔ شیخ ابو جعفر سے دریافت کیا گیا کہ تعوذ کیونکر پڑھے تو فرمایا کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ یوں کہے کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم تا کہ قرآن مجید کی موافقت ہو اور اگر یوں کہا اعوذ باللہ العظیم یا اعوذ باللہ السمیع العلیم تو جائز ہے اور یہ چاہئے کہ تعوذ قرأت سے موصول ہو یہ حاوی میں ہے اور سوار یا پیادہ چلنے کی حالت میں قرآن مجید پڑھنے میں کچھ ڈر نہیں ہے بشرطیکہ یہ جگہ نجاست کے واسطے مقرر نہ ہو اور اگر ہوگی تو مکروہ ہے یہ قنیہ میں ہے حمام میں قرآن مجید پڑھنا دو طرح پر ہے اگر اس نے آواز سے پڑھا تو مکروہ ہے اور اگر آواز سے نہ پڑھا تو مکروہ نہیں ہے اور یہی مختار ہے اور تسبیح وتہلیل کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اگرچہ با آواز ہو یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔

اگر حمام سے باہر ایسی جگہ جہاں لوگوں کا دھوں نہیں ہوتا ہے قرآن مجید پڑھا جیسے حمامی کے بیٹھنے کی جگہ میں یا ثیابی یعنی کپڑوں کے نگاہبان کی جگہ میں بیٹھ کر پڑھا تو ہمارے علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ مکروہ نہیں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مکروہ ہے اور امام ابو یوسفؒ سے اس میں کوئی صریح روایت نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ اور حمام میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ وہ موضع نجاست ہے اور بیت الخلاء میں بھی نہ پڑھے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور پیخانہ وغسلخانہ وحمام میں قرآن مجید نہ پڑھے لیکن اگر ایک ایک حرف توڑ توڑ کر پڑھے تو پڑھ سکتا ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ بھی مکروہ ہے مگر اوّل اصح ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے اور طواف کعبہ کی حالت میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے یہ ملتقط میں ہے اور جو لوگ کاموں میں مشغول ہوں ان کے پاس جہر سے قرآن نہ پڑھے اور قرآن کی تعظیم وحرمت میں سے یہ ہے کہ بازار میں اور جہاں لغو ہوتا ہو وہاں قرآن مجید نہ پڑھے یہ قنیہ میں ہے اور اگر مجلسوں میں دنیا کی طمع سے پڑھا تو پڑھنا مکروہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے واسطے پڑھا تو نہیں مکروہ ہے اور اصحاب رسول اللہ ﷺ ایسا کرتے تھے کہ جب کہیں جمع ہوتے تھے تو اپنوں میں سے کسی سے کہتے تھے کہ قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھے یہ غرائب میں ہے۔ چند لوگ مصاحف سے دیکھ دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے یا ایک ہی شخص ایسا کرتا تھا کہ اتنے میں بزرگ واشراف آدمیوں میں سے کوئی آیا پس قاری اس کے واسطے کھڑا ہو گیا تو مشائخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر عالم آیا یا قاری کا باپ یا اس کا استاد جس نے اس کو علم پڑھایا ہے تو آیا تو اس کے واسطے قاری کا کھڑا ہو جانا جائز ہے اور ان کے سوائے اگر کوئی ہو تو اس کے واسطے نہیں جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر اس نے اپنا بازو زمین پر رکھ کر قرآن پڑھا تو کچھ ڈر نہیں ہے لیکن چاہئے کہ ایسی حالت میں اپنے دونوں پاؤں اپنی طرف کھینچ کر ملا لے یہ محیط میں ہے اور اگر کروٹ سے لیٹے لیٹے قرأت کی تو کچھ ڈر نہیں ہے بشرطیکہ

سر کو اس کپڑے سے جو اوڑھے ہوئے ہے نکال لے ورنہ نہیں یہ قنیہ میں ہے اور اسباع سے قرآن پڑھنا جائز ہے مگر مصحف سے دیکھ کر پڑھنا مستحب ہے اس واسطے کہ اسباع [1] محدثات میں سے ہیں یہ محیط میں ہے۔ نماز سے باہر قرآن پڑھنا جہر سے افضل ہے اور فریضہ نمازوں کے بعد مہمات کے واسطے فاتحہ یعنی سورۂ الحمد آواز سے یا چپکے سے پڑھنا جماعت کے ساتھ مکروہ ہے۔ مگر قاضی بدیع الدین نے یہ اختیار کیا ہے کہ مکروہ نہیں ہے اور قاضی جلال الدین نے یہ اختیار کیا ہے کہ اگر فریضہ کے بعد نماز سنت ہو تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اور قل یاایھا الکافرون پوری سورت جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ بدعت ہے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ چند لوگ جمع ہو کر آواز سے دعا کے واسطے سورۂ الحمد پڑھتے ہیں تو عادۃً منع نہ کئے جائیں گے لیکن یہ اولیٰ ہے کہ چپکے سے پڑھی جائے۔ خجندی میں ہے کہ ایک امام کی عادت ہے کہ ہر روز صبح کو جماعت کے ساتھ آیۃ الکرسی اور آخر [2] سورہ بقرہ شہد اللہ (۱) و اس کے مثل آیات جہر سے پڑھتا ہے تو اس میں کچھ ڈر نہیں ہے۔ مگر چپکے سے پڑھنا افضل ہے یہ قنیہ میں ہے۔ عیون میں ہے کہ اگر کسی جب نے بطور دعا کے سورۂ فاتحہ پڑھی تو کچھ ڈر نہیں ہے اور غایۃ البیان میں ذکر کیا کہ یہی مختار ہے لیکن شیخ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ میں اس پر فتویٰ نہیں دیتا ہوں اگرچہ امام اعظمؒ سے مروی ہے اور مثل سورۂ [3] فاتحہ میں یہی قول ظاہر ہے یہ بحر الرائق کی کتاب الطہارۃ میں ہے۔ مصحف سے دیکھ کر قرآن مجید پڑھنا بہ نسبت (۲) حفظ پڑھنے کے اولیٰ ہے۔ اگر کسی نے قرآن حفظ کیا پھر بھول گیا تو گنہگار ہوگا اور بھول جانے کی تفسیر یہ ہے کہ مصحف سے دیکھ کر نہ پڑھ سکے اور اگر اس کے پاس پارہ کلام مجید ودیعت رکھا گیا ہو تو اس میں سے تلاوت کرنا نہ چاہئے اور غصب کئے ہوئے پارہ سے بالاجماع تلاوت جائز نہیں ہے اور مستعار پارہ سے اگر بائع نے اپنی ملک مستعار دیا ہو تو اس سے تلاوت کرنا جائز ہے اور اگر نابالغ کا ہو تو ایسا نہ چاہئے یہ غرائب میں ہے ایک شخص ایک روز میں پورا کلام اللہ پڑھتا ہے اور دوسرا شخص ایک اور میں پانچ ہزار دفعہ سورۂ [4] قل ھو اللہ احد پڑھتا ہے پس اگر کلام اللہ تعالیٰ پڑھ سکتا ہے تو کلام اللہ تعالیٰ کی تلاوت کرنا افضل ہے یہ محیط میں ہے۔

اچھی تلاوت یہ ہے کہ قرآن کے معنی میں تدبیر کرے یعنی خوب سوچ و سمجھے حتیٰ کہ (۳) بعضوں نے فرمایا کہ ایک روز میں قرآن ختم کرنا مکروہ ہے اور قرآن کی تعظیم کے واسطے تین روز سے کم میں ختم نہ کرے اور قرأت وہ (۴) پڑھے جس پر اجماع ہے کذا فی القنیہ اور حافظ قرآن کے واسطے مندوب ہے کہ ہر چالیس روز میں ختم کرے ہر روز ایک حزب و تہائی حزب پڑھا کرے یا اس سے کم پڑھے۔ یہ تبیین مسائل شتیمیں ہے۔ جس نے سال میں ایک مرتبہ بھی قرآن ختم کر لیا وہ چھوڑ دینے والا نہ ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ اور مستحب ہے کہ گرمیوں میں چڑھتے دن میں ختم کرے اور جاڑوں میں شروع رات میں ختم کرے یہ سراجیہ میں ہے۔ اور ختم کے بعد تین بار قل ھو اللہ احد پڑھنے کو بعض مشائخ نے مستحسن نہیں جانا ہے اور اکثر مشائخ نے اس کو مستحسن جانا ہے تاکہ اگر بعض کی قرأت میں کمی ہوئی ہو تو پوری ہو جائے لیکن اگر فریضہ نماز میں قرآن ختم کیا تو ایک بار سے زیادہ نہ پڑھے یہ غرائب میں ہے اور ختم قرآن کے وقت لوگوں کے جہر سے قل ھو اللہ احد مجتمع ہو کر پڑھنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر ایک شخص پڑھے اور باقی لوگ سنیں تو یہ اولیٰ ہے یہ قنیہ میں ہے اور قرآن کے ختم کے وقت یہ مستحب ہے کہ اپنے اہل اولاد کو جمع کرے اور ان کے واسطے دعا کرے یہ ینابیع میں ہے۔ اور یہ مکروہ ہے کہ لوگ ایک بارگی آواز سے قرآن کی تلاوت کریں کیونکہ قرأت قرآن کا سننا اور اس دم خاموش رہنا کہ جن کا حکم کیا

---

[1] جیسے پنج سورہ وغیرہ ۱۲ منہ [2] یعنی آمن الرسول یا انزل الیہ آ ایۃ تمام ختم تک ۱۲ منہ [3] سورۂ فاتحہ یعنی قرآن مجید میں سے جو دعا وثنا ہو ۱۲
[4] یعنی پانچ ہزار بار قل ھو اللہ پڑھنے سے ایک کلام اللہ پڑھنا افضل ہے بشرطیکہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہو ۱۲ (۱) شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ الی آخرہ ۱۲ منہ (۲) یعنی اسی وجہ سے (۳) یعنی تلاوت میں ۱۲ (۴) یعنی قرأت شاذ نہ پڑھے ۱۲

گیا ہے دونوں کا ترک کرنا لازم آتا ہے یہ قنیہ میں ہے اور ترجیع سے قرآن پڑھنا بعض نے کہا کہ مکروہ نہیں ہے اور اکثر مشائخ نے کہا کہ مکروہ ہے حلال نہیں ہے اس واسطے کہ اس میں فاسقوں کی فسق کے فعل سے مشابہت ہے اور کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ ترجیع جس میں ایسا اختلاف ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد لحن ہے یعنی گانا کیونکہ لحن بلا خلاف حرام ہے پس اگر کسی شخص نے لحن کے ساتھ قرأت کی اور دوسرے نے اس کو سنا پس اگر جانتا ہے کہ تلقین صواب سے اس کو وحشت نہ ہوگی تو اس کو راہ صواب تلقین کرے اور اگر جانتا ہے کہ وحشت ہوگی تو اس کو تلقین نہ کرنے کی گنجائش ہے اس واسطے کہ جس امر معروف کے ضمن میں فعل منکر پیدا ہوتا ہو اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے یہ وجیز کردری میں ہے اور اگر نماز سے باہر کسی نے الحان کے ساتھ قرآن پڑھا پس اگر کلمہ کو متغیر کیا اور بجائے وقف کے وصل وصل کے وقف کیا تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں ہے یہ غرائب میں ہے اور جولاہہ وموزہ دوز وغیرہ اہل حرفہ کو حالت کام میں قرآن کی تلاوت جائز ہے بشرطیکہ اس کا کام اس کے قلب کو قرآن سے اپنی طرف مشغول نہ کرے ورنہ نہیں اور اگر کتب میں ایک قاری ہو کہ پڑھ رہا ہو۔ تو جو لوگ راہ سے گذرتے ہیں ان پر سننا واجب ہوگا اور اگر زیادہ ہوں اور ساعت میں خلل پڑتا ہو تو گذرنے والوں پر سننا واجب نہ ہوگا۔ ایک لڑکا گھر میں پڑھ رہا ہے اور اس کے اہل کام کاج میں مشغول ہیں تو سننا ترک کرنے میں معذور ہوں گے بشرطیکہ انہوں نے اس کی قرأت سے پہلے کام شروع کر دیا ہو ورنہ نہیں اور فقہ کی قرأت کا قرأت قرآن مجید کے وقت بھی یہی حکم ہے۔ ایک مدرس مسجد میں درس دیتا ہے اور ایک قاری مسجد میں قرآن پڑھتا ہے کہ اگر مدرس پڑھانے سے رُکے تو اس کی تلاوت کو سن سکتا ہے تو مدرس مذکور ترک سماع میں معذور ہوگا اور قرآن کے وقت صعق مکروہ ہے کہ یہ ریا ہے جو شیطانی فعل ہے اور صحابہؓ و تابعین و سلف صالحین نے قرأت قرآن کے وقت[1] صعق و زعق وصیاح سے ممانعت کرنے میں تشدد کیا ہے یہ قنیہ میں ہے اور محدث نے اگر قرآن مجید کے اوراق قلم یا چھری سے لوٹ کر تلاوت کی تو کچھ ڈر نہیں ہے۔ یہ غرائب میں ہے۔

فقیہ کے لئے کتب کا ''محض'' مشاہدہ قیام اللیل سے زیادہ فضیلت کا باعث ہے ☆

اسماعیل متکلم نے کہا کہ نابالغ لڑکے سے یہ کہنا کہ یہ مصحف میرے پاس اٹھالا جائز ہے یہ قنیہ میں ہے۔ فتاویٰ میں ہے کہ شیخ ابوبکر سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص فقیہ ہے اس کو قرآن کی تلاوت کرنا افضل ہے یا فقہ پڑھانا تو فرمایا کہ ابو مطیعؒ سے منقول ہے کہ ابو مطیع نے کہا کہ ہمارے اصحابؒ کی کتابوں کو بغیر سماع کے فقط دیکھنا رات کے قیام سے افضل ہے یہ خلاصہ میں ہے۔[2] اقول فی الثبوت الروایۃ تامل لبعدہ عن ابی مطیع ان یقول مثل ہذا وکانہ شبہ لاشیء فاستقم ایک شخص فقہ کی تکرار کرتا ہے اور دوسرا قرآن کی قرأت کرتا ہے تو سننا واجب نہیں ہے۔ وبریؒ نے فرمایا کہ ایک مسجد میں وعظ ہوتا ہے اور قرأۃ قرآن ہے تو وعظ سننا اولیٰ ہے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص فقط لکھتا ہے اس کے پہلو میں دوسرا شخص قرآن پڑھنے لگا کہ لکھنے والا اس کو نہیں سن سکتا تو گناہ اس قاری پر ہوگا اور کاتب پر کچھ نہ ہوگا۔ علیٰ ہذا اگر رات کو چھت پر آواز سے پڑھا تو گنہگار ہوگا یہ غرائب میں ہے۔ ایک شخص اپنا قرآن وغیرہ کا ورد تمام کرنے کے وقت یوں کہتا ہے واللہ اعلم۔ یا۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ آگاہ کرنے کے واسطے کہ ورد ختم ہو گیا ہے تو مکروہ ہے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص قرآن پڑھنا چاہتا ہے مگر خوف کرتا ہے کہ میرے دل میں ریا نہ آجائے تو اس خوف کی وجہ سے قرأت کو ترک نہیں کر سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔ اس طرح دعا میں کہنا اللھم انی سالك بمعقد العزمن عرشك مکروہ ہے اور یوں دعا کرنے میں دو عبارتیں ہیں ایک معقد العز دوسرے مقعد العز پس پہلا لفظ عقد سے ماخوذ ہے اور دوسرا قعود سے پس دوسرے کے مکروہ ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے

[1] صعق آواز بے ہوشی اور زعق بلند آواز یں مخلوط اور صیاح فقط چلانا آہ وزاری وغیرہ سے ۱۲ [2] اقول یعنی ابو مطیعؒ سے یہ کلام بعید ہے تو روایت کے ثبوت میں تامل ہے ۱۲

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان سے مستحیل ہے اور اسی طرح اوّل بھی مکروہ ہے مگر امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اس میں کچھ ڈر نہیں ہے اور اس کو فقیہ ابو اللیثؒ نے اختیار[1] کیا ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعا میں فرماتے تھے کہ اللھم انی اسالک بمقعد العز من عرشک مگر احوط یہی ہے کہ منع کیا جائے اس واسطے کہ یہ خبر واحد معارض القطعی ہے اور اگر اپنی دعا میں بحق فلاں یا بحق انبیاء ایک یا اولیاء ایک یا بحق رسلک یا بحق بیت اللہ یا بحق شعر الحرام کہے تو مکروہ ہے اس واسطے کہ مخلوق کا کچھ حق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے کذانی التبیین اور یہ جائز ہے کہ یوں کہے کہ بدعوة[(1)] انبیک کذانی الخلاصہ اور دعائے ماذون و ماثور وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک سے مستفاد ہے قال اللہ تعالیٰ واللہ الاسماء الحسنی افعوہ بہا یہ محیط میں ہے اور دعا کرنے میں یہ افضل ہے کہ اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلائے اور دونوں کے درمیان جگہ کشادہ رکھے اگرچہ بہت قلیل ہو اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر نہ رکھے اور اگر عذر یا سخت سردی کے وقت فقط کلمہ کی انگلی سے اشارہ کیا تو دونوں ہتھیلیاں پھیلانے کے قائم مقام ہے اور مستحب ہے کہ دعا کے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر سینے کے مقابل رکھے یہ قنیہ میں ہے اور دعا سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھوں کو منہ پر مل لینا بعض مشائخ نے کہا کہ کچھ نہیں ہے اور بہت مشائخ نے اس کو معتبر رکھا ہے اور یہی اصح ہے یوں ہی خبر میں وارد[2] ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔

ابن ابی عمرانؒ سے منقول ہے کہ فرماتے تھے کہ استغفر اللہ واتوب الیہ کہنا مکروہ ہے لیکن یوں کہے کہ استغفر اللہ واسالہ التوبة اور طحاوی نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ جائز ہے یہ قنیہ میں ہے۔ ماہ رمضان میں[(۲)] ختم قرآن کے وقت دعا مکروہ ہے لیکن یہ ایسی چیز ہے کہ اس پر فتویٰ نہ دیا جائے گا کذانی خزانة الفتاویٰ و جماعت کے ساتھ[(۳)] قرآن ختم ہونے کے وقت دعا مکروہ ہے اس واسطے کہ اس طرح دعا کرنا رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ مصلی کو نہ چاہئے کہ جو دعا اس کے دل میں آتی جائے اس کو مانگے بلکہ یہ چاہئے کہ نماز میں دعا مانگنے کے واسطے کوئی دعا یاد کرے اور نماز کے سوائے حالت میں جو دعا دل میں آتی جائے وہ دعا کرے اور کوئی دعا یاد نہ رکھے اس واسطے کہ دعا یاد کر لینے سے قلب کی رقت جاتی رہتی ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر زید نے عمرو سے کہا کہ تجھے اللہ کی قسم تو ایسا کر دے تو عمرو پر شرعاً یہ فعل کرنا واجب نہیں ہے اگرچہ یہ فعل کر دینا اولیٰ ہے یہ کافی میں ہے۔ اگر کہا کہ بحق اللہ تعالیٰ یا بحق محمد علیہ السلام تو مجھے یہ دے دے تو شرعاً اس پر دے دینا واجب نہیں ہے مگر بنظر مروت نہایت بہتر ہے کہ اس کو دے دے اور یہی مختار ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔ محمد بن الحنفیہ سے مروی ہے کہ دعا چار طرح کی ہے دعائے رغبت و دعائے رہبت و دعائے تضرع و دعائے خفیہ پس دعائے رغبت میں اپنی ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرے اور دعائے رہبت میں اپنی ہتھلیوں کی پشت اپنے منہ کی طرف رکھے اور دعائے تضرع میں چھنگلیا اور اس کے پاس کی انگلی بند کر لے اور بیچ کی انگلی انگوٹھے کے سرے ملا کر حلقہ بنائے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے اور دعائے خفیہ وہ ہے جو آدمی اپنے دل میں دعا کرتا ہے یہ مجموع الفتاویٰ میں حاکم شہید کی مختصر کی شرح سرخسی سے منقول ہے۔ اگر کسی نے دعا کی حالانکہ اس کا قلب بھولا ہوا ہے تو اگر وہ رقت قلب کے ساتھ دعا کرے تو افضل ہے اور اسی طرح اگر بدوں غفلت دل کے دعا نہ کر سکتا ہو تو بھی ترک دعا سے دعا کرنا افضل ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کوئی امام اس غرض سے کہ اس کے ساتھ کی قوم سیکھ جائے دعائے ماثورہ کے ساتھ بلند آواز سے دعا کرتا ہے تو کچھ ڈر نہیں ہے اور جب وہ لوگ سیکھ جائیں تو اس وقت قوم کا جہر کرنا بدعت ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔ اگر کسی واعظ نے منبر پر کسی دعائے ماثورہ کے ساتھ دعا کی اور قوم کے لوگ بھی اس کے ساتھ یہی دعا کرتے ہیں پس اگر قوم کی تعلیم کے واسطے ایسا ہو تو کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر اس غرض سے نہ ہو تو مکروہ ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

---

[1] اختیار الخ اسی کو بحر الرائق میں قوی کہا اور مقدمہ عین الہدایہ میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے ۱۲ [2] یعنی حدیث و آثار ۱۲ منہ

(۱) مرسلا اپنے نبی کی دعوت کے ۱۲ (۲) یعنی تراویح میں واللہ اعلم ۱۲ [3] یعنی رمضان میں واللہ اعلم ۱۲ منہ

مشروع آواز سے تکبیر کہنا سوائے ایام تشریق کے کسی ایام میں مسنون نہیں لیکن بمقابلہ دشمنوں و چوروں کے مشروع ہے اور بعض مشائخ نے (۱) آتشزدگی اور تمام مخاوف کو انہیں دونوں پر قیاس کیا ہے یہ قنیہ میں ہے فقیہ ابو جعفر سے دریافت کیا گیا کہ ایک قوم نے اپنا ورد پڑھ کر اس کے بعد آواز سے تکبیر کہی تو شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر انہوں نے اس تکبیر سے ادائے شکر کا قصد کیا تو کچھ ڈر نہیں ہے اور فرمایا کہ اگر نماز تمام ہوتے ہی معاً اسکے بعد تکبیر کہی تو مکروہ ہے اور یہ بدعت ہے اور اگر رباطات[1] میں تکبیر کہی تو مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ اس سے اظہار قوت مقصود ہو اور یہ مقام خوف کی جگہ ہو۔ اور اگر رباطات کی مسجدوں میں تکبیر کہی اور یہ جگہ خوفناک نہیں ہے تو مکروہ ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ ابو بکر رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ ابراہیم رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ ایام تشریق میں آواز سے بازار میں تکبیر کہنا کیسا ہے تو فرمایا کہ یہ جولاہوں کی تکبیر ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جائز ہے اور فقیہ کہتے ہیں کہ میں بھی لوگوں کو اس سے منع نہیں کرتا ہوں یہ محیط میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے وعظ کہنے کی نیت سے اگر بیٹھے تو کچھ ڈر نہیں ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ واعظ نے اگر مجلس وعظ میں اپنے واسطے لوگوں سے کچھ سوال کیا تو اس کو یہ حلال نہیں ہے اس واسطے کہ اس نے علم سے دنیا حاصل کی یہ تاتارخانیہ میں خلاصہ سے منقول ہے۔ اور قرآن و وعظ سننے کے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور جو لوگ وجد و محبت کا دعویٰ کر کے ایسا کرتے ہیں اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور صوفی لوگ آواز بلند کرنے سے اور کپڑے پھاڑنے سے منع (۲) کئے جائیں گے یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر کافر نے دعا کی تو اس کی دعا کی نسبت کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے یا نہیں تو فتاویٰ اہل سمرقند میں اس بارے میں مشائخ کا اختلاف مذکور ہے کہ بعض نے جن میں سے ابو الحسن رستغفنی بھی ہیں فرمایا کہ نہیں جائز ہے اور بعض مشائخ جن میں سے ابو القاسم حاکم و ابو نصر الدبوسی ہیں فرمایا کہ جائز ہے اور صدر الشہید نے کہا کہ یہی صحیح ہے یہ محیط میں ہے۔

اجناس میں امام رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جنوں کے لیے ثواب نہیں ہے یہ وجیز کردری میں ہے اور اگر میت پر نماز کے واسطے لوگ مجتمع ہو گئے ہیں پھر اس وقت ایک شخص کھڑا ہو کر میت کے حق میں دعا کرے اور اپنی آواز بلند کرے تو یہ مکروہ ہے اور زمانہ جاہلیت کے لوگ جنازہ پر حالت موجودہ کے موافق باتیں کرنے میں جو میت کی تعریف میں حد سے زیادہ افراط کرتے تھے ویسا کرنا مکروہ ہے اور میت کی تعریف مکروہ نہیں ہے بلکہ یہ مکروہ ہے کہ اس کی تعریف میں حد سے تجاوز کر کے ایسی باتیں بیان کی جائیں جو اس میں نہ تھیں یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے میت کی طرف سے صدقہ دیا اور اس کے حق میں دعا کی تو جائز ہے اور میت کو اس کا ثواب پہنچے گا یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔

---

[1] ملک اسلام کی سرحد جو ملک کفار سے ملحق ہو اور وہاں جہاں دونوں کے گھوڑے بندھیں وہ رباطات ہے ۱۲

(۱) آگ لگنے اور اس کے مانند خوفناک چیزیں ۱۲ (۲) یعنی اگر لوگ ایسا کریں گے تو منع کئے جائیں گے ۱۲ منہ

پانچواں باب ☆

مسجد وقبلہ ومصحف مجید وجس میں قرآن مجید لکھا ہو جیسے درم وکاغذ یا اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوان سب کے آداب کے بیان میں

مسجد کو گچ وساج[۱] سے اور سونے کے پانی سے منقوش کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے مگر یہ مال فقیروں کی حوائج میں صرف کرنا اس سے افضل ہے کذافی السراجیہ اور اسی پر فتویٰ ہے کذافی المضمرات والمحیط اور مسجد میں گچ کاری کرنا اچھا ہے کیونکہ اس میں عمارت مسجد کی مضبوطی ہے۔ کذافی الاختیار شرح المختار اور ہمارے بعض مشائخ نے محراب ودیوار قبلہ کو منقش کرنے کو مکروہ جانا ہے کیونکہ یہ امر مصلی کے دل کو اپنی طرف مشغول کرے گا اور فقیہ ابو جعفرؒ نے شرح سیر کبیر میں ذکر کیا کہ دیواروں کو منقش کرنا خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو مکروہ ہے اور چھت میں قلیل نقش کی اجازت ہے مگر کثیر مکروہ ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر نقش کی غرض سے سپیدی پر سیاہی پھیرے یا سیاہی پر سپیدی تو اس میں کچھ ڈر نہیں ہے بشرطیکہ اپنے مال سے ہو اور اگر مال وقف سے ایسا کیا تو مستحسن نہیں کیونکہ یہ تضیع مال ہے یہ اختیار شرح مختار میں ہے اور مسجد میں ایسی مٹی سے کہگل کرنا جو نجس پانی سے تر کی گئی ہو مکروہ ہے بخلاف اس کے مٹی میں گوبر ڈالا گیا ہو تو ایسا نہیں ہے بوجہ اس کے کہ اس میں ضرورت خاص ہے یعنی اس سے جو مطلب نکلتا ہے وہ دوسری چیز سے نہیں حاصل ہو سکتا ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ اپنے گھر کی چھت میں سونے وچاندی کے لگانے میں کچھ ڈر نہیں اور مسجد میں اپنے مال سے چاندی کے پانی سے نقش کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور خواب وغیرہ کی حالت میں عمداً قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ ہے اس طرح کتب شریعت کی طرف پاؤں پھیلانا بھی مکروہ ہے اسی طرح اپنی عورت سے جماع[(۱)] کرتے وقت ایسا کرنا بھی مکروہ ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

قبلہ کا مسجد کے حمام کی جانب ہونا ☆

اگر قبلہ بجانب متوضی ہو تو مکروہ ہے یعنی مسجد کے قبلہ رخ آنکھوں کے سامنے وہ چہ بچہ ہو جہاں وضو کا پانی مجتمع ہوتا ہے کذافی السراجیہ مع توضیح امام محمد نے فرمایا کہ قبلۂ مسجد اگر بجانب مخرج وحمام وقبر ہو تو میں مکروہ جانتا ہوں اور یہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ میں قبلہ مسجد کا حمام کی طرف ہونا مکروہ جانتا ہوں اس کے معنی میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے فرمایا کہ امام محمدؒ کی مراد دیوار حمام نہیں ہے بلکہ مراد مجم ہے یعنی وہ جگہ جس میں گرم پانی ریختہ ہوتا ہے اور اگر دیوار حمام کی طرف نماز پڑھی تو استقبال نجاست نہیں ہوتا ہے بلکہ پتھر یا مٹی جس کی دیوار ہے وہ سامنے ہوتی ہے اسی طرح جو امام محمدؒ نے فرمایا کہ مخرج کی طرف قبلۂ مسجد ہونا مکروہ جانتا ہوں اس میں بھی مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے کہا کہ نفس مخرج مراد ہے اور بعضوں نے کہا کہ دیوار مراد ہے اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب مصلی اور ان جگہوں کے درمیان میں کوئی دیوار یا سترہ نہ ہو اور اگر ہو گا تو مکروہ نہیں ہے دیوار فاصل ہو جائے گی پھر اگر مصلی اور ان جگہوں کے درمیان میں سترہ نہ ہو تو ان چیزوں کو سامنے کر کے نماز پڑھنا فقط جماعت کی مسجدوں میں مکروہ ہے اور گھروں کی مسجدوں میں مکروہ نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔

---

[۱] ایک قسم کا پتھر ہے وظاہر ساکھو مراد ہے مگر اول مناسب تر ۱۲ منہ (۱) یعنی قبلہ رخ ہونا ۱۲

قال المترجم ☆

گھر کی مسجد سے یہ مراد ہے کہ نیک لوگ اپنے اپنے گھروں کو قبرستان نہیں بناتے بلکہ نوافل ادا کرنے کے واسطے کوئی جگہ مقرر کر لیتے ہیں کہ اس کو پاک صاف رکھتے ہیں مگر اس کو مسجد جماعت کا حکم حاصل نہیں ہوتا ہے یعنی اس میں نماز پڑھنے سے پچیس یا ستائیس رکعت کا ثواب ملے یا اس میں جنابت کے ساتھ داخل نہ ہو سکے وغیرہ ذلک کذا صرح ابہ بالا خلاف فاحفظہ اور ہمارے مشائخ نے اس بات کو مکروہ جانا ہے کہ کوئی مرد یا عورت اپنے مقام پیشاب کو سورج یا چاند کے سامنے کرے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ قبلہ کی طرف نشانہ رکھ کر تیر اندازی کرنا[1] مکروہ ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر مصلائے[(۱)] عیدو جنائز میں تیر اندازی کے واسطے کوئی نشانہ بنایا جائے تو جائز ہے یہ قنیہ میں ہے ہر مسلمان کے واسطے مندوب ہے کہ اپنے گھر میں ایسی جگہ بنالے جس میں نماز پڑھا کرے مگر اس جگہ کو علی الاطلاق حکم مسجد حاصل نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کی ملک میں باقی رہتی ہے یہ محیط میں ہے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی زمین غصب کر کے اس کو مسجد یا حمام یا دوکان بنایا تو اس مسجد میں نماز کے واسطے یا حمام میں نہانے کے واسطے یا دوکان میں خرید نے کے واسطے جانے میں کچھ ڈر نہیں ہے مگر حمام یا دوکان کو اجارہ پر لینا جائز نہیں۔

قال المترجم ☆

صریح بعض نے کہا کہ یہ مسجد بھی مالک کو اختیار ہے کہ زمین کو لے کر اپنی ملک میں داخل کرے۔ یعنی مسجد کا حکم نہ دے فالترجمۃ بالظاہر اور اگر کسی کا دار غصب کر کے اس کو مسجد بنایا تو کسی شخص کو اس میں نماز کے واسطے جانا اور نماز پڑھنا روا نہیں ہے اور اگر اس کو مسجد جامع بنایا تو اس میں جمعہ نہ پڑھا جائے گا اور اگر اس کو راستہ بنایا تو کسی کو اس راہ سے گذرنا جائز نہیں ہے یہ مضمرات میں ہے۔ ایک شخص نے جنگل میں ایسی جگہ مسجد بنائی کہ جہاں کوئی نہیں رہتا ہے اور مسافر بھی کوئی بہت کم اس طرف سے گذرتا ہے تو وہ مسجد نہ ہو جائے گی کیونکہ اس کے مسجد ہو جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ غرائب میں ہے۔

قال المترجم ☆

فیہ نظر اگر دار واقف میں سے مسجد میں جانے کا دروازہ ہو تو امام کو اس دروازہ میں سے ہو کر مسجد میں جانے میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے اور جو حجرہ مسجد کے واسطے وقف ہو اس میں موذن کو رہنا جائز ہے یہ غرائب میں ہے۔ ایک مدرس مسجد میں درس دیتا ہے اس کا گھر دیوار مسجد سے متصل ہے خواہ یہ گھر مدرس کی ملک ہے یا کرایہ پر ہے پس آیا مدرس کو اختیار ہے کہ دیوار مسجد توڑ کر اپنے مال سے دروازہ خرید کر اس میں لگائے کہ مسجد کی طرف آمد و رفت کا دروازہ ہو جائے تو مشائخ نے فرمایا کہ اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اگر چہ اس نے یہ کہہ دیا ہو کہ اگر دیوار مسجد میں کوئی نقصان ہوگا تو میں اس کا ضامن ہوں یہ جواہر اخلاطی میں ہے مسجد میں درس دینا جائز ہے اگر چہ اس میں یہ لازم آتا ہے کہ جو بوریا و فرش مسجد کے[(۲)] واسطے واقف ہے وہ مستعمل ہوتا ہے یہ قنیہ میں ہے۔ شیخ خجندیؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک نگاہبان مسجد فنائے مسجد لوگوں کی تجارت کے واسطے مباح کرتا ہے پس آیا اس کو اس طرح مباح کرنے کا اختیار ہے تو فرمایا کہ اگر اس میں مسجد کے واسطے کوئی مصلحت ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ اس میں کچھ ڈر نہیں ہے پھر شیخ موصوفؒ سے دریافت کیا گیا کہ اگر متولی مذکور نے فنائے مسجد میں تخت رکھے اور ان کو لوگوں کو اجارہ پر دیا کہ ان پر بیٹھ کر تجارت کریں اور اس مسجد کی فنا ان کے واسطے مباح کر دی پس آیا اس کو یہ اختیار ہے تو فرمایا کہ اگر اس میں مصلحت مسجد ہو تو کچھ ڈر نہیں ہے بشرطیکہ رہگذر عوام مسلمین نہ ہو

[1] اس زمانے میں کوئی جگہ مقرر نہیں رہی ہے جیسا کہ تیر اندازی سیکھنا ہندوستان سے معدوم ہے قال المترجم بندوق کا نشانہ سیکھنے کے واسطے بنانا بھی امید ہے کہ مثل تیر کے جائز ہے واللہ اعلم ۱۲ منہ (۱) جہاں جنازوں کی نماز پڑھی جاتی ہے ۱۲ (۲) مثل دری و جاجم وغیرہ ۱۲

اور شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ آیا فنائے مسجد وہ جگہ ہے جو اس کی دیوار کے سامنے ہے یا فقط اس کے دروازہ کا خلہ ہے تو فرمایا کہ خلہ مسجد کے سایہ میں جو جگہ ہے وہی فنائے مسجد ہے بشرطیکہ عام مسلمانوں کی گذرگاہ نہ ہو۔ شیخ رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ اگر متولی مسجد نے فنائے مسجد میں کرسی و تخت رکھے اور لوگوں کو اجارہ پر دیئے تا کہ لوگ ان پر تجارت کریں اور یہ کرایہ اپنی ذات پر صرف کیا یا امام مسجد کے واسطے دیا پس آیا اس کو یہ اختیار ہے فرمایا کہ نہیں مؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کو اختیار ہے کہ کرایہ جہاں چاہے خرچ کرے کذا فی التاتارخانیہ نقلاً عن التتمیہ۔

قال المترجم[1] ☆

المختار عندی ما قال شمس الائمہ الجندیؒ صلوٰۃ الاثر میں ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے دریافت کیا کہ ایک مسجد کے واسطے ایک دوکان لی گئی حالانکہ مسجد اور اس دوکان میں فاصلہ ہے بیچ میں راستہ ہے اور اس واسطے یہ دوکان لی گئی کہ گرمیوں میں اس دوکان میں نماز پڑھی جائے پس آیا اس دوکان میں نماز پڑھنے سے بھی اتنے گونہ ثواب ہوگا جتنے گونہ مسجد میں پڑھنے سے ہوتا ہے تو فرمایا کہ ہاں کذا فی الذخیرہ اہل محلہ نے مسجد کو تقسیم کر لیا اور بیچ میں دیوار بنالی اور ہر گروہ نے علیحدہ اپنا امام مقرر کر لیا مگر یہ مؤذن دونوں کا ایک ہی رہا تو کچھ ڈر نہیں ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ ہر گروہ کا مؤذن بھی الگ الگ ہو اور رکن الصباغی نے فرمایا کہ جس طرح یہ جائز ہے کہ محلے والے ایک مسجد کو دو مسجدیں کر لیں اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ اقامت جماعت کے واسطے دو مسجدوں کو ایک کر لیں مگر وعظ و درس کے واسطے ایسا نہیں کر سکتے ہیں اگرچہ وعظ و درس مسجد میں جائز ہے یہ قنیہ میں ہے۔ شیخ برہان الدینؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک دوکان ایک امام مسجد کے واسطے وقف کی گئی ہے وہ امام تین مہینے تک غائب رہا اور اپنی طرف سے ایک خلیفہ مقرر کر گیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتا تھا پھر آیا تو جتنی مدت تک غائب رہا ہے اتنی مدت کا کرایہ دوکان اس کو لینا جائز ہے یا نہیں تو فرمایا کہ اگر اس نے یا اس کے آدمی نے اس کی اجازت سے دوکان مذکور کرایہ پر دی ہو تو کرایہ وصول کر لے سکتا ہے مگر اس کو صدقہ کر دے یا تاتارخانیہ میں فتاویٰ سے نقل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا گیا کہ کسی معتکف کو فصد و حجامت[2] کی حاجت ہوئی پس آیا وہ مسجد سے باہر آئے فرمایا کہ نہیں اور لالی میں ہے کہ جو شخص مسجد میں آہستہ سے پادتا ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے بعضوں نے فرمایا کہ خیر کچھ ڈر نہیں ہے اور بعضوں نے فرمایا کہ مسجد میں نہ پائے بلکہ جب ضرورت ہو تو باہر[3] آجائے اور یہی اصح ہے یہ تمرتاشی میں ہے اور محدث کو مسجد کے اندر جانے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور یہی اصح القولین ہے اور جو شخص معتکف نہ ہو اس کے واسطے مسجد میں سونا و کھانا مکروہ ہے لیکن جب ایسا کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اعتکاف کی نیت کر کے اس میں داخل ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے جتنا چاہے یا نماز پڑھے پھر جو چاہے وہ کرے یہ سراجیہ میں ہے اور مسافر و صاحب دار کو روا ہے کہ مسجد میں سو وے اور یہی مذہب صحیح ہے۔

قال المترجم ☆

وھو الاوفق بالحدیث یعنی جس کا گھر موجود ہو وہ بھی مسجد میں خواب کر سکتا ہے وکان ابن عمر رضی اللہ عنہما یفعل ذلک کما فی صحیح البخاری اور احسن یہ ہے کہ تورع و پرہیز گاری اختیار کرے یعنی ایسا نہ کرے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔ مسجد میں جو سوکھی گھاس مجتمع ہو اس سے پاؤں رگڑ لینے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے شرح کتاب الصلوٰۃ میں ذکر فرمایا کہ جو ہمارے زمانے میں لوگ مسجدوں میں ہرادی[4] ڈال رکھتے ہیں اور اس سے قدم رگڑ لیتے ہیں یہ اماموں کے نزدیک مکروہ ہے یہ محیط میں ہے۔ محراب

[1] مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک مختار قول شیخ امام خجندی ہے ۱۲ [2] حجامت پچھنے لگانا ۱۲ منہ [3] صریح معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ حکم معتکف وغیرہ سب کے واسطے ہے یا غیر معتکف کے واسطے مگر سیاق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سب کے واسطے ہے واللہ اعلم ۱۲ منہ [4] قال المترجم ہرادی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے اندر جو جگہ ہے وہ مسجد کے حکم میں ہے یہ غرائب میں ہے۔ اگر مسجد میں ابابیل یا چمگادڑ کے گھونسلے ہوں کہ یہ جانور مسجد میں پلید بیٹ گراتے ہوں تو روا ہے کہ ان کے گھونسلے مع ان کے بچوں کے نکال کر پھینک دیئے یہ ملتقط میں ہے۔

قال المترجم:☆

اصل کتاب میں عش کا لفظ مذکور ہے اور وہ ایسے گھونسلے کو کہتے ہیں جو لکڑیاں جمع کر کے شاخ درخت پر لگاتا ہے۔ دنیا بریں یہ حکم ایسے گھونسلے سے متعلق ہوگا جو مسجد میں کسی درخت پر ہو مگر ابابیل و چمگادڑ اس طرح گھونسلا نہیں لگاتا ہے پس ظاہر او کر یعنی سوراخ دیوار و غیرہ کا گھونسلا مراد ہے پس کچھ اشکال نہیں ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں جانوروں کی بیٹ نجس غلیظ ہے ولکن فیہ دنیما ذکر من الحکم نظر فلیرجع الی المعتبر ات اور صلوٰۃ جلالی میں مذکور ہے کہ مسجد میں راستہ نہ بنائے بایں طور کہ مسجد کے دو دروازے ہوں ایک دروازے سے گھس کر دوسری طرف دروازے سے نکل جائے یہ تمرتاشی میں ہے اور جوتا پہنے ہوئے مسجد میں جانا مکروہ ہے یہ سراجیہ میں ہے اور خاک مسجد کی کچھ حرمت نہیں ہے بلکہ مجتمع[1] ہو اور اس کی حرمت ہے جب کہ بچھی ہوئی ہو یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص کو راہ میں سخت سردی پہنچی پس وہ مسجد میں داخل ہوا جس میں غیر کی لکڑیاں رکھی ہوئی ہیں اور یہ شخص سرمازدہ اگر آگ جلا کر نہیں تاپتا ہے تو مرا جاتا ہے تو غیر شخص کی لکڑیاں جلانے سے مسجد کی لکڑیاں جلانا[2] اولیٰ ہے اور عام فتنہ[(1)] میں خوف کی وجہ سے اناج و دیگر اثاث البیت کو مسجد میں داخل کرنا جائز ہے یہ قنیہ میں ہے۔

تمام قسم کے ''دُنیاوی اُمور'' کا مسجد میں بجالانا مکروہ ہے☆

ایک شخص جامع مسجد میں تعویذ فروخت کرتا ہے اور ان تعویذوں میں توریت و انجیل و قرآن لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے ہدیہ دے دو اور تعویذ لے لو تو اس کو حلال نہیں ہے یہ کبریٰ میں ہے اور دنیا کا ہر کام مسجد میں مکروہ ہے اور اگر معلم یا کاتب نے مسجد میں نشست اختیار کی پس اگر معلم حسبۃً للہ ثواب کے واسطے تعلیم دیتا ہے اور کاتب مذکور اپنے واسطے دین کے امور لکھتا ہے تو اس میں کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر یہ دونوں اجرت پر ایسا کرتے ہوں تو مکروہ ہے لیکن اگر دونوں کو ضرورت پیش آئی ہو تو ایسا نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ مسجد میں نکاح کا عقد باندھنا مستحب ہے مگر امام ظہیر الدین نے اس کے برخلاف اختیار[3] کیا ہے اور جس کے بدن پر نجاست لگی ہو وہ مسجد میں داخل نہ ہو یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک شخص رہگذر کے طور پر مسجد میں داخل ہوا یعنی تاکہ مسجد سے ہو کر چلا جائے پھر جب بیچ مسجد میں پہنچا تو اپنے فعل سے نادم ہوا تو بعض نے فرمایا کہ جس دروازے سے نکلنے کا قصد کیا تھا اس کے سوائے دوسرے دروازے سے نکلے اور بعض نے فرمایا کہ نماز پڑھ لے پھر اس کو اختیار ہے جدھر سے چاہے نکل جائے اور مجد الائمہ ترجمانی نے فرمایا کہ اگر محدث ہو تو جدھر سے آیا ہے اسی راہ سے نکلے تاکہ جو جرم کیا ہے اس پر اعلام ہو یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے مسجد میں درخت جمایا پس اگر اس واسطے ہو کہ لوگ اس کے سایہ سے نفع اٹھائیں اور لوگوں کو مسجد میں تنگی نہ ہوتی ہو اور نہ صفیں متفرق ہوتی ہوں تو کچھ ڈر نہیں ہے۔ اور اگر اس شخص نے اس کے پتوں پھلوں سے خود نفع اٹھانے کے واسطے بویا ہو یا صفوں کی تفریق لازم آتی ہو یا ایسی جگہ ہو

(حاشیہ پچھلے صفحے کا) قال المترجم ہراوی نرکل کی چٹائی نما بناتے ہیں قال نے دیوان الادب براوی جمع ہرد یہ وہی تصبات تضم مملوک بطا اقات من احرم فترسل علیہما قصبات انکرم انتہی کذا ذکرہ والعینی وفی الصحاح بالحاء المہملۃ وقال نعتہ معربہ وذکر فی المغرب عن اللیث الایقال ہردے لہ بالغادیہ وروی بہذا فی البنیۃ ۱۲منہ

[1] مجتمع یعنی جھاڑ کر جمع کریں تو حرمت رہتی ہے اور جب تک بچھی تھی محترم تھی۔ [2] اس میں اشارہ ہے کہ ایسی حالت میں غیر کی لکڑیاں جلانا بھی جائز ہے لیکن تاوان دے دے ۱۲منہ [3] اس میں اشارہ ہے کہ جائز بالاتفاق ہے ۱۲منہ (۱) یعنی جو تمام میں پھیل رہا ہو مثلاً قتال وغیرہ ۱۲منہ

جہاں اس فعل سے مسجد کی مشابہت بیعہ وکنیسہ سے ہوئی جاتی ہو تو مکروہ ہے یہ غرائب میں ہے۔ مسجدوں میں سب سے زیادہ حرمت مسجد الحرام یعنی کعبہ معظم کی ہے اس کے بعد مسجد مدینہ مسجد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے پھر بیت المقدس کی پھر جامع مسجدوں کی پھر محلوں کی مسجدوں کی پھر شارع عام مسجدوں کی کہ ان کا رتبہ کم ہے حتیٰ کہ اگر عام مسجدوں کے واسطے کوئی امام معلوم وموذن نہ ہو تو ان میں کوئی اعتکاف نہیں کر سکتا ہے پھر گھروں کی مسجدوں کی حرمت ہے کہ ان میں کسی کو اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے لیکن عورتوں کو جائز ہے یہ قنیہ میں ہے۔ فقیہ نے تنبیہ میں ذکر فرمایا کہ مسجد کی حرمت کی پندرہ باتیں ہیں اول یہ کہ جب مسجد میں داخل ہو پس اگر لوگ بیٹھے ہوں پڑھنے و پڑھانے میں یاد الٰہی میں مشغول نہ ہوں تو ان کو سلام کرے اور اگر لوگ نماز میں ہوں یا اس میں کوئی نہ ہو تو یوں کہے اسلام علینا من ربنا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ دوم یہ کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ سوم یہ کہ اس میں خرید و فروخت کی گفتگو نہ کرے۔ چہارم یہ کہ اس میں تلوار نہ کھینچے۔ پنجم یہ کہ اس میں گم شدہ کی جستجو نہ کرے ششم یہ کہ سوائے ذکر اللہ تعالیٰ کے اس میں آواز بلند نہ کرے۔ ہفتم یہ کہ اس میں دنیا کی باتیں نہ کرے۔ ہشتم یہ کہ کسی جگہ جا بیٹھنے کے واسطے لوگوں کے سروں پر پھاند کر نہ جائے۔ نہم یہ کہ جگہ کے واسطے کسی سے جھگڑا نہ کرے۔ دہم یہ کہ صف میں کسی شخص پر جگہ کی تنگی نہ کر دے یازدہم یہ کہ کسی نمازی کے سامنے ہو کر نہ گذرے دوازدہم یہ کہ مسجد میں تھوک نہ پھینکے۔ سیزدہم یہ کہ اس میں اپنی انگلیاں نہ چٹکائے چہاردہم یہ کہ مسجد کو نجاستوں اور چھوٹے بچوں اور مجنوں اور اقامت[1] حدود سے پاک رکھے پانزدہم یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی یاد زیادہ کرے یہ غرائب میں لکھا ہے مسجد میں باتیں کرنے کے واسطے بیٹھنا بالاتفاق مباح نہیں ہے کیونکہ مسجد امور دنیا کے واسطے نہیں بنائی گئی ہے اور خزانۃ الفقہ میں ایسی عبارت ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دنیا کی باتوں میں جو کلام مباح ہے وہ بھی مسجد میں حرام ہے اور فرمایا کہ اس میں دنیا کا کلام بالکل نہ کرے اور صلوٰۃ جلالی میں لکھا ہے کہ دنیا کی مباح باتیں مسجد میں جائز ہیں اگرچہ اولیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو کذا فی التمرتاشی۔

وقال المترجم[2] ☆

وھو الصحیح المختار عندی واللہ اعلم۔ اگر مسجد میں جگہ تنگ ہو گئی تو مصلی کو یعنی جو نماز میں داخل ہونا چاہتا ہے یہ اختیار ہے کہ جو شخص اس میں بیٹھا ہے اس کو اپنی نماز پڑھنے کے واسطے اس جگہ سے اٹھائے اگرچہ وہ شخص یاد الٰہی یا درس یا قرأۃ قرآن میں مشغول ہو یا اعتکاف میں ہو۔ اسی طرح اگر محلہ والے نمازیوں کے واسطے مسجد محلہ نے تنگی کی یعنی محلہ میں مسجد میں محلہ والے نہیں سماتے ہیں تو محلہ والوں کو اختیار ہے کہ جو شخص ان محلہ کا نہیں ہے اس کو اس مسجد میں نماز[3] سے منع کریں یہ قنیہ میں ہے اور ہر مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اسی وجہ سے شدت گرمی میں مسجد کے اوپر جا کر جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن اگر مسجد تنگ ہو اور مصلے نیچے نہ سمائیں تو ضرورت کی وجہ سے اس کی چھت پر چڑھنا مکروہ نہیں ہے یہ غرائب میں ہے۔ اور وقف کی آمدنی سے مسجد کا منارہ بنانے میں یہ حکم ہے کہ اگر منارہ کی تعمیر میں مسجد کے واسطے مصلحت ہو مثلاً سب لوگوں کو اذان کی آواز منارہ پر سے سنائی دے تو کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر مصلحت نہ ہو مثلاً سب اہل مسجد بدوں منارہ کے آواز اذان سنتے ہوں تو نہیں جائز ہے یہ تمرتاشی میں ہے اور متولی وقف کو جائز نہیں ہے کہ استوانوں میں لٹکانے کے واسطے مصلیات خریدے اور نماز کے واسطے جائز ہے مگر استوانوں میں لٹکائے نہ جائیں گے اور

---

[1] اقامت حدود یعنی مسجد میں مثلاً زنا وغیرہ کی حد میں درے نہ مارے جائیں یوں ہی قصاص ۱۲ منہ [2] مال یعنی مترجم کے نزدیک دنیاوی معاملات متعلقہ دین کی باتیں جائز ہیں ور بہ نفس دنیا کی ہر جگہ حرام [3] قال مترجم اگر خود چند قدم جا کر دوسری مسجد میں پڑھتے تو اولیٰ ہے کیونکہ نماز سے او کے خوتا ک ہے مگر یہ یہاں ضرورت دائمی سے جواز ہو ۱۲ منہ

دوسری مسجد کے واسطے ان کا عاریت دینا جائز نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب وقف کرنے کا حال معلوم نہ ہو اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس نے حکم دیا ہے کہ مصلیات استوانوں میں لٹکائے جائیں اور اس میں درس کی اجازت دی ہو اور درس کے واسطے اس کو بنایا ہو اور عادت جاری معائنہ کی گئی ہو کہ جن مسجدوں میں درس دیا جاتا ہے ان میں استوانوں سے لٹکائے جاتے ہیں تو متولی کو جائز ہے کہ جب مصلیات کی ضرورت ہو تو مسجد کی مصلحت کے واسطے ان کو مال وقف سے خریدے اور انشاء اللہ تعالیٰ ضامن نہ ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔

مسجد کے چراغ سے کتاب پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

پس حکم یہ ہے کہ اگر چراغ نماز پڑھنے کے واسطے جل رہا ہو تو کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر یوں جلتا ہو نماز کے واسطے نہ جلتا ہو مثلاً وہ لوگ نماز سے فارغ ہو کر چلے گئے ہوں پس اگر تہائی رات گئے تک جلتا رکھا تو کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر تہائی رات سے زیادہ تاخیر کی تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے یہ کتاب الہبہ مضمرات میں ہے ایک متعلم یعنی طالب علم نے مسجد کی کولان میں سے لے کر اپنی کتاب میں نشانی رکھی تو یہ عفو ہے یہ قنیہ میں ہے اور جس کاغذ میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو اس میں کوئی چیز لپیٹ کر باندھنا مکروہ ہے۔ خواہ نام لکھا ہوا اندر کی طرف ہو یا باہر کی طرف ہو بخلاف ایسی تھیلی کے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ہو کہ اس میں درم وغیرہ رکھنا مکروہ نہیں ہے یہ ملتقط میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا پھر اس کو اپنے نہالچہ کے نیچے جس پر لوگ بیٹھتے ہیں رکھ دیا تو بعض نے فرمایا کہ مکروہ ہے اور بعض نے یوں کہا کہ مکروہ نہیں ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر بیت میں رکھا تو اس کی چھت پر سونا روا ہے پس ایسا ہی یہاں ہے کذا فی المحیط۔

قال المترجم[1]

انما العبرة فی الادب للعرف وما ذکر من مسئلة البیت لیس فی العرف مثل ما نحن فیہ نے حق الادب فالمختار عندی ھو الاول واللہ اعلم اور ایسے کاغذ میں جس میں کچھ فقہ لکھی ہو کوئی چیز لپیٹنا نہیں جائز ہے اور اگر علم کلام میں سے کچھ لکھا ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ نہ لپیٹے اور اگر طب لکھی ہو تو لپیٹنا جائز ہے اور اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا نام یا رسول اللہ ﷺ کا نام ہو تو لپیٹنے کے واسطے اس نام پاک کا محو کرنا جائز ہے یہ قنیہ میں ہے۔ اور کسی تختہ لوح سے جس میں قرآن لکھا تھا قرآن محو کر دیا اور اس کو دنیا کے کام میں استعمال کیا تو جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام تھوک سے مٹانے سے ممانعت آئی ہے یہ غرائب میں ہے اور کچھ تھوڑی تحریر کا تھوک سے مٹانا جائز ہے یہ قنیہ میں ہے۔ شیخ ابو حامدؒ سے دریافت کیا گیا کہ اکثر اوراق لوگ ایسے کاغذ سے جس میں [2]اخبار و تعلیقات ہیں دفتی بناتے ہیں تو فرمایا کہ اگر قرآن شریف کی یا کتب فقہ و تفسیر کی دفتی بناتے ہوں تو ڈر نہیں ہے اور اگر ادب و نجوم کی کتابوں کی دفتی بناتے ہوں تو ان کے حق میں یہ مکروہ ہے یہ غرائب میں ہے۔ حاکم رحمہ اللہ نے امامؒ سے نقل کیا کہ امامؒ ولیمہ کی دعوت میں انگلیاں صاف کرنے میں کاغذ کا استعمال مکروہ جانتے تھے اور اس میں تشدد کرتے تھے اور لوگوں کو اس فعل سے بہت جھڑکتے تھے یہ محیط میں ہے۔ ایک طالب علم کے خریطہ میں حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب ہے۔ یا امام ابوحنیفہؒ یا غیر فقہ کی کتاب ہے اس کو وہ سر کے نیچے رکھتا ہے پس اگر اس نے بقصد حفاظت سر کے نیچے رکھ کر سونا اختیار کیا ہے تو مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور ایسی کتاب کا جس میں احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں سر کے نیچے تکیہ بنانا نہیں جائز ہے الا اس صورت میں کہ اس کی حفاظت کے قصد سے ایسا کیا ہے یہ ملتقط میں ہے اور سفر میں قرآن شریف کو سر کے نیچے رکھنا اگر بقصد حفاظت ہو تو ڈر نہیں ہے اور اگر بقصد حفاظت نہ ہو تو مکروہ ہے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔

[1] مترجم کہتا ہے کہ اس میں معروف ادب کا لحاظ ہونا ضرورت ہے ۱۲

[2] اخبار خواہ احادیث نبوی علیہ السلام یا آثار صحابہ و اقوال تابعین رضی اللہ عنہم اقوال تابعین رحمہم اللہ ۱۲ منہ

اور جس کوٹھری میں قرآن شریف پردہ کے ساتھ رکھا ہے اس میں عورت سے جماع کرنا جائز ہے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے قرآن شریف اپنے گھر میں رکھ لیا ہے اس کو پڑھتا نہیں ہے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر اس نے خیر و برکت کی نیت سے ایسا کیا ہے تو گنہگار نہ ہو گا بلکہ امید ہے کہ اس کو ثواب ملے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر سواری کے جانور پر جوال میں مصحف مجید یا شریعت کی کتابیں رکھ کر لادی ہیں اور جوال پر آپ سوار ہو کر بیٹھا تو مکروہ نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ مصحف مجید کی طرف ٹانگیں پھیلانا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ مصحف و اس کی ٹانگوں میں محاذات نہ ہو یعنی مقابل نہ ہوں اسی طرح اگر مصحف مجید کھونٹی میں لٹکایا ہوا ور اس نے اسی طرف ٹانگیں پھیلائیں تو بھی مکروہ نہیں ہے یہ غرائب میں ہے۔ ایک شخص کے پاس ایک بورا ہے جس میں ایسے درم ہیں جن میں قرآن مجید کی آیت لکھی ہے یا اس میں فقیہ یا تفسیر کی کتابیں یا مصحف مجید ہے اور وہ شخص اس بورے پر بیٹھا یا سو رہا پس اگر بقصد حفاظت اس نے ایسا کیا ہے تو خیر کچھ ڈر نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

آیاتِ قرآنی واحادیث نبویہ کو لے کر (یا پہن کر) غسل خانہ (استنجاء خانہ) وغیرہ میں جانا ☆

ایک شخص نے قرآن شریف پر اپنا پاؤں رکھا پس اگر بطریق استخفاف ہو تو کافر ہو جائے گا ورنہ کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے گا یہ غرائب میں ہے درموں پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اس واسطے کہ صاحب درم کا قصد علامت ہے نہ اہانت کذافی جواہر الاخلاطی قلت ہذا التوجیہ لیس بشیٔ لان غایة ما یلزم انه لایکفر لعدم الاستخفاف والاہانة واما انه لایا ثم بذلك فلیس فیه یدل علیه فافہم[1]۔ اگر اپنی انگوٹھی پر اپنا نام یا اللہ تعالیٰ کا نام یا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام جیسے حسبی اللہ ونعم الوکیل یا ربی اللہ یا نعم القادر اللہ نقش کیا تو اس میں کچھ ڈر نہیں ہے اور جن پیسوں پر اللہ تعالیٰ کا نام ہو ان کو ہاتھ میں پکڑنا ایسے شخص کے حق میں مکروہ ہے جو طہارت کے ساتھ نہ ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور نوادر ابن سماعہ میں ہے کہ اگر کسی شخص بے وضو کے پاس ایسے درم کسی کپڑے میں لپٹے ہوئے ہوں تو کچھ ڈر نہیں ہے یہ حاوی میں ہے۔ فقیہ ابو جعفرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کی آستین میں کتاب ہے وہ پیشاب کرنے کو بیٹھ گیا پس آیا یہ مکروہ ہے فرمایا کہ اگر کتاب کو پاخانہ میں اپنے ساتھ لے گیا تو مکروہ ہے اور اگر کسی پاک جگہ پیشاب کرنے کو بیٹھا تو مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے نام لکھے ہوئے درم ہوں یا کچھ قرآن کی آیت ان پر لکھی ہو پس اگر اپنے ساتھ پخانہ میں لے گیا تو مکروہ ہے اور اگر کسی پاک جگہ پیشاب کرنے کو بیٹھا تو مکروہ نہیں ہے اسی طرح اگر اس کے پاس انگوٹھی میں قرآن کی آیت یا اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو پس اگر اس کو پخانہ میں لے گیا تو مکروہ ہے اور اگر پاک جگہ پیشاب کرنے کو بیٹھا تو مکروہ نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر قرآن کو چار دیواری و دیواروں پر لکھا تو بعضوں نے فرمایا کہ امید ہے کہ جائز ہو اور بعضوں نے مکروہ جانا ہے بدیں خوف کہ شاید گر پڑنے کے بعد لوگوں کے قدموں کے نیچے آئے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ جو چیز فرش و بچھونا بنائی جاتی ہے اس پر قرآن شریف لکھنا مکروہ ہے یہ غرائب میں ہے۔ بچھونا یا مصلی جس پر یہ لفظ لکھا ہو کہ الملک اللہ اس کا بچھانا واس پر بیٹھنا واستعمال کرنا مکروہ ہے وعلی ہذا مشائخ نے فرمایا کہ ورقوں کے بیچ میں سفید ٹکڑا کاغذ کا جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہے نشانی بنا کر رکھنا مکروہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام پاک کی بے توقیری ہے اور اگر ایک حرف کو دوسرے حرف سے کاٹ دیا اور بچھونے یا مصلے میں سیاحتی کہ کلمہ متصل نہ رہا تو کراہت ساقط نہ ہو گی اسی طرح اگر ان دونوں پر فقط الملک ہو تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح اگر تنہا الف و تنہا لام ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ کبریٰ میں ہے اگر فرعون یا ابوجہل کا نام کسی نشانہ پر لکھ کر اس پر تیر اندازی کی تو مکروہ ہے کیونکہ ان حروف کی حرمت ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ حسن نے امام اعظمؒ سے روایت کیا کہ مصحف کو چھوٹا کرنا باریک قلم سے مکروہ ہے اور

[1] قولہ فافہم یعنی دلیل یہ ہے اس واسطے کہ غایت درجہ اس سے کافر نہ ہو گا اور یہ لازم نہیں آتا کہ گنہگار نہ ہو فافہم ۱۲

یہی امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور جس نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں مؤلف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شاید امامؒ کی مراد اس سے یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے یہ مراد نہیں ہے کہ ایسا کرنے سے گنہگار ہوگا اور جو شخص قرآن شریف لکھنا چاہے اس کو چاہئے کہ اچھے خط سے اچھے ورق پر سپید کاغذ پر موٹے قلم سے چمکدار روشنائی سے لکھے اور ہر دو سطر میں زیادہ جگہ چھوڑے اور حروف پُر کار لکھے اور مصحف مجید کی ضخامت بڑھائے اور سوائے کلام مجید کے اور باتوں سے جیسے تعشیر[1] و ذکر آیات وعلامات وقف سے مجرور رکھے تاکہ نظم کلمات میں خلل نہ ہو محفوظ رہے جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا مصحف مجید تھا کذا فی القنیہ اور تعشیر کے یہ معنی ہیں کہ ہر دس آیت کے بعد نشان دے اور بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں چھ سو تیس عاشرہ ہیں یہ سراج الوہاج میں ہے اور سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور یہ اگرچہ محدث ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور بہت چیزیں محدث ہیں مگر بدعت حسنہ ہیں اور بہت چیزیں بوجہ اختلاف مکان و زمان کے مختلف ہوتی ہیں یہ جواہر اخلاطی میں ہے اور ابوالحسن فرماتے تھے کہ تراجم سورہ میں جن کے لکھنے کی عادت جاری ہے ان کے لکھنے میں ڈر نہیں ہے جیسا کہ سورتوں کے اوّل میں فصل کے واسطے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھتے ہیں یہ سراج الوہاج میں ہے اور مصحف کو سنہرا اور روپہلا کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ یہ سب مکروہ ہے اور مشائخ نے امام محمد کے قول میں اختلاف کیا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نصرانی کو فقہ و قرآن سکھلاؤں گا شاید وہ راہ راست پر آ جائے مگر مصحف کو نصرانی نہ چھوئے گا اور اگر اس نے غسل کر کے پھر چھوا تو کچھ ڈر نہیں ہے یہ ملتقط میں ہے۔

مصحف مجید اگر کہنہ ہو جائے کہ اس سے تلاوت نہ کی جا سکے اور اس کی اضاعت کا خوف ہو تو پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور دفن کرنا بہ نسبت ایسی جگہ رکھنے کے جہاں اس پر نجاست پڑ جانے کا خوف ہو یا اس کے مثل کسی بات کا خوف ہو بہتر ہے اور دفن کرنے کے واسطے لحد بنائی جائے کیونکہ اگر شق بنائی جائے گی اور دفن کیا جائے گا تو مٹی ڈالنے میں مٹی اس پر پڑے گی اور اس میں ایک گونہ تحقیر ہے لیکن اگر پہلے چھت دے کر یعنی بنگلے لگا کر دفن کیا جائے تاکہ مٹی اس پر نہ پہنچے تو یہ بھی اچھا ہے یہ غرائب میں ہے۔اگر کہنہ ہو گیا کہ اس سے تلاوت نہیں کر سکتے ہیں تو اس کو آگ سے نہ جلایا جائے اس حکم کی طرف امام محمدؒ نے سیر کبیر میں اشارہ کیا ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کذا فی الذخیرہ۔اور جو مصحف کہنہ ہو گیا ایسا نہ رہا کہ اس سے تلاوت ممکن ہو تو یہ نہیں جائز ہے کہ اس سے دوسرے قرآن کو وقتی بنائی جائے یہ قنیہ میں ہے۔لغت و نحو قسم واحد ہے پس ایک کو دوسرے پر رکھنا روا ہے اور کتاب تعبیر ان دونوں سے بلند مرتبہ ہے اور کلام اس سے بلند مرتبہ ہے اور فقہ اس سے بلند ہے اور کتب اخبار یعنی احادیث و مواعظ و دعوات مرویہ[(1)] اس سے بلند مرتبہ اور تفسیر جس میں آیات لکھی ہوئی ہیں کتب قرأت سے بلند مرتبہ ہے۔حالوت یا تابوت جس میں کتابیں ہیں تو ادب یہ ہے کہ ان پر کپڑے نہ رکھے۔نیا کلک کا نیزہ جو استعمال میں نہ آیا ہو اس کو تیر اندازی کے طور پر پھینکنا جائز ہے اور جو مستعمل ہو اس سے تیر اندازی نہ کرے کیونکہ وہ لائق احترام ہے جیسے مسجد کی خشک گھاس اور اس کا جھاڑا ہوا کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالنا چاہئے جو محل تعظیم ہو یہ قنیہ میں ہے اور حسن نے امام اعظمؒ سے روایت کی کہ امام رحمہ اللہ مکہ کا جوار اور مکہ میں اقامت اختیار کرنا[2] مکروہ جانتے تھے کذا فی الذخیرہ۔

---

[1] تعشیر یعنی ہر دس آیات پر علامت یا آیتوں کی علامت یہ اس وقت کہ حرفی علامت ہے اور متاخرین نے نظر عوام کے لیے موافق رونق کے جائز رکھا ہے۱۲ [2] یہ مراد نہیں ہے کہ نعوذ باللہ اس کی بے تعظیمی کی وجہ سے ہو بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ اس کا حق تعظیم ادا نہ ہو سکے گا ۱۲ منہ

(۱) جو روایت کی گئی ہیں ۱۲

چھٹا باب☆

مسابقہ کے بیان میں

قال المترجم☆

مسابقہ لغت میں بمعنی باکسی پیشی گرفتن و رودیدوں یعنی دوڑنے میں کسی سے آگے نکل جانا مگر یہاں عام معنی مراد ہیں خواہ آدمی ہو یا غیر ہو تعلیم فیما تیلے علیک سابق چار چیزوں میں جائز ہے خف یعنی اونٹ میں یعنی اونٹ دوڑانے اور حافر یعنی گھوڑے و خچر میں اور نصل یعنی تیراندازی میں اور قدم چلنے یعنی دوڑ میں اور اس کا جواز جبھی ہے کہ جب بدل ایک ہی طرف سے ہو اور معلوم ہو مثلاً یوں کہا کہ اگر تو مجھ سے سبقت لے گیا تو تیرے واسطے مجھ پر اس قدر مال ہوگا اور اگر میں تجھ سے سابقت لے گیا تو میرا تجھ پر کچھ نہ ہوگا یا اس کے برعکس شرط لگائی اور اگر دونوں طرف سے بدل قرار دیا تو یہ جوا ہے حرام ہے لیکن اگر دونوں نے تیسرے محلل کو داخل کر لیا مثلاً زید نے عمرو سے کہا کہ اگر میں سبقت لے گیا تو میرے واسطے تجھ پر اس قدر مال ہوگا اور اگر تو سبقت لے گیا تو تیرے واسطے مجھ پر اس قدر مال ہوگا اور اگر یہ تیسرا شخص یعنی خالد مثلاً سبقت لے گیا ہو اس کے واسطے کچھ نہ ہوگا اور اس مقام پر جائز ہے یہ مراد ہے کہ بدل حلال ہوگا اور یہ مراد نہیں ہے کہ استحقاق حاصل ہوگا یہ خلاصہ میں ہے اور جب کہ مسابقہ میں مال دونوں طرف سے مشروط ہو اور دونوں نے تیسرے شخص کو بیچ میں داش کر لیا اور دونوں نے تیسرے سے کہا کہ اگر تو ہم دونوں پر سبقت لے گیا تو یہ دونوں مال تیرے واسطے ہوں گے اور اگر ہم دونوں تجھ پر سبقت لے گئے تو ہمارے واسطے کچھ نہ ہوگا تو یہ استحسانا جائز ہے پس اگر تیسرا شخص دونوں سے سبقت لے گیا تو اس کو دونوں مال ملیں گے اور اگر یہ دونوں اس پر سبقت لے گئے پس اگر دونوں ساتھ ہی سبقت لے گئے تو دونوں میں سے ایک کا دوسرے پر کچھ مال نہ ہوگا اور اگر آگے پیچھے سبقت لے گئے تو جو شخص پہلے سبقت لے گیا ہے وہ دوسرے سے مال کا استحقاق[1] رکھتا ہے اور دوسرا اس مال کا استحقاق نہیں رکھتا ہے اور امام محمدؒ نے کتاب میں فرمایا کہ تیسرے شخص کا داخل کرنا جواز کا حیلہ جبھی ہو سکتا ہے کہ جب تیسرے شخص کی شان سے اس امر کا گمان ہو کہ یہ شخص سابق اور مسبوق ہو سکتا ہے اور اگر یہ امر یقینی ہو کہ یہ شخص ان دونوں سے ضرور سبقت لے جائے گا یا ان دونوں سے ضرور بچھڑ جائے گا تو جائز نہیں ہے اور شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل سے نقل کیا گیا ہے کہ شیخ نے فرمایا کہ اگر دو شخص فقہ جاننے والوں میں کسی مسئلہ کے حکم میں باہم اختلاف ہو اور دونوں نے چاہا کہ استاد کی خدمت میں رجوع کریں و باہم یوں شرط کر لی کہ ایک نے کہا کہ اگر حکم وہی ہوگا جو کہتا ہے تو میں تجھے اس قدر مال دوں گا اور اگر وہ ہے جو میں کہتا ہوں تو میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا تو گھوڑ دوڑ میں بطور مذکور بازی لگانے پر قیاس کر کے یہ صورت بھی جائز ہونی چاہئے۔ اسی طرح اگر کسی فقیہ نے اپنے مثل فقیہ سے کہا کہ آؤ ہم تم ایک دوسرے سے مسائل دریافت کریں پس اگر تو نے صحیح جواب دیا اور میں نے خطا کی تو میں تجھے اس قدر دوں گا اور اگر تو نے خطا کی اور میں نے صحیح جواب دیا تو میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا تو بھی جائز ہونا چاہئے اور اسی کو شیخ امام شمس الائمہ حلوائی نے لیا ہے یہ محیط میں ہے اور امیر لوگ جو کیا کرتے ہیں کہ دو شخصوں سے کہتے ہیں کہ جو شخص تم میں سے بڑھ کر رہے گا اس کو اس قدر ملے گا تو یہ بھی جائز ہے۔

قال المترجم☆

واضح ہو کہ امیر لوگ دو شخصوں سے ایسے کام میں یوں کہیں جو کام شرع میں منع نہیں ہے تو یہ حکم ہے اور یہی مراد ہے اور ممنوع

[1] استحقاق سے یہاں حق شرعی مراد نہیں ہے کیونکہ یہ منفی ہے بلکہ قابلیت عرفی مراد ہے ۱۲

کام میں جائز نہیں ہے مثلاً ننگے بدن جائز طور پر کشتی کے لڑنے میں ایسا کہتے ہیں سو وہ جائز نہیں ہے واللہ اعلم۔ طالب علموں نے اگر سبق میں جھگڑا کیا ہر ایک نے چاہا کہ میرا سبق مقدم ہو تو جو شخص پہلے آیا ہے اس کا سبق مقدم ہوگا اور اگر پہلے آنے میں اختلاف کیا پس اگر کسی کے پاس گواہ ہوں تو اس کے گواہ لئے جائیں گے اور اگر گواہ نہ ہوں تو اس میں قرعہ ڈلا جائے گا اور یوں قرار دیا جائے گا کہ گویا دونوں ساتھ ہی آئے ہیں جیسا کہ مسئلہ فرائض میں حرق یعنی جل جانے اور غرق یعنی ڈوب جانے میں ہوتا ہے کہ اگر دو شخص جن میں باہم توارث ہو اور دونوں جل مرے یا ڈوب مرے اور یہ دریافت نہیں ہوتا ہے کہ اوّل کون جلا یا ڈوبا ہے تو یوں قرار دیا جاتا ہے کہ گویا ساتھ ہی مر گئے ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اخروٹ کے ساتھ کھیل جو عید کے روز لڑکے کھیلتے ہیں ان کا کھانا جائز ہے مگر یہ حکم اس وقت ہے کہ ایک نے دوسرے سے بطور قمار یعنی جوئے کے نہ جیتا ہو ورنہ اگر ایسا ہو تو یہ فعل حرام ہے کذا فی خزانۃ المفتین واللہ اعلم۔

ساتواں باب ☆

سلام و چھینک کے جواب کے بیان میں

اگر کوئی شخص کسی کے دروازے پر آیا تو واجب ہے کہ سلام کرنے سے پہلے[1] اجازت طلب کرے پھر جب اجازت حاصل ہونے کے بعد اندر جائے تو پہلے سلام کرے پھر اور بات کرے اور گھر کے باہر میدان میں کسی سے بلاقات ہو تو پہلے سلام کرے پھر بات چیت کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور مشائخ نے اختلاف کیا ہے کہ سلام کرنے والا افضل ہے یا جواب دینے والا پس بعض نے فرمایا کہ سلام کا جواب دینے والا افضل ہے اور بعض نے فرمایا کہ سلام کرنے والا (۱) افضل ہے یہ محیط میں ہے۔ جو شخص کسی کو سلام کرنا چاہے اس کو چاہئے کہ لفظ جمع کے ساتھ سلام کرے اسی طرح جواب سلام (۲) بھی لفظ جمع کے ساتھ چاہئے یہ سراجیہ میں ہے۔ سلام کرنے والے کو افضل یہ ہے کہ یوں کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور جواب سلام دینے والا بھی یوں ہی جواب دے اور برکاتہ سے زیادہ بڑھانا نہ چاہئے چنانچہ علی (۳) ابن عباس نے فرمایا کہ ہر چیز کا منتہیٰ[2] ہوتا ہے اور سلام کا منتہیٰ لفظ برکاتہ ہے کذا فی المحیط اور جواب سلام میں واو عطف کے ساتھ کہے یعنی وعلیکم السلام اور اگر واو حذف کیا یوں کہا کہ علیکم السلام تو کافی ہے۔ اور اگر پہل کرنے والے نے کہا کہ سلام علیکم یا کہا کہ السلام علیکم تو جواب سلام دینے والے کو دونوں صورتوں میں جائز ہے کہ یوں کہے سلام علیکم اور یہ بھی مختار ہے کہ یوں کہے السلام علیکم لیکن الف ولام کے ساتھ کہنا یعنی السلام علیکم کہنا اولیٰ ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا کہ اگر ایک جماعت ایک قوم کے پاس گئی پس اگر سب نے سلام کرنا ترک کیا تو سب گنہگار ہوں[3] گے اور اگر ان میں سے ایک نے سلام کر دیا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا لیکن اگر سب نے سلام کیا تو یہ افضل ہے اور جواب سلام کو اگر سب نے ترک کیا تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر ان میں سے ایک نے جواب دے دیا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا ایسا ہی حدیث میں آیا ہے اور اسی کو فقیہ ابو اللیثؒ نے اختیار کیا ہے اور اگر سب نے جواب سلام دیا تو یہ افضل ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ فتاویٰ آہو میں ہے کہ ایک شخص ایک قوم کے پاس آیا اور اس نے سب کو سلام کیا تو ان لوگوں پر جواب سلام (۴) واجب ہے پھر اگر اس نے اس مجلس میں دوبارہ سلام

[1] پہلا قول حدیث میں آنحضرت ﷺ نے تعلیم فرمائی کہ یوں کہے کہ والسلام علیکم کیا میں آؤں اس میں سلام مقدم ہے اور فقہ کی نظر سے شاید حق یہ کہ جہاں سلام کی آواز مکان میں پہنچے وہاں سلام مقدم ہے ورنہ جو طریقہ کتاب میں مذکور ہے ۱۲ منہ [2] قال المترجم حدیث میں ایک نے بڑھا کر تمت بہ کر سلام کیا تو آپ نے فقط وعلیک کہہ کر فرمایا کہ تو نے بڑھانے کو مجھے کچھ نہیں چھوڑا ۱۲ [3] قال المترجم اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلام کرنا فقیہ ابو اللیثؒ کے نزدیک واجب ہے مگر مشہور مذہب یہ ہے کہ سلام کرنا مسنون ہے اور جواب سلام واجب ہے ۱۲ منہ (۱) یہی صحیح اگرچہ سلام سنت اور جواب واجب ہے ۱۲

(۲) اگرچہ مخاطب ایک ہی شخص ہو ۱۲ (۳) شاید صحیح عبداللہ بن عباس ہو ۱۲ منہ (۴) یعنی بر سبیل کفایہ ۱۲

لوگوں کو سلام کیا تو دوبارہ ان لوگوں پر جواب دینا واجب نہیں ہے پھر اسی طرح تشمیت یعنی چھینک کا جواب دینا بھی دوبارہ میں واجب نہیں ہوتا ہے مگر مستحب ہے[1] یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ نوازل میں ہے کہ زید مثلاً ایک قوم کے ساتھ بیٹھا ہے پھر خالد آیا اور کہا کہ السلام علیک پس قوم میں سے کسی شخص نے جواب دے دیا تو یہ جواب اس کی طرف سے جس کو اس نے سلام کیا ہے نائب ہوگا اور زید کے ذمہ سے جواب سلام ساقط ہو جائے گا اور مراد یہ ہے کہ خالد نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کر کے سلام کیا ہے خاص زید کا نام نہیں لیا ہے تو ایسا حکم ہے کیونکہ اس صورت میں خالد کی نیت سب کو سلام کرنے کی ہے اور یہ جائز ہے کہ ایک جماعت کو بلفظ واحد خطاب کرے یہ سب صورت میں ہے کہ خالد نے زید کا نام نہ لیا ہو اور اگر خاص نام لے کر یوں کہا کہ السلام علیک یا زید پس سوائے زید کے دوسرے شخص نے خالد کو جواب دیا تو زید کے ذمہ سے فرض ساقط نہ ہوگا اور اگر اس نے خاص زید کا نام نہ لیا ہو مگر زید کی طرف اشارہ کر کے سلام کیا ہو تو ایسی صورت میں زید کے ذمہ سے جواب ساقط ہو جائے گا کیونکہ خالد کی نیت[2] سب کو سلام کرنے کی ہے یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص ایک قوم کی طرف گذرا کہ وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے پس اگر احتیاج رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ لوگ بلائیں گے تو سلام کرے ورنہ نہیں یہ وجیز کردری میں ہے۔ سائل نے اگر سلام کیا تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے یہ خلاصہ میں ہے سائل اگر کسی شخص کے دروازہ پر آیا اور کہا کہ السلام علیک تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے اسی طرح اگر کچہری میں قاضی کو سلام کیا تو بھی یہی حکم ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور مشائخ نے شہری و دیہاتی میں اسی طرح اختلاف کیا ہے کہ بعضوں نے فرمایا کہ جو شخص شہر سے آتا ہے وہ اس شخص کو جو گاؤں والوں میں سے اس کے سامنے پڑے سلام کرے اور بعضوں نے اس کے برعکس کہا ہے اور سوار آدمی پیدل کو سلام کرے اور جو کھڑا ہو وہ بیٹھے ہوئے کو اور قلیل لوگ کثیر جماعت کو اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے کذا فی الخلاصة اور جو شخص پیدل جاتا ہے وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور جو شخص پیچھے سے آتا ہے وہ آگے والے کو سلام کرے یہ محیط میں ہے۔

عورت و مرد سے اگر ملاقات ہو تو پہلے مرد سلام کرے کذا فی فتاویٰ قاضی خان بہت مرد و بہت عورتیں ایک مرد کے سامنے آئے تو حکماً یہ مردان سب کو سلام کرے نہ دیانۃً یہ وجیز کردری میں ہے۔ جب دو شخص باہم ملے تو دونوں میں سے جو شخص سلام کرنے میں پہل کرے وہی دونوں میں سے افضل رہا پس اگر دونوں نے ساتھ ہی سلام کیا تو ہر واحد جواب دے اور جواب سلام دینے کے واسطے وضو کے ساتھ ہونا افضل ہے اور اگر تیمم کر لیا تو بھی کافی ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے اہل خانہ کو سلام کرے اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہے السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین کذا فی المحیط اور ہر بار جب داخل ہو اسی طرح سلام کرے یہ تاتارخانیہ میں صیرفیہ سے نقل ہے۔ لڑکوں کو سلام کرنے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے فرمایا کہ لڑکوں کو سلام نہ کرے اور یہی قول حسنؒ کا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اگر یہ شخص لڑکوں کو سلام کرے تو افضل ہے اور یہی قول شریحؒ کا ہے اور اسی کو فقیہ ابو اللیثؒ نے اختیار کیا ہے۔ ذمیوں کو سلام کرنے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے کہا کہ ذمیوں کو سلام کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ ان کو سلام نہ کرے اور یہ سب اُس صورت میں ہے کہ سلام کرنے والے کو ذمی سے کوئی حاجت متعلق نہ ہو اور اگر ذمی سے کوئی غرض ہو تو اس کو سلام کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور ذمیوں کے سلام جواب دینے میں کچھ ڈر نہیں ہے لیکن اس سے زیادہ جواب میں نہ کہا جائے وعلیکم۔ فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک قوم کی طرف ہو کر گذرا اور قوم میں کافر لوگ بھی تھے تو اس کو اختیار ہے چاہے مسلمانوں کی نیت کر کے یہ کہے السلام علیکم اور اگر چاہے تو یوں کہے السلام علی من اتبع الہدیٰ

[1] مراد یہ ہے کہ اس جلسہ میں اس نے دوبارہ چھینک لی تو مستحب ہے جب کہ اس کو زکام نہ ہو ۱۲ [2] یہ بات بطور حسن ظن کے ہے کہ مسلمان آدمی خلاف شرع نہ کرے گا ۱۲

یہ ذخیرہ میں ہے۔ سلام کرنا زائرین کا تحیہ ہے یعنی جو کسی کی زیارت کو جائے تو سلام کرے اور جو لوگ مسجد میں تلاوت قرآن و تسبیح کے لیے یا نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں وہ لوگ اس واسطے نہیں بیٹھے ہیں کہ زیارت کرنے والے لوگ یعنی ہماری ملاقات چاہنے والے لوگ ہمارے پاس آئیں پس ایسے وقت میں سلام کا وقت نہیں ہے پس ایسے لوگوں کو سلام نہ کرے اور اسی وجہ سے مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر مسجد میں کسی آنے والے نے ان کو سلام کیا تو ان کو روا ہے کہ اس کا جواب نہ دیں یہ قنیہ میں ہے۔ اگر آواز سے قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے اور ایسے ہی مذاکرہ کے علم کے وقت بھی یہی حکم ہے اور اذان دینے و اقامت کہنے کے وقت بھی یہی حکم ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان صورتوں میں جواب سلام بھی نہ دے یہ غیاثیہ میں ہے۔ اگر حالت تلاوت میں کسی نے سلام کیا تو مختار یہ ہے کہ جواب دینا واجب ہے کذا فی وجیز الکردری۔ اسی کو صدر الشہید نے اختیار کیا ہے اور ایسا ہی فقیہ ابواللیثؒ نے اختیار کیا ہے یہ محیط میں ہے اور جمعہ و عیدین کے روز خطبہ کے وقت اور جب لوگ نماز میں مشغول ہوں کہ ان میں کوئی ایسا نہ ہو جو نماز نہ پڑھتا ہو تو ایسے وقت میں سلام نہ کرے یہ خلاصہ میں ہے۔ اصل میں ہے کہ قوم کو نہ چاہئے کہ ایسے وقت یعنی وقت خطبہ کے چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہہ کر جواب دیں یا سلام کا جواب دیں صلوٰۃ الاثر میں ہے کہ امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ سے یوں روایت کی کہ لوگ سلام کا جواب دیں گے اور چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہیں گے پس یہ قول جو صلوٰۃ الاثر سے نقل ہے اس سے ظاہر ہوا کہ اصل میں جو مذکور ہے وہ امام محمدؒ کا قول ہے اور مشائخ نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا اس میں اختلاف اس بناء پر ہے کہ اگر اس نے فی الحال جواب نہ دیا پس آیا خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد جواب دے گا تو امام محمدؒ کے قول پر جواب[1] دے گا و امام ابو یوسفؒ کے قول پر نہیں دے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک قوم میں سب لوگ علمی مذاکرہ کرتے ہوں یا ایک ذکر کرتا ہو اور باقی لوگ اس کا کلام سنتے ہوں تو ان لوگوں کو سلام نہ کرے اور اگر کرے گا تو گنہگار ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے فقہ سیکھنے والا اپنے استاد[(1)] کو سلام نہ کرے اور اگر سلام کیا تو اس کا جواب دینا واجب نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔ امام جلیل ابو بکر محمد بن الفضل بخاریؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جو شخص ذکر کرنے کی غرض سے بیٹھا خواہ کسی قسم کا ذکر ہو پھر اس کے پاس کوئی آیا اور سلام کیا تو اس کو روا ہے کہ جواب نہ دے یہ محیط میں ہے۔

بڈھے دلگی باز کو یا رندیا کذاب یا بیہودہ گو کو اور جو لوگوں کو برا کہتا رہتا ہو اور جو بازار میں عورتوں کو گھورتا ہو ایسے لوگوں کو سلام نہ کرے بشرطیکہ ان لوگوں کا توبہ کر لینا معلوم نہ ہوا ہو یہ قنیہ میں ہے اور جو شخص گاتا ہو یا پیشاب کرتا ہو اور جو کبوتر اڑایا کرتا ہو اس کو سلام نہ کرے اور حمام میں سلام نہ کرے اور ننگے آدمی کو جس نے قوم کو ڈرسنانے[2] کے لیے یہ حالت بنائی ہے سلام نہ کرے اور ان لوگوں پر جواب دینا بھی واجب نہیں ہے یہ غیاثیہ میں ہے اور فاسقوں کو سلام کرنے میں اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کرے یہ تمرتاشی میں ہے اگر کسی شخص کے پڑوسی سفیہ[(2)] لوگ ہوں کہ اگر یہ شخص ان لوگوں کو سلام کرتا ہو تو اس سے شرمندہ ہو کر شرارت و بدی چھوڑتے ہیں اور اگر سلام نہیں کرتا تو فواحش پر کمر باندھتے ہیں تو ظاہر اس مسئلہ میں یہ شخص معذور[(3)] ہے یہ متفرقات قنیہ میں ہے اور جو شخص بطور لہو و لعب کے شطرنج کھیلتا ہو اس کو سلام کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر بطریق تادیب و زجر کے اس کو سلام نہ کیا تاکہ ایسا کام چھوڑ دے تو کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر یہ شخص شطرنج کو تشحیذ خاطر یعنی تیزی[3] ذہن کے واسطے کھیلتا ہو تو اس پر سلام کرنے میں کچھ ڈر ہے اور مستزاد میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہؒ نے شطرنج کھیلنے والے کو سلام کرنے میں کچھ باک نہیں خیال فرمایا

---

[1] جواب دے گا قول یوں ہے نسخہ اصل میں ہے اور ظاہر صحیح یہ کہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر جواب دے نہ امام محمدؒ کے قول پر فافہم ۱۲

[2] ڈرسنانے الخ عرب کا دستور تھا کہ جب خوفناک دشمن سے کوئی واقف ہوتا تو ننگا ہو کر چلاتا اور اپنا نام والنذیر العریان رکھتا تھا ۱۲

[3] تیزی الخ جواب سلام میں بوجہ وجوب کے یہ احتیاط ہے اگرچہ اس طرح شطرنج کھیلنا بھی مکروہ ہے ۱۲

(۱) یعنی جو مشغول ہو ۱۲ (۲) بیوقوف جاہل ۱۲ (۳) یعنی سلام کرے

بدیں غرض کہ جس فعل میں مبتلا ہے اس سے دوسری طرف مشغول ہو جائے مگر امام ابو یوسفؒ نے ان لوگوں کی تحقیر کی غرض سے ان کو سلام کرنا مکروہ جانا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص پیخانہ میں پھرتا اور پیشاب کرتا ہے اس کو کسی نے سلام کیا تو سلام کرنے والے کو ایسی حالت میں سلام نہ کرنا چاہئے لیکن اگر اس نے سلام کیا تو پیخانہ والے کے حق میں امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اپنے دل سے اس کے سلام کا جواب دے زبان سے نہ دے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دل سے جواب دے نہ زبان سے اور فارغ ہونے کے بعد بھی جواب نہ دے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ حاجت سے فارغ ہونے کے بعد جواب دے اور اگر اجنبی عورت نے کسی مرد کو سلام کیا پس اگر وہ عورت بڈھی ہو تو یہ مرد اس کو ایسی آواز سے اپنی زبان سے جواب دے کہ وہ عورت سن لے اور اگر یہ عورت جوان ہو تو دل سے اس کا جواب دے دے اور اگر مرد اجنبی نے کسی عورت کو سلام کیا تو اس کے برعکس حکم ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کسی نے دوسرے کو حکم دیا کہ فلاں شخص کو میرا سلام کہہ دے تو اس پر واجب ہوگا یہ غیاثیہ میں ہے اور امام محمدؒ نے کتاب السیر کی باب الجعائل میں ایک حدیث روایت کی جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اگر شخص غائب کا سلام کسی نے کسی کو پہنچایا تو اس کو چاہئے کہ پہلے اس کو جس نے سلام پہنچایا ہے سلام کرے پھر اس غائب کو سلام کرے کذانی الذخیرہ۔

قال المترجم ☆

یہ حدیث بہت صحیح ہے اور صورت یہ ہے کہ زید نے عمرو کا سلام بکر کو پہنچایا تو بکر کو چاہئے کہ زید سے یوں کہے وعلیکم وعلیہ السلام ہکذا روی فی الحدیث فاحفظہ جواب سلام کی فرضیت بدوں اس کے ساقط نہیں ہوتی کہ جس نے سلام کیا تھا اس کو جواب سنا دے جیسا کہ جواب واجب نہیں ہوتا ہے جب تک کہ سلام کو نہ سنائے یہ غیاثیہ میں ہے اور اگر سلام کرنے والا بہرا ہو تو چاہئے کہ اپنے لبوں کی جنبش اس کو دکھلائے[1] اور یہی حکم چھینک کے جواب کا ہے یہ کبریٰ میں ہے اور کلمہ کی انگلی سے سلام کرنا مکروہ ہے یہ غیاثیہ میں ہے یہ چھینکنے والے کو جواب دینا واجب ہے اگر خود چھینکنے والے نے الحمدللہ کہا پس تین[1] مرتبہ تک اس کو جواب دے پھر اس کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے جواب دے یا نہ دے یہ سراجیہ میں ہے اور چھینکنے والے کے پاس جو شخص حاضر ہے اس کو چاہئے کہ چھینکنے والے کو تین بار تک اگر وہ ایک ہی مجلس میں مکرر چھینکے تو جواب دے پھر اگر اس نے تین بار سے زیادہ چھینکا تو چھینکنے والا ہر بار الحمدللہ کہے گا اور جو اس کے پاس ہے وہ اگر ہر بار اس کا جواب دے تو اچھا ہے اور اگر نہ دے تو بھی اچھا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر ایک شخص نے کئی بار چھینکا اور مرد حاضر نے اس کو ہر بار جواب دیا تو خیر اور اگر تاخیر کر دی پھر آخر میں جواب دیا تو ایک ہی جواب کافی ہو جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر خارج نماز کسی شخص نے چھینکا تو اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد یوں کرے کہ الحمدللہ رب العالمین یا یوں کہے الحمدللہ علی کل حال۔ اس کے سوائے اور کچھ نہ کہے اور جو شخص حاضر ہو اس کو جواب دینا چاہئے اس طرح کہ یرحمک اللہ۔ پھر چھینکنے والا کہے یغفر اللہ لنا ولکم یا یوں کہے۔ یہدیکم اللہ ویصلح بالکم۔ اس کے سوائے اور کچھ نہ کہے یہ محیط میں ہے۔ ایک عورت نے چھینکا پس اگر بڈھی ہو تو اس کو جواب دے اور اگر جوان ہو تو دل میں اس کا جواب دے یہ خلاصہ میں ہے۔ اگر کسی مرد نے چھینکا تو عورت اس کو جواب دے گی پھر اگر یہ عورت بڈھی ہو تو مرد اس کو جواب دے دے اور اگر جوان ہو تو دل سے اس کا جواب دے دے یہ ذخیرہ میں ہے۔ جوان خوبصورت عورت نے چھینکا تو سوائے اس کے محرم مردوں کے کوئی اس کو آواز سے چھینک کا جواب نہ دے یہ غرائب میں ہے۔ اگر اذان کی حالت میں کسی نے چھینکا تو حمد کرے اور حاضر آدمی اس کو جواب دے گا اور

[1] قال المترجم حدیث صحیح میں ہے کہ ایک مرد نے آنحضرت ﷺ کے حضور میں چھینکا اور الحمدللہ کہا پس آپ نے جواب میں فرمایا یرحمک اللہ پھر اس نے چھینکا تو آپ نے فرمایا کہ تجھے زکام ہے یعنی جواب نہ دیا اور شاید یہ حکم خاص زکام کی صورت میں ہو ۱۲ (۱) یعنی جواب تین ہونٹ ہلا ۱۲

قاضی عبدالجبار معتزلی نے کہا کہ وہ حمد نہ کرے یہ قنیہ میں ہے۔ اگر نماز پڑھنے والے نے چھینکا اور کسی نے اس کا جواب دیا کہ یرحمک اللہ پھر نمازی نے کہا کہ غفر اللہ لے ولک تو جواب ہو جائے گا اور اس کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

نواں باب ☆

آدمی کا جس کو دیکھنا اور چھونا حلال ہے اور جس کا حلال نہیں ہے اس کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ نظر کے مسائل چار قسم کے ہیں اوّل مرد کا مرد کو دیکھنا دوم عورت کا عورت کو دیکھنا سوم عورت کا مرد کو دیکھنا چہارم مرد کا عورت کو دیکھنا۔ پس ہم قسم اوّل کا بیان کرتے ہیں کہ مرد کو مرد کی طرف نظر کرنا سوائے اس کے مقام ستر کے سب جگہ جائز ہے کذا فی المحیط اور اسی پر اجماع ہے کذا فی الاختیار شرح المختار اور مقام ستر مرد کا اس کے ناف سے لے کر آخر گھٹنے تک ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ناف سے نیچے بال جمنے کی جگہ تک ظاہر الروایہ کے موافق مقام ستر ہے پھر واضح ہو کہ ان کی بہ نسبت گھٹنے کا ستر ہونا کم ہے اور سب شرمگاہ کی بہ نسبت ران کا ستر ہونا کم ہے پس اگر کسی شخص نے دوسرے کو گھٹنا کھلا ہوا دیکھا تو اس کو نرمی کے ساتھ منع کرے اور اگر وہ باصرار جھگڑے پر آمادہ ہو تو اس کے ساتھ جھگڑا نہ کرے اور اگر ران کھلی ہوئی دیکھے تو اس کو سختی سے منع کرے اور اگر وہ جھگڑے پر آمادہ ہو تو اس کو نہ مارے اور اگر شرمگاہ کھلی ہوئی دیکھے تو اس کو حکم کرے کہ اس کو چھپائے اور اگر وہ جھگڑا کرنے لگے تو اس کو ادب کے واسطے مارے یہ کافی میں ہے۔ ابانہ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں کچھ ڈر نہیں ہے کہ حمامی کسی نہانے والے مرد کا مقام ستر دیکھے یہ تاتارخانیہ میں ہے مترجم کہتا ہے کہ ظاہر امراد ستر سے سوائے شرمگاہ کے ہے پس سوائے شرمگاہ[1] کے باقی ران و گھٹنا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے چنانچہ مذہب مشہور امام مالک وحمیدی وغیرہ سے ران ستر نہیں ہے اگرچہ بروایت حدیث ترمذی کہ جس کی امام ترمذی نے تحسین کی ہے ران مقام ستر میں سے ہے پس امام اعظمؒ نے بسبب مختلف فیہ ہونے کے بضرورت اس کو جائز رکھا ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور مرد کا جس قدر جسم دوسرے مرد کو دیکھنا مباح ہے اس کا چھونا بھی مباح ہے یہ ہدایہ میں ہے اور اس میں ڈر نہیں ہے کہ حمام والا کسی مرد کے پشم کے بال نورہ لگا کر اپنے ہاتھ سے صاف کر دے بشرطیکہ اپنی آنکھیں بند کئے رہے۔ مگر فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ یہ بات فقط ضرورت کے وقت ہے بغیر ضرورت کے نہیں ہے اور نورہ لگا کر پشم کے بال صاف کرنے میں ہر شخص کو اپنے ہاتھ سے صاف کرنا چاہئے یہ محیط میں ہے اور قسم ثانی کو ہم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جہاں مرد کو مرد دیکھ سکتا ہے وہیں عورت کو عورت دیکھ سکتی ہے کذا فی الذخیرہ اور یہی اصح ہے یہ کافی میں ہے اور کسی عورت کو یہ جائز نہیں ہے کہ شہوت سے دوسری عورت کا پیٹ دیکھے یہ سراجیہ میں ہے اور نیک پارسا عورت کو نہ چاہئے کہ کسی بدکار عورت کو اپنے آپ کو دیکھنے دے کیونکہ بدکار عورت اس کا حال وصف مردوں سے بیان کرے گی پس اپنی اوڑھنی وخمار اس کے پاس نہ رکھے اور مؤمنہ عورت کو یہ حلال نہیں ہے کہ مشرکہ باندی یا کتابیہ عورت کے سامنے کپڑے اتار دے لیکن اگر یہ عورت اسی کی باندی ہو تو یہ حکم نہیں ہے یہ سراج الوہاج میں ہے اور قسم سوم کا بیان یہ ہے کہ عورت کو اجنبی مرد کی طرف دیکھنا ایسا ہے جیسے مرد کا مرد کو دیکھنا کہ اس کے تمام بدن کو سوائے ناف سے لے کر گھٹنے کے آخر تک دیکھنا روا ہے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ عورت مذکور یہ بات قطعاً ویقیناً جانتی ہو کہ اگر میں نے مرد اجنبی کے بعض بدن کو جو مرد کو دیکھنا جائز ہے دیکھا تو میرے دل میں شہوت جوش نہ کرے گی اور اگر یہ جانتی ہو کہ شہوت جوش کرے گی یا اس میں شک ہو یعنی دونوں باتوں کا کہ جوش کرے گی یا نہ کرے گی گمان برابر ہو تو میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے کہ عورت اپنی آنکھ کو بند کر لے ایسا ہی امام محمدؒ نے کتاب

① اصل میں لفظ انسان ہے لیکن یہ قسم خاص کر مردوں کے بیان میں ہے ۱۲ (۱) یعنی مقام پیشاب و پیخانہ ۱۲

الاصل میں ذکر فرمایا ہے۔ پس امام محمدؒ نے یہ استحسان ایسی صورت میں ذکر فرمایا کہ جب اجنبی مرد کو دیکھنے والی عورت ہو تو یہ حکم ہے اور جس صورت میں مرد کسی اجنبی عورت کو دیکھنے والا ہو تو فرمایا کہ فلیجتنب بجہدہ یعنی واجب ہے کہ اپنی کوشش سے نظر ڈالنے سے اجتناب کرے اور یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ دیکھنا حرام ہے اور صحیح حکم[1] دونوں صورتوں میں یہی ہے اور عورت اجنبی مرد کا بدن کسی جگہ سے نہ چھوئے بشرطیکہ کوئی ان میں سے جوانی کی نوبت پر حد شہوت پر ہو اگرچہ دونوں اپنی ذات پر شہوت جوش کرنے سے بےخوف ہوں[2]۔ اور باندی کے حق میں روا ہے کہ اجنبی مرد کے تمام بدن کو سوائے ناف سے گھٹنے کے نیچے تک دیکھے اور اس قدر بدن جس کا دیکھنا جائز ہے اس کو چھو سکتی ہے بشرطیکہ دونوں شہوت جوش کرنے سے بےخوف ہوں۔ آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ لوگوں میں بدوں کسی منکر کے انکار کی یہ عادت جاری ہے کہ باندی اپنے مولاۃ کے شوہر کے پاؤں دابتی ہے اور یہ بات دلالت کرتی ہے کہ چھونا جائز ہے یہ محیط میں ہے۔ قسم چہارم کا بیان یوں ہے کہ مرد کا عورت کی طرف دیکھنا چار طرح پر ہے اول یہ کہ مرد اپنی جورو یا باندی کو دیکھے دوم مرد ایسی عورتوں کی طرف دیکھے جو ہمیشہ کے واسطے اس پر حرام ہیں جن کو محرمات کہتے ہیں۔ سوم مرد کسی اجنبی آزاد عورت کو دیکھے چہارم مرد کسی غیر کی باندی کو دیکھے۔ پس مرد کا اپنی عورت باندی کے سر سے پیر تک دیکھنا حلال ہے خواہ شہوت سے ہو یا بلا شہوت ہو اور یہ بات ظاہر ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ان دونوں مرد و عورت میں سے کوئی دوسرے کے مقام ستر کو نہ دیکھے کذا فی الذخیرہ۔

باندی سے اس مقام پر وہ باندی مراد ہے جس کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے اور اگر ایسی باندی ہو جس کے ساتھ وطی حلال نہیں ہے مثلاً مجوسیہ یا مشترکہ باندی اس کی مالک ہو یا اس کی ماں بہن رضائی ہو یا اس کی جورو کی ماں یا بیٹی ہو تو اس پر مرد کو اس کی شرمگاہ دیکھنا حلال نہیں ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اولیٰ یہ ہے کہ جماع کے وقت اپنی جورو کی فرج دیکھے تاکہ لذت پوری پوری حاصل ہو یہ تبیین میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے دریافت کیا کہ ایک شخص اپنی عورت کی فرج کو مس کرتا ہے اور عورت اس کے آلہ تناسل کو مس کرتی ہے تاکہ اس کا آلہ تناسل کھڑا ہو جائے پس آیا آپ کے نزدیک اس میں کوئی برائی ہے فرمایا کہ نہیں اور مجھے امید ہے کہ اس کو ثواب ملے گا یہ خلاصہ میں ہے۔ اگر کوٹھری چھوٹی ہو پانچ سے دس گز تک تو اپنی جورو کو جماع کے واسطے ننگا کر سکتا ہے اور مجد الائمہ ترجمانی و رکن الصباغی اور حافظ سائلی نے فرمایا کہ بیت میں اگر دونوں ننگے ہو جائیں (۱) تو کچھ ڈر نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔ اگر مرد و اس کی عورت دونوں لیٹے ہوں وطی نہ کرتے ہوں تو ایسی حالت میں کچھ ڈر نہیں ہے کہ ان کے محارم پکار کر ان کے پاس جائیں مگر بلا اجازت کوئی نہ جائے اور یہی خادم[3] کا حکم ہے جب کہ مرد و عورت خلوت میں ہوں یا مرد اپنی باندی کے ساتھ خلوت میں ہو یہ غیاثیہ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی باندی کا ہاتھ پکڑا اور اس کو کوٹھری میں لے گیا اور کواڑ بند کر لئے کہ لوگوں نے معلوم کیا کہ اس باندی سے وطی کرنا چاہتا ہے تو یہ مکروہ ہے۔ ایک شخص نے اپنی جورو سے اس کی سوت کے سامنے یا اپنی باندی کے سامنے وطی کی تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور اس وجہ سے اہل بخارا نے چھت پر سونا مکروہ جانا ہے یہ ملتقط میں ہے۔ کسی مرد کا اپنی محرمات (۲) باندی کو دیکھنا سو اس کا بیان اس طرح ہے کہ ہر مرد ایسی عورت کا جو اس پر ہمیشہ کے واسطے حرام ہے مقام زینت ظاہرہ باطنہ کو دیکھ سکتا ہے اور مواضع (۳) زینت یہ ہیں۔ سر، بال، گردن، سینہ، کان، بازو، ہاتھ، ہتھیلی، پنڈلی، پاؤں، چہرہ پس سر کی زینت تاج (۴) و اکلیل سے ہوتی ہے۔ اور بال کی زینت عقاص سے اور گردن میں قلادہ ہوتا ہے اور سینہ بھی ایسا ہی ہے اور

---

۱ یعنی خواہ عورت اجنبی مرد کو یا مرد اجنبی عورت کو دیکھے صحیح یہ ہے کہ حرام ہے ایسی صورت میں ۱۲ منہ ۲ مترجم کہتا ہے مجھ کو اس روایت کی صحت معلوم نہ ہوئی واللہ اعلم ۱۲ منہ ۳ خادم غلام یا باندی ۱۲ منہ (۱) یعنی بیت کی کوئی مقدار مقرر کی ۱۲ منہ (۲) جیسے ماں، بہن، نانی، دادی وغیرہ ۱۲ منہ (۳) یعنی وہ جگہ بدن کی زینت کے واسطے ہوتی ہے ۱۲ منہ (۴) بطور سربند کے جواہر سے مرصع کرتی ہیں ۱۲

قلادہ (۱) حمائل ہے کہ کبھی سینہ تک پہنچتی ہے کان گوشوارہ کے واسطے ہے اور بازو مقام دملوح ہے اور ہاتھ مقام کنگن ہے اور ہتھیلی مقام انگوٹھی و منہدی وغیرہ رنگین کرنے کا ہے اور پنڈلی میں خلخال ہوتی ہے اور قدم میں رنگ منہدی ہوتا ہے یہ مبسوط میں ہیاور کچھ ڈر نہیں ہے کہ آدمی اپنی ماں و بالغہ بیٹی و بہن و ہر ایسی عورت کے جو اس پر ہمیشہ کے واسطے حرام ہے جیسے نانی، دادی، پرنانی، پردادی وغیرہ علی ہذا القیاس اور اولاد کی اولاد وغیرہ اور پھوپھیاں و خالاؤں کے بالوں کو دیکھے یا سینہ و گیسوؤں و پستان و بازو و ہاتھ کی طرف نظر کرے مگر ان لوگوں کی پیٹھ و پیٹ کو اور جس قدر بدن ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہے وہ نہ دیکھے اور یہی حکم اس عورت کا ہے جو عورت بسبب رضاعت کے یا سبب دامادی قرابت کے اس پر ہمیشہ کے واسطے حرام ہوگئی ہو جیسے باپ یا سگے دادا پردادا وغیرہ کی جورو و بیٹے ایا سگے پوتے و پرپوتے وغیرہ کی جورو جیسے اس عورت کی بیٹی جس سے اس نے نکاح کر کے وطی کر لی ہے اور اگر اس عورت سے وطی نہ کی ہو تو اس کی بیٹی بمنزلہ اجنبی عورت کے ہے یعنی جو حکم اجنبی عورت کی صورت میں مذکور ہوا ہے وہی اس کا حکم ہے۔ اور اگر حرمت مصاہرہ یعنی دامادی کی وجہ سے جو عورتیں دائمی حرام ہو جاتی ہیں بسبب زنا کے ہو تو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے فرمایا کہ زنا کی وجہ سے جو حرمت مصاہرہ ہو اس میں دیکھنا و چھونا مباح نہیں ہوتا ہے یعنی جس عورت سے زنا کیا اس کی ماں کو مثلاً دیکھنا و چھونا مثل مذکورۂ بالا کے جائز نہیں ہے اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے فرمایا کہ اس سے بھی دیکھنا و چھونا مباح ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے دائمی حرمت ثابت ہو جاتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور یہی صحیح ہے یہ محیط میں ہے اقول وفیہ خلاف الشافعی وغیرہ واحد بناء علی مارواہ البخاری فی جامعہ الصحیح ولیس ہذا مقام نقلہ ان شئت فلتر اجعھا اور واضح رہے کہ یہ دیکھنا جو حلال بیان کیا گیا ہے اسی صورت میں ہے کہ جب اپنی ذات سے شہوت جوش کرنے سے بے خوف ہو اور اگر اس کو اپنی ذات پر شہوت کا خوف ہو تو مباح نہیں ہے اور یہی حال چھونے کا ہے کہ چھونا جبھی مباح ہے کہ جب اپنے اوپر اور اس عورت پر جو محرمات ابدیہ میں سے ہے شہوت کا خوف نہ ہو اور اگر اپنی ذات پر یا اس عورت کی ذات پر جو دائمی حرام ہے۔ شہوت کا خوف ہو تو اس کو اس عورت کا چھونا مباح نہیں ہے۔ اور یہ حلال نہیں ہے کہ کسی محرمات ابدیہ کے پیٹ کو یا پیٹھ کو یا پہلو کو دیکھے اور نہ ان چیزوں میں سے کسی کا چھونا حلال ہے یہ محیط میں ہے۔

والدین یا بزرگوں کے پاؤں (وغیرہ) دبانے کی بابت کچھ احتیاطیں و آداب ☆

بیٹے کو روا ہے کہ اپنی ماں کی خدمت کی غرض سے اپنی ماں کا پیٹ ملے یا پیٹھ دبائے بشرطیکہ کپڑے کے اوپر سے ہو یہ قنیہ میں ہے۔ شیخ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ میں نے شیخ امام ابوبکر سے سنا کہ فرماتے تھے کہ اگر مرد پنڈلیوں تک پاؤں دبائے تو کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر ران کو دبائے تو مکروہ ہے مگر کپڑے کے باہر سے چھو سکتا ہے اور فرماتے تھے ہر مرد اپنے والدین کے پاؤں داب سکتا ہے اور والدین کی ران نہیں داب سکتا ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ اس امر کو مباح جانتے تھے کہ ران کو دبائے اور اس کو چھوئے خواہ کپڑے کے اوپر سے ہو یا نہ ہو یہ غرائب میں ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ مرد کو جائز ہے کہ ایسی عورت کے ساتھ جو اس پر ہمیشہ کے واسطے حرام ہے سفر کرے اور اس کی خلوت میں بیٹھے بشرطیکہ اپنی ذات پر شہوت سے بے خوف ہو اور اگر یہ جانتا ہو کہ اگر میں نے اس کے ساتھ سفر کیا یا خلوت میں بیٹھا تو مجھ کو شہوت ہوگی یا اس کو شہوت ہوگی پس اگر اس کا غالب گمان یہ ہو یا شکست ہو تو ایسا کرنا مباح نہیں ہے اور اگر سفر میں مرد کو ضرورت پیش آئی کہ محرمات ابدیہ میں سے کسی عورت کو اُٹھا کر سوار کرے یا سواری پر سے اتارے تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ کپڑے کے اوپر سے اس کا پیٹ یا پیٹھ پکڑ کر سوار کرے یا اتارے اور اگر اس کو اپنی ذات پر یا اس کی ذات پر شہوت کا خوف ہو تو کوشش کے ساتھ

---

۱ وفیہ دے یہ مراد کہ چاہے اسی طرح کتنا ہی رشتہ نیچا اور ہوتا جائے ۱۲ منہ

(۱) یعنی ایک قسم کا زیور ہے کہ گردن میں ڈالتی ہیں وہ کبھی سینہ تک پہنچتا ہے ۱۲

اس سے پرہیز کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اگر اس عورت سے خود سوار ہو جانا یا اتر آنا ممکن ہو سکے تو بالکل اس سے دور رہے اور اگر اس سے یہ بات ممکن نہ ہو تو یہ مرد اس امر میں بہت تکلف کرے یعنی بہت سے کپڑوں کے اوپر سے اس کو پکڑے تاکہ اس کے بدن کی حرارت اس کو نہ پہنچے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اپنے دل سے شہوت دور کرنے کے واسطے تکلف کرے یعنی اس کے ساتھ ایسے فعل کا جس سے قضائے شہوت ہوتی ہے ہرگز قصد نہ کرے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور غیر شخص کی باندی کی طرف نظر کرنے میں وہی حکم ہے جو محرمات کی طرف نظر کرنے میں ہے اور غیر کی باندی کے پیٹ و پیٹھ کو دیکھنا حلال نہیں ہے جیسا کہ محرمات کے حق میں ہے۔ اور محمد بن مقاتل رازی یوں فرماتے تھے کہ غیر کی باندی کے ناف کے نیچے سے گھٹنے تک دیکھنا حلال نہیں ہے اور اس کے سوائے تمام بدن کی طرف نظر کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور جو باندی کہ مدبرہ ہے یا مکاتبہ ہے یا ام ولد ہے وہ مثل باندی کے ہے اور جو باندی مستسعاۃ ہے یعنی سعایت کر رہی ہے کہ مقدار معلوم مال کما کر دے دے تو آزاد ہو جائے وہ مثل مکاتبہ کے ہے یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے یہ کافی میں ہے اور غیر کی باندی کا جس قدر دیکھنا حلال ہے اس کا چھونا بھی حلال ہے بشرطیکہ اپنی ذات پر اور اس کی ذات پر شہوت سے بے خوف ہو یہ محیط میں ہے اور ہمارے بعض مشائخ کے نزدیک غیر کی باندی کو سوار کرنے و اتارنے میں پکڑنا و دبوچنا روا نہیں ہے مگر اصح یہ ہے کہ اگر اپنی ذات پر اس کی ذات پر شہوت سے بے خوف ہو تو اس میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ کافی میں ہے اور امام محمدؒ نے کسی کتاب میں غیر کی باندی کے ساتھ سفر کرنے اور خلوت کرنے کا حکم ذکر نہیں فرمایا اور مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے بعضوں نے فرمایا کہ حلال نہیں ہے اور اسی طرف حاکم شہیدؒ نے میل کیا ہے کذا فی المحیط اور یہی مختار ہے کذا فی الاختیار شرح المختار اور بعضوں نے فرمایا کہ حلال ہے اور اسی پر شیخ امام شمس الائمہ سرخسی فتویٰ دیتے تھے یہ محیط میں ہے۔

اگر باندی کو خریدنے کا قصد رکھتا ہو تو سوائے اس کے پیٹ و پیٹھ کے جہاں جہاں دیکھنا حلال ہے اس کو چھو سکتا ہے اگرچہ شہوت ناک ہو جانے کا خوف کرتا ہو یہ سراج الوہاج وہدایہ میں ہے اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی باندی خریدنے کا قصد کیا تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ اس کی پنڈلیاں و سینہ دونوں ہاتھ پورے چھوئے اور کھلے ہوئے اعضا کی طرف دیکھے یہ کافی میں ہے اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ ایسی عورت میں ان اعضاء کا دیکھنا بسبب ضرورت کے مباح ہے اگرچہ اس کو شہوت ہو جائے مگر چھونا درصورتیکہ اس کو شہوت ہو جانے کا خوف ہو مباح نہیں ہے یا اس کا غالب گمان یہ ہو کہ مجھے شہوت ہو گی تو بھی مباح نہیں ہے کیونکہ چھونا ایک نوع کا استمتاع ہے اور درحالیکہ خرید کا قصد نہ رکھتا ہو تو چھونا و دیکھنا اس شرط سے مباح ہے کہ شہوت سے مامون ہو یہ ہدایہ میں ہے اور بالغہ باندی ایک ازار میں فروخت کے واسطے پیش کی جائے اور ازار سے وہ کپڑا مراد ہے جو اس کے ناف سے گھٹنے تک ڈھانکتا ہو یہ اس وجہ سے ہے کہ باندی مذکور کا پیٹ و پیٹھ ستر عورت ہے پس اس کے پیٹ و پیٹھ کا کھولنا جائز نہیں ہے اور جو باندی حد شہوت کو پہنچ گئی ہو یعنی اس پر شہوت ہوتی ہو تو وہ مثل بالغہ باندی کے ہے کہ ایک ازار میں پیش نہ کی جائے گی یہ امام محمدؒ سے مروی ہے بدیں وجہ کہ اشتہا موجود ہے یہ تبیین میں ہے اور اجنبی عورتوں کی طرف نظر کرنے میں ہم کہتے ہیں کہ اجنبی عورتوں کے ظاہری مواضع زینت کی طرف نظر مباح ہے اور جو جگہ ظاہری زینت کی ہے وہ ظاہر الروایۃ کے موافق چہرہ اور ہتھیلی ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر دیکھنے والے کے دل میں غالب گمان یہ ہو کہ مجھے شہوت ہو جائے گی تو اس کا دیکھنا بھی حرام ہے یہ ینابیع میں ہے۔ اجنبی عورت کے چہرے کا دیکھنا اگر شہوت سے نہ ہو تو حرام نہیں ہے لیکن مکروہ ہے یہ سراجیہ میں ہے اور حسنؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ اجنبیہ کا قدم دیکھنا بھی مباح[1] ہے اور دوسری روایت میں امام اعظمؒ سے مروی ہے کہ اجنبیہ کے قدم کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے۔ جامع البرامکہ

---

[1] کذا فی المنتقی والصحیح خدی نظر مباح نہیں ہے فانظر المقدمۃ ۱۲م

میں امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اجنبیہ کے ہاتھوں کا دیکھنا دھونے اور پکانے کے وقت جائز ہے اور بعض نے فرمایا کہ اسی طرح اس کے دونوں اگلے دانتوں کا دیکھنا بھی مباح ہے اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ یہ دیکھنا بہ نظر شہوت نہ ہو یہ محیط میں ہے۔ اسی طرح اگر شہوت ہو جانے میں شک ہو تو بھی نظر مباح ہے کذا فی الکافی اور بعض نے فرمایا کہ اسی طرح اجنبیہ عورت کی ساق یعنی پنڈلی کی طرف نظر مباح ہے بشرطیکہ شہوت سے نہ ہو اور اگر جانتا ہو کہ دیکھنے سے مجھے شہوت ہو گی یہ گمان غالب ہو کہ شہوت ہو جانے کی تو یہ کوشش اجتناب[۱] کرے یہ ذخیرہ میں ہے اور جس عضو کا دیکھنا جائز نہیں ہے اس کا بدن سے جدا ہو جانے کے بعد بھی اصح قول کے موافق دیکھنا جائز نہیں ہے جیسے سر کے بال اور قدم کے کاٹے ہوئے ناخن اور پشم کے بال یہ زاہدی میں ہے اور اجنبیہ کے چہرہ و ہتھیلی کا چھونا حلال نہیں ہے اگرچہ شہوت سے مامون ہو اور یہ اس صورت میں ہے کہ عورت اجنبیہ جوان لائق اشتہا ہو اور اگر وہ عورت ایسی نہ ہو کہ اس کی طرف خواہش و شہوت ہو تو اس کے ساتھ مصافحہ کرنے اور اس کا ہاتھ چھونے میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اسی طرح اگر مرد بڈھا ہو کہ اپنی ذات پر اور اس عورت اجنبیہ کی طرف سے شہوت سے بے خوف ہو تو اجنبیہ سے مصافحہ کرنے میں چنداں ڈر نہیں ہے اور اگر اپنی ذات پر یا اس کی طرف سے شہوت ہونے سے بے خوف نہ ہو تو اس سے اجتناب کرے پھر واضح ہو کہ امام محمدؒ نے درصورتیکہ مرد چھونے والا ہو فقط یہ شرط لگائی کہ عورت بڈھی ہو اور یہ شرط نہیں فرمائی کہ مرد ایسا ہو کہ وہ لائق جماع کرنے کے نہیں ہے اور درصورتیکہ عورت چھونے والی ہو فرمایا کہ جب دونوں بڈھے ہوں کہ مرد بھی قابل جماع کرنے کے نہ ہو اور عورت بھی جماع کرنے کے لائق نہ ہو تو باہم مصافحہ کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے پس فتویٰ کے وقت تامل کے ساتھ فتویٰ دینا چاہئے یہ محیط میں ہے اور بڈھی اجنبیہ عورت سے کپڑے کے اوپر سے معانقہ کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے لیکن اگر کپڑے اس کے ایسے ہوں کہ ان سے کپڑوں کے نیچے کا حال مل جائے تو جائز نہیں ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔

اگر کسی عورت کے بدن پر کپڑے ہوں تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ اس کے کینڈے کی طرف نگاہ کرے کیونکہ اس کی نظر کپڑوں پر ہو گی نہ جسم پر پس یہ ایسا ہوا کہ جیسے عورت مذکورہ کوٹھری میں ہے اور مرد اجنبی نے دیواروں پر نظر ڈالی۔ یہ اس وقت ہے کہ اس کے کپڑے اس کے بدن سے ایسے چسپیدہ نہ ہوں کہ بدن کا حال[(۱)] صاف معلوم ہوتا ہو جیسے ترکی قبا اور نہ ایسے باریک ہوں کہ جن سے بدن کا حال معلوم ہوتا ہو اور اگر کپڑے ایسے ہوں تو اپنی آنکھ بند کرنا چاہئے کیونکہ یہ لباس بدیں معنی کہ اس کے بدن کے واسطے ستر نہیں ہے ایسا ہے کہ جیسے اس کے اوپر جال پڑا ہے اور یہ اس وقت ہے کہ یہ عورت اجنبیہ حد شہوت تک پہنچ گئی ہو اور اگر نابالغہ ہو کہ اس کے مثل عورت سے خواہش جماع نہیں ہوتی ہے تو اس کے دیکھنے و چھونے میں کچھ ڈر نہیں کیونکہ اس کے بدن کو حکم عورت حاصل نہیں ہے اور نہ اس کے دیکھنے و چھونے میں خوف فتنہ ہے۔ پھر واضح ہو کہ کبھی اجنبیہ آزاد عورت کی طرف دیکھنا بسبب ضرورت کے جائز ہو جاتا ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اجنبیہ عورت خواہ کافر ہو یا مسلمہ ہو دونوں یکساں ہیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ کافرہ کے بال دیکھنے میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ غیاثیہ میں ہے اور قاضی نے اگر کسی اجنبیہ پر کوئی حکم جاری کرنا چاہا یا گواہ نے اس پر گواہی دینی چاہی تو ان دونوں کو اس کا منہ دیکھنا جائز ہے اگرچہ یہ خوف ہو کہ دیکھنے سے شہوت ہو جائے گی مگر یہ چاہیے کہ اس سے ادائے شہادت کا یا اس پر حکم دینے کا قصد ہو یا قصد نہ ہو کہ شہوت رانی کے واسطے اس کو دیکھ لیں اور کسی اجنبی کی گواہی اٹھانے میں یعنی اس کے گواہ ہو جائیں اس کے چہرہ کا دیکھنا درصورتیکہ دیکھنے سے شہوت ہو گی بعض مشائخ نے فرمایا کہ مباح ہے جیسا کہ گواہی ادا کرنے کے وقت مباح ہے مگر اصح یہ ہے کہ مباح نہیں ہے یہ سراج الوہاج میں ہے اور اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو اس کو دیکھنے میں کچھ ڈر نہیں ہے

---

۱ یعنی: کوشش کرے کہ قصداً نہ دیکھے ۱۲ (۱) ران ایسی ہے اور ہاتھ ایسے ہیں اور سینہ ایسا موٹا یا دبلا ہو ۱۲ منہ

اگر چہ یہ خوف ہو کہ دیکھنے سے شہوت ہو گی یہ تبیین میں ہے اور جو لڑکا کہ حد شہوت تک پہنچ گیا ہو وہ مثل بالغ کے ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔ لڑکا اگر مردوں کی حد [1] تک پہنچ گیا تو اس کا مثل مردوں کے ہے اور اگر صبیح ہو تو اس کا حکم مثل عورتوں کے ہے وہ سر سے قدم تک عورت ہے شہوت سے اس کی طرف دیکھنا حلال نہیں ہے اور بدون شہوت کے دیکھنا اور اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا روا ہے اسی وجہ سے اس کو نقاب ڈالنے کا حکم نہیں دیا جاتا ہے کذا فی الملتقط۔ لیکن نماز کے حق میں مثل [2] مردوں کے ہے یہ غیاثیہ میں ہے اور فرج کی طرف دیکھنا ختنہ کنندہ اور قابلہ طبیب کو وقت معالجہ کے جائز ہے مگر جہاں تک طبیب سے ممکن ہو چشم پوشی کرے یہ سراجیہ میں ہے اور مرد کو حقنہ کے واسطے دوسرے مرد کی فرج [1] کا دیکھنا جائز ہے ایسا ہی شمس الائمہ سرخسی نے ذکر کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر کسی مرد پر دبلا پن بہت ہو اور طبیب نے کہا کہ حقنہ سے تیرا دبلا پن زائل ہو جائے گا تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ حقنہ کی جگہ حقنہ کے واسطے کھول دے اور یہ صحیح ہے کہ اس واسطے کہ بہت دبلا پن ایک قسم کا مرض ہے کہ انجام کار منجر بہ دق و سل ہو جاتا ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے شرح کتاب الصوم میں ذکر کیا کہ حقنہ فقط ضرورت کے وقت جائز ہے اور اگر حقنہ کی کوئی ضرورت نہ ہو مگر اس کا نفع ظاہر ہو مثلاً حقنہ سے اس کو جماع کی تقویت حاصل ہو جائے تو ہمارے نزدیک نہیں جائز ہے اور اگر دبلا پن ہو پس اگر ایسا دبلا پن ہو جس سے خوف تلف ہو تو حلال ہے ورنہ حلال نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ماں و بہن و بیٹی کے پاس جب تک اجازت طلب نہ کر لے تب تک نہ جائے اور اپنی جورو کے پاس بدوں اجازت لینے کے چلا جائے فقط سلام کرے یہ تاتارخانیہ میں ایک عورت کے ایسی جگہ قرحہ ہو گیا جہاں مرد کو دیکھنا حلال نہیں ہے تو یہ حلال نہیں کہ اس جگہ کو دیکھے مگر کسی عورت کو سکھلا دے کہ وہ علاج کر دے اور اگر کوئی ایسی نہ ملے جو اس کا علاج کرے یا ایسی عورت نہ ملے جو سکھلانے سے علاج کرنا سمجھ جائے اور عورت مریضہ کے حق میں بلاء یا ورد یا ہلاک کا خوف ہو تو عورت مذکور اس جگہ کے سوائے سب جگہ چھپا لے پھر مرد اس کا علاج کرے اور سوائے اس جگہ کے جہاں قرحہ ہے باقی سب سے جہاں تک ہو سکے چشم پوشی کرے اور اس حکم میں محرمات ابدیہ و غیر محرمات ابدیہ میں کچھ فرق نہیں ہے اس واسطے کہ جس جگہ عورت تھی یعنی اس کا چھپانا واجب ہے اس کی طرف بسبب محرمیت کے نظر کرنا حلال نہیں ہو جاتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایسا غلام جس سے اپنی مولاۃ [3] حسرہ سے قرابت محرمیت نہیں ہے اس کا اپنی ولاۃ مذکور کی طرف دیکھنے کا حکم مثل مرد اجنبی کے ہے کہ اس کے چہرہ و ہتھیلیوں کو دیکھ سکتا ہے اور جہاں مرد اجنبی آزاد عورت اجنبیہ کو نہیں دیکھ سکتا ہے وہاں نہ دیکھے خواہ یہ غلام خفی موصی ہو یا فحل [4] ہو بشرطیکہ مردوں کی حد تک پہنچ گیا ہو اور وہ مجبوب جس کا پانی خشک ہو گیا ہو سو ہمارے بعض مشائخ نے عورتوں کے ساتھ اس کا خلط ملط ہونا جائز رکھا ہے اور اصح یہ ہے کہ اجازت نہ دی جائے گی بلکہ منع کیا جائے گا اور غلام اپنی مولاۃ کے پاس بلا اجازت لینے کے بالا جماع جا سکتا ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ غلام کے ساتھ اس کی مولاۃ سفر نہ کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور جو غلام خصی ہیں وہ جب تک حد بلوغ تک نہ پہنچے ہوں تب تک عورتوں کے پاس چلے جانے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور حد بلوغ کی مدت پندرہ سال کی مقرر کی گئی ہو اس واسطے کہ خصی کو احتلام نہیں ہو سکتا ہے اور ایک خصی ہو یا زیادہ ہوں سب کا حکم یکساں ہے کہ سب جا سکتے ہیں یہ کبریٰ میں ہے حسن بن علی مرغینانیؒ سے دریافت کیا گیا کہ آیا مستحاضہ [5] یا حائضہ [2] پر لازم ہے کہ نماز کے وقت اپنی فرج کو دیکھ لے فرمایا کہ نہیں اور بھی شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ عورت کے مرنے کے بعد اس کی ہڈیاں کی طرف مثل

---

[1] فرج سے مراد مقصد ہے کیونکہ حقنہ عورت کی پیشاب گاہ و مرد کے سوراخ میں خلاف اصطلاح اطبا ہے یہ ممکن نہیں ہے ۱۲ [2] قولہ حائضہ اطلاق بنظر تغلیب و مرہ ہے ۱۲

(۱) داڑھی مونچھ والا ہو گیا ۱۲ (۲) مثلاً عورتوں کی صف سے اگلی صف میں ہو گا ۱۲ منہ

(۳) آزاد عورت مالک غلام ۱۲ (۴) قابل جماع کرے ۱۲ (۵) جس کو مستحاضہ کا مرض ہو ۱۲

نجمہ[1] کے دیکھنا جائز ہے فرمایا کہ نہیں دیکھنا جائز ہے۔ یہ تاتارخانیہ میں ہے تیمیہ سے منقول ہے۔ اپنے غلام یا اپنی باندی یا اپنی جورو سے لواطت کرنا حرام ہے۔ اگر کسی کی جورو کا وہ پردہ جو اس کی فرج اور مقعد کے درمیان ہے پھٹ گیا ہو تو شوہر کو اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر یہ جانتا ہو کہ آلۂ تناسل فقط سوراخ فرج میں جائے گا سوراخ مقعد میں کبھی نہ پڑے گا تو جائز ہے اور اگر شک ہو تو وطی نہیں کر سکتا ہے کذا فی الغرائب۔

نواں باب ☆

ان لباسوں کے بیان میں جن کا پہننا مکروہ ہے اور جن کا مکروہ نہیں

سیاہ رنگ کا پہننا اور عمامہ کا چھور پشت پر آدھی پیٹھ تک دونوں کندھوں کے بیچ میں لٹکانا مندوب ہے یہ کنز میں ہے۔ اور مشائخ نے عمامہ کی چھور کی مقدار میں اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ اب ایک بالشت ہو اور بعض نے کہا کہ آدھی پیٹھ تک ہو اور بعض نے کہا کہ موضع جلوس تک ہو کذا فی الذخیرہ اور جب عمامہ کو از سر نو باندھنا چاہئیں تو چاہئے کہ عمامہ کے پیچوں کو جس طرح باندھنا ہے اسی طرح کھول لے اور ایک بارگی زمین پر نہ ڈال دے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور ٹوپی پہننے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور تحقیق صحیح ہوا کہ آنحضرت ﷺ ٹوپی پہنتے تھے یہ وجیز کردری میں ہے۔ جاننا چاہئے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک حریر کا پہننا جس کا بانا و تانا دونوں ریشم ہوتا ہے مردوں کو ہر حال میں حرام ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ لڑائی کی حالت میں مکروہ نہیں ہے۔ شرح قاضی امام اسبیجابی میں لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک مردوں کو حریر پہننا لڑائی کی حالت میں جبھی مکروہ نہیں ہے کہ جب ایسا گندہ ہو کہ ہتھیار کے زخم سے بچا سکے کذا فی المحیط اور اگر باریک ہو کہ اس لائق نہ ہو تو یہ بالاجماع مکروہ ہے یہ مضمرات میں ہے اور اگر تانا ریشم ہو اور بانا ریشم نہ ہو تو بلا خلاف اس کے پہننے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور یہی صحیح ہے اور عامہ مشائخ کا یہی قول ہے اور شیخ الاسلام نے شرح السیر میں ذکر کیا کہ اگر بانا سوت کا ہو اور تانا ریشم کا ہو پس اگر ریشم دکھلائی دیتا ہو تو مردوں کو اس کا پہننا مکروہ ہے اور اگر نہ دکھلائی دیتا ہو تو نہیں مکروہ ہے اور یہ حکم غیر حالت جنگ کا ہے اور حالت حرب کا یہ حکم ہے کہ جس کا تانا ریشم ہو اور بانا غیر ریشم کا ہو تو حالت جنگ میں اس کا پہننا مباح ہے کیونکہ جب غیر حالت جنگ میں اس کا پہننا مباح ہے تو حالت جنگ میں ایسی چیز کا پہننا باوجود شرعاً گنجائش کے بدرجۂ اولیٰ مباح ہوگا اور جس کا بانا ریشم اور تانا غیر حریر ہو تو بالاجماع حالت جنگ میں اس کا پہننا مباح ہے یہ محیط میں ہے۔

مردوں کو دیبا کا پہننا مکروہ ہے اور اس کے تکیہ بنانے اور اس پر سونے میں ڈر نہیں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مکروہ ہے اور امام ابو یوسف کا قول مثل قول امام محمدؒ کے ہے اس کو صدر الشہیدؒ نے ذکر کیا ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ منتقی میں ابن سماعہ کی روایت سے امام محمدؒ سے مروی ہے کہ دیبا و حریر پر بیٹھنا[2] کراہت کے حق میں ایسا نہیں ہے جیسا ان دونوں کا پہننا ہے پس اگر اس قول سے کہ دونوں پر بیٹھنا مثل پہننے کے نہیں ہے یہ مراد ہے کہ بالکل کراہت[3] نہیں ہے تو دیبا پر بیٹھنے میں امام محمدؒ سے دو روایتیں ہو گئیں کیونکہ ظاہر مذہب ان کا یہ ہے کہ دیبا پر بیٹھنا مکروہ ہے اور اگر قول مذکور سے اثبات کراہت مراد ہے تو مسئلہ میں دو روایتیں نہ ہوں گی بلکہ دونوں باتیں یعنی بیٹھنا لیٹنا دونوں مکروہ ہوں گی لیکن پہننا زیادہ مکروہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے اور لڑائی میں حریر و دیبا پہننے میں ڈر نہیں ہے۔

---

[1] واضح ہو کہ مراد یہ ہے کہ عورت مر کر بوسیدہ ہوئی اور گوشت اتر جانے کے بعد ہڈیاں صاف ہو گئیں تو اس کا دیکھنا محتمل ہو شاید یہ مراد ہو کہ فوراً بعد موت کے واللہ تعالیٰ اعلم

[2] بیٹھنا یعنی پہننا سخت مکروہ ہے ۱۲

[3] اقول اس لئے کہ کراہت متعلق مثل ہے اور اس میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ بالکل کراہت نہ ہو کیونکہ سالبہ باوجود موضوع کے صادق ہوتا ہے دوم یہ کہ کراہت اس قدر نہیں ہے پس اگر اول ہو تو دو روایتیں ہو گئیں اور دوم پر روایت واحدہ ہے ۱۲

اور بعض نے فرمایا کہ مکروہ ہے اور یہی اصح ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ عیوں میں ہے کہ مردوں کو خز پہننے میں امام اعظمؒ کچھ باک نہیں جانتے تھے اگرچہ اس کا تانا ابریشم یا حریر ہو یہ خلاصہ میں ہے اور جن کپڑوں میں ریشم زیادہ ہوتا ہے جیسے خز وغیرہ تو اس میں کچھ ڈر نہیں ہے اور جس کپڑے میں ظاہر اً ریشم ہو وہ مکروہ ہے اسی طرح جس کا ایک خط خز اور ایک خط ریشم ہو اور وہ ظاہر ہو تو اس میں خیر نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے اور امام ابو حنیفہؒ مردوں کے حق میں خز پہننے میں کچھ باک نہیں سمجھتے تھے اگرچہ اس کا تانا حریر ہو مگر یہ بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ ان کے زمانہ میں خز اسی حیوان آبی کے بالوں سے جن کو عربی میں خز وتصاعہ اور ترکی میں قنند رکہتے ہیں بنایا جاتا تھا اور اس زمانے میں ریشم عفن سے تیار ہوتا ہے پس مثل قز کے مکروہ ہونا واجب ہے یہ ملتقط میں ہے۔ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ خز میں کچھ ڈر نہیں ہے بشرطیکہ شہرت کی نیت نہ ہو ورنہ اس میں خیر نہیں ہے یہ غیاثیہ میں ہے اور جس چیز کا پہننا مردوں کو مکروہ ہے وہ غلمان[1] یعنی غلاموں ولڑکوں کو بھی مکروہ ہے اس واسطے کہ کفن میں آنحضرت ﷺ نے سونا و ریشمی کپڑا اپنی امت کے مذکروں پر بدوں قید بلوغ و آزادی کے حرام کیا ہے پس گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے ان کو پہنایا کیونکہ ہم لوگ ان کی حفاظت کے واسطے امور ہیں یہ تمرتاشی میں ہے۔ ریشم کا لحاف نہیں جائز ہے کیونکہ یہ ایک طرح کی پوشش ہے اور اگر بچہ کے گہوارہ پر ریشمی چادر ڈالی جائے تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ یہ پہننا نہیں ہے اسی طرح ریشمی کلہ مردوں کے واسطے مباح ہے کیونکہ وہ مثل بیت کے ہے یہ قنیہ میں ہے اور اسبیجابی میں ہے کہ حریر کا غلاف[(1)] بنانے میں ڈر نہیں ہے کذا فی التمرتاشی اور فتاویٰ عصیر وفتاویٰ ابو الفضل کرمانی میں ہے کہ مردوں کے واسطے حریر کا غلاف بنانا مکروہ ہے کہ عین الائمہ کرابیسی نے فرمایا ہے نہیں جائز ہے یہ قنیہ میں ہے اور حریر کا پردہ بنانے اور دروازہ پر لٹکانے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مکروہ ہے یہ اختیار شرح مختار میں ہے۔ ایک دلال حریر کا کپڑا فروخت کرنے کے واسطے اپنے کندھوں پر ڈالے ہے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اپنے ہاتھ اس کے آستینوں میں نہ ڈالے اور عین الائمہ کرابیسی نے فرمایا کہ مشائخ کے درمیان اس امر میں گفتگو[(2)] ہے یہ قنیہ میں ہے۔ عامۂ علماء نے فرمایا کہ عورتوں کو حریر خالص پہننا حلال ہے یہ محیط میں ہے اور جس کپڑے پر ریشم کا کام ہو یا ملفوف بحریر ہو وہ عامہ فقہاء کے نزدیک حلال ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

بشرؒ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی ہے کہ کپڑے میں ریشمی کام کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے بشرطیکہ چار انگل یا اس سے کم ہو اور اس میں کوئی اختلاف بیان نہیں کیا اور شمس الائمہ سرخسی نے شرح السیر میں ذکر کیا کہ ریشم سے کام کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے مگر کوئی مقدار بیان نہ کی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک عمامہ کا طرہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انگل سے چار انگل ہے جو ہمارے بالشت کے برابر ہے تو اس قدر روا ہے اور نجم الائمہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رخصت میں چار انگل اس طرح مخیر ہیں کہ نہ بالکل مضموم ہوں اور نہ بالکل منشور ہوں اور ظہیر الدین تمرتاشی نے فرمایا کہ چار انگل جیسے ہیں اپنی ہیات پر معتبر ہیں اہل سلف کے انگل نہیں ضروری ہیں اور فتاویٰ ابو الفضل کرمانی میں چار انگل منشورہ لکھے ہیں اور عین الائمہ کرابیسی نے فرمایا کہ منشورہ چار انگل کی مقدار سے احتراز کرنا اولیٰ ہے۔ فتاویٰ ابو الفضل کرمانی میں لکھا ہے کہ اگر عمامہ میں کئی جگہ ریشمی کام ہو تو وہ جمع کر کے دیکھا جائے گا کہ کس قدر ہے اور شیخ ابو حامد نے فرمایا کہ جمع نہیں کیا جائے گا اور عین الائمہ کرابیسی نے فرمایا کہ متفرق کام میں جمع کرنے میں نہ کرنے میں اختلاف ہے اور نجم الائمہ بخاری نے فرمایا کہ متفرقات کام میں ظاہر مذہب یہ ہے کہ جمع نہ کیا جائے لیکن اگر یوں ہو کہ

---

[1] غلمان جمع غلام اگر بمعنی طفل وکودک لیا جائے تو گونہ تکرار ہے اور عدم تطابق دلیل آئندہ مع اجزاء و اگر بمعنی غلام یعنی مملوک لیا جائے تو کوئی خرابی نہ ہوئی کیونکہ جمع اس کی بھی غلمان آتی ہے ۱۲ منہ (۱) مچھروں وغیرہ کے بچاؤ کے واسطے پلنگ کے گرد مثل کوٹھری کے بنا لیتے ہیں ۱۲

(۲) یعنی جواز کا حکم اتفاقی نہیں ہے ۱۲

کپڑے کا ایک خط ریشمی ہو اور دوسرا غیر ریشمی بوجہ کہ سب ریشمی نظر آتا ہو تو جائز نہیں ہے جیسا کہ بقالی کے جمع التفاریق میں مذکور ہے اور اگر ہر ایک علیحدہ علیحدہ نظر آتا ہو جیسے عمامہ میں طرہ ہوتا ہے تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ جمع کر کے اس کا اندازہ نہ کیا جائے گا یہ قنیہ میں ہے۔ اگر ایسی پیٹی ہو جس کے دونوں کنارے جو آپس میں ملائے جاتے ہیں چاندی کے ہوں تو اس کے استعمال میں ڈر نہیں ہے اور منطقہ مفضضہ کو بعض نے فرمایا کہ مکروہ ہے اور بعض نے فرمایا کہ کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر وسط منطقہ میں جامہ دیا ہو تو بعض نے فرمایا کہ اس کے استعمال میں ڈر نہیں ہے بشرطیکہ چار انگل عرض نہ ہو اور بعض نے فرمایا کہ مردوں کو اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے یہ غرایب ہے۔ مردوں کو حریر کی ٹوپی اور سونا چاندی پہننا مکروہ ہے اور جس کپڑے پر ریشم کثیر یا کچھ سونا و چاندی ہے سیا ہو بشرطیکہ چار انگل کی مقدار سے زیادہ ہو وہ بھی مکروہ ہے اور ٹوپی کے کنارے میں یہ چار انگل ہو تو کچھ ڈر نہیں اسی طرح اگر عمامہ کے کنارے میں ہو تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح اگر جبہ پر ایسا کام ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ فتاویٰ آہو میں ہے کہ قاضی برہان الدین سے دریافت کیا گیا کہ اگر ریشم سے کنٹھے میں چکن بنائی گئی یا کاڑھا گیا تو مرد کو اس کا پہننا کیسا ہے تو فرمایا کہ چاہئے کہ مکروہ نہ ہو کیونکہ وہ مستہلک ہو گیا پس تابع ہو گا اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے بھی اشارہ کیا ہے کہ وہ تابع ہو گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص کو برف میں چلنا پڑتا ہے اور اس کو ہمیشہ برف کی طرف نظر کرنا بینائی کو مضر ہوتی ہے تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ وہ اپنی آنکھ پر ابریشم کے خمار سیاہ ڈالے۔ میں کہتا ہوں کہ چشم رمدا[1] میں بدرجہ اولیٰ یہ جائز ہو گا یہ قنیہ میں ہے اور ایسا جبہ جس میں خز بھرا ہو اس کے پہننے میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ وجیز کردری میں ہے سیر کبیر میں ہے۔ کہ اگر مرد کی ازار دیا کی یا سونے کے تاروں کی ہو تو غیر حالت جنگ میں بھی اس کے پہننے میں کچھ ڈر نہیں کذا فی الذخیرة۔

قال المترجم[2] ☆

هكذا النسخة الموجودة فلوكان كذلك لم توخذ بهذه الرواية والمترجم كانه لم يحصله جداً۔ بعض مشائخ کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک مرد کے واسطے حریر کے تکیہ میں کچھ ڈر نہیں ہے اور صدر الشہید نے ایمان الواقعات میں ذکر کیا کہ صاحبینؒ کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور صدر الشہیدؒ کے حاشیہ شرح جامع صغیر میں ان کے خط سے مرقوم ہے کہ تکہ حریر میں ہمارے اصحاب میں اختلاف ہے کذا فی المحیط ریشم کا بنایا ہوا تکہ مکروہ ہے اور یہی صحیح ہے اسی طرح ریشمی ٹوپی کا اگرچہ عمامہ کے نیچے ہو اور ریشمی ہمیانی کا جو لٹکائی جاتی ہے یہی حکم ہے کذا فی القنیہ ریشمی تکہ میں اختلاف ہے اور بعض نے فرمایا کہ بالاتفاق مکروہ ہے اسی طرح فصد لینے والے کی پٹی ریشمی مکروہ ہے اگرچہ چار انگل سے کم ہو کیونکہ وہ خود اصل ہے کذا فی التمرتاشی اور جامع الفتاویٰ میں محمد بن سلمہؒ سے روایت ہے کہ جس نے ریشمی تکہ کے ساتھ نماز پڑھی تو نماز جائز ہے۔ مگر وہ شخص گنہگار ہو گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

مردوں کو کن صورتوں میں ریشم کے استعمال کی اجازت ہے؟

اگر کسی نے قز کو قبا کے اندر بھرا تو ڈر نہیں ہے کیونکہ وہ تابع ہو گیا اور اگر قبا کا استر یا ابرہ قز کا بنایا تو مکروہ ہے کیونکہ ابرہ و استر دونوں مقصود (۱) ہوتے ہیں یہ محیط سرخسی میں ہے۔ شرح قدوری میں امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ قز کا کپڑا جو قز اور ابرے کے درمیان ہوتا ہے میں مکروہ جانتا ہوں یہ محیط میں ہے امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ٹوپی کا ریشمی استر مکروہ ہے یہ تمرتاشی میں ہے۔

[1] قولہ چشم رمد یعنی جس آنکھ میں رمد ہو اور عدو ورم ہوتا ہے آنکھ کی سپیدی میں یہ اطبا کی اصطلاع ہو پس یہ حکم صورت درم میں ہو گا اور شاید اس قام پر سرخسی چشم مراد ہو واللہ اعلم [2] یوں ہی نسخہ میں موجود ہے اور یہ اختیار کے قابل روایت نہیں بلکہ مخالف ہے ورنہ کاتب کی غلطی ہے ۱۲

(۱) تابع نہیں ہوتے ہیں ۱۲

عورتوں کے واسطے سونے کے تاروں کا کارچوبی بنا ہوا کپڑے پہننے میں کچھ ڈر نہیں ہے مگر مردوں کے واسطے فقط چار انگل تک روا ہے اس سے زیادہ مکروہ ہے یہ قنیہ میں ہے مردوں کے واسطے کسم، زعفران، ورس کا رنگا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ سرخ رنگ و سیاہ رنگ میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ ملتقط میں ہے۔ مجموع النوازل میں ہے کہ دریافت کیا گیا کہ دنیا میں زینت و تجمل کا کیا حکم ہے تو فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اس وقت آپ کے بدن مبارک پر ہزار درم قیمت کی ایک چادر تھی اور گاہ گاہ ہے[1] چار ہزار درم کی چادر اوڑھے ہوئے نماز کو کھڑے ہوتے تھے اور آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص ایک روز چادر خز اوڑھے ہوئے داخل ہوئے پس آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو نعمت عطا فرماتا ہے تو پسند کرتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اس کے بدن پر دیکھے اور امام ابوحنیفہؒ چار سو دینار کی قیمت کی چادر اوڑھتے تھے یہ ذخیرہ میں ہے۔ صوف و بالوں کا پہننا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کیونکہ یہ تواضع کی نشانی ہے اور پہلے پہل اس کو حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام نے پہنا ہے۔ اور حدیث[2] میں ہے کہ اپنے دلوں کو لباس صوف پہن کر روشن کرو کہ یہ دنیا میں مذلت ہے اور آخرت میں نور ہے اور لوگوں کی تعریف و برائی سے اپنا دین بگاڑنے سے بچے رہو یہ غرائب میں ہے۔ اچھے کپڑے پہننا مباح ہے بشرطیکہ تکبر نہ کرے اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ ایسے کپڑے پہن کر ویسا ہی رہے جیسا پہلے تھا یہ سراجیہ میں ہے۔

کسی کی موت پر تاسف کرنے کے واسطے کپڑوں کا سیاہ واکھب رنگنا جائز نہیں ہے اور صدر الحسامؒ (۱) نے فرمایا کہ منزل میت میں کالے کپڑے کرنا جائز نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔ امام سرخسی نے کتاب الکسب میں فرمایا کہ عام اوقات میں دھلے ہوئے کپڑے پہننا چاہئے اور بعض اوقات میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ظاہر کرنے کے واسطے احسن لباس پہنے مگر ہر وقت نہ پہنے کہ اس میں محتاج مسلمانوں کو ایذا ہوتی ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ اسی طرح اگر ایک جبہ سے جاڑا جاتا رہے تو نہ چاہئے کہ دو تین جبہ لادکر ظاہر کرے کیونکہ اس میں محتاجوں کے حق میں ایذا دہی ہے پس اس لباس سے یہ سبب ایذائے غیر کے ممانعت ہے یہ محیط میں ہے اور وثار بلا خلاف مکروہ ہے یہ غیاثیہ میں ہے اور مرد کو ایسا پائجامہ جو پشت پا تک لٹکتا ہو مکروہ ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے اور بعض مشائخ سے روایت ہے کہ مرقع اور موٹا کپڑا پہننا سنت اسلام میں سے ہے پائجامہ پہننا سنت ہے اور لباس مرد و عورت کے واسطے بہت پردہ پوش ہے یہ غرائب میں ہے۔ عورت کو اپنے گھر میں سر کھولنا روا ہے پس بدرجہ اولیٰ یہ روا ہے کہ اپنے محارم کے سامنے ایسی خمار اوڑھے جس سے اس کے نیچے کا بدن معلوم ہو یہ قنیہ میں ہے۔ لباس میں کپڑے کو کمی کے ساتھ رکھنا سنت ہے اور ازار و قمیص کا لٹکانا بدعت ہے ازار کو چاہئے کہ ٹخنوں سے اونچی رکھے بلکہ نصف ساق تک رکھے مگر یہ حکم مردوں کے واسطے ہے اور عورتیں اپنے ازار کو مردوں سے زیادہ لٹکائے رہیں تاکہ ان کے قدموں کے پیٹھ ڈھکی رہے اگر کسی مرد نے اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائی پس اگر براہ تکبر نہ ہو تو اس میں تنزیہی کراہت ہے یہ غرائب میں ہے اقول فیہ نظر فافہم۔ سوائے نماز کے غیر وقت میں سدل میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے پس بعض نے فرمایا کہ بدوں قمیص کے مکروہ ہے اور قمیص و ازار کے ساتھ مکروہ نہیں ہے اور بعض نے فرمایا کہ مکروہ ہے جیسا کہ نماز میں مکروہ ہے اور صحیح قول شیخ ابوجعفرؒ کا ہے مکروہ نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ لومڑی کی کھال کی ٹوپی پہننے میں ڈر نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے بدن شریف پر سنجاب تھا اور ضحاکؒ کے سر شریف پر سمور کی ٹوپی تھی یہ غیاثیہ میں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ سب درندوں کی اور ان کے سوائے مردار کی کھال کی دباغت کی ہوئی و ذبح کی ہوئی کی پوستین بنانے میں ڈر نہیں ہے اور فرمایا کہ

---

[1] گاہ گاہ ہے ترجمہ قولہ ربما علی مذہب بعض المحققین اور یہ اختیار اس وجہ سے کہ ایک مرتبہ ایسی روایت ہے ۱۲ منہ [2] یہ حدیث موضوع ہے اور اس بارہ میں کچھ ثابت نہیں ہے۔ اکھب بھک میلا سیاہی مائل ۱۲

(۱) یعنی صدر الشریعۃ شیخ حسام الدینؒ ۱۲

دباغت کرنا اس کی زکوۃ ہے یہ محیط میں ہے۔ چیتے و تمام درندہ جانوروں کی کھال سے دباغت کرنے کے بعد مصلی یا زین کا میسرہ بنانے میں ڈر نہیں ہے یہ ملتقط میں ہے۔ اگر وضو کے واسطے یا ناک کی میل کے واسطے کوئی کپڑا بنا لے تو کچھ ڈر نہیں ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ اگر کوئی کپڑا پسینا پوچھنے کے واسطے اپنے ساتھ رکھے تو مکروہ ہے کیونکہ یہ نئی نکالی ہوئی بات بدعت[1] ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے اور حاصل یہ ہے یہ کہ اگر کسی نے ان میں سے کوئی بات براہ تکبر کی تو مکروہ ہے اور اگر کسی نے از راہ ضرورت و احتیاج کی تو مکروہ نہیں ہے یہ کافی میں ہے ہشام نے اپنی نوادر میں فرمایا کہ میں نے امام ابو یوسفؒ کے پاؤں میں دو نعلین دیکھیں جن میں چوگردا لوہے کی کیلیں جڑی ہوئی تھیں تو میں نے پوچھا کہ آیا آپ اس نئی بات سے باک کرتے ہیں فرمایا کہ نہیں تو میں نے ان سے کہا کہ سفیان وثور بن یزید دونوں اس کو مکروہ جانتے ہیں کہ یہ راہبوں کے ساتھ مشابہت[2] ہے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایسی پاپوش پہنتے تھے جن میں بال لگے ہوتے تھے حالانکہ یہ بھی راہبوں کا لباس ہے پس امام ابو یوسفؒ نے اس قول میں یہ اشارہ کیا کہ جن باتوں میں بندوں کے واسطے بہتری ہے ان میں صورت کی مشابہت کچھ مضر نہیں ہے اور پاپوش میں ایسی مضبوطی کرنے میں بہتری ہے کہ بعض زمین ایسی ہوتی ہے کہ اس کی مسافت بعیدہ بدوں ایسی مضبوطی کے نہیں ہو سکتی ہے یہ متفرقات محیط میں ہے۔ ایک عورت کے پاس ایک صندلی ہے جس کے قدم کی جگہ ایک مچھلی چاندی کے تاروں کی بنی ہوئی ہے اور یہ تار ایسے ہیں کہ علیحدہ کر لئے جا سکتے ہیں تو عورت مذکورہ کو اس کا استعمال کرنا جائز ہے اور عین الائمہ کرابیسی نے فرمایا کہ مکروہ ہے اور شرح طحاوی میں ہے کہ مکاعب میں چاندی کا لانا ایک روایت میں امام ابو یوسفؒ سے مکروہ ہے اور امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے کذا فی القنیہ۔ اگر کسی شخص کو کوٹھری میں دیبا کا فرش بچھا ہو اور دروازہ پر دیبا کا پردہ لٹکا ہو یہ سب تجمل کی غرض سے ہو وہ شخص اس فرش پر نہ بیٹھتا ہو اور نہ سوتا ہو تو کچھ ڈر نہیں ہے اس کو امام محمدؒ نے صریح بیان فرمایا ہے اس واسطے کہ دیبا سے انتفاع حرام ہے اور فرش دیبا سے انتفاع یوں ہے کہ اس پر بیٹھے یا اس پر سوئے یہ کبریٰ میں ہے۔ لکڑی کی جوتی بنانا بدعت ہے اور ابوالقاسم صفار سے مروی ہے کہ سرخ چمڑے کا موزہ فرعون کا تھا اور سپید چمڑے کا موزہ ہامان کا تھا اور سیاہ موزہ علماء کا ہے اور میں نے تیس بڑے فقیہوں کی فقہائے بلخ سے ملاقات کی مگر میں نے کسی کے پاس سرخ یا سفید موزہ نہ دیکھا اور نہ میں نے کسی کو سنا کہ اس نے کبھی اپنے پاس رکھا ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سیاہ موزہ رکھا کہ آپ کو دو سیاہ موزے ہدیہ بھیجے گئے تھے پس آپ نے لے کر پہنے تھے یہ قنیہ میں ہے۔

دسواں باب ☆

سونے و چاندی کے استعمال کے بیان میں

عورتوں و لڑکوں و مردوں کو سونے و چاندی کے برتن میں کھانا و پینا اس سے تیل ڈالنا و خوشبو لگانا مکروہ ہے کذا فی السراجیہ۔ اور مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ اس نے چاندی یا سونے کے برتن سے اپنے سر و بدن پر تیل ڈالا ہو اور اگر اس نے برتن کے اندر ہاتھ ڈال کر ان میں سے تیل نکال کر اپنے ہاتھ سے استعمال کیا تو کچھ ڈر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر چاندی و سونے کے پیالے میں سے کھانا نکال کر روٹی وغیرہ کسی چیز پر رکھ لیا پھر کھایا تو بھی کچھ ڈر نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر چاندی کی کپی سے تیل اپنے سر پر

---

[1] اس بدعت سے خلاف طریقہ مراد ہے ورنہ امور دنیاوی میں بدعت کا اخلاق داخل وعید بدعت شرعی نہیں ہے واللہ اعلم لقولہ علیہ السلام من احدث نے امر و ہینا ہذا لیس منہ فھو رد فتامل فیہ ۱۲ [2] مشابہت اس میں اشارت ہے کہ مشابہت مکروہ وہ ہے کہ جو طریقہ سنت میں نہ ہو اور اس کی وجہ سے آدمی ایسا مشتبہ ہو جائے کہ گویا اسی قوم فاجرہ میں سے ہے خواہ بالکل تشبہ ہو یا بعض علامات میں ہو حتیٰ کہ اگر اس سے کچھ علامت پائی نہ جائے تو کراہت ہوگی حتیٰ کہ کوٹ ... وضع ہو کر ... ہندوستان میں کرانیوں سے تشبہ ہو کر مکروہ ہو گیا فافہم ۱۲

ڈالا تو مکروہ ہے اسی طرح اگر اس سے اپنی ہتھیلی پر نایا پھر اپنے سر پر یا داڑھی میں ملا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر غالیہ ہو تو ڈر نہیں ہے کیونکہ غالیہ جس برتن میں ہوتا ہے اس سے سر پر نہیں نایا جاتا ہے اور چاندی و سونے کے چمچے سے کھانا مکروہ ہے اور چاندی و سونے کے خوان پر کھانا مکروہ ہے و چاندی و سونے کے طشت سے وضو کرنا مکروہ ہے اسی طرح اگر چاندی و سونے کا آفتابہ ہو اس سے وضو کرنا بھی مکروہ ہے اسی طرح چاندی و سونے کے مجمر میں خوشبودار وغیرہ چیز جلا کر دھونی لینا مکروہ ہے لیکن فقط تجمل کے واسطے ہو تو ایسا نہیں ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔اسی طرح سونے و چاندی کی سلائی سے سرمہ لگانا یا سرمہ دانی بنانا بھی مکروہ ہے اسی طرح سونے و چاندی کی ہر ایسی چیز جس سے بدن کو نفع پہنچے مکروہ ہے۔ یہ سراج الوہاج میں ہے اور سونے و چاندی کے طشت میں وضو کرنا مکروہ ہے۔ یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔سونے و چاندی کی کرسی پر بیٹھنا مکروہ ہے اس حکم میں مرد و عورت یکساں ہیں اور آئینہ جو سونے یا چاندی کا بنایا گیا ہو اس میں دیکھنا اور سونے و چاندی کے قلم سے لکھنا مکروہ ہے اور سونے و چاندی کی دوات کا بھی یہی حکم ہے اور اس میں مرد و عورت یکساں ہیں یہ سراجیہ میں ہے اور اگر کسی شخص کے گھر میں سونے کے کٹورے تجمل کے واسطے ہوں اس سے وہ شخص پانی[1] نہ پیتا ہو تو ڈر نہیں ہے اس کو صریح امام محمدؒ نے بیان فرمایا اس واسطے کہ انتفاع حرام کیا گیا ہے اور ان ظروف سے انتفاع پینے کے کام میں لانا ہے یہ کبریٰ میں ہے۔پھر واضح ہو کہ چاندی کے ظروف سے جو چیز ہاتھ ڈال کر نکال کر استعمال کی جائے اس میں ڈر نہیں ہے اور جو چیز برتن سے ریختہ کی جائے جیسے اشنان و روغن و غالیہ وغیرہ کے مانند تو مکروہ ہے یہ حاوی میں ہے۔اور ظرف مذہب یا مفضض[2] سے کھانے و پینے میں ڈر نہیں ہے بشرطیکہ اپنا منہ سونے و چاندی پر نہ رکھے اور اسی طرح ظروف کو کرسیوں و سریر میں سے جو مضبب[۱] ہو اس کا بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ نشست اس کی سونے و چاندی پر نہ ہو اسی طرح اگر آئینہ کا حلقہ سونے و چاندی کا ہو تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح مجمر و لگام و زین و ستر و رکاب کا بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ سونے و چاندی پر نشست نہ ہو اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے ان سب کو مکروہ فرمایا ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ امام محمدؒ انہیں کے ساتھ ہیں اور بعض نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں کذا فی التمرتاشی اور زاد میں ہے کہ صحیح امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے یہ مضمرات میں ہے۔

لباس پر سونے و چاندی کی نقاشی کی بابت مسائل ☆

جن کپڑوں پر سونے و چاندی سے لکھا گیا ہو ان کا پہننا مکروہ نہیں ہے اسی طرح ہر مموہ کا استعمال یعنی سونے و چاندی سے تمویہ ہو مکروہ نہیں ہے کیونکہ اگر وہ چیز گلائی جائے تو اس میں سے کچھ[3] نہ نکلے گا یہ ینابیع میں ہے۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جس کپڑے میں سونے و چاندی سے لکھا ہو وہ مرد کو پہننا نہ چاہئے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر چھری کے پھل میں یا تلوار کے قبضہ میں چاندی ہو تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اگر وہ جگہ جہاں چاندی ہے گرفت کی ہو تو مکروہ ہے ورنہ نہیں اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مطلقاً مکروہ ہے اور وہ ملمع کہ اگر جدا کریں تو کچھ نہ نکلے گا اس کے استعمال میں بالاجماع کچھ ڈر نہیں ہے یہ کافی میں ہے۔سیر ین میں لکھا ہے کہ تلوار کو سونے سے محلی نہ کرنا چاہئے اگرچہ لڑائی و جہاد میں ہو اس واسطے[۲] کہ لڑائی میں حلیہ سے کچھ نفع نہیں ہوتا ہے حلیہ فقط زینت کے واسطے ہوتا ہے مؤلف عفا اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ حکم تلوار کے حق میں ہے تو تلوار کی حمائل کے حق میں بدرجۂ اولیٰ یہی حکم ہے یہ تمرتاشی میں ہے۔تلوار اور اس کی حمائل و پیٹی کو چاندی سے محلی کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے سونے سے محلے کرنا نہیں جائز

۱ شکستہ کو حلقہ یا پترد با ہوا ۱۲ ۲ قال المترجم عفا اللہ عنہ یہ علت تو چاندی میں بھی جاری ہے اور شاید فرق کا منشا یہ کہ سونے کی انگوٹھی مطلقاً ممنوع ہے بخلاف چاندی کے فافہم ۱۲ منہ (۱) یعنی استعمال نہ کرتا ہو ۱۲ (۲) سونے یا چاندی کی پچی کاری کیا ہو ۱۲ (۳) یعنی سونا و چاندی چھ نہ نکلے گا ۱۲

ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ اگر کوئی چھری پوری مفضض ہو اور سونے یا چاندی سے بندھی ہوئی ہو تو اس سے انتفاع مکروہ ہے لیکن اگر سونا یا چاندی مقام گرفت سے ایک طرف ہو کہ اس کا ہاتھ سونے یا چاندی پر نہ پڑے تو ایسا نہیں ہے کذا فی محیط السرخسی اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ جواب چاندی کی صورت میں دو روایتوں میں سے ایک روایت کے موافق ہے اور تہذیب میں لکھا ہے کہ قلم تراش و مہنہ و مقراض و مقلمہ و دوات و آئینہ کا سونے سے محلی کرنا جائز نہیں ہے اور چاندی سے محلی کرنے میں دو صورتیں ہیں اور لڑائی کے واسطے جو چھری ہو اس کا محلی کرنا مباح ہے اور مکتوبات میں چاندی ہونا مکروہ ہے یہ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے اور امام اعظمؒ و امام محمدؒ کا قول اس کے برخلاف ہے یہ تمرتاشی میں ہے اور سونے و چاندی کی گل میخیں بنانے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور اس کا دروازہ مکروہ ہے جس ہاتھ کی چھنگلیا میں سونے کی انگوٹھی ہو اس سے پانی پینے میں کچھ ڈر نہیں ہے۔ اور کھانے و پینے و تیل لگانے میں سونے و چاندی کے استعمال کرنے یا سونے و چاندی پر بیٹھنے میں سوائے زیور کے سب باتوں میں عورتیں و مرد یکساں ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ واضح ہو کہ جو برتن اس طرح مضبب ہو کہ اس کی ٹونٹی یا دہانہ پر چاندی یا سونے کا پتر دار چوڑا حلقہ ہو اس سے پانی پینے وغیرہ میں ہمارے بعض مشائخ نے اس طرح تفصیل کی ہے کہ پیالے کا ضباب اگر اس واسطے ہو کہ اس کی وجہ سے پیالہ کا تقوم رہے واسطے زینت کے نہ ہو تو موضع ضباب پر منہ رکھنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر زینت کے واسطے ضباب ہو پیالہ کے تقوم کے واسطے نہ ہو تو ضباب پر منہ رکھنا مکروہ ہے اور اس قائل نے ایک مسئلہ سے استدلال کیا ہے جس کو امام محمدؒ نے سیر کی باب الانفال میں ذکر فرمایا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ سردار لشکر نے غازیوں سے کہا کہ جو شخص سونا یا چاندی پائے وہ اسی کا ہے پس ایک شخص کو ایک پیالہ سونے یا چاندی سے مضبب ہاتھ لگا یا قدح مضبب ہاتھ لگا پس اگر اس کا ضباب زینت پیالہ کے واسطے ہو اس واسطے نہ ہو کہ پیالہ کا تقوم ہے تو یہ ضباب اس شخص کا ہوگا جس نے اس کو پایا ہے اور اگر یہ ضباب اس واسطے ہو کہ پیالہ کا تقوم رہے چنانچہ اگر یہ ضباب الگ کر دیا جائے تو پیالہ باقی نہیں رہتا ہے تو ضباب اس شخص کو نہ ملے گا جس نے پایا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

لڑائی میں سونے و چاندی کے خود یا جوشن پہننے میں ڈر نہیں ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ہتھیاروں پر سونے و چاندی کا ملمع کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ عقیق و بلور و شیشہ و زبرجد و رانگ کے ظروف میں کچھ ڈر نہیں ہے۔ کذا فی خزانۃ المفتین اور یاقوت کے برتنوں کے استعمال میں بالاجماع مضائقہ نہیں ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ سونے و چاندی سے ملمع کئے ہوئے برتنوں کے استعمال میں بالاجماع کچھ ڈر نہیں ہے یہ اختیار شرح مختار میں ہے اور نابالغ کو موتی پہنانے میں ڈر نہیں ہے اور یہی حکم بالغ کا ہے اور بچہ کو اگر مذکر ہو تو خلخال و کڑے پہنانا مکروہ ہے۔ یہ سراجیہ میں ہے اور مرد کو چاندی کی انگوٹھی جبھی جائز ہے کہ جب ایسی صفت پر بنی ہوئی ہو جیسی مرد پہنتے ہیں اور اگر عورتوں کی انگوٹھیوں کے طور پر ہو تو مکروہ ہے یعنی اس میں دو نگینہ ہوں یہ سراج الوہاج میں ہے اور چاندی کی انگوٹھی جبھی جائز ہے جب مردوں کے انگوٹھیوں کے طرز پر بنی ہو اور اگر عورتوں کی انگوٹھیوں کے طرز پر ہو مثلاً اس میں دو یا تین نگینہ ہوں تو مرد کو اس کا استعمال مکروہ ہے یہ خلاصہ میں ہے اور سوائے چاندی کے دوسری چیز کی انگوٹھی پہننا مرد کو مکروہ ہے یہ ینابیع میں ہے اور سونے کی انگوٹھی پہننا صحیح مذہب کے موافق مرد کو حرام ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ جندی میں ہے کہ لوہے، پیتل، تانبے، رانگے کی انگوٹھی پہننا مرد و عورت دونوں کو مکروہ ہے اور عقیق کی انگوٹھی پہننے میں مشائخ کا اختلاف ہے اور ذخیرہ میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور قاضی خان میں لکھا ہے کہ اصح یہ ہے کہ جائز ہے یہ سراج الوہاج میں ہے اور پشت کے مانند چیزوں کی انگوٹھی پہننے میں مثل عقیق کے کچھ ڈر نہیں ہے یہ عینی شرح ہدایہ میں ہے اور یہی صحیح ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ ہڈی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یہ غرائب میں ہے اور لوہے کی انگوٹھی پہننے میں بشرطیکہ اس پر چاندی لپیٹی گئی ہو یا ملمع کی گئی ہو حتیٰ کہ لوہا نظر نہ آئے کچھ ڈر نہیں ہے

یہ محیط میں ہے اور انگوٹھی میں فقط حلقہ معتبر ہے کیونکہ انگوٹھی کا قوام اسی سے ہے اور نگینہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ کہ نگینہ پتھر کا ہو یا کسی اور چیز کا ہو یہ سراج الوہاج میں ہے اور نگ کے چھید کو سونے کی گل میخوں سے بند کرنے میں ڈر نہیں ہے یہ اختیار شرح مختار میں ہے اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ انگوٹھی کی چاندی ایک مثقال تک ہونی چاہئے اس پر زیادہ نہ کی جائے گی اور بعض نے فرمایا کہ پورا مثقال بھی نہ ہونے پائے اور یہی اثر میں وارد[1] ہے یہ محیط میں ہیاور چاندی کی انگوٹھی پہننا اسی شخص کو مسنون ہے جس کو مہر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے سلطان و قاضی وغیرہ اور جس کو مہر کرنے کی حاجت نہ ہو اس کو ترک کرنا افضل ہے یہ تمرتاشی میں ہے اور فقیہ ابو اللیث نے ذکر فرمایا کہ بعض لوگوں نے سوائے صاحب حکومت کے غیر شخص کے واسطے انگوٹھی پہننا مکروہ جانا ہے مگر عامۂ علماء نے جائز فرمایا ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے اور جب انگوٹھی پہنے تو چاہئے کہ اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی کی طرف رکھے اوپر کی طرف نہ رکھے بخلاف عورتوں کے کہ عورتیں اوپر رکھیں گی اس لیے کہ عورتیں زینت کے واسطے پہنتی ہیں اور مرد مہر کرنے کے واسطے پہنتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور فتاویٰ میں ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ انگوٹھی کو بائیں چھنگلیا میں پہنے دائیں چھنگلیا اور باقی انگلیوں میں نہ پہنے اس واسطے کہ دائیں چھنگلیا میں انگوٹھی پہننا رافضیوں کی علامت ہے حالانکہ دائیں و بائیں دونوں میں پہننا جائز ہونا ثابت ہوا ہے اور دونوں طرح پہننا اثر میں وارد ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ سونے سے دانت نہ باندھے اور چاندی سے باندھے اور امام محمدؒ کی یہ مراد ہے کہ جب دانت ہلنے لگیں اور ان کے گر جانے کا خوف ہو اور اس شخص نے چاہا کہ میں ان کو باندھوں تو چاہئے کہ چاندی سے باندھے اور سونے سے نہ باندھے مگر یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور خود امام محمدؒ نے فرمایا کہ سونے سے بھی باندھ سکتا ہے اور جامع صغیر میں امام ابو یوسفؒ کا قول ذکر نہیں کیا بعض مشائخ نے کہا کہ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ کے ساتھ ہیں اور بعض نے فرمایا کہ امام اعظمؒ کے ساتھ ہیں اور حاکم نے منتقی میں ذکر کیا کہ اگر کسی کے دانت ہلنے لگے اور اس کو گر جانے کا خوف ہو پس اس نے سونے یا چاندی سے باندھا تو امام اعظم و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس میں کچھ ڈر نہیں ہے اور حسنؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ دانت و ناک میں فرق ہے پس دانت کے حق میں فرمایا کہ سونے سے باندھنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور ناک کے حق میں اس کو مکروہ جانا ہے یہ محیط میں ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس میں کچھ ڈر نہیں ہے کہ اپنا اُکھڑا ہوا دانت پھر اپنے منہ میں جما کر باندھ دے اور اگر دوسرے کے دانت کو اس نے اس طرح اپنے منہ میں لگایا تو مکروہ ہے کذا فی السراج الوہاج بشر رحمہ اللہ نے کہا کہ امام ابو یوسفؒ نے دوسری مجلس میں فرمایا کہ میں نے امام اعظمؒ سے اس کو دریافت کیا تو امام اعظمؒ نے اس کے دوہرانے و اعادہ کرنے میں فرمایا کہ کچھ ڈر نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ کسی شخص کی انگلیوں کی پوریں کاٹ ڈالی گئیں تو اس کو روا ہے کہ سونے و چاندی کی پوریں بنا کر لگائے بخلاف اس کے اگر ہاتھ یا پوری انگلی کاٹ ڈالی گئی تو ایسا نہیں کر سکتا ہے یہ تمرتاشی میں ہے۔

گیارہواں باب ☆

کھانا کھانے میں کراہت و اس کے متصلات کے بیان میں

کھانے کے چند مراتب ہیں ایک فرض ہے کہ جس سے مر نہ جائے پس اگر کسی نے کھانا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ مر گیا تو عاصی مرا دوم جس پر ثواب ملتا ہے یعنی مقدار فرض سے اس قدر زیادہ کھائے جس سے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے اور روزہ رکھنا اس پر آسان ہو جائے سوم مباح ہے یعنی اس سے بھی زیادہ کھائے اور اس کی انتہا سیری تک ہے اس غرض سے کہ بدن کی قوت بڑھ جائے

[1] یعنی حدیث یا قول و فعل صحابی یا تابعی رضی اللہ عنہم ۱۲ منہ

اور اس میں نہ ثواب ہے نہ عذاب ہے اور آخرت میں اس قدر کا حساب آسان ہے بشرطیکہ طعام حلال ہو چہارم حرام ہے وہ یہ ہے کہ سیری سے بھی زیادہ کھا جائے لیکن اگر اس غرض سے ہو کہ کل کے روز کے روزہ میں تقویت رہے یا مہمان کو کھانے میں شرم نہ ہو تو سیری سے زیادہ کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور ریاضت کے واسطے کھانے میں ایسی کمی کرنا کہ آخر کار ادائے فرائض سے عاجز ہو جائے جائز نہیں ہے۔ ہاں نفس کو اس قدر بھوکا رکھنا کہ ادائے عبادت سے عاجز نہ ہو جائے مباح ہے اور اس میں نفس کے واسطے ریاضت بھی ہے اور اس مین طعام کی خواہش و گوارائی بھی ہو جاتی ہے بخلاف صورت اوّل کے کہ اس میں نفس کا ہلاک کرنا ہے اسی طرح جو نوجوان جوش شہوت سے خوفناک ہے اس کو مضائقہ نہیں کہ اپنے تئیں کھانے سے روکے تاکہ بھوک سے اس کی شہوت ٹوٹ جائے بشرطیکہ اس طرح ہو کہ ادائے عبادت سے عاجز نہ ہو جائے یہ اختیار شرح مختار میں ہے اور اگر کسی شخص نے اپنے بدن کی اصلاح[1] کے واسطے بقدر حاجت کی یا حاجت سے زیادہ کھانا کھایا تو کچھ ڈر نہیں ہے یہ حاوی میں ہے اگر کسی شخص نے حاجت سے زیادہ اس واسطے کھایا کہ قے کرے تو حسنؒ نے فرمایا کہ اس میں کچھ ڈر نہیں ہے اور کہا کہ میں نے[2] انس بن مالکؓ کو دیکھا کہ طرح طرح کا کھانا کھاتے اور زیادہ کھاتے پھر قے کر دیتے تھے اور یہ ان کو نافع ہوتا تھا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور سالنوں میں جس کے ساتھ روٹی کھائی جائے کثرت کرنا اس طرف میں سے ہے لیکن اگر حاجت ہو تو روا ہے مثلاً ایک ہی سالن سے جی گھبرا گیا پس چند طرح کا پکوائے تاکہ ہر ایک میں سے تھوڑا تھوڑا کھائے تاکہ مجموعہ اس قدر ہو جائے کہ طاقت پر قادر ہو یا اس نے یہ قصد کیا کہ ضیافت کے واسطے لوگوں کو گروہ گروہ بلائے کہ ایک کے بعد دوسرا آتا جائے یہاں تک کہ کھانا پورا پڑ جائے تو اس میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ چند طرح کا طعام پکوانا دستر خوان حاجت سے زائد روٹیاں رکھنا اسراف ہے لیکن اگر یہ قصد ہو کہ ضیافت کے واسطے لوگوں کے گروہ ایک بعد دوسرے کے بلاتا جائے یہاں تک کہ کھانا پورا ہو جائے تو کچھ ڈر نہیں ہے کیونکہ اس میں فائدہ ہے اور یہ بھی اسراف میں سے ہے کہ روٹی بیچ بیچ میں سے کھالے اور کنارے چھوڑ دے یا ایک روٹی میں سے پھولی ہوئی کھالے اور باقی چھوڑ دے کیونکہ اس میں ایک طرح کا تبخیر ہے لیکن اگر دوسرا شخص اس کو کھالیتا ہو تو کچھ ڈر نہیں ہے چنانچہ اگر روٹیوں میں سے کوئی چھانٹ کر کھائی کوئی نہ کھائی تو جائز ہے یہ اختیار شرح مختار میں ہے جو لقمہ ہاتھ سے گر پڑے اس کا ترک کر دینا اسراف میں سے ہے بلکہ چاہئے کہ اس کو پہلے اُٹھا کر کھالے پھر دوسرا کھائے یہ وجیز کردری میں ہے روٹی کی تعظیم میں سے ایک یہ ہے کہ جب روٹی سامنے آئے تو کھانا شروع کر دے سالن کا انتظار نہ کرے یہ اختیار شرح مختار میں ہے۔ اور کھانے سے پہلے و پیچھے دونوں ہاتھ دھونا سنت ہے اور کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے میں یہ ادب ہے کہ پہلے جوان لوگ شروع کریں پھر بڈھے لوگ ہاتھ دھوئیں اور بعد کھانے کے اس کے برعکس چاہئے کذا فی الظہیر یہ اور نجم الائمہ بخاری وغیرہ نے فرمایا کہ اگر کھانے سے پہلے کسی شخص نے ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دھو ڈالیں تو دونوں ہاتھ دھونے کی سنت ادا نہ ہوگی اس واسطے کہ طریقہ سنت یوں مذکور ہے کہ دونوں ہاتھ دھودے اور ہاتھ کا اطلاق پہنچے تک ہے یہ قنیہ میں ہے اور کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر ان کو رومال سے نہ پوچھے تاکہ کھانا شروع کرنے تک دھونے کا اثر باقی رہے اور بعد کھانے کے ہاتھ دھو کر پوچھ ڈالے تاکہ طعام کا اثر بالکلیہ زائل ہو جائے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور تیمیہ میں ہے کہ میرے والدؒ سے دریافت کیا گیا کہ کھانے کے وقت کلی کرنا بھی مثل ہاتھ دھونے کے سنت ہے تو فرمایا کہ نہیں یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر چوکر سے کسی نے ہاتھ

[1] اصلاح وہ معتبر ہے جو کار خیر کی نیت سے موافق شرح ہو مانند قوت عبادت و تعلیم و جہاد وغیرہ حتیٰ کہ اہل و عیال کے لیے کمانا وغیرہ برخلاف اس کے جو پہلو تہی کرتا ہے کہ وہ تحریمی مکروہ بلکہ شدید ہے ۱۲ منہ [2] قال المترجم یونہی نسخے میں موجود ہے اور ظاہراً حسنؒ سے مراد حسن بن زیاد نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں دیکھا پس مراد حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ تابعی مشہور ہیں واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

دھوئے یا سر دھویا یا اس کو جلایا پس اگر اس میں کچھ لگاؤ آٹے کا نہیں رہا تھا بلکہ فقط چوکر چوپاؤں کے کھانے کے لائق تھا تو کچھ ڈر نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور نوادر ہشام میں ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے دریافت کیا کہ کھانے کے بعد آٹے یا ستو سے ہاتھ دھونا کیسا ہے جیسا[1] اشنان سے ہاتھ دھوتے ہیں تو امام محمدؒ نے مجھے خبر دی کہ امام ابو حنیفہؒ اس میں کچھ باک نہیں جانتے تھے اور ایسے ہی امام ابو یوسفؒ بھی اور یہی میرا قول ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور [2] جب کو خواہ مرد ہو یا عورت دونوں ہاتھ دھونے و کلی کرنے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے مگر [3] حائض کے واسطے مکروہ نہیں ہے اور ہر صورت میں منہ کا پاک رکھنا مستحب ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور چاہئے کہ پانی برتن سے اپنے ہاتھ پر خود ڈالے کسی دوسرے سے استعانت نہ لے چنانچہ ہمارے بعض مشائخ سے منقول ہے کہ فرمایا کہ یہ امر مثل وضو کے ہے اور ہم لوگ وضو میں کسی غیر سے استعانت نہیں لیتے ہیں یہ محیط میں ہے اور سنت طعام یہ ہے کہ اوّل میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے اور آخر میں الحمدللہ پڑھے اور اگر اوّل میں بسم اللہ بھول جائے تو یوں کہے بسم اللہ علی اولہ وآخرہ یہ اختیار شرح مختار میں ہے اور جب بسم اللہ کہے تو چاہئے کہ آواز بلند سے کہے تاکہ جو لوگ ساتھ کھانے بیٹھے ہیں ان کو بھی تلقین ہو جائے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر طعام حلال ہو تو بسم اللہ کہہ کر شروع کرے اور فارغ ہونے کے بعد الحمدللہ کہے چاہے جیسا ہو یعنی حلال ہو یا مشتبہ ہو یا حرام ہو یہ قنیہ میں ہے۔ اور الحمدللہ کے ساتھ آواز بلند نہ کرنا چاہئے لیکن اگر ساتھی لوگ فارغ ہو گئے ہوں تو خیر یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اور نمک کے ساتھ شروع کرنا اور نمک ہی پر ختم کرنا سنت سے ہے یہ خلاصہ میں ہے اور کھانا کم کھائے یہ غرائب میں ہے۔ نوادر میں ہے کہ فضل بن غانم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو یوسفؒ سے پوچھا کہ طعام کو پھونکنا کیا مکروہ ہے فرمایا کہ نہیں لیکن اگر پھونک آواز سے مثل اف کے ہو تو مکروہ ہے اور [4] نفخ کی ممانعت کے یہی معنی ہیں اور جلتا ہوا کھانا نہ کھائے اور کھانے کو نہ سونگھے اور کھانے کی چیز یا پینے کی چیز میں نہ پھونکے اور یہ بھی سنت ہے کہ کھانا شروع کرنے میں درمیان میں سے کھانا نہ شروع کرے یہ خلاصہ میں ہے اور سنت ہے کہ [ا] رومال سے پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو خوب چاٹ لے یہ وجیز کردری میں ہے اور پیالہ کا چاٹنا سنت ہے یہ خلاصہ میں ہے اور جو طعام خوان سے گرے اس کو کھا لینا سنت ہے یہ محیط میں ہے۔

بطورِ تکبر ٹیک لگا کر کھانا' سنت نبویہ کے مخالف ہے ☆

تکیہ لگا کر کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے بشرطیکہ تکبر کی راہ سے نہ ہو اور ظہیریہ میں لکھا ہے کہ یہی مختار ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے اور تکیہ لگا کر کھانا پینا یا بایاں ہاتھ زمین پر رکھ کر یا ٹیک لگا کر مکروہ ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔ سر راہ کھانا مکروہ ہے اور سر کھلے ہوئے کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور یہی مختار ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ بھوک سے جب مخمصہ کی حالت پہنچ جائے تو مردار چیز سے اس قدر کھا لینا کہ جس سے ہلاکت کا خوف جاتا رہے روا ہے کذا فی السراجیہ اور مشائخ نے اضطرار کی تعریف میں گفتگو کی ہے یعنی وہ حالت مخمصہ جس میں مردار حلال ہو جاتا ہے وہ کب ہوتی ہے سو بعض نے فرمایا کہ جب ایسی حالت پہنچ جائے کہ اس کو جان جاتی رہنے کا خوف ہو اور ابن المبارکؒ سے مروی ہے کہ جب ایسی حالت ہو کہ اگر بازار میں داخل کیا جائے تو کسی مال و اسباب پر کیسا ہی عمدہ ہو نظر نہ ڈالے سوائے مردار کے اور بعض نے فرمایا کہ جب فرائض ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور بعض نے فرمایا کہ تین دن بعد اور صحیح یہ ہے کہ اس کے واسطے کوئی مقدار مقرر نہیں ہے اس واسطے کہ [5] لوگوں کے طبائع مختلف ہوتے ہیں اور مشائخؒ نے مردار خواری کی کیفیت میں

ا اس ملک کی عادت کے موافق کہ لوگ کھانا کھا کر رومال سے ہاتھ مل ڈالتے تھے ورنہ دھونے سے پہلے ایسا کرے ۱۲ منہ (۱) ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے ۱۲ (۲) جس پر غسل واجب ہو ۱۲ (۳) جس عورت کو حیض آیا ہو ۱۲ (۴) یعنی حدیث میں جو نفخ بمعنی پھونکنا منع ہے اس سے ایسا نفخ ۱۲
(۵) کوئی شخص دو ہی روز میں مرنے کے قریب ہوتا ہے ۱۲

اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ اس کا کھانا حرام ہے مگر مضطر سے اس کا گناہ دور کر دیا گیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ وہ حلال ہو جاتا ہے (۱) مضطر کو اس کا ترک کرنا روا نہیں ہے یہ غرائب میں ہے اگر بھوک سے اپنی جان جاتی رہنے کا خوف کرے اور اس کے رفیق کے پاس کھانا ہو تو روضہ میں مذکور ہے کہ ضمانت شرط کر لے اس سے اس قدر طعام کو بھوک دفع ہونے کے لیے کافی ہو خلاصہ میں ہے اور جو شخص مخمصہ میں پھنسا اور اس کے پاس رفیق کا طعام ہے مگر اس نے اس سے اکراہاً بہ قیمت نہ لیا بلکہ صبر کیا یہاں تک کہ بھوک سے مر گیا تو ثواب پائے گا ذخیرہ میں ہے اور اگر پیاس سے جان جانے کا خوف ہو حالانکہ اس کے رفیق کے پاس پانی ہے تو اس کو جائز ہے کہ رفیق کے ساتھ بدوں ہتھیار کے لڑائی کر کے بقدر دفع تشنگی کے پانی لے لے اور اگر رفیق کی نسبت بھی موت کا خوف ہو تو کچھ پانی لے لے اور کچھ چھوڑے اور اگر بھوک سے مضطر ہوا اور طعام کا مالک اس کو دینے سے روکتا ہے تو اس کو لے لینا روا ہے مگر اس سے قتال نہ کرے اور اگر نہ لیا یہاں تک کہ مر گیا تو گنجائش ہے یہ خلاصہ میں ہے اور اگر کوئی شخص پیاس سے مضطر ہوا اور ایک کنویں میں پانی ہے۔ مگر وہاں کوئی شخص اس کو پانی لینے سے منع کرتا ہے تو اس شخص کو جائز ہے کہ منع کرنے والے سے مقابلہ کرے یہ تہذیب میں ہے اور شیخ ابونصرؒ سے منقول ہے کہ فرمایا کہ جو چیز ایسی ہو کہ اس کو کسی شخص نے اپنی ملک و حیازت میں کر لیا ہے جیسے طعام یا وہ پانی جو اس نے اپنے برتن میں بھر لیا ہے یا اپنی ملک میں کر لیا ہے پس اگر وہ شخص مضطر کو نہ دے تو مضطر کو اس سے سوائے ہتھیاروں کے اور طرح لڑائی کر کے لینا جائز ہے اور کنویں وغیرہ کے مانند کسی مقام کے پانی سے اگر کوئی روکے تو مضطر کو اس سے ہتھیار سے بدوں ہتھیار کے سب طرح مقابلہ کرنا جائز ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص کو پیاس سے مر جانے کا خوف ہوا اور اس کے پاس شراب موجود ہے پس اگر اس کو علم ہو کہ شراب پینے سے پیاس بجھ جائے گی تو شراب کو بقدر پیاس دور کرنے کے پی سکتا ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک مضطر نے مردار بھی کھانے کو نہ پایا اور مر جانے کا خوف ہوا پس ایک شخص نے اس سے کہا کہ میرا ہاتھ کاٹ کر کھا لے یا کہا کہ میرے بدن میں سے ایک ٹکڑا کھا لے تو مضطر کو ایسا کرنا روا نہیں ہے اور حکم دہندہ کو ایسا حکم کرنا بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ مضطر کو یہ روا نہیں ہے کہ اپنے بدن سے کوئی ٹکڑا قطع کر کے کھائے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

باپ کو اگر اپنے فرزند کا مال کھانے کی حاجت پڑی پس اگر شہر میں ہو اور بسبب فقر کے اس کی ضرورت ہو تو مفت کھائے اور جنگل میں ہو اور سبب کھانا نہ ہونے کے اس کی ضرورت ہوئی پس اگر غنی ہو یعنی اس کو صدقہ حلال نہ ہو تو بقیمت کھائے یہ خلاصہ میں ہے۔ باپ کو اپنے بخیل بیٹے کا مال لینا حلال نہیں ہے۔ لاّ جب کہ ضرورت ہو اور اگر بیٹا تخی ہو تو غیر ضرورت کے وقت بھی لینا جائز ہے یہ ملتقط میں ہے اور اگر حالت مخمصہ میں کسی نے مردار کھانے سے انکار کیا یا روزہ رکھا اور نہ کھایا یہاں تک کہ مر گیا تو گنہگار ہو گا یہ کبریٰ میں ہے۔ امام محمدؒ نے کتاب الکسب میں فرمایا کہ محتاج جس وقت نکلنے و طلب کرنے سے عاجز ہوا اس وقت لوگوں پر اس کو کھانا کھلانا [۱] فرض ہے اور اس مسئلہ میں تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ محتاج جس وقت باہر نکلنے سے عاجز ہو تو ہر شخص پر جو اس کے حال سے آگاہ ہوا یہ فرض ہے کہ بشرط قدرت اس کو اس قدر کھانا کھلائے جس سے وہ نکلنے و ادائے عبادت پر قادر ہو جائے حتیٰ کہ اس کے حال سے واقف لوگوں میں سے کسی نے اس کو کھانا نہ دیا اور وہ مر گیا تو گناہ سب پر ہو گا اسی طرح اگر اس شخص کے پاس جو اس کے حال سے آگاہ ہوا اس قدر نہ ہو کہ اس محتاج کو کھلائے لیکن اس کو یہ قدرت ہے کہ نکل کر لوگوں کو اس کے حال سے آگاہ کرے تاکہ وہ لوگ اس کی خبر گیری کریں تو اس پر ایسا کرنا فرض ہو گا پھر اگر لوگوں نے خبر گیری نہ کی تو جس قدر لوگ واقف ہوئے تھے سب لوگ اگر محتاج مذکور بھوک

[۱] فرض ہے حتیٰ کہ حدیث میں وارد ہے کہ چالیس گھروں تک اس کا وبال رہے گا جب کہ وہ رات کو بھوکا رہ گیا ہو اس کو مترجم نے الہدایہ میں ترجمہ کیا ہے ۱۲ منہ

(۱) نہ بریں اگر نہ کھائے اور جان ہی دے دے تو ثواب ہو گا مگر یہ قول نہیں صحیح ہے ۱۲ منہ

سے مر جائے تو گنہگار ہوں گے لیکن اگر ایک نے اس کے حال کی خبر گیری کر لی تو باقی سب کی طرف سے ساقط ہو جائے گی دوم یہ کہ محتاج نکلنے پر قادر ہے مگر کسب پر قادر نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ نکلنے اور جو شخص اس کے حال سے واقف ہو پس اگر اس پر محتاج کا کچھ حق واجب ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس کا حق ادا کر دے اور اگر محتاج مذکور کمائی کرنے پر قادر ہو تو اس پر واجب ہے کہ کمائی کرے اور سوال کرنا اس کے حق میں حلال نہیں ہے۔ سوم یہ کہ اگر محتاج کمائی سے عاجز ہو مگر اس پر قادر ہے کہ نکل کر لوگوں کے دروازوں پر جائے تو اس پر ایسا کرنا فرض ہے پس اگر اس نے ایسا نہ کیا اور مر گیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک گنہگار ہو گا۔ پھر امام محمدؒ نے فرمایا کہ دینے والا بہ نسبت لینے والے کے افضل ہے اور اس میں بھی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ دینے والے نے حق واجب ادا کیا حالانکہ لینے والا کمائی کرنے پر قادر ہے مگر محتاج ہے تو اس صورت میں بالاتفاق دینے والا افضل ہے دوم یہ کہ دینے والا اور لینے والا دونوں متبرع ہوں چنانچہ دینے والے کا متبرع ہونا ظاہر ہے اور لینے والے کے تبرع کی یہ صورت ہے کہ لینے والا کمائی پر قادر ہو تو اس صورت میں دینے والا افضل ہے۔ سوم یہ کہ دینے والا متبرع ہو اور لینے والے پر لینا فرض ہو مثلاً وہ کمائی سے عاجز ہو تو اس صورت میں دینے والا اہل فقہ کے نزدیک افضل ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے کہا کہ جب فلاں شخص نے میرے مال میں سے لیا تو اس کو حلال ہے پھر فلاں شخص نے بدوں اس بات کے علم کے کہ اس نے مباح کر دیا ہے اس کا کچھ مال لے لیا تو جائز ہے اور ضامن نہ ہو گا یہ خلاصہ میں ہے۔

اگر ایک نے دوسرے سے کہا کہ سب جس قدر تو میرے مال میں سے کھائے میں نے تجھے حلال کیا تو وہ مال اس کو حلال ہو گا اور اگر یوں کہا کہ سب جس قدر تو میرے مال میں سے کھائے میں نے تجھے اس سے بری کر دیا تو بری نہ ہو گا اور صدر الشہیدؒ نے فرمایا کہ صواب یہ ہے کہ بنا بر قول محمد بن سلمہؒ کے بری ہو جائے گا یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا انت فی حل من مالی حیثما اصبته فخذ ماشئت یعنی تجھے میرا مال حلال ہے تجھے جہاں ملے تو جس قدر چاہے لے لے تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ خاصۃً درم و دینار سے اس کو حلت ہو گی اور اس کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ قائل کی زمین سے فواکہ یا اس کی بکریوں کے گلہ میں سے کوئی بکری یا ایسی ہی کوئی چیز لے لے اور اگر کوئی درخت خرما دو شخصوں میں مشترک ہو پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس میں سے جس قدر چاہے کھا لے اور جس کو چاہے ہبہ کر دے تو اس کو ایسا کرنا جائز ہے اور یہ کہنا مباح کرتا ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔

ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو نے میرے چھوارے کس قدر کھائے ہیں اس نے کہا کہ پانچ حالانکہ اس نے دس چھوارے کھائے تھے تو جھوٹا نہ ہو گا اسی طرح اگر کہا کہ تو نے یہ کپڑا کتنے کو خریدا ہے اس نے کہا کہ پانچ کو حالانکہ دس درم کو خریدا ہے تو بھی کاذب نہ ہو گا یہ خلاصہ میں ہے۔ مری ہوئی مردار مرغی کے پیٹ میں سے اگر انڈا نکلا تو کھایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر مردار بکری کے تھنوں سے دودھ برآمد ہوا تو پیا جا سکتا ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ ریشم کے کیڑوں کے بچے کھانے میں ان میں جان پڑنے سے پہلے کچھ ڈر نہیں ہے اور بھڑوں کے بچے کے کھانے میں جان پڑنے سے پہلے کچھ ڈر نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے[1]۔ بزغالہ و برہ اگر گدھی کا دودھ پلا کر پالا گیا تو امام محمدؒ نے ذکر کیا کہ اس کا کھانا حلال ہے مگر مکروہ ہے اور اگر کوئی بکری شراب پی گئی اور اُسی وقت ذبح کی گئی تو مکروہ نہیں ہے اور اگر دیر ہو گئی تو مثل چھٹی ہوئی مرغی کے قید کی جائے گی۔ گوشت کا کیڑا شوربے میں گر پڑا تو شوربا نجس نہ ہو گا مگر کیڑا کھایا نہ جائے گا اور اسی طرح شوربا بھی نہ کھایا جائے گا بشرطیکہ یہ کیڑا اس میں گر کر پھٹ گیا ہو اور اگر آدمی کا پسینا یا ناک کی ریٹ یا آنسو شوربے میں گر پڑے تو اس شوربے کا کھانا حلال ہے اور اسی طرح اگر پانی میں گرے اور پانی غالب رہا تو اس کا پینا بھی حلال ہے لیکن طبیعت ایسی چیز کو پلید سمجھ کر پرہیز کرتی ہے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک عورت ہانڈے پکاتی ہے کہ اتنے میں اس کا شوہر ہاتھ میں

[1] بھیڑی بکری کا بچہ ۱۲

ایک شراب کا پیالہ لئے آیا اور شراب کو ہانڈی میں ڈال دیا پھر عورت نے ہانڈی میں سرکہ ڈال دیا یہاں تک کہ شوربے میں سرکہ کے مانند کھٹائی ہو گئی تو اس کے کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ایک ہانڈی میں نجاست گر پڑی تو شوربا کھانا روا نہیں ہے اور اگر ہانڈی میں اُبال کے وقت نجاست گری ہو تو گوشت بھی کھانا روا نہیں ہے اور اگر غلیاں کی حالت نہ ہو تو گوشت دھو کر کھانا روا ہے یہ سراجیہ میں ہے۔امام محمدؒ سے مروی ہے کہ مستعمل پانی سے آٹا گوندھنے میں ڈر نہیں ہے یہ حاوی میں ہے۔بلی کے جھوٹے پانی سے اگر آٹا گوندھ کر روٹی پکائی گئی تو آدمی کو اس کا کھانا مکروہ نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے اور یہ بات مکروہ ہے کہ آدمی میدہ نکال کر اس کی روٹی کھائے اور چوکر اپنے مملوکوں (۱) کے کھانے کے واسطے چھوڑ دے اگر گوبر کے اندر کوئی روٹی پائی گئی پس اگر گوبر سختی کے ساتھ ہو تو گوبر دور کر کے روٹی کھائی جائے گی کیونکہ وہ نجس نہیں ہوئی ہے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے مترجم کہتا ہے کہ ہمارے نزدیک اگر گوبر کی سختی سے خشک گوبر مراد ہے تو یہی حکم ہے اور اگر بالکل خشک نہ ہو تو محل تامل ہے فلیتامل اگر روٹی کا ٹکڑا گوہ میں دیکھا تو اس کے چھوڑ دینے میں معذور ہے اس پر اس کا دھونا لازم نہ ہوگا یہ متفرقات قنیہ میں ہے شیخ علی بن احمد سے دریافت کیا گیا کہ ایک چوہا اپنے منہ سے روٹی کو کترتا ہے تو اس کا کھانا جائز ہے فرمایا کہ ہاں بسبب ضرورت کے جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔آدمی کا دانت ایک ٹوکری گیہوں کے ساتھ پس گیا تو آٹا نہ کھایا جائے گا اور نہ جانوروں کو کھلایا جائے گا بخلاف اس کے اگر اس کی ہتھیلی کی کھال مکھی کے پر کے برابر چھل کر طعام میں مخلوط ہو گئی تو یہ طعام کھایا جائے گا کیونکہ اس میں عام بلوے وضرورت ہے۔اسی طرح اگر آٹا گوندھنے میں پسینا گر پڑا تو قلیل پسینا کھانے سے مانع نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔اگر اونٹ یا بکری کی مینگنی میں جو نکلا تو اس کو دھو کر کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر گائے کے گوبر اور گھوڑے کی لید میں نکلا تو نہ کھایا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے جوار (۲) ومسور وماش واس کے مثل چیزوں کا ایسے چھ بچہ میں دھونا جن میں چیزیں چھنک کر گرتی جاتی ہوں مکروہ ہے یہ قنیہ میں ہے۔گوشت جب بدبودار ہو جائے تو اس کا کھانا حرام ہے اور گھی، دودھ، روغن زیتون، تیل جب بدبودار ہو جائے تو حرام نہیں ہوتا ہے اور طعام جب متغیر ہو کر اوس گیا تو نجس ہو جاتا ہے اور پینے کی چیزیں متغیر ہونے سے حرام نہیں ہوتی ہیں یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا بچہ دان اگر وقت ذبح کے اس کے ساتھ متصل ہو تو حلال ہے یہ قنیہ میں ہے۔اگر گرمی کے دنوں میں کوئی شخص کسی کے پھلوں میں گذرا اور پھل درختوں کے نیچے گرے پڑے ہیں اور اس نے ان کو کھانا چاہا پس اگر شہر میں ہو تو کھانا روا نہیں ہے لیکن اگر یہ جانتا ہو کہ ان کے مالک نے صریح مباح کر دیا ہے یا بدلالت عادت مباح کرنا جانتا ہو تو کھا سکتا ہے اور اگر باہر شہر کے باغ میں ہو پس اگر پھل ایسے ہوں کہ باقی رہتے ہیں جیسے اخروٹ وغیرہ تو بھی نہیں کھا سکتا ہے الا اس صورت میں کہ مالک کے مباح کرنے سے آگاہ ہو اور اگر ایسے پھل ہوں کہ باقی نہیں رہ سکتے ہیں تو مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور صدر الشہیدؒ نے فرمایا کہ مختار یہ ہے کہ تناول کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے جب تک صریحاً یا عادۃً ممانعت (۳) ظاہر نہ ہو کذا فی المحیط اور غیاثیہ میں لکھا ہے کہ مختار یہ ہے کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ پھلوں کا مالک کھا لینے پر راضی ہے تب تک نہیں کھا سکتا ہے انتہی اور اگر گاؤں میں ہو پس اگر ایسے پھل ہوں جو باقی رہتے ہیں تو نہیں لے سکتا ہے الا اس صورت میں کہ اجازت سے آگاہ ہو اور اگر ایسے پھل ہوں جو نہیں باقی رہ سکتے ہیں تو ممتاز یہ ہے کہ تناول کرنے میں ڈر نہیں ہے جب تک ممانعت ظاہر نہ ہو کذا فی المحیط اور اس میں سے کچھ باندھ لانا نہیں جائز ہے کذا فی التاتارخانیہ۔عن جامع الجوامع اور اگر پھل درخت پر لگے ہوں تو افضل یہ ہے کہ کسی جگہ سے نہ لے الا باجازت لیکن اگر ایسا موضع ہو جہاں یہ پھل بہت ہوں یہ معلوم ہو کہ مالکوں پر کھا لینا کچھ گراں نہ گذرے گا تو کھا سکتا ہے مگر یہ روا نہیں کہ باندھ لائے۔

(۱) یعنی بعد تین روز کے ذبح کی جائے ۱۲ (۲) یعنی سونگ اور یہی حکم منہدی ماش کا ہے ۱۲ (۳) اور یہی اصح واوفق بحدیث صحیح ہے ۱۲

قال المترجم[۱] ☆

وھوا لصحیح الماوردنی الحدیث الصحیح اور اگر پت جھاڑ میں درخت کے پتے راہ میں گرے ہوں اور کسی شخص نے بدوں اجازت مالک درخت کے کچھ پتے اُٹھائے پس اگر مثل شہوت وغیرہ کسی ایسے درخت کے پتے ہوں جن سے انتفاع حاصل کیا جاتا ہے تو اس کو لینا جائز نہیں ہے اور اگر لے لے تو ضامن ہوگا اور اگر ایسے پتے ہوں جو کام میں نہیں آتے ہیں تو لے سکتا ہے اور اگر اُٹھا لئے تو ضامن نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر دوست کے گھر میں گیا اور دیگچی گرم کر کے کچھ کھایا تو جائز ہے اور اگر اپنے دوست کے باغ انگور میں سے کچھ لیا اور وہ جانتا ہے کہ مالک باغ کو گراں نہ گذرے گا تو کچھ ڈر نہیں ہے مگر آدمی کو چاہئے کہ خوب غور کر لے کہ طمع کرنے والا اکثر غلطی کرتا ہے یہ ملتقط میں ہے۔ دریائے جاری میں سے پھل نکال لینا اور کھانا جائز ہے اگرچہ کثیر ہوں کیونکہ اگر چھوڑ دیئے جائیں تو بگڑ جائیں گے پس اُٹھا لینے کی اجازت بدلالت ثابت ہوگئی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ہیزم جو پانی میں سے نکال لی جائے اگر وقت نکالنے کے اس کی کچھ قیمت نہ ہو تو حلال ہے اور اگر قیمت ہو تو حلال نہیں ہے یہ سراجیہ و خلاصہ و محیط سرخسی میں ہے۔ فتاویٰ میں ہے کہ شیخ ابوبکر رحمۃ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک اخروٹ پایا پھر دوسرا پھر تیسرا یہاں تک کہ دس ہو گئے اور ان کی قیمت ہو گئی تو شیخ نے فرمایا کہ اگر اس نے مقام واحد میں پائے تو ان کا حکم مثل لقطہ کے ہے اور اگر موضع متفرقہ میں پائے تو اس کو حلال ہیں جیسے اگر ایک شخص نے خرما کی گٹھلیاں مقامات متفرقہ سے جمع کیں یہاں تک کہ ان کی قیمت ہو گئی تو یہ اس کو حلال ہیں اور فقیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ حکم ہے کہ اخروٹ خواہ اس نے ایک ہی جگہ سے پائے ہوں یا مقامات متفرقہ سے پائے ہوں بہرحال وہ مثل لقطہ کے اس کو حلال نہیں ہیں اگر وہ غنی ہو بخلاف خرما کی گٹھلیوں کے کیونکہ خرما کی گٹھلیاں لوگ پھینک دیتے ہیں پس پھینک دینے کی وجہ سے وہ مباح ہو جاتی ہیں اور اخروٹ کو نہیں پھینکتے ہیں لیکن اگر اخروٹوں کو اس نے اخروٹ کے درخت کے نیچے پایا تو چن لے جیسے بالیاں[(۱)] اگر زمین میں باقی رہ گئی ہوں تو چن لے سکتا ہے یہ حاوی میں ہے۔

تعلیق بالشرط کا بیان ☆

اگر چند لوگوں نے ایک بھٹا خریدا پھر آپس میں کہا کہ جو شخص پوست اُتار کر دانہ ظاہر کرے اس پر واجب ہوگا کہ اس کے مثل دوسرا بھٹا خرید کر کھائے پس ایک نے ایسا کیا اور موافق شرط کے جو لوگوں نے اس پر لازم کی تھی دوسرا بھٹا خریدا تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں تعلیق بالشرط ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک درخت ایک مقبرہ میں لگا ہے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر یہ درخت اس زمین میں مقبرہ بنائے جانے سے پہلے اُگا ہو تو مالک زمین اس درخت کا مستحق ہے جو چاہے کرے اور اگر زمین موات ہو اس کا کوئی مالک نہ ہو اور اس زمین کو اس محلہ و گاؤں کے لوگوں نے مقبرہ بنا لیا ہو تو درخت مذکور کا اور جس قدر جگہ میں اُگا ہے اتنی زمین کا وہی حکم ہوگا جو قدیم وقت میں تھا اور اگر مقبرہ بنائے جانے کے بعد اُگا ہو پس اگر جمانے والا کوئی شخص معلوم ہو تو اسی کا ہوگا مگر اس کو چاہئے کہ درخت مذکور کا ثمن صدقہ کر دے اور یہ اگر درخت خود اُگا ہو تو اس کا حکم قاضی کی رائے پر ہے اگر قاضی کی رائے میں اس کا قطع کر کے مقبرہ کے مصرف میں لانا مصلحت ہے تو ایسا کر سکتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کسی تونگر نے ایسی چیز سے جو فقیر کو صدقہ دے گئی ہے کھایا پس اگر فقیر نے اسکو کھانا مباح[(۲)] کیا تو اس کا کھانا حلال ہونے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور اگر فقیر نے وہ چیز غنی کی ملک میں دے دی تو اس کے کھانے میں ڈر نہیں ہے[۲] ابن السبیل کو اگر کچھ مال صدقہ دیا گیا پھر ابن السبیل اپنے مال

---

[۱] مترجم کہتا ہے کہ یہی صحیح ہے کیونکہ حدیث صحیح مسلم سے ثبوت ہوتا ہے ۱۲ منہ [۲] یعنی کہا کہ تجھے اس میں سے کھانا حلال ہے قولہ ملک میں دے دے یعنی ہبہ کر دے ۱۲ منہ (۱) یعنی کھیت میں ۱۲ (۲) مسافر محتاج فی المال ۱۲

تک پہنچ گیا اور ہنوز صدقہ مذکور موجود ہے تو اس کو اس صدقہ سے کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے اسی طرح اگر فقیر کو صدقہ دیا گیا پھر وہ غنی ہو گیا حالانکہ صدقہ مذکور موجود ہے تو اس کو بھی اس صدقہ میں سے کھانے میں ڈر نہیں ہے۔ مٹی کھانا مکروہ ہے یہ فتاویٰ ابواللیث میں مذکور ہے۔ اور شمس الائمہ حلوائی نے شرح کتاب الصوم میں ذکر کیا کہ اگر اس کو اپنی جان پر یہ خوف ہو کہ اگر میں نے اس کو کھایا تو اس سے بیماری یا آفت پیدا ہو جائے گی تو اس کا کھانا مباح نہیں ہے اسی طرح سوائے مٹی کے ہر چیز میں بھی یہی حکم ہے اور اگر اس میں سے بہت کم کھاتا ہے یہ کبھی کھالیتا ہے تو کچھ ڈر نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ دریافت کیا گیا کہ جو مٹی مکہ معظمہ سے لاتے ہیں جس کو طین تمرہ کہتے ہیں اس کے کھانے میں بھی ویسی کراہت ہے جیسے اس مٹی کے کھانے کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہے فرمایا کہ کراہت سب میں یکساں ہے یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے۔ بعض فقہاء سے دریافت کیا گیا کہ (۱) بخاری مٹی یا اس کے مانند مٹی کھانا کیسا ہے تو فرمایا کہ جب تک مضر ہونے کا گمان نہ ہو تب تک کچھ ڈر نہیں ہے اور مٹی کھانے کی کراہت اس وجہ سے نہیں ہے کہ مٹی حرام ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ بیماری اُبھارتی ہے اور امام ابن المبارکؒ سے مروی ہے کہ ابن ابی لیلیٰ خریدی ہوئی باندی کو مٹی کھانے کی وجہ سے واپس[۱] کرتے تھے اور شیخ ابوالقاسم سے دریافت کیا گیا کہ مٹی کھانا کیسا ہے فرمایا کہ عاقل کا کام نہیں ہے یہ حاوی میں ہے۔ عورت اگر مٹی کھانے کی عادت کر لے تو اس کو (۲) ممانعت کی جاسکتی ہے۔ اگر اس سے اس کے جمال میں نقصان آتا ہو یہ محیط میں ہے۔ اور فالودہ اور اقسام اقسام کے کھانے مرغوب کھانے میں ڈر نہیں ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور طرح طرح کے فواکہ کے ساتھ تنقلر کرنے میں ڈر نہیں ہے مگر ترک کرنا افضل ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ کھڑے ہو کر پانی پینے میں ڈر نہیں ہے اور چلتے ہوئے پانی نہ پئے لیکن مسافروں کے واسطے رخصت ہے اور ایک سانس سے اور سقایہ کی ٹونٹی یا مشک کے دہانہ سے منہ لگا کر پانی نہ پئے کیونکہ اس میں یہ خوف ہے کہ حلق میں کوئی مضر چیز نہ چلی جائے یہ غیاثیہ میں ہے۔ سقایہ کا پانی پینا غنی و فقیر دونوں کو جائز ہے کذا فی الخلاصہ سقایہ میں سے برف نکال لینا اور اپنے گھر لانا مکروہ ہے کیونکہ سقایہ اس واسطے بنایا جاتا ہے کہ اس میں سے پانی پیا جائے یہ اجازت نہیں ہوتی ہے کہ اپنے گھر بھی لے جائے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ سقایہ کا پانی اپنے گھر والوں کے واسطے لے جانا جائز ہے بشرطیکہ لے جانے کی اجازت ہو اور اگر اجازت نہ ہو تو نہیں لے جاسکتا ہے یہ متفرقات وجیز کردری میں ہے۔ شراب کا ایک قطرہ سرکہ کے ایک گھڑے میں گر پڑا تو بدوں تھوڑی دیر گذرے اس کا پینا حلال نہیں ہے۔ اور اگر ایک کوزہ شراب ایک مٹکے سرکہ میں ڈالا گیا اور شراب کا مزہ و بدبو نہ پائی گئی تو سرکہ کا پینا فی الحال حلال ہے یہ ملتقط باب اوّل میں ہے اپنے کافر باپ کو شراب نہیں پلا سکتا ہے اور نہ اس کو شراب کا پیالہ دے اور نہ اس کے ہاتھ سے لے اور نہ اس کو بعہ میں لے جائے اور نہ وہاں سے واپس لائے اور اگر اس کی ہانڈی میں مردار یا سور کا گوشت نہ ہو تو اس کی ہانڈی کے نیچے آگ روشن کر دے اور جس دسترخوان پر مردار رکھائی جاتی ہو یا شراب پی جاتی ہو اس پر مسلمان نہ بیٹھے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔ پیالے اور آبخورے روٹی پر رکھنا جائز نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔ [۲] امام صفار نے فرمایا کہ میں ضیافت میں جانے میں اپنے دل میں کچھ نیت سوائے اس کے نہیں پاتا ہوں کہ نمک دانی کو روٹی پر سے اُٹھالوں یہ خلاصہ میں ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ اگر مملحہ سے روٹی زیادہ کھائی جائے تو مکروہ نہیں ہے یہ ینابیع میں ہے۔ [۳] اور جس کاغذ میں نمک ہے اس کا روٹی پر رکھنا اور بقول

۱؎ احتمال ہے کہ خود فی الواقع خرید کر واپس کرتے تھے یا یہ مراد ہے کہ ان کے نزدیک یہ عیب ہے ایسا حکم دیتے تھے کہ مشتری نے اگر عیب لگایا کہ یہ باندی مٹی کھاتی ہے تو دعویٰ مسموع اور باندی اس کے بائع کو پھیر لینی پڑے گی ۱۲ ۲؎ فی الاصل ما اجد فی الذہاب الی الضیافۃ سوائے ان ارفع المملحۃ عن الخبز فتمل ان یکون المعنی ہکذا۔ میں ضیافت کو جانے میں کوئی نیت نہیں پاتا سوائے اس کے کہ روٹیوں پر سے نمکین اُٹھالوں۔ ویدل علیہ ما فی بعض النسخ من لفظ من مکان عن وکذا و ما بعدہ ذلک فافہم ۱۲ ام ۳؎ یعنی لوگوں کی کثرت عادت سے میری نیت میں رہتا ہے کہ ایسا ہو گا اور میں ایسا کروں گا ۱۲

(۱) یعنی بخارائی ۱۲ (۲) یعنی شوہر کو اختیار ہے شرعاً ۱۲

کا روٹی پر رکھنا جائز ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ یہ سب جائز ہے اور فرمایا کہ خوان انہیں چیزوں کے واسطے ہوتا ہے اور ایسا ہی علاء الترجمانی و علاء الحمامی نے فرمایا ہے اور ہم نے بخارا و سمرقند میں بڑے بڑے ائمہ کے سامنے لوگوں کو ایسا کرتے دیکھا اور انہوں نے منع نہ کیا مؤلف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کے سوائے اور کھانے کی چیزیں جیسے زرا اور دوسینوبج وغیرہ کا روٹی پر رکھنا سو سب کے نزدیک جائز ہے یہ قنیہ میں ہے۔ خوان سے روٹی لٹکا کر رکھنا مکروہ ہے بلکہ اس طرح رکھی جائے کہ لٹکتی نہ ہو یہ ظہیریہ میں ہے۔ خوان کے نیچے برابر کرنے کے واسطے روٹی کا ٹکڑا رکھنے کے [1] جواز میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے یہ زاہدی میں ہے اور امام ظہیر الدین مرغینانی نمکدان روٹی پر رکھنا اور خوان سے روٹی لٹکانا اور پیالہ کے نیچے روٹی رکھنا مکروہ ہونے کا فتویٰ نہیں دیتے تھے اور انگلی یا چھری کو روٹی سے رگڑ دینا مکروہ ہونے کا فتویٰ بھی نہیں دیتے تھے بشرطیکہ رگڑنے کے بعد اس روٹی کو کھائے اور ہمارے بعض مشائخ نے انگلی یا چھری کو روٹی سے رگڑنا مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے اگرچہ رگڑنے کے بعد اس روٹے کو کھائے یہ محیط میں ہے اور شیخ علاء الترجمانی نے فرمایا کہ روٹی چھری سے کاٹنا مکروہ ہے اور شیخ ابوالفضل کرمانی و شیخ ابو حامد نے فرمایا کہ مکروہ نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے اور یہ مسئلہ شیخ علی بن احمد سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اگر مکہ کے مثل ور وغنی روٹی یعنی دودھ سے گوندھی ہو تو مکروہ نہیں ہے اور کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر ایسی روٹی نہ ہو تو یہ عجمیوں کی عادات میں سے ہے یہ تاتارخانیہ میں تیمیہ سے منقول ہے امام ثوریؒ سے دریافت کیا کہ غیر کی روٹی سے [2] استمداد لینا کیسا ہے فرمایا کہ وہ غیر کا مال ہے اس سے اجازت لینی چاہئے اور اگر بدوں اجازت لیے و بدوں اشارہ کے ایسا کرے تو میں پسند نہیں کرتا ہوں اور جب تک ممکن ہو درخواست اجازت بھی نہ کرے کیونکہ یہ سوال ہے لیکن اگر دونوں میں انبساط ہو تو مضائقہ نہیں ہے یہ ملتقط میں ہے پڑوسی لوگ جو باہم ایک دوسرے سے خمیر لیا کرتے ہیں اور انگل سے اس کا معاوضہ دے دیا کرتے ہیں تو یہ جائز ہے یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے۔ مسافروں نے اگر اپنا زادراہ خلط کر دیا یا ہر ایک نے رفیقوں کی تعداد پر درم دیئے اور سب درموں کا کھانا خرید کر سب نے کھایا تو یہ جائز ہے اگرچہ ہر ایک کھانے کی مقدار میں تفاوت ہو کذا فی الوجیز للکردری۔

بارھواں باب ☆

ہدایا و ضیافات کے بیان میں

ایک شخص نے کسی کو ہدیہ بھیجا یا اس کی ضیافت کی پس اگر اس کا غالب مال حق حلال ہو تو قبول کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے لیکن اگر یہ جانتا ہو کہ یہ ہدیہ یا ضیافت مال حرام سے ہے تو قبول نہ کرے اور اگر [ا] غالب مال اس کا حرام ہو تو چاہئے کہ ہدیہ قبول نہ کرے اور طعام ضیافت نہ کھائے لیکن اگر وہ شخص اس کو خبر دے کہ یہ مال حلال ہے کہ میں نے ورثہ میں پایا ہے یا کسی شخص سے قرض لیا ہے تو جائز ہے یہ ینابیع میں ہے۔ ظالم امیروں کا ہدیہ قبول کرنا نہیں جائز ہے اس واسطے کہ اکثر مال ان کا حرام ہوتا ہے لیکن اگر یہ جانتا ہو کہ اس کا اکثر مال حلال ہے مثلاً یہ امیر صاحب تجارت یا زراعت ہو تو ڈر نہیں ہے کیونکہ لوگوں کا مال قلیل حرام سے خالی نہیں ہوتا ہے پس اعتبار [3] غالب کا ہے اور یہی حکم ایسے امیروں کے کھانے کا ہے یعنی دعوت قبول کرنے کا یہ اختیار شرح مختار میں ہے اور ہمارے زمانے کے امیروں کے ہدیہ کا حکم کیا ہے سو شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ شیخ ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ سے یہ دریافت کیا گیا تھا کہ ہمارے زمانہ کے امیروں کے ہدیہ کا کیا حکم ہے تو فرمایا کہ بیت المال میں رکھا جائے اور

ا یعنی اکثر مال اس کا حلال ہے اور کچھ حرام بھی ہے (۱) یعنی جائز ہے یا نہیں ۱۲ (۲) پیٹ بھرنے میں مدد لینا ۱۲
(۳) یعنی اکثر مال کیسا ہے ۱۲

ایسا ہی امام محمدؒ نے اس سیر کبیر میں ذکر فرمایا ہے اور یہ بات شیخ ابو بکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ کے سامنے بھی ذکر کی گئی تھی تو فرمایا کہ میں جانتا تھا کہ مذہب یہی ہے کہ بیت المال میں جمع کیا جائے لیکن میں نے اس روایت پر اس خوف سے فتویٰ نہ دیا کہ بیت المال میں رکھا جائے گا اور حاکم لوگ پھر اس کو اپنی نفسانی خواہشوں ولہو ولعب میں خرچ کریں گے اور یہ بات ہم کو معلوم ہے ہمارے زمانے کے حاکم لوگ بیت المال کو اپنی شہوات کے واسطے رکھتے ہیں (۱) جماعت مسلمین کے واسطے نہیں رکھتے ہیں یہ محیط میں ہے۔ اور فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سلطانی[1] جائزہ قبول کرنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعضوں نے فرمایا کہ لینا جائز ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حرام میں سے دیتا ہے امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں یعنی لے لیں گے جب تک ہم کو کوئی شے بعینہ حرام معلوم نہ ہو جائے اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ وان کے اصحاب کا ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور شرح حیل الخصاف میں شمس الائمہؒ نے ذکر کیا کہ شیخ ابو القاسم حکیم جائزہ سلطانی لیتے تھے اور ان کا یہ طریقہ تھا کہ اپنی ضرورتوں کے واسطے قرض لیتے تھے پھر سلطانی جائزہ لے کر اس سے اپنا قرضہ ادا کر دیتے تھے اور ایسے مسائل میں حیلہ یہ ہے کہ اُدھار خریدے پھر جس مال سے چاہے دام ادا کر دے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں نے امام اعظمؒ سے ایسے مسائل کا حیلہ دریافت کیا تو مجھ کو یہی جواب دیا یعنی جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ اور لوگوں کو نہ چاہئے کہ ظالموں کا کھانا کھائیں اس غرض سے کہ ان پر ان کے افعال کی تقبیح و مرتکبات سے زجر ثابت ہو اگرچہ کھالینا حلال ہے یہ غرائب میں ہے۔

جس شخص پر صدقہ حلال نہیں وہ آگے بانٹنے کی غرض سے بھی صدقہ قبول نہ کرے ☆

شیخ ابو بکر رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ جس شخص کو صدقہ لینا حلال نہیں ہے اس کے حق میں یہ افضل ہے کہ سلطان سے جائزہ لے کر ایسے لوگوں کو جن کو صدقہ حلال ہے بانٹ دے یا یہ کہ قبول نہ کرے تو فرمایا کہ قبول نہ کرے کیونکہ یہ امر صدقہ لینے کے مشابہ ہے پھر شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا گیا کہ کیا یہ بات نہیں ہے شیخ ابو نصیرؒ نے اسحٰق بن احمد واسماعیلؒ کا جائزہ لے لیا ہے تو شیخ نے جواب دیا کہ ہاں لیکن ان دونوں کے پاس ایسا مال بھی تھا جو دونوں نے اپنے باپ سے میراث پایا تھا پھر شیخ رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کسی فقیر نے سلطان سے جائزہ قبول کر لیا باوجود علم اس بات کے کہ سلطان نے اس کو غصب کیا ہے پس آیا اس کو حلال ہے تو فرمایا کہ اگر سلطان نے مال مغصوب دوسرے درموں میں ملا دیا ہے تو کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر بعینہ مال مغصوب بدون خلط کرنے کے اس فقیر کو دے دیا تو نہیں جائز ہے اور فقیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جواب بنا بر قیاس قول امام اعظمؒ کے تخریج کیا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جو دراہم کسی شخص سے غصب کر لے اگر ان کو دوسرے درموں میں خلط کر دیا تو غاصب ان درموں کا مالک ہو جاتا ہے اور غاصب پر ان کے مثل دوسرے درم مالک کو تاوان دینے واجب ہوتے ہیں اور صاحبینؒ کی اصل پر یہ حکم ہے کہ غاصب ان کا مالک نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ دراہم غصب بعینہ اپنے مالک کی ملک رہتے ہیں پس جواب یہ ہوگا کہ فقیر مذکور کو ایسا جائزہ سلطانی لینا حلال نہیں ہے یہ حاوی میں ہے۔ فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے کہ ایک شخص سلطان کے پاس گیا اور سلطان نے کھانے کی کوئی چیز اس کے سامنے کی پس اگر سلطان نے یہ چیز داموں سے خریدی ہے یا خریدی نہ ہو مگر یہ شخص نہ جانتا ہو کہ یہ چیز بعینہ مغصوب ہے تو اس کا کھا لینا حلال ہے ایسا ہی مذکور ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ شخص سلطان کے مال پر نظر کرے کہ غالب مال کیسا ہے اس پر حکم کی بنا رکھے کذا فی الذخیرہ یعنی اگر غالب مال سلطان حلال ہو تو کھا لے ورنہ کھانا نہ چاہئے ہکذا فہمہ المترجم۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر زید پر عمرو کا قرضہ آتا ہو تو زید کو عمرو کی دعوت قبول کرنے میں ڈر نہیں ہے اور شیخ الاسلام نے فرمایا کہ یہ جواب حکماً ہے اور دیانت کی راہ سے یہ افضل ہے

---

[1] جائزہ و بخشش مراد یہ ہے کہ جو بطور عطیہ کے دیا جائے ۱۲ منہ

(۱) بلکہ جماعہ مسلمین کا اس میں حق بھی نہیں جانتے ہیں ۱۲ منہ

کہ اگر قرض خواہ کو معلوم ہو کہ قرضہ کی وجہ سے دعوت کرتا ہے یا اس کے نزدیک شبہ ہو صاف معلوم نہ ہو تو دعوت قبول نہ کرے اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ اشتباہ کی حالت میں جبھی پرہیز کرنا چاہئے کہ جب یہ دیکھے کہ قرض لینے سے پہلے مثلاً ہر بیس دن بعد دعوت کیا کرتا تھا اور بعد قرض لینے کے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر دس روز بعد دعوت کرنے لگا یا کھانوں کے اقسام میں بڑھا کر کئی رنگ کا کھانا کر دیا اور اگر بعد قرض لینے کے بھی اس نے وہی طریقہ رکھا کہ بیس روز بعد دعوت کرتا رہا یا کھانوں میں کچھ نہ بڑھایا تو پرہیز نہ کرے لیکن اگر وہ صاف ظاہر کر دے کہ میں قرض کی وجہ سے دعوت کرتا ہوں تو پرہیز کرنا[1] واجب ہے یہ محیط میں ہے۔ دعوت قبول کرنے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ واجب ہے اس کا ترک کرنا روا نہیں ہے اور عامہ مشائخ نے فرمایا کہ سنت ہے اور افضل یہ ہے کہ قبول کرے اگر دعوت ولیمہ ہو اور اگر ولیمہ نہ ہو تو اس کو اختیار ہے مگر قبول کر لینا افضل ہے کیونکہ قبول کرنے میں مؤمن کے دل کو خوشی پہنچانا ہے یہ تمرتاشی میں ہے اگر کسی دعوت میں بلایا جائے تو واجب ہے کہ قبول کرے اور واجب جبھی ہے کہ جہاں دعوت ہے وہاں کچھ بدعت و[1]معصیت نہ ہو اور اگر قبول کرنے سے انکار کیا تو گنہگار ہوگا اور ہمارے زمانے میں اسلم طریقہ یہ ہے کہ قبول کرنے سے انکار کرے لیکن اگر یقیناً جانتا ہو کہ وہاں کچھ بدعت و معصیت نہیں ہے تو قبول کرنا اسلم ہے یہ[2] ینابیع میں ہے۔ علم العلماء الشیخ علاء الدین سمرقندی نے فرمایا کہ جو شخص ایسی دعوت میں مبتلا ہو جس میں حرام کا شبہ ہے تو حیلہ یہ ہے کہ صاحب ضیافت سے کہے کہ تو یہ مال فلاں فقیر کی ملک کر دے پس جب اس نے فلاں فقیر کی ملک کر دیا تو وہ فقیر کی ملک ہو گیا اور جب فقیر کی ملک ہوا تو جائز ہے کہ وہ دوسرے کی ملک کر دے اور یہ جو جامع صغیر میں مذکور ہے کہ فقیر کا مال کھانا مکروہ ہے اس سے یہ مراد ہے کہ جو مال اس نے صدقہ سے حاصل کیا ہے اس کا کھانا مکروہ ہے نہ یہ کہ جو مال فقیر نے دوسرے طور سے حاصل کیا ہے وہ مکروہ ہے یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے آدمی کو چاہئے کہ جو فاسق اعلان کے ساتھ فسق کرتا ہو اس کی دعوت قبول نہ کرے تاکہ وہ جان لے کہ تو اس کے فسق سے راضی نہیں ہے اس طرح جس کا غالب مال حرام ہو اس کی دعوت بھی قبول نہ کرے جب تک وہ آگاہ نہ کرے کہ یہ مال دعوت حق حلال ہے اور اگر بالعکس ہو یعنی غالب مال حلال ہو تو قبول کرے جب تک اس کے نزدیک ظاہر نہ ہو کہ یہ حرام ہے یہ تمرتاشی میں ہے اور روضہ میں لکھا ہے کہ فاسق کی دعوت قبول کرے مگر پرہیزگاری یہ ہے کہ قبول نہ کرے اور جو شخص زمین کو[2] مزارعت پر لیتا ہے یا دیتا ہے اس کی نسبت[3] بھی یہی حکم ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔

سود خوار یا حرام کمائی والے نے کسی کو ہدیہ بھیجا یا ضیافت کی اور اس کا اکثر مال حرام ہے تو قبول نہ کرے اور نہ کھائے جب تک کہ وہ خبر نہ کرے کہ اس مال کی اصلیت حلال ہے کہ میں نے ورثہ میں پایا ہے یا قرض لیا ہے اور اگر اس کا غالب مال حلال ہو تو اس کے ہدیہ قبول کرنے و دعوت کھانے میں ڈر نہیں ہے یہ ملتقط میں ہے اور دعوت عامہ مثل دعوت عرس یعنی طعام ولیمہ وختنہ وغیرہ سے تکلف کرنا نہ چاہئے یعنی انکار نہ کرے اور جب اس نے قبول کر لی اور چلا گیا تو حق واجب ادا کر دیا خواہ کھائے یا نہ کھائے پس اگر نہ کھایا تو ڈر نہیں ہے اور افضل یہ ہے کہ کھائے اگر روزہ دار نہ ہو یہ خلاصہ میں ہے۔ اگر ایک شخص دعوت ولیمہ میں بلایا گیا اور اس نے وہاں گانا یا کسی قسم کا لہو پایا تو بیٹھ کر کھانے میں ڈر نہیں ہے پس اگر ان لوگوں کی ممانعت کی قدرت رکھتا ہو تو منع کرے اور اگر نہ قدرت رکھتا ہو تو صبر کرے اور یہ حکم ایسے شخص کے واسطے ہے جو مقتدیٰ نہ ہو یعنی لوگ اس کی پیروی نہ کرتے ہوں اور اگر ایسا ہو کہ لوگ دینی باتوں میں اس کی پیروی کرتے ہیں اور وہ ان لوگوں کے منع کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ مجلس سے نکل جائے وہاں نہ بیٹھے اور اگر ایسا فعل

---

[1] جیسے اس زمانے کی دعوتیں کہ اکثر ان مکروہات سے خالی نہیں ہوتی ہیں ١٢ [2] یعنی باہم بٹائی پر ١٢

(١) دعوت قبول کرنا سنت ہے ١٢ (٢) یعنی واجب ہے ١٢ (٣) اس کی دعوت کی نسبت

ممنوع دسترخوان پر ہوتا ہو تو بیٹھنا نہ چاہئے اگر چہ ایسا شخص نہ ہو کہ لوگ دین میں اس کی پیروی کرتے ہوں اور یہ سب اس صورت میں کہ اس کو وہاں حاضر ہو جانے کے بعد معلوم ہوا ہو اور اگر حاضر ہونے سے پہلے ایسا معلوم ہو گیا ہو تو حاضر نہ ہو۔ کیونکہ اس پر حق دعوت لازم نہیں ہوا بخلاف اس کے جب کہ وہ ناگاہ وہاں چلا گیا اور اس کے سامنے یہ معاملہ ظاہر ہوا تو ایسا نہیں ہے کیونکہ حق دعوت اس پر لازم ہو چکا ہے یہ سراج الوہاج میں ہے اگر ایک شخص مقتدی ہو کہ لوگ دین میں اس کی پیروی کرتے ہوں اور وہ لوگوں کے نزدیک محترم ہو یہ جانتا ہو کہ جب میں جاؤں گا تو لوگ اس فعل ممنوع کو ترک کر دیں گے تو اس پر جانا واجب ہے ورنہ نہ جائے یہ تمرتاشی میں ہے۔ ایک شخص نے بوجہ قرابت یا ولیمہ کے دعوت کی مجلس قرار دی یا فسق و فجور کے واسطے مجلس جمائی اور ایک مرد صالح کو ولیمہ کے واسطے بلایا تو مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ شخص ایسا ہو کہ اس کے انکار کرنے پر وہ لوگ اپنے فسق سے باز رہیں تو اس کو دعوت قبول کرنا مباح نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ قبول نہ کرے کیونکہ یہ نہی منکر ہے اور نہی از منکر واجب ہے اور اگر یہ شخص ایسا نہ ہو کہ اس کے انکار سے وہ لوگ اپنے فسق سے باز رہیں تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ دعوت قبول کرے اور کھانا کھائے اور ان کے فسق و فجور کا بطور وعظ ذکر کرے کیونکہ یہ اجابت دعوت ہے اور اجابت دعوت واجب ہے یا مندوب ہے پس ایسے فعل ممنوع کی وجہ سے جو اس دعوت میں ہو انکار نہ کرے اور ولیمہ سنت ہے اور اس میں ثواب عظیم ہے اور ولیمہ اس کو کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نکاح کر کے لائے اور اپنی جورو کے ساتھ سوئے تو چاہئے کہ اپنے پڑوسیوں و قرابت داروں و دوستوں کو بلائے اور جانور ذبح کر کے ان کے واسطے کھانا پکائے اور جب وہ ضیافت تیار کرے تو ان لوگوں کو چاہئے کہ اس کی دعوت قبول کریں اور اگر نہ مانیں گے تو گنہگار ہوں گے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے[1] دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ تعالیٰ و اس کے رسول کی نافرمانی کی پس اگر روزہ دار ہو تو دعوت میں جائے مگر نہ کھائے اور دعا کرے اور اگر روزہ دار نہ ہو تو کھائے اور دعا کرے اور اگر نہ کھایا تو گنہگار و جفا کار ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اس میں ڈر نہیں ہے کہ جس روز نکاح کر کے لایا اور سویا ہے اس روز دعوت کرے یا اس کے دوسرے روز یا تیسرے روز دعوت کرے پھر عرس و ولیمہ عرس جاتا رہتا ہے کذافی الظہیر یہ یعنی تین روز تک تو حکم عرس باقی رہتا ہے اور دعوت ولیمہ ہو سکتی ہے پھر نہیں ہوتی ہے ہکذا زعم المترجم اور جن لوگوں کے یہاں موت ہو گئی ہو تو اول روز ان کے یہاں کھانا لے جانا اور ان کے ساتھ کھانا[2] جائز ہے کیونکہ وہ لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوتے ہیں اور اس کے بعد پھر مکروہ ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور ایام مصیبت و موت میں تین روز تک ضیافت کرنا مباح نہیں اور اگر تیار کی تو اس میں سے کھانے میں ڈر نہیں ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر اہل مصیبت نے فقیروں کے واسطے کھانا تیار کیا تو بہتر ہے بشرطیکہ سب وارث بالغ ہوں اور اگر وارثوں میں سے کوئی نابالغ ہو تو ترکہ میں سے فقیروں کے واسطے کھانا کرنا جائز نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر ایک شخص دعوت کے دسترخوان پر بیٹھا اور اس نے کھانے میں سے کچھ نکال کر غیر شخص کو دیا پس اگر جانتا ہے کہ صاحب دعوت اس پر راضی نہ ہوگا تو اس کو دینا حلال نہیں ہے اور اگر جانتا ہے کہ راضی ہوگا تو دینے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر اس کے نزدیک مشتبہ ہو تو از خود لے اور نہ کسی کے مانگنے سے دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر کھانے والے دو دسترخوانوں پر ہوں تو ایک دوسرے کو کچھ نہ دے لیکن اگر اس بات پر یقین ہو کہ صاحب دعوت اس پر راضی ہوگا تو مضائقہ نہیں ہے اور کتاب الہبۃ میں مذکور ہے کہ ایک دعوت میں چند دسترخوان بچھائے گئے ہیں پس ایک دسترخوان والوں میں سے کسی شخص نے دوسرے دسترخوان والے کو یا اسی دسترخوان والے کو کچھ دے دیا تاکہ کھائے تو یہ جائز ہے یہ ملتقط میں ہے۔ اگر مہمان

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ شاید یہ حدیث سے حکم نکال کر بطور روایت بالمعنی ذکر کیا ورنہ اس عبارت سے حدیث نہیں معلوم ہوئی اگر چہ دعوت قبول کرنے میں احادیث صحیحہ میں تاکید آئی ہے فافہم ۱۲ منہ

[2] جائز سے مراد مسنون ہے یا توطیہ بیان کراہت ہے ۱۲

نے کھانے میں کچھ کھانا دوسرے مہمان کو جو اسی دستر خوان پر اس کے ساتھ مہمان ہے دیا تو مشائخ رحمہ اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ اس کو ایسا کرنا حلال نہیں ہے اور جس نے لیا ہے اس کو کھانا حلال نہیں ہے بلکہ لے کر اسی دستر خوان پر رکھ دے پھر دستر خوان سے کھائے اور اکثر مشائخ نے اس کو جائز رکھا ہے کیونکہ مہمان مذکور ایسے فعل کے واسطے عادۃً ماذون ہے اور جو شخص دستر خوان پر ہو اس کو یہ جائز ہے کہ جو شخص وہاں کسی آدمی کو بلانے آیا اور کسی کام کو آیا ہے اس کو کھانے میں سے کچھ دے دے کذا فی فتاویٰ قاضی خان اور صحیح اس باب میں یہ ہے کہ عرف عادت کی طرف نظر کرے دوستی و محبت پر حکم نہ لگائے کذا فی النیابیع۔ اسی طرح صاحب دعوت کے فرزند یا اس کے غلام و اس کے کتے و بلی کو نہ دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر مہمان دستر خوان پر سے مالک مکان یا غیر کی بلی کو نوالہ روٹی یا تکہ بوٹی یعنی قلیل دے دے تو استحساناً جائز ہے کیونکہ عادۃً اس کی اجازت ہے اور اگر مہمانوں کے پاس مالک مکان یا غیر کا کتا ہو تو مہمان کو گنجائش نہیں ہے کہ بدوں اجازت مالک مکان کے کچھ روٹی یا گوشت دے دے کیونکہ عادۃً ایسی اجازت نہیں ہے اور اگر ہڈی یا جلی ہوئی روٹی دے دے تو دے سکتا ہے یہ ظہیریہ و ذخیرہ و کبریٰ میں ہے۔ ایک شخص نے چند لوگوں کو دعوت کے واسطے بلایا اور کئی دستر خوان بچھا کر ان لوگوں کو علیحدہ علیحدہ بٹھایا تو ایک دستر خوان والوں میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دوسرے دستر خوان سے کوئی چیز اُٹھا کر کھائے اس واسطے کہ صاحب دعوت نے ہر خوان والے کے واسطے وہی کھانا مباح کیا ہے جو اس کے دستر خوان پر ہے نہ دوسرے دستر خوان کا اور فقیہ ابواللیث نے فرمایا کہ قیاساً یہی حکم ہے مگر استحساناً یہ حکم ہے کہ اگر کسی ضیافت کے دوسرے دستر خوان والے کو دے دیا تو جائز ہے اور اگر بعض خادموں کو جو وہاں خدمت کر رہے تھے کچھ دے دیا تو بھی استحساناً جائز ہے اسی طرح اگر مہمان نے دستر خوان پر سے ذرا سی روٹی یا تھوڑا گوشت رکھ لیا تو بھی استحساناً جائز ہے اور اگر بگڑا کھانا یا جلی روٹی دے دی تو بالاتفاق جائز ہے کیونکہ ایسی اجازت اس کے واسطے ثابت ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ زلہ ربائی یعنی دستر خوان پر سے کچھ کھانا اُٹھا کر گھر لے جانا بلا خلاف حرام ہے لیکن اگر مضیف یعنی میزبان یعنی صاحب دعوت کی طرف سے اجازت و اطلاق حاصل ہو تو مضائقہ نہیں ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔

مہمان پر چار اشیاء واجب ہیں ☆

ایک شخص اپنے اہل و عیال کے ساتھ روٹی کھایا کرتا ہے اور روٹی کے ٹکڑے بچ رہتے ہیں پس جمع ہو کر بہت سے ٹکڑے ہو گئے اور اس کے اہل و عیال ان ٹکڑوں کی خواہش نہیں رکھتے ہیں تو اس کو اختیار ہے کہ مرغی و بکری و گائے وغیرہ کو کھلائے اور یہ افضل ہے اور یہ نہ چاہئے کہ ان ٹکڑوں کو نہر میں یا راہ میں ڈال دے لیکن اگر چیونٹیوں کے واسطے راہ میں ڈالے تا کہ چیونٹیاں کھا جائیں تو جائز ہے ایسا ہی سلف رحمہم اللہ نے کہا ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور کسی کو روا نہیں ہے کہ مجنوں کو مردار کھلائے ہاں بلی کو کھلائے تو روا ہے اور اگر روٹی یا طعام نجس ہو جائے تو جائز نہیں ہے کہ نابالغ یا معتوہ کو یا ایسے جانور کو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے کھلائے اور ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ مردار سے کسی طرح انتفاع جائز نہیں ہے اور نہ مردار کو سکھے ہوئے کتے و باز و جرہ وغیرہ شکاری جانوروں کو کھلائے یہ قنیہ میں ہے۔ اور مہمان کے واسطے یہ مستحب ہے کہ جہاں بٹھایا جائے وہاں بیٹھے اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ مہمان پر چار چیزیں واجب ہیں اوّل جہاں بٹھایا جائے وہاں بیٹھے دوم جو کھانا اس کے سامنے پیش کیا جائے اس پر راضی ہو۔ سوم بدون اجازت مالک مکان کے نہ اُٹھے چہارم جب نکلے تو اس کے واسطے دعا کرے اور میزبان کے حق میں مستحب ہے کہ بدوں الحاح کے کبھی کبھی کہے کہ اور کھاؤ اور مہمانوں کے سامنے کثرت سے خاموشی اختیار نہ کرے اور مہمانوں کی نظروں سے غائب نہ ہو جائے اور خادموں پر مہمانوں کے

۱؎ یعنی حاجت سے فاضل میں صدقہ مستحب ہے اور ابتدائے اسلام میں فاضل کو صدقہ کرنا واجب تھا پھر زکوۃ سے منسوخ ہوا و ھوالاصح ۱۲

سامنے غصہ نہ کرے اور مہمانوں کی مہمانداری کی وجہ سے اہل و عیال کے روزینہ میں تنگی نہ کرے یہ ظہیریہ میں ہے۔ افضل یہ ہے کہ پہلے اپنی ذات پر خرچ کرے پھر اپنے عیال پر اور جو فاضل بچے اس کو[1] صدقہ کر دے اور فاسق کو اس کی قوت سے زیادہ نہ دے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ کھاتے وقت سکوت کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ مجوسیوں کی مشابہت ہے کذافی السراجیہ اور کھانے کے وقت ساکت نہ رہے لیکن جو باتیں کرے وہ نیک باتیں و نیکیوں کی حکایتیں ہوں یہ غرائب میں ہے۔

قال المترجم ☆

ایسی باتیں جس سے انسان کسی فکر میں پڑ جائے یا کھانے سے بالکل کسی دوسری طرف مشغول ہو جائے اس سے اچھو ہو جاتا ہے[1] کذاقالت الاطباء فالوجہ فی الکراہتیہ علی التفصیل فوق ما فصلوہ فتامل۔ اور میزبان دعوت کرنے والے کو چاہئے کہ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ السلام کی عادت شریف کی پیروی کر کے خود مہمانوں کی خدمت کرے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر تو نے چند لوگوں کو دعوت میں بلایا پس اگر تھوڑے لوگ ہوں اور تو بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا تو ڈر نہیں ہے کیونکہ دسترخواں پر تیرا ان کی خدمت کرنا مروت کی بات ہے اور اگر بہت لوگ ہوں تو ان کے ساتھ بیٹھ بلکہ خود ان کی خدمت کر اور مہمانوں کے سامنے خادم پر غصہ نہ کر اور یہ نہ چاہئے کہ ان کے ساتھ ایسا شخص بٹھلائے جوان پر گراں گذرے اور جب مہمان لوگ کھانے سے فراغت پائیں اور اجازت مانگیں تو ان کو روکنا نہ چاہئے اور جب قوم میں سے چند لوگ آ گئے اور تھوڑے لوگوں نے دیر کی تو جو لوگ پہلے آ گئے ہیں ان کے مقدم کرنے کا استحقاق ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو پیچھے رہ گئے ہیں اور صاحب دعوت کو چاہئے کہ جب تک پہلے ہاتھ دھونے کو پانی نہ لائے تب تک پہلے ہی سے کھانا لا کر پیش نہ کرے اور قیاس یہ ہے کہ جو شخص آخر مجلس میں بیٹھا ہے اس سے ہاتھ دھلانا شروع کرے اور اخیر میں اس شخص کے ہاتھ دھلائے جو صدر نشین ہے لیکن لوگوں نے استحساناً یہ طریقہ رکھا ہے کہ پہلے جو شخص صدر نشین ہے اس کی طرف سے ہاتھ دھلانا شروع کرتے ہیں پس اگر ایسا کیا تو ڈر نہیں ہے اور جب کھانے کے بعد مہمانوں کے ہاتھ دھلانے چاہئے تو مشائخ نے فرمایا کہ ہر بار طشت کا پانی پھینکنا مکروہ ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس میں کچھ ڈر نہیں ہے اس واسطے کہ جب چکنائی طشت میں جھپٹ کر گری تو بسا اوقات دھلانے میں اس کی چھینٹ اڑ کر کپڑے پر پڑتی ہیں پس اس کے کپڑے خراب ہوں گے اور اگلے وقت کے لوگوں کا کھانا اکثر روٹی و چھوارے ہوتے تھے یا کم چکنائی کا ہوتا تھا اور اس زمانے میں طرح طرح کے کھانے و سالن ہوتے ہیں جن کو وہ کھاتے ہیں اور ہاتھوں میں چکنائی بھر جاتی ہے پس طشت کا پانی ہر بار پھینکنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے دانتوں میں خلال کی پس جو کچھ دانتوں سے نکل کر زبان پر رہا پس اگر اس نے نگل لیا تو جائز ہے اور اگر پھینک دیا تو جائز ہے اور ریحان و آس و انار کی لکڑی سے خلال کرنا مکروہ ہے اور سیاہ[(1)] بید کی لکڑی کا خلال مستحب ہے اور یہ نہ چاہئے کہ خلال اور جو کچھ دانتوں سے نکلا ہے وہ لوگوں کے قریب پھینکے اس واسطے کہ اس سے ان کے کپڑے خراب ہوں گے بلکہ یہ چاہئے کہ اپنے پاس رکھے پس جب ہاتھ دھونے کے لیے طشت آئے تو اس میں ڈال دے پھر ہاتھ دھوئے کہ یہ فعل عمدہ اخلاق میں سے ہے یہ تاتارخانیہ میں بستان سے منقول ہے۔

---

[1] یا لباء کا قول ہے لہٰذا مسئلہ میں زیادہ تفصیل کی ضرورت ہے ۱۲ (۱) ان کے دیار کے موافق ہے ۱۲

نبرھواں باب☆

درم وشکر لٹانے اورلوٹے ہوئے مال کے اور جو چیز اس کا مالک پھینک دے اس کے لینے کے بیان میں

فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے کہ جب لٹانے والے نے لوٹنے کی اجازت دے دی تو لوٹ لینا جائز ہے۔ اگر کسی شخص نے کچھ شکر و کچھ درم چند لوگوں کے سامنے رکھے اور کہا کہ جو چاہے اس میں سے لے لے یا یوں کہا کہ جو شخص اس میں سے جو کچھ (۱) لے وہ اس کی ہوگی پس جس نے اس میں سے کچھ لیا وہ اسی کا ہو جائے گا اور دوسرے کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ لینے والے سے لے لے یہ ذخیرہ میں ہے۔ جن درموں و دیناروں و پیسوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو ان کا لٹانا بعض مشائخ کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور یہی صحیح ہے کذا فی جواہر الاخلاطی۔

قال المترجم☆

ہمارے زمانہ میں صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے اور یہی حکم کلمہ کے روپیہ وغیرہ کا ہے واللہ اعلم۔ اور جن درموں و دیناروں و پیسوں پر کلمہ شہادت لکھا ہو ان کے لٹانے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے اس کو مکروہ نہیں جانا ہے اور یہی صحیح ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور دعوت و نکاح میں شکر و درم لٹانے میں ڈر نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر شکر لٹانے کے واسطے پھینکی گئی اور ہنوز موجود لوگوں نے اس کو لوٹا نہ تھا کہ ایک شخص آیا جو لٹانے کے وقت موجود نہ تھا اور اس نے بھی لوٹنی چاہی تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ اس کو لوٹ لینے کا اختیار ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ نہیں اختیار ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ اگر شکر لٹانے کے واسطے پھینکی گئی اور وہ کسی شخص کے دامن یا آستین میں گری اور غیر شخص نے لے لی تو لینے والے کی ہوگی یہ ملتقی میں ہے اور یہی مسئلہ فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے اور جواب میں تفصیل ہے یعنی یوں بیان فرمایا کہ اگر اس نے اپنا دامن یا آستین اس واسطے پھیلائی تھی کہ اس میں شکر گرے تو جس نے نکال لی ہے وہ نہیں لے سکتا ہے اس کی نہ ہوگی بلکہ دامن و آستین والے کو اس سے واپس لینے کا (۲) اختیار ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر نکاح میں شکر لٹائی گئی اور وہ کسی شخص کی گود میں گری اور دوسرے نے لے لی تو جائز ہے بشرطیکہ اس نے اپنی گود شکر لینے کے واسطے نہ پھیلائی ہو اور اگر ایک شخص نے لوٹ کی چیز اپنے ہاتھ میں لی پھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور دوسرے نے اُٹھائی تو وہ چیز پہلے والے کی ہوگی یہ ینابیع میں ہے۔ اگر ایک شخص جامع مسجد کی مقصورہ میں گیا اور اس میں شکر رکھی پائی تو اس کا لے لینا جائز ہے مگر فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ نہیں۔

قال المترجم[1]☆

وھوالصحیح نے زمانا اور اگر سوق فائیذ میں گذرا اور وہاں شکر پائی تو نہیں لے سکتا ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ فتاویٰ ابو اللیث میں ہے کہ اگر زید نے عمرو کو دولہن پر لٹانے کے واسطے شکر یا درم دیئے اور عمرو نے چاہا کہ اس میں سے کچھ اپنے واسطے رکھ لے تو درموں کی صورت میں اس کو یہ اختیار نہیں ہے اور یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ عمرو یہ درم مثلاً خالد کو دے دے کہ وہ لٹا دے اور خود عمرو لوٹنے والے کے ساتھ لوٹے اور شکر کی صورت میں اس کو اختیار ہے کہ جس قدر عادت کے موافق لوگ رکھ لیتے ہیں اس قدر لے لے ایسا ہی مختار

---

[1] یہی ہمارے زمانہ میں صحیح ہے ۱۲ (۱) قال المترجم یعنی جو شخص تم سے ۱۲ (۲) یہی صحیح ہے ۱۲

فقیہ ابواللیث سے بیان کیا گیا ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کو یہ اختیار نہیں ہے اور فقیہ ابواللیث نے فرمایا کہ عمرو کو یہ بھی اختیار ہے کہ یہ شکر خالد کو دے دے تا کہ وہ لٹا دے اور خود عمرو لوٹنے والوں کے ساتھ لوٹے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ درموں کے مانند شکر میں بھی اس کو یہ اختیار نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔

☆☆

نوادر ابن سماعہ میں امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص کا گدھا مر گیا اس نے راہ میں ڈال دیا پھر ایک شخص نے آ کر اس کی کھال کھینچ لی پھر گدھے کا مالک آیا تو اس کو کھال لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور اگر اس نے مردہ گدھے کو راہ میں نہ ڈالا ہو بلکہ کسی شخص نے مالک کے گھر میں سے لے کر اس کی کھال کھینچی ہو تو مالک کو اختیار ہے کہ اس سے کھال لے لے اور جس قدر دباغت سے اس میں زیادتی ہوگئی ہو اس قدر رد دے اور یہی امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ بکری کے مالک نے مردار بکری پھینک دی پھر ایک شخص نے آ کر اس کی صوف و کھال لے لی اور دباغت کر ڈالی تو یہ کھال اسی کی ہو جائے گی پھر اس کے بعد اگر مالک آیا تو اس کو کھال واپس لینے کا اختیار ہے مگر دباغت سے اس میں کچھ زیادتی ہوگئی ہے وہ واپس دے پس بکری کے مسئلہ کا حکم گدھے سے مخالف ہے اور جائز ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک مسئلہ دوسرے پر قیاس کیا جائے پس ہر ایک مسئلہ میں دو دو روایتیں ہو جائیں گی یہ محیط میں ہے۔

اگر فالیز کے پھل توڑ لئے گئے اور کچھ بقیہ بچ گیا اس کو لوگوں نے لوٹ لیا پس اگر مالک نے اسی واسطے چھوڑ دیا ہو کہ لوگ لے جائیں تو اس میں ڈر نہیں ہے اور یہ مسئلہ بمنزلہ اس کے ہوا کہ ایک شخص اپنی کھیتی اُٹھا لے گیا اور کچھ بالیاں باقی رہ گئیں پس اگر اس نے عادت کے موافق لوگوں کے لے جانے کے واسطے چھوڑ دی ہوں تو لے جانے میں ڈر نہیں ہے اسی طرح اگر ایک شخص نے زراعت کے واسطے زمین کرایہ پر لی اور کھیتی بوئی پھر اپنی کھیتی اُٹھا لے گیا اور کچھ بقیہ چھوٹ رہا جیسا کہ لوگ عادت کے موافق چھوڑ جاتے ہیں پھر مالک زمین نے اس کو سینچا اور اس کے سینچنے سے کھیتی اُگی تو وہ سب مالک زمین کی ہوگی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

چودھواں باب☆

ذمیوں اور ان احکام کے بیان میں جو ذمیوں کی طرف عود کرتے ہیں

اگر ذمی لوگ مسجد الحرام یا باقی مساجد میں[!] جائیں تو کچھ ڈر[(1)] نہیں ہے اور یہی صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ تتمیہ میں لکھا ہے کہ مسلمان کو بیعہ و کنیسہ میں جانا مکروہ ہے اور کراہت اس راہ سے نہیں ہے کہ مسلمان کو اس کے اندر داخل ہونے کا استحقاق نہیں ہے بلکہ اس راہ سے مکروہ ہے کہ وہاں مجمع شیاطین ہوتا ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ذمیوں نے شہر کے اندر مسلمانوں سے ایک دار خرید کر اس کو مقبرہ بنایا تو شیخ نے جواب دیا کہ جب ذمی لوگ اس دار کے مالک ہو گئے تو ان کو اختیار ہے جو چاہئیں کریں اگرچہ پڑوسیوں کے حق میں مضر ہو بخلاف اس کے اگر انہوں نے دار مذکور کو بیعہ یا کنیسہ یا آتشکدہ بنایا تو شہر میں یہ اختیار ان کو حاصل نہ ہوگا یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔ نصرانی کے ہاتھ زنار بیچنے اور مجوسی کے ہاتھ قلنسوہ بیچنے میں ڈر نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ شیخ ابو بکرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ذمیوں سے یہ عہد لیا جائے کہ وہ لوگ کستیج باندھا کریں۔

قال المترجم☆

کستیج ایک موٹا ڈورا ہوتا ہے کہ ذمی اہل کتاب لوگ کپڑوں کے اوپر مثل زنار کے باندھتے ہیں کذا فی اللغۃ تو ایک دفعہ شیخ

! بشرطیکہ نجاست سے پاک ہوں اور اس زمانہ میں جوتا پہن کر نہ جائیں یہی صحیح ہے (۱) اس میں امام مالکؒ کا خلاف ہے ۱۲

رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ یہ عہد نہ لیا جائے گا اور ایک دفعہ یوں جواب دیا کہ اگر وہ لوگ بہت ہوں تو ان سے یہ عہد لیا جائے گا تا کہ پہچان پڑیں یہ حاوی میں ہے۔ جو شخص مقتدی (۱) مشہور ہو اس کو اہل باطل وشر میں سے کسی شخص سے زیادہ اختلاط کرنا (۲) مکروہ ہے الا بقدر ضرورت روا ہے کیونکہ اس بطال شریر کی بات لوگوں کی نظر میں باعظمت ہو گی اور اگر کوئی شخص معروف نہ ہو اور وہ اس مشرک وشریر کے پاس اس غرض سے زیادہ جاتا آتا ہے کہ بدوں گناہ کے اپنی ذات سے ظلم دفع کرے تو کچھ ڈر نہیں ہے یہ ملتقط میں ہے قدوریؒ نے فرمایا ہے کہ اگر مسلمان کے پاس نصرانیہ عورت ہو تو مسلمان کے گھر میں صلیب نصب نہ کرے مگر اس کے گھر میں جہاں چاہے نماز پڑھ سکتی ہے یہ محیط میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج میں ہے کہ مسلمان کو اختیار ہے کہ اپنی کتابیہ باندی کو جنابت سے غسل کرنے کا حکم کرے اور اس پر اس کام کے واسطے جبر کرے اور مشائخ نے فرمایا کہ واجب ہے کہ آزاد کتابیہ عورت کا بھی حکم اسی قیاس پر ہو یہ تاتارخانیہ میں تیمیہ سے منقول ہے اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ میں کسی مشرک کو نہ چھوڑوں گا کہ بربط بجایا کرے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جن باتوں سے مسلمان کو منع کروں گا ان سب باتوں سے مشرک کو بھی منع کروں گا سوائے شراب وسور کے یہ ملتقط میں ہے۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ مشرکوں کے برتنوں میں قبل دھونے کے کھانا پینا مکروہ ہے وباوجود اس کے اگر دھونے کے پہلے ان کے برتن میں کھایا پیا تو جائز ہے اور حرام کھانے والا یا پینے والا اقرار نہ دیا جائے گا اور یہ حکم اس وقت ہے کہ برتن کو یہ نہ جانتا ہو کہ نجس ہے اور اگر جانتا ہو تو دھونے سے پہلے اس میں کھانا پینا جائز نہیں ہے اور اگر کھایا پیا تو حرام کھانے والا اور پینے والا اقرار دیا جائے گا یہ مسئلہ مرغی کے جھوٹے کی نظیر ہے کہ جب یہ جانتا ہو کہ مرغی کی چونچ میں نجاست لگی تھی تو اس کے جھوٹے پانی سے وضو جائز نہیں ہے اور مشرکوں کا پائجامہ پہن کر نماز پڑھنے کا ویسا ہی حکم ہے جو ان کے برتنوں میں کھانے پینے کا حکم بیان ہوا ہے یعنی اگر یہ جانتا ہو کہ ان کے پائجامہ نجس ہیں تو اس سے نماز جائز نہ ہو گی اور اگر نجاست نہ جانتا ہو تو مکروہ ہے لیکن اگر پڑھ لی تو جائز ہو جائے گی اور یہود ونصاریٰ کا طعام تناول کرنے میں خواہ ذبیحہ ہو یا اور کسی قسم کا کھانا ہو کچھ ڈر[۱] نہیں ہے اور خواہ یہودی یا نصرانی اہل حرب میں سے ہو یا غیر اہل حرب میں سے ہو حکم جواز یکساں ہے اور خواہ یہودی ونصرانی بنی اسرائیل میں سے ہو یا غیر بنی اسرائیل سے ہو جیسے نصارائے عرب اور مجوسیوں کے کھانے میں ڈر نہیں ہے سب[۲] طعام ان کا جائز ہے سوائے ذبح کے کہ ان کا ذبیحہ حرام ہے اور امام محمدؒ نے یہ ذکر نہ فرمایا کہ مجوسی وغیرہ کسی مشرک کے ساتھ کھانا کیسا ہے اور حاکم عبدالرحمٰن کاتب رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس میں ایک دوبار مبتلا ہو جائے تو کچھ ڈر نہیں ہے لیکن اس پر مداومت کرنا مکروہ ہے یہ محیط میں ہے اور قاضی امام رکن الاسلام علی سغدیؒ نے فرمایا کہ اگر مجوسی کھاتے وقت زمزمہ نہ کرتا ہو تو اس کے ساتھ کھانے میں ڈر نہیں ہے اور اگر زمزمہ کرتا ہو تو اس کے ساتھ نہ کھائے کیونکہ کفر وشرک ظاہر کرتا ہے اور جس وقت کفر وشرک ظاہر کرتا ہے اس کے ساتھ نہ کھائے اور ذمی کی ضیافت قبول کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اگرچہ دونوں میں سوائے شناسائی کے کچھ نہ ہو یہ ملتقط میں ہے۔ اور تفاریق میں ہے کہ کچھ ڈر نہیں ہے کہ کسی کافر کی بوجہ قرابت کے یا حاجت کے ضیافت کرے یہ تمرتاشی میں ہے اور ذمیوں کی ضیافت میں جانے میں ڈر نہیں ہے ایسا ہی امام محمدؒ نے ذکر کیا ہے اور فتاویٰ النوازل میں ہے کہ اگر مجوسی یا نصرانی نے کسی مسلمان کو اپنے یہاں دعوت طعام میں بلایا تو قبول کرنا مکروہ ہے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے گوشت بازار سے خریدا ہے پس اگر نصرانی دعوت کرتا ہو تو ڈر نہیں ہے۔ پس جو حکم نوازل میں نصرانی کے حق میں مذکور ہے وہ اس روایت کے مخالف ہے جو ہم نے سابق میں امام محمدؒ سے نقل کی ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر مسلمان کسی مشرک کو بطور صلہ رحم کے کچھ

---

[۱] تحقیق مسئلہ وصحیح جواب مترجم کی جامع تفسیر اردو میں دیکھنا چاہئے ۱۲ [۲] اس قیاس پر ہندوؤں کا کھانا جائز ہے تاوقتیکہ کوئی شے حرام کرنے والی معلوم نہ ہو ۱۲

(۱) جس کی دہن میں لوگ اقتدا کریں ۱۲ (۲) یعنی اختلاط اس وجہ سے مکروہ ہے کہ الخ ۱۲

دے خواہ مشرک مذکور اس کا قریب ناتے دار ہو یا بعید ہو خواہ حربی ہو یا ذمی ہو تو کچھ ڈر نہیں ہے اور حربی سے وہ کافر مراد ہے جو امان لے کر داخل ہوا ہو اور اگر غیر مستامن ہو تو مسلمان کو نہ چاہئے کہ اس کو صلہ رحم میں کچھ دے یہ محیط میں ہے اور قاضی امام رکن الاسلام علی سغدیؒ نے ذکر کیا کہ اگر مشرک حربی دار الحرب میں ہو اور زمانہ ایسا ہو کہ اس وقت مسلمانوں اور ان حربیوں میں مصالحت و[1] مسالمت ہو تو مسلمان کو حربی مشرک کو کوئی چیز صلہ رحم کے طور پر دینے میں ڈر نہیں ہے۔ یہ تاتارخانیہ میں ہے یہ سب جو مذکور ہو اس صورت میں ہے کہ مسلمان نے مشرک کو صلہ رحم میں کچھ دیا اور اگر مشرک نے مسلمان کو صلہ رحم میں کچھ دیا تو امام محمدؒ نے سیر کبیر میں متعارض حدیثیں روایت کی ہیں بعض احادیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کا ہدیہ قبول فرمایا ہے اور بعض احادیث میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نہیں قبول فرمایا پس ان احادیث میں توفیق ضرور ہے اور وجہ توفیق میں مشائخ کی عبارات مختلف ہیں پس فقیہ ابو جعفر ہندوانیؒ نے یوں توفیق دی ہے کہ جس روایت میں آنحضرت ﷺ کا ہدیہ مشرک قبول نہ کرنا مذکور ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ ایسے مشرک کا ہدیہ قبول نہ کیا جس کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے دل میں یہ گمان غالب ہوا کہ وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس شخص سے بطمع مال لڑائی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے واسطے نہیں لڑتے ہیں اور ایسے شخص سے ہمارے زمانہ میں ہدیہ قبول کرنا نہیں جائز ہے اور جس روایت میں یہ ہدایہ قبول کرنا مذکور ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے غالب گمان میں یہ بات تھی کہ یہ شخص دل میں سمجھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس سے اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے و دین کی لڑائی کے واسطے لڑتے ہیں مال کے واسطے نہیں لڑتے ہیں اور ایسے شخص سے ہمارے زمانہ میں بھی ہدیہ قبول کرنا جائز ہے اور بعض مشائخ نے دوسرے طور سے توفیق دی ہے کہ فرمایا کہ ایسے شخص کا ہدیہ قبول نہ کیا جس کی نسبت جانتے تھے کہ قبول کرنے سے میری سختی و عزت اس کے حق میں کم ہو جائے گی اور بسبب قبول ہدیہ کے نرمی کرنی ہو گی اور جس شخص سے یہ جانتے تھے کہ قبول کرنے سے اس کے حق میں اپنی سختی و عزت کی کمی نہ ہو گی اور نہ نرمی کرنی ہو گی اس کا ہدیہ قبول کر لیتے تھے یہ محیط میں ہے اور اگر مسلمان و ذمی کافر کے درمیان معاملہ ہو پس اگر ایسا ہوا کہ اس سے معاملات رکھنے سے چارہ نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے۔

اگر کسی عورت یا مرد کے ماں و باپ کافر ہوں تو اس پر ان دونوں کو نفقہ دینا و ان کے ساتھ احسان کرنا دونوں کی خدمت و زیارت کرنا لازم ہے اور اگر اس کو خوف ہو کہ دونوں مجھے کفر کی طرف کھینچ لیں گے اگر ان کی زیارت کر لے گا تو یہ جائز ہے کہ دونوں کی زیارت ترک کر دے یہ خلاصہ میں ہے۔ اور ذمی کے حق میں مغفرت کی دعا نہ کرے اور اگر اس کے لیے ہدایت کی دعا کی تو جائز ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے یوں دعا فرمائی کہ: اللھم[2] احد قومی فانھم لایعلمون کذا فی التبیین۔ اگر کسی یہودی یا مجوسی سے کہا کہ اے کافر تو گنہگار ہو گا اگر اس پر گراں گذرے یہ قنیہ میں ہے۔ اگر ذمی سے کہا کہ اطال اللہ بقا. ک یعنی اللہ تعالیٰ تجھے دیر تک دنیا میں رکھے پس اگر اس کی نیت میں یہ بات ہو کہ اس واسطے دیر تک رکھے کہ یہ مسلمان ہو جائے یا ذلت و خواری کے ساتھ جزیہ ادا کرتا رہے تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر کچھ نیت نہ کی ہو تو یہ مکروہ ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر ذمی کے واسطے طول عمر کی دعا کی تو بعض نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے کیونکہ اس میں تمادی علی الکفر ہے اور بعض نے فرمایا کہ جائز ہے کہ اس کی طول عمر میں ادائے جزیہ سے مسلمانوں کا نفع ہے پس یہ دعا واقع میں مسلمانوں کے واسطے ہوئی اور ذمی کے واسطے عافیت کی (۱) دعا کرنے میں بھی ایسا اختلاف ہے یہ تبیین میں ہے اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ جب کافر کو کسی ضرورت کے واسطے خط لکھے تو یوں لکھے کہ اسلام علی من اتبع الھدیٰ یعنی سلام ایسے شخص پر جس نے حق کی

---

[1] مسالمت ماخوذ از سلم بمعنی صلح یعنی اس زمانے میں حربی کافروں سے باہم چند روز کے واسطے صلح ٹھہری ہو ۱۲ [2] الٰہی میری قوم کو ہدایت دے دے کیونکہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں ۱۲ منہ (۱) مصیبت سے بچا۔

تابعداری کی ہے اور کافر ومبتدع سے ترش روئی کے ساتھ ملے ذمی سے مصافحہ مکروہ ہے اور اگر باوضو اس سے مصافحہ کیا تو اپنا ہاتھ دھو ڈالے یہ غرائب میں ہے۔ اگر مسلمان کا پڑوسی نصرانی سفر سے واپس آئے اور مصافحہ نہ کرنے سے اس کو اذیت ورنج پہنچے تو مسلمان کو اس سے مصافحہ کر لینے میں مضائقہ نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔ یہودی ونصرانی کی عیادت کرنے میں مضائقہ نہیں ہے اور مجوسی میں اختلاف ہے یہ تہذیب میں ہے اور ذمی کی عیادت کرنی جائز ہے یہ تبیین میں ہے اور مشائخ نے فاسق کی عیادت کرنے میں اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کی عیادت میں ڈر نہیں ہے اور اگر کافر مر گیا تو اس کے والد یا قریب سے اس کی تعزیت میں یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تجھے اس سے بہتر دے اور تیری اصلاح کر دے بدیں نیت کہ تیری اصلاح اسلام لانے سے کر دے اور اس کی جگہ تجھے مسلمان بیٹا عنایت کرے کیونکہ بہتری اسی کی ذات سے ظاہر ہوگی یہ تبیین میں ہے۔

جنازے کے وقت ذمی یا مرتد کی بابت اطلاع دی گئی تو کیا صورت ہوگی؟

ابن سماعہ نے امام محمدؒ سے روایت کی کہ اگر ذمی میت پر ایک مسلمان نے گواہی دی کہ مسلمان مرا ہے تو نماز پڑھی جائے گی اور اگر مسلمان میت پر ایک نے گواہی دی کہ مرتد مرا ہے تو نماز ترک نہ کی جائے گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص نے ایک غلام مجوسی خریدا اس نے اسلام لانے سے انکار کیا اور کہا کہ اگر تو نے مجھے مسلمان کے ہاتھ فروخت کیا گویا مجھے قتل کر ڈالا تو اس کو اختیار ہے کہ غلام مذکور کو مجوسی کے ہاتھ فروخت کرے یہ سراجیہ میں ہے۔ کوئی مسلمان مملوک کسی ذمی کی ملک میں نہ چھوڑا جائے گا بلکہ اس پر جبر کیا جائے گا کہ اس کو فروخت کر دے بشرطیکہ وہ محل بیع ہو یہ غرائب میں ہے۔ مجموع النوازل میں ہے کہ ایک یہودی حمام میں گیا پس آیا مسلمان حمامی کو اس کی خدمت کرنا مباح ہے فرمایا کہ اگر اس نے یہودی سے پیسے لینے کی طمع سے خدمت کی تو ڈر نہیں ہے اور اگر اس کی تعظیم کر کے خدمت کی تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس نظر سے ایسا کیا تاکہ یہودی کا دل اسلام کی طرف میل کرے تو کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر یہودی کی تعظیم کرنے کو خدمت کی بدون اس کے جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس میں سے کچھ اس کی نیت میں ہو تو مکروہ ہے اور علیٰ ہذا اگر ذمی حمام میں داخل ہوا اور حمامی مسلمان ہے اس نے ذمی مذکور کی خدمت کی پس اگر اس نظر سے خدمت پر آمادہ ہوا کہ شاید مسلمان ہو جائے تو ڈر نہیں ہے اور اگر بدون امور مذکورہ کی نیت کی اس کی تعظیم کے واسطے خدمت پر آمادہ ہوا یا اس کی توانگری کی نظر سے آمادہ ہوا تو مکروہ ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور کسی مسلمان کو نہ چاہئے کہ یہودی یا نصرانی سے توریت وانجیل زبور کا حکم دریافت کرے اور نہ ان کتابوں کو لکھے اور نہ پڑھے اور مطالب کے اثبات میں ان کتابوں کی آیات سے استدلال نہ[1] کرے اور مسلمان عالم لوگ جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ان آیات سے جو کتب توریت وصحف انجیل میں مذکور ہیں ثابت کرتے ہیں سو یہ اس واسطے ہے کہ جو بات خود ان کافروں کے پاس ہے اس سے ان پر الزام ہو یہ وجیز کردری میں ہے۔

---

[1] قولہ نہ کرے ۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ نے بیباک ہو کر مدت دراز سے آیات کے کلمات بدل ڈالے اور ابتداء یہ ہوئی کہ یہودیوں میں (۷۲) بہتر فرقے ہو گئے اور ہر فرقہ دوسرے کے مقید لفظ کو اپنے نسخہ توریت میں بدل کر اپنے مقید کر لیتا تھا پھر حفظ توریت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تو یہودی دشمن ہو گئے اور آیات بشارت میں تحریف کی پھر عرصہ کے بعد یہود ونصاریٰ پر ایک نے اپنی دائمی نبوت کا دعویٰ کر کے خوب تحریف کر ڈالی اب ہرگز یہ پتہ نہیں چلتا کہ اصلی آیات کونسی ہیں اسی واسطے یہ ممانعت کا حکم ہے علاوہ بریں قرآن نے دین حق کو جمع کر دیا تو کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ۱۲ منہ

پندرھواں باب☆

کسب کے بیان میں

کسب چند طرح کا ہوتا ہے ایک فرض ہے پس فرض اس قدر کمائی ہے کہ جو اس کی ذات کو اس کے عیال کو اس کے قرضوں کے ادا کے واسطے اور جس کا نفقہ اس پر واجب ہے اس کے نفقہ کے واسطے کفایت کرے اور اس سے زیادہ کمائی کو اگر ترک کرے تو روا ہے اور اگر اس قدر مال کمایا کہ اپنے اہل وعیال کے واسطے ذخیرہ رکھ چھوڑا تو اس کو گنجائش ہے کہ تحقیق یہ بات ثابت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عیال کا روزینہ ایک سال کا جمع کر لیا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے والدین تنگدست ہوں تو اس پر فرض ہے کہ بقدر کفایت ان کے روزینہ کے واسطے کمائے یہ خلاصہ میں ہے اور ایک کمائی مستحب ہے اور وہ اس مقدار سے جو بیان ہوئی ہے زیادہ ہوتا کہ فقیر کی مواسات کر سکے اور عزیز واقارب کی مجازات کر سکے اور ایسی کمائی میں کوشش کرنا نفل عبادت سے افضل ہے اور ایک کمائی مباح ہے اور وہ اس مقدار سے بھی زیادہ بغرض تجمل وزیادتی کے کمائے اور ایک کمائی مکروہ ہے وہ ایسی کمائی جو تفاخر وتکاثر کی غرض سے جمع کرے اگرچہ مال حلال ہو یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

قال المترجم☆

اس بیان سے ثابت ہوا کہ کوشش کر کے کمانا ہر شخص پر بشرائط فرض ہے پھر کتاب میں فرمایا کہ اور ایسے لوگوں کے حال پر التفات نہ کرنا چاہئے جو مسجدوں وخانقاہوں میں بیٹھے سب سے انکار کرتے ہیں آنکھیں اٹھائے لوگوں کا مال تاکتے ہیں اور لوگوں کے ہاتھ کی طرف ہاتھ پھیلائے ہیں اور اپنے کو متوکل کہتے ہیں حالانکہ درحقیقت ایسے نہیں ہیں یہ اختیار شرح مختار میں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ یہ مکروہ ہے کہ ایک قوم جمع ہو کر کسی جگہ گوشہ گیر ہو جائے اور یہ لوگ وہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں اور اچھی پاک چیزوں سے پرہیز کریں یعنی لباس وطعام سے اور اپنے نفوس کو یونہی کام سے فارغ کر لیں حالانکہ کسب حلال وشہر میں جمعہ وجماعات کی پابندی واجب والزم ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور بعض مشائخ نے کہا کہ جو قاری کسب کو چھوڑ دیتا ہے وہ اپنے[1] دین کو کھاتا ہے یہ سراجیہ میں ہے اور کمائی کے اسباب میں سے افضل جہاد ہے پھر تجارت ہے پھر زراعت[2] صناعت ہے یہ اختیار شرح مختار میں ہے اور بعض کے نزدیک تجارت بہ نسبت زراعت کے افضل ہے اور اکثروں کے نزدیک زراعت افضل ہے یہ وجیز کردری میں ہے ایک اجنبیہ عورت ایک مرد کے گھر میں گوشہ نشین ہو گئی اس کو وہ شخص روز روزی وروٹی دیتا ہے تو سوت اس شخص کے حق میں حلال ہے بشرطیکہ اس نے عورت کے ذمہ سوت کا تنا شرط نہ کیا ہو یہ قنیہ میں ہے۔ مرد اگر عورت کے مثل سوت کاتے تو مکروہ طریقہ ہے کہ یہ عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے یہ قنیہ میں ہے جس شخص کے پاس ایک دن کا روزینہ ہو اس کو سوال حرام ہے یہ اختیار شرح مختار میں ہے اور سائل نے سوال کر کے جو مال جمع کیا وہ ناپاک خبیث ہے یہ ینابیع میں ہے۔ منتقی میں بروایت ابراہیم رحمہ اللہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر رونے والی عورت نے رونے سے مال جمع کیا یا مرنار والے لے طبلہ ومرنار سے مال جمع کیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر ان افعال کے بجالانے پر مال شرط کر کے لیا ہے تو جن لوگوں سے لیا ہے ان کو واپس کر دے اگر پہچانے اور امام محمدؒ کے اس قول کے کہ مال شرط کر کے لیا ہے یہ معنی ہیں کہ دینے والے نے رونے والی عورت سے رونے سے پہلے بمقابلہ رونے کے مال ٹھہرا دیا ہو یا بمقابلہ گانے کے مال شرط کر دیا ہو کہ اگر گائے تو اس قدر مال دیں گے اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ جب لینا شرطیہ ہوا تو یہ مال بمقابلہ

(۱) یعنی دین فروشی کرتا ہے اور کھاتا ہے ۱۲ 	(۲) دستکاری ۱۲

معصیت کے ہو پس مال لینا بھی معصیت ہوگا اور ایسے مال سے چھٹکارے کی یہی راہ ہوتی ہے کہ واپس دے دے سو اس مقام پر بھی یہی ہے کہ جو کچھ لیا ہے وہ واپس کرے اگر واپس کر سکے بعض جس سے لیا ہے اس کو پہچانے اور اگر اس کو نہ پہچانے تو اس کی طرف سے صدقہ کر دے تا کہ اس کے مال کا اس کو نفع پہنچ جائے جب کہ عین مال اس کو نہیں پہنچ سکتا ہے اور اگر لینا شرطیہ نہ ہو یعنی شرط نہ کی ہو کہ اگر ان افعال کو بجالائے تو یہ دیں گے تو لینا معصیت نہ ہوگا کیونکہ مالک نے رضامندی سے خود دے دیا ہے پس اس کا ہوگا [1] اور حلال ہوگا۔ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر گانے والی عورت نے گانے کی کمائی سے قرضہ ادا کیا تو قرض خواہ کو یہ مال لینا حلال نہیں ہے لیکن حکم قضاء میں قاضی اس کو لینے پر مجبور کرے گا اور بقیاس مسئلہ متقدمہ کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر گانے والی نے بدوں شرط کے کمایا ہے تو قرض خواہ کو لے لینے کی گنجائش ہے۔ اور امام محمدؒ نے کتاب الکسب میں ذکر فرمایا ہے کہ خصی کی کمائی مکروہ ہے اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو مال خصی کمائے وہ مکروہ ہے بلکہ یہ غرض ہے کہ خصی کرنے پر جو مال لے وہ مال مکروہ ہے اور اس کا خصی کرنا مکروہ ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص جامع مسجد میں تعویذ بیچتا ہے اور تعویذوں پر توریت و انجیل و فرقان لکھا ہے اور ان تعویذوں کے عوض مال لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ہدیہ دیتا ہوں تو اس کو حلال نہیں ہے یہ کبریٰ میں ہے۔ اگر ایک شخص مر گیا اور اس کی کمائی حرام ہے تو اس کے وارثوں کے حق میں یہ اولیٰ ہے کہ یہ مال اس کے مالکوں کو واپس کر دیں اور اگر مالکوں کو نہیں پہچانتے ہیں تو صدقہ کر دیں اور اگر کمائی بعض ایسی وجہ سے ہو جو حلال نہیں ہے اور بیٹا اس بات کو جانتا ہو پھر باپ مر گیا اور بیٹا اس کو بعینہ نہیں پہچانتا ہے تو شرعاً اس کے حق میں حلال ہے مگر پرہیزگاری یہ ہے کہ اس نیت سے صدقہ کر دے کہ میرے باپ کے خصوم کی طرف سے صدقہ ہے یہ ینابیع میں ہے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک قوم مسلمان نے شراب میراث پائی تو ان وارثوں میں تقسیم نہ کی جائے گی لیکن شراب سرکہ کر ڈالی جائے گی پھر ان لوگوں میں تقسیم ہوگی یہ خلاصہ میں ہے۔

قال المترجم ☆

شراب کو سرکہ کر ڈالنا بعض کے نزدیک نہیں جائز ہے وھو الصحیح واللہ اعلم۔ ایک شخص کے پاس مال ہے اس میں [(1)] شبہ ہے پس اس نے اپنے باپ کو صدقہ میں دے دیا تو کافی ہے اور شرط نہیں ہے کہ اسی کو صدقہ دے دے اسی طرح اگر ایک شخص خرید و فروخت کرتا ہو اور اس حالت میں اس کا بیٹا اس کے ساتھ ہو اور اس تجارت میں بہت سی بیوع فاسدہ واقع ہوئی ہیں پھر اس نے تمام مال اپنے بیٹے کو ہبہ کر دیا تو عہدہ سے نکل گیا یہ قنیہ میں ہے۔ فقیہ ابو جعفرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے سلطان کے حکم سے مال حاصل کیا اور حرام تاوانوں وغیرہ سے مال جمع کیا پس آیا کسی شخص کو جو یہ بات جانتا ہو ایسے شخص کا کھانا حلال ہے تو فقیہؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس کے دین کے واسطے یہ واجب ہے کہ اس کا کھانا نہ کھائے مگر حکماً کھانا روا ہے بشرطیکہ یہ کھانا اس شخص کے ہاتھ میں جو کھانا چاہتا ہے غصب کا یا رشوت کا نہ آیا ہو یہ محیط میں ہے۔ تو انگری پر شکر کرنے کی بہ نسبت فقیری پر صبر کرنا افضل ہے اور کمائی میں اس قصد سے مشغول ہو جانا کہ ہم نیک راہ میں اس کو خرچ کریں گے اس کی بہ نسبت کمائی سے باز رہنا اولیٰ ہے کذا فی السراجیہ۔ اقول یہ حکم کسب مباح کا ہے۔

---

[1] قال المترجم اس میں تردد ہے کیونکہ بہرحال اس نے معصیت کے وسیلہ سے مال کمایا اور ائمہ سے اس میں روایت نہیں تو اوفق بدلائل و دینہ یہ ہے کہ مکروہ ہے اور عدول نہ چاہئے کما صرح بہ فی الفتح وغیرہ ۱۲ منہ

(۱) یعنی حرام ہے یا حلال ۱۲

سولھواں باب ☆

زیارت قبور و مقابر میں قرأت قرآن ومیت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے و اس کے متصلات کے بیان میں

زیارت قبور میں کچھ مضائقہ نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور ظاہر قول امام محمدؒ کا اس امر کو مقتضی ہے کہ عورتوں کے واسطے بھی زیارت قبور جائز ہے چنانچہ امام محمدؒ نے مردوں کی تخصیص نہیں فرمائی ہے اور کتاب الاثریہ میں ہے کہ مشائخ نے عورتوں کے واسطے قبروں کی زیارت کرنے میں اختلاف کیا ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ عورتوں کے واسطے زیارت قبور میں کچھ مضائقہ نہیں ہے تہذیب میں لکھا ہے کہ زیارت قبور مستحب ہے و[1] کیفیت زیارت از قرب وبعد بقیاس زندگی میت کے ہے خزانۃ الفتاویٰ میں ہے اور جب زیارت قبور کا ارادہ کرے تو مستحب ہے کہ اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں سورۃ الحمد اور آیۃ الکرسی ایک بار اور سورۂ اخلاص تین بار پڑھے پھر اس کا ثواب میت کو پہنچائے تو اللہ تعالیٰ میت کی قبر میں ایک نور بھیجتا ہے اور مصلی کو ثواب کثیر عطا فرماتا ہے پھر مقابر کی طرف روانہ ہو اور راہ میں لایعنی باتوں میں مشغول نہ ہو جائے پھر جب مقبرہ میں پہنچے تو اپنی جوتیاں اتار دے اور قبلہ کی طرف پشت کر کے میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو کر یوں کہے: السلام علیکم یا اہل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم لنا سلف و نحن بالاثر[2] یہ غرائب میں ہے۔ اور جب دعا کرنا چاہے تو قبلہ کی طرف متوجہ ہو یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے اور اگر شہید کی زیارت کو گیا ہو تو یوں کہے[3] سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار اور اگر مسلمانوں و کافروں کی قبریں مختلط ہوں تو یوں کہے[4] السلام علی من اتبع الھدی پھر سورۂ فاتحہ و آیۃ الکرسی پڑھے پھر سورت اذا زلزلت اور الھکم التکاثر پڑھے یہ غرائب میں ہے۔ اور شیخ امام جلیل ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ فرمایا کہ مقابر میں اخفاء کے ساتھ بدوں جہر کے قرآن شریف پڑھنا مکروہ نہیں ہے اور ڈر نہیں ہے اور مقبرہ میں قرآن پڑھنا جبھی مکروہ ہے کہ جب جہر سے ہو اور اخفاء کے ساتھ پڑھنا روا ہے کچھ ڈر نہیں ہے اگرچہ ختم کر دے اور صدر ابواسحٰق الحافظ نے اپنے استاد شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم سے نقل کیا کہ سورۃ الملک کا مقابر میں پڑھنا روا ہے خواہ اخفاء کرے یا جہر کرے اور سوائے سورۃ الملک کے مقابر میں قرآن نہ پڑھے اور جہر و اخفاء کی کچھ[5] تفصیل نہیں فرمائی یہ ذخیرہ کی فصل قرأۃ القرآن میں لکھا ہے۔ اگر کسی نے قبروں کے پاس قرآن پڑھا پس اگر یہ نیت ہے کہ اس کو آواز قرآن سے استیناس ہوگا تو پڑھے اور اگر یہ قصد نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ قرأت قرآن کو سنتا ہے۔ جہاں کہیں ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر ایک شخص مر گیا اور اس کے وارث نے اس کی قبر کے پاس ایسے شخص کو بٹھلایا جو قرآن پڑھے تو اصح یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے اور یہی قول امام محمدؒ کا ہے یہ مضمرات میں ہے۔ زیارت قبور کے واسطے چار روز افضل ہیں دوشنبہ، پنجشنبہ، جمعہ شنبہ پس جمعہ کے روز بعد نماز کے زیارت کا وقت اچھا ہے اور شنبہ کو طلوع آفتاب تک اور پنجشنبہ کے روز دن میں اوّل وقت اور بعض نے فرمایا کہ آخر وقت اسی طرح جو راتیں متبرک ہیں ان میں زیارت افضل ہے خصوصاً شب برات میں اسی طرح متبرک زمانوں میں زیارت افضل ہے جیسے دس دن ذی الحجہ کے اور دونوں عیدین اور یوم

---

[1] عبارۃ الاصل بکذا و کیفیۃ الزیادۃ ذلک المیت نہ من القرب والبعد انتہی وارفع الی المقدمۃ ۱۲ منہ [2] اے اہل قبور تم پر سلام ہے اللہ تعالیٰ ہم کو تم کو بخشے تم ہمارے اگلے ہو اور ہم تمہارے قدم بقدم ہیں ۱۲ [3] تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا اور آخرت کا گھر کیسا عمدہ ہے ۱۲ [4] اس پر سلام جس نے ہدایت کی پیروی کی ۱۲ [5] تفصیل یعنی مطلقاً منع کیا اور یہی قول صحیح و صواب ہے اور آئندہ قول مضمرات اس کے مقابلہ میں ٹھیک نہیں ہے اگرچہ اصح کہا جائے ۱۲

عاشورہ اور باقی مواسم میں ہے یہ غرائب میں ہے۔ اگر مقبرہ کے پاس ہو کر گذرا اور اہل قبور کے واسطے ان کے ثواب پہنچانے کی نیت سے کچھ قرآن پڑھا تو ڈر نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے اور ابو بکر بن سعیدؒ سے منقول ہے فرمایا کہ زیارت قبور کے وقت سات مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنا مستحب ہے کیونکہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ جس شخص نے سات مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ دی تو اگر میت غیر مغفور ہو گی تو اس کی مغفرت کی جائے گی اور اگر میت مغفور ہو تو پڑھنے والے کی مغفرت کی جائے گی اور ثواب قرأت اس مغفور کو ہبہ کیا جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر اس نے دس بار سورۂ اخلاص پڑھی تو بہت بہتر ہے اور جو شخص خوب پورا کرنا چاہئے اس کو چاہئے کہ اس قدر سورۂ اخلاص پڑھنے پر تضرع و عاجزی کے ساتھ دوسری سورتیں پڑھائے اور جو شخص کسی قبر پر بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے سر سے عذاب و تنگی و تاریکی چالیس برس تک دور کر دیتا ہے یہ غرائب میں ہے۔ اور ابو یوسف ترجمانی نے کہا کہ قبر پر ہاتھ رکھنے کو ہم سنت نہیں جانتے ہیں اور نہ ہم کو اس کا مستحب ہونا معلوم ہے مگر ہم اس میں کچھ مضائقہ نہیں دیکھتے ہیں اور عین الائمہ کرابیسی نے فرمایا کہ ہم نے سلف لوگوں سے [1] بلا انکار ایسا ہی پایا اور شمس الائمہ مکیؒ نے فرمایا کہ یہ [2] بدعت ہے یہ قنیہ میں ہے اور قبر کو مسح کرنا نہ چاہئے اور نہ اس پر بوسہ دے کہ یہ نصرانیوں کی عادت ہے مگر والدین کی قبر کو بوسہ دینے میں مضائقہ نہیں ہے یہ غرائب میں ہے۔ تیمیہ میں ہے کہ شیخ نجندیؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کے والدین کی قبر اور قبروں کے بیچ میں ہے پس آیا جائز ہے کہ وہ شخص مسلمانوں کی قبروں سے دعا و تسبیح کرتا ہوا اپنے والدین کی قبروں تک پہنچ کر ان کی زیارت کرے تو فرمایا کہ ہاں جائز ہے بشرطیکہ بدوں اور قبروں کے روندے ہوئے پہنچ سکتا ہو اور بھی شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ کسی شخص کا قطعہ زمین مملوکہ قبروں کے بیچ میں ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی زمین میں تصرف کرے اور اس کا راستہ سوائے قبروں کے اوپر سے اور طرف سے نہیں ہے پس آیا اس کو اختیار ہے کہ قبروں پر قدم رکھ کر وہاں جایا کرے تو فرمایا کہ اگر ان قبروں میں میت کو تابوت میں دفن کیا ہے تو مضائقہ نہیں ہے اور مولف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر تابوت میں مدفون نہ ہوں تو بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے مقبرہ میں راستہ دیکھا تو تحری کرے پس اگر اس کے دل میں یہ جمے کہ یہ نیا راستہ لوگوں نے قبروں کے اوپر سے نکال لیا ہے تو اس راستہ میں ہو کر نہ گذرے اور اگر اس کے دل میں ایسا نہ پڑے تو چلا جائے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

عین الائمہ کرابیسی نے فرمایا کہ قبر پر نہ چڑھنا اولیٰ ہے اور شیخ دبری رحمہ اللہ تعالیٰ اس میں گنجائش دیتے تھے اور کہتے تھے کہ قبور کی چھتیں بمنزلۂ گھر کی چھتوں کے ہیں پس ان پر چڑھنے میں ڈر نہیں ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ مکروہ ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں انگاروں پر روندتے چلوں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں قبر کو روندتا چلوں اور علاء الترجمانی نے کہا کہ قبر کو روندنے سے گنہگار ہو گا اس لیے کہ قبر کی چھت محبت حق میت ہے یہ قنیہ میں ہے اور شمس الائمہ حلوائی سے روایت ہے کہ بعض علماء نے قبروں پر چلنا روا رکھا ہے اور ان لوگوں نے کہا ہے کہ قبر کی چھت پر چلے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے اور میت کے چہرہ سے چادر اٹھانا بغرض اس کے منہ دیکھنے کے اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اس فعل میں کراہت جبھی ہے کہ جب بعد دفن کے ایسا کرے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص دوسرے کی زمین میں دفن کیا گیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے اس کو اکھاڑ ڈالے یا چھوڑ دے مگر قبر کو برابر کر کے اس کے اوپر زراعت کرے یا وارث سے گڑھے کی قیمت لے لے یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک حاملہ عورت کو سات مہینہ کا حمل ہو گیا تھا اور بچہ اس کے پیٹ میں پھڑکتا تھا پھر وہ عورت مر گئی اور دفن کر دی گئی پھر خواب میں دکھلائی دی کہ وہ کہتی

---

[1] یعنی ہم ایسا ہی پاتے ہیں اور سلف سے کوئی انکار و ممانعت مروی نہیں ہے ۱۲ منہ [2] بدعت خلاف سنت کیونکہ سنت طریقہ میں یہ مذکور نہیں ہے اور نفی احوط ہے ۱۲

ہے کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے تو اس کی قبر نہ کھودی جائے گی یہ سراجیہ میں ہے۔کوچوں و بازاروں میں مقبرہ بنانا مکروہ ہے اور اگر کوئی کاشانہ اس واسطے بنایا کہ اس میں بہت سے مردے دفن کریں تو بھی مکروہ ہے اس واسطے کہ مقابر پر عمارت بنانا مکروہ ہے اور موت سے پہلے اپنے واسطے تابوت تیار کر کے رکھنا مکروہ ہے اور تابوت کے اندر رکھ کر نماز جنازہ مکروہ ہے یہ قنیہ میں ہے اور گلاب کے پھول وریاحین قبروں پر رکھنا اچھا ہے اور اگر پھول کی قیمت صدقہ کردے تو بہت اچھا ہے یہ غرائب میں ہے۔اور پہلی راتوں میں قبروں پر چراغ لے جانا بدعت ہے یہ سراجیہ میں ہے جنازے کا کپڑا اپھاڑ دیا جائے اسی طرح کہ جس کام میں پہلے استعمال کیا جاتا تھا اس کام میں مستعمل نہ ہو سکے اور متولی کو اس کا صدقہ کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس کو فروخت کر کے اس کے داموں میں کچھ مال زیادہ ملا کر دوسرا کپڑا خرید ے کذانی جواہر الفتاویٰ واللہ اعلم۔

سترھواں باب

غناولہوو تمام معاصی وامر بالمعروف کے بیان میں

قال المترجم

غناء گانا لہو مثل غنا و مزامیر وغیرہ کے باقی معاصی باقی گناہ کے کام۔ امر بالمعروف جو کام شرع میں کرنا چاہئے اس کا حکم دینا اور جو نہ کرنا چاہئے اس سے منع کرنا نہی از منکر ہے خالی گانے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ غنا مطلقاً حرام ہے اور اس کی طرف کان لگانا معصیت ہے اور اسی کو شیخ الاسلام نے اختیار کیا ہے اور اگر اچانک سن لیا تو اس پر گناہ نہیں ہے اور بعض[1] نے فرمایا کہ اگر اس غرض سے گائے کہ اس سے قافیہ و فصاحت سمجھ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ اگر تنہا ہو اور دفع وحشت کے واسطے گائے تو جائز ہے مگر بطریق لہو کے نہ ہو اور اسی طرف شمس الائمہ سرخسی نے میل کیا ہے اور اگر شعر میں حکمت کی بات یا عبرت کی بات یا فقہ ہو تو مکروہ نہیں ہے یہ تبیین میں ہے اور جو اشعار مباح ہیں ان کے پڑھنے میں مضائقہ نہیں ہے اور اگر شعر میں کسی عورت کی تعریف ہو پس اگر کوئی عورت خاص ہو اور زندہ موجود ہو تو مکروہ ہے اور اگر مرگئی ہے تو مکروہ نہیں ہے اور اگر فرضی ہو تو نہیں مکروہ ہے اور نوازل میں ہے کہ ادیب کا شعر پڑھنا جن میں ذکر فسق و شراب و امرد کا ہے مکروہ ہے اور امرد میں اعتبار اسی طور پر ہے جیسا ہم نے عورت کے باب میں بیان کیا ہے یہ محیط میں ہے۔

بعض نے فرمایا کہ شعر میں کراہت کے یہ معنی ہیں کہ آدمی اس میں ایسا مشغول ہو جائے کہ اس کو قرأت قرآن و ذکر اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے اور اگر ایسا نہ ہو تو مضائقہ نہیں ہے جب کہ اس کی نیت یہ ہو کہ اس کے ذریعہ سے مجھے علم تفسیر و حدیث میں مدد ملے گی ظہیریہ میں ہے یتیمیہ میں ہے کہ شمس الائمہ حلوائی سے دریافت کیا گیا کہ جو لوگ اپنے تئیں صوفی کہتے ہیں اور انہوں نے اپنا لباس ایک طرح کا خاص کر لیا ہے اور لہو و رقص میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنے واسطے منزلت کے مدعی ہیں تو شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ افزوا علی اللہ کذبا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے پھر دریافت کیا گیا کہ جب یہ لوگ سیدھی راہ سے ترچھے ہیں پس آیا عام لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا خوف دور کرنے کے واسطے ایسے لوگ شہر سے دور کر دیئے جائیں فرمایا کہ رنج دہندہ چیز کو راہ سے دور کرنا نگہداشت کے واسطے اکمل ہے اور دیانت کے واسطے امثل ہے اور پاک سے پلید کو الگ کرنا پاکیزہ و اولیٰ ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے قال گانا و قوالی ورقص جو ہمارے زمانہ کے صوفی لوگ کرتے ہیں وہ حرام ہے اور اس کی طرف قصد کر کے جانا و وہاں بیٹھنا جائز نہیں

[1] مراد ان کی خوش الحانی اور نظم ادا کرنا ہے اور راگ مطلقاً حرام ہے ۱۲ منہ

ہے اور یہ اور غنا و مزامیر یکساں ہے اور اہل تصوف نے اس کو جائز رکھا ہے اور اگلے مشائخ کے فعل کو حجت لاتے ہیں پھر شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حق بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگلے مشائخ ؒ نے ایسا نہیں کیا ہے کہ جیسا یہ لوگ کرتے ہیں چنانچہ ان کے زمانہ میں بسا اوقات کسی شخص نے ایک شعر پڑھا جو ان کے حال کے موافق پڑا جس نے ان کے دل کو نرم کر دیا اور جس کا قلب رقیق ہوتا ہے وہ جب ایسا لفظ سنتا ہے جو اس کی حالت کے موافق پڑتا ہے تو اکثر اس کی عقل پر غشی طاری ہو جاتی ہے اور بے اختیار کھڑا ہو جاتا ہے اور اس سے حرکات بے اختیاری صادر ہوتی ہیں اور ایسی بات کچھ بعید نہیں ہے کہ بدیں معنی روا ہو اور اس پر مواخذہ نہ کیا جائے اور اگلے مشائخ کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ ایسے فعل کرتے تھے جیسے اس زمانہ کے فاسق لوگ جو بری باتوں کو مباح کرتے ہیں اور جن کو احکام شرعی کا علم نہیں جاہل ہیں کرتے ہیں اور طرہ یہ ہے کہ دیندار و پرہیزگار لوگوں کے افعال سے تمسک کرتے ہیں یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ڈھول' دف وغیرہ کی بابت منقول روایت ☆

ابو یوسفؒ سے دریافت کیا گیا کہ سوائے نکاح کے اگر عورت دف کو بدون فسق کے مثلاً بچے کے واسطے بجائے پس آیا آپ کے نزدیک مکروہ ہے فرمایا کہ میں مکروہ نہیں جانتا ہوں اور فرمایا کہ جس سے لعب فاحش گانے کا پیدا ہوتا ہے اس کو میں مکروہ جانتا ہوں یہ محیط سرخسی میں ہے۔

قال المترجم

اس زمانہ میں عورتوں کا ڈھول بجانا بمعنی اخیر متحقق ہے جس کو امام ابو یوسفؒ نے مکروہ فرمایا ہے پس وہ بھی مکروہ ہے واللہ اعلم عید کے روز دف بجانے میں مضائقہ نہیں ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے قلت وفیہ نظر۔ اور مزاح [1] کرنے میں مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ انسان ایسا کلام نہ کرے جس سے گنہگار ہو یا یہ قصد ہو کہ ہم جلیس لوگ ہنسیں یہ ظہیریہ میں ہے۔ کشتی لڑنا بدعت ہے اور آیا نوجوانوں کے واسطے اجازت ہے؟ تو شیخؒ نے فرمایا کہ بدعت نہیں ہے اور کشتی لڑنے میں ایک اثر روایت کیا گیا ہے لیکن غور کرنا چاہئے کہ اگر نوجوان نے بغرض لہو ایسا کیا ہے تو مکروہ ہے اور اس کو ممانعت کی جائے گی اور اگر بدین غرض ایسا کرتا ہے کہ قوت حاصل ہوتا کہ کافروں سے اچھی طرح قتال کر سکے تو جائز ہے اور اس کو ثواب ملے گا پس اس کا حال مثل شراب مثلث کے ہے کہ اگر شراب مثلث کے استعمال میں سرور و لہو مقصود ہو تو منع کیا جائے گا اور جھڑکا جائے گا اور اگر جہاد کرنے والا ہو اور اس کی غرض یہ ہو کہ جہاد میں قوت و طاقت حاصل ہو تو جائز ہے یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے۔ قاضی امام ملک الملوک نے فرمایا کہ ایام گرما میں نوجوان لوگ جو خربزوں سے کھیلتے ہیں یعنی ایک دوسرے کو خربزوں سے مارتا ہے تو یہ مباح غیر مستنکر ہے یہ جواہر الفتاویٰ کے باب سادس میں ہے۔ شطرنج و نرد و تیرہ گوٹی و چودہ گوٹی کھیلنا مکروہ ہے اور یہ سب کھیل سوائے شطرنج کے بالاجماع حرام ہیں اور رہی شطرنج تو اس کا کھیلنا ہمارے نزدیک حرام ہے اور جو شطرنج کھیلتا ہے آیا اس کی عدالت ساقط ہوتی ہے یا گواہی قبول ہوگی سو اگر اس نے شطرنج سے جوا کھیلا تو عدالت ساقط ہو جائے گی اور اس کی گواہی قبول نہ ہوگی اور اگر جوا نہ کھیلا تو عدالت ساقط نہ ہوگی اور گواہی قبول ہوگی اور امام اعظمؒ نے شطرنج کھیلنے والوں کو سلام کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھا ہے اور صاحبینؒ نے ان کی تحقیر کے واسطے ان کو سلام کرنا مکروہ فرمایا ہے یہ جامع

[1] مزاح خوش طبعی اور جو اس زمانہ میں دل لگی کے لفظ سے بولتے ہیں وہ عام ہے اور اکثر ممنوع باتیں ہوتی ہیں اور مزاح مروی از آنحضرت ﷺ یوں ہے کہ جیسے حضرت انس بن مالکؓ سے فرمایا کہ اے دو کان والے یہ ہر چند کہ خوش طبعی ہے لیکن صحیح ہے۔ علیٰ ہذا کئی احادیث میں اسی قبیل سے مزاح مذکور ہے واللہ اعلم ۱۲ منہ

صغیر میں ہے جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن لڑائی و جہاد میں روا ہے تاکہ کافر کو دھوکا دے اور دو شخصوں میں صلح کرانے میں روا ہے اور اپنی بیوی کو راضی کرنے میں روا ہے اور ظلم ظالم دفع کرنے میں روا ہے اور جھوٹ کے ساتھ تعریض مکروہ ہے الا بضرورت مثلاً تو نے کسی سے کہا کہ کھانا کھا اس نے کہا کہ میں نے کھایا ہے اور مراد یہ ہے کہ میں نے کل کے روز کھایا تھا تو یہ جھوٹ ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور جو شخص گناہ کا قصد کرے اور عزم کر لے یعنی ضرور کروں گا اور اصرار کرے یعنی اس پر جمارہے تو گنہگار ہوگا یہ ملتقط میں ہے۔

قال المترجم

میرے نزدیک اگرچہ یہ بات اچھی نہیں ہے اور قلب کے میل پر دلالت کرتی ہے لیکن گنہگار ہونا منظور فیہ ہے جب تک کہ صادر نہ ہو یا دوسرا اس کی وجہ سے مبتلا[لے] نہ ہو جائے واللہ تعالیٰ اعلم۔ امر بالمعروف میں پہلے یہ چاہئے کہ پہلے مہربانی و نرمی کے ساتھ ہو تاکہ موعظت و نصیحت پوری پوری اثر کرے پھر اگر نہ مانے تو زبان سے سختی کے ساتھ ہو مگر بدزبانی و فحش نکالے پھر اگر نہ مانے تو ہاتھ سے مثلاً شراب بہادے اور معازف تلف کر ڈالے اور فقیہ ابواللیثؒ نے کتاب البستان میں ذکر فرمایا ہے کہ امر بالمعروف چند طرح کا ہوتا ہے اگر اپنی غالب رائے میں یہ جانتا ہو کہ اگر میں نے امر بالمعروف کیا تو یہ لوگ قبول کر کے بری بات سے باز رہیں گے تو اس پر امر بالمعروف واجب ہوگا اس کو ترک نہیں کر سکتا ہے اور اگر اپنی غالب رائے سے یہ جانتا ہو کہ اگر میں نے ان کو برے کام چھوڑنے کا حکم کیا تو مجھے برا کہیں گے اور گالیاں دیں گے تو امر بالمعروف نہ کرنا افضل ہے اسی طرح اگر یہ جانتا ہو کہ میرے امر بالمعروف سے یہ لوگ مجھے ماریں گے اور میں صبر نہ کروں گا اور باہم عداوت پیدا ہو جائے گی اور قتال اُٹھ کھڑا ہوگا تو ترک کرنا افضل ہے اور اگر یہ جانتا ہو کہ میں صبر کروں گا اگر وہ ماریں گے اور کسی سے شکوہ نہ کروں گا تو کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو منع کرے اور یہ شخص مجاہد ہوگا یعنی جہاد کا ثواب پائے گا اور اگر یہ جانتا ہو کہ یہ لوگ قبول نہ کریں گے مگر ان کی طرف سے مار پیٹ و گالی گفتاری کا بھی خوف نہ ہو تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے امر بالمعروف کرے یا نہ کرے لیکن منع کرنا افضل[(۱)] ہے یہ محیط میں ہے اگر کسی کے سامنے امر بالمعروف پیش آیا یعنی ایسا موقع پیش آیا کہ وہاں امر بالمعروف کرے اور اس کو خوف ہوا کہ اگر میں نے امر بالمعروف کیا تو قتل کیا جاؤں گا پس اگر اس نے امر بالمعروف کیا اور قتل کیا گیا تو شہید ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

بعض نے فرمایا ہے کہ ہاتھ سے امر بالمعروف کرنا امراء پر واجب ہے اور زبان سے علماء پر واجب ہے اور دل سے امر بالمعروف یعنی دل سے برا جاننا عوام پر واجب ہے اور اسی کو امام زندویسی نے اختیار کیا ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ امر بالمعروف کے واسطے پانچ باتوں کی ضرورت ہے اوّل آنکہ علم چاہئے کیونکہ جاہل سے امر بالمعروف بخوبی نہیں ہو سکتا ہے دوم آنکہ امر بالمعروف سے اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا و ثواب مقصود ہو سوم آنکہ جس کو امر بالمعروف کرتا ہے اس کے حال پر شفقت کی نظر ہو پس اس کو نرمی و مہربانی سے منع کرے چہارم آنکہ امر بالمعروف کرنے والا بصور و حلیم آدمی ہو پنجم آنکہ جس بات کے کرنے کا حکم کرتا ہے اس کو خود کرتا ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں داخل نہ ہو جائے کہ لم تقولون مالا تفعلون یعنی کیوں ایسے کام کو کہتے ہو جس کو تم خود نہیں کرتے ہو اور عوام میں سے کسی کو نہ چاہئے کہ قاضی یا مفتی یا عالم مشہور کو امر بالمعروف کرے کیونکہ اس میں ترک ادب ہے اور اس وجہ سے کہ بسا اوقات یہ بات ہوتی ہے کہ اس کو بسبب ضرورت کے یہ بات مباح ہو اور عام آدمی بسبب لاعلمی کے اس سے واقف نہ ہو یہ غرائب میں ہے قلت توضیح ذلک فی تفسیر المترجم ایک شخص نے کسی کو برا کام جو شرح میں روا نہیں ہے کرتے دیکھا اور یہ دیکھنے والا خود

لے قولہ نہ ہو جائے الخ لیکن یہ جبھی کہ وہ فعل قلبی نہ ہو جیسے فلانہ عورت سے خوش محبت کو دل میں جمائے لیکن زنا جبھی ہوگا کہ صادر ہو اور تحقیق اس کی تفسیر مواہب الرحمٰن کے سورۂ بقرہ کے خاتمہ میں ہے ۱۲ (۱) صحیح یہ ہے کہ عالم پر واجب ہے ۱۲

یہ بری بات کرتا ہے تو اس کو منع کرنا لازم ہے اس واسطے کہ اس پر دو باتیں واجب ہیں ایک یہ کہ خود بری بات نہ کرے دوم یہ کہ بری بات سے منع کرے پس اگر اس نے ایک واجب (۱) ادا نہ کیا تو دوسرا اس کے قومہ سے ساقط نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین وملتقط ومحیط[۱] میں ہے۔ ایک شخص کو معلوم ہوا کہ زید برابر بری بات کئے جاتا ہے پس آیا اس کو روا ہے کہ زید کے باپ کو یہ امر لکھ بھیجے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر اس کے علم میں یہ بات ہو کہ اگر میں نے زید کے باپ کو لکھا تو اس کا باپ اس کو منع کرنے اور باز رکھنے پر قادر نہ ہوگا تو اس کو لکھ بھیجنا حلال ہے اور اگر یہ جانتا ہو کہ اگر اس کے باپ نے منع کرنا چاہا تو اس کے باز رکھنے پر قادر نہ ہوگا تو اس کو لکھنا نہ چاہئے اور یہی حکم زوجین یعنی بیوی وخصم میں ہے اور یہی حکم سلطان ورعیت وحشم یعنی لشکر سلطانی میں ہے اور امر بالمعروف جبھی واجب ہوتا ہے کہ جب یہ جانے کہ یہ لوگ سماعت کریں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر باپ نے اپنے بیٹے کو کسی کام کرنے کا حکم دینا چاہا مگر خوف کرتا ہے کہ اگر میں نے حکم کیا تو شاید میرے حکم کی فرمانبرداری نہ کرے تو یوں کہے کہ (خوب آید اے پسر اگر ایں کار کنی یا نکنی) اے بیٹے اگر تو یہ کام کرے تو اچھا ہے یا نہ کر اور حکم نہ دے تاکہ اس پر نافرمانی کا عذاب نہ پڑے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک فحش (۲) بات کی پھر تو بہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو گیا تو کسی کو یہ بات نہ چاہئے کہ جو شخص مسلمانوں کا امام سردار ہو اس کو اس کے فعل کی خبر کر دے تاکہ اس پر حد ماری جائے اس واسطے کہ عیب پوشی مندوب ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ کسی شخص کا مال چراتا ہے تو فرمایا (۳) کہ اگر اس کی طرف سے ظلم کا خوف نہ ہو تو خبر کر دے اور اگر خوف ہو تو سکوت کرے یہ حاوی میں ہے۔ ایک شخص نے اپنے گھر میں فسق ظاہر کیا تو چاہئے کہ پہلے اس سے جا کر کہے تاکہ عذر پورا ہو جائے پس اگر وہ باز رہے تو اس سے تعرض نہ کرے اور اگر باز نہ رہے تو امام کو اختیار ہے چاہے اس کو قید کرے اور چاہے زجر کرے اور چاہے ادب کے واسطے کوڑے مارے اور چاہے اس کو گھر سے نکال دے اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے شراب بنانے والے کا گھر پھونک دیا اور امام زاہد صفار سے مروی ہے کہ انہوں نے فاسق کے فسق کے باعث اس کا گھر اُجاڑ دینے کا حکم دیا اور فتاویٰ نسفی میں ہے کہ شراب کے خم توڑ دے اور شراب میں نمک ڈال دینے سے اس کا قابض نہ ہوگا اور توڑنے والے پر ان میں سے کسی بات کی ضمانت واجب نہ ہوگی یہ خلاصہ میں ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر مشک[۲] میں نصرانی یا مسلمان کی شراب ہو تو میں اس کو پھاڑ ڈالوں گا اور امام اعظمؒ کے نزدیک اگر اس سے کسی طور پر انتفاع ممکن ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر مسلمان تنہا کسی گروہ کفار (۴) پر حملہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اگرچہ اس کی غالب رائے میں یہ ہو کہ میں قتل کیا جاؤں گا بشرطیکہ اس کی رائے غالب میں یہ ہو کہ میرے حملہ کرنے سے ان کافروں کو گزند پہنچے گا خواہ قتل کا گزند پہنچے یا زخمی ہونے کا یا ہزیمت یعنی بھاگ جانے وشکست کھانے کا گزند پہنچے گا اور اگر اس کی غالب رائے میں یہ ہو کہ میرے تنہا حملہ کرنے سے میں ہی قتل کیا جاؤں گا ان مشرکوں کو قتل یا زخمی ہونے یا شکست کھانے کا کچھ گزند نہ پہنچے گا تو اس کو تنہا حملہ کرنا مباح نہیں ہے اور قیاس کی دلیل سے ان کو تنہا حملہ کرنا ہر حال میں مباح ہے اگرچہ جانتا ہو کہ میں قتل کیا جاؤں گا یہ محیط[۳] میں ہے۔ اگر ایک شخص نے فاسق مسلمانوں کی ایک قوم کو منکر شرعی سے منع کرنا چاہا اور اس کی غالب رائے میں یہ ہے کہ میں اس ممانعت سے قتل کیا جاؤں گا اور ان لوگوں کو مار پیٹ کے مانند کسی بات کا گزند نہ پہنچے گا تو اس کو ممانعت پر اقدام کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور یہ عزیمت ہے اگرچہ اس کے حق میں یہ رخصت ہے کہ سکوت کرے یہ ذخیرہ

---

[۱] محیط الخ اور یہی قول صحیح ہے کما فی الشامی وفتح القدیر ۱۲ [۲] مشک میں شراب کا رکھنا وہاں کا دستور تھا ۱۲ [۳] محیط الخ یہی صحیح ہے چنانچہ تفسیر قولہ تعالیٰ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ تم اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ تفسیر مواہب الرحمٰن میں دیکھو ۱۲ منہ (۱) یعنی خود نہ چھوڑا تو منع کرنا ساقط نہ ہوگا ۱۲

(۲) ظاہراً زنا کاری یا لواطت مراد ہے ۱۲ (۳) یعنی شیخ ابو البقاؒ ۱۲ (۴) یعنی حالت جہاد میں لشکر اسلام سے نکل کر ۱۲

میں ہے گھوڑے و بیل کی گردن میں جرس لٹکانے میں مضائقہ نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے اور چوپاؤں کی گردن میں جرس ڈالنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے پس بعض نے کہا کہ جرس لٹکانا تمام سفروں میں مکروہ ہے خواہ جہاد ہو یا غیر جہاد ہو اور یہ قائل جیسا سفر میں مکروہ کہتا ہے ویسا ہی حضر میں بھی مکروہ کہتا ہے اور نابالغ کے پاؤں میں جلاجل ڈالنے کو بھی مکروہ کہتا ہے اور امام محمدؒ نے سیر کبیر میں ذکر فرمایا کہ غازیوں کو دارالحرب میں جرس کو استعمال میں رکھنا جو ہمارے علماء کے نزدیک مکروہ ہے وہ اس وجہ سے مکروہ ہے کہ اگر دارالحرب میں چوپاؤں کی گردنوں میں جرس ہوگا تو دشمن لوگ واقف ہو جائیں گے کہ مسلمان لوگ وہاں ہیں جہاں سے جرس کی آواز آتی ہے پس اگر مسلمان تھوڑے ہوں گے تو مبادرت کر کے ان پر ٹوٹ پڑیں گے اور مسلمانوں کو قتل کریں گے اور اگر مسلمان لوگ بہت ہوں گے تو کافر لوگ ان سے بچاؤ کر کے اپنے اپنے قلعوں میں پناہ گیر ہو جائیں گے اور اسی قیاس پر مشائخ نے فرمایا کہ اگر دارالاسلام میں قافلہ سواروں کا جنگل میں اور ان کو چور راہزنوں سے کھٹکا ہو تو ان کو بھی چوپاؤں کی گردنوں میں جرس لٹکانا مکروہ ہے تا کہ چور راہزن ان لوگوں سے واقف ہو کر ان کے قتل کرنے والے مال چھین لینے پر آمادہ نہ ہو جائیں اور حکم ہم نے جرس میں بیان کیا ہے وہی جلاجل کا حکم ہے۔ امام محمدؒ نے کتاب السیر میں فرمایا کہ پھر جس صورت میں کہ دارالاسلام میں جرس سے راحلہ والے کا نفع ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور فرمایا کہ جرس میں بھرپور نفع ہوتا ہے چنانچہ ایک یہ ہے کہ اگر قافلہ میں سے کوئی شخص بھٹک گیا تو وہ جرس کی آواز سے جاملتا ہے اور ایک یہ ہے کہ جرس کی آواز سے ہوام اللیل یعنی موذی جانور مثل بھیڑیا سانپ بچھو وغیرہ رات میں قافلہ سے دور بھاگ جاتے ہیں اور ایک یہ ہے کہ جرس سے چوپاؤں کو چلنے میں خوشی ہوتی ہے پس جرس بمنزلہ حدی کے ہے یہ محیط میں ہے۔

افادۂ عام کی جگہوں کو استعمال میں لایا تو محتسب کن صورتوں میں ضامن ہوگا؟

محتسب نے اگر روئی والے کو عام راستہ پر روئی رکھنے سے منع کیا مگر اس نے نہ مانا پس محتسب نے اس کی روئی میں آگ لگا دی اور وہ جل گئی تو محتسب ضامن ہوگا لیکن اگر روئی رکھنے میں فساد معلوم ہو اور جلا دینے میں مصلحت معلوم تو ضامن نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے۔

اٹھارواں باب ☆

تداوی و معالجات کے بیان میں

اس باب میں عزل و اسقاط ولد کا بھی بیان ہے۔

دوا کرنے میں مشغول ہونے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ یہ اعتقاد ہو کہ صحت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے دوا کو سبب مقرر کر دیا ہے اور اگر یہ اعتقاد ہے کہ دوا شافی ہے تو نہیں جائز ہے یہ سراجیہ میں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہڈی سے دوا کرنا روا ہے جب کہ بکری یا گائے یا اونٹ یا گھوڑے وغیر کسی چوپایہ کی ہڈی سوائے آدمی و سور کے ہو کہ آدمی و سور کی ہڈی سے دوا کرنا مکروہ ہے پس امام محمدؒ نے سوائے آدمی و سور کی ہڈی کے سب حیوانات کی ہڈی سے دوا کرنا مطلقاً جائز کر دیا ہے کوئی تفصیل اس کی نہ فرمائی کہ جانور مردار ہو یا ذبح کیا ہوا اور ہڈی خشک ہو یا تر ہو پس یہ حکم علی الاطلاق ایسے حیوان کی ہڈی میں جاری ہے جو ذبح کیا ہوا ہو کیونکہ اس کی ہڈی ظاہر ہے خواہ تر ہو یا خشک ہو اس سے ہر طرح کا انتفاع تری کے ساتھ و خشکی کے ساتھ سب طرح جائز ہے پس اس سے دوا کرنا بھی ہر حال میں جائز ہے اور اگر حیوان مردار کی ہڈی ہو تو اس سے خشک ہونے کی حالت میں انتفاع جائز ہے اور جب تر ہو تو انتفاع نہیں جائز ہے اور کتے کی ہڈی سے دوا کرنا جائز ہے ایسا ہی ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے اور حسن بن زیاد نے فرمایا کہ اس سے

دوا کرنا نہیں جائز ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

قال المترجم ☆

وھو الاصح۔

اجزائے آدمی سے انتفاع نہیں جائز ہے بعضوں نے کہا کہ بوجہ نجاست کے نہیں جائز ہے اور بعض نے فرمایا کہ بوجہ کرامت کے استعمال کرنا نہیں جائز ہے اور یہی صحیح ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ سور کی کھال وغیرہ کسی چیز سے انتفاع نہیں جائز ہے لیکن سور کے بالوں سے اساکفہ یعنی موزہ موزدون کو انتفاع لینا جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بالوں سے بھی نفع اُٹھانا نہیں جائز ہے مگر قول امام اعظمؒ کا اظہر ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی بیماری ظاہر ہوئی اور اس سے طبیب نے کہا کہ تجھ کو خون نکلوانا چاہئے مگر اس نے نہ نکلوایا یہاں تک کہ مر گیا تو گنہگار نہ ہوا اس واسطے کہ اس کو یہ یقین نہ تھا کہ اس میں میرے حق میں شفا ضروری ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے ہر شخص کے واسطے پچھنے لگانا مستحب ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور حاملہ عورت کو جب تک بچہ نہ پھڑ کے تب تک پچھنے لگانا و فصد لینا نہ چاہئے اور جب بچہ پھڑ کے تو جب تک قریب ولادت زمانہ نہ ہو تب تک جائز ہے اور قریب ولادت کے بنظر حفاظت حمل نہیں جائز ہے لیکن اگر پچھنے و فصد کے ترک سے اس کو کھلا ضرر پہنچنا نظر آئے تو جائز ہے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک عورت کو ایک مہینہ کا حمل ہے اس نے خون نکلوانے کے واسطے پیٹھ پر جونک لگانے کا قصد کیا تو طبیب سے دریافت کرے پس اگر اس نے کہا کہ حمل کو ضرر پہنچے گا تو ایسا نہ کرے یہ کبریٰ میں ہے۔ اگر حاملہ عورت نے اپنی صحت نفس کے واسطے دوا پی تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور یہ اولیٰ ہے اور اگر بچہ مردہ یا زندہ ساقط ہو گیا تو اس عورت پر کچھ عذاب نہ ہوگا یہ ینابیع میں ہے۔ اور آدھا مہینہ چاند کا گذر جانے کے بعد سنیچر کے روز پچھنے لگانا بہتر اور خوب نافع ہے اور آدھا مہینہ گذرنے سے پہلے مکروہ ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔ اگر کوئی شخص بیمار ہوا یا رمد چشم کی بیماری ہوئی (یعنی ملتحمہ پر ورم ہو گیا) اور اس نے علاج نہ کیا یہاں تک کہ مر گیا تو گنہگار نہ ہوگا یہ ملتقط میں ہے۔ اگر کسی شخص کو دست شروع ہوئے یا اس کی دونوں آنکھوں میں رمد کی بیماری ہوئی اور اس نے علاج نہ کیا یہاں تک کہ مرض نے اس کو ضعیف و ناتواں کر دیا اور وہ مر گیا تو گنہگار نہ ہوگا اور اس صورت میں اور بھوک کی صورت میں مر جانے میں فرق ہے کہ اگر بھوکا ہوا اور باوجود قدرت کے اس نے غذا نہ کھائی اور مر گیا تو گنہگار ہوگا اور فرق یہ ہے کہ بھوک میں مقدار قوت کے کھانا آدمی کو یقیناً سیر کر دیتا ہے پس نہ کھانا اپنے نفس کو ہلاک کرنا ہوا اور معالجہ و دوا کرنا ایسا نہیں ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ گدھی کا دودھ مرض وغیرہ کے واسطے مکروہ ہے اسی طرح اس کا گوشت بھی مکروہ ہے اور ہر حرام چیز سے دوا کرنے کا بھی یہی حکم ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

دوا کرنا اونٹ کے پیشاب اور گھوڑے کے گوشت سے مکروہ ہے جامع صغیر میں ہے اور جاننا چاہئے کہ اسباب مزیل ضرر چند طرح کے ہیں ایک وہ جن پر یقین ہوتا ہے جیسے پانی پیاس کے ضرر کو دور کرتا ہے اور روٹی بھوک کے ضرر کو دفع کرتی ہے اور ایک وہ جن پر گمان ہوتا ہے جیسے فصد و پچھنے لگانا و مسہل پینا و باقی طب کے علاج یعنی برودت کا علاج حرارت سے حرارت کا علاج برودت سے اور یہ اسباب طب میں ظاہر ہیں اور ایک موہوم[1] ہوتے ہیں جیسے داغ دینا و رقیہ کرنا پس جو اسباب ایسے ہیں کہ ان پر یقین ہوتا ہے تو ان کا ترک کرنا توکل نہیں ہے بلکہ خوف موت کے وقت ان کا ترک کرنا حرام ہے اور جو اسباب موہوم میں ان کا ترک کرنا شرط توکل ہے کہ اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے متوکلوں کا وصف بیان کیا ہے اور جو اسباب مظنون ہیں یعنی بیچ میں ہیں جیسے ان

[1] موہوم یعنی محض وہمی و خیالی ہیں ان پر حواس فطرت ہے یا عقل سے کوئی دلیل قوی نہیں ہے سوائے قیاسی تجربہ کے پس ان میں سے بدتر وہ ہیں جن کو جھاڑ پھونک کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ توکل یہ کہ ہر تدبیر وغیرہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے پس اگر کسی صورت میں ایسا کیا تو توکل رہا اور نہ کیا تو توکل نہ رہا ۱۲ منہ

اسباب کے ساتھ جو اطباء کے نزدیک ظاہر ہیں علاج کرنا سو یہ توکل کے منافی نہیں ہے بخلاف موہوم اسباب کے اور ان کا چھوڑنا حرام نہیں ہے بخلاف ان اسباب کے جن پر یقین ہوتا ہے مگر بعض اشخاص کے حق میں اور بعض حالتوں میں اس کے کرنے کی بہ نسبت اس کا چھوڑنا افضل ہوتا ہے پس اس کا درجہ دو درجوں کے بیچ میں ہے یہ فصول عمادیہ فصل چونتیس میں ہے اور دوا کے واسطے مرد کو کسی عورت کے دودھ سے ناس لینے یا پینے میں مضائقہ نہیں ہے اور بلا ضرورت بالغ مرد کو کسی عورت کے دودھ پینے میں متاخرین مشائخ نے اختلاف کیا ہے یہ قنیہ میں ہے۔ اگر کسی مریض سے طبیب نے شراب پینے کے علاج کو کہا تو ایک جماعت ائمہ بلخ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ دیکھے کہ اگر وہ یقیناً جانتا ہے کہ اچھا ہو جائے گا تو اس کو شراب پینا حلال ہوگا اور فقیہ عبدالملک نے اپنے استاد سے نقل کیا کہ پینا نہیں حلال ہے کذا فی الذخیرہ۔

قال[1] المترجم☆

وھو الصحیح عند بعض المحققین واختارہ المترجم وفی الھدایہ اور نہیں جائز ہے کہ شراب سے کسی جراحت کا علاج کرے یا چوپایہ کی پیٹھ لگی ہو اس کا علاج کرے اور نہیں جائز ہے کہ کسی ذمی کو پلائے اور نہیں جائز ہے کہ بچہ کو بطور دوا کے پلائے اور اگر پلائے گا تو اس کا وبال پلانے والے پر ہوگا انتہی۔ اگر بیمار کو کسی طبیب مسلمان نے خبر دی کہ تیری شفاء خون یا پیشاب پینے یا مردار کھانے میں ہے اور اس نے مباح چیزوں میں سے اس کے قائم مقام کوئی چیز نہ پائی تو اس کو پینا و کھانا جائز ہے اور اگر طبیب نے کہا کہ اس سے تجھے جلدی شفا ہو جائے گی تو اس میں دو وجہیں ہیں اور اگر دوا کی تاثیر میں شراب کے قائم مقام دوسری چیز نہ ملے تو تھوڑی سی شراب بطور دوا کے پینا آیا حلال ہے یا نہیں سو اس میں دو وجہیں ہیں یہ تمرتاشی میں ہے اگر ایک شخص سے طبیب حاذق نے کہا کہ تیری بیماری بغیر سانپ کھائے یا سانپ کھائے یا بغیر ایسی دوا کھائے جس میں سانپ ڈالا گیا ہے نہ جائے گی تو بیمار کو اس کا کھانا حلال نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے اور تریاق کھانا مکروہ ہے بشرطیکہ اس میں سانپ کا جزو ہو اور تریاق فروخت کرنا جائز ہے اور اگر نہ جانتا ہو کہ اس میں سانپ کا جزو ہے تو تریاق کھانا روا ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ اور دوا کے واسطے کبوتر کی بیٹ کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔ علک (۱) چبانے میں عورتوں کے واسطے بلا خلاف کچھ مضائقہ نہیں ہے اور مردوں کے واسطے چبانے میں اختلاف ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ عورتوں و مردوں دونوں کے حق میں کچھ مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ کوئی غرض صحیح ہو اور یہی صحیح ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ شیخ ابو مطیع سے دریافت کیا گیا کہ ایک عورت موٹی ہونے کے واسطے فتیت (۲) کے مانند چیزیں کھاتی ہے تو فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں ہے جب تک سیری سے زیادہ نہ کھائے اور اگر اس نے سیری سے زیادہ کھائی تو اس کو حلال نہیں ہے یہ حاوی میں ہے۔

اگر عورت اپنے شوہر کے واسطے اپنے آپ کو موٹا کرنا چاہے تو مضائقہ نہیں ہے اور مرد کے واسطے یہ مکروہ ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص نے مرارہ یعنی پتا دوا کی غرض سے اپنی انگلی میں پہنا تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ آٹے کی لبدی اگر جراحت پر باندھی پس اگر اس میں شفاء سمجھتا ہو تو مضائقہ نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر بچوں کو کوئی بیماری لگ گئی ہو تو ان کے داغ دینے میں مضائقہ نہیں ہے اسی طرح نشان کے واسطے بہائم کو داغ دینے میں مضائقہ نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور چہرہ پر داغ دینا مکروہ ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔ قرآن کے ساتھ

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ بعض محققین کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ واضح ہو کہ اس میں دونوں قولوں کی تصحیح کی گئی بلکہ مفتی بہ ٹھہرائے گئے لیکن یہی قول دوم اظہر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱) علک درحقیقت ایک قسم کا گوند ہے جو منہ خوشبو کرتا ہے (۲) فتیت روٹی چور کر مثل حریرہ کر دیتے ہیں سیری سے زائد سوائے خاطر مہمان کے البتہ مکروہ ہے ۱۲

استرقاء میں اختلاف ہے مثلاً قرآن کو کسی مریض پر یا جس کو بچھو نے کاٹا ہے پڑھ کر پھونکے یا ورق لکھ کر اس کی گردن وغیرہ میں لٹکائے یا طشت میں لکھ کر اس کو دھو کر مریض کو پلائے پس اس کو عطاء و مجاہد و ابو قلابہ نے مباح فرمایا ہے اور نخعی و بصری نے مکروہ[1] فرمایا ہے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے اور اس طرح رقیہ کرنا مشاہیر میں بلا انکار ثابت ہوا ہے اور جس شخص کی نکسیر پھوٹی اور اس کا خون بند نہیں ہوتا ہے پس چاہا کہ اس کے خون سے اس کی پیشانی پر کوئی آیت قرآنی لکھے تو شیخ ابو بکر اسکافؒ نے فرمایا کہ جائز ہے اسی طرح اگر مردار کی کھال پر لکھے تو بھی یہی حکم دیا ہے بشرطیکہ اس میں شفاء ہو یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

قال المترجم ☆

شیخ ابو المکلام نے نقل کیا کہ ایک جماعت ائمہ نے اس کو مکروہ[2] جانا ہی واللہ اعلم ۔تعویذ لٹکانے میں مضائقہ نہیں ہے لیکن پیخانے جانے کے وقت اور جماع کرنے کے وقت اس کو الگ کردے یہ غرائب میں ہے۔ اگر کسی عورت کا خاوند اس کو مبغوض رکھتا ہو پس اس نے چاہا کہ میں تعویذ رکھوں تا کہ مجھے دوست رکھے تو جامع صغیر میں لکھا ہے کہ یہ حرام ہے حلال نہیں ہے یہ حاوی میں ہے۔

نظر بد کے علاج کی بابت کچھ مسائل ☆

اگر کوئی بچہ پیدا ہوا تو اس کے خون سے اس کا سر[3] لتھاڑا مکروہ ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔شہاب الدین آمالی نے کہا کہ راستہ کی پڑی ہوئی قتا اُٹھا کر جلانے اور جس کو نظر لگی ہے اس کے سر کے گرد پھرانے میں مضائقہ[4] نہیں ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ خائف بچہ کے سر پر موم پگھلا کر جما دیتے ہیں اور شیخ لبادی نے فرمایا کہ یہ بھی جائز ہے کہ جب اس سے شفاء کا اعتقاد نہ ہو یہ قنیہ میں ہے۔کھیتوں و فالیزون میں کھوپڑی کی ہڈیاں نظر نہ لگنے کے واسطے رکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ بات آثار سے ثابت ہوئی ہے کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

قال المترجم ☆

فیہ نظر۔ایام نوروز میں پرپرچہ لکھ کر بھوت پریت کے خوف سے دروازوں پر چپکانا مکروہ ہے کذا فی السراجیہ اور ایام نوروز میں پرچے لکھنا مکروہ ہے اور دروازوں پر چپکانا حرام ہے کیونکہ اس میں اسم اللہ تعالیٰ کی اہانت و منجموں کے ساتھ مشابہت ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

قال المترجم ☆

یہ وہی مسئلہ سراجیہ ہے اور اس میں ہوام کا لفظ ہے پس ہوام سے اگر سانپ بچھو وغیرہ ہوام الارض مراد ہیں تو یہ معنی ہوئے کہ ان جانوروں کے واسطے دروازوں پر پرچہ چپکائے و فیہ ما فیہ تحقیق مترجم کے نزدیک یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار عرب بعض ارواح کی نسبت یہ قائل ہوتے تھے کہ وہ آ کر ستاتے ہیں اور اس کے ایام وہی ہوتے ہیں جو نوروز کے ہیں یا ہندوستان میں دیوالی کے ہیں پس میرے نزدیک یہی مراد ہے اور مفصل تحقیق ہوام حدیث کے بعض شراح نے بیان کی ہے فلیراجع الیہ۔ اگر خوشبو وغیرہ جلائی تو بعضے فتویٰ دیا ہے کہ یہ فعل عوام جہاں کا ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ایک شخص نے اپنی عورت آزاد کی بلا اجازت اس سے عزل کیا یعنی

---

[1] مکروہ اقول اول اصح ہے جب تک کہ فساد اعتقاد نہ ہو۱۲ [2] قولہ جانا اقول یہی اصح ہے واللہ تعالیٰ اعلم [3] زمانہ جاہلیت میں عقیقہ میں ایسا کرتے تھے اور بعض اخبار میں بھی آیا ہے۱۲ [4] مضائقہ اقول یہ قول مع کھیتوں کی کھوپڑی کے بلا دلیل و خلاف سلف و ضعیف ہیں اور ائمہ متقدمین سے اس میں کچھ بھی روایت نہیں ہے۔ہاں لوگوں نے تعویذ و عملیات کے طور پر کہا ہے تو حق یہ کہ اگر اس سے اعتقاد شفا نہ ہو تب جائز ہے اور دیوالی وغیرہ میں گھر کے اندر آیۃ الکرسی وغیرہ تلاوت کرے مگر لکھ کر دروازے پر لٹکانا و چسپاں کرنا کسی صورت میں روا نہیں ہے۱۲

انزال ہونے کو ہوا تو فرج سے باہر جب انزال کیا بدین وجہ کہ زمانہ کے خیال سے جیسا اولاد نالائق ہونے کا خوف کرتے ہیں وہ خوف اس کو بھی ہوا تو ظاہر جواب کتاب یہ ہے کہ اس کو یہ گنجائش نہیں ہے اور اس مقام پر مذکور ہے کہ روا ہے کیونکہ یہ زمانہ خراب ہے یہ کبریٰ میں ہے اور اس کو اختیار ہے کہ اپنی عورت کو عزل سے منع کرے یہ وجیز کردری میں ہے اگر عورت نے بچہ کو پورے اعضاء ظاہر ہونے کے بعد گرا دیا تو ایک باندی یا غلام واجب ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ پیٹ میں بچہ کی پوری خلقت مانند بال و ناخن وغیرہ ظاہر ہونے کے بعد اسقاط کے واسطے علاج کرنا نہیں جائز ہے اور اگر خلقت پوری ظاہر نہ ہوئی تو جائز ہے اور ہمارے زمانہ میں ہر حال میں جائز ہے اور اسی پر فتویٰ[1] ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ تیمیہ میں لکھا ہے کہ میں نے شیخ علی بن احمد سے بچہ کی صورت بن جانے سے پہلے اس کے اسقاط کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ آزاد عورت کے بچہ میں نہیں جائز ہے بالاتفاق یہی ایک قول ہے اور باندی کے بچہ میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ ممنوع ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

قال المترجم ☆

عوامح الختار۔ مرضعہ کو یعنی جو عورت دودھ پلاتی ہے اس کو دوا کے واسطے اپنا دودھ دینا نہیں جائز ہے بشرطیکہ بچہ کے حق میں مضر ہو یہ قنیہ میں ہے۔ ایک عورت جو دودھ پلاتی ہے اس کے حمل ظاہر ہوا اور اس کا دودھ منقطع ہو گیا اور عورت مذکورہ کو اپنے بچہ کے حال پر مر جانے کا خوف ہوا اور اس بچہ کے باپ کو اتنی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی دائی نوکر رکھے تو اس عورت کو مباح ہے کہ جب تک پیٹ میں نطفہ یا مضغہ یا علقہ ہے اس کو کوئی عضو نہیں بنتا ہے تب تک خون بہا دینے کا علاج کرے اور جنین کی خلقت بغیر ایک سو بیس روز کے نہیں ظاہر ہوتی ہے کہ چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے اور چالیس روز تک علقہ اور چالیس روز تک مضغہ رہتا ہے یہ خزانۃ المفتیین و فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

انیسواں باب ☆

ختنہ کرنے، خصی کرنے، ناخن کاٹنے اور مونچھیں کاٹنے اور سر منڈانے اور عورت کے اپنے بال منڈانے اور عورت کے اپنے بالوں میں بال وصل کرنے کے بیان میں

کس عمر تک ختنہ کیا جا سکتا ہے؟

ختنہ میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ ختنہ سنت ہے اور یہی صحیح ہے یہ غرائب میں ہے۔ ختنہ کے واسطے وقت مستحب سات برس سے لے کر بارہ برس تک ہے اور یہی مختار ہے کذا فی السراجیہ اور بعض نے کہا کہ وقت ولادت سے سات روز کے بعد سے جائز ہے یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے اور عورتوں کے ختنہ کے بارے میں مختلف روایات ہیں بعض میں مذکور ہے کہ سنت ہے اور ایسا ہی بعض مشائخ سے منقول ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے شرح ادب القاضی للخصاف میں ذکر کیا کہ عورتوں کا ختنہ مکرمت ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک لڑکے کا ختنہ کیا گیا مگر پوری کھال نہ کٹی پس اگر نصف سے زیادہ کٹ گئی تو ختنہ کیا ہوا ہوگا اور اگر نصف یا نصف سے کم کٹی ہو تو نہیں یہ خزانۃ المفتیین میں ہے اور صلوۃ النوازل میں لکھا ہے کہ اگر لڑکا بے ختنہ رہ گیا پھر ایسا ہو گیا کہ ختنہ کے واسطے اس کی

---

[1] قولہ فتویٰ قول اسی طرح ردالمحتار وغیرہ میں بھی ہے لیکن آخیر زمانہ والوں کا فتویٰ بہت مخدوش ہے کیونکہ دیکھو کسی دلیل سے یہ اعتبار نہیں ہوتا کوئی اپنی اولاد کو قتل کرے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو علم کے ساتھ پیدا کرتا ہے پس اس کے بعد جو قول مذکور ہے وہی صحیح و لائق فتویٰ ہے فافہم ۱۲

کھال نہیں کھینچی جاسکتی ہے لاَبتشد ید یعنی شدت سے کھینچنے سے کھنچ سکتی ہے اور اس کا حشفہ یعنی سرذکر ظاہر ہے کہ اس کو دیکھنے والا دیکھے تو اس کو معلوم ہو کہ گویا ختنہ کیا ہوا ہے تو ایسے شخص کو ثقہ و ہوشیار حجاموں کو دکھلایا جائے پس اگر وہ لوگ کہیں کہ اس کا ختنہ نہیں ممکن ہو سکتا ہے تو اس پر سختی نہ کی جائے گی بلکہ چھوڑ دیا جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ بوڑھا ضعیف اگر اسلام لایا اور وہ ختنہ کی تکلیف نہیں برداشت کر سکتا پس اگر ہوشیار آدمیوں نے کہا کہ یہ نہیں برداشت کر سکتا ہے تو چھوڑ دیا جائے گا اس واسطے کہ عذر کی وجہ سے واجب کا ترک کرنا جائز ہے تو سنت کا ترک کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے یہ خلاصہ میں ہے اور بعض نے فرمایا کہ بالغ کا ختنہ اگر وہ خود کر سکے تو کر لے ورنہ کیا جائے گا لیکن اگر وہ ایسی عورت سے نکاح کر سکے یا ایسی باندی خرید سکے جو اس کا ختنہ کر دے تو کرے اور کرخیؒ نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے کہ حمامی[1] اس کا ختنہ کر دے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے ایک بچہ کا ختنہ کیا گیا پھر اس کی کھال بڑھ گئی پس اگر اس نے حشفہ کو چھپالیا تو کاٹ ڈالی جائے گی ورنہ نہیں یہ محیط میں ہے اور باپ کو اختیار ہے کہ اپنے نابالغ فرزند کا ختنہ کرے اور اس کے پچھنے لگائے اور اس کی دوا کرے اور اسی طرح باپ کے وصی کو بھی یہ اختیار ہے اور ماموں و چچا کے وصی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایسا کرے لیکن اگر یہ لڑکا اس کے عیال میں ہو تو ہو سکتا ہے پس اگر وہ لڑکا اس سے مر گیا تو استحساناً اس پر ضمان واجب نہ ہوگی اسی طرح اگر ماں نے ایسا کیا تو بھی یہی حکم ہے یہ سراج الوہاج میں ہے اور واقعات ناطفی میں ہے کہ ماموں و چچا کے وصی کو ایسا اختیار نہیں ہے اگرچہ طفل اس کے عیال میں ہو یہ تمرتاشی میں ہے۔ اور باپ کا باپ یعنی سگا دادا اور اس کا وصی بمنزلہ باپ کے ہے اور ماں کے وصی کو ایسا کرنا نہیں جائز ہے اگرچہ لڑکا اس کے عیال میں ہو یہ فتاویٰ قاضی خان و ملتقط میں ہے اور اگر اس نے طفل مذکور کے پچھنے لگائے یا ختنہ کیا یا اس کا قرضہ باندھا تو وہ ضامن ہے اس واسطے کہ وہ ولی نہیں ہے یہ حاوی میں ہے۔

عورتوں کے کان چھدانے میں مضائقہ نہیں ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور لڑکیوں کے کان چھدانے میں مضائقہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لوگ ایسا کرتے تھے حالانکہ ممانعت نہیں پائی گئی یہ کبریٰ میں ہے۔ بنی آدم کا خصی کرنا باتفاق حرام ہے اور گھوڑے کا خصی کرنا سو شمس الائمہ حلوائی نے اپنی شرح میں ذکر کیا کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں ہے اور شیخ الاسلام نے اپنی شرح میں ذکر کیا کہ حرام ہے اور سوائے گھوڑے کے اور بہائم میں اگر کچھ منفعت ہو تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر خصی کرنے میں منفعت نہ ہو اور کچھ دفع ضرر نہ ہو تو حرام ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ بلی کے خصی کرنے میں اگر اس میں نفع یا دفع ضرر ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ کبریٰ میں ہے۔ روضہ زندویسی میں ہے کہ سر کے بالوں میں دو طریقہ سنت ہیں یا تو مانگ دار پٹے بال رکھے یا سر منڈوائے اور طحاوی نے ذکر کیا کہ سر منڈانا سنت ہے اور اس کو علمائے ثلثہ کی طرف منسوب کیا۔ کذافی التاتار خانیه وانما صح عندالمترجم الفرق فقط ولم یصح ان الحلق سنة و غایة ما ثبت الجواز الا ان یقال بالسنة سهنا تعم فعل الصحابة رضی الله عنهم فافهم والله اعلم ہر جمعہ کو سر منڈانا مستحب ہے۔ کذا فی الغرائب۔

وقال المترجم ☆

فیہ نظر۔ اگر مردبیچ میں سے سرمنڈوائے اور بالوں کو سیدھا لٹکتا چھوڑے پیچیدہ نہ کرے تو مضائقہ نہیں ہے۔

[1] قولہ حمامی اقول یہ رسم خود مذموم ہے کہ حمامی لوگ حمام میں نورالگاتے ہیں پس یہ حکم متضمن نہ ہوگا ۱۲ [2] مترجم کے نزدیک سنت فقط یہی ہے کہ بال درمیان سے مانگ کر کے رکھے اور منڈانا سنت نہیں لیکن جواز اس طرح ثبوت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو آپ کے اصحاب نے منڈایا اور بعض نے اکثر یہی کیا تاکہ غسل میں احتیاط ہو پس شاید سنت یہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل سے ہے ۱۲ منہ

اصح یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے فاحفظہ اور اگر پیچیدہ کیا تو یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں یعنی کافروں و مجوسیوں کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے اور ہمارے ملک میں بالوں کو بدون پیچیدہ کئے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں لیکن درمیان سے سر نہیں منڈاتے ہیں بلکہ کناروں سے کاٹ دیتے ہیں یہ ذخیرہ میں ہے۔ سر منڈانا اور دونوں طرف سے پٹے چھوڑ دینا جائز ہے بشرطیکہ لٹکتا چھوڑا ہو اور اگر سر پر باندھا تو نہیں جائز ہے یہ قنیہ میں ہے اور قزع مکروہ ہے یعنی تمام سر منڈوائے اور بعض چھوڑ دے بقدر تین انگل کے جس کو چٹیا کہتے ہیں یہ غرائب میں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ گدی منڈانا مکروہ ہے لیکن پچھنے لگانے کے وقت منڈا دینا مکروہ نہیں ہے یہ ینابیع میں ہے۔

قال المترجم ☆

یہ روایت شاید ہے کہ امام رحمہ اللہ کے نزدیک بال رکھنا سنت ہے فافہم اور ناخن کاٹنا سنت ہے لیکن دار الحرب میں نہ کاٹنا اور چھوڑ رکھنا مندوب ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور افضل یہ ہے کہ ناخن کاٹے اور مونچھوں کو خوب کترے اور زیر ناف یعنی عانہ کے بال مونڈے اور ہر ہفتہ میں ایک بار نہا کر اپنے بدن کو صاف کرے اور نہیں تو پندرہ روز میں ایک بار ایسا کرے اور نہیں تو چالیس روز بعد ضرور کرے پھر اس کا عذر قبول نہ ہوگا پس ہفتہ وار تو افضل ہے اور پندرہ روز درمیانی مدت ہے اور چالیس روز انتہا ہے کہ چالیس روز بعد اس کا عذر مقبول نہ ہوگا اور مستحق وعید ہوگا یہ قنیہ میں ہے اور بغل کے بالوں کا منڈانا جائز ہے مگر اُکھاڑنا اولیٰ ہے اور عانہ کے بالوں کو زیر ناف سے مونڈنا شروع کرے اور اگر اس نے نورہ لگا کر عانہ کے بال گرا دیئے تو جائز ہے یہ غرائب میں ہے جامع الجوامع میں ہے کہ موئے زیر ناف کو خود مونڈے اور اگر حجام نے مونڈے تو جائز ہے بشرطیکہ اپنی آنکھ بند کرے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک شخص نے اپنے ناخن کاٹنے یا سر منڈانے کے واسطے جمعہ کا روز مقرر کر لیا تو مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر سوائے جمعہ کے اور دنوں میں وہ جائز سمجھتا ہے مگر اس نے جمعہ تک تاخیر دی مگر تاخیر سے حد گذر گئی یعنی مثلاً ناخن بہت بڑھے تھے اور اس نے نہ کاٹے اور جمعہ کا انتظار کرتا رہا تو یہ مکروہ ہے کیونکہ جس کے ناخن بڑھے ہوتے ہیں اس کی روزی تنگ ہوتی ہے اور اگر اس نے حد سے تجاوز نہ کیا بلکہ جو اخبار جمعہ کی فضیلت میں ہیں ان کے اعتقاد پر تبرک سمجھ کر جمعہ تک تاخیر کی تو مستحب ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور چاہئے کہ ناخن کاٹنا داہنے ہاتھ سے شروع کرے اور داہنے ہاتھ پر ختم کرائے یعنی داہنے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی سے شروع کرے پھر دوسرے بائیں کے کاٹتا ہوا داہنے کے انگوٹھے پر ختم کرے اور پاؤں کے ناخن میں داہنے پاؤں کی چھنگلیا سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کرے اور حکایت ہے کہ ہارون رشید خلیفہ وقت نے امام ابو یوسفؒ سے دریافت کیا کہ رات میں ناخن کاٹنا کیسا ہے فرمایا کہ ہاں روا ہے تو ہارون رشید نے پوچھا کہ اس کی دلیل کیا ہے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ الخیر[1] لایوخر یعنی بھلے کام میں دیر نہ کرنی چاہئے کذافی الغرائب اور جب اپنے بال کتروائے یا ناخن کٹوائے تو چاہئے کہ تراشا ناخن و بال کو دفن کر دے اور اگر پھینک دیا تو مضائقہ نہیں ہے لیکن اگر پاخانہ یا غسلخانہ میں پھینکے تو مکروہ ہے اس واسطے کہ اس سے بیماری[2] پیدا ہوتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے چار چیزیں دفن کی جائیں ناخن و بال و خرقہ حیض و خون یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنے بال منڈائے اس میں جوں بھری ہوئی تھیں تو ان کو دفن کر دے یہ قنیہ میں ہے اور اپنی مونچھوں کو یہاں تک کتروائے کہ مثل بھوؤں کے ہو جائیں یہ غیاثیہ میں ہے۔ اور بعض اگلے بزرگ لوگ مونچھوں کے کنارے چھوڑ دیتے تھے کذافی الغرائب ہمارے ملک میں یہی دستور ہو گیا۔

1. یہ حدیث سے مستشہد کیا گیا ہے جس کو کسی راوی نے حدیث بنا دیا ورنہ امام ابو یوسف محدث ہیں ۱۲
2. یعنی یہ امر سبب عارضی بیماری کا ہے یا عادت علت ہو جاتی ہے ۱۲ منہ

قال المترجم ☆

طحاوی میں شرح آثار سے ذکر فرمایا کہ مونچھوں کا کترنا اچھا ہے اور کترنے کی یہ صورت ہے کہ اس قدر کاٹ دے کہ اوپر کے ہونٹ[1] کے اونچے کنارے سے اوپر ہو جائے اور فرمایا کہ منڈانا سنت ہے اور یہ کترنے سے بہت اچھا ہے اور یہ امام اعظمؒ و صاحبینؒ کا قول ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور مشائخ نے فرمایا کہ غازیوں کے واسطے مونچھیں بڑھانے میں مضائقہ نہیں ہے تا کہ دشمنوں کی آنکھوں میں ہیبت ناک معلوم ہوں یہ غیاثیہ میں ہے۔ اگر کسی کی ڈاڑھی بڑھ جائے تو اس کے کنارے چھانٹ دینے میں مضائقہ نہیں ہے اور اگر اپنی ڈاڑھی کو مٹھی سے پکڑ کر جس قدر مٹھی سے بڑھی ہو کترے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن اگر مٹھی سے بڑھی ہوئی بہت دراز ہو تو چھوڑ دے یہ ملتقط میں ہے اور ڈاڑھی کا قصر کرنا سنت ہے یعنی آدمی اپنی ڈاڑھی کو اپنی مٹھی سے پکڑے پھر جس قدر اس کی مٹھی سے بڑھی رہے اس کو کتر دے ویسا ہی امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے اور فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں یہ محیط سرخسی میں ہے اور حلق کے بال نہ منڈائے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں ہے اور بھوؤں کے بال لے لینے میں مضائقہ نہیں ہے اور چہرہ کے بال لینے میں مضائقہ نہیں ہے جب تک کہ مخنث کی سی صورت نہ ہو جائے یہ ینابیع میں ہے اور فنیلتین کا نوچنا بدعت ہے اور واضح ہو کہ نیچے کے ہونٹ کے بیچ میں ڈاڑھی تک جو بال ہیں اس کے دونوں طرف اگر بال جمے ہوں تو وہ فنیلتین ہیں یہ غرائب میں ہے اور ناک کے بال نہ نوچے کیونکہ اس سے آکلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

قال المترجم ☆

ایک دانہ نکلتا ہے اور وہ بد ہوتا ہے بڑھتا جاتا ہے اور سڑتا جاتا ہے اور بدبودار ہوتا ہے کہ کذا قیل۔ اور سینہ اور پیٹھ کے بال منڈانا ترک ادب ہے یہ قنیہ میں ہے۔ دانت سے ناخن کاٹنا مکروہ ہے کہ اس سے برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اور حالت جنابت میں بال منڈانا اور ناخن کاٹنا مکروہ ہے یہ غرائب میں ہے اگر عورت نے اپنے سر کے بال منڈائے پس اگر کسی بیماری کی وجہ سے جو اس کو عارض ہوگئی ہے بال منڈائے ہیں تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر مردوں کی مشابہت کے واسطے ایسا کیا ہے تو مکروہ ہے یہ کبریٰ میں ہے۔ ایک مجنونہ کے سر میں درد وغیرہ کی بیماری پیدا ہوئی اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے تو جو شخص اس کے سر کے بال مونڈے وہ محسن ہے بشرطیکہ عورتوں و مردوں کی تمیز کے واسطے کوئی علامت عورت کے مناسب چھوڑ دے یہ ملتقط میں ہے۔ آدمی کے بال میں بال جوڑنا حرام ہے خواہ اسی کے بال ہوں یا غیر کے ہوں یہ اختیار شرح مختار میں ہے۔ اگر عورت نے اپنے گیسو و قرون (۱) میں کچھ اونٹ کے بال رکھے تو مضائقہ نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کسی عورت نے غیر کے بال اپنے بالوں میں وصل کئے ہوں تو ان کے ساتھ ان کی نماز جائز ہے یا نہیں جائز ہے اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور مختار یہ ہے کہ جائز ہے یہ غیاثیہ میں ہے اور فرمایا کہ اگر کسی غلام کی پیشانی پر بال نہ ہوں تو تاجروں کو روا ہے کہ اس کی پیشانی پر بال معلق لٹکا دیں کیونکہ اس سے ثمن میں زیادتی ہو جاتی ہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اگر غلام خدمت کے واسطے ہو اس کو بیچنا مقصود نہ ہو تو اس کے ساتھ ایسا نہ کرے یہ محیط میں ہے۔

قال المترجم

ہذا مما لست ما حصلہ کیف وان المشتری اذا اشتراہ للخدمة لا بدلہ ان نیزع عنہ ذلک فلیس فیہ ما یوجب حسنا وظنی انہ ضعیف والصحیح من الروایة فی تلک المسئلة ما قال فی فتاویٰ قاضی خان اور اگر غلام کی پیشانی پر بال ہو تو تاجر کو روا ہے کہ اس کی پیشانی کے بال

---

[1] یعنی اوپر کے ہونٹ کے اوپر کے کنارے سے کم ہو جائے اور بعض مشائخ مغرب نے حدیث کے یہی معنی بیان کئے اور مونڈنے کو بدعت کہا ۱۲ منہ

منڈوائے کیونکہ اس سے ثمن میں زیادتی ہو جاتی ہے اور اگر غلام خدمت کے واسطے ہو اس کے فروخت کی نیت نہ ہو تو اس کے ساتھ ایسا کرنا مستحب نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

بیسواں باب ☆

زینت و خدمت کے واسطے خادم رکھنے کے بیان میں

مشائخ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ مردوں کے واسطے سرخی سے خضاب کرنا سنت ہے اور یہ مسلمانوں کے نشان و علامات میں سے ہے اور صریح سیاہی سے خضاب سو اگر غازیوں میں سے کسی نے کیا تا کہ دشمنوں کی نظروں میں ہیبت ہو تو مشائخ نے اتفاق کیا ہے کہ یہ اچھا ہے اور اگر کسی شخص نے اس واسطے کیا کہ عورتوں کی (۱) نظروں میں اس کی زینت ہو اور عورتیں اس کو پسند کریں تو عامہ مشائخ کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور بعض نے اس کو بلا کراہت جائز رکھا ہے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ جیسا [!] مجھے پسند ہے کہ عورت میرے واسطے زینت کرے ویسا ہی اس کو پسند ہے کہ میں اس کے واسطے زینت کروں یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور امامؒ سے مروی ہے کہ خضاب اچھا ہے لیکن حنا و کتم و وسمہ سے ہو اور مراد امام کی ڈاڑھی و سر کے بال ہیں اور غیر حالت جنگ میں بھی خضاب کرنے میں اصح قول کے موافق کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ وجیز کردری میں ہے اور سر و ڈاڑھی میں غالیہ (۲) ملنے میں مضائقہ نہیں ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے اور سپید بال اُکھاڑ ڈالنا بغرض زینت مکروہ ہے نہ بغرض آنکہ دشمنوں کی نظروں میں جہاد میں ہیبت پیدا ہو ایسا ہی امام سے منقول ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ اور مذکر بچہ کے ہاتھ اور پاؤں رنگنا نہ چاہئے الا اس حالت میں کہ کوئی ضرورت پیش آئے اور عورتوں اور مؤنث کے واسطے یہ جائز ہے یہ ینابیع میں ہے ایسے مرد نے جس پر غسل واجب ہے یعنی جنبی نے خضاب لگایا اور اسی خضاب کو پھر ایک عورت نے لگایا تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن عورت اس خضاب کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتی ہے اور اگر مرد جنبی نے موضع خضاب کو دھو کر خضاب لگایا تو عورت اس سے نماز پڑھ سکتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر عورت زینت کے لیے اپنے بالوں میں پیتل یا تانبے یا پوت یا لوہے وغیرہ کی مہرہ گریہ بنا کر لٹکائے یا ان چیزوں کے کنگن پہنے تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر بچہ کی پنڈلیوں میں باندھے یا اس کے بہلانے کو اس کے گہوارہ میں باندھ دے تو بھی مضائقہ نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔ مردوں کو سرمہ اثمد لگانے میں بالاتفاق کچھ مضائقہ نہیں ہے اور سیاہ سرمہ اگر زینت کے واسطے ہو تو بالاتفاق مکروہ ہے اور اگر زینت مقصود نہ ہو تو اختلاف ہے اور عامہ مشائخ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر لوگوں میں تجمل کے واسطے کوئی مرد اپنے گھر میں سونے و چاندی کا تخت رکھے اور اس پر دیبا کا فرش بچھائے مگر کبھی اس پر سوتا و بیٹھتا نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ ایسا بزرگان سلف صحابہ و تابعین سے منقول ہے یہ محیط میں ہے اور جس قدر عمارات کی ضرورت ہوتی عمارت بنانے میں مضائقہ نہیں ہے اور مکروہ جبھی ہے کہ جب ایسی عمارت بنائے جس کی اس کو احتیاط نہیں ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ اور فقیہ ابو جعفر نے شرح سیر کبیر میں فرمایا کہ اگر کسی شخص نے نقشی نمدوں سے اپنے بیت کی دیواروں میں دیوار گیری لگائی پس اگر جاڑا دور کرنا مقصود ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر مقصود زینت ہو تو مکروہ ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے بھی شرح السیر میں فرمایا کہ دیواروں کی دیوار گیری نمدہ سے لگانا اگر بقصد دفع سردی ہو تو مکروہ نہیں ہے اور اس قدر زیادہ کیا کہ اسی طرح اگر گرمی دور

[!] ھکذا روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) یعنی اپنی حرم دوں ۱۲ (۲) ایک قسم کی خوشبو مرکب ۱۲

کرنے کے واسطے دیواروں میں حشیش یعنی گھاس (مثل خس وغیرہ کے) لگائی تو بھی مکروہ نہیں ہے اور مکروہ ان باتوں میں سے وہی ہے جو بقصد زینت ہو یہ ذخیرہ میں ہے اور دروازوں پر پردہ ڈالنا مکروہ ہے اس کو صریح امام محمدؒ نے سیر کبیر میں فرمایا ہے کیونکہ اس میں زینت وتکبر ہے اور حاصل یہ ہے کہ جو فعل بغرض تکبر کے ہو وہ مکروہ ہے اور اگر حاجت وضرورت کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں ہے اور یہی مختار ہے۔ یہ غیاثیہ میں ہے اور کسی جگہ ایسی چیز لٹکانا جس میں ذی روح کی تصویر ہو جائز نہیں ہے اور جس میں غیر ذی روح کی تصویر ہو اس کا لٹکانا جائز ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور آدمی کے واسطے جائز ہے کہ اپنے بیت میں صوف وکتان وروئی کے جیسے کپڑے چاہے فرش بچھائے خواہ وہ رنگین ہوں خواہ سادے ہوں خواہ نقشی ہوں یا بے نقشی ہوں یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اگر کسی شخص کے ساتھ خدمت کے واسطے خادم ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن یہ چاہیے کہ خادم سے اسی قدر خدمت لے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے اور اسی سے ہم نے کہا کہ اگر آدمی سوار ہو کر غلام کو جلو میں لے کر جائے تو جہاں چاہے جائے بشرطیکہ غلام یا پیادہ ساتھ چل سکتا ہو اور اگر اس سے یہ برداشت نہ ہو سکے تو ایسا مکروہ ہے یہ محیط میں ہے۔

غلام کی نشانی کے واسطے طوق یا بیڑی ڈالنا ☆

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ پیدلوں کو ساتھ لے کر سوار ہو کر چلنا جبھی مکروہ ہے کہ جب ریاء وتکبر مقصود ہو یہ ملتقط میں ہے اور مستحب ہے کہ نماز عشاء کے بعد غلام وباندی کو چھٹی دے دے تاکہ وہ سو رہے یا آرام لے لے اور مالک پر واجب ہے کہ مملوک کو نماز کے وقتوں میں کام میں نہ پھنسائے کیونکہ مملوک آدمی نماز کے حق میں اصلی آزادی پر باقی ہے یہ تاتارخانیہ میں حجہ سے منقول ہے اور مولیٰ پر واجب ہے کہ مملوک کو اس قدر فرصت دے کہ وہ قرآن شریف میں سے اس قدر سیکھ لے جس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے اور یہی حکم زوجہ کا ہے یہ قنیہ میں ہے۔ اور اپنے غلام کی گردن میں لوہے کا طوق ڈالنا مکروہ ہے اور بعض نے فرمایا کہ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اس زمانہ میں اکثر غلام خصوصاً ہندو غلام بھاگ جاتے ہیں اور پاؤں میں بیڑی ڈالنا مکروہ نہیں ہے یہ تمرتاشی میں ہے۔

اکیسواں باب ☆

اِس بیان میں کہ بنی آدم میں اور حیوانات میں کن کن جراحات کی گنجائش ہے اور حیوانات میں کس کا قتل کرنا روا ہے اور کس کی گنجائش نہیں ہے

فتاویٰ ابواللیث میں مذکور ہے کہ ایک عورت مر گئی اور وہ حاملہ تھی اور یقین ہوا کہ اس کے پیٹ کا بچہ زندہ ہے تو عورت مذکورہ کا پیٹ بائیں طرف سے چاک کیا جائے اسی طرح اگر گمان غالب یہ ہو کہ اس کے پیٹ کا بچہ زندہ ہے تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے۔ اور منقول ہے کہ ایسا فعل امام اعظمؒ کی اجازت سے کیا گیا تھا سو اس کا بچہ زندہ رہا یہ سراجیہ میں ہے اور بچہ وارث نہ ہوگا اگر ماں کے پیٹ میں پھڑکتا ہو کیونکہ پھڑکتا کبھی باۓ وخون مجتمع کی وجہ سے ہوتا ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔ اگر باکرہ عورت سے فرج کے سوائے دوسری جگہ سے جماع کیا گیا اور اس کو حمل رہ گیا بایں طور کہ نطفہ اس کے فرج میں ٹپک گیا پھر جب ایام ولادت قریب آئے تو اس کا پردہ بکارت انڈا ڈال کر یا درم کے کنارے سے توڑ دیا جائے گا کیونکہ بدون اس کے بچہ نہیں نکلے گا اور اگر کسی حاملہ کے پیٹ میں بچہ معترض ہو گیا یعنی بینڈا ہو کر چوڑان میں پڑ گیا اور لوگوں کو بچہ کے نکالنے کی کوئی راہ نہ معلوم ہوئی سوائے اس کے کہ بچہ کے عضو عضو

جدا کئے جائیں اور اگر ایسا نہیں کرتے ہیں تو ماں کی جان کا خوف ہے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر بچہ پیٹ کے اندر مر گیا ہو تو ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے اور اگر زندہ ہو تو ہم اس کو جائز نہیں دیکھتے ہیں کہ اس کا عضو عضو جدا کیا جائے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کسی عضو میں آکلہ پھیل گیا تو اس عضو کے کاٹ ڈالنے میں مضائقہ نہیں ہے تاکہ آگے نہ پھیلے یہ سراجیہ میں ہے۔ آکلہ (۱) کی وجہ سے ہاتھ کاٹ ڈالنے اور پیٹ میں جو چیز ہو اس کے باعث سے پیٹ چاک کرنے میں مضائقہ نہیں ہے یہ ملتقط میں ہے۔ اگر کسی مرد نے چاہا کہ زائد انگلی یا کوئی عضو دیگر قطع کرے تو شیخ نصیرؒ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو کہ جس شخص سے ایسا قطع کیا جائے وہ اکثر ہلاک ہو جاتا ہے تو ایسا نہیں کر سکتا ہے اور اگر اکثر بچ جاتا ہو تو اس کو قطع کرنے کی گنجائش ہوگی مرد یا عورت نے اپنے فرزند کی زائد انگلی قطع کی تو بعض مشائخ نے فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا اور ماں و باپ کو والایت حاصل ہے کہ اپنے بچہ کا معالجہ کریں اور یہی مختار ہے اور اگر سوائے ماں و باپ کے کسی دوسرے نے ایسا کیا اور بچہ مرا تو وہ ضامن ہوگا اور ماں باپ بھی جبھی ایسا کرنے کے مختار ہوں گے کہ جب اس فعل سے ہاتھ میں سستی آ جائے یا زخم متعدی ہو جانے کا خوف نہ ہو یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص کے بدن پر سلعہ[1] زائدہ ہے وہ اس کا قطع کرنا چاہتا ہے پس اگر اکثر اس کے قطع کرنے سے آدمی مر جاتا ہو تو ایسا نہ کرے ورنہ کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ خزانۃ المفتیین میں ہے۔ ایک جراح نے ایسی باندی خریدی جس کے سوائے سوراخ پیشاب کے دوسرا سوراخ[2] نہیں ہے تو اس کو رتق پھاڑ دینے کا اختیار ہے اگرچہ باندی مذکورہ دردناک ہو جائے یہ قنیہ میں ہے۔

اگر مثانہ میں پتھری پیدا ہو جائے تو مثانہ چاک کرنے میں مضائقہ نہیں ہے اور کیسانیات میں ہے کہ جراحات خوفناک و قروح عظیمہ و سنگ مثانہ وغیرہ ایسی چیزوں میں اگر یہ کہا جائے کہ آدمی کبھی بچ جاتا ہے اور کبھی مر جاتا ہے یا یہ کہا جائے کہ بچ جاتا ہے مرتا نہیں ہے تو چیر پھاڑ کا معالجہ کرنے میں مضائقہ نہیں ہے اور اگر کہا جائے کہ بالکل نہیں بچتا ہے تو ایسا علاج نہ کیا جائے بلکہ چھوڑ دیا جائے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس کٹہا کتا ہو جو اس طرف سے گذرتا ہے اس کو کاٹ کھاتا ہے تو اس گاؤں والوں کو اختیار ہے کہ اس کتے کو قتل کر ڈالیں اور اگر گاؤں والوں نے کتے والے سے اطلاع کر دی مگر اس نے اس کتے کو قتل نہ کیا پھر اس نے کسی آدمی کو کاٹا تو کتے والا ضامن ہوگا اور اگر کتے والے کو آگاہ کرنے سے پہلے اس کتے نے کسی کو کاٹا ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا یہ ینابیع و خلاصہ میں ہے ایک گاؤں میں بہت کتے ہیں اور گاؤں والوں کو ان سے ضرر پہنچتا ہے تو وہ لوگ کتے پالنے والوں سے کہیں کہ ان کو قتل کرو اور اگر وہ انکار کریں تو قاضی سے نالش کریں کہ قاضی ان لوگوں پر یہ لازم کر دے گا کہ اپنے اپنے کتے کو قتل کریں یہ محیط سرخسی میں ہے اور اضحیہ نوازل میں لکھا ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک کتا ہے حالانکہ اس کو اس کتے کی کوئی حاجت نہیں ہے اور اس کے پڑوسیوں کو کتے سے ضرر پہنچتا ہے پس اگر شخص مذکور نے اس کتے کو اپنے ملک میں باندھ رکھا تو پڑوسیوں کو اس کے منع کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اگر اس نے کوچہ میں چھوڑ دیا ہے تو وہ لوگ منع کر سکتے ہیں پس اگر اس نے مان لیا تو خیر ورنہ قاضی یا محتسب سے نالش کریں کہ وہ اس کو اس سے منع فرما دے اسی طرح اگر کسی نے گاؤں میں مرغی یا گدھی کا بچہ یا گائے کا بچہ پالا ہو تو اس میں بھی یہی دو صورتیں ہیں[3] یہ محیط میں ہے اور اجناس میں ہے کہ نہ چاہئے کہ آدمی کتا پالے الا اس صورت میں کہ اس کو چوروں وغیرہ سے خوف ہو اسی طرح شیر و چیتا و کفتار و سب درندہ جانوروں کا یہی حکم ہے اور یہ بقیاس قول امام ابو یوسفؒ ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ حراست کے واسطے کتا

---

[1] سلعہ بدن میں گرو ہد گوشت کی پڑ جاتی ہے شاید ہندی میں اس کو تھوڑی کہتے ہیں واللہ اعلم [2] هذا التفسير على طور الفقهاء ۱۲ منہ

[3] قال المترجم اور فرق دونوں میں یہ ہے کہ مخلص اول جس نے بے ضرورت کتا پالا ہے وہ بے ضرورت پالنے کی وجہ ہر روز اپنی پانچ نیکیاں کم کرتا ہے اور پڑوسیوں کو تنگ کرنے سے گنہگار ہوتا ہے اور دوسرا ایسا نہیں ہے ۱۲ منہ

(۱) یعنی گوشت میں پھیلتا چلا جاتا ہے اور کھائے جاتا ہے ۱۲

رکھنا شرعاً جائز ہے اسی طرح شکار کرنے کے واسطے مباح ہے۔ اسی طرح حفاظت زراعت و مواشی کے واسطے جائز ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنا کتا ذبح کیا یا گدھا ذبح کیا تو اس میں سے اپنی بلی کو کھلانا جائز ہے اور اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے سور یا مردار میں سے اس کو کھلا دے یہ سراجیہ میں ہے۔ بلی اگر موذی ہو تو نہ ماری جائے اور نہ اس کی گوشمالی کی جائے بلکہ تیز چھری سے ذبح کر دی جائے یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک شخص نے کسی چوپایہ سے وطی کی تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر یہ چوپایہ اسی کی ملک ہو تو اس سے کہا جائے گا کہ اس کو ذبح کر کے جلائے اور اگر اس کی نہ ہو تو چوپایہ کے مالک کو اختیار ہے کہ وطی کرنے والے کو بقیمت دے دے پھر وطی کرنے والا اس کو ذبح کر کے جلا دے گا اور یہ اس وقت ہے کہ وہ ایسے جانوروں سے نہ ہو جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور اگر ایسے جانوروں میں سے ہو جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو ذبح کی جائے گی اور جلائی نہ جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اجناس میں ہمارے اصحاب سے مروی ہے کہ ذبح کر کے استحساناً جلا دی جائے گی لیکن اس فعل سے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے وہ جانور حرام نہیں ہو جاتا ہے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے اور ٹیڑی کو قتل کرنے میں مضائقہ نہیں ہے کیونکہ وہ شکار ہے کھانے کے واسطے اس کا مار ڈالنا روا ہے تو دفعہ ضرر کے واسطے بدرجۂ اولیٰ روا ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے مگر اس کا جلانا مکروہ ہے یہ سراجیہ میں ہے اور چیونٹی کے قتل میں اختلاف ہے اور مختار یہ ہے کہ اگر اس نے ایذا رسانی شروع کی یعنی جس وقت اس نے ایذا پہنچائی تو اس کے قتل میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس نے ایذا رسائی نہ کی ہو تو اس کا قتل مکروہ ہے۔ اور بالاتفاق اس کا پانی میں ڈالنا مکروہ ہے اور جوں کا مارنا ہر حال میں جائز ہے یہ خلاصہ میں ہے اور جوں و بچھو کا آگ سے جلانا مکروہ ہے اور جوں کو زندہ پھینک دینا مباح ہے لیکن براہ ادب مکروہ ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر غازیوں نے دار الحرب میں بچھو پایا تو اس کو قتل نہ کریں لیکن اس کا ڈنک اپنے بچاؤ کے واسطے نکال دیں اور قتل نہ کریں کہ اس کے قتل کرنے میں اس کی نسل جاتی رہے گی اور کفار سے ضرر دفع ہو جائے گا اور اس میں کفار کا فائدہ ہے اسی طرح اگر دار الحرب میں اپنے فرودگاہ میں سانپ پایا پس اگر اس کے دانت کو توڑ سکیں تو دانت توڑ کر چھوڑ دیں تا کہ اپنے حق میں ضرر نہ پہنچے اور اس کو قتل نہ کریں کہ اس میں قطع نسل ہے اور اس میں کافروں کو منفعت ہے حالانکہ ہم لوگ ان کی ضرر رسانی کے واسطے مامور ہیں اور زنبور و حشرات الارض کا تعلق کرنا آیا ابتداً بدون ان کی ایذا رسانی کے شرعاً مباح ہے اور آیا ثواب ملے گا تو فرمایا کہ ثواب نہیں ملے گا لیکن درصورت ایذاء ان کو قتل کرنا روا ہے اور بدون ایذاء کے تامل ہے۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ ان میں کسی کے قتل سے تعرض نہ کرے یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے اور ایک چیونٹی کی وجہ سے تمام چیونٹیوں کا گھر پھونک دینا مباح نہیں ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔ پیلہ آفتاب میں ڈالنا کہ کیڑے مر جائیں روا ہے کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اس میں آدمیوں کا نفع ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ مچھلی آفتاب میں ڈال دی جاتی ہے تا کہ مر جائے حالانکہ مکروہ نہیں ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

دنبہ کی چکتی کاٹ ڈالنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے جب کہ اس کی دم سے چھوٹ کر لٹک پڑی ہو اور دنبہ کو چلنے سے باز رکھتی ہو کہ چل کر گلے سے مل جائے اور پیچھے رہنے میں بھیڑیئے کا خوف ہو۔ اسی طرح اگر گدھا بیمار ہوا اور اس سے نفع حاصل کرنے کے لائق نہ رہا تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ اس کو ذبح کر دے تا کہ اس کی تیمارداری سے راحت پائے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے کشتی میں آگ لگ گئی اور لوگوں نے گمان غالب کیا کہ اگر ہم لوگ دریا میں کود پڑیں تو پیر کر نجات پائیں گے تو ان پر واجب ہے کہ کود پڑیں اور اگر یہ پیش آیا کہ اگر کشتی میں رہتے ہیں تو جلیں گے اور اگر دریا میں کودتے ہیں تو ڈوبیں گے تو ان کو اختیار ہے چاہیں کشتی میں پڑے رہیں یا دریا میں کود پڑیں۔ اور جس شخص نے اپنے آپ کو قتل کیا اس کا گناہ بہ نسبت دوسرے کو قتل کرنے کے زیادہ ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ اعوان یعنی سلطانی سرہنگوں کو اور سعاۃ کو یعنی جو لوگ سلطان و سرہنگوں سے لوگوں کا مال ناحق لینے پر لگائی بجھائی کرتے ہیں اور ظلمہ یعنی ظالم

حاکموں کو ایامِ فترت یعنی فتور حکومت ہو بوجہ عذر وغیرہ کے ایسے وقت میں قتل کرنا کیسا ہے تو بہت سے مشائخ نے ان لوگوں کا قتل مباح ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور امام صفارؒ سے منقول ہے کہ شیخ جصاصؒ نے حکام القرآن میں یہ فقرہ وارد کیا ہے کہ جو شخص لوگوں پر ضریبہ باندھے یعنی ناحق محصول مقرر کردے اس کا خون حلال ہے اور سید امام ابوشجاع سمرقندی فرماتے تھے کہ ان لوگوں کا قتل کرنے والا ثواب پائے گا اور فتویٰ دیتے تھے کہ سرہنگ سلطانی کافر ہوتے ہیں اور ایسا ہی قاضی عماد الدین بھی ان کے کفر کا فتویٰ دیتے تھے مگر ہم ان کے کفر کا فتویٰ نہیں دیتے ہیں یہ محیط میں ہے۔ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر فتنہ واقع ہو یعنی عذر و قتال وغیرہ تو آدمی کو چاہئے کہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے پھر اگر اس کے گھر میں کوئی شخص گھس گیا اور اس کو قتل کر کے اس کا مال لے لینا چاہا تو اس سے قتال کرے اور اگر مارا گیا تو ہم امید کرتے ہیں کہ وہ شہید ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اور باز کو زندہ پرندے سے سکھلانا کہ وہ زندہ کو پکڑ کر کھا جائے مکروہ ہے اور اگر ذبح کر کے اس سے سکھائے تو مضائقہ نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

بائیسواں باب ☆

اولاد کا نام و کنیت رکھنے اور عقیقہ کے بیان میں

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناموں سے عبداللہ و عبدالرحمٰن دو نام بہت پسند ہیں۔

قال المترجم ☆

ہذا لفظ الحدیث لیکن اس زمانہ میں ان ناموں کے سوائے دوسرے نام رکھنا اولیٰ ہے کیونکہ عوام لوگ پکارنے میں ان ناموں کی تصغیر کرتے ہیں اور جو نام اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پائے جاتے ہیں جیسے علی و کبیر و رشید و بدیع وغیرہ ان ناموں پر نام رکھنا جائز ہے کیونکہ یہ نام مشترک ہیں اور بندوں کے حق میں ان ناموں سے جو مراد ہوتی ہے وہ معنی نہیں مراد ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنے میں مراد ہوتے ہیں یہ سراجیہ میں ہے اور فتاویٰ میں لکھا ہے ایسا نام رکھنا جس کو اللہ نے اپنے بندوں میں سے کوئی اس نام کا نہیں ذکر فرمایا اور نہ رسول اللہ ﷺ نے ذکر فرمایا ہے اور نہ مسلمانوں نے استعمال کیا ہے مختلف فیہ ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ ایسا نام نہ رکھے یہ محیط میں ہے۔

مردہ بچہ کی ولادت پر نام رکھنے کی بابت اختلاف ☆

اگر مردہ بچہ پیدا ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کا نام نہ رکھا جائے اور امام محمدؒ نے خلاف کیا ہے اور جس شخص کا نام محمد ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ وہ ابوالقاسم اپنی کنیت رکھے اور یہ جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو سو یہ منسوخ ہے اس واسطے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے بیٹے محمد بن الحنفیہ کی کنیت ابوالقاسم رکھی تھی یہ سراجیہ میں ہے۔ اور اگر کسی نے اپنے نابالغ بیٹے کی کنیت ابوبکر وغیرہ رکھی تو صحیح یہ ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ لوگ اس میں تفاول نیک یوں سمجھتے ہیں کہ یہ لڑکا عنقریب ثانی الحال میں بکر کا باپ ہو جائے گا اور یہ مراد نہیں ہوتی ہے کہ وہ فی الحال ایسا ہی ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور یہ مکروہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کو نام لے کر پکارے یا عورت اپنے شوہر کو نام لے کر پکارے یہ سراجیہ میں ہے۔ پسر و دختر کی طرف سے عقیقہ کرنا یعنی ولادت سے ساتویں روز بکری ذبح کر کے لوگوں کی ضیافت کرنا اور بچے کے بال اتروا دینا سو یہ مباح ہے نہ سنت ہے نہ واجب ہے یہ وجیز کردری میں ہے اور امام محمدؒ نے عقیقہ کے حق میں ذکر کیا ہے کہ جس کا جی چاہے کرے جس کا جی نہ چاہے نہ کرے اور اس سے مباح ہونے کی طرف اشارہ ہے پس سنت ہونے سے مانع ہے اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ نہ پسر کی

طرف سے عقیقہ کیا جائے اور نہ دختر کی طرف سے اور یہ کراہت کی طرف اشارہ ہے یہ بدائع کی کتاب الاضحیہ میں ہے۔

بیسواں باب ☆

غیبت اور حسد اور غیمہ و مدح کے بیان میں

ایک شخص نے کسی شخص کی برائیاں غم خواری کے ساتھ بیان کیں تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس نے اس سے بدگوئی و نقصان حرمت کا قصد کیا تو مکروہ ہے اور اگر کسی نے غیبت میں اہل نواح و اہل قریہ کی غیبت کی تو یہ غیبت نہیں ہے جب تک کہ کسی قوم معروف[1] کا نام نہ لے یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر ایک شخص روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو مگر لوگوں کو اپنے ہاتھ و زبان سے تکلیف دیتا ہو تو جس حالت میں وہ ہے اس کا ذکر کرنا غیبت نہ ہوگی اور اگر سلطان کو اس کی خبر کر دی تا کہ سلطان اس کو زجر کرے تو خبر دینے والے پر گناہ نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

زید نے عمرو کو ایک کپڑا عاریت یا کچھ درم قرض تین روز کے وعدے پر دیئے مگر عمرو نے اس کو چند روز تک نہ دیا اور بہت تاخیر کی پس زید نے لوگوں کے سامنے اس کو خائن و کذاب بیان کیا تو اس میں معذور رکھا جائے گا یہ قنیہ میں ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حسد نہیں روا ہے الا دو میں ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرتا ہے اور ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اور وہ لوگوں کو سکھلاتا ہے اور اس کے ساتھ حکم دیتا ہے یہ حدیث بظاہر اس بات کی دلیل ہے کہ ان دو میں حسد مباح ہے کیونکہ یہ تحریم سے استثناء ہے اور تحریم سے استثناء اباحت ہوتا ہے اور شیخ الاسلام نے کہا کہ ایسا نہیں ہے جیسا مقتضائے ظاہر حدیث ہے اور حسد ان دو میں بھی حرام ہے جیسا ان دونوں کے سوائے اور باتوں میں حرام ہے اور معنی حدیث کے یہ ہیں کہ انسان کو نہ چاہئے کہ غیر پر حسد کرے اور اگر حسد ہی کرے تو ان دونوں میں حسد کرے نہ اس وجہ سے کہ ان دونوں میں حسد مباح ہے بلکہ ایک اور بات کی وجہ سے وہ یہ ہے کہ انسان دوسرے پر عادۃً جبھی حسد کرتا ہے جب دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھتا ہے پس اپنے واسطے اس نعمت کی تمنا کرتا ہے اور ماسوائے ان دونوں کے اور امور دنیا نعمت نہیں ہیں اس لئے کہ ان کا مال اللہ تعالیٰ کی نارضامندی ہے اور نعمت وہ ہے جس کا مال اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو اور یہ دونوں ایسے ہیں جن کا مال اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے پس یہ دونوں نعمت ہیں اور ان دونوں کے سوائے جو ہیں وہ نعمت نہیں ہیں اور واضح ہو کہ ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ حسد جس کی برائی حدیث میں بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ غیر کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے اور میرے پاس آ جائے اور اگر اس نے فقط یہ تمنا کی کہ میرے پاس یہ نعمت آ جائے تو اس کو حسد نہیں کہتے ہیں بلکہ غبطہ ہے اور شیخ الاسلام فرماتے تھے کہ اگر بعینہ یہ نعمت اپنے واسطے تمنا کرے تو یہ ہی حرام مذموم ہے اور اگر اس کے مثل اپنے واسطے تمنا کرے تو مضائقہ نہیں ہے اور شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ حدیث کے یہ معنی ہیں کہ حسد مذموم ہے حسد کرنے والے کو ضرر پہنچاتا ہے سوائے ان دونوں کے جن کو حدیث میں استثناء کیا ہے کہ ان میں محمود ہے کیونکہ در حقیقت حسد نہیں بلکہ غبطہ ہے اور حسد یہ ہے کہ حاسد یہ تمنا کرے کہ جس پر حسد کرتا ہے اس سے یہ نعمت جاتی رہے اور اس کے واسطے تکلف کرے اور یہ اعتقاد کرے کہ یہ نعمت بے موقع یعنی بے جگہ ہے اور غبطہ کے یہ معنی ہیں کہ اپنے واسطے اس کے مثل نعمت کی تمنا کرے بدون اس کے کہ تکلف کرے اور غیر سے اس نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرے یہ محیط میں ہے۔ کسی شخص کی تعریف کرنا تین طرح پر ہے اول یہ کہ اس

[1] یعنی بطور معرفہ ان کی شناخت ہو جائے کہ فلاں فلاں ۱۲ منہ

کے بر رو تعریف کرے اور اسی سے ممانعت کی گئی ہے دوم یہ کہ اس کے سامنے تعریف نہ کرے مگر یہ جان کر کہ میری تعریف کی خبر اس کو پہنچ جائے گی پس یہ ممنوع ہے اور سوم یہ کہ اس کی پیٹھ پیچھے تعریف کرے اور یہ پروا نہ ہو کہ اس کو یہ خبر پہنچے گی یا نہ پہنچے گی اور تعریف بھی اسی قدر کرے جو بات اس میں موجود ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ غرائب میں ہے۔

چوبیسواں باب ☆

حمام میں داخل ہونے کے بیان میں

عورتوں کے حمام میں داخل ہونے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ فقط عورتیں ہی ہوں کیونکہ عام بلوی ہے اور جب داخل ہوں تو ازار کے ساتھ داخل ہوں یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور بدون ازار کے عورتوں کا حمام میں داخل ہونا حرام ہے یہ سراجیہ میں ہے اگر مرد بدون ازار کے حمام میں داخل ہو تو حرام ہے اور اگر یہ امر اس کی عادت ہو تو گواہی [1] میں اس کی تعدیل نہ ہوگی اور اس سے یہ مراد (۱) ہے کہ اس کا اس فعل سے رجوع کرنا و توبہ کرنا ثابت نہ ہوا ہو اور نہ سقوط عدالت کے واسطے عادت ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ایک مرتبہ بھی حمام میں بلا ازار داخل ہوا تو عدالت ساقط ہو جانے کے واسطے کافی ہے یہ غرائب میں ہے۔ اور اگر کسی نے نہانا چاہا تو لنگی دور کر کے ننگا نہ ہو جائے اگرچہ تنہا ہو اور اگر ایسا کیا تو مکروہ ہے یہ قنیہ میں ہے اور شیخ ابونصر دبوسیؒ نے فرمایا کہ اگر آب رواں وغیرہ میں حالت تنہائی میں اس نے ننگے ہو کر غسل کیا تو مکروہ نہیں ہے یہ غرائب میں ہے اور ترک کے حمام میں جانا آدمیت سے نہیں ہے۔ یہ وجیز کردری میں ہے۔ حمام میں اعضاء کا دبوانا بلا ضرورت مکروہ ہے اور فتاویٰ اہل سمرقند میں ہے کہ مجموع النوازل میں لکھا ہے کہ ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے دبوانا مباح ہے اور ناف و گھٹنے کے بیچ میں مباح نہیں ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ دو شرطوں کے ساتھ اس میں مضائقہ نہیں ہے ایک یہ کہ خادم اس کی داڑھی نہ دھوئے اور دوم اس کے پاؤں نہ دابے یہ متفرقات ذخیرہ میں ہے۔

اگر حمام میں ازار کھول کر ننگے ہونے کی کوئی جگہ مقرر ہو تاکہ ازار دھو کر نچوڑے پس اس جگہ ایسا کیا تو مضائقہ نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے اور عین الائمہ کرابیسی نے فرمایا کہ اگر کسی نے حمام میں اپنی لنگی نچوڑنے کا قصد کیا اور اس کے پاس دوسری ازار نہیں ہے تو اس پر نچوڑنا واجب نہیں ہے لیکن اس پر پانی بہائے اور اسی قدر اس کے واسطے کافی ہوگا اور یہ حکم امام ابو یوسفؒ سے روایت کیا گیا ہے یہ قنیہ میں ہے۔ اگر حمام کے بیت صغیر میں ازار نچوڑنے کے واسطے ننگا ہو گیا یا ناف کے بال مونڈنے کے واسطے ننگا ہوا تو بعض نے فرمایا کہ مضائقہ نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ گنہگار ہوگا اور بعض نے کہا کہ ذرا دیر کے واسطے جائز ہے یہ غرایب میں ہے۔

پچیسواں باب ☆

بیع اور غیر کے مول ٹھہرانے پر خود مول ٹھہرانے کے بیان میں

آدمی کو چاہئے کہ جب تک خرید و فروخت کے احکام نہ جانے کہ کون سی صورت اس میں جائز ہے اور کون نہیں جائز ہے تب تک تجارت میں مشغول نہ ہو یہ سراجیہ میں ہے۔ اور اس کو حلال نہیں ہے کہ اپنے شریک سے دریافت کرنے سے پہلے فروخت کرے بلکہ شریک کو آگاہ کرے خواہ وہ لے یا نہ لے اور ہمارے اصحاب کے نزدیک یہ ندب پر محمول ہے اور شریک کو آگاہ کرنے سے پہلے بیچنا

---

[1] یعنی اگر اس نے گواہی ادا کی اور تزکیب کے وقت یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص بلا ازار حمام میں جایا کرتا ہے اس سے اس نے توبہ نہیں کی ہے تو اس کی تعدیل نہ ہوگی یعنی گواہ عادل قرار نہ دیا جائے گا ۱۲ منہ (۱) یعنی عادت ہونے سے ۱۲

مکروہ ہے یعنی یہ جو فرمایا کہ حلال نہیں ہے اس سے یہ مراد ہے کہ مندوب نہیں ہے۔

قال المترجم ☆

وعلی ہذا مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہوگا واللہ اعلم۔ مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے شیخؒ سے دریافت کیا کہ جو چیز بازار سے خریدی جاتی ہے اور بیقین معلوم ہے کہ بازاری لوگ ترکون سے اور ایسے لوگوں سے جن کا اکثر مال حرام ہے خرید فروخت کرتے ہیں اور ان لوگوں میں باہم سود و عقود فاسدہ جاری ہیں تو اس کا کیا حال ہے تو فرمایا کہ یہاں[1] تین صورتیں ہیں جس مال موجود کی نسبت اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اس کو ان لوگوں نے ظلم کے ساتھ غیر سے لیا ہے اور بازار میں فروخت کرتے ہیں تو اس کو خریدنا نہ چاہئے اگرچہ وہ دست بدست ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں چند بار خرید فروخت ہو کر پہنچ گیا ہو دوم یہ کہ یوں جانے کہ مال حرام بعینہ قائم ہے لیکن وہ مال غیر سے مخلوط ہو گیا ہے اس طرح کہ اس کی تمیز نہیں ہو سکتی ہے تو بنا بر اصل امام اعظمؒ کے خلط کی وجہ سے اس کی ملک میں داخل ہو جائے گا لیکن اس سے خریدنا نہ چاہے جب تک کہ وہ اپنے خصم کو عوض دے کر راضی نہ کرے اور اگر اس سے خرید لیا تو کراہت کے ساتھ اس کی ملک میں آ جائے گا اور سوم یہ کہ یہ معلوم ہو کہ غصب کیا ہوا یا بطور سود وغیرہ کے لیا ہوا مال عین باقی نہیں رہا ہے اور بائع دوسری چیز کو فروخت کرتا ہے تو جو شخص ایسا جانتا ہے اس کو ایسے بائعوں سے خریدنا جائز ہے اور یہ سب جو بیان ہوا فتویٰ کے واسطے طریقہ بیان ہوا ہے اور اگر کسی سے ممکن ہو سکے کہ ان لوگوں سے کچھ نہ خریدے تو اولیٰ یہ ہے کہ ان لوگوں سے کچھ نہ خریدے اور شاید یہ بات بلاد عجم میں متعذر نہیں ہو سکتی ہے اور میں نے سنا کہ بلاد عرب میں ایک خاص بازار ہوتا ہے جس میں فقط حلال فروخت ہوتا ہے اور ایک بڑا بازار ہوتا ہے جس میں ہر چیز فروخت ہوتی ہے پس جو شخص خریدار حلال میں سے کچھ خریدنا چاہے تو وہ لوگ اس کے ہاتھ فروخت نہیں کرتے ہیں الا اس صورت میں کہ اس کا مال حلال ہو اور اگر عوام میں سے کسی شخص نے ان کے ساتھ تجارتی معاملہ کرنا اور ان کے ساتھ خرید و فروخت چاہی تو وہ لوگ اس کو حکم کرتے ہیں کہ اپنا سب مال صدقہ کر دے پھر اس کو زکوٰۃ کے مال سے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مال سے ہمارے ساتھ تجارت کرے اور اس کا نام کتاب میں لکھ لیتے ہیں کہ اس کا اصل مال حلال ہے اس نے فلاں فلاں سے زکوٰۃ کا مال لیا ہے پھر اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں اور فی الجملہ بات یہ ہے کہ بلاد عجم میں طلب حلال بہت دشوار ہے چنانچہ ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ اس زمانہ میں تو اپنے اوپر یہ لازم کر لے کہ حرام محض کو چھوڑ دے کیونکہ شبہ سے خالی تو تجھ کو کوئی چیز نہ ملے گی یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے۔

بوقت فروختگی اپنی چیز کے دام بڑھانے کی خاطر اُس کی تعریف میں مبالغہ کرنا ☆

زید کا گمان غالب یہ ہے کہ بازار والوں کی بیع کے اکثر معاملات فاسد ہونے سے خالی نہیں ہیں پس اگر غلبہ حرام[(1)] کو ہو تو اس کے خریدنے سے پرہیز کرے لیکن باوجود اس کے اگر اس نے خرید اتو بائع نے جو چیز بطور فاسد خریدی تھی وہ اس مشتری کو حلال ہو گی جب کہ اس کا عقد اخیر صحیح ہو یہ قنیہ میں ہے۔ اگر کوئی چیز خریدی پھر اس نے بعد خرید کے واپس لی تو جس صورت میں مخالف عادت ورسم نہ ہو جائز ہے یہ سراجیہ میں ہے اور امام ابو حنیفہؒ اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ بیع کے وقت کوئی شخص اپنے سلعہ یعنی مال ومتاع کی تعریف کرے یہ ملتقط میں ہے اور تاجر کے واسطے مستحب ہے کہ اس کو اس کی تجارت ادائے فرائض سے غافل نہ کرے پس جب نماز کا وقت آئے تو تجارت کو چھوڑ دینا چاہئے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ جس کپڑا بیچنے و بیان نہ کرنے میں مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس کا گمان یہ ہو کہ مشتری اس سے نماز پڑھے گا تو مستحب یہ ہے کہ اس کو بیان کر دے یہ غرائب میں ہے نوازل میں ہے کہ شیخ نصیرؒ

[1] بکذا فی النسخۃ الموجودہ ۱۲ (۱) یعنی زیادہ معاملات حرام ہوں اور تھوڑے حلال صحیح ہوں ۱۲

سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے یہودی یا نصرانی یا غلاموں کے بدن کی پرانی پوستین خریدی اور اس پر کوئی اثر نجاست کا نہیں دیکھتا ہے پھر اس کو اس نے بغیر دھوئے ہوئے استعمال کیا تو فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اس کو یہ گنجائش ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ قاضی خان میں ہے کہ چڑی بار سے عصافیر خرید کران کا چھوڑنا جائز ہے بشرطیکہ یہ کہہ دے کہ جو شخص پکڑے اسی کی ہیں اور چھوڑ کر اپنے ملک سے باہر نہ کرے اور شیخ برہان الدینؒ نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے کیونکہ اس میں مال کا ضائع کرنا ہے یہ قنیہ میں ہے۔ باندی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جو اس کا استبراء نہ کرے گا یا جس جگہ جماع کرنا چاہئے یعنی فرج کے سوائے بے جگہ یعنی دبر سے جماع کرے گا روا ہے[1] یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک باندی خریدی اور اس کے دودھ ہے پس اس کو دائی گیری پر اُجرت پر دیا تو اس کو اختیار رہے گا کہ اس باندی کو مرابحہ سے فروخت کرے ایک شخص نے ایک باندی فروخت کی پھر مشتری نے خریدنے سے انکار کیا و بائع کے پاس گواہ نہیں ہیں تو باندی مذکورہ سے وطی نہ کرے گا الا اس صورت میں کہ خصومت ترک کر کے مشتری کی قسم پر راضی ہو جائے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے بطور بیع فاسد کے ایک باندی خریدی تو مشتری پر اس سے وطی کرنا حرام نہیں ہے لیکن مکروہ ہے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے یتیمہ میں ہے کہ شیخ علی بن احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شہر یا گاؤں والوں نے ان بانٹوں کو جن سے درم وریشم تولا جاتا ہے بڑھا دیا مگر ایسا بڑھایا کہ اور شہروں کے بانٹوں سے موافق نہ رہے ان کے برخلاف زیادتی کر دی اور خود باہم ان بانٹوں سے خرید فروخت کرنے پر مدار رکھا مگر بعض ان گاؤں والوں میں سے ان کے موافق ہو گئے اور بعضوں نے موافقت نہ کی پس آیا زیادتی کرنے والوں کو اس زیادتی کا اختیار ہے تو فرمایا کہ نہیں پھر دریافت کیا گیا کہ اگر سب لوگ اس زیادتی پر جو اور شہروں کے بانٹوں سے مخالف ہے اتفاق کر لیں تو کیا حکم ہے فرمایا کہ پھر بھی یہی (۱) حکم ہے ایک شخص کو اناج خریدنے کے واسطے وکیل کیا اس نے شکستہ سو درم کو خرید کر موکل کو اس سے آگاہ کر دیا مگر موکل نے اس کو درست سو درم دیئے پس وکیل نے ان کے عوض شکستہ دراہم خرید کر سو درم بائع کو دے دیئے تو جس قدر زیادتی باقی رہے گی وہ وکیل کو حلال ہے اور اگر بجائے وکیل کے مضارب ہو تو اس کو حلال نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ فقیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے دس درم کو ایک کپڑا خریدا اور ایک دانگ (۲) ارجح دیا تو فرمایا کہ بائع کو قبول کرنا نہ چاہئے جب تک مشتری یہ نہ کہے کہ تجھے حلال ہے یا تجھے دیا یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی نے گوشت یا مچھلی یا پھلوں میں سے کچھ خریدا اور مشتری چلا گیا اور اس نے آنے میں دیر لگائی اور بائع کو خوف ہوا کہ یہ چیز بگڑ جائے گی تو بائع کو اختیار ہے کہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے اور دوسرے کو اس سے خریدنا حلال ہوگا اگر ایک شخص بیمار ہوا اور اس کے بیٹے یا باپ نے بدون اس کے حکم کے مریض کی ضرورت کی چیز اس کے لیے خریدی تو جائز ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ اور حلالہ یعنی انثیٰ جس کی پلیدی کھانے کی عادت ہے اور چھوٹی مرغی کی بیع جب تک اس میں بدبو باقی ہو مکروہ ہے۔ اور شہاب الدین آمالی نے فرمایا کہ ایک شخص کے پاس صاف بے مٹی ملے گیہوں ہیں پس اس نے چاہا کہ میں فروخت کے واسطے اس میں اس قدر مٹی ملا دوں جیسے عادت کے موافق گیہوں میں ہوا کرتی ہے تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک بائع سے ایک باندی خریدی مگر وہ بائع کے سوائے دوسرے کی ہے یا کپڑا خریدا جو بائع کے سوائے دوسرے کا ہے پھر مشتری نے اس باندی سے وطی کی یا وہ کپڑا پہنا حالانکہ اس کو اس کا علم نہیں ہے پھر معلوم ہوا پس آیا مشتری پر کچھ گناہ ہوگا تو امام محمدؒ سے مروی ہے کہ جماع کرنا و پہننا حرام ہے لیکن مشتری کے ذمہ سے گناہ ساقط ہوگا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وطی حلال ہے اور اس کو باندی ~~سے جماع~~ کرنے میں ثواب[2] ملے گا اور اگر کسی عورت سے

---

[1] اور بنا بر قول صاحبین رحمہ اللہ کے مکروہ ہے ۱۲ [2] یعنی جیسے اپنی بیوی کے ساتھ وطی حلال سے آدمی کو مستحب ثواب ملتا ہے ویسے ہی یہاں ہے ۱۲

(۱) یعنی نہیں جائز ہے ۱۲ (۲) یعنی تول میں بڑھا دیا ۱۲

نکاح کیا پھر معلوم ہوا کہ وہ غیر کی منکوحہ ہے حالانکہ شوہر ثانی نے اس سے وطی کر لی ہی تو اس مسئلہ میں بھی اختلاف مذکور واجب ہے یہ محیط میں ہے۔ لوہے و پیتل وغیرہ ایسی چیزوں کی انگوٹھی بیچنا مکروہ ہے اور کھانے کی مٹی بیچنا مکروہ ہے یہ قنیہ میں ہے۔ اگر کسی شہر والوں نے روٹی و گوشت کا بھاؤ مقرر کر لیا اور یہ بات اس شہر والوں میں شائع ہو گئی پھر ایک شخص نے شہر والوں میں سے ایک درم کی روٹی یا گوشت خریدا اور بائع نے اس کو بھاؤ سے کم دیا اور مشتری کو یہ معلوم نہیں پھر اس کو معلوم ہوا تو اس کو اختیار ہو گا کہ بقدر نقصان کے واپس لے کیونکہ جو بات معروف ہو وہ مثل مشروط کے ہے اور اگر مشتری اس شہر والوں میں سے نہ ہو تو اس کو اختیار ہو گا کہ روٹی کا نقصان واپس لے مگر گوشت کا نقصان نہیں لے سکتا ہے یہ تبیین میں ہے۔

چھبیسواں باب ☆

اس بیان میں کہ ایک شخص سفر کرنا چاہتا ہے اور اس کو اس کے دونوں والدین نے یا ایک نے یا ان کے سوائے دوسرے اقارب نے منع کیا یا قرض خواہوں نے روکا یا غلام نکلنا چاہتا ہے اس کو اس کے مولیٰ نے منع کیا

عورت سفر کرنا چاہتی ہے اس کو اس کے شوہر نے منع کیا ☆

بالغ بیٹا اگر ایسا فعل کرنا چاہتا ہو کہ جس میں دین کی راہ سے ضرر نہیں ہے اور نہ والدین کا کوئی گناہ ہے مگر اس کے والدین اس فعل کو مکروہ جانتے ہیں یعنی برا سمجھتے ہیں تو اجازت لینا ضروری ہے بشرطیکہ اس کو اس فعل کے نہ کرنے کا چارہ ہو۔

قال المترجم

یعنی اگر ایسا فعل ہو کہ ناچار کرنا پڑے تو بلا اجازت بھی کرے گا فافہم۔ اگر دونوں والدین کے پورے حقوق کی مراعات متعذر ہو مثلاً اس کے ماں میں و باپ میں رنجش ہو کہ ایک کی مراعات سے دوسرا رنجیدہ ہو تو جو امور تعظیم و احترام کی طرف راجع ہیں ان میں باپ کو ترجیح دے اور جو امور خدمت و انعام کی طرف راجع ہیں ان میں ماں کی رعایت رکھے اور علاء الائمہ حمامی سے منقول ہے کہ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ احترام میں باپ کو ماں سے مقدم رکھے اور ماں کو خدمت میں مقدم رکھے پس اگر وہ بیت کے اندر بیٹھا ہو اور دونوں اس کے پاس آئے تو باپ کی تعظیم کے واسطے کھڑا ہو جائے اور اگر دونوں نے اس سے پانی طلب کیا اور دونوں میں سے کسی نے خود اس کے ہاتھ سے نہ لیا تو پہلے ماں کو دے دے یہ قنیہ میں ہے۔

امام محمدؒ نے سیر کبیر میں فرمایا کہ اگر کسی شخص نے سوائے جہاد کے تجارت یا حج یا عمرہ وغیرہ کے واسطے سفر کرنے کا قصد کیا اور اس کے والدین نے اس کو مکروہ جانا پس اگر دونوں کے ضائع ہونے اور بربادی کا خوف ہو مثلاً دونوں تنگدست ہوں اور دونوں کا نفقہ اسی کے ذمہ ہو اور مال اس کا اس قدر نہیں ہے کہ ان دونوں کا نفقہ بھی دے اور زاد و راحلہ بھی دے تو یہ شخص بدون ان دونوں کی اجازت کے سفر نہیں کر سکتا ہے خواہ اس سفر کرنے والے لڑکے کی نسبت اس سفر میں ہلاکت کا خوف ہو مثلاً دریا میں کشتی پر جانا چاہتا ہے یا سخت سردی میں جنگل میں پڑ کر خشکی خشکی جانا چاہتا ہے یا اس سفر میں ولد مذکور کی نسبت ہلاکت کا خوف نہ ہو اور اگر فرزند کو اپنے والدین کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہو مثلاً دونوں خوش حال ہوں اور ان کا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہو پس اگر ایسا سفر ہو کہ اس میں فرزند کی

نسبت ہلاکت کا خوف نہ ہوتو فرزند کو اختیار ہوگا کہ بدون دونوں کی اجازت کے سفر کو چلا جائے اور اگر ایسا سفر ہو کہ اس میں فرزند کی نسبت ہلاکت کا خوف ہوتو بدون ان کی اجازت کے نہیں جا سکتا ہے اجازت لے کر جائے یہ ذخیرہ میں ہے۔اسی طرح اگر طلب نفقہ کے واسطے پردیس کو جانا چاہا تو بھی ایسا ہی حکم ہے کہ اگر اس سفر میں اس کی نسبت ہلاکت کا خوف نہ ہوتو بمنزلہ سفر تجارت کے ہے اور اگر اس کی ہلاکت کا خوف ہوتو بمنزلہ سفر جہاد کے ہے یہ حکم اس وقت ہے کہ تجارت کے واسطے اسلام کے شہروں میں سے کسی شہر کو جانا چاہا ہو اور اگر دشمن کے ملک یعنی دارالحرب میں امام لے کر جانا چاہا اور والدین نے اس کے سفر کو مکروہ جانا پس اگر کوئی بات ایسی نہ ہو کہ جس کی وجہ سے اس کی نسبت خوف کیا جاتا ہو اور جن کفار کے ملک میں جانا چاہتا ہے وہ لوگ وفائے عہد میں معروف لوگ ہوں اور فرزند کے حق میں اس سفر میں منفعت ہوتو کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ والدین کے خلاف رائے عمل کرے اور اگر مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ دارالحرب میں تجارت کی نیت سے جانا چاہتا ہے اور اس کے دونوں والدین یا ایک نے اس کو مکروہ جانا اور جس لشکر کے ساتھ جانا چاہتا ہے وہ زبردست بڑا لشکر ہے کہ غالب رائے کے موافق اس پر دشمن کے ضرر کا خوف نہیں ہوتا ہے تو بغیر دونوں کی اجازت لیے جا سکتا ہے اور اگر غالب رائے میں کافروں کی طرف سے اس لشکر پر غلبہ کا خوف ہوتو بلا اجازت نہ جائے اسی طرح اگر سریہ یعنی چھوٹا لشکر کسی سردار کی ماتحتی میں جائے یا ٹکڑا سواروں کا ہو یا اس کے مثل تو بھی بغیر دونوں کی اجازت کے نہیں جا سکتا ہے اس واسطے کہ سرایا میں اکثر ہلاکت کا خوف ہوتا ہے یہ محیط میں ہے۔ایک شخص بدون والدین کی اجازت کے طلب علم کے واسطے نکلا تو مضائقہ نہیں ہے اور ایسی نافرمانی حقوق میں شمار نہیں ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ فرزند ڈاڑھی والا ہو اور اگر امرد سادہ رو ہوتو باپ کو اختیار ہے کہ اس کو اس خروج سے منع کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

تعلم و تعلّم کی نیت سے نکلنا اور عیال کے نفقہ اُٹھانے پر بھی قدرت ہونا یہ افضل عمل ہے ☆

اگر تعلیم کے واسطے نکلا پس اگر تعلیم و حفاظت عیال دونوں پر قادر ہوتو دونوں کا اجتماع افضل ہے اگرچہ بقدر کفایت ہے حاصل ہو ولو حصل[1] مقدار بالا بدمنہ الی القیام بامر الیال ولا یخرج الخ اور اگر اولاد کا خوف ہوتو تعلیم کے واسطے سفر نہ کرے یہ تاتارخانیہ میں ینابیع سے منقول ہے۔اور اگر بحر میں تجارت وغیرہ کے واسطے کشتی پر سوار ہوکر سفر کا قصد کیا پس اگر ایسا ہو کہ درصورت کشتی غرق ہونے کے اپنے آپ کو غرق سے کسی سبب سے جس سے غرق سے آدمی بچتا ہے بچا سکے تو اس کو کشتی کی سواری حلال ہے اور اگر اپنے آپ کو غرق سے کسی سبب سے جن سے غرق سے آدمی بچتا ہے نہ بچا سکے تو اس کو کشتی کی سواری حلال نہیں ہے اور اسی مسئلہ پر ہمارے مشائخ نے دارالحرب میں امان لے کر جانے کا مسئلہ قیاس کیا ہے یعنی فرمایا کہ اگر ایسی حالت ہو کہ درصورت مشرکوں کے اس کے قتل کا قصد کرنے کے کسی سبب سے جن سے قتل سے آدمی بچتا ہے اپنے آپ کو قتل سے بچا سکے تو اس کو دارالحرب میں اسی طرح جانا حلال ہے اور اگر اس سے مشرکوں کا قصد قتل دفع نہ ہو سکے تو حلال نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔اور کوئی عورت تین روز یا زیادہ کا سفر بلا محرم نہ کرے اور تین روز سے کم میں مختلف روایات ہیں امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں مکروہ جانتا ہوں کہ عورت بلا محرم ایک روز کا سفر کرے اور ایسا ہی امام اعظمؒ سے مروی ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ نے کہا کہ تین روز کے حق میں روایات متفق ہیں اور رہا تین روز سے کم سو فقیہ ابو جعفرؒ نے کہا کہ یہ بہ نسبت تین روز کے خفیف ہے یہ محیط میں ہے اور شیخ حمادؒ[(1)] نے فرمایا کہ اگر عورت بدون محرم کے صالحین یعنی پرہیزگار لوگوں کے ساتھ سفر کرے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور نابالغ و معتوہ حکم محرم میں نہیں ہیں اور بالغ عاقل محرم ہے یہ

[1] کذا فی النسخۃ الموجودۃ ۱۲ (۱) ابن ابی سلیمان شیخ امام ابوحنیفہ ۱۲

تاتارخانیہ میں ہے اور باندی وام ولد کو اس زمانہ میں بلا محرم سفر کرنا مکروہ ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ اور فتویٰ اسی پر ہے کہ اس زمانہ میں باندی وام ولد کا بلا محرم سفر کرنا مکروہ ہے یہ سراجیہ میں ہے۔

ستائیسواں باب ☆

قرض و دین کے بیان میں

قرض کے یہ معنی ہیں کہ کوئی شخص درم یا دینار یا کوئی مثلی چیز لے جس کا مثل ثانی الحال میں دے سکے اور دین یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کوئی چیز اجرت معلومہ کے عوض مدت معلومہ کے وعدہ پر فروخت کرے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور فقیہ نے فرمایا کہ قرضہ لینا کسی ضروری حاجت کے واسطے کچھ مضائقہ نہیں رکھتا ہے درحالیکہ اس کی نیت میں یہ ہو کہ میں اس کو ادا کردوں گا اور اگر کسی نے اس نیت سے قرضہ لیا کہ نہ دوں گا تو یہ حرام خوری ہے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص مر گیا اور اس پر قرضہ ہے تو ناطفیؒ نے ذکر کیا کہ ہم کو امید ہے کہ اگر اس کی نیت میں یہ ہو کہ میں ادا کروں گا تو عاقبت میں ماخوذ نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک شخص پر دوسرے کا حق ہے مثلاً زید پر عمرو کا حق آتا ہے اور عمرو کہیں غائب ہو گیا کہ نہ اس کا پتہ ٹھکانا معلوم ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ جیتا ہے یا مر گیا تو زید پر یہ واجب نہیں ہے کہ شہروں شہروں اس کو ڈھونڈھے یہ قنیہ میں ہے۔ شیخ نصیرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے دوسرے کے قرضہ سے انکار کیا پس آیا قرض خواہ اس سے قسم لے یا نہیں تو فرمایا کہ اس کو قسم لینے کا اختیار ہے پھر اگر قرض خواہ طالب مر گیا تو وہ قرضہ وارثوں کا ہو گیا پھر اگر قرض دار نے وارثوں کو ادا کر دیا تو قرضہ سے بری ہو گیا مگر اس پر درنگی وانکار کا گناہ ہوگا اور اگر نہ ادا کیا تو اس کا ثواب قرض خواہ کو ہوگا اور وارثوں کو نہ ہوگا یہ حاوی میں ہے۔

اگر قرض دار انکار کرتا چلا جاتا ہے اسی حالت میں طالب یعنی قرض خواہ مر گیا تو اس کا ثواب آخرت میں قرض خواہ کو ہوگا وارثوں کو نہ ہوگا خواہ اس نے قرض دار سے قسم لی ہو یا نہ لی ہو اور اگر قرض دار نے پھر قرضہ وارثوں کو ادا کر دیا تو قرضہ سے بری ہو گیا اور اگر قرض دار اقرار کرتا ہو اور قرض خواہ مر گیا تو اکثر مشائخ نے فرمایا کہ آخرت میں حق خصومت میت کو حاصل نہ ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ میت کو حاصل ہوگا اور فقیہ نے فرمایا کہ قرضہ اول کا یعنی میت کا ہوگا یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔ اگر میت کے قرض داروں سے جو میت کا قرضہ ان پر آتا تھا کسی ظالم نے وصول کر لیا تو میت کے قرضے ان پر باقی رہیں گے یہ ملتقط میں ہے۔ ایک شخص پر لوگوں کے غصوب یعنی اموال غصب میں ہیں اور مظالم یعنی ایسے اموال ہیں جو اس نے ایسے طور پر حاصل کئے ہیں جن کا اس پر مظلمہ ہے اور جبایات ہیں یعنی ناحق لوگوں کو تاوان دار کر کے وصول کئے ہیں پس اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کی اور وہ ان لوگوں کو جن کے اموال اس پر اس طرح دین ہو رہے ہیں نہیں پہچانتا ہے پس اس نے اس قدر مال بہ نیت ادا فقیروں کو صدقہ کر دیا تو معذور ہو جائے گا اور اگر اس قدر مال والدین ومولودین کے صرف میں کر دیا تو بھی معذور ہوگا اسی طرح اگر اس نے مالوں کو حرمت سے پاک کرنا چاہا تو بھی یہی طریقہ ہے ایک شخص پر متفرق لوگوں کے حقوق ہیں بدیں طور کہ اس نے لینے میں زیادتی کی اور دینے میں کم دیا پھر اس نے ان حقوق کی مقدار کو اپنے دل سے اندازہ کیا اور جس قدر اس کے دل میں جما اس قدر کے عوض ایک کپڑا جس کی قیمت بھی اسی قدر اندازہ کی گئی تھی صدقہ کر دیا تو عہدہ سے چھوٹ جائے گا اور شیخ مؤلفؒ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ ایسی صورتوں میں اسی جنس سے صدقہ کرنا جو اس پر واجب ہے چھٹکارے کے واسطے شرط نہیں ہے کذا فی القنیہ۔

قال المترجم

وظنی ان ہذا فیما اذا لم یعرف الجبر والنقصان مخصوصہ ایضاً فیما وقع فیہ معنی الاعیان کما لا یعرف بل الحقوق فلیتامل فیہ۔ ایک شخص مر گیا اور اس پر قرضہ ہے اور وارث کو حال معلوم نہ ہو پس اس نے سب اس کی میراث کھالی تو شدادؒ نے فرمایا کہ بیٹا اس کے قرضہ میں ماخوذ نہ ہوگا اور اگر وارث کو مورث کے قرضہ کا حال معلوم ہو گیا تو اس پر واجب ہے کہ مورث کے ترکہ سے اس کا قرضہ ادا کرے اور اگر جاننے کے بعد بیٹے کو فراموش ہو گیا تو وہ عاقبت میں ماخوذ نہ ہوگا اسی طرح اگر ودیعت ہو اور وہ بھول گیا یہاں تک کہ مر گیا تو بھی عاقبت میں ماخوذ نہ ہوگا۔ زید کا عمرو پر قرضہ ہے اور دونوں راہ میں چلے جاتے ہیں پس اتنے میں چور راہزن لوگ نکلے اور انہوں نے ان دونوں کے اموال لینے کا قصد کیا پس قرض دار نے اس حالت میں قرض خواہ کا قرضہ دینا چاہا تو بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کو اختیار ہے کہ ادا کرے اور قرض خواہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ نہ لے اور فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ایسی حالت میں قرض خواہ کو نہ لینے کا اختیار ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص قرضہ کے مواخذہ میں قید کیا گیا اور اس کے قرضے لوگوں پر آتے ہیں تو قاضی اس کو قید سے نکالے گا تاکہ وہ لوگوں پر دعویٰ کرے پھر اگر اس کو لوگوں سے کچھ حاصل نہ ہو تو قاضی اس کو دوبارہ قید کرے گا یہ عنوان القضاء میں ہے۔ ایک مسلمان کا نصرانی پر قرضہ آتا ہے پس نصرانی نے شراب نکال کر فروخت کر کے اس کے ثمن سے مسلمان قرض خواہ کا قرضہ ادا کیا تو مسلمان کو لے لینا جائز ہے کیونکہ نصرانی کو شراب بیچنا مباح ہے اور اگر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر قرضہ ہو اور مسلمان قرض دار نے شراب فروخت کر کے اس کے دام لے کر اس سے قرض خواہ کا قرضہ دیا تو قرض خواہ کو یہ مال اپنے قرضہ کے ادا میں لینا مکروہ ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔

ایک شخص کو ایسے شخص نے جس کو درم کی شناخت ہے عدالی درم اس وجہ سے واپس دیئے کہ چونکہ یہ کھوٹے ہیں میں ان کو نہ لوں گا تو اب اس کو روا نہیں ہے کہ کھرے درموں کے حق دار کو یہ کھوٹے درم بجائے کھرے درموں کے دے اور وہ نادانستگی میں لے لیتا ہے اس واسطے کہ یہ عذر و تلبیس ہے یہ قنیہ میں ہے۔ زاد میں لکھا ہے کہ زید کا عمرو پر قرضہ آتا ہے اس نے عمرو سے اپنے قرضہ کے مثل درم لے لیے اور اپنی ضرورت میں خرچ کر ڈالے پھر اس کو معلوم ہوا کہ یہ دراہم زیوف تھے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس پر کچھ نہیں ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وہ زیوف کے مثل قرض دار کو دے کر اس سے کھرے درم واپس لے اور جامع صغیر میں امام اعظمؒ (1) کا قول و امام محمدؒ کا قول بیان کیا ہے اور یہی صحیح ہے یہ مضمرات میں ہے۔ ایک شخص کے قرضے لوگوں پر آتے ہیں اور وہ لوگ غائب ہیں پس قرض خواہ نے کہا کہ میرا جس پر کچھ آتا ہے وہ حلت میں ہے یعنی اس کو حلال کر دیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کو اختیار باقی رہے گا کہ ان لوگوں سے اپنا مال جو ان پر آتا ہے وصول کرے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ایسی تحلیل جائز ہے اور وہ لوگ حلت میں ہو جائیں گے جب کہ ان پر قرض ہو اور اگر کوئی معین چیز ہو تو وہ چیز ان سے لے سکتا ہے اگر ایک شخص کا دوسرے پر کچھ حق آتا ہو اور اس نے دوسرے کو بدین شرط بری کیا کہ مجھے خیار ہے تو بری کرنا صحیح ہوگا اور خیار باطل ہے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنے سب قرض داروں کو بری کر دیا اور زبان سے ان کے نام بیان نہ کئے اور نہ دل میں ان سب کی یا کسی ایک کی نیت کی تو شیخ ابو القاسمؒ نے فرمایا کہ ابن مقاتل نے ہمارے علماء سے روایت کی کہ قرض دار لوگ بری نہ ہوں گے اور اگر کہا کہ میرا ہر قرض دار حلت میں ہے تو ابن مقاتل نے کہا کہ ہمارے علماء کے قول کے موافق اس کے قرض دار لوگ بری نہ ہوں گے اسی طرح اگر کہا کہ شہر رے میں میرا کچھ نہیں ہے پھر دوسرے روز ایک دار کی نسبت جو شہر میں واقع ہے یہ دعویٰ کیا کہ جس جرس سے میرا ہے تو بھی ہمارے

(1) یعنی صاحبین کا نہیں بیان کیا ہے ۱۲

علماء کے نزدیک اس کو یہ اختیار ہے اور ابن مقاتل نے کہا کہ میرے نزدیک دونوں مسئلوں میں اس کے قرض دار لوگ بری ہو جائیں گے اور اس کے دعویٰ کی ساعت نہ ہوگی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ایک شخص نے حکم دیا کہ تم لوگ فلاں شخص کے بیٹے کو پانچ درم دے دو کہ میں نے اس کے مال سے کچھ کھایا تھا اور اگر ابن فلاں یعنی فلاں کا بیٹا نہ پاؤ تو اس کے وارثوں کو دے دو اور اگر وارثوں کو نہ پاؤ تو اس کی طرف سے صدقہ کردو پھر ان لوگوں نے ابن فلاں کی بی بی کو پایا اور کسی کو نہ پایا تو شیخ ابوالقاسمؒ نے فرمایا کہ اگر وہ عورت اس پر اپنے مہر کا دعویٰ کرتی ہو اور اس کے سوائے کوئی اور وارث معلوم نہ ہوتا ہو تو مہر میں اس کو دے دیں اور اگر مہر کا دعویٰ نہ کرتی ہو پس اگر کہتی ہے کہ بن فلاں یعنی اس کے شوہر کے کوئی اولاد نہیں تھی تو اس کو ان درموں کی چوتھائی ملے گی یہ قنیہ میں ہے۔اگر کسی نے بقال کے پاس ایک درم رکھا کہ جو چاہے گا اس سے لے لے گا تو یہ مکروہ ہے اور اس مسئلہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک مرد فقیر کے پاس ایک درم ہے وہ ڈرتا ہے کہ اگر میرے پاس رہا تو برباد ہو جائے گا یا میں اس کو اپنی ضرورت میں اٹھا ڈالوں گا لیکن اور کاموں کی بہ نسبت اس کو بقال کی طرف حاجت زیادہ ہوتی ہے چنانچہ نمک مصالحہ وغیرہ چیزیں خریدنے کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ ہر وقت جس چیز کی ضرورت پیش آئے اس کو خریدے پس اس نے بقال کو درم دے دیا تاکہ جس وقت جو ضرورت پیش آتی جائے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے حساب سے اس کی درم میں سے لیتا جائے یہاں تک کہ درم پورا ہو جائے یعنی بمقابلہ پورے درم کے چیزیں لے لے تو یہ فعل مکروہ ہے اس واسطے کہ اس فعل کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ یہ ایسا قرض ہے جس سے نفع حاصل ہوتا ہے پس مکروہ ہوا لیکن اس باب میں حیلہ یہ ہے کہ جب ایسا قصد ہو تو درم بقال کو ودیعت دے دے پھر اس سے جو چاہے لیتا جائے لیکن اگر یہ درم ضائع ہو جائے تو بقال پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ یہ ودیعت تھا پھر جب بقال سے تھوڑا تھوڑا لیا تو جو اس نے تھوڑا تھوڑا بمقابلہ اس چیز کے جو اس سے لی ہے دیا ہے اس کا مالک ہوتا جائے گا پس جو مقصد ہے وہ بلا کراہت حاصل ہو جائے گا یہ نہایہ میں ہے۔تجرید میں لکھا ہے کہ اگر کسی سونار کو حکم دیا کہ میرے واسطے ایک درم وزن کی انگوٹھی اپنے پاس سے بنائے اور ایک دانگ مزدوری مقرر کی پس اس نے بنائی تو درم وزن سے زیادہ لینا نہیں جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔قرض مشاع جائز ہے چنانچہ اگر دوسرے کو ہزار درم دیئے اور کہا کہ اس کا نصف تیرے پاس آدھے نفع پر مضاربت پر ہے اور نصف میں نے تجھے قرض دیا تو جائز ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔

لین دین کے وقت کچھ اوزان کی بابت مسائل ☆

سرکہ و مربا و رب و شیرۂ انگور شہد و تیل و گھی کا قرض لینا پیمانہ سے جائز ہے اور لوہے کا اور اسی طرح تانبے و پیتل کا وزن سے قرض لینا جائز ہے اور بیلچہ اور کلہاڑی اور آرہ و منشرہ و مٹی کا برتن ڈھکوں ان سب کا قرض لینا نہیں جائز ہے۔سوت کا وزن سے قرض لینا جائز ہے اور شیشہ کا قرض لینا نہیں جائز ہے اور گدیوں سے نواکہ کا قرض لینا نہیں جائز ہے اور کٹ وانجیر کا ٹوکروں کے حساب سے قرض لینا نہیں جائز ہے اور ہمارے نزدیک کسی قرض پر میعاد نہیں ثابت ہوتی ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے نوازل میں ہے کہ ایک پر قرض تھا اور قرض خواہ اس کو وصول کرنے پر آیا پس قرض دار نے اس کو درم قرض کے دیئے اور کہا کہ ان کو پرکھ لے اور وہ طالب کے ہاتھ میں تلف ہو گئے تو قرض دار کا مال گیا اور اگر قرض دار نے کچھ نہ کہا ہو اور طالب نے لے لیا پھر مطلوب کو دیا کہ اس کو پرکھ دے اور وہ تلف ہو گئے تو طالب کا مال گیا یہ ذخیرہ میں ہے۔

اٹھائیسواں باب☆

ملوک سے ملاقات کرنے اوران کے ساتھ تواضع سے پیش آنے اوران کے ہاتھوں کو بوسہ دینے اورملوک کے سوائے غیر کے ہاتھوں کو بوسہ دینے اور مرد کو غیر مرد کا منہ چومنے واس کے متصلات کے بیان میں

ابو اللیث حافظ سے روایت ہے کہ سلاطین کے پاس جانا مکروہ ہے اور وہ یہی فتویٰ دیتے تھے پھر اس سے رجوع کیا اور فتویٰ دیا کہ مباح ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔ ایک شخص کو حاکم امیر نے بلایا اور اس سے چند باتیں دریافت کیں پس اگر وہ ان باتوں میں موافق حق کے کہتا ہے تو اس کی طرف سے برائی پہنچتی ہے تو اس شخص کو نہیں چاہئے کہ خلاف حق بات کہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ اپنے نفس کے قتل یا اتلاف عضو یا اتلاف عضو غیر یا اپنے مال کے اتلاف کا خوف نہ ہو اور اگر ایسا خوف ہو تو خلاف حق کہہ دینے میں مضائقہ نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی غیر کے واسطے تواضع (۱) حرام ہے یہ ملتقط میں ہے اگر کسی شخص نے سلطان کے واسطے بطور تحیہ کے سجدہ کیا اور اس کے سامنے زمین چوم لی تو کافر نہ کہا جائے گا لیکن گنہگار ہوگا کہ وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے اور یہی مختار ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے سلطان کو بہ نیت عبادت سجدہ کیا یا اس کے دل میں کچھ نیت نہ تھی تو ضرور کافر ہو گیا یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ اگر مسلمان سے کہا گیا کہ تو بادشاہ کو سجدہ کر ورنہ ہم تجھ کو قتل کر دیں گے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر اس مرد مسلمان سے عبادت کا سجدہ کرنے کو کہتے ہیں تو اس کے حق میں افضل (۲) یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے جیسے کوئی شخص کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا تو اس کے حق میں صبر کرنا افضل ہے اور اگر ظالموں نے تحیہ و تعظیم کا سجدہ کرنے کو کہا ہے عبادت کا سجدہ کرنے کو نہیں کہا ہے تو اس کے حق میں افضل یہ ہے کہ سجدہ کر دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ جامع صغیرہ میں ہے کہ عظیم[1] کے سامنے زمین چومنا حرام ہے اور فاعل و راضی دونوں سخت گنہگار ہیں یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

علماء و زاہدوں کے سامنے زمین چومنا فعل جہال[2] ہے اور فاعل و راضی دونوں سخت گنہگار ہیں یہ غرائب میں ہے۔ اور سلطان وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے کہ یہ مجوس کے ساتھ مشابہت ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے اور سلام کے وقت جھکنا مکروہ ہے اس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے یہ تمرتاشی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غیر کی خدمت کرنا کھڑے ہو کر ہاتھ پکڑ کر اور جھک کر جائز ہے اور سجدہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے واسطے نہیں جائز ہے یہ غرائب میں ہے رہا کلام ہاتھ کو بوسہ دینے میں سو اگر اس نے اپنے ہاتھ کو غیر کے واسطے چوما تو مکروہ ہے اور اگر غیر کا ہاتھ چوما پس اگر عالم یا سلطان عادل کے ہاتھ کو بوجہ اس کے علم و عدل کے بوسہ دیا تو مضائقہ نہیں ایسا ہی فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے اور اگر سوائے عالم و سلطان عادل کے کسی مسلمان کا ہاتھ چوما پس اگر اس سے مسلمان کی تعظیم و اکرام مقصود ہو تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس سے عبادت مقصود ہو یا یہ غرض ہو کہ دنیاوی مال و متاع کچھ اس سے مل جائے گا تو مکروہ ہے اور شیخ صدر الشہیدؒ اس فصل میں بلا تفصیل کراہت کا فتویٰ دیتے تھے یہ ذخیرہ میں ہے۔ عالم و سلطان عادل کے ہاتھ کو

---

[1] عظیم بادشاہ حاکم مختار چنانچہ عظیم الروم اور اس لفظ میں اشارہ ہے کہ وہ سلطان و امیر مسلمانوں کا کہاں رہا اس پر ایسا لفظ اطلاق کیا جائے جو کفار پر اطلاق کیا جاتا ہے ۱۲ منہ [2] یعنی شرع سے جاہلوں کا کام ہے اور کرنے والا اور اس کام پر رضامند خواہ عالم ہو یا صوفی ہو دونوں گنہگار ہیں ۱۲ [3] یعنی ہاتھ چومنا مطلقاً مکروہ ہے ۱۲ (۱) یعنی ایسی عاجزی جو جناب باری تعالیٰ کے لائق ہے یا مراد یہ کہ تواضع ہر صورت میں اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہو نہ غیر کی وجہ سے ۱۲ (۲) یعنی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کی نیت کرے اور ظاہر میں اس مردود کے دکھلانے کو ایسا کر دے ۱۲

بوسہ دینا جائز ہے اور ان دونوں کے سوائے کسی کے ہاتھ کو بوسہ دینے کی رخصت نہیں ہے اور یہی مختار ہے یہ غیاثیہ میں ہے کسی عالم یا زاہد سے یہ درخواست کی کہ اپنا قدم بڑھائے تا کہ اس کو بوسہ دے تو یہ رخصت (۱) نہیں ہے اور نہ وہ شخص اس بات کو قبول کرے یہ بعض کے نزدیک ہے اور بعض کے نزدیک یہ درخواست قبول کرے اسی طرح اگر اس نے اس کا سر یا ہاتھ چومنے کی اجازت مانگی تو بھی یہی حکم ہے یہ غرائب میں ہے اور اپنے دوست سے ملاقات کے وقت اپنا ہاتھ چومنا جیسا جہال[1] لوگ کیا کرتے ہیں یہ بالاجماع مکروہ ہے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔ رہا کلام منہ چومنے میں سو فقیہ ابوجعفر ہندوانی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی مرد دوسرے مرد کا جو فقیہ یا عالم یا زاہد ہو منہ چومے بغرض اعزاز دین کے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ اگر ایک مرد دوسرے مرد کا منہ یا پیشانی یا سر چومے تو مکروہ ہے یہ محیط میں ہے۔

قال المترجم ☆

هذا هو المختار اور امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے منہ کو یا ہاتھ کو یا کسی جگہ کو بوسہ دے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ تقبیل[2] و معانقہ از ار واحد میں روا ہے کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر معانقہ قمیص یا جبہ کے اوپر سے ہو یا منہ چومنا بطور بر ہو نہ از راہ شہوت تو سب کے نزدیک جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر بقاء یا وداع (۲) کے وقت ایک عورت دوسری عورت کا منہ یا گال چومے تو مکروہ ہے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک بوڑھا سفر سے آیا اور اس نے اپنی بہن کا جو بوڑھی ہے بوسہ دینا چاہا تو فرمایا کہ اگر اس کو اپنے نفس پر خوف ہو تو نہیں جائز ہے ورنہ جائز ہے ایسا ہی خلفؒ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کیا ہے یہ حاوی میں ہے۔ فقیہ ابواللیثؒ نے ذکر کیا ہے کہ بوسہ دینا پانچ طرح کا ہوتا ہے بوسہ رحمت جیسے باپ اپنے بچہ کو بوسہ دے و بوسہ تحیت جیسے بعض مؤمن بعض مؤمن کو بوسہ دے و بوسہ شفقت جیسے بچہ اپنے باپ کو بوسہ دے و بوسہ مودت جیسے کوئی شخص اپنے بھائی کی پیشانی پر بوسہ دے و بوسہ شہوت جیسے مرد اپنی عورت یا اپنی باندی کو بوسہ دے اور بعض نے ایک بوسہ اور بڑھایا ہے یعنی بوسہ دیانت یعنی حجر اسود کو بوسہ دینا یہ تبیین میں ہے۔

ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی کو جو پانچ یا چھ برس کی ہے شہوت سے بوسہ دیا تو شیخ ابوبکرؒ نے فرمایا کہ وہ لڑکی اس کے باپ پر حرام نہیں ہو جائے گی کیونکہ وہ مشتہات نہیں ہے اور اس پسر نے اگر اس کو مشتہات تصور کر لیا تو اس پر لحاظ نہ کیا جائے گا اور اگر اس کے باپ کی بیوی اس قدر بڑھی ہو کہ حد شہوت سے خارج ہو گئی ہو اور اس پسر نے اس کو شہوت سے بوسہ دیا تو وہ اس کے باپ پر حرام ہو جائے گی یہ حاوی میں ہے۔ اور مصافحہ جائز ہے اور مصافحہ کا سنت طریقہ یہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے دونوں ہاتھوں میں اپنے دونوں ہاتھ رکھے اور درمیان میں کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔

---

۱ سخت جاہل لوگ ۱۲ ۲ تقبیل منہ چومنا اور معانقہ گلے لپٹنا اور ازار واحد یعنی فقط ایک لنگی یا پائجامہ پہنے ہو ۱۲ (۱) یعنی شرعاً اجازت نہیں ہے ۱۲
(۲) یا رخصت کرنے ۱۲

انیسواں باب☆

اشیائے مشترکہ سے نفع لینے کے بیان میں

امام محمدؒ نے شروط اصل میں ذکر فرمایا کہ اگر ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہو اور ایک شریک غائب ہو اور دوسرے نے چاہا کہ اس میں کسی شخص کو رکھے یا کسی کو کرایہ پر دے دے تو فرمایا کہ فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ یعنی از راہ دیانت اس کو یہ روا نہیں ہے اور حکم قضا میں اس کو ممانعت نہ کی جائے گی پس اگر اس نے کرایہ پر دیا اور کرایہ وصول کیا تو دوسرے شریک کا حصہ دیکھا جائے گا کہ اس میں سے کس قدر ہے پس اس قدر حصہ اگر شریک مذکور کو کسی طور سے دے سکتا ہے تو دے دے ورنہ صدقہ کر دے اور اس کا حال مثل غاصب کے ہوگا کہ اگر غاصب نے غصب کر کے کرایہ پر دیا اور کرایہ وصول کیا تو اس کو صدقہ کرے گا یا مغصوب منہ کو دے دے گا اور جس قدر کرایہ خاص شریک مذکور کے حصہ میں آیا ہے وہ اس کو حلال ہے یہ اس وقت ہے کہ اس نے دوسرے کو بسایا ہو اور اگر خود اس میں رہا درحالیکہ اس کا شریک غائب ہے تو قیاساً فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ یعنی از راہ دیانت اس کو یہ اختیار نہیں ہے جیسا کہ دوسرے کو بسانے میں ہے اور استحساناً اس کو یہ اختیار ہے۔ اور عیون میں لکھا ہے کہ اگر ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہو اور دونوں میں سے ایک غائب ہو تو حاضر کو گنجائش ہے کہ بقدر اپنے حصہ کے سکونت کرے اور پورے دار میں سکونت کرے اسی طرح اگر ایک خادم دو شخصوں میں مشترک ہو اور ایک غائب ہو گیا تو حاضر کو اختیار ہے کہ بقدر اپنے حصہ کے خادم سے خدمت لے اور اگر دابہ ہو یعنی سواری کا جانور ہو تو حاضر اس پر سواری نہیں لے سکتا ہے اور اجازت النوازل میں محمد بن مقاتل سے روایت ہے کہ شریک حاضر دار میں سے بقدر اپنے حصہ کے سکونت کرے اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ حاضر کو اختیار ہے کہ اگر بشرط عدم[1] سکونت دار مذکور کے خراب ہو جانے کا خوف ہو تو پورے دار میں سکونت کرے اور ابن ابی مالکؒ نے امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ سے روایت کی کہ زمین مشترک کی صورت میں حاضر کو بقدر اپنے حصہ کے زراعت کرنے کا اختیار نہیں ہے اور دار کی صورت میں اختیار ہے اور نوادر ہشام میں یوں مذکور ہے کہ اس کو دونوں صورتوں میں یہ اختیار ہے یہ محیط میں ہے۔

مشترکہ سواری کی بابت مسئلہ☆

اگر ایک دابہ یعنی چوپایا دو شخصوں میں مشترک ہو اس کو ایک شریک بدون دوسرے کی اجازت کے سواری یا اسباب لادنے کے کام میں لایا تو حصہ شریک کا ضامن ہوگا یہ صغریٰ میں ہے اور اگر ایک دار ایک قوم میں مشترک ہو تو بعض کو اختیار ہے کہ اس میں اپنا چوپایہ باندھے اور اس میں وضو کرے اور اس میں اپنی لکڑیاں رکھے اور اگر اس سے کوئی شخص مر گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ بدون اجازت شریکوں کے اس میں کنواں کھودے یا عمارت بنائے اور اگر بنائی یا کنواں کھودا تو نقصان کا ضامن ہوگا اور عمارت توڑ لینے کا حکم دیا جائے گا یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔ شیخ ابوالقاسمؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے چاہا کہ ایک کوچہ غیر نافذہ کی طرف اپنی ملک میں بہ سبب ضرورت کے دیوار پھوڑ کر ایک دروازہ لگائے تو فرمایا کہ قاضی اس میں یہ لحاظ کرے گا کہ اگر اہل کوچہ کو کچھ ضرر نہ پہنچتا ہو اور اس نے یہ دروازہ مضبوط لگایا ہے حتیٰ کہ مثل دیوار کے ہو گیا تو اس کو منع نہ کرے گا یہ حاوی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے عام راستہ پر نیا ظلہ بنانا چاہا یعنی چھتا بنانا چاہا اور اس میں عوام کا کچھ ضرر نہیں ہے تو امام اعظمؒ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں میں سے ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ منع کرے اور دور کرے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہر ایک کو ممانعت کا اختیار ہے دور کرنے کا

---

[1] یعنی یہ خوف ہو کہ اگر اس میں کوئی نہ رہے گا تو وہ گر کر خراب کھنڈل ہو جائے گا ۱۲ منہ

اختیار نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ کسی کو دور کرانے اور گرانے کا اختیار نہیں ہے اور اگر اس نے کوچۂ غیر نافذہ میں نیا چھتا ایجاد کیا تو ہمارے نزدیک اس میں ضرر و عدم کا اعتبار نہیں ہے بلکہ شریکوں کی اجازت معتبر ہے اور آیا عام راستہ پر چھتا نیا بنانا مباح ہے سو فقیہ ابو جعفر و طحاوی نے ذکر کیا کہ مباح ہے اور گنہگار نہ ہوگا بشرطیکہ کسی کی خصومت کرنے سے پہلے اس نے ایجاد کیا ہے اور اگر کسی نے خصومت کی پھر بھی اس نے بنایا تو بنانا مباح نہیں ہے اور نہ اس سے انتفاع حاصل کرنا مباح ہے اور اگر چھوڑ رکھا تو گنہگار ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ انتفاع مباح ہے بشرطیکہ اس سے عام مسلمان کو ضرر نہ پہنچتا ہو یہ محیط میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنے گھر کی دیوار پر کہگل لگا کر مسلمانوں کی ہوا[1] کو شاغل کر دیا تو قیاساً یہ ہے کہ اس کو دور کرا دیا جائے اور استحساناً دور نہ کرائی جائے اور اپنے حال پر چھوڑ دی جائے گی۔ اور نصر بن محمد مروزی تلمیذ امام اعظمؒ سے مروی ہے کہ جب وہ اپنی دیوار کو جو جانب کوچہ ہوتی کہگل کراتے تو اس کو کھرچ کر کہگل لگاتے تھے تا کہ ہوا[2] میں سے کچھ نہ لے اور شیخ نصیر بن یحییٰ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شہتیر کوچہ سے خارج ہے یا شریک کی دیوار پر رکھا ہے اور اس نے چاہا کہ اس کو اُکھاڑ لے یا قطع کرے تو فرمایا کہ اگر کوچہ نافذ ہو تو اس کو یہ اختیار ہے کہ اُکھاڑ لے اور جب اُکھاڑ دیا تو پھر اس کو اسی طرح بنانے کی اجازت نہ دی جائے گی اور شہتیر والے کو اس کے برقرار رکھنے کا حق حاصل نہیں ہے اور اگر کوچہ غیر نافذ ہو پس اگر شہتیر کی یہ صورت قدیمی ہو تو اس کے مالک کو حق القرار حاصل ہوگا اور شریک کو اس کے اُکھاڑنے کا استحقاق نہ ہوگا اور اگر اس نے توڑ دیا تو اس کو دوبارہ بنا دینے کی اجازت دی جائے گی اور اگر قدیمی نہ ہو تو اس کے مالک کو توڑ لینے کا استحقاق ہے اور جب اس نے اکھاڑ لیا تو دوبارہ بنانے کی اجازت نہ دی جائے گی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

منتقٰی میں تحریر ہے کہ اگر عام راستہ پر پاخانہ یا چھتا بنانا چاہا تو میں اس سے اس کو منع کروں گا اور اگر اس نے بنا لیا پھر لوگوں نے نالش دائر کی تو میں اس میں غور کروں گا پس اگر اس میں ضرر ہوگا تو حکم کروں گا کہ اس کو توڑ لے اور اگر اس میں ضرر نہ ہوگا تو اپنے حال پر چھوڑوں گا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے پاخانہ اپنے احاطہ مکان سے خارج رکھا داخل دار نہ کیا اور اس میں ضرر کچھ نہیں ہے تو چھوڑوں گا اور اگر اس نے دار میں داخل کیا تو اس سے منع کیا جائے گا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کوچہ غیر نافذہ میں ایک شخص کا چھتا ہو تو اہل کوچہ کو اس کے ڈھا دینے کا اختیار ہے بشرطیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی بنیاد کیا ہوئی ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس نے کوچہ ہو جانے کے بعد بنا لیا ہے تو منہدم کیا جا سکتا ہے اور اگر کوچہ نافذہ ہو تو دونوں صورتوں میں منہدم کیا جا سکتا ہے اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس میں ضرر ہوگا تو منہدم کیا جائے گا ورنہ نہیں اور حاصل یہ ہے کہ چھتا عام راستہ پر واقع ہو پس اگر اس کا حال دریافت نہ ہو تو بنا بر قول امام محمدؒ کے وہ جدید قرار دیا جائے گا حتیٰ کہ امام المسلمین کو اختیار ہوگا کہ اس کو دور کرا دے اور جو کوچہ غیر نافذہ میں ہو اور اس کا حال دریافت نہ ہو تو وہ قدیمی قرار دیا جائے گا حتیٰ کہ کوئی شخص اس کو دور نہیں کر سکتا ہے۔ اور شیخ الاسلام یعنی خواہرزادہ نے فرمایا کہ کوچہ غیر نافذہ میں ایسے حکم کی تاویل یوں ہے کہ ایک دار یا ایک زمین ایک قوم کے درمیان مشترک ہو جن میں ان لوگوں نے اپنے رہنے کے گھر و حجرے بنا لئے اور ایک کوچہ اپنی آمد و رفت کا چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ راستہ ان کی ملک رہا تو یہ حکم ہے اور اگر دراصل کوچہ احاطہ کیا گیا ہو مثلاً ان لوگوں نے دار بنایا اور یہ راستہ آمد و رفت کے واسطے چھوڑ دیا تو ایسے راستہ پر چھتا واقع ہونے کا وہی حکم ہے جو عام راستہ پر چھتا واقع ہونے کا حکم ہے۔ اور شیخ الائمہ حلوائی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کوچۂ خاص اس کو کہتے ہیں کہ

[1] یعنی جو راہ عام لوگوں کی گذرگاہ ہے اور خالی فضا ہے جس سے یہ لوگ گذرتے ہیں پس اس قدر عرض میں سے بقدر موٹائی کہگل کے کم کر دیا فافہم ۱۲

[2] یعنی اس خالی چوڑان میں سے جو راستہ گاہ ہے ۱۲ منہ

جس میں اتنے لوگ ہوں جن کی تعداد معلوم ہو اور اگر اس میں اتنے لوگ ہوں جن کی تعداد بطور احصاء معلوم نہیں ہے تو وہ کوچہ عامہ ہے پس ایسے کوچہ میں جو چھتا ہو اس کا حکم وہی ہے جو عام راستہ پر چھتا ہونے کا حکم ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ کوچہ غیر نافذہ کے وسط میں ایک گھورا ہے پس اہل کوچہ میں سے کسی ایک نے چاہا کہ اپنا پاخانہ دور کر کے اس کو اس گھوڑے پر منتقل کرے حالانکہ اس سے پڑوسیوں کو ایذا پہنچتی ہے تو فرمایا کہ ان لوگوں کو اختیار ہے کہ شخص مذکور کو اس سے منع کریں اور اسی طرح ہر ایسی بات سے جس سے ان کو سخت ایذا پہنچتی ہے منع کر سکتے ہیں یہ حاوی میں ہے۔ ایک شخص نے ایک کوچہ نافذہ میں پڑوسیوں کی رضا مندی سے پاخانہ بنانا چاہا پھر ہنوز اس کی عمارت تمام نہ ہوئی تھی کہ پڑوسیوں نے اس کو ممانعت کی حالانکہ اس میں ان کا کوئی کھلا ضرر نہیں ہے تو ان کو یہ اختیار ہے کہ منع کریں یہ غرائب میں ہے۔ فتاویٰ ابواللیثؒ میں ہے کہ ایک شخص نے کوچہ غیر نافذہ میں اپنے دار کے دروازہ پر مربط بنایا جس میں اپنا چوپایہ باندھا کرتا تھا تو اہل کوچہ میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ اس کا یہ مربط توڑ دے مگر اس کو دروازہ پر چوپایہ باندھنے سے منع نہیں کر سکتا ہے اس واسطے کہ جب کوچہ غیر نافذہ ہے۔ تو ایسا ہی جیسے ایک دار دو آدمیوں میں مشترک ہے کہ ہر ایک کو اس کے نصف میں سکونت رکھنے کا اختیار ہے مگر کچھ عمارت بنانے یا کنواں کھودنے کا اختیار نہیں ہے اور مربط بنانا عمارت بنانے میں سے ہے اور دروازہ پر چوپایہ باندھنا از قبیل سکونت ہے اور ہمارے ملک میں یہ رسم ہے کہ اپنے گھروں کے دروازوں پر جانور چوپایہ باندھتے ہیں اور اگر کوچہ نافذہ ہو تو بشرط سلامت[1] ہر ایک کو اپنے دروازہ پر اپنا چوپایہ باندھنے کا اختیار ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنا بیت جو ایک کوچہ غیر نافذہ میں واقع ہے اور بیت مذکور کا جناح بھی ہے منہدم کر دیا تو اس کو اختیار ہے کہ جیسا تھا ویسا ہی بنائے اور پڑوسی اس کو منع نہیں کر سکتے ہیں بشرطیکہ قدیمی ہو اور اگر کوچہ نافذہ ہو تو ہر ایک کو اس جناح کے توڑ دینے کا اختیار ہے اگرچہ قدیمی ہو اور قدیم وجدید کا فرق فقط کوچہ غیر نافذہ میں ہوتا ہے یہ غرائب میں ہے۔

فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنا بیت منہدم کر دیا اور بنایا نہیں حالانکہ پڑوسیوں کو اس سے ضرر ہوتا ہے پس اگر شخص مذکور کو وسعت ہو یعنی بنانے پر قادر ہو تو پڑوسیوں کو اس پر جبر کرنے کا اختیار ہے اور مختار یہ ہے کہ پڑوسیوں کو اس پر جبر کرنے کا اختیار نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ شیخؒ نے فرمایا کہ ایک بڑا دار جس کا پرنالہ ایک جگہ گرتا تھا وہ ایک جماعت کے ہاتھ شرکت میں فروخت کیا گیا پھر ہر ایک نے اپنا اپنا حصہ دار مذکور علیحدہ کر کے ہر ایک نے اپنا پرنالہ اسی جگہ پر گرایا جہاں مشترک کا پرنالہ گرتا تھا پس اس منہرہ پر بہت سے پرنالے گرنے لگے پس آیا پڑوسیوں کو اس سے منع کرنے کا اختیار ہے تو ہمارے زمانہ کے بعضے مفتیوں نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ ان کو ممانعت کا اختیار نہیں ہے جیسا کہ اگر بائع نے اس میں لوگوں کی جماعت کو بسایا یا جیسے ایک شخص سے ایک جماعت نے ایک دار خرید کر اس میں سکونت اختیار کی اور ان سب لوگوں کے استعمال کا پانی اس کے پرنالہ سے بہا تو پڑوسی منع نہیں کر سکتے ہیں اس واسطے کہ بہت سے پرنالہ ہو جانے سے سوائے اس کے کہ پانی کی کثرت ہو اور کچھ ضرر نہیں ہے اور پانی کی کثرت سے ممانعت نہیں ہو سکتی ہے یا جیسے اگر کوچہ غیر نافذہ میں اپنا دار ایک جماعت کے ہاتھ فروخت کیا تو اہل کوچہ اس کو منع نہیں کر سکتے ہیں اگرچہ اہل کوچہ کو یہ ضرر لازم آتا ہے کہ راستہ مشترکہ میں گذرنے والوں کی کثرت ہو گئی۔ پھر یہ فتویٰ اور جواب ہمارے شیخ نجم الائمہ حلیمی کے پاس آیا پس انہوں نے توقف فرمایا اور اپنے شاگردوں وہم عصروں سے چند روز تک بحث کی پھر ان کی یہ رائے قرار پائی کہ پڑوسی اس کو منع کر سکتے ہیں بخلاف مثالوں مذکور کے کہ ان میں ضرر لازمی ودائمی نہیں ہے اور صورت مذکورہ اس کے برخلاف ہے اور شدادؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عام نہر پر مسلمانوں کے نفع کے واسطے درخت جمانا چاہا تو اس کو یہ اختیار ہے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک کوچہ غیر

[1] یعنی کسی کو اس سے ضرر نہ ہوتا ہو ۱۲ف

نافذہ میں اپنے فتاویٰ دار میں ایک درخت جمایا اور اس کوچہ میں سوائے اس کے اور بھی درخت ہیں پھر اہل کوچہ میں سے ایک نے یہ چاہا کہ اس کو اکھاڑ دے اور دوسرے درختوں سے تعرض نہ کیا تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے اسی طرح اگر جناح جو حادہ[1] راستہ میں دار سے باہر نکلا ہوا ہے اس کے توڑنے کا قصد کیا تو بھی یہی حکم ہے لیکن اگر مرد محتسب ہو کہ ان سب چیزوں سے تعرض کرے تو حکم ایسا نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ فقیہ ابو نصرؒ نے فرمایا کہ اگر عام نہر کے کنارے ایک درخت جمایا جو آنے جانے والوں کے حق میں کچھ مضر نہیں ہے تو اس کو مباح ہے اور مسلمانوں میں سے ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ اس سے مواخذہ کرے کہ اس کو دور کردے اور اگر اس نے وقف کردیا تو وقف ہو جائے گا تو ہمارے اصحاب کے مذہب کے موافق اس کو یہ اختیار نہیں ہے اور محمد بن سلمہؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے دروازہ پر دوکان اور اپنے چوپایہ کا مربط بنایا پس شیخ ابو نصر سے دریافت کیا گیا کہ آپ اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں تو فرمایا کہ میں اس کو راہ صواب سے دور نہیں جانتا ہوں کذا فی المحیط اور فتاویٰ قاضی خان میں ایسی صورت میں یہ حکم لکھا ہے کہ بنانے والے کو ایسا اختیار نہیں ہے انتہیٰ اور شیخ ابو القاسم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنے دروازہ کے نہر کے کنارے درخت جما لئے اور ان درخت اس کے درمیان درمیان حادہ راستہ ہے بس یہ مکروہ ہے فرمایا کہ اگر یہ درخت نہر کو یا اہل نہر کو ضرر نہ پہنچاتے ہوں تو مجھے امید ہے کہ لگانے والے کو لگانے میں گنجائش ہے اور جو شخص اس کی موت کے بعد وارث ہو وہ ان درختوں کے حق میں بجائے میت کے قرار دیا جائے گا یہ حاوی میں ہے۔

افادۂ عام کے لئے کوئی چیز مہیا کرنے کے بعد واپس لوٹانے کی صورتیں ☆

نوازل میں ہے کہ ایک شخص نے نہر عام کے کنارے درخت لگایا پھر ایک شخص جو اس نہر میں شریک نہیں ہے آیا اور اس نے درخت لگانے والے سے اس درخت کے اُکھاڑ لینے کا مواخذہ کیا پس اگر درخت مذکور اکثر لوگوں کو ضرر دیتا ہو تو اس کو مواخذہ کا اختیار ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ یہ بات حاکم کے سامنے دائر کرے تاکہ حاکم اس کو اُکھاڑ لینے کا حکم دے یہ ذخیرہ میں ہے۔ فتاویٰ ابو اللیث میں ہے کہ اگر خاک یا کیچڑ مسلمانوں کے عام راستہ سے اُٹھائی تو کیچڑ کے دنوں میں جائز ہے بلکہ اولیٰ ہے اور جب کیچڑ کے دن نہ ہوں اور یہ خاک مٹی مثل زمین کے نہ ہو یعنی ضرر دیتی یہ ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر زمین کے مثل ہو اور اُٹھانے والے کو اس کے کھودنے کی ضرورت پڑے پس اگر راہ چلنے والوں کو مضرت پہنچے تو اس کو یہ روا نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ بیچ راستہ سے کیچڑ یا نہر عام کے کنارے سے مٹی لے لینا نہیں جائز ہے کیونکہ وہ عام لوگوں کا حق ہے لیکن والی کی اجازت سے روا ہے اور نوازل میں ہے کہ اگر اس میں راستہ خراب نہ ہوتا ہو تو اُٹھا لینے میں مضائقہ نہیں ہے اور والی کی اجازت کا ذکر نہیں کیا کذا فی القنیہ۔ اور شیخ ابو بکرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک زقیقہ غیر نافذہ میں مٹی سانی تو فرمایا کہ اگر راستہ میں اتنا چھوڑ دیا کہ لوگوں کی آمد و رفت ہو سکے اور جلدی اس کو اُٹھا لیتا ہے اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے تو اس کو منع نہ کیا جائے گا اور شیخ محمد بن سلمہ زقیقہ غیر نافذہ میں مثل مربط و دوکان حظیرہ بنانے کے واسطے مٹی سانا جائز رکھتے تھے یہ حاوی میں ہے۔ شیخ ابو القاسم سے دریافت کیا گیا کہ شہر پناہ کی دیوار کی مٹی کا حکم کیا ہے فرمایا کہ اس کا اُٹھا لے جانا جائز نہیں ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ اگر دیوار میں سے کوئی ٹکڑا ٹوٹ پڑا جس کی کچھ احتیاج نہیں ہے فرمایا کہ اس کا اٹھا لے جانا مضائقہ نہیں رکھتا ہے یہ غرائب میں ہے۔ ایک سبیل کی حوض ہے اس سے ایک شخص نے پانی کی مشک بھری تو اس کو یہ نہ چاہئے کہ حوض مذکور کے کنارے رکھے اور اگر ایسا کیا اور حوض کے کنارے میں نقصان پہنچا تو وہ شخص ضامن ہوگا کذا فی الذخیرہ۔

---

[1] جس کا کنارہ کشادہ یا برابر نہ ہو بلکہ موڑ کی گلی کم ہو ۱۲

نیسواں باب☆

متفرقات کے بیان میں

ایک شخص کی بیوی فاسق یعنی بدکار ہے کہ جھڑکنے سے باز نہیں آتی ہے تو اس کا طلاق دے دینا واجب نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔نوازل میں ہے کہ اگر مرد نے اپنی عورت کے منہ میں اپنا آلہ تناسل داخل کر دیا تو بعض نے فرمایا ہے کہ مکروہ ہے اور بعض نے اس کے برخلاف کہا ہے یہ ذخیرہ میں ہے ایک عورت اپنے خاوند کی باندی یا غیر کی باندی کو مارتی ہے اور سمجھانے سے نہیں مانتی ہے تو اس مرد کو عورت مذکور کے مارنے کا اختیار ہے یہ قنیہ میں ہے۔اور شیخ ؒ سے یہ بھی دریافت کیا گیا کہ آیا شافعیہ مذہب کی عورت کو یہ اختیار ہے کہ حیض سے گیارھویں دن اپنے شوہر کو جو حنفی مذہب ہے اپنے آپ سے وطی کرنے دے تو فرمایا کہ فتویٰ دینے والا اپنے مذہب کے موافق فتویٰ دے گا جو شخص فتویٰ مانگتا ہے اس کے مذہب کے موافق نہ دے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ایک باندی مرض الموت میں بیمار ہوئی تو اس کا آزاد کر دینا اولیٰ ہے تا کہ آزاد مرے یہ قنیہ میں ہے۔ایک عورت بدون اپنے شوہر کی اجازت کے کسی بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو اس کے حق میں یہ بات مکروہ ہے لیکن اگر اس دودھ پیتے بچے کے مرجانے کا خوف کرتی ہو تو ایسا کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ایک شخص نے حرام چیز مثل شراب وغیرہ کے دوسرے شخص کے واسطے رکھ چھوڑی پس اگر ایسے شخص کے واسطے رکھ چھوڑی ہے جو اس کے حرام ہونے کا معتقد ہے مثلاً مسلمان کے واسطے شراب رکھ چھوڑی تو مکروہ نہیں ہے اور اگر ایسے شخص کے واسطے رکھے جو اباحت کا معتقد ہے مثلاً کافر کے واسطے شراب رکھ چھوڑی تو مکروہ ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔اور اگر سرکہ بنانے کے واسطے اپنے گھر میں شراب رکھ چھوڑی تو جائز ہے گنہگار[1] نہ ہوگا۔اور اگر طبلہ طنبور وغیرہ ان معازف وملاہی کی چیزوں میں سے کوئی رکھی تو مکروہ ہے گنہگار ہوگا اگر چہ ان کو استعمال نہ کرتا ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ترکوں وامراء وغیرہ میں سے چند لوگ ایک مجلس فسق وفساد میں مجتمع ہوئے اور شیخ الاسلام نے ان کو فعل منکر سے منع کیا مگر وہ لوگ باز نہ آئے پھر محتسب اور سید امام اجل کے دروازے سے چند لوگ اس واسطے گئے کہ ان کو متفرق کر کے ان کی شراب بہادیں اور فقہاء کی ایک جماعت کو ساتھ لے گئے پھر کچھ شراب پا کر بہادی اور بعض مٹکوں میں سرکہ کرنے کے واسطے نمک ڈالا پھر شیخ کو اس کی خبر دی گئی تو فرمایا کہ کچھ شراب نہ چھوڑو سب بہادو اور خم توڑ ڈالو اور باقی شراب بھی بہادو اگر چہ اس میں نمک ڈالا گیا ہے اور فرمایا کہ عیون المسائل میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے محتسبانہ مسلمانوں کی شراب بہادی اور ان کے خم شراب توڑ ڈالے اور مشکیزہ جن میں شراب تھی پھاڑ ڈالے تو اس پر ضمان نہیں ہے اسی طرح اگر ذمیوں نے شراب کو مسلمانوں میں ظاہر کیا اور کسی نے بطور امر بالمعروف کے ذمیوں کی شراب بہادی وشراب کے خم توڑ ڈالے اور مشکیزہ پھاڑ ڈالے تو اس پر ضمان نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں یتیمہ سے منقول ہے اور بوڑھے جاہل کو نہ چاہئے کہ نوجوان عالم کے آگے چلنے و بیٹھنے و کلام میں پیش قدمی کرے یہ سراجیہ میں ہے اور نوجوان عالم بوڑھے غیر عالم سے اور عالم شخص غیر عالم قریشی سے پیش قدم ہوگا اور زندویسی نے فرمایا کہ عالم کا حق جاہل پر اور استاد کا شاگرد پر دونوں برابر یکساں ہیں یعنی جاہل کو نہ چاہئے کہ عالم کے سامنے گفتگو میں پیش قدمی کرے اور مجلس میں اس کی جگہ پر نہ بیٹھے اگر چہ وہ اس وقت غائب ہو اور اس کی بات کو رد نہ کرے اور چلنے میں اس کے آگے نہ ہو اور شوہر کا حق بیوی پر اس سے بھی بڑھ کر ہے اور عورت اپنے خاوند کے مباح فعل میں جس کے کرنے کا خاوند اس کو حکم کرے تابع داری کرے اور اپنی ذات پر شوہر کے منافع مقدم کرے[2] یہ وجیز کردری میں ہے۔نجم الائمہ حلیمی سے منقول ہے کہ

---

[1] یہ ہمارے نزدیک ہے اور دوسروں کے نزدیک گنہگار ہوگا اور ایسا کرنا بھی نہیں جائز ہے ۱۲ [2] کذا فی النسخۃ الموجودۃ ۱۲

ایک شخص نے دار وقف میں جس کو اجارہ پر لیا ہے تابخانہ بنایا اور اس میں روشن دان رکھا اور پڑوسی مقابل کہتا ہے کہ جب ہم لوگ اپنی چھت پر یا پائخانہ یا دروازہ میں ہوتے ہیں تو اس کے شاگرد لوگ ہم کو جھانکتے ہیں پس یہ روشن دان بند کر دے تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے اور ایک شخص نے اپنی زمین میں جوار بوئی اور اس کے اُکھاڑنے میں پڑوس والے کھلا ضرر اُٹھاتے ہیں تو ان کو اس سے ممانعت کرنے کا اختیار نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔ مثاعب[1] جو راہ میں بنی ہوتی ہیں ان کی نسبت کسی کو خصومت کرنے کا اور ان کے دور کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ ملتقط میں ہے اور ربض[2] شہر کی مٹی اُٹھا لے جانا کسی کو روا نہیں ہے کیونکہ وہ حصن ہے اور اس سے عام کا حق متعلق ہے ہاں اگر دیوار شہر کی گرے اور اس کی کچھ حاجت نہ ہو تو اٹھا لے جانا جائز ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ اور تجنیس ملتقط میں ہے کہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کی چھت اور اس کے پڑوسی کی چھت برابر ہو اور چھت پر چڑھنے میں پڑوسی کے گھر میں نظر پڑتی ہو تو پڑوسی کو اختیار ہے کہ جب تک وہ اپنی چھت پر پردہ نہ بنائے تب تک اس کو چھت پر چڑھنے سے منع کرے اور اگر نظر پڑوسی کے گھر میں نہ پڑی ہو لیکن اگر پڑوسی لوگ چھت پر ہوں تو ان پر نظر پڑتی ہو تو پڑوسی اس کو چھت پر چڑھنے سے منع نہیں کر سکتا ہے اور امام ناصر الدین نے فرمایا کہ یہ ایک طرح کا استحسان ہے اور قیاساً یہ حکم ہے کہ وہ اس فعل سے منع کیا جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ یتیمہ میں ہے کہ میں نے شیخ ابو حامدؒ سے دریافت کیا کہ ایک شخص کے کھیت کی زمین اونچی ہے پس اس کو روا ہے کہ نہر کو کھول کر ایک روز یا آدھا روز پانی بہا کر اپنی زمین سیراب کر لے اگرچہ نیچے والے لوگ راضی نہ ہوں یعنی نہر کے بہاؤ پر اس شخص کی زمین سے جو لوگ نیچے کی طرف ہیں وہ راضی نہ ہوں تو فرمایا کہ ہاں اور ایسی ہی شیخ حمیر الوبریؒ نے تصریح فرمائی ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک شخص راستہ میں جاتا تھا راہ میں پانی تھا پس اس کو راہ نہ ملی سوائے ایک شخص غیر کی زمین میں کہ اس میں ہو کر راہ تھی تو اس زمین میں ہو کر چلے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور فتاویٰ اہل سمرقند میں غیر کی زمین میں ہو کر گذر جانے کے مسئلہ میں تفصیل مذکور ہے یعنی اگر زمین غیر میں چار دیواری یا کوئی اور چیز حائل ہو تو اس زمین سے ہو کر نہ گذرے اور اگر چار دیواری نہ ہو تو اس میں ہو کر گذرنے میں مضائقہ نہیں ہے اور حاصل یہ ہے کہ اس باب میں لوگوں کی عادت کا اعتبار ہے یہ محیط میں ہے اور نوازل میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے غیر کی زمین میں ہو کر گذرنا چاہا پس اگر سوائے اس کے دوسری راہ نکلتی ہو تو غیر کی زمین میں ہو کر نہ گذرے اور اگر نہ نکلتی ہو تو غیر کی زمین میں ہو کر گذر سکتا ہے جب تک کہ مالک اس کو منع نہ کرے اور جب منع کرے تو نہیں گذر سکتا ہے اور یہ حکم اکیلے آدمی کے حق میں ہے اور اگر ایک جماعت ہو تو یہ لوگ بدون اس شخص غیر یعنی مالک زمین کی رضامندی کے اس کی زمین سے ہرگز نہیں گذر سکتے ہیں یہ ذخیرہ میں ہے فتاویٰ میں ہے کہ شیخ ابو بکرؒ سے دریافت کیا گیا کہ جو راستہ نیا بنا لیا گیا ہو اس میں چلنا کیسا ہے تو فرمایا کہ اگر صاحب ملک نے اس کو نکالا ہو تو اس میں چلنا جائز ہے جب تک یہ ظاہر نہ ہو کہ یہ غصب ہے اور شیخ ابو بکرؒ نے فرمایا کہ شاذان بن ابراہیم بازار قطانین میں گذرتے تھے اور کوچہ اصفہانیہ کے سرے پر اپنا خچر باندھتے تھے اور ایسا ہی شیخ نصیر کرتے تھے اور شیخ ابو بکرؒ نے فرمایا کہ اکثر میری راہ یہی ہے اور میں اس کی آمد و رفت میں مضائقہ نہیں جانتا ہوں اور فقیہ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اس کوچہ کے لوگ جنازہ دوسرے راستہ سے نکالتے تھے اور اس بازار میں آمد و رفت مکروہ جانتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ چور ہے لیکن ان علماء کے قول کو لینا بہ نسبت ان عوام کے قول کے اولیٰ ہے پس اس سے گذرنا اور وہاں سے جنازہ نکالنا کچھ مضائقہ نہیں رکھتا ہے یہ حاوی میں ہے۔ ایک شخص کی نہر کا مجری دوسرے شخص کے دار میں ہے اور صاحب نہر بیچ نہر میں سے یا نہر کی کاریز میں ہو کر نہیں جا سکتا ہے اور اس کو منظور ہوا کہ نہر مذکور کی اصلاح کرے حالانکہ مالک دار اس کو اپنے دار میں داخل ہونے سے منع کرتا ہے تو مالک دار سے

---

[1] مثاعب پانی بہنے کی نالیاں ١٢ [2] ربض دیوار گرد شہر یعنی شہر پناہ خام ١٢

کہا جائے گا کہ یا تو اس کو اجازت دے دے کہ وہ اپنی نہر درست کر لے یا اس کے مال سے تو خود درست کر دے اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور دیوار کی صورت میں بھی یہی حکم ہے اور اس کی صورت یوں ہے کہ ایک شخص کی دیوار کا رخ دوسرے شخص کے دار کی طرف ہے اور اس نے دیوار پر کہگل لگانی چاہی مگر مالک دار نے اپنے دار میں آنے سے اس کو روکا حالانکہ سوائے دار میں ہو کر کسی اور طور سے وہ اپنی دیوار میں کہگل نہیں لگا سکتا ہے تو شیخ بلخیؒ نے فرمایا کہ مالک دار اس کو اپنی دیوار میں کہگل لگانے سے منع نہیں کر سکتا ہے ہاں یہ اختیار ہے کہ اس کو اپنے دار میں داخل ہونے سے منع کرے پھر دریافت کیا گیا کہ دیوار مذکور گر پڑی اور مالک دیوار نے اپنی دیوار کی مٹی منتقل کر لینی چاہیے اور بدون دار میں داخل ہونے کے کسی طور سے نہیں اُٹھا سکتا ہے تو فرمایا کہ مالک دار کو اختیار ہے کہ اپنے دار میں داخل نہ ہونے دے پھر دریافت کیا گیا کہ آیا وہ شخص اپنا مال اس کے دار میں چھوڑ دے تو فرمایا کہ مالک دار اس کو اپنا مال لینے سے منع نہیں کر سکتا ہے اپنے دار میں آنے دینے سے ممانعت کر سکتا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ مالک دار سے کہا جائے گا کہ یا تو اس کو اپنے دار میں آنے کی اجازت دے دے یا خود اس کی مٹی باہر نکال دے یہ ذخیرہ میں ہے واقعات ناطفی میں لکھا ہے کہ ایک شخص کی نہر دوسرے کی زمین میں ہو کر گذری ہے اور مالک نہر نے چاہا کہ زمین میں ہو کر اپنے نہر تک جا کر اس کی اصلاح کرے تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے ہاں اپنی نہر کے اندر اندر ہو کر جا سکتا ہے اور اگر نہر تنگ ہو کر اس میں چلنا ممکن نہ ہو تو بھی غیر کی زمین میں ہو کر نہیں جا سکتا ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم بنا بر قول امام اعظمؒ کے ہے کہ ان کے نزدیک نہر کے واسطے حریم کچھ نہیں ہوتا ہے اور موافق قول صاحبینؒ کے نہر کے واسطے حریم ہوتا ہے پس صاحب نہر اپنی نہر کے حریم پر چل سکتا ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم سب کے قول کے موافق ہے اور تاویل مسئلہ یہ ہے کہ مالک نہر نے اپنی نہر کا حریم مالک زمین کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے پھر ایسا واقع ہوا یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص کسی غیر کی زمین میں بدون اس کی اجازت کے گذرا پس اگر اس کے چلنے سے زمین مذکور میں ضرر ہوا جو مثلاً مزروعہ ہو یا رطبہ ہو تو اس پر واجب ہوگا کہ اس سے استحلال کرائے یعنی معاف کرا لے ورنہ نہیں لیکن اگر مالک زمین نے اس کو گذرتے دیکھ لیا ہو تو استحلال واجب ہوگا کیونکہ اس نے اس کو اس فعل سے ایذا دی ہے اور اگر کسی غیر کی زمین میں آمد و رفت کا حق حاصل ہو پھر حجت یعنی گواہوں کے ساتھ قاضی سے ثابت کرانے سے پہلے گھوڑے یا گدھے سمیت گذرا تو اس کو ایسا اختیار نہیں ہے کذا فی القنیہ۔ ایک شخص سے پیلہ ابریشم سے نکالنے کے واسطے منوال[1] بھٹری کی تو پڑوسیوں کو منع کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ ان لوگوں کو دخان و کیڑوں کی بدبو سے ضرر پہنچتا ہو اور نجم الائمہ بخاریؒ سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے والدین کے گھر میں ان کی رضامندی سے عتابیات اپنے کارخانہ کھڑا کیا تو چار ملاصق کو ممانعت کا اختیار نہیں ہے اور اگر اپنے واسطے طاحونہ بنایا تو منع نہ کیا جائے گا اور اگر کرایہ پر چلانے کے واسطے بنایا تو پڑوسی منع کر سکتے ہیں اور جو سنار بعد عشاء کے طلوع فجر تک سونے کا کام کھٹ کھٹ کو نکر کرتا رہتا ہو اس کو پڑوسی منع کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان کو اس کام سے ضرر پہنچتا ہو کذا فی القنیہ۔

پڑوسی کی دیوار سے ہٹا کر شجر لگائے تا کہ جڑیں دیوار کی بنیادوں کو نقصان نہ پہنچائیں ☆

ایک شخص نے ایک بستان بنایا اور اپنے پڑوسی کی دیوار کے نیچے درخت جمائے تو شیخ ابوالقاسم نے فرمایا ہے کہ اس کے واسطے کوئی تقدیر نہیں ہے کہ کتنی دور ہٹا کر لگائے مگر یہ واجب ہے کہ پڑوسی کی دیواروں سے اتنی دور ہٹا کر جمائے کہ اس کی دیوار کو مضرت نہ پہنچے کذا فی فتاویٰ قاضی خان ایک شخص کا مجوہ ہے یعنی جس میں برف رہتی ہے پھر اس کے پڑوسی نے چاہا کہ اس کے پہلو

[1] منوال بطور بھٹی کے بلند کرتے ہیں جس کے دھوئیں و بدبو سے دماغ پریشان ہو سکتا ہے اور اسی قیاس پر چمڑے والوں کا کارخانہ ہے جس کی بدبو سے لوگوں کو ایذا ہو اور اسی طرح ضرر عام کی ممانعت صریح روایت ملتقط میں منصوص ہے ۱۲

میں الاؤ آگ کا بنائے تو اس سے منع نہ کیا جائے گا مگر اولیٰ یہ ہے کہ ایسا نہ کرے یہ سراجیہ میں ہے شیخ ابوالقاسمؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنے دار میں اصطبل بنایا حالانکہ پہلے وہ مسکن تھا اور اس سے اس کے پڑوسی کو ضرر پہنچتا ہے پس اگر چوپاؤں کا منہ پڑوسی کے دیوار کی طرف ہو تو وہ منع نہیں کر سکتا ہے اور اگر چوپاؤں کی پچھاڑی اس کی دیوار کی طرف ہو تو اس کو ممانعت کا اختیار ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔ ایک نانوائی نے بزازون کے بیچ میں اپنی دکان جمائی تو اس سے منع کر دیا جائے گا اسی طرح جو ضرر عام ہو اس کا یہی حکم ہے اور ایسا ہی شیخ ابوالقاسمؒ نے فتویٰ دیا ہے یہ ملتقط میں ہے اور جو شخص شوربا پکا کر یا جلیبی بنا کر فروخت کرتا ہے اس کو ممانعت نہ کی جائے گی کیونکہ اس میں خوشبو ہے ہر شخص کے واسطے اس میں ضرر نہیں ہے بلکہ بعض کو اس میں لذت ملتی ہے لیکن اگر اس کی دکان کا دھواں ہمیشہ رہتا ہو تو ممانعت ہو سکتی ہے یہ قنیہ میں ہے۔ شیخ محمد بن مقاتل سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے دوسرے کا پانی چورا کر اپنی زمین یا باغ انگور کو دیا تو فرمایا کہ جو پیداوار ہو وہ اس کے واسطے حلال ہوگی بمنزلہ اس صورت کے کہ ایک شخص نے دوسرے کے جو یا بھوسا غصب کر کے اپنے جانور کو کھلائے اور اس کو موٹا کیا تو اس پر واجب ہوگا کہ جو غصب کیا ہے اس کی قیمت دے اور جانوروں میں جس قدر موٹائی آتی ہے وہ حلال ہے اور واضح ہو کہ قیمت کا ذکر سہو سے واقع ہوا اور صحیح یوں ہے کہ جو غصب کیا ہے اس کے مثل دینا واجب ہوگا اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ بعض زاہدوں کا قصہ منقول ہے کہ بغیر وقت نوبت یعنی باری کے خلاف وقت میں پانی اس کے باغ انگور میں چلا[1] آیا تو اس نے حکم کیا کہ میرے انگور کے درخت کاٹ ڈالے جائیں گے مگر ہم انگور کو قطع کرنے کا حکم نہیں دیتے ہیں لیکن اگر انگور کے پھر جو پیدا ہوں وہ صدقہ کر دے تو اچھا ہے مگر اس پر صدقہ کرنا باعتبار حکم کے واجب نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔

بنا اجازت کے غیر کی زمین پہ کاشتکاری کرنا ☆

فقیہ ابوالقاسمؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے دوسرے کی زمین میں بدون اس کی اجازت کے زراعت کی اور مالک زمین کو معلوم نہ ہوا یہاں تک کہ کھیتی کاٹنے کے لائق ہو گئی پھر مالک زمین کو معلوم ہوا اور وہ رضامند ہو گیا پس آیا کاشتکار کو پیداوار حلال ہے فرمایا کہ ہاں پھر دریافت کیا گیا کہ اگر مالک زمین نے کہا کہ میں راضی نہیں ہوں پھر کہا کہ میں راضی ہوا پس آیا کاشتکار کو پیداوار حلال ہے فرمایا کہ ہاں اس صورت میں بھی حلال ہے اور فقیہ ابواللیثؒ نے کہا کہ یہ حکم بدلیل استحسان ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر کسی شخص نے زمین جور کو اس کے متصرفین سے مزارعت پر لی تو شیخ ابوالقاسم نے فرمایا کہ کاشتکاروں کا حصہ ان لوگوں کو حلال ہے اگر انہوں نے زمین مذکور مزارعت پر لی ہو یا اجارہ پر لی ہو اور اگر جور میں درختان انگور یا اور قسم کے درخت ہوں پس اگر ان درختوں کا مالک معلوم ہو تو کاشتکاروں کو حلال نہیں ہے اور اگر نہ معلوم ہو تو حلال ہے کیونکہ ایسی زمین کی تدبیر کا اختیار جس کا مالک معلوم نہ ہو سلطان کو ہے اور ایسی زمین بمنزلہ زمین موات کے ہوگی مگر سلطان پر لازم ہوگا کہ نصف پیداوار مساکین کو صدقہ دے دے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا اور کاشتکاروں کو اپنا اپنا حصہ حلال ہوگا اور جو شخص ان کی رضامندی سے اس میں سے کچھ کھائے گا اس کو بھی کھانا حلال ہے اگرچہ ایک نوع کے شبہ سے خالی نہیں ہے مگر مشائخ نے فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں غالباً جو ہاتھ آتا ہے اس میں شبہ ہوتا ہے پس مسلمان پر یہی واجب ہے کہ جس کو حرام معائنہ کر لے فقط اس سے دور بھاگے ایک عورت کا شوہر زمین جور میں ہے اس کے پاس مال ہے جو سلطان کی طرف سے حاصل کرتا ہے اور وہ عورت کہتی ہے کہ میں زمین جور میں تیرے ساتھ نہیں رہوں گی تو فقیہ ابوبکر بلخی نے فرمایا کہ اگر عورت مذکور نے اپنے شوہر کا کھانا کھایا اور یہ کھانا بعینہ مال غصب نہیں ہے تو عورت مذکور کو اس کھانے کی گنجائش ہے اسی طرح اگر شوہر مذکور نے اس عورت کے واسطے کھانا یا کپڑا اپنے مال سے جس کی اصل حلال

[1] یعنی نہر کا پانی جو باری باری سے دیا جاتا ہے ۱۲

نہیں ہے خرید کیا تو عورت مذکور کو اس جامہ و نان کے استعمال کی شرعاً گنجائش ہے اور گناہ شوہر پر ہوگا۔ واضح ہو کہ ارض جور اس زمین کو کہتے ہیں جس کا مالک اس بات پر قادر نہ ہو کہ اس میں زراعت کر کے خراج ادا کرے پس وہ شخص امام المسلمین یعنی خلیفہ وقت کو دے دیتا ہے تاکہ اس کی منفعت بجائے خراج کے مسلمانوں کے واسطے ہو اور اصل زمین اس کے مالک کی ملک رہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک جماعت پر ناحق کی جبایت باندھی گئی یعنی کچھ مال بطور ٹکس وغیرہ کے ناحق مقرر کیا گیا پس اگر ان میں سے کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اپنے اوپر سے اس جبایت کو دور کر سکتا ہے تو بقدر اپنے حصہ کے اپنے اوپر سے دور کرے بشرطیکہ ایسا نہ ہو کہ اس کا حصہ باقیوں پر ڈالا جائے ورنہ اولیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر سے بھی دور نہ کرے ایک شخص نے دوسرے کی ذات پر کوئی ظلم ہوتا تھا اس کو دفع کر دیا پس اس مظلوم نے اس مدد کرنے والے کو بیس دینار دیئے پھر مدد کرنے والے نے اس کے ہاتھ ایک درم بعوض ان بیس دینار کے فروخت کیا تاکہ یہ دینار اس کو حلال ہو جائیں تو حلال نہیں ہے اور مجد الائمہ ترجمانی نے فرمایا کہ یہ موافق قول امام محمدؒ کے ہے اور شیخین کے قول کے موافق اس میں مضائقہ نہیں ہے لیکن اگر بائع نے بطور تلجیہ بیع کی ہے تو بیع نہ ہوگی یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص کے پاس مال وعیال ہیں اور لوگ راہ کی حفاظت کرنے اور قافلہ کی پیش روی کرنے میں اس کے محتاج ہیں پس اگر اس سے ممکن ہو کہ راہ کی حفاظت کرے اور اس کے عیال ضائع نہ ہوں تو حفاظت کرنا افضل ہے اور اگر دونوں باتوں کا سرانجام اس سے نہ ہو سکے تو عیال کی پرداخت کرنا افضل ہے اور اگر اس نے راہ کی حفاظت کا سرانجام کیا پھر اس کو کچھ ہدیہ دیا گیا پس اگر اس نے نہ لیا تو افضل ہے اور اگر لے لیا تو لینا حرام نہیں ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔

اسمٰعیل متکلم نے کہا کہ اگر موذی کو اس شخص نے جس کو موذی نے ایذا دی ہے بار ہا سلام کیا اور موذی کے سلام کا جواب بھی دیتا رہا اور موذی کے ساتھ احسان کرتا رہا یہاں تک کہ موذی کا گمان غالب یہ ہوا کہ اس کے دل سے وہ بات ایذا کی جاتی رہی ہے اور میری طرف سے کشادہ دل ہو گیا ہے تو موذی معذور نہ ہوگا اور اس پر واجب ہے کہ اس سے معاف کرا دے اور اسمٰعیل متکلم نے کہا کہ موذی نے ایک شخص کو ایذا دی اور فی الحال اس سے معاف نہ کرایا اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے کہ یہ شخص مجھ سے ابھی غصہ میں ہے مجھے معاف نہ کرے گا تو معاف کرانے میں دیر کرنے میں معذور نہ ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے امیروں وغیرہ کے چرواہے کو روٹی دی تاکہ میری بکریاں اس کے خطیرہ یا زمین میں رات کو رکھا کرے جیسی کہ عادت جاری ہے تو یہ جائز نہیں ہے اسی طرح اگر دوسری بکریاں خود چرواہے کی ملک ہوں تو بھی یہی حکم ہے اس واسطے کہ یہ رشوت ہے اسی طرح اگر اس نے روٹی دینے میں یہ شرط صریح نہ لگائی کہ رات میں میری بکریاں وہاں رکھا کرے تو بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ امر رواج کی راہ سے مشروط ہے پس دینے والے کو اختیار ہے کہ جو اس نے دیا ہے وہ واپس کر لے اور اس میں حیلہ یہ ہے کہ بکریوں کو اس کے مالک سے عاریت لے لے پھر بکریوں کا مالک چرواہے کو حکم دے کہ ان بکریوں کو رات میں مستعیر کے پاس رکھے پھر جس قدر دیتا ہے وہ اس کو بطور احسان کے دے نہ بطور اجرت کے اور مؤلفؒ نے فرمایا کہ اگر چرواہا بدون کچھ لئے ہوئے فقط اس کے حکم سے بکریاں رات کو وہاں نہ رکھے تو بھی دینا رشوت ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ قیلولہ[1] کر کے راحت حاصل کرنا مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ قیلولہ کیا کرو کہ شیطان (۱) قیلولہ نہیں کرتا ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔ اور قیلولہ میں المجلین[2] مستحب ہے یعنی میاں راس الشعیر و میان راس الحطہ اور مستحب ہے کہ آدمی پہلے چت لیٹے پھر ایک ساعت داہنی کروٹ پر قبلہ رخ لیٹے پھر بائیں کروٹ پر سوئے کذا فی السراجیہ اور طلوع آفتاب

[1] قیلولہ یعنی دوپہر کو خفیف لوٹ پوٹ لینا خواہ نیند آئے یا نہ آئے ۱۲ منہ [2] کذا فی النسخۃ الموجودۃ اور مراد یہ کہ گرمی کے موسم میں ۱۲

(۱) یعنی شیطان کے خلاف کیا کرو ۱۲

کے بعد سونا اور مغرب وعشاء کے درمیان سونا مکروہ ہے اور میں نے بعض مقام پر لکھا دیکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک عشاء کی نماز کے بعد سونے سے کوئی سونا پسندیدہ تر نہ تھا اور چاہئے کہ ایسے بچھونے پر سوئے جو نہ زیادہ نرم ہو اور نہ زیادہ کڑا ہو درمیانی ہو اور اپنے گال کے نیچے اپنی دائیں ہتھیلی رکھے اور یاد کرے کہ عنقریب میں اسی طرح قبر میں تنہا لیٹوں گا کہ میرے ساتھ سوائے میرے اعمال کے کچھ نہ ہوگا اور کہا گیا ہے کہ دائیں کروٹ لیٹنا مؤمن کی لٹائی ہے اور بائیں کروٹ پر لیٹنا بادشاہوں کی لٹائی ہے اور چت آسمان کی طرف منہ کر کے لیٹنا انبیاء علیہم السلام کی لٹائی اور اوندھے منہ کے بل لیٹنا کافروں کی لٹائی ہے اور اگر کسی کا پیٹ خوب بھرا ہوا اس کو پیٹ میں درد ہو جانے کا خوف ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ اپنے پیٹ کے نیچے تکیہ رکھ لے اور اس پر سوئے اور سوتے وقت تہلیل وتحمید وتسبیح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا رہے یہاں تک کہ اس کو نیند آ جائے اس واسطے کہ سونے والا اسی حال پر اُٹھایا جائے گا جس پر سویا تھا یعنی برابر اس کو ثواب ملتا رہے گا اور میت قیامت کے روز اسی حال پر اُٹھایا جائے گا جس پر مرا تھا پھر صبح سے پہلے اپنی خواب گاہ سے اُٹھ کھڑا ہو کہ زمین اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے یعنی ایک تو جو شخص زنا کر کے زمین پر غسل کرتا ہے اور ایک جو خون ناحق زمین پر بہاتا ہے اور ایک جو صبح کے بعد سوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے اور جب خواب سے جاگے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو اور عزم مصمم کئے ہوئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس سے بچوں گا اور یہ نیت کئے ہوئے کہ بندگان خدائے تعالیٰ میں سے کسی پر ظلم نہ کروں گا اس حالت سے جاگے یہ غرائب میں ہے فتاویٰ آہو میں لکھا ہے کہ قاضی برہان الدین سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے پہاڑ سے بنِل چکی کا پتھر کاٹا مگر سب نہیں کٹا تھا کہ کچھ رہ گیا تھا کہ چھوڑ کر چلا آیا پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے باقیماندہ پتھر کاٹ لیا تو فرمایا کہ وہ پتھر دوسرے کا ہوگا اس وجہ سے کہ پہلے شخص نے اس کو اپنے احراز[1] میں نہیں کر لیا تھا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔
اناج کی ایک ڈھیری ہے اس کے کسی جانب کچھ نجاست پہنچی اور بطور معین نہیں معلوم کہ کہاں پہنچی ہے پھر اس نے اس میں سے ایک قفیز یا دو قفیز جدا کر کے اس کو دھو ڈالا یا بیع و ہبہ کر کے اپنی ملک سے نکال دیا تو باقی ڈھیری کی طہارت کا حکم دیا جائے گا اور اس کا کھانا حلال ہوگا اور ہمارے اصحاب سے اس مسئلہ میں کوئی روایت نہیں ہے اور ہمارے مشائخ نے اس کو ایک مسئلہ سے جو سیر کبیر میں مذکور ہے استخراج کیا ہے وہ مسئلہ اس صورت سے مذکور ہے کہ دارالحرب میں مسلمانوں نے کافروں کے قلعہ کا محاصرہ کیا اس قلعہ میں مسلمانوں کا کوئی ذمی (۱) داخل ہوا پھر مسلمانوں نے وہ قلعہ فتح کر لیا اور قلعہ کے مرد گرفتار کئے اور یہ بات یقیناً جانتے ہیں کہ ذمی انہیں لوگوں میں گرفتار ہے۔ مگر مسلمان لوگ یہ نہیں پہچانتے ہیں کہ بعینہ یہ ذمی ہے مگر گرفتاروں میں سے ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ذمی میں ہوں تو مسلمانوں کو ان کا قتل کرنا حلال نہیں ہے اور اگر ذمی کے قلعہ میں داخل ہونے کے بعد اہل قلعہ میں سے کوئی شخص قتل کیا گیا ہو یا مر گیا ہو یا باہر نکل گیا ہو تو مسلمان کو ان کا قتل کرنا حلال ہوگا اس واسطے کہ جب ایک قتل کیا گیا یا مر گیا یا قلعہ سے نکل گیا تو یہ یقین نہ رہا کہ ان میں وہ شخص ضرور ہے جس کا قتل کرنا حرام ہے کیونکہ جائز ہے کہ جس کا قتل حرام تھا وہی قتل ہو گیا یا مر گیا یا قلعہ سے نکل گیا ہو یہ محیط میں ہے۔

مردار کی چربی کا استعمال ☆

اگر مردار کی پگھلائی ہوئی چربی تیل میں مل گئی تو اس سے چراغ روشن کرنا یا دباغت میں خرچ کرنا جائز ہے بشرطیکہ تیل زیادہ ہو یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر کوئی دستاویز کسی نابالغ کے سامنے پڑھی گئی یعنی اس کو پڑھ کر سنائی گئی حالانکہ وہ نہیں سمجھتا ہے کہ اس میں کیا مضمون ہے پھر وہ بالغ ہوا تو اس کو روا نہیں ہے کہ جو کچھ اس میں ہے اس کی گواہی دے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر بالغ کو دستاویز پڑھ

[1] یعنی بحرز خود نیاوردہ است ۱۲ (۱) مگر مسلمان اس کو بعینہ نہیں پہچانتے ہیں ۱۲

کر سنائی جائے اور وہ اس کے مضمون کو نہ سمجھتا ہو تو بالغ کو یہ روا نہیں ہے کہ جو کچھ اس میں ہے اس کی گواہی دے۔ فقیہؒ نے فرمایا کہ عشاء کے بعد سمر یعنی افسانہ کی باتیں کرنے کو بعض مشائخؒ نے مکروہ کہا ہے اور بعض نے اجازت دی ہے اور فقیہ نے فرمایا کہ سمر تین طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ علمی مذاکرہ ہو تو یہ سو رہنے سے افضل ہے دوم یہ کہ اگلے لوگوں کے جھوٹے قصے اور دروغ باتیں اور مسخرہ پن کی باتیں اور مضحکہ ہو تو یہ مکروہ ہے اور سوم یہ موانست کی باتیں ہوں مگر جھوٹ سے اجتناب ہو اور باطل باتیں نہ ہوں تو اس میں مضائقہ نہیں ہے مگر اس کا ترک افضل ہے اور اگر ایسا کریں تو چاہئے کہ آخر کار اللہ تعالیٰ کے ذکر و تسبیح و استغفار کی طرف رجوع کریں کہ اس کا ذکر کا خاتمہ بخیر ہو اور جو باتیں شہروں وغیرہ میں نئی پیدا ہوتی ہیں ان کی خبر دریافت کرنے میں مختار یہ ہم کہ خبر دریافت کرنے اور خبر دینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ عالم اپنے جی سے اس طرح بیان کرے کہ میں عالم ہوں تاکہ اس کا علم ظاہر ہو اور اس سے لوگ مستفید ہوں مگر ضرور چاہئے کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بیان ہو یعنی یوں باتیں کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی ہے کذا فی الغرائب۔ فقیہ نے فرمایا کہ علم کے اقسام ہیں اور سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھے ہیں مگر فقیہ کے مانند نہیں پس آدمی کو چاہئے کہ اس کے نزدیک فقہ کا سیکھنا سب سے زیادہ لائق اہتمام ہو اور جب وہ فقہ میں سے اچھا حصہ حاصل کر پائے تو اس کو چاہئے کہ اسی پر قناعت نہ کرے بلکہ علم زہد و کلام حکمت و حکماء و شمائل صالحین کو دیکھے اور آدمی پر علم کا طلب کرنا اس قدر فرض ہے کہ اس کو شرائع و امور معاش جو ضروری ہیں معلوم ہو جائیں جیسے وضو و نماز وغیرہ باقی شرائع و امور معاش اور اس کے سوائے فرض نہیں پس اگر اس نے علم ان کا بھی حاصل کیا تو افضل ہے اور اگر ترک کیا تو اس پر گناہ نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے۔

نوازل میں ابو عاصمؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ احادیث کی طلب و جستجو کرنا مفلسوں کا پیشہ ہے اور مراد یہ ہے کہ جب اس نے حدیث کو طلب کیا اور حدیث سے فقہ حاصل نہ کی کذا فی التاتارخانیہ اقول قصرو کسرولا آخذ بہ فافہم۔ اور علم [1] نجوم اس قدر حاصل تھا جس سے قبلہ و اوقات نماز پہچاننے میں مضائقہ نہیں ہے اور اس سے زیادہ حرام ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ علم کلام سیکھنا اس میں نظر کرنا و مناظرہ کرنا سوائے قدر و حاجت کے مکروہ ہے اور بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں جواب اس طرح ہے کہ کثرت سے مناظرہ کرنا اور مجادلہ میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ ایسا کرنا اشاعت بدع و فتن و تشویش عقائد کی جانب مودی ہوتا ہے اور یہ ضرور ممنوع ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے اور مسئلہ کلامیہ کو اگر ٹھیک طور پر نہ جانتا ہو تو اس میں مناظرہ نہ کرے اور امام محمدؒ مسئلہ کلامیہ میں مناظرہ کرتے تھے یہ ملتقط میں ہے اور شیخ امام ابوالعسیر صدر الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ میں ان کتابوں کو جن کو متقدمین نے علم توحید میں تصنیف کیا ہے ملاحظہ کیا پس بعض کو میں نے فلاسفہ [2] مثل اسحاق کندی و استقراری وغیرہما کی تصنیف سے دیکھا یہ سب دین مستقیم سے خارج و طریقہ قویم سے برگشتہ ہیں ان کتابوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے اور ان کا رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ کتابیں شرک و گمراہی سے بھری ہوئی ہیں اور فرمایا کہ میں نے اس فن میں بہت سے معتزلہ مثل عبدالجبار رازی و جبائی و کعبی و نظام وغیرہ کی تصانیف پائی ہیں سو ان کتابوں کا دیکھنا اور ان کا رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ تاکہ شکوک نہ پیدا ہوں اور عقائد میں ضعف و سستی نہ آ جائے اسی طرح فرقہ مجسمہ

---

[1] اقول علم نجوم سے اگر اصطلاحی معنی مراد ہیں تو جمہور علماء کے خلاف ہے کہ انہوں نے مطلقاً حرام کہا اور اگر یہ مراد ہے کہ ستاروں کی شناخت اس غرض سے ہو تو یہ حکم موافق کتاب الٰہی ہے اور یہی معنی لینا صواب ہے اور تمام تحقیق تفسیر مترجم سے تلاش کرنا چاہئے ۱۲ [2] فلاسفہ الخ واضح ہو کہ علم منطق فقط چند قواعد کلیہ کا نام ہے اور ان میں مضائقہ نہیں لیکن مانند موجہات وشرح سلم وغیرہ کے جو مسئلہ الٰہیات سے مخلوط ہیں حالانکہ راہ توحید و علم معرفت سے کردروں کوس دور ہیں وہ دین و دنیا میں رائگاں بلکہ معرفت سے برعکس یعنی محض ضلالات ہیں اور مترجم بعد واقفیت کے حق نصیحت کرتا ہے والایک مثل اخبیہ واللہ تعالیٰ ہو البادی بلکہ علم طب اس سے مد ... بہتر ہے فافہم ۲ منہ

مثل محمد بن ہیثم وغیرہ نے بھی اس فن میں کتابیں تصنیف کی ہیں ان کتابوں کا دیکھنا اور رکھنا بھی حلال نہیں ہے کہ یہ لوگ بدعتیوں میں سے زیادہ بدترین ہیں۔ اور ابوالحسن اشعری نے مذہب معتزلہ کی تصحیح کے واسطے بہت سی کتابیں تصنیف کیں پھر جب اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے فضل سے اس کو ہدایت عطا کی تو اس نے ایک کتاب تصنیف کی جس سے اس کو توڑا جو معتزلہ کے مذہب کی تصحیح میں تصنیف کیا تھا لیکن ہمارے اصحاب اہل سنت و جماعت نے ابوالحسن اشعری کے بعض مسائل میں غلطی ثابت کی ہے جس میں ابوالحسن اشعری نے خطا کی ہے سو جو شخص ان مسائل پر واقف ہو اور اس کی خطا کو پہچانے تو اس کو اس کی کتابوں میں نظر کرنے میں مضائقہ نہیں ہے اور عامہ اصحاب شافعی (۱) نے اسی کو اختیار کیا ہے جس پر ابوالحسن اشعری جما ہے حالانکہ ان مسائل کی تعداد جن میں ابوالحسن اشعری نے خطا کی ہے طویل ہے اسی طرح ان کتابوں کے رکھنے میں جن کو ابومحمد عبداللہ سعید القطان نے تصنیف کیا ہے مضائقہ نہیں ہے اور یہ شیخ ابوالحسن اشعری سے مقدم ہے اور اس کے اقوال اہل سنت و جماعت کے اقوال سے موافق ہیں سوائے چند مسئلوں کے جن کی تعداد دس تک نہیں پہنچتی ہے پس اس قدر مسئلوں میں اس نے البتہ اہل سنت سے اختلاف کیا ہے لیکن ان کتابوں میں نظر کرنا اسی شرط سے حلال ہے کہ جس جس مسئلہ میں مصنف نے خطا کی ہے اس پر وقوف ہو یہ ظہیریہ میں ہے اور علوم مذمومہ میں سے علوم فلاسفہ ہیں چنانچہ جو شخص علم میں متبحر نہ ہو اور جو برا ہیں ان پر حجت ہیں یعنی جس دلائل سے وہ مغلوب ہوتے ہیں وہ سب نہ جانتا ہو اور جس قسم کے وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں ان کے شبہات کے دفع کرنے اور ان کے اشکالات کے جواب سے واقف نہ ہو اس کو ان کی کتابوں میں نظر کرنا جائز نہیں ہے۔ علوم تین طرح کے ہوتے ہیں ایک علم نافع اس کی تحصیل واجب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت و ماسوائے اللہ تعالیٰ کے اور چیزوں کی پیدائش کا علم ہے اور اس کے بعد علم بحلال وحرام وامر ونہی اور وہ احکام جس کے ساتھ انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں اور ایک علم جس سے اجتناب واجب ہے اور وہ سحر و علم فلسفہ وطلسمات ہے اور علم نجوم سوائے قدر حاجت کے کہ جس سے اوقات نماز وطلوع فجر وتوجہ بقبلہ وراہ کی شناسائی ہو اور ایک وہ علم جس میں کوئی ایسا نفع نہیں ہے جس کو جاننے والا آخرت میں لے جائے اور وہ علم جدال از مناظرات ہے پس ایسے علم کی طرف مشغول ہونا ایک ایسی چیز کے واسطے عمر برباد کرنا ہے جس کا آخرت میں کچھ نفع نہیں ہے اور اس علم میں اس واسطے مشغول ہوتے ہیں کہ اپنے خصوم کو مغلوب کریں یہ غرض نہیں ہوتی ہے کہ حق ظاہر کریں اور مسائل میں جو فرق ہے اس پر وقوف ہو اور احکام سے تناقض دور کریں پس اگر اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے علم میں جو اس کے حق میں دنیا یا آخرت میں مفید ہو مشغول ہو اور عمر ضائع نہ کرے تو اولیٰ ہے کذافی جواہر الفتاویٰ اگر دو شخصوں نے علم تجار وغیرہ سیکھا مگر ایک کی نیت یہ ہے کہ سیکھ کر دوسروں کو تعلیم کرے اور دوسرے کی نیت یہ ہے کہ سیکھ کر خود عمل کرے تو اوّل افضل ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ تمویہ وحیلہ مناظرہ میں آیا حلال ہے پس اگر اس شخص سے کوئی شاگرد رشید[1] یعنی نیک راہ وغیر یا انصاف بلاتعنت گفتگو کرتا ہے تو اس کے ساتھ تمویہ وحیلہ حلال نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا شخص گفتگو کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو زیر کرے و براہ تعنت گفتگو کرتا ہے تو اس کو حلال ہے کہ جس حیلہ سے اپنے نفس کو بچا سکے عمل میں لائے اس واسطے کہ تعنت کو دفع کرنا جس طور سے ممکن ہو مشروع ہے یہ محیط میں ہے۔

جامع الجوامع میں ہے کہ عاصی کو بدین غرض تعلیم دینا کہ عصیان سے پرہیز کرے جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ عربی زبان باقی تمام زبانوں سے افضل ہے اور یہی اہل جنت کی زبان ہے پس جو شخص سیکھے یا دوسرے کو سکھلائے اس کو ثواب ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ علم ایسے ہی شخص سے حاصل کرے جو امین ہو یعنی ثقہ ہو یہ غرائب میں ہے۔ علم اور فقہ کا حاصل کرنا اگر نیت خیر ہو تو آدمی کے تمام نیک کاموں سے افضل ہے اسی طرح صحت نیت کے ساتھ علم کا پڑھانا بھی یہی حکم رکھتا ہے کیونکہ یہ اہم

---

[1] یعنی نیک راہ والا ۱۲ منہ (۱) یعنی شافعی کے مذہب ۱۲

ہے لیکن شرط اس کے ساتھ یہ ہے کہ آدمی پر جو باتیں فرض ہیں ان میں کسی طرح کا نقصان نہ آنے پائے اور صحت نیت سے یہ مراد ہے کہ علم کو اللہ تعالیٰ کے واسطے آخرت کی نیت سے تحصیل کرے دنیا وجاہ کا طلب کرنا مقصود نہ ہو اور اگر اس نے جہالت سے نکل جانا اور خلق کو نفع پہنچانا اور احیائے علم کی نیت کی تو بھی کہا گیا ہے کہ اس کی نیت صحیح ہے یہ وجیز کردری میں ہے اور جو شخص صحیح نیت پر قادر نہ ہو اس کو ترک کرنے کی بہ نسبت علم سیکھنا افضل ہے یہ غرائب میں ہے۔ اور متعلم یعنی طالب علم کو چاہئے کہ اپنے علم میں بخیل نہ ہو اگر اس سے کوئی شخص کتاب عاریت مانگے یا کسی مسئلہ کی فہم میں مدد لے یا اس کے مثل تو اس میں بخل نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ علم حاصل کرنے سے خلق کی منفعت چاہتا ہے پس فی الحال منفعت کو روکنا نہ چاہئے اور امام عبداللہ بن المبارک نے فرمایا کہ جو شخص اپنے علم میں بخل کرے وہ تین میں سے ایک بات میں مبتلا ہوگا یا مر جائے گا پس اس کا علم جائے گا یا سلطان کے مواخذہ میں مبتلا ہوگا یا جو علم جانتا ہے وہ بھلا دیا جائے گا اور طالب علم کو چاہئے کہ علم کی توقیر کرے اور یہ نہ چاہئے کہ کتاب کو خاک پر رکھے اور جب پیخانہ سے نکلے اور کتاب کو چھونا چاہئے تو مستحب ہے کہ وضو کرے یا دونوں ہاتھ دھو ڈالے پھر کتاب کو لے اور طالب علم کو چاہئے کہ تھوڑی معیشت پر راضی ہو اور عورتوں[1] سے ایک گوشہ میں رہے مگر یہ نہ کرے کہ کھانے پینے وسونے سے اپنے نفس کی حفاظت ترک کرے اور طالب علم کو چاہئے کہ لوگوں سے معاشرت ومخالطت کم رکھے اور لایعنی باتوں میں مشغول نہ ہو اور طالب علم کو چاہئے کہ ہمیشہ درس رکھے اور اپنے ساتھیوں سے یا تنہا خود مسائل کا ذکر کیا کرے اور طالب علم کو چاہئے کہ اگر اس سے اور کسی شخص سے منازعت وخصومت واقع ہو تو اس سے نرمی کا برتاؤ کرے اور انصاف سے چلے تاکہ اس کے وجاہل کے درمیان فرق ہو اور آدمی کو چاہئے کہ اپنے استاد کے حقوق و آداب کا لحاظ رکھے کسی مال کی اس کے ساتھ تنگی نہ کرے اور اگر اس سے سہو ہو جائے تو سہو میں اس کی اقتدا نہ کرے یہ غرائب میں ہے۔

اپنے سے افضل کو کن القاب سے پکار سکتا ہے؟

معلم کا حق اپنے والدین اور باقی تمام لوگوں کے حق پر مقدم رکھے اور اگر اپنے استاد کو کہا کہ یا مولانا تو مضائقہ نہیں ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے بیٹے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ اپنے مولانا[2] کے سامنے کھڑا ہو یعنی استاد کے سامنے اسی طرح اگر اپنے سے افضل کو یہ لفظ کہا تو مضائقہ نہیں ہے اور جس نے اس کو بھلائی کی تعلیم کی اگرچہ ایک حرف ہو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آئے اور یہ نہ چاہئے کہ اس کو خوار سمجھے اور نہ چاہئے کہ اس سے بڑھ کر کسی دوسرے کو برگزیدہ کرے اور اگر ایسا کیا تو کرنے والے نے گویا اسلام کی ہتھیوں[3] میں سے ایک ہتھی توڑ ڈالی اور استاد کی تعظیم میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا دروازہ نہ بجائے بلکہ اس کے برآمد ہونے کا منتظر رہے اور جس کو تعلیم دے وہ ایسا شخص ہونا چاہئے جو اہلیت علم رکھتا ہے اور جو اہلیت رکھتا ہو اس سے علم کو پوشیدہ نہ کرے اور اگر اس نے علم ایسے کو سکھلایا جو اس کا اہل نہیں ہے تو اس نے ضائع کیا اور اگر ایسے شخص سے جو علم کی اہلیت رکھتا ہے علم کو دریغ رکھا تو ظلم وجور کیا اور ابن مقاتل سے مروی ہے کہ علم میں نظر کرنا پانچ ہزار دفعہ قل ھو اللہ احد پڑھنے سے افضل ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے تھوڑا قرآن پڑھا پھر چھوٹ گیا پھر اس کو فراغ حاصل ہوا تو پورا قرآن ختم کرے اور پورے قرآن پڑھنے سے فقہ پڑھنا افضل ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص سے ممکن ہو کہ رات میں نماز پڑھے یا دن میں علم دیکھے تو اگر وہ شخص ذہین ہو تو اس کا علم پر نظر کرنا افضل ہے اور زیادہ حاصل کرے۔ کیونکہ علم میں نظر کرنا نماز سے افضل ہے اور تمام قرآن کا پڑھنا نفل

---

[1] یعنی عورتوں سے بچا رہے ۱۲ منہ ۱۲ [2] یعنی اپنے مولیٰ کے سامنے والترجمہ للتفہیم فافہم ۱۲ [3] یہ تشبیہ ہے اور معنی یہ کہ برتن کے گرفت کا مقام جس کو فارسی میں دستگی کہتے ہیں اور مقصود ترک طریقہ اسلام ہے ۱۲ منہ

نماز سے افضل ہے۔ یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر معلم چاہے کہ مجھے ثواب حاصل ہو اور میرا عمل انبیاء علیہم السلام کے عمل کی طرح ہو تو اس کو چاہئے کہ پانچ باتوں کو یاد رکھے اوّل آنکہ اجرت نہ ٹھہرائے اور نہ تقاضا کرے بلکہ جو شخص اس کو دے اس سے لے لے اور جو نہ دے اس کو چھوڑ دے اور اگر حروف تہجی یعنی الف بے وغیرہ اور بچوں کی حفاظت کرنے پر اجرت شرط کر لی تو جائز ہے دوم یہ کہ ہمیشہ باوضو رہے سوم یہ کہ پوری کوشش تعلیم میں صرف کرے اور اس کام میں متوجہ رہے چہارم آنکہ لڑکے جب جھگڑا کریں تو ان میں عدل سے کاروائی کرے اور ایک کا دوسرے سے انصاف دلائے اور یہ نہ کرے کہ امیروں کے لڑکوں کی طرف میل کرے اور فقیروں کے لڑکوں کی طرف توجہ نہ کرے پنجم یہ کہ دکھ دینے والی مار نہ مارے اور حد سے تجاوز نہ کرے کیونکہ اس سے قیامت کے روز حساب لیا جائے گا۔ ایک گاؤں کے لوگوں نے بیج جمع کر کے امام مسجد کے واسطے زراعت کر دی تو مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ پیداوار حاصل ہو وہ امام کو دینے سے پہلے بیج کے مالکوں کی ہوگی یہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے۔ فقیہوں کے واسطے بیت المال میں سے کچھ حصہ نہیں ہے لیکن اگر کسی فقیہ نے اپنے تئیں سب کام سے فارغ کر کے اسی کام میں لگا دیا ہو کہ لوگوں کو فقہ و قرآن سکھلائے تو اس کو ملے گا یہ حاوی میں ہے۔ کتاب القاضی میں ہے کہ قاضی کو مال یتیم میں تبرع کرنے کا اختیار نہیں ہے الا خاصۃً قرض دینے میں بدین وجہ کہ یتیم کا مال قرض اس کے قرض داروں پر بحفاظت رہے گا اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ بعض لوگوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی اجازت دی ہے اور بعضوں نے اس کو مکروہ کہا ہے الا اس صورت میں کہ عذر ہو اور ہم بھی یہی کہتے ہیں یہ محیط میں ہے اور اپنی نعلین پھاڑ کر پانی میں پھینک دینا مکروہ ہے اس واسطے کہ یہ بے فائدہ مال کا ضائع کرنا ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ شیخ ابوبکرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص موت کی تمنا کرتا ہے آیا مکروہ ہے فرمایا کہ اگر روزی کی تنگی یا دشمن کی طرف سے رنج پہنچے یا مال جاتے رہنے کے خوف سے یا اس کے مثل کسی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو مکروہ ہے اور اگر اس وجہ سے تمنا کرتا ہے کہ اہل زمانہ کی حالتیں بدل گئیں ہیں پس اس کو بھی خوف ہے کہ میں گناہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں تو مضائقہ نہیں ہے یہ حاوی میں ہے۔

ایک شخص ایک کوٹھری میں تھا اس میں زلزلہ آیا تو میدان کی طرف اس کا بھاگ جانا مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے بدین وجہ کہ آنحضرت ﷺ سے روایت[1] ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک جھکی ہوئی دیوار کی طرف سے گذرے پس آپ نے چلنے میں جلدی فرمائی پس آپ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ قضاء اللہ تعالیٰ سے بھاگتے ہیں فرمایا کہ قضاء اللہ سے قضاء اللہ کی طرف جاتا ہوں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی زمین میں وبا پھیلے تو تم اس میں داخل نہ ہو اور اگر ایسی زمین میں وبا پھیلے جس میں تم موجود ہو تو اس میں سے نہ نکلو اور شیخ طحاویؒ نے مشکل الآثار میں اس حدیث کو روایت کر کے کہا کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ شخص اپنے حال کو دیکھے اگر اس کی حالت یہ ہو کہ اگر میں اس زمین میں جس میں وبا ہے گیا اور مبتلا ہو گیا تو میرے دل میں بیٹھ جائے گا کہ میں اس میں آنے کی وجہ سے مبتلا ہوا ہوں اور اگر وہاں موجود ہے اور جانتا ہے کہ اگر میں نکلا اور بچ گیا تو میرے دل میں یہ آئے گا کہ میں اپنے نکل جانے کی وجہ سے بچ گیا ہوں تو ایسے شخص کو داخل ہونا اور نکلنا نہ چاہئے تا کہ اس کا اعتقاد باقی محفوظ رہے اور اگر ایسا شخص ہو کہ جانتا ہے کہ ہر بات اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہوتی ہے اور سوائے اس بات کے جو اللہ تعالیٰ نے میری تقدیر میں لکھی ہے مجھے کچھ آفت نہ پہنچے گی تو داخل ہونے یا باہر نکلنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور فقیہ نے فرمایا کہ آدمی کو چاہئے کہ لوگوں سے مدارات رکھے اور چاہئے کہ نرمی سے بات کرے اور چاہئے کہ ہر نیک و بد و سنی و مبتدع سے کشادہ پیشانی خندہ روئی سے ملے مگر اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ کچھ مداہنت نہ کرے اور نہ ایسی کوئی بات کہے کہ جس سے وہ

[1] قولہ روایت اقول یہ روایت موضوع ہے صرح بہ ابن الجوزی والذہبی وغیرہ آ تا ۱۲ منہ

سمجھے کہ میرے مذہب سے یہ شخص راضی ہے یہ سراجیہ میں ہے اور آدمی نے جس مکان کو کرایہ پر دے کر مستاجر کے سپرد کیا ہے اس کو اختیار ہے کہ اس کی حالت دیکھنے کے واسطے اور جہاں قابل مرمت ہو اس کی مرمت کرنے کی غرض سے امام ابو یوسف و امام محمدؒ کے نزدیک باجازت مستاجر و بلا اجازت مستاجر داخل ہو اور امام اعظمؒ کے نزدیک بدون اجازت مستاجر کے داخل نہیں ہو سکتا ہے کذا فی التاتارخانیہ۔

قال المترجم ☆

ہمارے زمانہ میں امام اعظمؒ کے قول پر فتویٰ ہونا چاہئے واللہ اعلم۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی کوئی چیز لے کر بھاگا اور اپنے گھر میں گھس گیا تو اس شخص کے حق میں مضائقہ نہیں ہے کہ اس کا پیچھا کرے اور اس کے گھر میں گھس کر اس سے چھین لائے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص کے ہزار درم دوسرے شخص کے گھر میں جا پڑے اور اس کو خوف ہوا کہ اگر مالک مکان کو آگاہ کرتا ہوں تو مجھے منع کرے گا اور مجھے میرا مال نہ دے گا پس آیا بدوں اس کی اجازت کے اس کے گھر میں چلا جائے تو شیخ بن مقاتل نے فرمایا کہ اس کو چاہئے کہ پرہیزگار لوگوں کو اس سے آگاہ کر دے اور اگر وہاں کوئی اہل صلاح نہ ہو پس اگر یہ ممکن ہو کہ اس کے گھر میں بدوں کسی کے آگاہ کرنے کے داخل ہو کر اپنا مال لے لے تو ایسا کرے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ مالک مکان کی طرف سے اس کو خوف ہو اور اگر خوف نہ ہو تو بدوں اس کی اجازت کے داخل ہونا حلال نہیں ہے بلکہ مالک مکان کو آگاہ کرے تا کہ وہ اس کو داخل ہونے کی اجازت دے یا اس میں یہ لوگ معذور ہوں گے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں ہے اور یہی مسئلہ شیخ علی بن احمد سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں اس کو نہیں پسند کرتا ہوں اور اس سے پرہیز کرنا میرے نزدیک پسندیدہ ہے اور شیخ ابو حامد سے دریافت کیا گیا کہ جو روئی اہداب[1] المنفعة میں لگائی جاتی اور چبا کر استعمال کی جاتی ہے پس آیا جائز ہے فرمایا کہ ہاں جائز ہے اور یہی مسئلہ شیخ علی بن احمدؒ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ فعل مکروہ ہے اور میں نے شیخ ابو حامد سے دریافت کیا کہ اگر ابابیل نے کوٹھری میں گھونسلا بنایا اور اس کی بیٹ کپڑے و بوریہ وغیرہ پر گرتی ہے پس آیا اگر صاحب مکان نے اس کو دور کر دیا اور اس کا گھونسلا جس میں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں نکال کر زمین میں پھینک دیا تو معذور ہوگا تو فرمایا کہ نہیں بلکہ صبر کرے اور فقیہ ابو اللیثؒ نے کتاب الاستحسان میں ذکر فرمایا کہ وہ شخص باز رہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک قوم کے مکان کے فناء میں ایک کنواں کھودا تو ابن رستم نے روایت کی ہے کہ اس کو حکم دیا جائے گا کہ پاٹ کے برابر کر دے اور نقصان کا ضامن نہ ہوگا اور اگر کسی نے مسجد کی دیوار گرا دی تو یہی اس کو حکم دیا جائے گا کہ درست کر دے اور نقصان کا ضامن نہ ہوگا۔ اور اگر کسی شخص کے مکان کی دیوار جو اس کی ملک ہے گرا دی یا اس کے مکان میں کنواں کھودا تو نقصان کا ضامن ہوگا اور یہ حکم نہ دیا جائے گا کہ دیوار بنائے یا کنواں پاٹ کو برابر کر دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

وطی کرنے کی وقت کلام کرنا مکروہ ہے اور بعد طلوع فجر کے نماز تک سوائے نیک بات کے کچھ کلام نہ کرے اور بعض نے فرمایا کہ نماز کے بعد طلوع آفتاب تک بھی یہی حکم ہے اور سوتے[2] وقت ہنسنا مکروہ ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اور میں نے شیخ رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ بہت لوگ ماہ صفر میں سفر نہیں کرتے ہیں اور نہ اس مہینہ میں کوئی کام مثل نکاح و دخول وغیرہ کے شروع کرتے ہیں اور اس حدیث سے تمسک کرتے ہیں جو آنحضرت ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ جو شخص مجھ کو صفر کا مہینہ نکل جانے کی خوشخبری سنائے میں اس کو جنتی ہونے کی خوشخبری دوں۔ پس آیا یہ حدیث صحیح ہے اور اس مہینہ میں کچھ نحوست اور کام شروع کرنے سے ممانعت ہے اور اسی طرح جب چاند برج عقرب میں ہوتا ہے تب بھی سفر نہیں کرتے ہیں اسی طرح جب چاند برج اسد میں ہوتا تب کپڑا قطع نہیں

[1] اہداب چادر وغیرہ کی شکن اور کپڑے کا کونا و کذا فی الاصل اہداب المنفعة وارجع الی المقدونہ ۱۲ [2] یعنی رات کو سوتے وقت ۱۲

کرتے ہیں اور نہ سیتے ہیں پس آیا بات یوں ہے جیسا ان لوگوں نے زعم کیا ہے تو فرمایا کہ صفر کے حق میں جیسا یہ لوگ کہتے ہیں یہ وہ بات ہے جو زمانہ اسلام سے پہلے حالت جاہلیت و کفر میں عرب لوگ اس مہینہ کے حق میں کہتے تھے اور برج عقرب و برج اسد میں چاند ہونے کی صورت میں جو بات یہ لوگ کہتے ہیں یہ نجومیوں کی باتیں ہیں کہ وہ لوگ اپنی باتیں رواج دینے کے واسطے افتراء کرتے اور آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ محض جھوٹ ہے کذافی جواہر الفتاویٰ۔

قال المترجم ☆

شیخؒ نے صحیح جواب فرمایا ان باتوں میں سے کسی بات کی اصل نہیں ہے اور جو بات بلفظ حدیث ذکر کی کہ جو شخص مجھ کو صفر کا مہینہ نکل جانے کی آگاہی دے حدیث محض موضوع ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے نص علیہ الثقات من اہل الحدیث فاستقم اگر کسی نے اچھا خواب دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے کہ یہ نعمت ہے پھر چاہئے کسی ثقہ آدمی سے بیان کرے یا بیان نہ کرے یہ وجیز کردری میں ہے اور یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ ہم لوگوں پر ستارہ ثریا سے بارش ہوئی۔

قال المترجم ☆

کانت جھلة العرب تقول مطرنا نبوا کذافی حدیث مسلم فلما من اللہ تعالٰی بالاسلام انکروا فلک المقالة و لکن اذا صدر عن المسلم قیل کرہ لہ لھا انہ ینبغی من حسن الظن بالمسلم و الافھو کفر یا یوں کہے کہ طلع السھیل فبرد اللیل یعنی سہیل ستارہ نکلا سو رات میں سردی ہونے لگی اس واسطے کہ سہیل کچھ سردی و گرمی نہیں لاتا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یوں نہ کہے اللہ تعالیٰ نے میر افلاں عمل برگزیدہ کیا اور شیخ نخعیؒ سے مروی ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ قرأۃ فلاں یا سنت ابو بکر کیونکہ سنت فقط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ اسلمت فی کذا یعنی میں نے اس بارہ میں اسلام کیا بلکہ یوں کہے کہ اسلفت فی کذا کیونکہ اسلام اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔

قال المترجم ☆

قولہ اسلمت فی کذا یعنی مثلاً میں نے سو درم کے عوض دس من گیہوں کی بیع سلم کی مگر لفظ اسلام کی شرکت کی وجہ سے اس کو منع کر دیا و السلفت فی کذا اسی معنی میں ہے والتفصیل قد اسلفنا فتذکر اور چاند دیکھنے کے وقت چاند کی تعظیم کے واسطے اس کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے ہاں اگر اپنے ساتھی کو دکھلانے کے واسطے اس کی طرف اشارہ کرے تو مضائقہ نہیں ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ فتاویٰ میں ہے کہ شیخ نصیرؒ نے فرمایا کہ میں نے حسن بن ابی مطیع سے دریافت کیا کہ نہر مغصوب سے وضو کرنا یا پانی پینا کیسا ہے؟ فرمایا کہ اگر وہ نہر وہیں ہو جہاں تھی تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس کو اپنی جگہ سے تحویل کر دیا ہو تو میں مکروہ جانتا ہوں کہ اس سے کوئی شخص نفع اٹھائے اور شیخ ابو بکرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے پن چکی نصب کی اور اس کا پانی غیر شخص کی زمین میں بدون اس کی رضامندی کے بہایا تو فرمایا کہ حلال نہیں ہے اور جو شخص اس کے غصب سے واقف ہو اس کو حلال نہیں ہے کہ یہ طاحونہ[1] خریدے اور نہ یہ حلال ہے کہ اس کو اُجرت پر لے اور نہ یہ حلال ہے کہ وہاں کچھ اناج لے جائے کہ باجرت پسائے یا بطور عاریت پیسے یہ حاوی میں ہے۔

ادائے شہادت کن صورتوں میں ترک نہیں کی جا سکتی ☆

اگر کسی شخص نے اپنی گواہی لکھی اور لوگوں نے جن کی دستاویز ہے ادائے شہادت کی درخواست کی اور دستاویز میں سوائے

[1] قال المترجم شاید طاحونہ قائم کرنا غیر کی زمین میں بے اجازت ہو لیکن اجرائے کلام مرجح متبادر ہے نہ خلاف سیاق ۱۲ منہ

اس کے جماعت[1] گواہان نہیں ہے یا اس کی گواہی جلد قبول ہونے والی ہے تو اس کو ادائے شہادت کا ترک کرنا روا نہیں ہے اور اگر دستاویز میں اس کے سوائے ایک جماعت ہو کہ وہ لوگ گواہی ادا کرتے ہیں تو اس کو ادائے شہادت سے انکار کرنے کی گنجائش ہوگی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص کے قبضہ میں ایک آزاد ہے پھر دوسرے شخص نے جو مقبوض کے آزاد ہونے کو نہیں جانتا ہے اس کے ساتھ یوں قرارداد کی کہ تو مجھے اس کو ہبہ کر دے اور میں بھی اس کا ثمن تجھے ہبہ کر دوں پس قابض نے قبول کر کے ایسا ہی کیا اور اس شخص نے اس پر قبضہ کر لیا پھر آزاد مذکور اس کے قبضہ میں مر گیا تو قابض اوّل پر ثمن واپس کر دینا واجب ہوگا اور از راہ دیانت وہ معذور نہ ہوگا کہ مشتری مذکور کو ثمن واپس نہ دے یہ غرائب میں ہے۔ یتیمہ میں ہے کہ شیخ علی بن احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ سرہنگان سلطانی میں سے کوئی سرہنگ ایک کوچہ میں گیا اور اس کے پاس ایک خط ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ اہل کوچہ اس کو اس قدر دے دیں پس سرہنگ مذکور نے ایک شخص محلہ والے کو پکڑ کر مسجد میں یا کسی دوسری جگہ قید کیا پس آیا گرفتار کو یہ کہنا چاہئے کہ فلاں وفلاں یعنی میرے پڑوسیوں کو بدین وجہ لے آؤ کہ یہ خط سب کے نام ہے اور حال یہ ہے کہ یہ شخص جو گرفتار ہے اس قدر مال جو اس میں لکھا ہے اکیلا ادا کرنے پر قادر نہیں ہے اس کو یہ چاہئے کہ سکوت کرے اور جو تکلیف اس پر پہنچے اس پر صبر کرے تو فرمایا کہ صبر کرنا اولیٰ ہے اور میں نے شیخ ابوالفضل کرمانی و یوسف بن محمد وحمیر الوبری وعمر الحافظ سے دریافت کیا کہ ایک شخص کی اولاد ہے وہ ان کے واسطے لباس بنالایا پس اس نے دیتے وقت ان سے کہا کہ یہ لباس ان اولاد کے پاس میری طرف سے عاریت ہے تاکہ اگر وہ ایک سے لے کر دوسرے کے لباس میں صرف کرے تو اس پر ضمان واجب نہ ہو پس آیا اس کو یہ اختیار ہے یا اس پر یہ واجب ہے کہ ان کی ملک کر دے یا یہ واجب ہے کہ ان کی حاجت کو دفع کرے حالانکہ وہ عاریت دینے سے دفع ہوئی جاتی ہے تو ان مشائخ نے فرمایا کہ اس پر واجب یہی ہے کہ ان کی حاجت کو دفع کرے اور وہ عاریت دینے سے دفع ہو جائے گی پھر میں نے یہی مسئلہ شیخ ابوالحسنؒ بن علی المرغینانی کو لکھا تو فرمایا کہ جیسا ان لوگوں نے جواب دیا ہے اسی کے موافق شخص مذکور کو اختیار ہے کہ اولاد کو ان کا لباس بطور عاریت دے دے اور میں نے شیخ ابوالفضل کرمانی و یوسف بن محمد سے دریافت کیا کہ زوجہ کے حق میں بھی یہی حکم ہے فرمایا کہ ہاں کذا فی التاتارخانیہ۔

ایک شخص کی کئی اولاد ہیں اس نے اپنے تمام مال کا کسی ایک اولاد کے واسطے اقرار کر دیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اگر کسی قاضی نے اس کا اقرار باطل کیا پس اگر کسی تاویل سے جو شرع میں معتبر ہے باطل کیا حالانکہ وہ قاضی فقیہ ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں جائز ہے ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب اس کی اولاد سب صالح ہوں اور اگر بعض فاسق ہوں پس اس نے سب مال کا اقرار اولاد صالح کے واسطے کر دیا تو گنہگار نہ ہوگا یہ جواہر[2] الفتاویٰ میں ہے اور غبار بٹھلانے کے واسطے راستے میں پانی چھڑکنے میں مضائقہ نہیں ہے مگر حاجت سے زیادہ چھڑکنا حلال نہیں ہے یہ ملتقط میں ہے۔

اگر کسی نے پنجرے میں بند کر کے بلبل لٹکائی تو جائز نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔ بعض مشائخ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے دوسرے کو وکیل کیا کہ میرے لیے زمین[3] موات کو زندہ کرے پس وکیل نے اس زمین کو زندہ کیا یعنی مزروعہ آباد کیا آیا وہ وکیل کی ہوگی جیسے لکڑیاں و گھاس لانے کے واسطے وکیل کرنے کی صورت میں ہوتا ہے یا وہ زمین موکل کی ہوگی جیسے کہ بیع و اجارہ وغیرہ تصرفات میں وکیل کرنے میں ہوتا ہے تو فرمایا کہ اگر امام وقت نے موکل کو اس زمین کی احیائے کے واسطے اجازت دی ہو تو موکل کی

---

[1] اس میں اشارہ ہے کہ اگر یہ نکال ڈالا جائے تو نصاب شہادت باقی نہ رہے ۱۲ منہ

[2] قال المترجم تاویل مسئلہ یہ کہ فاسق کا فسق ایسے طور پر ہو کہ جس سے شرعاً میراث سے محرومی کے قابل ہے ورنہ اس میں تامل ہے ۱۲ منہ

[3] زمین موات جس کا کوئی مالک نہ ہو امام کے اختیار میں ہو ۱۲

ہوگی یہ غرائب میں ہے۔ شیخ علی بن احمد سے دریافت کیا گیا کہ زید نے عمرو کو وکیل مطلق کیا یعنی کسی خاص کام کی تقلید نہیں کی اس نے وکالت قبول کی پھر زید نے کسی شخص کو حکم دیا کہ وثیقہ نامہ لکھ دے اس نے لکھ کر عمرو کو دیا پھر یہ وثیقہ عمرو کے پاس سے ضائع ہو گیا یا پھٹ گیا یا کسی شخص نے اس کو پھاڑ ڈالا پس آیا عمرو کو اختیار ہے کہ بعینہٖ ایسا وثیقہ دوسرا بدون کی وبیشی کے لکھ لے تو فرمایا کہ ہاں جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ جو شخص خناق ہو یعنی لوگوں کا گلا گھونٹ کر راہ میں مار ڈالتا ہو یا پھانسی[۱] لگا کر مار ڈالتا ہو اور ساحر یعنی جو شخص جادو کرتا ہو یہ دونوں قتل کر ڈالے جائیں گے کیونکہ یہ دونوں زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اگر دونوں توبہ کریں تو ان کی طرف سے قبول نہ کی[۲] جائے گی یعنی امام وقت قبول نہ کر کے ان کو قتل کر دے گا اور اگر دونوں پکڑے گئے پھر دونوں نے توبہ کی تو ان کی طرف سے قبول نہ ہوگی بلکہ دونوں قتل کئے جائیں گے اور یہی حکم زندیق[۳] کا ہے جو اپنی طرف لوگوں کو بلانے میں معروف ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی خزانۃ المفتین۔

---

[۱] پھانسی جیسے عرف میں معتبر ہے اور انگریزی پھانسی شرط نہیں ہے ۱۲ منہ [۲] فی الاصل فان تا یم بقبل ذلك منهما یعنی اگر دونوں توبہ کریں تو ان سے قبول نہ ہوگی اقول اگر عبارت میں خرابی کتابت نہیں تو شاید یہ حکم بطریق رحم ہے اور توبہ بطریق دیانت قبول ہوگی اور تحقیق مسئلہ تفسیر مترجم سے دیکھنا چاہئے ۱۲ م [۳] قولہ زندیق یعنی لامذہب و مترجم کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ زندیق سے وہ مراد ہے جو دو خدا کا قائل ہے جیسا کہ اصول دین زردشتی ہے وھو المعروف عندھم اور شمول اس میں ہر ملحد و نیچر و لامذہب ہے ۱۲

کتاب التحری

یعنی مشتبہ چیزوں میں بحالت ضرورت ولی جزم ویقین پر عمل کرنا

اس میں چار ابواب ہیں:

باب اوّل ☆

تحری کی تفسیر، رکن، شرط، حکم کے بیان میں

جب کسی شے کا حقیقت حال دریافت ہونا متعذر ہو اس وقت اس کو غالب رائے سے طلب کرنے کو تحری کہتے ہیں یہ مبسوط میں ہے۔ تحری کا رکن یہ ہے کہ قلب سے طالب صواب ہو اس واسطے کہ تحری کا قیام اسی کے ساتھ ہے اور جواز تحری کی شرط یہ ہے کہ مطلوب مشتبہ ہونے کی حالت میں تمام دلائل وقوف معدوم ہوں اور کیونکہ تحری جب ہی حجت قرار دی گئی ہے کہ جب حالت مشتبہ ہو اور دلیل موجود نہ ہو اس واسطے کہ ایسی حالت میں ضرورت تحری بدنی وجہ ہے کہ مطلوب تک پہنچنے سے عاجز ہے اور حکم تحری یہ ہے کہ تحری سے جو کام واقع ہو وہ شرعاً براہ صواب واقع ہوتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ دو شخصوں نے تحری کی اور در حقیقت ایک شخص تحری کر کے مصیب ہوا دوسرا نہ ہوا تو ثواب میں دونوں برابر نہ ہوں گے اس واسطے کہ جو مصیب ہوا ہے ثواب مصیب ہونے کا خاصۃً اس کو ملے گا یہ مجموعۃ الفتاویٰ میں ہے۔ ایک شخص کے نزدیک نماز کے وقت میں اشتباہ ہوا پس اگر اس کو وقت کے ہو جانے میں شک ہے تو تحری نہ کرے بلکہ صبر کرے یہاں تک کہ وقت ہو جانے کا یقین ہو جائے اور اگر وقت [1] نکل جانے میں شک ہے تو اس روز کی اس نماز کی نیت کر لے یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے۔

ہیئت قبلہ کے ماسوائے نماز ادا کرنا ☆

ایک شخص نے جنگل میں تحری کر کے ایک طرف کو نماز پڑھی حالانکہ آسمان صاف ہے لیکن وہ نجوم نہیں پہچانتا ہے پھر اس کو معلوم ہوا کہ میں نے قبلہ رخ نہیں پڑھی ہے مجھ سے خطا ہو گئی تو ہمارے استاد شیخ ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا کہ اس کی نماز جائز ہو گئی اور سوائے شیخ کے اور مشائخ نے فرمایا کہ جائز نہ ہوئی اس واسطے کہ مثل چاند وسورج وغیرہ کے جو دلیلیں معتاد ظاہر ہیں ان میں کسی کا عذر جہالت مقبول نہ ہو گا ہاں دقائق علم ہیات وصور نجوم ثوابت کے نہ جاننے میں وہ معذور رکھا جائے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک عورت پردہ دار لباس میں لپٹی ہوئی ہے وہ ایسے کسی کو نہیں پاتی ہے جو اس کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دے پس اگر وقت تنگ ہو گیا اور اس نے کسی کو نہ پایا تو وہ تحری کر کے نماز پڑھ لے یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے۔ اصل کے باب صلوۃ المریض میں ایک مسئلہ لکھا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قبلہ کی جہت کے بارے میں جیسے شہر سے باہر تحری کرنا جائز ہے ویسے شہر کے اندر بھی جائز ہے اور صورت اس کی یہ

[1] اقول ہذا استدلال میں ضعف ظاہر ہے ااا اظہر یہ کہ تندرست سے حالت اشتباہ میں جائز ہے تو مریض سے بدرجہ اولیٰ جواز ہے اور احق یہ کہ اس سبب کے عموم سے استدلال لیا جائے ۱۲ منہ

ہے کہ چند لوگ مریض ایک مکان میں ہیں انہوں نے رات کو جماعت کی نماز پڑھی کہ ایک ان میں سے امام ہو گیا اور بعض نے قبلہ کی طرف پڑھی اور بعض نے غیر قبلہ رخ پڑھی حالانکہ یہ سب گمان کرتے ہیں کہ ہم نے بطریق صواب کام کیا ہے یعنی ان لوگوں نے تحری سے ایسا کیا تو ان لوگوں کی نماز جائز ہے کیونکہ حالت اشتباہ میں اس طرح تحری کر لینا تندرست لوگوں سے جائز ہے تو مریضوں کو بدرجہ اولیٰ جائز ہے اور اس مسئلہ سے ہمارے استدلال کی وجہ[1] یوں ہے کہ امام محمدؒ نے ان لوگوں کی نماز جائز ہونے کا حکم دے دیا بدون اس تفصیل کے کہ مکان مذکور داخل شہر ہے یا خارج شہر ہے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص مہمان ہو اور رات کا وقت ہو اور اس کو کوئی ایسا نہ ملا جس سے دریافت کر لے اور اس نے نفل نماز کا قصد کیا تو اس کو تحری کر لینا جائز ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے اپنی شرح میں مسئلہ مہمان کو ذکر کیا کہ اگر آدمی کسی شخص کے گھر میں مہمان ہو اور لوگ سو رہے ہیں اور مہمان نے رات میں تہجد کی نماز کا قصد کیا اور لوگوں کا جگانا جانب قبلہ دریافت کرنے کے واسطے اس کو ناگوار معلوم ہوا تو ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ اس کو تحری کرنا جائز نہیں ہے اور بعض نے فرمایا کہ اگر فریضہ نماز پڑھنے کا قصد کرتا ہے تو اس کو تحری کرنا جائز نہیں ہے اور اگر تہجد کی نماز کا قصد کرتا ہے تو اس کو تحری کرنا جائز ہے شمس الائمہ حلوائی نے کہا کہ صحیح روایت ہمارے مشائخ سے یہی ہے کہ شہر میں اس کو تحری کرنا جائز نہیں ہے اور مشائخ نے فرمایا کہ جو حکم نماز مریض (۱) کے بارہ میں مذکور ہے وہ اس بات پر محمول کیا گیا ہے کہ جس مکان میں مریض لوگ ہیں وہ مکان کسی رباط میں ہے اور وہاں رہنے والے اور لوگ نہیں ہیں کذا فی المحیط۔ ایک شخص ایک قوم کی مسجد میں گیا پس اگر اہل مسجد سے وہاں کوئی ہو تو اس کو تحری کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دریافت کر لینا واجب[2] ہے اور اگر اس نے تحری کر کے نماز پڑھی تو جائز نہ ہو گی لیکن اگر تحری کرنے میں اس کو قبلہ کی جہت ٹھیک مل گئی ہو تو نماز ہو گئی اور اگر اہل مسجد میں سے کوئی نہ ہو اور اس نے تحری کر کے نماز پڑھی پھر ظاہر ہوا کہ اس نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے تو نماز جائز ہو گئی اور اگر بدون تحری کئے ہوئے نماز پڑھ لی تو ایسی صورت میں نماز جائز نہ ہو گی اور اگر اپنی مسجد میں اس کو ایسا اتفاق ہوا تو بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کا حکم مثل بیت کے ہے اور بعض نے فرمایا کہ غیر کی مسجد کے مانند اس کا بھی حکم ہے اور فتاویٰ حجہ میں لکھا ہے کہ دو شخص جنگل کو گئے اور ہر ایک نے تحری کی اور ہر ایک کی تحری دوسرے کی تحری کے برخلاف واقع ہوئی تو دونوں کی نماز جائز ہو گی اور اگر دونوں میں سے کسی کی رائے میں درمیان نماز میں یہ آیا کہ دوسرے کی جہت قبلہ کی طرف ہے تو پھر جائے اور اس کی اقتدا کر لے پس اگر اس نے تکبیر کا استقبال کر لیا تو جائز ہے ورنہ نہیں یہ تاتارخانیہ میں ہے اور قبلہ کی جہت کے تحری کرنے کے بہت سے مسائل کتاب الصلوٰۃ میں گذر چکے ہیں۔

باب دوم ☆

زکوٰۃ میں تحری کرنے کے بیان میں

اگر تحری کرنے کے بعد اس کو اس شخص کے حال میں جس کو زکوٰۃ دی ہے اشتباہ ہوا اور اس کی غالب رائے میں یہ آیا کہ وہ فقیر ہے یا جس کو دی ہے اس نے خبر دی کہ میں فقیر ہوں یا کسی دوسرے عادل نے اس کو خبر دی کہ یہ فقیر ہے یا اس نے اس کو فقیروں کے لباس میں دیکھا یا فقیروں کی صف میں بیٹھا دیکھا یا دیکھا کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا ہے اور اس کے دل میں آیا کہ یہ فقیر ہے تو ان سب صورتوں میں اگر اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ فقیر یا اس کی رائے غالب میں وہ فقیر نظر آیا یا اس کو کچھ معلوم نہ ہو یا اس کی غالب رائے

---

[1] جس روز جس نماز میں شک ہوا ہے ۱۲ منہ [2] اقول ایسی صورت ہے کہ مسجد کی محراب و جانب قبلہ مثل ہمارے دیار کے بنائی جیسی نہیں ہے بلکہ فقط چار دیواری و چھت وغیرہ ہے ۱۲ منہ (۱) یعنی مریض کو تحری سے نماز پڑھ لینا جائز ہونے کا حکم اس بات پر محمول الخ ۱۲

میں وہ غنی معلوم ہوا یا اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ غنی ہے تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے قول میں جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے لیکن سوائے ایک صورت کے کہ جب اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ غنی ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں جو دیا ہے وہ اس کے مال کی زکوٰۃ ادا ہونے کے واسطے کافی نہیں ہے۔ پھر جس صورت میں یہ ظاہر ہوا کہ جس شخص کو دیا ہے وہ غنی ہے اور امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک صدقہ جائز ہو گیا تو امام اعظم و امام محمدؒ کے قول کے موافق آیا لینے والے کو بھی لینا حلال ہے یا نہیں سو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ حلال نہیں ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ مال مدعی (۱) کو بطریق تملک واپس دے پھر آیا دینے والے کو بھی ثواب ملے گا تو یعنی مشائخ نے فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ مجاملہ و نیکوئی کرنے کا ثواب ملے گا صدقہ کا ثواب نہ ملے گا اور کتاب الحجہ امام ابو یوسف میں سے مسئلہ مختلف فیہا میں شاہد پیش کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وہ بمنزلہ ایسے شخص کے ہے کہ اس نے کسی پانی سے وضو کر کے نماز پڑھی پھر ظاہر ہوا کہ وہ طاہر نہ تھا تو ذکر فرمایا کہ جب تک اس کو معلوم نہ ہوا تب تک کافی ہے اور جب معلوم ہو گیا تو نماز کو اعادہ کرے اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ اس بیان سے ایک بڑا فائدہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے اس نماز کو ادائے کافی فرمایا ہے جب تک اس کو در حقیقت فاسد ہونے کا علم نہیں ہوا ہے اور شمس الائمہ حلوائیؒ نے فرمایا کہ اسی طرح ہر نماز جو فاسد واقع ہوئی ہے حالانکہ مصلی گمان کرتا ہے کہ جائز واقع ہوئی ہے اور وہ فاسد جاننے سے پہلے مر گیا تو اس پر عتاب نہ ہوگا کیونکہ اعتبار اس گمان کا ہے جو اس کے نزدیک ہے اس حقیقت حال کا اعتبار نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک[!] ہے اور شمس الائمہ حلوائیؒ نے فرمایا کہ یہ حکم نیز اس روایت کی ہے جو امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک باندی خرید کر اس سے بار ہا وطی کی پھر وہ باندی استحقاق میں لے لی گئی تو اس کی وطی اس مشتری کے حق میں حلال تھی اور اس کا احسان ساقط نہ ہوگا اور بنا بر قول امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے وطی حرام ہے لیکن مشتری پر گناہ نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔

نسرا باب ☆

کپڑوں، مسالیخ، ظروف و موتی میں تحری کرنے کے بیان میں

اگر کسی شخص کے پاس دو یا زیادہ کپڑے ہوں اور بعض نجس اور بعض طاہر ہوں پس اگر کسی علامت سے دونوں کی تمیز ممکن ہو تو تمیز کر لی جائے اور اگر علامت سے تمیز متعذر ہو پس اگر حالت اضطرار پیش آئے یعنی مثلاً ایسا کوئی کپڑا نہ پائے جو بتیقین طاہر ہو اور اس کو نماز کی ضرورت ہے اور اس کے پاس ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے دونوں یا زیادہ کپڑوں میں سے کوئی کپڑا دھو ڈالے تو وہ شخص تحری کرے یعنی اپنے قلب سے توجہ کر کے جو اس کو اپنی کوشش سے پاک نظر آئے اس سے نماز پڑھ لے اور اگر حالت اختیاری ہو یعنی ایسی ضرورت پیش نہ آئے پس طاہر غالب ہوں تو تحری کرے اور اگر نجس غالب ہوں یا دونوں برابر ہوں تو تحری نہ کرے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر دو کپڑوں میں اس نے تحری کی اور اس کی تحری میں آیا کہ یہ کپڑا دونوں میں سے طاہر ہے پس اس نے اس سے ظہر کی نماز پڑھ لی پھر اس کی غالب رائے میں یہ آیا کہ دوسرا طاہر ہے پس اس نے اس سے عصر کی نماز پڑھی تو نہیں جائز ہے کیونکہ جب ہم نے ظہر کی نماز جائز ہونے کا حکم دیا تو جس کپڑے سے ظہر پڑھی ہے وہی طاہر ٹھہرا اور اس حکم کی ضروریات میں سے یہ بات ہے کہ دوسرے کی نجاست کا حکم ہو پس دوسرے کی نجاست کا حکم جاری ہونے کے بعد اس کے برخلاف اس کی غالب رائے کا اعتبار نہ ہوگا پھر اگر اس کو اس بات کا یقین ہوا کہ جس سے میں نے ظہر کی نماز پڑھی ہے وہی نجس ہے تو نماز ظہر کا اعادہ کرے اسی طرح اگر اس کے دل میں تحری

[!] کیونکہ وہ خصائص باری تعالیٰ میں سے ہے بندہ کو یہ علم کہاں ہے ۱۲ منہ (۱) جو فقیر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے ۱۲

نہ آئی ہو بلکہ اس نے دونوں میں سے ایک کپڑا لے کر اس سے ظہر کی نماز پڑھ لی تو یہ صورت اور جس صورت میں اس نے تحری سے ایسا کیا ہے دونوں یکساں ہیں اس واسطے کہ مسلمان کا فعل صحت پر محمول کیا جائے گا جب تک اس میں فساد ظاہر نہ ہو پس یوں قرار دیا جائے گا کہ گویا پاک یہی کپڑا ہے اور اس کی نماز جائز ہونے کا حکم دیا جائے گا جب تک اس کے برخلاف ظاہر نہ ہو اور اگر کسی کے پاس تین کپڑے ہوں اور اس نے تحری کر کے ایک سے ظہر کی نماز پڑھی اور دوسرے سے عرض کی نماز پڑھی اور تیسرے سے مغرب کی نماز پڑھی پھر پہلے سے عشاء کی نماز پڑھی تو ظہر وعصر کی نماز جائز ہے مغرب وعشاء کی نماز فاسد ہے کیونکہ جب اس نے پہلے دوسرے کپڑے سے ظہر وعصر کی نماز پڑھی اور بذریعہ جواز ہر دو نماز کے دونوں کپڑوں کی پاکی کا حکم دیا گیا تو تیسرا کپڑا متعین ہو گیا کہ یہ نجس ہے پس اس سے مغرب کی نماز جائز نہ ہوئی پھر عشاء کی نماز اس نے پاک کپڑے سے پڑھی مگر ایسی حالت میں پڑھی کہ اس پر مغرب کی قضاء واجب تھی پس بہ سبب ترتیب کی رعایت کے عشاء بھی جائز نہ ہوئی اور دوسری روایت کے موافق عشاء کی نماز جائز ہو گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ نوادر میں ہے کہ اگر دو کپڑوں میں سے ایک نجس ہو پس اس نے ایک کپڑے سے بدون تحری کئے ظہر کی نماز پڑھی پھر دوسرے سے عصر کی نماز پڑھی پھر اس کی تحری میں یہ آیا کہ پہلا کپڑا پاک ہے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس شخص نے کوئی نماز نہیں پڑھی اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ظہر کی نماز جائز ہے یہ محیط میں ہے۔ دو شخص سفر میں ہیں اور دونوں کے پاس دو کپڑے ہیں ایک نجس ہے اور دوسرا طاہر ہے پس ایک نے تحری کر کے ایک کپڑے سے نماز پڑھی اور دوسرے کی تحری میں دوسرا کپڑا پاک نظر آیا اس نے اس سے پڑھی تو دونوں میں سے ہر ایک کی نماز جائز ہو گی اور اگر دونوں میں سے ایک امام ہو گیا اور دوسرے نے اس کی اقتداء کی تو امام کی نماز جائز ہو گی مقتدی کی جائز نہ ہو گی یہ ذخیرہ میں ہے۔ دو شخص[۲] کھیلتے تھے پس ایک شخص سے ایک قطرہ خون کا ٹپکا اور ہر ایک نے انکار[(۱)] کیا کہ مجھ سے نہیں ٹپکا ہے پھر ہر ایک نے تنہا نماز پڑھی تو نماز جائز ہو گی اور اگر ایک نے دوسرے کی اقتدا کی تو مقتدی کی نماز جائز نہ ہو گی اور اسی جنس کا دوسرا مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ تین آدمی کھیلتے تھے پھر ایک شخص سے ایک قطرہ خون کا ٹپکا یا ایک نے آہستہ سے پادا یا زور سے پادا پھر سب نے اس سے انکار کیا پھر تینوں میں سے ایک شخص ظہر میں امام ہوا اور دوسرا عصر میں اور تیسرا مغرب میں تو ظہر کی نماز سب کی جائز ہے اور عصر کی نماز اس شخص کی جو مغرب میں امام ہوا ہے نہیں جائز ہے اور مغرب کی نماز ان دونوں شخصوں کی جو ظہر وعصر میں امام ہوئے ہیں نہیں جائز ہے یہ تو ایک روایت ہے اور امام مغرب کے حق میں دو روایتیں ہیں اور شیخ ابوالقاسم صفار نے فرمایا کہ سب نمازیں جائز ہیں یہ محیط میں ہے۔

حالتِ سفر کے کچھ اضطراری مسائل کا بیان ☆

اگر ایک شخص سفر میں ہو اور اس کے پاس چند برتن ہیں بعض پاک ہیں اور بعض نجس ہیں پس اگر پاک برتن زیادہ ہوں تو حالت اختیار و حالت اضطرار دونوں صورتوں میں پینے و وضو کرنے کسی کے واسطے تحری کر لینا روا ہے اور اگر نجس زیادہ ہوں یا مساوی ہوں تو حالت اختیار میں پینے یا وضو کرنے کسی کے واسطے تحری کرنی جائز نہیں ہے اور اگر حالت اضطراری ہو تو پینے کے واسطے بالاجماع تحری کرے اور وضو کے واسطے ہمارے نزدیک تحری نہ کرے بلکہ تیمم کرے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر پاک اور نجس پانی میں نجاست کا غلبہ ہو تو سب کو بہا دے پھر تیمم کرے اور یہ احتیاط ہے واجب نہیں ہے پس اگر اس نے سب پانی بہا کر تیمم کیا تو احوط ہے تا کہ پانی نہ ہونے کی حالت میں اس کا تیمم یقینی ہو اور اگر اس نے نہ بہایا تو بھی کافی[(۲)] ہے اور طحاویؒ نے اپنی کتاب میں فرمایا کہ دونوں پانی باہم

---

۱ قال المترجم اس مسئلہ میں دو باتیں چاہئے ہیں اول یہ کہ تینوں کپڑے پاک نجس سے مخلوط ہیں دوم یہ کہ پاک کا زیادہ ہونا اور نجس کا کم ہونا معلوم ہے ۱۲

۲ یعنی تیر یا بندوق کا نشانہ مارنا وغیرہ جو جائز ہے ۱۲ منہ (۱) جان کر انکار نہیں کیا ۱۲ (۲) یعنی تیمم جائز ہو گا ۱۲

مخلوط کر دے پھر تیمم کرے اور اس میں زیادہ احتیاط ہے اس واسطے کہ بہا دینے سے اس کی منفعت بالکل جاتی رہے گی اور ملا دینے سے نہ جائے گی اس واسطے کہ مخلوط کر دینے کے بعد اپنے چارپایہ سواری کو پلا سکتا ہے اور جس وقت عاجز ہو اس وقت خود بھی پی سکتا ہے پس ایسا کرنا اولیٰ ہے اور ائمہ بلخ میں سے بعض متاخرین نے یوں فتویٰ دیا ہے کہ احتیاطاً دونوں برتنوں کے پانی سے وضو کرے اس واسطے کہ زوال حدیث یقینی ہوگا مگر ہم ایسے نہیں ہیں کہ اس فتویٰ کو اختیار کریں اس واسطے کہ اگر اس نے ایسا کیا تو ایسے پانی سے وضو کرنے والا ہوا جس کے نجس ہونے کا اس کو یقین ہے اور اس کے اعضاء نجس ہو جائیں گے خصوصاً اس کا سر کہ وہ نجس پانی سے مسح کرنے سے نجس ہو جائے گا پھر وہ طاہر نہ ہوگا اگرچہ پاک پانی سے اس پر مسح کرے پھر ایسا حکم دینے کے کچھ معنی نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر دونوں پانی سے وضو کیا اور نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی اگر اس نے سر میں دو جگہ سے مسح کیا ہو یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر سفر میں کسی شخص کا برتن اس کے برتنوں میں مل گیا[1] حالانکہ وہ لوگ اس وقت موجود نہ تھے تو بعض مشائخ نے فرمایا کہ تحری کرے اور ایک برتن لے کر اس سے وضو[2] کرے اور یہ بمنزلہ طعام مشترک کے ہے کہ اگر چند لوگوں کا طعام مشترک ہو اور اہل شرکت غائب ہوں اور ایک شخص حاضر ہے اس کو اپنے حصہ طعام کی ضرورت ہوئی تو بقدر اپنے حصہ کے لے لے اسی طرح اگر کسی کی گردہ روٹی اس کے ساتھی کی روٹی میں مختلط ہوگئی تو بعض نے فرمایا کہ تحری کر کے لے لے اور بعض نے فرمایا کہ پانی کے برتن اور گردہ روٹی دونوں صورتوں میں تحری نہ کرے بلکہ ساتھیوں کے آنے تک انتظار کرے اور یہ سب حالت اختیار کا حکم ہے اور حالت اضطرار میں سب صورتوں میں تحری جائز ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک شخص کے پاس پوست کشیدہ بکریاں ہوں ان میں بعضی مردار ہوں پس اگر علامت سے تمیز ممکن ہو تو ہر حال میں تمیز کر لے اور کھائے وہ مباح ہے اور اگر علامت سے تمیز متعذر ر ہو پس اگر حالت اضطرار ہو یعنی اس کو ایسی جو یقینی ذکوۃ ہوئی یعنی شرع میں جس طرح سے حلال ہو جاتی ہے ویسی حلال کی ہوئی نہ ملی اور وہ کھانے کی طرف مضطر ہوا تو ہر حال میں تحری کر کے کھائے اور اگر حالت اختیاری ہو پس اگر حرام غالب ہوں یا حلال مردار دونوں برابر ہوں تو تحری کر کے کھانا جائز نہیں ہے اور اگر حلال غالب ہوں تو تحری کر کے تناول کر سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔

اور واضح ہو کہ مردار و حلال کی شناخت میں سے ایک یہ ہے کہ مردار جب پانی میں ڈالی جائے تو اس میں جو خون باقی رہ جاتا ہے وہ پانی پر تیر آتا ہے اور حلال کی ہوئی پانی میں بیٹھ جاتی ہے اور لوگ کبھی اس بات کو اس طور سے پہچانتے ہیں کہ مردار میں روح و رطوبت زیادہ باقی رہ جاتی ہے اور جلد فاسد ہو جاتی ہے لیکن یہ سب اس صورت میں معدوم ہوگا کہ جب مردار اس وجہ سے مردار ہو کہ اس کو مجوسی نے ذبح کیا ہے یا مسلمان نے عمداً تسمیہ چھوڑ کر ذبح کیا ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر مردار[1] چربی کے ساتھ ملا ہوا روغن یا روغن زیتون یا تیل غالب ہو تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے مگر سوائے کھانے کے اور طور سے نفع لینا حلال ہے اس واسطے کہ جب حلال غالب ہو تو حرام جو مغلوب ہے وہ حکماً اس میں ہالک ہو جاتا ہے یعنی معدوم ہو جاتا ہے پس ہم نے کھانے کے سوائے اور طور سے نفع اٹھانے میں حرام کو جو مغلوب ہے مثل ہالک یعنی کالمعدوم اعتبار کیا اس لئے کہ کھانے کے سوائے اور طور سے نفع اُٹھانے میں نجاست مانع نہیں ہوتی ہے چنانچہ کھیتوں میں گوبر مٹی ملا ہوا اور کھاد ڈالنا جائز ہے مگر کھانے کے حق میں ہم نے احتیاطاً حرام کو حقیقۃً موجود اعتبار کیا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

---

1 مسئلہ کی تمام روایت سابق میں گذر چکی ہے ۱۲ منہ (۱) یعنی پانی بھرا ہوا برتن ۱۲ (۲) یعنی پہچان نہ ہو سکی ۱۲ (۳) اس کے پانی سے ۱۲

چوتھا باب ☆

متفرقات میں

ایک شخص کی چار باندیاں ہیں اس نے ان میں سے ایک باندی کو آزاد کر دیا پھر یہ بھول گیا کہ کس کو آزاد کیا ہے تو وطی کے واسطے اس کو تحری کرنے کا اختیار نہیں ہے اور جس طرح اس صورت میں اس کو وطی کرنے کے واسطے تحری کو اختیار نہیں ہے ویسے ہی بیع کے واسطے تحری کرنے کا اختیار نہیں ہے اور حاکم اس شخص اور ان باندیوں کے درمیان تخلیہ نہ دے گا یعنی اس کو اختیار مطلق کا موقع کہ جو چاہے ان سے کرے حاکم نہ دے گا یہاں تک کہ وہ باندی جو آزاد کی ہوئی ہے معلوم ہو جائے اور اگر اس نے ان میں سے تین باندیاں فروخت کر دیں اور حاکم نے ان کی بیع جائز ہونے کا حکم دے دیا اور جو باقی رہی ہے اسی کو آزاد قرار دیا پھر ان باندیوں میں سے جن کو اس نے فروخت کیا ہے کوئی بوجہ پھر خرید یعنی یا ہبہ یا میراث کے اس کی ملک میں آئی تو اس کو روا نہیں ہے کہ اس سے وطی کرے اس واسطے کہ قاضی نے جو حکم دیا ہے وہ جہالت کے ساتھ بغیر علم حکم دیا ہے اور جو حکم قضاء بغیر علم ہو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے لیکن اگر اس نے اس باندی سے نکاح کر لیا تو وطی کرنا حلال ہے کیونکہ اگر وہی آزاد ہوگی تو اس کے اور اس کے درمیان نکاح صحیح ہوگا اور اگر آزاد نہیں تھی تو اس کی مملوکہ ہوگی تو بھی بوجہ ملک کے حلال ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

ایک قوم میں ہر ایک کے پاس ایک ایک باندی ہے پھر ایک نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا پھر ان لوگوں نے آزاد کی ہوئی کو نہ پہچانا کہ کون ہے تو ان میں سے ہر ایک کو اپنی باندی سے وطی کرنے کا اختیار ہے یہاں تک کہ یہ معلوم ہو کہ یہ باندی اس شخص کی آزاد کی ہوئی ہے تب پھر اس سے وطی نہیں کر سکتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر ان لوگوں میں سے کسی کی غالب رائے میں یہ ہو کہ یہ باندی وہی ہے جس کو آزاد کرنے والے نے آزاد کیا ہے تو میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے کہ اس سے نزدیکی نہ کرے اور اگر اس کے ساتھ وطی کی تو جب تک اس کو یقین نہ ہو جائے تب تک یہ فعل حرام نہ ہوگا اور اگر اس قوم کی سب باندیوں کو ایک ہی شخص نے خرید کیا جو اس حال کو جانتا ہے تو اس کو کسی باندی سے قربت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا یہاں تک کہ آزاد کی ہوئی باندی کو پہچانے اور اگر سب باندیوں کو سوائے ایک باندی کے خرید کیا تو ان خریدی ہوئی باندیوں سے اس کو وطی کرنا حلال ہے پھر اگر اس نے باقی باندی بھی خریدی تو پھر ان میں سے کسی باندی سے وطی نہیں کر سکتا ہے اور نہ ان میں سے کسی باندی کو فروخت کر سکتا ہے یہاں تک کہ ان میں سے آزاد کی ہوئی باندی کو جانے اسی طرح اگر مشتری انہیں باندیوں کے مالکوں میں سے ایک ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص کے پاس سرکہ کے دس مٹکے ہیں ان میں سے ایک مٹکے میں اس نے ایک چوہا مرا ہوا پایا اور نکال کر پھینک دیا پھر وہ بھول گیا کہ میں نے کس مٹکے میں سے نکالا تھا تو وہ بلی کو چھوڑے سو بلی جس مٹکے پر بیٹھے وہی نجس ہے اور باقی مٹکے پاک ہیں کذا فی القنیہ۔

کتاب احیاء الموات

اس میں دو ابواب ہیں

باب اوّل☆

موات کی تفسیر اور موات میں جن تصرفات کا امام المسلمین کو اختیار ہے اُن کے بیان میں جس وجہ سے موات میں ملک ثابت ہوتی ہے اور جس سے ملک نہیں فقط حق ثابت ہوتا ہے اُس کے بیان میں اور موات کے حکم کے بیان میں

ارضِ موات اس زمین کو کہتے ہیں جو آبادی[1] شہر وغیرہ سے باہر خاص کسی کی ملک نہ ہو اور نہ اس میں کسی کا حق خاص متعلق ہو۔ پس جو زمین میں داخل آبادی ہو وہ بالکل موات نہ ہوگی اور اسی طرح جو بلدہ سے خارج ہے لیکن بلدہ کے مرافق میں سے ہے مثلاً آبادی کے لوگ وہاں سے لکڑیاں لاتے ہیں یا ان کی چراگاہ ہے وہ بھی موات نہ ہوگی حتی کہ امام المسلمین کو یہ اختیار نہیں ہے کہ یہ قطعات زمین کسی کو عطا کرے اسی طرح جس زمین سے نمک اور قار وغیرہ ایسی چیزیں نکلتی ہیں جس سے مسلمان لوگ بے پرواہ نہیں ہو سکتے ہیں یعنی بہرحال اس کے حاجت مند ہیں وہ بھی موات نہیں ہے حتیٰ کہ امام کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایسی زمین کسی کو اقطاع دے یعنی اس کے واسطے یہ قطعہ زمین علیحدہ کر دے پھر آیا یہ شرط ہے کہ ارض موات آبادی سے دور ہو سو امام طحاویؒ نے موات کے واسطے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ آزادی سے دور ہو اور ظاہر الروایۃ کے موافق یہ شرط نہیں ہے حتی کہ اگر آبادی سے قریب کوئی بحر ہو جس کا پانی خشک ہو گیا یا بڑا نیستان ہو جس کا پانی خشک ہو گیا اور کسی کی ملک نہ ہو تو ظاہر الروایۃ کے موافق وہ ارض موات ہے اور موافق روایت امام ابو یوسف کے اور یہی قول طحاویؒ کا ہے وہ ارض موات نہ ہوگی مگر جو ابظاہر الروایۃ کا صحیح ہے اس واسطے کہ موات ایسی زمین کا نام ہے جس سے انتفاع حاصل نہ کیا جائے پس جب وہ کسی کی ملک نہیں اور نہ اس میں کسی کا حق خاص ہے تو وہ منتفع نہ ہوئی پس زمین موات ہوگی خواہ آبادی سے قریب ہو یا بعید ہو یہ بدائع میں ہے اور قدوری نے فرمایا کہ جو زمین قدیم سے اُجاڑ ہو اس کا کوئی مالک نہ ہو یا مملوک ہو مگر زمانہ اسلام میں اس کا کوئی معین مالک معلوم نہ ہوتا ہو اور وہ قریہ سے اس قدر دور ہو کہ اگر کوئی شخص آبادی کے انتہائے کنارہ پر کھڑا ہو کر بلند آواز سے پکارے تو وہاں آواز سنائی نہ دے تو وہ موات ہے اور قاضی فخر الدینؒ نے فرمایا کہ موات کی تعریف میں جو اقوال ہیں ان میں سے اصح یہ ہے کہ آدمی آبادی کے کنارہ پر کھڑا ہو کر بلند آواز سے پکارے پس جہاں تک آواز پہنچے وہ فناوی قریہ ہے کہ اس کی طرف لوگوں کو اپنے مویشی چرانے اور اس کے سوائے اور کاموں کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بعد جو زمین ہے وہ موات ہے بشرطیکہ اس کا کوئی مالک معلوم نہ ہو اور قریہ سے دور ہونا جو اس قول میں مذکور ہے موافق شرط امام ابو یوسفؒ کے ہے اور

---

[1] قولہ آبادی شہر وغیرہ دیتے آواس واسطے کہ بالاز مین معمورہ پر عرب کی زبان ہے پس خاص شہر کا ترجمہ کرنا ہو ت۔ کما وقع للمبغض فاستفہم ۱۲

محمدؒ کے نزدیک یہ اعتبار ہے کہ اہل قریہ کا ارتفاق درحقیقت اس سے منقطع ہو اگرچہ قریہ سے قریب ہو اور شمس الائمہ نے مختار امام ابو یوسفؒ پر اعتماد کیا ہے یہ کافی میں ہے۔ امام کو اختیار ہے کہ قطعہ موات کسی کو عطا کرے پس اگر امام نے موات میں سے کوئی قطعہ کسی کو دیا مگر اس نے اس کو آباد نہ کرایا چھوڑ دیا تو تین سال تک اس سے تعرض نہ کرے گا پھر جب تین سال گذر جائیں تو پھر وہ عود کر کے موات ہو گی اور امام کو اختیار ہو گا کہ وہ قطعہ کسی دوسرے کے نام کر دے اور زمین موات میں امام اعظمؒ کے نزدیک امام المسلمین کی اجازت سے آباد وغیرہ کرنے سے ملک ثابت ہوتی ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک فقط احیاء سے یعنی آباد کرنے سے مالک ہوتا ہے اور ذمی بھی مثل مسلمان کے موات کو احیاء کرنے سے مالک ہو جاتا ہے یہ بدائع میں ہے اور اگر کسی شخص نے بدون اجازت امام المسلمین کے ارض موات کو زندہ کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کا مالک نہ ہو گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کا مالک ہو جائے گا اور ناطفی نے ذکر کیا کہ قاضی اپنی ولایت میں اس بات میں مثل امام المسلمین کے ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر کسی شخص نے ارض موات کو زندہ کرنے کے بعد ترک کر دیا اور دوسرے شخص نے اس کی زراعت کی تو بعض نے کہا کہ دوسرا شخص اس کا مستحق ہوا اور اصح یہ ہے کہ پہلا ہی اس کا مستحق ہے اس واسطے کہ وہ احیاء کرنے کی وجہ سے اس کا مالک ہوا ہے پس چھوڑ دینے سے اس کی ملک سے خارج نہ ہو جائے گی اور اگر زمین کی تحجیر کی تو اس کا مالک نہ ہو گا اس واسطے کہ صحیح قول کے موافق یہ کام احیاء نہیں ہے کیونکہ احیاء اس کو کہتے ہیں کہ زمین کو قابل زراعت کر دے اور تحجیر یہ ہے کہ اس میں پتھر رکھ کر علامت کر دے یا جو کچھ اس میں گھاس وکانٹے وغیرہ ہیں اس کو کاٹ کر کوڑے کرکٹ وغیرہ سے پاک کر کے کانٹے وغیرہ کو اس کے گرداگرد دیا جو کچھ اس میں کانٹے وغیرہ لگے ہیں سب کو جلا کر صاف کر دے اور ان سب میں سے کوئی بات مفید ملک نہیں ہے لیکن جس نے ایسا کیا ہے وہ بہ نسبت دوسروں کے اس قطعہ زمین کے حق میں اولیٰ ہے پس تین برس تک اس کے ہاتھ سے نہ لی جائے گی پس کسی کو نہ چاہئے کہ تین سال گذرنے سے پہلے اس زمین کی احیاء کر لے اور یہ حکم از راہ دیانت ہے اور از راہ حکم یہ ہے کہ اگر تین سال گذرنے سے پہلے کسی نے اس کو زندہ قابل زراعت کیا تو اس کا مالک ہو جائے گا یہ تبیین میں ہے۔

اگر ارض موات میں کسی نے بطور منارہ کے پتھر لگائے تو یہ اس زمین کی احیاء ہے اس واسطے کہ اس طرح پتھر جمانا بمنزلہ عمارت کے ہے اور اگر اس کے گرد چار دیواری بنائی یا اس کو اس طرح مسنم کر دیا کہ پانی سے محفوظ رہے تو یہ بھی احیاء ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور احیاء کے معنی یہ ہیں کہ اس میں عمارت بنائے یا درخت لگائے یا جوتے یا سینچے کذا فی الخلاصہ اور ماوراء النہر وخوارزم کی اراضی موات نہیں ہے اس واسطے کہ وہ قیمت میں داخل ہے پس وہ اسلام میں انتہا پر جو مالک یا بالغ ہو یا اس کے وارث ہوں ان کو دی جائے گی اور اگر ان میں سے کوئی معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں حاکم کو تصرف کا اختیار ہے یہ وجیز کردری میں ہے اور جو اراضی مملوکہ ہے جب اس کے مالک میں سے کوئی باقی نہ رہے تو اس کا حکم مثل لقطہ کے ہے اور بعض نے فرمایا کہ مثل زمین موات کے ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر زمین موات (۱) میں کسی جگہ میں عمارت بنائی یا کسی قدر میں کھیتی بوئی یا اس زمین کے واسطے کاریز وغیرہ بنائی تو اس کے لیے وہ جگہ جہاں عمارت بنائی ہے یا کھیتی کی ہے بطور ملک ہو گی اور باقی نہ ہو گی اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر نصف سے زیادہ کی احیاء کی تو پوری زمین کا احیاء قرار دیا جائے گا اور اگر آدھی زمین کو زندہ کیا تو اس کو اسی قدر ملے گی جس قدر زندہ کی ہے باقی نہ ملے گی پس امام ابو یوسفؒ نے کثرت (۲) کا اعتبار کیا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جس قدر اس نے نہیں زندہ کی ہے یعنی ہنوز موات ہے اگر وہ زندہ کی ہوئی کے بیچ میں ہو تو یوں قرار دیا جائے گا کہ اس نے کل کو زندہ کیا ہے اور اگر زمین موات ایک کونہ میں

---

(۱) یعنی جس قدر قطعہ کے احیاء کی امام نے اجازت دی ہے ۱۲ (۲) یعنی اکثر اس نے زندہ کی تو بمنزلہ کل کے ہے ۱۲ منہ

چھوٹ رہی ہو تو اس قدر باقی کا احیاء قرار دیا جائے گا یعنی اس قدر اس کی ملک نہ ہو گی یہ تاتارخانیہ میں ہے اور ابن سماعہؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ اگر زمین موات میں کنواں کھود کر زمین مذکور میں پانی دیا تو اس کی احیاء کر دی خواہ اس میں زراعت کی ہو یا نہ کی ہو اور اگر زمین مذکور میں نہریں کھودیں تو احیاء نہ ہو گا لیکن اگر ان نہروں میں پانی جاری کر دیا تو احیاء ہے اور اگر زمین موات کی گھاس جلادی تو احیاء نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر نیستان یا جنگل ہو پس اس نے نرکل کاٹ کر یا درخت کاٹ کر زمین برابر کی تو یہ احیاء ہے یہ غیاثیہ میں ہے ایک شخص نے دوسرے کو وکیل کیا کہ اس قطعہ زمین کی میرے واسطے احیاء کرے پس وکیل نے احیاء کی تو وہ قطعہ موکل کا ہو گا بشرطیکہ امام المسلمین نے موکل کو اس کے احیاء کی اجازت دی ہو یہ قنیہ میں ہے اور جو زمین خراب آبادی کے قریب ہو اس کی احیاء ہمارے نزدیک نہیں جائز ہے کذا فی الکنز یعنی اگر اس کو کسی نے احیاء کیا تو اس کا مالک نہ ہو گا واحیاء کا حکم ثابت نہ ہو گا علی امر من التفصیل فتذکر اور دجلہ وفرات نے جو زمین چھوڑ دی ہے یعنی پانی کی دھار ہٹ کر یہ زمین چھوڑ کر بہنے لگی ہے پس اگر ایسا نظر آئے کہ شاید دھار پھر اسی جگہ بہنے لگے تو اس کی احیاء نہیں جائز ہے کیونکہ اس کے نہر ہو جانے کی حاجت عام لوگوں کو ہے اور اگر ایسا نظر نہ آئے کہ پھر دھار یہاں عود کرے گی تو وہ موات[1] ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ ایک زمین غرق ہو کر بحر ہو گئی پھر اس میں سے پانی جاتا رہا یا کسی اور وجہ سے خراب ہو گئی پھر ایک شخص آیا اور اس نے اس زمین کی تعمیر کی تو بعض نے کہا کہ یہ زمین مالک قدیم کی ہو گی۔

قال المترجم ☆

ہو الاصح اور بعض نے کہا کہ جس نے احیاء کی ہے اس کی ہو گی۔

قال المترجم ☆

یوخذ بہذا کذا فی القنیہ۔ امام نے ایک شخص کو حکم دیا کہ تیرا جی چاہے فلاں زمین موات کو زندہ کر کے اس سے انتفاع حاصل کر مگر میری ملک نہ ہو گی پس اس نے احیاء کی تو اس کا مالک نہ ہو گا کیونکہ یہ شرط امام اعظمؒ کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ امامؒ کے نزدیک بدون اجازت امام المسلمین کے موات کا مالک نہیں ہوتا ہے پس جب امام نے اس کو مالک ہونے کی اجازت نہ دی تھی تو احیاء کرنے سے وہ مالک نہ ہو گا یہ مضمرات میں ہے ایک شخص نے ارض موات کو زندہ کیا پھر دوسرے شخص نے آ کر اس کے گرد کی زمین کا احیاء کیا یہاں تک کہ شخص اوّل کی زمین کے چاروں طرف اس نے احاطہ کر لیا تو شخص اوّل کو اختیار ہو گا کہ دوسرے کی زمین سے جو اس نے زندہ کی ہے اپنی زمین میں آمدورفت کیا کرے گا اور اگر اس شخص کی زمین زندہ کردہ کے گرد چار آدمیوں نے اگر چار جانب سے زمین موات کو زندہ کر کے اس کی زمین کو سب طرف سے گھیر لیا تو اس کو اختیار ہو گا کہ جس زمین[!] سے چاہے اپنی زمین میں آمدورفت کیا کرے بشرطیکہ چاروں نے ساتھ ہی چار جانب سے احیاء کیا ہو یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر کسی شخص نے زمین موات میں زندہ کرنے کی غرض سے کنواں کھودا اور پانی نکلنے میں ایک ہاتھ باقی رہ گیا تھا کہ دوسرے شخص نے آ کر اسی زمین میں کنواں کھودا تو اس زمین کا شخص اوّل مستحق ہے لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے احیاء کو ترک کر دیا ہے اور ترک کی مقدار ایک مہینہ مقرر کی گئی ہے اگر اس نے ایک مہینہ تک ترک کیا تو البتہ دوسرا مستحق ہو گا اور اگر اس مسئلہ میں شخص اوّل نے فقط ایک ہاتھ کھودا ہو تو اس کا وہ حکم ہے جو تحجر کا حکم ہے احیاء نہیں ہے یہ غیاثیہ میں ہے اور اگر مثل دجلہ کے کوئی دریا ہو اس پر چراگاہ ہو اور ایسی جگہ جہاں سے جلانے کی لکڑیاں لائی جاتی ہیں تو یہ سب اس شخص کی ہوں گی جس نے اس زمین کو زندہ کیا ہے لیکن اگر یہ زمین کسی قریہ کی فناء ہو اور احیاء سے ان کی فناء فاسد ہوئی جاتی

[!] جس زمین الخ اس واسطے کہ راستہ اس کے اوّل سے مستحق ہے اور ہر طرف سے اس کو اختیار ہے ۱۲ (۱) یعنی اس کا احیاء جائز ہے ۱۲

ہے تو وہ شخص احیاء سے منع کیا جائے گا اور والی کو اختیار ہے کہ جس زمین میں پگ ڈنڈی کا راستہ ہے اس کو احیاء کے واسطے کسی کے نام کر دے بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کے حق میں ضرر نہ ہو اور فرمایا کہ ایسا اختیار فقط خلیفہ کو ہے یا جس کو خلیفہ نے متولی مقرر کیا ہو یہ محیط میں ہے اور اگر پہاڑ کی جڑ میں کنواں کھودا تو اس کے اعلیٰ تک مالک ہو جائے گا یہ غیاثیہ میں ہے اور واضح ہو کہ ارض موات کے حق میں دو حکم ہوتے ہیں ایک حکم حریم دوم حکم وظیفہ پس حکم حریم میں دو طرح بیان ہے اول اصل حریم کا بیان دوم مقدار حریم کا بیان پس اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ جس نے زمین موات میں کنواں کھودا اس کنویں کے واسطے اصل حریم ضروری ہے حتیٰ کہ اگر دوسرے شخص نے اس کے حریم میں کنواں کھودنا چاہا تو اس کو اختیار ہوگا کہ اس کو منع کرے اسی طرح چشمہ کے واسطے بالا جماع حریم ہے رہا مقدار حریم کا بیان سو چشمہ کے حریم کی مقدار بالا جماع (۱) پانچ سو گز ہے کذانی البدائع۔ پھر بعض نے فرمایا کہ یہ پانچ سو گز چاروں طرف سے ہیں یعنی ہر طرف سے ایک سو پچیس گز ہیں اور اصح یہ ہے کہ ہر طرف سے پانچ سو گز مراد ہیں اور گز سے گز مکسر جو چھ مٹھی کا ہوتا ہے مراد ہے یہ تبیین میں ہے اور بیر العطن یعنی جو کنواں ایسا ہوتا ہے جس سے جانوروں کو پانی پلا کر اس کے گرد آرام دیتے ہیں اس کا حریم چالیس گز ہوتا ہے کذانی البدائع اور بعض نے فرمایا کہ چالیس گز چاروں طرف سے ہر طرف سے دس دس گز مراد ہے اور صحیح یہ ہے کہ ہر طرف سے چالیس چالیس گز ہوتا ہے یہ تبیین میں ہے اور سینچنے کے کنوئیں کا حریم سو صاحبینؒ کے قول کے موافق اس کا حریم ساٹھ گز ہوتا ہے اور امام اعظمؒ نے فرمایا کہ میں سوائے چالیس گز کے اور زیادہ نہیں جانتا ہوں اور اسی پر فتویٰ ہے اور صدر الشہید نے قضاء جامع صغیر کی شرح میں فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے احیاء ارض موات کے لیے زمین مذکور میں نہر بنائی تو بعض نے فرمایا کہ امام اعظمؒ کے نزدیک اس کے واسطے حریم کا مستحق نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک مستحق ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ بالا جماع اس کے واسطے حریم کا مستحق ہوگا اور نوازل میں مذکور ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہر کا حریم ہر دو طرف اس کے عرض کا نصف ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ بقدر عرض نہر کے ہے اور فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔

عشری وخراجی زمین کے کچھ مسائل ☆

رہا بیان حکم وظیفہ کا سو اگر مسلمان نے زمین موات کو زندہ کیا تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر اس نے زمین عشر[1] کے تحت کی زمین موات کو زندہ کیا ہے تو یہ بھی عشری ہوگی اور اگر زمین خراجی[2] کے تحت کی زمین میں موات زندہ کی ہے تو وہ خراجی ہوگی اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس نے عشر کے پانی سے زندہ کیا ہے تو وہ عشری ہے اور اگر خراجی پانی سے زندہ کی ہے تو خراجی ہے اور اگر زمین موات کو کسی ذمی نے زندہ کیا تو بہر حال وہ خراجی ہے کیسے ہی ہو یہ بالا جماع ہے اور یہ مسائل کتاب العشر والخراج کا مسئلہ ہے یہ بدائع میں ہے اور امام محمدؒ سے نوادر میں یہ روایت ہے کہ سینچنے کے کنویں کا حریم ساٹھ گز ہے لیکن اگر اس میں ستر گز رسی لگتی ہو تو رسی کی قدر اس کا حریم ہوگا تا کہ وہ کنویں سے انتفاع حاصل کر سکے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر امام المسلمین کی اجازت سے کسی شخص نے جنگل میں کنواں کھودا پھر دوسرے شخص نے آ کر اس کے حریم میں کنواں کھودا تو شخص اوّل کو اختیار ہوگا کہ جو دوسرے شخص نے کھودا اس کو پاٹ دے اسی طرح اگر اس نے اس مقام پر کوئی عمارت بنائی یا زراعت کی یا اور کوئی بات کی تو شخص اوّل کو اس سے ممانعت کر دینے کا اختیار ہے اس واسطے کہ وہ اس مقام کا مالک ہو گیا ہے اور اگر پہلے شخص کے کنویں سے کوئی چیز ہلاک وتلف ہو جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ وہ متعدی وظالم نہیں ہے اور اگر دوسرے شخص کے کنویں میں گر کر کوئی چیز مر جائے تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہ کنواں جو اس نے

[1] زمین عشری وہ ہے جس کی پیداوار دسواں حصہ دینا پڑتا ہے [2] زمین خراجی وہ ہے جس کا سالانہ روپیہ دینا پڑتا ہے اور ہندی میں خراج کو لگان کہتے ہیں ۱۲ (۱) گز سے گز شرعی مراد ہے ۱۲

کھودا ہے کہ جو باعث اس کی ہلاکت کا ہوا ہے اس میں دوسرے شخص کھودنے والے نے تعدی وظلم کیا ہے اور اگر دوسرے شخص نے بھی امام المسلمین کے حکم سے شخص اوّل کے کنویں کے قریب نہ اس کے حریم میں دوسرا کنواں کھودا پھر پہلے شخص کے کنویں کا پانی ٹوٹ گیا اور یہ معلوم ہوا کہ اس کا پانی دوسرے شخص کے کنواں کھودنے کی وجہ سے ٹوٹا ہے تو پہلے شخص کا اس پر کچھ استحقاق نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر کسی نے ارض موات میں کاریز نکالی تو بالا اجماع اس کے حریم کا مستحق ہے۔ رہا اس کے مقدار کا بیان سو امام محمدؒ نے کتاب میں ذکر فرمایا کہ کاریز بمنزلہ کنویں کے پاس ہے پس اس کا حریم بھی اسی قدر رہوگا جس قدر کنویں کا ہوتا ہے پس امام محمدؒ نے فقط اسی قدر ذکر کیا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا ہے اور ہمارے مشائخ نے اس پر زیادہ کیا اور فرمایا کہ کاریز اگر ایسے موقع پر ہو کہ جہاں پانی روئے زمین پر ظاہر بہتا ہے تو کاریز بمنزلہ چشمہ جوشندہ کے ہے اس کا حریم مثل چشمہ کے پانچ سو گز ہوگا بالا جماع اور جس جگہ کاریز کا پانی روئے زمین پر نہ جاری ہو تو کاریز بمنزلۂ نہر کے ہوگی مگر فرق یہ ہے کہ وہ زمین کے نیچے بہتی ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اراضی موات میں حریم کا استحقاق ہر طرف سے حاصل ہونا ایسی ہی جگہ میں ہے جہاں دوسرے کسی کا حق متعلق نہ ہو اور اگر دوسرے کسی کا حق متعلق ہو تو ایسا نہیں ہے چنانچہ اگر زمین موات میں کسی شخص نے کنواں کھودا پھر دوسرے شخص نے آ کر اس شخص کے کنویں کے ایک طرف حریم کی انتہا پر اپنا کنواں کھودا تو جس طرف پہلے شخص کے کنویں کی حریم ہے اس جانب سے اس دوسرے شخص کو اس کے کنویں کے واسطے حریم نہ ملے گی ہاں باقی تین طرفوں میں جس میں کسی کا حق متعلق نہیں ہے اس کو حریم ملے گی یہ نہایہ میں ہے۔ ایک کاریز دو شخصوں میں مشترک ہے پھر دونوں میں سے ایک شخص نے ایک زمین موات کو زندہ کیا تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ زمین مذکور کو اس کاریز سے سینچے یا اس کا پانی اس کاریز سے مقرر کرے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ اپنے شریک سے زیادہ لے کیونکہ اس زمین کا پانی اس کاریز سے نہ تھا حالانکہ شریک کو یہ اختیار نہیں ہے کہ بدون اجازت شریک کے اس سے زیادہ پانی لے لے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر کسی شخص نے زمین موات میں درخت لگائے اگر باجازت امام ہوں تو سب (۱) کے نزدیک یا بلا اجازت امام المسلمین تو صاحبینؒ کے نزدیک آیا وہ شخص ان درختوں کے واسطے حریم کا مستحق ہے حتی کہ اگر دوسرا شخص آیا اور اس نے ان درختوں کے برابر پہلو میں اپنے درخت لگائے چاہے تو اس کو ممانعت کا اختیار ہے یا نہیں تو امام محمدؒ نے یہ صورت کتاب میں ذکر نہیں فرمائی اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ بقدر پانچ گز کے حریم کا مستحق ہوگا اور یہی حدیث میں وارد ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر دو شخصوں نے زمین موات میں ایک کنواں دونوں نے اپنے خرچہ سے اس شرط سے کھودا کہ کنواں دونوں میں سے ایک کا اور حریم دوسرے کا ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے اس واسطے کہ دونوں نے خلاف موجب شرع باہم صلح قرار دی ہے اس واسطے کہ شرع نے حریم کو بدین غرض کنویں کے تابع کیا ہے کہ کنواں کا مالک اس سے انتفاع حاصل کر سکے پس حریم مالک چاہ کا ہوگا سو جب کنواں ایک کے واسطے مشروط ہوا تو حریم بھی اسی کا ہوگا اور اگر کنواں دونوں میں مشترک ہو تو حریم بھی دونوں میں مشترک ہوگا اور اگر دونوں نے یہ شرط کی کہ کنواں و اس کا حریم دونوں میں برابر مشترک ہو بشرطیکہ دونوں میں سے فلاں شخص بہ نسبت ایک کے زیادہ خرچ کرے تو بھی نہیں جائز ہے پس جس نے زیادہ دیا ہے وہ زیادتی کی مقدار میں سے نصف مقدار دوسرے سے واپس لے گا کیونکہ ان دونوں نے ایک شے مباح کے احراز میں شرکت کی ہے تا کہ یہ مباح دونوں میں مشترک ہو اور احراز مباح کی شرکت اس امر کو مقتضی ہے کہ خرچہ بقدر ملک ہو پس جب ایک کے ذمہ زیادہ خرچہ کی شرط لگائی تو شرط صحیح نہیں ہے اور جس قدر اس کی طرف سے زیادہ خرچ کیا ہے وہ

ے ارض موات وہ زمین جو غیر مزروعہ و افتادہ کسی کی خاص ملک نہ ہو ۱۲ ے حریم گرداگرد ۱۲ ے کاریز وہ نالی پنی ہوئی جو آبپاشی کے واسطے نئی چشمہ یا دریا سے کاٹ لی جائے ۱۲ (۱) امام اعظم و امام ابو یوسف و محمد ۱۲ منہ

واپس لے گا اس واسطے کہ اس کی طرف سے اس کے حکم سے خرچ کیا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر دو شخصوں نے باہم یہ شرط لگائی کہ ایک نہر کھودیں ایک زمین موات کو زندہ کریں اور نہر ایک شخص کی ہو اور زمین دوسرے کی ہو تو یہ جائز نہیں حتی کہ یہ سب ان دونوں شخصوں میں مشترک ہو گی اور جب دونوں میں مشترک ہوئی تو دونوں میں سے کسی کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ نہر مذکور سے اپنی خاص زمین سینچے اور اگر شریکوں نے باہم کسی ایک شریک کے ذمہ زیادہ خرچہ شرط کیا تو جائز نہیں ہے اور وہ واپس لے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ دو نہریں دو گاؤں کی ایک ہی جگہ واقع ہیں ان دونوں کے درمیانی حریم میں اختلاف واقع ہوا پس جتنی جگہ دونوں نہروں میں سے کسی ایک نہر کی مٹی میں گھری ہو یعنی ایک نہر کی مٹی نکال کر ڈالی گئی ہو اور وہ جگہ اس نہر والوں کے قبضہ میں ہو تو اس جگہ کے باب میں اسی نہر والوں کا قول قبول ہو گا اور دوسری نہر والوں کا دعویٰ شرکت اتنی جگہ میں زبانی تصدیق نہ کیا جائے گا۔ الا اس صورت میں کہ وہ لوگ اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کریں اور جتنی جگہ دونوں نہروں کے بیچ میں خالی پڑی ہو یعنی دونوں نہروں میں سے کسی نہر کی مٹی سے گھری نہ ہو اور دونوں گاؤں والوں کو اس میں تنازع نہ ہو تو وہ دونوں گاؤں والوں کے درمیان نصفا نصف ہو گی لیکن اگر کسی گاؤں والوں نے اپنے گواہ پیش کئے کہ یہ خاص ہماری ہے تو ان کی ہو گی اور اسی طرح کا مسئلہ آخر کتاب المزارعہ میں گذر چکا ہے یہ کبریٰ میں ہے۔ اگر ایک شخص کی نہر دوسرے کی زمین میں واقع ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کے واسطے حریم نہ ہو گا الا اس صورت میں کہ حریم ہونے کے گواہ قائم کرے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کو بقدر مسناۃ کے ملے گا جس پر چل سکے اور نہر کی مٹی اس پر ڈالے یہ شرح قدوری میں ہے۔ اگر کسی شخص نے جنگل میں مکان بنایا تو اس کے حریم کا مستحق نہ ہو گا اگرچہ کوڑا ڈالنے کے واسطے حریم کی حاجت رکھتا ہے اس وجہ سے کہ قصر سے بدون حریم کے انتفاع ممکن ہے اور کنویں پر اس کا قیاس نہ کیا جائے گا کیونکہ کنویں والے کو جس قدر ضرورت ہوتی ہے اس کی بہ نسبت اس کو حریم کی ضرورت کم ہے یہ کافی و تبیین میں ہے۔ اگر ایک شخص کا کنواں دوسرے کے دار[1] میں ہو تو جب یہ شخص اپنا کنواں اگروا دے تو اس کی مٹی اس شخص کے دار میں ڈالنے کا استحقاق نہیں رکھتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ کسی شخص نے چاہا کہ کسی مسجد میں یا محلہ میں کنواں کھودے پس اگر اس میں کسی وجہ سے ضرر نہ ہو اور ہر وجہ سے نفع ہو تو اس کو یہ اختیار ہے اس مقام پر یوں ہی ذکر فرمایا ہے اور کتاب الصلوٰۃ سے پہلے باب المسجد میں ذکر فرمایا کہ مسجد میں کوئی کنواں نہ کھودا جائے اور جو شخص کھودے وہ ضامن ہو گا اور فتویٰ اسی[2] قول پر ہے جو باب المسجد میں ذکر فرمایا ہے یہ کبریٰ میں ہے۔

دوسرا باب ☆

نہروں کے اُگارنے اور ان کی صلاح کے بیان میں

تین طرح کی نہریں ہوتی ہیں بعضی ایسی نہریں ہیں جن کا اُگارنا سلطان کے ذمہ ہے اور بعض ایسی ہیں کہ ان کا اُگارنا نہر والوں کے ذمہ اس طرح ہے کہ اگر وہ انکار کریں تو ان پر جبر کیا جائے گا اور بعض ایسی ہیں کہ ان کا اُگارنا اہل نہر کے ذمہ ہے لیکن اگر وہ لوگ انکار کریں تو مجبور نہ کئے جائیں گے پس اوّل یعنی جن کا اُگارنا سلطان کے ذمہ ہے وہ نہریں ہیں جو بڑی بڑی ہیں اور مقاسم میں داخل نہیں جیسے دجلہ و فرات و سیحون و جیحون و نیل[3] کہ اگر ان نہروں میں اُگارنے کی ضرورت ہو تو اُگارنا واس کے کنارے کی

[1] احاطہ مکان ۱۲ [2] قول ظاہر مراد یہ ہے کہ عین مسجد میں کنواں نہ کھودا جائے اور فنائے مسجد میں کھودنا جیسا معروف ہے مضائقہ نہیں رکھتا ہے واللہ اعلم ۱۲ [3] کتاب میں ہے کہ نیل ایک دریا روم میں ہے مگر مترجم کو اس کا پتہ معلوم نہ ہوا ظاہر اوہ دریائے مصر ہے یا مصر تحت روم تھا اس وجہ سے ایسا کہا ہو واللہ اعلم ۱۲

درستی سلطان پر واجب ہے کہ بیت المال سے کرے اور اگر بیت المال میں مال نہ ہو تو مسلمانوں کو اس کے اُگارنے پر مجبور کرے گا اور اس کام کے واسطے ان کو گھروں سے باہر نکال کر لے جائے گا پھر اگر کسی مسلمان نے چاہا کہ ان دریاؤں میں سے کوئی نہر کاٹ کر اپنی زمین کو لے جائے تو اس کو اختیار ہوگا بشرطیکہ عام کو اس سے ضرر نہ پہنچتا ہو اور اگر عام کو ضرر ہو مثلاً نہر کا کنارہ ٹوٹ جائے اور اس سے غرق کا خوف ہو تو اس کو ایسی نہر کاٹنے سے ممانعت کی جائے گی اور دوم یعنی جن کا اُگارنا و اصلاح اہل نہر پر اس طرح لازم ہے کہ اگر وہ انکار کریں تو ان پر جبر کیا جائے یعنی امام المسلمین ان پر جبر کرے پس ایسی نہریں وہ ہیں جو بڑی بڑی نہریں کہ قسمت میں داخل ہیں اور ان پر گاؤں آباد ہیں پس اگر ایسی نہروں میں اُگارنے و اصلاح کی ضرورت ہوئی تو یہ اہل نہر پر لازم ہے اور اگر انہوں نے اس سے انکار کیا تو امام المسلمین ان کو اس امر پر مجبور کرے گا اس واسطے کہ اس کا ضرر عام ہے اور نہ اُگارنے میں جتنے لوگ اس سے پانی پاتے ہیں ان کے حق میں پانی کی قلت ہے اور دور نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اناج کی پیداوار میں بہت کمی آ جائے اور گراں ہو جائے پس جب ایسی صورت ہے کہ پانی کی زیادتی کا نفع ان لوگوں کو پہنچے گا اور نہ اُگارنے کا ضرر عام کو ہوگا تو ان لوگوں کو جن کی تقسیم میں داخل ہے اس کے اُگارنے پر مجبور کیا جائے گا اور کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایسی نہر میں سے اپنے واسطے نہر کاٹ کر لے جائے خواہ یہ بات اہل نہر کے حق میں مضر ہو یا نہ ہو اور ایسی نہر کے پانی میں استحقاق شفہ[1] نہیں ہے یعنی پانی سے سیراب (۱) ہونے کا استحقاق نہیں ہے اور جس نہر کا اُگارنا اہل نہر کے ذمہ ہے اور در صورت انکار کے ان پر جبر نہ کیا جائے گا وہ نہر خاص ہے اور نہر خاص میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ اگر دس آدمیوں کی یا اس سے کم لوگوں کی نہر ہو یا اس نہر پر ایک گاؤں ہو کہ اس کا پانی ان گاؤں والوں میں تقسیم ہوتا ہو تو وہ نہر خاص ہے اس میں شفعہ کا استحقاق ہے اور بعض نے فرمایا کہ اگر چالیس آدمیوں سے کم کے واسطے ہو تو خاص ہے اور اگر چالیس کے واسطے ہو تو نہر عام ہے اور بعض نے فرمایا کہ اگر سو آدمیوں سے کم کے واسطے ہو تو خاص ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ اگر ہزار سے کم کے واسطے ہو تو خاص ہے اور اصح قول یہ ہے کہ یہ رائے مجتہد کے سپرد ہے حتیٰ کہ وہ جس قول کو ان اقوال میں سے چاہے اختیار کرے پھر نہر خاص کی صورت میں اگر بعض شریکوں نے اس کا اُگارنا چاہا اور باقیوں نے انکار کیا تو شیخ ابوبکر بن سعید بلخیؒ نے فرمایا کہ امام ان لوگوں کو جو انکار کرتے ہیں مجبور نہ کرے گا اور اگر ان لوگوں نے جو اُگارنا چاہتے ہیں اُگارا تو متطوع[2] قرار دیئے جائیں گے اور شیخ ابوبکر اسکافؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں پر اس واسطے جبر کیا جائے گا اور خصافؒ نے نفقات میں ذکر فرمایا کہ قاضی ان لوگوں کو حکم دے گا کہ تم لوگ یعنی جن کو اُگارنے کی خواہش ہے اس کو اگر و الو اور جب ان لوگوں نے ایسا کر لیا تو ان کو اختیار ہوگا کہ باقیوں کو اس نہر کے پانی سے انتفاع حاصل کرنے سے منع کریں یہاں تک کہ یہ لوگ حصہ رسد کے موافق اُگارنے کا خرچہ ان کو دے دیں اور ایسا ہی امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے۔ اور اگر سب حصہ داروں نے اگارنے سے انکار کیا تو ظاہر الروایۃ کے موافق امام المسلمین ان کو مجبور نہ کرے گا اور بعض متاخرین نے فرمایا کہ مجبور کرے گا اور اگر حصہ دار لوگ نہر مذکور اُگارنے پر متفق ہوئے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ نہر اوپر کی طرف سے اُگارنی شروع کی جائے گی پھر جب کسی شخص کی زمین سے تجاوز کر جائے تو اُگارنے کا خرچہ اس کے ذمہ سے دور ہو جائے گا اور جو باقی ہیں (۲) ان پر رہے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ اُگارنے کا خرچہ کا مجموعہ اول سے آخر تک کا ان سب پر بحساب زمین و مقدار سینچ کے پھیلایا جائے گا اور پانی پینے والوں پر خرچہ میں سے کچھ لازم نہ ہوگا کیونکہ وہ حصہ دار نہیں ہیں مگر فتویٰ کے واسطے مشائخ نے امام اعظمؒ کا قول لیا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

---

[1] شفہ اصل میں منہ سے پانی پینے کو کہتے ہیں اور یہاں مراد اس سے پانی پینا و جانوروں کو پلانا سوائے سینچنے وغیرہ کے ۱۲ [2] احسان کرنے والے ۱۲

(۱) مثلاً چوپاؤں کو لا کر پلانا ۱۲ (۲) علیٰ ہذا القیاس وہ مراد تیسرا ۱۲ (۳) نہر سے نہر خاص مراد ہے ۱۲

نہر (یا مشترکہ پانی) کے حصہ دار پانی کو کس حساب سے استعمال کریں ☆

اس صورت کا بیان یہ ہے کہ اگر نہر کے شریک دس ہوں پس ابتدائے نہر سے اُگارنے کا خرچہ ہر ایک کے ذمہ دسواں حصہ ہوا یہاں تک کہ ایک کی زمین سے جب تجاوز کر جائے تو باقیوں پر نو حصہ ہو کر ہر ایک پر نواں حصہ ہوگا یہاں تک کہ دوسرے کی زمین سے تجاوز کر جائے پھر باقی لوگوں پر خرچہ آٹھ حصہ ہو کر ہر ایک پر آٹھواں حصہ ہوگا علی ہذا القیاس آخر نہر تک یہی صورت ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک اوّل نہر سے آخر تک سب خرچہ دس حصے ہو کر ہر ایک پر دسواں حصہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر ایک شخص کی زمین میں نہر (۳) سے پانی آنے کا دہانہ وسط زمین میں ہو پھر اس نے نہر کو اپنے دہانہ سے اپنی وسط زمین تک اُگار دیا پس آیا امام اعظمؒ کے موافق اس کے ذمہ سے اُگارنا ساقط ہو جائے گا تو بعض نے فرمایا کہ ساقط نہ ہوگا جب تک اس کی زمین سے تجاوز نہ کر جائے اور یہی صحیح ہے اور جب اُگارنا اس کی زمین سے تجاوز کرے گا پس آیا اس کو اختیار ہے کہ نہر کا دہانہ کھول کر اپنی زمین سینچے تو بعض نے فرمایا کہ اس کو کھول لینے کا اختیار ہے اور بعض نے فرمایا کہ نہیں کھول سکتا ہے جب تک پوری نہر اُگارنے سے فراغت نہ ہو جائے کیونکہ اگر اس نے قبل اس کے کھول لی تو شریکوں سے پہلے اس کو پانی مل جائے گا جو فقط اسی کو ملے گا اور اسی وجہ سے بعض متاخرین نے فرمایا ہے کہ اسفل نہر سے اُگارنا شروع کیا جائے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر کوچہ غیر نافذہ کے خاص راستہ کے اوّل سے آخر تک اصلاح کرنے کی ضرورت پڑی تو اوّل راستہ کی اصلاح بالا اجماع سب اہل کوچہ پر ہوگی پھر جب درست کرتے ہوئے کسی شخص کے دار تک پہنچیں پس آیا اس سے خرچہ اصلاح دور کیا جائے گا یا نہیں سو اس مسئلہ کے واسطے کوئی روایت نہیں ہے اور شیخ الاسلام نے اپنی شرح میں فقیہ ابوجعفر سے حکایت کی ہے کہ میں نے مشائخؒ کی بعض کتب میں دیکھا ہے کہ بالا تفاق اس شخص سے خرچہ دور کیا جائے گا۔ اور اگر نہر عظیم ہو اور اس پر چند گاؤں آباد ہوں جن کو اس نہر سے پانی ملتا ہو اور ایسی نہر کو فارسی میں کام کہتے ہیں پس اہل نہر نے اس نہر کے اُگارنے پر اتفاق کیا اور اُگارتے ہوئے ایک گاؤں کے نہر کے دہانہ[1] تک پہنچے پس آیا ان لوگوں کے ذمہ سے اُگارنے کا خرچہ دور کیا جائے گا سو اس مسئلہ کی بھی کوئی روایت اصل میں نہیں ہے اور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ نوادر میں مذکور ہے کہ ان لوگوں سے خرچہ اُگرائی بالا تفاق دور کیا جائے گا اور نہر خاص کے قیاس پر چاہئے کہ اس گاؤں والوں سے خرچہ اُگرائی دور نہ کیا جائے جب تک کہ اس گاؤں کی زمین سے بالکل تجاوز نہ کرے یہ محیط میں ہے۔

---

[1] یعنی اس دہانہ سے اس نہر عظیم سے گاؤں میں پانی جاتا ہے پس گاؤں والوں کو اس دہانہ تک اُگارنے کی ضرورت ہے پس جب یہاں تک پہنچے تو خرچہ ان لوگوں سے دور ہو جانا چاہئے ۱۲

کتاب الشرب

اور اس میں پانچ ابواب ہیں

باب اوّل☆

شرب کی تفسیر، اس کے رکن، شرط حل وحکم کے بیان میں

شرب کی شرعی تفسیر☆

شرب کی تفسیر شرعی یہ ہے کہ شرب اُس حصہ پانی کو کہتے ہیں جو اراضی کے واسطے ہو نہ غیر اراضی کے واسطے اور رکن شرب پانی ہے اس واسطے کہ شرب کا قیام اسی سے ہے اور شرب کی شرط حلت یہ ہے کہ شرب کا حصہ دار ہو اور حکم شرب یہ ہے کہ سیرابی حاصل ہو اس لئے کہ حکم شے کا وہ ہوتا ہے جس کے واسطے یہ شے کی جائے اور زمین کو اس واسطے پانی دیا جاتا ہے کہ سیراب ہو جائے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ پانی چند انواع میں اوّل بحر کا پانی اور وہ تمام خلق کے واسطے عام ہے جا ہیں اس سے پانی پئیں یا زمین سینچیں یا نہر میں پانی لے جائیں حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے بحر کے پانی سے نہر کے ذریعہ سے کاٹ کر اپنی زمین میں پانی لے جانا چاہا تو اسکو ممانعت (۱) نہ کی جائے گی اور بحر کے پانی سے انتفاع حاصل کرنا ایسا ہے جیسے سورج و چاند و ہوا سے نفع لینا پس جس طرح جی چاہے نفع اُٹھائے منع نہ کیا جائے گا دوم بڑے بڑے دریاؤں کا پانی جیسے جیحون و سیحون و دجلہ و فرات و نیل پس ایسے دریاؤں سے لوگوں کو علی الاطلاق پانی پینے کا استحقاق ہے اور زمین سینچنے کا حق ہے مثلاً کسی نے زمین موات کو زندہ کیا اور اس کے سینچنے کے واسطے ان دریاؤں میں سے کسی سے نہر کاٹ کر لے گیا پس اگر عام لوگوں کو اس سے ضرر نہ ہو اور نہ وہ نہر کسی کی ملک میں ہو تو اس کو اختیار ہے اور لوگوں کو یہ بھی اختیار ہے کہ اس پر اپنی پن چکیاں و دوالیہ نصب کریں بشرطیکہ عا کو مضرت نہ پہنچتی ہو اور اگر عام لوگوں کو اس میں ضرر ہو تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے اس واسطے کہ عام ضرر دفع کرنا واجب ہے اور ضرر پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً یہ خوف ہو کہ نہر کاٹنے سے پانی اس طرف جھک پڑے گا اور نہر کا کنارہ ٹوٹ جائے گا اور اراضی و دیہات غرق ہو جائیں گے اسی طرح ساقیہ[1] و دوالیہ اس دریا سے کاٹ کر نکالنے میں بھی یہی حکم ہے سوم وہ پانی جو کسی قوم کی نہر خاص میں جاری ہو پس اس میں غیر لوگوں کو حق شفہ حاصل ہے یعنی خود پی سکتے ہیں اور اپنے چوپاؤں کو پلا سکتے ہیں اور چہارم وہ پانی جو کسی نے اپنے مٹکے وغیرہ کسی ظرف میں بھر کر اپنے احراز میں کر لیا ہو پس ایسے پانی میں سے کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ بدون اسکی اجازت کے کچھ لے لے اور بھر لینے والے کو یہ اختیار ہے کہ اسکو فروخت کرے کیونکہ احراز سے اسکا مالک ہو گیا پس وہ مثل (۲) شکار و گھاس کے ہو گیا لیکن ایسے پانی کو چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کیونکہ اس میں شرکت کا شبہ (۳) ہے حتیٰ کہ احراز کرنے والے کی عدم موجودگی میں کسی شخص نے یہ پانی چورایا حالانکہ وہ پورا نصاب ہے یعنی اس پانی کی قیمت اس قدر درم

---

[1] ساقیہ چھوٹی نہر مانند نالی کے اور دوالیہ چرس وغیرہ سے اس طرح پانی لینا کہ نہر سے کاٹ کر ایک گڈھا لیں اور وہاں ڈھینکلی لگا کر سینچیں ۱۲

(۱) جب کہ عام لوگوں کو ضرر نہ پہنچتا ہو ۱۲ (۲) یعنی شکار کو پکڑ یا اور گھاس کو اپنے صرف میں کر لیا ۱۲ (۳) یعنی عام کی شرکت ۱۲

ہیں جتنے درموں کی چوری سے ہاتھ کاٹا[1] جاتا ہے تو بھی اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور جو پانی کسی شخص کے کنویں یا حوض میں ہے اس میں غیر کو ایک طرح کی شرکت ہے بایں طور کہ خود وہ پانی پی سکتا ہے اور اپنے چوپاؤں کو پلا سکتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے غیر کے کنویں یا حوض سے پانی پینے کے واسطے لیا تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس شخص سے پانی واپس لے اور ایسی صورت پیش آتی ہو کہ شفہ سے پینے اور جانوروں کے پلانے سے تمام پانی ٹوٹا جاتا ہے تو شیخ الاسلام خواہرزادہ نے ذکر فرمایا کہ امام اعظمؒ کے قول کے موافق کنوئیں یا حوض کا مالک منع نہیں کر سکتا ہے اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے ذکر کیا کہ اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اکثروں کے نزدیک اس کو منع کرنے کا اختیار ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور عیون میں لکھا ہے کہ ایک شہر میں امام المسلمین نے شفہ یعنی لوگوں کے پینے و چوپاؤں کے پلانے کے واسطے ایک نہر جاری کی پھر بعض آدمیوں نے چاہا کہ نہر مذکور پر اپنی بستان لگائیں پس اگر عام لوگوں کے شفہ میں ضرر نہ ہو تو ان کو گنجائش ہے اور اگر ضرری ہو تو بستان لگانے والوں کو یہ گنجائش نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک قوم کی نہر ہے اور اس کے پہلو میں غیر شخص کی زمین ہے جس کا شرب اس نہر میں سے نہیں ہے تو مالک زمین کو اختیار ہوگا کہ اس نہر میں سے پانی پئے اور اپنے چوپاؤں کو پلائے اور وضو کرے اور اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس نہر سے اپنی زمین یا درخت یا کھیتی کو پانی دے اور نہ یہ اختیار ہے کہ اپنی زمین کے واسطے اس نہر پر دولاب قائم کرے اور اگر یہ چاہا کہ مشک یا برتن کے ذریعہ سے اس نہر سے پانی اُٹھا اُٹھا کر اپنی کھیتی یا درخت کو سینچے تو اس میں مشائخؒ نے اختلاف کیا ہے اور اصح یہ ہے کہ اس کو یہ اختیار نہیں ہے اور اہل نہر کو اختیار ہے کہ اس کو اس سے منع کریں یہ فتاویٰ قاضی خان و وجیز میں ہے۔ بعض نے فرمایا کہ زمین والا اس سے منع نہ کیا جائے گا اور یہی اصح ہے یہ ہدایہ و کافی و تبیین ظہیریہ میں ہے۔

کیا جاری نہر سے ہر ایک کو افادہ حاصل کرنے کا حق ہے؟

اگر چند لوگوں نے چاہا کہ اس نہر سے اپنے چوپاؤں کو پانی پلائیں تو مشائخؒ نے فرمایا کہ اگر ایسی حالت میں کہ ان لوگوں کے پانی پلانے سے اس نہر کا پانی منقطع دفانہ ہو جائے تو اہل نہر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ان لوگوں کو منع کریں اور اگر ان لوگوں کے پلانے سے پانی منقطع ہو جائے مثلاً بہت اونٹ ہوں تو اہل نہر کو ممانعت کرنے کا اختیار ہوگا اور بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ اگر پانی پلانے سے نہر کا کنارہ ٹوٹ جائے یا خراب ہو جائے تو اہل نہر کو منع کرنے کا اختیار ہوگا ورنہ نہیں اسی طرح چشمہ اور وہ حوض جس میں بدون احراز و کسی کرتب کے پانی آ گیا ہے وہ بھی بمنزلہ نہر خاص کے ہے اور سقایہ کے پانی سے یعنی جو پینے کے واسطے رکھا گیا ہے وضو کرنے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے پس بعضوں نے جائز رکھا ہے اور بعضوں نے فرمایا کہ اگر پانی بہت ہو تو وضو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور اسی طرح جو پانی کہ پینے کے واسطے رکھا گیا ہو اس میں یہی حکم ہے حتیٰ کہ مشائخؒ نے فرمایا کہ حوض جو پینے کے واسطے رکھا گیا ہو اس کے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے اور وضو کرنے والا منع کیا جائے گا اور یہی صحیح ہے اور یہ جائز ہے کہ سقایہ کا پانی اس غرض سے اپنے گھر لے جائے کہ اس کے اہل و عیال پئیں۔ اور کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ غیر کے نہر یا چشمہ یا کاریز سے اپنی زمین یا کھیتی کو سینچے خواہ ایسا کرنے پر مضطر ہو یا نہ ہو اور اگر بدون اجازت مالک نہر کے کسی نے نہر کے پانی سے اپنی زمین یا کھیتی سینچی تو جس قدر اس نے پانی لیا ہے اس کا تاوان اس پر واجب نہ ہوگا لیکن اگر اس نے کئی بار اس طرح پانی لیا پس اگر سلطان کی رائے میں آئے تو ایسے شخص کو مارنے و قید کرنے کی سزا دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر نہر خاص یا کسی شخص کے حوض یا کنویں میں سے کسی اجنبی نے

[1] نہ کاٹا نہ اس کی وجہ یہی ہے کہ پانی دراصل مباح ہے اور اس کی قیمت صرف ضروری حالت ہے جس سے انتظام میں خلل نہ ہو تو لائق سزا کے حد و نہیں ہے اس واسطے تمام پانی ٹوٹ جانے کی صورت میں شفہ سے منع نہ کرنا قول امام ہے اور مشائخ نے مصلحۃً منع کا فتویٰ دیا ہے جب کہ پانی بکثرت مل سکتا ہے ۱۲

چاہا کہ وضو یا کپڑے دھونے کے واسطے گھڑے سے پانی بھر لے تو امام طحاوی نے ذکر کیا کہ اس کو یہ اختیار ہے اور یہی اکثر مشائخ کا قول ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر کوئی چشمہ یا کنواں یا حوض یا نہر کسی شخص کی ملک کے اندر ہو تو جو شخص اس میں سے پانی پینا[!] چاہتا ہے صاحب ملک کو اختیار ہے کہ اس کو اپنی ملک میں آنے سے منع کرے بشرطیکہ اس شخص کو اس پانی سے قریب دوسرا ایسا پانی جو کسی کی ملک میں نہیں ہے مل سکتا ہو اس واسطے کہ صاحب ملک اپنی ملک میں دوسرے کے داخل ہونے سے ضرر اُٹھاتا ہے اور اگر دوسرا شخص جو پیاسا ہے قریب ایسا پانی نہ پاتا ہو تو صاحب نہر سے کہا جائے گا کہ یا تو اس کو نہر سے پانی لا دے یا اس کو نہر تک جانے دے تاکہ خود پی لے بشرطیکہ نہر کا کنارہ نہ توڑے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو پانی اس کے حوض وغیرہ میں ہے اس میں اس شخص پیاسے کا حاجت کے وقت حق متعلق ہو گیا ہے اور بعض مشائخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب صاحب نہر نے اس کو اپنی ملک میں کھودا ہو اور اگر زمین موات میں کھودا ہو تو نہر والے کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس پیاسے کو منع کرے اس واسطے کہ زمین موات مشترک تھی اور نہر کھودنا حق مشترک کے احیاء کے واسطے ہے یعنی عشر و خراج کے واسطے پس احیاء سے شفہ کی شرکت قطع نہ ہو گی اور اگر اس نے اس شخص کو منع کیا حالانکہ وہ شخص پیاس کے سبب سے اپنی جان یا اپنے جانور کی جان تلف ہونے کا خوف کرتا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ منع کرنے والے سے ہتھیار سے لڑائی کرے اور اگر پانی کسی شخص کے ظروف میں محرز ہو تو جو شخص پیاس سے ہلاکت کا خوف کرتا ہے اس کو یہ اختیار نہیں کہ پانی کے مالک سے منع کرنے کی صورت میں ہتھیار سے لڑائی کرے ہاں بغیر ہتھیار کے لڑائی کر سکتا ہے یہ کافی میں ہے اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ پانی کے مالک کے پاس بہت پانی ہو اور اگر بہت نہ ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ پانی اس قدر رہو کہ دونوں کی جان بچا سکتا ہو دوم یہ کہ ایک ہی کی جان بچانے کے واسطے کافی ہو پس اگر دونوں کی جان بچا سکتا ہو تو مضطر پیاسے کو چاہئے کہ بعض لے لے اور بعض چھوڑ دے اور اگر فقط ایک کے واسطے ہو تو مالک کے واسطے چھوڑ دے یہ نہایہ میں ہے۔

گھاس میں چند صورتیں ہیں اول آنکہ گھاس زمین مباح میں ہو پس اس میں سب لوگ شریک ہیں یعنی اس میں سے گھاس چھیل لائیں و چرا دیں جیسے بحر کے پانی میں شریک ہوتے ہیں دوم یہ کہ کسی شخص کی مملوکہ زمین میں بدون اُگائے ہوئے خود اُگی ہو تو مالک زمین قبل احراز کے یعنی جب تک اس کو اپنے حرز میں نہ لائے تب تک کسی کو منع نہیں کر سکتا ہے لیکن اس کو یہ اختیار ہے کہ لوگوں کو گھاس کے لیے اپنی زمین میں داخل ہونے سے منع کرے اور ہمارے مشائخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اس گھاس کو لینا چاہتا ہے اگر اس میں اور مالک زمین میں جھگڑا ہوا پس اگر گھاس کا طالب اس گھاس سے قرب کسی زمین مباح میں گھاس پا سکتا ہو تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ اس کو منع (۱) کرے اور اگر نہ پا سکتا ہو تو مالک زمین سے کہا جائے گا کہ یا تو اس کو گھاس دے دے یا اس کو آنے کی اجازت دے تاکہ وہ خود لے لے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر مالک زمین نے گھاس اُگائی ہو مثلاً زمین کو جوت کر اس میں پانی دیا ہو تا کہ اس کے جانوروں کے واسطے گھاس جمے تو وہ اس گھاس کا زیادہ مستحق ہے یعنی اس کو ملے گی اور کسی کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ بدون اس کی اجازت کے اس میں سے کچھ گھاس لے سکے کیونکہ یہ اس کی کمائی ہے اور کمائی کمانے والے کی ہوتی ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس کی زمین میں بدون اس کی اجازت کے داخل ہوا اور گھاس چھیل لی تو اس کو واپس لینے کا استحقاق نہ ہو گا خواہ اس نے سینچی اور اس کی پرداخت کی ہو یا نہ کی ہو یہ ظاہر الروایہ کے موافق ہے اور اس کی بیع بھی جائز نہیں ہے اور ہمارے مشائخ متاخرین سے مروی ہے کہ اگر مالک زمین نے اس کو سینچا و اس کی پرداخت کی تو اس کا مالک ہو گیا پس بیع جائز ہے اور اگر اس کی بلا اجازت کسی نے گھاس چھیل لی تو اس کو واپس لینے کا اختیار ہو گا۔ اسی طرح چراگاہوں کا اجارہ دینا بھی جائز نہیں ہے اور اس کے جواز کا

! پینا کیونکہ حق مباح ہے بخلاف سینچنے کے کہ اس میں دوسرے کو ضرر پہنچے گا ۱۲ (۱) یعنی اپنی ملک میں داخل ہونے سے ۱۲

حیلہ یہ ہے کہ مالک زمین سے قطعہ زمین معلومہ اجارہ لے پھر اس کی گھاس اس کو مباح ہو گی یہ مضمرات میں ہے۔ پھر واضح ہو کہ گھاس سے وہ نبات مراد ہے جو ساقدار ہو اور زمین پر منتشر اور پھیلی ہوئی ہو اور جو ساقدار ہو وہ درخت ہے اسی وجہ سے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خار سپید وسرخ جس کو عربی میں غرقد کہتے ہیں درخت کی قسم سے ہے گھاس نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کسی کی زمین غرقد اُگی اور کسی شخص نے کاٹ لی تو مالک زمین کو اختیار ہو گا کہ اس سے واپس لے اور خار ہائے سبز نرم جس کو اونٹ کھاتے ہیں اس کے باب میں امام محمدؒ سے نوادر میں دو روایتیں ہیں ایک روایت میں اس کو منجملہ گھاس کے قرار دیا ہے اور دوسری روایت میں اس کو منجملہ درخت کے قرار دیا ہے سو اس میں اختلاف الروایہ نہیں ہے بلکہ جس کو بمنزلہ گھاس کے قرار دیا ہے وہ خار سبز وہ ہے جو زمین پر پھیلا ہوا ہو اور اس میں ساق نہ ہو اور جس کو درختوں کی قسم قرار دیا ہے وہ ہے جو ساقدار ہو پس حاصل یہ ہے کہ جو نباتات ساق پر قائم ہوا گر وہ کسی کی زمین پر اُگے تو وہ اس کی ملک ہو گی اور لوگوں میں مشترک نہ ہو گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور کانٹے مثل گھاس کے ہیں اور قیر وفیروزہ وزرنیخ[1] مثل درخت کے پس اگر کسی نے ان چیزوں میں سے کچھ لے لیا تو ضامن ہو گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور منتقی میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر چراگاہوں میں جلانے کے واسطے لکڑی ہو اور یہ چراگاہیں کسی کی ملک ہوں تو کسی کو اختیار نہ ہو گا کہ اس میں سے لکڑیاں لائے الّا مالک کی اجازت سے لا سکتا ہے اور اگر اس کی ملک میں نہ ہوں تو لکڑیاں لے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اگر چہ یہ لکڑیاں یا جس مقام پر لکڑیاں ہیں کسی قریہ یا اہل قریہ کی طرف منسوب ہو یہ ذخیرہ میں ہے اور کبریٰ میں ہے کہ اگر چہ یہ لکڑیاں مقام جس میں لکڑیاں ہیں کسی گاؤں یا اس کے لوگوں کی طرف منسوب ہوتا ہم یہ لکڑیاں لے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے جب تک یہ نہ جانے کہ کسی کی ملک ہے اور یہی حکم زرنیخ وکبریت کا اور اُن پھلوں کا ہے جو چراگاہوں وجنگلوں میں ہوتے ہیں یہ مضمرات میں ہے اور لکڑیاں چننے والا فقط لکڑیوں کے چننے سے لکڑیوں کا مالک ہو جاتا ہے اس کی احتیاج نہیں رہتی ہے کہ ان کے بوجھ باندھے اور جمع کر لے تب اس کی ملک ثابت ہو اور کنویں سے پانی بھرنے والا فقط ڈول کو بھر لینے سے اس کا مالک نہیں ہوتا ہے جب تک کہ ڈول کو کنویں کے منہ سے ایک طرف نہ کر لے یہ قنیہ میں ہے اور اگر کسی شخص کی زمین مملحہ ہو یعنی نمک کی جھیل ہو پس اس پانی میں سے کسی نے لے لیا تو اس پر ضمان واجب نہ ہو گی جیسے اگر اس کے حوض میں سے پانی لیتا تو ضمان واجب نہ ہوتی اور اگر یہ پانی جھیل کا نمک ہو گیا تو پھر کسی شخص کو اس کے لینے کی راہ نہیں ہے اسی طرح اگر نہر پھیلے حتیٰ کہ اس کی زمین میں ایک گز یا زیادہ گارا مٹی ہو گئی تو کسی کو اس مٹی میں سے مٹی لینے کا اختیار نہیں ہے اور اگر لے لی تو ضامن ہو گا یہ مضمرات میں ہے اور آگ میں شرکت کا بیان اس طرح ہے کہ اگر کسی شخص نے جنگل میں آگ جلائی تو اس میں کسی کا حق نہیں ہے مگر ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ جہاں آگ جلتی ہے وہاں سے روشن کر لے اور گرمی سے اپنے کپڑے خشک کر لے اور اس کی روشنی میں کام کر لے لیکن اگر یہ چاہا کہ اس میں سے کوئی انگارا لے جائے پس اگر آگ کے مالک نے منع کیا تو اس کو یہ اختیار نہ ہو گا اس واسطے کہ یہ آگ کیا ہے لکڑی ہے یا کوئلہ ہے۔ جس کو آگ روشن کرنے والے نے اپنی حرز میں کر لیا ہے پس وہ اس کی ملک ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فقط نار میں شرکت ثابت رکھی ہے اور نار حرارت کا جوہر ہے نہ لکڑی وکوئلہ پس اگر اس نے انگارے میں سے تھوڑا لیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس قدر ہو کہ اگر آگ کا مالک اس کو کوئلہ کر ڈالے تو اس کی کچھ قیمت ہو تو مالک کو اختیار ہو گا کہ اس سے واپس کر لے اور اگر اس قدر کم ہو کہ کوئلہ کر ڈالنے کی صورت میں اس کی کچھ قیمت نہ ہو تو مالک کو واپس کر لینے کا اختیار نہیں ہے اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ اس قدر خفیف بے قیمت کو بدون اجازت مالک کے بھی لے لے اس واسطے کہ لوگ اس قدر سے عادۃً منع نہیں کرتے ہیں اور جو منع کرے وہ تعنت ہے اور ہم نے بیان کر دیا ہے کہ تعنت کرنے والا شرعاً

[1] زرنیخ ہرتال ہے اور اس کو درخت کے مانند قرار دیا یعنی وہ گھاس کی طرح عام مباح نہیں ہے ۱۲

تعنت سے منع کیا گیا ہے یہ مبسوط میں ہے اور دوسری جگہ ذکر فرمایا کہ اگر آگ ایسی ہو کہ اگر بجھ جائے تو کوئلہ ہو جائے تو کسی کو اس میں سے انگارا لینے کا اختیار نہیں ہے اس واسطے کہ اس کی لامحالہ کچھ قیمت ہوگی اور اگر آگ ایسی ہو کہ اگر بجھ جائے تو راکھ ہو جائے تو اس کو اختیار ہے کہ اس میں سے انگارا لے لے اور بعض نے فرمایا کہ اگر یہ آگ مباح لکڑی سے جلائی ہو مثلاً کھڑا درخت سلگا دیا جیسا کہ جنگلوں میں کرتے ہیں بدون اس کے کہ پہلے اس کو اپنے حرز میں کر کے تب آگ جلائی ہو تو ہر شخص کو اختیار ہوگا کہ اس میں سے انگارا لے جائے اگرچہ ایسی صورت ہو کہ درصورت بجھ جانے کے وہ کوئلہ ہو جائے اور اگر جلانے والے نے لکڑی کو پہلے اپنے حرز میں کر کے پھر جلائی ہو حتیٰ کہ لکڑی اس کی ملک ہو گئی ہو تو اس میں وہی تفصیل ہے جو ہم نے بیان کی یہ محیط میں ہے۔

دوسرا باب ☆

شرب[1] کی بیع و اس کے متصلات کے بیان میں

قال المترجم ☆

میل جس راہ سے پانی کا سیلان ہو یعنی بہے۔ مجری جس راہ سے جاری ہو۔ قال فی الکتاب اگر کسی شخص نے ایک زمین مع دوسری زمین کے شرب کے اجارہ دی تو نہیں جائز ہے اور اگر کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ زمین ہزار درم کو فروخت کی اور تیرے ہاتھ اس کا شرب فروخت کیا پس آیا شرب کی بیع جائز ہے سو مشائخؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے اس واسطے کہ شرب بیع میں مقصود ہو گیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ جائز ہے اس واسطے کہ شرب مقصود نہیں ہوا بلکہ تابع رہا ہے بدین وجہ کہ اس نے شرب کا کچھ ثمن نہیں بیان کیا حتیٰ کہ اگر شرب کا ثمن بیان کرتا مثلاً یوں کہتا کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ زمین ہزار درم کو فروخت کی اور اس کا شرب سو درم کو فروخت کیا تو بلا خلاف جائز نہ ہوتی کیونکہ اس صورت میں شرب ہر وجہ سے مقصود ہو گیا یہ ذخیرہ میں ہے اور بعض مسائل شرب کے کتاب البیوع میں گذر چکے ہیں اگر کسی شخص نے زمین کو اجارہ پر لیا اور شرب کا ذکر نہ کیا تو شرب بھی استحساناً اجارہ میں داخل ہو جائے گا اور اگر زمین خریدی اور اس کے شرب یا پانی کی مسیل کا ذکر نہ کیا تو شرب یا مسیل کوئی بیع میں داخل نہ ہوگی اور اگر بیع میں شرب کا ذکر کیا اور مسیل کا ذکر نہ کیا تو شرب داخل ہوگا اور مسیل نہیں۔ اور اگر زمین کو مع ہر حق کے جو اس کے واسطے ثابت ہے خرید کیا تو بیع میں شرب و مسیل دونوں داخل ہو جائیں گی اسی طرح اگر زمین کو مع اس کے مرافق کے خرید کیا تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر کہا کہ مجھے ایک روز پانی پلا بعوض اس کے کہ میرا یہ غلام ایک مہینہ تیری خدمت کرے گا ☆

اور اگر کسی شخص سے کہا کہ ایک روز تو مجھے اپنی نہر سے پانی پلا حتیٰ کہ میں اپنی نہر سے تجھے ایک روز پانی پلاؤں گا تو یہ جائز نہیں ہے اسی طرح اگر پانی پلانے کے مقابلہ میں کپڑا یا غلام قرار دیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر دوسرے نے پانی پلا کر کپڑا یا غلام لے لیا تو واپس کر دے اور پینے والے پر بمقابلہ اس انتفاع کے کچھ لازم نہ ہوگا یہ سراجیہ میں ہے۔ اور اگر کہا کہ مجھے ایک روز پانی پلا بعوض اس کے کہ میرا یہ غلام ایک مہینہ تیری خدمت کرے یا میرے اس جانور پر ایک مہینہ سوار ہونا یا اسی قبیل سے اور معاوضات مقرر کئے تو یہ سب باطل ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنا پانی مع اس کی مجاری کے فروخت کیا مگر زمین فروخت نہ کی اور اس گاؤں کا رواج یہ ہے کہ پانی پر خراج پڑتا ہے اور پانی مع اس کی مجاری کے فروخت کیا جاتا ہے تو بیع جائز ہے اور مشتری پر خراج لازم نہ ہوگا اور اگر بیع

[1] حصہ نہر وغیرہ ۱۲

میں دونوں نے مشتری پر خراج کی شرط کر لی ہو تو بیع فاسد ہونا چاہئے اور اگر شرط نہ کی ہو تو خراج بائع پر بحالہ باقی رہے گا اور خراج میں ہم عرف کا اعتبار نہیں کرتے ہیں اس واسطے کہ خراج کے معاملہ میں امام کی طرف سے ایسا حکم ہے پس عرف سے اس کا توڑ نا ممکن نہیں ہے۔ایک شخص نے بدون زمین کے شرب خرید کیا اور اس پر قبضہ کر کے اپنی زمین کے ساتھ فروخت کیا تو شرب کی بیع جائز نہیں ہے لاّ اس صورت میں کہ بائع اوّل جائز رکھے کیوں کہ مشتری خالی شرب کو خرید کر قبضہ کرنے سے اس کا مالک نہ ہوگا اس واسطے کہ بیع کسی شئے موجود پر واقع نہیں ہوئی آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر اس نے زمین و شرب کو فروخت کیا تو بیع جائز ہے اگر چہ بیع کے وقت پانی منقطع ہو اس واسطے کہ بیع اس پر واقع ہوئی ہے جو وقتاً فوقتاً حادثات ہوتا جائے گا پس مسئلہ مذکورہ میں بیع ثانی جائز نہ ہوگی اس واسطے کہ شرب بائع اوّل کی ملک میں باقی ہے اور بعض نے فرمایا کہ بدون زمین کے فقط شرب کی بیع کا حکم بیع فاسد کے مثل ہے جب اس نے قبضہ کر کے شرب کو فروخت کیا تو جائز ہونا واجب ہے اور یہی صحیح ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ایک نہر دو شخصوں میں مشترک ہے دونوں میں سے ایک شخص نے وہ زمین جو اس نہر کے پہلو میں ہے فروخت کی اور نہر کے اُس طرف ایک راستہ ہے اور بیعنامہ میں زمین مبیعہ کی جانب نہر کی حد میں راستہ بیان کیا تو شیخ ابونصرؒ نے فرمایا کہ نہر بیع میں داخل نہ ہوگی اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ داخل ہو گی اور اسی پر فتویٰ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر شرب کو بعوض ایک غلام کے فروخت کیا یا اس کو اجارہ پر دیا اور غلام پر قبضہ کر کے اس کو آزاد کر دیا تو عتق جائز ہے اور غلام کی قیمت کا ضامن ہوگا اسی طرح اگر باندی ہو اور اس سے وطی کر لی اور وہ حاملہ ہو گئی تو باندی مذکورہ اس کی ام ولد ہو جائے گی اور اس پر اس کی قیمت عقر[1] لازم ہوگا اور کتاب البیوع کی روایت کے موافق عقر لازم نہ ہوگا اور یہی صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر ایک زمین کو دوسری زمین کے شرب کے ساتھ فروخت کیا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔اور صحیح یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔شرب جب زمین کے ساتھ فروخت کیا جائے تو شرب کے واسطے ثمن میں سے حصہ ہوگا یہ سراجیہ میں ہے۔فتاویٰ فضلیؒ میں ہے کہ ایک شخص کے پاس دو قطعہ باغ انگور ہیں اس نے ایک قطعہ ایک شخص کے ہاتھ اور دوسرا دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور دونوں قطعوں کا مجریٰ ایک ہے پھر قطعہ اعلیٰ کے مشتری نے نیچے کے قطعہ کے خریدار کو اس مجری سے روکا پس یہ مسئلہ فتاویٰ مذکور میں ذکر کیا مگر جواب ذکر نہ کیا اور حقیقت اس مسئلہ میں دو صورتیں ہیں یا تو دونوں قطعوں کا مالک ایک ہی شخص ہوگا یا مختلف ہوں گے پس اگر ہر دو قطعات کے مالک مختلف ہوں پس اگر شرب کو بیع میں ذکر نہ کیا نہ صریحاً نہ دلالۃً تو شرب بیع میں داخل نہ ہوگا اور اگر ذکر کیا ہو خواہ صریحاً خواہ دلالۃً تو ہر مشتری کو اپنے قطعہ میں پانی جاری کرنے کا استحقاق ہوگا اور ہر مشتری اپنے بائع کا قائم مقام ہوگا اور اس میں تاخر و تقدم کا کچھ اعتبار نہ ہوگا اور اگر مالک ایک ہی شخص ہو پس اگر شرب کو بیع میں ذکر نہ کیا نہ صریحاً نہ دلالۃً تو شرب بیع میں داخل نہ ہوگا اور اگر ذکر کیا پس اگر اوپر کا قطعہ پہلے فروخت کیا ہو تو نیچے کے قطعہ کے واسطے پانی جاری کرنے کا استحقاق نہ ہوگا لیکن اگر بائع نے قطعہ بالا فروخت کرنے کے وقت یہ شرط کر لی ہو کہ میرے واسطے اس مجری سے اپنے قطعہ زیریں میں پانی لے جانے کا استحقاق ہوگا تو استحقاق باقی رہے گا اور اگر نیچے کا قطعہ پہلے فروخت کیا ہو تو دونوں قطعہ کے خریداروں کو اپنے اپنے قطعہ میں پانی جاری کرنے کا استحقاق ہوگا یہ محیط میں ہے۔ایک شخص کے دو مکان ہیں ان میں سے ایک کی چھت کا پانی دوسرے مکان کی چھت پر ہو کر بہتا ہے پس جس مکان کی چھت پر پانی بہتا ہے اس کو مالک نے ایک شخص کے ہاتھ مع ہر حق کے جو اس کو ثابت ہے فروخت کیا پھر دوسرا مکان دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کیا پھر مشتری اوّل نے چاہا کہ دوسرے مشتری کو اپنی چھت پر اس کے چھت کے پانی

[1] وہ جرمانہ جو نکاح صحیح کے خلاف وطی سے واقع ہو ۱۲

بہانے سے منع کرے تو اس کو یہ اختیار ہے لیکن اگر بائع نے وقت فروخت کے مشتری اوّل سے یہ شرط کر لی ہو کہ جو مکان میں نے نہیں فروخت کیا ہے اس کے پانی بہنے کا استحقاق اس مکان کی چھت پر ہو کر رہے گا تو اس صورت میں منع نہیں کر سکتا ہے نوازل میں ہے کہ دو دار باہم متلاصق ہیں ان میں سے ایک کی عمارت بنی ہوئی ہے اور دوسرا خراب ہے پس اس نے خراب کو فروخت کیا اور بنے ہوئے مکان کے پرنالہ کے گرنے کی جگہ اور اس کے برف کے ڈالنے کی جگہ اسی خراب کھنڈل کے مکان میں ہے اور مشتری اس پر راضی ہو گیا تھا پھر اس نے ممانعت کرنی چاہی تو اس کو ممانعت کا اختیار ہے لیکن اگر بائع نے وقت فروخت کے اپنے واسطے پانی کی مسیل و برف ڈالنے کا حق استثناء کر لیا ہو تو پانی کی مسیل کا استثناء جائز ہے مگر برف ڈالنے کا استثناء نہیں جائز ہے اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ اگر اس کے مکان کا پرنالہ اس دار میں ہو اور اس کے چھت کی مسیل اسی طرف ہو اور یہ معلوم ہو گیا کہ یہ قدیم ہے تو اس کی مسیل اپنے حال پر رہے گی اگرچہ شرط نہ کر لی ہو اسی طرح اگر اس کے چھتوں کی مسیل دوسرے شخص کے دار کی طرف ہو اور اس طرف اس کا قدیمی پرنالہ ہو تو مالک دار کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس کو منع کرے اور فتویٰ فقیہ ابواللیثؒ کے قول پر ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ نوازل میں ہے کہ ایک شخص کی چھت کا پانی اس کے پڑوسی کی چھت پر استحقاق بہتا تھا پھر پڑوسی کی چھت گر پڑی تو اس کی درستی کرنا یعنی بنانا پڑوسی کے ذمہ ہے اور وہ اس کے بنانے پر مجبور نہ کیا جائے گا جیسا کہ علو اور سفل (۱) میں ہوتا ہے اور جس کو پانی بہانے کا استحقاق تھا اس سے کہا جائے گا کہ پڑوسی کی چھت پر جس جگہ سے پانی جاری ہوتا تھا وہاں ایک ناوق (۲) رکھ لے تاکہ پانی اس کی راہ سے بہہ کر گرنے کی جگہ پر گرے یہ خلاصہ میں ہے۔

بقالی میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی زمین مع اس کے شرب کے فروخت کی تو مشتری کو اس زمین کی قدر کفایت پانی ملے گا وہ سب نہ ملے گا جو بائع کے لیے تھا یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص کی زمین ہے اور اس زمین میں نہر خاص ہے۔ پس اس نے نہر مذکور کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کی تو اصل میں مذکور ہے کہ بدون ذکر کے نہر کا حریم مثل راستہ کے بیع میں داخل نہ ہوگا پھر اگر مشتری نے چاہا کہ اس زمین میں ہو کر اپنے اطراف نہر پر اصلاح کرنے کے واسطے جائے تو بدون رضامندی مالک زمین کے نہیں جا سکتا ہے ہاں بیچ نہر میں ہو کر جائے اور اگر نہر عامہ کے کنارے کسی شخص کی زمین ہو تو عامہ کو اس زمین میں ہو کر نہر پر پانی پینے پلانے اور جنگل کی صلاح کے واسطے جانے کا اختیار ہے مالک زمین ان کو منع نہیں کر سکتا ہے بشرطیکہ عامہ کے واسطے اس زمین کے سوائے دوسرا راستہ نہ ہو یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک زمین میں ایک کنواں ہے اور زمین و کنواں دونوں دو شخصوں میں مشترک ہیں پھر ایک نے اپنے کنویں کا حصہ مع اس کے راستہ کے جو زمین میں ہو کر ہے فروخت کیا اور اپنا حصہ زمین فروخت نہ کیا تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے قطعہ معلومہ میں سے اپنا حصہ ایسے مقام سے جو اس کے اور اس کے شریک کے درمیان مشترک ہے فروخت کیا پس بدون اجازت اس کے شریک کے جائز نہ ہوگا جیسا کہ مشائخ نے دو شخصوں کے درمیان مشترک دار میں فرمایا کہ اگر ایک نے اپنے حصہ کو بیت معین میں سے فروخت کیا تو بدون رضامندی شریک کے نہیں جائز ہے پس ایسا ہی اس مقام پر ہے اور اصل میں یہ مسئلہ اسی طرح مذکور ہے اور یہ تفصیل نہیں فرمائی کہ کنویں اور راستہ دونوں کی بیع ناجائز ہے یا فقط راستہ کی بیع جائز نہیں ہے پس بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ بالاجماع کنویں کی بیع جائز ہے اور راستہ کی بیع ناجائز ہے اور شیخ الاسلام نے شرح میں کہا کہ یہی قول اصح ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر نصف کنواں بغیر راستہ کے فروخت کیا تو جائز ہے اور مشتری کے واسطے زمین سے ہو کر راستہ نہ ہوگا اور اگر اس نے کنویں و زمین دونوں میں سے اپنا حصہ فروخت کیا اور زمین میں اس کا حصہ آدھا ہے تو پوری بیع جائز ہے اس واسطے کہ مبیع معلوم ہے اور مشتری بائع کے قائم مقام

(۱) نیچے کا مکان ۱۲ (۲) پرنالہ چند سوراخ دار جس سے ترشح ہوتا ہے ۱۲

ہو جائے گا اور اس بیع کے صحیح ہونے میں شریک کا کچھ ضرر نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے اور شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک مشتری نے پانی کا وہ حصہ خرید ا جس کو اس کا مالک اپنے شریکوں کے ساتھ گاؤں کے نیچے [1] کی طرف لے جاتا تھا حالانکہ خریدار کی زمینیں گاؤں کے اوپر کی طرف ہیں اور اس میں ضرر ہے تو فرمایا کہ اگر بائع نے مع اس کی مجاری کے فروخت کیا ہے تو بیع جائز ہے اور مشتری کو اختیار ہو گا کہ اپنی زمین جس کا شرب اس نہر میں سے ہے سینچے لیکن مشتری کو بائع کی نوبت کے روز پانی لینے کا اختیار دیا جائے گا اور باقی شریکوں کے پانی لینے کی حاجت کے واسطے نہر بھری ہوئی رہے گی یہ حاوی میں ہے۔

نبرا باب☆

ان چیزوں کے احکام میں جن کو انسان نئی بنائے اور جن سے منع کیا جائے گا اور جن سے نہیں کیا جائے گا اور جو موجب ضمان ہے اور جو موجب ضمان نہیں ہے

واضح ہو کہ نہریں طرح کی ہیں ایک نہر عام جو کسی کی مملوک نہ ہو جیسے فرات وجیحون دوم نہر عام جو عام لوگوں کی مملوک ہو جیسے نہر مرد و بلخ سوم نہر خاص جو خاص جماعت کی مملوک ہو پس جو نہر عامہ کسی کی مملوک نہ ہو اس میں سے ہر شخص کو اختیار ہے کہ نہر کھود کر اپنی زمین میں لے جائے بشرطیکہ دریائے مذکور کو ضرر نہ پہنچتا [2] ہو اور اگر ضرر پہنچتا ہو تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے اس واسطے کہ عامہ کا ضرر دور کرنا بہ نسبت ایک شخص کے دفع ضرر کے اولیٰ ہے اسی طرح اگر امام المسلمین نے چاہا کہ نہر اعظم میں سے کسی شخص کا شرب مقرر کرے یا کوہ بڑھا دے پس اگر عام لوگوں کو مضر ہو تو نہیں جائز ہے اور اگر ان کو ضرر نہ ہو تو جائز ہے ایک شخص نے نہر اعظم کے بہاؤ پر اپنی زمین میں ایک پن چکی قائم کی اور کسی کو اس سے ضرر نہیں پہنچتا ہے مگر اس کے بعض پڑوسیوں نے منع کرنا چاہا تو ان کو یہ اختیار نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

نہر میں شرکت عام کا کیا مطلب ہے؟

نہر مملوک جس کا پانی بٹائی میں آ چکا ہے مگر شرکت عام ہے اور شرکت عام کے یہ معنی ہیں کہ اس میں سو یا زیادہ شریک ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے چاہا کہ اس میں سے نہر کھود کر اپنی زمین موات میں جس کو اس نے زندہ کیا ہے لے جائے تو وہ اس سے منع کیا جائے گا خواہ یہ امر اہل نہر کے واسطے مضر ہو یا نہ ہو اور جو نہر مملوک کہ اس کا پانی بٹائی میں آ چکا ہے مگر اس میں شرکت خاصہ ہے اور شرکت خاص کے معنی یہ ہیں کہ اس میں سو سے کم شریک ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے جو ہم نے نہر مشترک عامہ میں بیان کیا ہے کہ اگر اس میں سے نہر کاٹ کر کوئی شریک اپنی زندہ کی ہوئی زمین میں لے جائے تو منع کیا جائے گا خواہ اہل نہر کو مضر ہو یا نہ ہو۔ اور اگر اہل نہر نے چاہا کہ نیچے والے لوگوں کی طرف پانی جانے سے روک دیں پس اگر پانی بکثرت ہو کہ اگر چھوڑ دیا جائے اور بند نہ کیا جائے تو ہر شخص کو اپنا حصہ شرب بخوبی پہنچ جائے تو اوپر والوں کو بند کرنے کا اختیار نہ ہو گا اور اگر نہر میں پانی تھوڑا ہو کہ اوپر والے بدون نہر بند کئے اپنا حق شرب نہیں پا سکتے ہیں تو اس میں دو صورتیں ہیں کہ اگر پانی اتنا ہو کہ اگر چھوڑ دیا جائے تو نیچے والوں کو اس سے بالکل انتفاع حاصل نہ ہو یعنی یہی نہر اس پانی کو چوس جائے تو اوپر والوں کو روکنے و بند کرنے کا استحقاق ہو گا اور اگر اتنا پانی ہو کہ درصورت نہر کے چھوڑ دینے کے نیچے والے بھی انتفاع حاصل کریں تو اوپر والے بند نہیں کر سکتے ہیں بلکہ پہلے یہی کیا جائے گا کہ نہر چھوڑ کر نیچے

[1] یعنی نہر کے بہاؤ میں خریدار کی زمین اول میں ہے اور بائع اپنا حصہ اس سے نیچے کی طرف لے جاتا تھا ۱۲

[2] صورت ضرر سابق میں مذکور ہوئی ہے ۱۲ منہ

والے سیراب کئے جائیں گے پھراس کے بعد اوپر والوں کو اختیار ہوگا کہ نہر کو بند کر لیں تا کہ پانی ان کی اراضی پر چڑھ جائے اور امام خواہرزادہ نے فرمایا کہ اس صورت میں ہمارے مشائخؒ نے استحسان کیا ہے کہ درصورتیکہ نیچے والے نہر بند کئے جانے سے انکار کریں تو امام المسلمین دن تقسیم کردے گا پھر اوپر والے اپنی باری کے دنوں میں جو چاہیں کریں تا کہ نیچے والوں سے ضرر دور ہو اور واضح ہو کہ جس صورت میں اوپر والوں کے واسطے نہر بند کرنا روا ہے۔ اس میں ان کے واسطے یہی روا ہے کہ نہر کو مثل لوح وغیرہ کسی چیز سے بند کریں اور یہ روا نہیں ہے کہ مٹی سے بند کریں یہ محیط میں ہے۔ اور اگر باہم سب اس پر راضی ہوئے کہ اہل نہر اس کو یہاں تک بند کر لیں کہ ان کی اراضی سیراب ہو جائیں تو جائز ہے اور اگر باہم اس طرح صلح کی کہ ہر شخص اپنی باری کے روز نہر کو بند کرے تو بھی جائز ہے اس وجہ سے کہ نہر میں کبھی پانی اس قدر قلیل ہوتا ہے کہ ہر شخص کو سینچنے کے واسطے بند کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور جو پانی پہاڑ سے گرتا ہے اور جنگل میں رواں ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ اوپر والوں کو اختیار ہے کہ اس پانی کو بند کر لیں اور نیچے والوں کی طرف جانے سے روک دیں لیکن ان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنی حاجت سے زائد بقصد ضرر رسانی اہل زیریں کے پانی کو روکیں اور اسی کو امام سرخسیؒ نے اختیار کیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ جب وہ پانی جنگل میں آ گیا تو مثل نہر مشترک کے ہو گیا تو اس کا حکم وہی ہوگا جو نہر مشترک میں مذکور ہوا ہے ہاں اگر کوئی بہتا پہاڑ سے نیچے آئی اور جنگل کے روئے زمین پر پھیل گئی تو اس پانی پر جس کا ہاتھ پہلے پڑا اسی کا ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔

اگر ایک نہر ایک قوم میں مشترک ہو اور اس پر ان کی اراضی ہوں اور قوم میں سے ایک شخص نے چاہا کہ اس نہر میں سے کاٹ کر ایک نہر اپنی ایک زمین میں جس کا شرب اس نہر سے تھا یا ایسی زمین میں جس کا شرب اس نہر سے تھا لے جائے تو بدون رضامندی شریکوں کے اس کو یہ اختیار نہیں ہے پس ایسی زمین میں جس کا شرب اس نہر سے نہیں ہے کاٹ لے جانے کی صورت کا اس وجہ سے اختیار نہیں ہے کہ وہ شریکوں کی بہ نسبت زیادہ پانی لینا چاہتا ہے اور اس وجہ سے کہ وہ مشترک کنارۂ نہر کو توڑنا چاہتا ہے اور جس صورت میں کہ ایسی زمین میں لے جانا چاہے جس کا شرب اسی نہر سے ہے تو عدم جواز کی یہ وجہ ہے کہ وہ مشترک کنارۂ نہر کو توڑنا چاہتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک نے اس نہر پر پن چکی قائم کرنے کا قصد کیا تو بھی بدون رضامندی شریکوں کے اس کو یہ اختیار نہ ہوگا اور اگر وہ جگہ جہاں پن چکی قائم کرنا چاہتا ہے اس کی ملک ہو مثلاً نہر کے دونوں کنارے یا بطن نہر اس کی ملک ہو اور اس کے غیروں کو پانی جاری کرنے کا استحقاق ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر پن چکی قائم کرنے میں پانی کے اجرا میں ضرر ہوتا ہے تو وہ شخص منع کیا جائے گا اور اگر ضرر نہ ہوتا ہو تو منع نہ کیا جائے گا اور اسی طرح اگر نہر مذکور پر والیہ[1] یا سانیہ قائم کرنا چاہے تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو ہم نے پن چکی کی صورت میں بیان کیا ہے یہ محیط میں ہے اور اگر نہر خاص پر ہر ایک کا بند ان ہو تو کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنا کوہ بڑھا لے اگرچہ اہل نہر کے حق میں مضر نہ ہو اور اگر نہر اعظم میں کوہ ہو پھر اس نے اپنی ملک میں ایک یا دو کوہ بڑھا لئے حالانکہ اس سے اہل نہر کو کچھ ضرر نہیں ہے تو اس کو اختیار ہے یہ کافی میں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک قوم کی نہر خاص ہے اس میں نہر اعظم سے پانی آتا ہے اور قوم میں سے ہر ایک کا اس نہر میں معین کوہ ہے پھر ایک نے چاہا کہ اپنا کوہ بند کر کے دوسرا کھول لے تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے اور یہ ظہیریہ میں ہے اگر ایک شخص کی نہر خاص ہو جس میں وادی کبیر سے پانی آتا ہو جیسے فرات[2] و دجلہ وسیحان وجیحان اور یہ نہر خاص اس کی خاص ایک زمین کے سینچنے کے واسطے ہے اس میں اس کا شریک نہیں ہے اور وادی کبیر پر اور نہریں واقع ہیں پھر شخص مذکور نے اپنی اس

---

[1] والیہ بمنزلہ جستنگی اور سانیہ اس سے چھوٹا ہوتا ہے ۱۲ منہ [2] یہ تمام بڑے بڑے دریاؤں کے ہیں فرات و دجلہ شام میں وسیحان وجیحان بھی شام میں ہیں وجیحون وسیحون تاتار میں ہیں اور ظاہرا جن جنگلوں میں بہتے ہیں ان کو بھی اسی کے نام سے بولتے ہیں قال المترجم

زمین کو خفیف سمجھ کر چاہا کہ اپنی نہر کا پانی اپنی دوسری زمین کی طرف لے جائے تو کتاب میں فرمایا کہ اگر یہ امر اس نے پانی کی بڑھاؤ کی حالت میں کیا اور روادی کا پانی بہت کثرت سے ہے کہ نہروں والے اس پانی کے جو یہ شخص لئے جاتا ہے محتاج نہیں ہیں اور ان کو مضر نہیں ہے تو اس نہر والے کو اختیار ہوگا کہ پانی جہاں چاہے لے جائے اور اگر وادی کے نہروں والوں کو ضرر پہنچتا ہو اور وہ لوگ اس پانی کے محتاج ہوں تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس زمین کے سوائے دوسری زمین کی طرف پانی لے جائے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر ایک شخص کا کوہ ایک قوم کی مشترک نہر میں ہو پھر اس نے چاہا کہ اس کو پست کردے اور زمین اُگار دے تا کہ پست ہو کر پانی زیادہ بھرے تو کتاب میں مذکور ہے کہ اس کو یہ اختیار ہے اس واسطے کہ وہ اس اُگارنے میں اپنی ملک میں یعنی کوہ میں تصرف کرتا ہے اور شیخ شمس الائمہ حلوائی سے روایت ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب یہ معلوم ہو کہ کوہ پست تھا اور ریت آ جانے سے پٹ کر بلند ہو گیا تھا پس وہ اُگارنے و پست کرنے میں یہ چاہتا ہے کہ اس کو حالت سابقہ پر لائے اور اگر یہ معلوم ہو کہ یہ کوہ ایسا ہی بلند بنا ہوا تھا اور اب اس کو پست کرنا چاہتا ہے تو اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ وہ اس فعل سے یہ چاہتا ہے کہ زیادہ پانی لے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر ایک شخص نے چاہا کہ اپنا کوہ جو پست ہے اس کو بلند کرے تا کہ اس کی زمین میں پانی کم آئے تو اس کو یہ اختیار ہے اور بنا بر قول ہمارے شیخ امام کے یہ حکم اس وقت ہے کہ وہ بلند کرنے سے یہ چاہتا ہے کہ جیسا دراصل تھا ویسا کر دے اور اگر یہ چاہتا ہو کہ جس حالت پر اصل میں تھا اس سے متغیر کر دے تو منع کیا جائے گا اور شیخ امام محمدؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ وہ کسی حال میں منع نہ کیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے اور اگر شریکوں میں سے ایک شخص نے اپنا کوہ چوڑا کرنا چاہا تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے فرمایا کہ اس وجہ سے کہ اس میں اس کے حق سے زائد پانی جائے گا پس اس کو یہ اختیار نہ ہوگا اور اگر نیچاؤ نہر کا اُگارنا چاہا تو جائز ہے اور اگر نہر کا چوڑاؤ زیادہ کرنا چاہا تو نہیں جائز ہے یہ بدائع میں ہے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ امام ابو یوسفؒ سے پوچھا گیا کہ نہر مرو جو ایک بڑی نہر ہے اور مرو میں اہل مرو کے اس نہر میں حصوں کے کنویں ہیں اور وہ معروف ہیں پھر ایک شخص نے ایک زمین موات کو زندہ کیا اور اس کا شرب اس نہر سے نہیں ہے پس اس شخص نے مرو کے اوپر سے ایسی جگہ سے جس کا کوئی مالک نہیں ہے ایک نہر کھودی اور اس نہر عظیم سے اس میں پانی پہنچایا تو فرمایا کہ اگر یہ نہر جو اس نے نئی تیار کی ہے اہل مرو کے پانی کے حق میں کھلا ہوا ضرر دیتی ہو تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے اور وہ اس بات سے منع کیا جائے گا سلطان اس کو منع کر دے اور اسی طرح ہر شخص اس کو منع کر سکتا ہے اس واسطے کہ نہر عظیم کا پانی حق عامہ ہے اور عوام میں سے ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی ذات سے ضرر دفع کرے اور اگر یہ امر اہل مرو کے حق میں مضر نہ ہو تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار ہے منع نہ کیا جائے گا۔ اس واسطے کہ وادی عظیم میں جو پانی ہے وہ اصلی اباحت پر رہے گا اور جب تک تقسیم میں داخل نہ ہو تب تک کسی کا حق نہ ہوگا اسی واسطے مسئلہ کو اس طرح مفروض کیا کہ اس نے مرو کے اوپر سے نہر کھودی ہے اور اگر ان لوگوں کے حق میں مضر ہو تو ہر شخص کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ دوسرے کو ضرر پہنچائے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر کسی شخص کی نہر خاص ہو کہ وہ ایک قوم کی مشترک نہر خاص سے پانی لیتی ہو پس اس نے چاہا کہ اس پر پل باندھ کر اس کو مضبوط کرے تو اس کو اختیار ہے اور اگر اس پر پل بندھا ہوا ہو مضبوطی ہو پس اس نے چاہا کہ کسی سبب سے یا بلا سبب اس کو توڑ دے پس اگر اس کے توڑنے سے اس میں پانی زیادہ نہ آتا ہو تو اس کو اختیار ہے کیونکہ وہ اپنی خالص ملک کی عمارت دور کرتا ہے اور اگر اس سے پانی زیادہ آتا ہو تو بوجہ حق شرکاء کے اس کو ممانعت کی جائے گی یہ کافی میں ہے اور میں نے دریافت کیا کہ دو شخصوں[1] کی مشترک نہر جس کے نہر اعظم سے پانچ کوہ ایک قوم میں مشترک ہر ایک کی ایک نہر جن میں سے بعض کے دو و بعض کے تین کوئیں ہیں پس نیچے

[1] کذا فی الاصل و تحریر بانی المقدمہ ۱۲

والوں نے اوپر والوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے حق سے زیادہ پانی لیتے ہو اس واسطے کہ پانی کے چڑھاؤ اور کثرت کی وجہ سے تمہارے دہانوں میں پانی زیادہ جاتا ہے اور ہمارے یہاں تک جس قدر پانی پہنچتا ہے وہ تھوڑا اور نیچاؤ ہوتا ہے پس ہم چاہتے ہیں کہ تم لوگ بھی اسی قدر کمی کر لو اور ہم تمہارے سینچنے کے واسطے چند ایام معلومہ مقرر کر دیں کہ ان دنوں ہم اپنے کنوئیں بند رکھا کریں اور تم ہمارے واسطے اسی طرح ایام معلومہ مقرر کر دو کہ ان دنوں تم اپنے کنوئیں بند رکھا کرو تو فرمایا کہ ان کو یہ اختیار نہیں ہے اور جس طرح چلا آتا ہے اسی حال پر چھوڑا جائے گا کیونکہ ایک بار اس کی تقسیم ہو چکی پس بعض کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دوسری تقسیم کی درخواست کرے پھر اصل یہ ہے کہ جو امر قدیمی پایا جائے وہ اسی طرح چھوڑ دیا جائے گا اور اس میں تغیر بدون کسی حجلت کے نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر نیچے والے لوگوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ نہر کا دہانہ چوڑا کر دیں اور اس میں زیادہ کنوئیں بنا دیں اور اوپر والوں نے کہا کہ اگر تم لوگوں نے ایسا کیا تو پانی کی کثرت ہو جائے گی حتی کہ ہماری زمین میں سیلان ہوگا اور ہماری اراضی نمناک ہو جائے گی تو بھی نیچے والوں کو کوئی نئی بات پیدا کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور[1] اگر ان میں سے کسی شخص نے ہر روز کے حساب کوئی کنوئیں بعوض کسی قدر معاوضہ کے فروخت کیا یا اجارہ پر دیا تو نہیں جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔

پانی کا کھیت کے کناروں سے تجاوز کرنا

ایک شخص نے اپنی زمین سینچی اور پانی تجاوز کر کے اس کے پڑوسی کی زمین میں پہنچا پس اگر اس نے اس طور سے جاری کر دیا تھا کہ پانی اس کی زمین میں نہیں ٹھہرتا تھا بلکہ جا کر پڑوسی کی زمین میں قرار پکڑتا تھا تو ضامن ہوگا اور اگر اس کی زمین میں ٹھہر کر وہاں سے کچھ دیر بعد تجاوز کر کے پڑوسی کی زمین میں جاتا تھا پس اگر پڑوسی نے پیشتر اس سے کہہ دیا ہو کہ درمیان میں مضبوطی و بندش کر لے تاکہ میری زمین میں پانی نہ آنے پائے مگر اس نے بندش نہ کی تو استحساناً ضامن ہوگا اور اگر اس نے پیشتر نہیں کہا تھا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اس کی زمین انچائی پر ہو اور پڑوسی کی نچائی میں ہو اور وہ جانتا ہے کہ اگر میں نے اپنی زمین میں پانی دیا تو پڑوسی کی زمین میں تجاوز کر جائے گا تو ضامن ہوگا اور اس کو حکم دیا جائے گا کہ درمیان میں بندان باندھ لے تاکہ پانی تجاوز نہ کرے اور جب تک بندان نہ باندھے تب تک اس کو سینچنے سے ممانعت کی جائے گی اور اگر اس کی زمین انچائی پر نہ ہو تو منع نہ کیا جائے گا اور مؤلفؒ نے فرمایا کہ عامۂ کتب میں یوں مذکور ہے کہ اگر اس نے غیر معتاد سینچنا سینچا تو ضامن ہوگا اور اگر معتاد سینچنا سینچا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اس کی زمین میں سوراخ و چھید ہوں پس اگر اس نے چھیدوں کو جان کر بند نہ کیا ہو یہاں تک کہ پڑوسی کی زمین خراب ہو گئی تو ضامن ہوگا اور اگر نہ جانتا ہو تو ضامن نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے۔

اگر کسی شخص نے بغیر حق زمین کو سینچا یا اپنی باری کے سوائے دوسرے وقت میں سینچا یا اپنے حق سے زیادہ سینچا یا نہر میں نہر کی برداشت سے زیادہ پانی جاری کر دیا یا پانی کو کسی نہر یا موضع کی طرف رواں کر دیا جہاں رواں کرنے کا استحقاق اس کو نہیں ہے یا ایسی صورت میں نہر کو بند کر دیا جس میں اس کو بند کرنے کا استحقاق نہیں ہے اور پانی چڑھ آیا اور نہر کے کنارے سے بہنا شروع ہوا یا اس نے نہر کا کنارہ خراب کر دیا یہاں تک کہ پانی نہر کے کنارہ سے بہنا شروع ہوا اور اس نے کسی شخص کی کھیتی کو خراب کر دیا تو ان سب صورتوں میں یہ شخص ضامن ہوگا کہ اس نے تعدی کی ہے یہ غیاثیہ میں ہے ایک شخص نے اپنی زمین کو سینچا اور بھر دیا پھر اس کا پانی دوسرے شخص کی زمین میں تجاوز کر گیا اور اس کو غرق کر دیا یا وہ نمناک ہو گئی تو اس پر ضمان واجب نہ ہو گی اور فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ اس نے معتاد سینچنا سینچا ہو کہ لوگ عادت کے موافق ایسا سینچتے ہوں اور اگر اس نے غیر معتاد سینچا ہو تو ضامن ہوگا اور

[1] یہ مسئلہ مختلف وضع کے ساتھ اپنے اپنے مناسب موقع پر ذکر ہو چکا ہے ۱۲

اگر اس کی زمین میں چوہے کے بل ہوں کہ وہ پڑوسی کی زمین تک تجاوز کر گئے ہوں پس ان سوراخوں کی راہ سے پانی گیا اور اس کی زمین غرق ہو گئی تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس شخص کو چوہوں کے بل سے آگاہی نہ تھی تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس نے تعدی نہیں کی ہے اور اگر جانتا تھا تو ضامن ہوگا کیونکہ اس نے تعدی کی اور اسی قیاس پر مشائخ نے فرمایا کہ اگر کسی نے نہر کا دہانہ کھولا اور نہر میں سے پانی بہہ کر اس کے پڑوسی کی زمین میں پہنچا اور وہ غرق ہو گئی تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس نے نہر میں اس قدر پانی رواں کیا جس قدر عرف و عادت کے موافق ایسی نہر میں جاری کیا جاتا ہے تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اس قدر پانی رواں کر دیا جس قدر ایسی نہر میں عرف و عادت کے موافق نہیں رواں کیا جاتا ہے تو ضامن ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر کسی شخص نے اپنی زمین میں گھانس یا کٹے ہوئے مٹھے جلائے پھر آگ دائیں بائیں چھٹک گئی اور اس نے کسی غیر کے مال میں سے کچھ جلا دیا تو یہ شخص ضامن نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ اس سبب کے برانگیختہ کرنے میں متعدی و ظالم نہیں ہے اس واسطے کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی ملک میں مطلقاً آگ جلائے اور اپنی ملک میں مالک کا تصرف کرنا بشرطیکہ سلامت[1] متقید نہیں ہوتا ہے اور ہمارے بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب آگ جلانے کے وقت ہوا بند ہو اور اگر ایسے وقت آگ جلائی کہ ایسی ہوا چل رہی تھی کہ یہ جانتا تھا کہ ہوا اس آگ کو غیر کی ملک میں اڑا لے جائے گی تو یہ شخص ضامن ہوگا بمنزلہ اس صورت کے کہ اس نے غیر کی ملک میں آگ جلائی کہ اس صورت میں ضامن ہوتا ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر کسی نے اپنے پرنالہ میں کوئی چیز بہائی حالانکہ وہ جانتا ہے کہ پرنالہ کے نیچے کوئی شخص بیٹھا ہے پس یہ چیز جو اس نے بہائی ہے اس شخص کے کپڑوں پر پڑی تو جس نے بہائی ہے وہ ضامن ہوگا اگرچہ اس نے اپنی ملک میں بہائی ہے یہ مبسوط میں ہے۔

نوازل میں ہے کہ ایک نہر ایک قوم کی زمین میں جاری ہے پھر وہ نہر شق ہو گئی اور قوم کی بعض زمین خراب کر دی تو زمین کے مالکوں کو اختیار ہے کہ اہل نہر سے اس بات کا مواخذہ کریں کہ نہر کی عمارت درست کرو اور اپنی زمین کی عمارت کا مواخذہ نہیں کر سکتے ہیں یہ خلاصہ میں ہے۔ ایک شخص نے پن چکی کی نہر میں ایک بکری مردار ڈال دی پھر پانی اس کو طاحونہ میں بہا لیا گیا پس اگر نہر کو اُگارنے کی احتیاج نہ پڑے تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اگر اگارنے کی احتیاج پڑے تو وہ ضامن ہوگا بشرطیکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اسی وجہ سے نہر خراب ہو گئی ہے اور واضح ہو کہ درصورتیکہ نہر اگارنے کی احتیاج نہیں پڑی ہے۔ مردار بکری ڈالنے والے کو متعدی نہیں قرار دیا اس واسطے کہ یہ امر اس کی قوت کی دلیل ہے اور چاہئے کہ یوں کہا جائے کہ جیسے اس نے بکری مردار ڈالی ہے ویسے ہی پانی میں بیٹھ گئی اور ٹھہری پھر بہہ گئی تو ہر حال میں اس پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ ذخیرہ و کبریٰ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی زمین سینچی اور پھر پانی کو نہر میں رواں رہنے دیا یہاں تک کہ اس کی زمین سے آگے تجاوز کر گیا اور حال یہ تھا کہ نیچے کی طرف نہر میں کسی شخص نے مٹی ڈال دی ہے پس پانی رُک کر ایک طرف کو جھکا اور کنارہ توڑ کر پانی تجاوز کر گیا اور ایک شخص کی روئی کا کھیت خراب کر دیا تو ضمان اس شخص پر واجب ہوگی جس نے نہر میں مٹی ڈال دی ہے۔ اور جس نے نہر میں چھوڑ دیا ہے اس پر کچھ واجب نہ ہوگا بشرطیکہ نہر میں[2] اس کا حق ہو یہ خلاصہ میں ہے ایک شخص کی نہر ایک شخص کے دار کے قریب ہے پس اس نے نہر میں پانی جاری کیا اور پانی ایک بل میں ہو کر پڑوسی کے گھر میں داخل ہو گیا تو مشائخؒ نے فرمایا کہ اگر اس نے اس قدر پانی جاری کیا جس کو نہر برداشت کر سکتی ہے اور بل چھپا ہوا تھا اور اگر بل نہ ہوتا تو پڑوسی کے گھر میں پانی نہ جاتا تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اگر اس قدر پانی نہ بہایا جس کو نہر برداشت نہیں کر سکتی ہے اور پانی

[1] یعنی یہ شرط نہیں ہوتی کہ مالک اپنی زمین میں اس طرح تصرف کرے کہ غیر کی طرف ضرر متعدی نہ ہو یا ایسے تصرف میں ہے کہ جس سے عام ضرر ظاہر نہ ہو جیسے چیز انداز وغیرہ کہ یہ درحقیقت دوسروں پر ضرر ہے ۱۲ [2] مترجم کہتا ہے کہ یہ مراد نہیں کہ اگر نہر میں اس کا کچھ حق نہ ہوتا تو پانی جاری کرنے سے ضامن ہوتا کیونکہ پانی تو جاری تھا بلکہ تاوان صرف اس وجہ سے ہوا کہ اس نے نہر کا دہانہ کھول دیا ہے یا اس وجہ سے کہ اس نے ناحق اپنی زمین سینچ لی جیسے اوپر مذکور افافہم لیکن بقول خواہرزادہ اس پر ضمان کا فتویٰ نہیں ہے ۱۲

تجاوز کر کے اس پڑوسی کے دار میں چلا گیا تو ضامن ہوگا اسی طرح اگر بل ظاہر ہو اور وہ جانتا ہو کہ پانی تجاوز کر کے اس بل سے پڑوسی کے گھر میں چلا جائے گا تو ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ایک شخص نے اپنا درخت جو نہر کے کنارے لگا ہے قلع کیا اور مٹی نہر میں گری اور اس کو بند کر دیا پس مالکان نہر نے ایک شخص کو مزدور مقرر کیا تا کہ وہ نہر میں پانی جاری کر دے کہ مٹی تر ہو جائے اور اس کا اگارنا آسان پڑے پھر مزدور سو گیا یہاں تک کہ نہر بھر گئی اور پانی تجاوز کر کے ایک شخص کا کھلیان غرق کر دیا تو مزدور پر ضمان واجب نہ ہوگی اور رہا درخت کاٹنے والا سو اگر درخت نے بڑھ کر نہر کے دونوں جانب گھیر لئے اور راہ تنگ کر دی ہو تو ضامن نہ ہوگا اور اگر نہر کے دونوں کنارے تک نہ پہنچا ہو بلکہ راہ کھلی ہو تو کاٹنے والا ضامن ہوگا۔ایک شخص نے نہر بند کر دی اور پانی سے ایک شخص کا گھر گر پڑا تو بند کرنے والا ضامن ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔فتاویٰ بقالی میں ہے کہ اگر کسی شخص نے نہر کا پانی کھول کر چھوڑ دیا پس پانی بڑھ گیا یا نہر کو کھولا اور اس میں پانی نہ تھا پھر پانی آ گیا تو ضامن نہ ہوگا اور اسی پر اعتماد ہے اور اگر شریکوں کی نہر بند کر دیں یہاں تک کہ نہر بھر گئی اور کنارہ شق ہو گیا اور ایک شخص کا روئی کا کھیت [1] غرق ہو گیا یا ایک شخص نے نہر میں پانی چھوڑ دیا اور اس نہر سے اور چھوٹی چھوٹی نہریں نکلی ہوئی ہیں جن کے دہانہ کھلے ہیں پس ان دہانوں سے پانی بھرا اور کسی شخص کا کھیت برباد ہو گیا تو دونوں صورتوں میں ضامن ہوگا اور فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا شرب تلف کر دیا بایں طور کہ اس کے شرب سے اپنی زمین سینچ لی تو امام بزدوی نے فرمایا کہ وہ ضامن ہوگا اور شرب الاصل کی شرح میں امام سرخسی نے ضمان شرب کی صورت یوں ذکر فرمائی ہے کہ دیکھا جائے کہ اگر شرب کی بیع جائز ہوتی تو یہ شرب کتنے کو خریدا جاتا پس وہی مقدار ضمان ہے اور امام خواہر زادہؒ نے فرمایا کہ وہ شخص ضامن نہ ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے یہ خلاصہ میں ہے۔

شیخ ابو بکرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کے دار میں پانی کا مجری ہے اس نے اس کو تحویل کر کے اپنے دار کے ایک کنارہ پر کر دیا پس اس وجہ سے اس کے پڑوسی کی دیوار منہدم ہو گئی تو فرمایا کہ وہ شخص ضامن ہے پھر دریافت کیا گیا کہ اگر اس نے مجری و پڑوسی کی دیوار کے درمیان کشادہ جگہ چھوڑ دی ہو مگر پانی کی وجہ سے اس کے پڑوسی کی دیوار نمناک ہو گئی تو فرمایا کہ وہ ضامن ہے خواہ اس نے جگہ چھوڑی یا نہ چھوڑی ہو اس لیے کہ اس نے مجری کی تحویل کرنے میں ظلم کیا کیونکہ غیر کے حق میں تصرف کیا پس جو خرابی اس سے پیدا ہو اس کا وہ ضامن ہے اور اگر اس نے مجری اوّل کو اپنے حال پر چھوڑ دیا مگر اس نے یہ دوسرا مجری بنایا تو فرمایا کہ اگر اس نے جدید مجری و پڑوسی کی دیوار کے درمیان بقدر دو گز کے جگہ چھوڑی ہو تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو اس نے اپنی ملک میں پیدا کی ہے اور فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا کہ یہ یعنی جو ہم نے ذکر کیا ہے اس وقت ہے کہ جب اس نے نہر سے پانی ایسی جگہ سے نکالا ہو جہاں سے نکالنے کا اس کو استحقاق نہیں ہے اور اگر اس نے ہر دو کنارہ نہر کو ایسی جگہ سے شق کیا ہو جہاں اس کو استحقاق ہے اور وہاں سے دوسری جگہ پانی جاری کیا ہو تو وہ دونوں صورتوں میں ضامن نہ ہوگا بشرطیکہ مجری و دیوار جار کے درمیان جگہ چھوڑی ہو یہ محیط میں ہے۔

ایک زمین ایک نہر عام کے کنارے واقع ہے یا دریائے فرات کے کنارے واقع ہے اور عام لوگوں کو اس زمین میں ہو کر سینچنے و اصلاح نہر کے واسطے آمد و رفت کا استحقاق حاصل ہے تو مالک زمین کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ان کو منع کرے بشرطیکہ سوائے اس زمین کے ان کا کوئی راستہ نہ ہو یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ایک شخص کی زمین ایک نہر پر واقع ہے اس کا شرب اسی نہر سے ہے پھر اس نے دوسری زمین خریدی جس کا شرب اس نہر سے جو اس کے زمین اوّل کے پہلو میں واقع ہے نہیں ہے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنی زمین میں سے دوسری زمین کی طرف پانی جاری کرے اور دوسری زمین کو بجائے پہلی زمین کے قائم کرے اور اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دوسری زمین

(۱) جس میں روئی موجود تھی ۱۲

میں جو درخت ہیں یا کھیتی ہے ان کو سیراب کرے مثلاً یہ کہ پہلی[1] زمین پانی سے بھر جائے اور اس سے پانی روک دے پھر دوسری زمین کی طرف پانی کھول دے پھر ایسا ہی مرۃ بعد اخری کئی بار کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص کی نہر دوسرے کے دار میں واقع ہو اور صاحب نہر کو اس کے اگارنے کی ضرورت ہوئی پس اگر وہ شخص نہر کے اندر اندر جا سکے تو جائے اور اگر نہ جا سکے تو مالک دار سے کہا جائے گا کہ یا تو اس کو اپنے دار میں آنے کی اجازت دے یا تو اس کے مال سے اس کی نہر اُگرا دے یہ غیاثیہ میں ہے۔ ایک شخص کی نہر دوسرے کی زمین میں واقع ہے اس نے نہر کی اصلاح کے واسطے دوسرے کی زمین میں داخل ہونا چاہا اور مالک زمین نے منع کیا تو اس کو اختیار نہیں ہے لیکن اگر وہ نہر کے اندر اندر جا سکتا ہو تو جائے اور یہی حکم کاریز کا ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم امام اعظمؒ کے قول کے موافق ہے کہ ان کے نزدیک نہر کے واسطے حریم نہیں ہے پس نہر کے کنارے جو بند آب ہے وہ مالک زمین کا ہوگا پس اس کو منع کرنے کا اختیار ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک بقدر بند آب کے حریم نہر ہوتا ہے پس بند آب صاحب نہر کا ہوگا پس اس کو اختیار ہوگا کہ نہر کی درستی کے واسطے اس بند آب پر ہو کر جائے بخلاف اس کے اگر مسلمانوں نے چاہا کہ مشرعہ (۱) سے پانی لینے کے واسطے کسی شخص کی زمین میں ہو کر جائیں اور سوائے اس کے ان کے واسطے کوئی راستہ نہیں ہے تو ان کو اختیار ہے اور نوازل میں مذکور ہے کہ اگر نہر تنگ ہو کہ وہ شخص نہر کے اندر اندر ہو کر نہ جا سکے تو مالک زمین کو اختیار دیا جائے گا چاہے اس کو اجازت دے دے کہ وہ اس کی زمین سے ہو کر اپنی نہر کو درست کرے یا مالک زمین اس کی نہر کو خود درست کرے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

مشترک شریک نے پانی روک کر دوسرے کی فصل تباہ کر ڈالی تو ☆

امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایک نہر دو شخصوں میں مشترک ہے پس ایک نے اس میں بندش بنا دی یعنی پانی روک دیا پس اس کے شریک کی بعض کھیتی پانی نہ ملنے سے تباہ ہو گئی اور بعض پانی کی کثرت سے تباہ و غرق ہو گئی تو فرمایا کہ جو ڈوب کر تباہ ہو گئی اس کا ضامن ہوگا اور جو پانی نہ ملنے سے تباہ ہوئی ہے اس کا ضامن نہ ہوگا اور اگر اپنی زمین سینچنے کے واسطے نہر عامہ کو بند کر دیا اور اپنی زمین سینچ کر بند کو ویسا ہی چھوڑ دیا پس بند ہونے کے سبب سے پانی چڑھا اور ایک شخص کی زمین میں پہنچ کر اس کی کھیتی خراب کر دی تو مسئلہ میں دو صورتیں ہیں یا کسی شخص نے پانی جاری کر دیا ہے یا پانی خود جاری ہو گیا ہے پس اوّل صورت میں پانی جاری کرنے والے پر ضمان واجب ہوگی اور دوسری صورت میں بند کرنے والے پر ضمان واجب ہوگی ایک شخص نے نہر عامہ سے اپنی زمین سینچی اور اس نہر عامہ سے اور چھوٹی چھوٹی نہریں لوگوں کی نکالی ہوئی ہیں جن کے دہانہ کھلے ہوئے تھے پس ان دہانوں سے چھوٹی نہروں میں پانی گیا اور اس وجہ سے ایک قوم کی اراضی خراب ہو گئیں تو یہ شخص ضامن ہوگا گویا اس نے ان نہروں (۲) میں خود (۳) پانی جاری کیا ہے یہ محیط میں ہے۔ نوادر میں ہے کہ ایک ساقیہ پر ایک قوم کی اراضی واقع ہیں ہر ایک کی دس جریب ہے اور اس سے ایک شخص کے حصہ میں اس کی زمین کی ضرورت سے زائد پانی ہے اور شریکوں کو اس مقدار سے زائد حاجت ہے تو اس کے شریک لوگ اس زائد کے مستحق ہیں تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس پانی کو اپنی دوسری زمین کی طرف رواں کرے اور یہ مسئلہ مشابہ اس صورت کے نہیں ہے کہ اگر ایک قوم کے درمیان مشترک پانی میں سے ایک شخص کا چھٹا حصہ یا دسواں حصہ یا اس سے کم و بیش حصہ ہو اور اس نے اپنا اس قدر حصہ اپنی خاص نہر

---

[1] قال المترجم تاویل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نہر مشترک میں باری کے دن بنے ہوئے ہیں پس جس دن اس کی باری ہے اس دن نہر کا وہ پانی لے سکتا ہے اور اس کے لینے کی صورت یہ ہے جو بیان کی ہے لیکن شرب میں جن کے نزدیک یہ شرط ہے کہ ضرورت سے زائد نہیں لے سکتا ہے ان کے نزدیک اس حکم میں تامل ہے یا یہ تاویل ہے کہ جس زمین میں درخت و کھیتی ہے اس کا شرب یہی اسی نہر سے ہے واللہ اعلم ۱۲ منہ

(۱) جہاں سے پانی پینے کی جگہ ہو ۱۲ (۲) یعنی جیسے خود جاری کرنے میں ضامن ہوتا ہے ویسا ہی یہ بھی ہے ۱۲

میں لے لیا تو اس صورت میں اس کو اختیار ہے کہ اس پانی کو جا ہئے اپنی جس قدر زمینوں میں پہنچائے اور اگر اس کو اس پانی کی طرف حاجت نہ ہو تو اس کے شریکوں کو اُس پانی کے لینے کی کوئی راہ نہیں ہے یہ ایک نہر چار آدمیوں میں مشترک ہے مثلاً زید و عمرو و بکر و خالد کے درمیان مشترک ہے اور اس نہر میں سے ہر ایک کا پانی لینے کا دہانہ اس کی زمین میں ہے اور زید کے پانی لینے کے دہانہ سے قریب عمرو کا دہانہ ہے اور عمرو کے دہانہ سے قریب بکر کا دہانہ ہے اور بکر کے دہانہ سے قریب خالد کا دہانہ ہے پس اگر خالد نے اپنی زمین کو خشک رکھا تو اس کا پانی بکر کے واسطے ہو گیا اور اگر خالد و بکر دونوں نے اپنی اپنی زمین کو خشک رکھنا چاہا تو ان دونوں کا پانی عمرو کے لیے ہو گیا اور اگر خالد و بکر و عمرو سب نے اپنی اپنی زمین کو خشک رکھنا چاہا تو سب کا پانی زید کے واسطے ہو گیا اور اگر فقط بکر نے اپنی زمین کو خشک رکھا باقیوں نے نہیں تو بکر کا پانی فقط خالد کے واسطے ہو گا اور اگر فقط عمرو نے اپنی زمین کو خشک رکھنا چاہا تو اس کا پانی بکر و خالد دونوں کے واسطے بحساب ہر ایک کی صاحت جریبی زمین کے ہو گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک مجری پانی کا ڈھانک[1] دیا گیا تو شیخ ابوالقاسمؒ نے فرمایا کہ اگر یہ بات قدیمی نہ ہو یعنی کسی شخص نے جدید ڈھانکا ہو تو اہل مجری کو اختیار ہو گا کہ جس نے ڈھانکا ہے اس سے اس کے کھولنے و ڈھانپ دور کرنے کا مواخذہ کریں یہ حاوی میں ہے۔ کسی قوم کی ایک نہر ایک کوچہ میں جاری ہے وہ سال میں دوبارہ اُگاری جاتی ہے اور کوچہ میں بہت مٹی جمع ہو جاتی ہے پس اگر یہ مٹی حریم نہر پر رہتی ہو اس سے تجاوز نہ کرتی ہو تو اہل کوچہ کو اختیار نہ ہو گا کہ اہل نہر کو اس مٹی کے اُٹھا لینے کی تکلیف دیں اور اگر حریم سے تجاوز کرے تو اہل کوچہ کو اختیار ہو گا کہ اہل نہر کو مٹی اُٹھا لینے کی تکلیف دیں۔ ایک قوم کی نہر ایک شخص کی زمین میں جاری ہے پس اہل نہر نے اس کو گرا دیا اور مٹی زمین پر ڈالی پس اگر یہ مٹی حریم نہر پر ہو تو اس شخص کو اختیار نہ ہو گا کہ اہل نہر کو مٹی یہاں سے منتقل کرنے کا حکم دے۔ بارش کا پانی جمع ہونے کا ایک گڈھا ایک محلہ میں ایک شخص کے دروازہ کے پاس ہے پس وہ بھر گیا اور صاحب مکان کو اس سے ضرر پہنچتا ہے تو بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ اس کو اختیار ہے کہ اس کنویں کو پاٹ دے۔

قال المترجم ☆

هو الصحیح۔ اور مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جواب میں تفصیل ہونی چاہئے ہے کہ اگر یہ کنواں قدیمی ہو تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے اور اگر جدید ہو تو اس کو اختیار ہے۔

قال المترجم ☆

خوف تلف کے مقابلہ میں جواب وہی ہے جو بعض مشائخ نے فرمایا ہے فافہم ایک شخص کا کنواں دوسرے کے دار میں واقع ہے پس جب وہ شخص اپنا کنواں اگروا دے تو اس کو دوسرے کے دار میں مٹی ڈالنے کا استحقاق نہ ہو گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے نہر کا کنارہ خراب کر دیا اور اس وقت میں پانی منقطع تھا پھر پانی آ گیا اور جہاں سے اس شخص نے کنارہ خراب کر دیا ہے وہاں سے ایک شخص کی زمین میں گیا اور زمین کو ضرر پہنچایا یا زمین میں کھیتی تھی اس کو خراب کر دیا تو فرمایا کہ دیکھا جائے کہ اگر پانی خود جاری ہو گیا ہے تو خراب کرنے والا ضامن ہو گا جب کہ یہ نہر عامہ ہو اس واسطے کہ وہ شخص نہر کا کنارہ توڑنے میں جو اس بربادی کا سبب ہے ظالم ٹھہرا ہے اور اگر کسی دوسرے شخص نے پانی جاری کیا اور تیسرے شخص نے نہر کے سرے کا دہانہ کھولا ہے تو کنارہ توڑنے والا ضامن نہ ہو گا بلکہ جاری کرنے والا اور کھولنے والا دونوں ضامن ہوں گے یہ ذخیرہ میں ہے۔ فتاویٰ ابواللیثؒ میں لکھا ہے کہ ایک بڑی نہر میں ایک گاؤں والوں کی اس میں سے دو نہریں پھوٹی ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک پر ایک پن چکی خانہ ہے پھر ایک پن چکی

(۱) شاید یہ مراد ہو کہ پاٹ دیا ۱۲

گھر خراب ہو گیا یعنی گر گیا اور اس کے مالک نے چاہا کہ جب تک اپنا پن چکی گھر تیار کرے تب تک اسی نہر کا سب پانی دوسری نہر میں جس پر دوسرا طاحونہ یعنی پن چکی خانہ ہے رواں کر دے حالانکہ اس سے دوسرے پن چکی گھر کو ضرر پہنچے گا تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے اس واسطے کہ وہ چاہتا ہے کہ اپنا ضرر اس طرح دور کرے کہ دوسروں کو ضرر پہنچے اور اسی فتاویٰ مذکور میں لکھا ہے کہ ایک شخص کے بستان میں ایک حوض ہے جس میں ایک قوم کا روزمرہ کے استعمال کا پانی بہہ کر جمع ہوتا ہے اور وہ شخص ان لوگوں کے مجریٰ کا مقر ہے یعنی اقرار کرتا ہے کہ ان لوگوں کا مجریٰ اس طرح ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ ان لوگوں کا پانی اس میں آ کر جمع ہونے کا قدیمی حق ہے اور حال یہ پیش آیا کہ اس حوض سے اس کی عمارت کو ضرر پہنچا پس اس نے چاہا کہ ان لوگوں کو حوض مذکور میں پانی بہانے سے منع کرے یہاں تک کہ یہ لوگ حوض کو درست کریں پس اگر حوض میں کوئی ایسا عیب ہو جس کی وجہ سے اس کی عمارت کو ضرر پہنچتا ہو تو اس کو ایسا اختیار ہے یہ محیط میں ہے اور اگر نہر کا کنارہ شق ہو گیا اور اس سے پانی بہتا ہے کہ لوگوں کو اس سے ضرر پہنچتا ہے تو اہل نہر کو حکم دیا جائے گا کہ اس کو درست کریں یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ فتاویٰ ابواللیثؒ میں ہے کہ اگر ایک نہر ایک کوچہ غیر نافذہ میں جاری ہو اور اہل کوچہ میں سے ایک شخص نے چاہا کہ اس میں سے پانی اپنے دار میں لے جائے اور اپنے بستان میں جاری کرے تو پڑوسیوں کو اختیار ہے کہ اس کو اس کام سے منع کریں اور اس کو بھی اختیار ہے کہ اگر پڑوسی ایسا کرنا چاہیں تو ان کو منع کرے اور اگر کسی نے اس سے پہلے ایسا کر لیا ہو اور وہ اقرار کرتا ہو کہ میں نے ایسا جدید کیا ہے تو اہل کوچہ کو اس کی ممانعت کا اختیار ہے اور اگر یہ حق اس کو قدیمی حاصل ہو تو وہ منع نہ کیا جائے گا جیسا کہ کوچۂ مذکور میں اگر ظلہ یعنی چھتا قدیمی ہو تو اس کا حکم ہے اور یہی فتاویٰ ابواللیثؒ میں ہے کہ ایک گاؤں میں ایک شخص کو متفرق مقامات پر پانی روک کر بمقدار معلوم یعنی کا استحقاق ہے پس اس نے چاہا کہ میں اس سب کو جمع کر لوں اور ایک رات دن لے لیا کروں تو اس کو یہ اختیار ہے اس واسطے کہ جمع کرنے میں وہ اپنے حق میں تصرف کرتا ہے اور ایسا کرنے میں شریکوں کا کچھ ضرر نہیں ہے اسی طرح اگر گاؤں میں دو شخصوں کے واسطے ایک نہر دیہ سے ایک روز کا شرب ہو اور دونوں نے چاہا کہ ہم دونوں اپنا پانی ایک ہی روز میں لے لیا کریں تو دونوں کو یہ اختیار ہے اور شریکوں کو اختیار نہیں ہے کہ ان دونوں کو منع کریں یہ محیط میں ہے۔ پانی پینے یا چوپاؤں کو پلانے کے واسطے ایک نہر ہے اس پر ایک شخص کا قدیمی چہ بچہ[!] ہے وہ ایک کوچہ غیر نافذہ میں داخل ہو گیا تو شیخ ابوبکرؒ نے فرمایا کہ اس میں قدیم و جدید کا کچھ اعتبار نہیں اس کو حکم دیا جائے گا کہ اس کو دور کر دے اور اگر اس نے نہ مانا تو محتسب کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ وہ دور کرا دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک شخص نے اپنی نہر سے اپنے باغ یا کھیتی کو سینچنا چاہا پھر اس کو زبردستی کسی نے روکا یہاں تک کہ کھیتی ضائع ہوئی تو منع کرنے والا ضامن نہ ہو گا جیسا کہ اگر چرانے والے کو کسی نے اپنے مویشی تک پہنچنے سے روک لیا یہاں تک کہ مویشی ضائع ہو گئیں تو وہ ضامن نہ ہو گا یہ وجیز کردری میں ہے۔ زید و عمرو کے درمیان ایک دیوار مشترک ہے اس پر دونوں کا لدان ہے پھر زید نے برضامندی عمرو کے یہ دیوار دور کر دی پھر برضامندی زید کے یہ دیوار اپنے مال سے بدین شرط بنالی کہ زید کے دار میں جو نہر ہے وہ مجھے عاریت دے دے تا کہ میں اپنے دار میں اس سے پانی جاری کروں اور اس سے اپنا باغ سینچوں پس زید نے ایسا ہی کیا اور نہر عاریت دے دی پھر زید کی رائے میں آیا کہ اس کو مجری مذکور نہ دے تو اس کو یہ اختیار ہو گا اس واسطے کہ عاریت عقد لازم نہیں ہے لیکن اس صورت میں یہ لازم ہو گا کہ عمرو کو جس نے دیوار بنائی ہے عمارت دیوار کا نصف مالک خرچہ دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ عیون میں لکھا ہے کہ اگر ایک شہر میں ایک نہر ہے جس کو امام المسلمین نے لوگوں کے پانی پینے و جانوروں کے پلانے کے واسطے

[!] چہ بچہ ایک مضر چیز ہے تو کوچہ میں سے ایسی مضر چیز کا دور کرنا لازم ہے اور اس میں قدیمی کا اعتبار نہیں ہے ۱۲

جاری(۱) کیا ہے پھر بعض لوگوں نے چاہا کہ اس نہر پر باغ لگائیں پس اگر اس بات سے اہل شفہ کو ضرر نہ پہنچے تو روا ہے اور اگر اہل شفہ یعنی پانی پینے و پلانے والوں کو ضرر پہنچے تو روا نہیں ہے اور اگر اس نہر پر کسی نے درخت لگانے چاہے اور یہ نہر راستہ پر ہے پس اگر راستہ کے حق میں مضرت نہ ہو تو روا ہے۔ مگر لوگوں کو اختیار کہ اس کو اس سے منع کریں یہ محیط میں ہے۔ ایک نہر جس سے ایک قوم پانی لیتی ہے ایک شخص کے باغ میں ہو کر گذری ہو تو باغ والے کو اختیار ہے کہ نہر مذکور کے دونوں کناروں پر درخت جما دے لیکن اگر ان درختوں کے بڑھنے و موٹے ہونے کے سبب سے اس قوم کی نہر تنگ ہو جائے گی تو اس وقت اس کو حکم دیا جائے گا کہ ان درختوں کو جڑ سے قطع کرے لیکن اگر نہر مذکور کو وہ شخص دوسری طرف سے اس قدر کشادہ کر دے کہ جتنی تھی بدین طریق کہ اصحاب نہر کے حقوق میں تفاوت نہ آئے تو ہو سکتا ہے کہ یہ حکم نہ دیا جائے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور شیخ شدادؒ سے روایت ہے کہ اگر عام نہر پر کسی شخص نے مسلمانوں کی منفعت کے واسطے درخت جمانا چاہا تو اس کو اختیار ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک نہر ایک شخص کے دار میں ہو کر جاری ہے اور صاحب دار اس نہر سے اپنے باغ کو پانی دیتا ہے پھر(۲) اس نے اس نہر کے کنارے درخت جمائے پس اس نہر کا پانی ان درختوں کی جڑوں کی راہ دوسرے شخص کے دار کی طرف پہنچا اور رفتہ رفتہ اس دار کی خرابی کا باعث ہوا تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر اس نے یہ درخت حریم نہر پر نہیں جمائے ہیں تو اس کو ان درختوں کے قطع کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا اور اگر درختوں کی جڑیں پڑوسی کے دار میں داخل ہو گئیں ہوں تو اس پر ان کا قطع کرنا واجب ہوگا اور اگر اس نے قطع نہ کئے تو پڑوسی کو بدون مرافعہ قاضی کے خود اختیار ہوگا کہ ان کو قطع کر دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اہل نہر کن صورتوں میں پانی سے روک سکتے ہیں؟

اگر نہر خراب ہو گئی ہے اور اہل نہر کو ایک شخص کی زمین میں گڑھا کھودنے کی ضرورت ہوئی تا کہ اس گڑھے سے اپنی نہر کی درستی کریں تو وہ شخص اپنی زمین فروخت کرنے پر کسی حال میں مجبور نہ کیا جائے گا یہ غیاثیہ میں ہے اور اگر ایک قوم کی نہر ایک شخص کی زمین میں جاری ہو تو اس کو اختیار ہوگا کہ اس نہر سے اپنی زمین سینچے بشرطیکہ اہل(۳) نہر کو ضرر نہ پہنچے اور اہل نہر کو اختیار ہے کہ اس کو منع کر دیں اور اگر بطن نہر دونوں جانب اس کے اس شخص کے ہوں تو اس کو سینچنے کا اختیار ہے اگرچہ اہل نہر کے حق میں ضرر پہنچتا ہو کذا فی المحیط۔

چوتھا باب ☆

شرب کے مقدمہ میں دعویٰ و اس کے متصلات و گواہی کی سماعت کے بیان میں

اگر کسی شخص نے دوسرے کے مقبوضہ شرب کا بغیر زمین کے دعویٰ کیا تو قیاساً سماعت نہ ہوگی اور استحساناً سماعت ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص کی نہر دوسرے شخص کی زمین میں ہو اور مالک زمین نے چاہا کہ مالک نہر کو اس میں پانی جاری کرنے سے منع کرے پس اگر وقت خصومت کے مالک نہر کی زمین کی طرف نہر میں پانی جاری ہو یا یہ معلوم ہو کہ قبل اس کے اس نہر سے پانی جاری ہو کر اس کی زمین میں جاتا تھا تو صاحب نہر کے نام نہر کی ڈگری کی جائے گی الا اس صورت میں نہ کی جائے گی کہ مالک زمین اس امر کے گواہ قائم کرے کہ نہر میری ملک ہے اور اگر وقت خصومت کے اس میں پانی جاری نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ قبل اس کے صاحب نہر کی زمین میں اس سے پانی جاری ہوتا تھا تو مالک زمین کے دعویٰ پر ڈگری کی جائے گی الا اس صورت میں نہ کی جائے گی کہ صاحب نہر اس امر کے گواہ قائم کرے کہ نہر میری ملک ہے منتقی میں ہے کہ ہشام نے کہا کہ میں نے امام محمدؒ سے دریافت کیا کہ ایک نہر

(۱) قدمت المسئلہ فیما تقدم ۱۲ (۲) یعنی اس کو شرب کا حق نہیں ہے ۱۲ (۳) جب تک اہل نہر منع نہ کریں ۱۲

عظیم سے ایک گاؤں والوں کا شرب ہے اور یہ گاؤں والے داخل شمار نہیں ہیں پھر نہر کے اوپر کی طرف ایک قوم نے نہر کو روک دیا اور کہا کہ یہ نہر ہماری ہے اور ہمارے قبضہ میں ہے اور نیچے والوں نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ سب ہماری ہے تمہارا اس میں کچھ حق نہیں ہے تو فرمایا کہ اگر خصومت کے روز نیچے والوں کی طرف اس میں پانی جاری ہو تو اپنے حال پر چھوڑ دی جائے گی جیسی جاری ہے ویسی ہی جاری رہے گی اور اوپر والوں اور نیچے والوں سب کا شرب اسی نہر سے رہے گا جیسا کہ پہلے تھا اور اوپر والوں کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ نہر مذکور کو نیچے والوں کی طرف جاری ہونے سے بند کر لیں اگر خصومت کے روز نیچے والے لوگوں سے پانی منقطع ہو لیکن یہ معلوم ہو کہ پہلے نیچے والوں کی طرف پانی جاری ہوتا تھا اور اب اوپر والوں نے نیچے والوں کی طرف جاری ہونے سے بند کر دی ہے یا نیچے والوں نے اس امر کے گواہ قائم کئے کہ یہ نہر ہماری طرف جاری تھی اس کو اوپر والوں نے بند کیا ہے تو اوپر والوں کو حکم دیا جائے گا کہ روک توڑ دیں اور نیچے والوں کی طرف جاری ہونے دیں اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس نہر سے اوپر والوں و نیچے والوں کا شرب کیونکر تھا مگر اس قدر علم ہے کہ سب کا شرب اسی نہر سے تھا اور ہر فریق نے نہر پر پورے پورے اپنے قبضہ کا دعویٰ کیا اور کسی فریق کو دوسرے پر گواہی یا اور کسی وجہ سے کوئی ترجیح نہیں پائی جاتی ہے تو یہ نہر ان سب میں مشترک قرار دی جائے گی اور شرب کی تقسیم باعتبار مساحت آراضی کے ہوگی۔ پھر میں نے امام محمدؒ سے کہا کہ اگر یہ لوگ جو شمار میں داخل نہیں ہیں اگر ان میں سے بعض نے اس نہر کا دعویٰ کیا اور گواہ قائم کئے کہ یہ نہر خاص دیہات معلومہ کے واسطے ہے جس کے لوگ شمار میں داخل نہیں ہیں پس آیا آپ کے نزدیک ایسے دعویٰ و گواہی سے اس نہر کی ان گاؤں والوں کے نام ڈگری کر دی جائے گی حالانکہ مدعا علیہ اس قدر ہیں کہ وہ شمار میں داخل نہیں ہیں ان میں سے بعض مدعا علیہ حاضر ہوئے ہیں حالانکہ ان میں بالغ و نابالغ سب ہیں تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر یہ نہر بمنزلہ مسلمانوں کے کوچۂ نافذہ کے ہو اور ایک قوم نے اس امر کے گواہ قائم کئے کہ یہ نہر خاص ہماری ہے اوروں کی نہیں ہے تو یہ لوگ اس کے مستحق ہو جائیں گے اور وہ نہر عام جماعت مسلمانوں کی نہر ہو جانے سے خارج ہو جائے گی اور قاضی ایک مدعی اور ایک مدعا علیہ کے حاضر ہونے پر اکتفا کرے گا اور اگر نہر کسی خاص قوم معروف کی ہو جو شمار میں داخل ہیں تو ان میں سے ایک شخص کے حاضر ہونے پر سب پر ڈگری نہ کرے گا بلکہ جو شخص حاضر ہوا ہے فقط اسی پر ڈگری کرے گا یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص کی نہر دوسرے کی زمین میں جاری ہے دونوں نے اس کے مسناۃ یعنی بند آب یعنی کنارے کی پٹری میں جھگڑا کیا پس ہر ایک نے اس کا دعویٰ کیا اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس کے قبضہ میں ہے تو مالک زمین کے نام اس کی ڈگری کی جائے گی اس کو اختیار ہوگا کہ اس میں جو کچھ اس کا جی چاہے درخت لگائے وزراعت کرے اور مالک نہر کو ممانعت کی جائے گی کہ اس پر اپنی نہر کی مٹی نہ ڈالے اور نہ اس پر آمد و رفت رکھے مگر مالک زمین اس کو منہدم نہیں کر سکتا ہے اور یہ حکم امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک وہ مالک نہر کی قرار دی جائے گی کہ اس پر وہ اپنی نہر کی کیچڑ ڈالے اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم اس بنا پر ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک نہر کا مالک اپنی نہر کے حریم کا مستحق ہے پس اس کا حریم اسی کے قبضہ میں ہوگا کیونکہ وہ نہر کے تابع ہے پس اسی کا ہوگا اور امام اعظمؒ کے نزدیک نہر کا حریم نہیں ہوتا ہے پس مسناۃ کسی کے قبضہ میں نہیں قرار دی جا سکتی ہے لیکن مسناۃ بہ نسبت نہر کے زمین سے زیادہ مشابہ ہے اس واسطے کہ مسناۃ درخت لگانے وزراعت کے لائق ہے جیسے زمین ہوتی ہے اور نہر اس کام کے لائق نہیں ہے اور جب دو آدمی ایسی چیز میں تنازع کریں جو دونوں میں سے کسی کے قبضہ میں نہ ہو مگر دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ایسی چیز جو اس چیز کے مشابہ ہے جس میں جھگڑا ہے موجود ہے تو جس کے قبضہ میں جھگڑے کی چیز سے مشابہ چیز موجود ہے اس کے نام اس چیز کی ڈگری کر دی جائے گی چنانچہ اگر دروازے کا ایک کواڑ ایک شخص کے دروازے پر رکھا ہوا اور اس نے اور دوسرے آدمی نے لگے ہوئے میں جھگڑا کیا

پس اگر ایسی صورت ہو جو ہم نے بیان کی ہے تو لگے ہوئے کی ڈگری اس شخص کے نام ہو گی جس کے پاس اس کے جوڑ کا کواژ موجود ہے اور بعض نے فرمایا کہ ایسا اختلاف نہیں ہے اس واسطے کہ آگے بیان آتا ہے کہ ارض موات میں نہر کا حریم ہوتا ہے پس اختلاف اس مقام پر ایسی صورت میں ہے کہ جب مسناۃ مالک نہر کے قبضہ میں نہ ہو بایں طور کہ زمین سے متصل و برابر ہو زمین سے اونچی نہ ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک ظاہر حال اس امر کا شاہد ہے کہ یہ مسناۃ نہیں ہے منجملہ زمین کے ہے اس واسطے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اونچی ہوتی تاکہ اس پر نہر کی کیچڑ ڈالی جائے اور صاحبینؒ کے نزدیک صاحب نہر کے حریم ہونے کے واسطے ظاہر حال اس امر کا شاہد ہے کہ یہ نہر والے کی حریم ہے پس اماموں میں یہ اختلاف باعتبار ترجیح کے واقع ہوا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص کی نہر ہے اور نہر کے کنارے سے دوسرے کی زمین ہے اور دونوں نے مسناۃ میں جھگڑا کیا پس اگر نہر وزمین کے درمیان مثل دیوار وغیرہ کے کوئی چیز حائل ہو تو مسناۃ مالک نہر کی ہو گی ورنہ مالک زمین کی ہو گی مگر مالک نہر کا اس میں حق ہے حتیٰ کہ اگر مالک زمین نے اس کو دور کر دینا چاہا تو مالک نہر اس کو منع کر سکتا ہے اور مالک زمین کو اختیار ہو گا کہ اس پر اپنی کیچڑ ڈالے اور درخت لگائے اور اس میں آمد و رفت رکھے یہ سراجیہ میں ہے۔ اور اگر نہر کے رقبہ میں دونوں نے اختلاف کیا پس اگر اس میں پانی جاری ہو تو قول نہر کے قابض کا قبول ہو گا کیونکہ اس کے استعمال کی وجہ سے اس کے قبضہ میں ہے اور اگر اس میں پانی نہ ہو تو بدون حجت کے اس کا قول قبول نہ ہو گا اور اگر اس نے یوں گواہ قائم کئے کہ اس کے واسطے نہر میں بحری ہے تو ایسی گواہی سے اس کو پانی جاری کرنے کا حق حاصل ہو گا رقبہ نہ ملے گا اسی طرح اگر تنازع میں یوں گواہ پیش کئے کہ اس کے واسطے اس نہر میں یا اس اجمہ[1] میں پانی کا معب ہے تو بھی اس کو رقبہ نہ ملے گا صرف حق مصب ہو گا یہ غیاثیہ میں ہے۔ ایک شخص کی نہر دوسرے کی زمین میں ہے پھر زمین والے نے ہر مہینہ اس نہر سے ایک روز شرب کا دعویٰ کیا اور اس کے گواہ قائم کئے تو اس کے نام ڈگری ہو گی اور یہی حکم پانی کی مسیل میں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر مدعی نے مہینہ میں دو دن شرب کا دعویٰ کیا اور دونوں گواہوں میں سے ایک نے مہینہ میں ایک روز شرب کی اور دوسرے نے مہینہ میں دو روز شرب کی گواہی دی تو مذکور ہے کہ بقیاس قول امام اعظمؒ کے کچھ ڈگری نہ ہو گی اور بقیاس قول صاحبینؒ کے اس کے نام ایک روز شرب کی ڈگری ہو گی اور یہ اس کتاب کے بعض نسخوں میں مذکور ہے اور بعض میں نہیں ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اختلاف جب ہو گا کہ جب ایک گواہ نے مدعا علیہ کے ایک روز کے شرب کے اقرار پر اور دوسرے نے مدعا علیہ کے دو روز کے شرب کے اقرار پر گواہی دی اس واسطے کہ جس کی گواہی دی ہے وہ اقرار ہے اور دونوں اقراروں میں سے کسی اقرار پر سوائے ایک گواہ کے دوسرا نہیں ہے اور اگر دونوں نے اقرار پر نہیں بلکہ نفس شرب پر اس طرح گواہی دی کہ اس کے واسطے ایک روز کا شرب ہے اور دوسرے نے دو روز کے شرب کی گواہی دی تو واجب ہے کہ ایک روز کے شرب پر جو اقل ہے بالاتفاق [1] گواہی مقبول ہو اور اگر دونوں گواہوں نے ایک روز کے شرب کی گواہی دی مگر ایام نہ بتائے مثلاً یوں نہ کہا کہ مہینہ میں سے ایک روز کا شرب یا سال میں سے یا ہفتہ میں سے اور نہ اس کے واسطے رقبہ نہر میں کچھ ملک ہونے کی گواہی دی تو بلا خلاف گواہی مقبول نہ ہو گی اس واسطے کہ مشہود بہ مجہول ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی نے دسویں حصہ نہر یا کاریز کا دعویٰ کیا اور ایک گواہ نے دسویں حصے کی اور دوسرے نے اس سے کم کی گواہی دی تو امام اعظمؒ کے نزدیک گواہی باطل ہے اگرچہ دونوں نے اقرار[2] مدعا علیہ کی گواہی دی اس واسطے کہ دونوں گواہ لفظاً ومعنیً مختلف ہیں

---

[1] قولہ اجمہ یعنی تالاب جس میں پانی بھرا ہوتا ہے قولہ مصب یعنی جائے ریختن آب والحاصل اس کو پانی بہانے کا حق ہے گا ۱۲

[2] اقرار یعنی جب ایک گواہ نے کہا کہ مدعا علیہ نے مدعی سے واسطے اس قدر اقرار کیا ہے حالانکہ یہ محتمل ہے کہ جس نے زائد اقرار کی گواہی دی وہ اصل ہو اور دوسرے نے مدعا علیہ نے کم کا اقرار کیا ہو لیکن باوجود اس کے گواہی باطل ہو گی ۱۲ منہ (۱) یعنی عبارت الا تقہ قابل گواہی ۱۲

اور صاحبین کے نزدیک استحساناً کمتر مقدار پر مقبول ہوگی اور اگر ایک گواہ نے پانچویں حصہ کی گواہی دی تو گواہی باطل ہے کیونکہ گواہ نے مدعی کے دعویٰ سے زیادہ مقدار کی گواہی دی ہے۔ اور اگر ایک شخص نے ایک زمین کا جو ایک نہر پر واقع ہے اور اس کا شرب اسی نہر سے ہے دعویٰ کیا اور گواہ قائم کیے کہ یہ زمین مدعی کی ہے مگر گواہوں نے اس کے شرب کا کچھ ذکر نہ کیا تو میں مدعی کے نام زمین کی اور اس کے حصہ شرب کی ڈگری کروں گا اور اگر گواہوں نے شرب کی گواہی دی زمین کی گواہی نہ دی تو اس کے نام کچھ زمین کی ڈگری نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے اور اگر دو گواہوں میں سے ایک نے یہ گواہی دی کہ اس نے یہ زمین ہزار درم میں خریدی ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ اس نے یہ زمین مع اس کے شرب کے ہزار درم میں خریدی ہے تو گواہی جائز نہ ہوگی اور اگر دوسرے گواہ نے یوں گواہی دی ہو کہ اس نے یہ زمین مع اس کے ہر حق کے جو اس زمین کو ثابت ہے ہزار درم میں خریدی تو جائز ہے اس واسطے کہ دونوں گواہ اس امر پر متفق (۱) ہیں کہ اس نے زمین و شرب خریدا ہے اس واسطے کہ شرب حقوق زمین سے ہے پس جس نے یوں گواہی دی کہ اس نے زمین کو مع ہر حق کے جو اس کو ثابت ہے خریدا ہے تو اس نے زمین و شرب دونوں کی گواہی دی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر ایک نہر ایک قوم میں مشترک ہو ان لوگوں کی اراضی اس پر واقع ہوں اور بعض اراضی کے واسطے اس نہر سے ساقیہ ہیں اور بعض کے واسطے والیہ ہیں اور بعض زمینوں کے واسطے نہ ساقیہ ہیں نہ والیہ ہیں اور نہ ان زمینوں کا شرب اس نہر سے معروف ہے اور غیر اس نہر کے دوسری جگہ سے معروف [1] ہے پھر ان لوگوں نے اس نہر میں اختلاف کیا پس مالک زمین نے جس کا شرب معروف نہیں ہے دعویٰ کیا کہ میری زمین کا شرب اس نہر سے ہے حالانکہ یہ زمین کنارہ نہر پر واقع ہے تو قیاساً یہ حکم ہونا چاہئے کہ یہ نہر انہیں لوگوں میں مشترک ہو جن کے ساقیہ و والیہ ہیں نہ ان کے واسطے جن کی زمین بلا شرب ہیں لیکن امامؒ نے استحساناً یہ حکم دیا ہے کہ نہر ان سب لوگوں میں بقدر ان کی اراضی کے جو کنارۂ نہر پر واقع ہیں باہم مشترک ہوگی اس واسطے کہ نہر کھودنے سے زمینیں سینچنا مقصود ہوتا ہے ساقیہ و والیہ نہر پر لگانا مقصود نہیں ہوتا ہے پس جو امر مقصود ہے اس میں قبضہ ثابت ہونے سے سب کا حال یکساں ہے پس اگر یہ معلوم ہو جائے کہ سابق میں ان لوگوں میں شرب کا یہ طریقہ تھا تو اسی طریقہ سے ان کا شرب مقرر ہوگا اور اگر یہ بات معلوم نہ ہو تو نہر مذکور کا شرب ان لوگوں میں بحساب مقدار ان کی اراضی کے منقسم ہوگا اور اگر ان زمینوں میں سے کسی زمین کا شرب کسی دوسری نہر سے ثابت ہو تو اس زمین کا شرب اسی دوسری نہر سے ہوگا پس اس نہر سے اس کا کچھ شرب نہ ہوگا اور اگر اس زمین کا شرب دوسری نہر سے معروف (۲) نہ ہو اور زمین نے اس زمین کے واسطے اسی نہر سے شرب ہونے کی ڈگری کی اور مالک زمین مذکور کی اس زمین کے پہلو میں دوسری زمین ہے اس کا شرب بھی معلوم نہیں ہے تو میں استحساناً یہ حکم دیتا ہوں کہ اس کی سب زمینوں کا شرب جو باہم متصل ہیں اسی نہر سے ہوگا اور قیاساً (۳) دوسری زمین کے واسطے اس نہر سے شرب کا بدون حجت کے مستحق نہ ہوگا اور اگر اس شخص کی زمین کے پہلو میں دوسرے شخص کی زمین ہو اور اول شخص کی زمین دوسرے کی زمین اور نہر کے بیچ میں ہو اور دوسرے شخص کی زمین کا شرب بھی معلوم نہ ہو اور پتہ نہ لگے کہ اس کا شرب کہاں سے تھا تو میں اس کا شرب بھی اسی نہر سے قرار دوں گا لیکن اگر یہ نہر کسی خاص قوم کی معروف ہو اور یہ شخص اس قوم میں سے نہ ہو تو سوائے اس قوم کے غیر کے واسطے بدون حجت و گواہوں کے اس نہر سے شرب مقرر نہ کروں گا اور اگر یہ نہر کسی اجمہ [2] میں گرتی ہو اور اس پر اقوام مختلف کی زمینیں ہوں اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی حالت کیا تھی اور اصل میں یہ کس کی تھی پھر اہل اراضی و

---

[1] معروف یعنی یہ بات معروف نہیں کہ اس زمین کے واسطے پانی کہاں سے ہے۔ ساقیہ پتلی نالی والیہ بذریعہ ڈھیل کی وغیرہ کے ۱۲

[2] اجمہ نیستان جس میں پانی بھرا ہو ۱۲ (۱) یعنی جس کی گواہی اول مذکور ہوئی (۲) یعنی معلوم نہ ہو ۱۲

(۳) القیاس ان لا یستحق الشرب من ہذا النہر الارض الاخرے فلیف باالشرب کما قدمر فتنذکر ۱۲

اہل اجمہ نے اس میں تنازع کیا تو میں اہل اراضی کے درمیان بہ تخصیص مشترک ہونے کی ڈگری کروں گا مگران لوگوں کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ اہل اجمہ سے اس کا پانی روکیں اور اہل اجمہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنے اجمہ میں رواں ہونے سے مانع ہوں یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص کی دو زمینیں ایک نہر پر واقع ہے ایک اوپر کی طرف دوسری نیچے کی طرف ہے اور اس نے دعویٰ کیا کہ ان دونوں کا شرب اسی نہر سے ہے اور شریکوں نے کسی ایک زمین معین کے شرب سے انکار کیا پس اگر یہ زمین کسی دوسری نہر سے نہ سینچی جاتی ہوتو قول مالک زمین کا قبول ہوگا۔ شیخ ابوالقاسم سے دریافت کیا گیا کہ ایک نہر دو شخصوں میں مشترک ہے اس کے کنارے پر درخت لگے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک ان درختوں کا مدعی ہے تو فرمایا کہ اگران درختوں کا جمانے والا معلوم ہوتو یہ درخت اس کے ہوں گے اور اگر یہ تحقیق یہ معلوم نہ ہو کہ ان درختوں کا جمانے والا اصل میں کون شخص ہے تو جس قدر درخت دونوں میں سے کسی کے خاص مملوک مقام پر ہیں وہ اسی کے ہوں گے اور جس قدر مقام مشترک میں ہیں وہ دونوں میں مشترک ہوں گے یہ از راہ[1] حکم ہے۔ اور شیخ ابوالقاسم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کے کچھ درخت نہر یا ذمانات کے کنارہ لگے ہیں اور ان درختوں کی جڑوں سے نہر کی دوسری طرف اور درخت اگے اور اس طرف ایک شخص کا باغ انگور ہے اور باغ انگور اور اس کنارے کے بیچ میں راستہ ہے پس دونوں میں سے ہر ایک نے ان درختوں کا دعویٰ کیا تو فرمایا کہ اگر یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ درخت ان درختوں کی جڑوں سے آگے ہیں تو درختوں کے مالک کے ہوں گے اور اگر یہ بات معلوم نہ ہو اور ان درختوں کا جمانے والا معلوم ہو تو یہ درخت غیر مملوک ہوں گے ان کا مستحق نہ باغ انگور والا ہے اور نہ درختوں کا مالک ہے اور شیخ ابوبکر سے دریافت کیا گیا کہ نہر ماذیانات کے کنارے ایک شخص کی زمین ہے اور نہر مذکور کے کنارے پر درخت لگے ہیں پس مالک زمین نے ان کا فروخت کرنا چاہا تو فرمایا کہ اگر یہ درخت بدون کسی شخص جمانے والے کے اگے اور اہل نہر اس قدر لوگ ہوں جو شمار میں داخل نہیں ہیں تو یہ درخت اس کے ہوں گے جس نے ان کو کاٹ کر لے لیا اور میں پسند نہیں کرتا ہوں کہ مالک زمین بدون قطع کر لینے کے ان کو فروخت کرے اور اگر ان کا جمانے والا کوئی شخص ہو مگر وہ معلوم نہ ہوتا ہو کہ کون ہے تو یہ مثل لقطہ کے ہیں اور بھی شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک قوم کی ایک نہر ایک کوچہ غیر نافذہ میں جاری ہے اور اس نہر کے کنارے درخت لگے ہوئے ہیں اور بعض درخت محلّہ کے میدان میں ہیں پھر ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ ان درختوں کا لگانے والا فلاں شخص ہے اور میں اس کا وارث ہوں تو فرمایا کہ اس پر واجب ہے کہ گواہ لائے اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو ان درختوں میں سے جس قدر درخت حریم نہر پر ہوں وہ اہل نہر کے ہوں گے اور جس قدر میدان محلّہ میں ہوں وہ سب اہل کوچہ کے درمیان مشترک ہوں گے کذا فی المحیط۔

پانچواں باب ☆

متفرقات کے بیان میں

اگر ایک شرب کا مالک مر گیا اور اس پر قرضہ ہے تو اس کا شرب بدون زمین نے اس کے ادائے قرضہ کے واسطے فروخت نہ کیا جائے گا الا اس صورت میں کہ اس کے ساتھ زمین ہو تو زمین کے ساتھ فروخت کر کے اس کا قرضہ ادا کیا جائے گا پھر امام المسلمین خالی اس شرب کو کیا کرے گا تو بعض نے فرمایا کہ ایک حوض بنا کر اس میں باری کا پانی جمع کرے گا پھر جو پانی حوض میں جمع ہوا ہے اس کو کسی قدر ثمن معلومہ کے عوض فروخت کر کے اس کا قرضہ ادا کرتا جائے گا اور اصح یہ ہے کہ زمین مع شرب کی قیمت انداز کرے اور زمین

[1] یعنی حکم قضا، میں یوں حکم دیا جائے گا و براہ دیانت جو اصل حال ہو اس پر دونوں عمل کریں یا اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوگا

بدون شرب کی قیمت انداز کرے پس جس قدر تفاوت ہو اس قدر ثمن دین میت کے ادا کرنے میں صرف کر دے اور اگر اس نے اس قدر ثمن نہ پایا تو اس میت کے ترکہ پر ایک زمین بغیر شرب کے خریدے اور اس زمین کے ساتھ شرب ملا کر فروخت کر دے پس اس کے ثمن سے زمین خرید کردہ شدہ کا ثمن ادا کرے اور جو بچے وہ قرض خواہوں کا ہے یہ کافی میں ہے۔ ب قالی میں ہے کہ اگر زمین مع اس کے شرب کے فروخت کی تو مشتری کو اس شرب میں سے بقدر کفایت ملے گا وہ سب جو بائع کے واسطے تھا نہ ملے گا اور اگر ایسے شرب میں جو بدون زمین کے ہو میراث جاری ہوتی ہے اور شرب کی وصیت جائز ہے مگر تہائی مال سے معتبر ہوگی یعنی اگر یہ شرب وصیت کرنے والے کا تہائی مال متروکہ ہو تو وصیت میں دیا جائے گا اور مشائخ نے تہائی مال سے اعتبار کرنے کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے

بدون شرب کی قیمت انداز کرے پس جس قدر تفاوت ہو اس قدر ثمن دین میت کے ادا کرنے میں صرف کر دے اور اگر اس نے اس قدر ثمن نہ پایا تو اس میت کے ترکہ پر ایک زمین بغیر شرب کے خریدے اور اس زمین کے ساتھ شرب ملا کر فروخت کر دے پس اس کے ثمن سے زمین خرید کردہ شدہ کا ثمن ادا کرے اور جو بچے وہ قرض خواہوں کا ہے یہ کافی میں ہے۔ ب قالی میں ہے کہ اگر زمین مع اس کے شرب کے فروخت کی تو مشتری کو اس شرب میں سے بقدر کفایت ملے گا وہ سب جو بائع کے واسطے تھا نہ ملے گا اور اگر ایسے شرب

بعض نے فرمایا کہ اس کی صورت یہ ہے کہ اس موضع میں جو لوگ آنکنے والے ہیں ان سے دریافت کیا جائے کہ اگر تمام علماء اس امر پر متفق ہو جائیں کہ بدون زمین کے خالی شرب کی بیع جائز ہے تو تم لوگ اس شرب کو کتنے کو خریدو گے پس اگر ان لوگوں نے کہا کہ سو درم کو خریدیں گے تو اس طرح حساب کر لیں کہ یہ اس کا تہائی مال ہے یا زیادہ ہے اور اکثر مشائخ نے یہ طریقہ بیان کیا ہے کہ اس شرب سے جو زمین نہایت قریب ہو اس میں سے ایک جریب زمین اس شرب میں ملا کر اندازہ کریں کہ اس قدر زمین مع شرب کے کتنی قیمت کی ہے اور بدون شرب کے کتنے کی ہے پس جس قدر دونوں میں تفاوت ہو وہی شرب کی قیمت ہے پس حساب کر لیں کہ یہ تہائی ترکہ میت ہے یا نہیں ہے اور اگر ایک نہر ایک قوم کے درمیان مشترک ہو اور ہر ایک کا شرب معلوم ہو پھر والی نے شخص[1] خاص کا شرب غصب کر لیا تو باقی تمام شریکوں میں منقسم ہوگی اور غصب کا اعتبار سب کے حق میں ہو کر تقسیم جدید ہوگی اگرچہ والی نے کہا ہو کہ میں فقط ایک شخص کا شرب غصب کرتا ہوں ایسا ہی یہ مسئلہ اصل میں مذکور ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر امیر خراسان نے ایک شخص کی زمین و شرب ضبط کر کے دوسرے کے نام عطیہ کر دی تو جائز نہیں ہے اور پہلے شخص یا اس کے وارثوں کو واپس دی جائے گی اور میں نے امام ابو یوسفؒ سے دریافت کیا کہ امیر خراسان نے اس نہر اعظم میں ایک شخص کے واسطے شرب مقرر کیا حالانکہ یہ شرب سابق میں نہ تھا یا اس کا شرب دو کوہ[2] تھے پھر اس نے اسی قدر اس شخص کے واسطے اور بڑھا کر اس کے نام عطیہ کر دیا اور اس کا مفتح ایک زمین میں جس کا وہ شخص مالک ہے یا نہیں ہے قرار دیا جائے گا تو فرمایا کہ اگر یہ امر عام لوگوں کے حق میں مضر ہو تو نہیں جائز ہے اور اگر مضر نہ ہو تو جائز ہے بشرطیکہ یہ امر کسی غیر کی ملک میں واقع نہ ہوا ہو اس لیے کہ سلطان کو اس امر کا اختیار ہے کہ جو عام کے فائدہ مند ہو نہ وہ جو عامہ کے حق میں مضر ہو اور اگر ایک شخص نے اپنے پتھروں سے ایک احاطہ فرات میں بنایا اور اس پر پن چکی نصب کی تو میدان فرات میں اس کو ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نے اس سے اس بارہ میں خصومت کی تو اس کو گرا دے اس واسطے کہ موضع فرات میں مثل عام راستہ کے عامہ کا حق ہے اور عام راستہ پر اگر کوئی شخص عمارت بنائے تو ہر شخص کو اس سے مخاصمہ کرنے اور ڈھا دینے کا اختیار ہے اور یہ حکم قضاءً ہے اور فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ یعنی براہ دیانت سو اگر یہ عمارت جو اس نے فرات

1. یعنی ان میں سے ایک خاص شخص کا شرب غصب کر لیا تو یہ خصوصیت لغو ہوگی گویا اس نے نہر میں اس قدر حق نکال لیا تو باقی میں سب مشترک رہے ۱۲
2. دو کوہ یعنی دو جگہ سے دو نل کھول کر جس قدر پانی دن بھر یا دو پہر تک مثلاً آئے

میں بنائی ہے کشتی یا پانی کے مجری کو مضر ہو تو اس کو روا نہیں ہے اور وہ گنہگار ہوگا اور اگر کسی بات کو مضر نہ ہو تو اس کو اس سے نفع حاصل کرنا روا ہے جیسا کہ عام راستہ پر عمارت بنانے کا حکم ہے کہ اگر آنے جانے والوں کو ضرر پہنچتا ہو تو وہ گنہگار ہوگا اور اگر ان کو ضرر نہ پہنچتا ہو تو اس کو اس سے نفع اٹھانے کی گنجائش ہے اور اگر کسی مسلمان یا ذمی نے اس سے مخاصمہ کیا تو قضاء اس پر حکم جاری کیا جائے گا کہ اس کو منہدم کر دے اسی طرح اگر مکاتبوں یا عورتوں میں سے کسی نے جھگڑا کیا تو بھی یہی حکم ہے اور رہا غلام سو اس معاملہ میں خصومت نہیں کر سکتا ہے اور نابالغ بھی تابع ہے بمنزلہ غلام کے وہ بھی خصومت نہیں کر سکتا ہے اور مغلوب العقل و معتوہ بھی ایسا ہی ہے لیکن اُس کی طرف سے اُس کا باپ یا وصی پدر خصومت کر سکتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے نہر عام پر بدون اجازت امام المسلمین کے یا نہر خاص پر بدون اجازت شریکوں کے پل باندھا اور مضبوطی سے باندھا کہ برابر اُس پر آدمی و جانور آتے جاتے تھے پھر وہ ٹوٹ گیا یا ڈھل گیا اور اُس سے کوئی آدمی یا جانور تلف ہو گیا تو ضامن ہوگا اور اگر ایسے شکستہ پل پر دیکھ بھال کر عمداً کوئی آدمی گذرا یا عمداً اُس نے اپنا چوپایہ اُس پر سے ہانکا مر جانے کی صورت میں پل بنانے والا ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

منتقی میں ہے کہ ہشامؒ نے فرمایا کہ میں نے امام محمدؒ سے دریافت کیا کہ ایک گاؤں میں ایک نہر جاری ہے اور اس گاؤں والوں کو اس نہر سے خود پانی پینے و اپنے چوپاؤں کو پلانے کا استحقاق حاصل ہے اور اُس پر اُن کے درخت لگے ہیں لیکن ان لوگوں کا کوئی حق اصل نہر میں نہیں ہے پھر اگر اہل نہر نے اس گاؤں سے اپنی نہر کی تحویل چاہی حالانکہ اس میں اہل دیہ کی خرابی ہے تو فرمایا کہ اہل نہر کو یہ اختیار ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ ایک شخص کی کاریز خالصہ ہے اس پر ایک قوم کے درخت ہیں پھر کاریز کے مالک نے چاہا کہ اپنی کاریز اس نہر سے تحویل کر کے دوسری جگہ کھود دے تو فرمایا کہ اُس کو یہ اختیار نہیں ہے اور اگر کاریز والے نے اُس کو فروخت کرنا چاہا تو درختوں کا مالک اُس کا شفیع جوار ہوگا یہ محیط میں ہے ہشامؒ سے روایت ہے کہ میں نے امام ابو یوسفؒ سے کہا کہ ایک نہر ایک قوم میں مشترک ہے ان سب نے سوائے ایک شریک کے ایک شخص کو اجازت دے دی کہ اپنی زمین سینچ لے مگر ایک نے اجازت نہ دی یا شریکوں میں ایک نابالغ لڑکا ہے تو فرمایا کہ اُس شخص کو روا نہیں ہے کہ جب تک سب کے سب اجازت نہ دیں تب تک اپنی زمین سینچے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اور اگر ایک قوم نے باہم اتفاق سے مشترک نہر اس شرط سے کھودی کہ نہر مذکور اُن میں بقدر ہر ایک کے مساحت اراضی کے مشترک ہو اور خرچہ بھی ہر ایک پر اسی حساب سے پڑے پھر اُن لوگوں نے ایک شخص سے جس قدر اُس پر لازم آیا تھا اس سے زیادہ خرچہ غلطی سے وصول کیا تو بقدر زیادتی کے وہ شخص ان لوگوں سے واپس لے گا اور اگر غلطی سے جس قدر اُس پر لازم آیا تھا اس سے کم وصول کیا تو جس قدر رہا باقی رہا وہ بھی یہ لوگ اُس سے لے سکتے ہیں یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر صاحب کاریز صاحب دار نے اس شرط سے صلح قرار پائی ہو یہ غیاثیہ میں ہے۔ ایک نہر ایک قوم میں مشترک ہے اُنہوں نے اس امر پر باہمی صلح ٹھہرائی کہ ہر ایک کے واسطے شرب تقسیم کر دیں اور اُس میں سے ایک شخص غائب ہے پھر وہ آیا پس اگر ان لوگوں نے اس کا حق پورا نہ دیا ہو تو اُس کو اختیار ہوگا کہ اپنا حق پورا کرنے کے واسطے تقسیم کو توڑ دے اور اگر اُس کا حق پورا دے دیا ہو تو اُس کو تقسیم توڑنے کا اختیار نہیں ہے اس واسطے کہ تقسیم توڑنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور یہ حکم برخلاف تقسیم دور و اراضی کے ہے کہ اگر شریکوں میں سے کوئی غائب ہو اور غائب کی طرف سے کوئی خصم حاضر نہ ہو تو جب وہ حاضر ہو اور راضی نہ ہو تو اُس کو باقی شریکوں کی تقسیم توڑ دینے کا اختیار ہے اُن لوگوں نے اُس کا پورا حق دے دیا۔ ایک نہر کبیر ہے دوسری صغیر ہے ان دونوں کے بیچ میں سمناۃ یعنی بند آب ہے اور بند آب کی اصلاح کی ضرورت ہوئی تو اس کی اصلاح دونوں نہروں پر ہوگی اور خرچہ دونوں پر آدھا آدھا پڑے گا اگر یہ سب دونوں نہروں کا حریم ہو اور کمی و بیشی پانی کا اعتبار نہیں ہے جیسے ایک دیوار دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک کا لدان بہ نسبت دوسرے کے اس دیوار پر زائد ہو

اور دو یا ر مذکور کی درستی کی ضرورت ہوئی تو جو کچھ خرچہ ہو وہ دونوں پر برابر تقسیم ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک نہر کبیر میں سے دوسری نہر صغیر نکلی ہے پھر نہر صغیر کا دہانہ خراب ہو گیا اور یہ حاجت ہوئی کہ پختہ اینٹوں سے گچکاری کرا کے اُس کا دہانہ مضبوط بنایا جائے تو یہ سب خرچہ نہر صغیر کے مالک پر ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ کسی شخص نے بطور معین ایک کوچہ کی نہر کی مرمت کے واسطے وقف کیا اور یہ نہر ایک دریہ سے گرنا شروع تھی اُس سے اوپر ایک محلہ اور تھا جس میں دو نہر بہتی ہوئی پھر اس سے اوپر اس محلہ موقوف علیہا[1] میں وہ نہر جاری تھی اور اسی کوچہ کی نہر کی مرمت کے واسطے وقف کرنے والے نے وقف کیا ہے پس نہر مذکور اس کوچہ تک مرمت کر دی گئی پھر لوگوں نے چاہا کہ آگے بھی اسی وقف کے حاصلات سے نہر مذکور کی مرمت کریں تو جہاں تک اس کوچہ میں بہتی ہے جس کے واسطے وقف کرنے والے نے وقف کیا ہے اس سے زیادہ اس وقف سے مرمت نہ کی جائے گی اور اگر یہ نہر ایک بڑی نہر سے جاری ہو کر ایک میدان میں بہتی ہے جہاں کوئی اہل شفعہ[2] میں سے مستحق نہیں ہے پھر اُس میدان سے رواں ہو کر اس کوچہ میں آتی ہو جہاں کی مرمت کے واسطے وقف کرنے والے نے وقف کیا ہے تو یہ نہر اوپر سے برابر یہاں تک کہ جہاں تک کے واسطے وقف کرنے والے نے وقف کیا ہے مرمت کی جائے گی یہاں تک کہ اس کوچہ کی حد سے تجاوز کر جائے اور ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں نہر مذکور دو کوچوں کی طرف منسوب ہے اور دوسری صورت میں بیچ میں کوئی کوچہ نہیں ہے جس کی طرف نہر منسوب ہو پس نہر مذکور ابتدا سے اس کوچہ کی انتہا تک جس کے واسطے وقف کرنے والے نے وقف کیا ہے اس کوچہ کی طرف منسوب ہوگی۔ اسی طرح اگر نہر مذکور کے اُگارنے کی ضرورت ہو تو اس وقف کے حاصلات سے نہ اُگاری جائے گی اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ اگر در صورت نہ اُگارے جانے کے نہر مذکور کے مسناۃ یعنی بند آب کے خراب ہو جانے کا خوف ہو تو حاصلات وقف مذکور سے اُگارنا[3] جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ شیخ ابوالقاسم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کی زمین میں مجری یعنی نہر ہے پھر اہل نہر نے اپنی نہر کو صاف کر کے اُس کی مٹی کوڑا اس کی زمین میں ڈالا پس آیا اس شخص کو اختیار ہے کہ ان لوگوں سے یہ خاک کوڑا اپنی زمین سے دور کرانے کا مواخذہ کرے تو فرمایا کہ اگر انہوں نے حریم نہر پر ڈالنے کا قصد کیا ہے جس قدر حریم سے تجاوز کر کے اس کی زمین میں آ گیا ہے اُس کے دور کرانے کا مواخذہ کر سکتا ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک نے اپنی دیوار میں سے نصف دیوار فروخت کر دی پھر مشتری نے چاہا کہ اپنی نصف دیوار سے نہر عام کی طرف ایک دروازہ پھوڑے پس جب اُس نے اپنی ملک میں ایسا کرنا چاہا اور عام لوگوں کو اس سے ضرر نہ پہنچتا ہو تو اس کو اختیار ہے اور اگر عام لوگوں کو مضرت پہنچتی ہو تو مثلاً نہر ٹوٹی جاتی ہو تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرا حصہ شرب مساکین کو صدقہ دے دیا جائے تو یہ باطل ہے اس واسطے کہ مساکین کو طعام کی ضرورت ہے ایسے پانی کی جس سے زمین سینچی جائے کچھ ضرورت نہیں ہے کہ شرب کی احتیاج اُسی کو ہوتی ہے جس کے پاس زمین ہو اور مساکین کے پاس یہ نہیں ہے اور شرب کا کچھ بدل نہیں ہے جو شرب کے عوض مساکین کو تقسیم کر دیا جائے کیونکہ وہ بیع اجارہ کے قابل نہیں ہے۔ پس وصیت باطل ہوئی اور اگر یہ وصیت کی کہ فلاں مسکین معین کو اس کی زندگی میں پانی دیا جائے تو یہ جائز ہے باعتبار اس کے معین[4] ہونے کے یہ مبسوط میں ہے اور اگر وصیت کی کہ میرا حصہ شرب فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے تو یہ باطل ہے اس واسطے کہ جس کی تملیک کا وہ حالت زندگی میں اختیار نہیں رکھتا ہے اس کی تملیک کا بعد وفات کے بھی جواز نہیں ہے اور اگر یوں

---

[1] موقوف علیہا یعنی اس نہر پر وقف کیا گیا ہے ۱۲ [2] اہل شفعہ صرف پانی پینے و جانور کو پلانے والے یعنی ان کو زمین سینچنے کا حق نہیں ہے ۱۲
[3] اُگارنا یعنی مزدوری وقف سے یہ کام لینا ۱۲ [4] معین یعنی فقط اس وجہ سے جائز ہے کہ وہ معین ہے بخلاف غیر معین کے کہ اس میں محتاجی کے معنی ملحوظ ہیں ۱۲

وصیت کی کہ میرے حصہ شرب سے فلاں شخص کی زمین اتنے برس تک سینچی جائے تو اس کے تہائی مال سے یہ وصیت جائز ہے کیونکہ اگر وہ ہمیشہ کے واسطے اس طرح اس کو پانی دینے کی وصیت کرتا تو جائز ہوتا پس جب اس نے موقت یعنی کسی زمانہ معین تک ایسی وصیت کی تو بھی جائز ہے اور اگر وہ شخص جس کے حق میں وصیت ہے اس میعاد سے پہلے مر گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اس واسطے کہ شرب اگرچہ حقیقۃً عین ہے لیکن معنی منفعت ہے کہ وہ زمین کی تابع ہے جیسے اور ضائع اور جو منافع کی وصیت ہوتی ہے وہ موصی لہٗ[۱] کے مرنے سے باطل ہو جاتی ہے اور اگر کسی کے واسطے شرب کی مطلقاً وصیت کی اس کے واسطے کوئی وقت مقرر نہ کیا پھر جس کے واسطے شرب کی وصیت تھی وہ مر گیا پس آیا وصیت باطل ہو گی یا نہیں سو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے فقیہ ابوجعفرؒ نے فرمایا کہ وصیت باطل نہ ہو گی اور شرب مذکور موصی لہ کے وارثوں کو ملے گا اور یہی اصح ہے اور اگر کسی نے تعلیقاً کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو یہ شرب مساکین کے واسطے صدقہ ہے تو یہ باطل ہے اور اگر کسی نے اپنی تہائی شرب کی بدون زمین کے فی سبیل اللہ تعالیٰ یا حج یا غلام کے آزاد کرانے یا فقیروں کے واسطے وصیت کی تو یہ باطل ہے اس واسطے کہ یہ وصیت بیع شرب کی وصیت ہے اس واسطے کہ حج کرانا یا مملوک کی گردن آزاد کرانا عین شرب سے ممکن نہیں ہے اور یہ امر شرب کے ثمن سے ہو سکتا ہے اور بدون زمین کے شرب کے بیع کی وصیت کرنا باطل ہے اور فقیروں کے واسطے شرب کی وصیت کرنا ان کو صدقہ دینے کی وصیت ہے اور بدون زمین کی شرب کے صدقہ کرنے کی وصیت جائز نہیں ہے اور اگر نہر میں سے اپنے تہائی حق کی وصیت کی تو فی سبیل اللہ و حج کرانے وغیرہ سب باتوں میں جو مذکور ہوئی ہیں جائز[۳] ہے اس واسطے کہ یہ تہائی رقبہ نہر کے صدقہ کرنے کی وصیت ہے پس جائز ہے اور شرب اس میں بعاً داخل ہو گیا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر خالی شرب پر بدون زمین کے کسی عورت سے نکاح کیا تو نکاح جائز ہے اور عورت مذکور کو شرب میں سے کچھ نہ ملے گا مگر اس کا مہر مثل واجب ہو گا یہ کافی میں ہے۔

ایک شخص کے دار میں ایک نہر ہے جس کے پانی سے پڑوسی کی دہلیز کو کھلا ضرر پہنچتا ہے ...... ☆

اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے شرب پر بدون زمین کے خلع کیا تو یہ باطل ہے اور شوہر کو شرب میں سے کچھ نہ ملے گا لیکن خلع صحیح ہے اور عورت پر واجب ہو گا کہ وہ مہر جو اس نے لیا ہے واپس کر دے اور شرب کے دعویٰ سے اگر صلح کی تو باطل ہے پس اگر اس شرب سے اس نے مدت دراز تک زمین سینچی ہو تو اس پر کچھ ضمان لازم نہ ہو گی اور اگر شرب پر قصاص قتل نفس سے یا جان کے تلف سے کم یعنی جراحت سے جس میں قصاص ہے صلح کی تو صلح باطل ہے اور عفو جو جائز ہے اور قاتل پر یا جرح (۱) کرنے والے پر دیت اور ارش جراحت واجب ہو گا یہ مبسوط میں ہے۔ ایک عورت کے پاس نو جریب زمین ہے۔ پس سیل نے اس اراضی کی نہر خراب کر دی اور عورت مذکور نے ایک قوم کو اس نہر کی درستی کے واسطے بدین شرط اجارہ لیا کہ میں تم کو زمین میں سے تین جریب زمین دوں گی پس ان لوگوں نے نہر مذکور کو درست کیا تو شیخ علی بن احمد سے مروی ہے کہ شیخ موصوف نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یہ اجارہ جائز ہو اور عورت مذکور کو یہ اختیار نہیں ہے کہ تین جریب زمین دینے سے انکار کرے اور شیخ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ یہ جواب صاحبین کے قول کے موافق ہے اور بقیاس قول امام اعظمؒ کے نہیں جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اس واسطے کہ تین جریب مجہول ہیں پس علی ہذا اگر عورت مذکور نے اجارہ پر مقرر کرنے کے وقت اراضی مذکورہ سے تین جریب زمین معین کر دی ہو تو بالا اجماع اجارہ جائز ہو گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص کا پانی کا مجری[۲] دوسرے کے دار میں ہے پھر مجری خراب ہو گیا اور مالک دار نے مالک مجری سے اصلاح مجری کا

---

۱ موصی لہ جس کے واسطے وصیت کی جائے ۱۲ ۳ خلاصہ یہ کہ نہر مع پانی کے وصیت ممکن ہے اور فقط پانی دینا غیر ممکن ہے ۱۲

۲ مجری جہاں سے پانی جاری ہو جیسے پرنالہ و موری و نالی وغیرہ ۱۲ (۱) مثلاً ہاتھ کاٹ ڈالا ہے ۱۲

مواخذہ کیا تو صاحب مجری اپنے مجری کی اصلاح پر مجبور نہ کیا جائے گا اور یہ ایسا ہے کہ جیسے ایک شخص کا مجری دوسرے کی چھت پر ہے پھر چھت خراب ہو گئی تو چھت کے مالک کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ صاحب مجریٰ سے اپنی چھت کی درستی کا مواخذہ کرے پھر اگر نہر (۱) صاحب مجری کی ملک ہو تو وہ اس کی درستی کے واسطے ماخوذ ہو گا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ نہر کی درستی مالک مجری کے ذمہ ہے اور یہ مثل چھت کے نہیں ہے اس واسطے کہ پانی جو نہر میں جاری ہوتا ہے وہ اس کی ملک ہے پس وہ اس نہر کو اپنی ملک سے استعمال کرتا ہے پس اس کی اصلاح اُسی کے ذمہ ہو گی اور اسی کو فقیہ ابو اللیثؒ نے اختیار کیا ہے اور ہمارے استاد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فتویٰ قول اوّل پر ہے اس واسطے کہ صاحب ملک پر اپنی ملک کی درستی لازم ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ ایک شخص کے دار میں ایک نہر ہے جس کے پانی سے پڑوسی کی دہلیز کو کھلا ضرر پہنچتا ہے پھر دہلیز سے ایک عورت کے دار تک پہنچتا ہے اور اس میں ضرر فاحش ہے پس اگر نہر مذکور کسی شخص کی ملک نہ ہو صرف نہر کا مجری اس شخص کے دار میں ہے اور پانی میں اہل شفہ یعنی پینے والوں و جانوروں کو پلانے والوں کا استحقاق ہے تو جس جس کو اس نہر سے مضرت پہنچتی ہو اس پر اس نہر کی اصلاح اور اپنے اوپر سے ضرر دور کرنا لازم ہے ایسا ہی حکم فقیہ ابوبکر الاعمش سے مروی ہے اور شیخ ابوالقاسم سے روایت ہے کہ اس نہر کی درستی اہل مجری پر لازم ہے اور اسی کو فقیہ ابو اللیثؒ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر دو داروں میں سے ہر دار کا علیحدہ مالک ہو اور ہر واحد نے اپنا دار ایک شخص غیر کے ہاتھ مع اس کے حقوق کے فروخت کیا تو دار اوّل کے مشتری کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ دوسرے دار کے مشتری کو اپنی چھت پر پانی بہنے سے منع کرے اسی طرح اگر دو حائط یعنی چار دیواری کے باغ وغیرہ ہوں اور دوسرے حائط کا مجری پہلے حائط میں ہو تو اس میں بھی ایسا ہی حکم ہے یہ غیاثیہ میں ہے فتاویٰ اہل سمر قند میں لکھا ہے کہ ایک شخص کے پانی کی نالی یعنی مع رقبہ کے دوسرے کے دار میں ہے پھر مالک دار نے اپنا دار مع اس نالی کے فروخت کیا اور نالی کا مالک بیع پر راضی ہو گیا تو وہ ثمن میں بقدر حصہ نالی کے شریک ہو گا اور اگر اس کا فقط مجری ہو یعنی پانی بہانے کا استحقاق ہو نالی کا رقبہ نہ ہو تو اس کو ثمن میں سے کچھ نہ ملے گا اور اصل کی کتاب الشرب میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شرب کے واسطے حصہ ثمن ہوتا ہے چنانچہ کتاب الاصل میں یوں فرمایا کہ دو گواہوں میں سے ایک نے یوں گواہی دی کہ مدعی نے فقط زمین ہزار درم میں خریدی ہے اور دوسرے گواہ نے یوں گواہی دی کہ اس نے زمین کو مع شرب کے ہزار درم میں خریدا ہے تو گواہی مقبول نہ ہو گی اس واسطے کہ جس گواہ نے زمین مع شرب خریدنے کی گواہی دی ہے اس نے بعض ثمن کو بمقابلہ شرب کے قرار دیا ہے پس اس روایت سے ہمارے بعض مشائخؒ نے یہ گمان کیا کہ جو کچھ فتاویٰ اہل سمر قند میں لکھا ہے وہ خطا ہے حالانکہ جیسا انہوں نے گمان کیا ہے ویسا نہیں ہے اس واسطے کہ کتاب الشرب کے مسئلہ کا موضوع یہ ہے کہ زمین و شرب کا مالک ایک ہی شخص ہے اور یہ کہ زمین مع شرب کے فروخت کی گئی ہے اور جب شرب مع زمین کے فروخت کیا جائے تو شرب کے واسطے ثمن میں سے حصہ ہوتا ہے اور اس مسئلہ کا موضوع یہ ہے کہ شرب مالک رقبہ کے سوائے غیر شخص کا ہے پس شرب کی بیع صاحب شرب کے حق میں تنہا شرب کی بیع ہوئی اور جب تنہا شرب فروخت کیا جائے تو شرب کے واسطے ثمن سے کچھ حصہ نہیں ہوتا ہے اور اگر مالک دار نے اپنا دار فروخت نہ کیا لیکن مالک مسیل نے یہ کہا کہ میں نے اپنا حق جو مسیل میں ہے باطل کر دیا پس اگر اس کو پانی بہانے کا حق حاصل ہو رقبہ اس کی ملک نہ ہو تو اس کا حق باطل ہو جائے گا اور اگر رقبہ اس کی ملک ہو تو اس کا حق باطل نہ ہو گا اس واسطے کہ اعیان میں جو ملک ثابت ہو وہ بطلان[1]

[1] بطلان یعنی عین میں جب کسی کی ملک ہو اس ملکیت کو مٹانا ممکن نہیں ہے بخلاف حق سے کہ وہ فقط معنی ہیں پس عین کی ملکیت ہی فروخت وغیرہ سے جاتی ہے ۱۲ (۱) یعنی رقبہ نہر ۱۲

قبول نہیں کرتی ہے یہ محیط میں ہے۔ عیون میں لکھا ہے کہ ایک نہر دو شخصوں میں مشترک ہے اور دونوں نے چاہا کہ ہم میں سے ایک شخص ایک روز اپنے واسطے اس کو جاری کرے اور دوسرا دوسرے روز جاری کرے تو یہ جائز ہے اس واسطے کہ یہ امر دونوں کے حق میں نافع ہے اور ان دونوں کے سوائے کسی غیر کے حق میں مضر نہیں ہے اور اگر دونوں میں ہر شخص کے واسطے ایک نہر خاص ہو اور دونوں نے باہم اس بات پر قرارداد کی کہ ہم میں سے یہ شخص دوسرے کی نہر سے سینچے اور دوسرا شخص اس کی نہر سے سینچے تو نہیں جائز ہے جیسے مکان سکونت کا ارادہ اس طرح لینا ناجائز ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ بیع ہے اور شرب کی بیع جائز نہیں ہے۔ کذا فی الذخیرہ۔

کتاب الاشربہ

اس میں دو ابواب ہیں

باب اوّل☆

اشربہ کی تفسیر وان اعیان کے بیان میں جن سے اشربہ بنائے جاتے ہیں اشربہ کے نام و ماہیات واحکام کے بیان میں

قال المترجم:

اشربہ جمع شراب لغت میں ونیز اصطلاح طلب میں جو چیز پی جاتی ہے مگر شرع میں یہ لفظ باصطلاح خاص اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ کتاب میں اس کی تفسیر یوں فرمائی کہ شراب کا لفظ پینے کی ایسی چیز پر اطلاق کیا جاتا ہے جو حرام ہے اور شرابوں کے نام بارہ ہیں جس میں سے سات انگور سے بنائی جاتی ہیں یعنی خمر و باذق طلا، منصف بختج و جمہوری وحمیدی اور دو مویز سے بنتی ہیں یعنی نقیع ونبیذ اور تین چھوہارے سے بنتی ہیں یعنی سکر، فضیخ، نبیذ۔ اوران کی ماہیات کا بیان یوں ہے کہ جو شرابیں انگور سے بنتی ہیں سو ان میں سے اوّل خمر کی یہ ماہیت ہے کہ وہ آب انگور خام کہ جوش آ جانے واشتداد پیدا ہو کر جھاگ اُٹھنے اور پھر جوش سے بیٹھ جانے کے بعد خمر کہلاتا ہے یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جوش آنے واشتداد ہونے کے بعد وہ خمر ہے اگرچہ جھاگ نہ اُٹھیں دوم باذق وہ پختہ آب انگور ہے کہ دو تہائی سے کم پکایا جائے خواہ ایک تہائی پکے یا نصف یا خفیف جوش دیا جائے مگر ایسا ہو جائے کہ اس کے پینے سے نشہ ہو اور جوش سے بیٹھ جائے سوم طلاء یعنی مثلث وہ آب انگور ہے کہ پکایا جائے یہاں تک کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے پھر مسکر ہو جائے چہارم منصف یعنی آب انگور کہ پکانے میں نصف جل جائے اور نصف باقی رہ جائے اور پنجم بختج یعنی طلاء مثلث میں پانی ڈال دیا جائے کہ وہ رقیق ہو جائے اور چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس میں اشتداد آ جائے اور اس کو شرب ابو[1] یوسفی بھی کہتے ہیں اس وجہ سے کہ امام ابو یوسف اس کو اکثر استعمال کرتے تھے ششم جمہوری یعنی آب انگور خام جس میں پانی ملا دیا جائے کہ ایک تہائی جل جائے اور دو تہائی باقی (۱) رہے۔ اور جو شراب مویز سے بنائی جاتی ہے اور وہ دو طرح کی ہے ایک نقیع سو اس کی ماہیت یہ ہے کہ مویز کو پانی میں بھگویا جائے یہاں تک کہ اس کی شیرینی پانی میں آ جائے پھر اس میں اشتداد و جوش آئے اور جھاگ اُٹھیں تب وہ نقیع ہے دوم نبیذ یعنی آب مویز خام جو پکایا جائے اور جو شراب چھوہارے سے بنائی جاتی ہے اور وہ تین طرح کی ہوتی ہے ایک اسکر یعنی خام آب تمر جب کہ اس میں جوش واشتداد آ جائے تو وہ سکر ہے[2] اور اسی پر اکثر اہل لغت کا فتویٰ ہے دوم فضیخ یعنی خام آب تمر مذنب جب اس میں جوش واشتداد آ جائے اور جھاگ اُٹھیں سوم نبیذ یعنی خام آب تمر جب کہ خفیف جوش دیا جائے و اس میں اوبال واشتداد آ

[1] قال واکثروں نے یہ وجہ لکھی ہے کہ امام ابو یوسف نے اس کو ہارون رشید کے واسطے بنوادیا تھا اور وہی قول اقرب ہے ۱۲ [2] قال المترجم ہمارے عرف میں تاڑی جو مشہور ہے اسی سکر کے حکم میں داخل ہے و عندی کا نبیذ فافہم واللہ اعلم ۱۲ (۱) یہاں حمیدی کا بیان اصل میں نہیں ہے ۱۲

جائے اور جھاگ اُٹھے تو نبیذ ہے۔ اسی طرح نبیذ اس کو بھی کہتے ہیں کہ جس پانی میں چھوہارے بھگوئے جائیں اور اس میں شیرینی نکل آئے اور جوش واشتداد آکر جھاگ اُٹھیں اوران اشربہ کے احکام پانچ وجہ پر ہیں ایک وجہ میں بالا اجماع حلال ہے اور ایک وجہ میں بالا جماع حرام ہے اور ایک وجہ میں عامۂ علماء کے نزدیک حرام ہے اور ایک وجہ میں ہمارے نزدیک حلال ہے مگر بعض لوگوں نے خلاف کیا ہے اور ایک وجہ میں حلال ہے مگر امام محمدؒ نے خلاف کیا ہے سو جو بالا اجماع ہے حلال ہے وہ شراب شیرین ہے جس میں اشتداد نہ آیا ہو اور جو بالا اجماع حرام ہے وہ خمر وسکر ہے جس میں سے ہو۔ اور خمر کے واسطے چھ حکام ہیں ایک یہ ہے کہ خمر میں سے تھوڑا پینا و بہت پینا سب حرام ہے اور اس سے دوا وغیرہ کے طور پر انتفاع بھی حرام ہے دوم یہ کہ اس کی حرمت کا منکر کافر ہے سوم یہ کہ جس طور پر لوگ متاع حاصل کرتے ہیں مثل بیع و ہبہ وغیرہ کے خمر کا مالک ہونا یا دوسرے کو مالک کرنا حرام ہے چہارم یہ کہ خمر کا تقوم[1] باطل ہو گیا ہے حتیٰ کہ خمر کا تلف کرنے والا ضامن نہ ہوگا کذا فی محیط السرخسی لیکن مشائخ کے اس کی مالیت ساقط ہو جانے میں اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ مال ہے اس واسطے کہ اس میں حرص وبخل جاری ہے یہ کافی میں ہے۔ اور پنجم یہ کہ خمر مثل پیشاب وخون کے نجس غلیظ ہے اور ششم یہ کہ اس کے تھوڑا یا بہت پینے سے حد شرعی واجب ہوتی ہے اور شراب کو سرکہ کر ڈالنا مباح ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور پکانا اس میں کچھ مؤثر نہیں ہے اس واسطے کہ پکانا شرع میں اس غرض سے ہوتا ہے کہ حرمت ثابت ہونے سے مانع ہو اور اس غرض سے نہیں ہے کہ حرمت ثابت ہونے کے بعد پکانے سے باطل ہو جائے اس لئے کہ پکانے کا اثر صفت نشہ کو زائل کرتا ہے اور جب وہ خمر ہو گئی ہے تو پھر مؤثر نہ ہوگا پھر بعض نے فرمایا کہ ایسی خمر میں جب تک نشہ نہ آئے تب تک حد نہ ماری جائے گی اس واسطے کہ قلیل خمر سے حد واجب ہونا خام آب انگور کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ خام نہیں رہی بلکہ پختہ ہو گئی اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ ایسی خمر کے پینے میں بھی حد واجب ہوگی خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو یہ کافی میں ہے۔

اگر شراب سرکہ ہو گئی اور اس میں کچھ ترشی آ گئی لیکن اس میں کچھ تلخی بھی ہے تو وہ امام اعظمؒ کے نزدیک سرکہ نہ ہوگی یہاں تک کہ بالکل اس کی تلخی جاتی رہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تھوڑی ترشی آ جانے سے بھی حلال ہو جاتی ہے اور یہ اس وقت ہے کہ شراب خود بخود سرکہ ہو گئی ہو اور اگر آدمی نے اس کو نمک وغیرہ کے ذریعہ سے سرکہ کر ڈالا ہو تو ایسی صورت میں بالا جماع سب کے نزدیک حلال ہو جائے گی یہ شرح طحاوی میں ہے۔ اور شرح شافی میں ہے کہ اگر سرکہ شراب میں ڈال دیا گیا تو اس کا کھانا روا ہے خواہ شراب غالب ہو یا سرکہ غالب ہو مگر اس میں ترشی آ گئی ہو اور بقیاس قول امام ابو یوسفؒ کے اگر شراب غالب ہو تو یہی حکم ہے اور اگر سرکہ غالب ہو تو مجموع النوازل میں مذکور ہے کہ اسی وقت حلال نہ ہوگی جب تک اتنی دیر نہ گذرے کہ جس میں یہ گمان ہو جائے کہ شراب سرکہ ہو گئی ہے یہ خلاصہ میں ہے و امام محمدؒ نے اصل میں فرمایا کہ اگر شراب خمر میں گل سوسن خوشبودار ڈالے گئے حتیٰ کہ شراب میں اس کی خوشبو آ گئی تو اس شراب سے تدہین وتطییب نہ چاہئے اور نہ اس کی بیع میں ہے اگرچہ سوسن ڈال دینے سے اس کی بو متغیر ہو گئی ہے اس واسطے کہ یہ شراب سرکہ نہیں ہوئی اور شراب جب تک سرکہ نہ ہو جائے تب تک اس سے انتفاع جائز نہیں ہے اور کوئی عورت ایسی شراب سے کنگھی نہ کرے یہ بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے بالوں کی چمک زیادہ ہو جاتی ہے اور ایسی شراب سے اپنے بدن کی کسی جراحت کی دوا نہیں کر سکتا ہے اور اپنے چوپایہ کی پیٹھ لگی ہوئی کی بھی اس شراب سے دوا نہیں کر سکتا ہے اور نہ ایسی شراب سے حقنہ لے سکتا ہے اور نہ احلیل میں ٹپکا سکتا ہے یہ محیط میں ہے اور شراب خمر سے مٹی کا گارہ کرنا اور چوپاؤں کو پلانا مکروہ ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر اپنا سواری کا جانور شراب کی طرف بڑھا لے گیا تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر شراب کو اُٹھا کر جانور مذکور کی

[1] یعنی تقوم تو باطل ہے مگر فی نفسہ قیمت دار ہے یا نہیں ۱۲

طرف لایا تو مکروہ ہے اور ایسا ہی حکم مشائخ نے ایسے شخص کے حق میں دیا ہے جو شراب کو سرکہ کرنا چاہتا ہے کہ اس کو چاہئے کہ سرکہ کو شراب کی طرف اُٹھالے جا کر اس میں ڈال دے اور اگر شراب کو اُٹھا کر سرکہ کے پاس لایا تو مکروہ ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اس واسطے کہ شراب کا اُٹھانا جبھی مکروہ ہے کہ پینے کے واسطے اُٹھالے جائے اور اگر پینے کے واسطے ایسا نہ کرے تو مضائقہ نہیں ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر اس نے شراب کو سرکہ کرنے کے واسطے دھوپ سے سایہ میں اور سایہ سے دھوپ میں اُٹھا کر رکھا تو مکروہ نہیں ہے حالانکہ اس صورت میں شراب کا اُٹھانا متحقق ہوا ہے شیخؒ فرماتے ہیں کہ قول اول[1] ہی صحیح ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور خمر شراب کسی نابالغ و ذمی کو نہ پلائے اور جس نے پلایا گناہ اسی پر ہوگا یہ غیاثیہ میں ہے اور خمر کو بطور سرمہ آنکھ میں لگانا یا خمر کی ناس لینا مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر خمر سے آٹا گوندھا اور اس کی روٹی پکائی تو وہ نہ کھائی جائے گی اور اگر کسی نے کھائی تو اس کو حد نہ ماری جائے گی اسی طرح اگر گیہوں خمر میں گر پڑے تو دھونے سے پہلے نہ کھائے جائیں گے پھر اگر دھوئے گئے خواہ پیسے گئے یا نہ پیسے گئے اور اس میں خمر کی بو و مزہ نہ پایا گیا تو اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب یہ گیہوں خمر کے اندر پھول نہ گئے ہوں اور اگر پھول گئے تو امام محمدؒ کے قول پر ہمیشہ کے واسطے ناپاک رہے کبھی پاک نہ ہوں گے اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر تین بار دھوئے جائیں اور ہر بار خشک کئے جائیں پھر کھائے جائیں۔ علیٰ ہذا اگر خمر میں گوشت پکایا گیا تو امام محمدؒ کے قول پر ہمیشہ کے واسطے اس کا کھانا حلال نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر تین بار پاک پانی میں جوش دیا جائے اور ہر بار ٹھنڈا کر لیا جائے پھر کھایا جائے یہ محیط میں ہے۔

اگر شوربے میں سرکہ کی جگہ خمر ڈال دی اور شوربا پکایا گیا تو نہ کھایا جائے گا اس واسطے کہ یہ شوربا نجس ہے اور اگر اس میں سے کوئی گھونٹ پی لیا تو حد نہ ماری جائے گی جب تک نشہ نہ آئے اور اگر مچھلی یا نمک یا سرکہ میں خمر ڈالی گئی اور مربی کیا گیا حتیٰ کہ ترش ہو گیا تو اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے یہ مسئلہ اصل میں بدون تفصیل کے مذکور ہے۔ امام ابو یوسفؒ اسے اس مسئلہ میں تفصیل مروی ہے یعنی امام ابو یوسفؒ فرماتے تھے کہ اگر مچھلی یا نمک بہ نسبت خمر کے کم ہو تو ترش ہونے کے وقت پاک ہو جائے گا اور اس کا کھانا حلال ہوگا اور اگر مچھلی یا نمک غالب یعنی زیادہ ہو تو پاک نہ ہوگا اور اس کا کھانا حلال نہ ہوگا اگرچہ ترش ہو جائے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر خمر کے مٹکے میں ایک چوہا گر کر مر گیا پھر چوہا نکال کر پھینک دیا گیا پھر وہ خمر سرکہ ہو گئی تو پاک[2] ہو جائے گی اور اگر چوہا اس میں سڑ کر پھوٹ گیا ہو تو سرکہ نجس ہوگا اس واسطے کہ جس قدر اس میں چوہے کے اجزاء ہیں وہ سرکہ نہیں ہوئے ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور لہو کی نظر سے خمر کو دیکھنا حلال نہیں ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ فتاویٰ ماوراء النہر میں ہے کہ خمر کا ایک قطرہ ایک مشک پانی میں گر پڑا پھر یہ پانی ایک مٹکے سرکہ میں ڈال دیا گیا تو شیخ ابو نصر الدبوسی نے فرمایا کہ سرکہ خراب ہو جائے گا اور سوائے شیخ موصوف کے اور مشائخ نے فرمایا کہ فاسد نہ ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے کذافی الذخیرہ اور یہی صحیح ہے اس واسطے کہ پانی بعینہ نجس نہ تھا بلکہ خمر کے مجاورت سے نجس ہوا پس جب یہ قطرہ خمر سرکہ میں پڑ کر سرکہ ہو گیا تو مجاورت جاتی رہی پس پانی پھر پاک ہو جائے گا جیسے گردہ روٹی کا اگر خمر میں گر پڑا پھر سرکہ میں تو پاک ہو جائے گا اسی طرح اگر گردہ روٹی کا خمر سے پکایا گیا پھر سرکہ میں گر پڑا یا کپڑا اگر خمر میں گر پڑا پھر سرکہ میں تو پاک ہو

[1] قال المترجم ہمارے نزدیک بھی خمر کو سرکہ بنانے کا جواز بھی جب ہی ہوتا ہے کہ یہ خمر اس کو بدون مالک ہونے و مالک کرنے کے حاصل ہوئی ہو یعنی ملکیت حاصل کرنے کے ذریعہ سے ملکیت اختیاری نہ ہو بلکہ بے اختیاری حاصل ہوئی تو سرکہ کر لے اور باوجود اس کے بھی بہت سے ائمہ نے سرکہ بنانا جائز نہیں رکھا کیونکہ اس میں امر ممنوع کا ارتکاب شامل ہے اور ضرورت اپنی حد پر رہتی ہے جو تحلیل میں نہیں ہے جیسے شراب کو اُٹھا کر دھوپ میں لانا وغیرہ پس امر احتیاط کو لحاظ رکھنا ضروری ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ [2] پاک الخ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اگر گدھا یا سور نمک کی جھیل میں صر کر نمک ہو گیا تو وہ ماہیت بدل جانے سے پاک ہو گیا اور تمام تحقیق فتح القدیر میں ہے ۱۲

جائے گا بخلاف آٹے کے کہ اگر آٹا شراب سے گوندھ کر پکایا گیا تو روٹی نجس ہوگی پاک نہ ہوگی اس واسطے کہ گوندھے ہوئے آٹے میں جو اجزاء خمر کے ہیں وہ روٹی پکانے سے سرکہ نہیں ہوئے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر کسی بکری کو خمر پلائی تو اس کا دودھ اور گوشت مکروہ نہیں ہے اس واسطے کہ خمر اگر چہ اس کے معدے میں باقی رہی لیکن اس کے گوشت سے مخلوط نہیں ہوئی اور اگر خمر مستحیل ہو کر لحم ہو گئی تو بھی جائز ہے جیسے کہ مستحیل ہو کہ سرکہ ہو جانے کی صورت میں جائز ہوتی ہے لیکن اگر اس بکری کو اس کثرت سے خمر پلائی ہو کہ اس کے گوشت میں شراب کی بدبو آ گئی ہو تو اس کا گوشت مکروہ ہوگا جیسے کہ اگر اس کی پلیدی کھانے کی عادت ہو گئی ہو تو مکروہ ہوتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

حلال جانور کو اگر خمر کی عادت پڑ جائے تو کچھ عرصہ کے لئے قید کر دیا جائے گا ☆

اگر کسی ماکول[1] اللحم نے شراب یعنی خمر پینے کی عادت کر لی اور یہ حالت پہنچی کہ اس کے جسم سے خمر کی بدبو پائی جاتی ہے پس اگر بکری کی ایسی عادت ہو گئی ہو تو دس روز اور گائے ہو تو بیس روز اور اونٹ ہو تو تیس روز اور مرغی ہو تو ایک روز قید رکھی جائے کذا فی المحیط یعنی شراب سے بچائی جائے اور جو جس کی پاک غذا ہے وہ دی جائے۔

قال المترجم ☆

اور خمر کی تلچھٹ پینا اور اس سے انتفاع مکروہ ہے اور اگر اس کو پی لیا مگر نشہ نہ چڑھا تو اس پر حد واجب نہ ہوگی یہ حکم ہمارے نزدیک ہے اور اس کو سرکہ میں ڈال دینے کا مضائقہ نہیں ہے اس واسطے کہ وہ سرکہ ہو جاتی ہے یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص کو پیاس کی وجہ سے اپنی جان جاتی رہنے کا خوف ہوا تو ہمارے نزدیک اتنی شراب جس سے اس کی پیاس دفع ہو پی لینا مباح ہے بشرطیکہ خمر اس پیاس کو دور کر سکتی ہو جیسا کہ مضطر کے حق میں مردار و سور کا تناول مباح ہے اسی طرح اگر اس کو سانپ وغیرہ نے کاٹا کہ اس کو اپنی جان کا خوف ہوا اور اس ضرر کو دفع کرنے والی سوائے خمر کے کوئی چیز نہیں پاتا ہے تو اس کو شراب پینا مباح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور فتاویٰ میں ہے کہ اگر ایسے شخص نے جو پیاس سے مرا جاتا ہے بقدر سرابی کے شراب خمر پی لی اور بے ہوش ہو گیا تو اس پر حد واجب نہ ہوگی اس واسطے کہ نشہ پر مباح ہو گیا ہے اور اگر سیرابی سے کچھ زیادہ پی لی اور نشہ بھی نہ ہوا تاہم چاہئے کہ اس پر حد لازم آئے جیسا کہ حالت اختیار میں اس قدر[2] پینے و نشہ نہ آنے میں حکم ہے یہ وجیز کردری میں ہے اور اشربہ میں سے جو عامہ علماء کے نزدیک حرام ہے وہ یہ ہیں باذق و منصف و نقیع مویز و تمر جو غیر مطبوخ ہو اور سکران شرابوں میں سے قلیل و کثیر سب حرام ہیں اور اصحاب[ا] ظواہر کہتے ہیں کہ ان کا پینا مباح ہے مگر صحیح قول عامہ علماء کا ہے لیکن ان شرابوں کی حرمت خمر کی حرمت سے گھٹ کر ہے حتیٰ کہ ان شرابوں کا پینے والا جب تک اس کو نشہ نہ آئے تب تک اس کو حد نہ ماری جائے گی یہ محیط سرخسی میں ہے اور منصف و باذق کی نجاست غلیظ ہے یا خفیف ہو امام محمدؒ نے کتاب میں ذکر فرمایا کہ جس شراب کا پینا حرام ہے اگر وہ قدر درہم سے زیادہ کپڑے میں لگ جائے تو نماز جائز نہ ہوگی اور مشائخؒ نے فرمایا کہ ایسا ہی امام ابو یوسفؒ سے ہشامؒ نے روایت کیا ہے اور شیخ قصلیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے قول پر واجب ہے کہ ان کی نجاست خفیفہ ہو مگر فتویٰ اسی پر ہے کہ ان کی نجاست غلیظ ہے اور باذق و منصف و سکر و نقیع مویز کی بیع جائز ہے اور ان کا تلف کر دینے والا ضامن ہوگا یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ نے اس میں خلاف کیا ہے اور بیع کی صورت میں امام اعظمؒ کے قول پر فتویٰ ہے اور ضمان کی صورت میں اگر تلف کرنے والے نے حسبہ کا قصد کیا یعنی منکر چیز سے منع کرنے

[ا] شاید اصحاب الظواہر سے فرقہ ظاہریہ مراد ہے کیونکہ اصحاب الظواہر کا لفظ تو امام مالک و شافعی و احمد ان سے اصحاب حدیث پر بھی بولا جاتا ہے حالانکہ وہ سب ان شرابوں کے حرام ہونے کے قائل ہیں ۱۲

(۱) یعنی جس کو ذبح کر کے گوشت کھانا حلال ہے ۱۲ (۲) یعنی بقدر زیادتی ۱۲

اور دفع کرنے کا قصد کیا اور یہ قصد حالات وقرائن کے دیکھنے سے ظاہر ہو جاتا ہے تو فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے اور اگر اس نے حسبہ کا قصد نہ کیا ہو تو ضمان واجب ہونے میں بھی امام اعظمؒ کے قول پر فتویٰ ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اشربہ میں سے جو عامہ علماء کے نزدیک حلال ہے وہ طلاء ہے یعنی مثلث اور نبیذ تمر و مویز ہے کہ ان کا پینا اس قدر جس کے پینے سے نشہ نہ ہو بغرض گوارائے طعام واللہ تعالیٰ کی عبادت کے واسطے تقویت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے اور اگر بغرض لہو ہو تو نہیں جائز ہے اور ان میں سے اس قدر پینا کہ جس سے نشہ آ جائے حرام ہے اور یہ قول عامہ علماء کا ہے اور جب ان کے پینے والے کو نشہ آ جائے تو اس پر حد شرعی واجب ہوگی اور ان کی بیع جائز ہے اور ان کے تلف کرنے والے پر ضمان واجب ہوگی یہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کا قول ہے و امام محمدؒ سے دو روایتیں ہیں مگر دونوں میں سے اصح روایت موافق قول شیخین کے ہے اور دوسری روایت امام محمدؒ سے یوں مروی ہے کہ ان شرابوں میں سے قلیل و کثیر سب حرام ہے لیکن ان کے پینے والے کو حد نہ ماری جائے گی جب تک اس کو نشہ نہ ہو جائے یہ محیط سرخسی میں ہے اور ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے حتیٰ کہ جو شخص حبوب و شہد و دودھ و انجیر سے بنائی ہوئی شراب کو پئے اور اس کو نشہ آ جائے تو اس پر حد شرعی واجب ہوگی اس واسطے کہ ہمارے زمانہ میں فاسق لوگ ان شرابوں کے گرد ہوتے ہیں اور ان کا قصد ان کے پینے سے نشہ لہو ہوتا ہے یہ تبیین میں ہے اور شیرۂ انگور اگر دھوپ میں رکھا گیا یہاں تک کہ اس میں سے دو تہائی اُڑ گیا تو امام ابو یوسفؒ و امام اعظمؒ کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے اور نوازل میں ہے کہ میں نے شیخ ابو سلیمان سے پوچھا کہ ایک مثلث میں شیرۂ انگور ملا دیا گیا تو فرمایا کہ پھر دوبارہ وہ پکائی جائے یہاں تک کہ اس میں سے دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور بختج کی تفسیر میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے حاکم ابو محمد الکفینی نے فرمایا کہ بختج یوں بنتی ہے کہ شیرۂ انگور میں پانی ڈال دیا جاتا ہے پھر جوش آنے سے پہلے اس کو پکاتے ہیں یہاں تک کہ اس میں سے دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہے پس شیرۂ انگور میں سے دو تہائی سے کم جلتا ہے اور جب تک وہ شیریں ہو تب تک اس کا پینا حلال ہے اور جب اس میں جوش واشتد اد آ جائے اور جھاگ اُٹھیں تب اس کا پینا تھوڑا و بہت سب حرام ہے اور بعض نے فرمایا کہ بختج وہی حمیدی ہے اور وہ یوں بنتی ہے کہ مثلث میں پانی ڈال کر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس میں اشتد اد آ جائے اور اس کو ابو یوسفی بھی کہتے ہیں اس وجہ سے کہ امام ابو یوسفؒ اس کو بکثرت استعمال کرتے تھے اور اس کی اباحت کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ پانی ڈال دینے کے بعد جوش واشتد اد آنے سے پہلے اس کو خفیف پکایا جائے یا یہ شرط نہیں ہے سو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے جیسا کہ مثلث میں ان کا اختلاف ہے پھر اگر اس میں جوش واشتد اد آ گیا تو اس کا پینا اسی قدر حلال ہے جس سے نشہ نہ آئے اور اگر نشہ آ گیا تو پینے والے کو حد ماری جائے گی اور شراب جمہوری یعنی آب انگور خام جس میں پانی ڈال دیا جائے اور خفیف پکایا جائے سو وہ جب تک شیریں رہے تب تک اس کا پینا سب کے نزدیک حلال ہے اور جب اس میں جوش واشتد اد آ جائے اور جھاگ اٹھیں تو اس کا اور باذق کا ایک حکم ہے پھر اس کے بعد اس کے عصارہ پر پانی ڈالا جائے اور عصارہ لے کر پانی نکالا جائے اور اس میں جوش واشتد اد آ جائے تو وہ سب احکام میں مثل خمر کے ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کا حکم مثل خمر کے نہیں ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔

دوسراباب☆

متفرقات کے بیان میں

اگر ایک شخص نے نو پیالے نبیذ تمر کے پئے پھر دسواں پیالہ اس کے منہ میں ڈالا گیا پس نشہ میں ہو گیا تو اس کو حد نہ ماری جائے گی اس واسطے کہ سکراُس کے اقرب[!] کی طرف مضاف ہوتا ہے یہ سراجیہ میں ہے اگر عصارہ انگور کو عصارہ تمر یا نقیع مویز میں خلط کیا پھر اس کو پکایا تو حلال نہ ہوگا یہاں تک کہ دو تہائی جل جائے اسی طرح اگر مطبوخ میں ایک پیالہ انگور کا عصارہ یا گدر چھوہارے کا عصارہ یا نبیذ تمر یا نقیع مویز ڈال دیا جائے حالانکہ یہ سب خام ہے پھر دوبارہ پکانے سے پہلے اس میں جوش واشتد ادآ گیا تو وہ حلال نہ ہوگا اور اگر اشتد ادآ جانے سے پہلے اس کو دوبارہ پکالیا پس شیرۂ انگور خام ڈالا ہو تو جب تک پکانے سے اس کا دو تہائی جل نہ جائے تب تک حلال نہ ہوگا اور اگر اشتد اد بالا میں سے کسی کا ایک قدح ڈال دیا ہے تو فقط پکانا کافی ہے یعنی حلال ہو جائے گا اور اگر مطبوخ میں انگور یا چھوہارے یا مویز ڈال دیئے پھر اس میں اشتد ادآ گیا تو معلّی نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی ہے کہ اگر ڈالا ہوا مقدار قلیل ہو کہ اس سے شراب نہیں بن سکتی ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے مطبوخ مذکور کا پینا حلال رہے گا اور اگر کثیر ہو کہ اتنے سے شراب بن سکتی ہے اور اس میں دوبارہ پکائی جانے سے پہلے اشتد ادآ گیا تو مطبوخ حلال نہ رہے گا یہ غیاثیہ میں ہے اور اگر انگور بدون شیرہ نکالے جیسے ہیں ویسے ہی پکائے جائیں پھر ان کا شیرہ نکال لیا جائے تو خفیف[(1)] جوش دینا کافی ہے ایسا ہی حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ نے یوں روایت کی کہ جب تک پکانے سے اس کی دو تہائی نہ جل جائے تب تک نہیں جائز ہے اور یہی حکم اصح اس واسطے کہ انگور میں اس کا شیرہ موجود ہوتا ہے پس شیرہ نکالنے سے پہلے پکانا یا شیرہ نکال کر اس کو پکانا دونوں کا یکساں حکم ہونا چاہئے یہ کافی میں ہے۔

شیرۂ انگور وغیرہ کو کتنا جوش دیا جا سکتا ہے؟

اگر نبیذ تمر یا نبیذ عسل میں انگور ڈال دیا جائے تو جب تک مثل شیرۂ انگور کے اس قدر نہ پکائی جائے کہ اس میں سے دو تہائی جل جائے تب تک حلال نہ ہوگی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اور اگر انگور و چھوہارے یا انگور و مویز کو خلط کر کے جوش دیا تو جب تک دو تہائی نہ جل جائے تب تک حلال نہیں ہے جیسا کہ شیرۂ انگور کو نبیذ تمر یا نقیع مویز میں ملانے کا حکم مذکور ہوا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر نبیذ مطبوخ ایسی ہو کہ دس روز تک یا زیادہ رکھے جانے سے بگڑ نہ جائے تو وہ حرام ہے اور اگر بگڑ جائے تو حلال ہے یہ تہذیب میں ہے۔ اگر تمر مطبوخ یعنی پکائے ہوئے چھوہارے کے ساتھ غیر مطبوخ انگور پانی ڈال کر بھگوئے جائیں اور دونوں میں جوش آ جائے تو فرمایا کہ اس کا پینا مکروہ ہے اور جب تک اس کے پینے والے کو نشہ نہ آئے تب تک اس کو حد نہ ماری جائے گی بشرطیکہ تمر مطبوخ غالب ہوں اور اگر انگور خام غالب ہوں تو حد ماری جائے گی جیسا کہ خمر میں پانی ملا دینے کی صورت میں جو غالب ہو اس کا اعتبار ہے پس ایسا ہی اس صورت میں ہے اور اگر شیرۂ انگور پکایا گیا یہاں تک کہ اس میں سے تہائی جل گیا پھر اس کو ٹھنڈا کر دیا پھر اس کو دوبارہ پکایا یہاں تک کہ باقی کا نصف جل گیا پس اگر عصیر مذکور جس وقت دوبارہ پکایا ہے جوش آنے اور متغیر الحال ہو جانے سے پہلے دوبارہ پکایا تو اس مطبوخ کے پینے میں مضائقہ نہیں ہے اس واسطے کہ غلیان و اشتداد کی وجہ سے

! یعنی دسواں پیالہ جو زبردستی پلایا گیا اسی طرف نشہ میں ہونا منسوب ہوگا حالانکہ اکیلے اس سے نشہ نہیں ہو سکتا ۱۲ منہ

(۱) حالانکہ شیرہ میں دو تہائی جلانا چاہئے ۱۲

حرمت ثابت ہونے سے پہلے اس کا پانی پکانا پایا گیا اور اگر اسے مطبوخ میں جوش و اشتد ادآ نے و متغیر ہو جانے کے بعد اس کو پکایا ہو تو اس میں خیر نہیں ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے اس واسطے کہ ثبوت حرمت کے بعد پکانا پایا گیا پس نافع نہ ہوگا اور اگر شیرۂ انگور دس رطل پکایا گیا یہاں تک کہ اس میں سے ایک رطل جل گیا پھر اس میں سے تین رطل بہا دیا گیا پھر چاہا کہ اس کو پکائے تا کہ دو تہائی جل جائے تو اس قدر پکائے کہ اس میں سے دو رطل دونوں حصے رطل کے باقی رہ جائیں اس واسطے کہ جو رطل پکانے میں جل گیا تھا وہ نو جزو میں داخل ہے اس واسطے کہ وہ اجزائے باقی میں داخل ہیں اس سے دور نہیں ہوا ہے کیونکہ بعد جوش دینے کے جو باقی رہا ہے وہ اگر چہ بظاہر نو رطل ہے لیکن بمعنی دس رطل ہے پس دسواں رطل باقی نو رطل پر تقسیم کیا تو ہر رطل کے ساتھ ایک نواں حصہ رطل آیا اس واسطے کہ دسواں رطل انہیں میں داخل ہے۔ پھر جب اس میں سے تین رطل بہا دیئے گئے تو تین رطل و تین نویں حصے رطل کے بہہ گئے اور چھ رطل اور چھ نویں حصے رطل کے باقی رہے پس باقی کو اس قدر پکایا جائے کہ دو رطل و دو نویں حصے رطل کے باقی رہ جائیں اور اگر جوش دینے سے دو رطل جل گئے پھر اس میں سے دو رطل بہا دیئے گئے تو باقی اس قدر پکایا جائے کہ دو رطل و نصف رطل باقی رہے اور اگر جوش دینے سے پانچ رطل اڑ گئے پھر اس میں سے ایک رطل بہا دیا گیا تو باقی اس قدر پکایا جائے کہ دو رطل و دو تہائی رطل باقی رہ جائے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر ایک شخص نے دیگ میں دس پیمانہ شیرۂ انگور اور بیس پیمانہ پانی ڈالا پس اگر یہ حالت ہو کہ جوش دینے میں پانی بہ نسبت شیرۂ انگور کے پہلے اڑ جائے گا تو وہ اس کو اس قدر پکائے کہ آٹھ نویں حصے جل جائیں اور ایک نواں باقی رہ جائے اس واسطے کہ جب اس کی دو تہائی جوش دینے سے جل گئی تو فقط پانی ہی جل گیا ہے پس اس پر واجب ہے کہ اس کے بعد پھر پکائے یہاں تک کہ اس کی دو تہائی جل جائے اور اگر شیرۂ انگور سے پہلے پانی نہ جلے تو وہ شخص اس کو اس قدر پکائے کہ اس میں سے دو تہائی جل جائے اور اگر شیرۂ انگور پانی دونوں ساتھ ہی جل جاتے ہوں تو وہ اس کو اس قدر پکائے کہ اس کی دو تہائی جل جائے اس واسطے کہ پکانے سے دو تہائی شیرۂ انگور دو تہائی پانی جل جائے گا اور ایک تہائی شیرۂ انگور و ایک تہائی پانی رہ جائے گا پس یہ اور جب کہ شیرہ انگور تہائی یا دو تہائی تک پکا کر اس میں پانی ملایا جائے دونوں یکساں ہیں یہ مبسوط میں ہے اور جو اشربہ کو جو چینہ دانہ و سیب و شہد سے بنائی جاتی ہیں جب کہ ان میں اشتد اد آ جائے خواہ وہ مطبوخ ہوں یا غیر مطبوخ ہوں تو ان کا پینا اس قدر کہ نشہ نہ آئے امام اعظم و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک ان کا پینا حرام ہے اور فقیہؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کذا فی الخلاصہ۔

قال المترجم ☆

وهو الصحيح الموافق بالاخبار الصحيحة اور اگر ان اشربہ کے پینے سے اس کو نشہ آیا تو نشہ اور قدح اخیر جس سے نشہ آیا ہے بالاجماع حرام ہے اور نشہ میں ہونے کی صورت میں وجوب حد میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے فقیہ ابو الجعفرؒ نے فرمایا کہ جو چیز اصل خمر۔ یعنی تمر و انگور سے نہیں ہے اس میں حد نہ ماری جائے گی جیسا کہ بنج[1] و خر مادیان کے دودھ سے نشہ ہو جانے میں حد نہیں ماری جاتی ہے اور ایسا ہی شمس الائمہ سرخسیؒ نے ذکر کیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کو حد ماری جائے گی اور بعض نے کہا کہ یہ حسن بن زیاد کا قول ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کسی شخص نے ایسا پانی جس میں خمر ہے پی لیا پس اگر پانی غالب ہو کہ اس میں خمر کا مزہ و رنگ و بو نہ پائی جائے تو اس کو حد نہ ماری جائے گی اور اگر خمر غالب ہو کہ اس میں خمر کا مزہ و بو و رنگ ظاہر ہو تو میں اس کو حد نہ ماروں گا اور اگر اس میں خمر کی بد بو نہ پائی گئی مگر مزہ وہ پایا گیا تو حد ماری جائے گی اور اگر کسی شخص نے اپنے منہ میں خمر بھر لی پھر اس کو کلی کر دیا اور اس کے پیٹ میں حلق کے اندر خمر میں سے کچھ نہیں گیا تو اس پر حد واجب نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ ابن سماعہ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی ہے اگر

[1] بنج معرب بنگ و در لغت گوید اجوائن خراسانی و در طب اجوائن خراسانی و در دالمیست کہ مورث امراض کی ست نہ منشی واللہ اعلم ۱۲

کسی شخص نے خمر میں روٹی چور کر مثل ثرید بنائی اور پھر اس روٹی کو کھایا پس اگر مزہ پایا جاتا ہواور وہ رنگ ظاہر ہو تو میں اس کو حد ماروں گا اور اگر شراب خمر سپید ہو اس کا رنگ نظر نہ آتا ہو تو جب اس کا مزہ پایا گیا تو میں اس کو حد ماروں گا اور بقالی میں ہے کہ اگر دوامر کب کر کے شراب خمر میں معجون بنائی تو غالب کا اعتبار ہوگا یعنی حد مارے جانے کے واسطے اور اگر اس نے اکراہ کا دعویٰ کیا تو بدون گواہ کے اس کے دعویٰ کی تصدیق نہ ہوگی اور اکراہ معتبر ہے کذا فی المحیط اور اس فصل کے متصلات سے تصرفات سکران کا بیان ہے یعنی جو شخص شراب کے نشہ میں ہو اور اس نے کوئی تصرف کیا تو کیا حکم ہے سو جاننا چاہئے کہ جو شخص نشہ میں ہے یعنی مست کے تمام تصرفات نافذ ہوتے ہیں سوائے رات کے یا جو حدود خالص اللہ تعالیٰ ہیں ان کا اقرار کہ یہ نافذ نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ جو شخص خمر سے یا ان شرابوں سے جو تمر و مویز سے بنائی گئی ہیں مثل نبیذ و مثلث وغیرہ کے پینے سے مست ہو اس کے تمام تصرفات مثل طلاق و عتاق اقرار بقرضہ و اقرار بعین اور یہ کہ اس نے اپنی نابالغ بیٹی کا یا بیٹے کا نکاح کر دیا اور قرض لینا و قرض دینا و ہبہ و صدقہ جب کہ موہوب لہ و متصدق علیہ قبضہ کرے یہ سب نافذ ہیں اور اسی کو مشائخ نے اختیار کیا ہے اور شیخ ابوبکر بن الاحید سے روایت ہے کہ شیخ نے فرمایا کہ مست کے وہ سب تصرفات جو ہزل کے ساتھ نافذ ہو جاتے ہیں اور اس کو شروط فاسدہ اطل نہیں کرتے ہیں نافذ ہوں گے پس بیع و شرا نافذ نہ ہوگی اور طلاق و عتاق و اقرار بالدین والعین اور ہبہ و صدقہ و تزویج صغیر و صغیرہ سب نافذ ہوں گے اور مست کی ردّت ہمارے نزدیک استحساناً نہیں صحیح ہے اور قیاساً صحیح ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ کفر کی نفی و نعدام واجب ہے تحقق واجب نہیں ہے اسی وجہ سے اگر کسی کی زبان پر غلطی سے کلمہ کفر رواں ہو گیا تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی اور یہ حکم مست کا اس وقت ہے کہ جب وہ ایسی شراب سے مست ہو جو اصل خمر سے مثل خمر و انگور و مویز کے بنائی گئی ہو اور اگر شہد و سیب وغیرہ پھلوں اور چینہ دانہ وغیرہ حبوب سے بنائی ہوئی شراب سے مست ہو تو اس کے حق میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور یہ اختلاف مثل ہے اس اختلاف کے ہے کہ اس پر حد واجب ہو گی یا نہیں سو جس کے نزدیک ان شرابوں سے نشہ ہونے سے حد واجب ہوتی ہے اس کے نزدیک مست کے تصرفات نافذ ہو جائیں گے بنظر اس کے زجر کے اور جس کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور وہ فقیہ ابو جعفر و شمس الائمہ سرخسی ہیں ان کے نزدیک اس کے تصرفات بھی نافذ نہ ہوں گے اس واسطے کہ تصرف نفاذ اس کے زجر کے واسطے تھا پس جب ان دونوں کے نزدیک اس کے زجر کے واسطے اس پر حد واجب نہ ہوئی تو زجر کے واسطے اس کے تصرفات بھی نافذ نہ ہوں گے اور اگر بنگ و خر مادہ کے دودھ سے کسی کی عقل زائل ہو گئی تو اس کے تصرفات نافذ نہ ہوں گے اسی طرح اگر کسی نے شراب شیریں پی مگر اس کے مزاج کو موافق نہ ہوئی اور اس کی عقل کم ہو گئی اور اس نے طلاق دے دی تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کی طلاق واقع نہ ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہ سب اس مست شراب کا حکم ہے جس نے رغبت خود شراب پی ہو اور اگر کسی نے مجبور و مکروہ ہو کر شراب پی پھر اس نے مست ہو کر طلاق دی تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ جس طرح اس پر حد واجب نہیں ہے اسی طرح اس کی طلاق بھی واقع نہ ہوگی اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ واقع ہو گی مگر قول اوّل ہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر کسی نے دوسرے کو وکیل کیا کہ اس کی عورت کو طلاق دے دے پھر وکیل نے شراب سے مست ہو کر طلاق دی تو شدادؒ نے فرمایا کہ واقع نہ ہوگی اور صحیح یہ ہے کہ واقع ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے۔ بنگ و مادیان خر کے دودھ کا نشہ بالا اجماع حرام ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ اگر کسی شخص نے خمر کو نبیذ میں مخلوط کر کے پی لیا اور اس کو نشہ نہ آیا پس اگر خمر غالب ہو تو میں اس کو حد ماروں گا اور اگر نبیذ غالب ہو تو حد نہ ماروں گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر شیرۂ انگور کو جوش دے کر تہائی جلا دینے کے بعد اس سے علیق بنایا پس اگر اپنی حالت سے متغیر ہو جانے سے پہلے علیق بنایا تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس میں جوش آنے و حالت عصیر متغیر ہو جانے کے بعد ایسا کیا تو

اس میں خیر نہیں ہے اس واسطے کہ جب اس میں جوش و اشتداد آ گیا تو وہ حرام ہو گیا اور حرام سے جو علیق بنایا گیا ہے وہ مثل خمر سے بنائے ہوئے کے حلال نہ ہو گا اور قبل اشتداد آ جانے کے وہ حلال ہے اور عصیر یعنی شیرۂ انگور سے علیق بنانا حلال ہے یہ مبسوط میں ہے۔ جس دیگ میں شیرۂ انگور پکایا جاتا ہے اُس دیگ کا قاعدہ مسطح ہوتا ہے اس میں گہراؤ نہیں ہوتا ہے اور اس کے گرد کے محیط جو مثل دیواروں کے ہوتی ہیں وہ مستدیر بلند ہوتی جاتی ہے پس اس کی بلندی دیوار کے تین ٹکڑے برابر تقسیم کر کے اس پر نشان دیتے ہیں پس اوپر کے نشان تک بھر کر اس کو پکاتے ہیں یہاں تک کہ دو تہائی جل جائے اور نیچے کی علامت تک باقی رہ جائے اور یہ لازم ہے کہ اس کو علی الاتصال پکاتے رہیں بیچ میں انقطاع نہ ہو اور اگر دو تہائی جل جانے سے پہلے بیچ میں پکانے میں انقطاع ہو گیا تو مشائخ نے فرمایا کہ اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مطبوخ کے متغیر ہونے اور اس میں تلخی وغیرہ پیدا ہو جانے سے پہلے اس نے پھر پکانا شروع کیا تو وہ حلال ہو جائے گا کیونکہ ایسا پکانا بمنزلہ علی الاتصال پکانے کے ہے اور اگر مطبوخ میں تلخی وغیرہ تغیر پیدا ہو جانے کے بعد اس نے پکانا شروع کیا تو وہ حرام ہو گا کیونکہ اس کو بمنزلہ علی الاتصال پختہ کرنے کے اعتبار کرنا متعذر ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور دساق یعنی جو باقی بقول سے پانی ڈال کر بطور شیرۂ نکالنے سے نکلتا ہے اگر اس میں جوش و اشتداد آ جائے و جھاگ اُٹھیں تو بعض نے فرمایا کہ اس کا حکم مثل خمر کے ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کا حکم بمنزلہ نقیع موبز کے ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ خمر کا ایک مٹکا دریائے عظیم میں مثل فرات وغیرہ کے یا اس سے چھوٹے میں بہا دیا گیا اور اس سے نیچے ایک شخص وضو کرتا ہے یا پانی پیتا ہے پس اگر اس کو پانی میں خمر کا مزہ یا رنگ یا بدبو نہ آئی تو پینا و وضو کرنا حلال ہے اور اگر اس میں سے کوئی بات پائی گئی تو نہیں مباح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر خمر ایسی چیز میں ملائی گئی جو آنکھوں سے نظر آتی ہے پس اگر یہ چیز غالب ہو تو اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے

میں نے امام ابو یوسفؒ سے پوچھا کہ چند دانہ انگور نبیذ میں گر پڑے اور بھیگ گئے فرمایا کہ اگر علیحدہ اس قدر دانہ انگور بھگوئے جاتے اور ان میں جوش آتا تو نبیذ میں بھیگ جانے اور جوش آ جانے کے بعد نبیذ کا پینا بھی حلال نہ ہو گا اور اگر ان دانوں میں تنہا بھگونے میں جوش و غلیان نہ آتا تو نبیذ مذکور کے پینے میں مضائقہ نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور ایک پیالہ پانی یا آب راکید میں خمر ڈال دی گئی کہ جس کا پانی بعض بعض سے خلط ہوتا ہے تو اس پانی کا پینا حلال نہیں ہے اس واسطے کہ یہ پانی قلیل ہے جس میں نجاست گر گئی پس نجس ہو جائے گا اور اگر اس نے اس پانی کو پیا پس اگر اس میں خمر کا مزہ و رنگ و بو نہیں پائی جاتی ہے تو اس کو حد نہ ماری جائے گی اور اگر اس میں سے کوئی چیز پائی جاتی ہو تو حد ماری جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ حاکم نے منتقی میں ذکر کیا کہ اگر خمر ایک سرکہ کے مٹکے میں پڑ گئی تو فرمایا کہ اس میں خیر نہیں ہے یعنی مکروہ ہے اور حاکم نے اس کے بعد منتقی میں ذکر کیا کہ اگر خمر ایسی چیز میں ملائی گئی جو آنکھوں سے نظر آتی ہے پس اگر یہ چیز غالب ہو تو اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ اور فرمایا کہ اگر ایک رطل خمر ایک مٹکا بھر سرکہ میں ڈال دی گئی تو اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے پس ان دونوں مسئلوں میں غالب کا اعتبار کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام اعظمؒ سے مروی ہے کہ خمر اگر نبیذ شدید میں جو ان کے نزدیک حلال ہے گر پڑے تو فرمایا کہ خمر اس کو فاسد کر دے گی یہ محیط میں ہے اور خمر کسی ظرف میں ڈالی گئی تو ظرف نجس ہو جائے گا اور اگر خمر اس میں سے نکالی گئی تو ظرف مذکور تین بار دھویا جائے پس پاک ہو جائے گا بشرطیکہ پرانا ہو اور اگر ظرف جدید ہو اور اس میں خمر ڈالی گئی تو اماموں نے اختلاف کیا ہے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ تین بار دھویا جائے اور ہر بار خشک کیا جائے پس پاک ہو جائے گا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ کبھی پاک نہ ہو گا اور بعض مشائخ نے بنا بر قول امام ابو یوسفؒ کے فرمایا کہ ظرف اگر ہر بار خشک نہ کیا جائے لیکن پے در پے اس میں پانی بھرا گیا تو جب تک پانی اس میں سے رنگ بدلا ہوا نکلے تب تک پاک نہ ہو گا اور جب اس میں سے پانی صاف غیر متغیر نکلے تو اس کی طہارت کا حکم دیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور اگر

شراب اس ظرف سے نہ نکالی گئی باقی رہی یہاں تک کہ سرکہ ہو گئی تو امام محمدؒ نے اس صورت میں ظرف کا حکم کتاب میں ذکر نہیں فرمایا اور حاکم ابونصیر مہرویہ سے منقول ہے کہ فرمایا کہ جو ظرف سرکہ کے موازی ہے وہ پاک ہوگا اور اوپر کے کنارہ جہاں سے شراب گھٹتی ہوئی اتر گئی ہے قبل اس کے سرکہ ہو جائے وہ ناپاک ہے بس چاہئے کہ اس کو سرکہ سے دھو ڈالا جائے تاکہ وہ بھی (۱) پاک ہو جائے اور اگر ایسا نہ کیا گیا اور اس میں شیرۂ انگور لبریز بھر دیا گیا تو شیرۂ مذکور نجس ہو جائے گا اور اس کا پینا حلال نہ ہوگا اس واسطے کہ اس عصیر لے میں خمر مختلط ہو گئی۔ اور فقیہ ابو جعفرؒ سے منقول ہے کہ جس قدر اس ظرف میں خمر ہے جب وہ سرکہ ہو گئی تو پورا برتن پاک ہو جائے گا اور اس تکلف کی حاجت نہیں ہے اور اسی کو فقیہ ابواللیثؒ نے لیا ہے اور اسی کو صدر الشہیدؒ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور شیرۂ انگور ایسے شخص کے ہاتھ جو اس سے شراب بنا دے گا فروخت کرنے میں امام اعظمؒ کے نزدیک مضائقہ نہیں ہے اور صاحبینؒ نے کہا کہ یہ مکروہ ہے اور بعض مشائخ نے کہا کہ امام اعظمؒ کے قول پر جبھی مکروہ نہیں ہے کہ جب اس نے شیرۂ انگور ذمی کے ہاتھ اتنے داموں کو بیچا کہ کوئی مسلمان اس سے اتنے داموں کو نہ لے گا اور اگر کوئی مسلمان اتنے داموں کو لیتا ہوا پایا جائے تو ذمی کے ہاتھ جو اس کو شراب بنا دے گا فروخت کرنا مکروہ ہے اور یہ ایسا کہ جیسے کسی شخص نے باغ انگور فروخت کیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ مشتری انگوروں سے شراب بنا دے گا تو کچھ مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اس کا قصد ثمن حاصل کرنا ہو۔ اور اگر شراب کا حاصل ہونا اس کا مقصود ہو تو مکروہ ہے اور انگور کے درخت لگانے میں بھی تفصیل سے حکم ہے یعنی اگر انگور کے درخت لگانے سے یہ مقصود ہو کہ خمر حاصل ہو تو مکروہ ہے اور اگر انگور حاصل ہونا مقصود ہو تو مکروہ نہیں ہے مگر افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کے ہاتھ شیرۂ انگور نہ بیچے جو اس سے خمر بنا دے گا۔ کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

لے عصیر انگور وغیرہ نچوڑا ہوا ۱۲ منہ (۱) قولہ علی قول ابو یوسف

کتاب الصید ☆

قال المترجم ☆

صید: جانور جو شکار کیا جائے۔ ماکول اللحم: جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اصطیاد صید کرنا۔ صائد: شکار کرنے والا۔ معلم: سکھلایا ہوا کتا و باز وغیرہ۔ وسیاتی تفسیر بعض ہذہ الالفاظ فی الکتاب۔

اس میں سات ابواب ہیں

باب اوّل ☆

صید کی تفسیر، رکن، حکم کے بیان میں

جو حیوان متوحش کہ آدمی کے قبضہ سے ممتنع ہو وہ صید ہے خواہ وہ ماکول[1] اللحم ہو یا غیر ماکول[2] اللحم یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور فعل اصطیاد ایسے شخص سے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے اپنے محل میں شرط کے ساتھ صادر ہونا صید کا رکن ہے اور حکم صید یہ ہے کہ حقیقتہً یا تقدیراً گرفتار کرنے کے وقت صید میں ملک ثابت ہوتی ہے اور تقدیراً گرفتار کر لینے سے ہماری مراد یہ ہے کہ صید کو حد امتناع سے خارج کر دے یعنی قبضہ سے ممتنع نہ رہے اور صید کھانے کی علت پندرہ شرطوں سے ثابت ہوتی ہے۔ پانچ شکار کرنے والے میں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ زکوٰۃ[(1)] کی اہلیت رکھتا ہو دوم یہ کہ اس سے ارسال پایا جائے سوم یہ کہ ارسال میں اس کے ساتھ ایسا شخص شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہے۔ چہارم آنکہ عمداً تسمیہ نہ چھوڑے پنجم یہ کہ جس نے جانور چھوڑا ہے وہ ارسال اور شکار پکڑنے کے بیچ میں کسی اور کام میں مشغول نہ ہو جائے اور پانچ شرطیں[(2)] کتے میں ہیں اوّل آنکہ معلم ہو۔ دوم آنکہ طریقہ ارسال پر چلا جائے سوم آنکہ اس کے ساتھ شکار پکڑنے میں ایسا جانور شریک نہ ہو جائے جس کا شکار حلال نہیں ہے چہارم آنکہ جرح سے اس کو قتل کرے پنجم آنکہ اس میں سے نہ کھائے اور پانچ صید میں ہیں اوّل آنکہ حشرات الارض میں سے نہ ہو دوم یہ کہ جانوران آبی میں سے نہ ہو سوائے مچھلی کے سوم آنکہ اپنے آپ کو اپنے پروں یا اپنے ہاتھ پاؤں کے ذریعہ سے بچائے چہارم آنکہ اپنے دانتوں سے اپنے مخلب سے نہ کھاتا ہو۔ پنجم آنکہ ذبح تک پہنچنے سے پہلے شکاری جانور کی گرفت سے مر جائے کذا فی النہایہ۔

[1] ماکول اللحم وہ جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہے ۱۲ [2] غیر ماکول اللحم جن کا گوشت کھانا شرعاً جائز نہیں ہے ۱۲ (1) ذبح کرنے وغیرہ ۱۲
(2) یعنی کتے وغیرہ ۱۲

☆ جس طرح شراب سے سرور حاصل ہوتا ہے اسی طرح شکار سے سرور و فرحت حاصل ہوتی ہے اور دونوں کے درمیان وجہ مناسبت ظاہر ہے۔ نیز شکار اطعمہ میں سے ہے جس کی اشربہ سے مناسبت ظاہر ہے پھر جس طرح شراب کچھ حلال اور کچھ حرام ہیں اسی طرح سے شکار میں سے کچھ حلال اور کچھ حرام ہیں پھر اشربہ کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرمت کا غلبہ ہے اور اس میں حلت کا۔ (کما ہو ظاہر)

☆ صید بمعنی شکار کرنا ہے اور یہ فعل مباح ہے غیر محرم کے لئے غیر حرم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان واذا حللتم فاصطادوا [المائدہ ۲] اور اللہ عزوجل کے فرمان وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما [المائدہ ۹۶] کی وجہ سے اور نبی ﷺ کے فرمان کی وجہ سے کہ تو نے اپنا سکھایا ہوا کتا چھوڑا اور اس پر اللہ کا نام لیا ہو تو کھالے اور اگر کتے نے اس میں سے کھالیا ہو تو تو مت کھا اس لئے کہ کتے نے شکار کو اپنے لئے روکا ہے اور اگر تیرے کتے کے ساتھ دوسرا کتا شریک ہو گیا تو مت کھا اس لئے کہ تو نے کتے پر تسمیہ پڑھا ہے اور اپنے کتے کے غیر پر تسمیہ نہیں پڑھا۔ (حافظ)

باب دوم☆

ان صورتوں کے بیان میں جن سے صید کا مالک ہو جاتا ہے اور جن سے مالک نہیں ہوتا

صید گرفتار ہونے سے ملک میں آ جاتی ہے اور گرفتار کرنا دو طرح کا ہوتا ہے ایک حقیقی دوسرا حکمی پس حقیقی تو ظاہر ہے اور حکمی ایسی چیز کے استعمال سے جو شکار کرنے کے واسطے موضوع ہے خواہ شکار پکڑنے کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے جال پھیلایا اور اس میں کوئی شکار پھنس گیا تو جال والا اس کا مالک ہو جائے گا خواہ اس نے جال پھیلانے سے شکار پکڑنے کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو اس واسطے کہ جال شکاری ہی کے واسطے پھیلایا جاتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے خشک کرنے کے واسطے پھیلایا اور اس میں شکار پھنس گیا تو اس کا مالک نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ جال سے اس کا پکڑنے والا نہ ہوگا اور حکماً گرفتار کرنا ایسی چیز کے استعمال سے بھی ہوتا ہے جو شکار کرنے کے واسطے موضوع نہیں ہے اس کو بغرض شکار پکڑنے کے کام میں لایا چنانچہ اگر کسی نے خیمہ گاڑا اور اس میں کوئی شکار پھنس گیا پس اگر شکار پکڑنے کے واسطے خیمہ مذکور گاڑا ہو تو اس کا مالک ہو جائے گا اور اگر اس غرض سے نہ گاڑا ہو تو مالک نہ ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک جال لگایا اور اس میں شکار پھنس گیا پھر ایک شخص نے اگر اس کو چھوٹ کر اڑ جانے سے پہلے پکڑ لیا تو وہ شکار جال والے کا ہوگا اس واسطے کہ سبب ملک کا انعقاد شخص اوّل کے واسطے ہوا ہے اس واسطے کہ جال اسی واسطے موضوع ہے اور سبب ہنوز متنفض (۱) نہیں ہوا تھا حتیٰ کہ اگر دوسرے شخص نے اس کے چھوٹ کر اڑ جانے کے بعد اس کو پکڑ لیا ہو تو وہ دوسرے کا ہو جائے گا اس واسطے کہ دوسرے شخص کے گرفتار کرنے سے پہلے شخص اوّل کا سبب گرفتاری متنفض ہو گیا تھا یہ کبریٰ میں ہے۔

اگر ایک شخص کی زمین میں کسی شکاری پرندے نے انڈے دیئے☆

اگر جال والے نے اس کو پکڑ لیا ہو پھر وہ اس کے ہاتھ سے کر چھوٹ بھاگے پھر دوسرے نے اس کو پکڑ لیا تو وہ اوّل کی ملک ہے کیونکہ وہ پکڑنے سے اس کا مالک ہو گیا ہے اور اس کا ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگنا بمنزلہ غلام کے اباق (۲) کے یا اونٹ کی سرکشی کر کے بھاگ جانے کے ہے اور اس سے ملک زائل نہیں ہوتی ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ حاکم شہید نے منتقیٰ میں ذکر فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ایک جگہ ایسی بنا دی کہ جس سے پانی اس کی زمین میں آتا ہے تاکہ وہ مچھلیوں کا شکار کرے پھر اس راہ سے اس کی زمین میں پانی معہ بہت سی مچھلیوں کے آ گیا پھر پانی خشک ہو گیا اور مچھلیاں زمین میں باقی رہ گئیں یا پانی خشک نہ ہوا مگر کم ہو کر ایسا ہو گیا کہ بدون شکار کرنے کے مچھلیاں پکڑی جا سکتی ہیں تو کسی شخص کو ان مچھلیوں کے پکڑ لینے کی راہ نہیں ہے۔ یہ مچھلیاں مالک زمین کی ہو گئی ہیں اور جو شخص پکڑ لے گا وہ ضامن ہوگا اور اگر پانی بہت باقی ہو کہ جس میں سے بدون شکار کئے مچھلیوں کا پکڑنا ممکن نہ ہو تو جس شخص نے شکار کر کے اس میں مچھلیاں پکڑیں تو وہ اسی کی ہوں گے یہ ذخیرہ میں ہے اگر کسی نے پانی میں جال ڈالا اور دوسرے نے اس میں شست ڈالی پھر جال میں مچھلی آ گئی اور شست میں پھنس گئی پس اگر جال کے تنگ چھیدوں میں ہو تو وہ جال والے کی ہوگی یہ غیاثیہ میں ہے۔ اگر کسی شخص نے پانی میں شست پھینکی اور اس میں کوئی مچھلی پھنسی پس اس کو خشکی میں جہاں سے پکڑ سکتا تھا کھینچ کر ڈال دیا ہے پھر وہ تڑپ کر

قولہ اگر جال میں سے کسی راہ گیر نے یہ جانور نکال لیا تو وہ مالک ہوگا اور جال والا واپس نہیں کر سکتا ہے ۱۲ ۔ ۲ اور جو شخص شکار کرنے کو آئے تو مالک زمین والے کو اختیار ہے کہ اس کو اپنی زمین میں نہ آنے دے اور اس پر یہ واجب نہ ہوگا کہ شکار کر کے مچھلیاں اس کو پہنچائے ۱۲

(۱) یعنی مثلاً ... راستہ جس کا شکار پکڑنا حلال نہیں ہے (۲) یعنی ہنوز جال میں موجود تھی۔

پانی میں جا پڑی تو اس کا مالک ہوگا اور اگر اس کو پانی سے باہر نکال لانے سے پہلے شست کی ڈوری ٹوٹ گئی تو اس کا مالک نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے۔ایک شخص نے اپنی زمین میں کسی غرض سے گڑھا کھودا اور اس میں کوئی شکار گر پڑا پھر ایک شخص نے آ کر اس کو پکڑ لیا تو فرمایا کہ وہ شکار اس پکڑنے والے کا ہوگا اور اگر مالک زمین نے یہ گڑھا اسی غرض سے کھودا ہو کہ اس میں شکار پھنسے تو اس شکار کا وہی حق دار ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔اگر ایک شخص کی زمین میں کسی شکاری پرندے نے انڈے دیئے یا اس میں کسی ہرن نے گھر بنایا اور دوسرے شخص نے آ کر اس کو لے لیا تو وہ اسی کی ہوگی اور یہ حکم اس وقت ہے کہ مالک زمین شکار سے اس قدر دور ہو کہ اگر ہاتھ پھیلائے تو اس کو پکڑ نہ سکے اور اگر اس قدر قریب ہو کہ ہاتھ پھیلا کر اس کو پکڑ سکتا ہے تو وہ مالک زمین کی ملک ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے ایک گڑھا[1] کھودا مگر شکار کرنے کے واسطے نہیں کھودا تھا پس اس میں کوئی شکار گر پڑا پھر دوسرے شخص نے آ کر اس کو پکڑ لیا پس اگر گڑھا کھودنے والا شکار سے اس قدر قریب ہو کہ اگر ہاتھ پھیلائے تو اس کو پکڑ لے تو یہ شکار اسی کا ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور عیون میں مذکور ہے کہ اگر شکار کسی شخص کے دار میں داخل ہوا اور اس نے دروازہ بند کر لیا اور ایسا ہو گیا کہ بدون شکار کرنے کے اس کے پکڑنے پر قادر ہے پس اگر اس نے دروازہ شکار کے پکڑنے کے واسطے بند کیا ہو تو اس کا مالک ہو گیا اور اگر اور کسی غرض سے بند کیا ہو تو مالک نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر اس کو کسی شخص نے پکڑ لیا تو پہلی صورت میں وہ مالک دار کا ہوگا اور دوسری صورت میں پکڑنے والے کا ہوگا اور ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ قولہ بدون شکار کرنے کے اس کے پکڑنے پر قادر ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے پکڑنے میں کچھ چارہ وہاتھ پاؤں ہلانے کی حاجت نہ ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ اس کے پکڑنے کے واسطے جال وغیرہ لگا کر پکڑنے کی ضرورت نہ ہو ذرا سی تدبیر سے ہاتھ آ سکتا ہو اور منتقی میں مذکور ہے کہ اگر ایک شخص نے جال لگایا اور اس میں شکار پھنسا پھر تڑپ کر اس کو کاٹ دیا اور چھوٹ بھاگا پھر دوسرے شخص نے آ کر اس شکار کو پکڑ لیا تو جس نے پکڑا ہے اسی کا ہوگا اور اگر حبالہ لگانے والا اپنے حبالہ کے پاس پہنچ گیا ہو اور اس قدر نزدیک ہو گیا ہو کہ اگر چاہتا تو پکڑ لیتا پھر وہ تڑپ کر چھوٹ بھاگا اور اس کو دوسرے نے پکڑ لیا تو وہ حبالہ والے کا ہوگا اسی طرح شکاری کتے باز کے شکار کا بھی حکم اسی تفصیل سے ہے اور حبالہ حلقہ دار ڈورا ہوتا ہے جس میں شکار کا سر یا پاؤں پھنس جاتا ہے کذا فی الظہیریہ۔

قال المترجم ☆

اور لغت میں بمعنی دام لکھا ہے ظاہر او ہ دام اسی طرح کا مراد ہے۔اگر کسی شخص نے شہر یا سواد شہر میں ایک باز پکڑا جس کے پاؤں میں چمڑے کے تسمہ تھے یا جلاجل پڑے تھے اور پہچان پڑتا تھا کہ یہ پالو باز ہے تو اس پر واجب ہے کہ مثل لقطہ کے اس کی شناخت کے واسطے پکار دے تاکہ اس کے مالک کو واپس دے اسی طرح اگر کوئی ہرن پکڑا جس کی گردن میں پٹہ وغیرہ پڑا تھا یعنی پالو معلوم ہوتا تھا اس کا بھی یہی حکم ہے اسی طرح اگر کسی نے کبوتروں کے برج بنائے اور اس میں لوگوں کے پالو کبوتروں نے گھونسلے رکھے تو جس قدر ان کے بچے پکڑے وہ اس کو حلال نہ ہوں گے اس واسطے کہ بچہ ان کے ماں باپ کے مالک ہونے پر حلال ہو سکتے ہیں پس ان کا حکم مثل لقطہ کے ہے لیکن اگر وہ شخص فقیر ہو تو اس کو حلال ہے کہ اپنی حاجت میں ان کو کھائے اور اگر غنی ہو تو اس کو چاہئے کہ کسی فقیر کو صدقہ دے دے پھر اس سے کسی قدر دام کو خریدے اور تناول کرے اور ہمارے شیخ امام شمس الائمہ ایسا ہی کرتے تھے اور ان کو کبوتروں کے گوشت سے بہت رغبت تھی یہ مبسوط میں ہے۔ابن سماعہ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے ایک شکار کو تیرا مارا اور اس کو گرا دیا اور وہ غش ہو کر ایک دم پڑا رہا مگر اس میں کہیں جراحت نہ تھی پھر اس سے غشی جاتی رہی اور وہ چل دیا یا پرند تھا کہ اڑ

(۱) یعنی اپنی ملک میں ۱۲

گیا پھر دوسرے شخص نے اس کو تیر مار کر گرا دیا اور پکڑ لیا تو وہ دوسرے کا ہوگا اور اگر شخص اول نے اس کو غشی کی حالت میں پکڑ لیا اور دوسرے نے بھی اس کو اسی حالت میں پکڑ لیا اور ہنوز وہ شکار نہ بھاگا اور نہ اُڑا تھا تو وہ پہلے شخص کا ہوگا ایک شخص نے ایک شکار کو تیر مار کر گرا دیا اور ایسا زخم آیا کہ وہ اٹھ نہیں سکتا تھا پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ایسا ہی پڑا رہا پھر وہ چنگا ہو گیا پھر دوسرے نے اس کو تیر مارا اور پکڑ لیا تو وہ پہلے شخص کا ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک شکار کو تیر مارا اور زخم کاری دیا کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا تھا پھر دوسرا تیر مارا اور وہ اس کے لگا اور وہ مر گیا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ یہ معلوم ہو کہ دوسرے تیر سے مرا ہے یا یہ معلوم نہ ہو کہ دونوں میں سے کس تیر سے مر گیا ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ پہلے تیر سے مرا ہے تو حلال ہے اور حلال ہونے کے حق میں تیر پھینکنے کے وقت کا اعتبار ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

اگر کسی شخص نے شکار کو تیر مارا اور اس کے لگا مگر اس کو ایسا نہیں کر دیا کہ حیز امتناع سے خارج کر دے یعنی ہنوز وہ تیر انداز کے قبضہ سے باہر تھا یعنی بھاگ جا سکتا تھا پھر دوسرے نے اس کو تیر مارا اور قتل کر دیا تو وہ دوسرے کا ہوگا اور کھایا جائے گا اور اگر اول نے زخم کاری دیا ہو کہ ست کر دیا ہو پھر دوسرے نے اس کو تیر مار کر قتل کر دیا تو وہ شخص اوّل کا ہے اور نہ کھایا جائے گا اور یہ حکم اس وقت ہے کہ پہلا تیر ایسا لگا ہو کہ اس سے شکار مذکور نجات پا سکتا ہوتا کہ اس کی موت دوسرے تیر کی جانب مضاف ہو اور اگر پہلا تیر ایسا لگا ہو کہ اس سے نجات نہ پا سکتا ہو مثلاً اس میں اس قدر حیات رہ گئی جیسے مذبوح میں رہ جاتی ہے یا اس کا سر الگ ہو گیا تو حلال ہوگا اور اگر پہلا تیر ایسا لگا کہ اس سے شکار زندہ نہیں رہ سکتا ہے لیکن اس میں حیوۃ بہ نسبت مذبوح کے زیادہ رہ گئی مثلاً وہ کم وبیش ایک روز زندہ رہ سکتا ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوسرے تیر مارنے سے حرام نہ ہوگا اس واسطے کہ اس قدر حیوۃ کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک حرام ہوگا اس واسطے کہ اس قدر حیات کا اعتبار ہے پس امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت کا حکم اور جس صورت میں کہ تیر اوّل سے صید نجات پا سکتا ہو یکساں ہے یعنی حلال نہ ہوگا اور دوسرا شخص پہلے شخص کے واسطے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا سوائے اس قدر کہ جتنا اس کی جراحت نے نقصان کر دیا ہے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب دوسرے تیر سے اس کا مرنا معلوم ہو مثلاً تیر اوّل کے زخم سے اس کی نجات ممکن معلوم ہوا اور دوسرے تیر کے زخم سے اس کی نجات ناممکن معلوم ہوتا کہ قتل دوسرے کی طرف منسوب ہو اور اگر یہ معلوم ہو کہ دونوں زخموں سے مر گیا یا کچھ معلوم وثابت نہ ہوتا ہو تو دوسرا شخص اس کے واسطے جو اس کے جراحت سے نقصان آیا ہے اس کا ضامن ہوگا اس واسطے کہ اس نے غیر کے مملوک حیوان کو مجروح کر کے ناقص کر دیا پس جس قدر ناقص کیا ہے اس کا ضامن ہوگا پھر دو زخموں سے جو جانور مجروح ہو اس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا اس وجہ سے کہ اس کی موت دونوں زخموں سے ہوئی ہے پس اس کے نصف کا تلف کرنے والا ہوا حالانکہ وہ غیر کا مملوک ہے پس دو زخموں سے مجروح کی نصف قیمت کا ضامن ہوا اس واسطے کہ اوّل نے باختیار خود نہیں کہا اور ثانی نے اس کو ایک بار اس کی ضمان دے دی پس دوبارہ ضمان نہ دے گا پھر اس کے آدھے گوشت حلال کئے ہوئے کا ضامن ہوگا اس واسطے کہ شکار مذکور تیر اوّل سے ایسی حالت میں تھا کہ زکوٰۃ اختیاری سے حلال ہو سکتا تھا اگر اس کو دوسرا شخص تیر نہ مارتا پس دوسرے نے تیر مار کر آدھا گوشت برباد کر دیا پس اس کا ضامن ہوگا اور باقی آدھے کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس نے ایک بار آدھے کی ضمان دے دی ہے پس اس میں گوشت کی ضمان بھی داخل ہو گئی یہ کافی میں ہے۔ اور اگر پہلے شخص کے تیر پہنچنے سے پہلے دوسرے شخص نے اس کو تیر مار کر قتل کر دیا ہو تو اس کا کھانا حرام نہ ہوگا اور دوسرا شخص پہلے شخص کے واسطے کچھ ضامن نہ ہوگا اور اگر پہلے شخص کے تیر مارنے کے بعد شکار کا یہ حال ہو کہ وہ اپنے پیروں بھاگتا ہو یا اڑتا ہو پھر دوسرے نے اس کو تیر مار کر گرا کر قتل کر دیا تو وہ دوسرے کا ہے اور حلال ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر دو آدمیوں نے ایک شکار کو تیر امارا پھر ایک کا تیر دوسرے شخص سے

پہلے پہنچ کر اس کے لگا اور زخم کاری دیا حتیٰ کہ وہ صید نہ رہا پھر دوسرے کا تیر پہنچ کر لگا تو وہ اس شخص کا ہے جس کا تیر پہلے لگا ہے اگرچہ دونوں نے ساتھ ہی تیر پھینکے ہوں اور اگر دونوں تیر ساتھ ہی لگے ہوں (۱) تو وہ دونوں کا ہے اس واسطے کہ ملک ثابت ہونے کے حق میں تیر لگنے کی حالت (۲) کا اعتبار ہے تیر پھینکنے کی حالت کا اعتبار نہیں ہے اور حلال ہونے کے حق میں تیر پھینکنے کی حالت کا اعتبار ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر پہلے شخص کا تیر شکار کے لگا اور اس کو پژمردہ کر دیا پھر اس کو دوسرے کا تیر لگا اور قتل کر دیا تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ شکار مذکور پہلے شخص کا ہے اور کھایا جائے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک شکار کو تیر مارا اس کے بعد دوسرے نے تیر مارا پھر دوسرا پہلے تیر پر پڑا اور اس کو لئے ہوئے چلا گیا یہاں تک کہ پہلا تیر شکار کے لگا اور اس کو مجروح کر کے قتل کیا پس اگر تیر اوّل ایسے حال میں ہو کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ بدون دوسرے تیر کے شکار تک نہ پہنچتا تو شکار دوسرے کا ہوگا اس واسطے کہ وہی اس کا پکڑنے والا قرار دیا جائے گا حتیٰ کہ اگر دوسرا شخص مجوسی ہو یا احرام باندھے ہوئے ہو تو شکار مذکور حلال نہ ہوگا اور اگر تیر اوّل ایسی حالت میں ہو کہ معلوم ہو کہ وہ بدون دوسرے تیر کے شکار تک پہنچے گا تو شکار مذکور اوّل شخص کا ہوگا اس واسطے کہ پکڑنے میں وہ سابق ہے۔ حالانکہ اس کا تیر خود کافی ہے لیکن اگر دوسرا شخص احرام میں ہو یا مجوسی ہو تو استحساناً حلال نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اور منتقی میں حاکم شہیدؒ نے ذکر فرمایا کہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر کوئی ہرن کسی شخص کے دار میں داخل ہوا یا اس کی چار دیواری کے باغ میں داخل ہوا یا بجائے ہرن کے حمار وحشی اس طرح داخل ہوا پس اگر وہ بغیر شکار کرنے کے پکڑا جا سکتا ہو تو وہ مالک[۱] دار کا ہے۔ اسی طرح اگر مچھلیوں کے حظیرہ[۲] میں اس طرح مچھلیاں داخل ہوئیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے مگر یہ حکم جو یہاں مذکور ہے اس حکم سے جو اصل میں ذکر فرمایا ہے مخالف ہے چنانچہ اصل میں مذکور ہے کہ اگر پہلا شکاری کتا شکار پر چھوڑا اور کتے نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ اس کو کسی شخص کی زمین یا دار میں داخل کر دیا تو وہ شکار کتے والے کا ہوگا اسی طرح اگر کسی شکار کے پیچھے تیز دوڑا یہاں تک کہ اس کو بھگا کر کسی شخص کے دار میں داخل کیا تو وہ اسی شخص کا ہے جو اس کے پیچھے دوڑ کر اس کو لایا ہے کیونکہ جب اس نے اس کو بھگا لا کر مضطر کر دیا تو گویا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا یہ ذخیرہ میں ہے۔

شکار پہ سبقت کرنے میں اختلاف وارد ہوا تو؟

امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے دار سے ایک پرند شکار کیا پس اگر دونوں ایسے امر پر متفق[۳] ہوں کہ جس سے وہ پرند اصلی اباحت پر باقی ہو تو وہ شکار کرنے والے کا ہوگا خواہ اس نے ہوا میں سے پکڑا ہو یا اس کے دار کے درخت پر سے شکار کیا ہو اور اگر دونوں نے اختلاف کیا اور مالک مکان نے کہا کہ میں نے تجھ سے پہلے اس کا شکار کیا ہے اور شکاری نے اس سے انکار کیا پس اگر اس نے ہوا میں سے پکڑا ہے تو اس کا ہوگا اور اگر اس کے دار میں سے یا اس کے درخت پر سے پکڑا ہے تو قول مالک مکان کا قبول ہوگا اور اگر ہوا میں سے پکڑنے اور دیوار (۳) پر سے پکڑنے میں اختلاف کیا ہے تو مالک مکان کا قول قبول ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اصل میں فرمایا کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کی جاری نہر میں سے مچھلیاں پکڑیں جو بدون شکار کے نہیں پکڑی جا سکتی ہیں تو پکڑنے والے کی ہوں گی اسی طرح اگر اجمہ ہو جس کی مچھلیاں بدون شکار کئے ہوئے نہیں پکڑی جا سکتی ہیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے اس واسطے کہ اجمہ کا مالک ان مچھلیوں کا محرز نہیں ہے بلکہ محرز وہ ہوا جس نے پکڑی ہیں اور اگر اجمہ کے مالک نے اس کے واسطے

---

[۱] مالک یعنی مکان والا اس کا مالک ہو گیا ۱۲ [۲] حظیرہ ایک جگہ قریب دریا کے بناتے ہیں تاکہ جو مچھلی اس میں آ جائے سو وہ نکلنے نہ پائے اور جانوروں کا حظیرہ مانند کٹہرے کے لکڑیوں سے بناتے ہیں تاکہ گھوڑیاں اس میں رہ کر بچے جنیں اور بڑھوار ہو [۳] یعنی مثلاً مالک دار اس بند پر اپنا دعویٰ نہ کرے جس سے اس کا استحقاق ثابت ہو ۱۲ (۱) اگرچہ ساتھ نہ پھینکے ہوں ۱۲ (۲) ساتھ لگے یا آگے پیچھے ۱۲ (۳) دعویٰ مالک مکان ۱۲

کوئی حیلہ کیا کہ اجمہ کا پانی نکال دیا اور مچھلیاں باقی رہ گئیں تو وہ اجمہ کے مالک کی ہوں گی اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر اجمہ کے مالک نے پانی نکال دیا مگر مچھلیوں کی غرض سے ایسا نہیں کیا ہے تو بھی وہ مچھلیاں پکڑنے والے کی ہوں گی اور اگر اجمہ کا پانی زمین میں پیوست ہو گیا پس اگر اجمہ والے کا قصد مچھلیاں پکڑنے کا ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر بدون شکار کے وہ نہیں پکڑی جا سکتی ہیں تو وہ شکار کرنے والے کی ہوں گی اور اگر بدون شکار کے ان کا پکڑنا ممکن ہو تو وہ مچھلیاں اجمہ کے مالک کی ہوں گی یہ محیط میں لکھا ہے۔ منتقیٰ میں داؤد بن رشید کی روایت سے امام محمدؒ سے مروی ہے کہ شہد کی مکھیوں نے ایک شخص کی زمین میں چھتے لگائے اور ان میں سے بہت سا شہد نکلا تو یہ سب مالک زمین کا ہوگا اور کسی کو اس کے لینے کی راہ نہ ہوگی اور فرمایا کہ اس کی زمین میں یہ شہد مشابہ اس کے نہیں ہے کہ اس کی زمین میں ہرن وغیرہ کوئی شکار رہتا ہے یا کسی پرند شکار نے انڈے دیئے اور فرق کی طرف اس طرح اشارہ کیا کہ صید تو زمین مذکور میں آتا ہے اور چلا جاتا ہے اور انڈے میں سے بچے نکل کر اُڑ جاتے ہیں ہاں یہ صید اس کے انڈے خود شہد کی مکھیوں سے مشابہ ہیں پس اگر شہد کی مکھیاں کسی نے پکڑ لیں تو اسی کی ہوں گی اور شہد نہ کبھی صید تھا اور نہ کبھی صید ہوگا اور منتقیٰ میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر کسی شخص نے شہد کی مکھیوں کے چھتے رکھے اور ان میں شہد پیدا ہوا تو ان چھتوں کے مالک کا ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور ملتقط میں لکھا ہے کہ دو شخصوں میں سے ایک شخص کی کبوتری ہے اور دوسرے کا کبوتر ہے تو جو بچے پیدا ہوں وہ کبوتری والے کے ہوں گے کذا فی التاتارخانیہ۔

تیسرا باب

شرائط اصطیاد کے بیان میں

شکار کرنے والا اہل زکوٰۃ میں سے ہونا چاہئے یعنی ذبح کو اور تسمیہ کو جانتا ہو پس جو نابالغ و مجنوں کہ ذبح و تسمیہ کو نہ جانتا ہو اس کا شکار نہ کھایا جائے گا اور یہ چاہئے کہ ملت توحید پر ہو خواہ دعویٰ و اعتقاد دونوں طرح سے جیسے مسلمان یا فقط دعویٰ سے نہ اعتقاد سے جیسے کتابی کذا فی الظہیریہ اور اس کے باوجود یہ بھی شرط ہے کہ وہ احرام میں نہ ہو اور نہ حرام کا شکار کھیلا ہو حتی کہ محرم کا شکار نہ کھایا جائے گا اور نہ جو شکار حلال نے حرم میں شکار[1] کیا ہے اور باقی شکار جو مسلمان یا کتابی نے شکار کیا ہو اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے یہ محیط میں ہے اور تیر سے شکار کرنے میں تیر چھوڑنے کے وقت تسمیہ شرط ہے اور کتے و باز وغیرہ سے شکار کرنے میں ان کے چھوڑنے کے وقت تسمیہ شرط ہے اور ہمارے نزدیک ان کے چھوڑنے میں یہ شرط نہیں ہے کہ کسی شکار معین پر چھوڑے حتی کہ اگر تسمیہ پڑھ کر کتے یا باز کو کسی شکار پر چھوڑا پس اس نے یہ شکار یا دوسرا شکار پکڑا یا چند شکار پکڑے تو اسی تسمیہ سے سب شکار ہمارے نزدیک حلال ہوں گے جب تک وہ اس چھوٹ[2] کی روش پر باقی رہے اور اگر تیر پھینکنے یا کتا وغیرہ چھوڑنے کے وقت عمداً تسمیہ چھوڑ دیا تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا اور اگر بھولے سے چھوڑ دیا ہے تو شکار کا کھانا حلال ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور مجوسی یعنی آتش پرست اور بت رست اور مرتد کا شکار نہ کھایا جائے گا اس واسطے کہ یہ لوگ زکوٰۃ (۱) اختیاری کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں پس ایسے ہی زکوٰۃ اضطراری (۲) کی اہلیت بھی نہیں رکھتے ہیں یہ کافی میں ہے۔ اور اگر نصرانی نے کتا وغیرہ چھوڑا یا تیر مارا اور اس حالت میں مسیح (۳) کا نام لیا تو یہ شکار نہ کھایا

---

[1] شکار کیا یعنی ارادہ ذبح کیا ہے حتی کہ اگر باہر سے لا کر حرم میں ذبح کیا تو بھی مراد ہے ۱۲ [2] یعنی اس نے شکار پر چھوڑا ہے پس شکار کو چھوڑ کر کسی اور کام میں مشغول نہ ہو جائے اور نہ ٹھہر جائے یا واپس نہ جائے ۱۲ (۱) خفیار حلال کرنا مثل بکری وغیرہ ۱۲ (۲) جس کو باختیار حلال کر سکے جیسے وحشی وغیرہ ۱۲ (۳) اسی با ہم اسم مسیح علیہ السلام ۱۲

جائے گا۔ باز و کتے وغیرہ میں ارسال یعنی باختیار چھوڑنا شرط ہے کہ اگر سیکھا ہوا کتا مالک سے چھوٹ (۱) بھاگا اور اس نے کسی شکار کو پکڑ کر قتل کیا تو وہ شکار نہ کھایا جائے گا اور اگر چھوٹ بھاگنے کے بعد مالک نے اس کو سخت آواز دی اور تسمیہ پڑھا پس اگر اس کے زجر کرنے سے منزجر نہ ہوا یعنی شکار پکڑنے پر حرص وطلب زیادہ نہ کی پھر شکار پکڑا تو وہ شکار نہ کھایا جائے گا اور اگر اس کی آواز سے منزجر ہو گیا یعنی شکار کی جستجو و پکڑنے پر زیادہ حریص ہو گیا تو یہ شکار استحساناً کھایا جائے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر مسلمان نے اپنا کتا چھوڑا پھر اس کو ایک مجوسی نے زجر کیا پس اس کے زجر کرنے سے وہ منزجر ہو گیا یعنی شکار کا طالب وحریص زیادہ ہو گیا تو جو شکار پکڑے اس کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور زجر سے یہ مراد ہے کہ بلند آواز سے اس کو شکار پر غرہ کرے اور اگر مجوسی نے اپنا کتا چھوڑا اور مسلمان نے اس کو زجر کیا اور وہ منزجر ہو گیا تو اس کا شکار نہ کھایا جائے گا اور جس شخص کا ذبیحہ نہیں جائز ہے جیسے مرتد ومحرم یعنی جو شخص احرام باندھے ہے اور عمداً تسمیہ ترک کرنے والا اس حکم میں بمنزلہ مجوسی کے ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے شرح کتاب الصید میں اس مسئلہ میں کہ مسلمان نے اپنا کتا چھوڑا و مجوسی نے اس کو زجر کیا اور وہ منزجر ہو گیا یوں ذکر فرمایا ہے کہ اس کتے کے شکار کھانے میں جبھی مضائقہ نہ ہوگا کہ جب مجوسی نے اس کو زجر کیا ہے تو ایسی حالت ہو کہ کتا برابر شکار کی طرف جارہا ہو اور اگر ارش ارسال سے ٹھہر گیا پھر اس کے بعد مجوسی نے زجر کیا اور اس کے زجر کو مان گیا اور شکار کا طالب وحریص ہو گیا تو اس کا شکار نہ کھایا جائے گا کذا فی المحیط اور یہی مختار ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔

اگر کتے کو کسی نے نہ چھوڑا ہو مگر وہ خود اٹھ کر یا باز خود اڑ کر شکار کے پیچھے ہوا اور پھر اس کو کسی مسلمان نے زجر کیا اور تسمیہ پڑھ دیا اور وہ زجر کو مان گیا اور شکار کو پکڑا تو حلال ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ حلال نہ ہو یہ کافی میں ہے اور اگر وہ منزجر نہ ہوا ہو تو حلال نہ ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اور اگر کتا چھوڑا اور عمداً تسمیہ چھوڑ دیا پھر جب کتا شکار کے پیچھے چل دیا تو تسمیہ پڑھ کر اس کو زجر کیا اور اس نے شکار کو پکڑ کر قتل کیا تو کھایا جائے گا خواہ زجر کرنے سے وہ منزجر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو یہ ینابیع میں ہے اور شکار کھیلنے کے شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ شکار کے واسطے جانور چھوڑنے و تیر مارنے میں کوئی ایسا شخص اس کے ساتھ شریک نہ ہو جس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے جیسے آتش پرست و بت پرست و عمداً[1] تسمیہ ترک کرنے والا اور اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ تیر پھینکنے و شکاری جانور چھوڑنے کے بعد کسی اور کام میں مشغول نہ ہو بلکہ شکار کے پیچھے ہو جائے اور کتے کے پیچھے ہو جائے اور اگر کتا اس چھوڑنے والے کی نظر سے اس طرح غائب ہوا کہ اس کو نظر نہیں آتا ہے پھر اس کو دیر کے بعد پایا کہ اس نے شکار کو قتل کیا تھا تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو اس نے پیچھا کرنا نہ چھوڑا ہو یہاں تک کہ شکار کو اس طرح پایا اور کتا اس کے پاس موجود تھا تو اس صورت میں قیاساً وہ شکار نہ کھایا جائے اور استحساناً کھایا جائے گا اور مشائخ نے فرمایا کہ بجواب استحسان یہ شرط کہ کتا اس کے پاس موجود ضروری ہے حتیٰ کہ اگر شکار کو مردہ پایا اور کتا اس کے پاس سے ہٹ گیا تھا تو قیاساً واستحساناً وہ شکار نہ کھایا جائے گا اور اگر کسی دوسرے کام میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ جب رات قریب آئی تو اس کی جستجو کی پس شکار کو مردہ پایا اور کتا اس کے پاس موجود تھا اور شکار میں ایک جراحت تھی کہ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کو کتے نے مجروح کیا ہے یا دوسرے نے تو کتاب میں فرمایا کہ میں اس کا کھانا مکروہ جانتا ہوں اور شمس الائمہ حلوائیؒ وشمس الائمہ سرخسی نے تصریح کر دی کہ وہ نہ کھایا جائے گا مگر شیخ الاسلام خواہرزادہ نے فرمایا کہ مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد ہے لیکن فتویٰ قول (۲) اوّل پر ہے کذا فی

---

[1] عمداً تسمیہ ترک کرنے والا اقول اس میں یہ شرط ضروری ہے کہ اجتہادی نہ ہو کیونکہ مثلاً شافعیہ کے اجتہاد سے اس کی حلت اجتماعی ہے تو جب وہ لوگ ہم کو خبر دیں کہ حلال ہے تو ہم کھا سکتے ہیں کیا نہیں دیکھتے ہو کہ نصرانی و یہودی کی طرف سے یہ خبر معتبر ہے پھر اہل السنۃ سے کیونکر معتبر نہ ہوگی اور جاہل متعصب کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ وہ عالم کی صورت میں اہل السنۃ کے مجتہدوں میں فساد ڈالنا چاہتا ہو فافہم ۱۲ منہ (۱) اگرچہ بسم اللہ پڑھنے کے بعد ہوا ۱۲

(۲) یعنی تحریمی ہے ۱۲

الظہیر یہ اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ شکار کو ایک جراحت سے مجروح پایا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کتے کی جراحت ہے اور اگر علامت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتے کے سوائے دوسرے کی جراحت ہے یا یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ جراحت کتے کی ہے لیکن اس میں دوسری جراحت بھی ہو جو کتے کی جراحت نہیں ہے تو وہ شکار نہ کھایا جائے گا خواہ اس نے جستجو اور پیچھا کرنا چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو اور اوّل سے آخر تک یہی حکم باز و چرغ و شاہین وغیرہ میں ہے اور تیر کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی شکار کو تیر مارا اور اس کے لگا پھر شکار مذکور اس کی نظر سے پوشیدہ ہو گیا پھر اس کو مردہ پایا اور اس میں سوائے تیر کے دوسری جراحت ہے تو وہ نہ کھایا جائے گا اگر چہ جستجو میں برابر اس کے پیچھے رہا ہو اور اگر مردہ پایا مگر اس میں سوائے تیر کے دوسری جراحت نہ تھی پس اگر جستجو چھوڑ کر دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا ہو تو یہ شکار استحساناً کھایا جائے اور اگر دوسرے کام میں مشغول ہوا ہو تو قیاساً و استحساناً نہ کھایا جائے یہ محیط میں ہے۔ فتاویٰ آ ہو میں ہے کہ ایک شخص نے پانی میں ایک پرند کو تیر مارا اور مجروح کر دیا پھر تیر انداز موزہ اتارنے میں مشغول ہوا پھر موزہ اتار کر پانی میں گیا اور پرند مذکور کو جرچ تیر سے مردہ پایا تو فرمایا کہ اس کا کھانا حلال ہے اور قاضی بدیع الدین نے فرمایا کہ تیر انداز کا موزہ اُتارنے میں مشغول ہونا عذر نہیں ہے پس اس نے طلب کو ترک کیا اس واسطے اس کا کھانا حرام ہو گیا اور بھی سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے تیر مارا اور دوسرے کو اس کے پیچھے جستجو کا حکم کیا تو فرمایا کہ جائز ہے۔ پھر دریافت کیا گیا کہ اگر کتا چھوڑا اور تسمیہ نہ پڑھا بھول گیا پھر قبل اس کے کہ کتا شکار تک پہنچے تسمیہ پڑھ دیا مگر کتے کو آواز دے کر نہ للکارا یہاں تک کہ اس نے شکار پکڑ کر قتل کیا تو وہ نہ کھایا جائے گا اور تیر میں ایسا شکار کھایا جائے گا اس واسطے کہ کتے کی صورت میں تدارک سہو اس طرح ممکن ہے کہ اس کو للکار دے اور تیر میں ممکن نہیں کذا فی التاتارخانیہ۔

چوتھا باب ☆

شرائط صید کے بیان میں

آلہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک جماد جیسے تیر پُردار و بے پر وغیرہ اس کے مانند دوم حیوان جیسے کتا وغیرہ شکاری جانور و باز وغیرہ شکاری پرند پس اگر آلہ شکار حیوان ہو تو اس کی شرط میں سے یہ ہے کہ وہ سکھا ہوا ہو اور کتا سکھا ہوا نہ ہوگا تاوقتیکہ اس میں یہ بات نہ ہو کہ وہ شکار کو ہمارے واسطے رکھ چھوڑے خود نہ کھا جائے اور جب مالک اس کو بلائے تو چلا آئے اور جب شکار پر چھوڑے تو تابعداری کے ساتھ رواں ہو جائے پس کتے وغیرہ شکاری درندہ کے سکھے ہوئے ہونے کی علامت یہ ہے کہ شکار میں سے نہ کھائے اور امام اعظمؒ اس کے واسطے کوئی حد نہیں قرار دیتے تھے اور کوئی وقت نہیں مقرر کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر شکاری درندہ سکھا ہوا ہو تو اس کا شکار کھا لے اور بسا اوقات فرماتے تھے کہ جب شکار کھیلنے والے کے غالب گمان پر وہ سکھا ہوا ہو تو وہ سکھا ہوا ہے اور بار ہا فرماتے تھے کہ جو شکار کھیلنے والے دانائے کار ہیں ان کے قول کی طرف رجوع کیا جائے پس جب وہ کہہ دیں کہ یہ کتا سکھا ہوا ہو گیا ہے تو وہ سکھا ہوا ہوگا اور حسنؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کی کہ جب تین بار وہ شکار کو پکڑ کر کھانا چھوڑ دے تو وہ سکھا ہوا ہے اور یہی قول ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا ہے کذا فی المحیط۔ یہی اصح ہے کذا فی جواہر الاخلاطی۔

باز وغیرہ شکاری پرندے کے سدھائے ہوئے ہونے کی علامات کا بیان ☆☆

صاحبینؒ سے ظاہر الروایت کے موافق اس کا تیسری بار کا چھوڑا ہوا شکار حلال نہیں ہے بلکہ چوتھی بار کا چھوڑا ہوا حلال ہے اور صاحبینؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ تیسری بار والا شکار بھی جو اس نے چھوڑ دیا ہے حلال ہے یہ ظہیر یہ میں ہے اور باز وغیرہ شکاری پرند کے حق میں شکار کو چھوڑ دینا نہ کھانا اس کے سکھے ہوئے ہونے کی علامت نہیں ہے اس کے سکھے ہونے کی علامت یہی ہے کہ جب

اس کا پالنے والا اس کو بلائے تو وہ مان لے حتیٰ کہ اگر باز وغیرہ نے شکار میں سے کھالیا تو اس کا شکار کھایا جائے گا اور ہمارے بعض مشائخ نے باز کے حق میں فرمایا کہ جب سیکھا ہوا معلوم ہوگا کہ جب تیسری بار پالنے والے کے پکارنے سے آجائے بدون اس کے کہ گوشت کی طمع سے ایسا کرے اور اگر اس کی یہ حالت ہو کہ پالنے والے کی آواز سے نہ آئے الا بطمع گوشت تو وہ سیکھا ہوا نہ ہوگا اور جب یہ حکم لگایا گیا کہ یہ باز سیکھا ہوا ہے پھر وہ باز اپنے پالنے والے کے پاس سے فرار کر گیا اور بلانے سے نہ آیا تو وہ سیکھا ہوا ہونے کے حکم سے نکل گیا اور اس کا شکار حلال نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کتے وغیرہ نے شکار میں سے کھالیا تو سیکھے ہوئے ہونے کے حکم سے خارج ہوگیا اور امام اعظمؒ کے نزدیک جتنے شکار اس سے پہلے کے پکڑے ہوئے اس کے مالک کے پاس ہیں ان کا کھانا حرام ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک جن شکاروں کو اس کے مالک نے اپنے حرز میں کرلیا ہے اور نہیں کھایا ہے وہ حرام نہ ہوں گے اور بعض مشائخ نے کہا کہ یہ اختلاف اس وقت ہے کہ جب ان شکاروں کی گرفتاری کا زمانہ قریب ہو اور اگر بعید زمانہ ہو مثلاً ایک مہینہ کے برابر گذر گیا ہو اور کتے کے مالک نے ان شکاروں کا قدید بنالیا ہو تو بلا خلاف حرام نہ ہوں گے اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ اظہر یہ ہے کہ اختلاف دونوں صورتوں میں ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ ایسے کتے کے جتنے شکاروں کو اس کے مالک نے اپنے حرز میں نہیں کیا ہے وہ حرام ہوں گے ایسا ہی شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے اور ایسے کتے شکاروں کی قدید بنائے ہوئے کو اگر اس کے مالک نے فروخت کردیا ہو تو شک نہیں ہے کہ صاحبینؒ کے قول پر اس کی بیع نہ ٹوٹے گی اور بنا بر قول امام اعظمؒ کے جب کہ بائع و مشتری نے اس امر پر اتفاق کیا کہ کتا جاہل تھا سیکھا ہوا نہ تھا تو بیع ٹوٹ جانی چاہئے اور فرمایا کہ پھر اس کے بعد اس کتے کا شکار حلال نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ سیکھ جائے اور اس کے سیکھنے کی حد وہی ہے جو ہم نے پہلے پہل اس کے سیکھے ہوئے ہونے کی پہچان میں باقوال مختلفہ بیان کردی ہے۔ اسی طرح اگر باز اپنے مالک سے فرار ہوگیا اور بلانے سے نہ آیا حتیٰ کہ اس کے جاہل بغیر سیکھے ہوئے ہونے کا حکم دیا گیا تو اس میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے اور پھر اگر اس کے بعد اس نے پے در پے تین بار اپنے پالنے والے کے آواز دینے پر فرمانبرداری کی تو اس کے سیکھے ہوئے ہوجانے کا حکم دیا جائے گا یہ صاحبین کے قول کے موافق ہے اور اگر اس نے شکار کا خون پی لیا تو شکار کھایا جائے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر سیکھے ہوئے کتے نے شکار پکڑا اور اس سے اس کے مالک نے لے لیا پھر مالک نے اس میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر کتے کے سامنے ڈال دیا اور کتے نے کھایا تو کتا اپنے حال سابق کے موافق سیکھا ہوا رہے گا۔ اسی طرح اگر مالک نے کتے کے پاس سے وہ شکار لے لیا پھر کتے نے اُچک کر مالک کے پاس سے شکار میں سے ایک ٹکڑا لے کر کھایا حالانکہ وہ مالک کے ہاتھ میں ہے تو یہ کتا سیکھا ہوا رہے گا اسی طرح مشائخ نے فرمایا کہ اگر کتے نے شکار مالک کو دینے کے بعد اس میں سے چرالیا تو بھی کتا سیکھا ہوا رہے گا اور اگر سیکھے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑا اور اس نے حملہ کر کے شکار میں سے ایک لوتھڑا گوشت دانتوں سے نوچ لیا اور شکار بھاگ گیا پس کتے نے وہ لوتھڑا کھایا پھر شکار کے پیچھے دوڑا اور اس کو پا کر قتل کر ڈالا اور کچھ نہ کھایا تو یہ شکار نہ کھایا جائے گا اس واسطے کہ شکار پکڑنے کی حالت میں اس کا شکار میں سے کھالینا یہ اس کے جاہل ہونے کی علامت ہے اور اگر کتے نے حملہ کر کے اس کا گوشت نوچ لیا اور شکار بچ کر بھاگا پھر کتنے نے اس کا پیچھا کیا اور پکڑ کر قتل کر ڈالا اور اس میں سے کچھ نہ کھایا تو وہ شکار کھایا جائے گا اس واسطے کہ کتے سے کوئی ایسا فعل نہیں پایا گیا جو اس کے بے سیکھے ہونے پر دلالت کرتا ہو اس واسطے کہ اس نے شکار مذکور میں سے ایک ٹکڑا اسی واسطے نوچ لیا کہ زخم کاری[1] لگے تا کہ اس سے اس کے پکڑ لینے پر قادر ہوجائے پس یہ امر بمنزلۂ زخمی کرنے کے ہے۔ اور اگر کتے کے مالک نے شکار کو اس کتے سے لے لیا اور کتا اس کو قتل کر چکا تھا پھر اس کے بعد کتا واپس ہوا اور جو ٹکڑا نوچ کر ڈال آیا ہے اس کے[2] پاس گذرا اور اس

---

[1] کیونکہ خون اس کے مالک کی غذا نہیں ہے ۱۲ [2] اس میں اشارہ ہے کہ کتا عمداً اس ٹکڑے کے واسطے نہیں آیا تھا ۱۲ منہ

کو کھالیا تو اس کا شکار کھایا جائے گا۔اور اگر کتے نے شکار کا پیچھا کیا اور اس کی بوٹی نوچ لی اور کھائی حالانکہ شکار ہنوز زندہ تھا وہ کتے کے پاس سے اُچک بھاگا پھر کتے نے اسی وقت ایک دوسرا شکار پکڑ کر قتل کیا اور اس میں سے کچھ نہ کھایا تو اصل میں اس مسئلہ کو ذکر کر کے فرمایا کہ میں اس شکار کا کھانا مکروہ جانتا ہوں اس واسطے کہ شکار پکڑنے کی حالت میں اس میں سے کھانا اس کے بے سیکھے ہوئے ہونے کی دلیل ہے۔کذا فی البدائع۔

قال المترجم ☆

بنا بر تصریح شمس الائمہ حلوائی وشمس الائمہ سرخسی مکروہ سے تحریمی مراد ہے اور بنا بر تقریر شیخ الاسلام تنزیہی مراد ہے والا دل اصح۔ایک شخص نے کتا ایک شکار پر چھوڑا اس نے اس کو نہ پکڑا دوسرا شکار پکڑا پس اگر ارسال کی روش پر چلا گیا ہو تو یہ شکار حلال ہے یہ سراجیہ میں ہے۔اگر کسی نے اونٹ کو تیر مارا اور وہ شکار کے لگا اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اونٹ وحشی ہو گیا تھا یا نہیں تو جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ اونٹ وحشی ہو گیا تھا تب تک شکار مذکور نہ کھایا جائے گا اس واسطے کہ اونٹ کے حق میں اصلیت یہی ہے کہ وہ ہلا ہوا ہو پس اصل کے موافق لیا جائے گا یہاں تک کہ خلاف اصل ثابت[1] ہو یہ کافی میں ہے۔اگر ایک شخص نے اپنے باز کو خرگوش پر چھوڑا اور اس نے اس ارسال میں دوسرے شکار کو پکڑا حالانکہ باز سوائے خرگوش کے کچھ شکار نہیں کرتا ہے جو اس نے شکار کیا ہے وہ نہ کھایا جائے گا اور اگر اس نے سور یا بھیڑیئے کی طرف چھوڑا اور اس نے ہرن کا شکار کیا تو اس کا کھانا حلال ہے یہ ینابیع میں ہے۔اور اگر باز کو ہرن پر چھوڑا حالانکہ وہ ہرن کا شکار نہیں کرتا ہے پس اس نے کسی شکار کو پکڑا تو نہ کھایا جائے گا یہ تہذیب میں ہے۔اور اگر اپنا کتا ایک شکار پر تسمیہ پڑھ کر چھوڑا اس نے اسی ارسال میں بہت سے شکار ایک بعد دوسرے کے پکڑے تو سب حلال ہیں اسی طرح اگر اس نے ایک شکار کو تیر مارا وہ اس کے لگ کر پار ہو گیا اور جا کر دوسرے کے لگا اور پار ہو کر جا کر تیسرے کے لگا ہو تو ہمارے نزدیک سب حلال ہوں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔اور اگر اس نے (۱) شکار کو پکڑا اور دیر تک دابے پڑا رہا پھر اس کے پاس سے دوسرا شکار گذرا اور اس نے اس کو پکڑ کر قتل کیا تو دوسرا شکار نہ کھایا جائے گا الا اس صورت میں کہ دوبارہ ارسال ہو یا جس میں زجر ممکن ہے اس کو تسمیہ کہہ کر اس طرح للکار دیا ہو کہ وہ منزجر ہو گیا ہو یعنی شکار کی جستجو زیادہ کرنے لگا ہو اور یہ اس وجہ سے ہے کہ فی الفور صید کرنا باطل ہو گیا ہے اسی طرح اگر کتے یا باز کو شکار پر چھوڑا اور وہ شکار سے دائیں بائیں ہو کر سوائے طلب شکار کے کسی بات میں مشغول ہو گیا اور اس میں ارسال میں فتور ہو گیا پھر اس نے کسی صید کا پیچھا کیا اور پکڑ کر قتل کیا تو وہ نہ کھایا جائے گا الا اس صورت میں کہ ارسال جدید پایا جائے یا شکاری جانور کو اس کا مالک زجر کرے یعنی للکارے اور تسمیہ پڑھ دے اور وہ منزجر ہو جائے یہ ایسے جانور میں جس کا زجر کرنا ممکن ہو اور وجہ نہ کھائے جانے کی یہ ہے کہ جب شکاری جانور سوائے طلب شکار کے دوسرے امر میں مشغول ہو گیا تو ارسال کا حکم منقطع ہو گیا پھر جب اس کے بعد وہ کوئی شکار کرے گا خود وہ شکار پر دوڑا ہے پس اس کا شکار حلال نہ ہو گا الا اس صورت میں کہ جس جانور کا للکارنا ممکن ہے اس کو اس کا مالک تسمیہ پڑھ کر للکارے[2] یہ بدائع میں ہے۔ایک شخص نے ایک شکار پر اپنا کتا چھوڑا مگر وہ خطا کر گیا اور اس کے سامنے دوسرا شکار پیش آ گیا اس کو اس نے قتل کر ڈالا تو کھایا جائے گا اور اگر کتا لوٹا اور لوٹنے میں اس کے سامنے کوئی شکار آ گیا اس کو اس نے قتل کر دیا تو نہ کھایا جائے گا اس واسطے کہ ارسال کا حکم اس کے لوٹنے سے باطل ہو گیا اور بدون ارسال کے شکار حلال نہیں ہوتا ہے یہ خلاصہ میں ہے اگر کسی نے کسی شے کو شکار گمان کر کے اس پر کتا چھوڑا پھر وہ چیز شکار نہ نکلی پھر اس کے سامنے شکار پیش آیا اس کو

[1] یعنی اصل سے خلاف ہو جانے کے واسطے ثبوت چاہئے اور اصلیت پر باقی رہنے کے واسطے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے ۱۲ [2] قال مراد یہ ہے کہ وہ للکار کر قبول بھی کرے یعنی طالب شکار زیادہ ہو جائے ۱۲ منہ (۱) خواہ کتا وغیرہ ہو یا باز وغیرہ ہو ۱۲

اس نے قتل کیا تو نہ کھایا جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے ایک شخص نے اپنا کتا ایک چیز کو آدمی گمان کر کے چھوڑا اور تسمیہ پڑھ دیا پھر آدمی نہ تھا بلکہ شکار نکلا تو کھایا جائے گا اور یہی مختار ہے اس واسطے کہ یہ امر ظاہر ہوا کہ اس نے شکار پر چھوڑا ہے یہ ظہیریہ میں ہے اگر چیتا شکار پر چھوڑا اور اس نے کمین گاہ میں گھات لگائی اور شکار کا پہچانہ کیا جیسے اس کی عادت ہوتی ہے تاکہ شکار پر قابو پائے پس ایک ساعت درنگ واقع ہوا پھر اس نے شکار کو پکڑ کر قتل کیا تو کھایا جائے گا اسی طرح اگر کتا چھوڑا اور اس نے مثل چیتے کے دانون گھات کیے تو وہ بھی جو شکار کرے اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے اس واسطے کہ یہ حکم ارسال مثل حسبت کرنے ودوڑنے کے ہے اسی طرح اگر باز چھوڑا اور وہ کسی بھی چیز پر گر پڑا پھر وہاں سے اڑ کر شکار کو پکڑ لیا تو وہ شکار کھایا جائے گا اس طرح تیرانداز نے اگر کسی شکار کو تیر مارا تو جس شکار کو اس روش میں اسی جہت میں تیر لگے وہ کھایا جائے گا اور اگر ایک شکار کے لگ کر پار ہو کر دوسرے کے لگ کر پار ہو کر تیسرے و چوتھے وغیرہ کے لگے تو سب کھائے جائیں گے اور اگر تند ہوا نے تیر کو اس رخ سے کسی جانب دائیں بائیں پھیر دیا اور وہ کسی شکار کے لگا تو کھایا جائے گا اور اگر ہوا نے اس کو اس رخ سے نہ پھیرا ہو تو جس شکار کے لگے وہ کھایا جائے گا اور اگر تیر مذکور کسی دیوار یا پتھر پر پڑا اور لوٹ کر کسی شکار کے لگا تو وہ شکار نہ کھایا جائے گا اور اگر تیر ایک درخت سے ہو کر گزرا اور برابر درخت سے رگڑتا جاتا تھا لیکن تیر اپنی راہ سے سیدھا جارہا تھا اور کسی شکار کے لگا اور اس کو مار ڈالا تو وہ کھایا جائے گا اور اگر درخت کے صدمہ سے تیر مذکور دائیں یا بائیں کسی رخ کو پھیر کر کسی شکار کے لگا ہو تو وہ نہ کھایا جائے گا۔ اور اگر تیر مذکور کسی دیوار کو چھیلتا ہوا اپنی راہ پر سیدھا نکل گیا اور کسی شکار کو قتل کیا تو کھایا جائے گا یہ بدائع میں ہے اگر مسلمان نے اپنا سکھایا ہوا کتا کسی شکار پر چھوڑا پھر اس کے ساتھ بے سیکھا ہوا کتا یا ایسا کتا جس پر عمداً اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا ہے یا مجوسی کا کتا شریک ہو گیا تو شکار مذکور نہ کھایا جائے گا اور اگر دوسرے کتے نے شکار کو اوّل کتے کی طرف لوٹایا اور اوّل کتے کے مجروح کرنے میں شریک نہ ہوا اور شکار مذکور اوّل کتے کی جرح سے مر گیا تو اس کا کھانا مکروہ ہے بعض نے فرمایا کہ کراہت تنزیہی ہے اور بعض نے فرمایا کہ تحریمی ہے اور اسی کو شمس الائمہ حلوائیؒ نے اختیار کیا ہے کذا فی الکافی اور یہی صحیح ہے یہ محیط میں ہے۔

غیر مسلم کے سدھائے ہوئے جانور کے شکار کا بیان ☆

اگر کسی مجوسی نے شکار کو کتے کی طرف لوٹایا یہاں تک کہ اس نے پکڑ لیا تو اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے اس واسطے کہ مجوسی کا فعل کتے کے فعل کی جنس سے نہیں ہے پس مشارکت ثابت نہ ہوگی اور اگر دوسرے کتے نے شکار کو پہلے کتے کی طرف نہ لوٹایا ہو لیکن اس نے پہلے کتے سے دوڑ میں آگے نکل جانا چاہا حتی کہ اوّل کتا بھی تیز دوڑا اور پہنچ کر تنہا شکار کو قتل کر ڈالا تو حلال ہے یہ کافی میں ہے اور اگر مجوسی نے کسی مسلمان کے ساتھ مل کر کمان کھینچی اور شکار کو تیر لگا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے اور منجملہ شرط کلب وغیرہ کے یہ ہے کہ ارسال کے بعد اس سے پیشاب کرنے یا کھانے کا فعل صادر نہ ہوا اور اگر کتے وغیرہ کی طرف سے ایسا فعل پایا گیا اس نے بہت توقف کیا تو اس کا شکار نہ کھایا جائے گا اور منجملہ اس کی شرائط کے یہ بھی ہے کہ اس کا زخم جارح یعنی جرح کرنے والا ہو۔ حتی کہ اگر اس نے بدون جرح کے قتل کیا تو حلال نہ ہوگا یہ زیارت ومختصر عصام میں مذکور ہے اور اصل میں اس طرف اشارہ کیا کہ وہ حلال ہے چنانچہ اصل میں یوں فرمایا کہ جب اس نے شکار کو پکڑ کر قتل کیا تو حلال ہے اور اس کی تفصیل نہ فرمائی کہ جرح سے قتل کیا یا مختوق یعنی گردن دبا کر مار ڈالا اور حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ وامام ابو یوسفؒ سے سوائے روایت اصول کے روایت کی ہے کہ شکار حلال ہے اگرچہ اس نے جرح سے قتل نہ کیا ہو پس بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے جو حکم اصل میں ذکر فرمایا ہے وہ امام اعظمؒ وابو یوسفؒ کا قول ہے اور جو زیادات میں ذکر فرمایا ہے وہ اپنا قول ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو اصل میں مذکور ہے وہ کوتاہی کے ساتھ ہے یعنی مفصل

ذکر نہ کیا اور جو زیادات میں مذکور ہے وہ درازی کے ساتھ مفصل ہے اور صحیح[ا] وہی ہے جو زیادات میں ہے اور امام ابو یوسفؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ اگر اس نے شکار کا کوئی عضو توڑ دیا جس سے وہ مر گیا تو اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے اس واسطے کہ توڑنا جراحت باطنی ہے پس جراحت ظاہری پر اس کا اعتبار و قیاس کیا گیا کذا فی المحیط۔

قال المترجم ☆

فعلی هذا الخنق ایضاً کذلك و هذا لشهید بظاهره لمن ذهب انی ماالشیر الیه فی الاصل فتامل۔ اگر مسلمان نے اپنا کتا کسی شکار پر چھوڑا اور تسمیہ پڑھ دیا پس کتا اُس شکار تک پہنچ گیا اور اس کو زخم دیا اور سست کر دیا پھر دوبارہ زخم دیا اور قتل کر دیا تو وہ شکار کھایا جائے گا اور اسی طرح اگر اس نے دو کتے چھوڑے پس ایک نے اس کو زخم کر کے سست کر دیا پھر دوسرے نے اس کو قتل کر ڈالا تو کھایا جائے گا اس واسطے کہ مجروح کرنے کے بعد مجروح نہ کرنا یہ تعلیم میں داخل نہیں ہے پس عفو قرار دیا گیا اور اگر دو آدمیوں سے ہر ایک نے اپنا اپنا کتا چھوڑا اور شکار کو ایک کتے نے مجروح کر کے سست کر دیا پھر دوسرے نے اس کو قتل کر دیا تو شکار مذکور کھایا جائے گا اور وجہ یہی ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے مگر شکار مذکور پہلے کتے والے کی ملک ہوگا یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنا سکھلایا ہوا کتا ایک شکار پر چھوڑا اس نے ٹانگ توڑ دی یا اس طرح اس کی کونچیں کاٹ دیں کہ وہ شکار نہ رہا پھر دوسرے شخص نے اسی شکار[(۱)] پر اپنا کتا چھوڑا اس نے اس کی دوسری ٹانگ توڑ دی یا خوب کونچیں کاٹ ڈالیں پھر دونوں کونچیں کاٹنے سے شکار مذکور مر گیا تو ہم کہتے ہیں کہ شکار مذکور شخص اوّل کا ہے مگر اس کا کھانا حلال نہیں ہے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب دوسرے شخص نے اپنا کتا اس وقت چھوڑا ہو کہ جب پہلے شخص کے کتے نے شکار کو پا کر بہت زخمی کر دیا ہو اور اگر پہلے شخص کے کتے نے زخمی کیا ہو مگر خوب زخم کاری نہ پہنچایا ہو اور اس کو صید ہونے سے باہر نہ کیا ہو پھر دوسرے شخص نے اپنا کتا چھوڑ دیا اور اس کے کتے نے پہنچ کر اس کو زخمی کر دیا اور زخم کاری لگایا کہ جس سے وہ صید نہ رہا تو وہ شکار دوسرے شخص کا ہوگا اور اس کا کھانا حلال ہوگا اور اگر دونوں کتوں کا زخم علیحدہ علیحدہ ایسا ہو کہ جس سے وہ شکار صید ہونے سے خارج نہیں ہوتا ہے لیکن دونوں کا زخم ملا کر ایسا ہے کہ جس سے وہ جانور صید نہیں رہتا ہے تو وہ شکار دونوں کا ہوگا اسی طرح اگر دونوں کتوں نے اس شکار کو ایک ہی ساتھ پکڑ پایا ہو تو بھی شکار مذکور دونوں کا ہوگا اور دونوں صورتوں میں حلال ہے اور اگر دوسرے شخص نے اپنا کتا پہلے شخص کے کتے کے شکار پکڑ پانے سے پہلے چھوڑا ہو تو جس کا کتا پہلے شکار کو پکڑ لے یہ شکار اُسی کا ہوگا جیسا کہ دو تیروں کی صورت میں حکم ہے اور حلت ثابت نہ ہوگی اور اگر دونوں نے اپنا اپنا کتا ایک ہی ساتھ چھوڑا پس ایک کے کتے نے دوسرے کے کتے سے پہلے شکار کو پکڑ کر اس کو زخم کاری سے مجروح کر دیا پھر دوسرے کتے نے اس کو پکڑا تو یہ شکار اس کا ہے جس کے کتے نے اس کو پہلے پکڑا ہے اسی طرح اگر دونوں نے آگے پیچھے چھوڑا مگر دوسرے کے کتے نے اس کو پہلے پکڑ کر زخم کاری سے مجروح کر دیا پھر پہلے کے کتے نے اسکو پکڑا تو یہ شکار دوسرے کا ہوگا اور اگر دونوں نے اسکو یکبارگی پکڑا یا ایک نے اسکو پہلے پکڑا مگر زخم کاری نہ دیا حتیٰ کہ دوسرے نے اسکو پکڑا تو یہ شکار دونوں کا ہوگا یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور تجنیس خواہر زادہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے اپنا کتا ایسے شکار پر چھوڑا جس کو وہ آنکھوں سے نہیں دیکھتا ہے یا ایسے شکار کو تیر مارا اور وہ شکار مر گیا اور یہ شخص اسکی جستجو میں پیچھے ہے پس اس کو پایا تو وہ حلال ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ اگر باز نے اپنی منقار یا چنگل سے شکار کو زخمی کیا اور پسپا کر دیا یا کتے نے اسکو زخم کاری سے مجروح کیا پھر اس کا مالک آیا اور اتنا قابو پایا کہ اسکو پکڑ لے مگر اس نے نہ پکڑا یہاں تک کہ باز یا کتے نے دوسری ضرب

[ا] اگر کہا جائے کہ پھر صحیح ہونے کے معنی ہیں جواب یہ کہ جو زیادات میں مذکور ہے وہ حکم صحیح ہے اور اسی پر اصل کا کلام محمول ہے فافہم ۱۲ منہ

(۱) یعنی جیسے شکار آدمی کے قابو سے باہر ہوتا ہے ایسا نہ رہا ۱۲

سے اس کا کام تمام کر دیا تو عامہ مشائخ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے یہ محیط میں ہے اور جو جانور معراض کے عرض کے صدمہ سے ہلاک ہوا اور جو جانور گلولہ کے صدمہ سے مرجائے وہ نہ کھایا جائے گا یہ کافی[1] میں ہے۔ اسی طرح اگر اس کو پتھر سے پھینک مارا اور پتھر بھاری ہے اور اس میں دھار ہے تو بھی یہی حکم ہے اگر چہ شکار کو مجروح کیا ہو اس واسطے کہ اس میں احتمال ہے کہ شاید پتھر کے بوجھ سے مر گیا ہو اور اگر پتھر ہلکا ہو اور اس میں دھار ہو تو حلال ہو گا اس واسطے کہ اس کا مرجانا پتھر کی جراحت سے ہو گا اور اگر پتھر ہلکا ہو اور اس کو لیناً مثل تیر کے بنایا اور اس میں دھار ہے تو شکار حلال ہو گا اور اگر شکار کو سنگ مردہ دھار دار پھینک مارا اور اس نے پارہ گوشت جراحت سے جدا نہ کیا تو حرام ہے اسی طرح اگر سنگ مردہ پھینک مارا اور شکار کا سر جدا کر دیا یا اس کی شہ رگیں وغیرہ کاٹ ڈالیں تو بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر شکار کو عصا یا لاٹھی وغیرہ لکڑی سے مارا یہاں تک کہ اس کے بوجھ کی وجہ سے شکار مذکور مر گیا مجروح ہو کر نہیں مرا تو بھی حرام ہے الا اس صورت میں کہ جب ایسی لکڑی میں دھار ہو کہ پارہ گوشت جدا کر دے تو اس صورت میں حلال ہو گا کیونکہ یہ لکڑی مثل تلوار و تیر کے ہو گی اور اصل یہ ہے کہ جب شکار کا مرنا قطعاً جرح کی طرف مضاف ہو تو حلال ہو گا اور اگر یقیناً گرانی کی طرف منسوب ہو یعنی بسبب ثقل کے مر گیا تو حرام ہو گا اور اگر شک واقع ہوا یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ شکار مذکور بسبب جراحت کے ہلاک ہوا ہے یا بسبب بوجھ کے مرا ہے تو احتیاطاً حرام ہے اور اگر شکار کو تلوار سے یا چھری سے پھینک کر مارا اور دھار کی طرف سے اس کے لگی اور اس کو مجروح کر دیا تو حلال ہے اور اگر چھری پشت کی طرف سے یا تلوار قبضہ کی طرف سے اس کے لگی ہو تو حرام ہے اور اگر شکار کو پھینک مارا اور وہ مجروح ہو گیا پھر جراحت سے مر گیا پس اگر جراحت خون دیتی ہو تو بالاتفاق حلال ہے اور اگر خون نہ دیتی ہو تو بعض متاخرین کے نزدیک حلال ہے خواہ جراحت صغیر ہو یا کبیر ہو اور بعض متاخرین کے نزدیک خون دینا شرط ہے اور بعض متاخرین کے نزدیک اگر جراحت کبیر ہو تو بدون خون دینے کے حلال ہے اور اگر صغیر ہو تو حلال نہیں ہے یہ کافی میں ہے۔

اگر ایک تیر مارا پھر دوسرے شخص کا تیر اس کے معارض ہو گیا اور اس کو اس کی سیدھی راہ سے رد کر دیا اور ایک شکار کے لگا اور اس کو قتل کیا تو نہ کھایا جائے گا ایسا ہی اصل میں مذکور ہے اور زیادات میں مذکور ہے کہ وہ شکار کھایا جائے گا اور شمس الائمہ ابو محمد عبدالعزیز احمد الحلوائی نے فرمایا کہ جو اصل مذکور ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ دوسرے تیر مارنے والے کا قصد شکار کو تیر مارنا نہ تھا بلکہ غرض اس کی تیراندازی کا کھیل یا تیراندازی سیکھنا تھا یا اس نے عمداً تسمیہ ترک کیا تھا حتیٰ کہ اگر اس نے شکار مارنے کا قصد کیا ہو تو موافق روایت اصل کے حلال ہو گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص مسلمان نے شکار کو تیر مارا اور دور رکھے ہوئے تیر کے لگا اور اس کو اُٹھا لے گیا اور شکار کے تیر جا کر لگا اور اس کو جراحت سے قتل کیا تو کھایا جائے گا۔ اسی طرح اگر معراض یا پتھر یا گلولہ پھینکا اور وہ ایک تیر پر پہنچا اور اس کو اٹھا لے گیا اور یہ تیر ایک شکار کے لگا اور اس کو قتل کیا تو حلال ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک مجوسی نے بعد مسلمان کے تیر پھینکنے کے اپنا تیر مارا پس اس کا تیر اوّل کے تیر پر پڑا اور لگا چلا گیا یہاں تک کہ مسلمان کا تیر شکار کے لگا پس اگر یہ معلوم ہو کہ اگر مجوسی کا تیر نہ ہوتا تو شکار تک پہنچتا تو شکار حرام ہے اسی طرح اگر مجوسی کے تیر نے مسلمان کے تیر کو اس کے روانی کے رُخ سے پھیر دیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر مجوسی کے تیر نے اس میں قوت بڑھا دی ہو اور اس کے روش کے رُخ سے برگشتہ نہ کیا ہو تو شکار مسلمان کا ہو گا لیکن استحساناً حلال نہ ہو گا یہ سراجیہ میں ہے۔ مجوسی نے ایک شکار کو تیر مارا اس کے تیر سے شکار فرار ہو گیا یا اپنا کتا چھوڑا اور اس کے کتے سے شکار فرار ہو گیا پھر مسلمان نے اس کو تیر مارا یا اپنا کتا چھوڑا شکار حلال نہ ہو گا الا اس صورت میں کہ مسلمان کے تیر مارنے و کتا چھوڑنے سے پہلے مجوسی

---

[1] قال المترجم یہی جمہور علماء کا قول ہے اور معراض کے عرض سے حرام ہونا حدیث مرفوع سے ثابت ہے اور بندوق کا بھی یہی حکم ہے اور تحقیق مسئلہ تفسیر مترجم میں ہے اور علامہ شوکانی نے بھی یہی تصریح کر دی لیکن مؤلف فتح البیان نے غلطی سے شوکانی کا قول حلت کا نقل کیا فافہم ۱۲

کا تیر زمین پر گر پڑا ہو یا اس کا کتا واپس ہو گیا ہو یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر حلالی شخص اور ایک شخص احرام باندھے ہوئے دونوں ایک شکار کے تیر مارنے میں شریک ہوئے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے جیسا کہ اگر مسلمان و مجوسی ایک شکار کے قتل میں شریک ہوئے تو اس کا کھانا حرام ہے یہ مبسوط میں ہے۔ تیر پھینکنے و شکاری جانور چھوڑنے کے وقت اسلام ہونا حلال ہونے کے واسطے شرط ہے حتی کہ اگر حالت اسلام میں ایک شخص نے تیر مارا یا شکاری جانور چھوڑا پھر مرتد ہو گیا تو شکار حلال ہے اور اگر اس کے برعکس ہو تو حلال نہیں ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔

مرتد کا شکار و ذبیحہ حلال نہیں ☆

مجوسی اگر یہودی یا نصرانی ہو گیا تو اس کا شکار و ذبیحہ کھایا جائے گا اور نصرانی اگر مجوسی ہو گیا تو اس کا شکار و ذبیحہ نہ کھایا جائے گا اور مسلمان اگر مرتد ہو گیا تو اس کا شکار و ذبیحہ نہ کھایا جائے گا اسی طرح اگر یہودی یا نصرانی ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے یہ شرح طحاوی میں ہے۔ اگر چند لوگ مجوسیوں نے ایک شکار کو اپنے اپنے تیر مارے پھر شکار ان کے تیروں سے فرار ہو کر مسلمان کی طرف آیا اس نے تسمیہ پڑھ کر تیر مارا اور مسلمان کا تیر اس کے لگا اور اس کو قتل کیا تو مسئلہ میں دو صورتیں ہیں کہ اگر مجوسی کا تیر ہنوز زمین پر نہیں گرا تھا کہ مسلمان نے اس کو تیر مارا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے الّا اس صورت میں کہ مسلمان اس کو زندہ پا کر حلال کر ڈالے تو حلال ہو گا اس وجہ سے کہ مجوسیوں نے تیر مارنے میں اس کی اعانت کی ہے حقیقۃً ذبح کرنے میں اعانت نہیں کی ہے اور حقیقۃً حلال کر ڈالنے کے ہوتے ہوئے تیروں سے اعانت کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور اگر مجوسیوں کے تیر زمین پر گر جانے کے بعد پھر مسلمان نے تیر مارا ہو اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو اس کا کھانا حلال ہے اسی طرح اگر مجوسیوں نے شکار پر اپنے کتے چھوڑے اور شکار ان کے کتوں سے فرار ہو کر مسلمان کی طرف آیا اور مسلمان نے اس کو تیر مار کر قتل کیا یا اپنا کتا یا باز یا چرغ وغیرہ اس پر چھوڑا اور کتے نے اس کو پکڑ کر قتل کیا پس اگر مسلمان کا تیر مارنا ایسی حالت میں تھا کہ جب مجوسی کا چرغ و باز وغیرہ شکار مذکور کے پیچھے تھا تو وہ حلال نہ ہو گا اور اگر اس کے واپس ہونے کے بعد تھا تو حلال ہو گا اسی طرح اگر شکار کے پیچھے کوئی بے سیکھا ہوا کتا یا بے سیکھا ہوا باز وغیرہ ہو پھر شکار اس کے سامنے سے بھاگتا ہوا مسلمان کی طرف آیا اور مسلمان نے اس کو تیر مارا یا اپنا کتا یا باز اس پر چھوڑا اور اس نے پا کر قتل کیا تو اس میں بھی اسی تفصیل سے حکم ہے جو ہم نے بیان کی ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور صید میں یہ شرط ہے کہ اس کی قوت میں سوائے جراحت تیر یا کتے و باز وغیرہ کے کوئی اور سبب شریک نہ ہو جیسے کسی مقام سے گر پڑنا یا پانی میں گر پڑنا یا کوئی جراحت موجود ہو یا جس سے وہم ہو کہ شاید اس جراحت سے مرا ہو یہ محیط میں ہے۔ اگر شکار کے تیر لگا اور وہ زمین پر گرا یا زمین پر پختہ اینٹیں بچھی ہوئی تھیں ان پر گرا اور مر گیا تو وہ حلال ہے اس واسطے کہ اس سے احتراز ممکن نہیں ہے اور اگر پانی میں گرا یا پہاڑ پر۔ یا اونچے پتھر کے ٹیلہ پر یا درخت یا دیوار پر یا گاڑے ہوئے نیزے کی بوری پر یا کھڑی ہوئی اینٹوں پختہ یا خام کی نوک پر گر کر پھر زمین پر گرا تو حلال نہیں ہے اس واسطے کہ ان چیزوں سے احتراز ممکن ہے چنانچہ تردی[1] سے اصطیاد منفک ہی ہے پس اس کا اعتبار واجب ہے اور احتمال پیدا ہوا کہ اس کی موت شاید پانی یا تردی کی وجہ سے ہوئی ہو تو مبیح و محرم مجتمع ہوئے پس احتیاطاً وہ حرام رکھا گیا حتی کہ اگر پانی کا پرند ہو اور وہ پانی میں گرا اور اس کا زخم پانی میں منغمس نہیں ہوا تو اس کا کھانا حلال ہے اس واسطے کہ پانی سے اس کی موت کا احتمال نہیں ہے اور اگر اس کا زخم پانی میں مغموس ہو گیا تو نہ کھایا جائے گا بسبب احتمال اس امر کے کہ شاید اس کی موت پانی کی وجہ سے ہوئی ہو اور یہ سب ایسی صورت میں ہے کہ جب شکار کے ایسا زخم لگا ہو جس سے اس کی زندگی کی امید ہو اور اگر ایسا زخم ہو کہ جس سے اس کی زندگی کی امید نہ ہو تو حلال ہے بشرطیکہ اس میں اتنی

[1] تردی یا رو جیسے گر پڑنا ۱۲

حیات رہ گئی جیسے ذبح کرنے کے بعد مذبوح میں رہ جاتی ہے مثلاً اس کا سر جدا ہو گیا ہو پھر پانی میں گرا اس وجہ سے کہ اس صورت میں احتمال مذکور معدوم ہے اور اگر ان چیزوں میں سے کسی چیز پر گر کر مرا اور وہاں سے زمین پر نہ گرا اور یہ شے ایسی ہے کہ اس سے قتل نہیں ہوتا ہے مثلاً چھت ہے یا پہاڑ ہے تو وہ حلال ہوگا اس واسطے کہ برابر مستوی چیز پر گرنا مثل زمین پر گرنے کے ہے کیونکہ اس سے احترازمعتذر ہے اور اگر ایسی چیز ہو جس سے قتل ہو جاتا ہے جیسے نیزے کی دھار یا کھڑے ہوئے نرکل و کھڑی ہوئی اینٹیں پختہ و خام کی دھار یا ایسی کسی چیز پر گرا تو حلال نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور منجملہ شرائط صید کے یہ ہے کہ شکار کھیلنے والے کے پہنچنے سے پہلے وہ مر جائے تاکہ بلاشبہ وخلاف اس کا حق ہو کیونکہ اگر شکار کرنے والا اس تک پہنچا اور وہ زندہ موجود تھا تو اس میں اقوال مختلفہ ہیں۔اور منجملہ شرائط صید کے یہ ہے کہ متنفر متوحش ہو مالوف نہ ہو جیسے وحوش و داجن[1] ہوتے ہیں کذا فی المحیط۔

پانچواں باب ☆

جو حیوان زکوٰۃ قبول کر سکتے ہیں اور جو قابل زکوٰۃ نہیں ہوتے ہیں ان کے بیان میں

اگر کتا وغیرہ شکاری درندہ چھوڑنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس پر واجب ہے کہ اس کو ذبح کر دے اور اگر اس نے ذبح نہ کیا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اس کا کھانا حرام ہوگا اور یہی حکم باز وغیرہ پرند شکاری اور تیر میں ہے اور وجہ یہ ہے کہ اس نے زکوٰۃ اختیاری کو باوجود اس پر قادر ہونے کے ترک کیا اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب اس کے ذبح کر دینے پر قادر ہوا اور اگر شکار ہاتھ آیا مگر یہ اس کے ذبح کرنے پر قادر نہیں ہے حالانکہ اس میں زندگی بہ نسبت مذبوح جانور کے زائد موجود ہے تو ظاہر الروایۃ میں وہ نہ کھایا جائے گا کذا فی الکافی۔اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی التبیین۔

امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ وہ حلال ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر ذبح کرنے پر اس وجہ سے قادر نہ ہوا کہ اس کے پاس آلہ ذبح موجود نہ تھا تو وہ نہ کھایا جائے اور اگر بسبب ضیق وقت کے قادر نہ ہوا تو ہمارے نزدیک کھایا جائے اور حسن بن زیاد و محمد بن مقاتل نے فرمایا کہ استحساناً حلال ہے اور استحسان ہی کو قاضی فخر الدین معروف بقاضی خان نے اختیار کیا ہے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب اس جراحت کے ساتھ شکار مذکور کے زندہ رہنے کا وہم ہو اور اگر اس کے زندہ باقی رہنے کا وہم نہ ہو مثلاً کتے نے اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور آنتیں وغیرہ نکال دی ہیں پھر زندہ شکار کھیلنے والے کے ہاتھ آیا اور مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے اس واسطے کہ اس کے ہاتھ آنے سے پہلے اس میں فعل زکوٰۃ یعنی اضطراری خوب مستقر ہو چکا ہے اور اضطراب خفیف جو اس میں باقی ہے وہ مذبوح کے مانند ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ یا امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک وہ حلال نہ ہوگا اور یہ قیاس ہے اس واسطے کہ شکار مذکور زندہ اس کے ہاتھ آیا پس بدون ذبح کے حلال نہ ہوگا جیسے متردیہ میں ہے۔اور یہ اس وقت ہے کہ اس نے ذبح کرنا ترک کیا ہو اور اگر ذبح کر دیا ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک بھی حلال ہوگا اس واسطے کہ اگر حیات مستقرہ باقی ہو تو ذبح کرنا اپنے موقع پر ہوا بالاجماع اور اگر اس میں حیات مستقرہ نہ ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک زکوٰۃ تو فقط ذبح ہے اور وہ پایا گیا اور صاحبینؒ کے نزدیک اگرچہ زکوٰۃ کے واسطے حیات مستقرہ چاہئے علی نحو ما مرّ لیکن (۱) بدون زکوٰۃ کے حلال ہے۔اسی طرح متردیہ[2] و نطیحہ و موقوذہ میں اور

---

[1] قال المترجم یقال ظبی واجن اذا الفت بمکان و استانست یعنی داجن وہ جانور وحشی جو کسی جگہ سے مانوس و مالوف ہو جائے ۱۲ منہ

[2] متردیہ اونچے سے گرا ہوا یعنی مرنے لگے موقوذہ گردن مڑ ورا ہوا نطیحہ جس کو ایک سینگوں والے نے مارا ہو مثلاً بکری کو دوسری سینگوں والی نے مارا وہ مرنے لگی ۱۲

(۱) یعنی امام ابو یوسفؒ کے قول کے موافق صریحا ۱۲

جس کے پیٹ کو بھیڑیے نے پھاڑ دیا ہو اور ان میں زندگی خفیہ یا ظاہر رہ گئی ہو پس اگر اس کو ذبح کر دے تو حلال ہو جائے گا یہ کافی میں ہے۔ اور اگر اس کو زندہ پایا مگر نہ لیا پس اگر اتنا وقت ہو کہ اگر پکڑ لیتا تو ذبح کر سکتا تھا تو وہ نہ کھایا جائے گا اور اگر ذبح نہ کر سکتا تو کھایا جائے گا کذا فی الهدایہ۔ ایک شخص نے بیمار بکری ذبح کی حالانکہ اس میں صرف اس قدر زندگی رہ گئی تھی جیسے مذبوح میں ذبح کئے جانے کے بعد رہ جاتی ہے تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک وہ قابل زکوٰۃ نہیں رہی ہے اور مشائخ نے امام اعظمؒ کے قول پر اس صورت میں اختلاف کیا ہے اور قاضی اسبیجابی نے شرح طحاوی میں تصریح کی کہ امام اعظمؒ کے نزدیک وہ قابل زکوٰۃ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر ایک شکار کو تیر مارا پھر وہ تیر پہنچنے سے پہلے کسی دوسرے سبب سے صید نہ رہا پھر اس کے تیر لگا۔ تو وہ حلال ہے۔ اس واسطے کہ جس وقت اس نے تیر مارا ہے اس وقت وہ شکار تھا اور حلت کے حق میں تیر پھینکنے کے وقت کا اعتبار ہے سوائے ایک مسئلہ کے جس کو امام محمدؒ نے آخر کتاب الصید میں ذکر کیا ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ ایک حلال[1] نے ایک شکار کو تیر مارا اور تیر مارنے والا و شکار دونوں حل میں موجود ہیں اور ہنوز وہ تیر اس شکار کو نہ لگا تھا کہ وہ حرم میں داخل ہوا اور تیر اس کے پیچھے تھا یہاں تک کہ حرم میں اس کے لگا اور وہ مر گیا یا حل میں آ کر مر گیا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے پس اس صورت میں تیر کا صدمہ پہنچنے کے وقت کا اعتبار کیا ہے اور سوائے اس کے تمام مسائل میں تیر پھینکنے کے وقت کا اعتبار ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک حلال نے ایک شکار کو تیر مارا اور اس کے لگا اور یہ سب حل میں موجود ہیں پھر شکار مذکور حرم میں جا کر مر گیا یا حرم سے اس کو تیر مارا اور حل میں اس کے لگا اور حل میں وہ مر گیا تو دونوں صورتوں میں نہیں حلال ہے اس واسطے کہ اوّل صورت میں پورا کام حرم میں ہوا ہے اور دوسری صورت میں حرم سے ابتدا ہوئی ہے اور دوسری صورت میں اس شکار کھیلنے والے پر جرمانہ واجب ہوگا نہ اوّل میں۔ اسی طرح اگر حرم سے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اور اس نے حرم سے باہر حل میں اس کو قتل کیا تو شکار مذکور حلال نہ ہوگا اور اس پر جرمانہ واجب ہوگا یہ غیاثیہ میں ہے۔ اگر ایک شکار کو تیر مارا اور اس کے لگا اور وہ ایک مجوسی کے پاس اتنی دیر تک پڑا رہا کہ وہ اس کے ذبح کرنے پر قادر تھا پھر مر گیا تو حلال نہ ہوگا کیونکہ مجوسی مذکور اسلام لا کر اس کے ذبح کرنے پر قادر تھا۔ اور اگر کسی سوتے ہوئے کے پاس گرا اور حالت یہ تھی کہ اگر یہ سوتا ہوا شخص جاگتا ہوتا تو ذبح کر سکتا تھا پھر وہ مر گیا تو امام اعظمؒ سے روایت ہے کہ وہ حلال ہوگا اس واسطے کہ چند مسائل میں سوتا ہوا امام اعظمؒ کے نزدیک مثل جاگتے ہوئے کے ہے اور منجملہ ان چند مسائل کے یہ بھی ہے۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ وہ حلال ہے اور اگر ایسے نابالغ کے پاس جو ذبح کرنے کو نہیں جانتا ہے گرا ہو تو حلال ہوگا اور اگر ذبح کو جانتا ہو تو حلال نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔

چھٹا باب ☆

مچھلی کا شکار کھیلنے کے بیان میں

مچھلی اور ٹیڑی دونوں حلال ہیں فرق یہ ہے کہ ٹیڑی خواہ کسی علت سے مرے یا بلا علت مرے کھائی جائے گی اور مچھلی اگر بغیر علت مر جائے تو نہ کھائے جائے گی یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر ایک مچھلی پکڑی اور اس کے پیٹ میں دوسری مچھلی پائی گئی تو اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس کو کتے نے کھایا اور پھر کتے کا پیٹ پھاڑا گیا اور مچھلی نکلی تو کھائی جائے گی بشرطیکہ پوری ثابت ہو اور اگر کسی پرندے نے بیٹ کی اس میں مچھلی نکلی تو نہ کھائی جائے گی اور اگر کسی مچھلی کو مارا کہ کچھ کٹ گئی تو کھائی جائے گی اور اگر کٹا

(۱) یعنی احرام میں نہ تھا ۱۲

ہوا ٹکڑا مل جائے تو وہ بھی کھایا جائے گا اور اصل یہ ہے کہ مچھلی جب کسی سبب حادث سے مر جائے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر اپنی موت سے بدون کسی ایسے سبب کے جو ظاہر ہو جائے تو نہ کھائی جائے گی اور اگر مچھلی کو پانی کے مٹکے میں ڈال دیا اور وہ مر گئی تو اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے اس واسطے کہ وہ سبب حادث سے مری ہے یعنی تنگی مکان کی وجہ سے اسی طرح اگر ان کو کسی خطیرہ میں جس سے نکل نہیں سکتی ہیں جمع کر دیا اور وہ بدون شکار کے ان کے پکڑنے پر قادر ہے پھر یہ مچھلیاں اس خطیرہ میں مر گئیں تو ان کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر بدون شکار کے پکڑی نہ جا سکیں تو ان کے کھانے میں خیر نہیں ہے یعنی مکروہ ہے اور اگر ایک مری ہوئی مچھلی پائی جو تھوڑی خشکی اور تھوڑی پانی میں ہے تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کا سر خشکی میں ہو تو اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے اس واسطے کہ وہ کسی آفت سے مری ہے اور اگر اس کا سر پانی میں ہو تو دیکھا جائے کہ جس قدر خشکی میں ہے اگر نصف یا نصف سے کم ہو تو نہ کھائی جائے گی اس واسطے کہ سانس کا مقام پانی میں ہے پس موت کسی آفت سے نہ ہوگی پس بمنزلہ اترائی ہوئی مردہ مچھلی کے ہوگی اور اگر نصف سے زیادہ خشکی میں ہو تو کھائی جائے گی اس واسطے کہ اکثر کے واسطے کل کا حکم ہے پس یہ ایسی صورت ہوگی جیسے کل مچھلی خشکی میں مری ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر ایک مچھلی پکڑی اور اس کو باندھ کر پانی میں ڈال دیا اور وہ مر گئی تو کھائی جائے گی اس واسطے کہ آفت سے یعنی تنگی مکان کی وجہ سے مری ہے اسی طرح اگر جال میں مچھلی مری ہو پس اگر وہ جال سے نکل سکتی ہو تو حلال نہ ہوگی اس واسطے کہ وہ ایسی ہے جیسے دریا میں مری ہوئی مچھلی ورنہ حلال ہوگی اس واسطے کہ وہ آفت سے مری ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر پانی منجمد ہو گیا اور تمام مچھلیاں برف کے نیچے مر گئیں تو فرمایا کہ چاہئے کہ سب کے نزدیک کھائی جائیں اور اگر پانی کے اندر شست کی ڈوری میں پھنسی ہوئی مچھلی خرید کر اس پر قبضہ کر لیا پھر ڈورا بائع کو دے دیا اور کہا کہ اس کو دیکھے رہنا پھر ایک دوسری مچھلی نے آ کر خریدی ہوئی مچھلی کو نگل لیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ نگلنے والی مچھلی بائع کی ہوگی کیونکہ اسی نے اس کا شکار کیا ہے اس واسطے کہ ڈورا اس کے ہاتھ میں ہے تو جو ڈورے میں پھنسی وہ اس کے قبضہ میں آئی پس اسی کی ہوگی پس خریدی ہوئی مچھلی اس کے پیٹ سے نکل کر مشتری کے سپرد کر دی جائے گی اور مشتری کو خیار نہ ہوگا اگرچہ خریدی ہوئی مچھلی بسبب نگلے جانے کے ناقص ہو گئی ہو اور اگر خریدی ہوئی مچھلی نے خود کسی مچھلی کو نگل لیا تو یہ دونوں مشتری کی ہوں گی اس واسطے کہ اس کا شکار مشتری کی مچھلی مملوکہ نے کیا ہے پس وہ مشتری کی ہوگی اور اگر پانی میں کسی مچھلی کو سانپ نے کاٹ کھایا اور وہ مر گئی یا پانی خشک ہو گیا پھر جال میں مچھلی مر گئی تو کھائی جا سکتی ہے لیکن جو مچھلی بلا سبب اپنی موت سے مر جائے وہ نہ کھائی جائے گی اس واسطے کہ وہ مردار اترائی ہوئی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور جو مچھلی پانی کی حرارت یا برودت یا کدورت سے مر گئی اس میں دو روایتیں ہیں امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ نہ کھائی جائے اس واسطے کہ مچھلی بسبب پانی کی سردی و گرمی کے اکثر نہیں مرتی ہے پس بدون کسی آفت ظاہری کے مری پس مثل اترائی ہوئی کے نہ کھائی جائے گی اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ وہ کھائی جائے گی اس واسطے کہ وہ آفت سے مری ہے کیونکہ مچھلی پانی کی سردی و کدورت سے مر جاتی ہے پس اس کا مرنا اسی پر محمول کیا جائے گا اور یہ حکم لوگوں کے حق میں آسانی ہے کذا فی محیط السرخسی اور اسی پر فتویٰ ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اترائی مچھلی نہ کھائی جائے گی اس وجہ سے نہیں کہ وہ حرام ہے بلکہ اس وجہ سے کہ متغیر[1] ہو جاتی ہے پس اس سے طبیعت نفرت کرتی ہے پس وہ خبائث میں سے ہوگی اور اگر پانی میں مر جائے مگر اوپر نہ اترائے تو کھائی جائے گی اسی طرح ہر مچھلی جو کسی

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ شاید یہ روایت صحیح نہ ہو یعنی امام سے روایت نہیں ہے کیونکہ وہ اصل سے اور بہت سے احکام معینہ سے یہ روایت مخالف ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

سبب سے مرجائے حلال ہے مثلاً اس کو لکڑی وغیرہ سے مارا یا مچھلی کو دوسری مچھلی یا دوسری چیز نے ٹکڑے کر دیا یہ غیاثیہ میں ہے۔ ایک شخص نے آدمی مچھلی پانی میں پائی تو حلال ہے کیونکہ وہ کسی آفت سے مری ہے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب یہ معلوم ہو کہ وہ پتھر وغیرہ کسی چیز سے ٹکڑے ہوگئی ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس کو کسی آدمی نے تلوار وغیرہ سے کاٹ دیا ہے تو یہ اس کی ملک ہو چکی ہے پس اس کو نہ کھائے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور جریث[1] و مار ماہی کو بلا ذبح کئے ہوئے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے یہ ہدایہ میں ہے شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شیخ نے دریائے جیحون سے ایک مٹکا نکالا اور مٹکے میں پانی و مچھلی تھی پھر مچھلی مرگئی تو آیا کھانا حلال ہے فرمایا کہ ہاں اور شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ دریا کے برف پر نمک کا بورا پگھل گیا اور نمک کا پانی دریا کے پانی میں مل گیا پس اس باعث سے دریا کی مچھلیاں مرگئیں پس آیا ان کا کھانا حلال ہے فرمایا کہ ہاں یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔

ساتواں باب☆

متفرقات کے بیان میں

اگر کسی شخص کو کچھ آہٹ معلوم ہوئی اس نے گمان کیا کہ شکار ہے پس کتا چھوڑا پھر کتے نے ایک شکار پکڑا مگر پیچھے ظاہر ہوا کہ جس کی آہٹ معلوم ہوئی تھی وہ آدمی یا گائے یا بکری تھی تو شکار مذکور نہ کھایا جائے گا اسی طرح اگر اس نے آہٹ پائی اور یہ نہ جانا کہ یہ آہٹ شکار کی ہے یا دوسری چیز کی ہے اور کتا چھوڑا تو بھی یہی مذکور ہے کیونکہ صحت ارسال میں شک واقع ہوا پس شک کے ساتھ صحت ثابت نہ ہوگی اور اگر آہٹ سن کر شکار گمان کیا اور کتا چھوڑ دیا پس ظاہر ہوا کہ وہ شکار ماکول اللحم یا غیر ماکول اللحم کی آہٹ تھی مگر کتے نے وہ دوسرا شکار مارا اور وہ کھایا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر کتے نے اسی کو مارا جس کی آہٹ معلوم ہوئی تھی حالانکہ کتے کے مالک نے اس کو آدمی گمان کیا تھا پھر ظاہر ہوا کہ وہ شکار ہے تو وہ حلال ہے اس واسطے کہ جب اس کا صید ہونا متعین ہو گیا تو اس کے گمان کا اعتبار نہ رہا یہ ہدایہ میں مذکور ہے اور منتقی میں ذکر فرمایا کہ اگر رات میں کسی کی آہٹ سن کر اس کو آدمی یا چوپایہ پالو یا سانپ گمان کیا اور اس کو تیر مارا پھر ظاہر ہوا کہ جس کی آہٹ سنی تھی وہ شکار ہے اور اس کا تیر اسی کو لگا جس کی آہٹ سنی تھی یا دوسرے شکار کے لگا اور قتل کیا تو وہ نہ کھایا جائے گا اس واسطے کہ اس نے تیر مارنے کے وقت شکار کا قصد نہیں کیا تھا پھر فرمایا کہ شکار مذکور حلال نہیں ہے الا دو وجہوں سے ایک یہ کہ شکار کو قصد کر کے تیر مارے دوم یہ کہ جس کی آہٹ سنی اور اس کا قصد کر کے اس کو تیر مارا ہے وہ شکار ہو خواہ ماکول اللحم ہو یا نہ ہو اور یہ حکم اس کا مناقض ہے جو ہدایہ میں مذکور ہے اور وجہ یہی ہے اس واسطے کہ مثل آدمی وغیرہ کو تیر مارنا اصطیاد نہیں ہے پس اعتبار سے اس کی تغیر ممکن نہیں ہے اگرچہ اس کا تیر کسی شکار کے لگے یہ تبیین میں ہے اور اگر ایسی چیز کی طرف جس کو درخت یا آدمی گمان کرتا ہے چھوڑا پھر وہ شکار نکلا اور اس نے اس کو پکڑا تو وہ کھایا جائے گا اور یہی مختار ہے اس واسطے کہ یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس نے شکار کی طرف چھوڑا ہے اور اگر اس گمان سے کہ یہ صید ہے چھوڑا پھر وہ صید نہ نکلا اور اس کے سامنے کوئی دوسرا شکار پیش آیا اس کو اس نے قتل کیا تو نہ کھایا جائے گا یہ فتاویٰ غیاثیہ میں ہے۔ اگر ہرن یا کسی پرند کو تیر مارا مگر دوسرے کے لگا اور جس کو مارا تھا وہ فرار ہو گیا اور یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ وحشی تھا یا پالو تھا تو یہ شکار کھایا جائے گا اس واسطے کہ صید کے باب میں اصل توحش و تنفر ہے پس اصل پر گرفت کی جائے گی یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ پالو تھا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر دیکھنے کے وقت اس کو شکار گمان کیا پھر اس کی رائے بدل گئی اور اس کی رائے غالب میں یہ آیا کہ جس کو تیر مارنے کا قصد کیا تھا وہ پالو تھا تو جس شکار کو تیر لگا ہے وہ حلال ہے اس واسطے کہ

[1] جریث ایک قسم کی مچھلی ہوتی ہے مار ماہی بام مچھلی کی طرح ہوتی ہے بخلاف اس کے جس کو آسام والے مچھلی سمجھتے ہیں وہ جائز نہیں ہے ۱۲ منہ

جو فرار ہو گیا ہے وہ ہمارے نزدیک اپنی اصل کے حکم سے صید ہے تاایکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ صید نہیں تھا اگر ایسے اونٹ کو جو وحشی نہیں ہو گیا ہے تیر مارا اور وہ کسی دوسرے شکار کے لگا اور اونٹ چلا گیا اور یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ وحشی ہو گیا تھا یا نہیں تو شکار مذکور نہ کھایا جائے گا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اونٹ وحشی ہو گیا تھا اس واسطے کہ اس کے حق میں اصل یہ ہے کہ پالو ہو و مستانس[1] ہو نہ متنفر اسی طرح اگر بندھے ہوئے ہرن کو شکار گمان کر کے تیر مارا اور وہ دوسرے ہرن کے لگا تو وہ نہ کھایا جائے گا کیونکہ جس کو شکار گمان کیا تھا وہ بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے شکار نہیں رہا تھا اسی طرح اگر اپنا کتا ایسے شکار پر جو اس کے قبضہ میں مضبوط مقید ہے چھوڑا اور اس نے دوسرے شکار کو پکڑ کر قتل کیا تو نہ کھایا جائے گا اسی طرح اگر اپنا چیتا ایک ہاتھی[2] پر چھوڑا اور اس نے ہرن کو شکار کیا تو ہرن نہ کھایا جائے گا اور اگر مچھلی یا ٹیڑی کو تیر مارا اور کسی شکار کے لگا تو امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں ایک روایت کے موافق کھایا جائے اور یہی اصح ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اصل یہ ہے کہ پالو جانور جب وحشی ہو جائے اور زکوٰۃ اختیاری سے حلال کرنا ممکن نہ ہو تو زکوٰۃ اضطراری سے حلال ہو جاتا ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر تیر شکار کے کھر یا سینگ پر لگا پس اگر خون آلود کر دیا تو کھایا جائے گا اور اگر خون آلود نہ کیا تو نہ کھایا جائے گا یہ شرح طحاوی میں ہے۔ اور اگر شکار کو تلوار پھینک کر مارا اور اس کا کوئی عضو جدا کر دیا تو پورا شکار کھایا جائے سوائے اس ٹکڑے کے جو جدا ہو گیا ہے اور اگر یہ عضو جدا نہ ہو گیا ہو تو یہ عضو بھی کھایا جائے گا اور اگر یہ عضو بذریعہ کھال کے اس کے بدن پر لٹک رہا ہو پس اگر ایسا ہو کہ کسی علاج سے اس کے جڑ جانے کا گمان نہ ہو تو وہ اور بالکل جدا دونوں یکساں ہیں اور اگر یہ گمان ہو تو بالکل جدا نہ ہو گا اور پورا شکار کھایا جائے گا اور اگر شکار مذکور کے طول میں دو ٹکڑے کر دیئے ہوں تو پورا شکار کھایا جائے گا اس واسطے کہ ایسا ہو جانے کے بعد شکار مذکور کے زندہ رہنے کا کچھ وہم نہیں ہو سکتا ہے اور بمنزلۂ ذبح کے قرار دیا جائے گا اور اگر چوتڑ کی طرف سے تہائی بدن اس کا کاٹ دیا ہو تو یہ جدا کر دینے کے حکم میں ہے تو سر کے متصل سے دو تہائی کھایا جائے گا اور اگر تہائی جو چوتڑ کی طرف سے ملا ہوا تھا اور جدا ہو گیا ہے وہ نہ کھایا جائے گا اور اگر سر کی طرف سے ایک تہائی کاٹ دیا تو پورا کھایا جائے گا اس واسطے کہ نصف سے لے کر گردن تک ذبح ہے اس واسطے کہ اوداج[3] قلب سے دماغ تک ہوتی ہیں اور درصورتیکہ اس نے چوتڑ کے متصل سے تہائی کاٹا ہے تو زکوٰۃ پوری نہیں ہوئی ہے اس واسطے کہ اس نے اوداج کو نہیں کاٹا ہے بخلاف اس کے جب اس نے سر کے متصل سے تہائی کاٹ کر الگ کر دیا ہے تو اوداج کو کاٹ دیا پس زکوٰۃ پوری ہو جائے گی اور شکار پورا کھایا جائے گا اسی وجہ سے اگر اس نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے تو زکوٰۃ پوری ہو جاتی ہے کہ اوداج کٹ جاتی ہیں پس پورا شکار کھایا جاتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر تسمیہ پڑھ کر ایک شکار کو مارا اور اس کے سر کا ایک ٹکڑا جدا کر دیا پس اگر یہ ٹکڑا آدھے سر سے کم ہو تو جس قدر جدا ہے وہ نہ کھایا جائے گا اس واسطے کہ اس قدر کٹ جانے کے بعد شکار کی زندگی کا وہم ہے اور اگر جدا کیا ہوا نصف سر یا زیادہ ہو تو پورا شکار کھایا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے ایک بکری کو ذبح کیا اور اس کی حلقوم و اوداج کاٹ ڈالیں لیکن اس میں حیات باقی تھی کہ ایک شخص نے اس کے بدن سے ایک ٹکڑا قطع کر لیا تو ٹکڑا حلال ہو گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ کتاب الصید میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو سیکھا ہوا کتا یا باز مار ڈالا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہو گی اسی طرح اگر کسی کی بلی مار ڈالی تو بھی یہی حکم ہے اور جس چیز کی بیع ہم نے جائز کی ہے اس کے تلف کرنے سے ضمان واجب ہو گی اور سیکھے ہوئے کتوں کا ہبہ کرنا وصیت کرنا بالا جماع جائز ہے (۱) یہ محیط میں ہے اور اگر کسی نے سلطان کی طرف سے کسی جنگل کو قبول کر

---

[1] مستانس یعنی ہلا ہوا اور متنفر جو بھڑ کتا ہو ۱۲ [2] قال مراد یہ ہے کہ پالو ہاتھی پر ۱۲ منہ [3] اوداج چار رگ گردن جو ذبح میں کاٹی جاتی ہیں اس میں دو ج درحقیقت دائیں بائیں دو رگیں خون کی آمد و رفت کی ہیں ۱۲ (۱) یعنی فلاں شخص کو میرے بعد دیا جائے ۱۲

لیا اس میں غیر شخص نے شکار کھیلا تو شکار اس کا ہوگا جس نے شکار پکڑا ہے اور یہ بقتل صحیح نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے اور فرمایا کہ میں اس بات کو مکروہ[1] جانتا ہوں کہ زندہ پرند سے باز کو سکھلائے کہ چڑیا کو پکڑ کر اس کو پھڑ کائے تا کہ باز اس پر ٹوٹے اور فرمایا کہ ذبح کی ہوئی چڑیا سے سکھلائے یہ ذخیرہ کی فصل چھبیس کتاب الکراہیۃ میں ہے اور اگر شکار کو تیر مارنے میں ایک شخص حلال اور دوسرا محرم دونوں شریک ہو گئے تو شکار مذکور کا کھانا حلال نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ایک مسلمان اس بات سے عاجز ہوا کہ تنہا اپنی کمان کو کھینچے پس ایک مجوسی نے اس کو اس کی کمان کھینچنے میں مدد دی تو شکار کا کھانا حلال نہ ہوگا اس واسطے کہ محرم و محلل دونوں جمع ہوئے ہیں پس حرام ہوگا جیسے کہ اگر ایک مجوسی نے مسلمان کا ہاتھ پکڑا اور چھری مسلمان کے ہاتھ میں ہے اس نے ذبح کیا تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔صید کا رہا کر دینا آیا حلال ہے تو ہمارے استادؒ نے سیر کبیر سے نقل کیا ہے کہ صید کا چھوڑ دینا مطلقاً حلال نہیں ہے ہاں اگر اس کو اس طرح چھوڑا کہ جو شخص اس کو پکڑے اس کو مباح ہے تو اس میں مشائخ نے اختلاف[2] کیا ہے یہ فتاویٰ صغریٰ میں ہے۔

---

[1] مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد ہے کیونکہ جاندار کو عبث تکلیف دینا بلا خلاف حرام ہے ۱۲

[2] مترجم کہتا ہے کہ یہ اس بنا پر ہے کہ صید بعد گرفتاری کے ملک ہوگئی پھر اگر اس کو وہ چھوٹ گئی تو اس کی ملک سے خارج نہیں ہوتی ہے اور اگر اس نے خود چھوڑ دیا تو یہ حرکت حرام ہے کیونکہ اس نے لوگوں کو حرام میں ڈالا اور کہہ دیا کہ جو کوئی پکڑے اس کو مباح ہے تو بھی بعض نے نہیں جائز رکھا کیونکہ خود یہ سے اور بعض نے جواز رکھا ہے ۱۲ منہ

کتاب الرھن

اس میں بارہ ابواب ہیں

باب اوّل ☆

رہن کی تفسیر، رکن، شرائط، حکم کے بیان میں اور کیونکر رہن واقع ہو جاتا ہے اور کن الفاظ سے نہیں واقع ہوتا ہے اور کس وجہ سے رہن لینا جائز ہے اور کس وجہ سے نہیں جائز ہے اور کس چیز کا رہن جائز ہے اور کس کا نہیں جائز ہے اور باپ وصی کرنے کے بیان میں

فصل اوّل ☆

رہن کی تفسیر، رکن، شرائط، حکم کے بیان میں

واضح ہو کہ شرع میں کسی چیز کو ایسے حق کے عوض گرو کر دینا جس کا وصول (۱) پانا اس چیز سے ممکن ہو رہن (۲) کہتے ہیں جیسے دیون حتی کہ بدون ظاہری و باطنی دین واجب کے رہن صحیح نہیں ہے پس دین معدوم کے عوض رہن صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ رہن کا حکم یہ ہے کہ بھر پانے کی قدرت (۳) حاصل رہے اور استیفاء متصل وجوب ہے یہ کافی میں ہے اور رہن کا رکن ایجاب و قبول ہے اس کی صورت یہ ہے کہ راہن کہے کہ میں نے یہ چیز بعوض اس دین کے جو تیرا مجھ پر آتا ہے رہن دی یا کہے کہ یہ چیز تیرے دین کے عوض رہن ہے یا اور الفاظ جو اس کے قائم مقام ہوں کہے اور مرتہن کہے کہ میں نے رہن کر لی یا میں نے قبول کی یا میں راضی ہوا یا اور الفاظ جو اس کے قائم مقام ہوں کہے اور لفظ رہن شرط نہیں ہے حتی کہ اگر کوئی چیز بعوض درموں کے خریدی پھر مشتری نے بائع کو ایک تھان دیا اور کہا کہ اس کو تو اپنے قبضہ میں رکھ یہاں تک کہ میں تجھے اس کا ثمن دے دوں تو یہ تھان رہن ہوگا اس واسطے کہ مشتری مذکور نے عقد رہن کو اس معنی میں بیان کیا اور عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے یہ بدائع میں ہے اور شرائط رہن کے چند انواع ہیں بعض نفس رہن کی طرف راجع ہین وہ یہ ہیں کہ رہن معلق بشرط (۴) نہ ہو اور نہ کسی وقت کی طرف مضاف ہو اور بعضے راہن و مرتہن کی طرف راجع ہیں سو ان دونوں کا عاقل ہونا شرط ہے حتی کہ مجنون و نابالغ لڑکے کو جو عاقل نہ ہو رہن کرنا اور رہن لینا صحیح نہیں ہے اور نابالغ ہونا شرط نہیں

(۱) خواہ وصول کل ہو یا بعض ہو ۱۲ برجندی (۲) مثال نص اور دیون جمع دین بمعنی قرضہ میعادی ۱۲ منہ (۳) یعنی دین واجب ہونا چاہئے ظاہری یا باطنی ۱۲ (۴) جس کو تجارت کی اجازت ہو ۱۲

ہے اور حریت بھی شرط نہیں ہے حتیٰ کہ نابالغ ماذون[(۱)] وغلام ماذون کا عقد رہن صحیح ہے اسی طرح شرط بھی جواز رہن کے واسطے شرط نہیں ہے پس سفر وحضر دونوں جگہ رہن صحیح ہے اور جو شرطیں مرہون کی طرف راجع ہیں وہ چند انواع ہیں از انجملہ یہ کہ محل قابل بیع ہو یعنی وقت عقد کے موجود ہو مال مطلق قیمت دار ہو مملوک ہو معلوم ہو مقدور التسلیم ہو پس ایسی چیز کا رہن کرنا جو وقت عقد کے موجود نہ ہو جائز نہیں ہے اور نہ ایسی چیز کا رہن کرنا جس میں موجود وعدم دونوں کا احتمال ہو جیسے کہا کہ جو پھل اس سال میرے باغ میں آئیں یا جس قدر میری بکریاں اس سال بچہ جنیں یا جو کچھ اس باندی کے پیٹ میں ہے وہ رہن ہے اور مردار وخون کا رہن کرنا جائز نہیں ہے اس واسطے کہ ان دونوں کی مالیت بالکل نہیں ہے اور حرم کے شکار و حالت احرام کے شکار کا رہن کرنا بھی جائز نہیں ہے اس واسطے کہ وہ مردار ہے اور آزاد کا رہن کرنا بھی جائز نہیں ہے اس واسطے کہ وہ ہرگز مال نہیں ہے۔

فائدہ ☆

چونکہ رہن میں مال ہونا شرط ہے لہٰذا تفریع فرمائی کہ جس میں اصلی مالیت نہ ہو مانند آزاد وخون ومردار کے یا عارضی نہ ہونا حرام واحرام کے شکار کے تو رہن باطل ہے م اور ام ولد ومدبر مطلق ومکاتب کا رہن کرنا بھی جائز نہیں ہے اس واسطے کہ یہ لوگ ایک وجہ سے آزاد ہیں پس مال مطلق نہ ہوں گے اور مسلمان کو شراب وسور کا رہن جائز نہیں ہے خواہ دونوں یعنی راہن وہ مرتہن مسلمان ہوں یا ایک مسلمان ہو اس واسطے کہ مسلمان کے حق میں شراب وسور کی مالیت معدوم ہے اس واسطے کہ رہن سے یہ غرض ہوتی ہے کہ راہن کی طرف سے ایفائے دین یعنی ادائے دین اور مرتہن کی طرف سے استیفاء دین یعنی دین بھر پانا ہو اور مسلمان کی طرف سے شراب وسور سے نہ ادائے دین جائز ہے نہ دین کا وصول کرنا لیکن اگر راہن ذمی ہو اور مسلمان نے اس سے شراب رہن لی تو یہ شراب مسلمان کے ذمہ مضمون ہوگی اس واسطے کہ جب رہن صحیح نہ ہوا تو یہ شراب مسلمان کے قبضہ میں بمنزلہ مال مغصوب کے ہوگی حالانکہ اگر مسلمان کسی ذمی کی شراب غصب کرے تو اس کے ذمہ مضمون ہوتی ہے اور اگر راہن مسلمان ہو اور مرتہن ذمی ہو تو یہ شراب اس کے ذمہ مضمون نہ ہوگی اس واسطے کہ مسلمان کی شراب کسی کے ذمہ مضمون نہیں ہوتی ہے۔ اور اہل ذمہ یعنی ذمیوں کو شراب وسور کا رہن کر دینا اور ذمیوں سے رہن کر لینا جائز ہے اس واسطے کہ ان کے حق میں یہ چیزیں مال متقوم ہیں جیسے ہم مسلمانوں کے واسطے سرکہ وبکری ہے اور مباحات کا رہن بھی جائز نہیں ہے جیسے شکار وجنگل کے ایندھن کی لکڑیاں وگھاس وغیرہ جو عام کے واسطے مباح ہیں اس واسطے کہ یہ چیزیں فی نفسہا کسی کی مملوک نہیں ہیں اور رہن جائز ہونے کے واسطے یہ شرط نہیں ہے کہ مال مرہون راہن کی ملک ہو حتیٰ کہ غیر کا مال بدون اس کی اجازت کے بولایت شرعی رہن رکھنا جائز ہے جیسے نابالغ کا مال اس کا باپ یا وصی اس کے قرضہ میں یا اپنے قرضہ میں رہن رکھے تو جائز ہے پھر اگر باپ کے فک رہن کرانے سے پہلے وہ مال مرتہن کے پاس تلف ہو گیا تو جس قدر دین کے عوض رہن ہوا ہے اور جو اس کی قیمت تھی ان دونوں میں سے جو کم ہے اس کے عوض میں تلف شدہ قرار دیا جائے گا پس جس قدر قرضہ اس کے تلف ہونے کے عوض ساقط ہوا ہے اتنے کا باپ ضامن ہوگا اس لئے کہ باپ نے اپنا ذاتی قرضہ اپنے فرزند کے مال سے ادا کیا ہی پس ضامن ہوگا اور اگر یہ فرزند صغیر بالغ ہو گیا اور اس وقت تک مال مرتہن کے پاس موجود ہے تو قضاء قاضی سے پہلے اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ مرتہن کے قبضہ سے واپس کر لے لیکن قاضی اس کے باپ کو حکم دے گا کہ قرضہ ادا کر کے اپنے فرزند کا مال اس کو چھڑا دے اور اگر فرزند بالغ مذکور نے اپنے باپ کا قرضہ خود ادا کر کے اپنا مال فک رہن کر لیا تو متبرع نہ ہوگا یعنی جو کچھ اس نے قرضہ کے ادا کرنے میں دیا ہے سب اپنے

ل قولہ سفر آہ اگرچہ کلام مجید میں رہن کا حکم حالت سفر میں بقید اتفاقی بیان ہے وتمام البحث فی تفسیر المترجم المسمی بمواہب الرحمٰن جامع البیان ۱۲

(۱) یعنی کسی وجہ سے اس کی مالیت زائل نہ ہوئی ہو ۱۲

باپ سے واپس لے سکتا ہے اور جو حکم ہم نے باپ کی صورت میں ذکر کیا یہی سب وصی کی صورت میں ہے۔ اسی طرح غیر کا مال اس کی اجازت سے رہن کر لینا جائز ہے مثلاً کسی سے کوئی چیز عاریت اس غرض سے لی کہ مستعیر پر جو قرضہ ہے اس کے عوض رہن کرے گا تو رہن جائز ہے یہ بدائع میں ہے۔ جواز رہن کی شرط یہ ہے کہ مال مرہون مقسوم (۱) مجوز شغل (۲) سے فارغ ہو اور یہ ہے کہ ایسے حق کے عوض ہو جس کا وصول[1] کر نا رہن سے ممکن ہو حتی کہ اگر ایسے حق کے عوض رہن کیا جس کا استیفاء رہن سے نہیں ہو سکتا ہے جیسے حدود قصاص کے عوض کیا تو رہن باطل ہے یہ سراج الوہاج میں ہے امام محمدؒ نے کتاب الرہن میں فرمایا کہ رہن جائز ہے الا مقبوض (یعنی رہن بدون قبضہ کئے ہوئے جائز نہیں ہے) پس امام محمدؒ نے اس کلام میں یہ اشارہ فرمایا کہ جواز رہن کے واسطے قبضہ شرط ہے اگر شیخ الاسلام خواہرزادہؒ نے فرمایا کہ قبضہ سے پہلے عقد رہن جائز ہو جاتا ہے لیکن لازمی نہیں ہوتا ہے اور راہن کے حق میں لازمی جبھی ہوتا ہے کہ جب قبضۂ مرتہن ہو جائے پس قبضہ شرط لزوم ٹھہرا نہ شرط جواز جیسے ہبہ میں قبضہ کا حکم ہے لیکن اصح وہی ہے جو اوّل مذکور ہوا کذافی المحیط۔ پھر ظاہر الروایہ کے موافق عقد رہن میں تخلیہ (۳) سے قبضہ ثابت ہو جاتا ہے جیسے بیع میں حکم ہے اور امام ابو یوسفؒ سے ہے کہ مال منقولہ میں بدون (۴) نقل کے قبضہ ثابت نہیں ہوتا ہے مگر اوّل اصح ہے اور جب تک مرتہن نے قبضہ نہ کیا ہو تب تک راہن کو اختیار چاہے سپرد کر دے یا رہن سے رجوع کر لے اور جب مرتہن کو مال مرہون سپرد کر دیا اور اس نے قبضہ کر لیا تو وہ قبضہ کرنے سے اس کی ضمان میں ہو گیا یہ کافی میں ہے اور صحت قبضہ کے شرائط چند اقسام کے ہیں از انجملہ جملہ یہ ہے کہ راہن اجازت دے اور اجازت دو طرح کی ہے یا جو صریح کے قائم مقام ہو دوسری بدلالت پس اوّل قسم کی صورت یہ ہے کہ مثلاً راہن کہے کہ میں نے تجھ کو قبضہ کی اجازت دے دی یا میں راضی ہوا یا تو اس پر قبضہ کرے اور علیٰ ہذا جو اس کے قائم مقام ہوں پس مرتہن کا قبضہ جائز ہو گا خواہ اسی مجلس میں قبضہ کر لے یا دونوں کے جدا ہونے کے بعد قبضہ کرے یا استحساناً ہے اور بدلالت اجازت دینے کی یہ صورت ہے کہ مثلاً مرتہن راہن کے سامنے مال مرہون پر قبضہ کرے اور وہ خاموش رہے اس کو منع نہ کرے تو استحساناً قبضہ صحیح ہو گا۔ اور اگر ایسی چیز رہن کی جو متصل ہے بعوض ایسی چیز کے جس کے عوض رہن واقع نہیں ہوتا ہے مثلاً درخت پر لگے ہوئے پھل یا اس کے مانند کوئی چیز جس کا رہن کرنا بدون جدا کر کے قبضہ کرنے کے نہیں جائز ہے پس اگر بدون اجازت راہن کے اس نے قبضہ کیا تو قبضہ جائز ہو گا خواہ مجلس عقد میں اس نے جدا کر کے قبضہ کیا ہو یا مجلس سے الگ ہونے کے بعد ایسا کیا ہو اور اگر با اجازت قبضہ کیا ہو تو قیاساً جائز نہیں ہے اور استحساناً جائز ہے۔ از انجملہ ہمارے نزدیک مال مرہون کی حیازت شرط ہے پس غیر مقسوم کا قبضہ صحیح نہ ہو گا۔ خواہ وہ غیر مقسوم ایسا ہو جو متحمل قسمت[1] ہے یا ایسا نہ ہو اور خواہ اس نے اجنبی کے پاس رہن کیا ہو یا اپنے شریک کے پاس اور خواہ یہ شرکت حالت عقد میں موجود ہے یا پیچھے طاری ہو گئی ہو یہ ظاہر الروایہ کے موافق ہے۔ از انجملہ یہ ہے کہ مال مرہون ایسی چیز سے فارغ ہو جو مرہون نہیں ہے پس اگر فارغ نہ ہو گا مثلاً ایک دار رہن کیا اور اس میں راہن کا اسباب بھرا ہے پس دار کو مرتہن کے سپرد کیا مگر اپنا اسباب بھرا رہنے دیا تو قبضہ جائز نہیں ہے۔ از انجملہ یہ کہ مرہون اس چیز سے جو رہن نہیں ہے جدا متمیز ہو پس اگر متصل وغیرہ متمیز ہو گا تو اس کا قبضہ صحیح نہ ہو گا۔ اور از انجملہ قبضہ کرنے کی اہلیت یعنی عقل (۵) موجود ہو اور قبضہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک قبضہ بطریق اصالت و دوسرا قبضہ بطریق نیابت پس جو قبضہ بطریق اصالت ہوتا ہے اس کا یہ طریقہ ہے کہ آپ اپنی ذات کے واسطے قبضہ کرے اور جو قبضہ بطریق نیابت ہو وہ دو طرح کا ہوتا ہے

---

[1] مراد متحمل قسمت سے یہ ہے کہ بعد تقسیم کے اُس سے اسی طرح کا فائدہ جو قبل تقسیم کے حاصل تھا اُٹھایا جا سکے ۱۲ [2] اقول وصول سے مراد ہے کہ سب یا تھوڑا ۱۲ منہ (۱) مجموع مجوز و متصرف میں ہوا ۱۲ (۲) یعنی اس میں کسی کا کچھ لگاؤ نہ ہوا ۱۲ (۳) یعنی حقیقتاً ہاتھ کا قبضہ ضرور نہیں ہے کافی ہے کہ راہن مرتہن سے کہہ دے کہ میں نے اس چیز سے روک اُٹھا دی وغیرہ ذلک ۱۲ (۴) یعنی مرتہن اس کو اپنے قبضہ میں منتقل کو لے جائے ۱۲

(۵) یعنی عاقل ہو پس مجنون و نابالغ جو عقد رہن کو نہ سمجھتا ہو اس کا قبضہ صحیح نہیں ہے ۱۲

ایک وہ کہ قابض کی طرف رجوع کرتا ہے اور دوم وہ کہ اس کا مرجع نفس قبضہ ہے پس جو قبضہ بطریق نیابت کہ قابض کی طرف رجوع کرتا ہے وہ مثل باپ ووصی کے قبضہ کے ہے کہ باپ ووصی کا قبضہ کرنا نابالغ کی طرف سے جائز ہے اسی طرح عادل[1] کا قبضہ بھی مرتہن کے قبضہ کے قائم مقام ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر مال مرہون مرد عادل کے پاس تلف ہوگیا تو اس کا تلف ہونا مرتہن کے ذمہ قرار دیا جائے گا اور جو قبضہ بطریق نیابت کہ نفس قبضہ کی طرف راجع ہوتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ اگر مال مرہون وقت عقد رہن کے مرتہن کے قبضہ میں موجود ہو پس آیا یہ قبضہ موجودہ قبضہ رہن کا نائب ہو جائے گا یا نہیں۔ سو قاعدہ اصل اس باب میں یہ ہے کہ اگر دونوں قبضہ ایک[(1)] جنس کے ہوں تو ایک دوسرے کا نائب ہو جائے گا اور اگر دونوں مختلف ہوں تو اعلیٰ ادنیٰ کا نائب ہوگا اور از انجملہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک دوام قبضہ چاہئے پس اگر شیوع ہوگا تو دوام قبضہ رکھنے اور روکنے سے مانع ہوگا پس رہن بھی جائز نہ ہوگا خواہ شیوع ایسی چیز میں ہو جو قابل قسمت ہے یا ایسی چیز میں ہو جو قابل قسمت نہیں ہے اور خواہ یہ شیوع حالت عقد میں موجود ہو یا پیچھے طاری ہو جائے یہی ظاہر الروایہ ہے اور خواہ اس نے اس غیر مقسوم کو کسی اجنبی کے ہاتھ رہن کیا ہو یا اپنے شریک کے ہاتھ رہن کیا ہو یہ بدائع میں ہے اور حکم رہن کا بیان یہ ہے کہ مال عین مرہون کو مرتہن اپنے قبضہ میں رکھ کر راہن سے روکنے کا مالک ہوتا ہے حتیٰ کہ اپنا قرضہ وصول پانے تک اس کے روکنے کا مستحق ہے اور اگر راہن مرگیا تو اس کے قرض خواہوں کی بہ نسبت مرتہن اس مال مرہون کا مستحق ہے پس اس مال مرہون سے اپنا قرضہ پورا لے لینے کے بعد جو باقی بچے وہ باقی قرض خواہوں و وارثوں کو واپس دے گا وہ اُن کا ہوگا اور اگر راہن مرگیا اور وہ مفلس مرگیا اور اس پر بہت لوگوں کا قرضہ ہے تو مرتہن اس مال مرہون کا بہ نسبت باقی قرض خواہوں کے زیادہ مستحق ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر مال مرہون میں از راہ عین نقصان آ جائے تو بلا خلاف اسی قدر قرضہ ساقط ہو جانے کا موجب ہے اور اگر از راہ نرخ کمی آ جائے تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کچھ بھی قرضہ ساقط ہونے کا موجب نہیں ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔

فصل دوم ☆

ان صورتوں کے بیان میں جن سے رہن واقع ہو جاتا ہے اور جن سے نہیں واقع ہوتا ہے

ایک شخص نے ایک بیت خریدا اور بائع سے کہا کہ یہ کپڑا رہنے دے یہاں تک کہ میں تجھے ثمن دے دوں تو ہمارے اصحاب ثلاثہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک رہن ہے یہ خلاصہ میں ہے۔

رہن اور اجارۂ فاسدہ میں فرق کا بیان ☆

زید پر عمرو کا قرضہ آتا ہے پس زید نے عمرو کو ایک کپڑا دیا اور کہا کہ اس کو رہنے دے یہاں تک کہ میں تجھ کو تیرا مال دے دوں تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ یہ رہن ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ رہن نہیں ہے ودیعت ہے اور اگر یوں کہا کہ اپنے مال کے عوض اس کو رہنے دے یا کہا کہ اس کو رہن رکھ لے یہاں تک کہ میں تجھے تیرا مال دے دوں تو بالا اجماع رہن ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص پر دوسرے کے ہزار درم غلہ کے آتے ہیں اس نے قرض خواہ سے کہا کہ یہ ہزار درم کھرے بعوض اپنے حق کے لے لے اور مجھے اپنے قبضہ کرنے کے گواہ کرا دے تو فرمایا کہ یہ ادائے قرض ہے اسی طرح اگر قرض دار نے کہا کہ مجھے اپنے قبضہ کرنے کے گواہ کرا دے پس قرض خواہ نے کہا کہ مجھے دے دے تاکہ میں تیرے واسطے گواہ کرا دوں پس قرض دار نے کہا کہ یہ ہزار درم کھرے لے لے اور

[1] زید نے عمرو کے پاس اس کے قرضہ کے عوض ایک موتی رہن کیا مگر دونوں نے یہ قرار دیا کہ یہ موتی خالد کے پاس جو مرد عادل و پرہیزگار ہے رہے عمرو کے پاس نہ رہے اور عادل یہاں عام ہے حتیٰ کہ ان دونوں کا معتمد علیہ ہونا کافی ہے ۱۲ منہ (۱) یعنی دونوں مضمون ہوں ۱۲

میرے واسطے گواہ کرا دے تو بھی یہی (۱) حکم ہے اور اگر قرض دار نے کہا کہ یہ ہزار درم کھرے رکھ لے یہاں تک کہ میں تجھے تیرا حق دلا دوں اور میرے واسطے ان درموں پر قبضہ کرنے کے گواہ کرا دے پس قرض خواہ نے یہ درم لے لیے تو یہ رہن ہے ادائے قرضہ نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کہا کہ میں نے تیرے پاس یہ دار یا یہ زمین یا یہ گاؤں رہن کیا اور مرہون میں کچھ تخصیص نہ کی مطلق رکھا تو عمارت (۲) داخل ہو جائے گی۔ اور زمین کے رہن میں درخت و باغ انگور جو اس زمین میں ہے داخل ہوگا اور رطبہ و زراعت (۳) بھی داخل ہو جائے گی یہ ینابیع میں ہے۔ اگر قرض دار نے قرض خواہ کو قرضہ ادا کیا پھر اس کو کچھ مال دیا اور کہا کہ اس کو بطور رہن کے بعوض زیوف و ستوق درموں کے جو ادائے قرض کے درموں میں تھے لے لے تو یہ رہن بعوض ان درموں کے جو ستوق ہوں جائز ہے اور جو زیوف ہوں ان کے عوض یہ رہن جائز نہ ہوگا اس واسطے کہ زیوف درموں کو ادائے قرضہ میں لے لینا استیفاء قرضہ ہے پس بعد استیفائے قرضہ کے رہن متصور نہیں ہو سکتا ہے بخلاف ستوق[1] کے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے کچھ دراہم قرض لئے اور قرض دینے والے کو اپنا گدھا دیا تاکہ دو مہینہ تک جب تک قرض کے درم ادا کرے اس کو استعمال میں لائے یا ایک دار دیا کہ تا مدت ادائے قرض دو مہینہ تک اس میں سکونت رکھے تو یہ رہن نہ ہوگا بلکہ بمنزلہ اجارہ[2] فاسدہ کے ہے اگر قرض دینے والے نے اس کو استعمال کیا تو اس پر اجر المثل واجب ہوگا یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ قفائی نے اگر زنبیل و کوزون کے عوض رہن لیا تو رہن نہ ہوگا یہ سراجیہ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو کچھ مال رہن دیا تاکہ راہن کو آٹھ سو دینار قرضہ دے پس فقط اس نے تین سو دینار دیئے اور باقی کے دینے سے انکار کیا تو مال مذکور اسی قدر کے عوض رہن ہوگا کذا فی القنیہ۔

فصل سوم ☆

جس کے عوض رہن جائز ہوتا ہے اور جس کے عوض نہیں جائز ہوتا ہے اس کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ رہن جبھی صحیح ہوتا ہے کہ جب قرضہ واجب ہو یا اس کے واجب ہونے کا سبب موجود ہو جیسے اجرت واجب ہونے سے پہلے اُجرت کے عوض رہن دیا تو صحیح ہے اور جو قرضہ واجب نہ ہو اور نہ اس کا سبب وجوب پایا جائے جیسے درک کے عوض میں دیا تو صحیح نہیں ہے پھر واضح ہو کہ قرضہ واجب کا درحقیقت واجب ہونا صحت رہن کے واسطے لامحالہ شرط نہیں ہے بلکہ ظاہر میں اس کا واجب ہونا کافی ہے چاہئے درحقیقت وہ واجب نہ ہو اور اس کا بیان ان چند مسائل میں جن کو امام محمدؒ نے جامع میں ذکر فرمایا ہے موجود ہے از انجملہ یہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر ہزار درم کا دعویٰ کیا اور مدعا علیہ نے اس سے انکار کیا پھر مدعا علیہ نے اس سے اس دعویٰ سے پانچ سو درم پر صلح کی اور دراہم صلح کے عوض اس کو پانچ سو درم قیمت کا مال رہن دیا اور وہ مرتہن کے پاس تلف ہو گیا پھر دونوں نے راستی کے ساتھ اس امر پر اتفاق کیا کہ قرضہ کچھ نہ تھا تو مرتہن پر راہن کے واسطے مال مرہون کی قیمت پانچ سو درم واجب ہوں گے اور جاننا چاہئے کہ یہ رہن ہمارے نزدیک جائز ہے اس واسطے کہ ایسے قرضہ کے عوض رہن ہوا ہے جو از راہ ظاہر واجب تھا کیونکہ انکار (۴) کے ساتھ صلح کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے اور بدل صلح (۵) ہمارے نزدیک واجب ہوتا ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر دونوں

---

[1] ستوق درواقع جنس درم سے نہیں ہیں پس استیفاء قرضہ نہ ہوا پس رہن صحیح نہ ہوگا [2] اقول اس صورت میں کوئی انعقاد اجارہ کے معنی نہیں ہیں ظاہرا تصحیح عقد کی غرض سے ایسا حکم دیا ہے پس ظاہر ہوا کہ انعقاد اجارہ بدون ارکان صریح اجارہ کے بضرورت ہو سکتا ہے فاحفظ ۱۲ منہ

(۱) یعنی ادائے قرضہ و وصول قرضہ ۱۲ (۲) رہن گاؤں و رہن دار میں ۱۲ (۳) گاؤں و زمین کے رہن میں ۱۲ (۴) یعنی دعویٰ دروغ تھا ۱۲

(۵) دعویٰ مدعی سے انکار کیا ۱۲

یہ مقدمہ قاضی کے سامنے لے جائیں اور سب واقعہ بیان کریں تو قاضی مدعا علیہ کے ذمہ بدل الصلح ادا کرنا لازم کرے گا اور اگر وہ ادا کرنے سے انکار کرے تو مدعی کی درخواست پر اس کو قید کرے گا پس معلوم ہوا کہ جس قرضہ کے عوض رہن واقع ہوا ہے وہ از راہ واجب ہے اور جب رہن تلف ہو گیا تو مال مرہون تلف ہو جانے کے حکم کے موافق مرتہن اپنے قرضہ کا وصول پانے والا قرار دیا گیا پس ایسا ہے گویا اس نے درحقیقت ہاتھ سے اپنا قرضہ وصول کر لیا اور درحقیقت ہاتھ سے قرضہ وصول کرنے کی صورت میں اگر راستی کے ساتھ دونوں باتفاق قرار کریں کہ مال واجب نہ تھا اور دعویٰ دروغ واقع ہوا ہے تو مدعی یعنی مال لینے والے پر واجب ہوگا کہ جو کچھ اس نے وصول کیا ہے واپس کر دے پس [1] ایسا ہی اس صورت میں بھی ہے یہ ذخیرہ میں ہے کفالت بالنفس کے عوض رہن نہیں جائز ہے اور قصاص [2] نفس یا نفس سے کم کسی عضو کے قصاص کے عوض رہن نہیں جائز ہے اور اگر جنایت [3] خطا سے واقع ہوتی ہو تو رہن جائز ہوگا اور شفعہ کے عوض رہن نہیں جائز ہے یہ کافی میں ہے۔ اور خراج کے عوض رہن جائز ہے اس واسطے کہ خراج مثل تمام قرضوں کے قرضہ ہے یہ مضمرات میں ہے۔ اور اگر کسی عورت سے کسی قدر دراہم معین یا دینار ہائے معین پر نکاح کیا اور عورت مذکور نے اس مال معین کے عوض رہن لے لیا تو ہمارے نزدیک نہیں صحیح ہے اور اگر خون سے کسی شے معین پر صلح کر لی اور اس کے عوض رہن لیا تو نہیں جائز ہے یہ ینابیع میں ہے۔ اور اگر کوئی دار یا اور کوئی چیز کرایہ پر لی اور کرایہ کے عوض کچھ مال رہن دیا تو جائز ہے پھر اگر مستاجر کی پوری منفعت حاصل کر لینے کے بعد مال مرہون راہن کے پاس تلف ہو گیا تو وہ اجرت کا وصول پانے والا اقرار دیا جائے گا اور اگر منفعت حاصل کر لینے سے پہلے رہن مذکور تلف ہو گیا ہو تو رہن باطل ہو جائے گا اور مرتہن پر واجب ہوگا کہ رہن کی قیمت واپس دے اور اگر کسی درزی کے واسطے اجارہ پر مقرر کیا کہ میرا ایک کپڑا سی دے اور سلائی کر دینے پر درزی مذکور سے رہن لے لیا تو جائز ہے اور اگر اسی درزی کے کے خود ہی سلائی کر دینے پر رہن کیا ہو تو نہیں جائز ہے اسی طرح اگر اونٹ مکہ تک کرایہ کر لیا اور اونٹ والے سے بار برداری پر رہن لیا تو جائز ہے اور اگر اس شخص معین کے خود اٹھانے یا کسی چوپایہ معین سے اُٹھانے کے عوض رہن لیا تو جائز نہیں ہے اور اگر ایسی چیز جس کے واسطے بر برداری وخرچہ پڑتا ہے کسی شخص سے عاریت لی اور دینے والے نے عاریت لینے والے سے اس شے کے واپس دینے پر رہن لیا یعنی مستعار کو بعد فراغ کے واپس کر دے تو یہ جائز ہے اور اگر خود مستعیر ہے کہ واپس کر جانے پر رہن لیا تو جائز نہیں ہے اور اگر مستعار چیز ہی کے عوض رہن لیا تو نہیں جائز ہے اس واسطے کہ مال مستعار امانت ہوتا ہے اور اگر نوحہ کرنے والی عورت یا گانے والی عورت کو اجرت پر مقرر کیا اور اجرت کے عوض رہن دیا تو نہیں جائز ہے اور یہ باطل ہوگا اسی طرح قمار کی وجہ سے [4] جو قرضہ[1] ہو اس کے عوض رہن باطل ہے یا مردار و خون کے ثمن کے عوض مسلمان[2] کی طرف سے کسی مسلمان یا ذمی کے واسطے شراب کے ثمن کے عوض یا سور کے ثمن کے عوض رہن باطل ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور جس غلام نے جنایت کی ہو یا غلام قرض دار ہو اس کے عوض رہن نہیں صحیح ہے اس واسطے کہ وہ غلام خود اپنے مولیٰ کے حق میں مضمون نہیں ہے چنانچہ اگر ہلاک ہو جائے تو مولیٰ پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر کسی شخص سے معین درموں کے عوض کوئی چیز خریدی اور ان درموں کے عوض کچھ رہن دیا تو باطل ہوگا اس واسطے کہ دراہم متعین نہیں ہوتے ہیں بلکہ فقط ان کے مثل ذمہ لازم آتے ہیں اور رہن کی اضافت ایسے درموں کی طرف جو ذمہ واجب ہوئے ہیں نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ رہن العیون میں لکھا ہے کہ اعیان کے عوض رہن دینا تین طرح پر ہے

[1] اطلاق قرضہ کا بجہت تشابہ ہے ورنہ درحقیقت قرضہ نہیں بلکہ باطل حرام ہے ۱۲م [2] مسلمان کی قید اس واسطے لگائی کہ مسلمان کے حق میں شراب کا قیمتی ہونا باطل ہے اور سور و نجس العین ہے پس مسلمان اگر کسی ذمی کے لیے بھی ضامن ہو اور قرضہ ثمن شراب ہو تو باطل ہے کیونکہ یہ اس پر واجب نہیں ہو سکتا ہے یہ مسئلہ دلیل ہے کہ اگر مسلمان نے سود کی ضمانت کی تو باطل ہی فافہم ۱۲ (۱) پس یہ قرضہ واجب ہوا ۱۲ (۲) یعنی جب کہ رہن تلف ہونے کی وجہ سے حکماً وصول کیا ہے ۱۲ (۳) مثلاً عمداً قتل کیا یا ہاتھ کاٹ ڈالا ۱۲ (۴) کیونکہ وہ خود باطل ہے ۱۲ منہ

ایک یہ کہ ایسے عیان کے عوض رہن دینا جو امانت (۱) ہیں اور ایسا رہن باطل ہے دوم یہ کہ ایسے اعیان کے عوض رہن دینا جو مضمون بالغیر ہیں یعنی دوسری چیز کے عوض ضمان میں ہیں جیسے مبیع بائع کے قبضہ میں (کہ ثمن کے عوض ضمان میں ہے) اور ایسا رہن بھی نہیں جائز ہے حتیٰ کہ اگر مال مرہون تلف ہو جائے تو بلا معاوضہ تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور شیخ ابوالحسن الکرخیؒ کا قول ہے اور سوم یہ کہ ایسے اعیان کے عوض رہن دینا جو اپنی ذات سے مضمون ہیں جیسے غصب کیا ہوا مال میں یا ایسا مال عین جو نکاح میں مہر قرار دیا گیا یا اور اس کے مثل تو ایسے مال عین کے عوض رہن دینا صحیح ہے اور اگر رہن تلف ہو جائے پس اگر مرتہن کے قبضہ میں تلف ہو تو وہ مال مرہون اور مال عین ان دونوں کی قیمتوں سے جو مقدار کم ہو اس قدر قیمت کا ضامن ہوگا اور اپنا مال عین لے لے گا اور اگر مال مرہون تلف ہونے سے پہلے مال عین تلف ہو گیا تو مال مرہون بعوض قیمت کے رہن ہوگا یہ خلاصہ میں ہے۔

فصل چہارم ☆

جس کا رہن جائز ہے اور جس کا نہیں جائز ہے اس کے بیان میں

جس چیز کی بیع جائز ہے اس کا رہن بھی جائز ہے اور جس کی بیع نہیں جائز ہے اس کا رہن نہیں جائز ہے یہ تہذیب میں ہے۔
اگر کوئی زمین رہن کی اور مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا پھر زمین مذکور میں سے کسی قدر زمین پر کسی مدعی نے اپنا استحقاق ثابت کیا پس اگر غیر معین ٹکڑے پر استحقاق ثابت کیا ہو تو باقی کا رہن باطل ہو جائے گا اور اگر معین ٹکڑے پر استحقاق ثابت کیا ہو تو باقی کا رہن جائز رہے گا اور مرتہن کو باقی کی بابت اختیار (۲) حاصل نہ ہوگا اور دوسرے مال کے رہن کر دینے کے مطالبہ کا اختیار اس کو حاصل نہ ہوگا بلکہ جس قدر زمین باقی رہی ہے وہ پورے قرضہ کے عوض رہن رہے گی یہ محیط میں ہے۔ اگر دو شخصوں نے تیسرے شخص سے جس پر ان دونوں کا قرضہ آتا ہے کچھ مال رہن لیا اور وہ دونوں باہم شریک ہیں یا ان دونوں میں شرکت نہیں ہے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ دونوں نے قبول کیا ہو اور اگر ایک نے بدون دوسرے کے قبول کیا ہو تو صحیح نہیں ہے اور اگر دونوں مرتہنوں نے قبول کیا پھر راہن نے دونوں میں سے ایک کا قرضہ ادا کر دیا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ نصف مال مرہون واپس کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر چھوہارے (لگے ہوئے) بدون درخت خرما کے رہن کی تو جائز نہیں ہے ☆

اگر ایک شخص نے دو شخصوں سے جن پر اس کا قرضہ آتا ہے ایک ہی مال رہن لیا تو جائز ہے اور یہ مال مرہون پورے قرضہ کے عوض رہن ہوگا اور مرتہن کو اختیار ہوگا کہ اپنا قرضہ پورا وصول کر لینے تک اس کو نہ چھوڑے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اگر کسی شخص کے پاس ہزار درم قرضہ کے عوض دو غلام رہن کئے پھر اس کو پانچ سو درم ادا کر دیئے پھر اگر یہ چاہا کہ ایک غلام چھڑائے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا اور اگر رہن کرنے کے وقت یوں کہا ہو کہ میں نے یہ دونوں غلام تجھے رہن دیئے ہر ایک ان دونوں میں سے بعوض پانچ سو درم کے پھر اس کو پانچ سو درم ادا کر دیئے اور چاہا کہ ایک غلام مرتہن سے چھڑا کر اپنے قبضہ میں کر لے تو کتاب الزیادات کی روایت کے موافق اس کو یہ اختیار ہے اور رہن کتاب الاصل کے موافق جب تک پورا قرضہ ادا نہ کر لے تب تک یہ اختیار نہ ہوگا بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو زیادات میں مذکور ہے وہ امام محمدؒ کا قول ہے اور جو اصل میں مذکور ہے وہ امام اعظمؒ امام ابو یوسفؒ کا قول ہی اسی طرح اگر قرضہ دو جنس مختلف پانچ سو درم اور پانچ سو دینار ہوں اور راہن نے ایک جنس خواہ دینار یا درم ادا کر دیئے تو بھی اس کو ایک غلام واپس کر لینے کا اختیار نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے اور اگر ایک غلام دو شخصوں کے پاس اس تفصیل سے کہ ہر ایک کے پاس نصف غلام رہن کیا تو نہیں جائز

(۱) ان کی ضمان واجب نہیں ہے (۲) چاہے ترک کرے یا رہنے دے ۱۲

ہے اور اگر دونوں کے پاس مطلقاً (۱) رہن کیا (اور دونوں نے قبول کیا) تو جائز ہے اور اگر ایک ہی غلام کا آدھا چھ سو درم کو اور آدھا پانچ سو درم میں رہن کیا تو نہیں جائز ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر چھوہارے (۲) بدون درخت خرما کے یا درخت خرما بدون لگے ہوئے چھوہاروں کے یا درخت خرما و عمارت و کھیتی بدون زمین کے یا زمین بدون ان چیزوں کے رہن کی تو جائز نہیں ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت کی کہ زمین بدون درخت خرما کے رہن کرنا جائز ہے اور اگر راہن نے رہن میں استثنانہ کیا تو زمین کے رہن میں درخت خرما چھوہارے لگے ہوئے اور کھیتی جمی ہوئی و عمارت داخل ہو جائے گی یہ تہذیب میں ہے۔ اور اگر درخت خرما و شجرو درختان انگور معہ ان کے جمنے کی مقدار (۳) زمین کے رہن کیا تو جائز ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر دس قطعہ زمین رہن کئے پھر ظاہر ہوا کہ ان میں سے ایک ٹکڑا وقف ہے اور دوسرا مشاع غیر مقسوم ہے تو باقی کا رہن صحیح ہو گا یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے دو بکریاں عوض تیس درم کے ایک بعوض دس درم کے اور دوسری بعوض بیس درم کے رہن کی اور یہ تعیین نہ کی کہ کون بعوض دس کے ہے اور کون بعوض بیس کے ہے تو جائز نہیں ہے اس واسطے کہ بکری تلف ہو جانے کے وقت دونوں میں نزاع واقع ہو گا کیونکہ جب کوئی بکری تلف ہوئی تو یہ معلوم نہ ہو گا کہ قرضہ میں سے کس قدر اس کے مقابلہ میں ساقط ہوا اور اگر بیان کے ساتھ تعیین کر دی ہو تو جو بکری تلف ہو گی اس کے مقابلہ میں جس قدر معین کیا تھا اس قدر ساقط ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ قرضہ کے عوض حیوان مملوک کا رہن کرنا جائز ہے مگر بعض علماء نے اس میں خلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ حیوان تیر[۱] ہلاکت کا نشانہ ہے پس بمنزلہ ان چیزوں کے ہوا جو جلد بگڑ جاتی ہیں جیسے روٹی وغیرہ جو جلد بگڑ جاتی ہیں ان کا رہن کرنا جائز نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔

ایک دار وارثان بالغ و نابالغ میں مشترک ہے اس کو وصی اور بالغوں نے رہن کیا بعوض خراج[۲] ایک زمین کے جو ان سب میں مشترک ہے تو ایک ہی صفقہ کے ساتھ رہن کرنا صحیح ہے۔ ایک شخص نے اپنا دار رہن کیا اور اس میں ایک دیوار مشترک ہے تو صحیح نہیں ہے اور اگر دیوار مشترک کو مستثنیٰ کر لیا تو صحیح ہے لیکن اگر دیوار مشترک کے ساتھ اس کی کوئی دیوار متصل ہو تو صحیح نہ ہو گا۔ ایک دار رہن کیا اور دیواریں مالک دار و پڑوسیوں کے درمیان مشترک ہیں تو صحن و چھت و ان دیواروں کا رہن جو خاصۃً بدون کسی کی شرکت کے ہیں صحیح ہے اور دیوار ہائے مشترکہ کے ساتھ چھت کا متصل ہونا صحت رہن سے مانع نہیں ہے اس واسطے کہ چھت تابع ہے یہ قنیہ میں ہے اور اگر اپنے دار میں سے کوئی بیت معین یا کوئی ٹکڑا معین رہن کر کے سپرد کر دیا تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کی ملک کی چیز فروخت کر دی اور ثمن کے عوض مشتری سے کوئی مال رہن لیا اور مالک نے ان دونوں عقدوں کی اجازت دے دی تو صحیح نہیں ہے۔ اور اگر مریض (۴) نے کسی قرض خواہ کو کوئی مال رہن دیا تو صحیح ہے اگرچہ اس کی قیمت بہ نسبت قرضہ کے زیادہ ہو جیسے اس کا ودیعت دینا صحیح ہے لیکن اس کا حکم باقی قرض خواہوں کے حق میں ظاہر و موثر نہ ہو گا یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنا دار جس میں اس کا اسباب ہے خواہ قلیل یا کثیر جس سے وہ انتفاع حاصل کرتا ہے بدون اسباب کے رہن کیا یا بورے جن میں اس کا اسباب ہے جس سے وہ انتفاع حاصل کرتا ہے بدون اسباب کے رہن کیا اور سب کو مرتہن کے سپرد کر دیا تو یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر دار یا بوروں کو اسباب مذکور سے خالی کر کے سپرد کرے تو جائز ہے۔ اور اگر اسباب دار بدون کے دار کے یا بوروں کی متاع بدون بوروں کے رہن کی اور سب سپرد کیا تو جائز ہے اور صورت اولیٰ میں جواز رہن کے واسطے یہ حیلہ ہے کہ دار میں یا بوروں میں جو متاع ہے وہ پہلے ودیعت دے دے پھر دار و بورہ جو رہن کیا ہے مرتہن کے سپرد کرے تو رہن و قبضہ دونوں صحیح ہوں گے یہ فتاویٰ قاضی

---

[۱] یعنی حیوان اکثر اوقات مر جاتا ہے ۱۲ [۲] خراج سے یہاں مراد ایسا خراج ہے جو معمولی بندھا ہو یعنی پیداوار کی بٹائی نہ ہو ۱۲

(۱) یعنی تفصیل نہ کی ۱۲ (۲) یعنی گئے ہوئے ۱۲ (۳) یعنی جتنی جگہ میں وہ اُگے ہیں ۱۲ (۴) مرض الموت کا مریض ۱۲

خان میں ہے۔ اور حسنؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کی کہ اگر ایک دار رہن کیا اور راہن و مرتہن دونوں اس دار کے اندر موجود ہیں پس راہن نے کہا کہ میں نے اس کو تیرے سپرد کیا اور مرتہن نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو رہن تمام نہ ہوگا یہاں تک کہ راہن اس دار میں سے باہر نکل[1] کر پھر مرتہن سے کہے کہ میں نے یہ دار تیرے سپرد کیا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص نے عمارت و دوکان جوز مین سلطانی پر بنی ہوئی ہے رہن کر کے مرتہن کے سپرد کر دی اور مرتہن اس کو اپنے قبض و تصرف میں لایا اور سالہا سال اس کو اجارہ پر دیا اور اس کا کرایہ لیتا رہا تو رہن صحیح نہیں ہے اور مرتہن نے جو کچھ اس کا کرایہ لیا ہے وہ اس کو حلال نہ ہوگا یہ خواہر اخلاطی میں ہے۔ اور اگر گھوڑے[(1)] پر پڑی ہوئی زین یا اس کے منہ میں دی ہوئی لگام یا اس کے گلے میں بندھے ہوئے گلو بند کی رسی رہن کی اور مرتہن کو گھوڑا مع زین و لگام و گردن بند سپرد کر دیا تو رہن پورا نہ ہوگا یہاں تک کہ گھوڑے سے جدا کر کے مرتہن کے سپرد کرے اور اگر کسی چوپایہ پر لدان لدا ہوا ہے پس چوپایہ بدون بار کے رہن کر کے سب سپرد کیا تو رہن تمام نہ ہوگا یہاں تک کہ چوپایہ مذکور پر سے بار اتار کر مرتہن کے سپرد کرے اور اگر چوپایہ کا لدان بدون چوپایہ کے رہن کر کے سب سپرد کیا تو لدان کا رہن پورا ہو جائے گا اس واسطے کہ صورت اولیٰ میں چوپایہ لدے ہوئے بار میں مشغول ہے فارغ نہیں ہے اور صورت ثانیہ میں لدان چوپایہ کے ساتھ مشغول نہیں ہے یہ بدائع میں ہے۔ ایک شخص نے شوہر دار باندی رہن کی اور اس کے شوہر سے اجازت نہ لی تو رہن جائز ہے اور مرتہن کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس کے شوہر کو اس کے ساتھ وطی کرنے سے منع کرے پھر اگر وہ باندی اپنے شوہر کے وطی کرنے سے مرگئی تو ایسا ہوگا کہ گویا آسمانی آفت سے مری ہے مگر استحساناً مرتہن کا قرضہ ساقط ہو جائے گا حالانکہ قیاساً ساقط نہ ہوگا۔ اور اگر رہن کرنے کے وقت وہ باندی شوہر دار نہ ہو پھر رہن کرنے کے بعد مرتہن کی اجازت سے راہن نے اس کا نکاح کر دیا تو یہ صورت اور صورت اولیٰ دونوں یکساں ہیں اور اگر بدون اجازت مرتہن کے اس کا نکاح کر دیا تو نکاح جائز ہوگا مگر مرتہن کو یہ اختیار ہوگا کہ اس کے شوہر کو اس کے ساتھ وطی کرنے سے منع کرے اور اگر اس کے شوہر نے اس کے ساتھ وطی کر لی تو باندی کے ساتھ اس کا مہر بھی رہن ہو جائے گا اور وطی کرنے سے پہلے اس کا مہر رہن نہ ہوگا اور اس صورت میں اگر شوہر کے وطی کرنے سے باندی مذکور مرگئی تو مرتہن کو اختیار ہوگا چاہے راہن سے تاوان لے یا اس کے شوہر سے تاوان لے جیسا کہ اگر شوہر نے اس کو قتل کیا تو بھی یہی حکم ہے پھر اگر شوہر کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ باندی رہن ہے تو جو[2] کچھ اس نے تاوان دیا ہے اور راہن سے واپس لے گا یہ ظہیریہ میں ہے فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔

اگر باندی کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کو آزاد کر دیا پھر باندی کو رہن کیا تو جائز ہے اور نقصان ولادت سے کچھ ساقط نہ ہوگا بخلاف اس کے اگر پیٹ کا بچہ آزاد کرنے سے پہلے وہ بچہ جنی تو بقدر نقصان ساقط ہو جائے گا لیکن اگر بچہ اس[(2)] کو پورا کرتا ہو تو ساقط نہ ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک مسلمان نے کسی کافر سے شراب رہن لی پھر وہ سرکہ ہوگئی تو رہن باطل ہے اور سرکہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوگا اور راہن کو اختیار ہوگا چاہے اس کو لے کر مرتہن کا قرضہ ادا کرے یا چاہے قرضہ کے عوض سرکہ اس کے پاس چھوڑ دے بشرطیکہ رہن کے روز شراب کی قیمت قرضہ کے برابر ہو بخلاف اس کے اگر کافر نے کسی مسلمان کی شراب رہن لی تو یہ نہیں جائز ہے اور وہ شراب مرتہن کے پاس[(3)] امانت[3] ہوگی اگر ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان سے شیرۂ انگور رہن لیا پھر وہ شراب ہو گیا تو مرتہن کو اس کے سرکہ کر ڈالنے کا اختیار ہے اور وہ سرکہ اس کے پاس رہن رہے گا اور جس قدر کیل و وزن میں گھٹ گیا ہو اس سے حساب

---

[1] باہر جانا اس وجہ سے کہ راہن کا قبضہ بدون اس کے فارغ نہ ہوگا ۱۲ منہ [2] جو کچھ ہے یعنی حمل لڑکا یا لڑکی ۱۲ منہ [3] امانت اس وجہ سے کہ وہ رہن نہیں تو ضمانت میں بھی نہ ہوئی لیکن ذمی کے حق میں وہ مال ہے تو مسلمان اس کا امین ہوا اگرچہ ابتدا میں اس کو لینے سے گنہگار ہو چکا ہے ۱۲

(۱) گھوڑا یا خچر یا گدھا یا بیل بشرطیکہ اشیائے مذکورہ جس کے مناسب ہوں مثل بیل کے ساتھ ہوتی ہے ۱۲ (۲) اس نقصان کو ۱۲

(۳) اگر تلف ہو جائے یا سرکہ ہو جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا ۱۲ منہ

سے رہن باطل ہو جائے گا اور اگر راہن کافر ہو تو وہ شراب مذکور لے لے گا اور قرضہ اس پر بحالہ باقی رہے گا اور مرتہن کو اس کے سرکہ کر ڈالنے کا اختیار نہ ہو گا اور اگر سرکہ کر ڈالے تو سرکہ کر ڈالنے کے روز جو کچھ اس کی قیمت ہو اس قدر قیمت کا ضامن ہو گا اور اپنا قرضہ واپس لے گا بخلاف اس کے اگر راہن مسلمان ہو اور مرتہن نے اس کو سرکہ کر ڈالا تو ضامن نہ ہو گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔

مال مرہون کی بابت کچھ مسائل ☆

اگر کسی ذمی نے دوسرے ذمی کے پاس مردار کی کھال رہن کی اور مرتہن (۱) نے اس کی دباغت کی تو وہ رہن نہ ہو گی اور راہن کو اختیار ہو گا کہ اس کو لے کر مرتہن کو دباغت کی قیمت دے دے بشرطیکہ اس نے ایسی چیز سے اس کی دباغت کی ہو جس کی کچھ قیمت ہے اور یہ ایسا ہو گا جیسے کسی نے مردار کی کھال غصب کر کے اس کو مذبوح کیا اگر کسی ذمی نے دوسرے ذمی کے پاس شراب رہن کی پھر دونوں مسلمان ہو گئے تو شراب مذکور رہن نہ رہی پھر اگر مرتہن نے اس کو سرکہ کر ڈالا تو وہ رہن ہو جائے گی اسی طرح اگر دونوں میں سے ایک خواہ راہن یا مرتہن مسلمان ہو گیا پھر وہ سرکہ ہو گئی تو رہن ہو جائے گی اور جس قدر اس میں سے کم ہو جائے اسی کے حساب سے رہن باطل ہو جائے گی اور اگر ایک کافر نے دوسرے کافر سے شراب رہن لی اور کسی مسلمان عادل[۱] کے پاس رکھی اور اس نے قبضہ کر لیا تو رہن جائز ہے اور جو حربی کہ امان لے کر دارالاسلام میں آیا ہے رہن لینے و رہن دینے میں اس کا حکم مثل ذمی کے ہے اور اگر کوئی حربی مستامن اپنا کچھ مال کسی کے پاس بعوض ایسے قرضہ کے جو اس پر آتا ہے رہن رکھ کر دارالحرب میں لوٹ گیا پھر مسلمان اس کے ملک پر غالب آئے اور حربی مذکور کو قید کیا تو قرضہ باطل ہو گیا اور جو مال اس نے مرتہن کو رہن دیا تھا وہ مرتہن کے قرضہ کے عوض مرتہن کا ہو گیا یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ وہ مال مرہون فروخت کیا جائے گا اور اس کے ثمن سے مرتہن اپنا قرضہ پورا وصول کر لے گا اور جس قدر باقی رہے وہ اس شخص کو ملے گا جس نے حربی مذکور یعنی راہن کو قید کیا ہے اور اگر حربی مذکور کے پاس کسی مسلمان یا ذمی کا مال بعوض ایسے قرضہ کے جو حربی مذکور کا اس مسلمان یا ذمی پر آتا ہے رہن ہو تو وہ مال مرہون اس کے مالک یعنی راہن کو واپس دیا جائے گا اور حربی کا قرضہ سب اماموں کے نزدیک بالاتفاق باطل ہو جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔ ذمی وغیرہ کسی کی طرف سے مردار یا خون کا رہن کرنا صحیح نہیں ہے یہ کافی میں ہے فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ اگر غاصب نے مال مغصوب کو رہن کیا پھر اس کو مالک سے خرید کیا تو روایت کیا گیا ہے کہ رہن جائز ہو جائے گا اور اگر مشتری نے مبیع میں عیب پایا اور بائع نے عیب کے عوض اسکو رہن دیا تو جائز نہیں ہے اور اگر مشتری نے بائع کو مال دیا کہ مبیع کے ساتھ بائع کے پاس بعوض ثمن کے رہن رہے پس اگر یہ مال تلف ہو جائے تو بقدر اپنے حصہ قیمت کے تلف شدہ قرار دیا جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے اور راہن یا مرتہن یا دونوں کے مر جانے سے رہن باطل نہیں ہوتا ہے اور وارثوں کے پاس مرہون بطور رہن باقی رہتا ہے کذا فی خزانۃ الفتاویٰ۔

---

[۱] عادل سے مراد جس پر ان لوگوں کو اعتماد ہو کیونکہ شراب کی حفاظت قبضہ کرنے سے وہ شرعی عادل پرہیزگار نہیں رہا ۱۲ (۱) خواہ مرتہن کافر ہو یا مسلمان ہو اس واسطے کہ مسلمان کی شراب مضمون نہیں ہوتی ہے ۱۲

فصل پنجم ☆

باپ اور وصی کے رہن کرنے کے بیان میں

اگر باپ نے اپنے نابالغ لڑکے کا مال اس کے قرضہ میں رہن کر دیا تو نہیں جائز ہے اس واسطے کہ بالغ فرزند پر باپ کی ولایت نہیں ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ اگر باپ نے اپنے نابالغ فرزند کا مال عین بعوض ایسے قرضہ کے جو اس نے اپنے واسطے یا فرزند نابالغ کے واسطے لیا ہے رہن کیا تو جائز ہے بخلاف اس کے اگر مال عین مذکور فرزند نابالغ اور بالغ کے درمیان مشترک ہو تو یہ جائز نہیں ہے جب تک کہ فرزند بالغ اس کو تسلیم نہ کرے اور اگر مال مرہون تلف ہو جائے تو باپ بقدر حصہ فرزند بالغ کے ضامن ہوگا[1] اور باپ کے مرنے کے بعد اس کے وصی کا حکم اس باب میں مثل باپ کے ہے۔ اور اگر باپ کا وصی نہ ہو باپ کا باپ یعنی سگے دادا کا بھی یہی حکم ہے۔ اس واسطے کہ از راہ ولایت تصرف کرنے میں وہ باپ کا قائم مقام ہے مگر فرق یہ ہے کہ باپ کو یہ اختیار ہے کہ ایک نابالغ کا مال دوسرے کے واسطے رہن دے اور وصی کو یہ اختیار نہیں ہے جیسا کہ وہ خود اپنے پاس رہن نہیں لے سکتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر باپ نے اپنے فرزند نابالغ کی متاع کسی شخص کے پاس رہن کی پھر فرزند مذکور بالغ ہوا اور باپ مر گیا تو جب تک فرزند مذکور قرضہ ادا نہ کرے تب تک اس کو متاع مرہون واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا اس واسطے کہ یہ تصرف رہن ایسا تصرف ہے جو فرزند مذکور کے حق میں اس کے باپ کی طرف سے ایسی حالت میں لازم ہوا جس وقت باپ کی ولایت اس کے اوپر قائم تھی اور اس کا باپ اس معاملہ میں قائم مقام اس فرزند کے ہے اگر یہ فرزند بالغ نہ ہو۔ پس اگر باپ نے اس مال کو اپنے ذاتی قرضہ میں رہن کیا ہو اور فرزند مذکور نے وہ قرضہ ادا کیا تو مقدار قرضہ کو باپ کے مال سے واپس لے گا اسی طرح اگر فک رہن سے پہلے متاع مذکور تلف ہو گئی ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ کافی میں ہے۔ اگر ماں نے اپنے فرزند نابالغ کا مال رہن کیا تو جائز نہیں ہے لیکن اگر ماں ایسے شخص کی طرف سے جو اس فرزند کا ولی ہے وصی مقرر کی گئی ہو یا اس کو رہن کی اجازت ملی ہو تو جائز نہ ہوگا اور اگر حاکم نے فرزند مذکور کی ماں کو اس کا مال رہن کرنے کی اجازت دے دی ہو تو جائز ہے اور مرتہن کو جس واختصاص کا استحقاق حاصل ہوگا بیع کرنے کا استحقاق حاصل نہ ہوگا۔ اور اگر طفل مذکور کی ماں نے رہن کیا اور مرتہن کو بیع کرنے کا وکیل[2] کیا پھر حاکم نے وکالت و بیع کی اجازت دے دی تو مرتہن مذکور حاکم کی طرف سے وکیل ہو جائے گا اور حاکم یعنی قاضی جس نے رہن کی اجازت دی تھی معزول کیا گیا اور دوسرا قاضی مقرر کیا گیا حالانکہ مرتہن مال مرہون کو فروخت کر چکا ہے پس اگر دوسرے قاضی کے نزدیک قاضی اوّل کا بیع کی اجازت دینا ثابت ہو تو وہ اس بیع کو نافذ کرے گا اور اگر اس کے نزدیک قاضی اوّل کی اجازت توکیل ثابت نہ ہو تو اس پر واجب ہوگا کہ بیع مذکور کو رد کر دے جب کہ بیع کا رد کر دینا طفل مذکور کے حق میں بہتر ہو یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے اگر باپ کا یا اس کے نابالغ فرزند کا یا اس کے غلام ماذون التجارۃ کا جس پر قرضہ نہیں ہے اس کے کسی دوسرے نابالغ فرزند پر قرضہ آتا ہو پس باپ نے قرض دار فرزند کی کچھ متاع اس قرضہ کے عوض اپنے پاس یا دوسرے اپنے طفل قرض خواہ کے پاس یا اپنے غلام ماذون کے پاس رہن کی تو جائز ہے یہ تبیین میں ہے۔ باپ کو جائز ہے کہ اپنا مال اپنے طفل نابالغ کے پاس بعوض ایسے قرضہ کے جو فرزند مذکور کا اس پر آتا ہے رہن کر دے اور اس مال کو اپنے فرزند مذکور کے واسطے اپنے قبضہ

---

[1] اس واسطے کہ فرزند بالغ کا حصہ بمنزلہ غصب ہے اور صغیر کے حق میں جواز تھا اس کا ضامن بھی نہ ہو ۱۲ [2] وکیل کرنے کی یہ صورت کہ مثلاً مرتہن سے کہا کہ جب میعاد گذرے اور میں تیرا قرضہ ادا نہ کروں تو میں نے تجھے وکیل کیا کہ تو میری طرف سے رہن کو فروخت کرے پس یہ وکالت لازمی ہوگی ۱۲

میں رکھے گا اور وصی کے واسطے ایسا کرنا نہیں جائز ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر وصی نے یتیم کا کوئی خادم [(۱)] اپنے قرضہ کے عوض اپنے پاس رہن کر لیا یا اپنا خادم یتیم کے قرضہ کے عوض یتیم کے پاس رہن کیا تو جائز نہیں ہے اس طرح اگر یتیم نے خود رہن رکھ لیا تو بھی جائز نہیں ہے لیکن اگر یتیم کا وصی اس کے اس معاملہ کی اجازت دے دے تو عقد رہن جائز ہو جائے گا جیسے یتیم کے خرید و فروخت کرنے میں حکم ہے۔ اسی طرح اگر دو وصی ہوں اور ایک نے ایسا کیا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے الا اس صورت میں کہ دوسرا وصی بھی اجازت دے دے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور اگر وصی نے یتیم کا مال اپنے طفل نابالغ کے پاس یا اپنے غلام تاجر کے پاس جس پر قرضہ نہیں ہے رہن کیا تو مثل اپنے پاس رہن کر لینے کے نہیں جائز ہے اور اگر اپنے بالغ بیٹے یا بیٹے کے بالغ بیٹے یا اپنے مکاتب یا غلام تاجر کے پاس جس پر قرضہ ہے رہن کیا تو جائز ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر وصی نے یتیم کے کھانے کپڑے کی بابت قرضہ کر لیا اور اس پر قرضہ کے عوض یتیم کا کچھ مال رہن کیا تو جائز ہے اسی طرح اگر اس نے یتیم کے واسطے تجارت کی اور معاملہ تجارت میں رہن کیا یا رہن لیا تو جائز ہے یہ کافی میں ہے۔ اگر وصی نے وارثوں کے واسطے قرضہ لیا اور ان کا مال عین رہن کیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو ان کے نفقہ و حوائج و خراج وغیرہ کسی نوائب [۱] کے واسطے قرضہ [(۲)] لیا ہے یا ان کے مملوکوں و چوپاؤں کے نفقہ کے واسطے لیا اور ہر صورت اس سے خالی نہیں کہ یا تو وارث سب بالغ ہوں گے یا نابالغ ہوں گے یا بالغ و نابالغ دونوں ہوں گے پس اگر وارث بالغ ہوں خواہ غائب ہوں یا حاضر ہوں اور وصی نے ان کے نفقہ کے واسطے قرضہ لے کر رہن کیا تو نہیں جائز ہے اور اگر وارث نابالغ ہوں تو جائز ہے اور اگر بالغ و نابالغ دونوں ہوں تو فقط نابالغوں کے حق میں اس کا قرضہ لینا و رہن کرنا جائز ہے بالغوں کے حق میں نہیں جائز ہے بخلاف اس کے اگر مال منقول کو ترکہ میں سے وصی نے فروخت کیا تو سب کے حق میں روا ہوگا اور اگر اس نے وارثوں کے مملوکوں و چوپاؤں کے نفقہ کے واسطے قرضہ لیا پس اگر سب وارث بالغ ہوں اور حاضر ہوں تو وصی کا قرضہ لینا اور ان کا مال عین رہن دینا جائز نہ ہوگا اور اگر غائب ہوں تو جائز ہوگا اور اگر بعض حاضر ہوں اور بعض غائب ہوں یا وارثوں میں صغیر و کبیر حاضر ہوں تو امام اعظمؒ کے نزدیک قرضہ جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک فقط بالغان غائب اور نابالغوں کے سوائے قرضہ لینا باقیوں کے حق میں نہیں جائز ہے اور اس کا رہن کرنا سب کے حق میں جائز نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر میت پر قرضہ ہو اور اس کے وصی نے اس کے ترکہ سے میں کچھ مال میں عین اس کے کسی قرض خواہ کے پاس رہن تو کیا جائز نہیں ہے اور باقی قرض خواہوں کو اختیار ہوگا کہ اس کو رد کریں اور اگر وصی نے ان کے رد [(۳)] کر دینے سے پہلے ان کا قرضہ ادا کر دیا تو رہن جائز ہوگا۔ اور اگر میت کا ایک کے سوائے دوسرا قرض خواہ نہ ہو تو رہن مذکور جائز ہوگا اور اس کے قرضہ میں فروخت کر سکتا ہے۔ اور اگر وصی نے کسی شخص سے جس پر میت کا قرضہ آتا ہے رہن لیا تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر میت نے خود ہی اس قرض دار سے رہن لیا ہو تو اس کا وصی اس مرہون کے روک رکھنے میں اس کا قائم مقام ہوگا لیکن وصی اس مال کو بدون راہن کے فروخت نہیں کر سکتا ہے اور وصی کو اختیار ہے کہ میت پر جو قرضہ ہے اس کے عوض رہن دے دے اس واسطے کہ جو امور میت کے حوائج میں سے ہیں ان میں وصی اس کا قائم مقام ہے اور قرضہ کا ادا کرنا اس کے حوائج مہین سے ہے پس وصی ادائے قرضہ میت کا اختیار رکھتا ہے پس اسی طرح اس کے عوض رہن دینے کا بھی اختیار رکھتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر راہن مر گیا تو اس کا وصی مال مرہون کو فروخت کر کے مرتہن کا قرضہ ادا کرے گا اور اگر اس کا کوئی وصی نہ ہو تو

[۱] نوائب جمع نائبہ وہ سخت امور جو اکثر اوقات پیش آتے ہیں بعض معمولی میں جیسے خراج و چوکیداری وغیرہ اور بعض غیر معمولی جیسے کوئی تاوان از جانب سلطان پیش آیا جیسے ٹکس اگرچہ اس کا لینا جائز نہ ہو ۱۲ [۲] حوائج یعنی اس کی ضرورت میں سے ہے ۱۲

(۱) غلام یا باندی (۲) یعنی کچھ چیز قرض لی ۱۲ (۳) یعنی رہن توڑنے سے پہلے

قاضی اس کی طرف سے وصی مقرر کرے گا اور اس کو حکم دے گا کہ مرہون کو فروخت کرے یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر میت کے وارث بالغ نے متاع میت میں سے کوئی چیز رہن کر دی حالانکہ میت پر قرضہ ہے اور اس وارث کے سوائے اس کا کوئی وارث نہیں ہے پس اگر قرض خواہ نے نالش کی تو قاضی اس رہن کو باطل کر دے گا اور مال مرہون اس کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور اگر وارث مذکور نے اس کا قرضہ ادا کر دیا تو رہن جائز ہوگا اور اگر میت پر قرضہ نہ ہوا اور وارث بالغ نے میت کی متاع میں سے کوئی مال عین ایسے قرضہ کے عوض جس کو لے کر اس نے اپنی ذات پر خرچ کیا ہے رہن کیا یا یہ وارث نابالغ ہو کہ اس کے وصی نے ایسا کیا پھر ایک ایسا اسباب جس کو میت نے اپنی حیات میں فروخت کیا تھا بسبب عیب کے ان کو واپس دیا گیا اور وہ ان کے پاس تلف ہو گیا اور مشتری کا ثمن مال میت پر قرضہ ہو گیا اور میت کا مال کچھ نہیں ہے سوائے اس مال کے جو نفقہ کے عوض رہن رکھا گیا ہے تو وہ رہن جائز رہے گا اس واسطے کہ جس وقت مرتہن کو مال مرہون سپرد کیا گیا ہے اس وقت مال میت پر قرضہ نہ تھا اور یہ مال مرہون وارث کے ملک غیر کے حق سے فارغ تھا پس اس میں مرتہن کا حق لازم ہو جائے گا پھر قرضہ کا لحوق اس کے بعد بوجہ عیب کے اسباب فروخت کردہ واپس دیئے جانے کے ہوا ہے پس یہ امر حق مرتہن کو باطل نہ کرے گا اور یہ بخلاف اس صورت کے ہے کہ جب میت کے فروخت کئے ہوئے غلام پر استحقاق ثابت کیا گیا اور وہ آزاد ثابت ہوا اس لئے کہ اس صورت میں رہن باطل ہو جائے گا کیونکہ یہ امر ظاہر ہوا کہ جس وقت وارث نے ترکہ میں سے مال عین کو رہن کیا ہے اس وقت میت پر قرضہ تھا اس واسطے کہ آزاد عقد بیع کی تحت میں داخل ہی نہیں ہوتا ہے اور نہ اس کا ثمن مملوک ہوتا ہے اور استحقاق ثابت ہونے سے جڑ سے عقد بیع باطل ہو جاتا ہے لیکن راہن اس کی قیمت کا ضامن ہوگا تا کہ اس کو میت کے قرضہ میں ادا کرے خواہ راہن وصی ہو یا وارث ہو اس واسطے کہ جب میت پر ایسا قرضہ لاحق ہوا کہ اس کا ادا کرنا ترکہ میت سے واجب ہے اور وارث نے اپنے تصرف سے اس سے باز رکھا تو تلف کر دینے والے کے حکم میں ٹھہرایا گیا پس اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور وصی کی صورت میں بھی یہی بات ہے لیکن وصی اس مال ضمان کو میت کے ترکہ سے واپس لے گا علیٰ ہذا اگر میت نے اپنی باندی کا نکاح کر دیا اور اس کا مہر لے لیا پھر اس کے مرنے کے بعد وارث نے اس باندی کو اس کے شوہر کے دخول کرنے سے پہلے آزاد کر دیا اور باندی مذکور نے اپنے نفس کو اختیار کیا یعنی شوہر مذکور کے ساتھ اس کے نکاح میں رہنا نہ چاہا اور شوہر کا مہر میت کے ترکہ میں قرضہ ہو گیا تو بھی رہن[1] وارث جائز ہوگا اور وارث اس کی قیمت[2] کا ضامن ہوگا اسی طرح اگر میت نے اپنی حیات میں راستہ میں کنواں کھودا ہو پھر اس کے مرنے کے بعد اس میں کوئی شخص تلف ہو گیا حتیٰ کہ اس کی ضمان میت کے مال پر قرضہ ہوئی تو وارث کا جو تصرف ترکہ کے مال میں پورا ہو گیا ہے اس سے باطل نہ ہوگا لیکن وارث اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس واسطے کہ اس نے مال عین متروکہ میں اپنے تصرف سے غیر کا حق باطل کر دیا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر وصی نے مال یتیم ایسے قرضہ کے عوض جو اس نے یتیم کے واسطے لیا ہے رہن کیا اور مرتہن نے اس پر قبضہ کیا پھر وصی نے یتیم کی حاجت کے واسطے اس مال مرہون کو مرتہن سے مستعار لیا اور وہ وصی کے پاس ضائع ہو گیا تو وہ رہن سے باہر ہو گیا اور یتیم کا مال گیا پس جب کہ مرہون مذکور تلف ہو جانے سے قرضہ ساقط نہ ہوا تو مرتہن اپنا قرضہ وصی سے لے لے گا جیسا کہ رہن کرنے سے پہلے لے سکتا تھا پھر وصی اس قدر مال یتیم سے لے گا اور اگر اس مرہون کو وصی نے اپنی حاجت کے واسطے مستعار لیا ہو تو یتیم کے واسطے اس کا ضامن (۱) ہوگا اور اگر وصی نے یتیم کا مال رہن کیا پھر اس کو غصب

---

[1] قال المترجم اصل میں ہے کہ رہن جائز ہے میں کہتا ہوں کہ شاید یوں ہو کہ حق جائز ہے کیونکہ یہ معنی زیادہ ظاہر ہیں لیکن یہ دوسری تفریع ہوتی ہے اور اگر اصل کے موافق رہن کا لفظ ہو تو باپ سے زیادہ مناسب ہے اگرچہ تعلیق ہے فافہم ۱۲ [2] جس روز اس نے آزاد کیا ہے اس قیمت کا ضامن ہوگا بلا خلاف ۱۲ (۱) اور مرتہن اپنا قرضہ وصی سے لے لے گا ۱۲

کر کے اپنی ضرورت کے کام میں لایا یہاں تک کہ مرہون مذکور اس کے پاس تلف ہو گیا تو وصی اس کی قیمت کا ضامن ہوگا پس اگر اس کی قیمت بہ نسبت قرضہ کے زیادہ ہو تو اگر میعاد آ گئی ہو تو اس کی قیمت سے قرضہ ادا کر دے گا اور باقی یتیم کی ہو گی اور اگر قیمت بہ نسبت قرضہ کے کم ہو تو بقدر قیمت کے قرضہ ادا کرے گا اور جس قدر باقی رہا وہ مال یتیم سے لے کر ادا کرے گا اور اگر اس کی قیمت قرضہ کے برابر ہو تو مرتہن کو ادا کر دے اور یتیم سے کچھ نہیں لے سکتا ہے اور اگر قرضہ کی میعاد نہ آئی ہو تو یہ قیمت رہن رہے گی اس واسطے کہ وہ مال مرہون کے قائم مقام ہے پھر جب میعاد آئے گی تو اس کا حکم اسی تفصیل سے ہوگا جو ہم نے بیان کر دی ہے۔ اور اگر وصی نے اس کو غصب کر کے یتیم کی ضرورت میں استعمال کیا یہاں تک کہ اس کے پاس وہ تلف ہو گیا تو مرتہن کے حق کے واسطے اس کا ضامن ہوگا اور یتیم کے حق کے واسطے ضامن نہ ہوگا پس اگر قرضہ کی میعاد آ گئی ہو تو مرتہن اس سے قرضہ لے گا اور وصی اسی قدر یتیم سے واپس لے گا اور اگر میعاد نہ آئی ہو تو مال ضمان مرتہن کے پاس رہن رہے گا پھر جب میعاد آئے گی تو مرتہن اس سے اپنا قرضہ لے لے گا پھر وصی اس قدر مال یتیم سے لے گا یہ کافی میں ہے۔

دوسرا باب ☆

ایسے رہن کے بیان میں جس میں کسی عادل کے پاس رکھے جانے کی شرط ہو

امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے دوسرے سے کوئی مال رہن لیا اور راہن نے اس کو اس شرط سے سپرد کیا کہ ہم دونوں اس کو کسی شخص ثالث عادل کے پاس رکھیں اور عادل نے اس کو منظور کر لیا اور رہن مذکور پر قبضہ کر لیا تو رہن پورا ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر وہ مال مرہون عادل کے پاس تلف ہو جائے تو مرتہن کا قرضہ ساقط[1] ہو جائے گا اور اس حکم کے حق میں عادل مذکور مرتہن کا نائب ہے اور حق ضمان میں راہن کا نائب ہے حتیٰ کہ اگر مال مرہون مذکور پر عادل کے پاس کوئی شخص استحقاق ثابت کر کے عادل سے اس کا تاوان لے تو عادل اس مال ضمان کو راہن سے واپس لے گا نہ مرتہن سے یہ محیط میں ہے اور اگر دونوں نے یہ شرط کی کہ مرتہن اس پر قرضہ کر لے پھر دونوں نے اس کو عادل کے پاس رکھ دیا تو جائز ہے اس واسطے کہ جب عادل ابتدا میں مرتہن کا قائم مقام ہو سکتا ہے تو حالت بقاء میں بھی ہو سکتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر راہن نے عادل اختیار دادہ شدہ کو بدون رضائے مرتہن کے معزول کرنا چاہا ☆

عادل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ قرضہ ساقط ہونے سے پہلے مال مرہون راہن کو دے الا اس صورت میں کہ مرتہن راضی ہو اور اگر اس نے مال مرہون کو راہن و مرتہن دونوں میں سے کسی ایک کو بدون رضامندی دوسرے کے دے دیا تو دوسرے کو اختیار ہوگا کہ اس سے واپس کرا کر پھر عادل مذکور کے پاس رکھا جائے اور اگر واپس کرانے سے پہلے مال مرہون تلف ہو گیا تو عادل اس کی قیمت کا ضامن[2] ہوگا پھر اگر عادل نے چاہا کہ اس کی قیمت کو اپنے پاس بطور رہن رہنے دے تو اس امر پر قادر نہ ہوگا اس واسطے کہ قیمت اس کے ذمہ قرضہ واجب ہوئی ہے سو اگر ہم اس قیمت کو رہن قرار دیں تو ایک ہی شخص قاضی و مقتضی علیہ ہوا جاتا ہے پھر اس کے بعد یا تو راہن و مرتہن دونوں اتفاق کریں گے کہ اس قیمت کو عادل مذکور سے وصول کر کے دونوں اسی عادل کے پاس یا دوسرے عادل کے پاس رکھیں گے یا دونوں میں سے کوئی اس معاملہ کو قاضی کے سامنے پیش کرے گا تاکہ قاضی قیمت کو لے کر اسی عادل کے پاس یا دوسرے عادل کے پاس رکھے گا ایسا ہی شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے اور شمس الائمہ حلوائیؒ نے ذکر کیا کہ اگر عادل نے عمداً مال مرہون

[1] ساقط اس وجہ سے کہ مرتہن کا قبضہ وہی عادل کا قبضہ ہے کیونکہ دونوں اس پر راضی ہوتے ہیں ۱۲ [2] ضامن اس وجہ سے کہ اس نے غصب و خیانت کی ۱۲ منہ

دونوں میں سے کسی ایک کو دیا ہو تو قیمت اس سے لے کر دوسرے عادل کے پاس رکھی جائے گی اور اگر اس نے دینے میں خطا کی ہو اور ایسا شخص ہو کہ جس سے ایسی خطا ہو سکتی ہو تو اس سے قیمت لے کر پھر اسی کے پاس رکھی جائے گی بشرطیکہ اس سے کوئی خیانت ثابت نہ ہوئی ہو اور اپنے حال پر عادل باقی رہا ہو یہ محیط میں ہے۔ پھر اگر قیمت مذکور عادل مذکور کے پاس رکھی گئی اور راہن نے قرضہ مرتہن ادا کر دیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر عادل نے ضمان قیمت اس وجہ سے دی ہے کہ اس نے مرہون کو راہن کے حوالہ کیا تھا تو قیمت مذکور عادل مذکور کے پاس مسلم دے دے دی جائے گی کہ وہ اپنی قیمت خود لے لے اور اگر عادل اس وجہ سے ضامن ہوا ہو کہ اس نے مرہون کو مرتہن کو دے دیا تھا تو راہن کو اختیار ہوگا کہ اس سے یہ قیمت لے لے پھر اس کے بعد آیا عادل اس مال ضمان کو مرتہن سے واپس لے سکتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اگر عادل نے یہ مال مرہون مرتہن کو بطور عاریت یا ودیعت دیا ہو اور وہ مرتہن کے پاس تلف ہو گیا تو واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر مرتہن نے خود تلف کر دیا ہو تو واپس لے سکتا ہے اس وجہ سے کہ عادل مذکور ادائے ضمان سے اس کا مالک ہو گیا اور یہ ظاہر ہوا کہ اس نے اپنا مملوک مال عاریت یا ودیعت دیا تھا پس اگر اس کے پاس خود تلف ہو گیا ہو تو ضامن نہ ہوگا اور اگر تلف کر دیا ہو تو ضامن ہوگا اور اگر عادل نے اس مرتہن کو بطور رہن دیا ہو یعنی مرتہن سے مثلاً کہا کہ یہ تیرا رہن ہے تو اس کو اپنے حق کے عوض لے اور اپنے قرضہ کے عوض رہنے دے تو ایسی صورت میں عادل اس مال ضمان کو مرتہن سے واپس لے گا خواہ وہ مرہون مرتہن کے پاس تلف ہو گیا ہو یا اس نے خود تلف کر دیا ہو کیونکہ عادل نے اس کو ایسی وجہ پر دیا تھا جس سے ضمان واجب ہوتی ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر دونوں کے مال مرہون ایک عادل کے قبضہ میں رکھا اور دونوں نے اس کو مرہون مذکور کی بیع کر دینے پر مختار کر دیا یا عادل مذکور کے سوائے دوسرے کو اس کی بیع کا مختار کر دیا یا راہن نے خود مرتہن کو اس کے فروخت کرنے کا مختار کر دیا تو یہ سب جائز ہے اور جس کو مختار کیا ہے اس کے معزول کرنے کا دونوں میں سے ایک خواہ راہن ہو یا مرتہن ہو اختیار نہیں رکھتا ہے اور جب اس نے فروخت کیا تو اس کا ثمن رہن رہے گا اور اگر مرتہن نے راہن کو اس کے فروخت کا مختار کیا تو بھی جائز ہے یہ خزانۃ الاکمل میں ہے اور اگر عادل نے مال مرہون کو اپنے فرزند یا زوجہ کے ہاتھ فروخت کیا تو جائز نہیں ہے لیکن اگر راہن و مرتہن جائز کر دے تو جائز ہو جائے گا یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر اس قدر خسارہ سے فروخت کیا ہو کہ جتنا خسارہ لوگ اپنے اندازہ کرنے میں برداشت کر جاتے ہیں تو جائز ہے اور اگر ایسی بیع کی راہن یا مرتہن فقط ایک نے اجازت دی تو جائز نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر راہن نے عادل اختیار دادہ شدہ کو بدون رضائے مرتہن کے معزول کرنا چاہا پس اگر بیع کرنے کا اختیار عقد رہن میں مشروط ہو تو بالاتفاق راہن کو معزول کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر عقد رہن میں مشروط نہ ہو تو بھی بعض مشائخ کے نزدیک یہی حکم ہے شیخ الاسلام نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے ذکر فرمایا کہ ظاہر الروایۃ کے موافق اس کو معزول کرنے کا اختیار ہے اور امام ابو یوسفؒ کی روایت میں اختیار نہیں ہے یہ مضمرات میں ہے اور اگر راہن و مرتہن دونوں نے عادل کو مال مرہون کی بیع کے اختیار سے معزول کر کے دوسرے کو اس کی بیع پر قادر کر دیا کسی کو قادر نہ کیا تو عادل مذکور اس اختیار سے معزول ہو جائے گا بشرطیکہ عادل مذکور اس معزولی سے آگاہ ہو جائے اور اگر آگاہ نہ ہو تو وہ اپنی وکالت و اختیار پر باقی رہے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور عادل کو مال مرہون فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے الا اس صورت میں کہ عقد رہن میں یہ امر مشروط ہو یا بعد تمام ہونے عقد رہن کے یہ اختیار دیا جائے پس جب حالت اختیار کے موافق اس نے فروخت کیا تو ثمن اس کے پاس رہن ہوگا اور اگر یہ ثمن اس کے پاس تلف ہو گیا تو قرضہ ساقط ہو جائے گا جیسا کہ مرتہن کے پاس تلف ہونے سے ساقط ہوتا ہے اسی طرح اگر ثمن باقی وجہ تلف ہوا کہ مشتری پر ڈوب گیا یعنی وصول نہ ہو

سکا تو بھی یہ تباہی مرتہن کے ذمہ ہوگی کیونکہ ثمن قائم مقام عین تھا اور رہن جس وقت تمام ہو جائے اس کے بعد تباہی جس کے قبضہ میں ہو مرتہن کے ذمہ قرار دی جاتی ہے اور اگر عادل نے بیع کرنے سے انکار کیا پس اگر بیع کرنا عقد رہن میں مشروط ہو تو عادل مذکور پر جبر کیا جائے گا اور اگر رہن پورا ہونے کے بعد یہ امر قرار دیا گیا ہو تو امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ جبر کیا جائے گا اور اسی کو بعض مشائخؒ نے اختیار کیا ہے کذا فی الوجیز الکردری اور یہی صحیح ہے کذا فی محیط السرخسی اور بعض نے فرمایا کہ جبر نہ کیا جائے گا اور اسی کو شیخ الاسلام خواہرزادہ نے اختیار کیا ہے اور جبر کی تفسیر یہ ہے کہ عادل چند روز قید کیا جائے پس اگر اس نے اصرار کیا یعنی نہ جانا تو راہن پر جبر کیا جائے کہ وہ بیع کر دے اور اگر اس نے انکار کیا تو قاضی خود فروخت کر دے گا اور بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ صاحبینؒ کا قول ہے بنا بریں کہ ان کے نزدیک قیاس ہے کہ جب مدیون اپنا مال فروخت کر کے قرضہ ادا کرنے سے انکار کرے تو حاکم فروخت کر دیتا ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ سب[1] کا قول ہے اور یہی صحیح ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ پھر جب راہن بیع کے واسطے مجبور کیا گیا اور اس نے بیع کر دی تو یہ بیع اس جبر کی وجہ سے فاسد نہ ہوگی اس واسطے کہ جبر کرنا ادائے قرضہ پر واقع ہوا ہے کہ جس طریقہ سے چاہے قرضہ ادا کرے حتیٰ کہ اگر اس نے بغیر اس کے دوسرے طریقہ سے ادا کیا تو صحیح ہوگا اور یہ بیع تو اس کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے یہ تبیین میں ہے درمیانی عادل مرتد ہو گیا پھر اس نے رہن کو فروخت کیا پھر اپنی حالت روت میں قتل کیا گیا تو اس کی بیع جائز ہوگی اور اگر عادل مذکور مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا گیا پھر مسلمان ہو کر واپس آیا تو وہ اپنی وکالت پر رہے گا اور بعض نے فرمایا یہ حکم اس وقت ہے کہ قاضی کی طرف سے اس کے دار الحرب میں جا ملنے کا حکم جاری ہونے سے پہلے لوٹ آیا ہو اور اگر ایسا حکم ہونے کے بعد واپس آیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پھر وکیل نہ ہو جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک ہو جائے گا اور بعض نے فرمایا کہ بالاتفاق وکیل ہو جائے گا اور یہی اصح ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر راہن و مرتہن دونوں مرتد ہو گئے اور دار الحرب میں جا ملے یا روت پر قتل کئے گئے پھر عادل نے مال مرہون کو فروخت کیا تو اس کی بیع جائز ہوگی یہ مبسوط میں ہے اور اگر راہن و مرتہن دونوں یا ایک مر گیا تو عادل کو مال مرہون اپنے پاس محبوس رکھنے و اس کے بیع کرنے کا اختیار باقی رہے گا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر راہن مر گیا تو عادل کو مال مرہون فروخت کر دینے کا اختیار باطل نہ ہوگا بشرطیکہ یہ اختیار عقد رہن میں مشروط ہو اور اگر مشروط نہ ہو تو بھی بعض مشائخ کے نزدیک یہی حکم ہے اور شیخ الاسلام نے فرمایا کہ جو عادل عقد رہن کے ساتھ بیع کا وکیل ہے اس کا حکم بیع مفرد کے وکیل سے چار باتوں میں اختلاف رکھتا ہے ایک یہ ہے کہ عادل اپنے بیٹے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے دوسرے یہ کہ فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا بالاتفاق یا باختلاف تیسرے یہ کہ راہن کے معزول کرنے سے معزول ہوگا بالاتفاق یا باختلاف چوتھے راہن کے مرنے سے معزول نہ ہوگا بالاتفاق یا باختلاف اور مفرد کے وکیل کے واسطے یہ احکام ثابت نہیں ہیں اور ان احکام کے سوائے باقی احکام میں عادل اور وکیل بیع مفرد دونوں یکساں ہیں یہ ذخیرہ میں ہے اور عادل کے مر جانے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے خواہ عقد رہن میں وہ مشروط ہو یا عقد کے بعد ہو اور عادل کا وارث یا اس کا وصی اس کے قائم مقام نہ ہوگا یہ بدائع میں ہے۔ اور اگر عادل کے سوائے دوسرا شخص مال مرہون فروخت کرنے پر قادر کیا گیا ہو اور وہ مر گیا تو وکالت باطل ہو جائے گی یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور وکیل کو اختیار ہوگا کہ راہن کے مرنے کے بعد بدون حاضری اس کے وارثوں کے مال مرہون فروخت کرے جیسا کہ راہن کی زندگی میں بدون حاضری راہن کے فروخت کر سکتا تھا یہ کافی میں ہے۔ جو عادل کہ مال مرہون کے

---

[1] سب کا یعنی امام ابو حنیفہ و صاحبین سب و متفق ہیں کہ جب عادل کو مسلط کیا ہو تو حق مرتہن کی وجہ سے بلا خلاف وہ فروخت کر سکتا ہے اور قاضی شرعاً مسلط ہے ۱۲ فافہم ۱۲

فروخت پر مختار کیا گیا ہے اگر اس نے بعض مرہون کو فروخت کیا تو باقی کا رہن باطل ہو جائے گا یہ سراجیہ میں ہے۔ اور اگر عادل نے مرہون فروخت کرنے کے واسطے اپنی طرف سے وکیل کر دیا پس اگر اس نے عادل کے سامنے فروخت کیا تو جائز ہے اور اگر اس کے پیٹھ پیچھے فروخت کیا تو جائز نہیں ہے الا اس صورت میں کہ وہ بیع کی اجازت دے دے اور اگر عادل نے مقدار ثمن مقرر کر دی ہو اور وکیل نے اسی قدر داموں کو فروخت کیا تو جائز ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر عادل دو آدمی ہوں اور دونوں مرہون فروخت کرنے کے مجاز کئے گئے ہوں پھر دونوں میں سے ایک نے اس کو فروخت کیا تو جائز نہیں ہے اس واسطے کہ بیع میں رائے کی حاجت ہے اور ایک کی رائے مثل دو کی رائے کے نہیں ہوتی ہے پھر اگر دوسرے نے بھی اس بیع کی اجازت دے دی تو جائز ہو جائے گی اسی طرح اگر راہن و مرتہن نے اس بیع کی اجازت دے دی تو بھی جائز ہو جائے گی چنانچہ اگر کسی فضولی نے مال مرہون فروخت کیا اور راہن و مرتہن نے اجازت دے دی تو جائز ہو جاتی ہے اور اگر فقط راہن یا فقط مرتہن نے اجازت دے دی تو بیع جائز نہ ہوگی اسی طرح اگر کسی اجنبی نے فروخت کیا اور دونوں میں سے فقط ایک نے اجازت دے دی تو بیع جائز نہ ہوگی اور اگر دونوں نے اس بیع کی اجازت دی مگر عادل نے انکار کیا تو بیع جائز ہو جائے گی اس واسطے کہ حق انہیں دونوں کا ہے یہ مبسوط میں ہے۔

مسلط العدل علی البیع کے معنی ☆

ایک شخص نے میعادی قرضہ کے عوض کچھ مال عین رہن دیا اور دونوں نے ایک عادل کو مختار کیا کہ میعاد آ جانے پر اس کو فروخت کر لے پھر عادل نے مرہون پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ میعاد آ گئی تو رہن باطل ہے اور بیع کے واسطے وکالت [1] باقی رہے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کا دار رہن لیا اور راہن نے ایک ایک شخص کو اس کو فروخت کرنے اور اس کا ثمن مرتہن کو دینے پر قادر کر دیا مگر مرتہن نے اس دار پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ ادائے قرضہ کی میعاد آ گئی تو وہ رہن نہ ہوگا اور عادل نے اگر اس دار کو فروخت کیا تو بیع بوجہ وکالت کے جائز ہوگی نہ بوجہ راہن کے اور یہی حکم حصہ دار و خادم میں ہے اور جب عادل نے اس کو فروخت کیا تو اس کا ثمن راہن کو دے گا نہ مرتہن کو اور اگر عادل نے مرتہن کو دیا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر راہن نے اس کو بیع سے منع کر دیا تو پھر اس کے بیع جائز نہ ہوگی اسی طرح اگر راہن مر گیا تو اس کے مرنے کے بعد عادل کو اس کے فروخت کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور مرتہن اس مال مرہون کے حق میں مثل اور قرض خواہوں کے ہوگا اور اگر غلام مرہون کو کسی غلام نے قتل کیا اور قتل کے جرم میں قاتل مذکور دے دیا گیا یا اس کی آنکھ پھوڑ دی اور اس جرم میں غلام مجرم دے دیا گیا تو عادل اس غلام [2] مدفوع کی بیع کا بھی مختار ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر عادل مرہون کی بیع کا مطلقاً [ل] مختار کیا گیا تو اس کو اختیار ہے کہ درم و دینار وغیرہ جس جنس کے عوض چاہے فروخت کرے اور جس قدر کے عوض چاہے خواہ اس کی قیمت کے مساوی ہو یا ایسا کم ہو کہ لوگ اندازہ کرنے میں اتنا خسارہ اٹھا جاتے ہیں فروخت کرے اور چاہے نقد یا اُدھار فروخت کرے یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور اگر ایسے مال کے عوض جس کے واسطے بیع سلم ہوئی ہے یعنی مسلم فیہ کے عوض رہن دیا اور اس کو مرہون کی بیع کے واسطے مختار کر دیا کہ میعاد [3] آنے پر فروخت کرے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کو اختیار ہوگا چاہے مسلم فیہ کی جنس کے عوض [4] یا دوسری جنس کے عوض فروخت کرے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے

تنبیہ۔ مترجم کہتا ہے کہ مسلط العدل علی البیع میں ایک معنی جبر کے ہیں اگرچہ وہ شے سے منکر ہو اور مترجم نے اسی رعایت سے خود مختار کے معنی لئے کہ عرف میں یہ معنی نکلتے ہیں ۱۲ منہ ل مطلقاً یعنی جس مال کے عوض چاہے فروخت کرے لیکن لفظ میں اس کے ساتھ کوئی قید نہ تھی تو یہ مطلق ہے اور اگر قید ہو کہ اشرفیوں کے عوض فروخت کرے تو معتبر ہے ۱۲ (۱) اس وکیل کا حکم وکیل رہن کا نہ ہوگا بلکہ بیع مفرد کر کے وکیل کے بغل ہوگا واللہ اعلم ۱۲ منہ
(۲) یعنی جو نام مجرم لایا گیا ہے ۱۲ (۳) یعنی مسلم فیہ ادا کرنے کی میعاد ۱۲ (۴) یہ اختلاف اوپر کے مسئلہ کی بناء پر ہے ۱۲

نزدیک اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مطلقاً بیع کی صورت میں ایسے خسارہ سے فروخت کرے جتنا خسارہ اندازہ کرنے میں لوگ برداشت کر جاتے ہیں اور نہ اُدھار فروخت کر سکتا ہے اور نہ سوائے درم و دینار کے دوسری جنس کے عوض فروخت کر سکتا ہے لیکن صاحبینؒ نے بیع سلم کی صورت میں جنس مسلم فیہ کے عوض بیچنا جائز رکھا ہے۔ اور اگر راہن نے اس کو اُدھار بیچنے سے منع کیا پس اگر رہن کے وقت منع کیا ہو تو اس کو اُدھار بیچنے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر عقد رہن کے بعد منع کیا ہو تو منع کرنا صحیح نہ ہوگا یہ بدائع میں ہے اور اگر عادل نے اُدھار بیچا تو اصل میں فرمایا کہ جائز ہے اور اس میں کوئی تفصیل اور کچھ اختلاف ذکر نہیں کیا اور مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم ایسی صورت میں ہے کہ اس نے اتنی مدت کے اُدھار پر فروخت کیا جو لوگوں میں معہود ہے اور اگر غیر معہود میعاد پر مثلاً دس برس کے اُدھار پر یا اس کے مثل کسی مدت کے اُدھار پر فروخت کیا تو صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہ ہونا چاہئے اور قاضی امام ابوعلی نسفی نے فرمایا کہ اگر راہن کی طرف سے کوئی ایسا امر مقدم ہو چکا ہو جو اس امر پر دلالت کرتا ہو کہ نقد فروخت کرے مثلاً راہن نے اس سے کہا ہو کہ مرتہن مجھے تنگ کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے پس تو اس کو فروخت کر دے تاکہ میں اس سے نجات پاؤں پھر عادل نے اس کو ادھار فروخت کیا تو یہ جائز نہیں ہے بمنزلہ ایسی صورت کے کہ کہا کہ میرا غلام فروخت کر دے کہ مجھے نفقہ کی ضرورت ہے اور اگر مال مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہو اور درمیانی کوئی عادل نہ ہو اور راہن نے مرتہن کو اس کو فروخت کر کے اپنا قرضہ وصول کر لینے کا اختیار دے دیا پس اس نے اُدھار فروخت کیا تو بیع جائز ہے چاہے نقد فروخت کرے یا ادھار یہ محیط میں ہے۔ اگر عقد رہن میں مال مرہون کسی عادل کے پاس رکھا گیا ہو اور عادل کو اختیار دیا گیا ہو کہ اس کو فروخت کر کے اس کے ثمن سے قرضہ ادا کر دے پس عادل نے اس کو بعوض درموں کے فروخت کیا حالانکہ قرضہ دینار تھا یا اس کے برعکس یعنی قرضہ درم تھا اور عادل نے دیناروں کے عوض اس کو فروخت کیا تو عادل کو اختیار ہوگا کہ ثمن سے جنس قرضہ بطور بیع صرف کے بدل کر لے اسی طرح اگر اس نے درموں کے عوض فروخت کیا اور قرضہ گیہوں میں تو اس کو اختیار ہوگا کہ درموں کے عوض گیہوں خرید کر کے قرضہ ادا کر دے یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر عادل نے مرہون کو فروخت کیا اور کہا کہ میں نے (نوے) درم کو فروخت کیا ہے اور قرضہ سو درم ہے پھر مرتہن نے اس کا اقرار کیا تو راہن سے دریافت کیا جائے گا اگر اس نے اقرار کیا کہ عادل نے فروخت کیا ہے مگر نوے سے زیادہ درموں کے عوض فروخت کرنے کا دعویٰ کیا تو مقدار ثمن میں عادل و مرتہن کا قول قبول ہوگا اور راہن مدعی کے گواہ اور اگر راہن نے بیع کا اقرار نہ کیا اور کہا کہ مال مرہون عادل کے پاس تلف ہو گیا ہے پس اگر اس کی قیمت قرضہ کی مقدار کے برابر ہو تو قول راہن کا قبول ہوگا اور اگر راہن نے بیع کا اقرار کیا مگر کہا کہ عادل نے اس کو سو درم کے عوض بیچا ہے اور عادل نے کہا کہ میں نے نوے درم کو بیچا ہے اور مرتہن نے کہا کہ تو نے اس کو اسی درم کو بیچا ہے حالانکہ بائع و مشتری کا باہمی قبضہ ہو چکا ہے تو مرتہن کا قول قبول ہوگا اور وہ راہن سے بیس درم لے لے گا اور گواہوں میں سے گواہ راہن کے قبول ہوں گے اور اگر عادل نے اس امر کے گواہ دیئے کہ میں نے مرہون بعوض نوے درم کے فروخت کر کے ثمن مرتہن کو دے دیا ہے اور راہن نے کہا کہ تو نے اس کو فروخت نہیں کیا ہے اور گواہ دیئے کہ عادل نے اس کو فروخت نہیں کیا ہے اور وہ عادل کے پاس فروخت کرنے سے پہلے تلف ہو گیا ہے تو اس امر پر راہن کے گواہ مقبول نہ ہوں گے یہ مبسوط میں ہے اور اگر عادل اس شرط سے مرہون کی بیع پر مختار کیا گیا ہو کہ جب فلاں وقت آئے تو عادل اس کو بیع کرے پھر مرتہن نے دعویٰ کیا کہ میعاد ماہ رمضان تک تھی اور اب رمضان آ گیا ہے اور راہن نے کہا کہ میعاد کا مہینہ ماہ شوال تھا تو عادل کو بیع کا اختیار دینے کے وقت کے باب میں راہن کا قول قبول ہوگا اور ادائے قرضہ کی میعاد آنے کے باب میں مرتہن کا قول قبول ہوگا اس واسطے کہ میعاد ادائے قرضہ مرتہن کی طرف سے مقرر ہوئی ہے پس اس کے باب میں مرتہن کا قول قبول ہوگا اور مرہون فروخت کرنے کے اختیار کا

وقت عادل کو راہن کی طرف سے تھا پس اس کے وقت کے باب میں راہن کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ میعاد ایک مہینہ (۱) ہے اور اس کے گذرنے میں اختلاف کیا تو راہن کا قول قبول ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر راہن غائب ہو گیا اور مال مرہون ایک عادل کے پاس ہے اور مرتہن نے اس سے کہا کہ مجھے راہن نے اس کے فروخت کرنے کا حکم دیا تھا اور عادل نے کہا کہ مجھے اس کی بیع کا حکم نہیں دیا ہے۔ تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں اس دعویٰ پر مرتہن کے گواہ قبول نہ کروں گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر راہن یا مرتہن کی عقل جاتی رہی اور اچھے ہونے سے مایوسی ہوگئی تو عادل اپنی وکالت (۲) پر باقی رہے گا یہ مبسوط میں ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے ذکر کیا کہ اگر عادل کو ایسا جنون ہو گیا کہ اس کے افاقہ کی امید نہ رہی تو اس کا فروخت کرنا صحیح نہ ہوگا خواہ وہ خرید فروخت کی سمجھ رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اور چاہئے یہ تھا کہ اگر وہ خرید و فروخت کی سمجھ رکھتا ہو تو اس کی بیع صحیح ہو اس واسطے کہ اگر راہن اس کو ایسی حالت میں بیع کے واسطے وکیل کرتا اور وہ بیع کرتا تو بیع جائز ہوتی لیکن اس پر بیع کا عہدہ لازم نہ آتا یہ حکم کتاب الوکالت میں صریح بیان فرمایا ہے پس بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو حکم کتاب الوکالۃ میں مذکور ہے اس پر قیاس کر کے ایسی حالت میں عادل کی بیع بھی صحیح ہونی چاہئے اور اسی طرف شمس الائمہ حلوائی نے میل کیا ہے اور بعض مشائخ نے فرق کیا[1] ہے اور اسی طرف شیخ الاسلام نے میل کیا ہے کذا فی الذخیرہ اور یہی اصح ہے اس واسطے کہ جب اس نے عادل کو صحیح العقل ہونے کی حالت میں وکیل کیا تو اس کی رائے کامل ہی کے ساتھ بیع کرنے پر راضی ہوا ہے اور ایسی رائے کامل اس کے مجنون ہونے کی وجہ سے معدوم ہوگئی ہے اور جب اس نے حالت جنون ہی میں اس کو وکیل کیا ہے تو اس کی ایسی ہی رائے پر راضی ہوا ہے پس جب اس نے بیع کی تو اس کے حکم کا فرمانبردار (۳) ہوا یہ مبسوط میں ہے اور املاء میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر عادل درمیانی مر گیا حالانکہ وہ بیع مرہون کا وکیل تھا اور اس نے کسی کو اس کی بیع کے واسطے وصیت کر دی تو وصی کی بیع جائز نہ ہوگی الا اس صورت میں کہ اس نے اس سے اصل وکالت میں یوں کہا ہو کہ میں نے تجھے بیع مرہون کا وکیل کیا اور تجھے اجازت دے دی کہ جو فعل تو چاہے اس کی بابت کرے تو ایسی صورت میں وصی کی بیع جائز ہوگی مگر اس کے وصی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ کسی تیسرے شخص کو اس کے فروخت کے واسطے وصی کرے اور حسنؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ عادل کا وصی بیع کے حق میں اس کا قائم مقام (۴) ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر عادل کے وارث نے مرہون کا بیع کرنا چاہا تو بیع جائز نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

اگر راہن و مرتہن نے اس امر پر اتفاق کیا کہ مال مرہون دوسرے عادل کے پاس رکھا جائے یا مرتہن کے قبضہ میں رکھا جائے حالانکہ عادل مر گیا ہے تو یہ جائز ہے اس واسطے کہ حق انہیں دونوں کا ہے اور اگر دونوں نے اختلاف کیا تو قاضی کو اختیار ہوگا چاہے دوسرے عادل کے پاس یا مرتہن کے پاس رکھ دے اور اگر قاضی کو معلوم ہو گیا کہ جو شخص مرتہن ہے وہ عدالت میں مثل عادل کے ہے تو اس کے قبضہ میں دے دے گا اگرچہ راہن اس کو مکروہ جانے اور اگر قاضی نے چاہا کہ مال مرہون کو راہن کے قبضہ میں رکھے تو بعض روایات میں ہے کہ قاضی کو ایسا اختیار ہے اور بعض میں ہے کہ نہیں یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر عادل اوّل مر گیا اور مال مرہون دوسرے عادل کے پاس خواہ برضامندی راہن و مرتہن رکھا گیا یا دونوں نے اختلاف کیا اور قاضی نے دوسرے عادل کے پاس رکھ دیا تو دوسرے عادل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس کو فروخت کرے اگرچہ عادل اوّل کو یہ اختیار دیا گیا ہو یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر درمیانی عادل دو شخص ہوں اور مال مرہون ایسی چیز ہو کہ قابل تقسیم نہیں ہے اور دونوں نے اس کو ایک کے پاس رکھا تو جائز ہے اور

---

[1] فرق کیا یعنی بیع کی وکالت میں جواز ہے اور رہن کی وکالت میں نہیں جائز ہے اور دونوں میں فرق ہے ۱۲ (۱) یعنی کسی مہینہ پر اتفاق نہیں ہوا ۱۲

(۲) یعنی مرہون کو بیع کرنا تو ہے ۱۲ (۳) پس بیع جائز ہوئی ۱۲ (۴) یعنی چاہے راہن نے وصی کو اجازت مذکور دی ہو یا نہ دی ہو ۱۲

دونوں ضامن نہ ہوں گے اور اگر وہ قابل قیمت ہو تو قبضہ میں رکھنے والا بالا جماع ضامن نہ ہوگا اور دوسرے کے قبضہ میں دینے والا امام اعظمؒ کے نزدیک ضامن ہوگا اور صاحبینؒ نے اس میں اخلاف کیا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور مال مرہون کو ساتھ لے کر سفر کرنے کا اختیار نہ ہوگا درحالیکہ راستہ خوفناک ہو اور اگر راستہ بے خوف ہو پس اگر یہ قید پائی جائے کہ مرہون شہر ہی میں رہے تو اس کو ساتھ لے کر سفر کا اختیار نہ ہوگا اور اگر شہر ہی میں رکھنے کی قید نہ پائی جائے تو اس کو لے کر سفر کر سکتا ہے اور غیر روایۃ اصول[1] میں مذکور ہے کہ امام اعظمؒ کے قول کے موافق جب راستہ بے خوف ہو تو ہر صورت میں اس کو لے کر سفر کر سکتا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر مال مرہون ایسی چیز ہو جس کی بار برداری و خرچہ نہیں ہے تو لے کر سفر کر سکتا ہے اور امام محمدؒ کے قول کے موافق اگر ایسا سفر ہو جس میں اس کو ساتھ نہ لے جانے کی کوئی راہ نکل سکتی ہو تو ہر حال میں[ا] ضامن ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور عادل نے مال مرہون (مثلاً غلام) فروخت کیا اور اس کا ثمن مرتہن کو ادا کر دیا پھر اس غلام میں کوئی عیب پایا گیا تو اس میں خصم[۲] یہی عادل ہوگا پس اگر گواہوں کی گواہی کے ساتھ وہ غلام اس عادل کو واپس دیا گیا تو وہ اس کے ثمن کا ضامن ہوگا اس واسطے کہ وہی ثمن کا قابض ہے پھر اس کو مرتہن سے واپس لے گا اور مال مرہون بدستور سابق رہن رہے گا کہ عادل اس کو فروخت کر سکے گا اور اگر عیب مذکور پر گواہ قائم نہ ہوئے مگر عادل نے اس کا اقرار کر لیا حالانکہ وہ عیب ایسا تھا کہ اس کے مثل پیدا نہیں ہو سکتا ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ایسا عیب ہو کہ اس کے مثل پیدا ہو سکتا ہو اور عادل نے عیب مذکور کا اقرار نہ کیا لیکن قسم کھانے سے انکار کیا پس قاضی نے بسبب انکار کے اس کو واپس دیا تو ہمارے نزدیک یہ بھی مثل صورت اوّل کے ہے اور اگر اس نے عیب کا اقرار کیا تو یہ غلام خاص کر اسی کے ذمہ پڑے گا اور اگر مشتری نے اس سے اقالہ کر لیا یا بدون قضاء قاضی کے بسبب عیب کے خواہ وہ عیب ایسا ہو کہ مثل اس کے پیدا نہ ہو سکتا ہو یا ہو سکتا ہو عادل مذکور کو واپس کر دیا تو خاص کر اس عادل کے ذمہ لازم ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر عادل نے مرہون فروخت کیا پھر ثمن وصول کرنے سے پہلے اس کو مشتری کو ہبہ کر دیا ☆

اگر عادل نے مال مرہون فروخت کیا اور اس کا ثمن مرتہن کو دے دیا پھر وہ غلام استحقاق میں لے لیا گیا یا بسبب عیب کے بحکم قاضی اس کو واپس دیا گیا تو مشتری اپنا ثمن اس عادل سے واپس لے گا پھر عادل کو اختیار ہے چاہے مرتہن سے واپس لے اور مرتہن کا قرضہ بدستور سابق راہن پر عود کرے گا یا چاہے تو راہن سے واپس لے اور اگر عادل نے مرہون کو فروخت کر کے اس کا ثمن مرتہن کو نہ دیا یہاں تک کہ غلام استحقاق میں لیا گیا یا بحکم قاضی بسبب عیب کے اس کو واپس دیا گیا تو عادل اس کا ثمن مرتہن سے نہیں لے سکتا ہے یہ اس وقت ہے کہ بیع کا اختیار دینا عقد رہن میں مشروط ہو اور اگر بیع پر مختار کرنا عقد رہن کے بعد ہوا ہو تو مشائخ نے فرمایا کہ عادل ایسی صورت میں وکیل راہن ہوگا اور عہدہ بیع سے جو امر اس کے ذمہ لاحق ہو اس کو راہن سے واپس لے گا خواہ اس نے ثمن مرہون مرتہن کو دے دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ اور اگر صورت اولیٰ[۲] میں عادل نے کہا کہ میں نے فروخت کر کے ثمن وصول کر کے مرتہن کو دے دیا ہے اور مرتہن نے اس سے انکار کیا تو عادل کا قول قبول ہوگا اور مرتہن کا قرضہ باطل[۳] ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر عادل نے مرہون فروخت کیا پھر ثمن وصول کرنے سے پہلے اس کو مشتری کو ہبہ کر دیا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک یہ جائز ہے اور عادل اس قدر ثمن کا ضامن ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے یہ بمنزلہ وکیل بیع کے ہے کہ جب اس نے مشتری کو ثمن سے بری کر دیا اور اگر عادل نے کہا کہ میں نے ثمن وصول کیا تھا وہ میرے پاس تلف ہو گیا ہے تو اس کے قول کی تصدیق کی

[ا] یعنی اگر ساتھ لے گیا تو ضامن ہے پس اگر بچ رہا تو ضمان ساقط ہوئی اور اگر تلف ہوا تو تاوان دے ۱۲ [۲] یعنی مطالبہ اسی سے ہوگا ۱۲

(۱) یعنی اصول روایۃ کے سوائے نوادر وغیرہ میں مذکور ہے ۱۲ (۲) کہ جب بیع کا اختیار عقد رہن میں مشروط ہو (۳) صورت ثانیہ میں ایسا نہیں ہے ۱۲

جائے گی اور یہ مرتہن کا مال گیا اور اگر اس نے کہا کہ میں نے ثمن مرتہن کو دے دیا ہے تو قسم سے اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی اور ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ عادل مذکور کے اقرار سے مرتہن کو ثمن وصول ہونا ثابت ہو جاتا ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ مرتہن کا حق ساقط ہو جائے گا اور اگر ثمن پر قبضہ کر لیا پھر کل یا بعض مشتری کو ہبہ کیا تو جائز نہیں ہے اور اگر کہا کہ میں نے ثمن میں سے اس قدر تیرے ذمہ سے گھٹا دیا تو یہ امام اعظمؒ وامام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے پس اس پر واجب ہوگا کہ اسی قدر مشتری کو اپنے مال سے تاوان دے اور جو کچھ وصول کیا تھا وہ سب مرتہن کو مسلم دیا ہوا رہے گا اور یہ صورت بخلاف اس صورت کے ہے کہ جب اس نے وصول کئے ہوئے ثمن کو ہبہ (1) کیا ہو۔

اور اگر عادل نے مرہون کو فروخت کر کے اس کے ثمن پر قبضہ کر لیا اور ثمن مقبوضہ اس کے پاس تلف ہو گیا پھر مبیع اس کے پاس بسبب عیب کے واپس کر دی گئی اور اس کے پاس مر گئی یا استحقاق میں لے لی گئی یا اس کے پاس باقی رہی اور عادل مذکور سے ثمن کا مواخذہ کیا گیا یہاں تک کہ اس نے ادا کر دیا تو ان سب صورتوں میں اس کو اختیار ہوگا کہ راہن سے واپس لے اور اس کو مرتہن سے واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے اور اگر مرہون کا نرخ گھٹ گیا پھر عادل نے اس کو فروخت کیا تو ثمن کا اعتبار ہے اور جس قدر نرخ کے کم ہونے سے مقدار میں کمی آئی ہے اس قدر قرضہ میں سے ساقط نہ ہوگا بخلاف اس کے اگر نرخ گھٹنے کے بعد مرہون تلف ہو گیا تو روز رہن کی قیمت کا[1] اعتبار ہوگا اور جب راہن نے کہا کہ مرہون نرخ گھٹنے کے بعد بیع سے پہلے تلف ہو گیا ہے تو اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی اور مرتہن یا عادل کے گواہ کہ بیع کے بعد تلف ہوا ہے مقبول ہوں گے اور اگر نرخ گھٹنے کے بعد راہن نے اس کو قتل کر ڈالا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور جس قدر نرخ کی گھٹی سے کمی آئی ہے اس قدر قرضہ میں سے ساقط ہو جائے گا اور اگر عادل نے اس کو دو ہزار کو فروخت کیا اور اس کی قیمت ایک ہزار ہے اور قرضہ بھی ایک ہزار ہے پھر ایک ہزار پانچ سو درم تلف ہو گئے تو نصف قرضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر رہن کرنے کے روز اس کی قیمت دو ہزار درم ہوں اور تین ہزار درم کو فروخت ہوا پھر دو ہزار درم تلف ہو گئے تو باقی راہن و مرتہن کے درمیان نصفا نصف تقسیم ہوں گے یہ تاتارخانیہ میں غیاثیہ سے منقول ہے اور اگر عادل نے مرہون کسی اجنبی کو بلا ضرورت[2] ودیعت دیا تو وہ ضامن ہوگا اور اسی طرح اگر مرتہن قابض نے ایسا کیا تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے۔

عادل کو اختیار ہے کہ مرہون ایسے شخص کو دیدے جو اس کے عیال میں ہے جیسے جورو و خادم و فرزند و اس کے نوکر جو اس کے مال میں متصرف ہیں یہ فتاوے قاضی خان میں ہے اور مرتہن کو اختیار ہے کہ راہن سے اپنے قرضہ کا مطالبہ کرے اور قرضہ کے واسطے مرہون کو روک رکھے پس اگر حاکم سے نالش کی تو حاکم راہن پر قرضہ دے دینا واجب کرے گا پھر اگر اس نے انکار تو اس کو قرضہ کے واسطے قید کرے گا اور اگر مال مرہون مرتہن کے پاس ہو تو اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ راہن کو اس کے فروخت کرنے کا اختیار دے دے تا کہ اس کے ثمن سے قرضہ ادا کرے اور اگر راہن نے اس کا بعض قرضہ ادا کر دیا تو مرتہن کو اختیار ہے کہ پورا مال مرہون باقی قرضہ کے واسطے روک رکھے پھر جب راہن نے اس کا قرضہ ادا کر دیا تو اس کو حکم دیا جائے گا کہ راہن کا مال مرہون راہن کو دے دے یہ سراج الوہاج میں ہے ایک شخص نے قرضہ کے عوض ایک باندی رہن کی اور ایک عادل کے قبضہ میں دی اور حکم کیا کہ اس کو فروخت کرے پس عادل نے اس کو فروخت کر کے اس کے ثمن سے مرتہن کا قرضہ دے دیا پھر وہ باندی مرہونہ استحقاق میں لے لی گئی تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو وہ باندی مرہونہ زندہ موجود ہوگی یا تلف ہو گئی ہو پس اگر وہ موجود ہو اور مستحق نے مشتری سے اس کو لے لیا ہو تو

---

[1] یعنی راہن و مرتہن یا عادل میں اختلاف ہوا راہن نے قبل بیع کے تلف کا دعویٰ کیا اور مرتہن یا عادل نے بعد بیع کے تلف ہونے کا دعویٰ کیا تو قول راہن کا اور گواہ مرتہن و عادل کے قبول ہوں گے ۱۲

[2] ضرورت سے یہاں حاجت مراد نہیں ہے بلکہ ایسی تنگی پیش آئی کہ ناچار اس نے دوسرے کی حفاظت میں دے دی جیسے کتاب الودیعۃ میں مفصل مذکور ہے مثلاً ۱۲ منہ

(1) یعنی یہ نہیں جائز ہے ۱۲

مشتری کا ثمن عادل پر ہوگا پھر عادل کو اختیار ہوگا چاہے راہن سے اس کی قیمت لے یا مرتہن سے اس قدر ثمن جو اس نے مرتہن کو دیا ہے واپس لے پھر اگر اس نے مرتہن سے ثمن لے لیا تو مرتہن اپنا قرضہ راہن سے لے گا اور اگر مال مرہون تلف ہو گیا ہو تو صاحب استحقاق کو اختیار ہوگا چاہے راہن سے ضمان لے یا مشتری سے تاوان لے یا عادل سے تاوان لے اور اس کو مرتہن سے مواخذہ کرنے کا اختیار نہیں ہے الا اس صورت میں کہ مرتہن نے بیع کی اجازت دے کر ثمن لیا ہو تو ایسی صورت میں اس کو مرتہن سے تاوان لینے کا بھی اختیار ہوگا پس اگر اس نے راہن سے ضمان لینا اختیار کیا تو رہن تمام ہو گیا اور اگر اس نے مشتری سے تاوان لیا تو بیع باطل ہو جائے گی اور مشتری اپنا ثمن عادل سے واپس لے گا اور اگر اس نے عادل سے تاوان لیا ہے تو عادل کو اختیار ہوگا چاہے راہن سے تاوان لے یا مرتہن سے وہ ثمن جو اس نے مرتہن کو دیا ہے واپس کرے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور فرمایا کہ اگر عادل درمیانی غلام مجور ہو پس اگر راہن و مرتہن نے مال مرہون اس کے پاس اس کے مولیٰ کی اجازت سے رکھا تو جائز ہے اور اگر بدون اس کے مولیٰ کی اجازت کے اس کے پاس رکھا تو بھی جائز ہے لیکن اس صورت میں بیع کا عہدہ اس کے ذمہ نہ ہوگا اس واسطے کہ اس سے مولیٰ کو ضرر پہنچے گا کہ اس کی مالیت اس میں ذوب[۱] جائے گی بلکہ عہدہ بیع اُسی شخص پر ہوگا جس نے اس کو بیع کا مختار کیا ہے اسی طرح اگر آزاد لڑکے کو جو عقد کو سمجھتا ہے عادل قرار دیا تو اس کا اور غلام مجور کا حکم یکساں ہے پس اگر طفل مذکور کے باپ نے اس کو اجازت دے دی ہو تو اس کو بیع کا عہدہ اس پر ہوگا اور عہدہ سے جو تاوان اس پر لازم آئے گا اس کو بیع پر مختار کرنے والے سے واپس لے گا اور اگر اس کے باپ نے اجازت نہ دی ہو اور مشتری کے پاس مبیع استحقاق میں لے لی گئی تو مشتری اپنا ثمن مرتہن سے واپس لے گا جس نے مال پر قبضہ کیا ہے اس واسطے کہ جب ثمن اسی کو دیا گیا تو اس عقد سے اسی کو انتفاع حاصل ہوا ہے اور جب مشتری نے اُس سے واپس لیا تو وہ اپنے قرضہ کا مال راہن سے واپس لے گا اور چاہے تو مشتری راہن سے اپنا ثمن واپس لے اس واسطے کہ بائع اسی کی طرف سے مامور تھا اور اس کا بیع کرنا اور ثمن وصول کرنا اسی کے واسطے ہوا تھا یہ مبسوط میں ہے۔ رہا اس امر کا بیان کہ کون شخص رہن میں عادل[(۱)] ہونے کے لائق ہوتا ہے اور کون نہیں ہوتا ہے تو واضح ہو کہ اگر غلام ماذون نے رہن دیا تو اس کا مولیٰ عادل ہونے کے لائق نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر غلام ماذون نے کچھ مال رہن کیا بدین شرط کہ یہ مال مرہون اس کے مولیٰ کے قبضہ میں رکھا جائے تو رہن جائز نہ ہوگا خواہ اس غلام پر قرضہ ہو یا نہ ہو اور اگر مولیٰ نے کچھ مال رہن کیا تو اس کا غلام درمیانی عادل ہو سکتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے کچھ مال رہن کیا بدین شرط کہ مال مرہون اس کے غلام ماذون کے قبضہ میں رکھا جائے تو رہن صحیح ہے اور اگر کسی شخص کے مکاتب نے مال رہن دیا تو اس کا مولیٰ عادل ہو سکتا ہے اور مکاتب بھی اپنے مولیٰ کے رہن کرنے میں عادل ہو سکتا ہے اور اگر کفیل نے کچھ مال رہن کیا تو اس کا مکفول عادل نہیں ہو سکتا ہے اور اسی طرح مکفول عنہ کے رہن کرنے میں کفیل عادل نہیں ہو سکتا ہے اور جن دونوں میں شرکت مفاوضہ ہے ان میں سے کوئی دوسرے کے رہن میں جو قرضہ تجارت کے عوض ہے عادل نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح جن دونوں میں شرکت عنان ہو ان میں سے کوئی دوسرے کے رہن میں جو بعوض قرضہ تجارت ہو عادل نہیں ہو سکتا ہے اور اگر رہن قرضہ تجارت کے سوائے دوسرے قرضہ کے عوض ہو تو دونوں قسم کے شریکوں میں ہر ایک عادل ہو سکتا ہے اس واسطے کہ سواری قرضہ تجارت کے دوسرے قرضہ میں ہر ایک دوسرے کے حق میں اجنبی ہے پس اس کا قبضہ مثل اس کے شریک کے قبضہ کے نہ ہوگا۔ اور مضارب کے رہن کرنے میں رب المال اور رب المال کے رہن میں مضارب عادل نہیں ہو سکتا ہے اور اگر باپ نے اپنے فرزند نابالغ کے واسطے کوئی چیز خریدی اور ثمن کے عوض رہن دیا تو باپ عادل

---

[۱] یعنی یہ غلام پکڑ کر بیچا جائے گا ۱۲ منہ (۲) یعنی دین کفالت کے عوض ۱۲ منہ

(۱) اقول یعنی جو شخص فی الواقع از راہ تقویٰ و طہارت وغیرہ عادل ہو لیکن بسبب مالکیت و مملوکیت وغیرہ کے عادل بنایا نہ جا سکے ۱۲ منہ

نہیں ہوسکتا ہے پس اگر باپ نے اپنے نابالغ کے واسطے کوئی چیز خریدی اور ثمن کے عوض کوئی چیز اس شرط سے رہن دی کہ وہ میرے پاس رکھی جائے تو خرید جائز ہے اور رہن باطل ہے اور رہن کے واسطے راہن خود عادل ہوسکتا ہے یا یہ نہیں سو اگر مرتہن نے اس کے پاس سے مرہون اپنے قبضہ میں نہ لیا ہو تو صحیح نہیں ہے حتی کہ اگر عقد رہن میں یہ شرط لگائی ہو کہ راہن کے قبضہ میں رہے تو عقد فاسد ہوگا اور اگر مرتہن نے مرہون پر قبضہ کرلیا پھر اس کو راہن کے قبضہ میں رکھ دیا تو راہن کی بیع جائز ہوگی یہ بدائع میں ہے۔ اگر عادل درمیانی نابالغ لایعقل[1] ہو اور مرہون اس کے قبضہ میں رکھا گیا تو جائز نہیں ہے اور راہن نہ ہوگا اور اگر اس طفل لایعقل نے بالغ عاقل ہوکر مرہون کو فروخت کیا تو بیع جائز ہوگی جب کہ راہن نے اس کو بیع کرنے کا مختار کر دیا ہو اور امام خصافؒ نے ذکر فرمایا کہ یہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک بالغ ہونے کے بعد اس کی بیع جائز نہیں ہے اور اگر درمیانی عادل کوئی ذمی یا حربی مستامن ہو اور راہن و مرتہن دونوں مسلمان ہوں یا دونوں ذمی ہوں تو یہ جائز ہے اس واسطے کہ حربی[2] مستامن معاملات میں بمنزلہ ذمی و مسلمان کے ہے اور وہ شرعی قبضہ معتبرہ کی اہلیت رکھتا ہے اور وہ اس بات کی اہلیت رکھتا ہے کہ مالک کے مختار کرنے سے اس کی بیع نافذ ہو جائے جیسے اس کی ذاتی ملک کی بیع نافذ ہوتی ہے پھر اگر وہ حربی اپنے دار الحرب میں چلا گیا تو جب تک وہ دار الحرب میں موجود ہے تب تک اس کو اس مرہون کے فروخت کا اختیار نہیں ہے پھر جب واپس آئے تو اپنی وکالت بیع پر ہوگا اور اگر دار الحرب میں جو حربی واپس گیا ہے وہ راہن ہو یا مرتہن ہو اور عادل ایک شخص ذمی ہے یا حربی ہے مگر وہ امان کے ساتھ دار الاسلام میں مقیم ہے تو اس کو اختیار ہوگا کہ مرہون کو فروخت کردے یہ مبسوط میں ہے۔

تیسرا باب ☆

مرہون کے بضمان یا بغیر ضمان تلف ہو جانے کے بیان میں

اگر مال مرہون عادل یا مرتہن کے قبضہ میں تلف ہوگیا تو دیکھا جائے گا کہ قرضہ کس قدر ہے اور مال مرہون کی قبضہ کے روز کیا قیمت تھی پس اگر دونوں برابر ہوں تو اس کے تلف ہو جانے پر قرضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر مرہون کی قیمت زیادہ ہو تو قرضہ ساقط ہو جائے گا اور جس قدر زیادتی ہے اس کے حق میں وہ امین قرار دیا جائے گا اور اس کی قیمت قرضہ سے کم ہو تو قرضہ میں سے بقدر قیمت کے ساقط ہو جائے اور جس قدر قرضہ باقی رہا اس کو مرتہن راہن سے لے لے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔

مالِ مرہون کے تلف ہونے کی کچھ ایسی صورتوں کا بیان جن میں ضمان لازم آتا ہے ☆

اگر دس درم قیمت کا کپڑا بعوض دس درم کے رہن کیا اور وہ مرتہن کے پاس تلف ہوگیا تو اس کا قرضہ ساقط ہوگیا اور اگر کپڑے کی قیمت پانچ درم ہوں تو مرتہن پانچ درم راہن سے لے لے گا اور اگر اس کی قیمت پندرہ درم ہوں تو قرضہ ساقط ہوکر جس قدر زیادہ تلف ہوا ہے وہ ہمارے نزدیک امانت تلف ہوا ہے یہ کافی میں ہے۔ اور یہ حکم رہن صحیح کا ہے اور رہن فاسد بھی یہی حکم ہے مگر کرخیؒ نے ذکر کیا کہ رہن فاسد میں مرہون[3] مقبوض مضمون نہیں ہوتا ہے اور اوّل قول اصح ہے اور رہن باطل میں جو مرہون مقبوض ہو وہ بالکل مضمون نہیں ہوتا ہے اس کو امام محمدؒ نے جامع میں صریح بیان فرمایا ہے اور رہن باطل وہ ہے جو بالکل منعقد نہ ہو جیسے بیع باطل اور رہن فاسد ہے وہ جو بصفت فساد منعقد ہو جیسے بیع فاسد اور انعقاد رہن کی شرط یہ ہے کہ مرہون مال ہو اور جس کے عوض رہن کیا ہے وہ

---

[1] لایعقل یعنی عقد رہن اور اس کی درمیانی ذمہ داری کو نہیں سمجھتا ہے ۱۲ [2] حربی مستامن وہ کافر جو دار الحرب سے دار الاسلام میں امن لے کر داخل ہوا ۱۲

[3] یعنی رہن فاسد میں اگر مال مرہون پر قبضہ کیا تو وہ ضامن نہیں ہوتا ہے بلکہ گویا مالک کے کہنے سے امانت دار ہے ۱۲

مضمون ہو لیکن بعض شرائط جواز نہ پائے جانے کے وقت رہن کا انعقاد بسبب شرائط انعقاد پائے جانے کے ہو جائے گا لیکن بسبب فقدان بعض شرائط جواز کے بصفت فساد انعقاد ہوگا اور جس صورت جس کے عوض رہن ہے وہ مضمون نہ ہو تو جڑ سے رہن کا انعقاد نہ ہو گا پس اسی قیاس پر تخریج مسائل ہے اور یہ بیان ہلاک مرہون کا ہو اور اگر مرہون میں فقط نقصان آ گیا پس اگر عین مرہون میں نقصان آ گیا ہو تو اسی قدر کے حساب سے قرضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر از راہ نرخ نقصان آیا ہو تو ہمارے علماء ثلاثہؒ کے نزدیک قرضہ میں سے کچھ ساقط ہونے کا موجب نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر راہن بدون ادائے قرضہ وایفاء کے قرضہ سے بری ہو گیا بطور ابراء کے یا بطور ہبہ کے پھر مال مرہون مرتہن کے پاس بدون اس کے کہ وہ راہن کو دینے سے رو کے تلف ہو گیا تو قیاساً اس طرح تلف ہوا کہ مرتہن اس کا ضامن ہوگا اور استحساناً امانت میں تلف ہوا اور اسی کو ہمارے علماء نے اختیار کیا ہے اور اگر راہن ایفائے قرضہ سے بری ہو گیا پھر مرتہن کے پاس مال مرہون تلف ہو گیا تو اس طرح تلف ہوا کہ اس کا تاوان مرتہن پر واجب[(۱)] ہے حتیٰ کہ مرتہن پر واجب ہوگا کہ جو کچھ اس نے بھر پایا ہے وہ راہن کو واپس کر دے ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور اس پر قبضہ کر لیا اور اس کے ثمن کے عوض رہن دیا اور وہ بائع کے پاس تلف ہو گیا پھر مبیع آزاد نکلا یا کسی نے استحقاق ثابت کر کے لے لیا تو مرتہن ضامن ہوگا یہ سراجیہ میں ہے۔

ایک شخص پر دوسرے کے ہزار درم ہیں اور ان کے عوض قرض خواہ کے پاس ایک مال رہن ہے پھر تیسرے شخص نے راہن پر جو قرضہ ہے تطوعاً ادا کر دیا تو قرضہ ساقط ہو جائے گا اور مطلوب یعنی راہن کو اختیار ہے کہ اپنا مال مرہون واپس لے پس اگر اس نے واپس نہ لیا یہاں تک کہ مرتہن کے پاس تلف ہو گیا تو مرتہن پر واجب ہوگا کہ احسان کے طور پر ادا کرنے والے کو جو کچھ اس سے لیا ہے واپس کر دے اور جو کچھ اس سے لیا تھا وہ واپس ہو کر احسان کرنے والے کے پاس آئے گا متطوع علیہ یعنی راہن کو نہ ملے گا یہ ظہیریہ میں ہے اگر راہن نے مرتہن کو اس کے مال کا کسی شخص پر حوالہ کر دیا یعنی اتر ادیا پھر اس کے بعد مال مرہون تلف ہوا تو قیاساً و استحساناً قرضہ کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور کتاب الاصل میں یہ مذکور نہیں ہے کہ اتر ادینے کے بعد اگر راہن نے مال مرہون لینا چاہا تو اس کو ایسا اختیار ہے یا نہیں تو مشائخ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ کتاب الزیادات میں دو جگہ مذکور ہے ایک جگہ فرمایا کہ اس کو یہ اختیار ہے اور دوسری جگہ فرمایا کہ یہ اختیار نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر ہزار درم قیمت کا غلام بعوض ہزار درم قرضہ کے رہن کیا پھر دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ راہن کے ذمہ کچھ قرضہ نہ تھا اور یہ اتفاق مرہون کے تلف ہو جانے کے بعد واقع ہوا تو مرتہن پر واجب ہوگا کہ راہن کو ہزار درم واپس دے اور اگر راہن تلف ہونے سے پہلے دونوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ راہن پر کچھ نہ تھا پھر مال مرہون تلف ہو گیا پس آیا وہ مضمون[ا] تلف ہوا یا امانت میں تلف ہوا ہے تو شیخ الاسلام نے ذکر کیا کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے ذکر کیا کہ امام محمدؒ نے جامع میں صریح بیان فرمایا ہے کہ وہ امانت میں تلف شدہ قرار دیا جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔

مرتہن کو ایک مال میں رہن دیا پھر بجائے اس کے دوسرا مال میں رہن دیا اور مرتہن نے اس کو لے لیا تو جائز ہے لیکن جب تک مال اوّل کو واپس نہ دے تب تک مال مرہون وہی اوّل ہوگا اور بعد واپس کر دینے کے دوسرا مال رہن ہو جائے گا پھر مرتہن کو اختیار ہے کہ جب تک اپنا پورا قرضہ وصول نہ کر لے تب تک رہن کو روک رکھے اگرچہ ایک درم رہا ہو اور اگر اس نے بعض قرضہ ادا کیا ہو اور کچھ باقی ہو پھر مرتہن کے پاس مال مرہون تلف ہو گیا تو وہ قرضہ سے جس قدر زیادہ ہے واپس نہ لے گا یہ جامع مضمرات میں ہے اگر ہزار درم قیمت کا غلام رہن دیا پھر ایک باندی لایا اور کہا کہ اس کو لے لے اور غلام مجھے واپس دے دے تو یہ جائز ہے اور جب تک غلام کو واپس نہ دے تب تک اس کی ضمان ساقط نہ ہوگی اور جب تک اوّل کو واپس نہ کرے تب تک دوسرا مال مرہون اس کے پاس امانت میں رہے

ا یعنی اس صورت سے تلف ہوا جس میں ضمان لازم آتا ہے ۱۲ (۱) بشرطیکہ اس نے روک رکھا ہو ۱۲

گا پھر جب اوّل کو واپس دیا تو دوسرا اس کے پاس ضمان میں ہو جائے گا پس اگر مال اوّل کی قیمت پانچ سو درم ہوں اور دوسرے کی قیمت ہزار درم ہوں اور قرضہ بھی ہزار درم ہو پھر مرہون تلف ہوا تو بعوض ہزار درم کے تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور اگر دوسرے کی قیمت پانچ سو درم اور اوّل کی قیمت ہزار درم ہو اور دوم اس کے پاس تلف ہوا تو پانچ سو درم کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے گیہوں رہن دیئے پھر کہا کہ بجائے گیہوؤں کے جو لے لے اور مرتہن نے لے لئے اور آدھے گیہوں واپس دیئے پھر تمام جو اور باقی آدھے گیہوں تلف ہو گئے تو باقی گیہوں بعوض نصف قرضہ کے تلف شدہ ہوں گے اور جو کا ضامن نہ ہوگا یہ تمرتاشی میں ہے۔ ایک شخص نے ہزار درم کی باندی ہزار درم کے عوض رہن دی اور وہ مرتہن کے پاس مرگئی تو قرضہ بطریق استیفاء(۱) کے ساقط ہو گیا اسی طرح بیع سلم میں مسلم فیہ کے عوض جو مال رہن ہوا اور وہ تلف ہو جائے تو سلم باطل(۲) ہو جائے گی یہ قاضی خان کی شرح جامع صغیر میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے سے اپنے قرضہ کے برابر قیمت کا کپڑا رہن لے کر قبضہ کر لیا پھر کسی نے اس کو استحقاق ثابت کر کے لے لیا تو صاحب استحقاق اس کو مرتہن سے لے لے گا اور مرتہن اپنا قرضہ راہن سے لے گا اور اگر وہ کپڑا مرتہن کے پاس تلف ہو گیا ہو تو صاحب استحقاق کو اختیار ہوگا چاہے جس سے ضمان لے کیونکہ استحقاق ثابت ہونے سے ظاہر ہو گیا کہ راہن غاصب تھا اور مرتہن غاصب الغاصب تھا پس اگر اس نے راہن سے تاوان لیا تو راہن کا تلف ہونا بعوض اس قرضہ کے ہوگا جس کے عوض رہن تھا اور اگر اس نے مرتہن سے تاوان لیا تو مرتہن راہن سے قیمت رہن واپس لے گا اور اپنا قرضہ بھی واپس لے گا اور اگر راہن میں غلام ہو اور وہ بھاگ گیا اور صاحب استحقاق نے مرتہن سے اس کی قیمت تاوان لی اور مرتہن نے اس قدر قیمت راہن سے واپس لی اور قرضہ لے لیا پھر اس کے بعد غلام مذکور ظاہر ہوا تو وہ راہن کا ہوگا اور اب راہن نہ ہوگا اس واسطے کہ تاوان کا استقرار راہن پر ہونے کا ہے اور اگر راہن میں باندی ہو اور وہ مرتہن کے پاس بچہ جنی پھر وہ اور اس کا بچہ(۳) دونوں مر گئے پھر کسی شخص نے اس پر اپنا استحقاق ثابت کیا تو صاحب استحقاق کو اختیار ہوگا کہ باندی کی قیمت ضمان چاہے راہن سے لے یا مرتہن سے لے اور اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دونوں میں سے کسی سے اس کے اولاد کی قیمت تاوان لے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر کسی شخص نے دوسرے سے کوئی مال اس شرط سے رہن لیا کہ اس کو اس قدر قرضہ دے گا پھر قبل قرضہ دینے کے مال مذکور اس کے پاس تلف ہو گیا تو جس قدر مقدار قرضہ بیان کی ہے اور جس قدر اس کی قیمت تھی ان دونوں میں سے کم مقدار کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا اس واسطے کہ اس نے بسوم رہن قبضہ کیا ہے پس مثل ایسے مقبوضہ کے جو خریدنے کے واسطے قبضہ میں لیا جاتا ہے مقبوض مضمون ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ راہن نے مرتہن سے کہا کہ مال مرہون دلال کو دے دے تاکہ وہ فروخت کرے اور تو اُس کے ثمن سے اپنے دراہم لے لے پس مرتہن نے دلال کو دے دیا اور اس کے پاس تلف ہو گیا تو مرتہن ضامن نہ ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔

اگر تین آدمیوں نے ایک غلام کسی شخص کے پاس جس کا ان تینوں میں سے ہر ایک پر قرضہ آتا ہے رہن کیا تو صحیح ہے اور اگر غلام مذکور مر گیا تو غلام میں سے ہر ایک کا جس قدر حصہ آتا ہے اسی قدر اس کے قرضہ میں سے ساقط ہو جائے گا اور یہ سب باہم ایک دوسرے سے رجوع کر لیں گے حتیٰ کہ اگر قرض خواہ کا ایک پر ایک ہزار پانچ درم قرضہ ہو اور دوسرے پر ہزار درم ہو اور تیسرے پر پانچ سو درم ہو اور ان سب نے اپنے مشترک غلام کو جس میں ان کی تین تہائی[1] شرکت تھی اور اس کی قیمت دو ہزار درم تھی رہن کیا پھر وہ تلف ہو گیا تو مرتہن ہر ایک سے دو تہائی قرضہ وصول پانے والا قرار دیا جائے گا اس واسطے کہ مال مرہون اپنی قیمت اور قرضے سے کم مقدار

ل یعنی ہر ایک برابر بلاکمی وبیشی کے ایک ایک تہائی حصہ کا شریک تھا ۱۲ (۱) گویا مرتہن نے بھر پایا ۱۲ (۲) یعنی گویا رب السلم نے مسلم فیہ بھر پایا ۱۲ (۳) یا جس قدر بچے ہوئے ۱۲

کے ساتھ مضمون ہوتا ہے اور قیمت رہن کم ہے اس واسطے کہ قرضہ تین ہزار درم ہے اور غلام کی قیمت دو ہزار درم ہے پس مرتہن قرضہ میں سے بقدر قیمت غلام کے بھر پانے والا اقرار دیا گیا اور قیمت اس کی دو ہزار درم ہے اور تین ہزار میں سے دو ہزار اس کا دو تہائی ہے پس ڈیڑھ ہزار کے قرض دار سے ہزار وصول پانے والا اقرار دیا گیا اور ہزار درم والے سے چھ سو چھیاسٹھ درم و دو تہائی درم بھر پانے والا اور پانچ سو درم والے سے تین سو تینتیس درم و ایک تہائی درم بھر پانے والا اقرار دیا گیا اور ہر ایک قرض دار پر اس کے قرض کا ایک تہائی حصہ باقی رہا پھر ڈیڑھ ہزار درم کا قرض دار باقی دونوں قرض داروں میں سے ہر ایک کو تین سو تینتیس درم و ایک تہائی درم دے گا اس واسطے کہ وہ اپنے قرضہ میں سے ایک ہزار درم دینے والا اقرار دیا گیا ہے جس میں سے ایک تہائی اس کا حصہ ہے یعنی تین سو تینتیس درم و تہائی درم اس کا حصہ ہے اور ایک تہائی یعنی اسی قدر ہزار درم والے دار کا اور اسی قدر ایک تہائی پانچ سو درم والے قرض دار کا ہے پس جس قدر اس نے ان دونوں کے حصہ سے اپنا قرضہ دیا ہے اس قدر کا ان دونوں کے واسطے ضامن ہوگا اور جس قرض دار پر ہزار درم تھے وہ اپنے دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کو دو سو بائیس درم و دونوں حصہ درم ضمان دے گا اس واسطے کہ وہ اپنے قرضہ میں سے چھ سو چھیاسٹھ درم و دو تہائی درم ادا کرنے والا اقرار دیا گیا ہے جس میں سے ایک تہائی حصہ اس کا ہے یعنی دو سو بائیس و دونوں حصہ درم اس کا ہے اور ایک تہائی یعنی اسی قدر ڈیڑھ ہزار درم والے کا حصہ ہے اور اسی قدر ایک تہائی پانچ سو درم والے کا حصہ ہے پس جس قدر ان دونوں کے حصہ سے اس نے اپنا قرضہ ادا کیا ہے اس قدر کا ان دونوں کے واسطے ضامن ہوگا اور جس پر پانچ سو درم قرضہ ہے وہ اپنے قرضہ سے تین سو تینتیس درم و تہائی درم کا ادا کرنے والا ہوا جس میں سے تہائی اس کا حصہ ہے یعنی ایک سو گیارہ درم و نواں حصہ درم اس کا ہے اور اسی قدر ایک تہائی ڈیڑھ ہزار درم والے قرض دار و اسی قدر ہزار درم والے قرض دار کا ہے پس ان دونوں کے حصہ سے جس قدر اس نے اپنا قرضہ ادا کیا ہے اس قدر کا ضامن ہوگا پھر چونکہ حق ایک ہی جنس کا ہے اس واسطے باہم مقاصہ واقع ہو جائے گا اگرچہ یہ لوگ مقاصہ نہ کریں پس پانچ سو درم والے قرض دار کا ڈیڑھ ہزار درم والے پر تین سو تینتیس درم و تہائی درم واجب ہوا ہے اور اس کا پانچ سو درم والے پر ایک سو گیارہ درم و نواں حصہ درم واجب ہوا ہے پس اس قدر مقاصہ ہو کر پانچ سو درم والا اس سے باقی یعنی دو سو بائیس و دونواں حصہ درم واپس لے گا اسی طرح پانچ سو درم والے کا ہزار درم والے قرض دار پر دو سو بائیس درم و نواں حصہ درم واجب ہوا ہے اور ہزار والے کا پانچ سو والے پر ایک سو گیارہ درم و نواں حصہ درم واجب ہوا ہے پس اس قدر کا مقاصہ ہو کر پانچ سو درم والا اس سے ایک سو گیارہ درم و نواں حصہ درم واپس لے گا اسی طرح ہزار درم والے کا ڈیڑھ ہزار والے پر تین سو تینتیس و تہائی درم واجب ہوا ہے اور اس کا ہزار درم والے پر دو سو بائیس درم و نواں حصہ درم واجب ہوا ہے پس اس قدر کا مقاصہ ہو کر ہزار درم والا باقی یعنی ایک سو گیارہ درم و نواں حصہ واپس لے گا یہ کافی میں ہے۔ اور بیع سلم میں راس المال و مسلم فیہ کے عوض رہن دینا اور ثمن بیع الصرف[1] کے عوض دینا صحیح ہے پس اگر بیع سلم میں راس المال کے عوض رہن دیا اور مال مرہون اُسی مجلس میں تلف ہو گیا تو مرتہن اس راس المال کا وصول پانے والا اقرار دیا جائے گا جب کہ مال مرہون اس قدر مقدار کو وفا کرتا ہو اور بیع سلم بحالہ جائز رہے گی اور اگر مرہون کی قیمت اس سے زیادہ ہو تو بقدر زیادتی کے امانت میں تلف شدہ قرار دی جائے گی اور اگر اس کی قیمت راس المال سے کم ہو تو بقدر قیمت کے بھر پانے والا اقرار دیا جائے گا اور مسلم الیہ رب السلم سے باقی واپس لے گا اور اگر مال مرہون اُسی مجلس میں تلف نہ ہوا یہاں تک کہ دونوں جدا ہو گئے تو بیع سلم باطل ہو جائے گی اور مسلم الیہ پر واجب ہوگا کہ مال مرہون واپس کر دے اور اگر واپس کرنے سے پہلے اس کے پاس تلف ہوا تو بعوض راس المال کے تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور بیع سلم منقلب ہو کر جائز نہ ہو جائے گی اور اسی

---

[1] یعنی سونے چاندی کا بعوض سونے چاندی کے بیچنا و خریدنا ۱۲

طرح بدل الصرف کے عوض اگر رہن لیا جائے تو اس میں بھی یہی حکم ہے اور اگر دونوں کے افتراق و جدائی ہو جانے سے پہلے مال مرہون تلف ہو گیا پس اگر وہ وفائے ثمن کے واسطے کافی ہو تو ثمن بھر پانے والا اقرار دیا جائے گا اور اگر کم ہو تو بقدر اس کی قیمت کے مستوفی[1] قرار دیا جائے گا اور اگر زیادہ ہو تو استیفاء کے بعد جس قدر زیادتی رہی وہ امانت میں تلف شدہ قرار دی جائے گی اور اگر مرہون تلف ہونے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے اور بعد جدائی کے مال مرہون تلف ہوا تو بیع صرف باطل ہو گئی اور جس قدر کے عوض رہن تھا اس قدر واپس دینا واجب ہو گا اور باقی (اگر زیادہ قیمت ہو) امانت میں تلف شدہ قرار دی جائے گی اور اگر مسلم فیہ کے عوض رہن لیا ہو اور وہ مجلس ہی میں تلف ہو گیا تو رب السلم مسلم فیہ کا بھر پانے والا اقرار دیا جائے گا اور زیادتی کے حق میں امین قرار دیا جائے گا یعنی امانت میں تلف ہوئی اور اگر اس کی قیمت کم ہو تو جس قدر اس کی قیمت ہے اس کی مقدار بھر وصول پانے والا اقرار دیا جائے گا اور باقی کو مسلم الیہ سے لے لے گا یہ سراج الوہاج میں ہے۔

بیع کے اقالہ (یعنی پھیر لینے) کی صورت کا بیان ☆

اگر بعد افتراق کے مال مرہون تلف ہوا تو جس قدر مقدار مضمون تھی وہ اس پر واجب ہو گی اور بیع سلم عود کر کے جائز نہ ہو جائے گی یہ نیا بیع میں ہے اور اگر دونوں نے بیع سلم کو فسخ کر لیا حالانکہ مسلم فیہ کے عوض کچھ مال رہن تھا تو وہ راس المال کے عوض رہن ہو جائے گا حتیٰ کہ رب سلم کو راس المال کے عوض اس کے روک لینے کا اختیار ہو گا حالانکہ قیاس یہ ہے کہ راس المال کے عوض اس کو نہ روک سکے اور اگر بعد باہمی فسخ کرنے کے مال مرہون تلف ہو گیا تو مسلم فیہ کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا راس المال کے عوض تلف شدہ قرار نہ دیا جائے گا اس واسطے کہ درحقیقت وہ مسلم فیہ یعنی مثلاً اناج کے عوض وہ مرہون ہے اور اس کا اثر راس المال کے حق میں فقط حبس و روک رکھنے میں ظاہر ہوتا ہے اس واسطے کہ وہ بدل اس کا قائم مقام ہے پھر جب وہ مرہون تلف ہو تو اصل جس کے واسطے مرہون ہے اس کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا جیسے کہ ایک شخص نے ایک غلام فروخت کر کے سپرد کیا اور ثمن کے عوض مال رہن لیا پھر دونوں نے بیع کا اقالہ[2] کر لیا تو بائع کو مبیع لینے تک اُس مرہون کے روک رکھنے کا اختیار ہو گا اور اگر مال مرہون تلف ہو جائے تو ثمن (۱) کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا یہ کافی میں ہے۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کو پانچ سو درم بیع سلم میں کسی خاص مسمیٰ اناج کے واسطے دیئے اور اس قدر اناج کے عوض ایک غلام جس کی قیمت اسی قدر ہے رہن ہوا پھر اس سے اپنے راس المال سے صلح کر لی تو قیاساً اس کو غلام پر قبضہ کر لینے کا اختیار ہے اور مرتہن کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ مرہون کو راس المال کے واسطے روک رکھے مگر استحساناً رب السلم کو اختیار ہے کہ راس المال پورا وصول پانے تک غلام مرہون کو روک رکھے اور اگر مرتہن کے پاس وہ غلام بدون اس کے کہ مسلم الیہ کو دینے سے انکار کرے ہلاک ہو گیا تو مرتہن پر واجب ہو گا کہ جو طعام مسلم الیہ پر واجب تھا اس کے مثل اناج مسلم الیہ کو دے کر اس سے اپنا راس المال لے لے اسی طرح اگر راس المال سے صلح کرنے کے بعد مسلم الیہ کو راس المال ہبہ کر دیا پھر غلام مرہون تلف ہو گیا تو رب السلم پر اُس اناج کے مثل اناج واجب ہو گا اور فرمایا کہ آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک کُر گیہوں قرض دیئے اور اس سے ایک کپڑا جس کی قیمت ان گیہوؤں کی قیمت کے برابر ہے رہن لیا پھر جس پر قرض کا کُر آتا ہے اس نے دو کُر جو پر ہاتھوں ہاتھ یعنی نقد دینے پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے اور اس کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ کپڑے پر اپنا قرضہ کر لے یہاں تک کہ جو کے دونوں کو اس کو دے دے اور اگر مال مرہون یعنی کپڑا اس کے پاس تلف ہو گیا تو اس کا اناج باطل ہو جائے گا اور اس کو جو لینے کی کوئی راہ نہ ہو گی اور

[1] مستوفی یعنی اپنا حق بھر پانے والا قرار پائے گا اور زیادتی کو ضمانت میں نہ لائیں گے بلکہ وہ امانت میں ہوئی ۱۲ [2] یعنی اپنی بیع پھیر لی ۱۲

(۱) غلام کے عوض ۱۲ (۲) مثلاً سو من گیہوں کھرے وسپید ۱۲

اگر درموں کے عوض اس کے ہاتھ کر قرض فروخت کر دیا اور ان درموں کے وصول کرنے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے تو بیع باطل ہو جائے گی اس واسطے کہ افتراق از دین بدین پایا گیا اور قرض دار پر قرض ویسا ہی باقی رہا اور کپڑا اس کے عوض رہن رہا بخلاف جو کے کہ دوکر جو مال میں ہے پس یہاں افتراق ازعین بدین ہے حتی کہ اگر جو بھی غیر معین ہوں اور اس پر قرضہ ہونے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے تو اس میں بھی بیع باطل ہو جائے گی اس واسطے کہ افتراق از دین بدین ہو جائے گا ایسا ہی اصل میں مذکور ہے اور اس مقام پر چاہئے کہ بالکل بیع صحیح نہ ہو اس واسطے کہ غیر معین جو کہ بمقابلہ گیہوں کے قرار دیئے گئے ہیں مبیع ہوں گے اور ایسی چیز کی بیع کرنا جو آدمی کے پاس نہ ہو جائز نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو دو کپڑے دیئے اور کہا کہ ان میں سے جو کپڑا تیرا جی چاہے اُن سو درم کے عوض جو تیرے مجھ پر آتے ہیں لے لے پس اس نے دونوں کو لیا اور دونوں اس کے پاس ضائع ہو گئے تو امام محمدؒ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ قرضہ میں سے کچھ نہ جائے گا اور امام محمدؒ نے اس صورت کو بمنزلہٗ اس کے قرار دیا کہ ایک شخص پر دوسرے کے بیس درم آتے تھے اس نے قرض خواہ کو سو درم دیئے اور کہا کہ اس میں سے بیس درم اپنے لے لے اُس نے ان سب پر قبضہ کر لیا اور ہنوز اپنے بیس درم نہیں لئے تھے کہ سب اس کے پاس سے ضائع ہو گئے تو قرض دار کا مال گیا اور قرضہ اس پر بحالہ باقی رہے گا اور اگر اس کو دو کپڑے دیئے اور کہا کہ ان میں سے ایک کپڑا اپنے قرضہ کے عوض رہن رکھ لے پس اُس نے دونوں پر قبضہ کر لیا اور دونوں کی قیمت برابر ہے تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہر ایک میں سے نصف قیمت قرضہ میں جائے گی اگر قرضہ کے برابر ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک شخص نے پانچ دینار کا کپڑا بعوض پانچ دینار قرضہ کے رہن کیا پھر دو دینار ادا کئے اور کہا کہ مال مرہون باقی قرضہ کے عوض رہن رہے گا تو وہ پانچ دینار کے عوض رہن رہے گا حتی کہ اگر تلف ہو گیا تو راہن اس سے دو دینار واپس لے گا یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے دس درم کے عوض ایک کپڑا خریدا اور مشتری نے خریدے ہوئے کپڑے پر قبضہ نہ کیا اور بائع کو ایک کپڑا دیا کہ یہ ثمن کے عوض رہن رہے تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ ثمن کے عوض رہن نہ ہوگا اور مشتری کو اختیار ہوگا کہ یہ اپنا کپڑا واپس کر لے اور اگر یہ کپڑا جو اس نے بطور رہن دیا تھا بائع کے پاس تلف ہو گیا اور دونوں کی قیمت برابر ہے تو پانچ درم کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا اس واسطے کہ وہ پانچ درم کے عوض مضمون تھا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور کبریٰ میں لکھا ہے کہ اگر قرض دار نے قرض خواہ کو ایک کپڑا دیا اور کہا کہ یہ کپڑا تیرے بعض حق کے عوض رہن ہے پھر وہ مرتہن کے پاس تلف ہو گیا تو جس قدر کے عوض مرتہن چاہے اسی قدر کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے ابن سماعہؒ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر مال آتا ہے پس قرض دار نے اس کو بعض مال ادا کر دیا پھر اس کو ایک غلام دیا اور کہا کہ یہ غلام تیرے پاس بعوض تیرے باقی مال کے رہن ہے یا کہا کہ یہ غلام تیرے پاس رہن ہے کسی قدر کے عوض اگر تیرا کچھ باقی رہا ہو کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ تیرا کچھ مال باقی رہا ہے یا نہیں رہا ہے تو یہ رہن جائز ہے اور وہ غلام بعوض باقی کے رہن ہوگا اگر کچھ باقی رہا ہے اور اگر کچھ باقی نہ رہا ہو اور مرتہن کے پاس وہ غلام مر گیا تو مرتہن پر اس کی ضمان واجب نہ ہوگی اور بشرؒ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی ہے کہ اگر مبیع میں عیب کے عوض بائع نے کچھ مال عین رہن دیا یا مشتری نے جو درم ادا کئے ہیں ان میں عیب کے عوض مشتری نے کچھ مال رہن دیا تو جائز نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص سے پچاس درم قرض طلب کئے اور اس نے کہا کہ اس قدر تجھے کفایت نہ کریں گے تو میرے پاس کوئی مال رہن بھیج دے تاکہ میں تجھے تیری کفایت کے لائق بھیج دوں پس اس نے رہن بھیج دیا اور وہ مرتہن کے پاس تلف ہو گیا تو اس پر رہن کی قیمت اور پچاس درم دونوں میں کم مقدار واجب ہوگی پس حاصل یہ ہے کہ جب قرض طلب کرنے والے نے کسی مقدار کو بیان کر دیا اور رہن دے دیا اور وہ مال قبل اس کے کہ قرض دینے والا قرضہ دے تلف ہو گیا تو رہن مذکور اپنی قیمت سے اور جو مقدار بیان کی ہے ان دونوں

سے کم مقدار پر مضمون ہوگا اور اگر اس نے کوئی مقدار بیان نہ کی تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے باہم اختلاف کیا ہے یہ محیط میں ہے۔ فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ اگر اس سے کہا کہ اس کو دراہم کے عوض رکھ لے تو وہ مرہون اپنی قیمت (تین درم ان دونوں میں سے کم مقدار کے عوض رہن ہوگا۔

قال المترجم ☆

اس واسطے کہ عربی میں دراہم جمع درہم اور کمتر مصداق جمع تین ہے کہ جو یقینی ہے و اقول بنا بریں اگر درموں کے عوض کہا تو یقینی کمتر جمع زبان اُردو میں دو پس دو بجائے تین کے مسئلہ میں ہونا چاہئے واللہ اعلم اور مجرد میں ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کو مال رہن دیا تا کہ اس کو دس درم قرض دے مگر اُس نے قرض نہ دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ میں نے مرہون اُس کو واپس دیا ہے اور قسم کھالی تو دس درم کا ضامن ہوگا اور اگر کسی نے نقصان کا دعویٰ کیا اور مدعا علیہ نے نقصان کے عوض رہن دیا پس اگر نقصان ظاہر ہوا تو مرہون مذکور رہن ہوگا اور اگر نہ ظاہر ہوا تو تلف ہو جانے کی صورت میں اُس کی قیمت اور نصف قرضہ سے جو کم مقدار ہو اس قدر کا ضامن ہوگا اور اگر کہا کہ یہ دس اپنے درم کے عوض رہن لے حالانکہ وہ پانچ تھے تو اُس مرہون کا تلف ہونا بعوض نصف درم کے قرار دیا جائے گا اور اگر دس درم رہن دیئے حالانکہ قرضہ میں پانچ درم ستوقہ تھے جو ایک درم کے برابر تھے تو یہ چھٹے حصہ قرضہ کے عوض تلف شدہ قرار پائیں گے اور اگر ایک غلام بایں شرط کہ وہ صحیح سالم ہے رہن کیا حالانکہ وہ عیب دار تھا اور اس میں قرضہ کی وفا تھی یعنی وفائے قرضہ کے واسطے کافی تھا تو تلف ہو جانے کی صورت میں پورے قرضہ کے عوض تلف شدہ ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک شخص پر دوسرے کا قرضہ ہے اور اس کا کوئی کفیل ہے پھر قرض خواہ نے کفیل سے مال رہن لیا اور اصیل سے بھی رہن لیا اور ایک بعد دوسرے کے لیا اور دونوں رہن ایسے ہیں کہ ہر ایک وفائے قرضہ کے واسطے کافی ہے پھر دونوں میں سے ایک رہن مرتہن کے پاس تلف ہو گیا تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر راہن ثانی تلف ہوا پس اگر راہن ثانی کو رہن اوّل کا حال معلوم تھا تو رہن ثانی بعوض نصف قرضہ کے تلف ہوگا اور اگر اُس کو رہن اوّل کا حال معلوم نہ تھا تو پورے قرضہ کے عوض تلف ہوگا اور کتاب الرہن میں ذکر فرمایا کہ دوسرا رہن بعوض نصف قرضہ کے تلف ہوگا اور حال جاننے و نہ جاننے کا کچھ ذکر نہیں فرمایا ہے اور صحیح یہی ہے جو کتاب الرہن میں مذکور ہے اس واسطے کہ کفیل و اصیل ہر ایک سے پورے قرضہ کا مطالبہ ہو سکتا ہے پس دوسرا رہن پہلے رہن پر زیادتی قرار دیا جائے گا پس تمام قرضہ پہلے رہن اور دوسرے رہن کی مقدار قیمت پر تقسیم ہوگا پس جو رہن تلف ہوگا وہ نصف قرضہ[1] کے عوض تلف ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ مجموع النوازل میں ہے کہ ہشام نے امام محمدؒ سے روایت کی کہ ایک شخص کے دوسرے پر ہزار درم قرض تھے پھر ایک تیسرے آدمی نے بدون اجازت و حکم قرض دار کے اپنا ایک غلام قرض خواہ کے پاس بعوض ہزار درم قرضہ کے رہن کیا پھر ایک چوتھے شخص نے بھی آ کر اپنا ایک غلام اسی قرضہ کے عوض بدون حکم قرض دار کے رہن کیا تو یہ جائز ہے اور غلام اوّل بعوض ہزار کے اور دوسرا بعوض پانچ سو درم کے رہن ہوگا اور اصل کے آخر کتاب الرہن میں مذکور ہے کہ ایک شخص قرض خواہ نے قرض دار سے ہزار درم قرضہ کے عوض ہزار درم قیمت کا غلام رہن لیا پھر ایک شخص فضولی نے آ کر رہن میں ہزار درم قیمت کی چیز زیادہ کر دی تو یہ جائز ہے اور اگر راہن نے چاہا کہ نصف مال ادا کر کے دونوں رہنوں میں سے ایک رہن چھڑا لے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا پس دونوں مال مرہون میں سے جو مرہون تلف ہو وہ نصف قرضہ کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور اگر ابراہیمؒ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ جب

---

[1] یعنی رہن اوّل و ثانی دونوں کی قیمت پر تمام قرضہ تقسیم ہوگا اور چونکہ ہر ایک رہن میں وفا ہے یعنی ہر ایک رہن کی قیمت قرضہ کے برابر ہے یا اگر زیادہ ہے تو زیادتی امانت میں ہے پس تمام قرضہ ہر ایک پر نصفا نصف مضمون ہوا اور اگر کچھ زیادہ رہا تو وہ امانت میں گیا فافہم ۱۲ منہ

قرض دار کا مال مرہون تلف ہو تو پورے قرضہ کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور جب فضولی کا رہن کیا ہوا تلف ہو تو نصف کے عوض تلف ہوگا یہ محیط میں ہے ایک شخص پر قرضہ آتا ہے اور قرض دار کی اجازت سے ایک آدمی نے اس کی کفالت کر لی پھر قرض دار نے قرض خواہ کو اس مال کے عوض رہن دیا پھر کفیل نے قرض خواہ کو یہ قرضہ ادا کر دیا پھر مال مرہون قرض خواہ کے پاس تلف ہو گیا تو کفیل نے جو کچھ ادا کیا ہے اصیل سے واپس لے گا اور قرض خواہ سے واپس نہ لے گا اور قرض دار قرض خواہ سے قرضہ واپس لے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو ایک کر گیہوں مثلاً قرض دیا اور قرض دار سے اس اناج کے عوض کچھ مال رہن لیا پھر قرض لینے والے نے یہ اناج بعوض درموں کے قرض خواہ سے خرید لیا اور درہم دے دیئے اور اناج کے قرضہ سے بری ہو گیا پھر مرتہن کے پاس وہ رہن تلف ہو گیا تو وہ اُس اناج کے عوض جو قرضہ لیا تھا تلف شدہ قرار دیا جائے گا بشرطیکہ مال مرہون کی قیمت اناج قرضہ کے برابر ہو اور مرتہن پر واجب ہوگا کہ جس قدر درہم اس نے لئے ہیں واپس کر دے۔ یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے ایک ہزار درم کے عوض دو غلام رہن کئے پس ایک غلام استحقاق ثابت کر کے لے لیا گیا یا وہ آزاد ظاہر ہوا اور راہن نے مرتہن سے کہا کہ اگر احتیاج دونوں میں سے ایک کے واپس کی ہو تو مجھے واپس کر دے پس مرتہن نے اس کو واپس دیا تو باقی غلام بعوض اپنے حصہ کے رہن ہوگا لیکن راہن اس کو بدون پورا قرضہ ادا کرنے کے چھڑا نہیں سکتا ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک شخص نے ایک غلام خریدا کر اس پر قبضہ کر لیا اور ثمن کے عوض کچھ مال رہن دیا اور وہ مرتہن کے پاس تلف ہو گیا پھر وہ غلام آزاد پایا گیا یا اس پر استحقاق ثابت ہوا تو مرتہن مال مرہون کا ضامن ہوگا یہ سراجیہ میں ہے۔

ضمانت رکھوا کر بزاز[1] سے کپڑا لیا اور بزاز امانت کھو بیٹھا تو ضمانت کی صورت ☆

ایک شخص نے سرکہ بعوض ایک درم کے یا بکری بایں شرط کہ وہ ذبح کی ہوئی ہے بعوض ایک درم کے خریدی اور ثمن کے عوض مال رہن دیا اور وہ تلف ہو گیا پھر ظاہر ہوا کہ سرکہ نہیں ہے شراب ہے یا بکری مذبوحہ نہیں ہے مردار ہے تو مال رہن ضمانت میں تلف شدہ قرار دیا جائے گا اس واسطے کہ وہ ایسے مال کے عوض تھا جو بظاہر قرضہ تھا بخلاف اس کے اگر شراب یا سور یا مردار یا آزاد خرید کر اس کے عوض رہن دیا اور وہ مرتہن کے پاس تلف ہو گیا تو مرتہن ضامن نہ ہوگا اس واسطے کہ یہ رہن باطل ہے فاسد نہیں ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے سے ایک کُر گیہوں قرضہ کے عوض ایک غلام رہن لیا اور وہ مرتہن کے پاس مر گیا پھر ظاہر ہوا کہ اس شخص پر قرضہ کا کُر نہ تھا تو مرتہن پر غلام کی قیمت نہیں بلکہ کُر کی قیمت واجب ہوگی یہ کافی و خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر راہن نے مرتہن کو مال قرضہ کسی شخص پر اُتر ادیا پھر واپس کرنے سے پہلے غلام مرہون مرتہن کے پاس مر گیا تو جس مال کے عوض رہن تھا اس کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور حوالہ باطل ہو گیا یہ خزانۃ الاکمل میں ہے۔ ایک شخص نے بزاز سے ایک کپڑا مانگا تا کہ دوسرے کو دکھلا کر اس کو خریدے پس بزاز نے کہا کہ میں بدون رہن کے نہ دوں گا پس اس نے کچھ مال اس کے پاس رہن رکھ دیا اور وہ اس کے پاس تلف ہو گیا اور کپڑا ہنوز قائم ہے خواہ راہن کے ہاتھ میں یا مرتہن کے ہاتھ میں تو بزاز ضامن نہ ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ فتاویٰ ابواللیثؒ میں ہے کہ ایک شخص نے شہتوت کا درخت رہن کیا جو مع پتوں کے بیس درم کا ہے پھر اس کے پتوں کا وقت نکل گیا اور ثمن اس کا گھٹ گیا تو شیخ ابو بکر اسکاف نے فرمایا کہ قرضہ میں سے بقدر حصہ نقصان کے ساقط ہو جائے گا اور یہ مثل نرخ گھٹ جانے کے نہیں ہے اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک قرضہ میں سے ساقط نہ ہوگا الا اُس صورت میں کہ ثمن میں نقصان بوجہ شجر کی ذات میں نقصان آ جانے یا پتے جھڑ جانے کی وجہ سے ہو تو ایسی صورت میں البتہ اُس کے حساب سے قرضہ میں سے ساقط ہو جائے گا اور قول فقیہ ابو بکر کا اشبہ و اقرب بصواب ہے اس واسطے کہ وقت نکل جانے کے بعد پتوں کی کچھ قیمت نہیں رہتی ہے اور اس کا کچھ معاوضہ نہیں ہوتا ہے کذا فی المحیط اور فتویٰ شیخ ابو بکر اسکافؒ کے قول پر ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر قرض دار کا عمامہ بدون اس کی رضامندی کے اُتار لیا

---

[1] بزاز کپڑا بیچنے والا، پارچہ فروش۔ (حافظ)

تا کہ اس کے پاس رہن رہے تو اس رہن نہ ہوگا بلکہ غصب ہوگا یہ سراجیہ میں ہے۔اور اگر قرض دار کا عمامہ لے لیا تا کہ اس کے پاس رہن رہے تو اس کا لینا جائز نہیں ہے اور اگر تلف ہوا تو مثل مرہون مال کے تلف ہونے کے قرار دیا جائے گا یہ ملتقط میں ہے۔اور ایک کا دوسرے پر قرضہ آتا ہے اس نے تقاضا کیا اور مدیوں نے نہ دیا پس قرض خواہ نے اس کے سر سے اُس کا عمامہ اُتار لیا کہ قرضہ کے عوض رہن رہے اور اس کو چھوٹا رومال دے دیا کہ اپنے سر پر لپیٹ لے اور کہا کہ میرا قرضہ لائے تا کہ تیرا عمامہ تجھے واپس کر دوں پس قرض دار چلا گیا اور چند روز بعد اس کا قرضہ لایا حالانکہ عمامہ اس وقت تلف ہو چکا تھا تو اس کا تلف ہونا مثل مال مرہون کے تلف ہونے کے قرار دیا جائے گا نہ مثل تلف ہونے مال مغصوب کے اس واسطے کہ قرض خواہ نے اس کو اپنے قرضہ کے عوض بطور رہن کے رکھ لیا تھا اور قرضہ اس کے پاس چھوڑ کر چلے جانے سے رہن رہنے پر راضی ہو گیا پس وہ رہن ہوگا یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے۔ایک شخص نے غلام رہن دیا وہ بھاگ گیا تو قرضہ ساقط ہو گیا پھر اگر مل گیا تو عود کر کے رہن ہو جائے گا اور اگر اُس غلام کا پہلا بھاگنا یہی ہو تو جس قدر اُس کی قیمت میں نقصان آ گیا اُسی حساب سے قرضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر پہلے بھی بھاگا ہو تو قرضہ میں سے کچھ کم نہ ہوگا ایسا ہی مجموع النوازل میں مذکور ہے اور منتقی میں ذکر کیا کہ قرضہ سے اسی قدر کم ہو جائے گا جس قدر بھگوڑے ہونے سے نقصان آیا ہے اور کچھ تفصیل[1] نہیں فرمائی اور ایسا ہی مجرد میں امام اعظمؒ سے مروی ہے اور اگر قاضی نے غلام مذکور کو بعوض اس مال کے جس کے عوض رہن تھا اقرار دے دیا در حالیکہ بھاگا ہوا تھا پھر وہ مل گیا تو بحال خود رہن ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ایک زمین مرہون پر پانی چڑھ آیا تو وہ بمنزلۂ بھاگے ہوئے غلام کے ہے اس واسطے کہ بسا اوقات پانی جذب ہو جاتا ہے اور زمین لائق انتفاع ہو جاتی ہے پس زمین کے لائق انتفاع ہو جانے کا احتمال باقی ہے پس قرضہ ساقط نہ ہو جائے گا اور حاکم نے مختصر میں ذکر فرمایا کہ مرتہن کا راہن پر کچھ حق نہیں رہا اس واسطے کہ رہن کا مال تلف ہو گیا اس لئے کہ چیز کا تلف ہو جانا یہی ہے کہ قابل انتفاع ہونے سے خارج ہو جائے مثل بکری کے کہ جب وہ مر گئی تو قابل انتفاع نہیں رہتی ہے اس واسطے زمین خرید کردہ قبضہ سے پہلے اگر بحر ہو جائے یعنی دریا بُرد ہو جائے تو بیع باطل ہو جائے گی پھر اگر پانی جذب ہو جائے تو بحال خود رہن ہو گی اور اگر پانی چڑھ آنے سے زمین خراب ہو گئی یا اُس میں سے کوئی درخت اُکھڑ پڑا تو اُسی حساب سے قرضہ میں سے ساقط ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر شیرۂ انگور رہن کیا پھر وہ شراب ہو گیا پھر وہ سرکہ ہو گئی تو بحال خود رہن رہے گا اور قرضہ میں سے بقدر نقصان ساقط ہو جائے گا۔اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ راہن کو اختیار ہے کہ اس کو بعوض قرضہ کے مرتہن کے ذمہ چھوڑ دے اور بکری مرہونہ مر گئی اور اس کی کھال کی دباغت کی گئی تو وہ کھال بقدر اپنے حصہ کے رہن ہو گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے ایک شخص نے شیرۂ انگور دس درم قیمت کا بعوض دس درم قرضہ کے رہن کیا پھر وہ شراب ہو گیا پھر وہ سرکہ ہو گئی کہ جس کی قیمت دس درم ہے تو وہ دس درم قرضہ کے عوض رہن ہوگا کہ راہن اس کو پورے دس درم دے کر چھڑائے گا یہ سراجیہ میں ہے۔ایک ذمی نے دوسرے ذمی کے پاس شراب رہن کی پھر وہ سرکہ ہو گئی مگر اس کی قیمت میں کچھ نقصان نہ آیا تو وہ رہن رہے گا پھر امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک راہن کو اختیار ہوگا چاہے پورا قرضہ دے کر اُسی کو چھڑا لے یا مرتہن سے مثل اپنی شراب کے شراب تاوان لے پس وہ سرکہ مرتہن کی ملک ہو جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک چاہے پورے قرضہ کو ادا کر کے فک رہن کرا لے یا پورے قرضہ کے عوض اس کو مرتہن کے ذمہ چھوڑ دے یہ محیط سرخسی میں ہے۔اگر ایک بکری رہن کی اور وہ مر گئی تو قرضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر مرتہن نے اس کی کھال کی دباغت کرائی تو وہ رہن ہو گی اور یہ حکم بخلاف خریدی ہوئی بکری کے ہے کہ اگر قبضہ کرنے

---

[1] میں کہتا ہوں کہ نوازل میں جو تفصیل میں مذکور ہے وہی ٹھیک معلوم ہوتی ہے اور اسی جانب منتقی میں اشارہ ہے کہ کیونکہ بھاگنے سے جبھی نقصان پیدا ہوگا کہ اول بار مرتہن کے پاس سے بھاگا اور اگر پہلے سے بھگوڑا تھا تو وہی عیب رہا ۱۲ منہ

سے پہلے بائع کے قبضہ میں مرگئی اور بائع نے اس کی کھال کی دباغت کرائی تو اس صورت میں کچھ بھی ثمن کے واسطے رہن نہ ہوگا پس اگر قرضہ دس درم ہو اور بکری کی قیمت دس درم ہو اور اس کی کھال ایک درم کی ہو تو وہ ایک درم کے عوض رہن ہوگی اور اگر رہن کے روز بکری کی قیمت بیس درم ہو اور قرضہ دس درم ہو اور کھال روز دباغت کے ایک درم کی ہو تو نصف درم کے عوض رہن ہوگی اور اگر مسلمان یا کافر سے شراب رہن لی اور وہ اس کے پاس سرکہ ہوگئی تو رہن جائز نہ ہوگا اور راہن کو اختیار ہوگا کہ سرکہ کو لے لے اور اُس کو کچھ اُجرت نہ دے گا اور قرضہ جیسا تھا ویسا ہی رہے گا بشرطیکہ راہن مسلمان ہو اور اگر راہن کافر ہو اور شراب کی قیمت رہن کے روز کی اور قرضہ دونوں برابر ہوں تو اس کو اختیار ہوگا کہ سرکہ مرتہن کے ذمہ چھوڑ دے اور قرضہ باطل ہو لیا بعض نے فرمایا کہ یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور اصح یہ ہے کہ یہ سب کا قول ہے اور یہ حکم بخلاف اس صورت کے ہے جب مرتہن ذمی ہو یعنی جب مرتہن ذمی ہو تو حکم اس کے برخلاف ہے یہ مبسوط میں لکھا ہے فتاویٰ دیناری میں لکھا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے دوسرے مسلمان کو شراب کے عوض کوئی چیز رہن دی اور مال مرہون مرتہن کے پاس تلف ہوگیا تو اس کے تلف ہونے سے تاوان لازم نہ آئے گا اور ایسا رہن باطل ہے اور مرہون اس کے پاس امانت ہوگا اور اس کو اختیار ہے کہ مرتہن سے واپس کر لے اور اگر تلف ہوگیا تو دونوں میں سے کسی کا دوسرے پر کچھ نہ ہوگا اور اگر مرتہن مسلمان ہو اور راہن کافر ہو تو بھی یہی حکم ہے کہ رہن باطل ہے اور راہن کو اختیار ہے کہ اپنا رہن واپس لے اور مرتہن کو کچھ نہ ملے گا اور اگر دونوں کافر ہوں تو دونوں میں رہن صحیح ہے اور فک رہن یا تو شراب کے مثل شراب دے کر لگا یا اگر قرضہ کی شراب خرید لی تو اس کے دام دے کر کرے گا اور اگر مرہون تلف ہوگیا تو جس کے عوض رہن ہے اُسی کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا یہ فصول عمادیہ میں ہے۔ایک شخص نے دوسرے سے ہزار درم کو ایک باندی خریدی اور بائع نے اس کو باندی دینے سے انکار کیا کہ جب تک ثمن نہ لے لوں تب تک نہ دوں گا اور مشتری نے کہا کہ جب تک مجھے نہ دے گا تب تک میں تجھے ثمن نہ دوں گا پھر دونوں نے اس بات پر صلح کی کہ مشتری اس کا ثمن ایک مرد عادل کے پاس رکھے یہاں تک کہ بائع باندی کو مشتری کے سپرد کر دے پھر وہ ثمن مرد عادل کے پاس ہوگیا تو وہ مشتری کا مال گیا اور اگر بائع نے کہا کہ تو ثمن کے عوض اس مرد عادل کے پاس رہن رکھ دے تاکہ میں باندی تجھے دے دوں پس اُس نے ثمن کے عوض رہن رکھ دیا تو بائع کا مال گیا یہ محیط سرخسی میں ہے۔اگر سو درم قرضہ کے عوض دو سو درم قیمت کا غلام رہن رکھا پس مرتہن کے پاس اس کی آنکھ جاتی رہی تو امام اعظمؒ کے نزدیک و امام محمدؒ کے نزدیک سو درم میں سے نصف قرضہ جاتا رہا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غلام مذکور صحیح سالم انداز کیا جائے اور کانا انداز کیا جائے پس جس قدر دونوں میں تفاوت ہو اس قدر کے حساب سے قرضہ میں سے ساقط کیا جائے یہ ینابیع میں ہے۔

اگر مرتہن کے پاس چوپایہ مرہون کی آنکھ جاتی رہی حالانکہ چوپایہ مذکور کی قیمت قرضہ کے برابر تھی تو چوتھائی قرضہ ساقط ہو جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔ایک شخص نے جو کچھ اس کی باندی کے پیٹ میں ہے آزاد کر دیا پھر اس باندی کو رہن کیا تو امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ رہن جائز ہے پھر اگر اس کے بچہ پیدا ہوا اور ولادت سے باندی مذکور میں نقصان آ گیا تو نقصان ولادت کی وجہ سے قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ہزار درم قرضہ کے عوض اپنا غلام دو ہزار درم قیمت کا رہن کیا اس شرط سے کہ مرتہن زیادتی کا یعنی جس قدر اس کی قیمت بہ نسبت قرضہ کے زائد ہے اس کا ضامن ہے یا مرتہن نے یوں شرط لگائی کہ اگر یہ غلام میرے پاس مرجائے تو قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا تو ایسا رہن فاسد ہے اور کبریٰ میں ہے کہ قاضی امام فخر الدینؒ نے فرمایا کہ جب عقد میں لفظ رہن ذکر کیا پھر مرہون کی قیمت کی زیادتی کی ضمان شرط کر لی یہ شرط کر لی کہ رہن میرے پاس امانت ہے تو ایسی صورت میں رہن جائز ہے اور شرط باطل ہے اور اگر لفظ رہن ذکر نہ کیا ہو تو رہن فاسد ہے یہ

تا تارخانیہ میں ہے اور اگر عورت نے اپنے مہر مسمی کے عوض رہن لیا اور مرہون کی قیمت اس کے مہر کے برابر ہے پھر شوہر کو اپنے مہر سے بری کر دیا یا مہر اس کو ہبہ کر دیا اور مرہون کو دینے سے روکا یہاں تک کہ مرہون اس کے پاس تلف ہو گیا تو استحساناً اس پر ضمان نہ ہو گی اسی طرح اگر دخول سے پہلے اپنے شوہر سے اپنے مہر کے عوض خلع کرا لیا پھر مرہون اس کو دینے سے نہ روکا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر بیان نہ کیا (حتی کہ مہر المثل قرار پایا) پھر عورت مذکور کو مہر المثل کے عوض رہن دیا تو ایسے نکاح میں جس میں مہر بیان نہ کیا گیا ہو مہر المثل بمنزلۂ مہر مسمیٰ کے ہے ایسے نکاح میں جس میں مہر بیان کیا گیا ہے پس اگر عورت مذکور کے ساتھ دخول کرنے سے پہلے اس کو طلاق دے دی تو تمام مہر المثل ساقط ہو جائے گا اور اگر عورت مذکورہ کے واسطے متعہ واجب ہو گا پھر قیاساً اُس عورت کو متعہ کے واسطے مرہون کا روکنا جائز نہیں ہے یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور دوسرا قول امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی ہے یہ مبسوط میں ہے۔

چوتھا باب ☆

مرہون کے نفقہ اور جو نفقہ کے مشابہ ہے اس کے بیان میں

اصل اس باب میں یہ ہے کہ رہن کی ذاتی اصلاح اور اس کے باقی رہنے میں جس چیز کی احتیاج ہو وہ راہن کے ذمہ ہے خواہ مال مرہون میں یہ نسبت قرضہ کے زیادتی ہو یا نہ ہو اس واسطے کہ عین مرہون راہن کی ملک میں باقی ہے اور اسی طرح اس کے منافع بھی راہن کی ملک ہیں پس مرہون کی اصلاح اور اس کا باقی رکھنا بھی اسی کے ذمہ ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے مرہون کی خورد ونوش کا خرچہ اور اسی جنس سے رقیق کا کپڑا یعنی لباس اور ولد مرہون کی دائی کی اُجرت و نہر کا اُگارنا اور باغ کا سینچنا اور باغ کے درختان خرمانی نر مادی لگانا اور اس کے پھل کی توڑوائی اور اس کے درستیوں کے کام وغیرہ اور جو خرچہ مرہون کی حفاظت میں پڑے کہ صحیح سالم راہن کو واپس دے یا اس کے کسی جزو کی حفاظت میں پڑے جیسے اس کے زخم کا علاج کرنا تو وہ مرتہن کے ذمہ ہے جیسے نگہبان کی اُجرت یہ تبیین میں ہے۔

مرہون کا کفن راہن کے ذمہ ہے خواہ مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہو یا عادل کے قبضہ میں ہو یہ محیط میں ہے اور جو خرچہ راہن پر واجب ہے اگر اُس کو مرتہن نے انجام دے دیا تو وہ متطوع یعنی احسان کرنے والا ہو گا بشرطیکہ بلا اجازت و حکم راہن ایسا کیا ہو اسی طرح اگر راہن نے وہ خرچہ جو مرتہن پر واجب ہے بدون حکم مرتہن کے خود انجام دے دیا تو وہ بھی متطوع ہو گا اور اگر وہ خرچہ جو راہن پر واجب ہے مرتہن نے بحکم راہن یا بحکم قاضی اُٹھایا تو راہن سے واپس لے سکتا اسی طرح جو خرچہ مرتہن پر واجب ہے راہن نے بحکم مرتہن یا بحکم قاضی اُٹھایا تو وہ مرتہن سے واپس لے سکتا ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر راہن غائب ہو گیا اور مرتہن نے بحکم قاضی مرہون کو نفقہ دیا تو راہن سے واپس لے گا اگر وہ غائب ہو اور اگر حاضر ہو تو واپس نہ لے گا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں واپس لے گا اور فتویٰ اس بات پر ہے کہ اگر راہن حاضر ہو اور اس نے نفقہ دینے سے انکار کیا پھر قاضی نے مرتہن کو نفقہ دینے کا حکم دیا اور اس نے نفقہ دیا تو راہن سے واپس لے گا یہ جواہر اخلاطی میں ہے اور جب راہن نے قرضہ ادا کر دیا تو مرتہن کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ نفقہ وصول کرنے کے واسطے مال مرہون کو راہن کو دینے سے روک لے اور اگر مال مرہون راہن کے پاس تلف ہو گیا تو نفقہ اپنے حال پر رہے گا یعنی راہن سے واپس لے سکتا[1] ہے یہ مضمرات میں ہے اور نفقہ دینے پر مرتہن کے قول کی تصدیق نہ کی

(۱) جب کہ واپس لے سکتا ہو ۱۲

جائے گی جب تک گواہ پیش نہ کرے اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو راہن سے اس کے علم پر قسم لی جائے گی اس واسطے کہ مرتہن نے اس پر ایک قرضہ کا دعویٰ کیا ہے اور وہ منکر ہے اور غیر کے فعل پر جب (۱) قسم لی جاتی ہے تو علم پر لی جاتی ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور دوا کے دام اور طبیب کی اُجرت مرتہن کے ذمہ ہے پس کتاب الرہن میں ایک جگہ یہ مسئلہ اسی طرح مطلق مذکور ہے اور دوسری جگہ کتاب الرہن میں یوں فرمایا کہ جراحات وقروح کی دوائی وامراض کے معالجہ کا خرچہ اور جنایت یعنی جرم کا فدیہ بحساب مرہون کی قیمت کے ہے پس جس قدر اس کی قیمت مضمون ہے اس کے حصہ میں جو خرچہ پڑے وہ مرتہن کے ذمہ ہے اور جس قدر امانت (۲) ہے اس کے حصہ کا خرچہ راہن کے ذمہ ہے اور ایسا ہی امام قدوری نے اپنی شرح میں ذکر فرمایا ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ دوا کے دام اور طبیب کا خرچہ مرتہن کے ذمہ جبھی واجب ہوگا کہ جب جراحت یا مرض مرتہن کے پاس پیدا ہوا ہو اور اگر راہن کے پاس پیدا ہوا ہو تو یہ خرچہ مرتہن کے ذمہ ہوگا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر حال میں مرتہن کے ذمہ ہوگا اور ایک کتاب میں امام محمدؒ کا مطلقاً چھوڑ دینا ایسی تفصیل نہ کرنا اسی بات پر دلالت کرتا ہے کذا فی المحیط۔ اور یہی اظہر ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور فقیہ ابوجعفر ہندوانی سے روایت ہے کہ جو جراحت یا مرض مرتہن کے پاس پیدا ہوا ہو تو اس کی دوائی کے دام اور طبیب کی اجرت مرتہن کے ذمہ ہو گی اور جو راہن کے پاس پیدا ہوا ہو پس اگر مرتہن کے پاس زیادہ نہ ہو گیا حتیٰ کہ اس کی زیادہ مداوات کی ضرورت نہ ہو تو مداوات کا خرچہ راہن کے ذمہ ہے اور اگر مرتہن کے پاس اس میں زیادتی ہو گئی حتیٰ کہ اس میں زیادہ مداوات کی ضرورت ہوئی تو اس کی مداوات مرتہن کے ذمہ ہے لیکن مرتہن پر اس کی مداوات کے واسطے جبر نہ کیا جائے گا بلکہ اس سے کہا جائے گا کہ یہ امر تیرے پاس پیدا ہوا ہے پس اگر تجھ کو اپنے مال کی اصلاح واحیاء منظور ہو تا کہ تیرا مال ڈوب نہ جائے تو تو اس کی دوا کر یہ محیط میں ہے۔

شرح طحاوی میں لکھا ہے کہ مرہون کی حفاظت بذمہ مرتہن ہے حتیٰ کہ اگر راہن نے مرتہن کے واسطے حفاظت کرنے کے عوض کچھ اجرت شرط کر دی تو صحیح نہیں ہے اور مرتہن اس کا مستحق نہ ہوگا اور اگر مال مرہون ایسا جانور ہو جس کے چرانے کی حاجت ہے تو چرواہے کی اجرت بذمہ راہن ہے اور جس جگہ وہ جانور باندھا جاتا ہے اور رات گذارتا ہے اس کا کرایہ بذمہ مرتہن ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور بھاگے ہوئے غلام مرہون کے واپس لانے والے کی مزدوری میں سے بقدر قرضہ کے بذمہ مرتہن اور قرضہ کے حساب سے جو زائد قیمت ہے اس قدر کی مزدوری بذمہ راہن ہے حتیٰ کہ اگر غلام مرہون کی قیمت اور قرضہ برابر ہو یا قیمت کم ہو تو پوری مزدوری بذمہ مرتہن ہو گی اور اگر قرضہ سے اس کی قیمت زیادہ ہو تو مزدوری بقدر قرضہ کے بذمہ مرتہن اور بقدر زیادتی کے بذمہ راہن ہو گی اور اگر مرہون باغ انگور ہو تو اس کی عمارت وخراج بذمہ راہن ہے اس واسطے کہ یہ ملک پر خرچہ ہے اور عشر سو پیداوار میں سے امام المسلمین لے لے گا اور باقی پیداوار کا رہن باطل نہ ہوگا بخلاف اس کے اگر بعض مرہون شائع یعنی غیر مقسوم پر کسی نے استحقاق ثابت کیا تو باقی کا رہن باطل ہو جاتا ہے اور اگر راہن کے مال میں نمونہ (۳) ہو اور راہن نے چاہا کہ وہ نفقہ جو ہم نے اس پر واجب بیان کیا ہے وہ اس نماء کے عوض کر دے یعنی نفقہ نہ دے اور نماء مرتہن کو دے دے تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے یہ بدائع میں ہے۔

---

(۱) یعنی واللہ میں نہیں جانتا ہوں اس نے نفقہ دیا ہے ۱۲ منہ (۲) یعنی جب مرہون کی قیمت بہ نسبت قرضہ کے زائد ہے ۱۲

(۳) یعنی بڑھتی چیز اس سے پیدا ہوئی ہے

پانچواں باب ☆

اُس حق کے بیان میں جو مرتہن کے مرہون میں واجب ہوتا ہے

اگر راہن مر گیا اور اس پر بہت قرضے ہیں تو مرتہن اس مرہون کا مستحق ہے یہ محیط میں ہے۔ یعنی مال مرہون سے پہلے وہ اپنا قرضہ وصول کرے گا پھر باقی میں تمام قرض خواہ شریک ہوں گے فافہم اور مرتہن کو اختیار ہے کہ جس قرضہ کے عوض اس نے مال مرہون رہن کیا ہے اس کے واسطے مرہون کو روک رکھے اور یہ اختیار نہیں ہے کہ اس کا دوسرا قرضہ جو راہن پر رہن کرنے سے پہلے کا یا پیچھے کا ہو اس کے واسطے بھی مال مرہون کو روکے اور اگر راہن نے اُس قرضہ میں سے جس کو عوض رہن دیا ہے تھوڑا ادا کر دیا تو مرتہن کو اختیار ہے کہ باقی تمام قرضہ وصول کرنے تک مال مرہون کو روکے خواہ باقی قلیل ہو یا کثیر ہو یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر ایک شخص نے دوسرے کے پاس کوئی مال ہزار درم[1] قرضہ دینے کے عوض بطور رہن فاسد کے رہن کیا اور باہمی قبضہ ہو گیا پھر دونوں نے بوجہ فساد کے رہن کو توڑ لیا اور راہن نے مال مرہون واپس لینا چاہا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا جب تک کہ مرتہن کو جو اس نے دیا ہے واپس نہ کرے اس واسطے کہ مرتہن نے جو کچھ دیا ہے وہ بمقابلہ اُس مرہون کے دیا ہے جس پر اس نے قبضہ کیا ہے پس راہن کو قبضہ مرتہن توڑ دینے کا اختیار نہ ہوگا جب تک مرتہن کا ادا کیا ہوا مال اس کو واپس نہ دے پھر اگر اس صورت میں راہن مر گیا اور اس پر بہت قرضے ہیں تو مرتہن اس مرہون کا حق دار ہوگا کہ اس مرہون سے وصول کرنے میں بہ نسبت دوسرے قرض خواہوں کے اس کا استحقاق مقدم ہے جیسا کہ راہن کی زندگی میں تھا اور اگر ایک شخص کا دوسرے پر قرضہ آتا ہو پھر قرض دار نے قرض خواہ کو کچھ مال اس قرضہ کے عوض بطور فاسد رہن دیا اور اُس کے سپرد کر دیا پھر دونوں نے رہن کو توڑ لیا اور راہن نے مال واپس لینا چاہا قبل اس کے کہ مرتہن کا قرضہ ادا کرے تو اس کو ایسا اختیار ہے اور اگر اس صورت میں راہن مر گیا اور اس پر بہت قرضے ہیں تو مرتہن اس مال مرہون کا بہ نسبت دوسرے قرض خواہوں کے زیادہ مستحق نہ ہوگا بلکہ سب قرض خواہ برابر ہوں گے جیسا کہ راہن کی زندگی میں مرتہن اس کا بہ نسبت راہن کے زیادہ مستحق نہ تھا یہ محیط میں ہے۔

اگر راہن نے مدبر غلام یا باندی یا ام ولد یا ایسی کوئی چیز جو رہن نہیں ہو سکتی ہے رہن کی تو راہن کو ادائے قرضہ سے پہلے اس کے واپس لے لینے کا اختیار ہوگا خواہ بعوض قرضہ سابقہ کے رہن کیا ہو یا بعوض قرضہ لاحقہ کے رہن کیا ہو یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر کسی شخص کے پاس چند مال عین رہن کئے اور مرتہن نے ان پر قرضہ کر لیا پھر راہن نے تھوڑا قرضہ ادا کر کے چاہا کہ اعیان مرہونہ میں سے کوئی مال عین واپس لے تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس نے ہر ایک مال عین کا حصہ بیان نہ کیا ہو تو اس کو ایسا اختیار نہ ہوگا اور اگر بیان کر دیا ہو تو زیادات میں مذکور ہے کہ اس کو ایسا اختیار ہوگا اور اصل کی کتاب الرہن میں مذکور ہے کہ اس کو ایسا اختیار نہ ہوگا پس بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو حکم اصل میں مذکور ہے وہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور جو زیادات میں مذکور ہے وہ امام محمدؒ کا قول ہے اور بعض مشائخ نے کہا کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں[(1)] ہیں اور یہی اصح ہے اس واسطے کہ ابن سماعہ نے اپنی نوادر میں امام محمدؒ سے بھی ایسا ہی حکم روایت کیا ہے جیسا کہ اصل میں مذکور ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر راہن و مرتہن نے باہم عقد رہن کو فسخ کیا پھر مرتہن نے چاہا کہ مرہون کو روکے تو اس کو اختیار رہے گا اور رہن باطل نہ ہوگا جب تک کہ بطریق فسخ کے مرہون کو واپس نہ کر دے یہ سراجیہ میں ہے۔

[1] یعنی قرضہ پہلے کا نہ تھا بلکہ رہن پر قرضہ دینا ٹھہرا ہے ۱۲ منہ

(1) یعنی اختلاف روایت چنانچہ ایک روایت میں جواز ہے اور دوسری میں نہیں ۱۲

چھٹا باب ☆

راہن کی طرف سے مرہون میں زیادہ کر دینے کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ ہمارے علماء ثلاثہؒ کے نزدیک عقد رہن کے قائم ہونے کی حالت میں مرہون میں زیادہ کرنا استحساناً صحیح ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ہزار درم قرضہ کے مقابلہ میں ایک غلام رہن لیا پھر راہن نے اس کو ایک کپڑا بڑھا دیا تا کہ وہ بھی غلام مذکور کے ساتھ بعوض اس قرضہ کے جس کے مقابلہ میں غلام رہن ہے مرہون رہے تو استحساناً زیادتی صحیح ہے اور زیادتی اصل عقد میں لاحق ہو جائے گی اور یوں قرار دیا جائے گا کہ گویا عقد رہن اس اصل اور زیادتی دونوں پر وارد ہوا ہے حتیٰ کہ غلام مع کپڑے کے اُس قرضہ کے عوض جس میں غلام رہن تھا مرہون ہو جائیں گے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کے پاس سو درم قرضہ کے عوض سو درم قیمت کا غلام رہن کیا پھر دوسرا غلام سو درم قیمت کا رہن میں بڑھا دیا پھر دونوں میں سے ایک غلام مر گیا تو اس کے مرنے سے نصف قرضہ ساقط ہوگا اور نصف غلام مذکور امانت میں تلف ہوا یہ ینابیع میں ہے۔ ایک شخص نے ہزار درم قیمت کی باندی بعوض دو ہزار درم قرضہ کے رہن کی پھر اس کے جسم میں خوبی زیادہ ہوگئی یا نرخ بڑھ گیا یہاں تک کہ وہ دو ہزار درم کی ہوگئی پھر اگر اس کو مولیٰ نے آزاد کر دیا حالانکہ مولیٰ تنگدست ہے تو باندی مذکورہ ہزار درم کے واسطے سعایت کرے گی نہ پورے قرضہ کے واسطے اور اگر اس کی قیمت نہ بڑھی بلکہ اس نے ہزار درم قیمت کا ایک بچہ جنا پھر مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا حالانکہ وہ تنگدست ہے تو دونوں[1] ہزار درم کے واسطے سعایت کریں گے نہ بقدر قیمت دونوں کے اور اگر اس کی قیمت نہ بڑھی اور نہ اس کے بچہ ہوا بلکہ اس کو ایک غلام نے جو دو ہزار درم کا ہے قتل کیا اور اس جرم میں غلام مذکور باندی کے مولیٰ کو دے دیا گیا پس مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو وہ بھی ہزار درم کے واسطے سعایت کرے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔

مدبر ہونے کی حالت میں قیمت میں زیادتی کا بیان ☆

ایک شخص نے ہزار درم کے عوض ایک باندی رہن کی اور اس کے بچہ پیدا ہوا پھر وہ مر گئی پس راہن نے ایک غلام بڑھا دیا اور ہر ایک ماں و بیٹے و غلام کی قیمت ہزار درم ہے تو قرضہ پہلے ماں و بچہ کی قیمت پر تقسیم ہوگا پس ماں کے مرنے سے نصف قرضہ ساقط ہو جائے گا اور بچہ بعوض نصف قرضہ کے رہے گا پس اس کے ساتھ غلام لگایا گیا تو باقی ان دونوں پر نصفا نصف تقسیم ہوگا بشرطیکہ فک[2] رہن کے وقت تک بچہ باقی رہے حتیٰ کہ اگر فک رہن سے پہلے بچہ ہلاک ہو گیا تو ظاہر ہوگا کہ بچہ کے مقابلہ میں کچھ قرضہ نہ تھا اور ماں بعوض پورے قرضہ کے ہلاک ہوئی اور زیادتی یعنی غلام کا زیادہ کرنا صحیح نہیں ہوا ہے حتیٰ کہ اگر غلام بھی بچہ کے ہلاک ہونے سے پہلے یا پیچھے ہلاک ہو گیا تو امانت میں ہلاک ہوگا اور اگر بچہ ہلاک نہ ہوا بلکہ اس کی قیمت بڑھ گئی یہاں تک کہ فک رہن کے روز اُس کی قیمت دو ہزار درم تھی تو پہلے قرضہ میں تہائی تقسیم ہوگا جس میں سے ایک تہائی بمقابلہ ماں کے جو اس کے ہلاک ہونے سے ساقط ہو گیا پھر باقی اس بچہ و زیادتی پر تین تہائی تقسیم ہوگا جس میں سے دو تہائی بمقابلہ بچہ کے اور ایک تہائی بمقابلہ غلام کے ہوگا اور اگر بچہ کی قیمت گھٹ گئی یہاں تک کہ پانچ سو درم رہ گئی تو پہلے قرضہ ماں و بچہ پر تین تہائی تقسیم ہوگا جس میں سے دو تہائی بمقابلہ ماں کے جو اُس کے مرنے کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور ایک تہائی باقی اس بچہ اور زیادہ کئے ہوئے غلام پر تین تہائی تقسیم ہوگا جس میں سے ایک تہائی بمقابلہ بچہ کے اور دو تہائی بمقابلہ زیادہ کئے ہوئے غلام کے ہوگا یہ کافی میں ہے۔ ایک شخص نے ہزار درم قیمت کا غلام بعوض دو ہزار درم قرضہ کے

---

[1] یعنی دونوں باندی مع بچہ کے ہزار درم کے واسطے کمائی کریں [2] یعنی رہن چھڑانا ۱۲

رہن کیا پھر اس کے جسم کی خوبی یا مزاج بڑھ جانے سے وہ دو ہزار درم کا ہو گیا پھر مولیٰ نے اس کو مدبر کر دیا حالانکہ وہ تنگدست ہے تو غلام مذکور پورے قرضہ کے واسطے سعایت کرے گا اور اگر مدبر مذکور نے ہنوز کچھ سعایت نہ کی ہو کہ مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو بھی پورے قرضہ کے واسطے سعایت کرے گا درحالیکہ مولیٰ تنگدست ہے اس واسطے کہ اس قدر مال وصول کر لینا اس کے رقبہ سے اس طرح متعلق ہے کہ اس کی کمائی سے پورا حاصل کیا جائے پس ساقط نہ ہوگا اور اگر مدبر ہونے کی حالت میں اس کی قیمت میں زیادتی ہوگئی کہ دو ہزار درم کا ہو گیا پھر مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو دو ہزار درم کے واسطے سعایت کرے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔

قرضہ میں زیادہ کر دینا امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نہیں صحیح ہے بخلاف امام ابو یوسفؒ کے حتیٰ کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کے قرضہ میں اس کو ایک غلام رہن دیا پھر راہن کے مرتہن سے قرض لینے یا کوئی چیز خریدنے یا اور کسی سبب سے راہن پر اس کا اور قرضہ جدید پیدا ہو گیا پھر اس نے قدیمی قرضہ کے رہن کے غلام کو قدیمی وجدید دونوں قرضوں میں رہن کر دیا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک قرضہ جدید میں رہن نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر غلام مذکور ہلاک ہو گیا تو بعوض قرضہ قدیم کے تلف ہوگا قرضہ جدید کے عوض تلف نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قدیم وجدید دونوں قرضہ کے عوض رہن ہو جائے گا اور اگر ہلاک ہو تو دونوں کے عوض ہلاک ہوگا اور واضح ہو کہ جب مرہون میں مال زیادہ کر دینا صحیح ٹھہرا تو مرہون اسی قدر قرضہ کے عوض رہن ہوگا جو زیادہ کئے ہوئے مال کے زیادہ کرنے کے وقت قائم ہو نہ اس قرضہ کے عوض جو ساقط ہو گیا ہے یا مرتہن نے اس کو بھر پایا ہے اس واسطے کہ رہن ایفاء[1] ہے اور قرضہ ساقط کا یا جو بھر پایا ہے اس کا ایفاء متصور نہیں ہے اور اصل اور زیادتی پر دونوں کی مقدار قیمت کے حساب سے قرضہ تقسیم کیا جائے گا لیکن اصل کی قیمت وہ معتبر ہوگی جو عقد رہن کی وجہ سے قبضہ کرنے کے وقت تھی اور زیادتی کی وہ قیمت معتبر ہوگی جو زیادتی شرط کرنے کی وجہ سے قبضہ کرنے کے وقت ہے پھر جو مرہون اس کے بعد تلف ہو وہ اس قدر قرضہ کے عوض تلف ہوگا جس کے عوض وہ رہن ہے اور جو باقی ہے وہ اس قدر کے عوض رہن رہے گا جس کے عوض رہن تھا اور نمو رہن دو قسم کا ہوتا ہے ایک قسم وہ ہے جو رہن میں داخل نہیں ہوتا ہے اور وہ ایسا نمو ہے جو اصل عین سے پیدا نہ ہوا اور نہ اجزائے عین میں سے کسی جزو کا بدل ہو جیسے کمائی و ہبہ (۱) کیا ہوا یا صدقہ دیا ہوا مال اور اس کے امثال اور ایک قسم وہ ہے جو رہن میں داخل ہوا اور وہ ایسا نمو[2] ہے جو عین مرہون سے متولد ہو جیسے بچہ اور پھل و صوف اور پشم یا اجزائے عین میں سے کسی جز کا بدل ہو جیسے ارش و عقر اور اس قسم کے نمو کے رہن میں داخل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ یہ مثل عین کے محبوس ہوتے ہیں یعنی روکے جاتے ہیں لیکن مضمون نہیں ہوتے ہیں اور نہ ان کے جانب حکم ضمان ساری ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر فک رہن سے پہلے ایسا نمو تلف ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا اور جب اس قسم کے نمو رہن میں اصل کے ساتھ بر معنی مذکور داخل ہوئے تو جو کچھ قرضہ اصل مرہون کے مقابلہ میں ہے وہ اصل اور اس نمو دونوں پر باعتبار دونوں کی قیمت کے تقسیم ہوگا۔ اس واسطے کہ بدون مقابلہ قرضہ کے رہن نہیں ہوتا ہے پس قرضہ کا دونوں پر تقسیم کر دینا واجب ہوا لیکن بایں شرط کہ فک رہن کے وقت تک یہ نمو باقی رہے پس جب فک رہن کے وقت تک نمو باقی ہو تو تقسیم مذکور متقرر ہو جائے گی اور اگر فک رہن سے پہلے نمو تلف ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں کچھ قرضہ ساقط نہ ہوگا اور ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا نمو کا وجود نہ تھا اور پورا قرضہ بمقابلہ (۲) اصل مرہون تھا یہ محیط میں ہے اور قرضہ اصل مرہون کی قیمت پر روز قبضہ کے اعتبار سے اور زیادتی کی قیمت پر روز فک رہن کے اعتبار سے تقسیم ہوگا اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب اصل کی قیمت ایک ہزار درم ہوں اور بچہ کی قیمت ہزار درم ہوں تو قرضہ بظاہر ان دونوں پر

---

[1] جس کو ہمارے عرف میں بھر پائی بولتے ہیں ۱۲ [2] زیادہ ہونے و بڑھنے کو کہتے ہیں ارش کسی زخم کا جرمانہ ہے اور وہ عقر وطی بیجا کا مہر ہے ۱۲

(۱) یعنی مرہون کو کسی نے ہبہ دیا یا صدقہ دیا ۱۲ (۲) جیسے بچہ مر گیا تو قرار دیا جائے گا کہ پورا قرضہ بمقابلہ ماں کے تھا ۱۲

نصفا نصف ہوگا پھر اگر بچہ مر گیا تو مفت گیا اور اس کی ماں پورے قرضہ کے عوض رہن رہے گی اور اگر ماں مر گئی اور بچہ رہا پس اگر راہن نے فک رہن کر لیا تو نصف قرضہ کے عوض فک رہن کر لے اور اگر ماں کے مرنے کے بعد بچہ مر گیا تو مفت مر گیا اور ایسا ہو گیا کہ گویا اس کا وجود ہی نہ تھا پس پورا قرضہ اس کی ماں کے مرنے سے ساقط ہوا اور اگر دونوں میں سے کوئی نہیں مرا لیکن نرخ بدل جانے کی وجہ سے ماں کی قیمت میں نقصان آ گیا کہ وہ پانچ سو درم قیمت کی رہ گئی یا زیادتی ہو گئی کہ وہ ہزار درم قیمت کی ہو گئی اور بچہ وہی ایک ہزار درم قیمت کا رہا تو قرضہ دونوں پر نصفا نصف رہے گا جیسا پہلے تھا اس سے متغیر نہ ہوگا اور اگر ماں اپنے حال سابق پر رہی اور بچہ کی قیمت بسبب عیب پیدا ہو جانے یا نرخ بدل جانے کے گھٹ گئی کہ پانچ سو درم رہ گئی تو قرضہ ان دونوں پر تین تہائی ہوگا کہ دو تہائی ان کے مقابلہ میں اور ایک تہائی بچہ کے مقابلہ میں ہوگا اور اگر بچہ کی قیمت بڑھ گئی کہ دو ہزار درم کا ہو گیا تو تہائی قرضہ بمقابلہ ماں کے اور دو تہائی قرضہ بمقابلہ بچہ کے ہوگا حتی کہ اگر اس کی ماں مر گئی تو بچہ بمقابلہ دو تہائی قرضہ کے مرہون رہے گا اور یہ حکم بنا بر اُس کے اصل کے جو ہم نے بیان کی ہے کہ اصل کی قیمت روز قبضہ کی اور زیادتی کی قیمت روز انفکاک رہن کی معتبر ہوتی ہے سطرد ہے یہ محیط سرخسی میں ہے پھر جب یہ قسم نمو کی اصل کے ساتھ مرہون ٹھہری تو اس کی وجہ سے جو قرضہ ساقط ہو گیا ہے اس میں سے بعوض عود کر آتا ہے چنانچہ اگر مرہون ایک باندی ہو اور وہ کانی ہو گئی حتی کہ نصف قرضہ[1] ساقط ہو گیا پھر اس کے بعد اس کے ایک بچہ پیدا ہوا تو بعض قرضہ ساقط عود کرے گا اور کانی ہونے کے بعد بچہ پیدا ہونا ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا کانی ہونے سے پہلے بچہ جنی ہے اور جو زیادتی کی مشروط ہوتی ہے جب وہ اصل کے ساتھ مرہون ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ سے قرضہ ساقط میں سے کچھ عود نہیں کرتا ہے اور مرہون باندی کے کانی ہونے کے بعد زیادتی ایسی نہیں قرار دی جائے گی کہ جیسے کانی ہونے سے پہلے زیادتی مشروط ہوتی ہے یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے ایک باندی ہزار درم قیمت کی بعوض ہزار درم قرضہ کے رہن کی پھر وہ کانی ہو گئی تو نصف قرضہ ساقط ہو جائے گا اس واسطے کہ آدمی کی آنکھ اُس کا نصف ہے پھر اگر ایک غلام پانچ سو درم قیمت کا بڑھا دیا تو زیادتی صحیح ہے کیونکہ جس مال مرہون پر زیادہ کیا ہے وہ موجود ہے پس باقی نصف قرضہ ان دونوں پر نصفا نصف تقسیم ہوگا یعنی بقدر ہر ایک کی قیمت کے برابر تقسیم ہوگا پھر اگر وہ کانی باندی ایک بچہ جنی جو ہزار درم قیمت تھا تو پورا قرضہ اس باندی اور اس کے بچہ پر برابر تقسیم[2] ہوگا اور تقسیم قرضہ کے واسطے کانی ہونے کے بعد جو بچہ ہوا ہے وہ ایسا قرار دیا جائے گا گویا کانی ہونے سے پہلے پیدا ہوا ہے اس واسطے کہ بچہ اصل عقد سے ملتحق ہوتا ہے پس ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا وقت عقد کے موجود تھا پس باندی کے کانی ہونے کی وجہ سے جس قدر قرضہ کے مقابلہ میں باندی پڑی ہے اس کا نصف ساقط ہوگا اور یہ مقدار پورے قرضہ کا چوتھائی حصہ ہے اور باندی کے مقابلہ میں چوتھائی حصہ اور بچہ کے مقابلہ میں نصف قرضہ رہا لیکن بچہ میں سے نصف بچہ اصل ہو گیا بسبب اس کے کہ نصف باندی فوت ہو گئی ہے اور نصف بچہ تابع رہ گیا اس سبب سے کہ نصف باندی باقی ہی اور نصف بچہ جو تابع ہے اس کے مقابلہ کا چوتھائی قرضہ غلام زائد کردہ شدہ تقسیم کرنے کے حق میں ایسا قرار دیا جائے گا گویا وہ باندی میں ہے اس واسطے کہ جو مال زیادہ کیا گیا ہے وہ بچہ کے اس نصف کے تابع نہ ہوگا جو ماں کا تابع ہے پس باندی کے مقابلہ میں پانچ سو درم ہوئے اور بچہ کے مقابلہ میں دو سو پچاس درم رہے پس زیادتی کا غلام ان دونوں پر تین تہائی تقسیم ہوگا (پس اس کا دو تہائی حصہ باندی کے ساتھ مرہون ہوگا اور ایک تہائی حصہ نصف بچہ کے ساتھ جو اصل ہے مرہون ہوگا) پھر پورے قرضہ کا چوتھائی حصہ نصف بچہ کے مقابلہ میں جو اصل ہو گیا ہے اس نصف بچہ اور تہائی زیادتی پر بحساب ہر ایک کی قیمت کے تقسیم ہوگا اور نصف بچہ اصل کی قیمت پانچ سو درم ہے اور تہائی زیادتی کی قیمت پانچ سو درم کی تہائی ہے پس ہم نے پانچ سو کی تہائی کی

(۱) عندالاعظم ۱۲ (۲) یعنی نصفا نصف ۱۲

ایک سہم[1] قرار دیا پس تہائی زیادتی سہم ہوا اور نصف بچہ کے تین سہم ہوئے (جس کا مجموعہ چار سہم ہوا) پس چوتھائی قرضہ چار پر تقسیم ہوا اور کمتر ایسا عدد جس کی چوتھائی کا چہارم حصہ نکلے سولہ ہے پس ہم نے قرضہ کے سولہ حصہ کئے جس کا چوتھائی چار ہوئے پس یہ نصف بچہ اور تہائی زیادتی کے درمیان چار پر تقسیم کیا گیا اور باندی کے حصہ میں نصف قرضہ آٹھ ہوا پس اس قدر اس باندی اور دو تہائی زیادتی کے درمیان بقدر ان دونوں کی قیمت کے تقسیم کیا گیا اور دو تہائی زیادتی کی قیمت پانچ سو درم کی دو تہائی ہے اور باندی کی قیمت پانچ سو درم ہے پس تفاوت دونوں میں پانچ سو کی تہائی ہے پس ہم نے پانچ سو درم کی تہائی کو ایک سہم مقرر کیا تو ان سب سہموں کا مجموعہ پانچ سہم ہوئے پھر اگر نصف قرضہ یعنی آٹھ ان دونوں پر پانچ حصے ہو کر تقسیم ہو تو پورا نہیں پڑتا ہے اس واسطے ہم نے اصل مسئلہ یعنی سولہ کو پانچ پر ضرب دی تا کہ اسی ہو گئے (یعنی قرضہ اسی قرار دیا) اور اس سے مسئلہ کا استخراج کیا سو باندی کانی ہو جانے کی وجہ سے چہارم یعنی بیس ساقط ہوئے اور نصف بچہ اصل کے مقابلہ میں چہارم یعنی بیس ہوئے جو اس نصف اصل اور تہائی زیادتی کے درمیان چار پر تقسیم ہوئے پس ایک چوتھائی یعنی پانچ بمقابلہ تہائی زیادتی کے اور تین پانچویں یعنی پندرہ بمقابلہ نصف بچہ کے ہوئے پھر جو قرضہ بمقابلہ باندی کے ہے یعنی چالیس وہ اس باندی اور دو تہائی زیادتی کے درمیان پانچ ہی پر تقسیم ہو جس میں سے دو پانچویں حصے یعنی سولہ بمقابلہ دو تہائی زیادتی کے اور تین پانچویں یعنی چوبیس بمقابلہ باندی کے ہوئے اور یہ چوبیس جو باندی کے مقابلہ میں ہے در حقیقت باندی کے اور نصف بچہ تابع کے درمیان ہر ایک کے واسطے بارہ بارہ ہیں کہ مجموعہ ہو کر باندی کے حق میں چوبیس پڑے ہیں پس زیادتی کے واسطے ایک مرتبہ پانچ پڑے اور ایک دفعہ سولہ ہوئے پس مجموعہ اکیس ہوا اور یہی معنی امام محمدؒ کے اس قول کے ہیں کہ راہن جب فک رہن چاہے تو کانی باندی اور اس کے بچہ کو تمام قرضہ کے اسی جزوں میں سے انتالیس جزو کے عوض فک رہن کرا لے گا اور زیادتی کا فک رہن بعوض اکیس جزو کے کرا لے گا اور بیس جزو تمام قرضہ سے ساقط ہو جائیں گے اور یہ مسئلہ مسئلہ ملقب عور او ثمانین کہلاتا ہے یہ کافی میں ہے۔

اگر راہن نے مرتہن کو ہزار درم قرضہ میں سے پانچ سو درم ادا کر دیئے پھر اس کو باندی مرہونہ کے ساتھ مرہون رکھنے کے واسطے ایک غلام دو ہزار درم قیمت کا بڑھا دیا تو یہ زیادتی باقی پانچ سو درم کے ساتھ ملحق ہو گی پس باندی کی نصف قیمت یعنی پانچ سو درم اور غلام زائد کردہ شدہ کی قیمت یعنی دو ہزار درم پر تین تہائی تقسیم ہو گا جس میں سے دو تہائی بمقابلہ غلام کے اور ایک تہائی بمقابلہ باندی کے رکھا جائے گا کہ اگر غلام مر گیا تو بعوض پانچ سو درم کی دو تہائی کے تلف ہو گا یعنی تین سو تینتیس درم و تہائی درم قرضہ کے عوض تلف ہو گا اور اگر باندی تلف ہوئی تو تہائی قرضہ کے عوض یعنی بعوض ایک سو چھیاسٹھ درم و دو تہائی درم کے عوض تلف ہو گی اور اگر راہن پانچ سو درم ادا کئے پھر مرہون میں زیادتی کرنے سے پہلے باندی مذکور کانی ہو گی پھر ہزار درم کا ایک غلام بڑھایا تو دو سو پچاس[(1)] درم قرضہ آدھی کانی باندی اور پوری زیادتی پر پانچ حصے ہو کر تقسیم ہو گا جس میں سے چار حصے بمقابلہ زیادتی کے اور ایک حصہ بمقابلہ کانی باندی کے ہو گا یہ بدائع میں ہے۔ اور اگر مرتہن نے راہن کی اجازت سے درختان مرہونہ کے پھل کھا لئے تو قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہو گا اسی طرح اگر مرہون کی اجازت سے راہن نے بالفعل لے کر کھا[(۲)] لئے یا ان دونوں کی اجازت سے کسی اجنبی نے کھا لیے تو بھی قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہو گا لیکن اس کا حصہ قرضہ جانب اصل عود نہ کرے گا بخلاف تلف ہو جانے کی صورت کے اس واسطے کہ

[1] یعنی حصہ ۱۲ [2] یعنی درختان کے ثمر پیدا ہونے سے قرضہ اصل اور نمو یعنی پھلوں پر تقسیم ہو گا اور جب پھل اس طرح تلف کئے گئے تو چاہئے کہ موافق خود نمو تلف ہونے کے قرضہ جو ان پھلوں کے مقابلہ میں ہو گیا تھا پھر وہ اصل کے مقابلہ میں ہو جائے سو فرمایا کہ ایسا ہو گا ۱۲ منہ

(۱) یعنی کانی ہونے کے بعد پانچ سو درم کا بقیہ نصف ساقط ہوا اور نصف ۱۲ (۲) اس میں اصلی اجازت کہ اسی کی مرتہن کی طرف سے اور روک سے چھوڑ دینے کی اجازت مرتہن کی طرف سے ہے ۱۲

خود تلف ہو جانے کی صورت میں ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا یہ پھل پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور یہ صورت تو تلف کر دینے کی ہے لیکن چونکہ باجازت ہے اس واسطے موجب ضمان نہیں ہے لہٰذا اگر اس کے بعد اصل یعنی درختان مرتہن کے پاس تلف ہو جائیں تو اپنے حصہ قرضہ کے عوض تلف ہوں گے یعنی قرضہ ان درختوں کے قبضہ کے روز کی قیمت پر اور نمو یعنی پھلوں کے تلف کرنے کے روز کی قیمت پر تقسیم ہوگا پس جس قدر ان درختوں کے مقابلہ میں پڑے اس کے عوض تلف شدہ قرار پائیں گے اسی طرح اگر پہلے اصل ہوئے حالانکہ اس کی نمو ہنوز قائم تھی پھر اس کو مرتہن نے باجازت رہن یا راہن نے باجازت مرتہن یا اجنبی نے ان دونوں کی اجازت سے کھا لیا تو جس قدر اس نمو کے مقابلہ میں قرضہ پڑا تھا وہ ساقط نہ ہوگا اور مرتہن اس کو راہن سے لے لے گا بخلاف خود بخود تلف ہو جانے کی صورت کے اور اگر اس نمو کو راہن نے بلا اجازت مرتہن کے یا مرتہن نے بلا اجازت راہن کے یا اجنبی نے بلا اجازت ان دونوں کے کھا لیا تو کھانے والا ان کی قیمت تاوان دے گا جو ان کے مقام پر قائم کی جائے گی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

اگر دو باندیاں دو ہزار درم قیمت کی ہر ایک کی ایک ایک ہزار ہے بعوض دو ہزار درم کے رہن کیں پھر ایک باندی کے بچہ ہزار درم قیمت کا پیدا ہوا پھر اس کی ماں مر گئی اور بچہ زندہ رہا تو پہلے قرضہ دونوں باندیوں پر تقسیم کیا جائے گا پھر جس قدر اس بچہ کی ماں کے پرتے میں پڑا ہے وہ اس کے اور اس کی ماں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا پس ماں کے مر جانے سے چوتھائی قرضہ ساقط ہو جائے گا اور بچہ کے مقابلہ میں چوتھائی قرضہ باقی رہے گا اور نصف قرضہ زندہ باندی کے مقابلہ میں رہے گا پھر اگر ہزار درم قیمت کا غلام زیادہ کر دیا تو یہ غلام باقی باندی اور بچہ پر بقدر دونوں کے مقابل قرضہ کے تین تہائی تقسیم ہوگا پس زیادتی کا تہائی حصہ بچہ کے تابع ہو کر رہن ہوگا پھر جس قدر قرضہ بمقابلہ بچہ کے ہے وہ بچہ اور اس کے ساتھ جس قدر حصہ غلام زیادہ کردہ شدہ مرہون ہے دونوں پر بحساب دونوں کی قیمت کے تقسیم ہوگا اور بچہ کی قیمت ہزار درم ہے اور تہائی حصہ غلام زائد کی قیمت ہزار درم کی تہائی ہے پس ہزار کی تہائی ایک سہم قرار دیا جائے گا پس جو قرضہ بمقابلہ بچہ کے ہے وہ چار پر تقسیم ہو کر ایک چوتھائی بمقابلہ تہائی غلام زائد کے اور تین چوتھائی بمقابلہ بچہ کے ہوگا اور وہ دو تہائی غلام زائد باقی باندی کے ساتھ مرہون ہوگا پس جو قرضہ بمقابلہ باندی کے تھا وہ ان دونوں پر بحساب دونوں کی قیمت کے تقسیم ہوگا اور دو تہائی غلام زائد کی قیمت ہزار کی دو تہائی ہے اور باندی زندہ کی قیمت ہزار درم ہے پس ہزار کی تہائی ایک سہم مقرر کر کے جو قرضہ بمقابلہ باندی کے ہے پانچ پر تقسیم ہوگا جس میں سے دو پانچویں حصے بمقابلہ دو تہائی غلام زائد کے اور تین پانچویں حصہ بمقابلہ زندہ باندی کے رہیں گے پھر اگر غلام یا زندہ باندی تلف ہو تو جس قدر کے مقابلہ میں مرہون ہے اسی قدر کے عوض تلف شدہ قرار پائے گی اور اگر بچہ تلف ہو جائے تو یہ ظاہر ہوگا کہ اس کی ماں بعوض ہزار درم کے تلف ہوئی اور بچہ کے مقابلہ میں گویا کچھ قرض نہ تھا اور جو غلام زیادہ کیا گیا ہے وہ زندہ باقی کے ساتھ میں زیادہ ہوا ہے اور اگر بچہ کی قیمت بڑھ کر دو ہزار درم ہو گئی ہو اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو جس قدر قرضہ اس کی ماں کے مقابلہ میں ہے یعنی ہزار درم وہ ان دونوں پر باعتبار ان کی قیمت کے تین تہائی تقسیم ہوگا جس میں سے ایک تہائی نصف قرضہ میں سے اس کی ماں کے مرنے سے ساقط ہو گیا اور ہزار کی دو تہائی قرضہ بمقابلہ اس کے بچہ کے باقی رہا اور غلام زائد کردہ شدہ اس بچہ اور دوسری زندہ باندی پر بقدر ان دونوں کی قیمت کے پانچ پر تقسیم ہوگا جس میں سے دو پانچویں حصے اس بچہ کے ساتھ مرہون رہیں گے اور تین پانچویں حصے زندہ باقی کے ساتھ مرہون ہوں گے پھر جس قدر قرضہ کے عوض بچہ مرہون ہے یعنی ایک ہزار درم کی دو تہائی وہ اس بچہ اور دو پانچویں حصے غلام زائد پر بقدر دونوں کی قیمت کے تقسیم ہوگا پس چھ حصہ ہو کر پانچ حصہ بمقابلہ بچہ کے اور ایک چھٹا حصہ بمقابلہ دو پانچویں حصہ غلام زائد کے ہوگا اس واسطے کہ دو پانچویں حصہ غلام کی قیمت چار سو درم ہیں اور بچہ کی قیمت دو ہزار درم ہیں پس ہر چار سو کا ایک سہم قرار دیا گیا کہ جملہ چھ سہام ہوئے اور غلام زائد کے تین پانچویں حصے زندہ باندی کے

ساتھ مرہون ہوں گے پس جس قدر قرضہ بمقابلہ زندہ باندی کے ہے وہ باندی اور تین پانچویں حصہ غلام زائد پر بحساب دونوں کی قیمت کے آٹھ پر تقسیم ہوگا اور تین پانچویں حصہ زائد کی قیمت چھ سو درم ہیں اور باندی کی قیمت ہزار درم ہیں پس ہر دو سو کا ایک سہم قرار دیا گیا پس سب کے آٹھ سہام ہوئے جس میں سے پانچ سہام بمقابلہ باندی کے اور تین سہام بمقابلہ حصہ غلام زائد کے ہوں گے یہ کافی میں ہے اور اگر باندی مرہونہ کے ایک ساتھ دو بچے یا تین بچہ پیدا ہوئے یا متفرق پیدا ہوئے تو دونوں صورتیں یکساں ہیں یعنی تمام قرضہ باندی کے قبضہ کے روز کی قیمت اور ان بچوں کے فک رہن کے روز کی قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوگا اور اگر باندی کے بیٹی ہوئی پھر اس بیٹی کے بچہ ہوا تو یہ دونوں حکماً دو بچوں کے مانند ہیں یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ساتواں باب ☆

مال قرضہ وصول پانے کے وقت مال مرہون سپرد کرنے کے بیان میں

امام محمدؒ نے زیادات میں ذکر فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے کے پاس ہزار درم قرضہ کے عوض ہزار درم قیمت کی باندی رہن کی پھر مرتہن نے رہن سے اپنا قرضہ طلب کیا کہ جب تک مرہونہ باندی کو نہ لائے گا تب تک نہ دوں گا حالانکہ راہن و مرتہن اپنے شہر میں موجود ہیں تو مرتہن کو حکم دیا جائے گا کہ پہلے باندی کو حاضر کرے اور اگر راہن و مرتہن سے اس شہر کے سوائے جس میں رہن واقع ہوا ہے دوسرے شہر میں ملاقات ہوئی اور مرتہن نے اُس سے اپنا قرضہ طلب کیا اور راہن نے انکار کیا کہ جب تک مال مرہونہ نہ لائے گا تب تک نہ دوں گا تو راہن پر ادائے قرضہ کے واسطے جبر کیا جائے گا اور مرتہن کو مال مرہونہ حاضر کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا خواہ مال مرہون ایسی چیز ہو جس کی بار برداری و خرچہ پڑتا ہے یا ایسی چیز ہو جس کے واسطے بار برداری و خرچہ نہیں ہے۔ اور ہمارے بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ حکم ایسے مال مرہون کے حق میں جس کے واسطے بار برداری و خرچہ ہے حکم قیاسی ہے اور استحساناً یہ حکم ہے کہ مرتہن پر مال مرہونہ پہلے حاضر کرنے کے واسطے جبر کیا جائے گا اور بعض مشائخؒ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ یہ حکم جو امام محمدؒ نے ذکر فرمایا ہے قیاساً و استحساناً دونوں طرح یہی حکم ہے اور یہی صحیح ہے کذا فی المحیط اور اگر مرتہن نے کہا کہ مرہونہ باندی میرے گھر میں ہے تو مجھ کو میرا قرضہ دے دے اور میرے ساتھ چل کر میرے گھر سے وہ باندی لے لے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا بلکہ اس کو باندی مذکور حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا پھر جب مرتہن اس کو حاضر لایا تو راہن کو حکم دیا جائے گا کہ پہلے اس کا قرضہ ادا کر دے یہ خلاصہ میں ہے۔

اگر ایک شخص کے دوسرے پر ہزار درم قسط وار ادا کرنے کی شرط پر قرض ہیں پھر قرض دار نے تمام مال قرضہ کے عوض کچھ مال جس کی قیمت مقدار قرضہ کے برابر ہے رہن دیا پھر ایک قسط کا وقت آیا اور مرتہن نے اس قسط کے قدر مال کا مطالبہ کیا اور راہن نے دینے سے انکار کیا کہ جب تک مال مرہون کو حاضر نہ کرے گا تب تک نہ دوں گا تو مرتہن پر مال مرہون حاضر کرنے کے واسطے جبر نہ کیا جائے گا اس واسطے کہ اس کے حاضر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر راہن نے کہا کہ مال مرہون تلف ہو گیا ہے اور مرتہن اپنے مال کا بھر پانے والا ہو گیا اور مجھ پر اس کے قرضہ میں سے کچھ بھی ادا کرنا واجب نہیں ہے اور قاضی سے درخواست کی کہ مرتہن کو حکم دے کر مرتہن اس کو حاضر کرے تاکہ اس کا حال معلوم ہو جائے تو قیاساً یہ حکم ہے کہ قاضی اس کو حاضر لانے کا حکم نہ دے گا اور استحساناً یہ حکم ہے کہ اگر دونوں اسی شہر میں ہوں جہاں رہن واقع ہوا ہے تو قاضی اس کو حکم دے گا کہ حاضر کرے اور اگر قاضی کی رائے میں یہ آئے کہ باوجود اُسی شہر میں ہونے کے مرتہن کو مال مرہون حاضر کرنے کا حکم نہ دے بلکہ مرتہن سے اس امر پر قطعی قسم لے کہ واللہ مال مرہون ضائع نہیں ہوا اور نہ ہلاک ہوا ہے اور راہن کو حکم دے کہ جس قدر قسط کی میعاد آ گئی ہے اس قدر مرتہن کو ادا کر دے تو قاضی

کو ایسا کرنے کا اختیار ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر مال مرہون ایک شخص عادل کے پاس ہو اور اس کی اجازت ہو کہ دوسرے کے پاس ودیعت رکھے اور عادل نے ایسا کیا ہو پھر مرتہن نے آ کر اپنا قرضہ طلب کیا تو مرتہن کو مال مرہون حاضر کرنے کی تکلیف نہ دی جائے گی اور راہن کو مال قرضہ دے دینے کا حکم کیا جائے گا اس واسطے کہ راہن قبضہ مرتہن پر راضی نہیں ہوا ہے پس مرتہن کے ذمہ ایسی چیز کا حاضر کرنا لازم نہیں ہوگا جو اس کے قبضہ میں نہیں آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر مال مرہون کو مرتہن نے عادل سے لے لیا تو غاصب ضامن قرار دیا جائے گا پس کیونکہ اس کے ذمہ ایسی چیز کا حاضر کرنا لازم ہوگا جس کے لے لینے سے وہ غاصب ٹھہرتا ہے اور اگر عادل نے مال مرہون ایسے شخص کے پاس ودیعت رکھا جو اس کے عیال میں ہے اور خود کہیں غائب ہو گیا اور مرتہن نے اپنا قرضہ طلب کیا اور مودع نے کہا کہ میرے پاس فلاں شخص نے یہ مال ودیعت رکھا ہے مگر میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ کس کا مال ہے یا عادل مذکور مال مرہون لے کر کہیں غائب ہو گیا اور یہ پتہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کہاں گیا ہے تو مرتہن کو مال مرہون حاضر کرنے کی تکلیف نہ دی جائے گی مگر راہن پر ادائے قرضہ کے واسطے جبر کیا جائے گا اس واسطے کہ مرتہن مال مرہون سپرد کرنے سے عاجز ہے اور اگر مودع نے اس مال کی ودیعت ہونے سے انکار کر کے کہا کہ یہ مال میرا ہے تو مرتہن مال قرض وصول نہیں کر سکتا ہے اس واسطے کہ ایسے انکار سے مال مرہون تلف شدہ قرار دیا جائے گا پس استیفاء[1] قرض ثابت ہوگا پس جب تک مرتہن اس امر کو ثابت نہ کرائے کہ یہ مال مرہون ہے تب تک اپنا مال قرض وصول نہیں کر سکتا ہے یہ کافی میں ہے۔

عادل کے پاس رہن مالِ مرہون تلف ہو گیا تو اس کی چند صورتوں کا بیان ☆

ایک دوسرے کے پاس ایک باندی رہن کر کے ایک شخص عادل کے قبضہ میں رکھائی پھر عادل مذکور مر گیا اور ایسے شخص کے پاس جو اس کی عیال میں ہے باندی کو ودیعت رکھ گیا پھر مرتہن نے آ کر راہن سے اپنا قرضہ طلب کیا اور راہن نے کہا کہ جب تک تو مال مرہون حاضر نہ کرے گا تب تک میں تجھے نہ دوں گا اور مودع نے کہا کہ یہ باندی میرے واسطے فلاں شخص نے ودیعت رکھی ہے مگر میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ یہ باندی کس شخص کی ہے تو راہن پر ادائے قرضہ کے واسطے جبر کیا جائے گا پھر اگر وہ باندی عادل کے پاس تلف ہو گئی تو جو کچھ راہن نے مرتہن کو دیا ہے اس سے واپس لے گا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر راہن نے یہ دعویٰ کیا کہ مال مرہون[2] تلف ہو گیا ہے تو مرتہن سے اس کے علم پر قسم لی[ا] جائے گی پس اگر وہ قسم کھا گیا تو راہن پر ادائے قرضہ کے واسطے جبر کیا جائے گا اور اگر قسم سے انکار کر گیا تو جبر نہ کیا جائے گا اور اگر غلام رہن ہو اور اس کو کسی شخص نے خطا سے قتل کر ڈالا اور قاتل کی مددگار برادری پر اس کی قیمت تین سال میں واجب ہوئی پھر اگر مرتہن نے اپنا قرضہ طلب کیا تو راہن پر ادائے قرضہ کے واسطے جبر نہ کیا جائے گا اور اگر تہائی[3] قیمت کی میعاد آ گئی تو جب تک راہن کو پوری قیمت نہ مل جائے تب تک راہن پر ادائے قرضہ کے واسطے جبر نہ کیا جائے گا پس اگر قیمت[4] بجنس قرضہ سے ہو تو کچھ قیمت میں ملتا جائے اس کو مرتہن اپنے قرضہ میں وصول کرتا جائے گا اور اگر اس کی قیمت میں اونٹ یا بکریاں ہوں اور قاضی نے قیمت میں ان جانوروں کے دینے کا حکم کیا ہو تو یہ جانور بعوض قرضہ کے رہن ہوں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر راہن نے عادل کو بیع مرہون پر قادر کر دیا اور عادل نے اس کو نقد یا اُدھار فروخت کیا تو جائز ہے پھر اگر مرتہن نے قرضہ کا مطالبہ کیا تو مرتہن کو مال مرہون یا اس کے بدل یعنی ثمن کے حاضر کرنے کی تکلیف نہ دی جائے گی یا اس واسطے کہ

[ا] واللہ میں نہیں جانتا ہوں کہ باندی مرہونہ تلف ہو گئی ۱۲ (۱) یعنی قرضہ بھر پایا ۱۲ (۲) جو عادل کے پاس ہے ۱۲ (۳) یعنی اس کو مل گئی ۱۲ (۴) مثلاً درم اور قرضہ بھی درم ہوں ۱۲

وہ اس کے حاضر لانے پر قادر نہیں ہے اسی طرح اگر راہن نے مرتہن کو اس کی بیع کے واسطے حکم دیا ہو اور مرتہن نے فروخت کر کے ہنوز اس کے ثمن پر قبضہ نہ کیا ہو تو بھی قرض اس سے حاضر کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا مگر راہن اس کے قرضہ ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر مرتہن نے اس کا ثمن وصول کر لیا ہو تو ثمن حاضر لانے پر مجبور کیا جائے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر مرتہن نے یا عادل نے بحکم راہن مال مرہون کو فروخت کیا اور مشتری کے واسطے ثمن کی تاخیر دے دی یا ثمن کسی میعاد تک اُدھار ٹھہرا تھا تو مرتہن کو اپنے مطالبہ قرض کا اختیار ہے اس واسطے کہ ثمن مذکور راہن کے مختار کر دینے سے قرضہ ہو گیا ہے پھر اگر ثمن مذکور مشتری پر ڈوب جائے تو جو کچھ مرتہن نے لیا ہے وہ راہن کو واپس کر دے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

آٹھواں باب ☆

مال مرہون میں راہن یا مرتہن کے تصرف کرنے کے بیان میں

قرضہ ساقط ہونے سے پہلے مال مرہون میں راہن کا تصرف یا تو ایسا تصرف ہوگا جو متحمل فسخ (۱) ہوتا ہے جیسی بیع و کتابت و اجارہ و ہبہ و صدقہ و اقرار وغیرہ یا ایسا تصرف ہوگا کہ جو متحمل فسخ نہیں ہوتا ہے جیسی عتق و تدبیر و استیلاد وغیرہ پس اگر ایسا تصرف ہو جو متحمل فسخ ہوتا ہے تو بغیر رضامندی مرتہن کے منعقد نہ ہوگا اور مرتہن کا حق حبس یعنی مرہون کو روک رکھنے کا استحقاق باطل نہ ہوگا پھر اگر راہن نے قرضہ ادا کر دیا اور مرتہن کے روکنے کا استحقاق باطل ہو گیا تو سب تصرفات نافذ ہو جائیں گے اور اگر مرتہن نے تصرف راہن کی اجازت دے دی تو تصرف نافذ ہو جائے گا اور مال مرہون رہن ہونے سے نکل جائے گا اور قرضہ بحالہ باقی رہے گا اور بیع کی صورت میں مرہون کا ثمن بجائے مرہون کے رہن ہوگا۔ اسی طرح اگر ابتداء میں راہن نے باجازت مرتہن تصرف کیا تو بھی یہی حکم ہے اور جو تصرف متحمل فسخ نہیں ہے وہ نافذ ہو جاتا ہے اور رہن باطل ہو جاتا ہے۔ پھر واضح ہو کہ اگر غلام مرہون کو راہن نے آزاد کیا اور وہ آزاد ہو گیا اور مرہون ہونے سے نکل گیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر راہن خوش حال ہو تو غلام پر کمائی و سعایت [1] لازم نہ ہوگی اور راہن پر ضمان بحالہ رہے گی اگر قرضہ فی الحال ادا کرنے کی قرارداد پر ہو تو راہن اس کے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر ادائے قرضہ کی کچھ میعاد مقرر ہوگی اور وہ میعاد آ گئی ہوگی تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ہنوز میعاد نہ آئی ہوگی تو عتق نافذ ہو جائے گا اور مرتہن غلام مذکور کی قیمت راہن سے لے کر بجائے غلام کے اُس کو رہن کر لے گا پھر جب میعاد آئے گی تو دیکھا جائے گا کہ اگر غلام کی قیمت جنس قرضہ سے ہوگی تو اس قیمت سے اپنا قرضہ پورا لے لے گا اور اگر کچھ بچا تو وہ راہن کو واپس کر دے گا اور اگر جنس قرضہ سے برخلاف دوسری جنس ہو تو جیسا میعاد آنے سے پہلے تھا اسی طرح اپنا قرضہ حاصل کرنے تک اس کو روک رکھے گا اور اگر راہن تنگدست ہو تو مرتہن کو اختیار ہوگا کہ غلام کے رہن کے وقت کی قیمت اور غلام کے آزاد ہونے کے وقت کی قیمت اور مقدار قرضہ ان تینوں میں سے جو کم مقدار ہو اس کو کما کر ادا کرنے کے واسطے غلام مذکور سے سعایت کرا دے خواہ قرضہ فی الحال ادا کرنا ہو یا میعادی ہو پھر جب راہن کو تونگری و خوشحالی حاصل ہو تو غلام مذکور نے بحالت اضطرار جو کچھ اس کا قرضہ سعایت کر کے ادا کیا ہے اس سے واپس لے گا اور مرتہن بھی اگر اس کا کچھ قرضہ باقی رہ گیا ہو اور راہن سے لے کر مثلاً ہزار درم قیمت کا غلام بعوض دو ہزار درم کے رہن کیا پھر اس کی قیمت بڑھ گئی پھر راہن نے اس کو آزاد کیا تو غلام مذکور وقت رہن کی قیمت ایک ہزار درم قیمت کے واسطے سعایت کرے گا اس واسطے کہ بقدر ہزار درم کے ضمان واجب ہوگی چنانچہ اگر غلام مذکور مر جائے تو اسی قدر قرضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر راہن نے اس کو آزاد نہ کیا بلکہ

---

[1] یعنی مشقت و اُجرت کرنا ۱۲ (۱) یعنی کسی سبب سے وہ فسخ ہو سکتا ہے (۲) اسباب فسخ میں سے کسی سبب سے فسخ نہیں ہو سکتا ہے ۱۲

مدبر کر دیا تو مدبر کرنا نافذ ہو جائے گا اور رہن باطل ہو جائے گا اور بعد مدبر کئے جانے کے مرتہن کو اس کے روکنے کا اختیار نہ ہوگا پھر دیکھا جائے گا کہ اگر راہن خوش حال ہو اور قرضہ فی الحال ادا کرنا ہو تو مرتہن اپنا پورا قرضہ اس سے لے لے گا اور اگر قرضہ میعادی ہو تو مدبر مذکور کی قیمت اس سے لے کر بجائے مدبر مذکور کے رہن رکھے گا جیسا عتق کی صورت میں ہے اور اگر راہن تنگدست ہو اور قرضہ فی الحال ادا کر دیا ہو تو مرتہن مذکور سے اپنے پورے قرضہ کے واسطے چاہے جس قدر ہو سعایت کرائے گا اور اگر قرضہ میعادی ہو تو غلام مذکور سے اس کی پوری قیمت کے واسطے سعایت کرا کے اُس قیمت کو بجائے مدبر مذکور کے رہن رکھے گا پس آزاد کرنے کی صورت اور مدبر کرنے کی صورت میں دو باتوں میں فرق ہوا ایک یہ کہ آزاد کرنے کی صورت میں جب راہن تنگ دست ہو تو غلام پر اس کے وقت رہن کی قیمت اور مقدار قرضہ ان تینوں میں سے کم مقدار کے واسطے سعایت کرنی واجب ہوتی ہے اور مدبر کرنے کی صورت میں اس پر پورے قرضہ کے واسطے چاہے جس قدر ہو سعایت کرنی واجب ہے جب کہ قرضہ فی الحال ادا کرنا ہو اور اس کی قیمت کی طرف لحاظ نہ کیا جائے گا اور اگر قرضہ میعادی ہو تو اس پر اپنی پوری قیمت کے واسطے سعایت واجب ہوگی اور دوم یہ کہ آزاد کرنے کی صورت میں جو کچھ غلام نے کما کر ادا کیا ہے وہ راہن سے خوشحال ہونے کے وقت واپس لے گا اور مدبر کرنے کی صورت میں نہیں لے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مدبر ہو جانے سے اس کی کمائی مولیٰ کی ملک رہنے سے خارج نہیں ہوئی پس اس کو مولیٰ سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور پورے قرضہ کے واسطے سعی کرے گا اور آزاد ہونے سے اس کی کمائی مولیٰ کی ملک ہونے سے خارج ہو گئی۔ اور اگر مرہون کوئی باندی ہو جو مرتہن کے پاس حاملہ ہو گئی اور راہن نے دعویٰ کیا کہ یہ حمل میرا ہے پس اگر وضع حمل سے پہلے ایسا دعویٰ کیا ہو تو اس کا دعویٰ صحیح ہے اور بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ بچہ رہن میں داخل ہونے سے پہلے آزاد ہوگا اور وہ باندی اس کی ام ولد ہو کر رہن سے خارج ہو جائے گی اور بچہ پر کچھ سعایت لازم نہ ہوگی مگر اس کی ماں کا حکم سب صورتوں میں وہی ہوگا جو ہم نے غلام مدبر کے واسطے ذکر کر دیئے ہیں اور اگر باندی مذکور نے وضع حمل کیا پھر اس کے بعد راہن نے اس کے بچہ کے نسب کا دعویٰ کیا تو بھی دعویٰ صحیح ہو گا اور بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور رہن میں داخل ہونے کے بعد وہ بچہ آزاد ہو جائے گا اور اس کے مقابلہ میں قرضہ میں سے ایک حصہ ہو جائے گا اور باندی مذکور اس کی اُم ولد ہو جائے گی اور رہن ہونے سے خارج ہو جائے گی پس تمام قرضہ باندی کے رہن ہونے کے روز کی قیمت اور بچہ مذکور کے راہن کے دعویٰ کرنے کے روز کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا پس جس قدر حصہ باندی کے مقابلہ میں آیا ہے اس کی بابت باندی کا حکم وہی ہوگا جو مدبر کا پورے قرضہ کی بابت مذکور ہوا ہے اور بچہ کا حکم اپنے حصہ قرضہ کی بابت سب وہی ہوگا جو ہم نے آزاد شدہ کے حق میں ذکر کیا ہے لیکن اس صورت میں یہ ہوگا کہ راہن کے دعویٰ کرنے کے روز کی بچہ کی قیمت کو اور اُس کے پرتے میں جس قدر قرضہ کا حصہ آیا ہے اس کو دیکھا جائے گا پس ان دونوں میں سے جو مقدار کم ہو اس کے واسطے بچہ مذکور سعایت کرے گا اور اگر راہن تنگدست ہو اور جس قدر کما کر ادا کرے گا وہ راہن (۱) سے واپس لے گا یہ شرح طحاوی میں ہے۔

ایک باندی ہزار درم قیمت کی بعوض دو ہزار درم قرضہ کے رہن کر دی پھر وہ نرخ بڑھ جانے سے دو ہزار درم کی ہو گئی یا ہزار درم قیمت کا بچہ جنی تو دو ہزار درم دے کر دونوں کو فک رہن کرے گا اور اگر باندی ہلاک ہو جائے تو دو ہزار درم کے عوض ہلاک ہوگی اور اگر مولیٰ نے اُس باندی کو آزاد کر دیا حالانکہ وہ تنگدست ہے تو وہ ہزار درم کے واسطے سعایت کرے گی اسی طرح اگر دونوں کو آزاد کر دیا تو دونوں ہزار ہزار درم کے واسطے سعایت کریں گے اور اس قدر مال پھر مولیٰ (۲) سے واپس لیں گے اور مرتہن اپنا باقی قرضہ راہن سے لے لے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص نے ہزار درم قیمت کا غلام بعوض ہزار درم کے رہن کیا پھر اس کا نرخ گھٹ کر پانچ سو درم کا

(۱) جب کہ راہن خوش حال ہو جائے ۱۲ (۲) جب وہ خوش حال ہو جائے ۱۲

رہ گیا پھر راہن نے اس کو حالت تنگدستی میں آزاد کر دیا تو غلام مذکور آزاد ہونے کے روز کی قیمت یعنی پانچ سو درم کے واسطے سعایت کرے گا پورے قرضہ کے واسطے سعایت نہ کرے گا۔ ایک شخص نے دوسرے کو ہزار درم قیمت کا غلام بعوض دو ہزار درم قرضہ کے رہن دیا پھر اس کی قیمت بڑھ کر دو ہزار درم ہوگئی پھر مولی نے اس کو مدبر کر دیا حالانکہ وہ تنگدست ہے تو وہ پورے قرضہ کے واسطے سعایت کرے گا اور اگر اس نے ہنوز سعایت نہ کی ہو یہاں تک کہ مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو وہ دو ہزار درم کے واسطے سعایت کرے گا جب کہ آزاد کرنا بعد مدبر کرنے کے واقع ہوا ہو اور اگر اس کو مدبر کیا پھر اس کی قیمت بڑھ گئی تو دو ہزار درم کے واسطے سعایت کرے گا پھر اگر اس کو اس کے بعد آزاد کر دیا تو ہزار درم کے واسطے سعایت کرے گا یہ خزانۃ الاکمل میں ہے۔

(شریک خاموش) کی بابت کچھ حقوق وفرائض کا بیان ☆

ایک شخص نے ہزار درم قیمت کی باندی بعوض ہزار درم کے رہن کی پھر اس کے ہزار درم قیمت کا بچہ پیدا ہوا پھر پیدا ہونے کے بعد راہن نے اس کے نسب کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ خوش حال ہے تو مال کا[(۱)] ضامن ہوگا اور اگر تنگدست ہو تو باندی نصف قرضہ کے واسطے اور بچہ نصف قرضہ کے واسطے سعایت کریں گے اور اگر بچہ نے سعایت کر کے ہنوز کچھ ادا نہ کیا ہو یہاں تک کہ اس کی ماں سعایت سے فارغ ہونے سے پہلے مرگئی تو اس کا بچہ اپنی نصف قیمت اور نصف قرضہ سے جو کم مقدار ہو اس کے واسطے سعایت کرے گا اور اس کی ماں کے مرنے سے اس کے ذمہ کچھ زائد نہ کیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔ دو شخصوں نے ایک غلام رہن کیا پھر اس کو دونوں میں سے ایک نے آزاد کر دیا تو ضرور ہے کہ یا تو دونوں خوش حال ہوں گے یا دونوں تنگدست ہوں گے یا ایک خوش حال اور دوسرا تنگدست ہوگا اور قرضہ یا فی الحال واجب الادا ہوگا یا میعادی ہوگا پس اگر دونوں خوش حال ہوں اور قرضہ فی الحال واجب الادا ہو اور غلام کی قیمت ایک ہزار درم ہو تو آزاد کرنے والے پر بقدر اس کے حصہ کے قرضہ لازم ہوگا اور اسی طرح اس کے شریک پر بھی بقدر اس کے حصہ کے قرضہ لازم ہوگا بدینی وجہ کہ وہ قرض دار ہونہ بدینی وجہ کہ عتق ثابت ہوا ہے اس واسطے کہ مال مرہون بوجہ دونوں میں سے ایک کے آزاد کرنے کے تلف ہوگیا اور وہ دونوں خوش حال ہیں اور قرضہ فی الحال واجب الادا ہے پس دونوں سے اپنے اپنے حصے کے قدر قرضہ کا مؤاخذہ کیا جائے گا اور اگر قرضہ میعادی ہو تو آزاد کرنے والا اپنے حصہ کی قیمت کا ضامن ہوگا اس واسطے کہ اس نے اپنا حصہ تلف کر دیا پس مرتہن اُس سے لے لے گا اور وہ میعاد آنے تک اس کے پاس رہن رہے گی پھر دیکھا جائے گا کہ اس کا شریک جس نے آزاد نہیں کیا ہے بلکہ خاموش رہا ہے کیا بات اختیار کرتا ہے پس اگر اس نے تاوان[۱] لینا اختیار کیا یا غلام سے سعایت کرائی تو مرتہن کو اختیار ہوگا کہ یہ مال اس سے لے لے اس واسطے کہ یہ رہن کا بدل ہے پس اس کے پاس رہن رہے گا پھر جب قرضہ کی میعاد آئے تب مرتہن اس کو اپنے قرضہ میں جو ان دونوں پر آتا ہے لے لے گا اس واسطے کہ قیمت اس کے قرضہ کی جنس سے ہے اور اگر شریک خاموش نے بھی اپنا حصہ آزاد کر دینا اختیار کیا تو مرتہن کو اختیار ہوگا چاہے آزاد کرنے والے سے تاوان لے کیونکہ اس نے آزاد کر کے اس کا حق تلف کر دیا ہے اور چاہے شریک خاموش سے جس نے پیچھے آزاد کیا ہے تاوان لے اس وجہ سے کہ اس نے مرہون کے بدل سے مرتہن کا حق تلف کر دیا اس لئے کہ آزاد کرنے والے پر تاوان یا غلام پر سعایت کرنا واجب ہوا تھا مگر اس کے آزاد کر دینے سے دونوں اس سے بری ہوگئے اور اگر دونوں تنگدست ہوں اور قرضہ فی الحال واجب الادا ہو تو مرتہن کو غلام سے پورے ہزار درم قرضہ کے واسطے سعایت کرانے کا اختیار ہوگا اس واسطے کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق ایک شریک

[۱] تاوان یعنی شریک خاموش کو اختیار ہے کہ چاہے شریک آزاد کنندہ سے اپنے حصہ کا تاوان لے یا غلام سے محنت مزدوری کرا کے اپنی قیمت وصول کرے یا اپنا حصہ آزاد کرے یہ اس وقت کہ شریک خوش حال ہو ورنہ اس سے تاوان نہیں لے سکتا ہے ۱۲

(۱) یعنی مقدار قرضہ کا ۱۲

کے آزاد کرنے پر غلام مذکور پورا آزاد ہو گیا پس غلام مذکور پر اپنی قیمت کے واسطے سعایت واجب ہو گی اور امام اعظمؒ کے مذہب کے موافق جس نے آزاد نہیں کیا ہے اس کا حصہ مکاتب ہو گیا اور مکاتب رہن ہونے کے لائق نہیں رہتا ہے اس واسطے کہ وہ اپنی دست قدرت کی راہ سے آزاد کا حکم رکھتا ہے اور آزاد کرنے والا تنگدست ہے پس مرتہن کو اختیار ہو گا کہ غلام سے سعایت کرا دے اور جب اس نے غلام سے سعایت کرا کے مال لے لیا تو جو کچھ اس کا قرضہ دونوں پر ہے اس کے عوض اس نے لیا اس واسطے کہ یہ کمائی مال مرہون کا بدل ہے اور اگر قرضہ میعادی ہو تو بھی یہی حکم ہے لیکن اس صورت میں میعاد آنے تک یہ مال اس کے پاس رہن رہے گا اور اگر آزاد کرنے والا خوش حال اور خاموش تنگدست ہو اور قرضہ فی الحال واجب الادا ہو تو آزاد کرنے والا اپنا حصہ قرضہ تاوان دے گا اور شریک خاموش کے حصہ میں لحاظ کیا جائے گا کہ اگر اس نے غلام سے سعایت کرانا یا شریک سے تاوان لینا اختیار کیا تو اس مال کو مرتہن لے لے گا اس واسطے کہ یہ بدل الرہن ہے اور اگر اس نے بھی آزاد کر دینا اختیار کیا تو آزاد کرنے والا شریک خاموش کے حصہ کا ضامن ہو گا اس واسطے کہ اس نے مرہون سے حق مرتہن تلف کیا ہے پھر آزاد کرنے والا شریک خاموش سے نصف قرضہ لے لے گا اس واسطے کہ مال مرہون تلف ہو گیا اور قرضہ فی الحال واجب الادا ہے اور اگر قرضہ میعادی ہو تو مرتہن غلام ہے یہ مال تاوان واپس لے گا اسی طرح اگر قرضہ میعادی ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہو اور خاموش خوش حال ہو اور قرضہ فی الحال واجب الادا ہو تو مرتہن آزاد کنندہ کے حصہ کے واسطے غلام سے سعایت کرا دے گا اور شریک خاموش سے پورے ہزار درم کے واسطے سعایت کرا دے گا پھر جب ادائے قرضہ کی میعاد آ جائے پس اگر خاموش نے اپنے حصہ کے واسطے غلام سے سعایت کرانا اختیار کیا تو مرتہن اس مال کو اپنے قرضہ میں جو دونوں پر آتا ہے لے لے گا پھر اپنے آزاد کرنے والے سے جو حصہ اس کے پڑتے میں پڑتا ہے واپس لے گا اور شریک خاموش سے کچھ نہ لے گا اور اگر شریک خاموش نے بھی آزاد کر دینا اختیار کیا پھر اگر اس نے اپنا قرضہ ادا کر دیا تو آدھا کمائی کا مال غلام سے واپس لے گا اور اگر اس نے ادا نہ کیا تو مرتہن کو اختیار ہو گا کہ یہ سب مال اپنے قرضہ میں لے لے اس واسطے کہ یہ رہن کا بدل ہے پھر غلام آدھی کمائی کو شریک خاموش سے اور آدھی کمائی کو آزاد کرنے والے سے واپس لے گا اور اگر ایک شریک نے اس کو آزاد کیا اور دوسرے نے اس کو مدبر کر دیا حالانکہ وہ تنگدست ہیں تو غلام سے مرتہن پورے ہزار درم کے واسطے سعایت کرا دے گا پھر غلام مذکور آزاد کرنے والے سے نصف کمائی واپس لے گا اس واسطے کہ اس نے مجبور ہو کر اپنے مال سے اُس کا قرضہ ادا کیا ہے پھر اگر مدبر کرنے والے نے آزاد کر دینا اختیار کیا ہے تو اس سے بھی آدھی کمائی واپس لے گا اور اگر اس نے سعایت کرانا اختیار کیا تو مدبر ہونے کے حالت کی اس کی نصف قیمت اور محض مملوک ہونے کے حالت کی اس کی نصف قیمت میں جس قدر تفاوت ہو اس قدر واپس لے گا حتی کہ اگر محض مملوک ہونے کے حالت کی اس کی نصف قیمت پانچ سو درم ہوں اور مدبر ہونے کے حالت کی نصف قیمت چار سو درم ہوں تو اس سے سو درم واپس لے گا اور اگر دونوں شریک خوش حال ہوں تو مرتہن کے واسطے ہزار درم کے ضامن ہوں گے پھر غلام مدبر اُس شخص کے واسطے جس نے اس کو مدبر کیا ہے اپنی نصف قیمت کے واسطے سعایت کرے گا اور دونوں شریکوں میں سے کوئی شریک دوسرے شریک سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے اس واسطے کہ رہن (۱) دونوں میں سے ایک کے آزاد کرنے سے تلف ہو گیا اور قرضہ فی الحال واجب الادا ہے دونوں ادائے قرضہ کے واسطے ماخوذ ہوں گے اور اگر قرضہ میعادی ہو تو آزاد کرنے والا اپنے حصہ کی قیمت کا ضامن ہو گا اور مدبر کرنے والے کے حصہ میں مرتہن کو اختیار ہو گا چاہے آزاد کرنے والے سے اس کے حصہ کی ضمان لے یا مدبر کرنے والے سے اس کے حصہ کی قیمت کا تاوان لے اس واسطے کہ اس نے مدبر کرنے سے مرتہن کا حق جو بدل الرہن میں تھا تلف

؎ نسخہ موجودہ میں یونہی موجود ہے اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ غلام آدھی کمائی مرتہن سے واپس لے گا ۱۲ منہ (۱) دونوں کے ضامن ہونے کی دلیل ہے ۱۲

کر دیا ہے کیونکہ مدبر کرنے والے کو حالت خاموشی میں یہ اختیار تھا کہ آزاد کرنے والے سے اپنے حصہ کی قیمت کی ضمان لے مگر مدبر کرنے سے آزاد کرنے والا اس کے حصہ کے تاوان سے بری ہو گیا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور مرتہن کو یہ اختیار نہیں ہوتا ہے کہ مال مرہون کسی دوسرے کے پاس رہن رکھے پس اگر اس نے بدون اجازت راہن کے رہن رکھا تو راہن اوّل کو اختیار ہو گا کہ دوسرے عقد رہن کو باطل کر دے اور مرہون مذکور کو مرتہن کے پاس اعادہ کرا دے اور اگر مرتہن اوّل کے پاس اعادہ کرانے سے پہلے مال مرہون مرتہن ثانی کے پاس تلف ہو گیا تو راہن اوّل کو اختیار ہو گا چاہے مرتہن اوّل سے تاوان لے یا مرتہن ثانی سے ضمان لے پس اگر اُس نے مرتہن اوّل سے تاوان لیا تو یہ مال تاوان مرتہن اوّل کے پاس رہن رہے گا اور مرتہن اوّل تاوان دے کر مرہون کا مالک ہو گیا پس ایسا ہوا کہ گویا اُس نے اپنے مملوکہ مال کو رہن کیا اور وہ مرتہن کے پاس تلف ہوا ہے پس مرتہن ثانی کے پاس بعوض قرضہ کے جس کے عوض رہن تھا تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور اگر اُس نے دوسرے مرتہن سے تاوان لینا اختیار کیا تو جو کچھ مال تاوان ملے وہ مرتہن اوّل کے پاس رہن ہو گا اور دوسرا عقد رہن باطل ہو گیا پھر دوسرا مرتہن اپنا مال ضمان جو اس نے ادا کیا ہے مرتہن اوّل سے واپس لے گا اور اپنا قرضہ بھی لے گا۔ اور اگر مرتہن اوّل نے اس کو راہن کی اجازت سے دوسرے کے پاس رہن رکھا تو دوسرا رہن صحیح ہے اور رہن اوّل باطل ہو گیا پس ایسا ہو گیا کہ گویا مرتہن اوّل نے راہن کا مال اُس سے مستعار لے کر رہن کر دیا ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

جن صورتوں میں مودع خاص نہیں ہوتا ہے مرتہن بھی ضامن نہ ہو گا ☆

اگر ایک شخص نے ایک چوپایہ جانور رہن کر لیا اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد اس کو راہن سے کرایہ پر لیا تو اجارہ صحیح نہیں ہے اور مرتہن کو اختیار ہو گا کہ اس کو اعادہ کر کے مرہون کر لے اور اپنے قبضہ میں کر لے اور اگر مرتہن نے راہن کی اجازت سے کسی دوسرے کو کرایہ پر دیا تو وہ راہن ہونے سے خارج ہو جائے گا اور اگر اس کی اجرت راہن کو ملے گی اور اگر اُس نے بدون اجازت راہن کے اجارہ پر دیا ہو تو اس کی اُجرت مرتہن کو ملے گی مگر اس کو صدقہ کر دے اور مرتہن کو اختیار ہو گا کہ اعادہ کر کے اُس کو رہن کر لے اور اگر مرتہن کی اجازت سے راہن نے اس کو کسی شخص اجنبی کو کرایہ پر دیا تو وہ رہن سے نکل جائے گا اور کرایہ راہن کو ملے گا اور اگر بغیر اجازت مرتہن کے اجارہ پر دیا ہو تو اجارہ باطل ہو گا اور مرتہن اس کو اعادہ کر کے رہن کر سکتا ہے اور اگر کسی اجنبی نے بدون اجازت راہن و مرتہن کے اس کو اجارہ پر دے دیا پھر راہن نے اجارہ کی اجازت دے دی تو کرایہ راہن کو ملے گا اور مرتہن اس کو اعادہ کر کے رہن کر لے سکتا ہے اور اگر مرتہن نے اجازت دی راہن نے نہ دی ہو تو اجارہ باطل ہو گا اور کرایہ اس کا ہو گا جس نے اجارہ پر دیا ہے مگر اس کو صدقہ کر دے اور مرتہن اس کو اعادہ کر کے مرہون کر سکتا ہے اور اگر دونوں نے اُس کی اجازت دے دی تو کرایہ راہن کو ملے گا اور وہ رہن ہونے سے خارج ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر مرتہن نے اس کو بدون اجازت راہن کے ایک سال کے واسطے اجارہ پر دیا اور سال گذر گیا پھر راہن نے اجازت دے دی تو صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ اجازت ایسے عقد سے لاحق ہوئی جو گذر کر منسوخ[1] ہو چکا ہے پس مرتہن کو اختیار ہو گا کہ اُس مرہون کو لے لے تا کہ اس کے پاس مدت رہن رہے جیسا پہلے تھا اور اگر رہن نے چھ مہینے گذرنے کے بعد اجازت دی تو صحیح ہے اور آدھا کرایہ مرتہن کو ملے گا مگر اس کو صدقہ کر دے اور آدھا کرایہ باقی راہن کو ملے گا اور مرتہن کو یہ اختیار نہ رہے گا کہ دوبارہ اس کو رہن کر لے یہ محیط سرخسی میں ہے اور جاننا چاہئے کہ عین[2] مال مرہون مرتہن کے پاس امانت ہوتا ہے بمنزلہ ودیعت کے پس جہاں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ اگر مودع مال ودیعت کے ساتھ ایسا فعل کرے جس سے وہ

[1] یعنی وہ ختم ہو کر مٹ چکا ۱۲ [2] یعنی مال عین کہ مرتہن کے پاس رہن رکھا گیا ہے وہ امانت ہے تو ودیعت کے احکام لحاظ کرو چنانچہ جن صورتوں میں مودع خاص نہیں ہوتا ہے مرتہن بھی ضامن نہ ہو گا مثلاً مرتہن نے اس کو اپنے عیال کے پاس رکھ دیا اور وہ تلف ہوا تو ضامن نہیں ہے یعنی بقدر زیادت قرضہ کے ۱۲

ضامن نہ ہوئے تو ایسی صورت میں اگر مرتہن مال مرہون سے ایسا فعل کرے گا تو وہ بھی ضامن نہ ہوگا لیکن فرق یہ ہے کہ ودیعت اگر تلف ہو جائے تو مودع کچھ ہوگا اور اگر راہن کا مال تلف ہو جائے تو قرضہ ساقط ہو جائے گا اور جہاں ایسا ہوتا ہے کہ اگر مودع مال ودیعت سے ایسا فعل کرے جس سے وہ ضامن ہو تو ایسی صورت میں اگر مرتہن بھی مال مرہون سے ایسا فعل کرے گا تو وہ بھی ضامن ہو گا۔ پھر واضح ہو کہ ودیعت کے مال کو مودع دوسرے اجنبی کے پاس ودیعت نہیں رکھ سکتا ہے اور نہ مستعار دے سکتا ہے اور نہ اُجرت پر دے سکتا ہے اسی طرح رہن کو بھی مرتہن اجارہ پر نہیں دے سکتا ہے اور اگر اس نے بدون اجازت رہن کے اجارہ پر دے کر مستاجر کے سپرد کیا پس اگر وہ مستاجر کے پاس تلف ہوا تو راہن کو اختیار ہوگا چاہے مرتہن سے اس کی وہ قیمت جو مستاجر کے سپرد کرنے کے وقت تھی تاوان لے اور وہ قیمت بجائے عین مال مرہون کے مرتہن کے پاس رہن رہے گی اور اگر چاہے مستاجر سے تاوان لے لیکن اگر اس نے مرتہن سے ضمان لی تو وہ مستاجر سے مال تاوان واپس نہیں لے سکتا ہے۔ مگر مال مرہون تلف ہونے تک جس قدر مستاجر نے اُس سے نفع حاصل کیا ہے اس قدر اُجرت کو مستاجر سے لے سکتا ہے اور وہ اُسی کی ہوگی مگر حلال نہ ہوگی اور اگر اس نے مستاجر سے تاوان لیا تو وہ مال تاوان کو مرتہن سے واپس لے گا اور اگر مال مستاجر کے پاس سلامت رہا اور مرتہن نے اس کو واپس لیا تو وہ مثل سابق کے مرتہن کے پاس عود کر کے رہن رہے گا۔ اسی طرح اگر راہن نے بلا اجازت مرتہن کے اس کو کرایہ پر دیا تو جائز نہیں ہے اور مرتہن کو اجارہ باطل کر دینے کا اختیار ہوگا اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے باجازت دوسرے کے اس کو اجارہ پر دیا یا ایک نے بدون اجازت دوسرے کے اجارہ پر دیا پھر دوسرے نے اجازت دے دی تو اجارہ صحیح ہوگا اور رہن باطل ہو جائے گا اور کرایہ راہن کا ہوگا اور کرایہ وصول کرنے کی ولایت اس کو ہوگی جس نے عقد اجارہ قرار دیا ہے اور میعاد اجارہ گذرنے کے بعد پھر وہ عود کر کے رہن نہ ہو جائے گا الا جبکہ دوبارہ عقد رہن قرار دیا جائے اسی طرح اگر مرتہن نے اس کو اجارہ پر لیا تو اجارہ صحیح ہوگا بشرطیکہ اجارہ کے واسطے جدید قبضہ کرے اور رہن باطل ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مدت اجارہ گذرنے کے بعد یا اس سے پہلے وہ تلف ہو گیا اور بعد مدت اجارہ گذرنے کے اس کو راہن کے دینے سے روکا نہ تھا تو امانت میں تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور اس کے ہلاک ہو جانے سے قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا اور اگر مدت اجارہ گذر جانے کے بعد اس کو راہن کو دینے سے روکا ہو تو غاصب ہو جائے گا یہ شرح طحاوی میں ہے۔

اگر مرتہن نے رہن کو چوپایہ پر سواری لی یا غلام مرہون سے خدمت لی یا لباس مرہون کو پہنا یا تلوار مرہون کو باندھا حالانکہ سب بلا اجازت راہن کیا تو وہ ضامن ہوگا اس واسطے کہ اس نے راہن کی ملک کو بلا اجازت راہن کے استعمال کیا ہے پس مثل غاصب کے ہو جائے گا بخلاف اس کے اگر اُس نے ایک تلوار یا دو تلوار پر تلوار مرہون کو باندھا تو ایسا نہیں ہے اس واسطے کہ یہ فعل حفاظت کرنے میں داخل ہے از قبیل استعمال نہیں ہے اور اگر اس نے ایسا فعل راہن کی اجازت سے کیا ہو تو اس پر تاوان واجب نہ ہوگا اس واسطے کہ ضمان واجب ہونا بسبب تعدی کے ہوتا ہے اور مالک کی اجازت سے استعمال کرنا تعدی نہیں ہے اور جب مرتہن چوپایہ مذکور سے اُتر پڑا یا کپڑا اُتار دیا یا غلام سے خدمت لینے سے باز رہا تو وہ اپنے حال پر رہن ہوگا پس اگر تلف ہو جائے تو جس کے عوض رہن ہے اس کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور اگر راہن کی اجازت سے استعمال کرنے کی حالت میں تلف ہو تو مفت تلف شدہ قرار پائے گا یہ مبسوط میں ہے اور اگر اجنبی نے راہن کی اجازت سے مرہون کو عاریت پر دے دیا یا راہن نے باجازت مرتہن اس کو عاریت پر دیا اور وہ مستعیر کے قبضہ میں تلف ہوا تو قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا لیکن مرتہن کو یہ اختیار رہے گا کہ جب چاہے اپنے قبضہ میں لے لے اور اگر مستعیر کے پاس مرہونہ باندی کے بچہ پیدا ہوا خواہ وہ راہن ہو یا مرتہن ہو یا کوئی اجنبی ہو تو بچہ رہن ہوگا یہ وجیز

کردری میں ہے اجارہ (۱) ورہن کا قبضہ ثابت ہونے سے عقد رہن باطل ہو جاتا ہے اور قبضہ ودیعت سے عقد رہن باطل نہیں ہوتا ہے حتی کہ اگر مال مرہون کو راہن نے باجازت مرتہن ودیعت پر دیا تو مرتہن کو اختیار ہوگا کہ اپنے قبضہ میں واپس لے لے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر رہن کوئی کتاب یا مصحف مجید ہو تو مرتہن کو بلا اجازت راہن کے اُس سے پڑھنے کا اختیار نہ ہوگا پس اگر راہن نے اجازت دے دی تو جب تک مرتہن اس میں سے پڑھتا ہے تب تک وہ مرتہن کے پاس عاریت ہوگا پھر جب قرأت سے فارغ ہوا تو مرہون کے حکم میں داخل ہو جائے گا یہ سراجیہ میں ہے۔

مصحف مبارک کا رہن رکھے ہوئے کی حالت میں تلف ہونا ☆

ایک شخص نے مصحف رہن کیا اور مرتہن کو اس سے تلاوت کرنے کی اجازت دے دی پس اگر اس سے تلاوت کرنے کی حالت میں وہ تلف ہوگا تو قرضہ ساقط نہ ہوگا اس واسطے کہ رہن کا حکم فقط محبوس رکھنا یعنی روک رکھنا ہے اور جب مرتہن نے باجازت راہن اس کو استعمال کیا تو حکم بدل گیا اور رہن باطل ہو گیا اور اگر قرأت سے فارغ ہونے کے بعد تلف ہوا تو قرضہ کی عوض تلف شدہ قرار پائے گا یہ وجیز کردری میں ہے۔ اگر کسی نے رہن کی انگوٹھی ایک انگوٹھی کے اوپر پہنی اور وہ تلف ہوئی تو اس میں عرف وعادت کی طرف رجوع کیا جائے پس اگر مرتہن مذکور ایسا شخص ہو جو تجمل کے واسطے دو انگوٹھیاں پہن سکتا ہے تو ضامن ہوگا اس واسطے کہ اس نے مال مرہون کو استعمال کیا ہے اور اگر ایسا شخص ہو کہ دو انگوٹھیاں پہن کر تجمل نہیں کر سکتا ہے تو جس قرضہ کے عوض رہن تھی اس کے عوض تلف شدہ قرار پائے گی اس واسطے کہ اس نے حفاظت کی غرض سے اس کو پہنا ہے اور انگوٹھی کے بعض مسائل ہم نے کتاب العاریہ میں ذکر کر دیئے ہیں اور اگر طیلسان یا قبا رہن ہو پس اُس نے اُس کو اس طرح پہن لیا جیسے لوگ استعمال کرتے ہیں تو ضامن[1] ہوگا اور اگر اس کو حفاظت کے واسطے کندھے پر ڈال لیا ہے تو تلف ہونے سے بطور مال مرہون تلف ہونے کے قرار دیا جائے گا اس واسطے کہ اوّل صورت میں استعمال ثابت ہوا اور دوسری صورت میں جو فعل ہے وہ حفاظت کے واسطے ہے یہ بدائع میں ہے۔ اور اگر دونوں نے اس بات کا ارادہ کیا کہ مرتہن کو مال مرہون سے نفع حاصل ہو اور رہن بھی صحیح رہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اگر مال مرہون مثلاً دار ہو تو مرتہن کو راہن اس میں سکونت رکھنا مباح کر دے بدیں شرط کہ ہرگاہ راہن اس کو اس نفع سے منع کرے تو مرتہن کو باجازت جدید آئندہ کے واسطے بھی اختیار حاصل رہے گا تاوقتیکہ راہن اس کو قرضہ ادا نہ کرے اور مرتہن[2] اس کی ایسی اجازت مشروط کو قبول کر لے اسی طرح اگر مال مرہون زمین ہو اس کی زراعت کے واسطے اجازت دے دے یا درخت و باغ انگور ہو اس کے پھلوں کو مباح کر دے یا بہائم میں سے کوئی جانور ہو اس کا دودھ مباح کر دے بایں طور کہ راہن نے اُس کو یہ نفع مباح کیا بدین شرط کہ جب کبھی راہن اس کو منع کر دے تو مرتہن راہن کی طرف سے باجازت جدید آئندہ کے واسطے مختار ہو جائے گا یہاں تک کہ راہن اس کو اس کا قرضہ دے دے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اگر راہن یا مرتہن نے دوسرے کی اجازت سے مرہون کو فروخت کیا تو وہ رہن سے خارج ہو جائے گا اس طرح اگر کسی نے بدون دوسرے کی اجازت کے اس کو فروخت کیا پھر دوسرے نے اس کو بیع کی اجازت دے دی تو بھی وہ رہن سے خارج ہو جائے گا پس اس کا ثمن بجائے اس کے مرہون ہوگا خواہ مشتری سے وصول پایا ہو یا نہ پایا ہو پھر اگر اس کا ثمن مشتری کے پاس ڈوب جائے یا مشتری سے وصول کر لینے کے بعد تلف ہو جائے تو اس کا تلف ہونا مرتہن کے ذمہ پڑے گا اور مرتہن کو اس کا ثمن روک رکھنے کا استحقاق اسی طرح حاصل ہوگا جیسا اصل مرہون کے روکنے کا استحقاق تھا یہاں تک کہ ادائے قرضہ کی میعاد آ جائے ایسا ہی حکم

[1] ضامن یعنی مرہون ہونے سے خارج ہوا اور مرتہن ضامن ہو گیا اگر تلف ہو تو پوری قیمت دینی پڑے گی ۱۲ [2] یعنی مرتہن کو قبول کرنا چاہئے تب یہ عقد پورا ہوگا اور جب رہن اس کو منع کرے گا تو وہ آئندہ پھر مختار ہو جائے گا ۱۲ (۱) مرہون کو اجارہ پر دیا یا رہن کیا ۱۲

کرخیؒ نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے اور امام قدوری نے فرمایا کہ اس میں دو صورتیں ہیں اگر عقد رہن میں بیع مشروط ہو تو ثمن رہن ہو گا اور اگر مشروط نہ ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک بیع موجب[1] انتقال حق بجانب ثمن ہے اور امام طحاوی نے اختلاف العلماء میں ذکر کیا کہ ہم نے اس حکم میں کوئی اختلاف نہیں پایا اور قدوری نے امام ابو یوسفؒ سے بروایت بشرؒ یوں فرمایا کہ اگر مرتہن نے اجازت میں یہ شرط کی ہو کہ ثمن رہن ہو گا تو رہن ہو گا ورنہ وہ رہن سے خارج ہو جائے گا اور شرح طحاوی میں لکھا ہے کہ بلا تفصیل کے ثمن رہن ہو گا اور یہی صحیح ہے یہ محیط میں ہے اگر بیس درم قیمت کا کپڑا بعوض دس درم کے رہن کیا پھر اس کو راہن کی اجازت سے پہنا اور اس میں چھ درم کا نقصان آیا پھر دوبارہ اس کو بدون اجازت راہن کے پہنا اور اس میں چار درم کا نقصان آیا تو پھر وہ کپڑا تلف ہو گیا اور تلف ہونے کے اس کی قیمت دس درم تھی تو مشائخ نے فرمایا کہ راہن سے مرتہن ایک درم واپس لے گا اور اس کے قرضہ میں سے نو درم ساقط ہو جائیں گے اس واسطے کہ جب قرضہ درم تھا اور رہن کے روز کپڑے کی قیمت بیس درم تھی تو آدھا کپڑا قرضہ کے عوض مضمون اور آدھا امانت تھا پھر جب راہن کی اجازت سے اس کو پہننے سے اس میں چھ درم کا نقصان آیا تو قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہو گا اس واسطے کہ راہن کی اجازت سے مرتہن کا پہننا مثل راہن کے پہننے کے ہے پس مرتہن کے ذمہ اس کی ضمان لازم نہ ہو گی اور جس قدر مرتہن سے بدون اجازت راہن کے نقصان آیا ہے یعنی چار درم کا اُس کی ضمان مرتہن پر ہو گی پس چار درم جو مرتہن پر واجب ہوئے ہیں وہ اسی قدر قرضہ کے ساقط ہونے سے قصاص ہو جائیں گے پھر جب کپڑا تلف ہوا بعد ناقص ہونے کے اور اس کی قیمت دس درم ہے جس میں سے پانچ درم مضمون اور پانچ درم امانت ہیں پس جس قدر مضمون ہے۔ اس قدر قرضہ سے ساقط ہو جائے گا پس ایک درم باقی رہا اس واسطے مرتہن ایک درم اس سے لے لے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر باغ خرمایا باغ انگور میں پھل آئے حالانکہ وہ مرتہن کے پاس رہن ہے اور مرتہن کو اس کے پھلوں کے ضائع ہو جانے کا خوف ہوا پس اس نے بغیر حکم قاضی اس کو فروخت کر دیا تو اس کی بیع جائز نہ ہو گی اور مرتہن ضامن ہو گا اور اگر بحکم قاضی فروخت کیا یا قاضی نے خود فروخت کر دیا تو بیع نافذ ہو جائے گی اور مرتہن پر ضمان واجب نہ ہو گی اور اگر مرتہن نے پختہ ہو جانے کے بعد پھل توڑ لئے یا انگور جھاڑ لئے اور یہ فعل بدون حکم قاضی کے کیا تو استحساناً ضامن نہ ہو گا اس واسطے کہ یہ فعل از قبیل حفاظت ہے اور حفاظت مرہون کا مرتہن کو استحقاق حاصل ہے یہ محیط میں ہے۔ اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب اس نے پھلوں کو اس طرح توڑا ہو جس طرح توڑے جاتے ہیں اور کچھ نقصان نہ آیا ہو اور اگر اس کے فعل سے اس میں نقصان آ گیا ہو تو وہ ضامن ہو گا اسی قدر حصہ قرضہ ساقط ہو جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر اس نے بکری یا اونٹنی کا دودھ دوھ لیا تو استحساناً ضامن نہ ہو گا اور اگر گائے یا بکری رہن ہو اور مرتہن کو اس کے مرنے کا خوف ہوا پس اس نے ذبح کر ڈالی تو قیاساً و استحساناً ضامن ہو گا اور حاصل یہ ہے کہ جو ایسا تصرف ہے جس سے عین مرہون سے ملک راہ رہن زائل ہوتی ہے جیسے بیع و اجارہ وغیرہ تو ایسے تصرف کا مرتہن کو اختیار نہیں ہے اور اگر کرے گا تو ضامن ہو گا اگر چہ اس میں فاسد ہو جانے سے ایک طرح کی حفاظت ہو الا اس صورت میں کہ یہ تصرف اس نے قاضی کے حکم سے کیا ہو تو اس پر ضمان واجب نہ ہو گی اور جو تصرف ایسا ہو کہ جس سے عین مرہون سے ملک[2] راہن زائل نہ ہوتی ہو تو ایسے تصرف کا مرتہن کو اختیار ہے اگر چہ بدون حکم قاضی ہو بشرطیکہ اس میں خراب ہو جانے سے حفاظت اور نگہداشت ہو علی ہذا اسی سے یہ مسائل نکلتے ہیں کہ اگر دس درم قیمت کی بکری دوسرے کے پاس بعوض دس درم قرضہ کے رہن کی اور راہن نے مرتہن کو اجازت دی کہ اس کا دودھ دوھ کر پیئے اور مرتہن نے ایسا کیا تو اس پر ضمان واجب نہ ہو گی اس واسطے کہ راہن کی اجازت سے مرتہن کا فعل مثل راہن کے

[1] یعنی یہ بیع باعث ہے کہ مرتہن کا حق اس کے ثمن سے متعلق ہو گیا ۱۲ [2] یعنی ملک راہن بالفعل یا ہمیشہ کے لیے نہیں رہتی ہے ۱۲

فعل کے ہے پس اگر راہن خود یہ فعل کرتا تو اس پر ضمان لازم نہ تھی اسی طرح مرتہن کے اس کی اجازت سے کرنے سے بھی ضمان لازم نہ ہوگی پھر اگر اس کے بعد راہن چھڑانے آئے تو پورا قرضہ دے کر چھڑا سکتا ہے پھر اگر راہن کے فک رہنے کے واسطے آنے سے پہلے بکری مرتہن کے پاس تلف ہوگئی تو فرمایا کہ تمام قرضہ بکری کے قبضہ کے روز کی قیمت اور دودھ کے پینے کے روز کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا پس قرضہ میں سے بکری کے مقابلہ میں جو حصہ پڑتا ہو وہ ساقط ہو جائے گا اور جس قدر دودھ کے مقابلہ میں پڑتا ہو اس کو راہن ادا کرے گا اسی طرح اگر بکری کے بچہ پیدا ہوا اور مرتہن نے راہن کی اجازت سے اس کو کھالیا تو اس میں وہی حکم ہے جو دودھ کی صورت میں مذکور ہوا ہے اسی طرح اگر راہن و مرتہن کی اجازت سے کسی اجنبی نے دودھ یا اس کا بچہ کھالیا تو اس میں بھی وہی حکم ہے جو راہن کی اجازت سے مرتہن کے کھالینے کی صورت میں مذکور ہوا ہے۔ اور اگر مرتہن نے بدون اجازت راہن کے دودھ یا بکری کا بچہ کھالیا تو اس پر ضمان واجب ہوگی اور یہ مال ضمان بکری کے ساتھ قرضہ کے عوض رہن ہو جائے گا پھر اگر اس کے بعد بکری مرگئی تو جس قدر حصہ قرضہ میں سے بکری کے مقابلہ میں پڑتا ہے وہ ساقط ہوگا اور راہن مال ضمان کو اس کے حصہ کا قرضہ دے کر چھڑا سکتا ہے اور اگر راہن نے دودھ یا بچہ بدون اجازت مرتہن کے کھالیا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور یہ قیمت مع بکری کے مرتہن کے پاس رہن رہے گی پھر اگر یہ مال ضمان تلف ہو جائے تو مفت تلف ہوگا اس واسطے کہ یہ قیمت دودھ و بچہ کے قائم مقام ہے اور دودھ و بچہ اگر تلف ہوتا تو مفت تلف ہوتا اسی طرح اس کا قائم مقام بھی مفت تلف ہوگا پھر اگر اس کے بعد بکری تلف ہو تو پورے قرضہ کے عوض تلف ہوگی جیسا کہ دودھ و بچہ کے تلف ہونے کے بعد بکری کے تلف ہونے کا حکم ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے ایک باندی رہن کی اس نے مرتہن کے بچہ کو دودھ پلایا تو قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا اس واسطے کہ آدمی کا دودھ متقوم[1] نہیں ہوتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

نواں باب☆

رہن میں راہن و مرتہن کے اختلاف کرنے اور اس میں گواہی دینے کے بیان میں

اگر قرضہ ہزار درم ہو اور راہن و مرتہن نے جس قدر کہ عوض رہن ہے اختلاف کیا پس راہن نے کہا کہ وہ پانچ سو درم کے عوض رہن ہے اور مرتہن نے کہا کہ ہزار درم کے عوض رہن ہے تو قسم سے راہن کا قول قبول ہوگا اور اگر راہن نے کہا کہ میں نے پورے قرضہ کے عوض جو تیرا مجھ پر آتا ہے اور وہ ہزار درم ہیں رہن کیا ہے اور مال رہن ہزار درم قیمت کا موجود ہے اور مرتہن نے کہا کہ میں نے اس کو پانچ سو درم کے عوض رہن لیا ہے اور مال مرہون قائم ہے تو امام اعظمؒ سے مروی ہے کہ راہن کا قول قبول ہوگا۔ باہم[2] قسم کھا کر عقد کو توڑ کر دونوں باہم واپس کر لیں گے اور اگر مال مرہون دونوں کے باہم قسم کھانے سے پہلے تلف ہوگیا تو قول مرتہن کا لیا جائے گا۔ اور اگر دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ رہن بعوض ہزار درم کے تھا اور باندی کی قیمت میں اختلاف کیا تو قول مرتہن کا قبول ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو راہن کے گواہ قبول ہوں گے اس واسطے کہ اس کے گواہوں سے ضمان کی زیادتی ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر دو کپڑے رہن ہوں جس میں سے ایک تلف ہوگیا اور تلف شدہ کی قیمت میں دونوں نے اختلاف کیا تو بھی اس کی مقدار قیمت میں مرتہن کا قول قبول ہوگا اور زیادتی قیمت کے بارہ میں راہن کے گواہ قبول ہوں گے اسی طرح اگر مقدار رہن میں اختلاف کیا اور مرتہن نے کہا کہ تو نے میرے پاس یہ دونوں کپڑے بعوض ہزار درم کے رہن کیے ہیں اور راہن نے کہا

[1] متقوم یعنی قیمتی چیزوں میں سے نہیں ہے اسی واسطے باندی کا دودھ فروخت نہیں ہوتا ہے اور دائی دودھ پلائی کی نوکری بضرورت ہے ۱۲

[2] قولہ باہم اقول اسی طرح اصل میں مذکور ہے اور بظاہر یہاں سقوط ہے لہٰذا مقدمہ پر نظر کرنا چاہیے ۱۲ منہ

کہ میں نے یہ ایک کپڑا تیرے پاس رہن کیا ہے تو دونوں میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم لی جائے گی اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو مرتہن کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر راہن نے مرتہن سے کہا کہ مال مرہون تیرے پاس تلف ہوا ہے اور مرتہن نے کہا کہ تو نے مجھ سے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا پھر وہ تیرے پاس تلف ہوا ہے تو قول راہن کا قبول ہوگا اس واسطے کہ دونوں کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ وہ مال ضمان میں داخل ہو چکا ہے مگر مرتہن ضمان سے بری ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور راہن اس سے انکار کرتا ہے پس قول منکر کا قبول ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو گواہ بھی راہن کے قبول ہوں گے اس واسطے کہ اس کے گواہوں سے قرضہ کا استیفاء یعنی بھر پانا ثابت ہوتا ہے اور مرتہن کے گواہوں سے اس کی نفی ہوتی ہے پس جو گواہ مثبت ہیں وہ اولیٰ ہیں۔ اور اگر مرتہن نے کہا کہ میرے قبضہ کرنے سے پہلے وہ راہن کے پاس تلف ہو گیا ہے تو اسی کا قول قبول ہوگا اس واسطے کہ راہن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مرہون مذکور ضمان میں داخل ہوا ہے اور مرتہن داخل ہونے سے انکار کرتا ہے پس منکر کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو گواہ راہن کے قبول ہوں گے اس واسطے کہ ان سے ضمان ثابت ہوتی ہے یہ بدائع میں ہے۔

اگر اس بات میں اختلاف واقع ہوا کہ پہننے کی حالت میں تلف ہوا ہے یا اُتارنے کی؟

اگر ایک شخص نے ہزار درم قیمت کی باندی بعوض ہزار درم قرضہ میعادی کے رہن رکھی اور ایک شخص عادل کو مختار کیا کہ میعاد آنے پر اس کو فروخت کر دے پھر جب میعاد آ گئی تو مرتہن اس باندی کو لایا اور عادل سے درخواست کی کہ اس کو بیع کرے اور راہن نے انکار کیا کہ یہ وہ باندی نہیں ہے پس اگر راہن وہ مرتہن دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ مرہونہ باندی کی قیمت ہزار درم تھی اور قرضہ ہزار درم تھا اور مرتہن جس باندی کو لایا ہے اس کی قیمت بھی ہزار درم ہے لیکن راہن اس بات سے انکار کرتا ہے کہ یہ وہ باندی نہیں ہے تو رہن کے حق میں مرتہن کا قول قبول ہوگا پھر اس کے بعد اگر عادل نے انکار کیا اور کہا کہ یہ وہ باندی نہیں ہے یا کہا کہ میں نہیں جانتا ہوں تو اس کے علم پر اس سے قسم لی جائے گی پس اگر اس نے قسم کھائی تو اس کی بیع کے واسطے مجبور نہ کیا جائے گا اور اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا اس واسطے کہ عادل کی بیع سے غیر کا حق متعلق ہو گیا ہے یعنی مرتہن کا حق متعلق ہے پس عادل مجبور کیا جائے گا اور بیع کا عہدہ عادل کے ذمہ ہوگا لیکن اگر عادل مذکور بعد بیع کے کچھ ضامن[1] ہوا تو راہن سے واپس لے سکتا ہے اور اگر عادل قسم کھا گیا تو بیع پر مجبور کیا جائے گا تو قاضی راہن کو حکم دے گا کہ خود فروخت کرے اور اگر اس نے انکار کیا تو قاضی اس کو مجبور نہ کرے گا بلکہ خود فروخت کر دے گا لیکن اس کا عہدہ راہن کے ذمہ ہوگا جیسا کہ عادل کے مر جانے کی صورت میں ہے اور اگر مرتہن پانچ سو درم قیمت کی باندی لایا اور راہن نے کہا کہ یہ میری باندی نہیں ہے اور مرتہن نے کہا کہ یہ وہی باندی ہے مگر اس کا نرخ گھٹ گیا ہے تو راہن کا قول قبول ہوگا اور اس سے قسم لی جائے گی پس اگر اس نے قسم کھائی تو باندی مرہونہ اس کے زعم کے موافق قرضہ کے عوض تلف شدہ قرار دی جائے گی پھر عادل کی طرف رجوع کیا جائے گا پس اگر عادل نے مرتہن کے قول کی تصدیق کی تو اس سے کہا جائے گا کہ اس کو مرتہن کے واسطے فروخت کر دے پھر جب وہ فروخت کر دے تو اس کا ثمن مرتہن کو دے دے گا پس اگر ثمن بہ نسبت قرضہ کے کم ہو تو باقی قرضہ کو راہن سے مرتہن نہیں لے سکتا ہے الا اس صورت میں کہ اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کرے تو البتہ باقی قرضہ کو راہن سے لے سکتا ہے یہ حکم اس وقت ہے کہ دونوں نے اس امر پر اتفاق کیا ہو کہ مرہونہ کی قیمت ہزار درم تھی اور اگر دونوں نے اس میں اختلاف کیا اور مرتہن سے کہا کہ تو نے مجھے فقط پانچ سو درم قیمت کی رہن دی تھی اور راہن نے کہا کہ ہزار درم قیمت کی تھی اور یہ باندی وہ نہیں ہے تو مرتہن کا قول قبول ہوگا پس اگر عادل نے اس کے قول کی تصدیق کی تو باندی مذکور کے فروخت

[1] ضامن یعنی بیع مذکور کی وجہ سے مشتری کے لیے ضمان درک و عہدہ سے ضامن ہوا ۱۲ م

کرنے پر مجبور کیا جائے گا پھر اگر اس کا ثمن قرضہ سے کم آیا تو باقی قرضہ کو راہن سے واپس لے گا اور اگر عادل نے اس کے فروخت کرنے سے انکار کیا تو رہن اس کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا یا قاضی اس کو فروخت کرے گا اور بیع کا عہدہ راہن پر ہوگا اور باقی قرضہ بھی راہن کے ذمہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر غلام رہن ہوا اور دونوں نے اختلاف کیا پس راہن نے کہا کہ رہن کے روز اس کی قیمت ہزار درم تھی پھر کانا ہو جانے سے قیمت کم ہو کر پانچ سو درم رہ گئی ہے اور مرتہن نے کہا کہ نہیں بلکہ رہن کے روز اس کی قیمت پانچ سو درم تھی پھر اس کے بعد البتہ بڑھ گئی تھی پس میرے حق میں سے صرف دو سو پچاس درم گئے ہیں تو قول راہن کا قبول ہوگا اس واسطے کہ وہ فی الحال کو حال ماضی پر دلیل دیتا ہے پس ظاہر حال اُسی کے واسطے شاہد ہے اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو گواہ بھی راہن کے قبول ہوں گے اس واسطے کہ اس کے گواہوں سے ضمان کی زیادتی ثابت ہوتی ہے پس وہی لائق قبول ہیں یہ بدائع میں ہے عیسیٰ بن ابان نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ اگر رہن ایک کپڑا ہوا اور راہن نے مرتہن کو اس کے پہننے کی اجازت دے دی اور اس نے پہنا پس وہ تلف ہو گیا پھر دونوں نے اختلاف کیا کہ پہننے کی حالت میں تلف ہوا ہے یا اتارنے کے بعد رہن ہو کر تلف ہوا ہے تو مرتہن کا قول قبول ہوگا اس واسطے کہ دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ رہن سے خارج ہو گیا تھا پھر راہن کے اس دعویٰ کی کہ وہ عود کر کے رہن ہو گیا تھا تصدیق نہ کی جائے گی اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ہزار درم قیمت کا غلام بعوض ہزار درم قرضہ کے رہن کیا اور راہن نے مرتہن کو اس کے فروخت کرنے کا مختار کر دیا پس مرتہن نے کہا کہ میں نے اس کو پانچ سو درم میں فروخت کیا ہے اور راہن نے کہا کہ تو نے اس کو فروخت نہیں کیا ہے بلکہ وہ تیرے پاس مر گیا ہے تو راہن سے قسم لی جائے گی کہ واللہ میں نہیں جانتا ہوں کہ مرتہن نے اس کو پانچ سو درم کو فروخت کیا ہے اور اسی کا قول قبول ہوگا اور اس سے یوں قسم نہ لی جائے گی کہ واللہ وہ غلام مرتہن کے قبضہ میں مر گیا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ راہن نے مرتہن کو مرہون کپڑے پہننے کے واسطے ایک روز کے لیے اجازت دے دی پھر مرتہن اس کو پھٹا ہوا لایا اور کہا کہ اُسی روز کے پہننے سے یہ پھٹ گیا ہے اور راہن نے کہا کہ تو نے اس روز نہیں پہنا اور نہ اس روز یہ پھٹا ہے تو راہن کا قول قبول ہوگا اور اگر راہن نے اُس روز پہننے کا اقرار کیا لیکن یہ کہا کہ پہننے سے پہلے یا اُتار دینے کے بعد پھٹ گیا ہے تو مرتہن کے اس قول کی کہ پہننے کی حالت میں پھٹا ہے تصدیق ہوگی کیونکہ دونوں اس امر پر متفق ہوئے کہ وہ ضمان سے خارج ہوا تھا تو جس قدر ضمان مرتہن پر عائد ہوتی ہے اس کے باب میں مرتہن کا قول قبول ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔

اگر غلام رہن ہوا اور راہن نے گواہ قائم کئے کہ یہ مرتہن کے پاس سے بھاگا ہے اور مرتہن نے گواہ قائم کئے کہ راہن کو واپس دینے کے بعد راہن کے پاس سے بھاگا ہے تو ابن سماعہؒ نے کہا کہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ میں مرتہن کے گواہ قبول کروں گا یہ محیط میں ہے۔

اگر راہن نے کہا کہ میں نے تیرے پاس یہ کپڑا رہن کیا تھا اور تو نے مجھ سے لے کر اپنے قبضہ میں کر لیا اور مرتہن نے کہا کہ تو نے میرے پاس یہ غلام رہن کیا تھا اور میں نے تجھ سے لے کر اپنا قبضہ کر لیا ہے اور دونوں نے گواہ قائم کئے تو غلام و کپڑے کے مرتہن کے پاس موجود ہونے کی صورت میں مرتہن کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر غلام و کپڑا دونوں تلف ہو گئے ہوں اور جس کے رہن کا راہن دعویٰ کرتا ہے اس کی قیمت زیادہ ہو تو راہن کے گواہ قبول ہوں گے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر مرتہن نے کہا کہ میں نے ان دونوں کو رہن لیا ہے اور راہن نے کہا کہ میں نے فقط یہ مال اکیلا رہن کیا ہے اور دونوں نے گواہ قائم کئے تو مرتہن کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر مرتہن نے کہا کہ تو نے میرے پاس یہ غلام بعوض ہزار درم کے رہن کیا اور میں نے تجھ سے لے کر اس پر اپنا قبضہ کر لیا ہے اور میرے تجھ پر سوائے اس کے دو سو دینار ہیں جس کے عوض تو نے مجھے کچھ رہن نہیں دیا ہے اور راہن نے کہا کہ تو نے مجھ سے یہ غلام غصب کر لیا ہے اور تیرے مجھ پر ہزار درم بغیر رہن کے قرض ہیں اور میں نے تیرے دو سو دینار قرضہ کے عوض تجھے ایک باندی جس کا فلانہ نام ہے

رہن دے دی ہے اور تو نے مجھ سے لے کر اپنے قبضہ میں کر لی ہے اور مرتہن نے کہا کہ میں نے تجھ سے فلاں باندی رہن لی ہے وہ تیری باندی ہے اور غلام مذکور و باندی مذکورہ دونوں مرتہن کے پاس موجود ہیں تو راہن سے مرتہن کے دعویٰ پر قسم لی جائے گی اس واسطے کہ عقد رہن بجانب راہن لازم ہوتا ہے اور مرتہن اس پر ایسے حق ذاتی کا دعویٰ کرتا ہے کہ اگر وہ اس کا اقرار کرے تو اس پر لازم ہو پس جب اُس نے انکار کیا تو اس سے قسم لی جائے گی پس اگر اس نے قسم کھالی تو غلام کا رہن باطل ہو جائے گا اور اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو غلام بعوض ہزار درم کے رہن ہوگا اور مرتہن سے باندی کی بابت کچھ قسم نہ لی جائے گی لیکن مرتہن اس کو راہن کو واپس دے گا اس واسطے کہ عقد رہن بجانب مرتہن لازم نہیں ہوتا ہے پس باندی کے رہن سے اس کا انکار کرنا بمنزلہٗ راہن کو باندی واپس دینے کے ہے اور اس کو اختیار حاصل ہے کہ باندی راہن کو واپس دے دے اگر وہ باندی اس کے پاس مرہونہ ہوئی تو قسم لینا کچھ مفید نہ ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو مرتہن کے گواہوں پر حکم دیا جائے گا اس واسطے کہ وہ گواہ ملزم ہیں کہ بجانب راہن حق مرتہن کو لازم کرتے ہیں اور راہن کے گواہ مرتہن کے ذمہ باندی کے مرہونہ ہونے کو کچھ لازم نہیں کرتے ہیں پس ان گواہوں کے موافق حکم دینے کے کچھ معنی نہیں ہیں الا اس صورت میں کہ مرتہن کے پاس وہ باندی مرگئی ہو تو ایسی صورت میں راہن کے گواہوں کے موافق حکم دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر مرہونہ باندی[1] کے بچہ کی بابت راہن و مرتہن نے اختلاف کیا اور مرتہن نے کہا کہ میرے پاس بچہ جنی ہے تو اسی کا قول قبول ہوگا اس واسطے کہ بچہ اس کے قبضہ میں موجود ہے اور مرتہن نے غیر سے لے کر اس پر قبضہ کرنے کا اقرار نہیں کیا ہے اور اگر مرتہن نے کہا کہ میں نے ماں و بچہ دونوں کو رہن لیا ہے اور راہن نے کہا کہ نہیں بلکہ فقط ماں کو لیا ہے تو راہن کا قول قبول ہوگا اس واسطے کہ وہ منکر ہے۔ اور اگر مرتہن نے رہن مع قبضہ کا دعویٰ کیا تو دونوں باتوں پر اس کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر فقط رہن کا دعویٰ کیا ہو تو قبول نہ ہوں گے اس واسطے کہ فقط عقد لازم نہیں ہوتا ہے اور اگر مرتہن نے رہن سے انکار کیا تو رہن ثابت کرنے پر راہن کے گواہوں کی سماعت نہ ہوگی اس واسطے کہ عقد رہن بجانب مرتہن لازم نہیں ہوتا ہے خواہ گواہوں نے معائنہ قبضہ کی گواہی ادا کی ہو یا قبضہ پر اقرار راہن کی گواہی دی ہو یہ آخری[2] قول امام اعظمؒ کا اور یہی قول صاحبینؒ کا ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ اور اگر راہن نے گواہ دیئے کہ میں نے دو ہزار درم قیمت کا غلام بعوض ہزار درم قرضہ کے رہن کیا ہے اور مرتہن نے رہن سے انکار کیا اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس نے غلام کو کیا کیا ہے تو غلام کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اس میں سے بقدر قرضہ کے محسوب کر کے باقی کو راہن واپس دے گا اور اگر مرتہن و راہن نے اقرار کر لیا کہ مرتہن کے پاس مرگیا ہے تو جس کے عوض رہن تھا اُس کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور مرتہن مقدار زائد کا ضامن نہ ہوگا اس واسطے کہ زیادتی اس کے پاس امانت تھی اور اس کی طرف سے کوئی انکار ثابت نہیں ہوا پس زیادتی کا ضامن نہ ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔

دسواں باب ☆

چاندی کے عوض چاندی اور سونے کے عوض سونے کے رہن کرنے کے بیان میں

درم، دینار، کیلی و وزنی چیزوں کا رہن رکھنا جائز ہے پس اگر اپنے جنس کے عوض رہن ہو اور تلف ہو جائے تو بعوض اپنے مثل وزن قرضہ کے تلف شدہ قرار دی جائے گی اگرچہ باعتبار جودت کے اختلاف ہو اور یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک اُس کے خلاف جنس سے اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور وہ قیمت بجائے اس کے مرہون ہوگی پس اصل امام اعظمؒ کے نزدیک

---

[1] مرہونہ باندی ہو یا گائے بکری وغیرہ ہو منہ ۱۲ [2] آخری قول یعنی امام نے آخر میں یہی قول اجتہاد سے نکالا ہے ۱۲

یہ ہی کہ حالت تلف لامحالہ حالت استیفاء ہے اور استیفاء وزن ہی سے ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ حالت تلف جبھی حالت استیفاء ہے کہ جب ضرر کی جانب مفضی نہ ہو اس کا بیان یوں ہے کہ ایک شخص نے دس درم وزن کے تیل کی چاندی کی کپی بعوض دس درم قرضہ کے رہن رکھی اور وہ تلف ہوگئی پس اگر اس کی قیمت اس کے وزن کے برابر دس درم ہو تو بالاتفاق قرضہ ساقط ہو جائے گا اسی طرح اگر اس کی قیمت اُس کے وزن سے زائد ہو تو بھی بالاتفاق قرضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر اُس کی قیمت اس کے وزن سے کم ہو تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مرتہن اُس کی قیمت کا اس کے خلاف جنس[1] سے ضامن ہوگا۔ اور اگر وہ ٹوٹ گئی اور اس کی قیمت اس کے وزن کے برابر دس درم ہے تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک راہن کو اختیار ہے چاہے اسی طرح ٹوٹی ہوئی ناقص کو پورے قرضہ کے عوض فک رہن کرا لے اور چاہے تو مرتہن سے اُس کی قیمت اس کے جنس سے یا اس کے خلاف جنس سے تاوان لے اور یہ مال تاوان بجائے مرہون اوّل کے مرتہن کے پاس رہن ہوگا اور مرہون اوّل تاوان دینے کے بعد مرتہن کی ملک ہو جائے گا اور راہن پر فک رہن کرانے کے واسطے جبر نہ کیا جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک راہن کو اختیار ہے چاہے اس کو اسی طرح ناقص پورے قرضہ (۱) کے عوض فک رہن کرا لے اور اگر چاہے تو پورے قرضہ کے عوض مرتہن کی ملک کر دے اور راہن کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مرتہن سے اس کی قیمت کی ضمان لے اور اگر اُس کی قیمت اس کے وزن سے کم چنانچہ آٹھ درم ہو تو راہن اُس سے مرہون مذکور کے کھرے کے حساب سے دوسری جنس سے اُس کی قیمت تاوان لے تاکہ سود سے بچ جائے یا ردی کے حساب سے اُسی کی جنس سے تاوان لے اور یہ مال تاوان مرتہن کے پاس رہن ہوگا اور یہ حکم بالاتفاق ہے اور اگر اُس کی قیمت اُس کے وزن سے زائد بارہ درم ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک چاہے اس کو پورے قرضہ کے عوض فک رہن کرا لے یا مرتہن سے اُس کی پوری قیمت اس کے غیر جنس سے چاہے جس قدر ہو لے اور وہ مرتہن کے پاس رہن رہے گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پانچ چھٹے حصے اس کی قیمت کے تاوان لے گا پس اس ظرف شکستہ میں سے پانچ چھٹے حصے بعد ضمان دینے کے مرتہن کی ملک ہو جائیں گے اور ایک چھٹا حصہ الگ کر لیا جائے گا تاکہ رہن شائع نہ رہے اس واسطے کہ ظاہر الروایۃ کے موافق شیوع طاری مثل شیوع مقارن[2] کے ہے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ شیوع طاری مانع نہیں ہوتا ہے پس بنا بر اس روایت کے ششم حصہ کے الگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ حصہ مع پانچ چھٹے حصے کی قیمت کے مرتہن کے پاس قرضہ کے عوض مرہون رہے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر ٹوٹ جانے سے ان کی قیمت میں ایک یا دو درم کا نقصان آیا تو راہن پر جبر کیا جائے گا کہ پورا قرضہ ادا کر کے انفکاک رہن کرائے اور اگر اس سے زیادہ نقصان آیا ہو تو راہن کو اختیار ہوگا چاہے مرتہن کے قرضہ کے عوض مرتہن کی ملک کر دے اور چاہے پورے قرضہ کے عوض فک رہن کر لے اور اگر اُس کا وزن آٹھ درم ہو اور وہ تلف ہوگئی تو مرتہن کے قرضہ میں سے آٹھ درم ساقط ہو جائیں گے خواہ اس کی قیمت اس وزن سے کم ہو یا زیادہ ہو یا برابر ہو یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اس واسطے کہ امام کے نزدیک وزن کا اعتبار ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر اس کی قیمت اور وزن برابر ہو تو یہی حکم ہے اور اگر اس کی قیمت بہ نسبت وزن کے کم یا زیادہ ہو چنانچہ سات درم یا نو درم یا دس درم ہو تو خلاف جنس سے اس کی قیمت کی ضمان لے پس اگر مثلاً بارہ (۲) درم ہو تو پانچ چھٹے حصے کی ضمان لے اور اگر وہ ٹوٹ گئی پس اگر اس کی قیمت میں آٹھ درم ہوں تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چاہے پورے قرضہ کو دے کر فک رہن کر لے یا مرتہن سے اس کی جنس[3] سے اس کی ضمان لے چنانچہ بیان ہو چکا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک چاہے پورے قرضہ اور چاہے تو لوٹنے کو تلف ہونے پر قیاس کر کے اُس کو آٹھ

---

[1] یعنی وہ چاندی تھی تو سونے سے اُس کی قیمت ادا کرے ۱۲ منہ [2] شیوع طاری وہ ہے جو بعد عقد کے پیدا ہو جائے اور مقارن وہ ہے جو وقت عقد کے موجود ہو ۱۲ منہ [3] یعنی اُس کی جنس سے یا اس کے خلاف جنس سے (۱) یعنی پورا قرضہ دے ۱۲ (۲) یعنی ایک دو درم سے زیادتی زیادہ ہو ۱۲

درم قرضہ کے عوض مرتہن کے ذمہ ڈالے اور اگر اس کی قیمت کم ہو چنانچہ سات درم ہو یا زیادہ چنانچہ نو درم یا دس درم ہو تو راہن کو اختیار ہے کہ چاہے پورے قرضہ کے عوض فک رہن کرا لے یا خلاف جنس سے اُس کی قیمت تاوان لے یہ بالاتفاق ہے اسی طرح اگر بارہ ہو تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک یہی حکم ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اُس سے اُس کی قیمت کے پانچ چھٹے حصہ کی ضمان لے یا پورے قرضہ کو ادا کر کے فک رہن کرا دے اور یہی حکم امام محمدؒ کے نزدیک ہے اگر کمی دو درم سے زائد ہو۔ اور راہن پورے قرضہ کو دے کر فک رہن کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا اور اگر اس کا وزن (۱) مرتہن کے قرضہ سے زائد پندرہ درم ہو اور وہ تلف ہو گئی تو دو تہائی سے اس نے اپنا قرضہ بھر پایا اور ایک تہائی اس کے پاس امانت میں تلف ہوئی خواہ اس کی قیمت زائد ہو یا کم ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر اس کے وزن کے برابر یا زیادہ ہو تو یہی حکم ہے اور اگر اُس سے کم ہو پس اگر قرضہ سے بھی کم ہو یا برابر ہو دس درم ہو تو خلاف جنس سے اس کی قیمت تاوان لے گا اور اگر بارہ درم ہو تو پانچ چھٹے حصے کی قیمت تاوان لے گا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اور اگر وہ ٹوٹ گئی تو راہن کو اختیار ہے چاہے پورا قرضہ دے کر فک رہن کرا لے یا اُس کی دو تہائی کی قیمت تاوان لے خواہ اُس کی قیمت قرضہ سے کم ہو یا زیادہ ہو یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور یہی حکم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اگرچہ اُس کی قیمت اُس کے وزن سے برابر ہو اور امام محمدؒ کے نزدیک چاہے اُس کو پورا قرضہ دے کر چھڑا لے یا اس میں سے دو تہائی مرتہن کے ذمہ بعوض اُس کے قرضہ کے ڈالے اور ایک تہائی واپس کر لے اور اگر زیادہ بیس درم ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چاہے پورا قرضہ دے کر فک رہن کرا دے اور چاہے اُس کی قیمت نصف قرضہ سے تاوان لے اس واسطے کہ اس کی نصف کی قیمت قرضہ کے برابر ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر ٹوٹنے سے پانچ درم کا نقصان آیا ہو تو راہن پورے قرضہ کو دے کر فک رہن کرانے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر اس سے زیادہ نقصان آیا تو اس کو اختیار ہوگا چاہے پورے قرضہ کو دے کر چھڑا دے یا چاہے دو تہائی اُس کی بعوض قرضہ مرتہن کے اُس کے ذمہ ڈالے اور ایک تہائی واپس لے اور اگر اُس کی قیمت بارہ درم ہوں تو چاہے صاحبینؒ کے قول کے موافق پورے قرضہ کو دے کر فک رہن کرا دے یا اس کے پانچ چھٹے حصے کی قیمت تاوان لے اور اگر اُس کی قیمت قرضہ کے برابر دس درم ہو یا کم ہو نو درم ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک چاہے پورے قرضہ کو ادا کر کے فک رہن کرا دے یا پورے برتن کی قیمت خلاف جنس سے تاوان لے پس تمام اقسام سولہ ہوئے اس واسطے کہ قسم اول میں یعنی جب کہ مذکور کا وزن قرضہ کے برابر ہو چھ صورتیں ہیں اس واسطے اس صورت میں یا تو اس کی قیمت اُس کے وزن کے برابر ہوگی یا کم ہوگی یا زیادہ ہوگی پھر یہ تین صورتیں اس کے تلف ہو جانے میں اور تین ہی اس کے ٹوٹ جانے میں سب چھ صورتیں ہوئیں اور دوسری قسم میں جب کہ اس کا وزن آٹھ درم ہو دس صورتیں ہیں اس واسطے کہ اُس کی قیمت یا تو اُس کے درن کی ایک کم سات ہوگی یا برابر ہو گی یا ایک زیادہ نو ہوگی یا دس (۲) ہوگی یا بارہ ہوگی اور تیسری قسم میں بھی جب کہ اُس کا وزن نو درم ہو دس صورتیں ہیں اس واسطے کہ یہ اس کی قیمت اُس کے وزن کے برابر یا زیادہ ہوگی یا وزن سے کم اور قرضہ سے زائد ہوگی یا وزن کم و قرضہ کے برابر ہوگی یا وزن سے کم و قرضہ سے بھی کم ہوگی پس پانچ بر تقدیر تلف ہونے کے اور پانچ بر تقدیر اُس کے ٹوٹ جانے کے سب دس ہوئیں یہ کافی میں ہے۔ امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے سے ایک انگوٹھی رہن لی جس میں ایک درم چاندی ہے اور نو درم قیمت کا نگینہ ہے اور دس درم قرضہ کے عوض رہن رکھی پھر وہ تلف ہو گئی تو امام اعظمؒ کے نزدیک وہ ہر حال میں جس قدر کہ عوض رہن تھی اُسی کے عوض تلف شدہ قرار دی جائے گی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اگر انگوٹھی کے حلقہ کی قیمت ایک درم یا زیادہ ہو تو یہی جواب ہے جو امام اعظمؒ کا مذہب مذکور ہوا ہے اور اگر چاندی کی قیمت ایک درم سے کم ہو پس اگر مثلاً آدھا درم ہو تو نگینہ تلف ہو جانے سے نو درم

(۱) صحیح سالم کا وزن ۱۲ (۲) سب تلف ہونے اور ٹوٹ جانے میں دس ہوں ۱۲

قرضہ ساقط ہو جائے گا اور چاندی کے حق میں راہن کو اختیار رہے گا چاہے اُس کا تلف ہونا قرضہ کے عوض قرار دے یا چاہے تو مرتہن سے چاندی کی قیمت یعنی نصف درم تاوان لے لے پھر مرتہن اُس سے اپنا ایک درم قرضہ واپس لے گا اور اگر نگینہ فقط ٹوٹ گیا اور انگوٹھی کا حلقہ درست رہا تو نگینہ کے مقابلہ میں جس قدر قرضہ تھا اُس میں سے بالا جماع اُس قدر قرضہ ساقط ہو جائے گا جس قدر نگینہ میں نقصان آیا ہے اور حلقہ ٹوٹ گیا تو بالا جماع راہن کو اختیار ہوگا پس اگر حلقہ کی قیمت ایک درم یا کم ہو پس اگر راہن نے اس کو چھوڑ دینا اختیار کیا تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مرتہن کے پاس اُس کو قیمت پر چھوڑ دے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک قرضہ کے عوض چھوڑے گا اور اگر اُس کی قیمت ایک درم سے زائد مثلاً ڈیڑھ درم ہو پس اگر اُس نے چھوڑنا اختیار کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کی پوری قیمت ڈیڑھ درم تاوان لے گا مگر قیمت سونے (۱) سے لے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو تہائی حلقہ بعوض اس کی قیمت کے جو سونے سے لے گا تو مرتہن کے پاس چھوڑ دے گا (۲) اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر ٹوٹنے سے بقدر نصف درم کے نقصان ہوا یعنی جس قدر اُس کی بنوائی ہے تو راہن پورا قرضہ دے کر چھڑانے پر مجبور کیا جائے گا اور اس کو اختیار نہ ہوگا اور اگر ٹوٹنے سے نصف درم سے زیادہ نقصان ہوا تو راہن کو اختیار ہوگا اور جب اُس نے مرتہن کے پاس چھوڑنا اختیار کیا تو قرضہ کے عوض چھوڑے گا قیمت کے عوض نہیں چھوڑے گا یہ محیط میں ہے۔

فلوس رہن ہوں اور اُس کا بھاؤ بڑھ گیا تو کچھ اعتبار نہیں' تتارخانیہ☆ میں منقول مسئلہ ☆

ایک شخص نے سیف محلی یعنی تلوار جس پر حلیہ ہے اور تلوار کی قیمت پچاس درم اور حلیہ پچاس درم ہے بعوض سو درم کے رہن کر دی پھر وہ تلف ہو گئی تو جس قدر کے عوض رہن تھی اُسی کی عوض تلف شدہ ہوگی کیونکہ اُس کی مالیت میں وفائے قرضہ ہے اور اگر اُس کا پھل ٹوٹ گیا اور حلیہ تو قرضہ میں سے بحساب نقصان پھل کے ساقط ہو جائے گا یہ مبسوط میں ہے اور اگر فلوس رہن کے اور وہ کاسد ہو گئے تو قرضہ کے عوض گئے اور اگر اس کا بھاؤ گھٹ گیا تو اس کا اعتبار نہیں ہے اور اگر ٹوٹ گئے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا لیکن اگر قیمت زائد ہو تو اس میں سے بقدر قرضہ کے ضامن ہوگا اور جس صورت میں مرتہن ضمان دے کر بعض کنگن کا مالک ہو جائے تو اس قدر جدا کر کے باقی مع مال ضمان کے مرہون رہے گی الا[ا] ایک روایت کے موافق جو امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے۔ اور اگر فلوس رہن ہوں اور اُس کا بھاؤ بڑھ گیا تو کچھ اعتبار نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اصل[۲] میں ذکر فرمایا کہ اگر کسی نے طشت یا کوزہ بعوض ایک درم کے رہن کیا اور مرہون سے وفائے دین ہو سکتی ہے اور اس میں دین کی نسبت کچھ زیادتی ہے پس اگر وہ تلف ہو جائے تو جس کے عوض رہن ہے اُسی کے عوض تلف شدہ قرار پائے گا اور اگر ٹوٹ گیا پس اگر ایسی چیز ہو جو موزوں نہیں ہے تو قرضہ میں سے باقدر حصہ نقصان کے ساقط ہو جائے گا اور اگر موزوں ہو تو راہن کو اختیار ہوگا چاہے قرضہ دے کر فک رہن کرا دے یا چاہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک قیمت لے کر اُس کو مرتہن کے پاس چھوڑ دے و امام محمدؒ کے نزدیک قرضہ کے عوض مرتہن کے ذمہ چھوڑ سکتا ہے اور امام ابو یوسفؒ کا قول اس مسئلہ میں امام اعظمؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ جس صورت میں مال مرہون میں بہ نسبت قرضہ کے زیادتی ہو تو بنا بر ظاہر الروایہ کے امام ابو یوسفؒ کو امام اعظمؒ کے ساتھ ذکر کرنا درست نہیں معلوم ہوتا ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے ایک کُر گیہوں دو سو درم قیمت کا بعوض سو درم کے رہن کیا پس اگر وہ تلف ہو جائے تو قرضہ کا بھر پانا اُس کے

[ا] یعنی اس روایت کے موافق جدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۱۲ [۲] اصل یعنی کتاب مبسوط مصنفہ امام محمدؒ وفائے دین یعنی پورا قرضہ ادا ہوتا ۱۲

(۱) یعنی اس کے درم میں سونا لیا ۱۲ (۲) یعنی دو تہائی کی قیمت میں سونا لے کر دو تہائی مرتہن کو دے دے ۱۲

☆ صحیح لفظ تتارخانہ ہی ہے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے تاتارخانہ کہا جانے لگا اور اس کتاب میں بھی مترجم نے ''ا'' زائد ہی استعمال کیا۔ (حافظ)

نصف سے ہو جائے گا اور اگر اُس کو پانی پہنچا جس سے وہ متعفن ہو کر پھول گیا تو راہن کو اختیار ہے چاہے قرضہ ادا کر کے اُس کا فک رہن کرا لے اور اس کو اس سے زیادہ کچھ نہ ملے گا اور چاہے کھرے آدھے کر کے مثل تاوان لے اور نصف فاسد تو ملک مرتہن ہو جائے گا اور نصف فاسد باقی مع مال ضمان کے مرتہن کے پاس مرہون رہے گا یہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک راہن کو اختیار ہے چاہے اُس کا نصف بعوض قرضہ کے مرتہن کی ملک کر دے اور جب (۱) مرتہن اس نصف کا مالک ہو پس اگر اس میں کچھ زیادتی ہو تو بقدر زیادتی کے صدقہ کر دے گا یہ خزانۃ الاکمل میں ہے۔

گیارھواں باب☆

متفرقات کے بیان میں

زید نے ایک غلام عمرو کے پاس رہن کی اور وہ عمرو کے پاس مر گیا پھر خالد نے گواہوں سے اس غلام پر اپنا استحقاق ثابت کیا تو خالد کو اختیار ہو گا کہ دونوں میں سے جس سے چاہے ضمان لے پس اگر اُس نے راہن سے تاوان لیا تو وہ عقد رہن سے پہلے ادائے ضمان کی وجہ سے اُس کا مالک قرار دیا جائے گا پس ظاہر ہوا کہ اُس نے اپنی ذاتی ملک کو رہن کیا تھا اور مرہون تلف ہونے سے مرتہن اپنا قرضہ بھر پانے والا ہو گیا پس راہن سے اپنا قرضہ نہیں لے سکتا ہے اور اگر اُس نے مرتہن سے تاوان لیا تو مرتہن اس قدر مال تاوان راہن سے واپس لے گا اور اپنا قرضہ بھی واپس لے گا اگر راہن و مرتہن نے وقت عقد کے یہ شرط لگائی کہ راہن ہی [۱]عادل ہو اور رہن کا مال اُسی کے پاس رہے کہ میعاد آنے پر اُس کو فروخت کرے تو اس مسئلہ میں دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ عقد رہن میں دونوں ایسی شرط لگائیں پس اس صورت میں رہن صحیح نہ ہو گا خواہ مرتہن نے اُس پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو دوم یہ کہ تمام عقد رہن کے بعد دونوں نے ایسی شرط قرار دی پس اگر مرتہن نے رہن پر قبضہ نہ کیا ہو تو رہن صحیح نہ ہو گا اور اگر قبضہ کر لیا ہو تو صحیح ہے پھر جس صورت میں کہ قبضہ کر لیا ہے اور راہن نے اس کو فروخت کیا پس اگر مرتہن کے قبضہ میں ہونے کی حالت میں فروخت کیا ہے تو ثمن مرتہن کا ہو گا اور اگر مرتہن سے لے کر فروخت کیا ہے تو ثمن راہن کا ہو گا اور مرتہن بہ نسبت راہن کے اور قرض خواہوں کے اس کا زیادہ مستحق نہ ہو گا یہ محیط میں ہے۔

اگر مرہون پر کسی شخص نے جنایت [۲] کی تو ضرور ہے کہ یہ جنایت یا تو نفس کا تلف ہو گی یا نفس سے کم ہو گی اور ہر ایک ان دونوں میں سے ضرور ہے کہ یا تو عمداً ہو گی یا خطا سے یا جو خطا کے معنی میں ہے اور جنایت کرنے والا ضرور ہے کہ آزاد ہو گا یا غلام ہو گا پس اگر جنایت نفس کا تلف ہو یعنی مرہون کو قتل کر ڈالا اور عمداً قتل کیا اور قاتل آزاد ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اگر راہن و مرتہن دونوں قصاص لینے پر اتفاق کریں تو راہن [۳] کو اختیار ہو گا کہ قاتل سے قصاص لے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کو قصاص لینے کا اختیار نہ ہو گا اگرچہ دونوں اتفاق کریں اور امام ابو یوسفؒ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں ایسا ہی امام کرخیؒ نے یہ اختلاف نقل کیا ہے اور قاضی نے شرح مختصر الطحاوی میں ذکر کیا کہ قاتل پر قصاص عائد نہ ہو گا اگرچہ راہن و مرتہن قصاص لینے پر اتفاق کریں اور کوئی اختلاف ذکر نہیں فرمایا اور جب قاتل سے قصاص لیا گیا تو قرضہ ساقط ہو جائے گا یہ سب اُس صورت میں ہے کہ دونوں نے قصاص لینے پر اتفاق کیا ہو اور اگر دونوں نے اختلاف کیا تو قاتل سے قصاص نہ لیا جائے گا اور قاتل پر لازم ہو گا کہ مقتول کی قیمت تین سال میں اپنے مال سے ادا کرے اور یہ قیمت رہن رہے گی اور دونوں نے اختلاف کیا اور قاضی نے قصاص باطل کر دیا پھر راہن نے اُس کا قرضہ ادا کر دیا تو

---

[۱] عادل یعنی درمیانی معتمد علیہ خود راہن ہو گا ۱۲ [۲] جنایت یعنی تعدی سے اس پر کوئی جرم کیا جیسے قتل کرنا یا ہاتھ پاؤں کاٹنا یا زخمی کرنا یا تلف کرنا اگر بے جان چیز ہو ۱۲ [۳] یعنی اصل میں قصاص لینے والا راہن ہے لیکن مرتہن کا متفق ہونا ضروری ہے ۱۲ (۱) یعنی ضمان قیمت نہیں لے سکتا ہے ۱۲

پھر قصاص نہیں لے سکتا ہے اور اگر جنایت خطا سے ہو یا شبہ عمد ہو تو قاتل کی مددگار برادری پر تین سال میں اُس کی قیمت واجب ہو گی اور مرتہن اس کو لے کر رہن رکھے گا پھر اگر رہن میعادی ہو تو میعاد آنے تک اُس کے قبضہ میں رہے گی پھر جب میعاد آ جائے پس اگر قیمت جنس قرضہ سے ہو تو اپنا قرضہ اس میں سے پورا وصول کر لے گا پھر اگر کچھ باقی رہ جائے تو وہ راہن کو واپس کر دے گا اور اگر قیمت اس سے کم ہو تو جس قدر ر ہے اس قدر دین وصول کر لے گا اور باقی راہن سے لے گا اور اگر قیمت مذکور خلاف جنس قرضہ سے ہو تو فک رہن کے وقت تک اُس کو اپنے روک رکھے گا اور اگر قرضہ فی الحال واجب الادا ہو تو کا حکم اور میعادی قرضہ ہونے کی صورت میں میعاد آ جانے کا جو حکم مذکور ہوا ہے دونوں یکساں ہیں اور تلف کر دینے کی ضمان لینے کے واسطے غلام کی وہ قیمت معتبر ہو گی جو تلف کر دینے کے روز تھی اور ضمان رہن میں قبضہ کے روز کی قیمت معتبر ہوتی ہے اور وجود سبب کی حالت میں اعتبار ہو گا چنانچہ اگر ہزار درم قرضہ ہو اور رہن کے روز غلام کی قیمت بھی ہزار درم ہو پھر اُس کی قیمت گھٹ گئی اور پانچ سو درم رہ گئی پھر وہ قتل کیا گیا تو قاتل پانچ سو درم اُس کی قیمت تاوان دے گا اور قرضہ میں سے پانچ سو درم ساقط ہو جائیں گے اور جو کچھ اُس نے تلف کر دینے میں تاوان دیا ہے وہ اُس کے مثل قرضہ کے عوض رہن رہے گا یعنی باقی قرضہ ساقط ہو جائے گا اسی طرح اگر مرتہن نے اُس کو قتل کیا تو وہ بھی تاوان دے گا اور اس کا و اجنبی کا حکم یکساں ہو گا اور اگر قتل کرنے والا کوئی غلام یا باندی ہو تو اس کے مولیٰ سے کہا جائے گا کہ یا تو قاتل کو دے دے یا مقتول کی قیمت فدیہ دے پس اگر مقتول کی قیمت مدفوع قاتل کے برابر مدفوع[1] کی قیمت زیادہ ہو تو مدفوع پورے قرضہ میں مرہون رہے گا اور بلا خلاف راہن پر صبر کیا جائے گا کہ پورا قرضہ ادا کر کے اُس کو چھڑا دے اور اگر مدفوع کی قیمت مقتول کی بہ نسبت کم ہو مثلاً مقتول کی قیمت ایک ہزار اور قرضہ ایک ہزار اور مدفوع کی قیمت سو درم ہو تو بھی امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ پورے قرضہ کے عوض مرہون ہو گا اور راہن پر جبر کیا جائے گا کہ غلام مدفوع کو پورا قرضہ دے کر چھوڑا دے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر قاتل کی قیمت میں وفائے[2] قیمت مقتول نہ ہو تو راہن کو اختیار ہو گا چاہے اس کا فک رہن کرا دے یا مرتہن کے قرضہ کے عوض مرتہن کے ذمہ چھوڑ دے۔

اسی طرح اگر غلام مرہون کا نرخ گھٹ گیا یہاں تک کہ سو درم کا رہ گیا پھر اس کو سو درم قیمت کے غلام نے قتل کیا اور وہ غلام قاتل دے دیا گیا تو اس میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ قاتل کے مولیٰ نے قاتل کا دینا اختیار کیا ہو اور اگر فدیہ دینا اختیار کیا تو وہ مقتول کی قیمت فدیہ دے گا اور وہ قیمت رہن رہے گی پھر دیکھا جائے گا کہ اگر قیمت جنس قرضہ سے ہو تو مرتہن اس میں سے اپنا قرضہ پورا وصول کر لے گا اور جنس قرضہ سے خلاف ہو تو مرتہن اس کو روکے رہے گا یہاں تک کہ اپنا قرضہ پورا وصول کر لے اور راہن کو اختیار ہو گا چاہے پورا قرضہ دے کر فک رہن کرائے یا مرتہن کے لیے اُس کے قرضہ کے عوض چھوڑ دے یہ سب اُس صورت میں ہے کہ جنایت قتل نفس ہو۔ اور اگر جنایت قتل نفس سے کم ہو پس اگر مجرم آزاد ہو تو اس کا ارش[3] اُس کے مال سے واجب ہو گا نہ اُس کی مددگار برادری پر خواہ جنایت عمداً ہو یا خطا سے ہو اور یہ مال ارش مع غلام کے رہن رہے گا اور اگر مجرم غلام ہو تو اُس سے مولیٰ سے کہا جائے گا کہ یا اس کو دے دے یا جنایت کا فدیہ دے پس اگر اُس نے فدیہ دینا اختیار کیا تو یہ فدیہ مع غلام کے جس پر جنایت واقع ہوئی دونوں مرہون رہیں گے اور اگر اُس نے مجرم کا دینا اختیار کیا تو مجرم مع اُس غلام کے جس پر جرم کیا ہے دونوں مرہون رہیں گے اور اگر مرہون نے کسی دوسرے پر جنایت کی تو ضرور ہے اس کا جرم یا تو بنی آدم پر ہو گا یا سوائے بنی آدم کے دوسری شے پر ہو گا پس اگر بنی آدم پر ہو تو ضرور ہے کہ عمداً ہو گا یا خطا سے یا جو خطا کے معنی میں ہیں پس اگر جرم عمداً ہو تو مرہون سے قصاص لیا جائے گا جیسا کہ مرہون نہ ہونے کی صورت میں ہے خواہ اُس نے کسی اجنبی کو قتل کیا ہو یا راہن کو یا مرتہن کو اور واجب وہ قصاص میں قتل کیا گیا تو قرضہ ساقط ہو

---

[1] مدفوع دفع کیا ہوا یعنی ولی مقتول کو دے دیا گیا ۱۲ [2] وفائے یعنی مقتول کے برابر نہ ہو اور حکم شرع میں صرف قاتل ہی ملتا ہے ۱۲ [3] ارش جرمانہ ۱۲

جائے گا اور اگر اس نے خطا سے جرم کیا تو خطا کے معنی میں ہے اور اُس کے ساتھ ملحق ہے مثلاً شبہ عمد ہو یا عمد اُ ہو لیکن قاتل ایسا نہیں ہے کہ اس پر قصاص واجب کیا جائے تو اس میں مرہون کا دینا یا فدیہ دینا واجب ہوگا پھر دیکھا جائے گا کہ اگر پورا غلام ضمانت میں ہو مثلاً اُس کی قیمت قرضہ کے برابر یا کم ہو جیسے کہ غلام کی قیمت ایک ہزار درم ہو اور قرضہ بھی ہزار درم ہو یا قرضہ ڈیڑھ ہزار درم ہو اور غلام کی قیمت پانچ سو درم ہو تو مرتہن سے اولاً فدیہ دینے کے واسطے کہا جائے گا اور اگر اس نے فدیہ دے دیا تو غلام مجرم کو چھڑا لیا اور جرم سے پاک کر لیا اور ایسا ہو گیا کہ گویا اُس نے کبھی جرم نہیں کیا تھا اور بدستور سابق رہن رہے گا اور جو مال مرتہن نے فدیہ میں دیا ہے اُس کو راہن سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور مرتہن کو غلام مجرم دے دینے کا اختیار نہیں اور اگر مرتہن نے فدیہ دینے سے انکار کیا تو راہن سے کہا جائے گا کہ غلام مجرم دے یا فدیہ دے پس اگر اُس نے غلام مجرم دینا اختیار کیا تو رہن باطل ہو جائے گا اور قرضہ ساقط ہو جائے گا اسی طرح اگر اس نے فدیہ دینا اختیار کیا تو بھی یہی حکم ہے اس واسطے کہ راہن نے جو کچھ فدیہ میں دیا ہے اُس سے حق مرتہن ادا کرنے والا ہوا کیونکہ مرتہن کی ضمانت میں جرم واقع ہونے کی وجہ سے اُس کا فدیہ مرتہن پر واجب تھا پس لحاظ کیا جائے گا کہ فدیہ کس قدر ہے اور غلام کی قیمت کیا ہے اور قرضہ کس قدر ہے پس اگر مقدار فدیہ قرضہ کے برابر ہو اور غلام کی قیمت قرضہ کے برابر یا زیادہ ہو تو قرضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر مقدار فدیہ قرضہ سے کم ہو اور غلام کی قیمت قرضہ کے برابر یا زیادہ ہو تو قرضہ میں سے بقدر فدیہ کے ساقط ہو جائے گا اور باقی کے عوض غلام مذکور رہن پڑا رہے گا اور اگر مقدار فدیہ قرضہ کے برابر یا زیادہ ہو اور غلام کی قیمت قرضہ سے کم ہو تو قرضہ میں سے بقدر قیمت غلام کے ساقط ہو جائے گا اور اس سے زیادہ ساقط نہ ہوگا۔ اور اگر بعض غلام ضمانت میں ہو اور تھوڑا امانت میں ہو مثلاً غلام کی قیمت دو ہزار درم ہو اور قرضہ ایک ہزار درم ہو تو راہن اور مرتہن دونوں پر فدیہ لازم ہوگا اور مرتہن سے غلام مجرم دینے کے واسطے کہنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ دینے پر راضی ہو اس لئے اس کو دے دینے کا اختیار نہیں ہے۔ پھر جب اس سے فدیہ دینے کے واسطے کہا گیا پس یا تو دونوں شخص مجرم کے دینے پر اتفاق کریں گے یا اختلاف کریں گے پس اگر دونوں نے اختلاف کیا ایک نے مجرم کا دینا اختیار کیا اور دوسرے نے فدیہ دینا اختیار کیا اور ضرور ہے کہ دونوں یا تو حاضر ہوں گے یا غائب یا ایک حاضر اور ایک غائب ہوگا پس اگر دونوں حاضر ہوں اور دونوں نے مجرم دینے پر اتفاق کیا اور دے دیا تو قرضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر دونوں نے فدیہ دینے پر اتفاق کیا تو دونوں میں سے ہر ایک شخص آدھا فدیہ دے دے گا اور جب دونوں نے فدیہ دے دیا تو غلام کی گردن اس جرم سے پاک ہو جائے گی اور بدستور سابق رہن رہے گا اور دونوں میں سے ہر ایک اس مال کے دینے میں متبرع ہوگا یعنی جو کچھ دیا ہے اُس کو دوسرے سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر دونوں نے اختلاف کیا کہ ایک نے مجرم کو دینا چاہا اور دوسرے نے فدیہ دینا چاہا پس جس نے فدیہ دینا اختیار کیا ہے اس کا اختیار اولیٰ ہے پس جس نے فدیہ اختیار کیا ہے وہ غلام کا پورا ارش جنایت دے گا اور پھر دوسرا اس غلام کے دینے کا اختیار نہیں رکھتا ہے پھر جس نے فدیہ دینا اختیار کیا ہے اگر وہ مرتہن ہو اور اس نے پورا ارش[1] دے دیا تو غلام مذکور مثل سابق کے رہن رہے گا کیونکہ فدیہ دینے سے غلام کی گردن جرم سے پاک ہو جائے گی پس ایسا ہو جائے گا کہ گویا اُس نے جرم نہیں کیا ہے اور مرتہن راہن سے اپنا پورا قرضہ لے لے گا اور آیا جس قدر اُس نے حصہ امانت کے عوض جرمانہ دیا ہے وہ واپس لے سکتا ہے یا نہیں سو کرخی نے ذکر کیا کہ اس میں دو روایتیں ہیں ایک روایت میں واپس نہیں لے سکتا ہے بلکہ متبرع ہوگا اور ایک روایت میں واپس لے سکتا ہے اور قاضی نے شرح مختصر الطحاوی میں ذکر کیا ہے کہ سوائے خاص اپنے قرضہ کے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے اور اختلاف روایت کا کچھ ذکر نہیں کیا اور اگر وہ شخص جس نے فدیہ دینا اختیار کیا ہے وہ راہن ہو اور اُس نے پورا ارش دے دیا تو وہ متبرع[2] نہ ہوگا

---

[1] ارش جرمانہ ۱۲ [2] متبرع یعنی مفت احسان کے طور پر یہ کام نہیں ٹھہرایا جائے گا ۱۲

بلکہ آدھے فدیہ سے قرضہ مرتہن ادا کرنے والا قرار دیا جائے گا۔ پھر دیکھا جائے گا کہ اگر آدھا فدیہ مثل پورے قرضہ کے ہو تو پورا قرضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر کم ہو تو اس کے قدر قرضہ ساقط ہوگا اور باقی قرضہ کو مرتہن راہن سے واپس لے گا اور غلام کو اس کے واسطے روک رکھے گا یہ اس صورت میں ہے کہ دونوں حاضر ہوں اور اگر فقط ایک شخص حاضر ہو تو اس کو غلام مجرم دے دینے کا اختیار نہیں ہے خواہ راہن ہو یا مرتہن ہو پس اگر مرتہن حاضر ہو اور اس نے پورا ارش فدیہ میں دیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک آدھے فدیہ میں متبرع نہ ہوگا اور اُس کو اختیار ہوگا کہ راہن سے اپنا قرضہ اور آدھا فدیہ واپس لے لیکن اُس کو اپنے قرضہ کے واسطے مرہون کو روکنے کا اختیار ہوگا اور آدھے فدیہ کے واسطے بعد ادائے قرض کے روکنے کا اختیار نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک آدھے فدیہ کے حق میں مرتہن متبرع ہوگا پس راہن سے خالص اپنا قرضہ واپس لے سکتا ہے جیسا کہ راہن کی حاضری کی صورت میں مذکور ہوا ہے اور اگر راہن ہی حاضر ہو اور اس نے ارش تمام ادا کر دیا تو بالاجماع آدھے فدیہ میں متبرع نہ ہوگا بلکہ آدھے کے دینے میں اسی قدر قرضہ مرتہن ادا کرنے والا شمار ہوگا یہ سب اُس صورت میں ہے کہ مال مرہون نے کسی اجنبی پر جنایت کی ہو اور اگر اُس نے راہن یا مرتہن پر جنایت کی ہو تو راہن کی جان پر اُس کی جنایت موجب مال ہے اور اُس کے مال[1] پر جنایت ہدر ہے۔ اور اس کی جنایت نفس مرتہن پر سو امام اعظمؒ کے نزدیک ہدر ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک معتبر ہے کہ اُس کے عوض غلام مذکور خود دے دیا جائے گا یا اُس کا فدیہ دیا جائے گا بشرطیکہ اس سے مرتہن راضی ہو اور مرتہن کا قرضہ باطل ہو جائے گا اور اگر مرتہن نے کہا کہ میں جنایت کا جرمانہ نہیں چاہتا ہوں اس واسطے کہ اس میں میرا حق ساقط ہوا جاتا ہے تو اس کو ایسا اختیار ہے اور جنایت باطل ہو جائے گی اور غلام مذکور برحال خویش راہن رہے گا ایسا ہی امام کرخیؒ نے علی الاطلاق بیان فرمایا ہے اور قاضی نے شرح مختصر الطحاوی میں ذکر کیا اور اس میں تفصیل فرمائی یعنی اگر پورا غلام قرضہ کے عوض مضمون ہو تو اس میں اختلاف ہے اور اگر تھوڑا اضمانت میں اور تھوڑا امانت میں ہو تو اُس کی خیانت بالاتفاق معتبر ہے پس راہن سے کہا جائے گا کہ تیرا جی چاہے اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے پس اگر راہن نے اس غلام مجرم کو دیا اور مرتہن نے اس کو قبول کیا تو پورا قرضہ باطل ہو جائے گا اور پورا غلام مرتہن کا ہو جائے گا اور اگر اس نے فدیہ دینا اختیار کیا تو نصف راہن پر اور نصف مرتہن پر پڑے گا جس قدر مرتہن کے حصہ کا ہے وہ باطل ہوگا اور جس قدر راہن کے حصہ کا ہے اس کو راہن ادا کرے گا اور غلام مرہون بحالہ رہن رہے گا یہ اس وقت ہے کہ اُس نے مرتہن کے نفس پر جنایت کی ہو۔ اور اگر مال مرتہن پر کوئی جرم کیا پس اگر اُس کی قیمت اور قرضہ برابر ہو اور اس کی قیمت میں کچھ زیادتی نہ ہو تو بالاجماع اس کا یہ جرم ہدر[2] ہوگا اور اگر اس کی قیمت قرضہ سے زائد ہو تو امام اعظمؒ سے دو روایتیں ہیں ایک روایت میں ہے کہ حصہ امانت کی جنایت معتبر ہوگی اور دوسری روایت میں ہے کہ بالکل جنایت معتبر نہ ہوگی اور اگر مرہون نے راہن یا مرتہن کے پسر کے اوپر کوئی جرم کیا تو کچھ شک نہیں ہے کہ ایسی جنایت معتبر ہوگی یہ سب جو مذکور ہوا بنی آدم پر جنایت کرنے کا حکم تھا اور اگر مرہون نے بنی آدم کے سوائے اور اموال پر کچھ جرم کیا مثلاً اس قدر مال تلف کر دیا جو اُس کے رقبہ کو محیط ہے تو اُس کا حکم اور سوائے مرہون کے غیر کی جنایت کا حکم یکساں ہے یعنی جس قدر مال تلف کیا ہے وہ اس مرہون کی گردن پر ہوگا کہ اُس کے واسطے فروخت کیا جا سکتا ہے اور اگر راہن یا مرتہن نے اُس کا قرضہ ادا کر دیا پس جب دونوں میں سے کسی نے ادا کیا تو اس کا حکم اور بنی آدم پر اُس کی جنایت کرنے اور فدیہ دیئے جانے کا حکم یکساں ہے اور اُس صورت میں جب مرتہن نے قرضہ ادا کیا ہو تو مرتہن کا جو قرضہ راہن پر ہے وہ بحالہ باقی رہے گا اور یہ غلام بحالہ رہن رہے گا اس واسطے کہ مرتہن نے اُس کا فدیہ دے کر اُس کی گردن کو بار قرضہ سے خلاص کر لیا ہے اور پاک کر لیا ہے پس مثل سابق کے غلام مذکور رہن رہے گا جیسا کہ جنایت

[1] یعنی اگر غلام مرہون نے راہن کا مال تلف کیا تو یہ مفت برباد ہوا ۱۲ [2] ہدر یعنی رائےگاں جس کا کچھ جرمانہ نہیں ہے ۱۲

سے فدیہ دینے کی صورت میں مذکور ہوا ہے اور اگر مرتہن نے جو مال غلام پر قرضہ ہو کر عائد ہوا ہے ادا کرنے سے انکار کیا اور راہن نے اس کو ادا کیا تو مرتہن کا قرضہ باطل ہو جائے گا اور اگر دونوں نے اس قرضہ کے ادا کرنے سے انکار کیا تو غلام مذکور اس مال کے واسطے فروخت کیا جائے گا اور اُس کے ثمن سے یہ مال جس کو غلام نے تلف کیا ہے ادا کیا جائے گا پھر جب غلام فروخت کیا گیا اور اُس کے ثمن سے قرضہ ادا کیا گیا تو ضرور ہے کہ یا تو اُس کے ثمن سے وفائے قرضہ مذکور ہوگی یا نہ ہوگی پس اگر اُس کے ثمن سے وفائے قرضہ مذکور ہو جائے تو ضرور ہے کہ یا تو اس کا قرضہ مساوی قرضہ مرتہن ہوگا یا اُس سے زیادہ ہوگا یا اُس سے کم ہوگا پس اگر برابر ہو یا زیادہ ہو تو مرتہن کا پورا قرضہ ساقط ہو جائے گا اس واسطے کہ غلام مذکور ملک راہن سے ایسے سبب سے زائل ہوا جو مرتہن کی ضمانت میں پایا گیا ہے پس ایسا ہوا کہ گویا وہ مرتہن کے پاس تلف ہوا ہے اور جس قدر غلام کا ثمن قرضہ جنایت ادا کر کے باقی رہے وہ راہن کا ہوگا اس واسطے کہ وہ اس کی ملک کا بدل ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے پس خالصۃً اسی کا ہوگا اور اگر قرضہ مذکور بہ نسبت قرضہ مرتہن کے کم ہو تو قرضہ مرتہن میں سے اسی قدر ساقط ہوگا اور جو کچھ ثمن مرہون بعد ادائے قرضہ مذکور کے باقی رہے وہ مرتہن کے پاس باقی قرضہ کے واسطے امن رہے گا اس واسطے کہ مرتہن نے اسی پر قرضہ دیا تھا پس وہ رہن رہے گا پھر اگر ادائے قرضہ کا وقت آ گیا ہو پس اگر یہ مال جنس قرضہ سے ہو تو مرتہن اس کو قرضہ میں لے لے گا اور اگر خلاف جنس قرضہ سے ہو تو باقی قرضہ وصول کرنے تک اُس کو روک رکھے گا اور اگر میعاد نہ آئی ہو تو میعاد آنے تک باقی قرضہ کے لیے اُس کو رہن رہنے دے گا یہ اُس وقت ہے کہ پورا غلام مرہون ہو اور اگر نصف مضمون ہو اور نصف امانت میں ہو تو جس قدر ثمن بعد ادائے قرضہ مذکور کے باقی رہا ہے وہ سب مرتہن کے قبضہ میں نہ دیا جائے گا بلکہ اُس کا نصف دیا جائے گا اور نصف راہن لے لے گا اسی طرح اگر مضمون و امانت مساوی نہ ہو بلکہ گھٹا بڑھا ہو تو اسی کمی بیشی کے حساب سے باقی ثمن دونوں میں سے ہر ایک کو دیا جائے گا اور اگر ثمن غلام میں قرضہ مذکور کے واسطے وفا نہ ہو تو قرضہ مذکور کا طالب اس غلام کا سب ثمن لے لے گا اور جو کچھ اس کا قرضہ باقی رہا وہ موخر ہو جائے گا یہاں تک کہ جب کبھی غلام مذکور آزاد ہو جائے تو اس سے وصول کر سکتا ہے اور فی الحال باقی کو کسی سے نہیں لے سکتا ہے اور جب کبھی غلام نے آزاد ہو کر باقی قرضہ مذکور ادا کیا تو اس قدر ادا کردہ شدہ کو کسی شخص سے واپس نہیں پا سکتا ہے اسی طرح اگر بجائے غلام کے مسئلہ مذکورہ میں باندی ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اسی طرح اگر مرہونہ باندی کے بچہ نے کسی غیر کے مال پر جنایت کی تو اُس کا حکم مثل حکم اس کی ماں کے ہے یعنی مثل ماں کے یہ قرضہ ہو کر اُس کی گردن سے متعلق ہوگا کہ اُس کے واسطے وہ فروخت کیا جائے گا لیکن اس صورت میں فرق یہ ہے کہ مرتہن سے قرض خواہ کے مال ادا کرنے کے واسطے نہ کہا جائے گا بلکہ راہن کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے اُس مرہونہ کے بچہ کو فروخت کرے یا طالب کا قرضہ دے کر اُس کو خلاص کر لے پس اگر راہن نے قرضہ دے دیا تو بچہ مثل سابق کے رہن رہے گا اور اگر قرضہ کے عوض فروخت کیا گیا تو مرتہن کے قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا یہ سب جو ہم نے ذکر کیا یہ غلام رہن کا راہن وغیر راہن پر جنایت کرنے کا حکم تھا اور اگر رہن (۱) نے رہن پر جنایت کی تو اس میں دو قسمیں ہیں ایک تو رہن کی جان پر جنایت کرنا دوم اس کی جنس پر جنایت کرنا پس اگر جان پر جنایت کی تو اس جنایت سے تلف ہونا اور آفت آسمانی سے تلف ہونا دونوں کا حکم یکساں ہے پھر دیکھا جائے گا کہ اگر پورا غلام مضمون ہو تو قرضہ میں سے بقدر نقصان کے ساقط ہوگا اور اگر تھوڑا مضمون اور تھوڑا امانت میں ہو تو جس قدر حصہ مضمون میں نقصان ہے اسی قدر قرضہ ساقط ہوگا اور جو نقصان حصہ امانت میں پڑتا ہے وہ ساقط نہ ہوگا اور رہی قسم دوم سو اس کی دو صورتیں ہیں ایک بنی آدم کا اپنی جنس پر جنایت کرنا دوم بہائم[1] کا بہائم پر وغیرہ بہائم پر جنایت کرنا پس اگر بنی آدم نے اپنی جنس پر جنایت کی مثلاً دو غلام رہن تھے اس میں

[1] بہائم جانور چوپائے وغیرہ

(۱) مثلاً غلام مرہون نے دوسرے غلام مرہون پر ۱۲

سے ایک نے دوسرے پر جنایت کی تو ضروری ہے کہ یا تو دونوں غلام ایک ہی صفقہ[1] میں رہن تھے یا دو صفقوں میں مرہون ہوئے تھے پس اگر دونوں ایک ہی صفقہ میں رہن ہوں اور ایک نے دوسرے پر جنایت کی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ چار صورتوں سے خالی نہیں ایک مشغول (۱) کا مشغول پر جنایت کرنا دوم مشغول کا فارغ[2] پر جنایت کرنا سوم فارغ کا مشغول پر جنایت کرنا چہارم فارغ کا فارغ پر جنایت کرنا اور یہ سب جنایتیں ہدر ہوتی ہیں سوائے ایک صورت کے کہ جب فارغ نے مشغول پر جنایت کی تو یہ معتبر ہوگی اور جو قرضہ مشغول پر پڑا تھا وہ تحویل ہو کر فارغ کے ذمہ پڑ جائے گا اور بجائے مشغول کے فارغ مجرم رہن ہو جائے گا اس کی مثال یہ ہے کہ اگر قرضہ دو ہزار درم ہو اور دو غلام رہن ہوں کہ ہر ایک کی قیمت ایک ایک ہزار درم ہو پھر ایک نے دوسرے کو قتل کیا یا اس پر کوئی ایسی جنایت کی جس کا قلیل یا کثیر ارش ہے تو اس کی جنایت ہدر ہوگی اور جس پر جنایت کی ہو اُس پر سے اُسی قدر قرضہ ساقط ہو کر دوسرے پر جس نے جنایت کی ہے تحویل ہو جائے گا اور مشغول کی مشغول پر جنایت ہدر ہوتی ہے پس ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا وہ آسمانی آفت سے مر گیا ہے اور اگر قرضہ ہزار درم ہو اور ایک نے دوسرے کو قتل کیا تو مجرم دینا و فدیہ دینا کچھ نہ ہوگا مگر قاتل بعوض سات سو پچاس درم کے رہن ہو جائے گا اس واسطے کہ ہر ایک بعوض پانچ سو درم کے رہن تھا پس نصف ہر ایک کا فارغ تھا اور نصف مشغول تھا اور جب ایک نے دوسرے پر جنایت کی تو قاتل کے ہر ایک نصف حصے نے مقتول کے نصف مشغول و نصف فارغ پر جنایت اور مقدار مشغول کی جنایت مشغول پر اور مشغول کی فارغ پر اور فارغ کی فارغ پر ہدر ہے لیکن جس قدر فارغ نے مشغول پر جنایت کی وہ قاتل کے ذمہ پڑ جائے گی اور یہ نصف ہے اور نصف کے دو سو پچاس درم ہوئے اور قاتل کی طرف پانچ سو درم تھے پس سب مجموعہ سات سو پچاس درم کے عوض رہن ہو جائے گا اور اگر ایک نے دوسرے کی آنکھ پھوڑ ڈالی ہو تو جو قرضہ آنکھ کی طرف تھا اس کا نصف آنکھ پھوڑنے والے کی طرف تحویل[3] ہو جائے گا پس آنکھ پھوڑنے والا بعوض چھ سو پچیس درم کے رہن ہو جائے گا اور دوسرا بعوض دو سو پچاس درم کے رہن رہ جائے گا اور اگر دونوں غلام دو صفقوں میں مرہون ہوں پس اگر دونوں کی قیمت بہ نسبت قرضہ کے زائد ہو مثلاً قرضہ ہزار درم ہو اور ہر ایک کی قیمت ہزار ہزار درم ہو پھر ہر ایک نے دوسرے کو قتل کیا تو جنایت کا اعتبار کیا جائے گا بخلاف پہلی صورت کے اور جب جنایت کا اعتبار کیا گیا تو راہن و مرتہن کو اختیار دیا جائے گا چاہیں تو اس قاتل کو بجائے مقتول کے قرار دیں پس جو کہ قرضہ قاتل کے ذمہ تھا وہ باطل ہو جائے گا اور اگر چاہیں تو قاتل کی طرف سے مقتول کی قیمت فدیہ دے دیں اور وہ بجائے مقتول کے رہن ہوگی اور قاتل بحال خود رہن رہے گا اور اگر اُن کی قیمت میں قرضہ سے زیادتی نہ ہو مثلاً قرضہ دو ہزار درم ہو اور ہر ایک کی قیمت ایک ہزار ہو اور ایک نے دوسرے کو قتل کیا پس اگر دونوں نے قاتل کو جرم میں دے دیا تو یہ مدفوع[4] بجائے مقتول کے قائم ہوگا اور قاتل کے مقابلہ میں جو قرضہ تھا وہ باطل ہوگا اور اگر دونوں نے کہا کہ ہم اس کا فدیہ دیں گے تو پورا فدیہ بذمہ مرتہن ہوگا پھر جب ادائے قرضہ کی میعاد آئے تو راہن فقط ایک ہزار درم مرتہن کو دے دے گا اور دوسرے ہزار درم اس ہزار درم کے ساتھ جو مرتہن کو فدیہ میں دینے پڑے ہیں اور اُس کے پاس رہن ہیں قصاص ہو جائیں گے۔ اور اگر ایک نے دوسرے کی آنکھ پھوڑ ڈالی تو دونوں سے کہا جائے گا کہ چاہو اس مجرم کو دے دو یا اس کا فدیہ دے دو پس اگر انہوں نے فدیہ دینا اختیار کیا تو فدیہ نصفا نصف دونوں پر ہوگا اور اگر دونوں نے مجرم کو دے دیا تو جس قدر قرضہ اُس کے مقابلہ میں تھا باطل ہو جائے گا اور یہ مجرم اُس غلام کے ساتھ جس کی آنکھ پھوٹ گئی ہے رہن ہوگا اور اگر مرتہن نے کہا کہ میں فدیہ نہیں دیتا ہوں بلکہ رہن کو اسی طرح چھوڑے دیتا ہوں تو اس کو اختیار ہے اور آنکھ

---

[1] صفقہ ایک ہی بولی میں معقود ہوئے ۱۲ [2] فارغ سے یہ مراد ہے کہ مقدار قرضہ سے زائد ہے ۱۲ [3] یعنی جس نے آنکھ پھوڑی اس پر بدل جائے گا ۱۲ [4] مدفوع جو جرمانہ میں دے دیا گیا ہے ۱۲ (۱) یعنی دونوں قرضن میں پھنسے ہوئے ہیں پس ہر ایک قرضہ میں مشغول ہے ۱۲

چھوڑنے والا اپنے حال پر مثل سابق رہن رہے گا اور جس کی آنکھ پھوٹ گئی ہے اس کے مقابلہ کے قرضہ میں سے نصف جاتا رہے گا اس واسطے کہ جنایت کا اعتبار کرنا بلحاظ حق مرتہن تھا نہ بلحاظ حق راہن اور جب مرتہن اس جنایت سے راضی ہوا تو جنایت ہدر ہوگئی اور اگر راہن نے کہا کہ میں فدیہ دوں گا اور مرتہن نے کہا کہ میں نہیں دوں گا تو راہن کو فدیہ دینے کا اختیار ہوگا اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب مرتہن نے اس جنایت کا حکم طلب کیا ہو کذافی البدائع اور اگر راہن نے فدیہ دینے سے انکار کیا اور مرتہن نے کہا کہ میں پورا ارش فدیہ دوں گا تو فدیہ دے دے مگر متطوع ہوگا کہ اس مال فدیہ میں سے راہن کے ذمہ کچھ لاحق نہ ہوگا اس واسطے کہ اُس نے بلا مجبوری کی غیر کی ملک کی طرف سے تبرعاً مال دیا ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر راہن کے فدیہ ادا کر دینے کے بعد مرہون قبضہ مرتہن میں تلف ہوگیا تو راہن کو فدیہ واپس کر دے اس واسطے کہ راہن وفا کر دینے سے اُس کے قرضہ سے بری ہوگیا اس واسطے کہ مرتہن فدیہ سے اپنا قرضہ بھر پانے والا ہوگیا ہے پھر ہمارے مشائخؒ نے اختلاف کیا ہے کہ مرتہن وہ ہزار درم فدیہ کے جن سے اپنا قرضہ بھر پایا ہے واپس کرے یا مرہون ہلاک ہونے سے جن ہزار درم سے بھر پایا ہے وہ واپس کرلے سوفقیہ ابوجعفرؒ نے فرمایا کہ ہلاک کے ہزار درم جنس سے بھر پایا ہے واپس کر دے اس واسطے کہ فدیہ سے بھر پانے کے بعد ہلاک سے بھر پانا پایا گیا ہے اور دیگر مشائخؒ نے فرمایا کہ فدیہ کے ہزار درم واپس کرے جیسا کہ راہن کے قرضہ ادا کرنے کے بعد مرتہن کے پاس مال مرہون مرجانے کی صورت میں حکم ہے کہ مرتہن نے جو کچھ وصول کیا ہے واپس کرے یہ محیط سرخسی میں ہے اگر مرہونہ باندی کے بچہ پیدا ہوا پھر اُس نے کسی آدمی کو قتل کر ڈالا تو مرتہن پر ضمان نہ ہوگی اور اُس کی ضمان راہن پر ہے کہ اُس کو اختیار دیا جائے گا چاہے بچہ مجرم کو دے دے یا اُس کا فدیہ دے پس اگر فدیہ دیا تو وہ برحال خویش اپنی ماں کے ساتھ رہن رہے گا اور اگر اُس نے طفل مجرم کو دینا اختیار کیا پھر مرتہن نے کہا کہ میں فدیہ دوں گا تو اُس کو اختیار ہے۔ اسی طرح اگر اس لڑکے نے کسی شخص کا مال تلف کر دیا اور راہن سے کہا گیا کہ فروخت (۱) کرے یا قرضہ (۲) ادا کرے تو بھی یہی حکم ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر ہزار درم قرضہ کے عوض باندی رہن ہو جو ہزار درم قیمت کی ہے پھر اس کے ایک بچہ ہزار درم قیمت کا پیدا ہوا پھر بچہ نے راہن یا اُس کی ملک پر کچھ جنایت کی تو اس میں کچھ نہیں ہے اور اگر مرتہن پر جنایت کی تو ضرور ہے کہ وہ دیا جائے یا اس کا فدیہ دیا جائے پس اگر وہ دیا گیا تو قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا بمنزلہ مرجانے کی صورت کے ہے اور اگر فدیہ دینا اختیار کیا تو نصف فدیہ راہن کے ذمہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ ایک باندی ہزار درم قیمت کی بعوض ہزار درم قرضہ کے مرہون ہے پھر اس کے پانچ سو درم قیمت کا ایک بچہ پیدا ہوا پھر دونوں کو ہزار درم قیمت کے ایک غلام نے قتل کیا اور وہ دونوں کے عوض دے دیا گیا پھر وہ کانا ہوگیا تو راہن اُس کو چار ساتویں حصہ کے عوض فک رہن کرائے گا اور سات حصوں میں سے تین حصے ساقط ہو جائیں گے کیونکہ جس وقت باندی کے بچہ ہوا تو قرضہ ان دونوں پر تین تہائی بر تقدیر صحیح و سلامت رہنے کے تقسیم ہوا پھر جب اُس کو ایک غلام نے قتل کیا اور ان کے عوض دیا گیا تو یہ اُن دونوں کے قائم مقام ہوا یعنی تین تہائی ہو کر دو تہائی بمقابلہ باندی کے اور ایک تہائی بمقابلہ بچہ کے قائم ہوا پھر جب وہ کانا ہوگیا تو ہر ایک میں سے نصف جاتا رہا اور باندی کے مقابلہ میں چھ سو چھیاسٹھ درم و دو تہائی درم تھا پس تین سو تینتیس درم و ایک تہائی درم رہ گیا اور اُس کا ایک تہائی بمقابلہ بچہ کے تھا اور اس میں سے نصف جاتا رہا تو چھٹا حصہ باقی رہا اور یہ ایک سو چھیاسٹھ درم و دو تہائی درم اور یہ حاصل ماتھی ہے اور باندی کی وہ قیمت معتبر ہوگی جو عقد رہن کے روز تھی یعنی ہزار درم اور بچہ کی وہ قیمت جو انفکاک کے روز تھی یعنی ہزار درم کا چھٹا حصہ کہ ایک سو چھیاسٹھ درم و دو تہائی درم ہے اس واسطے کہ قرضہ میں سے اُس کے مقابلہ میں تہائی حصہ تھا جو کانا ہونے سے آدھا

(۱) یعنی فروخت کر کے ادا کرے ۱۲ (۲) یعنی اپنے سے ادا کرے ۱۲

یعنی تہائی کا آدھا ایک چھنارہ گیا مگر قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا اس واسطے کہ قرضہ میں سے اُس کے مقابلہ میں جبھی حصہ ہوگا جب وہ موجود ہے پس بچہ ایک حصہ اور ماں چھ حصہ قرار دے کر کل سات حصہ کئے جائیں گے مگر ماں میں سے کافی ہونے سے نصف یعنی تین حصے ساقط ہوئے اور تین حصہ باقی رہے اور ایک حصہ بچہ کا باقی رہا تو یہ چار حصے کل سات حصوں سے ہوئے اور تین حصے سات حصوں میں سے جاتے رہے اسی واسطے امام محمدؒ نے فرمایا کہ جب اُس کو فک رہن کرا دے تو چار[1] ساتویں حصے کے عوض فک رہن کرا سکتا ہے یہ کافی میں ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک شخص کے غلام پر جنایت کی پھر مولیٰ نے اُس کو رہن کیا پھر فک رہن کرایا اور وہ اس جنایت سے مر گیا تو مولیٰ کو اختیار ہوگا جنایت کرنے والے سے پوری قیمت لے لے اور اگر عمداً ہاتھ کاٹا ہو تو قیاساً قصاص واجب ہوگا اور استحساناً قصاص واجب نہ ہوگا بلکہ قیمت واجب ہوگی اسی طرح اگر اُس کو ہبہ کر دیا ہو پھر ہبہ سے رجوع کر لیا ہو یا فروخت کیا ہو پھر بسبب عیب کے بحکم قاضی اُس کو واپس دیا گیا ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اگر دو شخصوں نے ایک چیز رہن کی حالانکہ دونوں میں سے ایک شخص قرضہ میں اُس کا شریک ہے تو یہ جائز نہیں ہے لیکن اگر وہ شخص دوسرے شخص کا کفیل ہو تو جائز ہے اور اگر دو شخصوں نے کوئی مال عین رہن لیا پھر ایک نے اُس کو واپس کر دیا تو جائز نہیں ہے اور اگر دو مرتہنوں میں سے ایک نے یوں اقرار کر دیا کہ یہ حقیقی رہن نہ تھا بلکہ بطور تلجیہ تھا تو امام اعظمؒ ابو یوسفؒ کے نزدیک رہن باطل ہوگا اور امام محمدؒ نے دوسرے کے حصہ کے حق میں خلاف کیا ہے اگر دو شخصوں پر ایک شخص کا قرضہ ہے اور ہر ایک پر برابر نہیں ہے بلکہ مختلف ہے پھر دونوں نے اپنے مساوی مشترک غلام کو رہن دیا تو ہر ایک کا حصہ بعوض اُس سے شریک کے قرضہ اور اس کے قرضہ کے رہن ہوگا پھر اگر وہ مر جائے تو باہم کمی و بیشی ایک دوسرے سے واپس لیں گے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر شریک مفاوض[2] نے بدون اجازت دوسرے شریک کے رہن کیا یا رہن لیا تو دوسرے کے حق میں جائز ہے اور اگر اس نے کچھ جرم کر کے رہن دیا تو صحیح ہے مگر اپنے شریک کے واسطے ضامن ہوگا لیکن اس کے شریک کو اختیار نہیں ہے کہ اس کا رہن توڑ دے اور اگر مفاوض نے کوئی مال کسی کو مستعار دیا اور مستعیر نے اس کو رہن کر دیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ اُس کے شریک پر بھی جائز ہوگا اور صاحبینؒ نے اس میں خلاف کیا ہے یہ خزانۃ الاکمل میں ہے۔ اگر مفاوض نے کوئی مال عین رہن لے کر اُس کو اپنے شریک کے پاس رکھا اور وہ ضائع ہو گیا تو جس قدر قرضہ کے عوض رہن پڑتا تھا اُسی کے عوض گیا اور اگر دو شریک عنان میں سے ایک نے ایسے قرضہ کے عوض جو دونوں پر آتا ہے کچھ رہن دیا تو جائز نہیں ہے اور وہ رہن کا ضامن ہوگا اور اگر ایسے قرضہ کے عوض جس کو دونوں نے دیا ہے ایک نے کچھ مال قرض دار سے رہن لیا تو اس کے شریک کے حق میں جائز نہ ہوگا پس اگر مرتہن کے پاس مرہون تلف ہوا تو خاص مرتہن کا حصہ گیا اور اُس کا شریک اپنا حصہ قرض دار سے واپس لے گا اور راہن کو اختیار ہوگا کہ مرتہن سے اُس کی نصف قیمت واپس لے اور شریک کو یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے اپنے شریک سے اپنا حصہ لے لے اور اگر دو شخصوں کی شرکت اس شرط سے ہو کہ اس شرکت میں دونوں میں سے ہر ایک اپنی رائے سے عمل کرے تو جس شریک نے رہن کیا یا رہن رکھا وہ دوسرے پر جائز ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر مضارب نے مضاربت میں رب المال کی اجازت سے قرضہ لے کر اُس کے عوض رہن دیا تو جائز ہے اور دونوں پر قرضہ ہوگا اور اگر رب المال نے اجازت نہ دی ہو تو وہ سب قرضہ خاص کر مضارب پر ہوگا اور اگر اُس نے مضاربت کے قرضہ میں کچھ مال رہن رکھ لیا تو یہ جائز ہے اور اگر رب المال مر گیا اور مال مضاربت عروض ہے اور مضارب نے اُس میں سے کوئی مال رہن کو دیا تو جائز نہیں ہے اور وہ ضامن ہوگا اور اگر رب المال نے کوئی مال مضاربت میں جس کی قیمت راس المال میں سے زائد ہے رہن کر دیا تو جائز نہیں

---

[1] یعنی سات حصوں میں سے چار حصہ کے عوض فک رہن کرے ۱۲ [2] مفاوض جو شرکت مفاوضہ سے شریک ہو اور اس کو کتاب الشرکۃ سے دیکھ کر معلوم کر لو ۱۲

ہے اور اگر زائد نہ ہو تو جائز ہے اور رب المال اُس کا ضامن ہوگا گویا رب المال نے اُس کو تلف کر دیا بیچ کر اُس کے دام کھا گیا ہے یہ خزانۃ الاکمل میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے سے ایک کپڑا بدین غرض مستعار لیا کہ اُس کو ایسے قرضہ کے عوض جو اس پر آتا ہے رہن دے دے پھر رہن دینے سے پہلے اُس کو استعمال کیا پھر اُس کو رہن دے دیا تو بری ہو جائے گا اور اگر اُس کو رہن سے چھڑا کر پھر استعمال کیا تو ضامن ہوگا اور اگر اُس نے استعمال کرنا چھوڑ دیا پھر وہ کسی آفت سے خود تلف ہو گیا تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی ایک شخص نے اپنے قرضہ میں رہن دینے کے واسطے ایک کپڑا مستعار لے کر سو درم قرضہ کے عوض سال بھر کے واسطے رہن کر دیا پھر صاحب ثوب یعنی کپڑے کے مالک نے مستعیر سے مواخذہ کیا کہ میرا کپڑا مجھے واپس دے تو اس کو یہ اختیار ہے اگرچہ مستعیر نے اُس کو آگاہ کر دیا ہو کہ میں سال بھر کے واسطے اُس کو رہن دیتا ہوں اور اگر کپڑے کے مالک نے اُس کو اپنے مال سے فک رہن کرا لیا تو متطوع نہ ہوگا بلکہ راہن سے اُس کو واپس لے گا اور اگر راہن غائب ہو اور مرتہن نے کپڑے کے مالک کے قول کی تصدیق کی کہ یہ کپڑا اسی کا ہے تو مرتہن اُس کو دے کر اپنا قرضہ لے لے گا اور کپڑے کا مالک متطوع نہ ہوگا اور اگر مرتہن نے کہا کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ یہ تیرا کپڑا ہے تو مالک کو کپڑے کے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو اپنا کپڑا دیا تاکہ وہ رہن رکھے تو ضروری ہے کہ یا تو اُس سے کچھ بیان نہ کیا ہوگا یا اُس سے کوئی مال بیان کر دیا ہوگا یا اس سے کوئی جگہ مقرر کر کے بیان کر دی ہوگی یا کوئی متاع یا کوئی شخص بیان کر دیا ہوگا پس اگر کپڑا اعاریت دیا تاکہ اُس کو وہ رہن رکھے مگر جس کے عوض رکھے اُس کو کچھ بیان نہ کیا تو اُس کو اختیار ہوگا چاہے جس قدر کے عوض اور جس نوع کے عوض رہن رکھ دے اور اگر اُس سے کوئی مقدار بیان کر دی ہو اور اُس نے اُس مقدار سے کم یا زیادہ کے عوض رہن رکھا یا دوسری جنس کے عوض رہن رکھا تو ضروری ہے کہ کپڑے کی قیمت یا تو قرضہ کے برابر ہوگی یا زیادہ یا کم ہوگی پس اگر کپڑے کی قیمت قرضہ کے برابر یا زیادہ ہو تو ضامن ہوگا اس واسطے کہ اُس نے اس طور پر مخالفت کی کہ وہ مضر ہے اس واسطے کہ جب اُس نے مقدار بیان کردہ سے کم کو رہن دیا اور کپڑے کی قیمت قرضہ کے برابر یا زیادہ ہے تو اس سے معیر کو ضرر پہنچا اس لئے کہ مرتہن کے پاس تھوڑا کپڑا اضمانت میں رہا اور تھوڑا امانت میں رہا اور وہ اس امر سے راضی نہ تھا بلکہ یہ چاہا تھا کہ پورا کپڑا مضمون رہے اور زیادہ کے عوض رہن کرنے کی صورت میں یہ وجہ ہے کہ کبھی معیر کو اس کی ضرورت پڑتی کہ اُس کی مملوکہ چیز اُس کے پاس پہنچے تو وہ خود فک رہن کرا لیتا ہے اور مقدار بیان کردہ سے زیادہ ہونے کی صورت میں بسا اوقات ایسا ہو سکتا ہے کہ اُس پر فک رہن کرانے میں دشواری پڑے اور اگر کپڑے کی قیمت کم ہو تو ضامن نہ ہوگا مثلاً اپنا کپڑا دیا کہ اُس کو دس درم کے عوض رہن کر لے حالانکہ اُس کی قیمت نو درم ہے پس اُس نے نو درم کے عوض رہن رکھا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اُس نے جنس بیان کردہ کے سوائے دوسری جنس کے عوض رہن رکھا تو سب صورتوں میں ضامن ہوگا اور اگر اُس کو عاریت اس قرارداد سے دیا تھا کہ اُس کو فلاں شخص کے پاس رہن رکھے اُس نے دوسرے کے پاس رہن کیا تو ضامن ہوگا اور اگر اس کو مستعار دیا کہ کوفہ میں اس کو رہن رکھے اُس نے بصرہ میں رہن کر دیا تو ضامن ہوگا۔ اگر معیر[1] و مستعیر نے مرتہن سے واپس لینے سے پہلے یا اس کے بعد مستعار تلف ہو جانے یا ناقص ہو جانے میں جھگڑا کیا تو قول مستعیر کا اور گواہ معیر کے قبول ہوں گے اور اگر راہن نے دعویٰ کیا کہ معیر سے قبل فکاک کے رہن کو واپس لیا ہے اور مرتہن نے اُس کی تصدیق کی تو راہن کے قول کی تصدیق کی جائے گی اس واسطے کہ راہن و مرتہن نے فسخ رہن پر اتفاق کیا ہے اور عقد رہن انہیں دونوں کے درمیان قائم ہوا تھا پس اس باب میں کہ اُن دونوں نے اُس کو فسخ کیا ہے اُنہیں دونوں کا قول قبول ہوگا اور معیر نے جو کچھ ادا کیا ہے وہ راہن سے واپس لے گا اس واسطے کہ وہ اپنے حق و ملک کی احیاء کے واسطے اُس کے ادا کرنے میں مجبور

[1] معیر عاریت دینے والا اور مستعیر جس نے عاریت لی ہے ۱۲

تھا اگر مال مستعار رہن کرنے سے پہلے یا اس کے چھڑا لینے کے بعد مستعیر کے پاس تلف ہو گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر راہن و مرتہن نے اختلاف کیا اور مرتہن نے کہا کہ میں نے تجھ سے اپنا مال وصول کر کے کپڑا تجھے دے دیا ہے اور گواہ قائم کئے اور راہن نے کہا کہ نہیں بلکہ میں نے مال دیا ہے اور کپڑا تلف ہو گیا ہے اور گواہ قائم کئے تو راہن کے گواہ قبول ہوں گے پس اگر وہ کپڑا عاریت ہو اور مالک نے کہا کہ میں نے تجھے پانچ درم کے عوض رہن کرنے کا حکم کیا تھا اور مستعیر نے کہا کہ دس درم کے عوض کیا تھا تو مالک کا قول قبول ہوگا اس واسطے کہ اجازت اُسی کی طرف سے مستفاد ہے اور اگر اُس نے انکار کیا تو اسی کا قول قبول ہوتا ہے۔ پس اسی طرح جب اُس نے کسی صفت کے ساتھ اجازت کا اقرار کیا تو بھی اُسی کا قول قبول ہوگا اور گواہ مستعیر کے قبول ہوں گے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک کپڑا مستعار لیا کہ اُس کو دس درم کے عوض رہن کرے اور اُس کی قیمت دس درم یا زیادہ ہے اور وہ مرتہن کے پاس تلف ہو گیا تو راہن کے ذمہ سے مال ساقط ہو گیا اور اُس کے مثل راہن پر مالک کپڑے کے واسطے واجب ہوگا اسی طرح اگر اس میں کوئی عیب آ گیا تو بقدر نقصان کے مرتہن کا قرضہ جاتا رہا اور مالک کا اسی قدر راہن پر واجب ہوا یہ خزانۃ الاکمل میں ہے۔

باندی مستعار لی پھر مستعیر مر گیا اور کچھ مال نہ چھوڑا ☆

فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ اگر مستعیر نے عاریت کا کپڑا مع دوسری چیز کے رہن کیا تو معیر اُس کو مرتہن سے نہیں لے سکتا ہے یہاں تک کہ پورا قرضہ ادا کر دے اور اگر راہن نے دو آدمیوں سے مستعار لیا ہو پھر اُس نے نصف قرضہ ادا کیا تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس کو دونوں معیروں میں سے ایک کے حصہ میں ڈال دے اور اگر مرتہن نے اُس کو راہن کی اجازت سے اجارہ پر دیا تو کرایہ راہن کا ہوگا اور رہن باطل ہو جائے گا اور اگر اجارہ میں تلف ہو گیا تو معیر کو اختیار ہوگا چاہے راہن سے ضمان لے اور چاہے مرتہن سے پھر مرتہن راہن سے واپس لے گا اور اگر راہن معیر کے واسطے مرتہن کا قرضہ ادا کر دیا پھر رہن عاریت اُس کے پاس تلف ہوا تو جو کچھ مرتہن نے وصول کیا ہے واپس کر دے گا اور راہن معیر کے واسطے ضامن ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر راہن نے مال قرضہ ادا کر دیا پھر غلام پر قبضہ کرنے کے واسطے وکیل بھیجا اور وہ وکیل کے پاس تلف ہوا تو راہن نے جس سے مستعار لیا تھا اُس کو تاوان دے گا لیکن اگر وکیل اُس کے عیال میں سے ہو تو ضامن نہ ہوگا اسی طرح اگر راہن نے اُس پر قبضہ کر لیا پھر اپنے وکیل کے ہاتھ معیر کے پاس بھیجا تو بھی یہی حکم ہے یہ خزانۃ الاکمل میں ہے۔ اگر راہن کرنے کے واسطے ایک باندی مستعار لی اور اُس کو رہن کر دیا پھر اس سے راہن و مرتہن نے وطی کی تو حد زنا دونوں سے دور کی جائے گی لیکن وطی کرنے والے پر مہر واجب ہوگا اس واسطے کہ غیر مملوکہ میں جب وطی ہوتی ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وطی کنندہ پر حد شرعی لازم ہوتی ہے یا مہر واجب ہوتا ہے اور مہر بمنزلہ زیادتی منفصلہ کے ہے جو عین سے متولد ہو اس واسطے کہ وہ اس بات کا بدل ہے جس کا واطی نے استیفاء کیا ہے اور وہ مستوفی حکماً جزء عین ہے پس اُسی کے ساتھ رہن رہے گا پھر جب راہن اُس کو چھڑا دے تو باندی مع مہر کے اُس کے مولیٰ کو سپرد کی جائے گی جیسا کہ اگر بچہ جنتی تو بھی یہی حکم تھا اور اگر اُس نے کوئی کمائی کر کے کچھ کمایا یا اس کو کچھ ہبہ کیا گیا تو یہ اُس کے مولیٰ کا ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے سے ایک باندی مستعار لی تاکہ اپنے قرضہ میں رہن کرے اور ایسا ہی کیا پھر مستعیر مر گیا اور کچھ مال نہ چھوڑا پھر مرتہن نے قاضی سے درخواست کی کہ اس کو میرے قرضہ میں فروخت کرے اور باندی کے مولیٰ نے اس سے انکار کیا تو قاضی اُس کو فروخت نہ کرے گا لیکن مرتہن سے کہا جائے گا کہ اس کو اپنے پاس روک رکھ یہاں تک کہ معیر تجھ کو تیرا حق دے دے اور اگر معیر یعنی باندی کے مالک نے قاضی سے کہا کہ قرضہ کے عوض اس کو فروخت کر دے اور مرتہن نے اس سے انکار کیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر اُس کے ثمن میں وفائے قرضہ ہو تو انکار مرتہن پر التفات نہ کیا جائے گا اگرچہ اس میں مرہون سے مرتہن کے قبضہ کا ازالہ ہے اور اگر اُس کے ثمن میں وفائے قرضہ نہ ہو تو

بدون رضامندی مرتہن کے فروخت نہ ہوگی اور اگر اُس کے ثمن میں وفائے قرضہ ہو پس وہ قرضہ کے واسطے فروخت کی گئی اور مرتہن نے اُس کے ثمن سے اپنا قرضہ بھر پایا پھر مستعیر یعنی راہن کا کچھ مال ظاہر ہوا تو جو کچھ مرتہن نے لیا ہے معیر اُس کو واپس لے گا اور اگر مستعیر نہ مرا بلکہ معیر مر گیا اور اس پر بہت قرضے ہیں پس اگر مستعیر تنگدست ہو تو باندی بحال خویش رہن رہے گی پھر اگر معیر کے قرض خواہ لوگ اور اس کے وارث لوگ ادائے قرضہ کے واسطے اُس باندی کے فروخت پر متفرق ہوئے اور مرتہن نے انکار کیا تو اس کا جواب اُسی تفصیل سے ہے جو ہم نے معیر کی زندگی میں معیر کے ایسے قصد ہونے اور مرتہن کے انکار کرنے کی صورت میں ذکر کر دی ہے یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے دوسرے کا غلام غصب کر کے دوسرے کے پاس قرضہ میں رہن کیا پھر وہ غلام مرتہن کے پاس مر گیا تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے غاصب سے تاوان لے یا مرتہن سے تاوان لے پس اگر غاصب سے تاوان لیا تو راہن پورا ہو گیا اس واسطے کہ ادائے ضمان سے غاصب وقت غصب سے اُس کا مالک ہو گیا پس اپنے مال کا رہن کرنے والا ہوگا اور اگر مرتہن سے تاوان لیا تو مرتہن کو اختیار ہوگا کہ جس قدر اُس نے تاوان دیا ہے وہ راہن سے واپس لے اور رہن باطل ہوگا اس واسطے کہ مرتہن سے ضمان کا سبب یہی قبضہ ہے اور عقد رہن اُس سے پہلے واقع ہوا تھا پس عقد سے پیچھے ملک ہونے سے رہن نافذ نہ ہوگا اور اگر غاصب نے غلام مغصوب کسی کے پاس ودیعت رکھا پھر اُس کے بعد جس کو ودیعت دیا تھا اُسی کے پاس رہن رکھا پھر وہ رہن تلف ہو گیا پھر مالک غلام آیا پھر اُس نے غاصب سے یا جس کو غاصب نے دیا تھا تاوان اس سے لیا اور راہن سے مرتہن نے واپس لیا تو دونوں صورتوں میں راہن جائز ہوگا اور اگر ایک شخص نے دوسرے کے پاس ایک غلام ودیعت رکھا پھر مستودع نے اُس کو کسی شخص کے پاس رہن رکھا اور وہ مرتہن کے پاس تلف ہوا پھر مالک نے آ کر راہن یا مرتہن کسی سے تاوان لیا تو کسی صورت میں رہن نافذ نہ ہوگا اس واسطے کہ اوّل بسبب دینے کے ضامن ہوا اور عقد رہن دینے سے پہلے قرار پایا تھا پس وقت رہن کے اُسکا مالک نہ ہوگا پس رہن جائز نہ ہوگا جیسے ایک شخص نے دوسرے کا غلام کسی شخص کے پاس رہن کیا یعنی عقد رہن قرار دیا مگر ہنوز مرتہن کو نہ دیا تھا کہ مالک سے اس کو خرید لیا پھر مرتہن کو دیا تو وہ مرتہن کے پاس رہن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ مرتد کا رہن وارتہان مثل باقی تصرفات کے امام اعظمؒ کے نزدیک موقوف رہے گا پس اگر مرتد حالت ردت میں قتل کیا گیا اور مرہون مرتہن کے پاس تلف ہوا اور مرہون کی قیمت اور قرضہ برابر ہے اور قرضہ ردت سے پہلے کا ہے اور مرہون بھی ایسا مال ہے جس کو اس نے ردت سے پہلے کمایا تھا یا قرضہ اس کی حالت ردت کا ہے خواہ اس نے خود اقرار کیا ہے یا گواہ قائم ہو کر اس پر ثابت ہوا ہے اور رہن بھی ایسا مال ہے جو اس نے حالت ردت میں کمایا ہے تو مرہون جس کے عوض ہے اس کے بدلے گیا اور اگر مال مرہون میں بہ نسبت قرضہ کے زیادتی ہو تو مرتہن مقدار زیادتی کا ضامن ہوگا۔ اگر مرتد نے حالت ردت میں کچھ قرضہ لیا اور اُس کے عوض ایسا اسباب جس کو اُس نے ردت سے پہلے کمایا تھا رہن کیا پھر حالت ردت میں قتل کیا گیا تو رہن باطل ہے اور مرتہن اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا اگر وہ تلف ہو گیا اور قیمت مذکور اُس کے وارثوں کو واپس دے گا اور اُس کا اور قرضہ اُس کی ردت کی کمائی میں شمار ہوگا اور اگر قرضہ ردت سے پہلے کا ہو اور مرہون اُس کی ردت کی کمائی ہو تو مرتہن اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور یہ قیمت اور جو کچھ اُسنے ردت میں کمایا ہے سب غنیمت میں شمار ہوگا پس مرتہن اپنا قرضہ اس مال سے جو اس نے ردت سے پہلے کمایا ہے لے لے گا یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص نے ایک غلام رہن کیا اور غائب ہو گیا پھر مرتہن نے اس کو آزاد پایا پس اگر غلام نے وقت رہن کے اپنی رقیت کا اقرار کیا ہو تو مرتہن اُس سے اپنا قرضہ نہیں لے سکتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک عورت سے ہزار درم مہر پر نکاح کیا ہے اور مہر کے عوض ہزار درم قیمت کا اسباب رہن دے دیا پھر وہ مال مرہون عورت کے پاس تلف

ہو گیا بعد ازاں کہ اُس عورت سے دخول (۱) کرنے سے پہلے اُس کو طلاق دے چکا ہے تو عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر رہن تلف ہو پھر دخول سے پہلے اُس کو طلاق دی تو عورت پر آدھا مہر واپس دینا واجب ہوگا اگر ایک عورت نے نکاح کیا اور مہر بیان نہ ہوا پھر اُس کے مہر المثل کے عوض اس کو کچھ مال رہن دیا اور وہ اس کے پاس تلف ہوا حالانکہ اُس مال سے وفائے مہر المثل تھی تو عورت مذکور اپنے مہر المثل کی بھر پانے والی ہوگی اور اگر اس کے ساتھ دخول سے پہلے اُس کو طلاق دی تو عورت مذکور پر اُس کے حصہ[1] المثل سے زائد کا واپس کرنا واجب ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک شخص سرائے میں گیا اور سرائے والے نے کہا کہ میں تجھے اترنے نہ دوں گا یہاں تک کہ مجھے کچھ دے اس نے کچھ چیز دی اور اُس کے پاس تلف ہوئی پس اگر بیت کے واسطے رہن ہو تو اُس کا تلف ہونا اسی کے عوض ہوگا اور اگر اس سبب سے کہ وہ سارق تھا تو ضامن ہوگا اور فقیہ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں ضامن نہ ہوگا اس واسطے کہ دینے میں اُس پر اکراہ ثابت نہیں ہوا ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ ہشامؒ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ غصب میں جس چیز کی ضمان غاصب کو دینی پڑتی ہی جب وہ رہن ہوگی تو مرتہن کا قرضہ بھی اسی حساب سے ساقط ہوگا اور جس چیز کا تاوان غصب میں نہیں ہوتا ہے زمین کی صورت میں بھی اس چیز کی وجہ سے مرتہن کا کچھ قرضہ ساقط نہ ہوگا چنانچہ اگر غلام نوجوان غصب کیا اور وہ غاصب کے قبضہ میں بڑھا ہو گیا تو نقصان کا ضامن ہوگا اسی طرح رہن کی صورت میں اسی حساب سے قرضہ ساقط ہو جائے گا یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر مرد ہو پھر وہ داڑھی والا ہو گیا تو ضامن نہ ہوگا بخلاف اُس کے اگر ایسی باندی جس کے کونچوں کا اُبھار ہے غصب کی پھر اُس کی چھاتیاں لٹک گئیں تو ضامن ہوگا اس واسطے کہ یہ نقصان ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔

ایک شخص نے چالیس درم کی پوستین بعوض دس درم کے رہن کی پھر اُس میں سے سوس پڑ گئی جنہوں نے اس کو چاٹ لیا حتی کہ اُس کی قیمت دس درم رہ گئی تو راہن اُس کو ڈھائی درم میں چھوڑا سکتا ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر ایک شخص پر دوسرے کے ہزار درم ہوں اُس نے اُس قرضہ کے عوض دو ہزار درم کا غلام رہن دیا اور مرتہن نے اُس پر قبضہ کر لیا پھر مرتہن نے اقرار کیا کہ یہ غلام فلاں شخص کا ہے اُس سے راہن نے غصب کر لیا ہے تو راہن کی حق میں مرتہن کے قول کی تصدیق نہ ہوگی اور راہن قرضہ ادا کر کے غلام مذکور لے لے گا اور مقرلہ کو اُس کے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور نہ اُس مال کے لینے کی کوئی راہ ہوگی جس کو مرتہن نے وصول کیا ہے اور اگر غلام مذکور مرتہن کے پاس مر گیا تو باعتبار ظاہر کے مرتہن اپنا قرضہ بھر پانے والا ہوگا اس واسطے کہ مرہون کی قیمت میں وفائے قرضہ ہے بلکہ اور کچھ زیادتی ہے پس مرتہن اُس کی پوری قیمت کا مقرلہ کے واسطے ضامن ہوگا کیونکہ اُس نے بدون اُس کی اجازت کے اُس پر قبضہ کیا تھا اور مرتہن کا اقرار خود مرتہن پر حجت ہے پس پوری قیمت کا ضامن ہوگا جب کہ عین کا واپس دینا بسبب مر جانے کے متعذر ہو گیا ہے اور اگر مرتہن نے غلام کی نسبت دوسرے شخص کے مملوک ہونے کا اقرار نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ اس پر فلاں شخص کے ہزار درم قرضہ ہیں کہ جن کو اس غلام نے تلف کر دیا ہے اور وہ غلام مرتہن کے پاس مر گیا تو مقرلہ ہزار درم مرتہن سے لے لے گا اور اگر مرتہن نے غلام کی نسبت دوسرے کے مملوک ہونے کا اقرار کیا اور راہن نے عقد رہن میں اپنے درمیان ایک شخص کو عادل قرار دیا اور اُس کو مختار کر دیا ہے کہ اس غلام مرہون کو فروخت کر کے اس سے مرتہن کا قرضہ دے دے پھر عادل نے اُس کو دو ہزار درم کو فروخت کیا اور مشتری کو دے دیا یا اس نے قبضہ کر لیا اور مرتہن نے اُس کا تمام ثمن وصول کر کے اُس میں سے ہزار درم مرتہن کو دے دیئے اور ہزار درم راہن کو دیئے پس اگر مقرلہ نے بیع کی اجازت دے دی تو جو ہزار درم مرتہن نے لئے ہیں اُن کو لے لے گا اور اگر اُس نے بیع کی اجازت نہ دی تو مقرلہ کو مرتہن سے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور اگر مرتہن نے غلام کی نسبت دوسرے کے مملوک ہونے کا اقرار نہ کیا بلکہ یہ اقرار کیا کہ

---

[1] یعنی بقیہ زمتعہ کے عورت کا حق ہے اور باقی واپس کرے ۱۲ منہ (۱) کیونکہ اس وقت مہر لازم نہ تھا پس رہن نہ ہوگا بلکہ امانت ہوگا ۱۲ منہ

اُس نے فلاں شخص کے دو ہزار درم تلف کئے ہیں اور باقی مسئلہ بحالہ ہے تو مرتہن نے جو ہزار درم وصول کئے ہیں ان کو مقرلہ کو دے دے گا خواہ اُس نے بیع کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو یہ مبسوط میں ہے۔

اگر غصب کئے ہوئے غلام مرہون نے راہ میں ایک کنواں کھودا ☆

ایک غلام بعوض ہزار درم کے رہن کیا پھر غلام نے مرتہن کے پاس راہ میں ایک کنواں کھودا پھر راہن نے فک رہن کرا کر غلام لے لیا تو اس میں چار صورتیں ہیں اوّل آنکہ اس میں ایک چوپایہ گرا پھر دوسرا چوپایہ گرا دوم اس میں انسان گرا پھر ایک آدمی گرا سوم اس میں ایک آدمی گرا پھر ایک چوپایہ گرا چہارم اس میں چوپایہ گرا پھر ایک آدمی گرا پس اگر اس میں چوپایہ گر کر تلف ہوا جس کی قیمت ہزار درم تھی تو غلام مذکور فروخت کیا جائے گا اور قرضہ ادا کیا جائے گا الا اس صورت میں کہ مولیٰ اُس کا فدیہ دے دے تو ایسا نہ ہو گا پھر اگر ہزار درم کو فروخت کیا گیا اور ان کو چوپایہ کے مالک نے لے لیا تو مرتہن سے جو کچھ اُس نے ادائے قرضہ میں لیا ہے اُس کو راہن واپس کر لے گا پھر اگر اُس میں دوسرا چوپایہ گرا جس کی ہزار درم قیمت ہے تو وہ پہلے چوپایہ کے مالک کے ساتھ شریک ہو کر جو کچھ اُس نے لیا ہے اُس کا نصف لے لے گا اور پہلا چوپایہ والا راہن سے کچھ نہیں لے سکتا ہے اور اگر اُس کنویں میں کوئی آدمی تلف ہوا اور غلام اُس کے عوض دے دیا گیا تو راہن نے جو مال مرتہن کو ادائے قرضہ میں دیا ہے اُس سے واپس کر لے گا اور اگر غلام دے دے جانے کے بعد اُس میں دوسرا آدمی گر کر مر گیا تو دوسرے شخص کا ولی پہلے شخص کے ولی کے ساتھ غلام میں شریک ہو جائے گا اور اگر اس میں کوئی چوپایہ گرا اور غلام فروخت کر کے اُس کے ثمن سے چوپایہ کے مالک کو اُس کی قیمت ادا کی گئی پھر دوبارہ اس میں کوئی آدمی گر کر مر گیا تو اُس کا خون ہدر ہو گا اور اگر اُس میں کوئی آدمی گر کر مر گیا اور اس جنایت میں غلام مذکور ولی میت کو دیا گیا پھر اُس میں کوئی چوپایہ گر کر مر گیا تو ولی مقتول سے کہا جائے گا کہ یا تو اس[1] غلام کو فروخت کر یا قرضہ ادا کر اس واسطے کہ دونوں جرم وقت چاہ کندن کی طرف مستند ہیں پس ایسا ہوا کہ گویا وہ آدمی اور یہ چوپایہ دونوں ساتھ ہی گرے ہیں اور اگر دونوں ساتھ گرتے اور ولی جنایت کو غلام مجرم دے دیا جاتا تو ولی جنایت اُس کے فروخت کرنے یا اُس کا فدیہ دینے میں مختار کیا جاتا ہے پس ایسا ہی اس صورت میں بھی ہو گا دو غلاموں نے راہ میں ایک کنواں کھودا اور اُس میں غلام مرہون گر کر مر گیا اور وہ دونوں اس جرم میں دے دیئے گئے پھر ان دونوں میں سے بھی ایک غلام اُس میں گر کر مر گیا تو آدھا قرضہ باطل ہو جائے گا اور اُس کا خون ہدر ہو گا اس لئے کہ یہ دونوں غلام اوّل کے قائم مقام ہو کر اُس کے حکم میں ہیں اور اگر غلام اوّل کنوئیں میں اس طرح گرتا کہ جس سے اُس کا نصف زائل ہوتا مثلاً اُس کی آنکھ جاتی رہتی یا ہاتھ شل ہو جاتا تو نصف قرضہ ساقط ہوتا پس ایسا ہی اس صورت میں بھی ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر غصب کئے ہوئے غلام مرہون نے راہ میں ایک کنواں کھودا یا پتھر ڈال دیا پھر غاصب نے وہ غلام مرتہن کو واپس کر دیا پھر راہن نے اُس کا فک رہن کر لیا اور قرضہ دے دیا پھر اُس کنویں میں ایک آدمی گر کر مر گیا تو راہن سے کہا جائے گا کہ یہ غلام دے دے یا اس کا فدیہ دے دے پس ان دونوں میں سے جو بات وہ کرے بہر حال اُس غلام کی قیمت غاصب سے واپس لے گا اور اگر غاصب مفلس یا غائب ہو گیا پس جس قدر مرتہن کو ادا کیا ہے وہ اس سے واپس لے گا بشرطیکہ قرضہ اور رہن دونوں پاس ہوں تا کہ فدیہ مال مرتہن سے ہو جائے گا اگر ولی مقتول کو غلام مذکور دے دینے کے بعد اُس کے پتھر ڈالے ہوئے سے کوئی آدمی تلف ہو تو ولی مقتول سے کہا جائے گا کہ اس کا نصف دے دے یا دس ہزار درم فدیہ دے اور اگر مرتہن نے اس کو اپنے ذاتی میدان میں کنواں کھودنے کا حکم دیا ہو اور اس میں راہن یا دوسرا شخص گر کر مر گیا تو مرتہن کی مددگار برادری پر اس کی دیت واجب ہو گی اور اگر راہن نے اُس کو اپنے ذاتی میدان میں کنواں

---

[1] قولہ تو اس یعنی ولی مقتول جس کے پاس بالفعل وہ غلام موجود ہے اس سے کہا جائے گا کہ یہ غلام دے دے یا اُس کو فروخت کر کے حصہ رسد لے لے ۱۲

کھودنے کا حکم دیا ہو تو راہن کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اگر راہن یا مرتہن نے اس کو کسی شخص کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اُس نے قتل کیا تو حکم دینے والے پر اس غلام کی قیمت واجب ہوگی بجائے اُس غلام کے رہن رہے گی اسی طرح اگر اس کو کسی چوپائے کے پانی پلانے کو بھیجا اور اُس چوپائے نے کسی آدمی کو روند کر مار ڈالا تو راہن یا مرتہن میں سے جس نے دوسرے کی اجازت سے اُس کو بھیجا ہے اُسی سے اُس غلام کے دے دینے کا مواخذہ کیا جائے گا یہ خزانۃ الاکمل میں ہے۔ اگر ہزار درم قیمت کے غلام نے جو ہزار درم قرضہ کے عوض رہن ہے راہ میں ایک کنواں کھودا اور اُس کنوئیں میں کوئی غلام گرا جس سے اُس کی دونوں آنکھیں جاتی رہیں تو غلام مرہون دے دیا جائے گا یا اُس کا فدیہ دیا جائے گا بمنزلہ ایسی صورت کہ اگر وہ غلام اُس کی دونوں آنکھیں اپنے ہاتھ سے نکال ڈالتا تو یہی حکم تھا اور پورا فدیہ مرتہن پر واجب ہوگیا پھر اگر اُس نے فدیہ دے دیا تو غلام مرہون اپنے حال پر رہن رہے گا اور اس اندھے غام کو اُس فدیہ کے عوض جو مرتہن نے دیا ہے لے لے گا اور وہ اسی کا ہوگا اور اگر اُس نے غلام مرہون کو دے دیا اور اندھا غلام لے لیا تو بجائے مرہون کے بعوض ہزار درم کے رہن ہوگا اور اگر اُس کنوئیں میں دوسرا آدمی گر پڑا تو اولیائے مقتول اپنے حصہ کے حساب سے کنواں کھودنے والے غلام میں شریک ہو جائیں گے یا جس کے پاس وہ غلام ہے وہ ہزار درم اس کا فدیہ دے گا اور اندھے غلام کے ذمہ اس جرمانہ میں سے کچھ بھی لاحق نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا جو کچھ تو فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کرے گا اُس کی قیمت مجھ پر ہے اور باہمی خرید و فروخت سے پہلے اِس کے عوض کچھ اُس کو رہن دے دیا تو یہ جائز نہیں ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ زید نے عمرو کی اجازت سے اس کے ذات کی کفالت اس شرط پر قبول کی کہ اگر میں اس کو کل کے روز تجھ سے نہ ملا دوں تو جو قرضہ اُس پر ہے وہ مجھ پر ہوگا پھر عمرو نے مال مکفول بہ کے عوض زید کو کوئی مال عین رہن دیا تو یہ رہن صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ کفالت بہ مال کا ہنوز وقت نہیں آیا ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کی اجازت سے اُس کی طرف سے قرضہ کی کفالت کر لی پھر مکفول عنہ نے کفیل کے ادا کرنے سے پہلے کفیل کو قرضہ مذکور کے عوض کچھ مال عین رہن دیا تو جائز ہے دو شخصوں میں سے ہر ایک شخص کے ہزار درم ایک شخص پر قرض ہیں پھر دونوں نے اُس اپنے قرضہ کے عوض ایک زمین رہن لے کر دونوں نے اُس پر قبضہ کر لیا پھر دونوں مرتہنوں میں سے ایک نے کہا کہ ہمارا کچھ مال راہن پر نہیں ہے اور یہ زمین ہمارے قبضہ میں بطور تلجیہ کے ہے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ رہن باطل ہوگا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ رہن باطل نہ ہوگا بلکہ اپنے حال پر رہے گا مگر اس اقرار کرنے والے کے حصہ سے بری ہو جائے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ہزار درم قیمت کی باندی کے جو ہزار درم قرضہ کے عوض رہن ہے ہزار درم قیمت کا بچہ پیدا ہوا پھر اُس باندی کو سو درم قیمت کی باندی نے قتل کر ڈالا اور قاتلہ اس جرم میں دے دی گئی پھر اس دی ہوئی باندی کے ہزار درم قیمت کا بچہ پیدا ہوا پھر یہ دی ہوئی باندی کانی ہوگئی تو قرضہ کے چوالیس حصوں میں سے ایک حصہ ساقط ہو جائے گا یعنی بائیس درم اور تین چوتھائی درم ساقط ہوں گے مگر اُس میں سے ایک درم کا چوالیسواں حصہ کم ہو گا اور باقی کو راہن ادا کرے گا یعنی نو سو ستتر درم و چوتھائی درم و ایک درم کا چوالیسواں حصہ ادا کرے گا اور اس کا بیان یہ ہے کہ مرہونہ کے ہزار درم قیمت کا بچہ پیدا ہوا ہے اور قرضہ ان دونوں پر آدھا آدھا تقسیم ہوگا کیونکہ مرہونہ کی روز عقد کی قیمت معتبر ہے اور وہ ہزار درم ہے اور بچہ کی روز انفکاک کی قیمت معتبر ہے اور وہ بھی ہزار درم ہے پھر جب اُس مرہونہ کو سو درم قیمت کی باندی نے قتل کیا اور وہ اس کے عوض دے دی گئی تو جو قرضہ باقی رہا ہے وہ اُس کے مقابلہ میں ہوگا کیونکہ گوشت پوست کی راہ سے یہ اُس کے قائم مقام ہے گویا پہلی باندی کا نرخ گھٹ گیا ہے پھر جب اس قاتلہ کے ایک بچہ پیدا ہوا پھر تو قرضہ نصف قرضہ کے گیارہ حصہ ہوئے تو پہلے بچہ کے مقابلہ میں جو نصف قرضہ ہے اُسکے بھی گیارہ حصہ کئے جائیں گے پس سب بائیس حصہ ہوئے جس میں سے ایک حصہ بمقابلہ قاتلہ

کے ہے جس میں سے آدھا بوجہ کانی ہو جانے کے جاتا رہا پس کسر ہو جانے سے اس کے دوچند کرنے سے چوالیس حصے ہو گئے جن میں سے بیس حصہ [1] بمقابلہ دوسرے بچہ کے ہیں اور دو حصہ بمقابلہ قاتلہ کے ہیں جس میں سے ایک حصہ اُس کے کانی ہو جانے کی وجہ سے جاتا رہا پس یہی معنی امام محمدؒ کے قول کے ہیں کہ قرضہ کے چوالیس حصوں میں سے ایک حصہ ساقط ہوگا یہ کانی میں ہے۔

بارھواں باب☆

رہن میں دعویٰ اور خصومات واقع ہونے اور اس کے متصلات کے بیان میں

اگر ایک ہی مال مرہون کا دو شخصوں نے ایک ہی شخص پر اس طرح دعویٰ کیا ہر ایک نے کہا کہ میں نے یہ مال اس شخص کے پاس سے بعوض ہزار درم قرضہ کے رہن لیا ہے اور میں نے اس سے لے کر قبضہ کیا ہے تو اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ راہن کی زندگی میں ایسا دعویٰ واقع ہوا ہو پس اس میں تین صورتیں ہیں اوّل یہ کہ مال مرہون دونوں مدعیوں میں سے ایک قبضہ میں ہو اور اس صورت میں اگر دونوں نے تاریخ نہ لکھی ہو یا تاریخ لکھی ہو مگر دونوں کی تاریخ برابر ہو تو قابض کے نام مرہون کی ڈگری ہوگی اور اگر تاریخ لکھی ہو اور ایک کی تاریخ بہ نسبت دوسرے کے سابق ثابت ہو تو سابق والے کے نام ڈگری ہوگی خواہ وہ قابض ہو یا غیر قابض ہو جیسا کہ دعویٰ خرید کی صورت میں ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ مال مرہون دونوں کے قبضہ میں ہو سوم یہ کہ مال رہن راہن [2] کے قبضہ میں ہو اور ان دونوں صورتوں میں اگر دونوں نے تاریخ لکھی اور ایک کی تاریخ سابق ہو تو سابق التاریخ کے نام ڈگری ہوگی اور اگر تاریخ نہ لکھی یا ایک ہی تاریخ لکھی ہو تو قیاساً کسی کے نام رہن میں سے کچھ بھی ڈگری نہ کی جائے گی اور استحساناً ہر ایک کے نام نصف مرہون کی ڈگری ہوگی بمقابلہ اس کے نصف حق کے مگر ہم قیاسی حکم کو اختیار کرتے ہیں ایسا ہی روایت ابوسلیمان میں مذکور ہے اور روایت ابو حفص میں یہ ہے کہ قیاساً و استحساناً دونوں میں سے کسی کے نام رہن میں سے کچھ ڈگری نہ ہوگی اور مشائخؒ نے فرمایا کہ جو حکم روایت ابوسلیمان میں مذکور ہے وہی اصح ہے۔ وجہ دوم یہ کہ راہن کے مرنے کے بعد دعویٰ واقع ہوا اور اس میں بھی تین صورتیں ہیں اور سب صورتوں میں اگر دونوں نے تاریخ لکھی اور ایک کی تاریخ سابق ہو تو سابق التاریخ کے نام ڈگری ہوگی اور اگر تاریخ نہ لکھی یا ایک ہی تاریخ دونوں نے لکھی ہو تو جب رہن دونوں کے قبضہ میں یا راہن کے قبضہ میں ہو تو قیاساً یہ حکم ہے کہ دونوں میں سے کسی کے نام کچھ استحقاقی ڈگری نہ ہوگی اور یہ دونوں بھی راہن کے اور قرض خواہوں کے برابر تصور کئے جائیں گے اور قیاسی حکم کو امام ابو یوسفؒ نے اختیار کیا ہے اور استحساناً ہر ایک کے نام اُس کے نصف حق کے عوض مال مرہون نصفا نصف کی ڈگری کی جائے گی کہ مال مرہون فروخت کر کے ہر ایک کا نصف قرضہ ادا کر دیا جائے گا پھر اگر ثمن میں سے کچھ بچ رہا تو بچا یا ہوا باقی قرض خواہوں اور راہن کے درمیان حصہ رسد تقسیم ہوگا اور حکم استحسانی کو امام ابوحنیفہؒ نے اختیار کیا ہے اور امام محمدؒ کا قول کتابوں میں مضطرب ہے یہ سب اُس صورت میں ہے کہ ایک ہی راہن سے رہن لینے کا دونوں نے دعویٰ کیا ہو اور اگر دو شخصوں سے رہن لینے کا دعویٰ کیا ہو اور دونوں نے اپنے اپنے گواہ قائم کئے اور مال مرہون دونوں میں سے ایک مدعی کے قبضہ میں ہے تو اس مسئلہ میں چار صورتیں ہیں اوّل (1) آنکہ قابض

[1] قولہ بیس حصہ اصل میں مذکور ہے اثنان وعشرون فی الولد الثانی یعنی بائیس بمقابلہ دوسرے بچے کے ہوں گے اقول یہ غلط ہے بیس حصہ بمقابلہ دوسرے بچے کے چاہیے ہیں ہاں اوّل بچہ کے مقابلہ میں بائیس حصہ ہیں پس قولہ فی ولد الثانی غلط ہے صحیح یہ ہے فی الولد الاوّل بہرحال اس عبارت میں دو مقام سے ایک مقام پر بدون تغلیط کے توجیہ نہیں ہو سکتی ہو متحمیل الغلط من الناسخ حا راہن التعرض علی الاکابر فتامل ۱۲ [2] قال المترجم قال فی الاصل المرتهن مکان الراهن و هو غلط عند المترجم فتامل ۱۲منہ (1) سوم و چہارم دو صورتیں ہیں

وغیرہ قابض دونوں مدعیوں کے دونوں راہن غائب ہوں تو اس صورت میں قابض کے نام ڈگری ہوگی اگرچہ دونوں نے تاریخ لکھی ہو اور ایک کی تاریخ سابق ہو اور اگر دونوں رہن حاضر ہوں تو غیر قابض کے نام مال مرہون کی ڈگری ہوگی۔ اور اگر ایک[1] راہن حاضر ہو اور دوسرا غائب ہو تو غیر قابض کے نام جب تک دوسرا راہن نہ حاضر ہو تب تک ڈگری نہ ہوگی اور جب وہ آ جائے تو غیر قابض کے نام ڈگری ہوگی یہ محیط میں ہے ایک شخص کے پاس ایک غلام ہے دوسرے شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ غلام میرا ہے میں نے اُس کو فلاں شخص کے پاس جو غائب ہے بعوض ہزار درم کے رہن کیا تھا اور اُس نے مجھ سے لے کر قبضہ کر لیا تھا اور قابض کہتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے تو مدعی کے نام غلام مذکور کی ڈگری ہوگی اس واسطے کہ قابض اُس کا خصم یعنی مدعا علیہ مقرر ہوگا کیونکہ غلام کی نسبت ہر ایک مدعی اپنی ملک کا دعویٰ کرتا ہے پھر جب مدعی کے نام ڈگری ہوئی تو مذکور ہے کہ اُس سے لے کر ایک عادل کے پاس رکھا جائے گا اور اگر راہن غائب ہو اور مرتہن نے دعویٰ کیا کہ یہ غلام میرے پاس رہن ہے میں نے فلاں شخص سے اُس کے بعوض اس قدر قرضہ کے رہن لیا ہے اور اس قابض نے مجھ سے غصب کر لیا ہے یا مستعار لیا ہے یا اجارہ پر لیا ہے اور اس دعویٰ پر گواہ قائم کر دیئے تو میں اُس غلام کو مدعی کو دے دوں گا ایسا ہی امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں ذکر کیا ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے ذکر کیا کہ قاضی مدعی کے نام غلام کی ڈگری نہ کرے گا اس واسطے کہ اس میں غائب پر قرضہ کی ڈگری ہوئی جاتی ہے حالانکہ اس مقدمہ میں اُس کی طرف سے کوئی خصم نہیں ہے لیکن یہ ڈگری کرے گا کہ قابض مدعا علیہ کو یہ غلام مدعی کی طرف سے بطریق غصب یا اجارہ یا استعارہ کے ملا ہے جیسا کہ اُس کے گواہوں نے گواہی دی ہے پس مدعی کے نام واپس لینے کے استحقاق کی ڈگری کرے گا اور قابض اس مقدمہ میں اُس کا خصم ہے اور یہ بخلاف ایسی صورت کے ہے کہ جب مدعی نے قابض پر اپنے قبضہ سے لینے کا دعویٰ نہ کیا ہو کہ اس صورت میں قابض اُس کا خصم نہیں ہو سکتا ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

رہن الاصل میں رہن کا حاضر ہونا محض ''سہو کتابت'' کی وجہ سے آ گیا ☆

حیل الخصاف میں ہے کہ ایک شخص کے قبضہ میں مال مرہون ہے اور راہن غائب ہے اور مرتہن نے چاہا کہ قاضی کے نزدیک رہن ہونا ثابت کرے تاکہ قاضی اُس کے نام اس کا سجل عطا کرے حکم دے کہ یہ مال اُس کے قبضہ میں رہن ہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ مرتہن ایک شخص غریب کو حکم دے کہ تو اس غلام کے رقبہ کا دعویٰ کر اور مرتہن کو قاضی کے پاس لے جا پس مرتہن قاضی کے سامنے گواہ پیش کرے گا کہ یہ غلام میرے پاس رہن ہے پس قاضی اُس کے رہن ہونے کے گواہوں کی سماعت کرے گا اور اُس کے پاس رہن ہونے کی ڈگری کر دے گا اور اجنبی کی خصومت اُس کے ذمہ سے دفع کرے کہ پس یہ حکم خصاف کی طرف سے امر کی تفصیص ہے کہ رہن پر گواہی کی سماعت ہوتی ہے اگرچہ راہن غائب ہو اور ایسا ہی امام محمدؒ نے دعویٰ الجامع اور بعض مواضع اصل میں ذکر کیا ہے اور بعض مواضع رہن الاصل میں ایسی گواہی کی سماعت کے واسطے راہن کا حاضر ہونا شرط کیا ہے اور مشائخؒ اس میں اختلاف کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ رہن الاصل میں جو راہن کا حاضر ہونا شرط کیا ہے وہ کاتب کی غلطی ہے اور صحیح یہ لفظ ہے کہ راہن کا حاضر ہونا شرط نہیں ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں ایک روایت کے موافق ایسی گواہی کی سماعت کے واسطے حاضری راہن شرط نہیں ہے اور دوسری روایت کے موافق قاضی بدون حاضری راہن کے قبول نہ کرے گا شمس الائمہ سرخسی نے شرح کتاب الحیل میں لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے مؤلفؒ کہتے ہیں کہ امام محمدؒ نے سیر کبیر میں اسی کے نظائر میں یوں فرمایا ہے کہ اگر غلام مرہون قید کیا گیا اور وہ تقسیم کے مال غنیمت میں آیا اور تقسیم سے پہلے مرتہن نے اُس کو پایا اور گواہ قائم کئے کہ یہ غلام میرے پاس فلاں شخص کی طرف سے

رہن ہے اور اُس کو لے لیا تو یہ حکم غائب پر رہن[1] کرنے کا نہ ہوگا اگر راہن نے کہا کہ میں نے یہ کپڑے تیرے پاس رہن کیا اور تو نے مجھ سے لے کر قبضہ کر لیا ہے اور مرتہن نے کہا کہ تو نے میرے پاس یہ غلام رہن کیا اور میں نے تجھ سے لے کر قبضہ کر لیا ہے اور دونوں نے گواہ قائم کیئے تو مرتہن کے گواہ قبول ہوں گے بشرطیکہ کپڑا و غلام دونوں مرتہن کے پاس موجود ہوں اور اگر دونوں تلف ہو گئے ہوں اور جس چیز کے رہن کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اُس کی قیمت زیادہ ہو اور دونوں نے گواہ قائم کیئے تو راہن کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر مرتہن نے کہا کہ تو نے غلام و کپڑا دونوں میرے پاس رہن کیے اور میں نے تجھ سے لے کر دونوں پر اپنا قبضہ کیا ہے اور راہن نے کہا کہ نہیں بلکہ میں نے فقط کپڑا تیرے پاس رہن کیا ہے تو مرتہن کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر راہن نے دعویٰ کر کے گواہ قائم کیئے کہ میں نے اُس شخص کے پاس دو ہزار درم قیمت کا غلام بعوض ہزار درم کے رہن کیا اور اُس نے میرے پاس سے لے کر قبضہ کیا ہے اور مرتہن نے اُس سے انکار کیا اور یہ نہیں معلوم کہ اُس نے رہن کے ساتھ کیا کیا ہے تو مرتہن غلام کی پوری قیمت کا ضامن ہوگا اور جب وہ قیمت کا ضامن ہوا تو اُس کے لیے اس قیمت میں سے ہزار درم محسوب کر دیئے جائیں گے اور باقی راہن کو واپس دے گا اور اگر مرتہن نے اقرار کر لیا مگر دعویٰ کیا کہ وہ مر گیا ہے تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اس واسطے کہ قرضہ سے زائد کے بارہ میں وہ امین تھا اور اُس کی طرف سے انکار ثابت نہیں ہوا تا کہ ضامن ہو۔ اور اگر اس نے رہن سے انکار نہ کیا مگر پانچ سو درم قیمت کا غلام لایا اور کہا کہ مرہون یہ غلام ہے تو اس کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی اس واسطے کہ گواہوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ مرہون دو ہزار درم قیمت کا ہے اور جس کو وہ لایا ہے وہ ایسا نہیں ہی تو ظاہر حال اُس کی تکذیب کرتا ہے پس اُس کا قول قبول نہ ہوگا اگر اُس نے اس سے انکار کیا یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک شخص کے دوسرے پر ہزار درم قرضہ ہوں اور وہ اس کا مقر ہو پھر قرض خواہ نے دعویٰ کیا کہ مدیوں نے مجھے اپنا ایک غلام اس قرضہ کے عوض رہن دیا تھا اور میں نے اُس پر قبضہ کیا تھا اور قرض دار اس سے انکار کرتا ہے تو قرض خواہ کے گواہوں پر رہن کی ڈگری کی جائے گی اور اگر قرض دار راہن کا قرض خواہ پر دعویٰ کرتا ہو اور قرض خواہ اس سے نکار کرتا ہو پس اگر مرتہن کے پاس رہن قائم ہو تو کتاب الرہن کی روایت کے موافق قرض خواہ کے گواہوں پر قاضی رہن کی ڈگری نہ کرے گا اور روایت کتاب الرجوع عن الشہادت کے موافق ڈگری کرے گا اور اگر مال مرہون مرتہن کے پاس تلف ہو گیا ہو تو باتفاق الروایات موافق گواہان مدیوں کے ڈگری کرے گا اس واسطے کہ بعد ہلاک رہن کے مرتہن کا انکار فسخ رہن پر محمول نہیں ہو سکتا ہے پس اصل سے انکار عقد پر محمول کیا جائے گا پس گواہوں سے راہن اُس کو ثابت کر سکے گا اور اگر راہن نے مرتہن پر گواہ قائم کیئے کہ میں نے اُس کو رہن دیا ہے اور قبضہ کرا دیا ہے مگر گواہوں نے رہن کی تعیین نہ کی اور نہ اُس کو پہچانا تو مرتہن سے رہن کو دریافت کیا جائے گا اور مشائخ بلخ کے نزدیک اُسی کا قول قبول ہوگا اور مشائخ نے فرمایا کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب گواہوں نے اقرار مرتہن کی گواہی دی کہ اُس نے میرے پاس رہن کیا اور میں نے قبضہ کیا ہے۔

اگر انہوں نے شے مجہول رہن کرنے و قبضہ کرنے کی گواہی دی اور معائنہ رہن و قبضہ کی گواہی دی تو قاضی ایسی گواہی قبول نہ کرے گا۔ اگر ایک شخص نے گواہ دیئے کہ میں نے یہ کپڑا قابض کے پاس ودیعت رکھا ہے اور قابض نے گواہ دیئے کہ میں نے یہ کپڑا اُس سے رہن لیا ہے تو مرتہن کے گواہ قبول ہوں گے اور ایسا اقرار دیا جائے گا کہ گویا پہلے اس نے ودیعت رکھا پھر رہن کیا ہے کیونکہ رہن کا درود[2] ایداع پر ہوتا ہے اگرچہ رہن پر ایداع کا درود نہیں ہوتا ہے الا برضاء مرتہن اور اگر رہن نے گواہ قائم کیئے کہ میں نے اُس

[1] یعنی راہن کے غائب ہونے کی صورت میں جو حکم ہوتا ہے وہ غائب کے حق میں مؤثر نہیں ہوتا ہے اگرچہ گواہی کی سماعت ہو سکتی ہے ۱۲ منہ

کے ہاتھ فروخت کیا ہے اور مرتہن نے رہن پر گواہ قائم کیے تو اس کو بیع قرار دوں گا اور رہن باطل کروں گا اور یوں قرار دیا جائے گا کہ گویا پہلے اُس نے رہن کیا پھر بیع کیا ہے اس واسطے کہ بیع کا ورود رہن پر ہو سکتا ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر راہن نے رہن کا دعویٰ کر کے گواہ قائم کیے اور مرتہن[۲] نے گواہ دیئے کہ اس نے مجھے ہبہ کیا اور میں نے قبضہ کر لیا ہے تو میں ہبہ کے گواہ قبول کروں گا۔ اگر ایک شخص نے خریدنے و قبضہ کرنے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے رہن اور قبضہ کرنے کا دعویٰ کیا اور دونوں نے گواہ پیش کیے حالانکہ وہ راہن کے قبضہ میں ہے تو مشتری کے گواہ قبول ہوں گے لیکن اس صورت میں قبول نہ ہوں گے کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ رہن ہونا خرید سے پہلے تھا اور اگر وہ مرتہن کے قبضہ میں ہو تو اُس کو رہن قرار دوں گا الا اُس صورت میں ایسا نہ کروں گا جب مشتری گواہوں سے ثابت کرا دی کہ خریدنا پہلے واقع ہوا تھا اور اگر رہن پاس ہو اور ایک نے رہن کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے صدقہ کا دعویٰ کیا اور دونوں مدعیوں نے راہن پر گواہ قائم کیے اپنے اپنے دعویٰ اور قبضہ کے تو رہن کے مدعی کے گواہ قبول ہوں گے الا اس صورت میں قبول نہ ہوں گے کہ جب دوسرا گواہوں سے ثابت کرا دے کہ صدقہ و ہبہ کی وجہ سے قبضہ کرنا رہن سے پہلے واقع ہوا ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر مستودع یا مضارب نے مال تلف ہو جانے کا دعویٰ کیا اور رب المال نے ان دونوں کے ذمہ تلف کر ڈالنے کا دعویٰ کیا اور دونوں نے باہم صلح کی اور مدعا علیہ نے رب المال کو اس کے عوض رہن دیا اور وہ تلف ہو گیا تو امام ابو یوسفؒ کے پہلے قول کے موافق ضامن نہ ہوگا اور دوسرے کے موافق ضامن ہوگا اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے چنانچہ یہ مسئلہ تاتارخانیہ میں تجرید سے منقول ہے اگر ایک شخص کے پاس کپڑا ودیعت رکھا پھر اس کو وہی کپڑا رہن دیا پھر مرتہن کے قبضہ سے پہلے وہ تلف ہو گیا تو وہ امانت میں تلف ہوا اس واسطے کہ مستودع کا قبضہ مثل مودع کے قبضہ کے ہے پس جب تک مرتہن نے جدید قبضہ رہن کا نہ کیا ہو تب تک اس پر قبضہ رہن ثابت نہ ہوگا اور بدون گواہوں کے عدم قبضہ کے باب میں اسی کا قول قبول ہوگا اس واسطے کہ وہ رہن کا قبضہ کرنے سے منکر ہے اور اگر راہن نے گواہ دیئے کہ اس نے بحکم رہن اس پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کے بعد وہ مال تلف ہوا ہے اور مرتہن نے گواہ دیئے کہ میرے پاس بحکم قبضہ ودیعت تلف ہوا ہے قبل اس کے کہ اس پر قبضہ رہن ثابت ہو تو راہن کے گواہ قبول ہوں گے اس واسطے کہ اُس سے استیفاء قرضہ ثابت ہوتا ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر راہن دو شخص ہوں اور مرتہن نے دونوں پر رہن کا دعویٰ کیا اور دونوں میں سے ایک پر گواہ قائم کیے کہ اُس نے میرے پاس رہن کیا اور میرے قبضہ میں دیا ہے اور مرہون اُن دونوں کی ملک ہے اور وہ دونوں اس سے انکار کرتے ہیں تو مدعی رہن کو اختیار ہوگا کہ جس پر اُس نے گواہ قائم نہیں کیے ہیں اُس سے قسم لے پس اگر اُس نے قسم سے انکار کیا تو دونوں پر دو سبب مختلف سے رہن ثابت ہو جائے گا یعنی قسم سے انکار کرنے والے پر بسبب انکار قسم کے اور دوسرے پر بسبب گواہوں کے اور اگر اُس نے قسم کھالی تو اس کے حق میں رہن ثابت نہ ہوگا اور اُس کے حق میں رہن کی ڈگری نہ کی جائے گی اور دوسرے کے حصہ میں بھی رہن کی ڈگری نہیں کی جائے گی اس واسطے کہ اگر اس کے حق میں رہن کی ڈگری کریں تو مشاع[۳] کے رہن کی ڈگری ہوئی جاتی ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر راہن ایک ہو اور مرتہن دو ہوں پس دونوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اور میرے ساتھی نے یہ کپڑا تجھ سے سو درم کو رہن لیا ہے اور گواہ قائم کیے اور ساتھی مرتہن نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ ہم نے رہن نہیں کیا ہے حالانکہ دونوں نے اُس کپڑے پر قبضہ کیا ہے اور راہن سے انکار کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال مرہون راہن کو واپس دیا جائے گا اور امام محمدؒ نے

---

۱ ودیعت رکھنے کے بعد اس چیز کو مرہون کر سکتا ہے بخلاف اس کے اگر مرہون ہو تو رہن پر ودیعت رکھنا طاری نہیں ہو سکتا ہے ۱۲

۲ مرتہن سے یہ مراد نہیں کہ وہ فی الواقع مرتہن ہے بلکہ مدعی رہن نے جس کو مرتہن ٹھہرایا ہے اُس نے ہبہ مقبوضہ کا دعویٰ کیا ۱۲

۳ حالانکہ رہن مشاع جائز نہیں ہے اور حکم قاضی ملزم ہوتا ہے ۱۲ منہ

فرمایا کہ میں اُس کے رہن ہونے کی ڈگری کروں گا اور جس مرتہن نے اُس کے مرہون ہونے پر گواہ قائم کیے ہیں اس کے قبضہ میں اور عادل کے قبضہ میں رکھوں گا پھر اگر راہن نے مرتہن کو جس نے گواہ قائم کئے تھے قرضہ ادا کر دیا تو مال مرہون لے لے گا پس اگر مرہون تلف ہو گیا تو جس نے گواہ قائم کئے تھے اُس کا حصہ مال گیا اور یا دوسرے کا حصہ سو بالاتفاق ثابت نہ ہو گا اس واسطے کہ اُس نے گواہوں کی تکذیب کی ہے یہ مبسوط میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہی باطل ہے ☆

اگر ایک شخص نے دوسرے سے ایک کپڑا استعار لیا تا کہ اپنے قرضہ میں رہن کرے اور قبضہ کر کے اُس کو رہن کیا پھر کپڑے کے مالک اور راہن نے اختلاف کیا حالانکہ کپڑا تلف ہو چکا ہے پس کپڑے کے مالک نے کہا کہ فک رہن ہونے سے پہلے تلف ہوا ہے اور راہن نے کہا کہ بعد فک رہن کے تلف ہوا ہے تو قسم سے راہن کا قول قبول ہو گا اسی طرح اگر راہن نے کہا کہ میرے رہن کر دینے سے پہلے ہی تلف ہو گیا ہے اور مالک نے کہا کہ رہن کرنے کے بعد فک رہنے کرنے سے پہلے تلف ہوا ہے تو بھی یہی حکم ہے کہ قسم سے راہن کا قول قبول ہو گا۔ اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو مالک کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر مرتہن کے پاس کپڑا تلف ہو جانے کے بعد اس مسئلہ میں راہن و مرتہن و مالک نے کپڑے کی قیمت میں اختلاف کیا تو مرتہن کا قول قبول ہو گا۔ اور اگر کپڑے کے مالک اور راہن نے اختلاف کیا پس کپڑے کے مالک نے کہا کہ میں نے تجھے یہ اجازت دی تھی کہ بعوض پانچ درم کے رہن کرے اور راہن نے کہا کہ تو نے مجھے دس درم کے عوض رہن کرنے کی اجازت دی تھی تو مالک کپڑے کا قول قبول ہو گا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو راہن کے گواہ قبول ہوں گے اور وہ ضمان قیمت سے بری ہو جائے گا اور اگر دو گواہوں میں سے ایک گواہ نے سو درم کے عوض رہن کی گواہی دی اور دوسرے نے دو سو درم کے عوض کی گواہی دی تو امام اعظمؒ کے نزدیک ان کی گواہی باطل ہے اور بالکل رہن ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک سو درم کے عوض رہن ہونے کا حکم دیا جائے گا اور اگر ایک گواہ نے سو درم کے عوض رہن ہونے کی گواہی دی اور دوسرے نے ڈیڑھ سو درم کے عوض رہن ہونے کی گواہی دی پس اگر مرتہن سو درم کا مدعی ہو تو دونوں کی گواہی قبول نہ ہو گی اور اگر مرتہن ڈیڑھ سو درم کا دعویٰ کرتا ہو تو سو درم پر اُن کی گواہی قبول ہو گی اور سو درم کے عوض رہن ہونے کی ڈگری کی جائے گی اور یہ سب اماموں کے نزدیک بالاتفاق ہے یہ محیط میں ہے۔

کتاب الجنایات

اس میں سترہ ابواب ہیں

باب اوّل:

جنایت کی تعریف واس کے انواع واحکام کے بیان میں

جنایت شرع میں فعل مجرم کا نام ہے خواہ مال میں ہو یا نفس میں ہو لیکن فقہاء کے عرف میں اسم جنایت کا اطلاق نفس و اطراف میں تعدی[1] کرنے پر ہوتا ہے کذانی التبیین اور جنایت نفس ہو تو اس کو قتل کہتے ہیں اور وہ بندوں کی طرف سے ایک فعل ہے جس سے حیات زائل ہو جاتی ہے اور جنایت اطراف کو قطع و جرح کہتے ہیں یہ غیاثیہ میں ہے۔ جنایت کی دو قسمیں ہیں ایک موجب قصاص ہے وہ جنایت عمداً ہے اور دوسری موجب قصاص نہیں ہے اور جو موجب قصاص ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک جو نفس میں ہو اور دوسری جو نفس سے کم میں ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے قتل پانچ طرح پر ہوتا ہے عمد و شبہ عمد و خطا و قائم مقام خطا و قتل بسبب اور ان سے مراد وہ انواع قتل ہیں جو بغیر حق ہوں جس سے احکام متعلق ہونے میں پس عمد وہ ہے جو تعمداً ہتھیار کی ضرب سے ہو یا جو چیز اجزاء جسم جدا کر ڈالنے میں ہتھیار کے قائم مقام ہے جیسے دھار دار لکڑی و پتھر و نرکل کی کھپاچ و آگ یہ کافی میں ہے۔

اس کا نتیجہ گناہ ہے اور قصاص ہے الا اُس صورت میں قصاص نہیں ہے کہ جب اولیاء مقتول معاف کر دیں یا صلح کر لیں اور ہمارے نزدیک اس میں کفارہ نہیں ہے کذانی الہدایہ اور اُس کے احکام میں سے یہ ہے کہ قاتل میراث سے محروم ہو جاتا ہے اور باہمی رضامندی کے وقت مال واجب ہوتا ہے یا شبہ کی وجہ سے قصاص متعذر ہونے کی وجہ سے مال واجب ہوتا ہے یہ شرح مبسوط میں ہے اور شبہ عمد یہ ہے کہ عمداً ایسی چیز سے مارے جو ہتھیار ہے اور نہ قائم مقام ہتھیار کے ہے یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر بڑے پتھر یا بھاری لکڑی سے مارا تو وہ قتل عمد ہے اور شبہ عمد یہ ہے کہ ایسی چیز سے مارے جس سے غالباً مقتول نہیں ہوتا ہے مگر امام اعظمؒ کا قول صحیح ہے یہ مضمرات میں ہے اور اس کا نتیجہ ہر دو قول کے موافق گناہ اور کفارہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ مسلمان باندی کو آزاد کرے پس اگر نہ پائے تو پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے اور مددگار برادری پر دیت مغلظ واجب ہوتی ہے کذانی الکافی اور یہ تغلیظ جبھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب اونٹوں سے دیت واجب ہو دوسری چیز میں نہیں ظاہر ہوتی ہے اور شبہ عمد میں بھی قاتل میراث سے محروم ہوتا ہے یہ شرح مبسوط میں ہے اور نفس تلف کرنے سے کم میں شبہ عمد نہیں ہوتا ہے۔ امام قدوری نے اپنی کتاب میں فرمایا کہ جان تلف کرنے میں جو شبہ عمد قرار دیا گیا ہے وہ جان تلف کرنے سے کم میں عمد ہے یہ محیط میں ہے۔ اور خطا سے قتل کرنا دو طرح پر ہے ایک قصد میں خطا ہونا وہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شکل کو شکار گمان کر کے تیر مار دیا پھر وہ آدمی نکلا یا حربی[2] سمجھ کر اس کو مار دیا پھر وہ مسلمان نکلا دوم فعل میں خطا ہونا اور وہ یہ ہے کہ نشان کو تیر مارا اور وہ کسی آدمی کے لگ گیا کذانی الہدایہ اور اُس کا نتیجہ

---

[1] یعنی مثلاً نفس یعنی جان کو ہلاک کر دے یا اطراف یعنی ہاتھ پاؤں کان ناک آنکھ وغیرہ کسی کو زخمی یا ضائع کرے ۱۲
[2] حربی کتاب الزکوۃ کے شروع میں ان الفاظ کی تشریح مترجم نے کر دی ہے وہاں ملاحظہ کریں۔ (حافظ)

کفارہ اور مددگار برادری پر دیت اور میراث سے محروم ہونا ہے اور کفارہ واجب ہونے اور دیت واجب ہونے میں ذمی اور مسلمان کا قتل کرنا یکساں ہے اور دونوں صورتوں میں گناہ نہیں ہے خواہ قصد میں خطا ہوئی ہو یا فعل میں ہوئی ہو یہ جواہرہ نیرہ میں ہے منتقی میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر کسی شخص پر تو نے عمداً ضرب کا قصد کیا پھر اُس کی جس جگہ کا قصد کیا اُس کے سوائے دوسری جگہ پر زخم لگا تو یہ محض عمد ہے اور اگر اس شخص کے سوائے دوسرے آدمی کے لگا تو یہ خطا ہے اور ہشام نے فرمایا کہ اُس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک شخص نے عمداً قصد کیا کہ کسی شخص کے ہاتھ میں ضرب لگائے پس ہاتھ چوک گیا اور اُس شخص کی گردن پر زخم پڑا اور گردن الگ ہوگئی اور وہ قتل ہو گیا تو یہ عمد ہے اور اس میں قصاص لازم ہوگا اور اگر اُس نے اس شخص کے ہاتھ کاٹنے کا قصد کیا مگر چوک گیا اور دوسرے کی گردن پر زخم پڑا جس سے وہ قتل ہوگیا تو یہ خطا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

بقالی میں ہے کہ اگر عصا سے کسی شخص کے سر پر ضرب لگانے کا قصد کیا مگر چوک گیا اور ضرب اس کی آنکھ پر پڑی تو اس جرم پر اس کے مال سے ارش واجب ہوگا کیونکہ اس نے عمداً ضرب کا قصد کیا ہے اور اگر کسی شخص کا دوسرے پر قصاص آیا ہو کہ اُس کو جائز ہو کہ اُس کا قصاص میں ہاتھ کاٹ ڈالے پس اُس نے قصد کیا کہ اُس کے ہتھیلی پر تلوار مارے پس تلوار اُس کے مونڈھے پر پڑی اور مونڈھے سے جدا کر دیا تو اُس کی ضمان اُس کے مال سے واجب ہوگی کیونکہ محض عمد ہے مگر اُس میں قصاص نہ ہوگا کیونکہ اُس کو روا تھا کہ اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالے اور اگر ایک شخص کے سر کی ٹوپی پر تیر لگایا مگر تیر خطا کر کے اُس شخص کے لگا تو یہ خطا ہے اور ہشام کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ ایک شخص نے دوسرے کو تیر مارا مگر تیر خطا کر گیا اور ایک دیوار پر پڑا پھر یہ تیر ٹوٹ کر اُس کے لگا اور اُس کو قتل کیا تو فرمایا کہ یہ خطا ہے اور اگر کوئی کپڑا امروڑ کر کسی شخص کے سر پر مارا جس وجہ سے موضحہ زخم آیا تو عمد ہے اور اگر اس زخم سے وہ مر گیا تو خطا ہو جائے گا یہ عیون میں مذکور ہے کذا فی المحیط اور جو خطا کے قائم مقام ہے وہ ایسا ہی جیسے ایک شخص سوتا ہوا حالت خواب میں کروٹ لے کر کسی شخص پر گر پڑا جس سے وہ مر گیا تو نہ عمداً نہ خطاءً ہے کذا فی الکافی۔ جیسے کوئی شخص کوٹھے پر سے کسی شخص پر گرا اور وہ مر گیا یا اُس کے ہاتھ سے کوئی اینٹ یا لکڑی چھوٹ پڑی اور کسی شخص پر گری اور وہ مر گیا یا کسی سواری کے جانور پر سوار تھا اور جانور نے کسی آدمی کو کچل ڈالا کذا فی المحیط اور اس کا حکم وہی ہے جو خطا سے قتل کرنے کا حکم ہے کہ قصاص ساقط ہوتا ہے اور دیت اور کفارا واجب ہوتا ہے اور میراث سے محروم ہوتا ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اور قتل بسبب کی یہ صورت ہے کہ جیسے راہ میں کنواں کھودا[1] یا اپنی ملک کے سوائے غیر جگہ ایک پتھر ڈال دیا یہ کافی میں ہے۔ اور اگر ایک شخص کے چوپایہ نے کسی شخص کو کچل ڈالا حالانکہ یہ شخص اُس کو ہانکنے لئے جاتا تھا یا آگے سے اُس کی ڈوری کھینچے لئے جاتا تھا تو بھی قتل بسبب ہے یہ مضمرات میں ہے اور اس کا نتیجہ و حکم ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی آدمی تلف ہو جائے تو متلف کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اس میں کفارہ و میراث سے محروم[(1)] ہونا نہیں ہوتا ہے یہ کافی میں ہے۔

باب دوم ☆

کون شخص قصاص میں قتل ہوسکتا ہے اور کون نہیں؟

آزاد کے قصاص میں آزاد قتل کیا جائے یہ کنز میں ہے اور مذکر کے قصاص میں مذکر اور مؤنث کے قصاص میں مؤنث قتل کیا جائے گا یہ خلاصہ میں ہے اور آزاد کے قصاص میں آزاد اور غلام کے قصاص میں غلام قتل کیا جائے گا یہ محیط کی آٹھویں فصل میں ہے

[1] کھودا یعنی اس کنوئیں میں گر کر مرا اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر کوئی مر گیا ۱۲ (۱) یعنی ہمارے نزدیک نہیں ہوتا ہے ۱۲

اور مسلمان کے قصاص میں کافر قتل کیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور ذمی کے قصاص میں مسلمان اور ذمی کے قصاص میں ذمی قتل کیا جائے گا یہ کافی میں ہے۔ اگر ذمی نے کسی ذمی کو قتل کیا پھر قاتل مسلمان ہو گیا تو بلا خلاف (۱) قتل کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر حربی کو جو امان لے کر دارالاسلام میں آیا ہے کسی مسلمان یا ذمی نے قتل کیا تو قاتل سے قصاص نہ لیا جائے گا یہ تبیین میں ہے۔ اور جو حربی امان لے کر آیا ہے اگر اُس نے دوسرے حربی کو جو امان لے کر آیا ہے قتل کیا تو قاتل سے ظاہر الروایۃ کے موافق قصاص نہ لیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر مسلمان نے کسی مرتد مرد یا عورت کو قتل کیا تو اُس پر قصاص واجب نہ ہوگا اور اگر دو مسلمان امان لے کر دارالحرب میں داخل ہوئے اور ایک نے دوسرے کو قتل کیا تو ہمارے نزدیک قصاص واجب نہ ہوگا اور اگر مسلمان نے کسی مسلمان کو جو کفار کے قبضہ میں قید ہو گیا ہے دارالحرب میں قتل کیا تو سب کے نزدیک قاتل پر قصاص نہ ہوگا اور امام اعظمؒ کے نزدیک دیت بھی نہ ہو گی اور صاحبینؒ کے نزدیک اُس کے مال میں دیت واجب ہو گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

قاتل کا خون کن صورتوں میں مباح ہو جاتا ہے؟

صغیر کے عوض کبیر اور اندھے اور لنجے کے عوض تندرست قتل کیا جائے گا یہ کافی میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو جو نزع کی حالت میں ہے قتل کیا تو قاتل قتل کیا جائے گا اگرچہ یہ معلوم[1] ہو کہ مقتول زندہ نہ رہتا یہ خلاصہ میں ہے اور لڑکوں نابالغوں کے باہمی قتل میں قاتل پر قصاص نہیں ہے اور لڑکے کا عمد و خطا ہمارے نزدیک یکساں ہے حتیٰ کہ دونوں صورتوں میں دیت واجب ہوتی ہے پس یہ دیت اُس لڑکے کے مال میں واجب ہو گی اگر اُس نے عمداً بھی قتل کیا ہے اور خطا کی صورت میں ہمارے نزدیک اس پر کفارہ نہیں ہے اور ہمارے نزدیک وہ میراث سے محروم نہ ہوگا اور اگر معتوہ یا مجنون نے حالت جنون میں کسی کو قتل کیا تو اُس کا حکم بھی لڑکے نابالغ کے حکم کے موافق ہے یہ محیط میں ہے اور جو شخص حالت صحت میں ہو اور بھلا چنگا تندرست ہو وہ مریض کے عوض اور ایسے شخص کے عوض جس کی اعضاء میں صورت نقصان ہو یا معنی نقصان ہو جیسے شل ہو گیا یا اس کے مثل کچھ ہو گیا ہو اور عاقل بعوض مجنون کے قتل کیا جائے گا اور مجنون بعوض عاقل کے قتل نہ کیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ قاضی نے اگر قاتل کے قصاص کا حکم دیا پھر قبل اس کے کہ ولی مقتول کے سپرد کیا جائے قاتل مجنون ہو گیا تو استحساناً اُس پر قصاص نہ رہے گا اور دیت واجب ہو جائے گی یہ خلاصہ میں ہے۔ اور اگر قاتل پر قصاص کا حکم ہو جائے اور ولی مقتول کے دیئے جانے کے بعد قاتل مجنون ہو گیا تو قتل کیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ عیون میں ہے کہ ایک شخص قتل کیا گیا اور اُس کا ایک ولی ہے پھر جب قاضی نے قصاص کا حکم دیا تو قاتل نے کہا کہ میرے پاس حجت ہے پھر وہ مجنون ہو گیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ قیاساً وہ قتل کیا جائے گا اور استحساناً اس سے دیت لی جائے گی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ جو شخص کبھی مجنون ہو جاتا ہے اور کبھی اس کو افاقہ ہو جاتا ہو اگر اُس نے حالت افاقہ میں کسی کو قتل کیا تو مثل صحیح سالم آدمی کے قصاص میں قتل کیا جائے گا پھر اگر وہ بعد قتل کرنے کے مجنون ہو گیا پس اگر جنون مطبق ہو جائے تو اس کے ذمہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور اگر غیر مطبق ہو تو ساقط نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے۔ منتقیٰ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو قتل کیا پھر وہ معتوہ ہو گیا اور اس پر گواہوں نے قتل کرنے کی گواہی دی مگر ایسی حالت میں کہ وہ معتوہ تھا تو میں استحساناً قصاص کا حکم نہ دوں گا بلکہ اس کے مال سے دیت دلاؤں گا یہ محیط میں ہے اور جس پر قصاص واجب ہوا اگر وہ مر جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا یہ ہدایہ میں ہے اور

[1] معلوم الخ اس واسطے کہ اس کا خون مباح نہیں ہے بخلاف اس کے اگر قید خانہ میں ایک قاتل ہو جس پر خون ثابت ہو گیا ہے اور کسی شخص نے وہاں جا کر اس کو قتل کیا تو قاتل پر کچھ نہیں ہے کیونکہ قاتل اوّل کا خون مباح ہو چکا تھا ۱۲

(۱) یعنی اس سے قصاص لیا جائے گا اس سے اختلاف نہیں ہے ۱۲

اگر فرزند نے والد یا والدہ یا سگے دادا و پردادا وغیرہ [(۱)] یا سگی دادی پردادی وغیرہ یا سگے نانا و پرنانا وغیرہ یا سگی نانی و پرنانی وغیرہ کو قتل کیا تو قصاص میں قتل کیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ باپ نے اگر اپنے بیٹے کو قتل کیا تو قتل نہ کیا جائے گا اور سگا دادا و پردادا وغیرہ و سگا نانا و پرنانا وغیرہ اس حکم میں بمنزلہ باپ کے ہیں اسی طرح اگر والدہ یا سگی دادی و پردادی وغیرہ و نانی و پرنانی وغیرہ نے قتل کیا خواہ نزدیک کی ہو یا دور کی ہو یعنی نانی ہو یا پرنانی ہو یا نگڑ نانی ہو اُس نے فرزند کو قتل کیا تو قتل نہ کی جائے گی کذانی الکافی پھر آباء واجداد پر جب انہوں نے فرزند کو عمداً قتل کیا ہے ان کے مال سے تین سال میں دیت واجب ہوگی اور اگر والد نے خطا سے فرزند کو قتل کیا ہو تو اس کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اس پر کفارہ واجب ہوگا اور ہمارے نزدیک قتل عمد میں اُس پر کفارہ نہیں ہے اور اگر فرزند نے کسی شخص کے مملوک کو قتل کیا پھر اُس کو اس کے باپ نے عمداً قتل کیا تو مولائے مقتول کے واسطے اس پر قصاص نہ ہوگا یہ شرح مبسوط میں ہے۔ اور اگر وارثان مقتول میں قاتل کا بیٹا یا پوتا یا پرپوتا وغیرہ ہو تو قصاص باطل ہو جائے گا اور دیت واجب ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک ماں و باپ سے دو سگے بھائی ہیں اُن میں سے ایک نے عمداً اپنے باپ کو اور دوسرے نے عمداً اپنی ماں کو قتل کیا تو امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ دونوں میں سے کسی پر قصاص نہ ہوگا اور ہر ایک پر اُس کے مقتول کی دیت تین سال میں ادا کرنی واجب ہوگی بشرطیکہ مقتولین کے واسطے کوئی دوسرا وارث سوائے ان دونوں کے نہ ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کسی نے اپنے غلام یا مدبر یا مکاتب یا اپنے فرزند کے غلام کو قتل کیا تو اُس سے قصاص نہ لیا جائے گا اسی طرح اگر ایسے غلام کو قتل کیا جس کے تھوڑے حصہ کا مالک ہوا ہے تو بھی قصاص نہ ہوگا یہ ہدایہ میں ہے اور اگر غلام نے اپنے مولیٰ کو قتل کیا تو اُس سے قصاص لیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے غلام وقف کو قتل کیا تو قصاص واجب نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے۔ اور اگر ایسے شخص کے ساتھ جس پر قصاص نہیں ہے کوئی اجنبی شریک قتل کیا تو اس پر بھی قصاص واجب نہ ہوگا جیسے باپ و [(۲)] اجنبی عمداً قتل کرنے والا خطا سے قتل کرنے والا صغیر و کبیر کذانی التاتارخانیہ عن التہذیب اور جیسے اجنبی نے کسی شخص کے ساتھ اُس کی زوجہ کے قتل میں شرکت کی حالانکہ اُس کا اس عورت سے ایک فرزند ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر دو شخص ایک شخص کے قتل میں شریک ہوئے کہ ایک نے اس کو عصا سے مارا اور دوسرے نے دھاردار سے مارا تو دونوں میں سے کسی پر قصاص واجب نہ ہوگا اور دونوں پر آدھا آدھا مال دیت واجب ہوگا اور پھر ہر ایک پر جس قدر دیت لازم آئی ہے یعنی نصف دیت اُس کے حق میں وہ مثل منفرد کے قرار دیا جائے گا پس دھاردار سے قتل کرنے والے پر نصف دیت اُس کے مال سے واجب ہوگی اور عصا سے قتل کرنے والے پر نصف دیت اُس کی مددگار برادری پر لازم ہوگی یہ شرح مبسوط میں ہے۔ ہر محقون الدم کے قتل سے برابر قصاص واجب رہے گا بشرطیکہ اس کو عمداً قتل کیا ہو یہ ہدایہ میں ہے۔ اور جب قصاص لیا جائے تو تلوار سے یا جو تلوار کے مثل ہے اس سے قصاص لیا جائے گا یہ کافی میں ہے۔

حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو آگ سے جلا دیا یا پانی میں غرق کر دیا تو اس کی گردن پر تلوار ماری [(۳)] جائے گی اسی طرح اگر کسی شخص کا کوئی عضو کاٹ ڈالا جس سے وہ مر گیا تو پشت کی طرف سے اُس کی گردن پر تلوار مار کر قطع کی جائے گی اور اس کا عضو نہ کاٹا جائے گا اسی طرح اگر اُس کے سر پر زخم لگا کر کوپڑی توڑ ڈالی اور وہ مر گیا تو تلوار سے اُس کی گردن قطع کر دی جائے گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنا سر خود زخمی کیا پھر دوسرے نے اُس کا سر زخمی کیا پھر شیر نے اُس کو زخمی کیا پھر اُس کو سانپ نے کاٹا اور ان سب سے وہ مر گیا تو اجنبی پر جس نے اُس کے سر کو زخمی کیا ہے تہائی دیت واجب ہوگی یہ کافی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے ایک جماعت کو قتل کیا اور اولیاء مقتولین حاضر ہوئے تو سب کی طرف سے وہ قتل کیا جائے گا اور ان لوگوں کو سوائے اس کے کچھ استحقاق نہ

(۱) وغیرہ سے یہ مراد کہ اسی قیاس پر چاہئے جتنے اوپر نیچے کا ہو ۱۲ (۲) فرزند کے قتل میں ۱۲ (۳) یعنی جلایا و غرق نہ کیا جائے گا ۱۲

ہوگا اور اگر ایک ولی حاضر ہو تو اس کے قصاص میں قتل کیا جائے گا اور باقیوں کا حق ساقط ہو جائے گا یہ ہدایہ میں ہے۔ اور اگر ایک جماعت نے ایک شخص کو قتل کیا تو ایک کے قصاص میں یہ جماعت سب قتل کی جائے گی یہ کافی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو مردہ پتھر سے مارا پس اگر دھار کی طرف سے لگا اور وہ قتل ہو گیا تو قاتل قتل کیا جائے گا اور اگر ڈنڈی سے چوٹ لگی تو قاتل پر دیت واجب ہو گی اور مؤلفؒ نے فرمایا کہ یہ اُس وقت ہے کہ جب دھار کی تیزی کی طرف سے لگا ہو اور قتل کیا ہو اور اگر دھار کی پشت کی طرف سے لگا تو صاحبینؒ کے نزدیک قصاص واجب ہوگا اور یہی امام اعظمؒ سے بھی مروی ہے اور امام اعظمؒ سے ایک روایت میں یہ ہے کہ قصاص جب واجب ہوگا کہ جب جرح سے زخم آیا ہو اور یہی اصح ہے اسی طرح ترازو کے بانٹوں سے جو پتھر کے ہوں مارنے میں یہی حکم ہے یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو مجروح کیا اور وہ برابر ہو کر زخمی چارپائی پر پڑا رہا یہاں تک کہ آزاد ہو گیا تو اس پر قصاص واجب ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر کسی شخص کو مانند سوئی وغیرہ کے کسی چیز سے عمداً زخمی کیا اور وہ مر گیا تو اس میں قصاص نہیں ہے اور یہی صحیح ہے اور اگر مانند سوجا وغیرہ کے کسی چیز سے زخمی کر کے مار ڈالا تو قصاص لازم ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ اگر ایسی جگہ سوئی گڑوئی جہاں سے آدمی قتل ہو جاتا ہے تو قاتل پر قصاص ہوگا ورنہ نہیں یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اگر کسی شخص کو دانتوں سے کاٹ کھایا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اجناس میں ہے کہ جس آلہ سے بہائم حلال ہو جاتے ہیں اگر ایسے آلہ سے آدمی کو مار ڈالا تو قصاص لازم ہوگا اور جو ایسا نہ ہو اس سے قصاص نہ ہوگا یعنی دانتوں سے کاٹ کھانے سے قصاص واجب نہ ہوگا اور اگر کسی شخص کو پے در پے کوڑے مارے یہاں تک کہ وہ مر گیا تو قصاص واجب نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے چھوٹے عصا سے اگر پے در پے مارا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو ہمارے نزدیک قصاص واجب نہ ہوگا یہ شرح مبسوط میں ہے۔

اگر ایک شخص نے دوسرے کو سو کوڑے مارے اور وہ نوے کوڑوں سے چنگا بچ رہا اور دس کوڑوں سے مر گیا تو اس پر ایک ہی دیت واجب ہو گی اور نوے کوڑوں کے واسطے اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور جو جراحت بھر آئی اور اُس کا اثر زائل ہو گیا اُس کی بابت ظاہر حکم یہ ہے کہ اس میں کچھ واجب نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے حکومت عدل واجب کی ہے اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے طبیب کی اُجرت اور دواؤں کے دام واجب کئے ہیں اور مشائخ نے فرمایا کہ یہ ایسی صورت پر محمول ہے کہ جب وہ نوے کوڑوں سے اچھا ہو گیا اور اُس کا اثر بالکل زائل ہو گیا اور اگر اُس کا اثر کچھ باقی رہا تو نوے کوڑوں کے واسطے حکومت عدل ہو گی اور قتل کے واسطے دیت واجب ہو گی اور اگر ایک شخص کو سو کوڑے مارے اور زخمی کیا اور مجروح اچھا ہو گیا مگر اثر باقی رہا تو حکومت عدل بوجہ باقی رہنے کے واجب ہو گی یہ کافی میں ہے۔ اگر کسی شخص کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا تو قصاص میں قتل کیا جائے گا لیکن اگر قاتل اس فعل میں معروف ہو کہ اس نے ایک سے زیادہ بہتوں کے گلے گھونٹے ہوں تو براہ سیاست قتل کیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ پھر اگر اُس نے اس فعل سے توبہ کر لی پس اگر امام کے قابو میں آنے سے پہلے توبہ کی تو اُس کی توبہ[1] قبول کی جائے گی اور اگر امام کے قابو میں آنے کے بعد اُس نے توبہ کی تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اور یہ حکم ایسا ہی ہے جیسا ساحر کے حق میں ہے کہ جب اُس نے توبہ کی تو اُس کے حق میں یہی تفصیل ہے اور شیخ الاسلام نے شرح زیادات واصل میں ذکر فرمایا کہ اگر کسی نے دوسرے آدمی کو پانی میں غرق کر دیا اگر پانی اس قدر قلیل ہو کہ غالباً اس قدر پانی میں آدمی نہیں مرجاتا ہے اور اکثر اس میں سے تیر کر نجات پا سکتا ہے مگر وہ شخص مر گیا تو قاتل پر قصاص واجب نہ ہوگا اور یہ بالاتفاق خطا مشابہ عمد ہے اور اگر پانی بہت ہے اور اگر ایسی حالت ہو کہ پیر کر اس سے نجات ممکن ہو مثلاً جس کو پانی میں ڈالا ہے وہ بندھا ہوا نہ ہو اور نہ اُس کو گرانبار کر دیا ہو اور وہ تیرنا اچھی طرح سے جانتا ہو تو بھی مر

[1] یعنی رہا کیا جائے گا اور اصل قبولیت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ۱۲ منہ

جانے کی صورت میں شبہ عمد ہے قصاص نہ ہوگا اور اگر ایسی حالت ہو کہ نجات ممکن نہ معلوم ہوتی ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک وہ شبہ عمد ہے قصاص نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ محض عمد ہی قصاص واجب ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی شخص کو پکڑ کر اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کے اس کو دریا میں ڈال دیا اور وہ نیچے بیٹھ گیا اور مر گیا پھر وہ اُتر آیا تو قصاص نہ ہوگا اور قاتل پر دیت واجب ہوگی مگر دیات مغلظہ ہوگی اور اگر کسی کو سمندر یا فرات میں برابر غوطہ دیتا رہا یہاں تک کہ وہ اس صدمہ سے مر گیا تو بھی یہی حکم ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو سمندر یا فرات و دجلہ میں کشتی پر سے دھکیل دیا اور وہ تیرنا نہ جانتا تھا پس نہ میں بیٹھ گیا اور مر گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک قصاص واجب نہ ہوگا اور قاتل پر دیت واجب ہوگی اور اگر ایک ساعت اُتر آیا اور تیرا پھر غرق ہو کر مر گیا تو امام اعظمؒ نے کہا کہ گرانے والے پر دیت و قصاص کچھ واجب نہ ہوگا اسی طرح جو شخص اچھی طرح تیرنا جانتا ہے اور اس نے گرتے ہی تیرنا شروع کیا تا کہ کنارے لگ جائے اور بچ جائے مگر تھک کر ڈوب گیا اور مر گیا تو بھی قصاص و دیت کچھ واجب نہ ہوگی اور اگر دریا میں گرانے کے بعد اُس کا حال کچھ معلوم نہ ہوا کہ مر گیا یا نکل گیا اور اُس کا کچھ پتہ نہ لگا تو گرانے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مر گیا ہے اور اگر وہ دو یا تین دفعہ اُچھلا اور ڈوبا اور اس میں جان باقی تھی پھر معلوم نہ ہوا کہ اُس کا کیا حال گذرا اور کہیں وہ پایا نہ گیا تو گرانے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر ایک شخص کو چھت یا پہاڑ سے نیچے گرا دیا یا کنوئیں میں ڈال دیا تو بنا بر قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہ خطائے عمد ہے ☆

امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ اگر کسی شخص نے تنور گرم کر کے اُس میں کسی آدمی کو ڈال دیا یا ایسی آگ میں ڈال دیا جس میں سے وہ نکل نہیں سکتا ہے اور آگ نے اس کو جلا دیا تو قصاص واجب نہ ہوگا اور موضوع مسئلہ اس امر پر اشارہ کرتا ہے کہ تنور کا گرم ہونا کافی ہے اگرچہ اس میں آگ نہ ہو اور بقالی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ یہی صحیح ہے یہ محیط میں ہے اور اگر اس کو آگ میں ڈالا پھر اُس کو نکال لیا اور اُس میں قدرے جان باقی تھی پھر وہ چند روز چارپائی پر زندہ پڑا رہا آخر کار مر گیا تو قصاص واجب ہوگا اور اگر وہ آتا جاتا ہو پھر مر گیا تو قصاص واجب نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر ایک شخص کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُس کے واسطے ایک دیگ میں پانی گرم کیا حتیٰ کہ پانی جب مثل آگ کے گرم ہو گیا تو اُس کو پانی میں ڈال دیا پس ڈالتے ہی اُس کے بدن کی کھال اُتر گئی اور مر گیا تو اُس کے عوض قتل کیا جائے گا اور اگر پانی نہایت گرم ہو مگر جوش شدید اس میں نہ ہو اور اس میں اُس کو ڈال دیا پھر تھوڑی دیر تک رہنے کے بعد وہ مر گیا حالانکہ اُس کے جسم پر چھالے پڑ گئے تھے یا وہ پانی میں اُبل گیا تھا تو قاتل اُس کے قصاص میں قتل کیا جائے گا ورنہ[1] قتل نہ کیا جائے گا اور اگر ان صورتوں میں ڈالنے والے نے اُس کو دیگ میں سے نکال لیا حالانکہ اُس کا پوست اُتر گیا اور اُسی وقت یا اسی روز مر گیا یا کئی روز زندہ رہا مگر اُس پر اُس صدمہ کی وجہ سے مر جانے کا خوف رہا اور وہ مر گیا تو قاتل قتل کیا جائے گا اور اگر وہ کچھ اچھا ہو کر آنے جانے لگا پھر اُسی صدمہ سے مر گیا تو قاتل قتل کیا جائے گا بلکہ اُس پر دیت واجب ہوگی اور یہ قیاس قول امام اعظمؒ ہے۔ اور اگر ایک شخص کو سخت جاڑے میں سرد پانی میں ڈال دیا اور وہ اُسی وقت ٹھٹھر کر مر گیا تو فاعل پر دیت واجب ہوگی اسی طرح اگر اُس کو ننگا کر کے سخت سردی کے دن چھت پر لٹایا اور برابر اسی طرح رکھا یہاں تک کہ وہ سردی سے مر گیا تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح اگر اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر برف میں ڈال دیا تو بھی یہی حکم ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں سورج کے سامنے ڈال دیا اور نہ کھولا یہاں تک کہ وہ حرارت آفتاب سے مر گیا تو فاعل پر دیت واجب ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اگر ایک شخص کو چھت یا پہاڑ سے نیچے گرا دیا یا کنوئیں میں ڈال دیا تو بنا بر قول امام اعظمؒ کے یہ خطائے عمد

[1] ورنہ یعنی اگر اس قدر گرم نہ ہو کہ چھالے پڑے اور اُبل گیا ۱۲

ہے اور صاحبینؒ کے قول کے موافق اگر ایسی جگہ ہو جس سے غالباً نجات کی امید ہو تو خطاء عمد ہے اور اگر اُس سے نجات کی اُمید نہ ہو تو یہ محض عمد ہے اُس میں صاحبینؒ کے نزدیک قصاص واجب ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص کو زہر پلایا اور وہ اس کے پینے سے مرگیا پس اگر زبردستی اُس کے منہ میں ڈال کر نگلایا ہے یا پہلے اُس کو دے کر پھر اُسکے پینے پر اُس کو مجبور کیا ہے یہاں تک کہ اُس نے پی لیا یا بغیر اکراہ کرنے کے اُس کو دے دیا ہے پس اگر زبردستی نگلایا ہے یا دے کر اس کے پینے پر مجبور کیا ہے تو مجبور کرنے والے پر قصاص نہ ہوگا لیکن اُس کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اگر اُس کو دے دیا اور بدون اکراہ کرنے کے اُس نے پی لیا تو دینے والے پر نہ قصاص اور نہ دیت ہوگی خواہ پینے والا جانتا ہو کہ یہ زہر ہے یا نہ جانتا ہو یہ ذخیرہ میں ہے اور جس نے زہر پلایا ہے وہ مقتول کا وارث[1] ہو سکتا ہے اور اسی طرح اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو یہ کھانا کھالے کہ یہ پاکیزہ ہے۔ پس اُس نے کھالیا لیکن وہ زہر ملا ہوا تھا پس کھانے والا مرگیا تو کہنے والا ضامن نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو پکڑ کر بیڑیاں ڈال کے ایک کوٹھری میں قید کیا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ میں ایسے شخص کو سزا دے کر دردناک کروں گا اور میت کی دیت اُس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی مگر امام اعظمؒ نے فرمایا کہ قید کرنے والے پر کچھ نہ ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے اور اگر کسی شخص کو زندہ پکڑ کر قبر میں دفن کر دیا اور وہ مرگیا تو دفن کرنے والا قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے مگر فتویٰ اس بات پر ہے کہ اُس کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص سوتے ہوئے یا نابالغ یا ایسے شخص کو جو معتوہ ہو گیا ہے اپنی کوٹھری میں لے گیا پھر کوٹھری اُس پر گر پڑی تو نابالغ اور معتوہ کی صورت میں ضامن ہوگا اور سوتے ہوئے کی صورت میں ضامن نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے جنایات المنتقی میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ امام اعظمؒ فرماتے تھے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک درندہ کے آگے ڈال دیا اور درندہ نے اُس کو ہلاک کیا تو ایسا کرنے والے پر قصاص اور دیت کچھ نہ ہوگی لیکن اُس کو سزا دی جائے گی اور مارا اور قید کیا جائے گا یہاں تک کہ توبہ کر لے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں شرع کے موافق یہ سمجھتا ہوں کہ برابر قید رکھا اور یہاں تک کہ مرجائے کذا فی المحیط۔

فصل ☆

اگر ایک شخص نے دوسرے کو ایک کوٹھری میں داخل کیا اور اُس کے ساتھ ایک درندہ جانور بھی داخل کیا اور کوٹھری کا دروازہ بند کر دیا پھر درندہ نے اُس آدمی کو مار ڈالا تو بند کرنے والا قصاص میں قتل نہ کیا جائے گا اور اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اسی طرح اگر اُس شخص کو سانپ یا بچھو نے کاٹا تو بھی کچھ نہ ہوگا خواہ سانپ یا بچھو کو اُس آدمی کے ساتھ کوٹھری میں داخل کر دیا ہو یا یہ دونوں کوٹھری (۱) میں پہلے سے موجود ہوں اور اگر اُس نے ایسا فعل کسی نابالغ لڑکے کے ساتھ کیا تو اس پر دیت واجب ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کا پیٹ پھاڑ کر اُس کی آنتیں نکال دیں پھر ایک شخص نے اُس کی گردن پر تلوار ماری تو قاتل وہی ہے جس نے گردن ماری پس اگر اُس نے عمداً ایسا کیا ہو تو قصاص لیا جائے گا اور اگر خطاءً ایسا کیا ہو تو دیت واجب ہوگی اور جس شخص نے پیٹ پھاڑا ہے اُس پر تہائی دیت واجب ہوگی اور اگر اُس کے پھاڑنے کا شگاف دوسری جانب کو اُٹھ گیا ہو تو دو تہائی واجب ہوگی اور یہ اُس صورت میں ہے کہ جب پیٹ پھاڑنے کے بعد وہ شخص پورے دن بھر یا دن سے کم زندہ رہ سکتا ہے اور اگر زندہ نہ رہ سکتا ہو اور ایسے زخم کے باوجود اُس کے جینے کا وہم نہ ہو اور سوائے موت کے اضطراب کے اُس میں کچھ باقی نہ رہا ہو تو قاتل وہی ہوگا جس نے پیٹ پھاڑا ہے پس اگر عمداً ہو تو قصاص لیا جائے گا اور اگر خطاءً ہو تو دیت واجب ہوگی اور جس نے گردن ماری تھی اُس کو سزا دی جائے گی اسی

---

[1] وارث کیونکہ پینے والا خود خطا کار ہے اور جو کچھ کیا اُس نے اپنے آپ کیا ہے ۱۲ (۱) یعنی سانپ و بچھو ۱۲

طرح اگر ایک شخص نے دوسرے کو ایسا سخت مجروح کیا کہ اس زخم کے ساتھ اُس کی زندگی کا گمان نہ رہا پھر ایک شخص نے اُس کو دوسرے زخم سے مجروح کیا تو قاتل وہی پہلا ہے جس نے زخم کاری سے مجروح کیا ہے اور یہ اُس صورت میں ہے کہ دونوں زخم آگے پیچھے واقع ہوئے ہوں اور اگر دونوں ایک ساتھ واقع ہوئے ہوں تو دونوں قاتل ہوں گے اور اسی طرح اگر ایک نے دس زخم لگائے ہوں اور دوسرے نے ساتھ ہی ایک ہی زخم لگایا ہو تو بھی دونوں قاتل ہوں گے یہ خلاصہ میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی گردن کاٹ ڈالی مگر ذرا سی حلقوم لگی رہ گئی اور ہنوز اُس میں روح باقی ہے کہ دوسرے نے اُس کو قتل کر ڈالا تو دوسرے پر قصاص واجب نہ ہوگا اس واسطے کہ یہ میت ہے اور اگر ایسی حالت میں اُس کی روح نکلنے سے پہلے اُس کا بیٹا مر جائے تو بیٹا اس کا وارث ہوگا اور یہ اپنے بیٹے کا وارث نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ بشر[1] ابن الولید نے امام ابو یوسفؒ سے اور ابن سماعہ نے امام محمدؒ سے روایت کی کہ ایک شخص نے عمداً دوسرے کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر ہاتھ کٹے ہوئے نے کاٹنے والے کے بیٹے کو عمداً قتل کر ڈالا پھر ہاتھ کٹا ہوا اسی زخم سے مر گیا تو ہاتھ کٹے ہوئے کے وارث کے واسطے ہاتھ کاٹنے والے پر قصاص واجب ہوگا اور یہی مسئلہ منتقی میں دوسرے مقام پر امام محمدؒ سے مروی ہے اور اُس میں قیاس و استحسان مذکور ہے یعنی فرمایا کہ قیاساً ہاتھ کاٹنے والے پر قصاص واجب ہوگا اور استحساناً قصاص واجب نہ ہوگا بلکہ اُس کے مال سے اُس پر دیت واجب ہوگی زید نے بکر کے بیٹے کو عمداً قتل کیا پھر بکر نے خطا سے زید کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور زید اس زخم سے مر گیا تو بدلا ہو جائے گا اور زید کے وارث کے واسطے بکر پر دیت واجب نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں نے فلاں شخص کو تلوار مار کر قتل کیا ہے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ خطا پر محمول کیا جائے گا جب تک یوں نہ کہے کہ عمداً ایسا کیا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنی تلوار ماری پس فلاں شخص کو قتل کیا یا کہا کہ میں نے چھری بھوکی پس فلاں شخص کو قتل کیا یا کہا کہ میں نے اس مقتول کے سوا دوسرے کا قصد کیا تھا مگر چوک کر اُس کو زخم پہنچا ہے تو اس کے ذمہ سے قتل دور کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں نے عمداً فلاں شخص کو تلوار ماری اور میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ وہ اسی زخم سے مرا ہے لیکن ہاں مر گیا ہے اور مقتول کے وارث نے کہا کہ تیری ضرب سے مرا ہے تو قاتل سے قصاص نہ لیا جائے گا اور اگر قاتل نے کہا کہ میری ضرب اور سانپ کے کاٹ کھانے سے یا دوسرے شخص کے لاٹھی مارنے سے مرا ہے اور وارث نے کہا کہ تیری ہی ضرب سے مرا ہے تو مارنے والے کا قول قبول ہوگا اور اُس پر آدھی دیت واجب ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر قاتل کو کسی اجنبی نے قتل کیا پس اگر قتل عمد ہو تو قصاص واجب ہوگا اور اگر قتل خطا ہو تو اجنبی کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی۔ اور اگر اجنبی کے قتل کرنے کے بعد وارث نے کہا کہ میں نے اجنبی کو قاتل کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا حالانکہ اُس کے پاس اس بات کے گواہ نہیں ہیں تو اُس کے قول کی تصدیق نہ ہوگی یہ محیط میں ہے ایک صف مسلمانوں کی اور ایک صف کافروں کی دونوں لڑائی میں باہم مل گئیں پس ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو مشرک گمان کر کے قتل کیا تو اس پر قصاص نہ ہوگا مگر کفارہ اور دیت واجب ہوگی یہ صدر الشہید کی شرح جامع صغیر میں ہے اور مشائخ نے فرمایا کہ دیت جبھی واجب ہوگی کہ جب دونوں باہم مختلط ہوں اور اگر مسلمان مقتول مشرکوں کی صف میں ہو تو ان کی جماعت کی تکثیر کرنے کی وجہ سے عصمت ساقط ہو کر دیت بھی واجب نہ ہوگی یہ ہدایہ میں ہے اور اگر کسی نے مسلمانوں پر تلوار کھینچی تو اُس کا قتل کر دینا واجب ہے اور اُس کے قتل کر دینے سے کچھ نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے ایک مسلمان پر ہتھیار اُٹھایا اور مسلمان نے اُس کو قتل کر ڈالا یا مسلمان کے سوا دوسرے نے مسلمان سے ضرر دور کرنے کے

---

[1] بشر بن الولید الکندی شاگرد ابو یوسفؒ اور حدیث میں شاگرد ... محمد عبد الرحمٰن الغسیلؒ اور ان سے ابو یعلی الموصلی و بغوی وغیرہ نے حدیث کی ہے دارقطنی نے کہا کہ وہ ثقہ ہے ۱۲ میزان وغیرہ

واسطے اُس کو قتل کر ڈالا تو اس کے قتل سے کچھ لازم نہ ہوگا خواہ رات میں ایسا واقعہ ہوا ہو یا دن میں خواہ شہر میں ہو یا شہر سے باہر ہو یہ تبیین میں ہے۔ اگر رات میں شہر کے اندر یا دن میں شہر کے باہر ایک شخص نے مسلمان پر لاٹھی اُٹھائی پھر مسلمان نے اُس لاٹھی اُٹھانے والے کو عمداً قتل کر ڈالا تو اس پر کچھ نہ ہوگا اور اگر شہر کے اندرون میں اُس نے لاٹھی اُٹھائی اور جس پر اُٹھائی تھی اس نے اُٹھانے والے کو عمداً قتل کر دیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک قاتل سے قصاص لیا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اُس پر قصاص نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اور اگر مجنون نے غیر مجنون پر ہتھیار اُٹھایا اور غیر مجنون نے اُس کو عمداً قتل کر دیا تو قاتل پر اپنے مال سے دیت واجب ہوگی اور نابالغ اور چوپائے کی صورت کا بھی یہی حکم ہے یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے پر ہتھیار اُٹھا کر ایک ہاتھ مارا پھر منہ پھیر کر چلا پھر اُس زخمی نے اس مارنے والے کو ضرب کاری سے قتل کیا تو قاتل پر قصاص واجب ہوگا مگر یہ حکم اُس صورت میں ہے کہ پہلے شخص نے ایک زخم لگا کر اس طرح منہ پھیرا ہو کہ دوبارہ مارنے کا قصد نہ رکھتا ہو یہ کافی میں ہے۔ اگر شہر میں ایک شخص نے دوسرے پر ہتھیار اُٹھا کر ایک ہاتھ مارا پھر مارنے والے کو زخمی کے سوا دوسرے نے قتل کر ڈالا تو قاتل پر قصاص واجب ہوگا اور اُس کے معنی یہ ہیں کہ ہتھیار اُٹھانے والے نے ایک ہاتھ مار کر منہ پھیر لیا تھا دوبارہ مارنے کا قصد نہ تھا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر ایک شخص کے یہاں رات میں دوسرا شخص گیا اور چرانے کے واسطے مال نکالا پھر مالک نے اُس کا پیچھا کر کے اُس کو قتل کیا تو اس پر کچھ نہ ہوگا اور اس مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب بدون قتل کئے اپنا مال واپس نہ لے سکتا ہو کذا فی الہدایہ اور اگر ایسا ہو کہ اگر وہ چیخے تو چور اُس کا مال چھوڑ کر بھاگ جائے گا مگر اُس نے ایسا نہ کیا بلکہ اس کو قتل کر ڈالا تو قاتل پر قصاص واجب ہوگا یہ عینی شرح ہدایہ میں ہے۔

تیسرا باب ☆

قصاص حاصل کرنے والوں کے بیان میں

باپ کو اختیار ہے کہ اپنے نابالغ بیٹے کا مال تلف کرنے یا جان تلف کرنے سے کم کا قصاص لے اور ہر شخص جو اللہ تعالیٰ کے فرائض کے موافق مستحق میراث ہے وہ قصاص کا مستحق ہوتا ہے پس اس میں شوہر اور بیوی بھی داخل ہیں اور دیت کا بھی یہی حکم ہے اور جب وارث لوگ بالغ ہوں تو جب تک سب وارث متفق نہ ہوں تب تک بعض وارثوں کو یہ اختیار حاصل نہ ہوگا کہ قصاص لیں اور سب وارثوں یا کسی وارث کو یہ اختیار نہیں ہے کہ قصاص حاصل کرنے کے واسطے کسی شخص کو وکیل کر لے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ مستحق قصاص اصل میں مقتول ہوتا ہے پھر اُس کا وارث اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے یہ ہدایہ میں ہے۔

اگر معتوہ کا ولی قتل کیا گیا تو اُس کے باپ کو دونوں باتوں (قصاص و صلح) کا اختیار ہے ☆

اگر ایک شخص عمداً قتل کیا گیا اور اس کا ایک ہی وارث ہو تو اس کو جائز ہے کہ قاتل کو قصاص میں قتل کر ڈالے خواہ قاضی نے اس کا حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو اور تلوار سے قتل کر لے اور اگر دن جدا کر دے اور اگر اُس نے سوا تلوار کے دوسری چیز سے قتل کرنا چاہا تو اس سے منع کیا جائے گا اور اگر اُس نے ایسا کیا تو تعزیر دی جائے گی لیکن اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور چاہے جس طرح سے قتل کرے بہر صورت اپنا حق بھر پانے والا ہو جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر معتوہ کا ولی قتل کیا گیا تو اُس کے باپ کو اختیار ہے کہ قاتل کو قصاصاً قتل کرے یا اُس سے صلح کر لے مگر یہ اختیار نہیں ہے کہ اُس کو معاف کر دے اسی طرح عمداً اگر معتوہ کا ہاتھ کاٹا گیا تب بھی یہی حکم ہے اور باپ کا وصی ان سب صورتوں میں بمنزلہٗ باپ کے ہے لیکن وہ قتل نہیں کر سکتا اور اس حکم مطلق کی بحث میں جان سے صلح کرنا اور کسی عضو پر قصاص حاصل کرنا بھی مندرج ہے اور نابالغ لڑکا اس حکم میں بمنزلہٗ معتوہ کے ہے اور قاضی صحیح مذہب کے موافق بمنزلہ (باپ کے

ہے یہ ہدایہ میں ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ جب قصاص کا پورا استحقاق نابالغ کے واسطے ہو تو برادر بالغ کو اُس کے حاصل کرنے کا اختیار نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر استحقاق قصاص بالغ اور نابالغ کے درمیان مشترک ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک بالغ کو اُس کے حاصل کرنے کا اختیار ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ بالغ کو یہ اختیار نہیں ہے الا اُس صورت میں کہ یہ بالغ اس نابالغ کا باپ ہو تو حاصل کر سکتا ہے اسی طرح اگر بالغ کا شریک کوئی معتوہ یا مجنون ہو اور اُس کا بھائی ہو تو بھی یہی اختلاف ہے اور اسی طرح امام اعظمؒ کے نزدیک بالغ کے ساتھ سلطان کا قصاص حاصل کرنے کا اختیار ہے اور صاحبینؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اگر سب وارث نابالغ ہوں تو بعض نے فرمایا کہ قصاص حاصل کرنے کا استحقاق سلطان کو ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ وارثوں یا کسی وارث کے بالغ ہونے تک انتظار کیا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص قتل کیا گیا اور اُس کا کوئی ولی نہیں ہے تو سلطان کو اور نیز قاضی کو اُس کا قصاص لینے کا اختیار ہے یہ شرح مختار میں ہے۔ اگر کوئی غلام عمداً قتل کیا گیا تو اُس کے قصاص کا استحقاق اُس کے مالک کو ہے اور مدبر اور مدبرہ وام ولد اور اُس کا بچہ[1] بمنزلۂ غلام کے ہیں یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص کے دو غلام ہیں اُن میں سے ایک نے دوسرے کو عمداً قتل کیا تو مولیٰ کو اختیار ہے کہ قاتل سے مقتول کا قصاص لے یہ محیط میں ہے۔ اور مبسوط میں لکھا ہے کہ اگر بالغ اور نابالغ کا مشترک غلام قتل کیا گیا تو بالا جماع نابالغ کے بالغ ہونے سے پہلے بالغ کو اُس کا قصاص لے لینے کا اختیار نہیں ہے یہ عینی شرح ہدایہ میں ہے اگر ایک غلام دو یا تین آدمیوں میں مشترک ہو تو اُس کے قصاص کا استحقاق ان سب کو متفق ہو کر حاصل ہو سکتا ہے تنہا کسی ایک کو نہ ملے گا اور اگر ان میں سے کسی ایک نے عفو کیا تو باقیوں کا حق مال سے متعلق ہو کر غلام کی قیمت کی طرف منقلب ہوگا جیسا کہ آزاد کی صورت میں دیت کی طرف منقلب ہوتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر اُس کے مالک نے اُس کو آزاد کر دیا پھر وہ اس زخم سے مر گیا پس اگر مولیٰ کے سوا اُس کا کوئی وارث نہ ہو تو مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ اُس کے قاتل کو قصاصاً قتل کرے اور اگر سوائے مولیٰ کے کوئی اور اُس کا وارث ہو تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قاتل پر قصاص نہ ہوگا کذا فی الکافی۔ اور نوادر ہشام میں ابو یوسفؒ سے اس طرح مروی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو قتل کیا پھر ایک شخص نے آکر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور گواہ قائم کیے مگر گواہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ مدعی کا غلام تھا لیکن مدعی نے اُس کو آزاد کر دیا اور وہ مقتول ہونے کے روز آزاد تھا پس اگر کوئی اُس کا وارث ہو تو قتل عمد کی صورت میں اُس کے وارث کے واسطے استحقاق قصاص کا حکم دوں گا اور خطا کی صورت میں دیت کا حکم دوں گا اور اگر کوئی اُس کا وارث نہ ہو تو قتل خطا اور قتل عمد دونوں صورتوں میں اُس کے مولیٰ کو اُس کی قیمت ملے گی یہ محیط میں ہے۔

اگر مکاتب قتل کیا گیا اور سوائے مولیٰ کے اُس کا کوئی وارث نہیں ہے اور اُس نے ادائے کتابت کے واسطے کافی مال چھوڑا تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اُس کے مولیٰ کو قصاص ملے گا اور اگر اُس نے وفائے کتابت کے لائق مال چھوڑا اور سوائے مولیٰ کے اُس کا کوئی وارث دوسرا ہے تو قصاص نہ ہوگا اگرچہ وہ مولیٰ کے ساتھ اتفاق کریں اور اگر اُس نے وفائے کتابت کے لائق مال نہ چھوڑا اور اُس کے آزاد وارث موجود ہیں تو سب اماموں کے نزدیک بالاتفاق مولیٰ کے واسطے قصاص کا استحقاق ہوگا یہ ہدایہ میں ہے اور اگر ایسا غلام جس کا تھوڑا حصہ آزاد ہو چکا ہے باقی کی ادا سے عاجز ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو منتقی میں لکھا ہے کہ قصاص واجب نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر مکاتب نے اپنے غلام کو قتل کیا تو قصاص نہیں ہے اور اگر اپنے مکاتب کے غلام کو قتل کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اسی طرح اگر اُس کے بیٹے کو عمداً قتل کیا تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح اگر غلام ماذون عمداً قتل کیا گیا اور اس پر

---

[1] قولہ اس کا بچہ یعنی ام ولد کا وہ بچہ جو مولیٰ کے سوا اس کے کسی شوہر سے ہو ۱۲

قرضہ ہے تو قصاص نہ ہوگا اگرچہ مولیٰ اور اس کے قرض خواہ لوگ قصاص لینے پر اتفاق کریں یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر غلام مرہون قتل کیا گیا تو جب تک راہن و مرتہن دونوں قصاص لینے پر اتفاق نہ کریں تب تک قصاص واجب نہ ہوگا یہ ہدایہ میں ہے اور اگر راہن و مرتہن نے اتفاق کیا تو قصاص حاصل کرنے کا استحقاق راہن کو ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر اجارہ کا غلام قتل کیا گیا تو موجر کے واسطے استحقاق قصاص حاصل ہوگا یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اگر غلام مبیع مشتری کے قبضہ سے پہلے عمداً قتل کیا گیا تو مشتری کو بیع پورا کرنے اور بیع رد کرنے میں اختیار ہوگا پس اگر اُس نے بیع کو پورا کیا تو اُس کو قصاص لینے کا اختیار ہوگا لیکن بائع کو ثمن ادا کرنے کے بعد اُس کو قصاص بھر پانے کا اختیار ہوگا یہ محیط کی فصل آٹھ میں ہے۔ اور اگر مشتری بیع توڑ دے تو بائع کو اختیار ہوگا اور یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر مشتری نے بیع کو پورا کیا تو یہی حکم ہے اور اگر فسخ کیا تو بائع کو قصاص نہ ملے گا بلکہ اُس کے واسطے قاتل پر قیمت واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں قیمت واجب ہوگی یہ تبیین میں ہے۔ اور اگر مشتری کے پاس مبیع قتل ہوا اور خیار اُسی کا ہے تو قصاص کا استحقاق اُسی کو ہوگا خواہ بائع نے ثمن پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر خیار بائع کا ہو تو قاتل کا پیچھا کر کے چاہے اُس کو قتل کرے یا چاہے مشتری سے اُس کی قیمت تاوان لے یہ محیط سرخسی میں ہے اور جب مشتری سے قیمت تاوان لے تو مشتری کو حق قصاص حاصل نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور جو غلام مہر قرار دیا گیا ہے اور ہنوز شوہر کے قبضہ میں ہے یا جو خلع کا عوض قرار دیا گیا ہے اور وہ ہنوز عورت کے قبضہ میں ہے یا جو بدل صلح قرار دیا گیا ہے اور ہنوز اُس پر قبضہ نہیں ہوا ہے اگر ایسا غلام قتل کیا گیا تو یہ بمنزلہ مبیع کے ہے جب کہ مبیع قبضہ سے پہلے قتل ہوئی ہے یعنی اگر مستحق نے قاتل کا پیچھا کرنا اختیار کیا تو اُس کی ملک پوری ہوگئی اور تمام ہوگئی پس اُس کے واسطے قصاص واجب ہوگا اور اگر اُس نے قیمت طلب کی تو غلام مذکور کی ملکیت فسخ ہوگئی پس دوسرے کے واسطے قصاص واجب ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔

غلام مغصوب اگر عمداً غاصب کے قبضہ میں قتل کیا گیا تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے قاتل سے قصاص لے اور چاہے غاصب سے اپنے غلام کی قیمت تاوان لے پھر غاصب نے جو کچھ تاوان دیا ہے وہ قاتل سے واپس لے گا اور غاصب کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ قاتل کو قتل کرادے اور جو غلام کہ اُس کے رقبہ کے کسی کے نام وصیت کی گئی ہے اور دوسرے کے نام اُس کی خدمت کی وصیت کی گئی ہے اگر وہ عمداً قتل کیا گیا تو اُس میں قصاص نہیں ہے الّا اُس صورت میں کہ دونوں اتفاق کر لیں اور اتفاق کرنے کی صورت میں جس کے واسطے رقبہ کی وصیت کی گئی ہے وہ قصاص کو حاصل کر لے گا اور اگر خدمت کا مستحق قصاص پر راضی نہ ہوا تو قاتل پر قیمت واجب ہوگی اور اُس کے عوض دوسرا غلام خرید کیا جائے گا اور اُس کا حال مثل حال اوّل کے ہوگا یہ محیط کی فصل آٹھ میں ہے اور اگر اپنے غلام کی دوسرے کے نام وصیت کی اور موصی لہ[1] کے وصیت قبول کرنے سے پہلے وہ غلام عمداً قتل کیا گیا اور موصی مر گیا ہے اور اس نے وارث چھوڑا اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ غلام مذکور وصیت کرنے والے کی موت سے پہلے مرا ہے یا پیچھے مرا ہے تو ایک کے واسطے قصاص بھر پانے کا استحقاق نہ ہوگا اور اگر اس بات میں اتفاق کیا گیا کہ موصی سے پہلے مرا ہے پھر غلام قتل کیا گیا ہے تو بھی دونوں میں سے ایک کے واسطے استحقاق استیفاء[2] قصاص نہ ہوگا پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ اگر موصی لہ نے وصیت قبول کی تو اس کو اختیار ہوگا کہ قاتل سے غلام مقتول کی قیمت لے لے اور اگر اُس نے وصیت رد کر دی تو اُس کی قیمت وارثان موصی کو ملے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر دو شخصوں نے ایک شخص کو قتل کیا پھر مولی نے دونوں میں سے ایک کو معاف کر دیا تو اُس کو اختیار رہے گا کہ دوسرے کو قتل کرے اسی طرح اگر ایک شخص نے دو شخصوں کو قتل کیا پھر ایک مقتول کے ولی نے قاتل کو معاف کیا تو دوسرے مقتول کے ولی کو قاتل کے قتل کرنے

[1] جس کے واسطے موصی نے وصیت کی ۱۲ [2] استیفاء ہمارے عرف میں اس کو بھر پائی بولتے ہیں ۱۲

کا اختیار ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

چوتھا باب☆

جان تلف کرنے سے کم میں قصاص لینے کے بیان میں

جان سے کم میں قصاص و بدلہ لینے میں مساوات معتبر ہے پس دایاں بائیں کے عوض قطع نہ کیا جائے گا اور بایاں دائیں کے عوض قطع نہ ہوگا اور نہ صحیح سالم ہاتھ بعوض شل[1] ہاتھ کے اور نہ عورت کا ہاتھ بعوض مرد کے ہاتھ کے اور نہ مرد کا ہاتھ بعوض عورت کے ہاتھ کے اور نہ آزاد کا ہاتھ بعوض غلام کے ہاتھ کے اور نہ غلام کا ہاتھ بعوض آزاد کے ہاتھ کے اور نہ غلام کا ہاتھ بعوض غلام کے ہاتھ کے قطع کیا جائے گا اس واسطے کہ غلام کے ہاتھ میں اُس کی نصف قیمت واجب ہوتی ہے اور قیمت باہم مختلف ہوتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اعضاء کے قصاص میں مسلمان و ذمی کے درمیان قصاص واجب ہوتا ہے اسی طرح دو آزاد عورتوں کے درمیان و مسلمان عورت و کتابیہ عورت کے درمیان واجب ہوتا ہے اور نیز دو کتابیہ عورتوں کے درمیان واجب ہوتا ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ بالوں میں بالکل قصاص نہیں ہوتا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ سر یا بدن کی کھال اگر کچھ قطع کی جائے تو اس میں قصاص نہ ہوگا اور اسی طرح اگر دونوں گالوں و پیٹھ و پیٹ کے گوشت میں سے اگر کچھ قطع کیا جائے تو اس میں قصاص نہیں ہے اور ایسا ہی ٹھوڑھی میں بھی قصاص نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ اور لطمہ[2] و لکمہ و وجادہ و دقہ میں قصاص نہیں ہوتا ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے اور ہڈی میں قصاص نہیں ہوتا ہے سوائے دانتوں کے یہ کافی میں ہے۔ اور ہر قطع جو مفصل سے ہو اس میں اسی موضع میں قصاص ہوگا اور جو قطع مفصل سے نہ ہو بلکہ ہڈی ٹوٹ جانے سے ہو اس میں ہمارے نزدیک قصاص نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔

آنکھ میں مارا اور اندرونی زخم آیا تو قصاص سے قبل مضروب کی آنکھ کا مکمل جائزہ لیا جائے گا☆

اگر کسی نے دوسرے کی آنکھ میں مارا جس سے اُس کی روشنی جاتی رہی حالانکہ آنکھ کا ڈھیلا سلامت ہے تو اُس پر قصاص ہوگا بایںطور کہ ایک آئینہ گرم کیا جائے گا اور وہ گرم آئینہ اُس کی آنکھ سے قریب کیا جائے گا اور اُس کی دوسری آنکھ پر پٹی باندی جائے گی اور اُس کے چہرے پر بھیگی ہوئی روئی رکھی جائے گی اور اُس کی آنکھ اس گرم آئینہ سے مقابل کی جائے گی پس اس کی روشنی جاتی رہے گی یہ کافی میں ہے۔ اور مشائخ نے روشنی جاتی رہنے کی پہچان میں گفتگو کی ہے محمد بن مقاتل رازی نے فرمایا کہ اُس کی آنکھ کھول کر سورج کے سامنے کی جائے پس اگر آنسو بھر آئیں تو سمجھنا چاہئے کہ روشنی باقی ہے اور اگر آنسو نہ بھریں تو سمجھنا چاہئے کہ روشنی جاتی رہی ہے۔ اور طحاوی نے ذکر کیا کہ اُس کے سامنے سانپ ڈالا جائے پس اگر سانپ سے بھاگے اور ڈرے تو معلوم ہوگا کہ روشنی باقی ہے اور محمدؒ نے فرمایا کہ اہل بصارت کو دکھلایا جائے اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو اُس میں دعویٰ و انکار کا اعتبار کیا جائے گا اور قسم کے ساتھ جنایت کرنے والی کا قول قبول ہوگا مگر قسم قطعی لی جائے گی یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر کرخی نے ذکر کیا کہ اگر آنکھ مقور[3] و منخسف ہو جائے تو قصاص واجب نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر کسی نے دوسرے کی آنکھ میں عمداً مارا اور وہ سپید ہوگئی ایسی کہ اُس سے کچھ دکھلائی نہیں دیتا تھا تو عامہ علماء کے نزدیک قصاص واجب نہ ہوگا اور جس صورت میں قصاص واجب ہوتا ہے اُس صورت میں خواہ ہتھیار مارے یا اُنگلی وغیرہ کسی چیز سے مارے کچھ فرق نہیں ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ حدقۂ چشم کے قلع کرنے میں قصاص

[1] یعنی بیکار جیسے فالج زدہ وغیرہ کے ہو جاتے ہیں ۱۲ [2] لطمہ تھپڑ مارنا۔ لکمہ گھونسا مارنا وجادہ یکسر الواو دوالانو کی مار خصی کرو۔ وقہ دھونس دینا و مکا دیے مارنا ۱۲

[3] مقور کردیگرد برید و منخسف پست شدہ ۱۲

نہیں ہے۔ پس اگر کسی آدمی کا صدقہ چشم قلع کیا اور اُس نے کہا کہ میں اس بات پر راضی ہوتا ہوں کہ اس مجرم کی آنکھ حسف کر دی جائے اور اُس کا حدقہ چشم اُکھاڑا نہ جائے میں اپنے حق سے کم ہی بدلا لے لوں گا تو منتقی میں ہے مذکور ہے کہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اُس کو یہ اختیار نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کی دائیں آنکھ تلف کر دی اور مجرم کی بائیں آنکھ کانی ہے اور اُس کی دائیں آنکھ درست ہے تو اُس کی دائیں آنکھ سے قصاص لیا جائے گا یعنی پھوڑ کر اندھا چھوڑ دیا جائے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ امام حسن سے روایت ہے کہ اگر کسی شخص کی آنکھ پھوڑ دی گئی حالانکہ اُس کی آنکھ سے احول تھی لیکن اس سے اُس کی بصارت میں کچھ ضرر تھا اور نہ کچھ نقصان تھا پس اُس کی آنکھ کو ایک شخص نے عمداً پھوڑ ڈالا تو اُس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر بھینڈا ابن سخت ہو کہ بصارت میں ضرر ہو اور وہ پھوڑی گئی تو اُس میں حکومت عدل پر حکم ہوگا اور اگر ایک شخص کی آنکھ احول زیادہ ہو کہ اُس کی آنکھ کی بصارت میں ضرر ہو اور اُس نے ایسی آنکھ پھوڑی جس میں بھینڈا پن نہیں ہے تو جس پر ظلم ہوا ہے اُس کو اختیار ہوگا چاہے قصاص کے لئے اور ناقص بدلے پر راضی وہ جائے اور چاہے مجرم سے اُس کے مال سے نصف دیت تاوان لے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص کی دائیں آنکھ میں سپیدی ہو اور اُس نے ایک دوسرے شخص کی دائیں آنکھ ضائع کر دی تو اُس شخص کو اختیار ہوگا چاہے مجرم کی ناقص آنکھ سے قصاص لے جب کہ قصاص ممکن ہو سکتا ہو مثلاً کچھ دکھلائی دیتا ہو اور چاہے اپنی آنکھ کی دیت لے لے اور اگر اُس کی آنکھ بالکل چربیلی سپید ہو کہ اُس سے بالکل دکھلائی نہ دیتا ہو تو اس میں بالکل قصاص نہ ہوگا اور اگر اُس نے ہنوز کچھ اختیار نہ کیا ہو یہاں تک کہ پھوڑنے والے کی دائیں آنکھ کسی شخص نے پھوڑ ڈالی تو اوّل کا حق جو اُس کی آنکھ سے متعلق تھا باطل ہو جائے گا اور اگر اُس شخص نے جس کی آنکھ پہلے پھوڑ گئی ہے دیت لینا اختیار کیا پھر ایک شخص اجنبی نے مجرم کی آنکھ پھوڑ ڈالی پس اگر اوّل شخص کا اختیار کرنا صحیح ہو تو آنکھ کے تعلق سے اُس کا حق منتقل ہو کر دیت کی طرف آ جائے گا اور عین مذکور فوت ہو جانے سے اُس کا حق باطل نہ ہوگا اور اگر اُس کا اختیار کرنا صحیح نہ ہو تو حق باطل ہو جائے گا اور اختیار صحیح ہونے کی بنا یہ ہے کہ جنایت کرنے والا اُس کو اختیار دے ورنہ اگر اُس نے خود ہی یہ اختیار کیا تو اختیار صحیح نہ ہوگا۔ اور جس صورت میں اُس کا اختیار صحیح نہ ٹھہرے تو جب آنکھ کی سپیدی جاتی رہے تو اُس کو اختیار حاصل ہوگا کہ قصاص کی طرف رجوع کرے اور جس صورت میں اُس کا اختیار صحیح ہو گیا ہے اُس صورت میں رجوع بقصاص نہیں کر سکتا ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

نوادر ہشام میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر ایک شخص کی دائیں آنکھ سپید ہو اور اس نے دوسرے شخص کی دائیں آنکھ ضائع کر دی پھر اُس کی آنکھ سے سپیدی جاتی رہی تو جس پر جرم کیا ہے اُس کو اختیار ہوگا کہ مجرم سے قصاص لیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسری آنکھ میں مارا اور وہ اس ضرب سے سپید ہو گئی پھر سپیدی جاتی رہی تو مارنے والے پر کچھ نہ ہوگا لیکن یہ اُس وقت ہے کہ آنکھ کی بینائی ایسی ہی ہو جیسی تھی اور پہلے کی بہ نسبت کم آئی تو اُس میں حکومت عدل ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے اگر ایک شخص نے دوسرے کی آنکھ پر جس میں سپیدی ہے اور اُس سے نظر آتا ہے جنایت کی اور جنایت کرنے والے کی آنکھ میں بھی سپیدی ہے اور اُس سے نظر آتا ہے تو دونوں میں قصاص نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کی آنکھ میں ایک ضرب لگائی جس سے تھوڑی پتلی سپید ہو گئی یا اُس میں قرحہ[1] پڑ گیا یا رتج یا سبل[2] آ گئی یا اور کوئی ایسی چیز جو آنکھ کو خراب کرتی ہے پیدا ہو گئی اور اُس میں نقصان آ گیا تو اس کا قصاص نہ ہوگا بلکہ اُس میں حکومت عدل[3] واجب ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ہارونی میں امام محمدؒ سے روایت

---

[1] قرحہ وہ زخم جس سے ریم وغیرہ جاری ہو ۱۲ [2] سبل جالا جو پتلی آنکھ کو ڈھانک لیتا ہے ۱۲ [3] یعنی دو عادل حکم بنائے جائیں جس قدر وہ تجویز کریں وہ دیا جائے گا ۱۲

ہے کہ اگر عورت کے پیٹ سے ولادت کے وقت فقط بچہ کا سر نکلا تھا اور ہنوز سر سے زیادہ کچھ نہیں نکلا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آ کر اُس بچہ کی آنکھ پھوڑ دی تو اُس پر دیت قرار دوں گا اور آنکھ کا قصاص واجب نہ کروں گا جب تک کہ سر کے ساتھ آدھا دھڑ یا زیادہ برآمد نہ ہوا ہو یہ محیط میں ہے۔ایک شخص نے ایک بچہ کی آنکھ ولادت کے وقت یا چند روز بعد پھوڑ ڈالی پس اگر کہا کہ اُس سے اُس اُس کو دکھلائی نہیں دیتا تھا یا کہا کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ دکھلائی دیتا تھا یا نہیں تو اُسی کا قول قبول ہوگا اور اُس پر عادلوں کا تجویز کیا ہوا ارش واجب ہوگا اور اگر معلوم ہو جائے کہ اُس آنکھ سے اُس کو دکھلائی دیتا تھا مثلاً دو گواہ اُس آنکھ کے صحیح سالم ہونے کی گواہی دیں پس اگر اُس نے خطا سے ایسا کیا تو نصف دیت واجب ہوگی اور عمداً ہو تو اُس پر قصاص [(۱)] ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔اور بائیں آنکھ کا قصاص دائیں سے یا دائیں کا بائیں سے نہ لیا جائے گا اور اگر جنایت کرنے والی آنکھ بہ نسبت مظلوم کی آنکھ کے بڑی یا چھوٹی ہو تو یہ کچھ فرق نہیں ہے دونوں برابر ہیں اور قصاص لے لیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔اگر پورا کان کاٹا گیا پس اگر عمداً ہو تو اُس میں قصاص ہے اور اگر تھوڑا کاٹا گیا تو اُس میں بھی قصاص ہی بشرطیکہ اُس کی استطاعت ہو اور پہچانا جائے یہ کرخی کی عبارت ہے اور امام ابو یوسفؒ فرماتے تھے کہ کان میں مفاصل ہے پس جب کان تھوڑا کاٹا جائے پس اگر معلوم ہو جائے کہ مفصل سے قطع کیا گیا ہے تو قصاص لیا جائے گا اور مفصل کی پہچان کا مرجع اہل بصارت ہیں پس اگر اہل بصارت نے کہا کہ کان کے واسطے مفاصل ہیں اور اُس نے مفصل سے قطع کیا ہے تو اُسی مفصل سے مجرم سے قصاص لیا جائے گا اور اگر انہوں نے کہا کہ اُس کے مفصل نہیں ہے تو کاٹنے والے کے کان سے اس قدر کاٹ لیا جائے گا جس قدر اُس نے کاٹا ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔

اجناس میں لکھا ہے کہ اگر کاٹنے والے کے کان کا حلقہ چھوٹا ہو اور جس کا کان کاٹا ہو اُس کے کان کا حلقہ بڑا ہو تو مظلوم کو اختیار ہوگا چاہے نصف دیت لے لے اور چاہے اُس کی چھوٹائی کے انداز پر کاٹے اور اگر کان پھٹا ہوا شگاف دار ہو پس اگر یہی کان کاٹا گیا تو اُس میں حکومت عدل ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔اگر ایک شخص کا کان کھینچا اور اُس کی گدیہ[ل] نوچ لی تو قصاص نہ ہوگا مگر مجرم پر اُس کے مال سے اُس کا ارش واجب ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔اور اگر پورا حلقہ عمداً کاٹ لیا تو قصاص واجب ہوگا اور اگر تھوڑا کاٹا تو قصاص نہ ہوگا اور اگر ناک کا بانسا تھوڑا کاٹ لیا تو بالاتفاق قصاص نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ ہڈی ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔اور بعض مشائخ نے ارنبہ بینی کے حق میں فرمایا کہ حکومت عدل ہوگی اور یہی صحیح ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر کاٹنے والے کی ناک چھوٹی ہو تو جس کی ناک کاٹی ہے اُس کو اختیار ہوگا چاہے اُس کی ناک کاٹ لے یا اپنی ناک کا ارش لے لے یہ محیط میں ہے اور اگر ناک کاٹنے والا اخشم ہو یعنی اُس کو بو نہ معلوم ہوتی ہو یا اخرم ہو یا کسی صدمہ پہنچنے سے اُس کی ناک میں نقصان ہو تو ناک کٹے ہوئے کو اختیار ہوگا چاہے کاٹنے والے کی ناک کاٹے یا اپنے ناک کی دیت لے لے یہ ظہیریہ میں ہے۔اور اگر ناک کی جڑ میں سے کچھ کاٹ لی گئی تو قصاص نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ ہڈی ہے مفصل نہیں ہے اور اگر بچہ کی ناک ہڈی کی جڑ سے کاٹی گئی تو کاٹنے والی پر قصاص واجب ہوگا خواہ وہ بو پاتا ہو یا نہیں اور اگر اُس نے خطا سے ایسا کیا تو دیت واجب ہوگی اور اس سے مراد مارن[۲] جو حصہ نرم ہے وہ ہے جیسا کہ بالغ میں گذرا ہے اس واسطے کہ بچہ کی ناک کی ہڈی اگرچہ مثل غضروف کے ہوتی ہے لیکن اس کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ اُس کی باقی ہڈیوں میں ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔طحاوی نے اپنی شرح میں ہشام سے روایت کر کے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شخص کا ہونٹ اوپر کا یا نیچے کا کاٹا گیا پس اگر کاٹنے والے سے قصاص ممکن ہو تو اوپر کے عوض اوپر کے ہونٹ سے اور نیچے کے عوض نیچے سے قصاص لیا جائے گا اور قدوری میں

ل یعنی کان کا نرمہ جس کو پپیا اور لو کہتے ہیں ۱۲ ۲ مارن نرمہ بینی یعنی ناک کا شروع حصہ جہاں تک نرم ہوتا ہے ۱۲ (۱) یعنی اُس کی آنکھ پھوڑی جائے گی

لکھا ہے کہ اگر پورا ہونٹ کاٹا گیا تو قصاص واجب ہوگا اور اگر تھوڑا کاٹا گیا تو قصاص واجب نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور زبان کاٹنے میں قصاص نہیں ہے عمداً ہو یا نہ ہو خواہ کل کاٹی ہو یا تھوڑی اور یہی فتویٰ کے واسطے مختار ہے یہ خزانۃ المفتین وظہیریہ میں ہے۔ اور دانت میں قصاص ہے اگر چہ جس سے قصاص لیا جاتا ہے اُس کا دانت مظلوم کے دانت سے بڑا ہو اور سوائے دانت کے کسی ہڈی میں قصاص نہیں ہے یہ ہدایہ میں ہے

بڑھے دانت سے مراد عمومی مقدار سے زائد دانتوں کا ہونا ہے ☆

بڑھے دانت (۱) میں قصاص نہیں ہے ہاں حکومت عدل واجب ہوتی ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اور دانت کے قصاص لینے میں توڑنے والے اور جس کا دانت توڑا گیا ہے اُس کے دانت کی مقدار صغیر و کبیر کا اعتبار نہیں ہے بلکہ قصاص میں اسی قدر حصہ توڑا جائے گا جس قدر اس نے توڑا ہے یعنی نصف یا تہائی یا چوتھائی جس قدر توڑا ہے اُسی قدر دوسرے کا دانت توڑا جائے گا یہ وجیز کردری میں ہے دائیں کے عوض بایاں اور بائیں کے عوض دایاں نہ توڑا جائے گا اور اگلے دو دانت بعوض اگلے دو دانتوں کے اور دانت بعوض دانت کے اور ڈاڑھیں بعوض ڈاڑھوں کے توڑی جائیں گی اور نیچے والے کے عوض اوپر والے یا اوپر والوں کے عوض نیچے والے نہ لیے جائیں گے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اگر ایک دانت میں سے آدھا یا تہائی یا چوتھائی مستوی توڑا ہو کہ اُس میں قصاص لیا جا سکتا ہے تو سوہان سے قصاص لیا جائے گا اور اگر اُس نے بطور مستوی نہ توڑا ہو کہ اُس میں قصاص لینا ممکن نہ ہو تو قصاص نہ لیا جائے گا بلکہ ارش واجب ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر اُس نے اُکھاڑ لیا تو اُس کا دانت اُکھاڑا نہ جائے گا بلکہ سوہان سے ریت دیا جائے گا یہاں تک کہ گوشت تک پہنچ جائے اور اس سے زیادہ ساقط ہو جائے گا یہ فتاویٰ صغریٰ میں ہے اور اگر تھوڑا دانت پھر باقی سیاہ یا سرخ یا سبز پڑ گیا اور کسی طرح کا اُس میں توڑنے کی وجہ سے عیب آ گیا تو قصاص نہ ہوگا اور دیت واجب ہوگی یہ خلاصہ میں ہے۔ اور اگر مظلوم نے جس کا دانت توڑا گیا ہے یوں کہا کہ میں بقدر توڑے ہوئے کے قصاص لوں گا اور جس قدر سیاہ ہو گیا ہے اُس کا ترک کروں گا تو اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر ایک شخص کے دانت میں سے کسی قدر توڑ اگیا تو ایک سال انتظار کیا جائے گا اگر سال پورا ہو جائے پھر اُس میں تغیر نہ آیا تو توڑنے والے پر قصاص واجب ہوگا کہ اُس کا دانت سوہان سے ریتا جائے گا اور اُس کے واسطے ایک طبیب عالم تلاش کیا جائے گا اور اُس سے دریافت کیا جائے گا کہ ہم سے بیان کر کہ اس کے دانت میں سے کس قدر جاتا رہا ہے پس اگر آدھا جاتا رہا تو توڑنے والے کے دانت سے نصف ریتا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر ایک شخص کے دانت کا ٹکڑا توڑ دیا اور باقی خود گر گیا تو مشہور مذہب کے موافق قصاص نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ دو شخص کھیل کی جگہ کھڑے ہوئے تا کہ ایک دوسرے کو گھونسا مارے جیسا کہ عادت ہے پس ایک نے دوسرے کو گھونسا مارا اور اُس کا دانت توڑ دیا تو مارنے والے پر قصاص ہوگا اور یہ مسئلہ واقع ہوا تھا جس پر فتویٰ طلب کیا گیا تو سب فتویٰ کے جواب اس حکم پر متفق تھے اور ایک نے دوسرے سے کہا ہو کہ (لگا لگا) اور اُس نے گھونسا لگایا اور دانت توڑ دیا تو اُس پر قصاص وغیرہ نہ ہوگا اور یہی صحیح ہے بمنزلہ ایسی قول کے کہ میرا ہاتھ کاٹ اُس نے کاٹ دیا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کے اگلے دو دانت توڑے اور توڑنے والے سے قصاص لیا گیا پھر توڑنے والے کے دونوں دانت جو قصاص میں رہتے گئے ہیں اُگے تو جس کے واسطے قصاص لیا گیا تھا اُس کو دوبارہ جمے ہوئے دانتوں کے اُکھڑوانے کا اختیار نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کا دانت اُکھاڑ لیا پھر جس کا دانت اُکھاڑا ہے اس نے اکھاڑنے والے کا دانت قصاص میں اُکھاڑا پھر اوّل کا دانت جم آیا تو دوسرے کو اُکھاڑنے والے پر پہلے اُکھاڑنے والے کے واسطے پانچ سو درم اُس

(۱) یعنی معمولی تعداد سے شمار میں زائد ۱۲

کے دانت کا ارش واجب ہوگا اور اگر اُس کا دانت ٹیڑھا اُگا تو اس میں حکومت عدل ہوگی اور اگر آدھا دانت جم آیا تو آدھا ارش واجب ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کسی شخص نے دانت میں مارا اور دانت گر گیا تو اُس کی جگہ اچھے ہو جانے تک انتظار کیا جائے گا اور ایک سال تک انتظار نہ کیا جائے گا مگر روایت مجرد کے موافق اور وجہ عدم انتظار کی یہ ہے کہ بالغ کا دانت دوبارہ جمنا نادر ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر بالغ کا دانت اُکھاڑا ہو تو انتظار کیا جائے گا یہ سراجیہ میں ہے۔ اور چاہے کہ مجرم سے کفیل لیا جائے پس اگر نابالغ کے دانت کی جگہ دوسرا دانت جم آئے تو مجرم پر کچھ نہ ہوگا اور اگر نابالغ مذکور سال گزرنے سے پہلے اور دانت جمنے سے پہلے مر گیا تو مجرم پر کچھ نہ ہوگا یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اُس میں حکومت عدل ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر کسی شخص کے دانت میں مارا جس سے اُس کا دانت ہلنے لگا تو اصل میں مذکور ہے کہ ایک سال تک انتظار کیا جائے گا خواہ وہ شخص جس کے دانت میں چوٹ لگی ہے بالغ ہو یا نابالغ ہو پھر ایک سال پورا ہونے کے بعد دیکھا جائے کہ اگر وہ دانت نہیں گرا ہے تو مارنے والے پر کچھ نہ ہوگا اور اگر اسی ضرب سے سال میں وہ دانت گر گیا پس اگر ضرب عمداً ہو تو قصاص لیا جائے گا اور اگر خطا سے ہو تو دانت کی دیت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر قاضی نے اُس کو دانت جنبش کرنے کی حالت میں مہلت دی پھر سال گذرنے سے پہلے مضروب آیا اور اُس کا دانت گرا ہوا تھا اور کہا کہ اُسی ضرب سے گر گیا ہے اور ضارب نے کہا کہ مجھے دوسرے شخص نے مارا تھا اُس کی مار سے گرا ہے تو مضروب کا قول قبول ہوگا اور اگر سال گذرنے کے بعد آیا ہے تو ضارب کا قول قبول ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کا دانت اُکھاڑا پھر آدھا دانت جم آیا تو اس پر آدھا ارش واجب ہوگا اور اس میں قصاص نہ ہوگا اور اگر پورا سپید دانت جم آیا پھر اس دانت کو دوسرے نے اُکھاڑا تو ایک سال تک انتظار کیا جائے گا پس اگر جم آیا تو خیر ورنہ دوسرے سے قصاص لیا جائے گا اور اوّل ضارب پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر چھوٹا جما تو اُس میں حکومت عدل ہوگی یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک شخص کا دانت توڑ لیا اور توڑنے والے کا دانت سیاہ یا زرد یا سُرخ یا سبز ہے تو مظلوم کو اختیار ہوگا چاہے اسی ناقص دیت کا قصاص لے لے یا اپنے دانت کا ارش پانچ سو درم لے لے اور اگر مظلوم کے دانت میں عیب ہو تو حکومت عدل ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر مظلوم نے ہنوز کچھ اختیار نہ کیا ہو کہ جنایت کرنے والے کا عیب دار دانت ساقط ہو گیا اور بجائے اُس کے اچھا دانت جم آیا تو مظلوم کا حق باطل ہو جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کے اگلے دو دانت اُکھاڑ ڈالے اور زید کے اگلے دونوں دانت اُکھڑے ہوئے ہیں پھر بعد اُکھاڑنے کے زید کے دونوں دانت جم آئے تو قصاص واجب نہ ہوگا اور عمرو کے واسطے زید پر اپنے دانتوں کا ارش واجب ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کا ہاتھ دانتوں سے چبایا اور عمرو نے اپنا ہاتھ کھینچا اور کھینچنے میں زید کا دانت توڑا تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ظلم سے ایسے مقام پر توڑنا چاہا جہاں لوگ تیری فریاد کو پہنچ سکتے ہیں تو تجھے اُس کا قتل کر دینا جائز ہے اور اگر اس نے تیرا دانت ریت دینا چاہا ہو تو اُس کو قتل نہ کر اگر ایسی جگہ پر ہو جہاں لوگ تیری فریاد کو نہ پہنچ سکتے ہوں یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر کسی نے دوسرے کا ہاتھ جوڑ پر سے عمداً کاٹ دیا تو اُس کا ہاتھ بھی کاٹا جائے گا اگرچہ اُس کا ہاتھ مظلوم کے ہاتھ سے بڑا ہو اور یہ حکم اچھا ہو جانے کے بعد ہے اور قبل اچھے ہو جانے کے قصاص نہ ہوگا یہ جوہرہ نیرہ میں ہے اور اسی طرح انگلیوں میں بھی قصاص ہوتا ہے بشرطیکہ جوڑ پر سے قطع کی گئی ہو اور اگر جوڑ سے قطع نہ کی گئی ہو تو قصاص نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور عمداً پاؤں کاٹنے میں قصاص ہے جب کہ مفصل قدم یا مفصل ورک سے قطع کیا جائے اور اگر غیر مفصل سے قطع کیا جائے تو حکم اُس کے برخلاف ہے۔ اسی طرح پاؤں کی انگلیوں میں بھی اگر جوڑ پر سے کاٹی جائیں تو قصاص ہے جب کہ عمداً کاٹے اور اگر جوڑ پر سے نہ کاٹے تو قصاص واجب نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور ہاتھ بعوض پاؤں کے یا

ہاتھ کی انگلی بعوض پاؤں کی اُنگلی کے قطع نہ کی جائے گی اور ہمارے نزدیک ایک ایک ہاتھ کے بدلے دو ہاتھ قطع نہ کئے جائیں گے یہ مبسوط میں ہے اور دائیں کلمہ کی انگلی سوائے دائیں کلمہ کی انگلی کے عوض دوسری کے قصاص میں نہ کاٹی جائے گی اور بائیں کلمہ کی انگلی سوائے بائیں کلمہ کی انگلی کے دوسری کی عوض نہ کاٹی جائے گی اسی طرح انگوٹھا بعوض کلمہ کی انگلی کے یا کلمہ کی انگلی بعوض انگوٹھے کے نہ کاٹی جائے گی اور حاصل یہ ہے کہ قطع کرنے والے کے اعضاء میں سے سوائے مثل کے دوسرا عضو نہ لیا جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور جس ہاتھ کی انگلی میں کمی ہو اُس کے عوض پوری انگلیوں والا نہ کاٹا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا حالانکہ کاٹنے والے کے ہاتھ میں ایک ناخن سیاہ ہے یا زخم ہے پس اگر اُس میں سیاہ ناخن ہو تو قصاص واجب ہوگا اور اگر سیاہ ناخن نہ ہو پس اگر اُس میں ایسی جراحت ہو جس سے ہاتھ کی دیت میں نقصان نہیں آتا ہے مثلاً ایسا زخم ہو جس سے گرفت میں سستی نہیں آتی ہے تو یہ وجوب کو قصاص مانع نہیں ہے اور ایسے عیب کا وجود و عدم یکساں قرار دیا جائے گا اور اگر ایسا نقصان ہو جس سے گرفت میں سستی آتی ہے حتیٰ کہ اُس میں حکومت عدل واجب ہو نہ نصف دیت تو یہ بمنزلہ شل ہاتھ کے ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے زائد اُنگلی کاٹ ڈالی اور کاٹنے والے کے ہاتھ میں بھی ایسی ہی اُنگلی ہے تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اُس پر قصاص نہ ہوگا یہ جوہرہ نیرہ میں ہے اور اگر ہتھیلی کو کاٹ ڈالا اور اُس میں ایک اُنگلی زائد ہے جو ہتھیلی کو سست کرتی ہے تو اُس میں قصاص نہ ہوگا اور اگر ہتھیلی کو سست نہ کرتی ہو تو قصاص واجب ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ آدھے ساعد سے کاٹ ڈالا یا پاؤں آدھی پنڈلی سے کاٹ ڈالا اور عمداً ایسا فعل کیا تو اُس پر قصاص نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ہاتھ کاٹے ہوئے کا ہاتھ درست کاٹا گیا ہے اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل ہے یا اُس میں انگلیاں کم ہیں تو ہاتھ کٹے ہوئے کو اختیار ہے چاہے قصاص میں عیب دار کٹوائے اور اُس کے سوائے اُس کو کچھ نہ ملے گا اور چاہے پورا ارش لے لے یہ کافی میں ہے۔ اور صدر الشہید برہان الائمہ اس صورت میں ہاتھ کٹے ہوئے کے واسطے جبھی خیار ثابت کرتے تھے کہ جب ایسا شل (۱) ہو کہ اُس سے کام کاج کر سکتا ہے اور اگر محض بیکار ہو تو وہ محل قصاص نہیں ہے پس ہاتھ کٹے ہوئے کو خیار نہ ہوگا بلکہ اُس کو اچھے ہاتھ کی دیت ملے گی جیسا کہ اگر کاٹنے والے کا یہ ہاتھ ہی بالکل نہ ہو تو یہی حکم ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر مجرم کا عیب دار ہاتھ مظلوم کے اختیار کرنے سے پہلے تلف ہو گیا یا کسی نے ظلم سے قتل کر ڈالا تو ہمارے نزدیک مظلوم اوّل کا حق باطل ہو جائے گا بخلاف اُس کے اگر ظالم کا ہاتھ کسی حق واجب کی وجہ سے کاٹا گیا ہو مثل قصاص و سرقہ وغیرہ کے تو اُس پر مظلوم کے ہاتھ کی دیت واجب ہوگی یہ کافی میں ہے۔ اور یہ حکم اُس وقت ہے کہ جب ہاتھ کاٹنے کی وقت اُس کا ہاتھ ناقص ہو اور اگر کاٹنے کے بعد ناقص ہو گیا تو اُس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نقصان بدون کسی کے فعل کے پیدا ہو گیا مثلاً آسمانی آفت سے اُس کی کوئی اُنگلی گر گئی تو اُس کا حکم وہی ہوگا جو کاٹنے کے وقت ناقص ہونے کا حکم ہے اور اگر نقصان کسی کے فعل سے پیدا ہوا مثلاً کسی نے ظلم سے اُس کی انگلی کاٹ دی یا خود اُس نے اپنی انگلی کاٹ دی یا کسی حق واجب سے اُس پر انگلی کاٹنے کا حکم جاری ہوا تو اُس کا حکم وہی ہے جو آفت آسمانی سے تلف ہونے کا حکم ہے ایسا ہی شیخ الاسلام خواہر زادہ نے ذکر فرمایا ہے اور شیخ الاسلام احمد الطواویسی نے اپنی شرح میں ذکر کیا کہ اگر ظالم کا ہاتھ قصاص میں ناقص کیا گیا اور کاٹا گیا تو مظلوم کو خیار ہوگا اور اگر ظلم سے یا آفت آسمانی سے ناقص کیا گیا تو خیار نہ ہوگا اور فرق کی طرف یوں اشارہ کیا کہ جب قصاص میں قتل کیا گیا تو وہ محسوب ہے پس گویا اُس نے منع کیا پس یہ امر موجب خیار ہوگا اور جب آفت آسمانی سے تلف ہوا تو ایسا نہیں ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر عمداً ایک شخص کا ہاتھ کاٹا گیا یہاں تک کہ قصاص واجب ہوا پھر قاطع کا ہاتھ کسی ظالم نے ناحق کاٹ

(۱) کاٹنے والے کا ہاتھ ایسا شل ہو ۱۲

ڈالا یا بوجہ بیماری آ کلہ کے کاٹا گیا تو قصاص باطل ہو جائے گا اور مستحق بارش نہ ہوگا اور اگر قاطع کا ہاتھ دوسرے کے قصاص یا سرقہ میں کاٹا گیا تو اس قاطع پر مظلوم کے واسطے ارش واجب ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے ایک شخص نے دوسرے کا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالا اور قاطع کا داہنا ہاتھ نہیں ہے تو مظلوم کا استحقاق اس کے مال سے دیت کا ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کی دو انگلیاں کاٹ ڈالیں اور قاطع کی فقط ایک اُنگلی ہے تو اُس کو یہ اختیار ہوگا کہ ایک اُنگلی قصاص میں کٹوائے اور دوسرے کا ارش لے لے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے جوڑ پر سے دوسرے کا ہاتھ کاٹا اور قاطع سے قصاص لیا گیا اور وہ اچھا ہو گیا پھر ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کہنی پر سے کاٹ ڈالا تو قصاص نہ ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ دو ہاتھ کٹے ہیں مادوشل میں قصاص نہیں ہے اور یہی امام حسنؒ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کیا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کی دائیں ہاتھ کی انگلی جوڑ پر سے کاٹ ڈالی پھر بکر کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا یا پہلے بکر کا ہاتھ کاٹا پھر عمرو کی اُنگلی کاٹی پھر دونوں مظلوم حاضر ہوئے تو پہلے مجرم کی انگلی بعوض انگلی کے کاٹی جائے گی پھر بکر کو اختیار دیا جائے گا چاہے ناقص ہاتھ کا قصاص لے لے یا اپنے ہاتھ کی دیت لے لے اور اگر بکر پہلے آیا تو اُس کے قصاص میں کاٹا جائے گا پھر جب عمرو آئے تو اُس کی انگلی کے ارش کا حکم دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ کی ایسی صورت جس میں مضروب چاہے ہاتھ کاٹنے سے اُس کی ذراع سے قصاص لے اور چاہے اپنے ہاتھ کی دیت کی ضمان لے ☆

اگر زید نے عمرو کی انگلی میں سے اوپر کے جوڑ سے پور کاٹ ڈالا پھر بکر کی اُسی انگلی میں سے درمیانی جوڑ سے پورا کاٹ ڈالا پھر خالد کی اُسی انگلی میں سے نیچے کے جوڑ سے باقی پور کاٹ ڈالے پھر اگر سب مظلوم حاضر ہوئے اور انہوں نے قاضی سے دادخواہی کی تو قاضی عمرو کے واسطے زید کی انگلی میں سے اوپر کا پور کاٹ دے گا اور بکر و خالد کے واسطے درمیانی و نیچے کا پور نہ کاٹے گا اگرچہ بکر و خالد کا استحقاق اوپر کے پور میں بھی ثابت ہے پھر بکر کو مختار کرے گا چاہے زید کی انگلی میں سے بیچ کا پور قصاص میں لے اور اُس کے سوائے اس کو کچھ نہ ملے گا اور اگر چاہے تو قصاص نہ لے بلکہ انگلی کی تہائی دیت لے لے پس اگر اُس نے قصاص لینا اختیار کیا اور انگلی کا پور کاٹ لیا تو پھر خالد کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے قصاص میں انگلی کاٹ ڈالے اور اس کے سوائے اس کو کچھ نہ ملے گا اور اگر قصاص نہ لیا تو اُس کو زید کے مال سے انگلی کی پوری دیت ملے گی۔ اور اگر تینوں میں سے ایک حاضر ہوا اور باقی دونوں حاضر نہ ہوئے پس اگر عمرو حاضر ہوا تو اُس کے واسطے اوپر کا پور قصاصاً کاٹا جائے گا پھر کاٹنے کے بعد اگر باقی دونوں حاضر ہوئے تو دونوں کو اختیار دیا جائے گا پس اگر دونوں نے قصاص لینا اختیار کیا سوائے قصاص کے کسی کو کچھ نہ ملے گا یہ محیط میں ہے اور اگر پہلے فقط خالد حاضر ہوا باقی دونوں حاضر نہ ہوئے تو خالد کے نام پوری انگلی کے قصاص کا حکم ہوگا پھر اگر باقی دونوں حاضر ہوئے تو دونوں کے واسطے ارش کا حکم ہوگا یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔ اور اگر زید نے عمرو کی ہتھیلی جوڑ پر سے کاٹ ڈالی پھر بکر کا ہاتھ کہنی پر سے کاٹ ڈالا پھر دونوں ساتھ ہی حاضر ہوئے تو ہتھیلی والے کے واسطے ہتھیلی کاٹی جائے گی پھر بکر کو اختیار دیا جائے گا چاہے باقی کا قصاص لے اور چاہے ارش لے یہ شرح مبسوط میں ہے اور اگر دونوں میں سے ایک حاضر ہوا اور دوسرا غائب رہا تو جو شخص پہلے حاضر ہوا ہے اُسی کا حق دلایا جائے گا خواہ کوئی ہو یہ محیط میں ہے اور اگر زید نے عمرو کی انگلی جوڑ پر سے کاٹ ڈالی پھر عمرو نے اُس کا ہاتھ جوڑ پر سے کاٹ ڈالا تو مذکور اختیار دیا جائے گا چاہے ناقص ہاتھ قصاص میں لے یا ارش لے اور عمرو کا حق باطل ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ امام محمدؒ نے جامع میں فرمایا کہ زید نے عمرو کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور زید کا ہاتھ درست ہے پھر عمرو نے زید کی ایک اُنگلی کاٹ ڈالی پھر زید نے کسی دوسرے خالد کا درست ہاتھ کاٹ ڈالا تو خالد کو اختیار ہوگا چاہے عمرو اور خالد دونوں زید کا ناقص ہاتھ کاٹیں یا خالد اپنے ہاتھ کی دیت اُس سے لے

لے اور اگر خالد نے بھی زید کی کوئی انگلی کاٹ ڈالی ہو تو اُس کا خیار باطل ہو جائے گا اور اُس کے واسطے اور عمرو دونوں کے واسطے زید کا ناقص ہاتھ قصاص میں کاٹ دیا جائے گا پھر جب زید کا ہاتھ دونوں کے واسطے کاٹا گیا تو زید پر عمرو کے واسطے اُس کے ہاتھ کا آدھا ارش دو سال میں دینا واجب ہوگا کہ جس میں سے دو تہائی سال اوّل میں اور ایک تہائی دوسرے سال میں ادا کرے اور خالد کے واسطے بھی تین آٹھویں حصے اُس کے ہاتھ کی دیت واجب ہوں گے اُس کو بھی موافق مذکورہ بالا کے دو سال کی میعاد میں ادا کرے یہ محیط میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کا ہاتھ کاٹا اور زید کا ہاتھ درست ہے پھر عمرو نے اُس کی کوئی اُنگلی کاٹ ڈالی پھر زید نے خالد کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر خالد نے زید کی کوئی اُنگلی کاٹ ڈالی پھر زید نے بکر کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور بکر نے بھی زید کی کوئی انگلی کاٹ ڈالی پھر سب قاضی کے پاس مجتمع ہوئے تو ان میں سے کسی کو دیت لینے کا اختیار نہ ہوگا اور زید کا باقی ہاتھ سب کے قصاص میں کاٹا جائے گا پھر زید پر عمرو کے واسطے تین پانچویں حصے اُس کی ہاتھ کی دیت کے اور پانچویں حصے کی تہائی واجب ہوگی اور خالد کے واسطے ہاتھ کی نصف دیت اور چوتھائی کی تہائی دیت واجب ہوگی اور بکر کے واسطے چار نویں حصے اُس کے ہاتھ کی دیت کے واجب ہوں گے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کا داہنا ہاتھ اور بکر کا بایاں ہاتھ کاٹا تو اُس کے دونوں ہاتھ ان دونوں کے قصاص میں کاٹے جائیں گے اسی طرح اگر ایک شخص کے دونوں ہاتھ کاٹے ہوں تو بھی اُس کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں گے اور اگر ایک شخص نے دو شخصوں کا دایاں ہاتھ کاٹا تو اُس کا دایاں ہاتھ ان دونوں کے قصاص میں کاٹا جائے گا اور دونوں کے واسطے ایک ہاتھ کی دیت کا ضامن ہوگا جو دونوں میں برابر مشترک ہوگی یہ ہمارے نزدیک ہے خواہ اُس نے دونوں کے ہاتھ ایک ہی ساتھ کاٹے ہوں یا آگے پیچھے کاٹے ہوں۔ اور اگر وقوع قصاص سے پہلے ایک نے اُس کو عفو کر دیا تو اُس کا ہاتھ باقی کے واسطے کاٹا جائے گا اور عفو کرنے والے کے واسطے کچھ نہ ہوگا اور اگر ایک مظلوم حاضر ہوا اور دوسرا غائب رہا تو اُس کا انتظار نہ کیا جائے گا اور حاضر کے واسطے قصاص دلایا جائے گا پھر جب دوسرا آئے تو اُس کو ارش ملے گا اور اگر دونوں جمع ہوئے اور دونوں کے واسطے قصاص اور دیت کا حکم دیا گیا اور دیت لے لی پھر دونوں میں سے ایک نے اس کو قصاص سے عفو کر دیا تو عفو جائز ہے اور دوسرے کو قصاص لینے کا اختیار نہ رہے گا بلکہ اُس کو فقط آدھی دیت ملے گی اور اگر دونوں نے دیت وصول نہ پائی تو یہاں تک کہ ایک نے اُس کو قصاص عفو کر دیا بعد از انکہ حکم قاضی ہو چکا ہے تو امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوسرے کو قصاص لینے کا اختیار ہوگا اور یہ قیاس ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک استحساناً دوسرا شخص قصاص نہیں لے سکتا ہے اور اگر دونوں نے مال دیت نہ لیا ہو اور اُس کا کفیل لے لیا ہو پھر ایک نے اُس کو عفو کیا تو بھی مسئلہ میں اختلاف ہے اور اگر دونوں نے مال دیت کے عوض رہن[1] لیا ہو تو یہ بمنزلہ وصول پانے کے ہے پھر ایک نے اس کے بعد اس کو عفو کیا تو استحساناً دوسرے کو قصاص لینے کا استحقاق نہ ہوگا یہ شرح مبسوط میں ہے۔ زید نے عمرو کا ہاتھ عمداً کاٹ ڈالا اور بکر کا بھی یہی ہاتھ عمداً کاٹ ڈالا پھر دونوں میں سے ایک نے زید کا ہاتھ کہنی پر سے کاٹ ڈالا تو زید کے ذمہ سے ایک ہاتھ ساقط ہو جائے گا اور اس پر ایک ہاتھ کی دیت واجب ہوگی جو عمرو و بکر کے درمیان برابر مشترک ہوگی پھر زید کو اختیار ہوگا چاہے اُس کا ہاتھ کاٹنے سے اُس کی ذراع سے قصاص لے اور چاہے اپنے ہاتھ کی دیت کی ضمان لے اور حکومت عدل ذراع میں ہوگی اور یہ دیت اُس کو دو سال میں ملے گی کہ دو تہائی سال اوّل میں اور ایک تہائی سال دوم میں لیکن اگر یہ مقدار دو تہائی دیت سے زائد ہو تو بقدر زیادتی کے تیسرے سال میں واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔

اگر زید نے عمرو کی انگلی کا اوپر کا پور جوڑ سے عمداً کاٹ ڈالا اور وہ اچھا ہو گیا اور ہنوز قصاص نہ لیا گیا تھا کہ اُس نے اُسی انگلی کا پور دوسرے جوڑ پر سے عمداً کاٹا تو عمرو کے واسطے قصاص میں زید کا اوپر کا پور جوڑ سے کاٹا جائے گا نیچے والا نہ کاٹا جائے گا اور نیچے والے کا ارش[2] اُس کو ملے گا اسی طرح اگر دوسرا اچھا ہو گیا پھر اُس نے تیسرا پور کاٹا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر دوسری دفعہ کاٹنے تک پہلا زخم

---

[1] قولہ رہن الخ کیونکہ رہن وثاقت کے واسطے ہوتا ہے اور وہ بمنزلہ وصول مال کے قرار دیا جاتا ہے ۱۲ [2] عوض قطع عضو ۱۲

اچھا نہ ہوا ہو تو زید پر پوری اُنگلی کا قصاص واجب ہوگا کہ ایک دفعہ اُس کی پوری اُنگلی جڑ سے کاٹ ڈالی جائے گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کی اُنگلی کا اوپر کا پور جوڑ پر سے کاٹ ڈالا اور وہ اچھا ہو گیا پھر کسی دوسرے سبب سے مر گیا اور ایک بیٹا خالد چھوڑا جس کا اوپر کا پور اسی اُنگلی کا کٹا ہوا ہے پھر زید نے آ کر خالد کا دوسرا پور جوڑ پر سے کاٹا تو زید پر عمرو کے واسطے پہلے اوپر کے پور کا قصاص واجب ہوگا پھر اُس کا بیٹا دوسرے جوڑ کا ارش لے لے گا یہ شرح زیادات عتابی میں ہے اور اگر جوڑ سے اوپر کا پور کاٹا اور اچھا ہو گیا اور قاطع سے قصاص لیا گیا پھر اُس نے دوبارہ دوسرے جوڑ سے کاٹا اور اچھا ہو گیا تو قصاص واجب ہوگا اور اگر آدھا پور کاٹا اور ٹکڑے کر کے کاٹا اور وہ اچھا ہو گیا پھر باقی جوڑ تک کاٹا اور اچھا ہو گیا تو اس میں سے کسی میں قصاص نہ ہوگا اور اگر درمیان میں زخم اچھا نہ ہو گیا ہو تو جوڑ سے قصاص واجب ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر عمداً ایک شخص کی انگلیاں کاٹیں پھر اچھا ہونے سے پہلے جوڑ سے اُس کی ہتھیلی کاٹی تو قاطع کی ہتھیلی جوڑ سے کاٹی جائے گی انگلیاں[1] نہ کاٹی جائے گے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر درمیان میں اُنگلیوں کا زخم اچھا ہو گیا ہو تو انگلیوں میں قصاص واجب ہوگا اور ہتھیلی کے حق میں حکومت عدل ہوگی یہ محیط میں ہے اور اگر جوڑ سے اوپر کا پور انگلی کا کاٹا اور اچھے ہونے سے پہلے دوبارہ دوسرے پور کا آدھا کاٹا تو قصاص واجب نہ ہوگا اور اگر اچھا ہو جانے کے بعد دوبارہ زخمی کیا تو پہلے زخم کا قصاص واجب ہوگا اور باقی ارش واجب ہوگا یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کی اُنگلی میں عمداً مارا اور ہتھیلی سے ساقط ہو گیا پس اگر جوڑ سے کاٹا اور جوڑ سے ساقط ہوا ہو تو اُس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر کوئی مفصل[2] پر سے نہ ہو تو قصاص نہ لیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں فقط سقوط کی طرف دیکھتا ہوں اصل جراحت کی طرف نہیں دیکھتا ہوں پس اگر سقوط جوڑ پر سے ہو تو قصاص لیا جائے گا ورنہ نہیں اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس میں قصاص نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر عمداً ایک شخص کی اُنگلی قطع کی پس ہتھیلی شل ہو گئی تو اُنگلی کا قصاص نہ ہوگا اور ہمارے اصحاب کے نزدیک ہاتھ کی دیت واجب ہوگی اسی طرح اگر اُنگلی کا جوڑ قطع کیا اور ہتھیلی شل ہو گئی تو جس قدر شل ہو گئی ہے اُس کی دیت واجب ہوگی اور بالاتفاق قصاص نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک انگلی قطع کی اور اُس کے پہلو کی اُنگلی شل ہو گئی ہے تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ ان میں سے کسی بات میں قصاص نہ ہوگا اور اُس پر دونوں اُنگلی کی دیت واجب ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ پہلی اُنگلی کا قصاص اور دوسری کا ارش واجب ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ نوادر بن سماعہ میں امام محمدؒ سے روایت کی ہے اور اگر ایک شخص کی انگلی کاٹی اور اُس کے پہلو کی دوسری اُنگلی گر گئی تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس میں سے کسی میں قصاص نہیں ہے لیکن دونوں انگلیوں کی دیت واجب ہوگی اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ پہلی انگلی کا قصاص اور دوسری کی دیت واجب ہوگی اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ دونوں کا قصاص واجب ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے اگر ایک شخص نے دوسرے کی انگلی عمداً کاٹ ڈالی پھر چھری دوسری انگلی پر اُگل پڑی تو بلا خلاف پہلی انگلی کا قصاص اور دوسری کی دیت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ منتقی میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر کلمہ کی انگلی کا جوڑ کاٹا اور ضرب سے بیچ کی انگلی ساقط ہو گئی تو بیچ کی انگلی اور جوڑ کلمہ کی انگلی کا کاٹا جائے گا اور اگر کلمہ کی باقی انگلی شل[3] ہو گئی اور بیچ کی انگلی گر گئی تو میں بیچ کی انگلی کا قصاص لوں گا اور کلمہ کی انگلی کا قصاص نہ لوں گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور زید سے اُس کا قصاص لیا گیا پھر عمرو زخم مذکور سے مر گیا تو زید اُس کے قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اگر زید اُس قصاص سے مر گیا تو اُس کی دیت عمرو کی مددگار برادری پر واجب ہوگی یہ

---

[1] یعنی ایک ہی مرتبہ ہتھیلی سے کاٹ دیا جائے گا جس میں داخل ہیں ۱۲ [2] مفصل ایک عضو کی دوسری عضو سے ملنے کی جگہ جس کو ہمارے عرف میں جوڑ کہتے ہیں ۱۲ [3] یعنی بیکار ہو گئی جیسے فالج وغیرہ سے عضو بیکار ہو جاتا ہے ۱۲

امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ عمرو پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ تبیین میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا پس اُس کو قتل کیا تو اُس سے دونوں کا مواخذہ کیا جائے گا خواہ دونوں جرم عمداً ہوں یا خطاءً ہوں یا ایک عمداً دوسرا خطاءً ہو خواہ اوّل زخم اچھا ہو جانے کے بعد دوسرا فعل ہوا ہو یا اچھا نہ ہوا ہو الا[1] اس صورت میں کہ دونوں خطا سے ہوں کہ اُن کے درمیان میں زخم سے صحت نہ ہوئی ہو تو ایک ہی دیت واجب ہوگی یہ کافی میں ہے۔

اگر ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ عمداً کاٹا پھر اچھا ہونے سے پہلے اُس کو قتل کیا تو امام المسلمین کو اختیار ہے چاہے یوں حکم دے کہ اُس کا ہاتھ کاٹ کر پھر اُس کو قتل کر دیا یوں حکم فرمائے کہ اُس کو قتل کرو اور یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ قتل کیا جائے گا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر ایک ہی شخص پر دو جنایتیں کیں پس اگر دونوں کی جنس واحد ہو مثلاً دونوں عمداً ہوں یا دونوں خطاءً ہوں اور مظلوم مر گیا تو ہم ان دونوں جنایتوں کو ایک ہی اعتبار کریں گے اور اگر دونوں جنایتوں میں بیچ میں صحت ہو گئی ہو یا دونوں مختلف ہوں مثلاً ایک عمداً ہو دوسری خطاءً ہو اور جنایت کرنے والا ایک ہو یا دو ہوں تو ہر ایک پر اُس کے ذاتی فعل کا حکم ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر ایک ظالم نے کسی شخص کا ہاتھ یا اُنگلی کاٹی پھر دوسرے ظالم نے اُس کا باقی ہاتھ کاٹا اور وہ مر گیا تو جان تلف کرنے کا قصاص دوسرے ظالم پر ہوگا اور اوّل پر نہ ہوگا اور اوّل کا ہاتھ یا اُنگلی کاٹی جائے گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور خصیے عمداً کاٹ ڈالنے میں قصاص واجب ہونا یا نہ ہونا کتب ظاہرہ میں نہیں پایا گیا یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر پورا حشفہ عمداً کاٹ ڈالا تو قصاص واجب ہوگا اور اگر تھوڑا کاٹا تو قصاص نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر تھوڑا ذکر کاٹ ڈالا تو قصاص نہیں ہے اور اگر پورا ذکر کاٹ ڈالا تو اصل میں مذکور ہے کہ اُس میں قصاص نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اس میں قصاص ہے کذا فی الظہیریہ مگر ظاہر الروایۃ کا حکم صحیح ہے یہ مضمرات میں ہے۔ اصل میں فرمایا کہ اگر مولود کا ذکر کاٹ☆ ڈالا پس اگر اُس کی صلاحیت ظاہر ہونے لگی تھی یعنی جنبش و استادگی کرتا تھا تو اُس پر واجب ہوگا اور اگر حشفہ سے کاٹا ہو اور اگر خطا سے کاٹا تو پوری دیت واجب ہوگی اور جنبش سے یہ مراد ہے کہ پیشاب کرنے کے واسطے جنبش ہوتی ہو یہ محیط میں ہے۔ اور اگر جنبش نہ ہو تو حکومت عدل ہوگی جیسے خصی اور عنین[2] کے آلہ میں ہوتی ہے کذا فی شرح الجامع الصغیر للصدر الشہید حسام الدینؒ۔

پانچواں باب ☆

واقعہ قتل میں گواہی اور اقرار قتل
اور مدعی یعنی ولی جنایت کے قتل کی طرف سے تصدیق و تکذیب کے بیان میں

اگر ایک شخص پر دو شخصوں نے عمداً قتل کی گواہی دی تو وہ قید کیا جائے گا یہاں تک کہ گواہوں کا حال دریافت کیا جائے اور اگر ایک شخص عادل نے گواہی دی تو بھی چند روز قید رکھا جائے گا پس اگر دوسرا گواہ لایا تو ثابت ہوگا اور نہ رہا کیا جائے گا اور اُس حکم میں قتل عمد و خطا و شبہ عمد سب برابر ہیں یہ شرح مبسوط میں ہے۔ زید نے عمرو پر دعویٰ کیا کہ اُس نے خطا سے میرے باپ کو قتل کر ڈالا ہے اور دعویٰ کیا کہ میرے گواہ شہر میں موجود ہیں اور درخواست کی کہ مدعا علیہ سے کفیل لیا جائے تا کہ میں اُس کے روبرو اپنے گواہ پیش

---

[1] قولہ الا المعنی یہ ہیں کہ مواخذہ دونوں کا بہرحال ہوگا لیکن دونوں کا علیحدہ علیحدہ حکم اس ایک صورت میں نہ ہوگا ۱۲ منہ

[2] عنین وہ مرد جو عورت پر قادر نہ ہو سکے جس کو ہندی میں نامرد بولتے ہیں ۱۲

☆ مسئلہ مذکورہ انتہائی نازک بلکہ کچھ حد تک پیچیدہ بھی ہے اس کے متعلق فتویٰ دینے سے قبل ماہر طبیب کی رائے از حد ضروری ہے۔ (حافظ)

کروں تو مدعا علیہ کو قاضی حکم فرمائے گا کہ تین روز کے واسطے کفیل دے اور اگر مدعی نے کہا کہ میرے گواہ غائب ہیں اور خواست کی کہ جب تک گواہ لاؤں تب تک مدعا علیہ سے کفیل لیا جائے تو قاضی اُس کے کفیل لینے کی درخواست قبول نہ فرمائے گا اور اگر عمداً قتل کرنے کا دعویٰ کیا اور کفیل لینے کی درخواست کی تو قاضی اس درخواست کو منظور نہ کرے گا نہ گواہ قائم کرنے سے پہلے اور نہ اُس کے بعد لیکن گواہ قائم کرنے سے پہلے مدعی اُس کے ساتھ ساتھ رہے گا اور گواہ قائم کرنے کے بعد قاضی زبرا اُس کو قید رکھے گا پھر جب گواہوں کی عدالت ثابت ہو جائے اور اُنہوں نے ایسے قتل کی گواہی دی جس سے قصاص واجب ہوتا ہے تو مدعی کی درخواست سے قاضی قصاص کا حکم فرمائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص قتل کیا گیا اور اُس کے دو پسر ایک حاضر اور دوسرا غائب ہے پس حاضر نے اُس کے مقتول ہونے کے گواہ قائم کئے تو قبول ہوں گے اور اقدام قصاص نہ ہو گا لیکن قاتل قید رکھا جائے گا پھر جب غائب آئے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کو دوبارہ گواہ پیش کرنے کی تکلیف دی جائے گی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ تکلیف دی جائے اور اگر قتل خطا ہو یا دونوں کے باپ کا کسی شخص پر قرضہ ہو تو ایسی صورت میں غائب بالاجماع دوبارہ گواہ پیش نہ کرے گا اور اس بات پر اجماع ہے کہ قاتل قید رکھا جائے گا اور اس پر بھی اجماع ہے کہ جب تک غائب نہ آ جائے تب تک قصاص کا حکم نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور وہ عمداً قتل کیا گیا اور ایک شریک غائب ہے تو اُس میں بھی یہی تفصیلی حکم ہے یہ کافی میں ہے۔ اور اگر سب وارث ہوئے اور انہوں نے دو شخصوں پر جن میں سے ایک حاضر اور دوسرا غائب ہے اپنے باپ کے خون کا دعویٰ کیا اور اُن دونوں پر قتل عمداً کے گواہ قائم کئے تو حاضر پر گواہوں کی سماعت ہو کر اُس پر قصاص کا حکم دیا جائے گا اور غائب کے حاضر ہونے سے پہلے وہ قتل کیا جائے گا اور غائب پر یہ گواہ قبول[1] نہ ہوں گے پھر اگر اُس نے حاضر ہو کر قتل سے انکار کیا تو وارثوں کو دوبارہ گواہ پیش کرنے کی ضرورت ہو گی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر دو گواہوں نے ایک شخص پر گواہی دی کہ اُس نے ایک شخص کو تلوار سے مارا اور وہ برابر چارپائی پر پڑا رہا یہاں تک کہ مر گیا تو اُس پر قصاص کا حکم ہو گا اور قاضی کو نہ چاہئے کہ قتل عمد میں نہ خطا میں کہ گواہوں سے یوں دریافت کرے کہ آیا اسی زخم سے مراد ہے یا نہیں لیکن اگر وہ لوگ یوں گواہی ادا کریں کہ وہ اسی زخم سے مرا ہے تو اُن کی شہادت باطل نہ ہو گی جائز ہو گی جب کہ گواہ عادل ہوں اور اگر دونوں نے یوں گواہی دی کہ اُس نے اُس کو تلوار سے مارا یہاں تک کہ وہ مر گیا اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو یہ قتل عمد ہو گا لیکن اگر قاضی دریافت کرے کہ آیا عمداً ایسا کیا ہے تو اوثق ہے۔ اسی طرح اگر یوں گواہی دی کہ اُس نے اُس کو نیزہ یا تیر کلان یا خرد سے مارا ہے تو بھی قتل عمد ہو گا یہ شرح مبسوط میں ہے۔

اگر دونوں گواہوں نے کہا کہ خطاءً تلوار سے اُس کو قتل کیا ہے تو دونوں کی گواہی قبول ہو گی اور قاتل کی مددگار برادری پر دیت کا حکم دیا جائے گا اور اگر دونوں نے کہا کہ ہم یہ نہیں جانتے ہیں کہ اُس کو خطا سے قتل کیا ہے یا عمداً قتل کیا ہے تو ایسی گواہی قبول ہو گی اور دیت کا حکم قاتل کے مال سے دیا جائے گا اور گواہی مقبول ہونے کا حکم استحساناً ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر ایک گواہ نے ایک شخص پر خطا سے قتل کرنے کی گواہی دی اور دوسرے نے یوں گواہی دی کہ قاتل نے ایسا اقرار کیا ہے تو یہ باطل ہے۔ اسی طرح اگر دونوں نے قتل کی گواہی دی مگر جگہ اور وقت میں اختلاف کیا تو گواہی مقبول نہ ہو گی یہ مبسوط میں ہے۔ امام خواہرزادہ نے شرح دیات الاصل میں فرمایا کہ اگر دونوں نے مکان میں اختلاف کیا پس اگر مکان مثل چھوٹی کوٹھری کے ہو پس ایک نے گواہی دی کہ میں نے قاتل کو اس جانب قتل کرتے دیکھا اور دوسرے نے دوسری جانب قتل کرتے ہوئے دیکھنے کی گواہی دی تو استحساناً گواہی قبول ہو گی یہ محیط میں ہے اور اگر مقتول کے بدن میں جس جگہ پر زخم آیا ہے اُس میں اختلاف کیا تو گواہی باطل ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر ایک

[1] یعنی یہی گواہ اس کے مجرم ثابت ہونے میں کافی نہیں ہیں جب تک اُس کے روبرو ان کو دوبارہ پیش نہ کرے ۱۲

نے تلوار سے قتل کرنے کی اور دوسرے نے پتھر سے قتل کرنے کی گواہی دی حتی کہ آلہ قتل مختلف ہو گیا تو گواہی مقبول نہ ہوگی اور اگر ایک نے تلوار سے قتل کرنے کی اور دوسرے نے چھری سے قتل کرنے کی یا ایک نے پتھر سے اور دوسرے نے لاٹھی سے قتل کرنے کی گواہی دی تو گواہی قبول نہ ہوگی اور اگر ایک نے کہا کہ مدعا علیہ نے اقرار کیا کہ میں نے عمداً اُس کو تلوار سے قتل کیا اور دوسرے نے کہا کہ مدعا علیہ نے اقرار کیا کہ میں نے عمداً اُس کو چھری سے قتل کیا اور مدعی نے کہا کہ مدعا علیہ نے یوں ہی اقرار کیا ہے جیسا گواہ بیان کرتے ہیں لیکن درواقع مدعا علیہ نے نیزہ مار کر قتل کیا ہے تو گواہی جائز ہے اور قاتل سے قصاص لیا جائے گا اور ابن سماعہ نے اپنی نوادر میں امام محمدؒ سے ذکر کیا کہ اگر دونوں میں سے ایک گواہ نے کہا کہ اُس نے تلوار سے یا لاٹھی سے قتل کیا ہے اور دوسرے نے کہا کہ قتل کیا ہے مگر مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز سے قتل کیا ہے تو ایسی گواہی قبول نہ ہوگی اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے گواہی دی کہ اُس نے قتل کیا ہے اور کہا کہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ کس چیز سے قتل کیا ہے تو قیاساً ایسی گواہی مقبول نہ ہوگی اور استحساناً مقبول ہوگی مگر قصاص کا حکم نہ دیا جائے گا بلکہ اُس کے مال سے دیت دلائی جائے گی یہ محیط میں ہے اور اگر دونوں گواہوں نے دو شخصوں پر یوں گواہی دی کہ ان دونوں نے قتل کیا ہے ایک نے تلوار سے اور دوسرے نے لاٹھی سے مگر گواہ یہ نہیں جانتے ہیں کہ کس نے تلوار سے اور کس نے لاٹھی سے قتل کیا ہے تو دونوں کی گواہی ناجائز ہوگی اسی طرح اگر دونوں نے ایک شخص پر ایک اُنگلی کاٹنے کی اور دوسرے پر اسی ہاتھ کی دوسری انگلی کاٹنے کی گواہی دی مگر ان کو یہ تمیز نہیں ہے کہ اُس انگلی کا کاٹنے والا کون ہے اور دوسری کا کون ہے تو بھی گواہی ناجائز ہے اسی طرح اگر دونوں نے خطا سے جنایت کرنے کی گواہی دی تو بھی یہی حکم ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے عمداً جوڑ پر سے اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے اور ایک گواہ نے گواہی دی کہ اس نے عمداً جوڑ پر سے اُس کا پاؤں کاٹ ڈالا ہے پھر بالاتفاق گواہی میں بیان کیا کہ مجروح اس زخم سے برابر چارپائی پر لگ گیا یہاں تک کہ مر گیا اور ولی اس سب کا مدعی ہے تو میں قاتل پر اُس کے مال سے نصف دیت کی ڈگری کروں گا اسی طرح اگر پاؤں کاٹنے پر دو گواہوں نے گواہی دی مگر دونوں گواہوں کی عدالت ثابت نہ ہوئی تو یہی حکم ہے اور اگر ہاتھ کے دونوں گواہوں اور پاؤں کے دونوں گواہوں میں سے ایک ایک گواہ کی عدالت ثابت ہوئی تو قاتل سے کچھ مواخذہ[1] نہ کیا جائے گا اور اگر دونوں فریق گواہان میں سے سب گواہوں کی عدالت ظاہر ہو گئی تو قاطع پر قصاص کا حکم دوں گا اور اگر ولی نے یہ درخواست کی کہ ہاتھ و پاؤں کا قصاص لے تو اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا یہ حاوی میں ہے۔ اور اگر اُس پر دو گواہوں نے یوں گواہی دی کہ اُس نے جوڑ پر سے عمداً اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر عمداً اُس کو قتل کیا تو وارث کو اختیار ہوگا کہ پہلے اُس سے ہاتھ کا قصاص لے پھر اُس کو قتل کرے اور اگر قاضی نے اُس کو حکم دے دیا کہ اس کو قتل کر دے ہاتھ کا قصاص نہ لے تو یہی بہتر ہے اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اُس کو ہاتھ کا قصاص لینے کی اجازت نہ دے گا بلکہ اُس کو قتل کر ڈالنے کا حکم دے گا اور اگر دونوں جنایتوں میں سے ایک خطا سے ہو اور دوسری عمداً ہو تو دونوں کے واسطے ماخوذ ہوگا پس اگر ہاتھ کاٹنا خطا سے ہو تو ہاتھ کا اُس پر قصاص واجب ہوگا اور جان تلف کرنے کی دیت اُس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی یہ شرح مبسوط میں ہے۔ اگر دونوں گواہوں نے ایک شخص پر خطا سے ایک آدمی کے قتل کرنے کی گواہی دی اور دیت کا حکم دیا گیا پھر جس کے مقتول ہو جانے کی گواہی دی ہے وہ زندہ نظر آیا تو مددگار برادری کو اختیار ہو جائے گا چاہے ولی سے تاوان لے یا گواہوں سے پھر گواہ اُس کو ولی سے واپس لیں گے اور اگر عمداً قتل کی گواہی دی ہو اور جس پر گواہی دی ہے وہ قتل کیا گیا پھر جس کے مقتول ہونے کی گواہی دی ہے وہ زندہ موجود ہوا تو وارثوں کو اختیار ہوگا چاہیں ولی سے دیت تاوان لیں یا گواہوں سے پس اگر گواہوں سے تاوان لی تو امام

---

[1] باز پرس و جرم قائم کرنا جس کو ہمارے عرف میں پکڑ دھکڑ بولتے ہیں ۱۲

اعظمؒ کے نزدیک ولی سے واپس نہیں لے سکتے ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک جیسے خطاء کی صورت میں ہے ویسے ہی واپس لیں گے یہ کافی میں ہے اور اگر خطا یا عمد کی صورت میں گواہوں نے اس طرح گواہی دی ہو کہ اس قاتل نے ایسا اقرار کیا ہے تو مقتول کے زندہ ہونے کی صورت میں گواہوں پر ضمان نہ ہوگی فقط ولی پر دونوں صورتوں میں ضمان ہوگی اسی طرح اگر دو گواہوں نے قتل خطا کی دو گواہوں کی گواہی پر گواہی دی اور قاضی نے مددگار برادری پر دیت کا حکم دیا اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو فروع[1] پر ضمان واجب نہ ہوگی لیکن ولی اُس دیت کو مددگار برادری پر جس سے لی ہے واپس کرے گا اور اگر گواہان اصول نے آ کر فروع کو گواہ کرنے سے انکار کیا تو ان کا انکار فروع کے حق میں صحیح نہ ہوگا حتی کہ اُن پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اصول پر بھی ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر اصول نے کہا کہ ہم نے ان فروع کو جھوٹ بات پر گواہ کیا تھا حالانکہ ہم اُس وقت جانتے تھے کہ ہم جھوٹے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں ضامن نہ ہوں گے اور امام محمدؒ کے نزدیک مددگار برادری کو اختیار ہوگا چاہے گواہان اصول سے تاوان لے یا ولی سے ضمان لے پس اگر اصول سے تاوان لیا تو وہ ولی سے واپس لیں گے اور اگر ولی سے تاوان لیا تو کسی سے واپس نہیں لے سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔ زید نے عمرو پر دعویٰ کیا کہ اُس نے میرے مورث کو موضحہ زخم پہنچایا اور وہ اس زخم سے مر گیا ہے پس دو گواہوں نے موضحہ زخم کی اور اُس سے اچھے ہو جانے کی گواہی دی تو مقبول ہوگی اور موضحہ کے قصاص کا حکم دیا جائے گا اسی طرح اگر ایک گواہ نے موضحہ زخم کی سرایت[(1)] کی اور دوسرے نے صحت کی گواہی دی تو بھی موضحہ زخم پر گواہی مقبول ہوگی کیونکہ دونوں اس بات پر متفق ہیں حتی کہ اگر مدعی نے صحت کا دعویٰ کیا تو جس نے سرایت کی گواہی دی ہے اُس کی گواہی باطل ہوگی یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔

وارثان نے علیحدہ علیحدہ اشخاص پر قتل کی بابت الزام دھرا تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

اگر زخم سر بہ نسبت موضحہ کے کم ہو تو بدون سرایت پائی جانے کے مددگار برادری اُس کے ارش کی متحمل نہ ہوگی جیسے سحاق وغیر ہوتا ہے پس اگر ولی نے دعویٰ کیا کہ وہ اس زخم سے مر گیا ہے اور میرے واسطے مددگار برادری پر دیت واجب ہوئی اور دو گواہ لایا جس میں سے ایک نے ویسی ہی گواہی دی جیسا مدعی دعویٰ کرتا ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ وہ اس سے اچھا ہو گیا ہے تو زخم سر ثابت ہونے کے واسطے گواہی مقبول ہوگی اور جنایت کنندہ کے مال سے ارش دینے کا حکم دیا جائے گا اسی طرح اگر میت کسی شخص کا غلام ہو اور اُس کے مولیٰ نے دعویٰ کیا کہ جنایت کنندہ نے اُس کے سر میں عمداً زخم لگایا اور وہ اس زخم سے مر گیا ہے اور میرا اُس پر قصاص واجب ہوا ہے اور دو گواہ لایا جس میں سے ایک نے ایسی گواہی دی جیسا مدعی دعویٰ کرتا ہے اور اگر دوسرے نے گواہی دی کہ وہ اس زخم سے اچھا ہو گیا ہے تو قاضی اُس زخم سر کے ارش کو جنایت کرنے والے کے مال سے ادا کرنے کا حکم دے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص قتل کیا گیا اور اُس نے دو بیٹے چھوڑے پس ایک بیٹے نے ایک شخص پر گواہ قائم کئے کہ اس نے میرے باپ کو عمداً قتل کیا ہے اور دوسرے نے اُس شخص پر اور ایک دوسرے شخص پر گواہ پیش کئے کہ ہمارے باپ کو ان دونوں نے عمداً قتل کیا ہے تو قصاص نہ ہوگا اور پہلے مدعی نے جس پر گواہ قائم کئے ہیں اس سے نصف دیت پائے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ امام محمدؒ نے زیادات میں فرمایا کہ ایک شخص مر گیا اور اُس نے دو بیٹے چھوڑے جس میں سے ایک نے زید پر یہ گواہ قائم کئے کہ اُس نے میرے باپ کو عمداً قتل کیا ہے اور دوسرے بیٹے نے عمرو پر گواہ قائم کئے کہ اس نے میرے باپ کو خطا سے قتل کیا ہے تو دونوں میں سے کسی پر قصاص کا حکم نہ ہوگا اور قتل عمد کے مدعی کے واسطے جس پر اُس نے گواہ قائم کئے ہیں اس مدعا علیہ کے مال سے آدھی دیت تین سال میں ادا کرنے کا حکم ہوگا اور جو شخص قتل خطا کا مدعی ہے اُس کے واسطے اُس کے مدعا علیہ کی مددگار برادری پر آدھی دیت تین سال میں ادا کرنے کا حکم ہوگا یہ محیط میں

[1] فروع وہ گواہ کہلاتے ہیں جو اصلی گواہوں کی گواہی پر گواہ ہوں جیسے اصول اصلی گواہ کہلاتے ہیں (۱) یعنی ایسا پھیلا کہ مجروح مر گیا ۱۲

ہے۔ اگر ایک شخص مرا اور اُس نے دو بیٹے اور ایک موصی لہ چھوڑا پھر ایک بیٹے نے دعویٰ کیا کہ زید نے میرے باپ کو عمداً قتل کیا ہے اور اُس پر گواہ قائم ئے اور دوسرے نے اُسی زید پر یا دوسرے شخص پر دعویٰ کیا کہ اُس نے خطا سے میرے باپ کو قتل کیا ہے اور اُس پر گواہ قائم کیے پس اگر موصی لہ نے مدعی خطا کی تصدیق کی تو مدعی خطا اور موصی لہ کے نام دو تہائی دیت کا قاتل کی مددگار برادری پر تین سال میں ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا اور قتل عمد کے مدعی کے نام مال قاتل سے تہائی دیت تین سال میں ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر موصی لہ نے مدعی عمد کی تصدیق کی ہو تو مدعی خطا کے نام قاتل کی مددگار برادری پر تہائی دیت تین سال میں ادا کرنے کا حکم ہوگا اور نصف کی تہائی موصی لہ کے نام اور نصف کی دو تہائی دیت کا مدعی عمد ے نام مال قاتل سے ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر موصی لہ نے ان دونوں کی تکذیب کی تو اُس کو کچھ نہ ملے گا اسی طرح اگر دونوں کی تصدیق کی تو بھی یہی حکم ہوگا اور اگر اُس نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم ہے کہ عمداً قتل کیا گیا ہے یا خطا سے تو اُس کا حق باطل نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر اُس نے کسی ایک معین کی تصدیق کی تو اُس کے نام بھی ڈگری ہوگی جس طرح کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور اگر سوائے موصی لہ کے تیسرا بیٹا ہو تو جو کچھ حکم ہم نے ذکر کیا ہے سب صورتوں میں وہی حکم ہوگا سوائے ایک صورت کے وہ یہ ہے کہ تیسرے بیٹے نے اگر مدعی عمد کے قول کی تصدیق کی تو دونوں کے نام دو تہائی دیت کا حکم ہوگا اور موصی لہ کی صورت میں دونوں کے نام نصف دیت کا حکم دیا گیا تھا پھر جس صورت میں ایک کے واسطے مددگار برادری پر اور دوسرے کے واسطے مال قاتل سے ادا کرنے کا حکم ہوا ہے اگر ایک کا حق وصول ہو جائے اور دوسرے کا ڈوب جائے تو جس کا ڈوب گیا ہے اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جس کا حق وصول ہوا ہے اُس میں شریک ہو جائے یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔ ایک شخص مر گیا ہے اُس کے دو بیٹے ہیں ان میں سے بڑے نے چھوٹے پر گواہ قائم کیے کہ اس نے باپ کو قتل کیا ہے اور چھوٹے نے ایک اجنبی پر گواہ قائم کیے کہ اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے تو بڑے کے نام چھوٹے پر نصف دیت کی اور چھوٹے کے نام اجنبی پر نصف دیت کی ڈگری ہو گی اور امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر قتل خطا دعویٰ ہو تو بڑے کے واسطے چھوٹے پر دیت کا اور اگر عمداً قتل کا دعویٰ ہو تو بڑے کے واسطے چھوٹے پر قصاص کا حکم ہوگا اور اگر ہر ایک بیٹے نے دوسرے پر گواہ قائم کیے تو ہر ایک کے واسطے دوسرے پر نصف دیت کی ڈگری ہوگی اور دونوں مسئلوں میں مقتول کی میراث دونوں بیٹوں کو ملے گی یہ کافی میں ہے۔

اگر تین بیٹے ہوں اور فرض کرو کہ ان تینوں کے نام عبداللہ و زید اور عمرو ہیں پس عبداللہ نے زید پر گواہ قائم کیے کہ اس نے باپ کو قتل کیا ہے اور زید نے عمرو پر گواہ قائم کیے کہ اس نے باپ کو قتل کیا ہے اور عمرو نے عبداللہ پر گواہ قائم کیے کہ اس نے باپ کو قتل کیا تو سب کے گواہ بالاجماع قبول ہوں گے اور بالاجماع کسی پر قصاص واجب نہ ہوگا پھر امام اعظمؒ کے نزدیک ہر ایک کے واسطے مدعا علیہ پر اس کے مال سے تہائی دیت کا حکم ہوگا اگر قتل عمد ہو اور اگر قتل خطا ہو تو اُس کی مددگار برادری پر تہائی دیت کا حکم ہوگا اور میت کی میراث سب تین تہائی تقسیم ہوگی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ہر ایک کے واسطے اس کے مدعا علیہ پر نصف دیت کا حکم ہوگا اور میت کی میراث صاحبینؒ کے قول پر بھی ان سب میں تین تہائی تقسیم ہوگی اور اگر عبداللہ نے زید و عمرو دونوں پر گواہ قائم کیے کہ ان دونوں نے باپ کو عمداً یا خطاءً قتل کیا ہے اور زید و عمرو نے عبداللہ پر گواہ قائم کیے کہ اس نے باپ کو عمداً یا خطاءً قتل کیا ہے تو صاحبینؒ کے نزدیک دونوں فریق کی گواہیاں ساقط کر دی جائیں گی اور ان سب میں وراثت تین تہائی رہ جائے گی اور بناء بر قول امام اعظمؒ کے عبداللہ کے واسطے زید و عمرو پر درصورت قتل عمد کے ان دونوں کے مال سے نصف دیت کی اور درصورت دعویٰ خطا کے دونوں کی مددگار برادری پر نصف دیت کی ڈگری ہوگی اور زید و عمرو کے واسطے عبداللہ پر درصورت قتل عمد کے اُس کے مال سے نصف دیت کی اور در صورت قتل خطا کے اُس کی مددگار برادری پر نصف دیت کی ڈگری ہوگی اور جس قدر میراث ہے وہ نصف عبداللہ کو اور نصف زید و عمرو کو

ملے گی۔ اور اگر عمرو نے زید پر گواہ قائم کئے کہ اس نے باپ کو قتل کیا ہے اور زید نے عمرو پر گواہ قائم کئے کہ اس نے باپ کو قتل کیا ہے اور ان دونوں میں سے کسی نے عبداللہ پر کچھ گواہ پیش نہ کئے تو عبداللہ سے کہا جائے گا کہ تو اس مقدمہ میں کیا کہتا ہے پس اس مسئلہ میں تین صورتیں ہیں یا تو عبداللہ ان دونوں میں سے کسی خاص پر قتل کا دعویٰ کرے گا یا دونوں میں کسی پر دعویٰ نہ کرے گا یا دونوں پر دعویٰ کرے گا کہ ان دونوں نے باپ کو قتل کیا ہے پس اگر خاص ایک پر قتل کا دعویٰ کیا اور فرض کرو کہ عمرو پر دعویٰ کیا تو امام اعظمؒ کے قول پر عمرو پر تین چوتھائی دیت کی ڈگری ہو گی اور یہ مال زید و عبداللہ کے درمیان نصفا نصف ہو گا پس اگر قتل عمد ہو تو عمرو کے مال سے اور اگر خطاء ہو تو اُس کی مددگار برادری سے دی جائے گی اور عمرو کے واسطے زید پر چوتھائی دیت کی ڈگری ہو گی پس اگر قتل عمد ہو تو زید کے مال سے اور اگر خطاء ہو تو اُس کی مددگار برادری سے دلائی جائے گی۔ اور میراث میں سے نصف عبداللہ کو اور نصف زید و عمرو کو ملے گی۔ پھر جو زید کے واسطے واجب ہوا ہے وہ اس مال میں جو عبداللہ کے واسطے واجب ہوا ہے ملایا جائے گا اور دونوں میں تقسیم کیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے قول پر عبداللہ کے واسطے عمرو پر قصاص کا حکم ہو گا اگر قتل عمد ہو اور اگر خطا سے ہو تو اُس کی مددگار برادری پر دیت کا حکم ہو گا اور یہ مال زید و عبداللہ کے درمیان مساوی تقسیم ہو گا اور میراث ان دونوں کے درمیان مساوی تقسیم ہو گی اور اگر عبداللہ نے ان دونوں میں سے کسی پر قتل کا دعویٰ نہ کیا مثلاً کہا کہ ان دونوں میں سے کسی نے قتل نہیں کیا ہے تو بنا بر قول امام اعظمؒ کے زید کے واسطے عمرو پر چوتھائی دیت کا اور عمرو کے واسطے زید پر چوتھائی دیت کا حکم دیا جائے گا پس اگر قتل عمد ہو تو ہر ایک کے مال سے ہو گا اور اگر قتل خطا ہو تو ہر ایک کی مددگار برادری پر ہو گا اور دیت میں سے عبداللہ کو کچھ نہ ملے گا اور میراث ان سب میں تین تہائی ہو گی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ایسی صورت میں کچھ نہ پایا جائے گا نہ دیت کا اور نہ قصاص کا اور میراث ان سب میں تین تہائی ہو گی اور اگر عبداللہ نے ان دونوں پر قتل کا دعویٰ کیا کہ تم دونوں نے باپ کو قتل کیا ہے تو بنا بر قول امام اعظمؒ کے عبداللہ کے واسطے کچھ دیت کا حکم نہ ہو گا اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے واسطے دوسرے پر چوتھائی دیت کا حکم ہو گا اور میراث میں سے نصف عبداللہ کو اور نصف زید و عمرو کو ملے گی اور صاحبینؒ کے قول پر زید و عمرو کی گواہیاں ساقط کر دی جائیں گی اور عبداللہ کے گواہ نہیں ہیں پس اُس کے نام کچھ حکم دیت کا نہ ہو گا اور میراث ان سب میں تین تہائی ہو گی یہ محیط میں ہے۔

اگر بیٹا و بھائی چھوڑا اور ہر ایک نے دوسرے پر دعویٰ کیا تو بھائی کے گواہ لغو ہوں گے اور اُس پر ڈگری کی جائے گی اور اگر یہاں دو بیٹے ہوں اور ہر ایک نے دوسرے پر گواہ قائم کئے اور بھائی نے کسی ایک کی تصدیق کی تو اُس پر التفات نہ کیا جائے گا یہ کافی میں ہے۔ اور اگر ہر ایک بیٹے کے دوسرے پر قاتل ہونے کے گواہ قائم کرنے کے بعد بھائی نے گواہ دیئے کہ ان دونوں نے قتل کیا ہے تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک بھائی کے گواہ قبول ہوں گے اور میراث اسی کو ملے گی پس اگر قتل عمد ہو تو دونوں بیٹے قتل کئے جائیں گے اور اگر قتل خطا ہو تو اُن کی مددگار برادری پر دیت[1] واجب ہو گی اور اس مسئلہ میں امام اعظمؒ کا قول ذکر نہیں کیا اور ان کے قول کے بنا پر چاہئے کہ بھائی کے گواہ قبول ہوں اور میراث دونوں بیٹوں میں مشترک ہو اور ہر ایک کے واسطے دوسرے پر نصف دیت واجب ہو اور اگر اُس نے تین بیٹے چھوڑے جس میں سے دو بیٹوں نے تیسرے پر گواہ قائم کئے کہ اس نے باپ کو قتل کیا ہے اور تیسرے نے کسی اجنبی پر گواہ قائم کئے کہ اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک تو دونوں بیٹوں کے گواہ قبول ہو کر تیسرے بیٹے پر قصاص کا حکم ہو گا اگر قتل عمد ہو اور اگر قتل خطا ہو تو اُس کی مددگار برادری پر دیت کا حکم ہو گا اور تیسرے بیٹے کو میراث میں سے کچھ نہ ملے گا اور تمام میراث دونوں بیٹوں میں جو مدعی تھے تقسیم ہو گی اور امام اعظمؒ کے نزدیک دونوں بیٹوں کے

---

[1] مترجم کے نزدیک غالباً لفظ دیت کا اس مقام پر کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے اور ترکہ کا لفظ اولیٰ ظاہر ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲

گواہوں کو تیسرے بیٹے کے گواہوں پر ترجیح نہ ہوگی پس دونوں کے واسطے تیسرے پر دو تہائی دیت کا حکم ہوگا پس اگر قتل عمد ہو تو اُس کے مال اور اگر قتل خطا ہو تو اُس کی مددگار برادری سے وصول کی جائے گی اور تیسرے کے واسطے اجنبی پر تہائی دیت کا حکم ہوگا اور میراث ان تینوں میں تین تہائی ہوگی اگر ایک شخص قتل کیا گیا اور اُس نے تین بیٹے چھوڑے پس بڑے بیٹے نے درمیانی پر گواہ قائم کئے کہ اس نے باپ کو قتل کیا ہے اور درمیانی نے چھوٹے پر گواہ قائم کئے کہ اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے اور چھوٹے نے ایک اجنبی پر گواہ قائم کئے کہ اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک ہر ایک مدعی کے واسطے اُس کے مدعا علیہ پر تہائی دیت کا حکم ہوگا اور میراث ان سب میں تین تہائی ہوگی اور بنا برقول صاحبینؒ کے بڑے بیٹے کے واسطے درمیانی پر نصف دیت کا اور درمیانی کے واسطے چھوٹے پر نصف دیت کا حکم ہوگا اور چھوٹے کے واسطے اجنبی پر کچھ حکم نہ ہوگا اور میراث برے اور درمیانی کے واسطے نصفا نصف ہوگی اور چھوٹے کو محروم کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر دو شخصوں میں سے ہر ایک نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے اور ولی مقتول دعویٰ کرتا ہے کہ تم دونوں نے اُس کو قتل کیا ہے تو اُس کو اختیار ہوگا کہ دونوں کو قصاص میں قتل کرے اور اگر گواہوں نے گواہی دی کہ اُس نے مقتول کو قتل کیا ہے اور دوسرے گواہوں نے ایک شخص دیگر پر مقتول کے قتل کرنے کی گواہی دی اور ولی نے دعویٰ کیا کہ تم سب نے اُس کو قتل کیا ہے تو یہ سب باطل ہو گیا یہ ہدایہ میں ہے۔

اگر دو اشخاص اقراری ہوں کہ ہم نے تیرے ولی کو جان بوجھ کر مار ڈالا ☆

نوادر بشر میں امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تیرے ولی کو عمداً قتل کیا ہے پس اُس نے تصدیق کر کے اُس کو قتل کیا پھر دوسرا شخص آیا اور اُس نے کہا کہ میں نے اس کو عمداً قتل کیا ہے تو ولی کو اختیار ہے کہ اس کو بھی قصاصاً قتل کرے اور اگر ایسا ہو کہ اول کے اقرار کے وقت ولی نے کہا ہو کہ تو نے تنہا اس کو قتل کیا ہے پھر اس کو قصاص میں مار ڈالا پھر دوسرا شخص آیا اور اُس نے کہا بلکہ میں نے اُس کو تنہا قتل کیا ہے تو اس پر[1] اس شخص کی جس کو اس نے قتل کیا ہے دیت واجب ہوگی اور دوسرے پر اُس کی[2] دیت واجب ہوئی یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے زید کو خطا سے قتل کرنے کا اقرار کیا اور زید کے ولی نے عمداً قتل کا دعویٰ کیا تو ولی کو استحساناً قاتل کے مال سے دیت دلائی جائے گی یہ مبسوط میں ہے اور اگر قاتل نے قتل عمد کا اقرار کیا اور ولی مقتول نے خطا سے قتل کرنے کا دعویٰ کیا تو وارثان مقتول کو کچھ نہ ملے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ پھر اسکے بعد اگر ولی نے قاتل کی تصدیق کی اور کہا کہ تو نے اس کو عمداً قتل کیا ہے تو قاتل پر اُس کی دیت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے ایک شخص نے دو آدمیوں پر دعویٰ کیا کہ ان دونوں نے میرے مورث کو عمداً دھار دار آلہ سے قتل کیا ہے پھر ایک نے اس کے عمداً قتل کر ڈالنے کا اقرار کیا اور دوسرے پر دو گواہوں نے تنہا عمداً قتل کرنے کی گواہی دی تو گواہی قبول نہ ہوگی اور ولی کو اختیار رہے گا کہ مقر[3] کو قصاصاً قتل کرے اور اگر قتل خطا ہو تو مقر پر نصف دیت واجب ہوگی اور جس پر گواہوں نے گواہی دی ہے اُس پر کچھ نہ ہوگا یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔ اگر دو مدعا علیہ میں سے ایک نے اقرار کیا کہ میں نے اُس کو تنہا عمداً قتل کیا ہے اور دوسرے نے قتل سے انکار کیا اور مدعی کے پاس گواہ نہیں ہیں تو مدعی کو مقر کے قتل کا اختیار ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر دو شخصوں پر قتل عمد کا دعویٰ کیا اور ایک عمداً قتل کرنے کا اور دوسرے نے خطا سے قتل کرنے کا اقرار کیا تو دونوں پر دیت واجب ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے امام محمدؒ نے زیادات میں فرمایا کہ ایک شخص نے دو شخصوں پر دعویٰ کیا کہ ان دونوں نے میرے ولی کو عمداً قتل کیا ہے اور میرا ان دونوں پر قصاص چاہئے ہے پس دونوں میں سے ایک نے کہا کہ تو

[1] یعنی اس اقرار کنندہ پر جس نے آ کر بیان کیا کہ میں نے تنہا قتل کیا ہے ۱۲ [2] جس کو اس دوسرے نے قصاص میں مارا ہے ۱۲
[3] یعنی شخص اقرار کنندہ ۱۲

نے بیچ دعویٰ کیا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میں نے اُس کو خطاءً لاٹھی سے مارا ہے تو ولی مقتول کے واسطے دونوں پر دونوں کے مال سے تین سال میں دیت کا حکم ہوگا اور یہ جواس مقام پر مذکور ہے یہ استحسان ہے۔ اور اگر اس صورت میں ولی نے خطا کا دعویٰ کیا اور مدعا علیہ نے قتل عمد کا اقرار کیا تو کچھ دیت وغیرہ کا حکم نہ دیا جائے گا اور اگر ولی نے اس صورت میں قتل خطا کا دعویٰ کیا اور مدعا علیہ نے اُس کے دعویٰ کے موافق قتل خطا کا اقرار کیا تو دیت واجب ہوگی اور اگر ولی نے دونوں پر اس صورت میں خطا سے قتل کرنے کا دعویٰ کیا اور ایک مدعا علیہ نے قتل عمد کا اور دوسرے نے قتل خطا کا اقرار کیا تو یہ صورت اور جس صورت میں دونوں نے قتل خطا کا اقرار کیا ہے دونوں یکساں ہیں یہ محیط میں ہے۔ اور اگر دونوں پر قتل عمد کا دعویٰ کیا پس ایک نے کہا کہ ہم نے اُس کو عمداً قتل کیا ہی اور دوسرے نے بالکل قتل کرنے سے انکار کیا تو اقرار کرنے والا قصاصاً قتل کیا جائے گا اور اگر اس صورت میں مدعی قتل خطا کا دعویٰ کرتا ہو تو کچھ واجب نہ ہوگا یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے اور فلاں شخص نے تیرے ولی کو عمداً قتل کیا ہے اور فلاں شخص نے کہا کہ ہم نے اُس کو خطا سے قتل کیا ہے اور ولی مقر قتل عمد سے کہا کہ تو نے اُس کو تنہا عمداً قتل کیا ہے تو ولی کو اختیار ہوگا کہ مقر کو قصاصاً قتل کرے اور اگر ولی نے اس صورت میں خطا سے قتل کا دعویٰ کیا ہو تو کچھ واجب نہ ہوگا یہ محیط میں ہے

اگر دونوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے عمداً اُس کا ہاتھ کاٹا اور فلاں شخص نے عمداً اس کا پاؤں کاٹا پس اس صدمہ سے وہ مرگیا اور ولی نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے ہی عمداً اُس کا ہاتھ و پاؤں کاٹا ہے اور دوسرے نے شرکت سے اِنکار کیا تو مقر کو ولی قتل کرسکتا ہے اور اگر ولی نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے عمداً اُس کا ہاتھ کاٹا ہے اور میں نہیں جانتا ہوں کہ اُس کا پاؤں کس نے کاٹا ہے تو مقر قتل نہ کیا جائے گا لیکن اگر ابہام زائل ہو جائے مثلاً اُس نے کہا کہ مجھے یاد آ گیا کہ فلاں شخص نے عمداً اُس کا پاؤں کاٹا ہے تو اس کو مقر کے قتل کردینے کا اختیار ہوگا اور یہ عذر رہوگا حتی کہ اگر مبہم کردینے کے وقت قاضی اس کے حق باطل ہونے کا حکم دے دیا پھر اس نے یاد کر کے بیان کیا تو اس کا حق عود نہ کرے گا یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔

اگر ایک شخص مقتول کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں اُس کے وارث نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص نے اِس کا دایاں ہاتھ عمداً کاٹا ہے اور فلاں شخص نے اِس کا بایاں ہاتھ عمداً کاٹا ہے اور دونوں کے زخم سے وہ مرگیا ہے پس جس پر بائیں ہاتھ کاٹنے کا دعویٰ ہے اُس نے کہا کہ میں نے عمداً اُس کا بایاں ہاتھ کاٹا ہے اور وہ اسی زخم سے خاصۃً مرگیا ہے اور دوسرے نے اُس کے قطع کرنے سے انکار کیا تو مدعی کو مقر کے قتل کرڈالنے کا اختیار ہوگا۔ اور اگر ولی نے کہا کہ فلاں شخص نے اُس کا بایاں ہاتھ عمداً کاٹا ہے اور مجھے دریافت نہیں ہے کہ اُس کا دایاں ہاتھ کس نے کاٹا ہے لیکن یہ جانتا ہوں کہ وہ بھی عمداً کاٹا گیا ہے اور مقتول ان دونوں زخموں سے مرگیا ہے اور جس مدعا علیہ پر بائیں ہاتھ کاٹنے کا دعویٰ ہے اُس نے کہا کہ میں نے اُس کا بایاں ہاتھ عمداً کاٹا ہے اور وہ اسی زخم سے خاصۃً مرگیا تو مقر پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر ولی نے کہا کہ فلاں شخص نے اس کا بایاں ہاتھ عمداً اور فلاں شخص نے دایاں ہاتھ عمداً کاٹ ڈالا ہے اور جس پر بائیں ہاتھ کاٹنے کا دعویٰ ہے اُس نے کہا کہ میں نے عمداً اُس کے بائیں ہاتھ کو کاٹا ہے اور میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ دایاں ہاتھ کس نے کاٹا ہے لیکن یہ جانتا ہوں کہ دایاں بھی عمداً کاٹا گیا ہے اور وہ اسی سے مرگیا ہے تو مقر پر قصاص نہ ہوگا اور استحساناً اُس پر نصف دیت واجب ہوگی اور قیاساً اُس پر کچھ دیت بھی لازم نہ ہونی چاہیے یہ محیط میں ہے۔

چھٹا باب ☆

صلح وعفواس میں ادائے شہادت کے بیان میں

باپ کو اختیار ہے کہ اپنے بیٹے کی جان تلف ہونے سے کم جنایت میں صلح کرے اور جان تلف ہونے سے صلح کرنے میں روایات مختلف ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر قاتل و اولیاء مقتول نے کسی قدر مال پر باہم صلح کر لی تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور مال واجب ہوگا خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو اور اگر انہوں نے میعاد سے ادا کرنے یا فی الحال ادا کرنے کا کچھ ذکر نہ کیا تو وہ مال فی الحال واجب الادا ہوگا یہ ہدایہ میں ہے اور اگر قتل خطا ہو اور کہا کہ میں نے تجھ سے ہزار دینار یا دس ہزار درم پر صلح کی اور اُس کے ادا کے واسطے کوئی میعاد مقرر نہ کی پس اگر ایسی صلح قبل حکم قاضی کے اور قبل اس کے کہ دونوں باہم کسی نوع دیت پر راضی ہوں واقع ہوئی ہو تو یہ مال موجل یعنی میعادی ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر قاتل ایک آزاد اور ایک غلام ہو اور آزاد نے اور غلام کے مولیٰ نے ایک شخص کو وکیل کیا کہ ان دونوں پر جو خون ہے اُس سے ہزار درم پر صلح کر لے اور اُس نے ایسا ہی کیا تو یہ ہزار درم مولائے غلام و آزاد پر نصفا نصف ہوں گے یہ ہدایہ میں ہے۔ پھر واضح ہو کہ قتل خطا کی صورت میں جب صلح واقع ہوئی پس اگر کسی نوع دیت کا حکم ہونے یا کسی نوع دیت پر دونوں کی باہمی رضامندی ہونے کے بعد صلح ہوئی پس اگر اُسی نوع دیت پر صلح ہوئی جس کا قاضی نے حکم دیا یا جس پر دونوں باہم راضی ہو چکے یا صلح مقدار دیت سے زائد پر واقع ہوئی تو جائز نہیں ہے۔ اور جس قدر قاضی نے حکم دیا ہے اُس سے کم مقدار پر صلح واقع ہوئی تو جائز ہے خواہ نقد ہو یا اُدھار ہو اور جس نوع کا حکم قاضی نے دیا ہے اگر اُس کے خلاف جنس پر صلح واقع ہوئی حالانکہ جس قدر کا حکم قاضی نے دیا ہے اُس سے زیادہ پر صلح ٹھہرائی تو جائز ہے لیکن اگر قاضی نے دراہم کا حکم دیا ہو اور باہم دیناروں پر صلح کر لی تو صلح جبھی جائز ہوگی جب ہاتھوں ہاتھ نقد ہو اور اگر گھوڑے یا گدھے یا غلام پر صلح کر لی پس اگر وہ غیر معین ہو تو نہیں جائز ہے اور اگر معین ہو تو جائز ہے اگر چہ مجلس صلح میں اُس پر قبضہ نہ ہو اور جس قدر کا حکم ہوا ہے اگر اُس سے کم پر صلح کی پس اگر حکم قضاء مال صلح میں کوئی درم و کوئی دینار ہو تو جب تک نقد ہاتھوں ہاتھ نہ دے تب تک صلح جائز نہ ہوگی اور اگر وہ مال جس کا حکم ہوا ہے وہ دراہم ہوں اور جس پر صلح ٹھہری ہے وہ عروض ہو پس اگر اُدھار ہو تو نہیں جائز ہے اور اگر معین ہو تو جائز ہے خواہ اُسی مجلس میں قبضہ ہو جائے یا نہ ہو یہ سب جو ہم نے ذکر کیا ہے اُس وقت ہے کہ جب دونوں نے بعد حکم قاضی و باہمی رضامندی کے صلح کی ہو اور اگر حکم قضا و باہمی رضا سے پہلے دونوں نے صلح ٹھہرائی پس اگر ایسے مال پر صلح ٹھہرائی جو دیت میں مفروض کیا گیا ہے پس اگر وہ مال مقدار دیت سے زائد ہو تو صلح جائز نہیں[1] ہے اگر چہ ہاتھوں ہاتھ دیا جائے اور اگر دس ہزار درم یا ہزار دینا یا سو اونٹ سے کم پر صلح واقع ہوئی تو یہ جائز ہے خواہ نقد ہو یا اُدھار ہو۔ اور اگر کسی دوسری جنس پر جو دیت میں مفروض نہیں ہے صلح واقع ہوئی پس اگر غیر معین اُدھار ہو تو نہیں جائز ہے اور اگر معین ہو تو جائز ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص عمداً قتل کیا گیا اور اُس کے دو ولی ہیں۔ پس دونوں میں سے ایک نے قاتل سے پچاس ہزار درم پر پورے خون سے صلح کی تو بقدر اُس کے حصہ کے پچاس ہزار درم پر صلح جائز ہوگی اور دوسرے کو نصف دیت ملے گی تو پانچ ہزار درم ملیں گے اور امام اعظمؒ سے روایت ہے کہ دیت سے زیادہ مال پر صلح کرنا باطل ہے اور ہر ایک کے واسطے نصف دیت کے پانچ ہزار درم واجب ہوں گے۔ مگر مشہور روایت وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور وارثان مقتول میں سے مرد یا عورت یا ماں یا دادی یا نانی وغیرہ یا ان کے سوائے عورتوں میں سے جس نے قصاص معاف کر دیا یا مقتول عورت ہے اور اُس کے شوہر نے قصاص

[1] یعنی مراد یہ ہے کہ جس قدر مال دیت میں مقرر کیا جاتا ہے اُس سے زیادہ پر جو صلح کی جائے تو وہ صلح باطل ہوگی اور اطلاق عام ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

معاف کر دیا تو پھر قصاص کی کوئی راہ نہ ہوگی یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور اگر شریکوں میں سے کسی وارث نے اپنے حصہ سے کسی قدر مال پر صلح کر لی تو یا عفو کر دیا تو قصاص سے باقیوں کا حق ساقط ہو گیا مگر اُن کو دیت میں سے اُن کا حصہ ملے گا اور عفو کرنے والے کے واسطے کچھ مال واجب نہ ہوگا[1] اور اگر حق قصاص دو شخصوں میں مشترک ہوا اور ایک نے قاتل کو عفو کر دیا تو دوسرے کو تین سال میں مال قاتل نصف دیت ملے گی یہ کافی میں ہے۔ اور اگر دو وارثوں میں سے ایک نے عفو کیا اور دوسرے کو معلوم ہوا کہ اب قاتل کو قتل کرنا حرام ہے مگر اُس نے قتل کیا تو اس پر قصاص واجب ہوگا اور قاتل کے مال سے اُس کو نصف دیت ملے گی اور اگر حرام ہونے سے آگاہ نہ ہو تو اُس کے مال سے اُس پر دیت واجب ہوگی خواہ عفو سے واقع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو عمداً قتل کیا اور دونوں کا ولی ایک شخص ہے پس اُس نے ایک کا قصاص معاف کر دیا تو اُس کو دوسرے کے عوض قاتل کو قتل کرنے کا اختیار نہ رہے گا یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ لیکن محیط سرخسی میں لکھا ہے کہ دو قاتلوں میں سے اگر ایک کو ولی نے عفو کیا تو دوسرے کو قتل کر سکتا ہے انتہی۔

قال المترجم ☆

وھو الظاہر۔ اور اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو قتل کیا اور ہر ایک کا ایک ولی ہے پس ایک ولی نے اُس کو معاف کیا تو دوسرے ولی کو اختیار ہوگا کہ اُس کو قصاصاً قتل کرے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور اگر مجروح کے مر جانے سے پہلے ولی نے قاتل کو عفو کیا تو استحساناً جائز ہے اور قیاساً وہ قتل کیا جائے گا اور اگر ولی نے قاتل کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر اُس کو معاف کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کے ہاتھ کی دیت کا ضامن ہوگا اور صاحبینؒ اس میں اختلاف کرتے ہیں محیط میں ہے۔ ایک شخص عمداً قتل کیا گیا اور ولی کے واسطے قاتل سے قصاص لینے کا حکم دیا گیا پھر ولی نے ایک شخص کو حکم دیا کہ قاتل کو قتل کرے پھر ایک شخص نے ولی سے درخواست کی کہ قاتل کو عفو کر دے پس اُس نے عفو کیا پھر مامور نے قاتل کو قتل کر دیا اور اُس کو عفو کرنے کا حال معلوم نہ ہوا تو فرمایا کہ مامور پر دیت واجب ہوگی اور وہ مال دیت کو حکم دہندہ سے واپس لے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔

ایسی صورت کا بیان جس میں صلح کی بابت قاتل کے گواہان کی گواہی کو قبول کیا جائے گا ☆

اگر نابالغ کا خون اُس کے ولی یا وصی نے معاف کیا تو جائز نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص عمداً قتل کیا گیا اور اس کے بھائی نے گواہ قائم کئے کہ میں اُس کا وارث ہوں میرے سوائے کوئی اُس کا وارث نہیں ہے اور قاتل نے گواہ پیش کئے کہ مقتول کا ایک بیٹا موجود ہے تو قاضی اُس کے بھائی کے گواہوں پر حکم نہ دے گا بلکہ تاخیر کرے گا اور اگر قاتل نے گواہ قائم کئے کہ مقتول کا ایک بیٹا ہے وہ اس کا وارث ہوا اور اُس نے مجھ سے دیت پر صلح کر کے وصول کر لی ہے یا اس امر کے گواہ دیئے کہ بیٹے نے مجھے معاف کر دیا ہے تو قاتل کے گواہ قبول ہوں گے پھر اگر اُس کے بیٹے نے آ کر صلح سے اور عفو سے انکار کیا تو قاتل کو حکم دیا جائے گا کہ بیٹے کے روبرو گواہ دوبارہ سنا دے اور فقط ان گواہوں پر جو قاتل نے بمقابلہ بھائی کے پیش کئے تھے بیٹے پر حکم نہ دے گا اور اگر مقتول کے دو بھائی ہوں اور قاتل نے دونوں میں سے ایک بھائی پر گواہ قائم کئے کہ جو بھائی غائب ہے اُس نے مجھ سے پانچ ہزار درم پر صلح کر لی ہے تو یہ جائز ہے۔ پھر اگر غائب نے حاضر ہو کر صلح سے انکار کیا تو قاتل کو دوبارہ گواہ پیش کرنے کی تکلیف نہ دی جائے گی اور جب کہ قاتل کو دوبارہ گواہ پیش کرنے کا حکم نہ دیا گیا تو حاضر کو نصف دیت ملے گی اور غائب کو کچھ نہ ملے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

[1] کیونکہ جب اُس نے معاف کر دیا تو اُس کا کوئی حق دیت میں نہ رہا اور اُس کے معاف کر دینے سے دوسروں کو قصاص کا استحقاق نہ رہا کہ اس صورت

اور اگر مقتول کے دو ولی ہوں اور ایک غائب ہو پس قاتل نے دعویٰ کیا کہ غائب نے مجھے خون معاف کر دیا ہے اور اس دعویٰ پر گواہ پیش کیے تو میں اُس کے گواہوں پر غائب کی طرف سے عفو جائز رکھوں گا اور جب عفو کا حکم دیا گیا پھر غائب آیا تو اُس کے روبرو دوبارہ گواہوں کا اعادہ نہ کرے گا اور اگر اُس نے غائب کی طرف سے عفو کا دعویٰ کیا مگر اُس کے پاس گواہ نہ تھے اور اُس نے چاہا کہ حاضر سے قسم لے تو اس میں تاخیر دی جائے گی یہاں تک کہ غائب آ جائے تو اس سے قسم لے گا پھر اگر اُس نے حاضر ہو کر عفو نہ کرنے پر قسم کھائی تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر قاتل نے کہا کہ غائب کے عفو کرنے کے میرے پاس گواہ ہیں وہ شہر میں موجود ہیں تو اُس کو تین روز کی مہلت دی جائے گی اور فی الحال اُس سے قصاص نہ لیا جائے گا ایسا ہی شیخ الاسلام نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے ذکر کیا کہ قاضی کو اختیار ہے کہ عفو کے دعویٰ میں جس قدر اُس کی رائے میں آئے مہلت دے اور فرمایا کہ جو کتاب میں تین روز کی مہلت مذکور ہے یہ مقدار لازمی نہیں ہے پس اگر اُس نے تین روز کے بعد کہا کہ میرے گواہ غائب ہیں یا ابتداء سے کہا کہ میرے گواہ غائب ہیں تو قیاس چاہتا ہے کہ اُس سے قصاص لے لیا جائے اور تاخیر نہ دی جائے لیکن استحساناً اُس سے قصاص فی الفور نہ لیا جائے گا الا اُس صورت میں کہ قاضی کے علم میں یہ بات آئے کہ اگر اس کے پاس گواہ ہوتے تو اُن کو پیش کرتا یہ محیط میں ہے۔

دو ولیوں میں سے ایک نے دوسرے کے حق میں گواہی دی کہ اس نے قاتل کو عفو کر دیا ہے تو یہاں پانچ صورتیں ہیں اوّل یہ کہ شریک نے اُس کے قول کی تصدیق کی اور قاتل نے بھی تصدیق کی دوم شریک و قاتل دونوں نے تکذیب کی سوم شریک نے تکذیب اور قاتل نے تصدیق کی چہارم شریک نے تصدیق اور قاتل نے تکذیب کی پنجم شریک و قاتل دونوں نے سکوت کیا۔ پس ان سب صورتوں میں قصاص سے عفو ہو گا اور رہی دیت پس اگر صورت اوّل ہو تو مدعی کو نصف دیت ملے گی۔ اور دوم ہو تو مدعی کو کچھ نہ ملے گا اور ساکت کو نصف دیت ملے گی اور تیسری صورت ہو تو قاتل پوری دیت دے گا جو ان دونوں میں مشترک ہو گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر قاتل نے شاہد کے قول کی تکذیب کی اور شریک نے تصدیق کی تو قصاص عفو ہو گا اور قیاساً قاتل پر کچھ دیت واجب نہ ہو گی مگر استحساناً شریک شاہد کے واسطے مال قاتل سے نصف دیت واجب ہو گی اور استحساناً ہے کہ ہمارے علماء ثلاثہ[1] نے اختیار کیا ہے۔ اور اگر قاتل و مشہود علیہ نے شاہد کے قول کی نہ تصدیق کی اور نہ تکذیب کی بلکہ دونوں خاموش رہے تو اس کا وہی حکم ہے جو دونوں کی تکذیب کرنے کا حکم ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے پر عفو کرنے کی شہادت دی تو ضرور ہے کہ یا تو دونوں نے ایک ساتھ شہادت دی ہو گی یا آگے پیچھے پس اگر ساتھ ہی شہادت دی پس اگر قاتل نے دونوں کی تکذیب کی تو دونوں کا حق باطل ہو گا اور اسی طرح اگر قاتل نے معاً دونوں کی تصدیق کی تو بھی یہی حکم ہے اور اگر آگے پیچھے دونوں کی تصدیق کی تو دونوں کو پوری دیت ملے گی۔ اور اگر اُس نے دونوں میں سے ایک کی تصدیق کی اور دوسرے کی تکذیب کی تو جس کی تصدیق کی ہے اُس کے واسطے نصف دیت کا ضامن ہو گا اور اگر دونوں نے آگے پیچھے گواہی دی پس اگر قاتل نے دونوں کی تکذیب کی تو پچھلے دفعہ گواہی دینے والے کو نصف دیت ملے گی اور اوّل کو کچھ نہ ملے گا اسی طرح اگر اس نے ساتھ ہی دونوں کی تصدیق کی تو اوّل کو کچھ نہ ملے گا اور دوم کو نصف دیت ملے گی۔ اور اگر آگے پیچھے دونوں کی تصدیق کی تو اُس پر دونوں کے واسطے پوری دیت واجب ہو گی اور اگر اُس نے ایک کی تصدیق کی پس اگر اوّل کی تصدیق اور دوم کی تکذیب کی تو اُس پر پوری دیت واجب ہو گی اور اگر اوّل کی تکذیب اور دوسرے کی تصدیق کی تو دوسرے کو نصف دیت ملے گی اور اوّل کو کچھ نہ ملے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر خون میں تین آدمیوں کا استحقاق

[1] یعنی امام ابو حنیفہ و ابو یوسف و امام محمد۔ رحمہم اللہ ۱۲

ہو پھر دو آدمیوں نے ان شریکوں میں سے تیسرے شریک پر گواہی دی کہ اُس نے عفو کیا ہے تو اس میں چار صورتیں ہیں اوّل آنکہ قاتل اور مشہود علیہ دونوں آدمی ان دونوں شاہدوں کی تصدیق کریں اور اس صورت میں مشہود علیہ کا حصہ باطل ہو جائے گا اور شاہدین کا حق قصاص منقلب ہو کر مال ہو جائے گا اور اگر دونوں نے دونوں کی تکذیب کی تو دونوں شاہدوں کو کچھ نہ ملے گا اور مشہود علیہ کا حق مال کی طرف منقلب ہو جائے گا اور اگر دونوں شاہدین کی فقط مشہود علیہ نے تصدیق کی تو قاتل تہائی دیت یعنی حصہ مشہود علیہ کا ضامن ہوگا اور یہ مال دونوں شاہدین کو ملے گا۔ اور اگر فقط قاتل نے دونوں کی تصدیق کی تو قاتل پوری دیت کا ضامن ہوگا جو ان سب میں مشترک ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر وارثوں میں سے دو وارثوں نے بعض وارثوں پر قتل خطا کی صورت میں گواہی دی کہ ان بعض نے اپنا حصہ دیت عفو کر دیا ہے تو گواہی جائز ہوگی بشرطیکہ ہر دو شاہدین نے اپنا حصہ دیت وصول نہ پایا ہو یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک قوم نے مجتمع ہو کر ایک دم کھنچے کتے کو تیر مارنے شروع کئے پس ایک تیر خطا کر کے ایک نابالغ جاریہ کے لگا یعنی چھوٹی لڑکی کے لگا اور وہ مر گئی اور ایک قوم نے گواہی دی کہ یہ فلاں شخص کا تیر تھا اور یہ گواہی نہ دی کہ اس کو فلاں شخص نے مارا ہے پھر لڑکی مذکورہ کے باپ سے تیر والے نے ایک باغ انگور پر صلح کی پھر صاحب صلح نے صلح کرنے والے سے مطالبہ کیا پس اگر معلوم ہو کہ صلح کرنے والا ہی زخمی کرنے والا ہے اور لڑکی اسی زخم سے مری ہے تو صلح جائز ہوگی اور اگر اس مقدمہ میں سوائے تیر کی شناخت کے اور کچھ معلوم نہ ہو تو صلح باطل ہو گی۔ اور اگر یوں دریافت ہو کہ تیر والے نے تیر مارا اور لڑکی کے باپ نے لپک کر اس لڑکی کو تھپڑ مار کر ہٹایا اور وہ گر کر مر گئی اور یہ دریافت نہیں ہوتا ہے کہ تیر سے مری ہے یا تھپڑ سے پس اگر باپ نے باقی وارثوں کی اجازت سے صلح کی ہو تو جائز ہے اور بدل[1] الصلح باقی وارثوں کو ملے گا باپ کو نہیں ملے گا اور اگر بدون ان کی اجازت کے صلح کی تو باطل ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔

عفو میں ضروری ہے کہ یا جنایت عمد میں معاف کیا یا جنایت خطا میں عفو کیا اور ہر ایک صورت ان احوال سے خالی نہیں کہ یا تو جنایت سے ہوگا یا زخم سر سے اور جو اس سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے یا ہاتھ وغیرہ کاٹنے سے اور جو اس سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے یا فقط ہاتھ وغیرہ کاٹنے سے یا فقط زخم سر سے عفو کیا ہے اور اگر جنایت عمداً ہو پھر قاطع سے مقطوع نے کہا کہ میں نے تجھے جنایت سے یا قطع سے اور جو اس سے پیدا ہوتا ہے یا زخم سر سے اور جو اس سے پیدا ہوتا ہے عفو کیا تو وہ قطع سے اور جو اُس کی سرایت سے پیدا ہوتا ہے بری ہو جائے گا اور اگر کہا کہ میں نے تجھے قطع سے یا زخم سر سے معاف کیا تو سرایت سے یعنی جو نتیجہ اس سے پیدا ہو مثلاً زخم سر کی وجہ سے دائم المرض ہو کر مر جائے تو اس نتیجہ سے بری نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر مجروح مر جائے تو قیاساً قصاص واجب ہوگا اور امام اعظمؒ کے نزدیک استحساناً دیت واجب ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک وہ سرایت سے بھی بری ہو جائے گا اور اگر جنایت خطا ہو اور اُس نے قطع یا زخم سر سے عفو کیا پھر اُس کا اثر ساری ہو گیا اور وہ مر گیا تو اس میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے اور اگر جنایت سے یا قطع سے اور جو اثر اس سے پیدا ہو عفو کیا تو مثل عمداً جنایت کرنے کی صورت کے ان سب سے عفو صحیح ہے۔ لیکن عمداً کی صورت میں پورے مال سے دیت کا اعتبار ہوگا اور خطا کی صورت میں تہائی سے اعتبار ہوگا اور وہ مددگار برادری کو وصیت ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک عورت نے ایک مرد کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور اس مرد نے اُس عورت کے ساتھ اسی پر نکاح کیا پس اگر عمداً قطع کیا ہو اور مرد نے اسی پر اُس سے نکاح کیا پس اگر وہ مرد اس زخم سے اچھا ہو گیا (حتیٰ کہ اس کا ارش اس عورت پر واجب ہوا) تو مہر کا تسمیہ صحیح ہو جائے گا اور بالا جماع اس کا ارش اس عورت کا مہر ہو جائے گا پھر اگر دخول کے بعد اُس عورت کو طلاق دی یا مرد اُس کو چھوڑ کر مر گیا تو پورا ارش عورت کو مسلم رہے گا اور اگر دخول سے پہلے اس کو طلاق دی تو دو ہزار پانچ سو درم عورت مذکور کو مسلم رہیں گے اور باقی دو ہزار پانچ سو درم شوہر کو واپس کرے گی اور اگر مرد مذکور اس

[1] بدل الصلح وہ نقد و جنس جو صلح کے عوض باہم مقرر ہو ۱۲

زخم سے مرگیا تو بالا جماع تسمیہ[1] باطل ہے اور عورت مذکورہ کو مہر مثل ملے گا اگر دخول سے پہلے اُس کو طلاق دی تو عورت مذکور کے واسطے متعہ واجب ہوگا پھر امام اعظمؒ کے نزدیک قیاساً عورت مذکور پر قصاص واجب ہوگا اور استحساناً قصاص نہ ہوگا بلکہ فقط عورت کے مال سے عورت پر دیت واجب ہوگی اور اگر عورت مذکور سے جنایت پر یا قطع اور اُس کے اثر سے جو پیدا ہو اُس پر نکاح کیا پس اگر اس زخم سے وہ اچھا ہوگیا تو اُس کے ہاتھ کا ارش عورت مذکور کا مہر ہو جائے گا یہ بالا جماع ہے۔ اور وہ اس کے سپرد رہے گا اگرچہ مال ارش بہ نسبت اُس کے مہر مثل کے زائد ہو اور اگر وہ اس زخم سے مرگیا تو تسمیہ باطل ہوگیا اور عورت مذکور کے واسطے مہر مثل واجب ہوگا اور قصاص مفت بے عوض ساقط ہوگیا اور اگر جنایت بخطا ہو اور مرد نے اُس سے قطع پر نکاح کیا ہو پس اگر اس زخم سے اچھا ہوگیا تو اس کے ہاتھ کا ارش اس کا مہر ہوگیا اور اگر اُس نے عورت مذکور کے ساتھ دخول کر کے طلاق دی یا مرگیا تو عورت مذکور کو پورا ارش سپرد رہے گا اور عاقلہ کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اگر دخول سے پہلے طلاق دی تو عورت کو اس میں سے نصف دیا جائے گا یعنی دو ہزار پانچ سو درم اور باقی دو ہزار پانچ سو درم اُس کی مددگار برادری اُس کے شوہر کو ادا کرے گی اور اگر وہ اس زخم سے مرگیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک تسمیہ مہر باطل ہوگا اور اس کو مہر مثل ملے گا اور عورت کی مددگار برادری پر شوہر کی دیت واجب ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک تسمیہ صحیح ہوگا اور شوہر کی دیت اُس کا مہر ہوگا اور اگر جنایت بخطا پر یا قطع بخطا پر اور جو اس سے پیدا ہو نکاح کیا پس اگر وہ اچھا ہوگیا تو اُس کے ہاتھ کا ارش اُس کا مہر ہوگیا اور اُس کی مددگار برادری کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اگر وہ اس زخم سے مرگیا تو اُس کی دیت اُس کا مہر ہوگا اور عاقلہ کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی پھر اُس کے مہر مثل اور مقدار دیت پر لحاظ کیا جائے گا پس اگر دونوں مساوی ہوں تو بلاشک پوری دیت اُس کے سپرد رہے گی خواہ قطع کرنے کے بعد ایسے حال میں نکاح کیا ہو کہ جب وہ چلتا پھرتا تھا یا ایسے حال میں کہ جب وہ چارپائی پر پڑ گیا تھا۔ اور اگر اُس کا مہر المثل دیت سے کم ہو پس اگر ایسی حالت میں نکاح کیا کہ جب چلتا پھرتا تھا تو بھی سب دیت اُس کو ملے گی۔ اگرچہ اس کے مہر مثل سے زائد دینے میں تبرع پایا گیا ہے اور اگر ایسی حالت میں نکاح کیا کہ جب وہ چارپائی پر پڑ چکا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اگر مہر مثل سے زائد پوری دیت تک اس قدر ہے کہ شوہر کے مال کی تہائی سے نکلتا ہے تو عورت کی مددگار برادری دیت سے بری ہوگی اور جس قدر مہر المثل سے زائد ہے وہ اس کی مددگار برادری کے حق میں وصیت قرار دی جائے گی اور اگر اس قدر کثیر ہو کہ یہ مہر المثل سے زائد مقدار شوہر کے مال کی تہائی سے زائد ہو تو جس قدر تہائی مال سے نکل سکتی ہے اس قدر مددگار برادری سے ساقط ہوگی اور یہ مددگار برادری کے حق میں وصیت شمار ہوگی اور باقی کو مددگار برادری شوہر کے وارثوں کو ادا کرے گی یہ اُس صورت میں ہے کہ شوہر نے عورت مذکور کو قبل اپنی موت کے طلاق نہ دی ہو یہاں تک کہ وہ مرگیا اور اگر دخول سے پہلے قبل موت کے اُس کو طلاق دے دی تو عورت مذکور کو اس دیت میں سے پانچ ہزار دیئے جائیں گے بشرطیکہ پانچ ہزار درم اُس کا مہر مثل ہو اور اسی قدر مددگار برادری سے ساقط ہو جائے گا اور اگر اُس کا مہر مثل پانچ ہزار سے کم ہو پس اگر مہر مثل سے پانچ ہزار تک جو زیادتی ہے وہ شوہر کے تہائی مال سے برآمد ہوتی ہو تو بھی مددگار برادری سے پورے پانچ ہزار درم ساقط ہوں گے اور اگر یہ زیادتی کی مقدار تہائی مال سے برآمد نہ ہوتی ہو تو جس قدر اُس کا مال تہائی مال ہو سکتی ہو اس قدر مددگار برادری سے بطور وصیت کے ساقط (۱) ہوگی اور باقی کو مددگار برادری وارثان شوہر کو واپس دے گی یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کے سر میں دو موضحہ زخم پہنچائے پھر زخمی نے ایک زخم موضحہ[2] اور جو اس سے پیدا ہو اُس سے معاف کر دیا پھر زخمی مذکور ان دونوں زخموں سے مرگیا تو فرمایا کہ اگر یہ امر زخمی کرنے

---

[1] نامزد کرنا مثلاً دو چار یا اس سے کم بیس عدد کا نام لے کر کہنا ۱۲ [2] یعنی ایسا زخم جو ہڈی تک پہنچا اور اس سے ہڈی کھل گئی

(۱) یعنی زیادتی بطریق وصیت ۱۲

والے کو فقط اقرار سے ثابت ہوتا ہے تو اُس پر پوری دیت واجب ہوگی اور اُس کے مال سے لی جائے گی اور عفو جائز نہ ہوگا اس واسطے کہ یہ قاتل کے واسطے وصیت ہوگی اور اگر یہ امر گواہوں سے ثابت ہو تو یہ مددگار برادری کے واسطے وصیت ہوگی پس جائز ہوگی اور مددگار برادری سے نصف دیت ساقط ہو جائے گی بشرطیکہ یہ مقدار مال زخمی کے تہائی مال سے برآمد ہوتا ہو اور اگر یہ دونوں زخم عمداً ہوں اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو زخمی کرنے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا اس واسطے کہ ایک زخم سے عفو کرنا دونوں سے عفو ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔

ایک شخص نے دوسرے کو موضحہ زخم سر سے عمداً زخمی کیا پھر زخمی نے اُس سے اور جو اس سے پیدا ہوئے عفو کر دیا پھر ظالم نے اُس کو دوسرے زخم سر سے عمداً زخمی کیا پھر زخمی نے اُس کو یہ زخم معاف نہ کیا تو قاتل پر درصورت ان دونوں زخموں سے مر جانے کے اُس کے مال سے پوری دیت تین سال میں واجب ہوگی اور اُس پر قصاص واجب نہ ہوگا اور عفو صحیح نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کو موضحہ زخم سر سے عمداً زخمی کیا پھر عمرو نے اس موضحہ زخم اور جو اس سے پیدا ہو سب سے کسی قدر مال معین پر زید سے صلح کی اور یہ مال سپرد کر دیا پھر دوسرے شخص خالد نے عمرو کو موضحہ زخم سر سے عمداً زخمی کیا اور وہ دونوں زخموں سے مر گیا تو خالد پر قصاص واجب ہوگا اور زید پر کچھ واجب نہ ہوگا اسی طرح اگر زید سے بعد خالد کے زخمی کرنے کے صلح واقع ہوئی ہو تو بھی صورت مذکورہ میں یہی حکم ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ زید نے عمرو کو عمداً موضحہ زخم سر سے زخمی کیا پھر عمرو نے اس زخم اور اُس کے اثر سے زید سے دس ہزار درم پر صلح کر لی اور وصول کر لئے پھر خالد نے اس کا سر خطا سے زخمی کیا پھر عمرو ان دونوں زخموں سے مر گیا تو خالد کی مددگار برادری پر پانچ ہزار درم واجب ہوں گے اور زید مقتول کے مال سے پانچ ہزار درم واپس لے گا یہ محیط میں ہے۔

ساتواں باب ☆

حالت قتل کے اعتبار کے بیان میں

اگر ایک شخص نے ایک مسلمان کو تیر مارا اور مسلمان مذکور تیر پہنچنے سے پہلے مرتد ہو گیا پھر تیر اُس کے لگا اور وہ مرا تو مارنے والے پر اس کی دیت وارثان مرتد کے واسطے واجب ہوگی اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مارنے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اور اگر ایک شخص کو تیر مارا اور وہ مرتد تھا پھر تیر لگنے سے پہلے وہ مسلمان ہوا پھر اس پر تیر لگا اور وہ مر گیا تو مارنے والے پر بالاتفاق کچھ واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی حربی کو تیر مارا پھر تیر لگنے سے پہلے وہ مسلمان ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے یہ ہدایہ میں ہے اگر ایک غلام کو تیر مارا تیر لگنے سے پہلے اُس کو اس کے مولیٰ نے آزاد کیا پھر اُس کے تیر لگا اور وہ مر گیا تو مارنے والے پر امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غلام مذکور کی قیمت اُس کے مولیٰ کو دینی واجب ہوگی یہ کافی میں ہے۔ اگر قاضی نے ایک شخص پر زخم کا حکم دیا پھر ایک شخص نے اُس کو پتھر مارا اور ہنوز پتھر نہیں لگا تھا کہ ایک گواہ نے گواہی سے رجوع کیا پھر پتھر اس کے لگا تو پتھر مارنے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ تبیین میں ہے۔ اور اگر مجوسی نے ایک شکار کو تیر مارا اور تیر پہنچنے سے پہلے مجوسی مذکور مسلمان ہو گیا پھر تیر لگا تو یہ شکار نہ کھایا جائے گا اور اگر ایک مسلمان نے شکار کو تیر مارا پھر تیر لگنے سے پہلے نعوذ باللہ وہ مسلمان مجوسی ہو گیا پھر تیر لگا تو وہ شکار کھایا جائے گا یہ ہدایہ میں ہے۔ اور اگر محرم نے شکار کو تیر مارا اور تیر پہنچنے سے پہلے وہ محرم ہو گیا پھر شکار کے تیر لگا تو محرم مذکور پر جزا واجب ہو گی اور اگر حلال نے شکار کو تیر مارا اور تیر پہنچنے سے پہلے وہ محرم ہو گیا تو اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔

آٹھواں باب ☆

دیتوں کے بیان میں

دیت اُس مال کو کہتے ہیں جو جان تلف کرنے کے بدلے واجب ہوتا ہے۔اور جان تلف کرنے سے کم زخم کے بدلے واجب ہو وہ ارش کہلاتا ہے یہ کافی میں ہے۔پھر واضح ہو کہ قتل بخطا میں اور جو اس کے قائم مقام ہے اور شبہ عمد میں اور قتل بسبب میں اور نابالغ ومجنون کے قتل کرنے میں دیت واجب ہوتی ہے اور یہ سب دیتیں مددگار برادری پر واجب ہوتی ہیں سوائے[1] باپ کے بیٹے کو عمداً قتل کرنے کے کہ یہ دیت باپ کے مال سے تین سال میں ادا کرنی واجب ہوتی ہے۔اور مددگار برادری پر واجب نہیں ہوتی ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔اور جس قتل عمد میں بسبب شبہ کے قصاص ساقط ہو جائے اس کی دیت مال قاتل سے ادا کرنی واجب ہو گی اور جو ارش بسبب صلح کے واجب ہو وہ قاتل کے مال میں ہو گا مگر فرق یہ ہے کہ دیت مذکور تو تین سال میں دینی پڑتی ہے اور ارش مذکور فی الحال دینا پڑتا ہے یہ ہدایہ میں ہے۔اور جو دیت بسبب نفس قتل کے واجب ہوتی ہے وہ امام اعظمؒ کے نزدیک تین چیزوں سے ادا کی جاتی ہے اونٹ وسونا وچاندی یہ شرح طحاوی میں ہے۔امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اونٹ میں سے سو اونٹ اور سونے میں سے ہزار دینار اور چاندی میں سے دس ہزار درم اور قاتل کو اختیار ہے جس قسم میں سے چاہے ادا کرے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

صاحبینؒ نے فرمایا کہ اور بھی گایوں میں سے دو سو گائے اور بکریوں میں سے ہزار بکریاں اور حلون میں سے دو سو حلے اور ہر حلہ دو کپڑے ہوں گے یہ ہدایہ میں ہے۔پھر واضح ہو کہ اونٹوں میں سے سب اونٹ ایک ہی سن[2] کے واجب نہ ہوں گے بلکہ اسنان مختلفہ کے واجب ہوں گے پس خطائے محض کی صورت میں پانچ سن کے سو اونٹ واجب ہوں گے جس میں سے بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض اور بیس بنت لبون اور بیس حقہ اور بیس جذعہ اور شبہ عمد میں سو اونٹ چار قسم کے واجب ہوں گے یہ امام اعظمؒ وامام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ پچیس بنت مخاض وپچیس بنت لبون وپچیس حقہ وپچیس جذعہ واجب ہوں گے کذا فی المحیط۔

قال المترجم ☆

ان الفاظ کی تفسیر کتاب الزکوٰۃ میں مفصل گذر چکی ہے۔فتذکر اور واضح ہو کہ مسلمان اور ذمی اور حربی جو امان لے کر آیا ہے سب کی دیت برابر ہے یہ کافی میں ہے۔اور عورت کی جان اور جان سے کم زخم وقطع کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اور جو جنایت ایسی ہوتی ہے کہ اُس کا کوئی ارش معین نہیں ہے۔اور اُس میں حکومت عدل واجب ہے تو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ اس میں مرد وعورت برابر ہیں اور بعض نے فرمایا کہ مرد کی آدھی دیت عورت ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔اگر قتل بخطا اور شریک دیت ایک نابالغ اور دوسرا بالغ ہو پس اگر بالغ باپ ہو تو اُس کو اختیار ہو گا کہ پوری دیت وصول کرے جس میں سے اپنا حصہ بوجہ ملک کے اور نابالغ کا حصہ بوجہ ولایت کے اور اگر بالغ بھائی یا چچا ہو اور نابالغ کا کوئی وصی[3] نہ ہو تو وہ صرف اپنا حصہ وصول کر سکتا ہے نابالغ کا نہیں لے سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔اگر کسی نے دوسرے کے سر کے بال زبردستی مونڈ ڈالے اور پھر وہ نہ اُگے تو اُس میں پوری دیت واجب ہو گی اور اس میں مرد وعورت بالغ ونابالغ برابر ہیں لیکن ظالم سے اُس وقت دیت دینے کے واسطے نہ کہا جائے گا بلکہ ایک سال

---

[1] اقول باپ نے اگر عمداً بیٹے کو قتل کیا تو ہر قتل عمد میں قصاص ہوتا ہے لیکن یہ مخصوص ہے کہ باپ کے ساتھ شرع نے اس قدر رعایت فرمائی کہ دیت واجب ہوتی ہے ۱۲ منہ [2] یعنی ایک ہی دانت کے سب نہ ہوں گے بلکہ بیس اس قسم کے اور بیس اُس قسم کے الی آخرہ اور ظاہر عبارت مترجم سے سن سے مراد عمر نکلتی ہے اور مال میں کچھ فرق نہیں ہے ۱۲ منہ [3] یعنی وہ شخص جس کو نابالغ کا ولی اُس نابالغ کی پرداخت واُس کے مال وغیرہ کے متعلق وصیت کر گیا ہو ۱۲

کی مہلت (۱) دی جائے گی اور اگر ظالم کو سال کی مہلت دی گئی اور مظلوم سال کے اندر مر گیا اور ہنوز اُس کے بال نہیں جمے تھے تو امام اعظمؒ کے نزدیک ظالم پر کچھ واجب نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حکومت عدل واجب ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور حاجبین کو اگر اس طرح مونڈا کہ منبت یعنی جہاں بال جمتے ہیں وہ جگہ خراب و فاسد کر دی یا اس طرح اُکھاڑا کہ منبت کو خراب کر دیا تو دونوں میں پوری دیت اور ایک میں آدھی دیت واجب ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ اور دو پلکوں میں آدھی دیت اور ایک میں چوتھائی دیت اور سب پلکوں کے واسطے پوری دیت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے داڑھی مونڈ ڈالی اور بجائے اُس کے دوسری نہ جمی تو پوری میں پوری دیت واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور سر کے بال اور ڈاڑھی مونڈ ڈالنے میں عمداً مونڈنا یا خطا سے مونڈنا دونوں یکساں ہیں یہ کافی میں ہے اور اگر آدھی ڈاڑھی یا آدھا سر مونڈا تو بعض اصحاب نے فرمایا آدھی دیت واجب ہوگی اور بعض نے فرمایا کہ پوری دیت واجب ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر آدھی داڑھی مونڈی تو آدھی دیت واجب ہوگی جب کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ نصف ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہوا کہ کس قدر مونڈی ہے تو حکومت عدل واجب ہوگی اور فتاویٰ فضلی میں ہے کہ اگر تھوڑی داڑھی اُکھاڑی تو اُکھڑی ہوئی اور باقی داڑھی دونوں پر دیت تقسیم کی جائے گی پس جس قدر اُکھاڑی ہوئی کے حصہ میں پڑے اُس قدر واجب ہوگی یہ خلاصہ میں ہے۔ اور مشائخ نے کوسہ کی داڑھی میں گفتگو کی ہے اور اس میں اصح وہ تفصیل ہے جو شیخ ابو جعفر نے بیان فرمائی ہے کہ اگر کوسہ[ل] کی ٹھوڑی پر گنتی کے چند بال جمے ہوں تو اُس کے مونڈ ڈالنے میں کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر اُس سے زائد ہوں اور ٹھوڑی و گال دونوں پر بال ہوں مگر وہ متصل نہ ہوں تو اس میں حکومت عدل واجب ہوگی اور اگر متصل ہوں تو پوری دیت واجب ہوگی اور اگر دوبارہ اُگے اور جیسے تھے اُسی کے برابر ہو گئے تو اس میں کچھ واجب نہ ہوگا لیکن مونڈنے والے کو اُس کی حرکت پر تنبیہ و ادب دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر بجائے سیاہ بالوں کے سپید جمے تو یہ ظاہر الروایۃ میں مذکور نہیں ہے اور غیر روایۃ اصول میں مذکور ہے کہ امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اگر آزاد ہو تو اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر غلام ہو تو حکومت عدل واجب ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں حکومت عدل واجب ہے یہ محیط میں ہے۔ اور فقیہ ابو اللیثؒ صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے تھے یہ خلاصہ میں ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ سے اس مسئلہ میں آزاد کی صورت میں حکومت عدل کی تقدیر اس طرح روایت کی ہے کہ اُس آزاد کو غلام فرض کر کے اندازہ کیا جائے کہ سیاہ بال ہونے کی حالت میں اس کی کیا قیمت ہے اور سپید ہونے کی حالت میں کیا قیمت ہے۔ پس جس قدر دونوں میں تفاوت ہو اسی قدر نقصان تاوان لیا جائے یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص کی ڈاڑھی مونڈالی پھر تھوڑی جمی اور تھوڑی نہیں جمی تو اس میں حکومت عدل واجب ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اجناس ناطفی میں ہے کہ اگر اپنی عورت یا غیر عورت کا صفیرہ کاٹ ڈالا تو اس میں کچھ واجب ہونا نہیں چاہئے۔ اور ابن رستم نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک عورت کے قرون یعنی گیسو کاٹ ڈالے یا کسی باندی کا سر مونڈ ڈالا حالانکہ اس سے اس میں نقصان آ گیا تو فرمایا کہ اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا لیکن اُس کو تادیب کی جائے گی یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر ایک شخص کو مجبوب کیا یعنی اُس کے آلہ تناسل کو کاٹ دیا یہاں تک کہ اُس کی ڈاڑھی گر گئی تو ڈاڑھی کے واسطے پوری دیت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر مونچھ کو مونڈ ڈالا اور وہ پھر نہ جمی تو حکومت عدل واجب ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور یہی اصح ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ جنایات الحسن میں ہے کہ اگر ڈاڑھی کے ساتھ مونچھ مونڈ ڈالی تو

ل کوسہ کا اطلاق بالکل پیدائشی بے ڈاڑھی والے اور کچی ڈاڑھی اور بہت خفیف ڈاڑھی والے سب پر آتا ہے اور یہاں معنی دوم اظہر ہیں ۱۲

(۱) سال میں اُگے تو بعد سال کے دیت کے ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا ۱۲

ڈاڑھی کے ضمان میں مونچھ داخل نہ ہوگی یہ محیط میں ہے ہارونی میں مذکور ہے کہ اگر ایک شخص نے زبردستی دوسرے کا سر مونڈ ڈالا پھر بال نہ اُگے اور ظالم نے کہا کہ یہ شخص اصلع[1] تھا تو جس قدر مونڈنے والے کے زعم میں اُس کے سر پر بال تھے اُس قدر کا ضامن ہوگا اسی طرح اگر ڈاڑھی کو مونڈا اور پھر کہا کہ یہ شخص کوسہ تھا اُس کے گالوں پر بال نہ تھے تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح حاجبین واشفار[2] میں بھی یہی حکم ہے کہ قسم کے ساتھ جنایت کرنے والے کا قول قبول ہوگا لیکن اگر وہ شخص جس پر ظلم ہوا ہے گواہ قائم کرلے کہ میں صحیح سالم تھا تو اُس کے گواہ قبول ہوں گے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور نکلے ہوئے کانوں میں خطا کی صورت میں پوری دیت دونوں کی اور ایک کی نصف دیت واجب ہوگی اور جو خشک ہو گئے ہوں یا دھنسے ہوئے ہوں تو ان میں حکومت عدل واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص کے کان کو صدمہ پہنچایا جس سے اُس کی ساعت جاتی رہی تو دیت واجب ہوگی اور ساعت جاتی رہنے کی پہچان کا یہ طریقہ ہے کہ غفلت کی حالت ڈھونڈ کر اُس کو حالت غفلت میں پکارا جائے پس اگر جواب دے تو معلوم ہو جائے گا کہ ساعت نہیں گئی ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر ناک کا نرمہ کاٹا پھر ناک کاٹی پس اگر اچھے ہونے سے پہلے دوسرا زخم دیا ہے تو ایک ہی دیت واجب ہوگی ☆

اگر خطا سے دونوں آنکھیں پھوڑی گئی ہوں تو پوری دیت واجب ہوگی اور ایک میں آدھی دیت واجب ہوگی اسی طرح اگر نہ پھوٹی ہوں لیکن وہ دھنس گئیں یا ان کی بینائی جاتی رہی حالانکہ ڈھیلے ویسے ہی موجود ہوں تو بھی دونوں میں پوری دیت اور ایک میں آدھی دیت واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ کانے آدمی کی آنکھ کے واسطے نصف دیت ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر پلکوں سمیت پپوٹے کاٹ ڈالے تو ایک ہی دیت واجب ہوگی یہ ہدایہ میں ہے۔ اور جن پپوٹوں میں پلکیں نہیں ہیں اُن کے کاٹنے میں حکومت عدل ہے اور اگر پلکوں پر ستم کرنے والا ایک شخص ہو اور پپوٹوں پر ستم کرنے والا دوسرا ہو تو پلکوں پر ستم کرنے والے پر پوری دیت اور پپوٹے کاٹنے والے پر حکومت عدل واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور ناک کاٹنے میں جان تلف کرنے کی دیت واجب ہے اسی طرح اگر ناک کا نرمہ[3] کاٹ ڈالا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ناک کا بانسا کاٹ ڈالا تو اس میں قصاص نہیں ہے مگر جان تلف کرنے کی دیت واجب ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ اگر ناک پر ایسا ستم کیا کہ مظلوم ناک سے سانس نہیں لے سکتا ہے مگر منہ سے سانس لیتا ہے تو اس میں حکومت عدل واجب ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ شرح طحاوی میں ہے کہ اگر ناک کا نرمہ کاٹا پھر ناک کاٹی پس اگر اچھے ہونے سے پہلے دوسرا زخم دیا ہے تو ایک ہی دیت واجب ہوگی اور اگر اچھے ہونے کے بعد ایسا کیا تو نرمہ کے واسطے دیت اور باقی کے واسطے حکومت عدل واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اصل میں ہے کہ اگر کسی شخص کی ناک توڑ دی تو حکومت عدل واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص کی ناک میں ایسا صدمہ پہنچا کہ جس سے اُس کو خوشبو و بدبو کچھ نہیں معلوم ہوتی ہے تو اس میں حکومت عدل واجب ہوگی یہ تو اور ابن رستم میں امام محمدؒ سے مروی ہے اور جنایات ابی سلیمان میں ہے کہ اگر مارنے والے نے اقرار کیا کہ اس کی ناک سے سونگھنے کی قوت جاتی رہی ہے تو اس میں دیت واجب ہوگی اور اس کا حکم مثل ساعت کے ہے ایسا ہی قدوری نے بھی ذکر کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور سونگھنے کی قوت جاتی رہنے کی پہچان کا یہ طریقہ ہے کہ بدبودار چیزوں کی بو سے دریافت کیا جائے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور دونوں ہونٹوں کے واسطے پوری دیت ہے اور ایک کے واسطے نصف دیت ہے اوپر کا اور نیچے کا اس حکم میں دونوں یکساں ہیں یہ محیط میں ہے۔ نابالغ کے کان و ناک کے واسطے پوری دیت ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور ہر دانت کے واسطے دیت کا

---

[1] اصلع جس کی پیشانی کے اوپر خلاف معروف بال نہ جمے ہوں ۱۲ [2] اشفار: جمع شفر کنارہ پلک ۱۲ [3] نرمہ۔ ناک کا وہ حصہ ہے جو نتھنوں کی جگہ سے تحت بڈی تک نرم ہے ۱۲

بیسواں حصہ واجب ہے اور اس حکم میں ایناب وضواک ونواجذ وطواحن سب یکساں ہیں یہ مبسوط میں ہے۔ آدمی کے بدن میں اعضاء میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کی دیت اُس کے نفس کی دیت سے زائد ہو جاتی ہو سوائے دانتوں کے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ حتی کہ اگر اٹھائیس دانت ہوں تو چودہ ہزار درم واجب ہوں گے اور اگر تیس دانت ہوں تو پندرہ ہزار درم ہوں گے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور بتیس دانت ہوں تو سولہ ہزار درم واجب ہوں گے اور یہ مقدار ایک دیت کامل اور تین پانچویں حصے ایک دیت کی ہے اور یہ تین سال میں ادا کی جائے گی یعنی سال اوّل میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ و دو تہائی درم اور دوسرے سال میں چھ ہزار درم تین سو تینتیس و تہائی درم اور تیسرے سال میں تین ہزار درم اور اس تفصیل کے ساتھ اس کو منتقی میں ذکر فرمایا ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کا اونٹ اُکھاڑ ڈالا اور بجائے اس کے دوسرا زخم آ آیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک ارش ساقط ہو جائے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس پر پورا ارش واجب ہوگا یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اور اگر دوبارہ جو دانت اُگا ہے وہ سیاہ ہو تو ارش اپنے حال پر واجب رہے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر دوسرے کا دانت اُکھاڑ ڈالا اور مظلوم نے اُس دانت کو اپنی جگہ جما دیا اور اُس پر گوشت جم آیا تو مظالم پر پورا ارش واجب ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر ایک شخص کے دانت کو صدمہ پہنچایا اور وہ ہلنے لگا تو میعاد دی جائے گی پھر اگر وہ سبز یا سرخ ہو گیا تو دانت کی دیت پانچ سو درم واجب ہوں گے اور اگر زرد ہو گیا تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس میں کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر سیاہ ہو گیا تو دانت کی دیت واجب ہوگی جب کہ چبانے کا کام نہ دے سکے اور اگر یہ نفع نہ جائے لیکن وہ دانت ایسا ہے کہ دکھائی دیتا ہے کہ جس سے اس شخص کا جمال جاتا رہا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ ظالم پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر مارنے والے نے کہا کہ یہ دانت میرے مارنے کے بعد دوسرے آدمی کی چوٹ سے سیاہ پڑ گیا ہے اور مضروب[1] نے اس سے انکار کیا تو قسم سے مضروب کا قول قبول ہوگا لیکن اگر مارنے والا اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کرے تو اُس کے گواہ قبول ہوں گے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر مملوک کا دانت زرد پڑ جائے تو امام اعظمؒ کے نزدیک حکومت عدل واجب ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک زرد پڑنے میں خواہ مملوک ہو یا آزاد ہو حکومت عدل واجب ہے اور اگر ایک شخص کے دانت میں صدمہ پہنچایا کہ جس سے وہ سیاہ پڑ گیا پھر دوسرے نے آ کر اُس کو اُکھاڑ ڈالا تو پہلے شخص پر پورا ارش واجب ہوگا اور دوسرے پر حکومت عدل لازم ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور زبان کے واسطے دیت واجب ہے اسی طرح اگر تھوڑی زبان کاٹ ڈالی کہ گفتگو سے مانع ہوئی تو بھی پوری دیت واجب ہے اور اگر بعض حروف بولنے کی قدرت باقی ہو تو بعض نے فرمایا کہ اعداد حروف پر دیت تقسیم ہو کر بحساب واجب ہوگی اور بعض نے فرمایا کہ جس قدر حروف کا زبان سے تعلق ہے فقط اُنہیں حروف پر تقسیم کی جائے گی اور بعض نے کہا کہ اگر اکثر حروف ادا کر سکتا ہے تو حکومت عدل واجب ہوگی اور اکثر حروف ادا کرنے سے عاجز ہو تو پوری دیت واجب ہوگی یہ کافی میں ہے۔ اور مشائخؒ نے فرمایا کہ اوّل اصح ہے کذا فی المحیط اور اوّل ہی صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مظلوم نے دعویٰ کیا کہ میں کلام نہیں کر سکتا ہوں تو غفلت کی تاک کی جائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ کلام کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا ہے اور گونگے کی زبان کے واسطے حکومت عدل تو اجب ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی بچہ کی زبان کاٹ ڈالی پس اگر وہ صرف بچوں کے مانند استہلاک کرتا ہو یعنی آواز لگاتا ہو جیسا پیدا ہونے کے وقت روتا ہے تو حکومت عدل واجب ہے اور اگر بات بولتا ہو تو دیت واجب ہوگی یہ شرح جامع صغیر شیخ حسام الدین میں ہے۔ اور دونوں جبڑوں میں پوری دیت اور ایک کے واسطے آدھی دیت ہے یہ محیط میں ہے۔ اور ہر دو دست میں اگر خطا سے کاٹ ڈالے گئے ہوں تو

[1] وہ شخص جس پر ضرب واقع ہوئی یعنی جس کا دانت توڑا گیا ہے ۱۲

پوری دیت اور ایک میں آدمی دیت واجب ہوگی اور دائیں پر دیت کی راہ سے فضیلت نہ ہوگی اگرچہ منفعت گرفت دائیں ہاتھ میں بہ نسبت بائیں کے زیادہ ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اصل اطراف میں یہ قرار پائی ہے کہ اگر جنایت کرنے والے نے کسی عضو کی جنس منفعت پوری پوری زائل کر دی یا جو جمال آدمی میں مقصود ہوتا ہے وہ تمام وکمال زائل کر دیا تو پوری دیت واجب ہوگی یہ ہدایہ میں ہے اور خنثیٰ[1] کے ہاتھ کاٹنے میں امام اعظمؒ کے نزدیک اس قدر دیت واجب ہوگی جو عورت کے ہاتھ میں واجب ہوتی ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مرد[2] کی آدمی اور عورت کی آدمی واجب ہوگی یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی کے واسطے دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا اور انگلیاں سب یکساں ہیں اور جس انگلی میں تین جوڑ ہیں اُس کے ہر جوڑ کے واسطے انگلی کی دیت کی تہائی واجب ہوگی اور جس میں دو جوڑ ہیں اُس کے ہر جوڑ کے واسطے پوری انگلی کی دیت کا آدھا واجب ہوگا یہ ہدایہ میں ہے اور زائد انگلی کے واسطے حکومت عدل واجب ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اور شل ہاتھ کے واسطے حکومت عدل ہوگی یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ میں مارا اور ہاتھ شل ہو گیا تو اس پر پوری دیت واجب ہوگی ☆

اگر ہتھیلی مع تھوڑی انگلیوں یا پوری انگلیوں کے کاٹ ڈالی تو بالا جماع اگر اُس نے ہتھیلی کو اس طرح کاٹا ہے کہ اُس میں سب انگلیاں لگی ہیں تو ہتھیلی انگلیوں کے تابع کی جائے گی حتیٰ کہ انگلیوں کا ارش واجب ہوگا اور ہتھیلی کے واسطے کچھ واجب نہ ہوگا اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ اگر اُس نے ہتھیلی کو کاٹا اور اُس کے ساتھ اُس میں لگی ہوئی تین انگلیاں کٹ گئیں تو انگلیوں کا ارش تین ہزار درم یا تین سو دینار واجب ہوں گے اور ہتھیلی کے واسطے کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر ہتھیلی میں دو انگلیاں یا ایک انگلی یا ایک پور ہو تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک یہی حکم ہے کہ ہتھیلی انگلی کی تابع ہوگی اور صحیح امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ میں مارا اور ہاتھ شل ہو گیا تو اس پر پوری دیت واجب ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کی انگلی کا اوپر کا پور کاٹ ڈالا پس باقی انگلی یا پورا ہاتھ شل ہو گیا تو اس میں سے کسی چیز میں اُس پر قصاص نہ ہوگا اور یہ چاہیے ہے کہ اوپر کے پور کے واسطے دیت واجب ہو اور باقی کے واسطے حکومت عدل واجب ہو اور اگر ساعد کو توڑ ڈالا تو حکومت عدل واجب ہوگی اور یہی حکم بندوست کے توڑ دینے میں بھی ہے کہ حکومت عدل واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر نصف ساعد سے ہاتھ کاٹا گیا تو ہاتھ کی دیت اور ہتھیلی سے ساعد کے واسطے حکومت عدل[3] واجب ہوگی اور اگر تا مرفق ہو تو ہاتھ کی دیت کے بعد ذراع کے واسطے حکومت عدل واجب ہوگی مگر وہ نصف ساعد کی بہ نسبت زیادہ ہوگی اور یہ ابو حنیفہؒ کا قول ہے یہ مبسوط میں ہے۔ امام محمدؒ نے جامع میں فرمایا ہے کہ زید نے عمرو و بکر دونوں کا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر عمرو نے زید کا انگوٹھا کاٹ ڈالا پھر خالد نے اُس کی باقی انگلیاں کاٹ ڈالیں پھر بکر نے اُس کی بے انگلیوں کی ہتھیلی کاٹ ڈالی پھر یہ سب قاضی کے پاس جمع ہوئے تو قاضی زید پر ایک ہاتھ کی دیت یعنی پانچ ہزار درم کا حکم دے گا جو عمرو اور بکر کے درمیان پانچ حصہ ہو کے تقسیم ہوگی اور خالد چار ہزار درم زید کو دے گا اور عمرو اور بکر نے متفق ہو کر زید کی ہتھیلی کاٹی ہو پھر ہاتھ کی دیت لی ہو تو یہ دیت دونوں کے درمیان پانچ حصہ ہو کر تقسیم ہوگی جس میں سے تین حصہ بکر کو اور دو حصہ عمرو کو ملیں گے اور اگر خالد نے پہلے زید کی کوئی انگلی کاٹ ڈالی پھر اس کے بعد عمرو نے مثلاً زید کی کوئی انگلی کاٹ ڈالی پھر دوبارہ خالد نے کوئی اُس

---

[1] خنثیٰ وہ شخص جس میں مرد ہونے یا عورت ہونے کی علامت نہ ہو جس کو ہمارے عرف میں خوجہ کہتے ہیں ۱۲ [2] قال المترجم یعنی مرد کی نصف دیت اور عورت کی مضعف دیت ملا کر اُس کا نصف ایک ہاتھ کے واسطے واجب ہوگا منہ [3] قال یعنی عادل لوگ حکم مقرر کئے جائیں کہ وہ اس کی جزا تجویز کریں ۱۲ منہ

کی انگلی کاٹ ڈالی پھر بکر نے اُس کی ہتھیلی کاٹی حالانکہ اُس پر دو انگلیاں لگی ہیں تو قاضی زید پر ایک دیت کا حکم دے گا جس میں سے چوتھائی بکر کو اور تین چوتھائی عمرو کو ملے گی اور اگر عمرو اور بکر نے متفق ہو کر زید کی ہتھیلی کاٹی حالانکہ اس پر دو انگلیاں لگی ہیں تو جو دیت زید سے انہوں نے لی ہے وہ ان دونوں میں آٹھ حصہ ہو کر تقسیم ہو گی جس میں سے تین حصہ عمرو کو اور پانچ حصہ بکر کو ملیں گے یہ محیط میں ہے۔ انگلی کے سرے کاٹنے میں حکومت عدل ہے اور ناخن اگر جیسا تھا ویسا ہی جم آیا تو مثل اور اعضاء کے اس میں کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر نہ جما تو حکومت عدل ہوگی اور اگر عیب دار جما تو حکومت عدل بہ نسبت اوّل کے کم ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور دونوں پاؤں میں خطا کی صورت میں پوری دیت واجب ہوگی اور ایک کے واسطے آدھی دیت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ بچے کے ہاتھ اور پاؤں کے واسطے حکومت عدل ہے بشرطیکہ وہ چلتا اور نہ بیٹھتا ہو اور نہ ان دونوں کو حرکت دیتا ہو اور اگر حرکت دیتا ہو تو دونوں کے واسطے پوری دیت واجب ہوگی یہ سراج الوہاج میں ہے۔ لنگڑا پاؤں کاٹ ڈالنے میں حکومت عدل ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر نصف ساق سے پاؤں کاٹ ڈالا تو قدم کی دیت اور باقی کے واسطے حکومت عدل واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر کسی کی ران توڑ ڈالی پھر وہ اچھا ہو گیا اور ران سیدھی ہو گئی تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اُس پر حکومت عدل واجب ہوگی ابو سلیمانؒ نے امام محمدؒ سے کتاب الحج میں روایت کی کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کی ہڈی ہاتھ یا پاؤں وغیرہ کی توڑ ڈالی اور وہ اچھا ہو گیا اور جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا تو اُس میں دیت نہیں ہے اور اگر اُس میں نقصان یا کجی رہ گئی ہے تو کجی کے نقصان کے حساب سے اُس میں دیت ہوگی یہ محیط میں ہے اور پسلی میں اور ہنسلی[1] میں حکومت عدل واجب ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

پستان مرد میں حکومت عدل ہے اور مرد کی پستان کی بونڈی میں بہ نسبت پستان کے کم حکومت عدل ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور مرد کی ایک پستان میں اُس کا نصف ہے یہ محیط میں ہے۔ اور عورت کی چھاتیوں میں دیت ہے اور اسی طرح اُس کی چھاتی کی بونڈیوں میں بھی اور ایک چھاتی میں نصف دیت ہے اور کتب ظاہرہ میں یہ نہیں پایا گیا کہ اگر عورت کی چھاتی عمداً کاٹی جائے خواہ وہ نابالغہ ہو یا بالغہ ہو قصاص واجب ہوتا ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور خنثیٰ کی چھاتیوں میں امام اعظمؒ کے نزدیک وہی ہے جو عورت کی چھاتی کے واسطے ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک عورت کی چھاتی اور مرد کی چھاتی کا نصف واجب[2] ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہی۔ اور اگر کسی شخص کی پیٹھ میں ایسی ضرب لگائی جس سے وہ جماع سے عاجز ہو گیا یا کبڑا ہو گیا تو جان کی دیت واجب ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر جماع سے عاجز نہ ہوا اور نہ کبڑا ہوا پس اگر جراحت کا اثر باقی رہا تو اُس میں حکومت عدل واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر اُس میں چوٹ کا اثر نہ ہو تو کچھ واجب نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے فرمایا کہ طبیب کی اُجرت واجب ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ عورت کا سینہ اگر توڑ دیا اور وہاں سے منی کی آمد منقطع ہو گئی تو دیت واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ ذکر میں پوری دیت واجب ہوگی اور خصی کے ذکر کے واسطے ہمارے نزدیک حکومت عدل ہے۔ خواہ اُس میں جنبش ہو یا نہ ہو خواہ وہ جماع پر قادر ہو یا نہ ہو اور عنین کے ذکر میں بھی یہی حکم ہے اور بوڑھے آدمی کے ذکر میں یہ حکم ہے کہ اگر وہ جماع پر قادر نہ ہو تو اُس کا حکم مثل عنین و خصی کے ذکر کے ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر حشفہ کاٹ ڈالا تو پوری دیت واجب ہوگی اور اگر دوبارہ باقی ذکر بھی کاٹ ڈالا پس اگر اوّل زخم سے صحت پانے سے پہلے کاٹا ہے تو ایک ہی دیت واجب ہوگی اور ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا اُس نے ایک مرتبہ پورا ذکر کاٹ ڈالا ہے اور اگر درمیان میں اچھا

[1] یہ لفظ ہندی ہے اس کو فارسی میں چنبر گردن کہتے ہیں ۱۲ [2] کیونکہ اُس کا حال مشتبہ و متحمل ہے کسی ایک جانب قطعی حکم نہیں لگا سکتے پس اسی طرح اُس کی ارش زخم میں دونوں جانب کا لحاظ کر کے حکم دیا جائے گا ۱۲

ہو گیا ہو تو حشفہ کے واسطے پوری دیت اور باقی کے واسطے حکومت عدل واجب ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور دونوں خصیوں میں پوری دیت ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر تندرست آدمی کے خصیے اور ذکر دونوں خطا سے کاٹے پس اگر پہلے ذکر کاٹا ہو تو اس میں دو دیت ہوں گی اور اگر پہلے دونوں خصیے کاٹے پھر ذکر کاٹا تو خصیوں کی پوری دیت واجب ہوگی اور ذکر میں حکومت عدل ہوگی اور اگر دونوں کو ران کی طرف سے ایک بارگی کاٹ ڈالا ہو تو اُس پر دو دیت واجب ہوں گی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر ایک خصیہ کاٹ ڈالا اور اُس کی منی منقطع ہوگئی تو اس میں دیت واجب ہوگی اور یہ بات معلوم نہ ہوگی الا اُس صورت میں کہ جنایت کرنے والا ایسا اقرار کرے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اگر دونوں چوتڑ خطا سے کاٹ ڈالے تو پوری دیت واجب ہوگی اور ایک میں آدھی دیت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص کے پیٹ میں نیزہ مارا اور ایسا ہو گیا کہ اُس میں کھانا نہیں ٹھہر سکتا ہے تو اُس میں دیت واجب ہوگی یہ خلاصہ میں ہے۔ اور اگر مقعد میں نیزہ وغیرہ مارا اور ایسا ہو گیا کہ اُس کے جوف میں کھانا نہیں ٹھہر سکتا ہے تو پوری دیت واجب ہوگی اسی طرح اگر ایسا زخم لگایا جس سے پیشاب کا استمساک نہیں ہو سکتا ہے بلکہ جاری رہتا ہے تو اس میں دیت واجب ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر ایک عورت کی فرج کاٹ ڈالی اور ایسی ہوگئی کہ اُس سے جماع نہیں ہو سکتا ہے تو اُس میں دیت واجب ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر ایک عورت کو مارا جس سے وہ صدمہ اُٹھا کر مستحاضہ ہوگئی تو ایک سال تک انتظار کیا جائے گا پس اگر اچھی ہوگئی تو خیر ورنہ دیت کا حکم دیا جائے گا اور پیشاب جاری ہو جانے کے مسئلہ میں بھی ایک سال تک انتظار واجب ہے بخلاف پیٹ میں نیزہ مارنے کے مسئلہ کے یہ محیط میں ہے۔

اگر عورت کا سوراخ پیشاب مقعد ایک کر دیا کہ وہ پیشاب نہیں روک سکتی ہے تو دیت واجب ہوگی اور اگر رُکتا ہو تو جائفہ ہوگی پس تہائی دیت واجب ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے ایسی نابالغہ سے جو لائق جماع نہیں ہے جماع کیا پس وہ مرگئی پس اگر وہ نکاحی نہ ہو اجنبی ہو تو زناکار کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اگر منکوحہ ہو تو مددگار برادری پر دیت اور شوہر پر مہر واجب ہوگا یہ خلاصہ میں ہے ابن رستم نے امام محمدؒ سے روایت کی کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ سے جس کا حق اس قدر ہے کہ ایسی عورت سے جماع کیا جاتا ہے جماع کیا اور وہ اس حرکت سے مرگئی تو اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر اپنی بیوی سے جماع کیا اور اُس کی آنکھ جاتی رہی یا اُس کا مقام پیشاب و مقعد کا سوراخ ایک کر دیا پس وہ مرگئی تو وہ ضامن ہوگا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس سب میں ضامن ہوگا سوائے پیشاب کا و مقعد کا سوراخ ایک کر دینے اور جماع سے مرنے کے کہ اس صورت میں ضامن نہ ہوگا اور فرمایا کہ یہی امام اعظمؒ کا قول ہے اور ہشام نے امام محمدؒ سے یہ بھی روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہی امام ابو یوسفؒ کا قول ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ فقیہ ابو نصر الدبوسی سے روایت ہے کہ اگر اجنبیہ عورت کو اُٹھایا اور وہ گر پڑی جس سے اُس کا پردۂ بکارت زائل ہو گیا تو اُٹھانے والے پر اُس کا مہر مثل واجب ہوگا اور اُس کو تعزیر دی جائے گی اور ابو حفص سے روایت ہے کہ مرد مذکور پر اُس کے مال سے مہر واجب ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر اپنی عورت کو اُٹھایا اور ہنوز اُس کے ساتھ دخول نہیں کیا ہے پس اُس کی بکارت زائل ہوئی پھر اُس کو طلاق دی تو نصف مہر واجب ہوگا اور اگر غیر کی بیوی کو اُٹھایا اور اُس کا پردہ زائل ہوا پھر اُس سے نکاح کیا اور اُس کے ساتھ دخول کیا تو دو مہر واجب ہوں گے یہ محیط میں ہے۔

فصل ☆

شجاع کے بیان میں

قال المترجم ☆

شجاع جمع شجہ کی ہے اور اصطلاح فقہاء میں سے شجہ سے مراد وہ ہے جو کتاب میں فرمایا کہ شجہ کی جگہ سر اور چہرہ تا ٹھوڑی ہے اور ٹھوڑی سے نیچے شجہ کی جگہ نہیں ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور دونوں جبڑے ہمارے نزدیک چہرے میں داخل ہیں یہ ہدایہ میں ہے۔ شجاع دس ہوتے ہیں خارصہ وہ ہے جو کھال کو خرص کرے یعنی چھیلے اور خون برآمد نہ ہو دامعہ جس سے خون چھلک آئے مگر نہ بہے جیسے آنکھ میں آنسو ڈبڈباتے ہیں دامیہ جس سے خون بہے باضعہ جس سے کھال کٹ جائے مثلاً حمہ جو گوشت میں پہنچ گیا ہو سمحاق جو سمحاق تک پہنچا ہو اور سمحاق ایک باریک کھال سر کی ہڈی اور گوشت کے درمیان ہے۔ موضحہ جس سے ہڈی کھل جائے ہاشمہ جو ہڈی کو توڑ دے منقلہ (۱) جو ہڈی توڑنے کے بعد اُس کو جگہ سے بے جگہ کر دے آمہ جو ام الراس تک پہنچ جائے اور ام الراس اُس ہڈی کو کہتے ہیں جس میں بھیجا رہتا ہے یہ ہدایہ میں ہے۔ اور ایک جائفہ[1] ہے جو کھال پھاڑ کر دماغ تک پہنچ جائے اور اس کو امام محمدؒ نے ذکر نہیں فرمایا ہے اس واسطے کہ ایسے زخم سے آدمی زندہ نہیں رہتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ سوائے موضحہ کے دوسرے شجون میں قصاص نہیں ہے اور یہ حسن نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے اور بنا بر ظاہر الروایہ کے موضحہ سے کم میں بھی قصاص ہوتا ہے اس کو امام محمدؒ نے اصل میں ذکر فرمایا اور یہی اصح ہے کذا فی التبیین اور اسی کو عامہ مشائخ نے اختیار کیا ہے یہ محیط میں ہے۔

زخم موضحہ میں قصاص واجب ہوتا ہے جب کہ عمداً ہو یہ تبیین میں ہے۔ اور جو شجاج موضحہ سے بڑھ کر ہیں اُن میں بالا جماع قصاص نہیں ہے اگرچہ عمداً ہوں جیسے ہاشمہ و منقلہ یہ جوہرہ نیرہ میں ہے اور جن شجاج میں ہم نے ذکر کیا کہ قصاص نہیں ہے ان کے عمد او خطاء دونوں کا یکساں حکم ہے۔ پس ان زخموں کے عمداً ہونے کی صورت میں جو واجب ہے وہی بخطا ہونے کی صورت میں واجب ہے یہ محیط میں ہے۔ اور موضحہ میں اگر خطا سے ہو تو دیت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا اور ہاشمہ میں دیت کا دسواں حصہ اور منقلہ میں دسواں حصہ و بیسواں حصہ واجب ہوگا اور آمہ کے واسطے تہائی دیت اور جائفہ کے واسطے تہائی دیت واجب ہوگی اور اگر وار پار ہو جائے تو دو جائفہ ہوں گے پس دو تہائی دیت واجب ہوگی یہ ہدایہ میں ہے اور ان سب میں اگر اچھا ہو جائے اور اُس کا کچھ اثر باقی نہ رہے تو کچھ واجب نہ ہوگا لیکن امام محمدؒ کے نزدیک اچھے ہونے تک جس قدر اُس نے خرچ کیا ہے وہ واجب ہوگا ایسا ہی شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے یہ ذخیرہ میں ہے اگر ایک شخص کو منقلہ زخم پہنچایا اور وہ اچھا ہو گیا مگر بعد اچھے ہونے کے اُس کا کچھ اثر رہ گیا اگرچہ قلیل ہی رہ گیا ہو تو بھی منقلہ کا ارش واجب ہوگا اس واسطے کہ وہ ارش جب واجب ہوتا ہے تو وہ ساقط نہیں ہوتا ہے جب تک کہ سبب وجوب بالکل زائل نہ ہو جائے یہ محیط میں ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور چھ شجہ جو موضحہ سے اوّل مذکور ہوئے ہیں اگر بخطا ہوں تو حکومت عدل واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور حکومت عدل کی تفسیر میں مشائخؒ نے اختلاف کیا ہے۔ طحاویؒ نے فرمایا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اُس کو مملوک فرض کر کے اس زخم کے ساتھ اُس کی قیمت اندازہ کی جائے اور بدون اس زخم کے اندازہ کی جائے پس اگر تفاوت قیمت اصل قیمت کا بیسواں حصہ ہو تو دیت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا اور اگر چالیسواں حصہ ہو تو چالیسواں حصہ دیت واجب ہوگا اور

[1] اور جائفہ اُس زخم کو بھی کہتے ہیں جو جوف تک پہنچے جیسے جوف شکم یا پشت و سینہ وغیرہ چنانچہ اس کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا وہ اس کے علاوہ ہے ۱۲

(۱) مراد یہ ہے کہ کسی رگ کو برگشتہ کر دے خواہ در اصل وسعت مکانی سے وہ موضع بنا بر اصل کے اس کا موضع ہو یا نہ ہو ۱۲

اسی پر فتویٰ ہے یہ کافی میں ہے اور زخم آمہ سوائے سر کے یا سوائے چہرہ کے ایسی جگہ جہاں سے دماغ تک پہنچ جائے کہیں نہیں ہوتا ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کے کان میں نیزہ مارا جو دوسرے کان سے نکل گیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس میں حکومت عدل واجب ہے اور اگر منہ میں نیزہ مارا اور وہ دماغ میں جا نکلا حتیٰ کہ منہ سے دماغ تک سوراخ ہو گیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس میں حکومت عدل ہے اور اگر دماغ سے کھوپڑی تک سوراخ ہو گیا تو دماغ سے کھوپڑی تک کے واسطے تہائی دیت واجب ہو گی۔ اور اگر کسی شخص کی آنکھ میں نیزہ یا تیر مارا اور اُس کی گدی کی طرف سے نکلا تو آنکھ کے واسطے نصف دیت اور باقی کے واسطے حکومت عدل واجب ہو گی اور اگر دماغ تک پہنچ کر کھوپڑی سے پار ہو گیا ہو تو آنکھ کے واسطے نصف دیت اور وہاں سے دماغ کے واسطے حکومت عدل اور دماغ سے کھوپڑی تک کے واسطے تہائی دیت واجب ہو گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور جو جراحات سر و چہرہ کے سوائے دوسری جگہ ہوں پس اگر اُن سے ہڈی کھا گئی یا ٹوٹ گئی تو حکومت عدل واجب ہو گی بشرطیکہ اس کا اثر باقی رہا اور اگر اُس جراحت کا اثر باقی نہ رہا تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ظالم پر کچھ واجب نہ ہو گا اور امام محمدؒ کے نزدیک مجروح نے اچھے ہونے تک جو کچھ خرچ کیا ہے وہ واجب ہو گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور جائفہ وہ ہے جو جوف تک پہنچے جیسے جوف شکم یا پشت یا سینہ یا جو گردن سے ایسی جگہ تک پہنچے کہ وہاں اگر شراب پہنچے تو شراب پہنچنے سے مفطر ہو جائے تو یہ سب جائفہ ہے اور اس سے اوپر جائفہ نہیں ہے اور دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں و ران و منہ و سر میں جائفہ نہیں ہوتا ہے اور اگر خصیے اور ذکر کے درمیان زخم لگے یہاں تک کہ جوف تک پہنچ جائے تو وہ جائفہ ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔

موضحہ ارش کا دیت میں داخل ہونا ☆

شجہ کا قصاص اس طرح لیا جائے گا کہ شجہ کی مساحت طول و عرض کے موافق قصاص لیا جائے گا پس اگر مقدم[1] سر یا موخر یا درمیان میں یا سر کے دونوں پہلو میں کسی طرف ہو تو زخم کرنے والے کے بھی سر میں سے اسی جگہ سے اتنا ہی زخم کر دے اور اگر زید نے عمرو کے سر میں موضحہ زخم لگایا جس سے عمرو کے ہر دو کنارہ سر کے بیچ کی ہڈی کھل گئی اور اس قدر طول و عرض کا زخم زید کا سر میں ہر دو کنارہ تک نہیں پڑتا ہے یعنی زید کا سر بہت بڑا ہے تو عمرو کو اختیار ہو گا چاہے اس سے قصاص لے اور جس کنارے سے چاہے زخم لگانا شروع کرے یہاں تک کہ اُس کے ہر دو کنارہ سر کے بیچ میں جہاں عمرو کے زخم لگا ہے اپنے زخم کے برابر جہاں تک پہنچ سکے لگاتا جائے پھر جہاں تک طول میں اس کا زخم تھا اگرچہ ہر دو کنارہ تک نہ پہنچا ہو لیکن آئندہ باز رہے اور چاہے قصاص چھوڑ کر اُس سے دیت لے لے اور اگر عمرو کا زخم زائد ہو اور زید کا سر چھوٹا ہو کہ ہر دو کنارہ سر زید سے مقدار مساحت[2] زخم عمرو کے زائد ہو تو عمرو کو اختیار ہو گا چاہے ارش لے لے اور چاہے زید کے ہر دو کنارہ سر کے بیچ میں جس قدر وسعت ہے اُس قدر قصاص لے لے اور اس سے زیادہ نہیں بڑھ سکتا ہے اگرچہ عمرو کا زخم طول و عرض میں زائد ہے۔ اور اگر زخم مذکور عمرو کے سر کے طول میں ہو اور وہ زید کے سر میں پیشانی سے گدی تک پہنچتا ہو تو چاہے ارش لے لے یا زید کے سر میں سے اُسی جگہ تک جہاں عمرو کے زخم آیا ہے قصاص لے اور اس سے زیادہ نہیں لے سکتا ہے اور اگر عمرو کے سر میں پیشانی سے گدی تک ہو اور زید کے سر میں اس کے نصف ہی تک پہنچتا ہو تو عمرو کو اختیار ہے چاہے ارش لے لے یا جہاں تک طول میں اس کا زخم زید کے سر میں پہنچ سکے وہاں تک قصاص لے لے اور جس جانب سے چاہے زخم دینا شروع کرے یہ ذخیرہ و محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص کے سر میں بیس موضحہ زخم لگائے پس اگر درمیان میں اچھا نہ ہوتا گیا ہو تو پوری دیت تین سال میں واجب ہو گی اور اگر درمیان میں اچھا ہوتا گیا ہو تو پوری دیت ایک سال میں واجب ہو گی یہ کافی میں ہے۔ اگر ایک شخص کے

---

[1] مقدم سر یعنی پیشانی کی جانب و موخر اس کے مقابل یعنی گدی کی جانب کو کہتے ہیں ۱۲ [2] پیمائش باعتبار طول و عرض ۱۲

موضحہ زخم لگایا پس اُس کی عقل جاتی رہی یا پورے سر کے بال گر گئے پھر نہ جمے تو موضحہ ارش کا دیت میں داخل ہو جائے گا اور ان دونوں کے سوائے ارش موضحہ دیت میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اور اگر کوئی حصہ بالوں کا یا بہت کم کسی قدر بال گر گئے تو اس پر موضحہ کا ارش واجب ہوگا اور بالوں کی دیت اُس میں داخل ہوگی اور یہ اُس وقت ہے کہ اس کے سر کے بال نہ جمے ہوں اور اگر موافق سابق کے جم آئے ہوں تو اُس پر کچھ لازم نہ ہوگا یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اور اگر ایک شخص کی بھون میں موضحہ زخم لگایا اور بال گر گئے اور پھر نہ جمے تو اُس پر آدھی دیت واجب ہوگی اور موضحہ کا ارش اس میں داخل ہو جائے گا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور اگر اُس کی سماعت یا بصارت یا کلام کی قوت اُس سے جاتی رہی تو اُس پر موضحہ کا ارش مع دیت کے واجب ہوگا اور مشائخ نے فرمایا کہ یہ امام اعظمؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ سماعت و کلام کی دیت میں زخم مذکور داخل ہو جائے گا اور بصارت کی دیت میں داخل نہ ہوگا یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے عمداً دوسرے کو موضحہ زخم پہنچایا جس سے اُس کی آنکھیں جاتی رہیں تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس میں کچھ قصاص نہیں ہے اور دونوں آنکھوں کی دیت واجب ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ موضحہ کا قصاص واجب ہوگا اور آنکھوں کی دیت واجب ہوگی اور ابن سماعہ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ موضحہ اور دونوں آنکھوں کا قصاص واجب ہوگا یہ کافی میں ہے۔ ایک شخص اصلع[1] جس کے سر کے بال بڑھاپے سے جاتے رہے تھے اس کو ایک شخص نے عمداً موضحہ زخم پہنچایا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ قصاص نہ ہوگا اور مجرم پر ارش واجب ہوگا اور اگر مجرم نے کہا کہ میں راضی ہوتا ہوں کہ مجھ سے قصاص لیا جائے تو یہ نہیں ہو سکتا ہے اور اگر مجرم بھی اصلع ہو تو اُس پر قصاص لازم ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ واقعات ناطفی میں ہے کہ اصلع کا موضحہ بہ نسبت موضحہ غیر اصلع کے ناقص ہوتا ہے تو ارش بھی ناقص ہوگا اور ہاشمہ میں دونوں برابر ہیں منتقی میں ہے کہ ایک شخص نے اصلع کے سر میں خطا سے موضحہ زخم پہنچایا تو خطا کار پر موضحہ کے ارش سے کم مال اُس کے مال سے واجب ہوگا اور اگر ہاشمہ زخم پہنچایا تو ہاشمہ کے ارش سے کم مال اُس کی مددگار برادری پر واجب ہوگا یہ محیط میں ہے۔

نواں باب ☆

جنایت کے واسطے حکم کرنے اور جنایت کو دکان و اُس کے مناسبات کے بیان میں

ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ اُس کو قتل کرے پس اُس نے تلوار سے اُس کو قتل کیا تو قصاص نہ ہوگا اور امام اعظمؒ سے اصلح الروایتین کے موافق دیت بھی واجب نہ ہوگی اور یہی امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور اگر اس کو حکم دیا کہ اُس کا ہاتھ کاٹ دے یا اُس کی آنکھ پھوڑ دے پس مامور نے ایسا ہی کیا تو دونوں صورتوں میں ضمانت واجب[2] نہ ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور منتقی میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میرا ہاتھ اس شرط پر کاٹ دے کہ تو مجھے یہ کپڑا دے دے یا یہ درم دے دے اور اس نے ایسا ہی کیا تو اس پر قصاص واجب نہ ہوگا بلکہ پانچ ہزار درم واجب ہوں گے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر کہا کہ میں نے اپنا خون تیرے ہاتھ ایک پیسے کو فروخت کیا پس اُس نے قتل کر ڈالا تو قصاص واجب ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ زید نے عمرو سے کہا کہ میرے پسر کو قتل کر دے یا اس کا ہاتھ کاٹ دے حالانکہ وہ نابالغ ہے تو قصاص واجب (۱) ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس میں استحسان یوں حکم دیتا ہوں کہ وہ دیت دے گا اور اگر کہا کہ میرے غلام کو قتل کر دے یا اُس کا ہاتھ کاٹ دے پس عمرو نے ایسا ہی کیا تو عمرو پر کچھ واجب نہ

---

[1] اصلع اُس شخص کو کہتے ہیں جس کے مقدم سر کی جانب وسط سر تک بال نہ ہوں بعض کے پیدائشی نہیں ہوتے ہیں اور بعض کے کبر سنی سے گر جاتے ہیں ۱۲

[2] یہ حکم کرنے والے کا بیان ہے اور مرتکب جرم پر اس کے جرم کے موافق واجب ہوگا ۱۲ (۱) عمرو سے قصاص لیا جائے گا مگر اس نے ایسا کیا ۱۲

ہو گا یہ واقعات حسامیہ میں ہے۔ اور اگر کہا کہ میرے بھائی کو قتل کرے اور حکم دہندہ اُس کا وارث ہے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ استحساناً قاتل سے دیت لی جائے گی۔ اور اگر اُس کو حکم کیا کہ اُس کا سر یا چہرہ زخمی کرے اور اُس نے ایسا ہی کیا تو فاعل پر کچھ واجب نہ ہو گا لیکن اگر وہ مر گیا تو قاتل پر دیت واجب ہو گی یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر ایک شخص سے کہا کہ میرے باپ کو قتل کر دے اس نے قتل کر دیا تو قاتل پر واجب ہو گا کہ اُس کے بیٹے کو دیت مقتول ادا کرے اور اگر کہا کہ میرے باپ کا ہاتھ کاٹ ڈال اُس نے کاٹا تو اس پر قصاص واجب ہو گا یہ واقعات حسامیہ میں ہے۔ ایک شخص نے غیر کے غلام سے کہا کہ اپنے آپ کو قتل کر دے اُس نے ایسا ہی کیا تو حکم دہندہ پر اُس کی قیمت واجب ہو گی کذا فی الظہیر یہ اقول وفیہ نظر۔ منتقی میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو میرے اوپر جنایت کر پس اُس نے ایک پتھر پھینک مارا اور اس سے ایسا زخم آیا کہ ایسے زخم سے آدمی زندہ رہ سکتا ہے تو وہ شخص جانی یعنی جنایت کنندہ کہلائے گا قاتل نہ کہلائے گا پھر اگر وہ شخص مجروح مر گیا تو جانی پر کچھ نہ ہو گا اور اگر ایسا زخم آیا جس سے آدمی زندہ نہیں رہتا ہے تو وہ قاتل ہو گا نہ جانی پس مجروح کے مر جانے کی صورت میں اس پر دیت واجب ہو گی اور اگر کہا کہ مجھ پر کوئی جنایت کر پس مامور نے اُس کو تلوار سے قتل کر ڈالا تو مامور سے قصاص نہ لیا جائے گا اور اس پر اُس کے مال سے دیت واجب ہو گی یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے کو حکم دیا کہ فلاں شخص کو قتل کر دے اُس نے قتل کیا تو قتل کنندہ کی مددگار برادری پر اُس کی دیت واجب ہو گی اور اُس کی مددگار برادری یہ مال حکم دہندہ کی مددگار برادری سے واپس نہیں لے سکتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر مامور کوئی غلام ہو تو اُس کے مولیٰ نے جو کچھ تاوان دیا ہے وہ حکم دہندہ سے واپس لے لے گا یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔ ایک شخص نے ایک لڑکے کو حکم کیا کہ فلاں شخص کو قتل کر دے اُس نے قتل کیا تو لڑکے کی مددگار برادری پر دیت واجب ہو گی اور اُس کی مددگار برادری اس مال کو حکم دہندہ کی مددگار برادری سے واپس لے گی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اگر مامور ایک غلام مجور[1] ہو خواہ صغیر ہو یا کبیر ہو تو اس کے مولیٰ کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے اس غلام مجرم کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے اور جو کچھ اس نے اختیار کیا بہر حال جو مقدار دونوں میں کم ہو خواہ فدیہ یا غلام کی قیمت اُس کو دہندہ کے مال سے واپس لے گا یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔ اور اگر بالغ نے دوسرے بالغ کو ایسا حکم دیا تو قاتل پر ضمان واجب ہو گی اور حکم دہندہ پر کچھ نہ ہو گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے ایک لڑکے کو حکم دیا کہ فلاں شخص کا چوپایہ مار ڈال یا اُس کا کپڑا اپھاڑ ڈالنے یا اُس کا کھانا کھا لینے کا حکم دیا اور اُس نے حکم کے موافق کیا تو اُس کا تاوان لڑکے کے مال میں واجب ہو گا اور اس مال تاوان کو حکم دہندہ سے واپس لے گا اور اگر لڑکے نے بالغ کو ان افعال کا حکم دیا اور اُس نے ایسا فعل کیا تو لڑکے پر ضمان واجب نہ ہو گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر غلام ماذون نے کسی لڑکے کو ایک شخص کا کپڑا اپھاڑ ڈالنے کا حکم دیا یا لڑکے کو اپنے کسی کام میں لگایا جس سے وہ مر گیا تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ حکم دہندہ ضامن ہو گا اور اگر اُس نے لڑکے کو کسی شخص کے قتل کا حکم دیا اور اُس نے قتل کیا تو حکم دہندہ ضامن نہ ہو گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ غلام ماذون نے جو صغیر ہے کبیر ہے کسی غلام مجور یا ماذون کو خواہ صغیر ہو یا کبیر ہو ایک شخص کے قتل کرنے کا حکم دیا اور مامور نے قتل کر دیا اور مولیٰ کو اختیار دیا گیا کہ مجرم کو دے دے یا اُس کا فدیہ دے دے تو مولیٰ اُس کی فدیہ و قیمت دونوں میں سے کم مقدار کو حکم دہندہ رقبہ سے وصول کرے گا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر حکم دہندہ غلام مجور ہو اور مامور بھی ایسا ہی ہو اور قاتل کے مولیٰ نے اُس کا دینا یا اُس کا فدیہ دینا کچھ اختیار کیا تو مولیٰ اس مال تاوان کو حکم دہندہ سے فی الحال واپس نہیں لے سکتا ہے لیکن مجور مذکور کے آزاد ہونے کے بعد اُس سے مواخذہ کر سکتا ہے۔ اور اگر اس صورت میں حکم دہندہ نابالغ ہو تو بعد آزاد ہونے کے

[1] یعنی جو تجارت کے تصرفات سے باز رکھا گیا ہو ۱۲

بھی اُس سے مواخذہ نہیں کر سکتا ہے اور اگر مامور آزاد صغیر ہو اور حکم دہندہ مجور ہو تو نابالغ کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور مددگار برادری کے اس کو مجور کے مولیٰ سے فی الحال یا مجور سے بعد آزاد ہونے کے واپس نہیں لے سکتے ہیں یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔ مکاتب صغیر یا کبیر نے غلام مجور یا ماذون کو جو صغیر ہے یا کبیر ہے کسی شخص کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اُس نے قتل کیا اور مولیٰ نے اُس کو یا اُس کا فدیہ دے دیا تو یہ مکاتب سے اُس کی قیمت واپس لے گا لیکن اگر اُس کی قیمت دس ہزار درم سے زائد ہو تو اس صورت میں دس ہزار درم میں سے دس درم کم کرکے واپس لے گا اور اگر مکاتب عاجز ہو گیا تو مولیٰ قاتل کو مولائے مکاتب سے مطالبہ کا اختیار ہوگا اور مطالبہ کرے گا کہ اُس کو فروخت کرلے اور اگر عاجز ہونے کے بعد یا اُس سے پہلے وہ آزاد کیا گیا تو مولائے قاتل کو اختیار ہوگا چاہے آزاد کنندہ سے اس غلام کی قیمت اور اپنے غلام کی قیمت دونوں میں سے کم مقدار کو لے لے یا غلام آزاد شدہ سے اپنے غلام کی پوری قیمت واپس لے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر حکم دہندہ مکاتب نابالغ یا بالغ ہو اور مامور قاتل طفل آزاد ہو تو طفل کی مددگار برادری پر مقتول کی دیت واجب ہوگی اور اُس کی مددگار برادری مکاتب سے اُس کی قیمت اور دیت سے کم مقدار واپس لے گی اس واسطے کہ یہ حکماً جنایت[1] مکاتب ہے یہ شرح زیادات عتابی میں ہے اور اگر مکاتب عاجز ہو کر رقیق ہو گیا پس اگر قبل اس کے کہ قاضی مددگار برادری کے واسطے اُس کی قیمت کا حکم دے ایسا ہوا تو مددگار برادری کا استحقاق مکاتب سے باطل ہو گیا اور اگر مکاتب کی قیمت مددگار برادری کو دینے کا حکم قاضی کی طرف سے ہو جانے کے بعد ادا کرنے سے پہلے مکاتب عاجز ہو گیا تو امام اعظمؒ کے قول کے موافق فی الحال مددگار برادری کا مواخذہ کا استحقاق باطل ہوا اور اس قدر تاخیر ہوئی کہ وہ لوگ مکاتب مذکور کے آزاد ہو جانے کے بعد اُس سے مواخذہ کر سکتے ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک باطل نہ ہوگا بلکہ فی الحال اُس مکاتب عاجز شدہ کو ماخوذ کر سکتے ہیں یہ محیط میں ہے۔ اور اگر قاضی کا حکم ہو جانے کے بعد تھوڑا مکاتب نے ادا کیا پھر عاجز ہو گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک جس قدر ادا کیا ہے وہ مددگار برادری کو دیا ہوا رہے گا اور جس قدر نہیں ادا کیا ہے اُس کا استحقاق فی الحال باطل ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک باطل نہ ہوگا بلکہ باقی کے واسطے مکاتب عاجز شدہ فی الحال فروخت کیا جائے گا الا اُس صورت میں فروخت نہ ہوگا کہ مولیٰ اُس کا فدیہ دے دے یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔

ایک شخص نے دوسرے کو حکم دیا کہ اُس کے غلام کو ایک کوڑا مارے اُس نے ایک کوڑا مارا اور اُس کے سر کو موضحہ زخم سے زخمی کیا تو نصف دیت قائم کی جائے گی ☆

اگر اُس پر قاضی نے اُس کی قیمت کا حکم دے دیا پھر مولیٰ کے عاجز ہونے کے بعد اُس کو آزاد کر دیا تو قاتل کی مددگار برادری کو اختیار ہوگا چاہے مکاتب مذکور کے مولیٰ سے فقط اُس کی قیمت واپس لے اور باقی کو آزاد شدہ سے لے سکتے ہیں اور چاہے غلام آزاد شدہ سے پوری ضمان لیں اور یہ مذکور ہوا کہ مددگار برادری کو غلام سے یا اُس کے مولیٰ سے تاوان لینے کا اختیار ہے یہ صاحبینؒ کا قول ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک مددگار برادری کو مولیٰ سے تاوان لینے کا اختیار نہیں ہے اس واسطے کہ ان کو غلام سے فی الحال تاوان لینے کا اختیار جب نہ ہوا تو مولیٰ نے غلام مدیون کو آزاد نہیں کیا پس ضامن نہ ہوگا اور اگر وہ عاجز نہ ہوا بلکہ ادا کر کے آزاد ہو گیا اور یہ امر اس وقت ہوا کہ قاضی اُس پر قیمت کا حکم دے چکا ہے یا اس سے پہلے ہوا تو مددگار برادری فی الحال اُس سے قیمت لے لے گی لیکن وہ لوگ اس سے اس طرح قیمت وصول کریں گے جس طرح انہوں نے ادا کی ہے یعنی انہوں نے تین سال میں ہر سال میں تہائی دیت ادا کی ہے اس طرح مکاتب آزاد شدہ سے تین سال میں ہر سال میں تہائی قیمت واپس لے سکتے ہیں یہ محیط میں ہے۔ اور

[1] جرم و زیادتی ١٢

اگر حکم دہندہ اور جس کو حکم دیا ہے دونوں مکاتب ہوں تو قاتل پر ضمان واجب ہوگی اور مامور سے واپس نہیں لے سکتا ہے یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔ایک شخص نے دوسرے کو حکم دیا کہ اُس کے غلام کو ایک کوڑا مارے اُس نے ایک کوڑا مارا اور اُس کے سر کو موضحہ زخم سے زخمی کیا یا اُس کے ہاتھ کاٹ ڈالا جس سے وہ مر گیا تو مارنے والے سے نصف جنایت نفس ساقط ہوگئی اور نفس جنایت نفس کی دیت اُس کے ذمہ واجب ہوگی یہ مختصر جامع کبیر میں ہے۔ایک شخص کا ایک غلام ہے اس نے زید کو حکم دیا کہ اس کو ایک کوڑا مارے اُس نے غلام کو دو کوڑے مارے پھر مولی نے اس کو ایک کوڑا مارا پھر خالد نے اس کو ایک کوڑا مارا پھر ان سب سے وہ مر گیا تو زید کی مددگار برادری پر دوسرے کوڑے کا ارش ایک کوڑا کھائے ہوئے کے حساب سے واجب ہوگا اور اُس کی قیمت کا چھٹا حصہ واجب ہوگا مگر قیمت اس طرح اندازہ کی جائے کہ چار کوڑے کھائے ہوئے کی کیا قیمت ہے پس جس قدر قیمت ایسے زخمی کی اندازہ کی جائے اُس کا چھٹا حصہ واجب ہوگا اور خالد کی مددگار برادری پر چوتھے کوڑے کا ارش بدین حساب کہ تین کوڑے کھائے ہوئے ہے واجب ہوگا اور چار کوڑے کھائے ہوئے کی قیمت کی تہائی واجب ہوگی اور اس کے سوائے سب باطل ہوگا اور اگر زید نے اُس کو تین کوڑے مارے اور باقی مسئلہ بحالہ ہو تو اس میں بھی یہی حکم ہے لیکن زید کی مددگار برادری پر تیسرے کوڑے کا ارش بھی واجب ہوگا اور خالد پر پانچویں کوڑے کا ارش بحساب چار کوڑے کھائے ہوئے کے واجب ہوگا اور پانچ کوڑے کھائے ہوئے کی تہائی قیمت واجب ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر ایک غلام زید وعمرو کے درمیان مشترک ہو پھر مثلاً زید عمرو کو حکم دیا کہ اس کو ایک کوڑا مارے اُس نے ایک کوڑا مارا پھر دو کوڑے مارے پھر ضارب[1] نے اُس کو آزاد کر دیا پھر اُس کے ایک کوڑا مارا پھر ان سب سے وہ مر گیا تو عمرو پر دوسرے کوڑے کے مارنے کا ارش ایک کوڑا کھائے ہوئے کا اپنے مال سے واجب ہوگا اور نیز اگر وہ خوشحال ہو تو اُس کی نصف قیمت دو کوڑے کھائے ہوئے کے حساب سے اپنے شریک کے واسطے ضمان دے گا اور اس پر تیسرے کوڑے کا ارش بھی دو کوڑے کھائے ہوئے کا اپنے مال سے واجب ہوگا اور اپنے مال سے اُس کی نصف قیمت بحساب تین کوڑے کھائے ہوئے کے واجب ہوگی اور باوجود اس سب کے آزاد کرنے والا وہ نصف جس کا احالہ شریک کے واسطے ہے وصول کرے گا اور باقی وارثان غلام کو ملے گی اور اگر اُس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس میں سے آزاد کرنے والا کچھ وارث نہ ہوگا اور جو شخص آزاد کرنے والے کے عصبات[2] میں جو سب سے قریب ہو وہ وارث ہوگا اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہو تو مارنے والے پر دوسرے کوڑے کا نصف ارش اُس کے مال سے ایک کوڑا کھائے ہوئے کے حساب سے واجب ہوگا اور اُس کی مددگار برادری تیسرے کوڑے کا ارش بحساب دو کوڑے کھائے ہوئے کے واجب ہوگا اور اُس کی نصف قیمت تین کوڑے کھائے ہوئے کے حساب سے واجب ہوگی اور جس مولی نے اُس کو آزاد نہیں کیا ہے وہ اس میں سے نصف بحساب دو کوڑے کھائے ہوئے کے لے لے گا اور جو باقی رہا اُس میں سے نصف وہ مولی لے لے گا جس نے آزاد نہیں کیا ہے اور نصف آزاد کنندہ کے عصبہ کو ملے گی یہ مختصر الجامع میں ہے۔ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہے اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس کو ایک کوڑا مار اور اگر تو نے زیادہ کیا تو وہ آزاد ہے پس مامور نے اُس کو تین کوڑے مارے اور وہ اس سب سے مر گیا تو مارنے والے پر دوسرے کوڑے کا نصف ارش بحساب ایک کوڑا کھائے ہوئے کے اُس کے مال سے واجب ہوگا اور آزاد کنندہ پر اگر خوشحال ہو اپنے شریک کے واسطے اُس کی نصف قیمت بحساب دو کوڑے کھائے ہوئے کے واجب ہوگی اور مارنے والے پر تیسرے کوڑے کا

---

[1] یعنی مارنے والا اور اس مقام پر ضارب عمرو ہے ۱۲ [2] عصبات جمع عصبہ وہ شخص جو اصحاب فرائض کے ہوتے ہوئے باقی پانے کا مستحق ہو اور درصورت نہ ہونے اصحاب فرائض کے کل پانے کا مستحق ہو اور پوری بحث اس کی اسی فتاویٰ کی کتاب الفرائض میں دیکھنا چاہئے۔

ارش بحساب دوکوڑے کھائے ہوئے کے واجب ہوگا اور اُس کی نصف قیمت بحساب تین کوڑے کھائے ہوئے کے واجب ہوگی اور یہ اُس کی مددگار برادری پر ہوگا پس اولیاء غلام اُس کو وصول کریں گے اور اس میں سے آزاد کنندہ اس قدر کے لے لے گا جس قدر اُس نے تاوان دیا ہے اور باقی وارثان غلام میں مشترک ہوگی اور اگر اُس کا کوئی وارث نہ ہو تو جس نے شرطیہ قسم سے اُس کو آزاد کیا ہے وہ وارث ہوگا اور اگر آزاد کنندہ تنگدست ہو تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور مارنے والے پر جیسا ہم نے بیان کیا ہے ضمان واجب ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور تیسرے کوڑے کا ارش واجب ہوگا کذا فی مختصر الجامع اور اس میں سے نصف اُس کے مال میں سے اور نصف اس کی مددگار برادری سے لیا جائے گا پھر اس میں سے مارنے والا غلام کی نصف قیمت بحساب دوکوڑے مارے ہوئے کے لے لے گا اور پھر اگر کچھ باقی رہا تو وارثان غلام کو ملے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر اُس کا کوئی وارث نہ ہوا تو اس کا نصف مولائے آزاد کنندہ اور باقی مارنے والے کے قریب تر عصبہ کو ملے گا اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے کذا فی مختصر الجامع اور اگر مسئلہ مذکورہ بحالہ ہو پھر حکم دہندہ نے اُس کو ایک کوڑا مارا پھر ایک اجنبی نے اُس کو ایک کوڑا مارا اور ان سب سے وہ مر گیا تو مامور پر دوسرے کوڑے کا نصف ارش اُس کے مال سے بحساب ایک کوڑا کھائے ہوئے کے اپنے شریک کے واسطے واجب ہوگا اور مامور کی مددگار برادری پر بشرطیکہ آزاد کنندہ خوشحال ہو تیسرے کوڑے کا ارش بحساب دوکوڑے کھائے ہوئے کے واجب ہوگا اور اُس کی قیمت کا چھٹا حصہ بحساب پانچ کوڑے کھائے ہوئے کے واجب ہوگا اور حکم دہندہ پر چوتھے کوڑے کا ارش بحساب تین کوڑے کھائے ہوئے کے اور تہائی قیمت بحساب پانچ کوڑے کھائے ہوئے کے اُس کے مال سے واجب ہوگا اور اجنبی کی مددگار برادری پر پانچویں کوڑے کا ارش بحساب چار کوڑے کھائے ہوئے کے اور تہائی قیمت بحساب پانچ کوڑے کھائے ہوئے کے واجب ہوگی اور اجنبی کی مددگار برادری اور حکم دہندہ اور مامور سے جو کچھ وصول کیا گیا ہے وہ غلام کا ہوگا اور مامور اپنے حکم دہندہ سے غلام کی نصف قیمت بحساب دوکوڑے کھائے ہوئے کے لے لے گا اور حکم دہندہ اس قدر مال کو مال غلام سے واپس لے گا اور جو کچھ غلام کا مال باقی رہا وہ عصبات حکم دہندہ کو ملے گا۔ بشرطیکہ غلام کا کوئی عصبہ نہ ہو یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر حکم دہندہ تنگدست ہو تو مامور پر دوسرے کوڑے کا نصف ارش اُس کے مال سے واجب ہوگا اور تیسرے کوڑے کا ارش اور چھٹا حصہ قیمت بحساب پانچ کوڑے کھائے ہوئے کے واجب ہوگا جس میں سے اُس کے مال پر اور نصف اُس کی مددگار برادری کے اوپر ہوگا اور حکم دہندہ پر وہی واجب ہوگا جو ہم نے اُس کے خوشحال ہونے کی حالت میں بیان کر دیا ہے لیکن یہ اُس کی مددگار برادری سے وصول کیا جائے گا اور اجنبی پر وہی واجب ہوگا جو ہم نے بیان کر دیا ہے اور مامور[1] اس میں سے غلام کی نصف قیمت بحساب دوکوڑے کھائے ہوئے کے لے لے گا اور جو باقی رہا وہ دونوں مولاؤں کے عصبات کو ملے گا یہ مختصر الجامع الکبیر میں ہے۔ اور عیون میں ہے کہ اگر ایک شخص نے دو آدمیوں سے کہا کہ تم دونوں میرے اس مملوک کو سو کوڑے مارو تو دونوں میں سے ایک کو یہ اختیار نہیں ہے کہ پورے سو کوڑے مارے اور اگر ایک نے اُس کو ننانوے کوڑے مارے اور دوسرے نے فقط ایک کوڑا مارا تو قیاساً زیادہ مارنے والا ضامن ہوگا اور استحساناً ضامن نہ ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک شخص نے ایک لڑکے کو ایک ہتھیار دے دیا تاکہ لئے رہے اور اس سے لڑکا ہلاک ہو گیا تو دینے والے کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اگر اس نے یہ نہ کہا کہ میرے واسطے اس کو لئے رہ تو بھی مختار یہی ہے کہ وہ ضامن ہوگا اور اگر کسی لڑکے کو ہتھیار دے دیا اور اُس نے اپنے آپ کو یا دوسرے کو ہلاک کیا تو بالاجماع دینے والا ضامن نہ ہوگا کذا فی الخلاصہ اور قولہ اور اُس سے لڑکا ہلاک ہو گیا اس قول سے یہ مراد نہیں ہے کہ لڑکے نے اپنے تئیں قتل کر ڈالا کیونکہ اس صورت میں دینے والے پر ضمان نہیں ہے بلکہ اس

[1] وہ شخص جس کو حکم دینے والے نے حکم کسی کام کا دیا ۱۲

سے یہ مراد ہے کہ وہ ہتھیار لڑکے کے ہاتھ سے اس کے بعض اعضاء پر گرا جس سے وہ ہلاک ہو گیا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک لڑکے مجور سے یہ کہا کہ تو اس درخت پر چڑھ کر میرے واسطے اس کے پھل توڑ دے پس وہ لڑکا چڑھا اور وہاں سے گر کر ہلاک ہو گیا تو حکم دہندہ کی مددگار برادری پر لڑکے مذکور کی دیت واجب ہو گی اسی طرح اگر اس کو اپنے واسطے کسی بوجھ اُٹھانے یا لکڑی توڑنے کا حکم دیا ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر طفل مذکور سے یوں کہا کہ اس درخت پر چڑھ جائے اور پھل توڑ اور یہ نہ کہا کہ میرے واسطے توڑ دے اور لڑکے نے ایسا ہی کیا اور ہلاک ہوا تو مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ ضامن ہو گا خواہ اس نے یہ کہا ہو کہ میرے واسطے توڑ دے یا فقط یہ کہا ہو کہ پھل توڑ یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ اگر دوسرے شخص کے غلام سے کہا کہ اس درخت پر چڑھ کر پھل توڑ تا کہ تو کھائے اور اُس نے ایسا کیا اور اگر ہلاک ہو گیا تو کہنے والا ضامن نہ ہو گا اور اگر یوں کہا کہ تا کہ میں کھاؤں اور باقی مسئلہ بحالہ ہے تو ضامن ہو گا یہ محیط میں ہے۔ اگر غیر کے غلام کو لکڑیاں توڑنے یا کسی اور کام کے واسطے حکم دیا تو جو نتیجہ اس سے پیدا ہو اس کا ضامن ہو گا یہ خلاصہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے ایک طفل کو اپنے سواری کے جانور پر چڑھایا اور کہا کہ میرے واسطے اس کو تھامے رہنا اور اس کام کے واسطے اس کو کوئی راہ نہ تھی پھر وہ جانور پر سے گر پڑا اور مر گیا تو جس نے اس کو سوار کیا ہے اُس کی مددگار برادری پر طفل مذکور کی دیت واجب ہو گی خواہ طفل مذکور ایسا ہو کہ اتنے بڑے لڑکے سوار ہوتے ہیں یا ایسا نہ ہو۔ اور اگر طفل مذکور نے جانور کو چلایا یہاں تک کہ اُس کی رفتار میں کوئی آدمی دب کر قتل ہو گیا اور طفل مذکور اس کو تھامے ہوئے بیٹھا تھا تو مقتول کی دیت طفل کی مددگار برادری پر واجب ہو گی اور جس نے چڑھایا اُس کی مددگار برادری پر کچھ واجب نہ ہو گا اور اگر طفل مذکور ایسا ہو کہ اتنے چھوٹے لڑکے جانور کو نہیں چلا سکتے ہیں اور نہ بیٹھ کر تھام سکتے ہیں تو مقتول کا خون ہدر[1] ہو گا اور اگر جانور کی رفتار میں وہ لڑکا اُس کے اوپر سے گر کر مر گیا تو اُس کی دیت سوار کرنے والے کی مددگار برادری پر واجب ہو گی خواہ جانور کے رواں ہونے کے بعد گرا ہو یا پہلے گرا ہو خواہ طفل مذکور ایسا ہو کہ اُس کو تھام[2] سکتا ہو یا نہ تھام سکتا ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر ایک شخص ایک طفل کو ساتھ لے کر ایک جانور پر سوار ہوا اور لڑکا ایسا ہے کہ نہ چلا سکتا ہے اور نہ اس پر جم سکتا ہے پھر جانور مذکور نے کسی شخص کو تلف کر دیا تو اس کی دیت خاص کر مرد مذکور کی مددگار برادری پر واجب ہو گی اور اسی پر کفارہ واجب ہو گا اور اگر طفل مذکور ایسا ہو کہ جانور چلاتا ہو اور اُس پر سوار ہوتا ہو تو مقتول کی دیت دونوں کی مددگار برادری پر واجب ہو گی پھر طفل کی مددگار برادری اس دیت کو مرد کی مددگار برادری سے واپس لے گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر ایک غلام نے آزاد طفل کو ایک جانور پر سوار کیا اور طفل مذکور اُس پر سے گر کر مر گیا تو اس کی دیت غلام کی گردن پر ہو گی کہ مولائے غلام اُس کو دے گا یا اُس کا فدیہ دے گا اور اگر طفل کے ساتھ غلام بھی اُس جانور پر سوار ہوا اور دونوں رواں ہوئے پھر جانور مذکور نے کسی آدمی کو روند ڈالا اور وہ مر گیا تو طفل کی مددگار برادری پر نصف دیت اور غلام کی گردن پر نصف دیت واجب ہو گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر آزاد بالغ نے ایک غلام صغیر کو جانور پر سوار کیا حالانکہ اتنا بڑا غلام اُس کو چلا سکتا اور تھام سکتا ہے کہ اُس پر جمارہے پھر اُس کو حکم کیا کہ اس پر رواں ہو پھر جانور مذکور نے کسی آدمی کو روند ڈالا تو اس کی دیت غلام مذکور کی گردن پر ہو گی چاہے اس کا مولیٰ اس غلام کو دے دے یا اُس کا فدیہ دے پھر اُس کا مولیٰ ارش واُس کی قیمت سے کم مقدار کو غاصب سے واپس لے گا اور اگر مرد مذکور نے غلام کو چڑھایا حالانکہ ایسا چھوٹا غلام جانور کو نہیں چلا سکتا ہے اور نہ اس پر جم کر بیٹھ سکتا ہے اور جانور مذکور روانہ ہوا اور اُس نے کسی آدمی کو روند ڈالا تو اُس کا خون ہدر ہو گا اور اگر وہ جانور

---

[1] یعنی اُس کا عوض نہیں ہے جیسے ہمارے عرف میں رائیگاں ومفت بولتے ہیں ۱۲

[2] قال یعنی اُس پر اس طرح بیٹھ سکتا ہو کہ جانور پر جم سکے یا اس کی لیاقت نہ رکھتا ہو ۱۲ منہ

وہیں کھڑا ہو جہاں اُس نے کھڑا کیا ہے تو وہ خالی نہ ہوگا حتی کہ اگر جانور نے اپنے ہاتھ یا لات سے کسی کو مارا یا ایک دم کیا تو غلام صغیر پر کچھ واجب نہ ہوگا اور مقتول یا مجروح کی ضمان اُس شخص کی مددگار برادری پر واجب ہوگی جس نے اُس کو کھڑا کیا ہے لیکن اگر اس نے اپنی ملک میں کھڑا کیا ہو تو اس پر ضمان نہ ہوگی یہ شرح مبسوط میں ہے۔ایک شخص نے ایک طفل کو دیوار یا درخت پر دیکھ کر بلند آواز سے کہا کہ گر نہ پڑنا پھر وہ گر کر مر گیا تو مرد آواز دہندہ ضامن نہ ہوگا اور اگر کہا کہ گر پڑ اور وہ مر گیا تو آواز دینے والا اُس کی دیت کا ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ایک لڑکا اپنے باپ کی گود میں ہے اُس کو ایک غیر شخص نے کھینچا حالانکہ اُس کا باپ اُس کو پکڑے رہا یہاں تک کہ اُس کے کھینچنے میں وہ مر گیا تو طفل مذکور کی دیت اُس کھینچنے والے پر ہوگی اور باپ اُس کا وارث ہوگا اور اگر دونوں نے اُس کو کھینچا ہو اور وہ مر گیا تو اس کی دیت دونوں پر واجب ہوگی اور باپ اُس کو وارث نہ ہوگا یہ واقعات حسامیہ میں ہے۔ایک لڑکا پانی میں گر کر یا چھت سے گر کر مر گیا پس اگر ایسا ہو کہ اپنی حفاظت خود کر سکتا ہے تو ماں باپ پر کچھ نہ ہوگا اور اگر اپنی حفاظت خود نہ کر سکتا ہو تو ماں و باپ پر کفارہ واجب ہوگا بشرطیکہ دونوں کی گود میں پرورش پاتا ہو اور اگر دونوں میں سے ایک کی گود میں پرورش پاتا ہو تو فقط اُسی پر کفارہ واجب ہوگا ایسا ہی شیخ نصیر سے مروی ہے اور شیخ ابو القاسم سے حق والدین میں یہ منقول ہے کہ اگر دونوں نے بچہ کا تعاہد[1] نہ کیا یہاں تک کہ وہ چھت سے گر کر مر گیا یا آگ سے جل کر مر گیا تو دونوں پر سوائے توبہ و استغفار کے کچھ واجب نہ ہوگا اور فقیہ ابو اللیثؒ نے یہ اختیار کیا ہے کہ دونوں پر کچھ واجب نہ ہوگا اور نہ ایک پر کچھ واجب ہوگا الا اُس صورت میں کہ اُس کے ہاتھ سے گر پڑے اور فتویٰ اسی پر ہے جس کو فقیہ ابو اللیثؒ نے اختیار کیا ہے کذا فی الظہیریہ اور یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔بچہ کی ماں نے اگر بچہ باپ کے پاس چھوڑ دیا اور چلی گئی حالانکہ وہ بچہ سوائے ماں کے دوسری عورت کی چھاتی لیتا ہے مگر باپ نے اُس کے واسطے کوئی دائی نہ لگائی یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گیا تو باپ گنہگار رہوگا اور اُس پر کفارہ توبہ واجب ہے اور اگر وہ دوسری عورت کی چھاتی نہ لیتا ہو اور اُس کی ماں یہ بات جانتی ہو تو ماں گنہگار رہوگی کیونکہ اُسی نے اُس کو ضائع کیا ہے اور اُس پر کفارہ واجب ہوگا یہ حکم شیخ نصیرؒ سے مروی ہے اور چاہیے کہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہو جیسے مسئلہ اولیٰ میں اختلاف ہے یہ محیط میں ہے۔

چھ برس کی لڑکی کو بخار آتا تھا اور وہ آگ کے قریب بیٹھی تھی پھر باپ کے چلے جانے کے بعد اُس کی ماں بھی اُس کو چھوڑ کر کسی پڑوسی کے یہاں گئی پھر وہ لڑکی جل گئی اور مر گئی تو ماں پر دیت واجب نہ ہوگی لیکن اگر اُس کے پاس مال ہو تو مجھے نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان باندی آزاد کر دے ورنہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے اور برابر تاسف و ندامت میں رہے اور استغفار کرتی رہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عفو کر دے اور یہ حکم مستحب ہے اور رہا وجوب کفارہ سو اُس کا حال بیان ہو چکا ہے یعنی کفارہ واجب نہیں ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔اصل میں ہے کہ اگر کسی شخص نے آزاد بچہ کو غصب کر لیا اور لے گیا اور وہ مر گیا تو اُس میں دو صورتیں ہیں اوّل آنکہ کسی ایسے سبب سے مر گیا جس سے احتراز و حفاظت ممکن ہے مثلاً اُس کو بخار آنے لگا اور اس صورت میں بالا جماع غاصب پر ضمان نہیں ہے اور دوم آنکہ ایسے سبب سے مرا جس سے احتراز و حفاظت ممکن ہے مثلاً وہ قتل کیا گیا یا اُس کے پتھر لگا یا اُس پر دیوار گر پڑی یا آسمان سے بجلی گری اور وہ صدمہ اُٹھا کر مر گیا یا اُس کو سانپ نے کاٹا یا درندہ نے پھاڑا یا دیوار یا پہاڑ سے گر پڑا تو ہمارے علمائے ثلاثہ کے نزدیک غاصب ضامن ہوگا اور اس پر اجماع ہے اگر بچہ مذکور نے اپنے آپ کو قتل کیا تو غاصب پر ضمان نہ ہوگی اور اگر غلام غصب کیا ہو تو بہر حال ضامن ہوگا خواہ ایسے سبب سے مرا جس سے احتراز ممکن ہے یا ایسے سبب سے جس سے احتراز ناممکن ہے یہ محیط میں ہے۔اور اگر ایک طفل غصب کر کے مہالک کے قریب کر دیا یعنی ایسی چیزوں سے قریب کر دیا جس سے آدمی مر جاتا

[1] یعنی نگہداشت و محافظت جیسے ہمارے عرف میں غور و تکوار بھی بولتے ہیں ۱۲

ہے اور وہ مر گیا تو اس پر دیت واجب ہوگی اگر وہ آزاد ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر طفل مغصوب نے کسی کو قتل کیا تو غاصب پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر طفل کے پاس ایک غلام ودیعت رکھا گیا ہو تو اُس کو طفل نے قتل کر ڈالا تو اُس کی مددگار برادری پر اُس کی قیمت واجب ہوگی اور اگر طعام ودیعت رکھا گیا اُس کو طفل نے کھالیا تو ضامن نہ ہوگا یہ امام اعظمؒ وامام محمدؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں ضامن ہوگا اور علی ہذا اگر غلام مجور کو مال ودیعت دیا گیا اور اُس نے تلف کر دیا تو امام اعظمؒ وامام محمدؒ کے نزدیک فی الحال وہ ماخوذ[1] نہ ہوگا اور بعد آزاد ہونے کے اس سے تاوان مال کا مواخذہ کیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فی الحال ماخوذ ہوگا اور اقراض واعارہ اور بیع وتسلیم اگر طفل یا غلام مجور کے ساتھ ہو تو اس میں بھی ایسا ہی اختلاف ہوگا اور صحیح قول کے موافق یہ اختلاف طفل عاقل میں ہے حتیٰ کہ غیر عاقل بالاجماع ضامن نہ ہوگا اور اگر بدون ایداع[2] کے کچھ مال تلف کر دیا تو ضامن ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر باپ نے بیٹے کو یا وصی نے یتیم کو تادیباً مارا اور وہ مر گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا اور اگر معلم نے اس کو مارا پس اگر ان دونوں کے بغیر اجازت ہو تو کسی پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر شوہر نے زوجہ کو تادیباً مارا اور وہ مرگئی تو ضامن ہوگا اور باپ پر کفارہ و دیت واجب ہوگی اور ادب سکھلانے والے پر کفارہ واجب ہوگا دیت نہ ہوگی اور شوہر پر کفارہ و دیت دونوں واجب ہوں گے یہ واقعات حسامیہ میں ہے۔ والدہ نے اگر اپنے نابالغ فرزند کو تادیب کے واسطے مارا اور وہ مر گیا تو بنا بر قول اماما عظمؒ کے بلاشک والدہ ضامن ہوگی اور صاحبینؒ کے قول پر مشائخؒ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ والدہ ضامن نہ ہوگی اور بعض نے فرمایا کہ ضامن ہوگی یہ محیط میں ہے ایک شخص نے اپنے نابالغ فرزند کو تعلیم قرآن مجید میں مارا اور وہ مر گیا تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ والد اس کی دیت کا ضامن ہوگا اور اُس کا وارث نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ والد اُس کا وارث ہوگا اور ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ پچھنے لگانے والے یا فصد کھولنے والے یا جراح یا ختنہ کرنے والے نے اگر پچھنے لگائے یا فصد کھولی یا نشتر دیا یا ختنہ کیا اور جس کے ساتھ کیا ہے اُس کی اجازت سے کیا پھر یہ زخم بجانب نفس سرایت کر گیا اور وہ مر گیا تو ضامن نہ ہوگا کذا فی السراجیہ جراح یا فصد کھولنے والے یا پچھنے لگانے والے نے اگر مولیٰ کی اجازت سے غلام کے ساتھ یا ولی کی اجازت سے طفل کے ساتھ ایسا کیا اور جراحت بجانب نفس سرایت کر گئی اور وہ مر گیا تو ان میں سے کسی پر ضمان نہ ہوگی اور یہی حکم ختنہ کرنے والے کا ہے اور بلاخلاف یہ لوگ سرایت زخم سے ضامن نہیں ہوتے ہیں یہ محیط میں ہے۔

ابن سماعہ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے اگر ختنہ کرنے والے نے باپ کی اجازت سے اُس کے بیٹے کا ختنہ کیا اور استرہ چل گیا کہ جس سے حشفہ[3] کٹ گیا اور طفل مر گیا تو ختنہ کرنے والے کی مددگار برادری پر آدھی دیت واجب ہوگی اور اگر طفل زندہ رہا تو ختنہ کرنے والے کی مددگار برادری پوری دیت ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے اور یہ حکم ایسی صورت میں ہے کہ جب حشفہ کٹ گیا اور طفل مر گیا تو ہم نے ذکر کیا کہ آدھی دیت واجب ہوگی یہ امام محمدؒ نے روایت کی ہے اور یہ روایت مجموع النوازل میں مذکور ہے اور اصل میں ذکر فرمایا کہ اگر مر گیا تو کچھ واجب نہ ہوگا اور ایسا ہی جنایات العتاق میں مذکور ہے کذا فی الذخیرہ۔

---

[1] یعنی اُس سے اس بارہ میں فی الحال مؤاخذہ ومطالبہ نہ کیا جائے گا ۱۲ [2] ودیعت رکھنا ۱۲ [3] حشفہ مرد کے آلہ تناسل کا سر ۱۲

دسواں باب ☆

جنین کے بیان میں

اگر مرد نے ایک عورت حاملہ کے پیٹ میں خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافر ہو مارا جس سے اُس کے پیٹ سے مردہ بچہ آزاد گر پڑا خواہ وہ نر ہو یا مادہ ہو تو مارنے والے کی مددگار برادری پر غرہ واجب ہوگا اور غرہ غلام ہے یا باندی ہے یا گھوڑا ہے جس کی قیمت پانچ سو درم ہو اور یہ مال اس جنین کی میراث[1] ہوتا ہے اور اگر مارنے والا اُس کا وارث ہو تو اب وارث نہ ہوگا اور اس میں کچھ کفارہ نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے اور اگر ضرب مذکور سے دو بچہ گرے تو دو غرہ واجب ہوں گے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور جس جنین[2] کی بعض خلقت مثل ناخن و بال کے ظاہر ہوگئی ہو تو وہ بمنزلۂ پورے جنین کے ہوگا یعنی تمام احکام میں مثل پورے جنین کے ہے یہ کافی میں ہے۔ اور اگر ضرب کے بعد جنین زندہ ساقط ہوا پھر مر گیا تو اُس کی پوری دیت اور کفارہ واجب ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر عورت مذکورہ کے پیٹ کا بچہ مردہ گر پڑا پھر وہ عورت مر گئی تو مارنے والے پر عورت کے قتل کرنے کی دیت اور بچہ گرانے کا غرہ واجب ہوگا اور اگر چوٹ کھا کر پہلے عورت مذکورہ مر گئی پھر اُس کے پیٹ سے جنین زندہ برآمد ہوا پھر مر گیا تو اُس پر عورت مذکورہ کے قتل کی دیت اور جنین کی دیت واجب ہوگی اور اگر وہ مر گئی پھر مردہ بچہ گرا تو اس پر عورت کے واسطے دیت واجب ہوگی اور جنین کے واسطے کچھ واجب نہ ہوگا یہ ہدایہ میں ہے۔ اور اگر بچہ کا سر نکلا اور وہ آواز سے رویا پھر ایک شخص نے آکر اُس کو ذبح کر ڈالا تو اُس پر غرہ[3] واجب ہوگا اس واسطے کہ وہ جنین ہے خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک مرد نے کسی عورت کے پیٹ میں مارا کہ جس سے دو جنین گر پڑے ایک زندہ اور دوسرا مردہ پھر زندہ بھی اسی چوٹ کی وجہ سے بعد پیدا ہو جانے کے مر گیا تو مارنے والے پر جنین میت کا غرہ اور زندہ کی پوری دیت واجب ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے منتقی میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے پیٹ میں مارا جس سے زندہ جنین گر پڑا پھر وہ مر گیا پھر دوسرا جنین مردہ گرا پھر اس کے بعد عورت مذکور مر گئی اور مرد مارنے والے کے اور بیٹے ہیں جو اس عورت کے سوائے دوسری عورت کے پیٹ سے ہیں اور اس عورت سے سوائے اس اولاد کے جو مارنے کے وقت پیدا ہوئی ہے اور کوئی اولاد نہیں ہے اور اس عورت کے ایک ماں باپ کے سگے بھائی موجود ہیں تو مرد مذکور کی مددگار برادری پر زندہ جنین کی دیت واجب ہوگی جس میں سے اُس کی ماں چھٹا حصہ میراث پائے گی اور جو باقی رہے وہ اُس کے باپ کی اولاد یعنی اُس کے سوتیلے علاتی بھائیوں کو ملے گی اور باپ پر دو کفارہ واجب ہوں گے ایک کفارہ زندہ جنین کا اور یک کفارہ اُس کی ماں کا اور جو بچہ مردہ گر پڑا ہے اُس کے واسطے باپ کی مددگار برادری پر پانچ سو درم کا ایک غرہ واجب ہوگا اور اس میں سے اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہوگا اور باقی اس بچہ کا ہوگا جو زندہ ساقط ہوا ہے اس واسطے کہ غرہ بسبب ضرب کے واجب ہوا ہے اور جنین زندہ اس وقت زندہ تھا پھر اس میں سے جنین زندہ کی ماں چھٹے حصے کی وارث ہوگی پھر جس قدر یہ سب ماں کو میراث پہنچا ہے ماں کے بھائیوں کو ملے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک شخص نے ایک باندی کے پیٹ میں مارا پھر اُس کے مولیٰ نے جو کچھ اُس کے پیٹ میں ہے آزاد کر دیا ☆

اگر اس کے پیٹ میں دو جنین ہوں پھر ایک نے اُس کے مرنے سے پہلے نکلا اور دوسرا اس کے مرنے کے بعد نکلا حالانکہ دونوں مردہ تھے پھر جو بچہ اس کی موت سے پہلے نکلا ہے اُس کے واسطے غرہ پانچ سو درم ہوں گے اور جو بعد موت کے نکلا ہے اُس کے

[1] یعنی اس کے ذمہ پر بحساب حصص فرائض تقسیم ہوگا ۱۲ [2] جس وقت تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اُس پر جنین کا اطلاق ہوتا ہے ۱۲

[3] قال اور اگر سر سے کچھ زائد نکلا ہو تو دیت واجب ہوگی ۱۲

لئے کچھ نہ ہوگا پھر جو مرنے سے پہلے مردہ نکلا ہے وہ اپنی ماں کی میراث سے وارث نہ ہوگا اور ماں اُس کی میراث سے وارث ہوگی اور جو بچہ اُس کے مرنے کے بعد اُس کے پیٹ سے نکلا ہے اگر وہ زندہ نکلا پھر مرگیا ہو تو اُس کے واسطے دیت واجب ہوگی اور وہ اپنی ماں کی دیت سے وارث ہوگا اور جس قدر اُس کی ماں نے اُس کے بھائی کے غرہ سے میراث پائی ہے اس میں سے بھی وارث ہوگا اور اگر اُس کے بھائی کا باپ زندہ نہ ہو تو اُس کے بھائی کی میراث بھی اسی کو ملے گی یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کی باندی کے پیٹ میں مارا اور اُس کے پیٹ سے مردہ بچہ ساقط ہوا۔ اور باندی مذکور زندہ رہی تو دیکھا جائے گا کہ اگر یہ بچہ آزاد ہو مثلاً باندی کے مولیٰ کا نطفہ ہو تو غرہ واجب ہوگا خواہ مؤنث ہو یا مذکر ہو اور اگر بچہ مذکور رقیق[1] ہو تو ہمارے اصحاب سے ظاہر الروایہ میں یوں مذکور ہے کہ جس ہیات دلوں کے ساتھ خارج ہوا ہے زندہ فرض کر کے اُس کی قیمت اندازہ
کی جائے گی پھر جب اُس کی قیمت معلوم ہو جائے تو دیکھا جائے گا اگر مذکر ہو تو ضارب پر بیسواں حصہ قیمت واجب ہوگا اور اگر مؤنث ہو تو دسواں حصہ قیمت واجب ہوگا اور اگر بچہ مذکور ضائع ہو گیا اور اُس کی قیمت کا اندازہ کرنا ممکن نہ ہو سکا کہ زندہ فرض کر کے اس کے ہیات و رنگ پر اُس کی قیمت اندازہ کی جائے اور ضارب و باندی کے مولیٰ کے درمیان اُس کی قیمت کی بابت جھگڑا ہوا تو قول ضارب کا قبول ہوگا یہ محیط میں ہے اور جو مال کہ باندی کے جنین کے عوض واجب ہوا وہ مال ضارب سے فی الحال لے لیا جائے گا اس کو حسنؒ نے روایت کیا ہے اور جو مال آزاد عورت کے جنین کی بابت واجب ہو وہ ضارب کی مددگار برادری پر واجب ہوگا کہ ایک سال میں ادا کرے یہ شرح طحاوی میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ ایک شخص نے ایک باندی کے پیٹ میں مارا اور وہ مردہ جنین ڈال گئی اور خود مر گئی تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ مارنے والے پر تین سال میں ماں کی قیمت ادا کرنی واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے اگر ایک شخص نے ایک باندی کے پیٹ میں مارا پھر اُس کے مولیٰ نے جو کچھ اُس کے پیٹ میں ہے آزاد کر دیا پھر اُس سے زندہ جنین ساقط ہوا پھر مر گیا تو ضارب پر اُس کے زندہ کی قیمت واجب ہوگی اور دیت واجب نہ ہوگی اگرچہ بعد آزاد ہونے کے مرا ہے یہ کافی میں ہے۔ اور اگر باندی کو چوٹ کھانے کے بعد فروخت کیا پھر اُس کے پیٹ سے بچہ ساقط ہوا تو غرہ بائع کو ملے گا اور اگر ضرب کے وقت باپ غلام ہو پھر آزاد کیا گیا پھر جنین ساقط ہوا تو باپ کو کچھ نہ ملے گا اس واسطے کہ اس وقت کی حالت معتبر ہے جس وقت ضرب واقع ہوئی ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ نوادر بشر میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جو اُس کی باندی کے پیٹ میں ہے آزاد کیا پھر ایک شخص نے اُس کے پیٹ میں مارا جس سے مردہ بچہ ساقط ہو گیا اور اُس کا باپ آزاد ہے تو ضارب پر وہی واجب ہوگا جو جنین حرہ یعنی آزاد عورت کے بچے کے حق میں واجب ہوتا ہے یعنی غرہ واجب ہوگا اور وہ باپ کو ملے گا مولیٰ کو نہ ملے گا یہ محیط میں ہے۔
اگر جنین کا باپ یا ماں قبل ضرب کے آزاد کی گئی تو وہ مولیٰ کی بہ نسبت جنین کے معاوضہ کے حق دار ہوں گے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ نوادر بن سماعہ میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی باندی سے کہا کہ دو بچے جو تیرے پیٹ میں ہیں ان میں سے ایک آزاد ہے پھر مر گیا پھر ایک شخص نے اس باندی کے پیٹ میں مارا پس دو جنین مردہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی اُس کے پیٹ سے ساقط ہوئے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ضارب پر مذکر بچہ کے واسطے نصف غرہ یعنی ڈھائی سو درم اور نیز اُس کے زندہ فرض کرنے کی قیمت کی چوتھائی واجب ہوگی۔ اور اُس پر مؤنث جنین کے واسطے ڈھائی سو درم اور بیسواں حصہ قیمت واجب ہوگا یہ محیط میں ہے۔ عورت نے اگر اپنے پیٹ میں مار کر صدمہ پہنچایا یا کوئی دوا پی لی تاکہ عمداً بچہ کو ساقط کر دے یا اپنی فرج میں کوئی ایسا دستی فعل کیا کہ جس سے بچہ ساقط ہو گیا تو اُس کی مددگار برادری غرہ کی ضامن ہوگی بشرطیکہ اُس نے شوہر کی بلا اجازت ایسا کیا ہو اور اگر شوہر کی

[1] یعنی کسی کا مملوک ہو ۱۲

اجازت سے ایسا کیا تو کچھ واجب نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ایک عورت نے ایک دوا پی مگر اُس سے عمداً بچہ گرانے کا قصد نہیں کیا تو اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔فتاویٰ نسفی میں لکھا ہے کہ جس عورت نے خلع[1] کرالیا ہے اور وہ حاملہ ہے اُس نے عدت ساقط کرنے کی غرض سے پیٹ کا اسقاط کیا تو فرمایا کہ اگر اُس نے اپنے فعل سے ساقط کیا تو اُس پر غرہ واجب ہوگا اور یہ شوہر کو ملے گا یہ محیط میں ہے۔ایک شخص نے ہزار درم کی باندی خرید کر اُس سے وطی کی اور وہ اس سے حاملہ ہوگئی پھر باندی مذکور نے اپنے پیٹ کو عمداً صدمہ ضرب پہنچایا یا کوئی دوا پی تا کہ بچہ ساقط کر دے پھر مردہ جنین ساقط ہوا پھر وہ باندی استحقاق میں لی گئی تو قاضی بنام مستحق اس باندی اور اُس کے عقر[2] کا حکم دے گا اور مشتری اپنا ثمن بائع سے واپس لے گا پھر مستحق سے کہا جائے گا کہ تیری باندی نے اپنے بچہ کو قتل کیا حالانکہ وہ آزاد تھا اس واسطے کہ وہ مشتری مغرور کا بچہ تھا اور جنین آزاد مضمون ہوتا ہے کہ غرہ اُس کے ضمان میں واجب ہوتا ہے پس تجھ کو اختیار ہے کہ چاہے غرہ میں باندی دے دے یا اس کا فدیہ دے پھر جب اُس نے باندی دی یا فدیہ دیا تو مشتری سے کہا جائے گا کہ ہرگاہ تو نے غرہ لے لیا تو تجھ کو بچہ کے بدلے[3] تاوان دیا گیا اور اگر تجھ کو بچہ دیا جاتا یا زندہ ساقط ہو کر مرنے کی صورت میں قیمت دی جاتی تو تجھ پر مستحق کے واسطے پوری قیمت واجب ہوتی پس جب تجھ کو غرہ دیا گیا تو اسی حساب سے تجھ پر قیمت دینی واجب ہے اور آزاد بچہ کی قیمت دس ہزار ہے اگر مذکر ہو اور پانچ ہزار ہے اگر مؤنث ہو پس دیت مذکر میں پانچ سو درم اُس کا بیسواں حصہ ہے اور مؤنث کی دیت میں سے دسواں حصہ ہے پس اس حساب سے مشتری ضمان دے گا اور مستحق نے جب باندی دی یا اُس کا فدیہ دیا تو قیمت و مال مضمون سے کمتر کو چاہے بائع سے واپس لے یا مشتری سے پس اگر بائع سے لی تو مشتری سے بائع واپس لے گا اور اگر مشتری سے لی تو وہ بائع سے واپس نہ لے گا پھر مشتری نے جس قدر قیمت بچہ تاوان دی وہ بحکم غرور اپنے بائع سے واپس لے گا یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔اگر حاملہ باندی خریدی اور ہنوز اُس پر قبضہ نہ کیا تھا کہ جو اُس کے پیٹ میں تھا اُس کو آزاد کر دیا پھر ایک شخص نے اُس کے پیٹ میں مارا اور اُس کے پیٹ سے مردہ بچہ ساقط ہوا تو مشتری کو اختیار ہوگا چاہے پورے ثمن میں باندی لے کر ضارب کا دامن گیر ہو کر ارش جنین[3] میں آزاد جنین کا ارش لے لے اور جس قدر زیادتی ہو وہ اُس کو حلال ہوگی اور چاہے بیع باندی فسخ کر دے اور اس کا بچہ بعوض اپنے حصہ کے اُس کے ذمہ لازم ہوگا اور اگر جنین کا باپ آزاد ہو یا کوئی وارث مولیٰ[4] العتاقہ سے رتبہ میں مقدم ہو تو دونوں صورتوں میں جنین کا ارش اُسی کو ملے گا اور مشتری کو کچھ نہ ملے گا یہ محیط میں ہے۔ایک شخص نے ایک حاملہ کے پیٹ میں چھری ماری اور وہ اُس کے پیٹ کے بچہ کے ہاتھ پر پہنچی اور ہاتھ کاٹ دیا پھر وہ عورت اس بچہ کو زندہ جنی تو نصف دیت اُس مارنے والے کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اس واسطے کہ یہ خطاء ہے کذا فی الظہیریہ۔

گیارھواں باب ☆

دیوار و جناح و پائخانہ کی جنایت اور ان کے سوائے اور چیزوں کی جن کو انسان راستہ پر بناتا ہے اور اُس کے مناسبات کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ اگر کسی شخص نے ابتداء سے جھکی ہوئی دیوار بنائی ہو پھر وہ کسی شخص پر گر پڑی اور وہ قتل ہوگیا یا کسی شخص کا مال تلف ہوگیا تو دیوار مذکورہ کا مالک ضامن ہوگا خواہ پیشتر اُس سے توڑنے کے واسطے کہہ دیا گیا ہو یا نہ کہا گیا ہو اور اگر اُس نے ابتداء سے

---

[1] یعنی کچھ مال دے کر شوہر سے طلاق لے ۱۲ [2] وہ مال جو بعوض وطی شبہہ کے واجب ہو ۱۲

[3] یعنی جرمانہ بچہ ساقط شدہ ۱۲ [4] وہ شخص جس نے اُس مملوک کو آزاد کیا ہو ۱۲

سیدھی بنائی پھر مدت دراز گذرنے سے وہ جھک گئی اور کسی آدمی یا کسی مال پر گری اور وہ تلف ہو گیا پس اگر مالک دیوار سے پیشتر گرنے سے نہ کہا گیا ہو تو ہمارے علماء ثلاثہ کے نزدیک مالک دیوار ضامن نہ ہوگا اور اگر پیشتر اس سے کہہ دیا گیا ہو پھر وہ دیوار گری حالانکہ اطلاع دینے کے بعد مالک کو ایسا موقع تھا کہ وہ دیوار کو توڑ سکتا تھا مگر اُس نے نہ توڑی تو قیاساً ضامن نہ ہوگا اور استحساناً ضامن ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ پھر ایسی دیوار سے جو جان تلف ہو جائے اُس کی ضمان مالک دیوار کی مددگار برادری پر ہوگی اور جو مال تلف ہو اُس کا جو ضامن ہوگا یہ تبیین میں ہے۔ اور دیوار کے مالک سے دیوار توڑنے کی اطلاع دینا اس کے ٹوٹے ہوئے کے حق میں بھی وہی اطلاع کافی ہوگی حتی کہ اگر اُس کی دیوار بعد اطلاع کے ٹوٹ گری اور اُس کی ٹوٹن سے کوئی شخص ٹھوکر کھا کر مر گیا تو اُس کی دیت مالک دیوار پر ہوگی اور یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور اصحاب الامالی نے امام ابو یوسفؒ سے یوں روایت کی ہے کہ مالک دیوار ضامن نہ ہوگی مگر امام محمدؒ کا قول صحیح ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر دیوار ایک شخص پر گری اور وہ مر گیا پھر دیوار کے ٹوٹن سے ایک شخص ٹھوکر کھا کر مر گیا پھر ایک شخص اُس مقتول سے ٹھوکر کھا کر مر گیا تو دیوار والے کی مددگار برادری پر ضمان نہ ہوگی اور اگر بجائے دیوار کے جناح[1] ہو جس کو اس نے راستہ کی طرف بڑھایا تھا پھر وہ راہ میں ٹوٹ پڑا اور اُس کے ٹوٹن سے ایک آدمی ٹھوکر کھا کر مر گیا اور دوسرا شخص اس مقتول سے ٹھوکر کھا کر مر گیا تو دونوں مقتولوں کی دیت اس جناح کے مالک پر ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور مالک کو اطلاع دہی کرنا سلطان[(1)] و غیر سلطان سب کے نزدیک صحیح ہے یہ کافی میں ہے۔ اور پیشتر اطلاع دہی کی تفسیر یہ ہے کہ صاحب حق مالک دیوار سے کہے کہ تیری دیوار خوفناک ہے یا کہے کہ جھکی ہوئی ہے پس تو اُس کو توڑ دے تا کہ گر کر کچھ تلف نہ کرے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر مالک سے کہا گیا کہ تیری دیوار جھکی ہوئی ہے تجھے چاہئے ہے کہ تو اُسے منہدم کرادے تو یہ مشورہ ہے طلب نہیں ہے کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ اور طلب شرط ہے اور گواہ کر دینا شرط نہیں ہے حتی کہ اگر توڑ کر صاف کر دینے کی طلب کی اور گواہ نہ کئے مگر مالک دیوار نے مثلاً اُس کو دور نہ کیا حالانکہ اُس کے دور کرنے پر قادر تھا یہاں تک کہ وہ کسی شخص پر یا مال پر گری اور اُس کو تلف کر دیا اور مالک دیوار طلب مذکور کا اقرار کرتا ہے تو وہ ضامن ہوگا اور گواہ کر لینے کا فائدہ یہ ہے کہ وقت انکار مالک کے اُس پر ثابت کیا جائے یہ کافی میں ہے۔ اور اگر طلب پر دو گواہ مرد یا ایک مرد و دو عورتیں گواہی دیں تو مطالبہ ثابت ہو جائے گا اور اس طرح بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک قاضی[(2)] کا خط دوسرے قاضی کے نام ہو۔ اور اگر جھکی ہوئی دیوار کے مطالبہ پر دو غلام یا دو کافر یا دو لڑکے گواہ کر دیئے گئے پھر دونوں غلام آزاد ہو گئے یا دونوں کافر مسلمان ہو گئے یا دونوں لڑکے بالغ ہو گئے پھر وہ دیوار گری اور کوئی آدمی تلف ہو گیا تو دیوار کا مالک ضامن ہوگا اسی طرح اگر ہر دو غلام کی آزادی و کافروں کے اسلام اور لڑکوں کے بلوغ سے پہلے دیوار مذکور گری پھر دونوں نے گواہی دی تو گواہی جائز ہوگی اس واسطے کہ دونوں اہل اداء شہادت میں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر مکان خریدنے والے سے اُس مکان کی دیوار جھکی ہوئی کا مطالبہ و اشہاد کیا ☆

داخل جانے اور جھکنے سے پہلے گواہ کر لینا صحیح نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اس وقت تک کوئی تعدی نہیں ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ پیشتر اطلاع دہی کے صحیح ہونے کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ ایسے شخص کو اطلاع دے اور مطالبہ کرے کہ جس کو اُس کے دور کرنے و فارغ کرنے کا اختیار حاصل ہے حتی کہ اگر ایسے شخص سے مطالبہ کیا جو اُس مکان میں اجارہ[2] پر یا بطور عاریت رہتا ہے اور اُس نے دیوار گرا کر صاف نہ کیا یہاں تک کہ وہ کسی آدمی پر گری تو کوئی ضامن نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ اختیار و ولایت گر

[1] جس کو ہمارے عرف میں شہتیر بولتے ہیں ۱۲ [2] جس کو ہمارے عرف میں کرایہ بولتے ہیں ۱۲ (۱) یعنی خواہ سلطان کے پاس اطلاع دے یا دوسرے کے پاس ۱۲ (۲) جیسا کہ کتاب القضاء میں گذرا ۱۲

پڑنے کے وقت تک برابر باقی رہے حتی کہ اگر صاحب ولایت کے ہاتھ بعد مطالبہ واشہاد کے نکل گئی بایں طور کہ اُس نے مکان فروخت کر دیا تو وہ ضمان سے بری ہو جائے گا یہ تبیین میں ہے۔اور مشتری پر ضمان نہ ہوگی ہاں اگر مشتری کے خریدنے کے بعد مشتری سے مطالبہ واشہاد کیا گیا ہو تو وہ ضامن ہوگا یہ کافی میں ہے۔اور اگر مطالبہ واشہاد کے بعد مالک وولی کو جنون مطبق ہو گیا یا نعوذ باللہ مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا گیا اور قاضی نے اُس کے دارالحرب میں جاملنے کا حکم دے دیا پھر مجنون کو افاقہ ہو گیا یا مرتد مذکور مسلمان ہو کر دارالحرب سے واپس آیا اور اُس کا مکان اُس کو دے دیا گیا پھر اس کے بعد دیوار گری اور اُس نے کچھ تلف کیا تو وہ ہدر[1] ہوگا۔اسی طرح اگر اُس نے مکان کو فروخت کر دیا حالانکہ اس سے پہلے اُس سے دیوار کا مطالبہ واشہاد[2] ہو چکا ہے پھر بسبب عیب کے بحکم قاضی یا بغیر عیب کے بسبب مشتری کے خیار رویت یا خیار شرط کے بائع کو واپس دیا گیا پھر دیوار گری اور اُس نے کچھ تلف کیا تو بعد واپس ہونے کے جب تک از سر نو مطالبہ اشہاد پایا نہ جائے تب تک وہ شخص ضامن نہ ہوگا اور اگر خیار بائع کا ہو پس اگر اُس نے بیع توڑ دی اور پھر دیوار گری اور کچھ تلف نہ کیا تو بائع ضامن ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔اور اگر مکان خریدنے والے سے اُس مکان کی دیوار جھکی ہوئی کا مطالبہ واشہاد کیا گیا حالانکہ مشتری کو بیع میں تین دن کا خیار شرط حاصل ہے۔پھر اُس نے بسبب خیار کے بیع رد کر دی تو اشہاد باطل ہو جائے گا اور اگر بیع پوری کر لی تو باطل نہ ہوگا اور اگر ایسی حالت میں بائع سے مطالبہ واشہاد واقع ہوا ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا۔اور اگر بائع کا خیار ہو اور اُس سے دیوار مذکور کا مطالبہ واشہاد کیا گیا پس اگر اُس نے بیع توڑ دی ہو تو اشہاد صحیح رہے گا اور اگر اُس نے بیع پوری کر دی تو اشہاد باطل ہو جائے گا اور اگر بائع کا خیار ہونے کی صورت میں مشتری سے مطالبہ واشہاد کیا گیا ہو تو صحیح نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے اور ضمان واجب ہونے کے واسطے یہ شرط ہے کہ بعد مطالبہ واشہاد کے اُس شخص کو اتنا موقع ملے کہ اُس میں وہ دیوار مذکور کو منہدم کر کے صاف کر سکے حتی کہ اگر اُس سے مطالبہ واشہاد کیا اور اسی وقت وہ دیوار گر پڑی اتنا موقع نہ ملا کہ وہ گرا کر میدان خالی کر سکے تو جو چیز تلف ہوئی اُس کا ضمان نہ ہوگا یہ تبیین میں ہے اور یہ شرط ہے کہ مطالبہ ایسے شخص کی طرف سے ہو جو صاحب حق ہو اور عام راستہ کے حق دار سب عام لوگ ہیں حتی کہ اگر ایک شخص نے عام لوگوں میں سے مطالبہ کیا ہو تو کافی ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔اور مسلمان مطالبہ کرے یا ذمی مطالبہ کرے دونوں اس حکم میں یکساں ہیں یہ شرح طحاوی میں ہے۔اور اگر دیوار عام راستہ کی طرف جھکی ہو تو مطالبہ کا استحقاق تمام لوگوں کو حاصل ہے خواہ مسلمان ہو یا غلام ہو بشرطیکہ وہ آزاد بالغ عاقل ہو یا صغیر ہو مگر اُس کے اُس کے ولی نے اس معاملہ میں خصومت کا اختیار دیا ہو یا غلام ہو کہ اُس کو اُس کے مولیٰ نے اس سے خصومت کا اختیار دیا ہو یہ کفایہ میں ہے۔

خاص کوچہ میں اصحاب کوچہ کو استحقاق مطالبہ ہے پس ایک کا مطالبہ کرنا کافی ہے اور دار کی صورت میں مالک یا ساکن کا مطالبہ شرط ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔جامع میں لکھا ہے کہ ایک شخص کی دیوار دوسرے کے دار کی طرف جھکی ہوئی تھی پس اُس پر مالک دار نے اُس کی طلب واشہاد کیا پس مالک دیوار نے قاضی سے یوں درخواست کی کہ مجھے دو یا تین روز یا اس کے مثل کچھ قلیل روز مہلت دی جائے اور قاضی نے اس درخواست کو منظور کر لیا پھر وہ دیوار مال یا کسی آدمی پر گری تو دیوار کے مالک پر ضمان واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔اور اگر مالک دار نے یا ساکنان دار نے اُس کو مہلت دی یا مطالبہ سے بری کیا تو صحیح ہے اور دیوار سے جو کچھ تلف ہوا اُس کا ضامن نہ ہوگا کذا فی الکافی۔اور اگر ایام معلومہ مہلت کے بعد دیوار گری تو ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔اور اگر راستہ کی طرف جھکی ہوئی ہونے کی صورت میں اُس نے قاضی سے مہلت کی درخواست کی اور قاضی نے مہلت دی تو باطل ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔اسی طرح اگر قاضی نے اُس کو مہلت نہ دی بلکہ جس نے اس پر اشہاد کیا ہے اُس نے مہلت دی تو بھی صحیح[3] نہیں ہے نہ اپنے حق میں اور نہ

---

[1] یعنی اس صورت میں دیت وغیرہ نہیں ہے ۱۲ [2] گواہ کر لینا ۱۲ [3] کیونکہ عام لوگوں کے حقوق مشترک ہیں تو خاص ایک شخص کی مہلت دینے کا اعتبار نہ ہوگا ۱۲

دوسرے کے حق میں یہ محیط میں ہے۔اور اگر دیوار رہن ہو اور اُس کے بابت مرتہن سے پیشتر اطلاع دی گئی تو نہ مرتہن ضامن ہوگا اور نہ راہن اور اگر راہن سے اطلاع دی گئی ہو تو راہن ضامن ہوگا یہ شرح مبسوط میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ زید نے عمرو کے مقبوضہ دار پر دعویٰ کیا اور اُس میں ایک جھکی ہوئی دیوار ہے تو جب تک مدعی کے گواہوں کا تزکیہ ثابت نہ ہو تب تک اُس کے توڑنے کی اطلاع کس کو اور اشہاد کس کو ہوگا اور فرمایا کہ جس کے قبضہ میں دار مذکور ہے اُس سے دیوار کے توڑنے کا مؤاخذہ اور اشہاد کیا جائے گا اور جب تک مدعی کے گوہوں کی تعدیل نہ ہو تب تک بمنزلہ ایسے دار کے قرار دیا جائے گا کہ جس پر کچھ دعویٰ نہیں ہوا ہے اور اگر قابض نے اُس دیوار کو گرا دیا پھر گواہوں کی عدالت ثابت ہوئی تو جس نے توڑا ہے وہ مدعی کو دیوار کی قیمت تاوان دے گا یہ محیط میں ہے۔اور اگر کسی نابالغ کا مکان ہو پس اُس کے باپ یا وصی پر اشہاد کیا گیا تو اشہاد صحیح ہے پس اگر دیوار گری اور اُس نے کچھ تلف کیا تو اُس کی ضمان نابالغ پر واجب ہوگی کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔اور اس صغیر کی ماں پر بھی اشہاد صحیح ہے کذا فی الکافی۔اور اگر دیوار ساقط نہ ہوئی یہاں تک کہ صغیر مذکور بالغ ہو گیا پھر ساقط ہوئی اور کوئی آدمی دب گیا تو اُس کا خون ہدر ہوگا اور اگر نابالغ کی نابالغی میں اُس کا باپ یا وصی مر گیا پھر دیوار گری اور کوئی آدمی مر گیا تو اُس کا خون ہدر ہوگا اور اگر صغیر کے بالغ ہونے کے بعد اُس سے جدید مطالبہ واشہاد کیا گیا پھر دیوار کسی آدمی پر گری تو اُس کی مددگار برادری پر مقتول کی دیت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے ایک مسجد کی دیوار جھکی تو اشہاد اُس شخص پر ہوگا جس نے اُس کو بنایا ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔اگر ایک شخص نے اپنا دار مساکین کے واسطے وقف کر کے اپنے قبضہ سے نکال کر ایک شخص کے قبضہ میں دیا کہ اس کا کرایہ مساکین پر خرچ کیا کرے پھر اس کی ایک دیوار جھکی کا مطالبہ وکیل سے کیا گیا پھر وہ کسی آدمی پر گری تو اُس کی دیت وقف کرنے والے کی مددگار برادری پر ہوگی اور اگر اُن لوگوں پر جن پر وقف کیا گیا ہے یعنی مساکین پر اشہاد کیا گیا تو ضمان نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔ایک غلام ماذون کے مکان کی دیوار جھکی ہوئی ہے پس اس پر اشہاد کیا گیا پھر دیوار گری اور ایک آدمی تلف ہو گیا تو ماذون کے مولیٰ کی مددگار برادری پر اُس کی دیت واجب ہوگی خواہ غلام مذکور پر قرضہ ہو یا نہ ہو اور اگر دیوار سے مال تلف ہوا تو ضمان مال اس غلام کی گردن پر ہوگی جس کے واسطے وہ فروخت کیا جائے گا اور اگر اس کے مولیٰ پر اشہاد کیا گیا تو اشہاد صحیح ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔اور اگر مکان ترکہ کی دیوار مائل کا اشہاد کسی وارث پر کیا گیا تو قیاساً وارثوں میں سے کسی پر ضمان واجب نہ ہوگی مگر میں استحساناً یہ حکم دیتا ہوں کہ جس وارث پر اشہاد کیا گیا ہے اُس کے حصہ میں جس قدر دیوار پڑتی ہو اُس کے حساب سے تلف شدہ کا تاوان اس پر عائد ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔اگر ایک دیوار پانچ آدمیوں میں مشترک ہو پھر ایک شریک پر مطالبہ کیا گیا کہ یہ جھکی ہوئی ہے اور اشہاد کر دیا گیا پھر وہ دیوار گری اور ایک آدمی تلف ہوا تو جس پر اشہاد ہوا ہے اُس کی مددگار برادری سے دیت کا پانچواں حصہ ضمان لیا جائے گا۔اسی طرح اگر ایک دار تین آدمیوں میں مشترک ہو ان میں سے ایک نے اس میں کنواں کھودا یا دیوار بنائی اور اپنے دونوں شریکوں سے اجازت نہ لی پھر اُس میں کوئی آدمی تلف ہو گیا تو اُس پر تہائی دیت واجب ہوگی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہر دو مسئلہ میں اُس پر نصف دیت واجب ہوگی کذا فی شرح الجامع الصغیر للصدر الحسامؒ اور اگر کنواں کھودنا یا دیوار بنانا دونوں باقیوں کی اجازت سے ہو تو یہ جنایت نہ ہوگی یہ سراج الوہاج میں ہے۔

منتقی میں ہے کہ ایک شخص مر گیا اور اُس نے ایک بیٹا اور ایک دار چھوڑا اور میت پر اس قدر قرضہ ہے کہ تمام دار کی قیمت اُس میں مستغرق ہے اور اُس میں ایک دیوار جھکی ہوئی ہے اور عام راستہ کی طرف جھکی ہے اور میت مذکور کا سوائے اس بیٹے کے کوئی وارث نہیں ہے تو دیوار مذکور کا مطالبہ اُسی بیٹے سے کیا جائے گا اگرچہ وہ اُس دار کا مالک نہیں ہے اور اگر اُس سے مطالبہ کرنے کے بعد دیوار مذکور گر پڑی تو اُس کی دیت باپ کی مددگار برادری پر ہوگی بیٹے کی مددگار برادری پر نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔امام محمدؒ نے فرمایا کہ

ایک مکاتب کی دیوار جھکی ہوئی کا مطالبہ مکاتب سے کیا گیا پس اگر اُس کے منہدم کرانے کا قابو پانے سے پہلے گر گئی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اس نے اس کے منہدم کرنے کا قابو پایا مگر منہدم نہ کرایا اور گر مر گئی تو ضامن ہوگا اور یہ استحسان ہے۔ اور ولی مقتول کو اُس کی قیمت اور دیت سے کم مقدار کی ضمان دے گا اور اگر مکاتب کے آزاد ہو جانے کے بعد دیوار گری تو اُس کی مددگار برادری پر ضمان واجب ہوگی اور اگر وہ عاجز ہو کر رقیق[1] ہو گیا پھر دیوار گری تو اُس پر ضمان نہ ہوگی اور نیز اُس کے مولیٰ پر ضمان نہ ہوگی اسی طرح اگر اُس نے دیوار کو فروخت کر دیا پھر گری تو کسی پر ضمان نہ ہوگی اور اگر فروخت نہ کیا اور وہ گر پڑی پھر اُس کی ٹوٹن سے کسی آدمی نے ٹھوکر کھائی اور مر گیا تو وہ ضامن ہوگا اور اگر عاجز ہو کر رقیق ہو گیا تو مولیٰ اُس کے دینے اور اُس کا فدیہ دینے میں مختار کیا جائے گا۔ اور اگر دیوار سے دب کر مرے ہوئے سے کسی آدمی نے ٹھوکر کھائی اور مر گیا تو مالک دیوار پر ضمان نہ ہوگی یہ شرح زیادات عتابی میں ہے۔ اور اگر اُس نے پاخانہ وغیرہ راہ پر بنایا پھر مولیٰ نے اُس کو فروخت کیا یا وہ آزاد ہو گیا اور وہ گرا اور کسی آدمی کو تلف کیا تو قیمت اور دیت سے کم مقدار کا ضامن ہوگا اور اگر عاجز ہو کر رقیق ہو گیا ہے تو مولیٰ اُس کے دینے یا اُس کا فدیہ دینے میں مختار کیا جائے گا اور اگر پاخانہ کی ٹوٹن سے کوئی آدمی ٹھوکر کھا کر مر گیا تو پاخانہ کا باہر بنانے والا ضامن ہوگا اور اگر اس مقتول سے ٹھوکر کھا کر کوئی آدمی مرا تو بھی باہر بنانے والا ضامن ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر ایک شخص کی ماں کسی کی مولیٰ[2] العتاقہ ہے اور اُس کا باپ غلام ہے پس اس شخص پر ایک جھکی دیوار کا مطالبہ و اشہاد کیا گیا اور اُس نے دیوار نہ گرائی یہاں تک کہ اُس کا باپ آزاد کیا گیا پھر دیوار گری اور ایک آدمی قتل ہوا تو اُس کی دیت اُس کے باپ کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور اگر باپ کے آزاد ہونے سے پہلے دیوار گری تو ماں کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی۔ اور اگر اُس نے راہ پر پاخانہ بنایا پھر باپ آزاد کیا گیا پھر پاخانہ گرنے سے کوئی آدمی مرا تو اس کی دیت ماں کی مددگار برادری پر ہوگی اس واسطے کہ راہ پر پاخانہ بنانا خود جرم ہے اور اس جرم کی بنیاد کے وقت ماں کی مددگار برادری اُس کی عاقلہ تھی یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک شخص اپنی جھکی ہوئی دیوار یا بغیر جھکی ہوئی دیوار پر چڑھا ہو پھر دیوار اس کو لے کر گری اور بدون اُس کے فعل کے کسی آدمی کو صدمہ پہنچا اور وہ قتل ہو گیا تو شخص مذکور جھکی ہوئی دیوار کی بابت ضامن ہوگا بشرطیکہ اُس سے پیشتر اطلاع دی و مطالبہ کیا گیا ہو اور سوائے اُس کے اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر خود بدون دیوار کے گرا اور کوئی آدمی مر گیا تو وہ ضامن ہوگا اور اگر گرنے والا مر گیا تو نیچے کی جگہ کو دیکھا جائے اگر اُس کی ملک نہ ہو پس اگر وہ شخص راہ میں چلا جاتا ہو تو اُس پر ضمان نہ ہوگی اور اگر راستہ میں کھڑا ہو یا بیٹھا ہو یا سوتا ہو تو جس پر گرا ہے اُس کی دیت کا ضامن ہوگا اور اگر نیچے کی جگہ اُس کی ملک ہو تو اُس پر ضمان نہ ہوگی اور اوپر والے پر ان حالات میں نیچے والے کی ضمان ہوگی اسی طرح اگر اوپر والا غافل ہو گیا اور گر پڑا یا سویا اور کروٹ لے کر گر پڑا تو جو صدمہ نیچے والے کو پہنچا اُس کا ضامن ہوگا اور اُس پر کفارہ واجب ہوگا اسی طرح اگر پہاڑ کے اوپر سے کسی شخص پر گرا اور وہ قتل ہو گیا تو اُس پر اُس کی ضمان واجب ہوگی خواہ نیچے کی جگہ اُس کی ملک ہو یا نہ ہو اسی طرح اگر ایک کنوئیں میں جس کو اس نے اپنی ملک میں کھودا ہے گر پڑا اور اس میں کوئی آدمی تھا وہ مر گیا تو اس کی دیت کا ضامن ہوگا اور اگر کنواں راستہ پر ہو تو گرنے والے اور جس پر گرا ہے دونوں کی ضمان اُس شخص پر واجب ہوگی جس نے کنواں کھودا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک گھڑا دیوار پر رکھ دیا اور وہ ایک شخص پر گر پڑا اور وہ مر گیا تو

[1] یعنی جس قدر مال اس کے مالک نے بدل کتابت مقرر کیا تھا وہ اُس کی ادائی سے عاجز ہو کر مکاتب نہ رہا بلکہ بدستور مملوک ہو گیا ۱۲

[2] اس کی توضیح اوپر گذر چکی پس وہاں دیکھنا چاہیے ۱۲

ضامن نہ ہوگا اس واسطے کہ گھڑا دیوار پر رکھ دینے سے اُس کے فعل کا اثر منقطع ہو گیا اور وہ اس رکھنے میں متعدی نہیں ہے پس آدمی کا تلف کرنا اُس کی طرف مضاف[1] نہ ہوگا یہ فصول عمادیہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دیوار پر کوئی چیز رکھی اور یہ چیز کسی آدمی پر گری اور وہ مر گیا تو اُس پر ضمان نہ ہوگی بشرطیکہ اُس نے لسبان میں رکھی ہو اور اگر چوڑان میں رکھی کہ اُس کا ایک کنارہ راستہ کی طرف نکل گیا اور وہ گری پس اگر اُس کا نکلا ہوا کنارہ اُس شخص کے لگا تو ضامن ہوگا اور اگر دوسرا کنارہ لگا ہے تو ضامن نہ ہوگا اسی طرح اگر دیوار جھکی ہوئی ہو اور شہتیر اُس پر لسبان میں رکھا ہو حتیٰ کہ اُس میں سے کچھ راہ باہر کی طرف نہ نکلا پھر یہ شہتیر کسی آدمی پر گرا اور وہ مر گیا تو وہ ضامن نہ ہو گا ایسا ہی کتاب میں مذکور ہے اور حکم مطلق مذکور ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب دیوار خفیف جھکی ہوئی ہو بہت نہ ہو اور اگر دیوار خوب جھکی ہوئی ہے تو وہ ضامن ہوگا خواہ پیشتر اُس سے دیوار مذکور دور کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو یا نہیں اور بعض نے فرمایا کہ حکم یہی ہے جیسا امام محمدؒ نے مطلقاً بیان فرمایا ہے کہ دونوں حالتوں میں ضامن نہ ہوگا اور اگر پہلے اُس کو دیوار گرانے کے واسطے اطلاع دی گئی ہو پھر اُس نے شہتیر رکھا پھر شہتیر گر گیا اور کوئی آدمی مرا تو فرمایا کہ وہ ضامن ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک جھکی ہوئی دیوار کی بابت اشہاد کیا گیا پھر دیوار کے مالک یا دوسرے نے اُس پر گھڑا رکھا پھر دیوار گری اور اُس نے گھڑا کسی[2] شخص پر پھینکا اور وہ مر گیا تو دیوار کے مالک پر ضمان واجب ہوگی اور اگر گھڑے سے یا دیوار کی ٹوٹن سے کسی شخص نے ٹھوکر کھائی پس اگر وہ گھڑا مالک دیوار کے سوائے دوسرے کا ہو تو کوئی ضامن نہ ہوگا اور اگر وہ گھڑا مالک دیوار کا ہو تو وہ ضامن ہوگا یہ کافی میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ جھکی ہوئی دیوار کے مالک سے اُس کے منہدم[3] کرنے کا پیشتر مواخذہ کر دیا گیا مگر اُس نے منہدم نہ کیا یہاں تک کہ ہوا نے اُس کو گرا دیا تو وہ ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص کے مقبوضہ دار کی ایک دیوار جھکی ہوئی کے واسطے اُس سے مطالبہ و اشہاد کیا گیا مگر اُس نے منہدم نہ کرائی یہاں تک کہ وہ ایک آدمی پر گری اور وہ مر گیا اور اُس کی مددگار برادری نے یہ دار اُس کی ملک ہونے سے انکار کیا یا کہا کہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ یہ دار اُس کا ہے یا غیر کا ہے تو جب تک گواہوں سے یہ بات ثابت نہ کرائی جائے کہ یہ دار اُسی کا ہے تب تک مددگار برادری ضامن نہ ہوگی اور اگر قابض نے اقرار کیا کہ یہ دار میرا ہے تو اُس کے قول کی مددگار برادری کے حق میں تصدیق نہ ہوگی اور قیاساً اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور استحساناً اُس پر مقتول کی دیت واجب ہوگی بشرطیکہ اُس نے مطالبہ متقدمہ کا اقرار کیا ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص کی جھکی ہوئی دیوار کی نسبت اُس سے مواخذہ کیا گیا مگر اُس نے منہدم نہ کرائی یہاں تک کہ اُس کے پڑوسی کی دیوار پر گری اور اُس کو منہدم کر دیا تو وہ پڑوسی کی دیوار کا ضامن ہوگا اور پڑوسی کو اختیار ہوگا چاہے اُس سے اپنی دیوار کی قیمت تاوان لے تو ٹوٹن اس ضامن کا ہو جائے گا اور چاہے ٹوٹن لے کر اس سے بقدر نقصان کے ضامن لے اور اگر اُس نے چاہا کہ بجز اُس سے ویسی بنوا لے جیسی تھی تو اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا اور اگر کوئی شخص دیوار اوّل کی ٹوٹن سے ٹھوکر کھا کر مر گیا تو اُس کے مالک سے یعنی جس سے پیشتر اُس کے توڑنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اس مقتول کی دیت کی ضمان لی جائے گی اور یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور اگر دوسری دیوار کی ٹوٹن سے ٹھوکر کھا کر مرا خواہ پڑوسی کے تاوان لینے سے پہلے مرا ہو یا اُس کے بعد مرا ہو بہر حال کوئی ضامن نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر دوسری دیوار بھی مالک دیوار اوّل کی ملک ہو تو دوسری دیوار کی ٹوٹن سے جو شخص ٹھوکر کھا کر مرے مالک دیوار اُس کا بھی ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے دو دیواریں جھکی ہوئی ہیں دونوں کے مالکوں سے مواخذہ و اشہاد کیا گیا پھر ایک دیوار دوسرے

---

[1] یعنی اس گھڑا رکھنے والے کی جانب اُس کے تلف کرنے کی نسبت کی جائے گی ۱۲ [2] یعنی دیوار اس طرح گری کہ گھڑا اُچھل کر کسی آدمی کے سر پر پڑا ۱۲ [3] یعنی گرانا و برابر کرنا ۱۲

پر گری اور اُس کو منہدم کر دیا تو جو کچھ اوّل یا ثانی کے گرنے یا اوّل کی ٹوٹن سے تلف ہو اُس کا ضامن مالک دیوار اوّل ہوگا اور جو کچھ دیوار ثانی کی ٹوٹن سے تلف ہو وہ ہدر ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اور اگر بجائے دیوار کے جناح [1] ہو جس کو کسی شخص نے راستہ کی طرف بڑھا لیا ہو اور وہ ایک جھکی دیوار پر جو دوسرے شخص کی ہے اور اُس سے اس دیوار کی بابت مؤاخذہ واشہاد کر دیا گیا ہے۔ گر پڑا اور وہ دیوار اس صدمہ سے ایک شخص پر گری اور وہ مر گیا یا دیوار کی ٹوٹن سے کوئی شخص ٹھوکر کھا کر مر گیا تو یہ سب مالک جناح پر ہوگا یہ محیط میں ہے اور اگر کسی شخص کی دیوار جھکی جس میں سے تھوڑی عام راستہ کی طرف اور تھوڑی ایک قوم کے دار کی طرف جھکی ہے۔ پھر اہل دار نے اس سے مؤاخذہ کر لیا پھر اُس دیوار کا وہ حصہ ساقط ہوا جو راہ پر تھا تو وہ ضامن ہوگا اسی طرح اگر اہل راہ میں سے کسی نے مواخذہ کر لیا ہو پھر دار کی طرف جھکی ہوئی دیوار اہل دار پر گری تو وہ ضامن ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ ایک دیوار میں سے تھوڑی دبلی ہوئی اور باقی نہیں دبلی ہے پھر دبلی ہوئی سب گر گئی اور ایک آدمی مر گیا تو دیوار کا مالک جس قدر دبلی ہوئی کے صدمہ سے نقصان ہوا ہے اُس کا ضامن ہوگا اور جس قدر بے دبلی ہوئی سے نقصان ہوا ہے اُس کا ضامن نہ ہوگا اور اگر دیوار چھوٹی ہو یعنی طول میں کم ہو تو سب کا ضامن ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک دیوار جھکی ہوئی ہے اگر اُس کے منہدم کرانے کا اُس کے مالک سے قاضی نے مؤاخذہ کیا پھر ایک شخص نے مالک کی اجازت سے اُس کے گرانے کی ضمانت کر لی تو یہ جائز ہے اور ضامن کو اختیار ہوگا کہ بدون اجازت مالک کے اُس کو منہدم کرا دے کذا فی المنتقی یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک جھکی ہوئی دیوار پر مواخذہ کرنے کے دو گواہ کئے گئے پھر وہ دیوار ایک گواہ یا اُس کے باپ یا غلام یا مکاتب پر گری اور مالک دیوار پر انہدام دیوار کے مؤاخذہ کے سوائے ان دو گواہوں کے کوئی گواہ نہیں ہے تو اس گواہ کی گواہی جس کا نفع اُس کے نفس کو ہے یا ایسے شخصوں کے حق میں ہے جن کے واسطے اس کی گواہی جائز نہیں ہے جائز نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص سے اُس کی ایک جھکی ہوئی دیوار کی بابت جس کے خود راستہ پر گرنے کا خوف نہیں ہے بلکہ یہ خوف ہے کہ وہ مالک دیوار کے دوسری اچھی دیوار پر گرے اور وہ راستہ پر گرے منہدم کرانے کا مؤاخذہ واشہاد کیا گیا پھر دیوار جھکی ہوئی نہ گری بلکہ اچھی دیوار راستہ پر گر پڑی اور کوئی آدمی تلف ہوا یا اُس کی ٹوٹن سے کسی نے ٹھوکر کھائی اور مر گیا تو خون ہدر ہوگا یہ محیط میں ہے۔ ایک لقیط [2] کی دیوار جھکی ہوئی ہے اور اس سے اُس کی بابت مؤاخذہ واشہاد کیا گیا پھر دیوار گری اور ایک آدمی تلف ہوا تو اُس کی دیت بیت المال پر ہوگی اسی طرح اگر کوئی کافر مسلمان ہوا اور اُس کی موالات کسی کے ساتھ نہیں ہے تو وہ بھی مثل لقیط کے ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک دیوار اوپر سے ایک شخص کی اور نیچے سے دوسرے شخص کی ہے پھر وہ جھکی اور دونوں میں سے ایک شخص سے اُس کی بابت مؤاخذہ و اشہاد کیا گیا تو سب دیوار گر پڑنے کی صورت میں جس سے مؤاخذہ کر لیا گیا تھا وہ نصف دیت کا ضامن ہوگا اور اگر اوپر کا حصہ گرا اور اُس کے مالک سے پہلے مؤاخذہ کیا گیا تھا تو اوپر کے حصہ کا مالک ضامن ہوگا نیچے والا ضامن نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے چند مزدوروں کو اپنی دیوار منہدم کرنے کے واسطے مقرر کیا پھر ٹوٹن [3] نے ان کے فعل سے ان میں سے کسی شخص کو یا کسی اجنبی کو قتل کیا تو ضمان و کفارہ انہیں لوگوں پر واجب ہوگا مالک دیوار پر واجب نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

ایک شخص کی دیوار جھکی ہوئی ہے اُس سے مؤاخذہ واشہاد نہ کیا گیا یہاں تک کہ گر پڑی پھر ٹوٹن کی بابت راہ سے اُٹھا لینے کا مطالبہ واشہاد کیا گیا مگر اُس نے نہ اُٹھایا یہاں تک کہ کوئی آدمی یا جانور ٹھوکر کھا کر مر گیا تو وہ ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ منتقی میں فرمایا کہ ایک شخص نے دیوار سے افریز نکالا پس اگر بڑا ہو تو جس قدر اس سے صدمہ پہنچے اُس کا ضامن ہوگا اور اگر چھوٹا خفیف ہو تو ضامن نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص سے جھکی ہوئی دیوار کی بابت جس پر جناح ہے جس کو بائع دار نے نکالا ہے

---

[1] شہتیر کو کہتے ہیں ۱۲ [2] وہ بچہ جس کو کسی نے ایسے طور پر زمین پر پڑا پایا ہو جس کا کوئی وارث و قرابتی معلوم نہ ہو ۱۲ [3] یعنی ٹوٹن کسی شخص پر گری ۱۲

مؤاخذہ کیا گیا پھر وہ دیوار مع جناح گر گئی پس اگر دیوار ہی نے جناح کو گرایا ہو تو دیوار کا مالک جو کچھ اس سے صدمہ ہوا ہو اُس کا ضامن ہو گا اور اگر خالی جناح گر گیا ہو تو اُس کا تاوان اُس بائع پر پڑے گا جس نے اُس کو ایجاد کیا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ سفل ایک شخص کا ہے اور علو دوسرے کا ہے اور دونوں سے خوف ہے پس اگر دونوں کے مالکوں سے مؤاخذہ کیا گیا مگر دونوں نے نہ گرایا یہاں تک کہ سفل گرا اور اُس نے علو کو اُچھالا اور وہ ایک آدمی پر گرا اور وہ مر گیا تو اُس کی دیت صاحب سفل کی مددگار برادری پر واجب ہو گی اور سفل کی ٹوٹن سے جو شخص ٹھوکر کھا کر مرے اُس کی ضمان بھی اُس کے مالک پر ہو گی اور جو شخص علو کی ٹوٹن سے ٹھوکر کھا کر مرے اُس کا تاوان کسی پر نہ ہو گا یہ محیط میں ہے۔ سفل ایک شخص کا اور علو یعنی بالا خانہ دوسرے کا ہے اور سب ڈہل گیا پھر دونوں سے اس کی بابت مؤاخذہ کر دیا گیا پھر بالا خانہ گرا اور اُس نے ایک آدمی کو مار ڈالا تو اُس کی ضمان مالک علو پر ہو گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ جامع صغیر میں ہے کہ ایک شخص نے عام راستہ پر پائخانہ یا پرنالہ نکالا یا دُکان یا حضین بنایا تو ہر ایک شخص کو جس کے سامنے پیش آئے اختیار ہو گا کہ اس کو منہدم کر ڈالے بشرطیکہ بنانے والے نے بدون اجازت امام کے اس کو بنایا ہو خواہ یہ عامہ مسلمین کے حق میں مضر ہو یا نہ ہو اور اس حکم میں مسلمان و کافر و مرد و عورت سب برابر ہیں لیکن غلام کو راستہ پر بنے ہوئے مکان کے گرا دینے کا اختیار نہیں ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ اور اگر یہ چیزیں قدیمی ہوں تو کسی کو اُن کے دور کرنے کا استحقاق نہ ہو گا اور اگر ان کا حال معلوم نہ ہو تو جدید قرار دی جائیں گی حتیٰ کہ امام کو اختیار ہو گا کہ ان کو دور کر دے کذا فی المحیط۔ اور یہ حکم اس وقت ہے کہ عام راستہ پر اپنی ذاتی کوئی چیز بنائی ہو اور اگر عام کے نفع کے واسطے کوئی چیز بنائی جیسے مسجد وغیرہ اور اس سے کچھ ضرر نہ ہو تو وہ نہ توڑا جائے گا ایسا ہی امام محمدؒ سے مروی ہے یہ نہایہ میں ہے۔ اور اگر ایک کوچہ غیر نافذہ[1] کے راستہ خاص میں بنایا تو اہل کوچہ میں سے ہر ایک کو اُس کے توڑنے کا اختیار ہے بشرطیکہ ان چیزوں کے نیچے سے اُس کا مرور ہو اور اگر اُس کا مرور نہ ہو تو اُس کو توڑنے کا استحقاق نہیں ہے اور اگر یہ چیزیں قدیمی ہوں تو کسی کو اُس کے توڑنے کا اختیار نہیں ہے اور اگر ان کا حال دریافت نہ ہو تو یہ قدیمی قرار دی جائیں گی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے عام راستہ پر چھتا بنانا چاہا حالانکہ اس سے عام لوگوں کو کچھ ضرر نہیں ہے تو امام ابوحنیفہؒ کا مذہب صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ہر ایک شخص کو اُس کی ممانعت کرنے اور دور کرنے کا اختیار ہے۔ اور اگر کوچۂ غیر نافذہ میں چھتا ایجاد کرنے کا ارادہ کیا تو ہمارے نزدیک اس میں ضرر و عدم ضرر کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اہل کوچہ کی اجازت کا اعتبار ہے اور عام راستہ پر چھتا ایجاد کرنا آیا مباح ہے سو طحاویؒ نے ذکر کیا کہ مباح ہے اور گنہگار نہ ہو گا مگر قبل اس کے کہ کوئی مخاصمہ کرے اور اگر مخاصمہ کرنے کے بعد اُس کا بنانا اور اُس سے انتفاع اُٹھانا کچھ مباح نہیں ہے اور اگر اُس نے بنا ہوا چھوڑ دیا تو گنہگار رہو گا یہ فصول عمادیہ میں ہے۔

اگر مالک مکان نے باہری جناح یا ظلہ بنانے کے واسطے مزدوروں و کاریگروں کو مقرر کیا ☆

اہل دریہ غیر نافذہ میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ بدون اجازت تمام اہل دریہ کے پائخانہ باہر نکالے یا پرنالہ بہائے خواہ اُن کے حق میں ضرر ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو یہ خلاصہ میں ہے۔ اصل میں فرمایا کہ اگر کسی شخص نے عام راستہ پر پتھر رکھا یا کوئی عمارت بنائی یا اپنی دیوار سے شہتیر یا پتھر راستہ کی طرف باہر نکالا یا باہر کی طرف پائخانہ یا جناح یا پرنالہ یا ظلہ[2] بنایا یا راستہ میں شہتیر ڈال دیا پس اگر اُس سے کوئی چیز صدمہ ناک یا تلف ہو جائے تو وہ ضامن ہو گا لیکن اگر آدمی تلف ہو گیا تو اُس کی ضمان اُس کی مددگار برادری پر ہو گی اور اگر آدمی مجروح ہوا تلف نہ ہوا تو اگر اس کا ارش موضحہ کے ارش کے برابر ہے تو وہ بھی اُس کی مددگار برادری پر ہو گا اور اس سے کم ہو تو اُس کے مال سے ہو گا اور اُس پر کفارہ نہ ہو گا اور نہ وہ میراث سے محروم ہو گا اگر یہ آدمی مجروح یا مقتول اُس کا مورث ہو اور

[1] وہ چھوٹی گلی جو گذرگاہ عام نہ ہو بلکہ خاص اسی محلہ کے لوگ اس میں آتے جاتے ہوں ۱۲ [2] جس کو ہمارے عرف میں سائبان کہتے ہیں ۱۲

اگر کسی مال کو صدمہ پہنچا اور تلف ہوا تو اُس کی ضمان اُس کے مال سے واجب ہوگی اور واضح ہو کہ اس مسئلہ کو اصل میں مطلقاً ذکر فرمایا ہے حالانکہ اس میں تفصیل ہے یعنی اگر اُس نے یہ افعال بدون امام المسلمین کی اجازت کے کئے ہوں تو اس طرح ضامن ہوگا اور اگر باجازت کئے ہوں تو ضامن نہ ہوگا اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ امام المسلمین کو ایسے فعل کی اجازت دینا جبھی جائز ہے کہ جب عام لوگوں کو اس سے ضرر نہ پہنچتا ہو مثلاً راستہ چوڑا ہو اور اگر عام کے حق میں ضرر ہو مثلاً راستہ تنگ ہو تو امام المسلمین کو ایسی اجازت دینا مباح نہیں ہے۔ پھر جو جواب کتاب میں مذکور ہے ایسی حالت میں ہے کہ جب اُس نے یہ افعال عام بڑے راستہ یا کوچۂ نافذہ کے راستہ پر کئے ہوں اور اگر اس نے کوچہ غیر نافذہ میں ایسا کیا اور اُس سے کوئی آدمی مر گیا تو دیکھا جائے گا کہ جو کچھ اُس نے کیا ہے یہ منجملہ امور سکونت کے نہیں ہے تو بقدر اپنے حصہ کے ضامن نہ ہوگا اور باقی شریکوں کے حصہ کی قدر ضامن ہوگا اور اگر یہ منجملہ امور سکونت کے ہو تو قیاساً یہی حکم ہے لیکن استحساناً کچھ ضامن نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ ایک غلام تاجر[1] نے جس پر قرضہ ہے یا نہیں ہے اپنے دار سے پائخانہ باہر راہ پر بنایا اور اُس سے کوئی آدمی تلف ہو گیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی دیت غلام مذکور کی گردن پر ہوگی اور امام کے قول پر اگر اُس نے ایسا فعل باجازت مولیٰ کیا ہے تو ضمانت مولیٰ کی مددگار برادری پر ہوگی اور اگر بدون اُس کی اجازت کے کیا ہے تو ضمان غلام کی گردن پر ہوگی اور اگر غلام مذکور نے اس دار کے اندر کوئی کنواں کھودایا کوئی عمارت بنائی اور اُس سے کوئی آدمی تلف ہوا تو اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر مولیٰ نے ایسا فعل بغیر اجازت غلام کے کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے قول میں کچھ ضمان نہ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وہ ضامن ہوگا یہ قیاس ہے مگر ہم قیاس کو چھوڑ کر استحساناً حکم دیتے ہیں کہ ضامن نہ ہوگا اسی طرح اگر راہن نے دار مرہونہ میں بغیر اجازت مرتہن کے کوئی عمارت بنائی یا اس میں کنواں کھودایا چوپایہ باندھا تو وہ بھی ضامن نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر مالک مکان نے باہری جناح یا ظلہ بنانے کے واسطے مزدوروں و کاریگروں کو مقرر کیا پھر قبل اس کے کہ وہ لوگ بنا کر فارغ ہو جائیں بیچ ہی میں وہ گر پڑا اور کوئی آدمی اس سے مر گیا تو ضمان اُنہیں کاریگروں پر ہوگی مالک مکان پر نہ ہوگی پس اُن پر کفارہ و دیت واجب ہوگی اور اگر مقتول ان میں سے کسی کا مورث ہو تو وہ اُس کی میراث سے محروم ہوگا اور اگر اُن کے فارغ ہو جانے کے بعد گرا ہو تو قیاساً یہ مثل اوّل کے ہے لیکن استحساناً مالک مکان پر ضمان واجب ہوگی یہ کافی و مبسوط و سراج الوہاج و جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اور اگر کاریگروں میں سے کسی کے ہاتھ سے اینٹ یا لکڑی یا پتھر گرا جس سے کوئی آدمی مر گیا تو جس کے ہاتھ سے گرا ہے اُس کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اُس پر کفارہ واجب (۱) ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے

اگر کسی شخص نے راہ پر پرنالہ نکالا اور وہ گرا اور کوئی آدمی قتل ہو گیا پس اگر پرنالہ کا اندر کا کنارہ جو دیوار میں لگا ہوا ہے۔ اُس سے آدمی مذکور تلف ہوا تو ضمان نہ ہوگی اور اگر آدمی مذکور کو باہر نکلا ہوا کنارہ لگا تو ضامن ہوگا اور اگر دونوں کنارے اُس کے لگے اور یہ معلوم ہو جائے تو آدھی ضمان واجب ہوگی اور نصف ہدر ہو جائے گی اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کون سا کنارہ اُس کے لگا ہے تو استحساناً نصف ہدر ہوگا اور نصف کا ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر راہ کی طرف جناح [2] نکالا پھر مکان فروخت کر دیا پھر جناح مذکور گرا اور اُس کے صدمہ سے کوئی آدمی قتل ہوا یا راہ میں کوئی لکڑی ڈالی پھر اُس کو فروخت کیا اور مشتری نے اس سے براءت کر لی کہ اگر کسی کے لگ جائے تو میں بری ہوں پھر مشتری نے اُس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس سے کوئی آدمی تلف ہو گیا تو بائع پر ضمان واجب ہوگی اور مشتری پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر راہ میں لکڑی ڈال دی اور کوئی شخص اُس میں پھنسا اور اُس کا گھٹنا پھوٹ گیا تو وہ ضامن

---

[1] مراد اس سے وہ غلام ہے جس کو اُس کے مالک کی طرف سے تجارت کی اجازت ہو ۱۲ [2] اُس کی توضیح او پر گذری ۱۲

(۱) اور میراث سے محروم ہوگا ۱۲

ہوگا اور اگر جانے والا اُس لکڑی کے اوپر پاؤں رکھتا ہوا چلا اور گر کر مر گیا پس اگر وہ عمداً نہیں پھسلا ہے تو لکڑی ڈالنے والا ضامن ہوگا اور فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب وہ لکڑی اس لائق ہو کہ ایسی لکڑی پر لوگ چلا کرتے ہیں اور اگر چھوٹی لکڑی ہو جس پر نہیں چلتے ہیں تو وہ ضامن نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر کسی شخص نے راستہ جھاڑا تو اُس میں اُس پر کچھ ضمان نہ ہوگی اگر اس سے کوئی آدمی مر جائے لیکن اگر اُس نے سب جھاڑا ہوا کوڑا راہ میں ایک جگہ جمع کر دیا اور کوئی شخص اس میں پھنسا اور مرا تو جس نے جھاڑا ہے وہ ضامن ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر راہ میں پانی چھڑکا یا وضو کیا تو ضامن ہوگا اور اس مسئلہ میں کچھ تفصیل نہیں فرمائی اور مشائخؒ نے فرمایا کہ چھڑکنے والا جبھی ضامن ہوگا کہ جب گزرنے والا ایسی جگہ ہو کر گزرا ہے جہاں اس نے پانی چھڑکا ہے حالانکہ اُس کو معلوم نہ تھا مثلاً رات تھی یا راہ گیر اندھا تھا پس ٹھوکر کھا کر مر گیا اور اگر راہ گیر کو وہاں پانی چھڑکنے و بہانے کا حال معلوم تھا تو یہ ضامن نہ ہوگا اسی طرح اگر عمداً وہ پتھر یا لکڑی پر چلا اور ٹھوکر کھا کر پھسل کر گر کر مر گیا تو رکھنے والا ضامن نہ ہوگا اور ہمارے بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ حکم اُس وقت ہے کہ اُس نے تھوڑے راستہ میں پانی ڈالا یا تھوڑے راستہ میں پتھر یا لکڑی رکھی ہو اور اگر پورے راستہ میں پانی چھڑک دیا یعنی چوڑان راستہ کا بالکل تر ہو گیا یا لکڑی و پتھر سے راستہ بالکل گھیر دیا اور راہ گیر اُس پر سے گذرا اور پھسل گرا تو چھڑکنے والا اور رکھنے والا ضامن ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر چوپایہ گذرا اور ہلاک ہوا تو ہر حال میں ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر دُکان دار کی اجازت سے دکان کے آگے پانی چھڑکا اور کوئی منہ کے بل گرا تو قیاساً چھڑکنے والے پر ضمان واجب ہوگی اور استحساناً صاحب دکان پر واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے راہ میں پانی چھڑک دیا اور ایک شخص دو گدھے لایا تھا اُس میں سے ایک کو اپنے ہاتھ میں پکڑے تھا اور دوسرا اُس کے پیچھے تھا پھر پیچھے والا پھسلا اُس کا پاؤں ٹوٹ گیا پس اگر گدھے والا دونوں کو ہانکے لاتا ہو تو کوئی ضامن نہ ہوگا اور اگر دونوں کا ہانکنے والا نہ ہو تو چھڑکنے والا ضامن ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ امام محمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے راہ میں پانی ڈال دیا اور وہ کسی گڈھے میں بھر گیا اور جم کر برف ہو گیا پھر اس برف سے کوئی آدمی پھسل گرا تو فرمایا کہ جس نے پانی ڈالا ہے وہ ضامن ہوگا اسی طرح اگر برف مذکور پگھل گیا اور اس سے کوئی آدمی پھسل گرا یا کسی نے راہ میں برف ڈالا اور وہ پگھلا اور کوئی آدمی پھسل گرا تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر راستہ غیر نافذ ہو تو اس راہ کے لوگوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ اس راہ میں لکڑی رکھے و اپنا چوپایہ باندھے اور وضو کرے اور اگر اس سے کوئی آدمی تلف ہو جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اگر اُس نے اُس راہ میں کوئی عمارت بنائی یا کنواں کھودا جس سے کوئی آدمی تلف ہوا تو وہ ضامن ہوگا اور ہر گھر والے کو اختیار ہے کہ اپنے فنائے دار میں مٹی و لکڑی ڈالے و چوپایہ باندھے دُکان بنانے و تنور بنائے بشرطیکہ سلامتی کے ساتھ ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر راہ میں پھینکے ہوئے برف سے کوئی آدمی یا جانور مر جائے تو امام محمدؒ نے آخر جنایات العیون میں ذکر فرمایا کہ اگر کوچہ غیر نافذہ ہو تو پھینکنے والے پر ضمان نہ ہوگی اور اگر نافذہ[1] ہو تو جس نے پھینکا ہے وہ ضامن ہوگا اور فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا کہ جو حکم امام محمدؒ نے ذکر فرمایا یہ قیاسی حکم ہے اور ہم استحساناً کہتے ہیں کہ ضمان واجب نہ ہوگی خواہ کوچہ نافذہ ہو یا غیر نافذہ ہو اور عیون میں ہے کہ اس میں شرط سلامت کی قید ہے اور ہمارے زمانہ کے بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر ان لوگوں نے یہ امر امام المسلمین کی اجازت سے کیا ہے یا کوچہ ایسا ہو کہ ان کو برف اُٹھا ڈالنے میں حرج عظیم پیش آئے تاکہ یہ پہچانا جائے کہ دلالۃً ان کو برف ڈال رکھنے کی اجازت ہے تو حکم وہی ہوگا جو فقیہ ابو اللیثؒ نے ذکر کیا ہے ورنہ حکم وہ ہے جو امام محمدؒ نے بیان فرمایا ہے اور جو فقیہ ابو القاسم سے منقول ہے اسی کی تائید

[1] یعنی ایسی گلی ہو جس میں ہر طرف سے لوگ آتے جاتے ہوں ۱۲

کرتا ہے یعنی فقیہ ابوالقاسم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شہر میں برف بہت ہوتی ہے کہ راہ میں بہت کیچڑ ہو جاتی ہے پس ہر ایک نے اپنے فناء دار میں یا قریب دار کے ایک ایک پتھر ڈال دیا پھر اُس میں کوئی آدمی پھنس کر ٹھوکر کھا کر گرا تو فرمایا کہ میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ وہ لوگ امام المسلمین کی اجازت سے پتھر ڈالیں اور اگر بدون اجازت امام کے ایسا کیا تو قیاس یہ ہے کہ اُس پر ضمان واجب ہوگی ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک پتھر میں ٹھوکر کھا کر دوسرے پتھر پر گر کر مر گیا تو پہلے پتھر کے ڈالنے والے پر ضمان ہوگی اور اگر پہلے پتھر کا ڈالنے والا نہ ہو تو دوسرے پتھر ڈالنے والے پر ضمان واجب ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے راہ میں کوئی ناجائز چیز ایجاد کی اور اُس سے کسی نے ٹھوکر کھائی اور دوسرے آدمی پر گرا اور وہ مر گیا تو جس نے ٹھوکر کھائی ہے وہ ضامن نہ ہوگا بلکہ جس نے وہ چیز ایجاد کی ہے وہ ضامن ہوگا اور اگر کسی شخص نے پتھر ولکڑی وغیرہ راہ میں پڑی ہوئی کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ایک طرف کر دیا پھر اس سے کوئی آدمی ہلاک ہوا تو جس نے اپنی جگہ سے ہٹایا ہے وہ ضامن ہوگا اور شخص اوّل ضمان سے نکل جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے راہ میں تلوار ڈالی اور کسی شخص نے اُس سے ٹھوکر کھائی اور مر گیا اور تلوار ٹوٹ گئی تو تلوار کا مالک اُس کی دیت کا ضامن ہوگا اور ٹھوکر کھانے والا اُس کی تلوار کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر ٹھوکر کھانے والا تلوار پر گرا اور تلوار ٹوٹ گئی اور وہ شخص مر گیا تو تلوار کا مالک اس کی دیت کا ضامن ہوگا اور مقتول تلوار ٹوٹنے کا ضامن نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر کسی شخص نے راہ میں درندہ کھڑا کیا تو جو کچھ وہ تلف کرے اُس کا ضامن ہوگا بشرطیکہ وہ بندھا ہوا ہو اور بندھے ہوئے ہونے کی حالت میں اس نے صدمہ پہنچایا ہو۔ اور اگر کھل گیا اور کھل جانے کے بعد اُس نے اپنی جگہ سے ہٹ کر صدمہ پہنچایا تو باندھنے والا ضامن نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ہوام مثل سانپ و بچھو وغیرہ میں سے کسی کو کسی شخص پر ڈالا اور اُس نے اس شخص کو کاٹ کھایا تو ڈالنے والا ضامن ہوگا اسی طرح اگر دم کٹے کتے کو کسی شخص پر للکارا تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر راہ میں انگارا آگ کا ڈال دیا اور اُس سے کچھ جل گیا تو ڈالنے والا ضامن ہوگا اور اگر ہوا اُس کو اُڑا کر اپنی جگہ سے دوسری جگہ لے گئی اور کوئی چیز اُس نے جلائی تو وہ ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور ہمارے بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب پورا انگارہ اپنی جگہ سے ہوا اُڑا لے گئی ہو اور اگر اُس کے شرارے لے گئی اور کچھ جل گیا تو بھی ضمان واجب ہوگی اور امام شمس الائمہ سرخسی فرماتے تھے کہ اگر دن ایسا ہو کہ اُس دن ہوا تیز چلتی ہو تو ڈالنے والا بہرحال ضامن ہوگا اگرچہ پورے انگارے کو ہوا[1] اڑا لے جائے اور شمس الائمہ حلوائی بغیر تفصیل کے ضمان واجب ہونا نہیں فرماتے تھے یہ ذخیرہ میں ہے۔ لوہار نے اپنی دُکان میں اگر بھٹی سے سوختہ لوہا نکال کر قلاب پر رکھ کر ہتھوڑے سے مارنا شروع کیا اور اُس کے شرارے عام راستہ کی طرف اُڑے اور کسی شخص کو جلایا یا اُس کی آنکھ پھوڑی تو اُس کی ضمان لوہار کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور اگر کسی شخص کا کپڑا جلایا تو اُس کی قیمت لوہار کے مال سے واجب ہوگی اور اگر لوہار نے اس کو ہتھوڑے سے نہ مارا بلکہ ہوا سے اُس کے شرارے اُڑے اور نقصان مذکور اُس سے واقع ہوا تو وہ ہدر ہوگا یہ خلاصہ میں ہے۔

مائع گیس یا پٹرولیم وغیرہ کی مانند کوئی چیز لے کر دوسرے ''دار'' میں جانا ☆

اگر لوہار نے اپنی دکان میں کنارے دکان کے راہ کی طرف جہاں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا اشتعال راہ میں پہنچے گا اور آگ نے کچھ جلایا تو وہ ضامن ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک شخص آگ لے کر اپنے ملک یا غیر ملک میں جاتا تھا اور اس میں سے ایک شرارہ ایک شخص کے کپڑے پر گرا اور کپڑا جل گیا تو نوادر میں مذکور ہے کہ وہ ضامن ہوگا اور اگر ہوا کوئی چنگاری اُڑا لے

[1] مترجم کہتا ہے کہ جو کچھ امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا وہ صحیح اور اس قول سے اُن روایات میں موافقت ہو جاتی ہے جو ذخیرہ وغیرہ میں مذکور ہیں اور اگر وہ قول نہ لیا جائے تو اس میں دو روایتیں ہوں گی اور صحیح نہ ہوگا ۱۲ منہ

جیمز

گئی اور کسی شخص کے کپڑے پر جا پڑی تو وہ ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اگر آگ لے کر ایسی جگہ سے گذرا جہاں اُس کو گذرنے کا استحقاق حاصل ہے اور اُس میں سے کوئی شرارہ کسی شخص کی ملک میں گرایا ہوا نے گرا دیا تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اگر اس شخص کو اس جگہ سے گذرنے کا استحقاق نہ ہو اور کوئی چنگاری اس کے ہاتھ سے گری تو ضامن ہوگا اور اُس کو ہوا لے گئی تو ضامن نہ ہوگا اور یہ اظہر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر ایک شخص بیع وغیرہ کے واسطے راہ پر بیٹھا اور کسی شخص نے اُس سے ٹھوکر کھائی پس اگر باجازت سلطان بیٹھا ہے تو وہ ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ ایک شخص ایک سوتے (۱) ہوئے کے پاس سے گذرا اور اُس کے پاؤں سے ٹھوکر کھائی کہ اُس کی پنڈلی ٹوٹ گئی اور اُس پر گرا کہ اُس کی آنکھ کانی ہو گئی اور گرنے والا مر گیا تو گرنے والے پر سوتے ہوئے کے پاؤں کا ارش واجب ہوگا کیونکہ اُس کے فعل سے تلف ہوا ہے اور سونے والے پر اُس کے دیت واجب ہوگی اور اگر دونوں مر گئے تو سونے والے پر گرنے والے کی دیت اور گرنے والے پر سونے والے کی نصف دیت واجب ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ بقالی میں ہے کہ اگر راہ میں سوتے ہوئے سے ایک شخص نے جو جاتا تھا ٹھوکر کھائی پس اُس کی انگلی اور سوتے ہوئے کی انگلی ٹوٹی پھر دونوں مر گئے تو دونوں میں سے ہر ایک کی مددگار برادری پر جو صدمہ اُس کی ذات سے دوسرے کو پہنچا ہے اُس کی ضمان واجب ہوگی اور اگر دونوں میں سے ایک مر گیا تو زندہ کی مددگار برادری پر اُس کی دیت واجب ہو گی اور اگر اُس نے ٹھوکر کھائی اور منہ کے بل سوتے ہوئے کے منہ پر گرا اور اُس کا سر سوتے ہوئے کے سر پر گرا اور دونوں زخمی ہوئے اور دونوں کی انگلی ٹوٹی تو سوتا ہوا اُس کی انگلی و زخم سر کا ضامن ہوگا اور گرنے والا اُس کی انگلی کا ضامن ہوگا زخم سر کا ضامن نہ ہوگا اور اگر دونوں مر گئے تو سونے والے کی مددگار برادری پر گرنے والے کی دیت واجب ہوگی اور گرنے والے کی مددگار برادری پر سونے والے کی نصف دیت واجب ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر ایک شخص راہ میں جاتا تھا کہ ناگاہ مردہ ہو کر گرا اور کسی شخص نے اُس کے ساتھ کوئی جنایت نہیں کی اور اس کے گرنے سے ایک شخص کچل کر مر گیا تو کوئی ضامن نہ ہوگا نہ میت مذکور اور نہ اُس کی مددگار برادری یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص راہ میں چلا جاتا تھا کہ ناگاہ اس کو بیماری نے پکڑا کہ وہ بے ہوش ہو کر گرا یا ضعف طاری ہوا کہ وہ چل نہ سکا اور گرا اور ایک آدمی پر گرا کہ وہ کچل کر مر گیا یا شخص مذکور زندہ زمین پر گر کے مر گیا پھر کسی آدمی نے اُس سے ٹھوکر کھائی اور مر گیا تو اُس شخص کی مددگار برادری پر ضمان واجب ہوگی پس جس صورت میں کہ وہ کسی آدمی پر گرا ہے اور وہ مر گیا تو اس شخص پر کفارہ بھی واجب ہوگا اور اگر یہ شخص جس پر گرا ہے اُس کا مورث ہو تو اُس کی میراث سے بھی محروم ہوگا اور اگر جس صورت میں کہ زمین پر گرا ہے اور دوسرے نے ٹھوکر کھا کر جان دی اُس پر کفارہ نہ ہوگا اور نہ میراث سے محروم ہوگا اور یہ امام محمدؒ و امام ابو یوسفؒ کا قول ہے یہ محیط میں ہے۔

ایک غلام راہ میں بیٹھا یا سویا اور برابر سوتا یا بیٹھا رہا یہاں تک کہ آزاد ہو گیا پھر ایک شخص نے اُس سے ٹھوکر کھائی اور گر کر مر گیا تو اُس کی دیت غلام کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور اُس کی مددگار برادری اس کے مولیٰ کی مددگار برادری[ل] ہے۔ اور اگر اُس غلام کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا ہے پھر اُس کے مولیٰ نے اُس کو آزاد کر دیا پھر کسی شخص نے اُس سے ٹھوکر کھائی تو اُس کے مولیٰ پر اُس کی قیمت واجب ہوگی اسی طرح اگر غلام نے راہ میں ایک چوپایہ کھڑا کیا پھر اُس کے مولیٰ نے اُس کو آزاد کر دیا پھر ایک شخص نے اُس سے ٹھوکر کھائی اور مر گیا تو اُس کا مولیٰ اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کے غلام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر راہ میں ڈال دیا پھر عمرو نے اُس کو آزاد کر دیا پھر ایک شخص اُس سے ٹھوکر کھا کر گرا اور مر گیا تو اُس کی

[ل] کیونکہ اس کی ولاء اُس کے آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتی ہے اور جب اُس کے ساتھ لاحق ہے تو اُس کے مولیٰ کی مددگار برادری اُس کی بھی مددگار برادری ٹھہری ۱۲ (۱) یعنی راہ میں سے ۱۲

دیت زید پر واجب ہوگی اور اگر غلام مذکور باوجود دست و پابستہ ہونے کے چلے جانے کی طاقت رکھتا ہو پھر عمرو نے اُس کو آزاد کر دیا اور وہ چلا نہ گیا یہاں تک کہ اُس سے کسی نے ٹھوکر کھائی تو جنایت کا ارش اُس کے مولیٰ یعنی عمرو پر واجب ہوگا اور اگر زید نے اُس غلام کو راہ میں بٹھلایا ہو مگر اُس کو باندھا اور ہاتھ پاؤں سے جکڑا نہیں ہے پھر عمرو نے اُس کو آزاد کر دیا پھر وہ اپنی جگہ سے چلا نہ گیا یہاں تک کہ ایک شخص اُس سے ٹھوکر کھا کر مر گیا تو اُس کی جنایت کا ارش اُس کے مولیٰ پر واجب ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص بوجھ لئے ہوئے راستہ میں چلا جاتا تھا پھر اُس کا بوجھ کسی شخص پر گر پڑا اور وہ مر گیا تو بوجھ والا ضامن ہوگا اور اگر گرے ہوئے بوجھ سے کسی نے ٹھوکر کھائی اور مرا تو اُس کا بھی ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص راہ میں چلا جاتا تھا اور وہ اپنے بدن پر ایسی چیز پہنے تھا جس کو لوگ پہنتے ہیں پس اُس سے کوئی شخص مر گیا یا وہ کسی آدمی پر گری یا راہ میں گری اور کوئی شخص اُس سے ٹھوکر کھا کر مر گیا تو ان سب صورتوں میں سے کسی صورت میں اُس پر ضمان نہ ہوگی اور اگر ایسی چیز نہ ہو جس کو لوگ پہنتے ہیں تو بمنزلہ ایسے شخص کے ہوگا جو بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے اور جو شخص اُس سے تلف ہو اُس کا ضامن ہوگا اسی طرح اگر کوئی شخص کسی چوپایہ کا سائق (۱) یا قائد (۲) ہو یا سوار ہو پھر اس پر سے اُس کے بعض آلات مثل لگام و زین وغیرہ کے کسی آدمی پر گرے اور وہ مر گیا یا وہ چوپایہ راہ میں گر گیا یا اُس کا بعض اسباب راہ میں گر گیا اور اُس سے کسی شخص نے ٹھوکر کھائی تو سائق و قائد و سوار اُس کا ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص مثلاً زید نے راہ میں اپنا گھڑا رکھا اور دوسرے شخص مثلاً عمرو نے بھی اسی راہ میں اپنا گھڑا رکھا پس زید کا گھڑا ڈھنگا اور عمرو کے گھڑے سے لگا اور عمرو کا گھڑا ٹوٹ گیا تو زید جس کا گھڑا لُنڈھکا ہے ضامن نہ ہوگا اور اگر زید کا گھڑا ٹوٹا ہو تو عمرو جس کا گھڑا رکھا ہے ضامن ہوگا اسی طرح اگر راہ میں زید نے اپنا گھوڑا کھڑا کیا اور عمرو نے بھی اپنا گھوڑا کھڑا کیا پھر ایک کا گھوڑا بدکا اور دوسرے سے صدمہ کھایا تو جس کا گھوڑا بدکا ہے وہ ضامن نہ ہوگا اور اگر بدکا ہوا گھوڑا دوسرے سے صدمہ کھا کر مر گیا تو دوسرا ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

زید نے راہ میں اپنا خالی گھڑا یا تیل سے بھرا ہوا رکھا اور عمرو نے بھی اُسی راہ میں اپنا گھڑا رکھا پھر ایک کا گھڑا ڈھنگا اور اُس نے دوسرے سے ٹکر کھائی اور دونوں ٹوٹ گئے تو فرمایا کہ جس کا گھڑا نہیں ڈھنگا ہے وہ دوسرے کے گھڑے کا اور اُس کے تیل کے مثل تیل کا ضامن ہوگا اور جس کا گھڑا ڈھنگا ہے وہ کچھ ضامن نہ ہوگا اور اگر دونوں ڈھنگے ہوں تو دونوں میں سے کوئی ضامن نہ ہوگا اور اگر ایک گھڑا جھکا اور بدون اس کے اپنی جگہ سے ہٹ جائے دوسرے گھڑے سے ٹکر کھائی اور دونوں ٹوٹے یا جھکنے والا ٹوٹا برقرار رہا ہو تو ٹوٹا تو ہر ایک پر جس قدر اُس کے گھڑے سے نقصان ہوا ہے اُس کا ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے بڑے حوض سے ایک گھڑا بھر کر کنارے پر رکھا اور دوسرا شخص آیا اُس نے بھی اپنا گھڑا بھر کر کنارے پر رکھا پھر دوسرا گھڑا ڈھنگا اور پہلے گھڑے سے ٹکر کھائی اور دونوں ٹوٹ گئے تو دوسرے گھڑے کا مالک پہلے گھڑے کے مالک کے گھڑے کی قیمت کا ضامن[1] ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے گھڑے کا ضامن ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

بعض نے فرمایا کہ جس کا گھڑا رکھا رہا ہے اُس پر ہر حال میں ضمان واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے کوئی چیز راہ میں رکھ دی پھر اُس سے کوئی چوپایہ بدک گیا اور اُس نے کسی آدمی کو مار ڈالا تو رکھنے والے پر ضمان واجب نہ ہوگی بشرطیکہ اُس نے وہ چیز اُس چوپائے سے ملائی نہ ہو۔ اسی طرح اگر جھکی ہوئی دیوار کے مالک سے پیشتر اُس کی بابت مطالبہ کیا گیا ہو پھر وہ دیوار زمین پر گری اور اُس سے کوئی چوپایہ بدک گیا اور اُس نے کسی آدمی کو مار ڈالا تو مالک دیوار ضامن نہ ہوگا مالک دیوار یا راہ میں کوئی چیز رکھنے

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ اس صورت میں پانی کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا اگرچہ اس طور سے پانی بھر لینے میں ملک ثابت ہو جاتی ہے پس فقط گھڑے ہی کا ضامن ہوگا ۱۲ منہ

(۱) پیچھے سے ہانکنے والا ۱۲ (۲) آگے سے کھینچنے والا ۱۲

والا بھی ضامن ہوگا کہ جب اُس کی دیوار سے یا رکھنے والے کی چیز سے کسی چیز کو صدمہ پہنچا ہو پس وہ تلف ہو گئی ہو یہ محیط میں ہے امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں فرمایا اگر اہل مسجد نے اپنی مسجد میں بارش کے پانی کے واسطے ایک کنواں کھودا یا اُس میں قندیلیں لٹکائیں یا اُس میں مٹکے رکھے کہ جس میں پانی بھرا جاتا تھا اُس میں بڑی چٹائی ڈالی یا اُس میں دروازہ لگایا یا اُس میں بوریا بچھایا یا اُس میں سائبان بنایا پس اگر اُن سے کوئی شخص تلف ہو جائے تو اہل مسجد پر ضمان نہ ہوگی اور اگر سوائے اہل محلّہ کے کسی دوسرے شخص نے یہ چیزیں ایجاد کیں اور اُس سے کوئی شخص مر گیا پس اگر اُس نے اہل محلّہ کی اجازت سے ان کو بنایا ہے تو ضمان نہ ہوگا اور اگر اُس نے بدون اجازت اہل محلّہ کے اُن کو بنایا ہے پس اگر کوئی عمارت یا کنواں بنایا اور اُس سے کوئی تلف ہوا تو بالا جماع ضامن ہوگا اور اگر اُس نے پانی پینے کے واسطے مٹکا رکھا یا چٹائی یا بورے بچھائے یا قندیلیں لٹکائیں حالانکہ اہل محلّہ سے اجازت نہ لی پھر چٹائی سے کوئی شخص الجھ کر گرا اور مر گیا یا قندیل گری اور اُس نے کسی آدمی کا کپڑا جلایا یا خراب کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ وہ ضامن ہوگا اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا۔ شمس الائمہ حلوائی فرماتے تھے کہ ہمارے اکثر مشائخؒ نے اس مسئلہ میں صاحبینؒ کا قول اختیار کیا ہے اور اس پر فتویٰ ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر اہل مسجد میں سے کوئی شخص مسجد میں بیٹھا اور اُس سے کوئی آدمی ٹھوکر کھا کر مر گیا پس اگر نماز میں نہ ہو تو ضامن ہوگا اور اگر نماز میں ہو تو ضامن نہ ہوگا اور یہ حکم امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کسی حال میں ضامن نہ ہوگا کذا فی الکافی اور صدر الاسلام نے فرمایا کہ صاحبینؒ کا قول اظہر ہے کذا فی التبیین۔ اور اگر عبادت کے واسطے بیٹھا مثلاً نماز کا انتظار کرتا تھا یا پڑھانے کے واسطے یا فقہ سکھلانے کے واسطے بیٹھا یا اعتکاف کے واسطے بیٹھا یا بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا یا تسبیح قرآن پڑھتا تھا پھر کوئی آدمی اُس سے ٹھوکر کھا کر مر گیا تو کتاب میں اس کی کوئی روایت نہیں ہے۔ اور مشائخؒ متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ امام اعظمؒ کے نزدیک ضامن ہوگا اور شیخ ابوبکر رازی اسی طرف گئے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا اور شیخ ابوعبداللہ جرجانی کا یہی مذہب ہے یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے راہ میں کنواں کھودا اور ایک شخص نے آ کر عمداً اپنے تئیں اُس کنوئیں میں ڈال دیا تو کھودنے والا ضامن نہ ہوگا ☆

شمس الائمہ نے ذکر کیا کہ صحیح مذہب امام اعظمؒ کا یہ ہے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے وہ ضامن نہ ہوگا اور خلاف ایسے عمل میں ہے جس کی خصوصیت مسجد کے ساتھ نہیں ہے جیسے قرأت قرآن و درس فقہ و حدیث وغیرہ اور فقیہ ابوجعفر نے کشف الغوامض میں ذکر کیا کہ میں نے شیخ ابوبکر سے سنا کہ فرماتے تھے کہ اگر قرأت قرآن یا اعتکاف کی غرض سے بیٹھا ہو تو بالا[ا] جماع ضامن نہ ہوگا اور فخر الاسلام و صدر الشہید نے ذکر کیا کہ اگر حدیث کے واسطے بیٹھا تو بالا جماع ضامن ہوگا یہ تبیین میں ہے۔ اور اگر مسجد میں چلتا تھا اور چلنے میں اُس نے کسی آدمی کو روند ڈالا یا سویا اور کروٹ لے کر آدمی پر گرا اور اُس کو ہلاک کیا تو اُس کے ضامن ہونے میں کچھ اختلاف نہیں ہے یہ شرح مبسوط میں ہے۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ایک شخص نے بلا اجازت امام المسلمین کے ایک نہر پر پل باندھا پھر اُس پر عمداً ایک شخص گذرا اور وہ پل گرا اور وہ شخص مر گیا تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ مسئلہ اس مقام پر یوں مذکور فرمایا ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ یہ مسئلہ دو طرح پر ہے کہ اگر نہر اُس کی ملک ہو تو اُس پر ضمان واجب ہوگی اور اگر اُس کی ملک نہ ہو پس اگر وہ کسی خاص قوم کی نہر ہو تو اُس پر ضمان نہ ہوگی بشرطیکہ گذرنے والا اُس پر عمداً گذرا ہو اور اگر وہ عمداً اُس پر نہ گذرا ہو تو بنانے والا ضامن ہوگا اور بقیاس پانی(۱) چھڑکنے کے مسئلہ کے چاہئے کہ اگر گذرنے والے نے کوئی راہ گذرنے کی نہ پائی ہو یا بغیر تہر کے کوئی

[ا] قال المترجم اماانی برانتا طا یضمن وان جلس للحدیث ۱۲ (۱) یعنی راہ میں پانی چھڑکا ۱۲

جگہ نہ پائی ہو تو بنانے والا ضامن ہوگا اگر چہ وہ عمداً پل پر سے گذرا ہو اور اگر وہ جماعت مسلمانوں کے واسطے نہر عام ہو اور پل بنانے والے نے بدون اجازت امام کے پل باندھا تو اُس کا جواب ویسا ہی ہے جیسا کہ قوم خاص کی نہر پر پڑا یا چھوٹا پل بنانے کا حکم ہے ایسا ہی ظاہر الروایۃ میں مذکور ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے راہ میں کنواں کھودا اور ایک شخص نے آ کر عمداً اپنے تئیں اُس کنوئیں میں ڈال دیا تو کھودنے والا ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے عام راستہ پر اپنے فنائے مملوک سے علیحدہ کنواں کھودا اور اُس میں کوئی آدمی گر کر مر گیا تو بالا جماع کھودنے والے کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اُس پر کفارہ واجب نہ ہوگا اور ہمارے نزدیک وہ میراث سے محروم نہ ہوگا اور اگر اُس نے فنائے دار میں کھودا پس اگر فنا دوسرے کی ملک میں ہو تو وہ ضامن ہوگا اور اگر فنا اُس کی ملک ہو یا اُس کو وہاں کھودنے کا قدیمی حق حاصل ہو تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اُس کی ملک نہ ہو بلکہ جماعت مسلمانوں کی ملک ہو یا مشترک ہو مثلاً کوچہ غیر نافذہ[ل] میں واقع ہو تو وہ ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے راہ میں کنواں کھودا پھر ایک شخص آیا اور اُس میں گر پڑا اور مر گیا خواہ بھوک کی وجہ سے یا پیاس کی وجہ سے یا کسی رنج و غم کی وجہ سے تو امام اعظمؒ کے نزدیک کھودنے والے پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص نے جنگل میں ایسی جگہ جہاں گذرگاہ نہیں ہے اور نہ کسی کی آمد و رفت کا راستہ ہے بدون اجازت امام کے کنواں کھودا پھر اُس میں کوئی آدمی گر پڑا تو کھودنے والا ضامن نہ ہوگا اسی طرح اگر جنگل میں کوئی شخص بیٹھا یا خیمہ گاڑا اور کوئی آدمی اُس سے ٹھوکر کھا کر گر کر مر گیا تو بیٹھنے والا اور خیمہ گاڑنے والا ضامن نہ ہوگا اور اگر ایسا فعل راستہ میں کیا ہو تو ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے راہ میں کنواں کھودا پھر دوسرے شخص نے اُس کے اسفل میں کھودا پھر اُس میں ایک شخص گر پڑا تو پہلا کھودنے والا ضامن ہوگا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ قیاس ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر دوسرے نے آ کر اس کا منہ چوڑا کر دیا پھر اُس میں کوئی آدمی گر کر مر گیا تو ضمان دونوں پر نصفا نصف واجب ہوگی ایسا ہی کتاب میں مذکور ہے اور جواب میں اطلاق ہے اور فقیہ ابو جعفر سے منقول ہے کہ وہ اس مسئلہ کے جواب میں تفصیل فرماتے تھے اور کہتے کہ دوسرے نے اس قدر چوڑا کیا کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گرنے والے کا قدم دونوں کے کھوداؤ پر پڑا تو دونوں پر نصفا نصف ضمان واجب ہوگی اور اگر دوسرے نے بہت کم چوڑا کیا کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گرنے والے کا قدم دوسرے ہی کے کھوداؤ سے ملاقی نہیں ہوا بلکہ پہلے کھوداؤ سے ملاقی ہوا تو صرف پہلا شخص ضامن ہوگا دوسرا ضامن نہ ہوگا اور اگر دوسرے نے اس قدر چوڑا کیا کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گرنے والے کا قدم پہلے شخص کے کھوداؤ سے ملاقی نہیں ہوا بلکہ دوسرے کے کھوداؤ سے ملاقی ہوا تو دوسرا ہی ضامن ہوگا اور اگر دوسرے نے اس قدر چوڑا کیا کہ ہو سکتا ہے کہ گرنے والے کا قدم دونوں کے کھوداؤ پر پڑے اور ہو سکتا ہے کہ فقط ایک کے کھوداؤ پر پڑے تو ایسی صورت میں دونوں پر نصفا نصف ضمان واجب ہوگی اور شیخ امام زائد احمد طواویسی سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر اُس نے اس قدر چوڑا کیا کہ اُس کے کھوداؤ کی چوڑان میں قدم نہیں سما سکتا ہے پس ایک شخص نے آ کر بیچ کنوئیں میں اپنا قدم رکھا اور گر پڑا تو ضمان فقط اوّل پر واجب ہوگی اور اگر کنارہ کنوئیں کے قدم رکھا تو ضمان دونوں پر نصفا نصف ہوگی اور اگر اُس نے اس قدر چوڑا کیا کہ اُس کے کھوداؤ کے چوڑان میں قدم سما سکتا ہے پس اگر گرنے والے نے بیچ کنوئیں میں قدم رکھا تو اوّل پر ضمان واجب ہوگی اور اگر کنوئیں کے کنارے قدم رکھا تو فقط دوسرے پر ضمان واجب ہوگی اور اگر قدم رکھنے کا حال معلوم نہ ہوا تو دونوں پر نصفا نصف ضمان واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر راہ میں کنواں کھودا پھر اُس کو پاٹ دیا پس اگر اُس کو مٹی یا گچ وغیرہ ایسی چیز سے جو اجزائے زمین سے ہے پاٹا ہے پھر دوسرے نے آ کر اُس کو خالی کر دیا پھر اُس میں کوئی آدمی گر گیا اور مر گیا تو دوسرا شخص ضامن ہوگا اور اگر ایسی چیز

ل اس کی توضیح اپنے مقام پر گذری مکرر توضیح کی ضرورت نہیں وہاں دیکھنا چاہئے ۱۲

سے جو اجزائے زمین سے نہیں ہے مثل اناج وغیرہ کے پاٹا ہو تو شخص اوّل ضامن ہوگا اسی طرح اگر راہ میں کنواں کھود کر اُس کا منہ ڈھانک دیا پھر دوسرے نے آ کر اُس کا ڈھکن کھول دیا پھر اُس میں کوئی شخص گر گیا تو شخص اوّل ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر ایک شخص راہ میں رکھے ہوئے پتھر سے لڑکھڑا کر پھر کنوئیں میں گر پڑا تو پتھر رکھنے والا ضامن ہوگا کنواں کھودنے والا ضامن نہ ہوگا اور اگر پتھر کو کسی نے نہ رکھا ہو تو کنواں کھودنے والا ضامن ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے کنویں میں پتھر یا دھار دار لوہا وغیرہ رکھ دیا پھر اُس میں ایک شخص گر پڑا اور پتھر و دھار دار چیز کی وجہ سے وہ قتل ہو گیا تو کھودنے والا ضامن ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص نے شارع[۱] عام پر کنواں کھودا اور وہاں کسی شخص نے پانی بہایا پھر ایک شخص آیا اور وہ پانی میں پھسل کر کنویں میں گر کر مر گیا تو ضمان اُس پر واجب ہوگی جس نے پانی بہایا ہے اور اگر یہ پانی آسمانی پانی ہو تو کنواں کھودنے والا ضامن ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک کنواں ایک شخص کی ملک میں ہو یا عام راستہ پر ہو اُس شخص نے ایک شخص کو اُس کنویں میں دھکیل دیا تو دھکیلنے والا ضامن ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص راہ کے کنویں میں گر گیا اور مر گیا پھر کھودنے والے نے کہا کہ گرنے والا اس میں عمداً گر پڑا ہے اور مجھ پر ضمان واجب نہیں ہے۔ اور گرنے والے کے وارثوں نے کہا کہ اس نے اپنے تئیں خود کنوئیں میں نہیں ڈالا ہے بلکہ بدون قصد و ارادہ کے گر پڑا ہے اور تجھ پر ضمان واجب ہے تو امام ابو یوسفؒ فرماتے تھے کہ گرنے والے کے وارثوں کا قول قبول ہوگا اور کھودنے والا ضامن ہوگا اس پر قیاس ہے پھر اس سے رجوع کیا اور فرمایا کھودنے والے کا قول قبول ہوگا اور اس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور یہ استحساناً ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر شارع عام پر ایک کنواں کھودا اور اس میں ایک شخص گر پڑا اور مرا نہیں بلکہ بچ گیا اور اُس میں سے نکلنا چاہا پھر جب درمیان کنویں تک چڑھ آیا تھا کہ ناگاہ وہاں سے گر پڑا اور مر گیا تو ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر گرنے والا کنوئیں کی تہ میں چلا گیا اور اس میں ایک پتھر سے صدمہ کھا کر مر گیا پس اگر وہ پتھر جس جگہ زمین میں تھا اُسی جگہ جما ہوا تھا کنواں کھودنے والے نے اُس کو ہٹایا نہ تھا تو ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر کنواں کھودنے والے نے اُس کو اپنی جگہ سے اُکھاڑ کر کنویں کے اندر کسی طرف کو جما دیا تھا تو کھودنے والے پر ضمان واجب ہوگی ایسا ہی منتقی میں مذکور ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر راہ کے کنویں میں ایک آدمی گر پڑا پھر ایک شخص نے کہا کہ یہ کنواں میں نے کھودا ہے تو اُس کے اقرار کی تصدیق اُس کی ذات پر کی جائے گی اس کی مددگار برادری پر تصدیق نہ کی جائے گی اور گرانے والے کی دیت اس اقرار کنندہ کے مال سے تین سال میں دلائی جائے گی یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کی ملک میں ایک کنواں کھودا اور اُس میں ایک آدمی گر گیا پس مالک نے اقرار کیا کہ میں نے کھودنے والے کو کھودنے کا حکم دیا تھا اور گرنے والے کے ولی نے اس سے انکار کیا تو قیاساً مالک زمین کے اقرار کی تصدیق نہ کی جائے گی اور استحساناً تصدیق کی جائے گی یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر کسی شخص نے عام راستہ یا عام بازار میں باجازت سلطان کنواں کھودوایا اپنا چوپایہ کھڑا کیا یا عمارت بنائی تو ضامن [(۱)] نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے ایک شخص نے اپنی ملک میں کنواں کھودا پھر اُس میں ایک آدمی گرا اور کنویں میں ایک آدمی موجود تھا یا اُس میں چوپایہ گرا اور گرنے والے کے صدمہ سے جو آدمی اس میں تھا وہ مر گیا تو گرنے والا اُس شخص کے خون کا جو اس میں تھا ضامن ہوگا اور اگر یہ کنواں راہ میں ہو تو گرنے والے کو اور جس پر گرا ہے اُس کو جو کچھ مصیبت پہنچے اُن دونوں کا ضامن کنواں کھودنے والا ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کے دار میں بدون اُس کی اجازت کے اناج کے واسطے ایک کھتا کھودا اور اس

---

[۱] وہ عام راستہ جو سب کے گذرنے کے واسطے ہو مثلاً سڑک وگلیارہ یا اس کے مثل ذخیرہ ۱۲ (۱) اگر اس سے کوئی تلف ہو جائے ۱۲

میں ایک گدھا گر کر مر گیا تو کھودنے والا ضامن ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر راہ میں ایک کنواں کھودا اور اس میں ایک شخص گرا اور اُس کا ہاتھ اُکھڑ گیا پھر اس میں سے نکلا پھر اُس کو دو آدمیوں نے شجہ (۱) سے زخمی کیا پھر وہ ان سب زخموں سے مریض ہو کر مر گیا تو ان سب پر اُس کی دیت تین (۲) تہائی ہو کر واجب ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ اگر تین آدمی ایک کنویں میں گرے اور باہم ایک دوسرے سے چپٹے تھے یعنی ایک کے بعد دوسرا اُس کو پکڑے تھا پس اگر یہ لوگ گرنے سے مر گئے اور بعض بعض پر نہیں گرا تو پہلے کی دیت کنواں کھودنے والے پر اور دوسرے کی اوّل پر اور تیسرے کی دوسرے پر واجب ہوگی اور اگر گرنے سے مرے مگر بعض بعض پر گرا ہے اور یہ بات معلوم ہوگئی مثلاً یہ لوگ زندہ نکالے گئے اور اُنہوں نے اپنے حال سے خبر دی پھر سب مر گئے تو اوّل شخص کا مرنا سات وجہ سے خالی نہیں ہو سکتا ہے اوّل یہ کہ اپنے گرنے ہی سے مر گیا اور کوئی بات نہیں ہے تو اُس کی دیت کنواں کھودنے والے پر ہوگی دوم یہ کہ دوسرے آدمی کے اُس پر گرنے سے وہ مر گیا تو اُس کا خون ہدر ہوگا سوم اگر تیسرے شخص کے اُس پر گرنے سے مرا ہے تو اُس کی دیت دوسرے پر ہوگی چہارم اگر دوسرے و تیسرے کے اُس پر گرنے سے مرا ہے تو نصف خون ہدر ہوگا اور نصف کی دیت دوسرے پر واجب ہوگی پنجم اگر اپنے گرنے وار دوسرے کے اس پر گرنے سے مرا ہے تو اُس کا نصف خون ہدر ہوگا اور نصف کی دیت کھودنے والے پر واجب ہوگی ششم اگر اپنے گرنے اور تیسرے کے گرنے سے مرا ہے تو اُس کی نصف دیت کھودنے والے پر اور نصف دیت دوسرے پر واجب ہوگی۔ ہفتم اگر اپنے گرنے اور دوسرے و تیسرے شخص کے اُس پر گرنے سے مرا ہے تو اُس میں سے ایک تہائی خون ہدر ہوگا اور تہائی دیت کھودنے والے پر اور تہائی دیت دوسرے شخص پر واجب ہوگی۔ اور دوسرے شخص کا کرنا تین حال سے خالی نہیں اگر اپنے گرنے سے مرا ہے تو اُس کی دیت شخص اوّل پر ہوگی اور اگر تیسرے کے اُس پر گرنے سے مرا ہے تو اُس کا خون ہدر ہوگا اور اگر اپنے گرنے اور تیسرے کے اُس پر گرنے سے مرا ہے تو اُس کا نصف خون ہدر ہوگا اور نصف کی دیت شخص اوّل پر واجب ہوگی اور تیسرے شخص کے مرنے میں فقط ایک صورت ہے یعنی اپنے گرنے سے مر گیا ہے پس اُس کی دیت دوسرے شخص پر واجب ہوگی۔ اور اگر ان لوگوں کی موت کا حال دریافت نہ ہوا تو قیاس یہ ہے کہ اوّل کی دیت کھودنے والے کی مددگار برادری پر اور دوسرے کی اوّل کی مددگار برادری پر اور تیسرے کی دوسرے کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور استحساناً یہ حکم ہے کہ اوّل کی تہائی دیت ہدر ہوگی اور تہائی کھودنے والے پر اور تہائی دوسرے پر واجب ہوگی اور دوسرے شخص کی دیت میں سے آدھی ہدر ہوگی اور آدھی اوّل پر واجب ہوگی اور تیسرے کی دیت دوسرے پر واجب ہوگی اور امام محمدؒ نے یہ بیان نہ فرمایا کہ یہ استحسان کس کا قول ہے۔ اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ یہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کا قول ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے ایک مزدور مقرر کیا کہ میرے واسطے کنواں کھودے پس مزدور نے کنواں کھودا اور اُس میں ایک آدمی گر کر مر گیا پس اگر اُس نے مسلمانوں کے عام راستہ میں جس کو ہر شخص جانتا ہے کنواں کھودا ہے تو مزدور پر ضمان واجب ہوگی خواہ مستاجر[۱] نے اس سے آس کو آگاہ کر دیا ہو یا نہ کیا ہو اور اسی طرح اگر مزدور نے مسلمانوں کے غیر مشہور راستہ میں کنواں کھودا مگر مستاجر نے اُس کو آگاہ کر دیا تھا کہ یہ راستہ عام مسلمانوں کا راستہ ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر مستاجر نے مزدور کو اِس سے آگاہ نہ کیا ہو تو ضمان مستاجر پر واجب ہوگی اور یہ بخلاف ایسی صورت کے ہے کہ ایک شخص کو مزدور کیا کہ یہ بکری ذبح کر دے اور اُس نے ذبح کر دی پھر معلوم ہوا کہ یہ بکری مستاجر کے سوائے دوسرے شخص کی ہے تو اس صورت میں مزدور ضامن ہوگا خواہ مستاجر نے اُس کو آگاہ کیا ہو کہ یہ بکری غیر شخص کی ہے یا آگاہ نہ کیا ہو لیکن درصورتیکہ آگاہ نہ کیا ہو تو مزدور کو جو کچھ تاوان دینا پڑا ہے اُس کو مستاجر سے واپس لے گا۔ اور اگر مزدور نے فناء دار میں کنواں کھودا پس اگر فنائے مذکور غیر شخص کی

---

[۱] وہ شخص جس نے مزدور کو کام کے واسطے مقرر کیا ہو ۱۲ (۱) یعنی زخم سر یا چہرہ وغیرہ ۱۲ (۲) یعنی ہر ایک پر ایک تہائی واجب ہوگی ۱۲

ہو اور مزدور اس بات کو جانتا ہو یا مستاجر نے اُس کو اس بات سے آگاہ کر دیا ہو تو مزدور پر ضمان واجب ہوگی اور اگر مزدور کو یہ بات معلوم نہ ہوئی کہ یہ فنائے مذکور مستاجر کے سوائے دوسرے شخص کی ہے اور نہ مستاجر نے اُس کو آگاہ کیا تو مستاجر پر ضمان واجب ہوگی اور اگر فنائے مذکور مستاجر کی ہو پس اگر اُس نے اجیر[1] سے کہا کہ مجھے کھودنے کا قدیمی حق حاصل ہے تو مستاجر پر ضمان واجب ہوگی اور اگر اُس نے کہا کہ مجھے کھودنے کا قدیمی حق حاصل نہیں ہے مگر یہ میرے دار کی فناء ہے۔ تو استحساناً مستاجر پر ضمان واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک شخص نے چار مزدور اپنے واسطے کنواں کھودنے کے لیے مقرر کئے اور اُن کے کھودنے میں وہ کنواں اُن پر گر پڑا اور ایک مر گیا تو باقی تین میں سے ہر ایک پر اُس کی چوتھائی دیت واجب ہوگی اور چوتھائی ہدر ہوگی اور اسی طرح اگر باقی تین آدمی مزدور نہ ہوں بلکہ مقتول کے مددگار ہوں تو بھی یہی حکم ہے اور اگر کھودنے والا ایک ہی شخص ہو اور اُس کے کھودنے میں کنواں ڈہل گیا اور وہ دب کر مر گیا تو اُس کا خون ہدر ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو حکم کیا کہ راہ میں کنواں کھودے پس اگر اُس کے فنائے میں ہو تو کسی شخص کے تلف ہونے میں اُس کی دیت مولیٰ کی مددگار برادری پر ہوگی اور اگر اس کے فنائے میں نہ ہو تو ضمان غلام کی گردن پر ہوگی خواہ غلام کو یہ بات معلوم ہوا یا معلوم نہ ہو یہ تاتارخانیہ نقلاً عن التجرید میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنی ملک میں ایک نہر کھودی اور اس میں کوئی آدمی یا چوپایہ تلف ہوا تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اگر غیر ملک میں نہر کھودی تو مثل کنواں کھودنے کے ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے غیر ملک میں ایک نہر کھودی اور اُس سے پانی پھوٹ نکلا اور کوئی زمین یا گاؤں غرق ہو گیا تو ضامن ہوگا اور اگر اپنی ملک میں کھودی ہو تو ضامن (1) نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنی زمین کو پانی دیا اور پانی پھوٹ نکلا اور اُس کی زمین سے باہر جا کر اُس نے کسی مال کو یا زراعت یا باغ انگور کو خراب کر دیا تو وہ شخص ضامن نہ ہوگا اسی طرح اگر اپنی زمین کی گھاس جلائی یا کٹے ہوئے پولے یا اجمہ[2] کے نرکل جلائے پھر آگ اُس کی زمین سے نکل کر غیر کی زمین کی طرف متعدی ہوئی اور کچھ جلا دیا تو ضامن نہ ہوگا اور بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ اُس وقت ہے کہ جب اُس نے ایسے روز جلائی کہ جب ذرا ہوا ٹھہری ہوئی تھی اور اگر ہوا کے روز جلائی کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہوا اس آگ کو دوسرے پڑوسی کی زمین میں اُڑا لے جائے گی استحساناً ضامن ہوگا جیسے ایک شخص نے اپنے پرنالہ میں پانی بہایا اور پرنالہ کے نیچے غیر شخص کا مال رکھا ہے وہ خراب ہو گیا تو ضامن ہوگا اور اگر ایک شخص نے اپنے دار یا تنور میں آگ جلائی تو جو کچھ اس سے جل جائے وہ ضامن نہ ہوگا اسی طرح اگر اپنے دار میں نہر یا کنواں کھودا اور اُس سے پڑوسی کی زمین نمناک ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا اور حکم قضاء میں اُس کو یہ حکم نہ دیا جائے گا کہ اُس کو اس جگہ سے تحویل کرے مگر فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ اُس پر واجب ہے کہ جب دوسرے کو ضرر پہنچتا ہے تو اس فعل سے باز رہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ پانی پھوٹ کر اتنا پانی نکلا کہ جس کو عرف و عادت کے موافق اُس کے ملک کی زمین برداشت کر سکتی ہے اور اگر اُس کی ملک برداشت نہ کر سکتی ہو تو وہ ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی ملک میں پانی جاری کیا اور اُس کے پانی جاری کرنے سے یہ پانی غیر کی زمین کی طرف پھوٹ نکلا اور کچھ چیز خراب کر دی تو قیاساً وہ ضامن نہ ہوگا اور بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ اگر اپنی ملک میں پانی بہایا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ پانی غیر کی زمین کی طرف پھوٹ نکلے گا تو وہ ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی زمین سینچی اور پانی اُس کے پڑوسی

---

[1] جھاڑی جھنکھاڑی جیسے ہمارے دیار میں دستور ہے کہ پتاور کو کاٹ کر اس کی بقیہ جڑوں میں آگ لگا دیتے ہیں کیونکہ اس طریقہ سے اس کی پیدائش زیادہ ہوتی ہے پس اس قسم سے جس چیز میں یہ عمل جاری ہو اُس کو یہ حکم شامل ہے ۱۲ [2] اجرت پر کام کرنے والا یعنی مزدور ۱۲ (1) الا اذا تعمد ذلک ۱۲

کی زمین میں پھوٹ گیا پس اگر اُس نے اپنی زمین میں اس طرح پانی جاری کیا کہ اس کی زمین میں ٹھہرتا نہیں بلکہ پڑوسی کی زمین میں جا کر ٹھہرتا ہے تو ضامن ہوگا اور اگر اُس کی زمین میں ٹھہر کر پھر پھوٹ کر پڑوسی کی زمین میں گیا پس اگر پڑوسی نے پیشتر اس سے بندش اور مضبوطی کر لینے کے واسطے کہہ دیا تھا مگر اُس نے نہ کیا تو ضامن ہوگا اور اگر پیشتر اس سے نہ کہا ہو تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اس کی زمین اونچی اور پڑوسی کی زمین نیچی ہو کہ جس سے یہ بات معلوم ہو کہ اپنی زمین سینچے گا تو پڑوسی کی زمین میں پانی جائے گا تو وہ ضامن ہوگا اور اُس کو حکم دیا جائے گا کہ بندان باندھے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اگر اُس کی زمین سے کوئی چھید یا چوہے کا بل ہو پس اگر اُس کو یہ بات معلوم ہو اور اُس نے بند نہ کیا یہاں تک کہ پڑوسی کی زمین میں پانی گیا اور خراب کیا تو ضامن ہوگا اور اگر نہ جانتا ہو تو ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی زمین نہر عام سے سینچی اور اس عام سے اور چند نہریں چند قوموں کی نکلی ہیں جن کے دہانہ کھلے ہوئے ہیں ان دہانوں سے چھوٹی نہروں میں پانی بھرا اور اقوام مذکورہ کی زمینیں خراب ہو گئیں تو یہ شخص ضامن ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے ایک شخص مملوک نے راہ میں کنواں کھودا پھر اُس میں ایک آدمی مر گیا اور اُس کے مولیٰ نے غلام مذکور کا فدیہ دے دیا پھر اُس میں دوسرا آدمی گر پڑا تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ مولیٰ کو اختیار ہے چاہے پورا غلام دے دے یا اُس کو فدیہ دے دے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر غلام نے مسلمانوں کے راستہ میں ایک کنواں کھودا اور اس میں ایک شخص گر پڑا اور مولیٰ نے کہا کہ میں نے اُس کو اُس کے کھودنے کا حکم دیا تھا تو مولیٰ کی مددگار برادری اُس کی دیت کی ضامن نہ ہوگی اور مولیٰ کے قول کی برادری کے حق میں تصدیق نہ ہوگی لیکن اگر گواہ قائم کرے تو تصدیق ہوگی پس بدون گواہوں کے مقتول کی دیت اُس کے مال میں ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ ایک غلام نے شارع عام پر کنواں کھودا پھر اُس میں ایک شخص گر پڑا اور مقتول کے ولی نے اُس کو معاف کر دیا پھر اُس میں دوسرا شخص گر کر مر گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک مولیٰ کو اختیار دیا جائے گا چاہے پورے غلام کو دے دے یا اُس کا فدیہ دے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ مولیٰ اُس کا نصف دے گا گویا دونوں آدمی ایک بارگی اس میں گرے پھر ایک کے ولی نے معاف کیا ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر غلام نے بلا اجازت اپنے مولیٰ کے راہ میں کنواں کھودا پھر مولیٰ نے اُس کو آزاد کر دیا پھر اُس کو معلوم ہوا کہ غلام نے کنواں کھودا ہے پھر اُس میں ایک آدمی گر کر مر گیا تو مولیٰ پر ولی مقتول کے واسطے غلام کی قیمت واجب ہوگی پھر اگر اس میں دوسرا آدمی گرا تو دونوں مقتولوں کے ولی اس قیمت میں شریک ہو جائیں گے اور اگر اس کنویں میں وہی غلام گر پڑا تو اس کے وارث بھی اس قیمت میں شریک ہوں گے اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ غلام کا خون ہدر ہوگا اور اصل اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ غلام نے راہ میں کنواں کھودا پھر مولیٰ نے اُس کو آزاد کیا پھر وہی غلام اس کنویں میں گر کر مر گیا تو امام محمدؒ کے نزدیک اُس کا خون ہدر ہوگا اور ظاہر الروایہ کے موافق اُس کے وارثوں کے واسطے مولیٰ پر اُس کی قیمت واجب ہوگی یہ مبسوط میں ہے اور اگر مولیٰ نے پہلے اُس غلام کو آزاد کر دیا پھر اُس غلام نے راہ میں کنواں کھودا اور خود اُس میں گر کر مر گیا تو بلا خلاف مولیٰ پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر اُس کنویں میں کوئی آدمی گر جانے کے بعد مولیٰ نے اُس غلام کو آزاد کیا پس اگر مولیٰ اُس کنویں میں آدمی گرنے سے خبردار نہ ہوا تو اُس پر غلام کی قیمت واجب ہوگی اور اگر آدمی گر جانے کا حال جانتا ہو تو مولیٰ پر اُس کی دیت واجب ہوگی پھر اگر اُس میں دوسرا آدمی گر کر مر گیا تو وہ پہلے مقتول کے وارث سے دیت بٹوا لے گا پس امام اعظمؒ کے نزدیک پہلا بقدر دیت[1] کے اور دوسرا بقدر قیمت غلام کے اس دیت میں شریک ہوں گے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مولیٰ پر دوسرے کے واسطے نصف قیمت واجب ہوگی اور وہ پہلے کا دیت میں شریک نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے اور اگر غلام نے راہ میں بلا اجازت مولیٰ کے کنواں کھودا پھر کسی کو خطا سے قتل کیا اور

[1] مثلاً قیمت غلام ایک ہزار اور دیت دس ہزار ہو تو اول کو دس حصے اور دوم کو ایک حصہ ملے گا ۱۲ منہ

مولیٰ نے اُس کو ولی مقتول کو دے دیا پھر کنویں میں کوئی آدمی گر کر مر گیا تو ولی مقتول کو اختیار ہوگا چاہے نصف غلام دے دے اور چاہے اُس کے فدیہ میں دیت دے دے یہ حاوی میں ہے۔ اور اگر گرنے والے کے ولی نے عفو کیا تو کچھ غلام مولیٰ کی طرف واپس نہ ہوگا اور اس مسئلہ میں گرنے والے کے والی اور مولائے غلام کے درمیان کچھ خصومت نہ ہوگی بلکہ خصومت اُس کے ساتھ ہوگی جس کے قبضہ میں بالفعل وہ غلام ہے یہ محیط میں ہے اور اگر پہلے اُس کنویں میں کوئی آدمی گر کر مر گیا اور مولیٰ نے اُس کے ولی کو غلام مذکور دے دیا پھر غلام نے خطا سے کسی کو قتل کیا اور ولی ساقط نے بھی غلام وارث مقتول کو دیا پھر کنویں میں دوسرا آدمی گر کر مر گیا تو ولی مقتول کو اختیار ہوگا چاہے تہائی غلام گرنے والے کے وارث کو دے دے یا اس کے فدیہ میں دیت دے دے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر غلام نے باجازت مولیٰ کنواں کھودا پس اگر ملک مولیٰ میں کھودا ہو تو گرنے والے کی ضمانت مولیٰ کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور اگر غیر ملک مولیٰ میں ہو تو غلام کی گردن پر ضمان ہوگی خواہ غلام اس کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو حاوی میں ہے اور اگر کنویں میں کوئی آدمی گر گیا اور مر گیا پھر اُس میں دوسرا آدمی گر گیا کہ اُس کی آنکھ جاتی رہی اور غلام جس نے کنواں کھودا ہے بعینہ موجود ہے تو مولیٰ اُس کو دونوں کو دے دے گا کہ دونوں کے درمیان تین (۱) تہائی بقدر ہر ایک کے حق کے تقسیم ہوگا اور اگر اُس کا فدیہ دینا چاہے تو پندرہ ہزار درم اُس کا فدیہ دے کہ دس ہزار درم ولی مقتول کو اور پانچ ہزار آنکھ والے کو ملیں گے اور اگر دونوں کا حال جاننے سے پہلے اُس نے غلام کو آزاد کر دیا تو اُس کی قیمت دونوں کو دے گا جو تین تہائی دونوں میں تقسیم ہوگی اور اگر قتل کرنا جانتا ہو اور آنکھ پھوٹنے کو نہ جانتا ہو تو اُس پر ولی مقتول کے واسطے دس ہزار درم اور آنکھ والے کے واسطے تہائی قیمت واجب ہوگی۔ اور اگر اس نے غلام کو قبل اس کے کہ کنویں میں کوئی گرے فروخت کیا پھر اس میں کوئی گر گیا اور مر گیا تو بائع پر اُس کی قیمت واجب ہوگی اسی طرح اگر غلام نے خود اپنے تئیں اُس میں ڈال دیا تو ظاہر الروایۃ کے موافق بائع پر اُس کی قیمت مشتری کو دینی واجب ہوگی اور بروایت امام محمدؒ کے اُس کا خون ہدر ہوگا جیسا ہم نے آزاد کر دینے کی صورت میں بیان کیا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر کسی مدبر[!] نے راہ میں کنواں کھودا پھر اُس کو مولیٰ نے آزاد کیا یا مولیٰ مر گیا پس مدبر آزاد ہو گیا پھر مدبر نے اپنے تئیں اس کنویں میں ڈال دیا اور مر گیا تو اُس کے وارثوں کے واسطے مولیٰ کے ترکہ میں سے اُس کی قیمت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ مدبر نے ایک کنواں کھودا اُس میں اُس کا مولیٰ گر گیا یا ایسا شخص (۲) گرا جس کا مولیٰ وارث ہوگا تو اُس کا خون ہدر ہوگا اور اگر اُس میں مولیٰ کا مکاتب گرا تو قیمت کا ضامن ہوگا پس مولیٰ اسی مدبر کے کھودنے کے روز کی قیمت اور مکاتب کے گرنے کے روز کی قیمت دونوں میں سے کم مقدار کا مؤاخذہ کیا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مدبر یا ام الولد نے راہ میں کنواں کھودا اور اس کی قیمت ہزار درم ہے پھر اُس میں ایک آدمی گر کر مر گیا تو مولیٰ پر اُس کی قیمت واجب ہوگی پھر اگر اُس میں ایک بعد دوسرے کے گر گیا اور جتنے گرے سب مر گئے اور مملوک کی قیمت اس درمیان میں متغیر ہو کر ناقص یا زائد ہو گئی تو مولیٰ پر ایک وہی اُس کی قیمت واجب ہوگی جو کھودنے کے روز تھی یعنی ہزار درم اور کچھ واجب نہ ہوگا کہ وہی ان سب میں برابر تقسیم ہوگی اسی طرح اگر اُس میں کوئی آدمی گرنے سے پہلے مدبر مر گیا یا مولیٰ نے اُس کو آزاد یا مکاتب کیا یا کسی آدمی کے گر کر مرنے کے بعد مولیٰ نے اُس میں سے کوئی فعل کیا تو بھی مولیٰ پر اُس کی قیمت واجب ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ کی وہ صورت جس میں قیمت وارثان آزاد و مستاجر کے درمیان مشترک ہو☆

نوادر ابن سماعہ میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک مکاتب نے راہ میں کنواں کھودا پھر ایک شخص کو قتل کیا اور اُس پر

! مدبر وہ مملوک جس کو اُس کے مالک نے کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد یا اتنے دنوں کے بعد آزاد ہے ۱۲ منہ

(۱) اوّل کو دو ایک دوم کو ۱۲ (۲) یعنی جو شخص کنویں میں گر کر مر گیا ہو ۱۲

مکاتب[1] کی قیمت دینے کی ڈگری کی گئی پھر کنویں میں ایک آدمی گر کر مر گیا تو فرمایا کہ گرنے والے کا ولی مکاتب کی قیمت میں اُس کا شریک ہو جائے جس نے قیمت لی ہے اور فرمایا کہ مدبر کا بھی یہی حکم ہے اور فرمایا کہ جب گرے ہوئے کا ولی آیا اور اُس نے اُس شخص سے جس نے مدبر کی قیمت اُس کے مولیٰ سے لی ہے قیمت کی بابت مؤاخذہ کیا تو اُس کے اور جس نے قیمت لی ہے۔ دونوں کے درمیان خصومت نہ ہوگی اور میں اُس کے گواہ قیمت لینے والے پر قبول نہ کروں گا بلکہ مولائے مدبر پر اُس کے گواہ قبول کروں گا پھر جب مولیٰ پر پیش کئے گواہوں کی تعدیل ہو جائے تو البتہ جس نے قیمت لی ہے اُس سے نصف قیمت واپس لے گا یہ محیط میں ہے۔ ایک مدبر نے کنواں کھودا اور اُس میں کوئی آدمی گر کر مر گیا اور مولیٰ نے بحکم قاضی اُس کی قیمت ہزار درم دے دی پھر مولیٰ مذکور جس نے قیمت لی ہے مر گیا اور ایک ہزار درم ترکہ چھوڑا اور اُس پر دو شخصوں کے دو ہزار درم قرضہ میں ہر ایک کے ہزار درم قرضہ ہیں ہیں پھر کنویں میں دوسرا شخص گر گیا اور مر گیا تو ہزار درم جن کو پہلے ولی جنایت نے چھوڑا ہے اُس کے قرض خواہوں اور دوسرے ولی جنایت کے درمیان پانچ حصے ہو کر تقسیم ہوں گے یعنی قرض خواہوں کو چار حصے اور اس کو ایک حصہ ملے گا پس اگر بحکم قضا انہوں نے اس طرح حصہ تقسیم کر لیا پھر اور ایک آدمی کنویں میں گر کر مر گیا تو دوسرے ولی جنایت سے اس کا وارث آدھا مال جو اُس کے پاس جرمانہ کا وصول کیا ہوا ہے لے لے گا اور دونوں مل کر دونوں قرض خواہوں کا دامن پکڑ کر اُن سے جو کچھ انہوں نے لیا ہے اُس میں سے ہزار درم کی چوتھائی تک جس قدر ان دونوں کا حصہ ملا کر کم ہے وہ بھی لے لیں گے۔ اور اگر اخیر جنایت کا والی پہلے ولی جنایت سے نہ ملا بلکہ ایک قرض خواہ سے ملاقات ہوئی تو جو کچھ اُس نے میت کے مال سے لیا ہے اُس میں سے چوتھائی لے لے گا پھر جب یہ قرض خواہ دوسرے قرض خواہ سے ملے تو دونوں اپنے پاس کا مال جمع کر کے نصفا نصف تقسیم کر لیں گے اور دونوں ولی جنایت جب باہم ملاقی ہوں تو اپنے پاس کا مال جمع کر کے باہم آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے اور اگر اس کے بعد یہ سب باہم مجتمع ہوئے تو جو کچھ ان کے پاس ہے سب آٹھ حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے دونوں ولی جنایت کو چوتھائی اور قرض خواہوں کو تین چوتھائی دیا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مولیٰ نے پانچ سو درم بلاحکم قاضی ولی اوّل کو دے دے پھر اُس نے جو کچھ لیا ہے وہ مولیٰ کو ہبہ کر دیا تو دوسرے کے ولی کو اختیار ہوگا چاہے مولیٰ سے نصف تاوان لے یا مولیٰ سے چوتھائی اور ولی اوّل سے چوتھائی تاوان لے اور اگر مولیٰ نے ولی اوّل کو بحکم قاضی دیا ہو تو ولی ثانی کو دو طرح کا خیار نہ ہوگا بلکہ مولیٰ سے چوتھائی اور ولی اوّل سے چوتھائی لے لے گا یہ کافی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے ایک غلام مجور اور ایک آزاد کو مزدور مقرر کیا کہ دونوں اُس کے واسطے کنواں کھودیں پھر کنواں دونوں پر گر پڑا اور دونوں مر گئے تو مستاجر پر غلام کی قیمت اُس کے مولیٰ کے واسطے واجب ہوگی پھر یہ قیمت وارثان آزاد کو ملے گی بشرطیکہ نصف دیت سے کم ہو پھر مولیٰ اس کو مستاجر سے واپس لے گا پھر مستاجر چونکہ ادائے ضمان سے غلام کا مالک ہوا اور آزاد شخص اُس کے نصف پر جنایت کرنے والا ہو گیا پس آزاد کی مددگار برادری پر غلام کی نصف قیمت مستاجر کے لیے واجب ہوگی اور اگر غلام ماذون ہوتا تو مستاجر پر کچھ واجب نہ ہوتا اور آزاد کی مددگار برادری پر غلام کی نصف قیمت ہوگی پھر یہ وارثان آزاد کو ملے گی یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر ایک غلام مجور و ایک آزاد اور ایک مکاتب کو اپنے واسطے کنواں کھودنے کے لیے مزدور مقرر کیا پھر کنواں ان سب پر گر پڑا اور مر گئے تو مستاجر پر آزاد و مکاتب کی ضمان واجب نہ ہوگی اور غلام کی قیمت اُس کے مولیٰ کو دے گا پھر جب مولیٰ کی قیمت دے دی تو مولیٰ اُس کو وارثان آزاد و مکاتب کو دے دے گا پس وارثان آزاد اُس میں بقدر تہائی دیت کے اور وارثان مکاتب بقدر قیمت کے شریک کئے جائیں گے پھر مولائے غلام مستاجر سے دوبارہ غلام کی قیمت لے لے گا اور وہ اسی کو سپرد کی جائے گی۔ اور مستاجر کو اختیار ہوگا کہ آزاد کی مددگار برادری سے

[1] قولہ اس پر یعنی مکاتب پر اپنی قیمت ۱۲

غلام کی تہائی قیمت واپس لے اور وارثان مکاتب بھی آزاد سے مکاتب کی تہائی قیمت واپس لیں گے پھر مکاتب کے ترکہ سے بقدر اُس کی قیمت کے لے جائے گی اور وہ وارثان آزاد و مستاجر کے درمیان مشترک ہوگی اُس میں وارثان آزاد بقدر تہائی دیت کے اور مستاجر بقدر تہائی قیمت غلام کے شریک ہوں گے یہ حاوی میں ہے۔

بھی تاتارخانیہ میں تجرید سے منقول ہے اور اگر آزاد و مکاتب مدبر[1] و غلام کو مزدور مقرر کیا کہ میرے واسطے کنواں کھودیں پھر چاروں کے کھودنے میں وہ کنواں چاروں پر گر پڑا اور سب مر گئے اور مدبر و غلام کو کام کی اجازت نہ تھی تو ہم کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے فعل اور اپنے ساتھیوں کے فعل سے تلف ہوا ہے پس اُس کی ذات کا چوتھائی حصہ ہدر ہوگا اور اُس کے ساتھیوں کی جنایت اُس کی تین چوتھائی حصہ میں معتبر ہوگی پھر مستاجر پر غلام و مدبر کی قیمت اُس کے مولیٰ کو دینی واجب ہوگی پھر وارثان آزاد کے واسطے آزاد کی چوتھائی دیت ان میں سے ہر آدمی کی گردن پر واجب ہوگی اور ولی مکاتب کے واسطے مکاتب کی چوتھائی قیمت ان میں سے ہر شخص کی گردن پر واجب ہوگی۔ پس ان دونوں قیمتوں میں وارثان آزاد اور وارثان مکاتب بقدر نصف قیمت مکاتب کے شریک کئے جائیں گے پھر اسی حساب سے باہم تقسیم کر لیں گے پھر دونوں کے مولیٰ اُس کو مستاجر سے واپس لیں گے پھر مستاجر کے واسطے آزاد کی مددگار برادری پر ان دونوں میں سے ہر ایک کی چوتھائی قیمت واجب ہوگی اور نیز اُس کے واسطے مکاتب کی گردن پر ان دونوں میں سے ہر ایک کی چوتھائی قیمت واجب ہوگی حالانکہ مکاتب کے واسطے بھی ان دونوں سے ہر ایک کی گردن پر اُس کی چوتھائی قیمت جس کو یہ ہر ایک نے چھوڑ رکھا ہے واجب ہوئی پس بعض بعض کا بدلہ ہو جائے گا اور آپس میں جس کا جو کچھ زیادہ وہ لے گا اور مکاتب کی چوتھائی قیمت آزاد کی مددگار برادری پر ہوگی پھر یہ قیمت وارثان آزاد لے لیں گے بدین اعتبار کے مکاتب نے چوتھائی آزاد پر جنایت کی لیکن اگر اس قدر قیمت بہ نسبت چوتھائی دیت کے زائد بقدر چوتھائی دیت کے لے کر باقی کو مولائے مکاتب کو واپس دیں گے مگر یہ حکم ایسے شخص کے قول پر درست ہوگا جو کہتا ہے کہ جنایت میں مملوک کی قیمت جہاں تک پہنچے معتبر ہوئی ہے اور دونوں میں سے ہر غلام کی قیمت کی چوتھائی دوسرے غلام کی قیمت میں واجب ہے لیکن چونکہ یہ مستاجر کے ذمے ہے اس واسطے اس کا اعتبار کرنا مفید نہیں ہے پس اگر دونوں غلام کام کے واسطے ماذون ہوں تو مستاجر پر ضمان واجب نہ ہوگی اور ہر ایک کی چوتھائی قیمت دوسرے کی گردن پر ہوگی اور دونوں میں سے ہر ایک کی چوتھائی قیمت آزاد کی مددگار برادری پر ہوگی اسی طرح مکاتب کی چوتھائی قیمت بھی آزاد کی عاقلہ پر ہوگی اور آزاد کی تین چوتھائی دیت ان میں سے ہر ایک پر ایک چوتھائی ہوگی پھر جب آزاد کی مددگار برادری نے ہر ایک کی چوتھائی قیمت دے دی اور ہر ایک نے اس کو لے لیا تو ہم کہتے ہیں کہ مولائے مدبر سے پوری قیمت لی جائے گی جب کہ یہ قیمت جو اُس کو چاہئے اُس کے برابر یا کم ہو پھر یہ قیمت باقیوں میں اس طرح تقسیم ہوگی کہ وارثان آزاد بقدر چوتھائی دیت کے اور مولائے غلام بقدر اُس کی چوتھائی قیمت کے اور مولائے مکاتب بقدر چوتھائی قیمت مکاتب کے شریک کئے جائیں گے اور اگر مکاتب نے بقدر ادائے کتابت کے چھوڑا ہو تو اُس کے ترکہ سے تمام قیمت لے لی جائے گی بشرطیکہ یہ قیمت جس قدر اُس پر واجب ہے اُس سے کم ہو پھر اس میں وارثان آزاد بقدر چوتھائی دیت کے اور مولائے غلام بقدر چوتھائی قیمت کے اور مولائے مدبر بقدر چوتھائی قیمت کے شریک کئے جائیں گے پھر مولائے غلام سب سے جو کچھ اُس نے لیا ہے لے لیا جائے گا اور اُس میں وارثان آزاد بقدر چوتھائی دیت کے اور مولائے مدبر بقدر چوتھائی قیمت مدبر کے اور مولائے مکاتب بقدر چوتھائی قیمت کا مکاتب کے شریک کئے جائیں گے یہ مبسوط میں ہے۔

---

[1] ہر ایک کی توضیح اپنے اپنے مقام پر دیکھنا چاہئے ۱۲

بارھواں باب ☆

بہائم [1] کی جنایت اور بہائم پر جنایت کرنے کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ چوپایہ کی جنایت میں حال سے خالی نہیں یا تو مالک چوپایہ کی ملک میں ہوگی یا غیر مالک کے ملک میں ہوگی مسلمانوں کی راہ میں ہوگی پس اگر اُس کی جنایت اُس کے مالک کی ملک میں واقع ہوئی اور مالک اُس کے ساتھ تھا تو اُس کا مالک ضامن نہ ہوگا خواہ چوپایہ جنایت کے وقت کھڑا ہو یا چلتا ہو خواہ اُس نے اپنے ہاتھ یا پاؤں سے روند ڈالا ہو یا ہاتھ پاؤں سے مار دیا، یا دُم ماردی ہو یا دانت سے کاٹ کھایا ہو۔ اور اگر اُس کا مالک اُس کے ساتھ ہو پس اگر اُس کا قائد [2] یا سائق ہو تو بھی ان سب صورتوں میں ضامن نہ ہوگا اور اگر سوار ہو اور چوپایہ رواں ہوں پس اگر ہاتھ یا پاؤں سے روند ڈالا تو ضامن ہوگا اور اگر اُس کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اُس پر کفارہ لازم ہوگا اور وہ میراث سے محروم (۱) ہوگا اور اگر کاٹ کھایا یا ہاتھ پاؤں یا دم سے مار دیا تو ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر غیر مالک چوپایہ کی ملک میں ہو پس اگر بدون مالک کے داخل کرنے کے دوسرے کی ملک میں داخل ہو گیا ہو مثلاً چھوٹ بھاگا ہو تو اُس کے مالک پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر اُس کے مالک کے داخل کرنے پر داخل ہوا تو مالک سب صورتوں میں ضامن ہوگا خواہ چوپایہ کھڑا ہو یا رواں ہو خواہ اُس کا مالک اُس کے ساتھ اُس کا سائق یا قائد یا سوار ہو خواہ اُس کے ساتھ نہ ہو یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر اُس کے مالک کی اجازت سے ہو تو وہ ایسا ہے جیسے اُس کی ملک میں ہو یہ تبیین [3] میں ہے اور اگر اُس کی جنایت مسلمانوں کے راستہ میں ہو پس اگر چوپایہ راستہ میں کھڑا ہو اور اُس کے مالک نے کھڑا کیا ہو تو سب صورتوں میں جو کچھ اُس کے فعل سے تلف ہو اُس کا مالک تلف شدہ کا ضامن ہوگا اور اگر چوپایہ رواں ہو اور اُس کا مالک اُس کے ساتھ نہ ہو پس اگر اُس کے مالک کے رواں کر دینے سے رواں ہو گیا ہو تو جب تک اُسی رُخ رواں رہے دائیں بائیں نہ گھوم جائے تب تک اُس کا مالک جس نے اُس کو رواں کیا ہے ضامن رہے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر دائیں بائیں مڑ گیا پس اگر اُس کا راستہ سوائے اس کے دوسرا نہ ہو تو رواں کرنے والا ضامن ہوگا اور اگر اُس کے چلنے کا دوسرا راستہ بھی ہو تو رواں کرنے والا ضامن نہ ہوگا اور اگر چوپایہ ٹھہر گیا پھر روانہ ہوا تو ہانکنے والا ضمان سے بری ہو گیا اور اگر کسی پھیرنے والے نے اُس کو لوٹایا پس اگر وہ نہ پھرا اور اپنی سیدھ پر چلا گیا تو رواں کرنے والا ضامن ہوگا اور اگر پھرا پھر ٹھہر کر روانہ ہوا تو کوئی ضامن نہ ہوگا اور اگر پھرا مگر نہ ٹھہرا اور اسی سیدھ پر روانہ ہوا تو پھیرنے والا ضامن ہوگا اگر اُس نے کچھ تلف کیا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر چوپایہ بدون اپنے مالک کے رواں کئے ہوئے چلا جاتا ہے مثلاً وہ مالک کے ہاتھ سے چھوٹ بھاگا ہے تو سب صورتوں میں اُس کے مال پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے اگر چوپایہ نے روندا یا ہاتھ یا پاؤں یا سر سے صدمہ پہنچایا یا کاٹ کھایا یا ہاتھ پاؤں مارے تو اُس کا سوار ضامن ہوگا اسی طرح اگر کسی چیز سے ٹکرایا تو بھی ضامن ہوگا یہ ہدایہ میں ہے اور اگر لات ماری یا دُم ماری تو اُس کے نقصان کا ضامن نہ ہوگا اور اگر قائد ہو تو اُس کا بھی وہی حکم ہے جو سوار کا حکم ہے اور سائق یعنی پیچھے سے ہانکنے والے کا حکم لات مارنے کی صورت میں کیا ہے سو اس میں مشائخؒ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ ضامن ہوگا اور یہ مذہب شیخ ابوالحسن قدوری و مشائخؒ عراق میں سے ایک جماعت کا ہے اور بعض نے فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا اور اس طرف ہمارے مشائخؒ نے میل کیا ہے کذافی الذخیرہ اور صحیح یہ ہے کہ ہانکنے والا اُس کے لات مارنے سے ضامن نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔

[1] بہائم جمع بہیمہ یعنی چوپایہ جیسے بھینس وغیرہ ۱۲ [2] قائد آگے سے کھینچنے والا اور سائق پیچھے سے ہانکنے والا ۱۲ منہ [3] جیسا کہ اس سے اوپر کی صورت میں مذکور ہوا ۱۲ منہ (۱) اگر مقتول کا وارث ہو ۱۲

نکیل پکڑ کر لے جانے والا یا پیچھے سے ہانکنے والے پر کفارہ کے واجب ہونے کی صورتیں ☆

روندڈالنے کی صورت میں سوار پر کفارہ واجب ہوگا سائق و قائد پر واجب نہ ہوگا اسی طرح روندڈالنے کی صورت میں سوار کے حق میں میراث سے محروم ہونا اور وصیت سے محروم ہونا لازم ہوتا ہے سائق[1] و قائد کے حق میں ایسا نہیں ہے یہ تبیین میں ہے۔ اور اگر چوپایہ کے ساتھ ایک شخص پر سوار ہو اور ایک سائق ہو تو بعض نے فرمایا کہ چوپایہ جو کچھ روندڈالے سائق اُس کا ضامن نہ ہوگا بلکہ سوار ضامن ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ دونوں پر تاوان لازم ہوگا یہ نہایہ میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ ایک شخص پر ایک چوپایہ سواری پر سوار ہوا اور اُس کے پیچھے ایک شخص ردیف ہے اور چوپایہ کے پیچھے سائق ہے اور آگے قائد ہے پھر چوپایہ مذکور نے ایک آدمی کو روند ڈالا تو اُس کی دیت ان لوگوں[1] پر چار چوتھائی ہو کر واجب ہوگی اور سوار و ردیف پر کفارہ بھی واجب ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر چوپایہ نے چلتے ہوئے راہ میں لید یا پیشاب کیا اور اس سے کوئی شخص پھسل کر گرا اور کسی طرح تلف ہو گیا تو ضامن نہ ہوگا اسی طرح اگر چوپایہ کو اس ضرورت کے واسطے کھڑا کیا تو بھی یہی حکم ہے یہ سراج الوہاج میں ہے اسی طرح اگر خود چوپایہ لید کرنے یا پیشاب کرنے کے واسطے کھڑا ہو گیا یا اُس کا لعاب بہا اور اِس کے ذریعہ سے کوئی آدمی تلف ہوا تو بھی ضامن نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر چوپایہ کو کسی اور غرض سے کھڑا کیا پھر کوئی آدمی اُس کی لید یا پیشاب سے تلف ہوا تو ضامن ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔

اگر اُس نے اپنے ہاتھ یا پاؤں سے کنکریاں یا فرے کی گٹھلیاں ٹاپ کر اڑائیں یا غبار یا سنگریزے اُڑائے اور کسی کی آنکھ پھوڑی یا اس کے کپڑے خراب کئے تو ضامن نہ ہوگا اور اگر بڑا پتھر ہو تو ضامن ہوگا اور سوار و ردیف[2] و سائق و قائد اس حکم میں یکساں ہیں یہ کافی میں ہے۔ اگر ایک شخص اپنے جانور سواری پر سوار ہو کر راہ میں چلا جاتا تھا پھر اُس نے ایک پتھر سے جس کو ایک شخص نے راہ میں رکھا ہے یا ایک دکان سے جس کو کسی نے راہ میں بنایا ہے ٹھوکر کھائی یا پانی سے جس کو کسی نے راہ میں ڈالا ہے پھسل کر کسی آدمی پر گرا اور وہ مر گیا تو ضامن اُس شخص پر واجب ہوگی جس نے ان چیزوں کو راہ میں پیدا کیا ہے اور مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ سوار اس چیز کو جو راہ میں پیدا کی گئی ہے نہ جانتا ہو اور اگر جانتا ہو پھر قصداً اُس جانور کو اسی جگہ چلایا تو ضمان اُسی پر ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ قدوری میں ہے کہ اگر کسی شخص نے مسلمانوں کی بڑی مسجد یا کسی مسجد کے دروازہ پر اپنا گھوڑا کھڑا کیا اور اُس نے کسی آدمی کو لات ماری تو وہ ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اور اگر امام نے دروازہ مسجد کے پاس جانوران سواری کے کھڑے ہونے کے واسطے کوئی جگہ مقرر کر دی ہو تو وہاں کھڑے ہونے سے جو حادثہ جانوروں سے پیش آئے اُس کی ضمان نہ ہوگی یہ تبیین میں ہے لیکن جب یہ جانور سواری کو آگے سے چلایا یا پیچھے سے ہانکا یا اُس مقام میں سوار چلا گیا تو نقصان کا ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے

اگر چوپاؤں کے بازار میں اپنا چوپایہ کھڑا کیا اور اُس نے لات ماری تو اُس کے مالک پر ضمان واجب نہ ہوگی اور جو کشتی کنارے پر بندھی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے۔

منتقی میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر سلطان کے دروازے پر اپنا گھوڑا کھڑا کیا حالانکہ اُس کے دروازہ پر سواری کے جانور کھڑے کئے جاتے ہیں تو فرمایا کہ جو صدمہ اُس سے پہنچے اُس کا ضامن ہوگا یہ حاوی میں ہے۔

اگر جنگل میں اپنا چوپایہ کھڑا کر دیا تو ضامن نہ ہوگا الا اُس صورت میں کہ پگ ڈنڈی پر کھڑا کر دیا ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنا چوپایہ کسی زمین میں جو اُس کے اور غیر کے درمیان مشترک ہے کھڑا کیا پھر اُس نے اپنے پاؤں یا ہاتھ سے

کوئی صدمہ پہنچایا تو قیاس یہ ہے کہ وہ نصف کا ضامن ہوگا اور استحساناً کچھ ضامن نہ ہوگا اور ہمارے بعض مشائخؒ [1] نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ ایسے مقام پر کھڑا کیا جہاں چوپایہ کھڑے کئے جاتے ہیں اور اگر کسی ایسی جگہ کھڑا کیا جہاں چوپایہ نہیں کھڑے کئے جاتے ہیں تو قیاساً و استحساناً فعل چوپایہ سے جو کچھ تلف ہو اُس کا ضمان ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر کسی نے اپنا چوپایہ مسلمانوں کی راہ میں کھڑا کیا اور اُس کو نہ باندھا پھر وہ اس جگہ سے چلا گیا اور کوئی چیز تلف کی تو مالک ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر اس کو راستہ میں باندھ کر کھڑا کیا اور وہ کھونٹے میں بندھا ہوا گھوما اور کسی چیز کو تلف کیا پس اگر رسی کھل جانے کے بعد اپنی جگہ سے ہٹ کر اُس نے تلف کی تو اُس کے مالک پر ضمان نہ ہوگی اور اگر رسی اپنے حال پر رہی اور اُس نے کچھ تلف کیا تو اُس کی خیانت کا ضامن ہوگا اگرچہ جہاں کھڑا کیا تھا وہاں سے جنبش کر جائے یہ محیط میں ہے اور اگر گھوڑے نے سرکشی کے اڑنا شروع کیا اور مالک نے اُس کو مارا یا لگام کھینچی پس اس نے لات یا دُم سے کسی کو مارا تو مالک ضامن نہ ہوگا اسی طرح اگر مالک اُس کی پیٹھ سے گر پڑا اور گھوڑا اپنی سیدھ پر چلا گیا اور اُس نے کسی آدمی کو مار ڈالا تو مالک پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ حاوی میں ہے۔ اگر ایک گدھا کرایہ کیا اور راہ میں چند لوگ بیٹھے تھے وہاں کھڑا کر کے ان لوگوں کو سلام کیا پھر اس کے مالک نے اُس کو انگلی سے ٹھیلا یا مارا یا ہانکا اور اُس نے کسی کو لات ماری تو دونوں ضامن ہوں گے اور وہ مثل ہانکنے کا حکم کرنے والے کے ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر جانور چلا جاتا ہو اور اُس پر ایک آدمی سوار ہو پس اُس کو کسی شخص نے انگلی سے ٹھیلا اور چوپایہ نے سوار کو گرا دیا تو انگلی چونکنے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا بشرطیکہ اُس نے مالک کی اجازت سے یہ فعل کیا ہو اور اگر اُس کی بلا اجازت ایسا کیا تو اُس پر پوری دیت واجب ہوگی اور اگر چوپایہ نے ٹھیلنے والے کو مارا تو اُس کا خون ہدر ہوگا اور اگر کسی دوسرے شخص کو دُم یا لات سے یا اور کسی طرح صدمہ پہنچایا پس اگر بدون اجازت سوار کے ہو تو ٹھیلنے والا ضامن ہوگا اور اگر اُس کی اجازت سے ہو تو دونوں پر ضمان واجب ہوگی سوائے دم سے مارنے یا لات مارنے کے کہ یہ دونوں ہدر ہیں یہ خلاصہ و محیط و فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ لیکن اگر سوار اپنے غیر ملک میں کھڑا ہوا اور ایک شخص کو حکم دیا کہ اُس کو انگلی سے ٹھیلے پس چوپایہ نے اس کے ٹھیلنے سے کسی شخص کو لات ماری تو دونوں پر ضمان واجب ہوگی اور اگر سوار کی اجازت نہ ہو تو پوری ضمان ٹھیلنے والے پر واجب ہوگی اور اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا کذا فی الخلاصہ اور یہ حکم اس وقت ہے کہ چوپایہ کے بفور اُنگلی سے ٹھیلنے کے لات ماری ہو اور اگر فی الفور نہ ماری ہو تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ محیط میں ہے اور اگر کوئی شخص گھوڑے کو آگے سے پکڑے ہوئے لئے جاتا ہے اور کسی شخص نے اس کے بدن پر اُنگلی سے چونکا اور وہ بدک کر قائد کے ہاتھ سے چھوٹ بھاگا اور فی الفور کسی کو تلف کیا تو انگلی چونکنے والے پر ضمان واجب ہوگی اسی طرح اگر چوپایہ مذکور کا کوئی سائق ہو اور کسی شخص نے اُس کو انگلی سے چنید دیا تو بھی یہی حکم ہے یہ ہدایہ میں ہے۔ ایک چوپایہ کا ایک سائق و ایک قائد [2] ہے اور ان دونوں میں سے کسی کے بغیر اجازت ایک شخص نے اُس کو انگلی سے ٹھیلا اور اس نے کسی کو لات ماری تو چنید نے والے پر خاصہ ضمان واجب ہوگی اور اگر انگلی سے ٹھیلنا ان دونوں میں سے کسی کی اجازت سے ہو تو کسی پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان ہے اور اگر انگلی سے چونکنے والا کوئی غلام ہو تو چوپایہ کی جنایت غلام کی گردن پر ہوگی اور اگر لڑکا ہو تو وہ مثل مرد کے ہے یہ حاوی میں ہے۔ اگر ایک شخص کا چوپایہ رواں ہو اور وہ اس پر سوار ہو پھر اُس نے کسی غلام کو حکم دیا کہ اس کو چونک دے اور چوپایہ نے چونکنے سے کسی شخص کو لات ماری تو ان دونوں میں سے کسی پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر چونکنے کے ساتھ ہی کسی آدمی کو روند ڈالا تو اُس کی ضمان ان دونوں پر نصفا نصف واجب ہوگی پس نصف سوار کی مددگار برادری پر اور نصف

[1] مترجم کہتا ہے کہ جب یہ قید معتبر ہوگی تو اس سے یہ مفاد ہوگا کہ قولہ اگر کسی نے ایسے مقام پر جانور کھڑا کیا جس جگہ چوپایہ کھڑے کئے جاتے ہیں تو ضامن نہ ہوگا اگرچہ وہ مقام چوپایہ کھڑا کرنے والے اور غیر کے درمیان مشترک ہو ۱۲

[2] جانور کو آگے سے کھینچنے والے کو قائد کہتے ہیں ۱۲

غلام کی گردن پر کہ جس کے عوض وہ غلام دیا جائے گا یا اُس کا مولیٰ اُس کا فدیہ دے گا پھر مولائے غلام اس سوار سے غلام کی قیمت لے لے گا بشرطیکہ اُس کی قیمت نصف دیت سے کم ہو بشرطیکہ یہ غلام جس کو چونکنے کا حکم دیا ہے غلام مجور ہو اور اگر یہ غلام ماذون ہو تو اُس کا مولیٰ جو کچھ اُس کو تاوان دینا پڑا ہے وہ حکم دہندہ سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر سوار نے چوپایہ کے پیچھے سے ہانکنے یا آگے سے لے چلنے کا حکم دیا تو مثل چونکنے کے حکم دینے کے اس کا بھی جواب ہے اور اگر سوار غلام ہو اور اُس نے دوسرے غلام کو حکم دیا کہ چوپایہ کو پیچھے سے ہانک دے اور چوپایہ نے کسی شخص کو روند ڈالا پس اگر دونوں ماذون ہوں تو ضمان ان دونوں کی گردن پر آدھی آدھی ہوگی کہ جس کے عوض یہ دونوں غلام دے دیئے جائیں گے یا ان کے مولیٰ ان کا فدیہ دیں گے اور غلام مامور کا مولیٰ غلام حکم دہندہ سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر غلام مامور مجور ہو اور حکم دہندہ ماذون ہو تو بھی ضمان ان دونوں کی گردن پر ہوگی اور جب مولائے مامور نے وہ غلام دے دیا یا اُس کا فدیہ نصف دیت دے دی تو غلام حکم دہندہ سے اپنے غلام کی قیمت واپس لے گا اور اگر دونوں مجور ہوں تو بھی ضمان ان دونوں کی گردن پر ہوگی اور جب غلام مامور کے مولیٰ نے اُس کو دیا یا نصف دیت اُس کا فدیہ دیا تو فی الحال غلام حکم دہندہ سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے پھر جب وہ آزاد ہو جائے تو اُس سے اپنے غلام کی قیمت واپس لے سکتا ہے اور اگر حکم دہندہ مجور[۲] اور مامور ماذون ہو تو بھی ضمان ان دونوں کی گردن پر ہوگی اور جب غلام مامور کے مولیٰ نے اپنا نصف غلام دیا یا اُس کا فدیہ دیا تو غلام حکم دہندہ سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے۔ نہ فی الحال اور نہ بعد اُس کے آزاد ہو جانے کے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر چوپایہ سواری راہ میں ایسی چیز کے پاس گذرا جو راہ میں کھڑی کی گئی تھی پس اس چیز کی ٹھیس اُس کے بدن میں لگی یعنی یہ چیز چبھی پس اس نے لات ماری اور کوئی آدمی مر گیا تو جس نے اس چیز کو کھڑا کیا ہے اُس پر ضمان واجب ہوگی یہ حاوی میں ہے۔

منتقیٰ میں ہے کہ ایک شخص اپنے گھوڑے پر سوار راہ میں کھڑا ہے پس اس نے ایک شخص کو حکم دیا کہ اس جانور کو چونک دے اُس نے چونکا پس اُس نے ایک آدمی کو ہلاک کیا اور حکم دہندہ کو گرا دیا تو مرد اجنبی کی دیت اُس چونکنے والے اور حکم کرنے والے دونوں پر واجب ہوگی اور جس نے حکم کیا تھا اُس کا خون ہدر ہوگا اور اگر وہ گھوڑا بعد حکم کے اپنی جگہ سے روانہ ہو گیا ہو پھر مامور نے چونکا اور فی الفور اُس نے لات ماری تو ضمان چونکنے والے پر ہوگی حکم دہندہ سوار پر نہ ہوگی اور اگر روانہ نہ ہوا مگر چونکنے والے اور ایک جنبی کو لات مار کر دونوں کو مار ڈالا تو اجنبی کی دیت چونکنے والے پر اور سوار پر ہوگی اور چونکنے والے کی نصف دیت سوار پر ہوگی اور اگر سوار نے اُس کو راہ میں کھڑا نہ کیا لیکن گھوڑے نے حرونی کی اور ٹھہر گیا پس اُس نے یا غیر نے اُس کو چونکا تا کہ چلے اور اُس نے کسی شخص کو لات ماردی تو دونوں میں سے کسی پر ضمان واجب نہ ہوگی۔ ایک شخص نے راہ میں اپنا گھوڑا کھڑا کر دیا تھا اُس پر دوسرا شخص سوار ہو گیا پس اُس نے لات مار کر کسی کو تلف کیا تو اُس کی دیت گھوڑے کے مالک اور سوار دونوں پر نصفا نصف ہوگی اور اگر ایک شخص نے دوسرے کا چوپایہ راہ میں کھڑا کر کے باندھ دیا اور خود غائب ہو گیا پھر مالک نے ایک شخص کو حکم دیا کہ اس کے چونک دے پس اُس کے چونکنے سے اُس نے لات ماری خواہ کسی غیر کو یا حکم دہندہ کو اُس کی دیت چونکنے والے پر ہوگی اور اگر حکم دہندہ نے اُس کو راہ میں کھڑا کیا ہو پھر ایک شخص کو اُس کے چونکنے کا حکم کیا اور چوپایہ نے کسی کو قتل کیا تو اُس کی دیت چونکنے والے اور حکم دہندہ دونوں پر نصفا نصف ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر چوپایہ ایک پتھر سے جس کو کسی نے راہ میں رکھا ہے بدک گیا تو پتھر رکھنے والا بمنزلہ چونکنے والے کے ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص نے اپنا گدھا چھوڑا اور وہ ایک شخص کے کھیت میں گیا اور اُس کی کھیتی خراب کر دی پس اگر چھوڑنے والے نے اُس کو چھوڑا اور اُس کو کھیتی کی طرف ہانکا ہو مثلاً اس کے پیچھے ہو تو ضامن ہوگا اور اگر پیچھے نہ ہو لیکن وہ گدھا اپنی سیدھ پر چلا

[۲] مجور جس کو اجازت تصرفات بیع وغیرہ کی نہ ہو۱۲

گیا اور دائیں یا بائیں مڑا اور فوراً چلا گیا اور اس نے کوئی کھیت پا کر اُس کو خراب کیا تو بھی ضامن نہ ہوگا اور اگر دائیں بائیں سمت گیا پھر کھیتی کو پا کر خراب کیا پس اگر یہی ایک ہی راہ نہ ہو تو ضامن نہ ہوگا اور اگر ایک ہی راہ ہو تو ضامن ہوگا اور اگر مالک نے اس کو چھوڑا اور وہ ایک ساعت ٹھہر گیا پھر کھیت میں گیا اور خراب کیا تو چھوڑنے والا ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر ایک شخص نے بہائم میں سے کسی بہیمہ کو چھوڑ دیا اور اُس کا ہانکنے والا ہے...... ☆

شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل بخاریؒ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے گاؤں میں سے اپنی گائے اپنی زمین کی طرف چھوڑی اور اُس نے دوسرے کے کھیت میں گھس کر اُس کا کھیت کھایا پس اگر سوائے اس راہ کے اُس کا دوسرا راستہ ہو تو ضامن نہ ہوگا اور اگر راستہ یہی ایک ہو تو ضامن ہوگا۔ اور اگر چوپایہ سواری اپنے تھان سے نکلا اور اُس نے کسی شخص کا کھیت خراب کیا یا چراگاہ میں چھوڑا اور اُس نے وہاں سے کھیت اُجاڑا تو ضمان واجب نہ ہوگی اسی طرح کتے اور بلیوں کا حکم ہے کہ اگر انہوں نے لوگوں کے مالوں میں سے کچھ خراب کیا تو مالک پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے بہائم میں سے کسی بہیمہ کو چھوڑ دیا اور اُس کا ہانکنے والا ہے اور فی الفور اس نے کسی مال یا آدمی کو صدمہ پہنچایا تو ضامن ہوگا اور اگر پرند کو چھوڑا اور اس کو ہانکا اور فی الفور اس نے کسی کو صدمہ پہنچایا تو ضامن نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ ایک شخص نے اپنا کتا ایک بکری پر چھوڑا پس اگر وہ ٹھہر گیا پھر اُس نے جا کر بکری کو مار ڈالا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر فوراً چھوڑتے ہی جا کر بکری کو مار ڈالا تو جامع صغیر میں مذکور ہے کہ ضامن نہ ہوگا اور اگر وہ سائق نہ ہو یعنی اُس کے پیچھے نہ ہو اور ایسا ہی قدوری نے ذکر کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ وہ ضامن ہوگا اور مشائخ نے امام ابو یوسفؒ کا قول اختیار کیا ہے اور فقیہ ابواللیثؒ نے شرح جامع صغیر میں ذکر کیا کہ ایک شخص نے اپنا کتا چھوڑا اور فی الفور اُس نے کسی آدمی کو قتل کیا یا اُس کے کپڑے پھاڑ ڈالے تو چھوڑنے والا ضامن ہوگا اور ناطفی نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے اپنے کتے کو ایک شخص پر للکارا اور اُس نے اُس کو کاٹا یا اس کے کپڑے پھاڑے تو امام ابو حنیفہؒ کے قول میں ضامن نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضامن ہوگا اور فتویٰ کے واسطے امام ابو یوسفؒ کا قول مختار ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر کسی شخص کا کتا کٹہا ہو کہ جو اُس طرف گذرتا ہے اُس کو کاٹ کھاتا ہے تو اہل شہر کو اس کے قتل کر ڈالنے کا اختیار ہے اور اگر اُس نے آدمی کو تلف کیا پس اگر اس سے پہلے اُس کے مالک کو اس سے اطلاع دی گئی اور مطالبہ کیا گیا تھا تو وہ ضامن ہوگا ضامن نہ ہوگا جیسا کہ جھکی ہوئی دیوار کا حکم ہے یہ تبیین میں ہے اور اگر شکار پر اپنا کتا چھوڑا اور اُس نے کسی آدمی کو پکڑ کر صدمہ پہنچایا اور مالک اُس کے پیچھے اُس کا سائق نہ تھا تو روایت ظاہرہ کے موافق ضامن نہ ہوگا اور روایات ظاہرہ ہی پر اعتماد ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنا مست اونٹ دوسرے کے دار میں داخل کیا اور دار میں اس کا اونٹ ہے پس مست اونٹ اُس کے اونٹ پر چڑھ بیٹھا اور اُس کو مار ڈالا تو مشائخؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ مست اونٹ کے مالک پر ضمان نہ ہوگی اور بعض نے فرمایا کہ اگر مست اونٹ کے مالک نے اُس کو مالک مکان کی اجازت سے دار میں داخل کیا ہے تو ضمان نہ ہوگی اور اگر بدون اجازت داخل کیا ہے تو ضامن ہوگا اور اسی کو فقیہ ابواللیثؒ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ محیط میں ہے۔ اور راہ میں جو قطار کا قائد ہو یعنی آگے سے ناتھ پکڑے ہوئے لئے جاتا ہو وہ اول قطار و اخیر قطار سب کا ضامن ہے اگرچہ قطار بہت بڑی ہو کہ قائد سے اُس کے آخر تک کا ضبط ممکن نہ ہو۔ اور اگر اُس کے ساتھ سائق ہو پیچھے سے ہانکتا ہو تو دونوں پر ضمان واجب ہوگی اور اگر دو سائق ہوں تو دونوں پر ضمان واجب ہوگی اور اگر تیسرا درمیان قطار میں ہو تو سب تین تہائی کے ضامن ہوں گے اور اس کے قول سے یہ مراد ہے کہ دوسرا شخص قطار کے کسی جانب ہانکتا چلتا تھا پس بعض کا ہانکنا مثل کل کے ہانکنے کے ہوگا بدیں وجہ کہ اتصال ہے اس وجہ سے ضمان دونوں پر نصفا نصف ہوگی اور اگر اُس نے درمیان قطار میں ہو کر اونٹ کی نکیل پکڑ لی تو جس

ندر اونٹ اُس کے پیچھے ہیں اُن سے جو صدمہ پہنچے گا اُس کا خاص یہی ضامن ہوگا اور جو اُس کے آگے کے اونٹوں سے صدمہ پہنچے گا وہ دونوں پر نصفا نصف ہوگا اور اگر کبھی درمیان میں ہو جاتا ہو اور کبھی آگے اور کبھی پیچھے تو وہ سائق ہوگا اور ضمان دونوں پر نصفا نصف رہے گی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

اگر وہ شخص جو درمیان قطار میں ہے۔ اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے اپنے پیچھے کے اونٹوں کو کھینچے لئے جاتا ہو اور سامنے کے ونٹوں کو نہ ہانکتا ہو پس جو نقصان اس کے پیچھے کے اونٹوں سے ہو اُس کی ضمان قائد اول پر نہ ہوگی اور جو اُس کے آگے والے اونٹوں سے ہو اُس کی ضمان اس پر نہ ہوگی بلکہ قائد اول پر ہوگی اس وجہ سے یہ اگلے اونٹوں کا سائق نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر درمیان نظار میں ایک شخص ایک اونٹ پر سوار ہو اور ان اونٹوں میں سے کسی کا سائق نہ ہو یعنی پیچھے سے نہ ہانکتا ہو تو سامنے والے اونٹوں سے جو قصان پہنچے اُس کا یہ ضامن نہ ہوگا لیکن جس پر یہ سوار ہے اُس سے یا اس کے پیچھے والے اونٹوں سے جو نقصان پہنچے اُس کی ضمان میں یہ بھی باقی قائد و سائق کا شریک ہوگا اور بعض متاخرین نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب پچھلے اونٹوں کی مہار اس کے ہاتھ یں ہو کہ یہ ان کا قائد ہو۔ اور اگر اپنے اونٹ پر سوتا یا بیٹھا ہوا ایسا کوئی فعل نہ کرتا ہو جس سے پچھلے اونٹوں کا قائد ہو تو اُس پر پچھلے والوں کی ضمان بھی کچھ نہ ہوگی اور وہ پچھلے اونٹوں کے حق میں ایسا ہے جیسے ایک اونٹ پر اسباب لدا ہوا ہے یہ مبسوط سے نہایہ میں منقول ہے۔ منتقیٰ میں فرمایا کہ اگر ایک شخص ایک قطار کا قائد ہو اور قطار کے پیچھے سائق ہو اور آگے ایک شخص ایک اونٹ پر سوار ہو پھر سوار کے ونٹ نے کسی آدمی کو تلف کر دیا تو دیت ان سب پر تین تہائی ہوگی اسی طرح اگر سوار کے پچھلے اونٹوں میں کسی اونٹ نے ایسا کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر سوار کے اگلے اونٹوں میں سے کسی نے ایسا کیا تو اُس کی ضمان قائد و سائق پر نصفا نصف ہوگی اور سوار پر کچھ نہ ہوگی یہ نیط میں ہے اور اگر ایک شخص ایک قطار کا قائد ہو اور ایک شخص نے اپنا اونٹ بھی اس قطار میں باندھ دیا اور قائد مذکور کو معلوم نہ ہوا پھر ں باندھے ہوئے اونٹ نے یہ جنایت کی کہ ایک آدمی کو مار ڈالا تو اُس کی دیت قائد[2] کی مددگار برادری پر ہوگی پھر قائد کی مددگار ادری مال دیت کو باندھنے والے کی مددگار برادری سے واپس لے گی اور اگر قائد کو اُس کا باندھنا معلوم ہو تو اُس کی مددگار برادری ل دیت کو باندھنے والے کی مددگار برادری سے واپس نہیں لے سکتی ہے۔ اور اگر اونٹ کی قطار کھڑی ہو اور اس حالت میں ایک شخص نے اپنا اونٹ قطار میں باندھ دیا پھر قائد اپنی قطار کو لے چلا پھر اس اونٹ کے کسی آدمی کو تلف کیا تو قائد کی مددگار برادری ضامن ہوگی ر باندھنے والے کی مددگار برادری سے واپس نہیں لے سکتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر کوئی چوپایہ چھوٹ بھاگا اور اُس نے کسی آدمی یا مال کو تلف کیا خواہ دن ہو یا رات ہو تو اُس کے مالک پر ضمان نہ ہوگی یہ ہدایہ میں ہے۔ نوازل میں ہے کہ اگر کھیتی کے لک نے چوپایہ کے مالک سے کہا کہ تیرا چوپایہ میری کھیتی میں ہے پس چوپایہ کے مالک نے اُس کو نکالا اور نکالنے کی حالت میں اُس نے کھیتی کو برباد کیا پس اگر کھیتی کے مالک نے اُس سے یہ نہ کہا ہو کہ اپنے چوپایہ کو نکال لے تو چوپایہ کا مالک ضامن ہوگا اور اگر نکال لینے کا حکم دیا ہو تو ضامن نہ ہوگا اور اسی کو فقیہ ابو اللیثؒ نے اختیار کیا ہے اور فقیہ ابو نصر نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وہ ضامن ہوگا یہ نیرہ میں ہے۔ ایک نے اپنی کھیتی میں رات کے وقت دو بیل گھسے ہوئے دیکھے اور اور گمان کیا کہ یہ میرے گاؤں والوں کے ہیں پس ر دونوں کسی دوسرے گاؤں والوں کے ہوں اور اُس نے چاہا کہ دونوں کو مربط میں داخل کرے پھر ایک بیل مربط میں داخل ہو گیا اور سرا فرار ہو گیا اور اُس نے پیچھا کیا مگر نہ پایا اور بیل کا مالک آیا اور اُس نے اس سے ضمان لینی چاہی تو امام ابو بکر محمد بن الفضلؒ نے

[1] مترجم کہتا ہے کہ ظاہراً کلام امام محمد متحمل ایسے تکلف کا نہیں باوجودیکہ اس میں تمافت ظاہر ہے اور اولیٰ یہی ہے کہ بغیر کسی تکلف کے دو کلام ایک ... نے ۱۲ [2] وہ شخص جو جانور کو آگے کی طرف سے کھینچتا ہو ۱۲

فرمایا کہ اگر پکڑنے کے وقت اُس کی نیت یہ ہو کہ اُس کے مالک کو نہ دے تو ضامن ہوگا اور اگر یہ نیت ہو کہ پکڑ لے تا کہ اُس کے مالک کو واپس کر دے لیکن اُس کو گواہ کر لینے کا موقع نہ ملا اور نہ کسی گواہ کو پایا تو ضامن نہ ہوگا کذافی فتاویٰ قاضی خان پھر شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ اگر یہ امر دن میں واقع ہو تو فرمایا کہ اگر بیل دوسرے گاؤں والوں کا ہو تو اُس کا حکم لقطہ[1] کا حکم ہوگا کہ اگر اُس نے باوجود قدرت کے اس امر پر گواہ نہ کئے کہ میں اس واسطے اس کو پکڑ کر مربط میں باندھتا ہوں کہ اُس کے مالک کو واپس کر دوں تو ضامن ہوگا اور اگر اُس نے گواہ نہ پائے تو یہ امر اُس کے واسطے عذر ہوگا اور اگر بیل اس کے گاؤں کا ہو اور اُس نے اپنی کھیتی سے نکال دیا اور اس سے زیادہ کچھ نہ کیا تو ضامن نہ ہوگا اگرچہ ضائع ہو جائے اور اگر اپنی کھیتی سے باہر نکالنے کے بعد اُس کو ہانکا تو ضامن ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنی کھیتی میں کوئی چوپایہ پا کر اُس کو کھیتی سے باہر نکال دیا پھر بھیڑیئے نے اُس کو کھا لیا تو مشائخؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا کہ ضامن ہوگا اور بعض نے کہا کہ اگر کھیتی سے باہر نکال کر پھر اُس کو نہ ہانکا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر نکالنے کے بعد اُس کو ہانکا تو ضامن ہوگا اور امام ابوبکر محمد بن الفضل اور شیخ علی سغدی اسی پر فتویٰ دیتے تھے اور فقیہ ابونصر الدبوسی فرماتے تھے کہ اگر اُس کو کھیتی سے نکالنے کے بعد ایسی جگہ تک جہاں سے اپنی کھیتی میں دوبارہ آ جانے سے مامون ہو جائے ہانک دیا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اس سے زیادہ ہانکا تو ضامن ہوگا اور فتویٰ اسی پر ہے جس کو امام فضلی نے اختیار کیا ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر اس کو اس واسطے ہانکا کہ اُس کے مالک کو واپس کر دے اور وہ راہ میں مر گیا یا اُس کا پاؤں ٹوٹ گیا تو ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ چرواہے نے اگر اپنی چراگاہ میں اجنبی گائے دیکھی اور اُس کو اتنی دور تک ہانک دیا کہ اُس کی چراگاہ سے نکل جائے تو اُس پر ضمان نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔ ایک کاشتکار نے خاص یا مشترک چرواہے سے بکریاں مانگیں بدین معنی کہ میری زمین میں رات کو رکھا کرے جیسے کہ عادت جاری ہے پس چرواہے مذکور نے منظور کیا اور رات کو بکریاں اُس کی زمین میں رکھیں اور سو گیا پس بکریاں اُس کے پڑوسی کی کھیتی میں چلی گئیں تو کسی پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ قنیہ میں ہے۔ اگر اپنی کھیتی یا باغ انگور میں دوسرے کا چوپایہ پایا اور اُس نے کچھ خراب کر دیا تھا پس مالک باغ یا کھیتی نے اُس کو قید کر لیا اور وہ مر گیا تو مالک باغ یا کھیتی اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی شخص کے دار میں بدون اُس کی اجازت کے اپنا چوپایہ داخل کر دیا پھر مالک دار نے اُس کو نکال دیا اور وہ تلف ہو گیا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر کسی شخص کی کوٹھری میں بدون اُس کی اجازت کے اپنا کپڑا رکھا اور کوٹھری کے مالک نے اُس کو پھینک دیا حالانکہ یہ امر کپڑے کے مالک کی غیبت میں کیا تو کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص لکڑی لدا ہو گدھا ہانکتا تھا اور کہتا تھا (کوست[2] کوست) اور اُس کے آگے ایک شخص تھا جس نے اس کا کلام نہیں سنا پس اُس کے کپڑے میں صدمہ پہنچا کہ وہ پھٹ گئے تو سائق[3] ضامن ہوگا اسی طرح اگر اُس نے اُس کا آواز دینا سنا مگر اُس کو اس قدر فرصت نہ ملی کہ کنارے ہو جائے تو بھی یہی حکم ہے اور اس حکم میں خواہ بہرا ہو یا نہ ہو کچھ فرق نہیں ہے اور اگر اس کو کنارے ہو جانے کی فرصت ملی ہو مگر سننے کے بعد وہ کنارے نہ ہوا تو سائق[3] ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

جانور کے ہاتھ پیر کاٹے جانور میں حلال و حرام کا امتیاز ہوگا یا نہیں؟

فتاویٰ فضلی میں ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کے چوپایہ کا ہاتھ یا پاؤں کاٹ ڈالا پس اگر وہ جانور ایسا ہو کہ اُس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو تو جنایت کنندہ پر اُس کی قیمت واجب ہوگی اور مالک کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اُس چوپایہ کو رکھ لے اور جنایت کنندہ سے نقصان لے لے اور اگر وہ جانور ایسا ہو کہ اُس کا گوشت کھایا جاتا ہو جیسے بکری و گائے و اونٹ وغیرہ تو بھی ظاہر الروایہ کے موافق

[1] جس کو ہمارے عرف میں پڑا پایا بولتے ہیں ۱۲ [2] یعنی مانند بچو بچو وغیرہ کے جو معروف ہو ۱۲ [3] ہانکنے والا ۱۲

یہی حکم ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر کسی نے پنجرے کا دروازہ کھول دیا اور چڑیا اُڑ گئی یا اصطبل کا دروازہ کھول دیا اور سواری کا جانور نکل گیا اور گم ہو گیا تو کھولنے والا ضامن نہ ہوگا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ضامن ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اور منتقی میں لکھا ہے کہ جس کی پیٹھ پر بوجھ لادا جاتا ہے اُس کی آنکھ کے نقصان میں اُس کی چوتھائی قیمت واجب ہوتی ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ برذون[1] اور اونٹ و گدھے و خچر کی آنکھ کے واسطے چوتھائی قیمت واجب ہوتی ہے اور نیز گائے حرار و جدور جرار کے بھی آنکھ کے واسطے چوتھائی قیمت واجب ہوتی ہے۔ اور نیز فصیل[2] و جحش[3] کی آنکھ کے واسطے بھی یہی حکم ہے اور بکری و بار برداری کے جانوروں و چڑیا و کتے و بلی کی ایک آنکھ کے واسطے اس قدر واجب ہوگا جس قدر اُس کی قیمت میں کمی آ جائے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جمیع بہائم میں جو نقصان واجب ہوتا ہے وہی واجب ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

تیرھواں باب ☆

مملوکوں کی جنایت کے بیان میں

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اوّل ☆

رقیق[4] کی جنایت کے بیان میں

جس سے مولیٰ فدیہ دینے کا اختیار کرنے والا ہو جاتا ہے۔ امام محمدؒ نے اصل میں فرمایا کہ اگر غلام نے کسی آدمی پر ایسی جنایت کی جو موجب مال ہے تو اُس کے مولیٰ کو اختیار ہوگا چاہے اس جنایت کے عوض اُس غلام کو دے دے اور چاہے غلام کا فدیہ یعنی ارش دے دے اور بہرحال جو کچھ اختیار کرے وہ فی الحال لیا جائے گا اُس کی میعاد مقرر نہ ہوگی اور جب تک وہ شخص جس پر جرم واقع ہوا ہے اچھا نہ ہو جائے تب تک ڈگری نہ کی جائے گی اور سوائے قتل نفس کے اس سے کم جرم میں غلام کا عمداً جرم و خطاء دونوں یکساں ہیں کہ دونوں سے مال واجب ہوتا ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر مولیٰ نے ہنوز کچھ اختیار نہ کیا تھا کہ وہ غلام جس سے جنایت واقع ہوئی تھی مر گیا تو جس پر جنایت واقع ہوئی تھی اُس کا حق باطل ہو جائے گا یہ کافی میں ہے اور اگر وہ نہیں مرا لیکن اُس کے مولیٰ نے اُس کو قتل کر ڈالا تو مولیٰ ارش کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا اور اگر اُس کو مولیٰ نے قتل نہیں کیا بلکہ اُس کو کسی اجنبی نے قتل کر دیا پس اگر عمداً قتل کیا تو حق جنایت اوّل باطل ہو جائے گا اور مولیٰ کو اس سے قصاص لینے کا اختیار ہے اور اگر خطا سے قتل کیا ہو تو مولیٰ اُس سے قیمت لے کر وہی قیمت وارثان مقتول کو دے دے گا اور اُس کو اختیار نہ رہے گا حتیٰ کہ اگر اس قیمت کو صرف کر ڈالے تو اُس سے وہ ارش کا اختیار کرنے والا نہ ہو جائے گا یہ شرح طحاوی میں ہے اور اگر مولیٰ نے فدیہ دینا اختیار کیا پھر وہ غلام مر گیا تو غلام مذکور کے مرنے سے اُس کا مولیٰ بری نہ ہوگا یہ کافی میں ہے اور اگر غلام نے خطا سے جرم کیا اور مولیٰ نے فدیہ دینا اختیار کیا حالانکہ اُس کے پاس اس قدر نہیں ہے جس سے فدیہ ادا کرے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ فدیہ کا اختیار کرنا بحالہ باقی رہے گا اور وارثان جنایت کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جو کچھ اُس نے اختیار کیا ہے اُس کو توڑ دیں اور اپنا استحقاق غلام کی گردن پر اعادہ کرا دیں مگر ہاں ان کو یہ اختیار ہے کہ مولیٰ سے اپنے

---

[1] ایک قسم کا گھوڑا ہے [2] گائے بھینس و اونٹ کے بچہ کو کہتے ہیں ۱۲ [3] گدھے کے بچے کو کہتے ہیں ۱۲ [4] اس باندی و غلام کو کہتے ہیں جس میں محض رقیت ہو بخلاف مکاتب و مدبر و ام ولد کے ۱۲

قرضہ کا مطالبہ کریں یہاں تک کہ مولیٰ اُس غلام کو فروخت کر کے اُن کا قرضہ یعنی دیت اُس کے ثمن سے ادا کرے اور جو کچھ باقی رہ جائے وہ اُس پر قرضہ رہے گی اور اگر مولیٰ نے غلام کو خود فروخت نہ کیا تو قاضی اُس کی طرف سے فروخت نہ کرے گا بلکہ اُس کو قید کرے گا یہاں تک کہ وہ خود فروخت کرے یا دوسرے شخص کو اُس کے فروخت کرنے کا حکم دے۔ اور بنا بر قول امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے اگر مولیٰ نے فدیہ ادا کر دیا تو اُس کا اختیار کرنا پورا ہو جائے گا اور اپنے حال پر رہا اور اگر فدیہ دینے سے عاجز ہوا تو وارثان عنایت کو اختیار ہو گا چاہیں مولیٰ کا اختیار توڑ دیں تاکہ ان کا حق غلام کی گردن پر عود کرے یا مولیٰ نے جو اختیار کیا ہے اُس کو نہ توڑیں بلکہ قاضی سے درخواست کریں کہ بدون رضامندی مولیٰ کے غلام کو اُس کی طرف سے فروخت کرے اور اُس کے ثمن سے ہمارا حق ادا کر دے پھر جو باقی رہ جائے گا وہ مولیٰ پر قرضہ رہے گا یہ محیط میں ہے۔

غلام محض نے اگر ایک مرتبہ مولیٰ کے فدیہ دے دینے کے بعد پھر جنایت کی تو مولیٰ کو اُس کے دینے یا اُس کے فدیہ دینے میں اختیار دیا جائے گا جیسا کہ جنایت اوّل میں اسی طرح فدیہ دینے کے بعد جب کبھی جنایت کرے گا تب ہی مولیٰ کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے اور اگر پہلی جنایت کی بابت مولیٰ نے ہنوز کچھ اختیار نہ کیا تھا کہ غلام مذکور نے پھر جنایت کی یا دونوں جنایتیں ایک ہی ساتھ کیں یا چند جنایتیں ایک بارگی کیں تو اُس کے مولیٰ سے کہا جائے گا کہ چاہے اس غلام کو سب جنایتوں کے بدلے دے دے یا ہر جنایت کا ارش اس کا فدیہ دے پھر اگر اُس نے غلام کو سب اہل جنایت کو دے دیا تو وہ لوگ اُس کو اپنے مقدار حصوں کے موافق باہم تقسیم کر لیں گے اور ہر ایک کا حق اُسی قدر ہو گا جتنا اُس کی جنایت کا ارش ہے یہ تبیین میں ہے۔ پس اگر غلام نے ایک کو قتل کیا ہو اور دوسرے کی آنکھ پھوڑ دی ہو تو دونوں اُس کی قیمت کو تین تہائی تقسیم کر لیں گے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اسی طرح اگر تین آدمیوں کو تین زخم شجاج یعنی تین زخم سر و چہرہ سے زخمی کیا اور تینوں مختلف ہیں تو یہ سب باہم اُس کی قیمت کو بقدر اپنی اپنی جنایت کے تقسیم کر لیں گے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر غلام نے کوئی جنایت کی اور مولیٰ کو اُس کے دینے یا اُس کا فدیہ دینے کا اختیار دیا گیا پس اُس نے آدھا غلام دینا اور آدھے کا فدیہ دینا اختیار کیا تو اُس میں چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ ولی جنایت ایک شخص ہو مثلاً ایک شخص کو اُس نے قتل کیا اور اُس کا ایک بیٹا ہے یا غلام نے ایک شخص کا خطا سے ہاتھ کاٹ ڈالا اور اس صورت میں اگر مولیٰ نے نصف غلام کا فدیہ دینا اختیار کیا تو پورے کا فدیہ دینے کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر نصف غلام دینا اختیار کیا تو کل غلام دینے کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا اور یہ حکم باتفاق الروایات ہے دوم یہ کہ مقتول دو شخص ہوں مثلاً غلام نے دو شخصوں کو خطا سے قتل کیا اور ہر ایک کا ایک بیٹا ہے پس مولیٰ نے ایک غلام کو دینا یا فدیہ دینا اختیار کیا تو دوسرے کے حق میں اُس کو خیار رہے گا اور یہ بھی باتفاق الروایات ہے سوم یہ کہ مقتول ایک ہو اور اُس کے دو ولی ہوں پس مولیٰ نے ایک کو فدیہ دینا اختیار کیا تو دوسرے کے لیے بھی عامہ روایات کے موافق فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا اور کتاب الدور کی دو روایتوں میں سے ایک کے موافق فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہو گا یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر غلام نے چند جنایتیں کیں پھر اُس کو کسی غاصب نے غصب کر لیا پھر اُس نے غاصب کے پاس چند جنایتیں کیں پھر اُس کے پاس مر گیا تو اُس کی قیمت اولیاء[1] جنایت کے درمیان مثل اُس کے رقبہ کے تقسیم ہو گی اور مولیٰ کو خیار نہ ہو گا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر باندی نے خطا سے جنایت کی پھر ایک بچہ جنی اور بچہ نے اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا تو مولیٰ کو اختیار ہو گا چاہے اہل جنایت کو باندی مذکور مع اُس کی نصف قیمت کے دے دے اور چاہے اُس کو مع اس کے بچہ کے دے دے اور چاہے دونوں کو رکھ لے اور ارش جنایت دے دے خواہ ارش جنایت اس کی نصف قیمت سے کم ہو یا برابر ہو یہ مبسوط میں ہے ایک باندی نے ایک شخص کا

---

[1] وہ اشخاص جن کو ولایت حاصل ہوتی ہے مثلاً باپ بیٹا بھائی وغیرہ ۱۲

ہاتھ کاٹ ڈالا پھر ایک بچہ جنی اور بچہ نے اپنی ماں کو قتل کر دیا تو مولیٰ کو اختیار ہو گا چاہے بچہ کو دے دے اور چاہے اُس کا فدیہ دے اور فدیہ ہاتھ کی دیت اور باندی کی قیمت دونوں میں سے کم مقدار ہو گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر غلام نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا پھر مولیٰ کی ایک باندی نے اس غلام کو خطا سے قتل کیا تو مولیٰ سے کہا جائے گا کہ باندی کو دے دے یا غلام کی قیمت اس کا فدیہ دے دے اور اگر غلام نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا اور باندی نے ایک شخص کو قتل کیا اور یہ دونوں ایک ہی شخص کے ہیں پھر غلام نے باندی کو خطا سے قتل کیا تو مولیٰ کو اختیار ہو گا چاہے غلام دے دے یا اُس کا فدیہ دے دے پس اگر اُس نے دینا اختیار کیا تو اُس میں وارثان آزاد بقدر دیت آزاد کے اور اولیاء جنایت باندی بقدر قیمت باندی کے شریک کئے جائیں گے پس غلام دونوں میں اسی حساب سے تقسیم کیا جائے گا اور اگر اُس نے فدیہ دینا اختیار کیا تو دونوں اولیاء جنایت کو اس طرح فدیہ دے گا کہ آزاد کے وارثوں کو آزاد کی دیت اور وارثان باندی کو اس کی قیمت دے گا اور اگر باندی نے کسی کو خطا سے قتل کیا پھر ایک لڑکی جنی اور لڑکی نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا پھر لڑکی نے اپنی ماں کو قتل کیا پھر مولیٰ نے اُس لڑکی کا دینا اختیار کیا تو باندی کے مقتول کے وارث اس میں بقدر قیمت باندی کے اور لڑکی کے مقتول کے وارث بقدر دیت کے اس میں شریک ہوں گے اور اگر مولیٰ نے لڑکی کا فدیہ دینا چاہا تو اُس کے مقتول کی دیت اُس کے مقتول کے وارثوں کو دے گا اور اُس کی ماں کے مقتول کے وارثوں کو ماں کی قیمت دے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر لڑکی نے ماں کی آنکھ پھوڑ دی اور اُس کو قتل نہیں کیا تو اُس میں چار صورتیں ہیں یا تو مولیٰ نے دونوں کا دینا اختیار کیا یا دونوں کا فدیہ دینا اختیار کیا یا ماں کا فدیہ اور لڑکی کا دینا اختیار کیا یا لڑکی کا فدیہ اور ماں کا دینا اختیار کیا پس اگر دونوں کا دینا اختیار کیا تو ماں کو اُس کے مقتول کے وارثوں کو دے گا اور لڑکی کو مقتول باندی اور مقتول دختر دونوں کے وارثوں کو دے گا پھر مقتول دختر کے وارث اُس میں بقدر دیت کے اور مقتول مادر کے وارث بقدر نصف قیمت باندی کے شریک کئے جائیں گے اور اگر دونوں کا فدیہ دینا اختیار کیا تو ہر فریق کو پوری دیت دے گا اور لڑکی نے جو جنایت اپنی ماں پر کی ہے وہ ساقط ہو جائے گی اور اگر ماں کا دینا اور لڑکی کا فدیہ دینا اختیار کیا تو ماں کو اُس کے قتیل کے وارثوں کو مع اُس کی نصف قیمت کے دے گا اور لڑکی کے قتیل[1] کے وارثوں کو پوری دیت دے گا۔ اور اگر لڑکی کا دینا اور اس کی ماں کا فدیہ دینا اختیار کیا تو لڑکی کو اُس کے مقتول کے وارثوں کو دے دے اور اُس کی ماں کے مقتول کے وارثوں کو فدیہ دیت دے دے یہ حاوی میں ہے اور اگر لڑکی نے اپنی ماں کی جب آنکھ پھوڑی ہے اُس کے بعد ماں نے بھی لڑکی کی آنکھ پھوڑی ہو اور مولیٰ نے دونوں کو دینا اختیار کیا تو وہ لڑکی کو دے دے گا تو اُس میں اُس کے مقتول کے وارث بقدر دیت کے اور اُس کی ماں کے مقتول کے وارث بقدر نصف قیمت ماں کے شریک کئے جائیں گے اور یہ مقدار جو ماں کو لڑکی میں سے اُس کی آنکھ کا ارش ملی ہے ماں کے ساتھ ملائی جائے گی اور ماں مع اس قدر ارش کے اپنے مقتول کے ولی کو دی جائے گی مگر اس میں سے جس قدر اُس کو لڑکی میں سے آنکھ کا ارش ملا ہے وہ فقط اُس کے مقتول کے وارثوں کا ہو گا پھر خالی باندی مذکور میں اُس کے مقتول کے وارث باقی دیت کے حساب سے اور لڑکی کے مقتول کے وارث بقدر نصف قیمت لڑکی کے شریک کئے جائیں گے پس اس حساب سے ان میں تقسیم ہو گی اور اگر مولیٰ نے دونوں کو رکھ کر دونوں کا فدیہ دینا اختیار کیا تو ہر دو فریق وارثوں کو پوری پوری دیت دے گا یہ مبسوط میں ہے اور اگر غلام مجرم کو کسی شخص کے غلام نے قتل کیا تو دوسرے غلام کا مولیٰ اُس کے دینے یا فدیہ دینے میں مختار کیا جائے گا پس اگر اُس نے مقتول کی قیمت فدیہ دینی اختیار کی تو قیمت وارثان جنایت اولیٰ کے درمیان بقدر اُن کے حقوق کے تقسیم ہو گی اور مولیٰ کو خیار نہ ہو گا کہ چاہے یہ قیمت دے دے یا ارش دے اور اگر دوسرے کے مولیٰ نے اُسی کو دینا اختیار کیا اور غلام مقتول کے مولیٰ کو دیا

[1] وہ شخص جو قتل کیا گیا ۱۲

تو مولائے مقتول کو اختیار ہوگا چاہے لئے ہوئے غلام کو دے دے یا اُس کا فدیہ دے دے یہ حاوی میں ہے۔ اور اگر آزاد مرد کے قاتل غلام کو کسی غلام نے قتل کیا اور وہ دے دیا گیا پھر جدید مولیٰ نے اُس کو آزاد کیا یا فروخت کیا تو آزاد مقتول کی دیت دینا اختیار کرنے والا ہو جائے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر باندی پر کسی نے جنایت کی اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ باندی کی جنایت کرنے سے پہلے باندی پر جنایت ہوئی ہے یا اُس کے بعد؟

اگر باندی نے کسی پر جنایت کی پھر اس باندی پر کسی نے جنایت کی اور مولیٰ نے اس جنایت کا ارش لے لیا تو باندی کو مع ارش کے دے دے (اگر دینا اختیار کرے) اور اگر باندی کی جنایت کرنے سے پہلے اُس پر کسی نے جنایت کی ہو تو مولیٰ اس ارش کو باندی کے ساتھ نہ دے گا اور اگر باندی کے جنایت کرنے کے بعد ارش واجب ہوا ہو پھر مولیٰ نے باندی کا فدیہ دینا اختیار کیا تو اُس کو روا ہے کہ اس ارش کی مدد سے اُس کا فدیہ دے اور اگر اُس نے فدیہ دینا اختیار نہ کیا یہاں تک کہ اُس نے ارش کو تلف کر ڈالا یا جس نے اُس پر جنایت کی تھی اُسی کو ہبہ کیا تو کچھ فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہو جائے گا بلکہ اُس کو اختیار ہوگا کہ باندی کو دے دے لیکن اُس پر واجب ہوگا کہ جو کچھ اُس نے تلف کیا ہے اُس کے مثل باندی کے ساتھ ملا کر دے دے اور اگر باندی پر جنایت کرنے والا کوئی غلام ہو اور وہ غلام دے دیا گیا تو مولیٰ پر واجب ہوگا کہ چاہے دونوں کو دے دے یا دونوں کو رکھ لے اور فدیہ میں پوری دیت دے دے اور اگر مولیٰ نے دیئے ہوئے غلام کو آزاد کر دیا تو یہ فعل اُس کی طرف سے دیت کا اختیار کرنا ہے پس باندی رکھ لے اور واجب ہے کہ دیت دے دے اسی طرح اگر اُس نے باندی کو آزاد کیا تو بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر اپنے غلام مدفوع کو آزاد کیا اور اُس کو باندی کے جنایت کرنے سے آگاہی نہ تھی پھر اُس نے باندی کو دینا اختیار کیا تو باندی کے ساتھ غلام کی قیمت ملا کر دے دے۔ اور اگر اس غلام نے باندی کی آنکھ پھوڑ دی اور باندی نے اُس کی آنکھ پھوڑ دی پس غلام دیا گیا اور باندی لے لی گئی تو یہ غلام بجائے باندی کے ہو جائے گا چاہے مولیٰ اُس کو دے دے یا اُس کا فدیہ دیت دے دے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر باندی پر کسی نے جنایت کی اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ باندی کی جنایت کرنے سے پہلے باندی پر جنایت ہوئی ہے یا اُس کے بعد ہوئی ہے پس اگر باہم [1] دونوں نے اتفاق کیا کہ باندی کے جنایت کرنے سے پہلے اس پر جنایت ہوئی ہے تو جس پر دونوں نے اتفاق کیا ہے اُسی کے موافق حکم دیا جائے گا اور اگر دونوں نے اتفاق کر کے کہا کہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ باندی پر جو جنایت واقع ہوئی ہے اُس کی خود جنایت کرنے سے پہلے ہوئی یا بعد ہوئی ہے تو درصورتیکہ مولیٰ اُس کو دینا اختیار کرے ارش کیا لیا جائے گا تو مشائخ نے فرمایا کہ کتاب الوکالۃ کے بعض نسخوں میں لکھا ہے کہ ارش مذکور اُس کے مولیٰ اور صاحب جنایت کے درمیان نصفا نصف ہوگا۔ اور اگر دونوں نے اختلاف کیا پس جس پر جنایت ہوئی ہے اُس نے کہا کہ مجھ پر جنایت کرنے کے بعد باندی کا ارش واجب ہوا ہے اور جب تو نے باندی کا دینا اختیار کیا تو یہ ارش بھی مجھے ملے گا اور مولیٰ نے کہا کہ نہیں بلکہ باندی کی جنایت کرنے سے پہلے ارش واجب ہوا ہے اور درصورتیکہ میں نے باندی دینا اختیار کیا ہے یہ ارش مجھے ملے گا تو مذکور ہے کہ قسم سے مولیٰ کا قول قبول ہوگا اور ارش اسی کو ملے گا الا اُس صورت میں کہ جس پر جنایت واقع ہے وہ گواہ قائم کرے کہ جنایت کے بعد ارش واجب ہوا ہے یہ محیط میں ہے اور اگر غلام نے خطا سے کسی کو قتل کیا پھر ایک شخص نے غلام کی آنکھ پھوڑ دی پھر غلام نے خطا سے دوسرے کو قتل کیا پھر مولیٰ نے اُس کا دینا اختیار کیا تو اُس کی آنکھ کا ارش جو اُس نے وصول کیا ہے وہ وارثان اوّل کو دے گا پھر غلام مذکور دونوں فریق وارثوں میں مشترک ہوگا جس میں وارثان اوّل بقدر دیت کے سوائے مقدار ارش کے

---

[1] یعنی باندی کا مولیٰ اور وارثان جنایت باندی ۱۲

شریک کئے جائیں گے اور وارثان ثانی بقدر دیت کے شریک کئے جائیں گے حتیٰ کہ اگر اس کی قیمت ہزار درم ہو اور آنکھ کا ارش پانچ سو درم ہو تو غلام دونوں میں انتالیس حصوں پر تقسیم ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ شخص جس نے غلام کی آنکھ پھوڑ دی تھی غلام ہو اور اس جرم میں دیا گیا تو وارثان اوّل اس غلام مدفوع[1] کے حقدار ہوں گے پھر غلام مجرم میں دوسرے مقتول کے وارثوں کے ساتھ بقدر دیت کے شریک کئے جائیں گے لیکن ان کی مقدار دیت میں سے اس قدر حصہ جس قدر غلام مدفوع کی قیمت ہے کم کر دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے اور اگر غلام مجرم نے کچھ کمایا یا مجرمہ باندی کے بچہ ہوا اور مولیٰ نے اُس کا دینا اختیار کیا تو کمائی یا بچہ کو نہ دے گا یہ حاوی میں ہے۔ فرمایا کہ اگر غلام نے جنایت کی پھر اُس میں آسمانی آفت سے عیب پیدا ہو گیا تو مولیٰ کو اختیار دیا جائے گا کہ اُس کو دے یا اُس کا فدیہ دے اور اس عیب کی وجہ سے اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اسی طرح اگر اُس کو مولیٰ نے کسی کام کے واسطے بھیجا یا کچھ خدمت لی اور وہ مر گیا یا نقصان آ گیا تو جو کچھ اس وجہ سے اُس کو لاحق ہوا اُس کا مولیٰ ضامن نہ ہوگا اور اگر اُس کے جنایت کرنے کے بعد مولیٰ نے اُس کو تجارت کی اجازت دی پھر اُس کی گردن کو قرضہ نے گھیر لیا تو مولیٰ اُس کی قیمت کا اہل جنایت کے واسطے ضامن ہوگا اور ارش کا ضامن نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ ایک غلام کو تجارت کی اجازت دی گئی پھر اُس پر ہزار درم قرضہ ہو گیا پھر اُس نے خطا سے کوئی جنایت کی پھر مولیٰ نے اُس کو آزاد کر دیا پس اگر مولیٰ آگاہ ہو تو اصحاب جنایت کے واسطے اُس پر ارش واجب ہوگا اور قرض خواہوں کے واسطے غلام کی قیمت واجب ہوگی اور قرضہ و جنایت دونوں سے آگاہ نہ ہو تو اُس پر دو قیمتیں واجب ہوں گی ایک قیمت اولیاء جنایت کے واسطے اور ایک قیمت قرض خواہوں کے واسطے پھر واضح ہو کہ اصحاب جنایت کو قیمت جبھی دے گا کہ جب ارش سے قیمت کم ہو اور اگر ارش کم ہو تو ارش دے کر چھوٹ جائے گا بخلاف اس کے اگر مولیٰ نے اُس کو آزاد نہ کیا تو غلام مذکور کو اولیاء جنایت کو دے دے گا پھر ان کو اختیار دیا جائے گا چاہیں قرض خواہوں کو غلام دے دیں یا قرضہ ادا کر دیں یہ محیط میں ہے۔ اور اگر کسی اجنبی نے خطا سے ایسے غلام کو قتل کیا تو فقط ایک قیمت مالک کو دے گا پھر یہ قیمت مولیٰ قرض خواہوں کو دے دے گا یہ کافی میں ہے۔ غلام ماذون نے اگر جنایت کی تو مولیٰ کو اُس کے دینے اور اُس کے فدیہ دینے میں اختیار دیا جائے گا پس اگر اُس کو جنایت میں دے دیا تو وہ قرض خواہوں کے واسطے فروخت کیا جائے گا پھر اگر اُس کا ثمن[2] بعد قرضہ دینے کے بچ رہا تو وہ اصحاب جنایت کو ملے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر قرضہ سے اُس کا ثمن کم پڑا تو قرض خواہوں کو مولیٰ یا کسی سے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی یہاں تک کہ غلام خود آزاد کیا جائے تب اُس کے دامن گیر ہو کر باقی قرضہ وصول کریں گے اور مشائخؒ نے فرمایا ہے کہ اگر مولیٰ نے غلام مذکور بدون حکم قاضی اولیاء جنایت کو دے دیا تو قرض خواہوں کے واسطے قیاساً اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور استحساناً کچھ ضامن نہ ہوگا اور اگر مولیٰ نے قرض خواہوں کو غلام دے دیا کہ باہم بانٹ لیں پس اگر جنایت سے آگاہ ہو تو مختار جنایت ہو جائے گا اور اُس پر ارش جنایت لازم ہوگا اور اگر آگاہ نہ ہو تو اُس پر قیمت غلام لازم ہوگی۔ اور اگر قاضی نے اس کو قرضہ کے واسطے بوجہ گواہ قائم ہونے کے فروخت کر دیا اور اُس کو جنایت کا حال معلوم نہ تھا پھر ولی جنایت حاضر ہوا اور ثمن میں قرضہ دے کر کچھ نہیں بچتا ہے تو ولی جنایت کا حق ساقط ہو گیا یہ حاوی میں ہے۔

غلام مرہون نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا اور مرہون کی قیمت قرضہ کے برابر ہے تو مرتہن کو اختیار ہوگا کہ اس کا فدیہ دے دے اور یہ اختیار نہ ہوگا کہ مجرم غلام کو دے دے اور اگر اُس نے فدیہ دینے سے انکار کیا تو راہن کو اختیار ہوگا کہ جنایت میں اُس غلام کو دے دے اور اگر اُس نے آزاد کر دیا تو فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر ایسے غلام کو جس نے جنایت کی ہے مولیٰ

[1] غلام مدفوع یعنی جو جرم کے معاوضہ میں دیا گیا ۱۲ [2] قیمت مال مبیعہ کو کہتے ہیں ۱۲

نے فروخت کیا یا آزاد یا مدبر یا مکاتب کر دیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اُس نے جنایت کی ہے تو وہ فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو گیا اور اگر جنایت سے آگاہ نہ ہو تو مختار فدیہ نہ ہوگا اور اُس کی قیمت و مقدار ارش دونوں میں سے کم مقدار [1] کا ضامن ہوگا کذافی محیط السرخسی اور ہبہ کرنے اور باندی کا ام [2] الولد بنانے میں بھی یہی حکم ہے یہ ہدایہ میں ہے۔ اور اگر باندی نے جنایت کی اور مولیٰ نے کہا کہ میں نے اس کو جنایت کرنے سے پہلے آزاد کو دیا تھا یا مدبر کر دیا تھا یا میری ام ولد تھی تو اولیاء جنایت کے حق میں اس کی تصدیق نہ ہوگی اور وہ فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا بشرطیکہ جنایت سے آگاہ ہونے کے بعد اُس نے یہ بات کہی ہو اور اگر جنایت سے آگاہ ہونے سے پہلے ایسا کیا تو اُس پر قیمت واجب ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر اُس کو بیع کے واسطے پیش کیا یا اجارہ پر دیا یا رہن کیا تو فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہو جائے گا اور اگر بطور بیع فاسد کے فروخت کیا تو بھی مختار فدیہ نہ ہو جائے گا تاوقتیکہ سپرد نہ کرے اور اگر بطور کتابت فاسدہ کے مکاتب کیا تو فقط عقد کتابت سے فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا یہ کافی میں ہے۔

اگر جنایت سے آگاہ ہونے کے بعد اُس کو قطعی [ا] بیع کر کے فروخت کیا پھر مشتری نے بسبب عیب کے بحکم قاضی اُس کو واپس کیا تو بائع فدیہ دیت کا اختیار کرنے والا ہو گیا اسی طرح اگر فروخت کیا اور بیع میں مشتری کا خیار ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر خیار بائع کے واسطے ہو اور اُس نے بیع توڑ دی حالانکہ وہ حال جنایت سے آگاہ نہیں ہے تو فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہوگا اور اُس سے کہا جائے گا کہ اس غلام کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے اور اگر اُس کو بیع قطعی کے ساتھ فروخت کیا حالانکہ اُس کو جنایت کے حال سے آگاہی نہیں ہے اور ہنوز جنایت کے مقدمہ میں اُس کے ساتھ خصومت نہیں کی گئی تھی کہ وہ غلام بسبب عیب کے بحکم قاضی یا بخیار رویت یا بخیار شرط اُس کو واپس دیا گیا تو اس سے کہا جائے گا کہ چاہے اس غلام کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے اور اُس پر ارش لازم نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔

املاء میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر غلام نے اُس کے قبضہ میں جنایت کی اور وہ مبیع ہے پس اُس کے ذمہ فدیہ کا اختیار کرنا نہیں ہے یہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور مشتری سے کہا جائے گا کہ اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے یہ محیط میں ہے۔

اگر غلام نے دو جنایتیں کیں پھر ایک کا حال معلوم ہوا اور دوسری جنایت کا حال نہ معلوم ہوا پھر مولیٰ نے اُس کو فروخت کیا یا آزاد کیا یا اس کے مثل کوئی تصرف کیا تو جس جنایت کا حال معلوم ہو چکا ہے اُس کے حق میں فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا اور جس کا حال نہیں معلوم ہوا ہے اُس کے واسطے غلام کی قیمت میں سے بقدر اُس کے حصہ کے مولیٰ کے ذمہ لازم ہوگا اس واسطے کہ مولیٰ اپنے تصرف سے اُس کا حق تلف کرنے والا ہو گیا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مجرم کوئی باندی ہو اور مولیٰ نے اُس سے وطی کی تو فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہوگا اُس صورت میں کہ اُس کے حمل رہ گیا یا وہ باکرہ تھی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اصل میں مذکور ہے کہ اگر مولیٰ نے اُس کا نکاح کر دیا تو یہ اختیار فدیہ نہیں ہے یہ حاوی میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ اگر مولیٰ نے غلام مجرم کو باوجود جنایت سے آگاہی کے یا بدون آگاہی جنایت کے اُس شخص کو جس پر اُس نے جنایت کی ہے ہبہ کر دیا تو پھر مولیٰ پر کچھ واجب نہ رہے گا اور اگر اُس کے ہاتھ فروخت کیا پس اگر جنایت سے آگاہ ہونے کے باوجود فروخت کیا تو مولیٰ پر اُس کی دیت واجب ہوگی اور اگر بغیر آگاہی کے فروخت کیا تو غلام کی قیمت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر اُس کو مکاتب کر دیا حالانکہ جنایت سے آگاہ ہے پھر وہ

ا یعنی جس بیع کا اقالہ و فسخ نہ ہو سکے بلکہ وہ لازمی ہو ۱۲ (۱) یعنی اس سے وطی کی کہ اس کے پیٹ ہے اور بچہ جنی ۱۲

(۲) یعنی اگر مجرمہ باندی کو ام ولد بنایا تو اس نے فدیہ اختیار کیا اگر اُس کی جنایت سے آگاہ ہو گا ۱۲

عاجز ہو گیا پس اگر عاجز ہونے سے پہلے مقدمۂ جنایت میں خصومت کی گئی ہے اور قاضی نے دیت کا حکم دے دیا ہے پھر وہ عاجز ہو گیا تو حکم قضا دور نہ ہو گا یعنی دیت واجب ہو گی اور اگر مقدمۂ جنایت کی نالش ہونے سے پہلے وہ عاجز ہو گیا تو مولیٰ کو اختیار ہو گا چاہے فدیہ دے دے یا غلام کو دے دے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر دو غلاموں نے ایک شخص کو قتل کیا پھر مولیٰ نے دونوں میں سے ایک کو آزاد کر دیا تو پوری دیت کا اختیار کرنے والا نہ ہو جائے گا بلکہ نصف دیت کا اختیار کرنے والا ہو گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔

ایک غلام نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا پھر مولیٰ نے اُس کو فروخت کیا حالانکہ وہ جنایت سے آگاہ نہیں ہے پھر اُس کو خرید لیا پھر فروخت کیا درحالیکہ اُس کی جنایت سے آگاہ ہو گیا تھا تو پہلی بیع کی وجہ سے اُس پر قیمت واجب ہو گی اور یہ نہ ہو گا کہ دوسری بیع کے موافق اُس پر دیت واجب ہو اور اگر بیع اوّل کے بعد اُس کو بسبب عیب کے بحکم قاضی واپس دیا گیا ہو پھر اُس نے جنایت سے آگاہ ہو کر اُس کو فروخت کیا تو اُس نے فدیہ اختیار کیا اور اُس پر دیت واجب ہو گی اسی طرح اگر اُس کو مکاتب کیا اور وہ جنایت سے آگاہ نہ تھا پھر عاجز ہو گیا پھر مولیٰ نے اُس کو باوجود جنایت سے آگاہ ہونے کے فروخت کیا تو اُس پر دیت واجب ہو گی اسی طرح اگر اُس کو جنایت سے بے علمی کی حالت میں ہبہ کیا اور موہوب لہ نے قبضہ کر لیا پھر اپنے ہبہ سے رجوع کیا پھر اُس کو فروخت کیا حالانکہ جنایت سے آگاہ ہو گیا تھا تو بھی دیت واجب ہو گی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر زید کے قبضہ میں ایک غلام نے جنایت کی اور ولی جنایت نے کہا کہ یہ تیرا غلام ہے اور زید نے کہا کہ یہ میرے پاس عمرو کی ودیعت ہے یا عاریت ہے یا بطور اجارہ کے ہے یا رہن ہے پس اگر زید نے اس امر کے گواہ قائم کئے تو اس مقدمہ میں تاخیر کی جائے گی یہاں تک کہ عمرو حاضر ہو اور اگر زید نے گواہ قائم نہ کئے تو اُس سے کہا جائے گا کہ اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے پس اگر اُس نے فدیہ دے دیا پھر عمرو حاضر ہوا تو مفت اپنا غلام لے لے گا اور اگر اُس نے دے دیا ہو تو عمرو کو اختیار ہو گا چاہے اسی کو برقرار رکھے اور چاہے غلام کو لے کر اُس کا ارش دے دے پس اگر اُس نے زید کے دے دینے کو برقرار رکھا تو گویا اُس نے ابتدا سے خود دینا اختیار کیا ہے اور اگر ارش دینا اختیار کیا تو غلام کو لے سکتا ہے اور اگر عمرو نے آ کر اپنا غلام ہونے سے انکار کیا تو زید نے اُس کی بابت جو کچھ کیا ہے وہ جائز ہو گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر زید نے یہ اقرار کیا کہ یہ غلام دوسرے شخص کا ہے تو اس میں دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ پہلے جنایت کا اقرار کیا پھر غیر کے ملک ہونے کا اقرار کیا دوم یہ کہ پہلے غیر کے ملک ہونے کا پھر جنایت کا اقرار کیا اور ہر قسم میں ضرور ہے کہ یا تو یہ بات معروف ہو گی کہ یہ غلام فلاں مقرلہ کا ہے یا مجہول ہو گی پس اگر جنایت کا اقرار کیا پھر غیر کی ملک ہونے کا اقرار کیا اور غیر کی ملک اس غلام میں معروف ہے پس اگر مقرلہ نے ملک اور جنایت دونوں میں اُس کے قول کی تصدیق کی تو مقرلہ سے کہا جائے گا کہ یہ غلام دے دے یا اس کا فدیہ دے دے اور اگر دونوں باتوں میں سے اُس نے تکذیب کی تو اقرار کرنے والا فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہو جائے گا اور اگر ملک میں اُس کی تصدیق کی اور جنایت میں تکذیب کی تو اقرار کرنے والا فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا۔ اور اگر پہلے غیر کی ملک ہونے کا پھر جنایت کا اقرار کیا پس اگر مقرلہ[1] نے جس کی ملک اس غلام میں معروف ہے۔ دونوں باتوں میں اُس کے قول کی تصدیق کی تو خصم اس مقدمہ میں وہی مقرلہ ہو گا اور اگر دونوں باتوں میں مقر کی تکذیب کی تو مقر خود ہی خصم ہو گا اور اگر اقرار ملک کی تصدیق اور جنایت کی تکذیب کی تو جنایت ہدر ہو گی اسی طرح اگر غلام مجہول ہو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مقر کا ہے یا غیر کا ہے پس مقر نے جنایت کا پھر غیر کی ملک ہونے کا اقرار کیا یا غیر کی ملک ہونے کا پھر جنایت کا اقرار کیا تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ زید کے قبضہ میں ایک غلام ہے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ زید کا ہے یا غیر کا ہے اور زید نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور نیز غلام کی طرف سے بھی کوئی اقرار نہیں سنا گیا کہ میں قابض

[1] وہ شخص جس کے واسطے اقرار کرنے والے نے اقرار کیا ہے ۱۲

یعنی زید کی ملک ہوں لیکن وہ اپنے غلام ہونے کا اقرار کرتا ہے پھر اس غلام نے جنایت کی اور یہ امر گواہوں سے یا زید کے اقرار سے ثابت ہو گیا پھر زید نے اقرار کیا کہ یہ غلام عمرو کا ہے اور عمرو نے اس کے قول کی تصدیق کی مگر جنایت سے تکذیب کی پس اگر جنایت گواہوں سے ثابت ہو گئی ہو تو عمرو سے کہا جائے گا کہ اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے اور اگر جنایت کا ثبوت باقرار زید ہو تو عمرو اپنا غلام لے لے گا اور جنایت باطل ہو گی اور زید پر جنایت کی بابت کچھ واجب نہ ہو گا یہ محیط میں ہے۔

اگر غلام نے کوئی جنایت کی اور مولیٰ نے کہا کہ میں نے جنایت سے پہلے اس کو فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کیا ہے اور فلاں شخص نے اس کے قول کی تصدیق کی تو مشتری سے کہا جائے گا کہ اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے اور اگر فلاں شخص نے اُس کی تکذیب کی تو مولیٰ سے کہا جائے گا کہ اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر مولیٰ نے اُس شخص کو جس پر غلام نے جنایت کی ہے حکم دیا کہ میرے اِس غلام کو آزاد کر دے اُس نے آزاد کر دیا تو مولیٰ فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو گیا بشرطیکہ جنایت سے آگاہ ہو یہ کافی میں ہے۔ نوادر ابن سماعہ میں ہے کہ اگر مولیٰ نے ولی جنایت کی اجازت سے غلام مجرم کو آزاد کیا تو یہ فدیہ کا اختیار کرنا ہے اور اُس پر دیت واجب ہو گی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر مولیٰ نے غلام مجرم کو قتل کیا خواہ عمداً یا خطاءً حالانکہ اُس کو غلام کی جنایت کرنے کا حال نہیں معلوم ہے تو اُس پر غلام کی قیمت فی الحال اپنے مال سے دینی واجب ہو گی یہ حاوی میں ہے۔ اور اگر اُس غلام مجرم کو مارا کہ جس سے چوٹ کا اثر اُس میں آیا اور اُس میں نقصان پیدا ہو گیا حالانکہ وہ جنایت سے آگاہ ہے تو اُس نے فدیہ دینا اختیار کیا اور اگر آگاہ نہ ہو تو اُس پر ارش جنایت اور اُس کی قیمت سے جو مقدار کم ہو وہ واجب ہو گی لیکن اگر ولی جنایت اُس کے ناقص لینے پر راضی ہو جائے تو ہو سکتا ہے اور مولیٰ پر ضمان نہ ہو گی اور اگر مولیٰ نے اُس کی آنکھ میں مارا جس سے اُس کی آنکھ سپید ہو گئی حالانکہ وہ جنایت سے آگاہ ہے پھر مقدمہ جنایت کی نالش سے پہلے اُس کی آنکھ کی سپیدی جاتی رہی تو اُس کو غلام دینے یا اُس کا فدیہ دینے کا اختیار ہو گا اور اگر آنکھ سپید ہونے کی حالت میں نالش ہو گئی اور قاضی نے مولیٰ پر دیت کا حکم دے دیا پھر سپیدی جاتی رہی تو حکم قاضی رد نہ ہو گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر ایک باندی نے عمداً ایک شخص کو قتل کر ڈالا اور اُس کے دو ولی ہیں پھر مولیٰ نے دونوں میں سے ایک کے ساتھ باندی مذکور کے بچہ پر صلح کی تو دوسرے کے حق میں دیت کا اختیار کرنے والا ہو گیا پس اُس کو نصف دیت دے گا اور کتاب الدرر میں لکھا ہے کہ فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہو گا۔ اور اگر دونوں میں سے ایک تہائی باندی پر صلح کی تو باقی میں اُس کو خیار[1] ہو گا چاہے باندی دے دی یا اُس کا فدیہ دے دے اور جامع دوار میں ہے کہ اُس کو خیار نہ ہو گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ املاء میں لکھا ہے کہ ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہے اُس نے کوئی جنایت کی پھر دونوں مولاؤں میں سے ایک نے دوسرے پر گواہی دی کہ اُس نے اس کو آزاد کر دیا ہے تو اُس کی گواہی دوسرے پر جائز نہ ہو گی اور جب اُس نے ایسی گواہی دی تو وہ مانع ہوا پس اُس پر نصف دیت لازم ہو گی اور دوسرے پر نصف قیمت واجب ہو گی۔ اور اگر نیز املاء میں ہے کہ ایک غلام خریدا یا میراث پایا پھر اُس نے جنایت کی اور مولیٰ نے اُس کی جنایت کے بعد زعم کیا کہ جس نے میرے ہاتھ بیچا تھا اُس نے بیع سے پہلے اس کو آزاد کر دیا ہے یا یہ زعم کیا کہ اُس کے (1) باپ نے اُس کو آزاد کر دیا ہے تو وہ اس اقرار سے مانع دو فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر غلام نے جنایت کی مگر قتل نفس سے کم ہے پھر مولیٰ نے مجروح [2] کے اچھے ہونے سے پہلے اُس غلام کو جنایت سے آگاہ ہو کر آزاد کر دیا پھر وہ جراحت پھوٹ گئی حتیٰ کہ مجروح مر گیا تو مختار فدیہ ہوا اور اُس پر دیت واجب ہو گی اور اگر غلام نے کسی کو مجروح کیا اور مولیٰ نے بحکم قاضی اُس کا ارش دے دیا پھر زخم پھوٹ گیا حتیٰ کہ مجروح ہو گیا تو استحساناً مولیٰ کو از سر نو خیار حاصل ہو گا اور یہ امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول اور یہی قول امام محمدؒ کا ہے

---

[1] یعنی اختیار ہو گا دونوں باتوں میں سے ایک کے قبول کرنے کا ١٢ [2] خستہ و زخم رسیدہ ١٢ (1) مشتری کے باپ نے

پھر امام ابو یوسفؒ نے استحسان سے رجوع کیا اور قیاس کو اختیار کیا اور امام محمدؒ نے استحسان ہی کو لیا ہے لیکن امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے درصوریکہ بغیر حکم قاضی ارش دیا اور درصوریکہ بحکم قاضی ارش دیا ہے دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ اگر اُس نے بحکم قاضی ارش دیا پھر مجروح مر گیا تو اُس کو از سر نو خیار ہوگا بخلاف اس کے اگر بغیر حکم قاضی دیا ہے تو اُس کی طرف سے بخوشی دیت کا اختیار کرنا ہے یہ مبسوط میں ہے اگر زید نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر تو عمرو کو قتل کرے یا تیر مارے یا شجہ سے زخمی کرے تو آزاد ہے پس اُس نے اس میں سے کوئی فعل کیا تو مولیٰ اُس کے فدیہ کا اختیار کرنے والا ہے اور اگر غلام کی جنایت ایسی ہو جس سے قصاص لازم آتا ہے مثلاً اُس سے کہا کہ اگر تو عمرو کو تلوار سے مار ڈالے تو تو آزاد ہے تو مولیٰ پر نہ قیمت اور نہ دیت کچھ واجب نہ ہوگی یہ کافی میں ہے۔ ایک غلام نے جنایت کی اور مولیٰ کے بیٹے نے زعم کیا کہ وہ آزاد ہے پھر مولیٰ مر گیا اور یہ بیٹا اُس کا وارث ہوا تو اُس کے اقرار پر یہ غلام آزاد ہوگا اور اس بیٹے وارث پر دیت واجب ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

مشترکہ باندی کے ہاں ولادت ہوئی اور اس نے بچہ کی جنایت کی ☆

ایک حاملہ باندی نے جنایت کی اور جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے مولیٰ نے اس کو آزاد کیا حالانکہ وہ جنایت سے آگاہ ہے تو فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو گیا اگرچہ صاحب جنایت اُس کے وضع حمل سے پہلے آیا یا[1] پیچھے آیا ہو اور اگر جنایت سے آگاہ نہ ہو اور صاحب جنایت اُس کے وضع حمل سے پہلے حاضر ہو تو اُس کو اختیار ہوگا چاہے مولیٰ سے اُس کی قیمت بر تقدیر[2] حاملہ ہونے کے لے لے اور چاہے تو حاملہ مذکورہ کو جنایت میں[3] لے لے پس وہ حاملہ اُس کی ہوگی اور بچہ آزاد ہوگا اور اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد آیا تو مولیٰ کو اختیار ہوگا چاہے باندی کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے اور ولی جنایت کو بچہ کے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے۔ نوادر ابی سلیمان میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے جو کچھ اُس کی باندی کے پیٹ میں ہے آزاد کر دیا پھر اُس نے کوئی جنایت کی اور مولیٰ نے باندی کو جنایت میں دے دیا تو جائز ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک باندی فروخت کی اور وہ مشتری کے پاس چھ مہینے سے کم میں بچہ جنی پھر بچہ نے کوئی جنایت کی پھر بائع نے اُس کے نسب کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ جنایت سے آگاہ ہے تو اُس پر اولیاء جنایت کے واسطے دیت واجب ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک باندی دو شخصوں میں مشترک ہے اُس کے بچہ پیدا ہوا اور اُس بچہ نے جنایت کی پھر دونوں شخصوں میں سے ایک نے اُس کے نسب کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ جنایت سے واقف ہے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اُس پر دیت واجب ہوگی اور اگر واقف نہ ہو تو اُس پر قیمت واجب ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر مولیٰ نے کہا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے پھر دونوں میں سے ایک نے کسی کو خطا سے قتل کیا پھر مولیٰ نے اسی جنایت کرنے والے کو آزادی کے واسطے معین کیا تو فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو گیا اور اگر دوسرے کو معین کیا تو اُس کو اختیار ہوگا چاہے جنایت کرنے والے کو دے دے یا اُس کا فدیہ دے دے یہ کافی میں ہے اور اگر مولیٰ کے مبہم آزاد کرنے کے بعد دونوں میں سے ہر ایک نے جنایت کی پھر مولیٰ نے بیان میں ایک کو معین کیا تو اس پر قیمت و مقدار دیت دونوں میں سے جو کم ہو وہ لازم ہوگی اور دوسرا اُس کی ملک ہے سو اُس کی نسبت کہا جائے گا کہ اُس کو دے دے یا اُس کا فدیہ و دیت دے دے اور ایسی صورت میں بیان سے یعنی کسی کو آزاد کیا ہے معین کرے فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہو جائے گا اسی طرح اگر ایک نے قتل نفس کیا اور دوسرے نے اس سے کم فقط ہاتھ کاٹ ڈالا تو بھی حکم مختلف نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اگر اپنی صحت میں اپنے دو غلاموں سے جن میں سے ہر ایک کی قیمت ہزار درم ہے کہا

(۱) یعنی مجلس قاضی میں نالش کے واسطے ۱۲ (۲) کیونکہ حق اس کے حاملہ ہونے کے حالت میں ہوا ہے ۱۲ (۳) یعنی حاملہ باندی کی کیا قیمت ہے جو تجویز ہو وہ لے لے ۱۲

کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے پھر دونوں میں سے ایک نے خطا سے کسی کو قتل کیا پھر بیان و تعین سے پہلے مولیٰ مر گیا تو ہر ایک کا نصف آزاد ہوگا اور نصف قیمت کے واسطے ہر ایک سعی[1] کرے گا اور ولی جنایت کے واسطے مال مولیٰ میں سے جنایت کنندہ کی قیمت واجب ہوگی بشرطیکہ اُس کی قیمت ارش سے کم ہو اور اُس کا اعتبار مولیٰ کو پورے مال سے ہوگا اور مولیٰ فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہو جائے گا اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے ایک آدمی کو خطا سے قتل کیا اور باقی مسئلہ بحالہ ہے تو ہر ایک غلام اپنی نصف قیمت کے واسطے سعی کرے گا اور ہر مقتول کے ولی کے واسطے مال مولیٰ میں سے اپنے مجرم کی قیمت واجب ہوگی اور مولیٰ فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہو جائے گا۔ اور اگر دونوں میں سے ایک نے خطا سے کسی کو قتل کیا پھر مولیٰ نے اپنی صحت میں جنایت سے آگاہ ہو کر کہا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے پھر بیان کرنے سے پہلے مولیٰ مر گیا تو ہر ایک کا نصف آزاد ہوگا اور اپنی نصف قیمت کے واسطے ہر ایک سعایت[2] کرے گا اور جنایت کنندہ کے بارہ میں مولیٰ فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا پس بقدر اُس کی قیمت کے مولیٰ کے تمام مال سے لے جائے گی اور قیمت سے زیادہ پوری دیت تک جس قدر باقی رہے وہ تہائی مال سے معتبر ہوگی۔ اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے جنایت کی اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو جس طرح ہم نے بیان کیا ہے ہر ایک سعایت کرے گا اور مولیٰ دونوں کے حق میں فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو لیکن مولیٰ کے مال میں دیت واحد واجب ہوگی پس پوری قیمت ایک غلام کی مولیٰ کے پورے سے واجب ہوگی اور قیمت سے زائد پوری دیت تک تہائی مال سے اعتبار کی جائے گی پھر جس قدر پورے مال سے اور جس قدر تہائی مال سے واجب ہوا یہ سب دونوں جنایتوں کے وارثوں کو نصفا نصف ملے گا اس واسطے کہ کوئی ولی جنایت بہ نسبت دوسرے کے ترجیح نہیں رکھتا ہے یہ محیط میں ہے۔

زید کے دو غلام بنام سالم و غانم ہیں پس مولیٰ کی صحت میں سالم نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا اور مولیٰ نے کہا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے پھر غلام نے صحت مولیٰ میں قبل مولیٰ کے بیان و تعیین کرنے کے دوسرے کو خطا سے قتل کیا پھر مولیٰ مر گیا تو ہر ایک کا نصف آزاد ہوگا اور ہر ایک اپنی نصف قیمت کے واسطے سعایت کرے گا پھر مولیٰ پر سالم کے مقتول کی دیت لازم آئے گی لیکن بقدر قیمت سالم کے مولیٰ کے تمام مال سے واجب ہوگی اور باقی یعنی قیمت سے زائد پوری دیت تک جس قدر ہے وہ تہائی مال سے واجب ہوگا اور مولیٰ پر غانم کے مقتول کی دیت لازم نہ ہوگی بلکہ غانم کی قیمت واجب ہوگی اور یہ اُس کے پورے مال سے دلائی جائے گی۔ اور اگر مولیٰ نے نہیں مرا بلکہ مولیٰ نے بیان کیا کہ سالم مراد ہے یعنی سالم کو میں نے آزاد کیا ہے تو مقتول سالم کی دیت کا اختیار کرنے والا ہو گیا اور اگر غانم کا عتق بیان کیا تو اُس پر غانم کی قیمت لازم آئے گی یہ محیط میں ہے۔ ایک غلام نے کوئی جنایت کی پھر مولیٰ نے اپنے مرض میں اُس کے آزاد کرنے کی وصیت کی حالانکہ وہ اُس کی جنایت کو جانتا تھا پھر اُس کے مرنے کے بعد وارث یا وصی نے اُس کو آزاد کر دیا تو اُس پر دیت واجب ہوگی جس میں سے بقدر قیمت غلام کے مولیٰ کے تمام مال سے دی جائے گی اور قیمت سے جس قدر زائد ہو وہ تہائی مال سے دلائی جائے گی اور اگر اُس کو جنایت کا حال معلوم نہ ہو تو اُس کی قیمت میت کے مال سے دلائی جائے گی یہ امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول ہے اور یہی قول امام زفرؒ کا ہے ایسا ہی فقیہ ابو اللیثؒ نے عیون میں ذکر کیا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر جنایت کرنے سے پہلے مولیٰ نے اُس کے آزاد کر دینے کی وصیت کی پھر مولیٰ کے مرنے کے بعد اُس نے جنایت کی پھر وصی نے اُس کو آزاد کر دیا حالانکہ وہ جنایت سے واقف تھا تو وصی اس جنایت کا ضامن ہوگا اور اگر نہ جانتا ہو تو وصی غلام کی قیمت کا ضامن ہوگا اور وارثوں سے واپس نہیں لے سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے اپنے غلام کے آزاد کرنے کی وصیت کی پھر غلام

---

[1] یعنی مشقت کر کے اس قدر مال حاصل کرے کہ اُس کی نصف قیمت برابر ہو جائے پس اُس کو ادا کر کے آزاد ہوگا ۱۲

[2] سعایت اور سعی کے ایک ہی معنی ہیں یعنی مشقت کر کے مال حاصل کرنا ۱۲

نے ایسی جنایت کی جس کا ارش ایک درم ہے پھر میت کی موت کے بعد وارثوں نے کہا کہ ہم اُس کا فدیہ نہ دیں گے تو ان کو یہ اختیار ہے اور جب انہوں نے فدیہ نہ دیا تو جنایت میں وہ غلام دیا جائے گا اور وصیت باطل ہو جائے گی الا اُس صورت میں باطل نہ ہو گی کہ جب غلام خود اِس ارش کو ایسے مال سے جو اُس نے کمایا نہیں ہے ادا کر دے مثلاً کسی شخص سے کہے کہ تو میری طرف سے ایک درم ادا کر دے اور اس نے ادا کیا تو صحیح ہے اور یہ درم اُس غلام کی گردن پر قرضہ ہو جائے گا کہ بعد آزادی کے اُس سے اس درم کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو وکیل کیا کہ میرا غلام آزاد کر دے پھر غلام نے کوئی جنایت کی پھر وکیل نے باوجود جنایت کے حال سے واقف ہونے کے آزاد کر دیا تو مولیٰ اس غلام کی قیمت کا ضامن ہو گا اگرچہ وہ جنایت سے آگاہ نہ ہو یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص کو وکیل کیا کہ میرے اس غلام کو مکاتب کر دے[1] پھر غلام نے ایک شخص کو خطا سے قتل کر ڈالا پھر وکیل نے اُس کو مکاتب کر دیا خواہ وہ غلام کی جنایت کرنے سے آگاہ تھا یا نہ تھا تو مولیٰ پر اُس کی قیمت واجب ہو گی نہ دیت یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر غلام نے کوئی جنایت کی اور ولی جنایت نے مولائے غلام کو آگاہ کر دیا پھر مولیٰ نے اُس کو آزاد کیا اور کہا کہ میں نے اُس کی خبر کی تصدیق نہیں کی تھی تو مولیٰ اس کے فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا اسی طرح اگر ولی جنایت کے ایلچی نے مولیٰ کو اس سے آگاہ کیا ہو خواہ فاسق ہو یا عادل ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر مولیٰ کو کسی اجنبی نے اس کی خبر دی ہو پس اگر مولیٰ نے اس اجنبی کی خبر کی تصدیق کر کے پھر اُس کو آزاد کر دیا تو بھی وہ فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا اور اگر اُس کی تکذیب کی یا نہ تصدیق کی اور نہ تکذیب کی یہاں تک کہ غلام کو آزاد کیا پس اگر خبر دینے والا عادل ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر فاسق ہو تو امام اعظمؒ کے قول پر فدیہ کا اختیار کرنے والا نہ ہو جائے گا لیکن اُس پر غلام کی قیمت واجب ہو گی کیونکہ اُس نے غلام کو گویا تلف کر دیا ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک وہ فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا۔ اور اگر اُس کو دو فاسقوں نے خبر دی تو دو روایتوں میں سے ایک روایت کے موافق اس میں بھی یہی حکم ہے اور دوسری روایت کے موافق وہ فدیہ کا اختیار کرنے والا ہو جائے گا یہ شرح مبسوط میں ہے۔ اور اگر مولیٰ کو خود اُس کے غلام نے اپنی جنایت کرنے کی خبر دی پھر مولیٰ نے اُس کو آزاد کر دیا اور کہا کہ میں نے اُس کے قول کی تصدیق نہیں کی تھی تو امام اعظمؒ کے نزدیک ضامن نہ ہو گا جب تک اُس کو مرد آزاد عادل خبر نہ دے اور صاحبینؒ کے نزدیک دیت کا ضامن ہو گا اگرچہ مخبر فاسق یا غلام یا کافر ہو یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ابن سماعہ نے رقیات میں ذکر کیا کہ میں نے امام محمد بن الحسنؒ کو لکھا کہ ایک غلام نے ایک شخص کو قتل کیا اور مقتول کے دو ولی ہیں کہ اس میں سے ایک غائب ہے پھر حاضر نے نالش کی تو کیونکر حاکم کو چاہئے کہ مولائے غلام کو اختیار دے تو امام محمدؒ نے جواب میں لکھا کہ جو وارث حاضر ہو وہی خصم ہو گا اور مولیٰ جو کچھ اختیار کرے وہ اُس پر پورے کے واسطے واجب ہو گا یہ محیط میں ہے۔ اگر غلام نے کسی کو خطا سے قتل کیا اور مقتول کے دو ولی ہیں پھر مولیٰ نے بحکم قاضی غلام مجرم دونوں میں سے ایک کو دے دیا پھر غلام مذکور نے اُس کے پاس دوسرے آدمی کو قتل کیا پھر پہلے جنایت کا شریک اور دوسرے مقتول کا ولی دونوں حاضر ہوئے تو پہلے مدفوع[(۱)] الیہ سے کہا جائے گا کہ تو نصف غلام اپنے حصہ کا اس دوسرے مقتول کے ولی کو دے دے یا نصف دیت فدیہ دے پس اگر اُس نے نصف غلام دے دیا تو نصف دیت سے بری ہو گیا اور نصف[(۲)] ثانی مولیٰ کو واپس دے گا پھر مولیٰ سے کہا جائے گا کہ اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دس ہزار درم دے کہ پانچ ہزار درم دوسرے مقتول کے ولی کو اور پانچ ہزار درم ولی اوّل کو جس نے کچھ نہیں لیا

---

1. یعنی اُس کی آزادی کو مال معین کی ادائی پر معلق کر دے کہ اس قدر مال ادا کر دے تو تو آزاد ہے ۱۲
(۱) یعنی جس کو غلام دیا گیا تھا ۱۲
(۲) یعنی نصف پورے غلام کا ۱۲

ہے دے دے پس اگر اُس نے غلام دے دیا تو ہر ایک دونوں میں سے اس میں شریک کیا جائے گا اور یہ ولی جس کے قبضہ میں دوسری جنایت واقع ہوئی ہے اُس کی چوتھائی قیمت مولیٰ کو دے گا اور مولیٰ اس کو اوسط کو دے دے گا اور جب تک مولیٰ اس چوتھائی قیمت کو اوّل سے نہ وصول پائے گا تب تک اوسط کے واسطے کچھ ضامن نہ ہوگا اور اگر مولیٰ نے دونوں میں سے ایک ولی جنایت کو وہ غلام مجرم بغیر حکم قاضی دے دیا تو اوسط کو اختیار ہوگا چاہے مولیٰ سے اس چوتھائی قیمت کی ضمان لے بدین وجہ کہ اُس نے بدون حکم قاضی اُس کے شریک کو دیا ہے اور چاہے اپنی شریک سے ضمان لے پس اگر اُس نے مولیٰ سے ضمان لی تو مولیٰ اُس کو اوّل مدفوع الیہ سے واپس لے گا۔ اور اگر غلام نے دو شخصوں کو خطا سے قتل کیا پھر مولیٰ نے ایک کے ولی کو وہ غلام بدون حکم قاضی دے دیا پھر غلام نے اُس کے پاس ایک شخص کو خطا سے قتل کیا پھر سب جمع ہوئے اور سب نے دینا اختیار کیا تو پہلے مدفوع [1] الیہ سے کہا جائے گا کہ نصف غلام دوسرے کو دے دے اور باقی نصف مولیٰ کو واپس دے گا پھر مولیٰ اُس کو اوسط و آخر کو دے دے گا کہ اوسط اس میں بحساب دس ہزار درم کے اور آخر بحساب پانچ ہزار درم کے شریک کئے جائیں گے پس یہ نصف ان دونوں میں تہائی ہوگا جس میں سے دو تہائی اوسط کا اور ایک تہائی آخر کا ہوگا پھر مولیٰ غلام کی قیمت کا چھٹا حصہ اوسط کو دے گا اور یہ وہ ہے جو اس نصف میں سے ولی جنایت اخیرہ کو دیا گیا ہے اور اس کو اوّل جس کے پاس غلام تھا واپس لے گا اور اوسط کو اختیار ہے چاہے وہ چھٹا حصہ تاوان لے جو اُس کے قبضہ میں تھا ایسا ہی ہمارے عراقی مشائخ فرماتے ہیں اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس کو اس امر کا اختیار اس صورت میں نہیں ہے اور نہ صورت اوّل میں ہے۔ اور اگر مولیٰ نے بحکم قاضی غلام مجرم دیا ہو تو بھی ایسا ہی حکم ہے لیکن مولیٰ اس صورت میں اوسط کے واسطے کچھ ضامن نہ ہوگا مگر مدفوع الیہ اوّل سے چھٹا حصہ قیمت لے کر اوسط کو دے دے گا اور بنا بر قول مشائخ عراقینؒ کے خود اوسط اس چھٹے حصہ قیمت کو مدفوع الیہ اوّل سے واپس لے گا اور اگر غلام نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا اور دوسرے کی آنکھ پھوڑی پھر مولیٰ نے اُس کو اس شخص کو جس کی آنکھ پھوڑی ہے دے دیا اور غلام نے اُس کے پاس دوسرے کو قتل کیا پھر سب جمع ہوئے اور سب نے غلام کو دینا اختیار کیا تو آنکھ کا حق دار اُس کا تہائی دوسرے آخر کو دے دے گا اور دو تہائی مولیٰ کو واپس دے گا پھر مولیٰ اُس کو دونوں مقتولوں کے وارثوں کو دے گا کہ اُس میں اوّل کا ولی بحساب دس ہزار درم کے اور آخر کا ولی بحساب دو تہائی دیت کے شریک کیا جائے گا پس اس قدر غلام دونوں میں پانچ حصے ہو کر تقسیم ہوگا جس میں سے تین حصے اوّل والے کو اور دو حصے اخیر والے کو ملیں گے پھر اوّل کے واسطے مولیٰ اُس غلام کی دو تہائی قیمت کے سولہ جزو دو تہائی جزو میں چھ جزو دو تہائی جزو کا ضامن ہوگا اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اُس کی دو تہائی قیمت سے دو پانچویں حصے کا ضامن ہوگا یہ اُس کا بدل ہے جو اخیر مقتول کی وارث کو اس دو تہائی میں سے دیا گیا ہے اور پھر اُس کو مولیٰ اُس شخص سے جس کی آنکھ پھوڑی گئی ہے واپس لے گا یہ شرح مبسوط میں ہے اور اگر غلام پر قتل کے گواہ قائم ہوئے اور مولیٰ نے اس پر دوسرے شخص کے قتل کا اقرار کیا تو مولیٰ اُس کو دونوں کو نصفا نصف دے گا پھر اوّل کیواسطے اُس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر اس نے تیسرے کے قتل کا اقرار غلام کی نسبت کیا تو سب کو تین تہائی دے دے گا پھر اوّل کے واسطے اُس کی دو تہائی قیمت کا اور دوسرے کے واسطے چھٹا حصہ قیمت کا ضامن ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر زید کا غلام ہو اور عمرو نے اقرار کیا کہ اُس کے مولیٰ نے اُس کو آزاد کیا ہے پھر خطا سے اس غلام نے عمرو کے کسی مورث کو قتل کیا تو اس کو کچھ نہ ملے گا یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر غلام نے کوئی جنایت کی اور ولی جنایت نے اقرار کیا کہ یہ غلام آزاد ہے تو مسئلہ میں تین صورتیں ہیں یا تو ولی جنایت نے یہ اقرار کیا کہ یہ غلام اصلی آزاد ہے یا اقرار کیا کہ وہ آزاد ہے اقرار کیا کہ مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا ہے پس اگر اقرار کیا کہ وہ اصلی آزاد ہے تو ولی جنایت کی ضمان کسی پر نہ ہوگی نہ غلام پر

[1] مدفوع الیہ وہ شخص جس کو غلام وغیرہ دیا گیا تھا ۱۲

اور نہ مولیٰ پر اسی طرح اگر اقرار کیا کہ وہ آزاد ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر اقرار کیا کہ مولیٰ نے اُس کو آزاد کر دیا ہے پس اگر یہ اقرار کیا کہ اُس نے جنایت سے پہلے اُس کو آزاد کر دیا ہے تو اُس کا وہی حکم ہے جو اصلی آزاد ہونے کے اقرار کا ہے۔ اور اگر یہ اقرار کیا کہ اُس نے جنایت کے بعد اُس کو آزاد کر دیا ہے تو غلام کے براءت کا اقرار کیا اور مولیٰ پر فدیہ کا دعویٰ کیا اگر یہ اقرار کیا کہ مولیٰ نے جنایت سے آگاہ ہو کر آزاد کیا ہے یا مولیٰ پر ضمان قیمت کا دعویٰ کیا اگر بدون آگاہی کے آزاد کرنے کا اقرار کیا ہے مگر مولیٰ نے جو کچھ اس پر ضمان قیمت یا فدیہ کا دعویٰ کرتا ہے اُس سے انکار کیا تو قسم سے مولیٰ کا قول قبول ہوگا اور ولی جنایت پر گواہ[1] لانے واجب ہیں۔ یہ سب اُس صورت میں ہے کہ غلام دینے سے پہلے ولی جنایت نے ایسا اقرار کیا اور اگر مولیٰ نے اُس کو غلام دے دیا پھر اُس نے اقرار کیا کہ یہ اصلی آزاد ہے یا یہ آزاد ہے تو مولیٰ و غلام کسی پر اُس کی کوئی راہ نہیں ہے لیکن غلام آزاد ہو جائے گا اور غلام کی ولاء کسی کی نہ ہوگی اور اگر اقرار کیا کہ اُس نے جنایت سے پہلے اُس کو آزاد کیا ہے تو اس کی آزادی کا حکم دیا جائے گا اور اُس کی ولاء موقوف رہے گی یہ محیط میں ہے۔

غلام جنایت کا اقرار کرنا جائز نہیں ہے خواہ ماذون ہو یا مجور ہو اور بعد عتق[2] کے اپنے اس اقرار پر ماخوذ نہ ہوگا یہ حاوی میں ہے۔ اگر غلام نے آزاد ہو جانے کے بعد اقرار کیا کہ میں نے اپنی رقیت کی حالت میں عمداً یا خطاءً جنایت کی تھی تو اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا لیکن عمداً قتل کرنے کے اقرار میں قصاص ہو سکتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ ایک غلام نے خطا سے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور وہ اچھا ہو گیا پھر مولیٰ نے اُس کو بسبب جنایت کے دے دیا پھر وہ زخم پھوٹ نکلا اور مجروح اس سے مر گیا اور وہ غلام موجود ہے تو وہ مجروح میت کے وارثوں کا ہوگا اور اگر مولیٰ نے اُس کو ہاتھ کی پوری دیت پانچ ہزار درم فدیہ دے کر اختیار کیا ہو پھر غلام مذکور کو آزاد کر دیا پھر مجروح کا زخم پھوٹا اور وہ مر گیا تو فرمایا کہ وہ غلام کی قیمت دے دے گا اگرچہ سو درم ہوں اور فدیہ کے پانچ ہزار درم واپس لے گا یہ محیط میں ہے۔ ایک غلام آزاد کیا گیا پس اُس نے ایک شخص سے کہا کہ میں نے خطا سے تیرے بھائی کو جس حالت میں غلام تھا قتل کیا تھا اور اُس شخص نے کہا کہ تو نے اُس کو اپنے آزاد ہونے کی حالت میں قتل کیا ہے تو بالا جماع غلام کا قول قبول ہوگا اسی طرح اگر اُس نے بعد آزادی کے اپنے مولیٰ سے کہا کہ میں نے رقیت کی حالت میں تیرا مال لے لیا ہے یا تیرا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے اور مولیٰ نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے بعد آزادی کے ایسا کیا ہے تو بالا جماع غلام کا قول قبول ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے باندی کو آزاد کیا پھر اس سے کہا کہ میں نے تیرا ہاتھ کاٹا ہے درحالیکہ تو میری باندی تھی اور باندی نے کہا کہ تو نے میرے آزاد ہونے کی حالت میں میرا ہاتھ کاٹا ہے تو باندی کا قول قبول ہوگا اسی طرح جو چیز اُس سے لے لی ہو اُس کے بارے میں بھی ایسے اختلاف کی صورت میں یہی حکم ہے سوائے جماع کے یا کمائی کے کہ اس میں استحساناً مولیٰ کا قول قبول ہوگا یہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ کچھ ضامن نہ ہوگا الا ایسی چیز کا جو مال عین ہو کہ اس میں یہ حکم دیا جائے گا کہ باندی کو واپس کر دے یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر ایک غلام خریدا اور اُس پر قبضہ کر لیا پھر ایک شخص نے کہا کہ میں نے تیرے خریدنے سے پہلے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے اور مشتری نے کہا کہ تو نے میرے خریدنے کے بعد اس کا ہاتھ کاٹا ہے تو مشتری کا قول قبول ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر غلام نے کسی شخص کا ہاتھ عمداً کاٹ ڈالا اور اس جرم میں خواہ بحکم قاضی یا بدون حکم قاضی اس کو دے دیا گیا پھر اس نے اس کو آزاد کر دیا پھر وہ ہاتھ کے زخم کی وجہ سے مر گیا تو یہ غلام جنایت کے مصالحہ میں قرار دیا جائے گا اور اگر اُس نے آزاد نہ کیا ہو تو مولیٰ کو واپس دے گا پھر وارثان مقتول سے کہا جائے گا کہ چاہو اس کو قتل کر دو یا اس کو عفو کر دو یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر غلام نے کسی کو قتل کیا اور اُس کے دو وارث ہیں پس دونوں میں سے

---

[2] یعنی بعد آزاد ہونے کے
(۱) یعنی ثبوت دعویٰ کے واسطے شرعا ۱۲

ایک نے اس کو عفو کر دیا تو مولیٰ سے کہا جائیگا کہ جس نے معاف نہیں کیا ہے اس کو نصف غلام دے دے یا نصف دیت فدیہ دے اور عفو کرنے والے کا کچھ استحقاق نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ ایک غلام نے دو آدمیوں کو قتل کیا اور ہر ایک مقتول کی دو دو ولی ہیں پھر ہر ایک کے دو وارثوں میں سے ایک نے معاف کیا تو باقی دونوں کو مولیٰ نصف غلام دے گا یا دس ہزار درم فدیہ دے گا اور اگر غلام نے ایک کو عمداً اور دوسرے کو خطا سے قتل کیا ہو اور عمداً مقتول کے دونوں وارثوں میں سے ایک نے عفو کیا پس اگر مولیٰ اُس کا فدیہ دینا چاہے تو پندرہ ہزار درم فدیہ دے گا جس میں سے دس ہزار درم وارثان مقتول بخطا کو اور پانچ ہزار درم دوسرے وارث مقتول بعمد کو دے گا۔ اور اگر اُس نے غلام دیا تو تین تہائی دونوں کو دے گا یعنی دو تہائی وارثان مقتول بخطا کو اور ایک تہائی وارث مقتول عمد کو جس نے معاف نہیں کیا ہے یہ امام اعظمؒ کے نزدیک بطریق عول کے ہے کہ دونوں وارث خطا اس میں پوری دیت کے حساب سے اور وارث عمد اُس میں نصفؔ دیت کے حساب سے شریک ہوں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک بطریق منازعت کے چار حصے ہوں گے جس میں سے تین چوتھائی ہر دو وارثان خطا کو اور ایک چوتھائی ایک وارث عمد کو ملے گا یہ کافی میں ہے۔ اور اگر غلام نے دو شخصوں کو خطا سے قتل کیا پھر دونوں مقتولوں میں سے ایک کے ولی نے اُس کو معاف کر دیا تو آدھا غلام دوسرے کو دے دے گا یا دیت سے اُس کا فدیہ دے گا اور اگر دونوں میں سے ایک نے اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہو تو درصورتیکہ مولیٰ نے اُس کو دونوں کو دے دیا ہو۔ ہاتھ کاٹنے والا اُس میں نو ہزار پانچ سو درم کے حساب سے شریک کیا جائے گا کیونکہ اُس نے ہاتھ کاٹ کر پانچ سو درم بھر پائے ہیں اور دوسرا بحساب دس ہزار درم کے اُس میں شریک کیا جائے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

اگر اُس نے ایک شخص کو قتل کیا اور دوسرے کی آنکھ پھوڑ دی پس یا یہ جرم عمداً ہوگا یا خطا سے ہوگا پس اگر عمداً ہو تو مولیٰ سے کہا جائے گا کہ تیرا جی چاہے یہ غلام اُس کو جس کی آنکھ پھوڑی گئی ہے دے دے یا اُس کا فدیہ دے دے پس اگر اُس نے فدیہ دینا اختیار کیا تو آنکھ کی جنایت کا فدیہ پانچ ہزار درم دے گا اور غلام مذکور اس جنایت سے پاک ہو جائے گا پھر ولی مقتول اُس کو قصاص میں قتل کرے گا اور اگر اُس نے دینا اختیار کیا تو وارثان قتیل آکر اُسکو قصاص میں قتل کریں گے پھر جس کی آنکھ پھوڑی ہے وہ مولیٰ سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر قتل بخطا ہو تو مولیٰ کو دونوں کے حق میں اختیار دیا جائے گا کہ چاہے اس کو دونوں کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے پس اگر اُس نے فدیہ دینا اختیار کیا تو پندرہ ہزار درم فدیہ دے دے جن میں سے دس ہزار درم وارث مقتول کے اور پانچ ہزار درم اُس کے جس کی آنکھ پھوڑی ہے اور اگر اُس نے دینا اختیار کیا تو غلام مذکور دونوں میں تین تہائی ہوگا جس میں سے دو تہائی وارث مقتول کی اور ایک تہائی آنکھ پھوٹی ہوئی کی ہوگی یہ محیط میں ہے۔ ایک مملوک نے دوسرے مملوک کو خطا سے قتل کر ڈالا پھر اپنے مولیٰ کے بھائی کو خطا سے قتل کیا اور بھائی کا وارث سوائے اس کے مولیٰ کے کوئی نہیں ہے تو نصف قاتل مقتول مملوک کے مولیٰ کو دیا جائے گا یا مولائے قاتل اُس کا فدیہ دے گا اور باقی آدھا اپنے مولیٰ کا ہوگا۔ اور اگر اُس نے اپنے مولیٰ کے بھائی کو پہلے قتل کیا تو پورا قاتل مملوک مقتول کے مولیٰ کو دیا جائے گا یا مولائے قاتل اُس کا فدیہ دے گا اور اگر اس نے اپنے مولیٰ کے بھائی کو پہلے قتل کیا اور بھائی کے ایک لڑکی ہے تو تین چوتھائی قاتل مملوک مقتول ے مولیٰ کو دیا جائے گا اور چوتھائی اس لڑکی کو دیا جائے گا اور اگر اُس نے دونوں کو ایک ہی ضرب سے قتل کیا ہو اور بیٹی نہ ہو تو قاتل دونوں میں نصفا نصف ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہے اُس نے دونوں کے قریب یعنی مورث کو عمداً قتل کیا پھر دونوں میں سے ایک نے اُس کو عضو کر دیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کا پورا خون معاف ہو جائے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ عفو کرنے والا اُس کا آدھا دوسرے کو دے گا یا چوتھائی دیت فدیہ دے گا اور بعض نسخوں میں امام محمدؒ کا قول امام اعظمؒ کے ساتھ مذکور ہے اور اشہر یہ ہے کہ امام محمدؒ کا قول مثل قول امام ابو یوسفؒ کے ہے۔ اور اگر

ایک غلام نے اپنے مولیٰ کو عمداً قتل کیا اور اُس کے دو بیٹے ہیں پھر ایک نے اُس کو عفو کر دیا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک پورا خون باطل ہو جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلے مسئلہ کے موافق یہاں بھی حکم ہے یہ کافی میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ ایک غلام نیا یک شخص کو عمداً قتل کیا پھر مولیٰ نے اُس کو آزاد کر دیا پھر ہر دو وارثان مقتول میں سے ایک نے اس کو معاف کر دیا تو غلام مذکور اپنے نصف قیمت کے واسطے جس نے معاف نہیں کیا اُس کے لیے سعایت کرے گا اور مولیٰ پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی نے اپنے غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر اُس کو کسی نے غصب کر لیا اور وہ غاصب کے پاس اسی زخم قطع سے مر گیا تو غاصب پر اُس کی قیمت ہاتھ کٹے ہوئے کے حساب سے واجب ہوگی اور اگر مولیٰ نے غاصب کے پاس اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور وہ اس زخم سے غاصب کے پاس مر گیا تو غاصب پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ ہدایہ میں ہے۔

جامع کبیر میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو موضحہ زخم سر یا چہرہ سے زخمی کیا پھر ایک شخص کے پاس ہزار درم قرضہ کے عوض رہن کیا اور اس غلام زخمی کی قیمت باوجود اس زخم کے ہزار درم ہے پھر وہ غلام مرتہن کے پاس اسی زخم سے مر گیا تو جس قدر قرضہ کے عوض رہن ہے اُسی کے عوض تلف شدہ قرار دیا جائے گا اور اگر رہن کرنے کے بعد مولیٰ نے اُس پر جنایت کی ہو تو مرہون واپس کرنے والا ہو جائے گا حتی کہ اگر وہ اس زخم سے مر جائے تو قرضہ میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اجنبی نے اُس کے ساتھ کوئی جنایت کی تو راہن سے پہلے جنایت کرنے اور رہن کے بعد جنایت کرنے میں ان دونوں صورتوں میں ابطال رہن کے حق میں فرق ہو گا جیسا کہ مذکور ہوا ہے۔ اور نیز جامع کبیر میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے غلام کو موضحہ[1] شجہ سے زخمی کیا اور وہ غلام بیمار پڑا پھر اُس کو غاصب نے غصب کر لیا اور وہ اس جنایت سے غاصب کے پاس مر گیا تو مولائے غلام کو اختیار ہوگا چاہے جنایت کنندہ سے غلام تندرست کی قیمت تین سال میں وصول کرے یعنی اس کی مددگار برادری ضامن ہوگی پھر اس کی مددگار برادری غاصب سے اُس غلام کی قیمت روز غصب کے تھی وصول کر لے گی اور اگر چاہے تو غاصب سے غلام مذکور کی روز غصب کی قیمت فی الحال اُس کے مال سے لے اور جنایت کنندہ سے موضحہ زخم کا ارش اور جو نقصان اُس سے غاصب کے غصب کرنے کے روز تک پیدا ہوا ہے تاوان لے اور یہ سب جنایت کرنے والے کے مال میں سے دلایا جائے گا اور اگر غاصب نے ادائے ضمان کے بعد چاہا کہ جنایت کرنے والے یا اُس کی مددگار برادری سے ضمان لے تو اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا اور اگر اُس کو غاصب نے غصب نہ کیا بلکہ مولیٰ نے اُس کو بعد جنایت کے کسی شخص کے ہاتھ اس شرط سے کہ بائع کو تین روز تک خیار حاصل ہے فروخت کر دیا اور وہ مشتری کے پاس مر گیا تو اُس کا حکم ویسا ہی ہے جیسا ہم نے غاصب کی صورت میں بیان کیا ہے اور اگر مولیٰ نے اس غلام کو بطور بیع فاسد کے اُس کے ہاتھ فروخت کیا ور وہ اسی جنایت سے مشتری کے پاس مر گیا تو مولیٰ جنایت کرنے والے سے موضحہ کا ارش اور جو کچھ اس جراحت سے مشتری کے قبضہ کرنے کے روز تک نقصان پیدا ہوا ہے تاوان لے گا اور یہ مال تاوان جنایت کرنے والے کے مال میں فی الحال واجب ہوگا اور مشتری پر اُس کے قبضہ کرنے کے روز کی قیمت فی الحال اُس کے مال میں واجب ہوگی اور اگر مولیٰ نے اُس کو فروخت نہ کیا لیکن اپنے قرضہ کے عوض جو اُس پر آتا ہے اور وہ قیمت غلام کے برابر رہن کیا اور وہ مرتہن کے پاس اس جنایت سے مر گیا تو وہ بعوض قرضہ میت قرار دیا جائے گا اور مرتہن کو جنایت کنندہ سے مؤاخذہ کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے اور راہن ارش جنایت کو جنایت کرنے والے سے لے لے گا اور جس قدر نقصان تا وقت قبضہ مرتہن اُس میں آیا ہے وہ بھی لے لے گا اور جنایت کرنے والے سے تاوان قیمت باطل ہو گی اور اگر غلام کی قیمت قرضہ سے زائد ہو مثلاً قیمت غلام دو ہزار درم اور قرضہ ایک ہزار درم ہے اور وہ مرتہن کے پاس مر گیا تو حکم وہی

[1] یعنی وہ زخم سر جس سے ہڈی کھل گئی ۱۲

جو ہم نے قرضہ کے برابر قیمت ہونے کی صورت میں بیان کیا ہے کہ مرتہن کو جنایت کرنے والے سے تاوان لینے کا اختیار نہ ہوگا او مولائے غلام اُس جنایت کرنے والے سے موضحہ کا نصف ارش[!] اور نصف اس نقصان کا جو وقت رہن تک ہوا ہے لے لے گا اور یہ سب جنایت کرنے والے کے مال سے ہوگا اور نیز مولائے غلام اُس جنایت کرنے والے سے غلام کے مرنے کے روز[(1)] کی نصف قیمت اور نصف ارش موضحہ اور نصف نقصان جنایت لے لے گا اور یہ مال اس کی مددگار برادری پر ہوگا اور جامع صغیر میں فرمایا کہ ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے زید کے غلام کا ہاتھ خطا سے کاٹا ہے اور اُس کی مددگار برادری نے اس سے انکار کیا یعنی تکذیب کی پھر ایک شخص نے اُس کو غصب کیا اور اقرار کیا کہ میں نے اُس کے مولیٰ سے غصب کرلیا ہے اور وہ غاصب کے پاس مرگیا تو مولیٰ کو اختیار ہوگا چاہے جنایت کرنے والے سے اُس کی قیمت اُس کے مال سے تین سال میں وصول کرلے اور جنایت کرنے والا غاصب سے اُس غلام کے ہاتھ کٹے ہوئے کے حساب سے جو قیمت ہوفی الحال اُس کے مال سے لے لے گا اور چاہے مالک غاصب کے مال سے فی الحال اُس کی قیمت ہاتھ کٹے ہوئے کے حساب سے لے لے اور جنایت کرنے والے سے اُس کے ہاتھ کا ارش یعنی اُس کی نصف قیمت اُس کے مال سے لے لے اور جنایت کرنے والا نصف غلام کا ضامن نہ ہوگا۔ اور یہ چاہئے ہے کہ جنایت کرنے والا وقت غصب تک کے نقصان کا بھی ضامن ہو لیکن اس کو کتاب میں ذکر نہیں فرمایا ہے پس یا تو ذکر نہیں فرمایا یا مسئلہ کی صورت اس طور پر واقع ہوئی کہ فوراً قطع کرنے کے بعد ہی غصب واقع ہوا ہے۔ اور اگر عمداً قطع کیا ہو اور باقی مسئلہ بحالہ ہو تو ہم کہتے ہیں کہ مولیٰ کو اختیار ہے چاہے قاتل سے قصاص لے پھر غاصب سے مؤاخذہ کرنے کی کوئی راہ نہ ہوگی نہ مولیٰ کو نہ وارثان جنایت کنندہ کو اور چاہے ابتدا سے اس غلام کے ہاتھ کٹے ہوئے کی قیمت غاصب سے تاوان لے پھر ہاتھ کاٹنے والے سے مولیٰ قصاص نہیں لے سکتا ہے لیکن جنایت کنندہ پر ہاتھ کا ارش اُس کے مال سے واجب ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک غلام غصب کیا اور اُس نے غاصب کے پاس کسی کو قتل کیا ☆

اگر ایک شخص نے ایک غلام غصب کیا اور اُس نے غاصب کے پاس جنایت کی پھر غاصب نے اُس کو واپس دے دیا پھر اُس نے دوسری جنایت کی تو مولیٰ اُس کو دونوں فریق جنایت کو دے دے گا پھر غاصب سے اُس کی نصف قیمت لے کر اوّل کو دے دے گا پھر یہ قیمت غاصب سے واپس لے گا اور یہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ غاصب سے نصف قیمت لے لے گا کہ وہ اُسی کو دی جائے گی یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر ایک غلام غصب کیا اور اُس نے غاصب کے پاس کسی کو قتل کیا پھر غلام مرگیا تو غاصب پر اُس کی قیمت واجب ہوگی پھر مولیٰ یہ قیمت ولی جنایت کو دے دے گا پھر دوبارہ غاصب سے اُس کی قیمت واپس لے گا اور اگر غلام نہ مرا ہو لیکن اُس کی آنکھ جاتی رہی پھر غاصب نے مولیٰ کو کانا واپس کر دیا پھر اُس نے مولیٰ کے پاس دوسرے شخص کو قتل کیا پھر سب جمع ہوئے پھر مولیٰ نے اُس کو دونوں جنایتوں میں دے دیا تو وہ غاصب سے اُس کی نصف قیمت لے گا بدین اعتبار کہ اُس کی ایک آنکھ جاتی رہی ہے پس یہ نصف قیمت وارث اوّل کو دے گا اور جب اُس کو یہ نصف قیمت ملی تو وہ غلام مدفوع میں دیت میں سے اس قدر کم کر کے باقی کے حساب سے شریک کیا جائے گا اس واسطے کہ جس قدر اُس نے قیمت لی ہے وہ اُسی کی رہے گی پس اُس کے قدر حصہ کا شریک نہ کیا جائے گا بلکہ باقی حق کے واسطے شریک کیا جائے گا اور دوسرے مقتول کا وارث پوری دیت کے واسطے شریک کیا جائے گا پھر مولیٰ نصف قیمت جو اس سے لے لی گئی ہے۔ غاصب سے واپس لے گا اور نیز وارث مقتول اوّل کو جو کچھ غلام کانے میں سے حصہ رسد ملا ہے وہ بھی مولیٰ غاصب سے لے لے گا اور جو کچھ دوسرے مقتول کے وارث کو ملا ہے وہ

! وہ مال جو بعوض کسی زخم پہنچانے کے مجرم پر لازم ہوتا ہے ۱۲ (۱) جو مرنے کے روز اُس کی قیمت ہے اُس کی نصف قیمت ۱۲ منہ

واپس نہیں لے سکتا ہے پھر وارثان اوّل مولیٰ سے جو اُس نے لیا ہے غلام کی پوری قیمت تک جس قدر رہا ہے لے لیں گے اور چاہئے کہ یہ حکم خاص امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کا قول ہو پھر مولیٰ غاصب سے اُس کے مثل جو اُس سے لے لیا گیا ہے واپس لے لے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے سے ایک غلام غصب کر لیا پھر اُس کے پاس غلام نے کسی کو خطا سے قتل کیا پھر مولیٰ و وارثان مقتول مجتمع ہوئے تو وہ غلام اُس کے مولیٰ کو واپس دیا جائے گا پھر مولیٰ سے کہا جائے گا کہ اُس کو دے یا اس کا فدیہ دے پس اگر اُس نے دیا یا اُس کا فدیہ دیا تو غاصب سے غلام کی قیمت وارش دونوں میں سے کم مقدار واپس لے گا اور اگر غاصب کے پاس اُس میں زیادت حصلہ پیدا ہوگئی اور مولیٰ نے دینا اختیار کیا تو مع زیادتی دے دے گا خواہ یہ زیادتی قبل جنایت کے پیدا ہوئی ہو اُس کے بعد پیدا ہوئی ہو پھر غاصب سے اس زیادات کی قیمت واپس نہیں لے سکتا ہے اگرچہ وہ زیادت کسی ایسی سبب سے ہو جو غلام نے غاصب کے پاس کیا ہے استحقاق میں سے لے لی گئی ہو۔ اور اگر غاصب کے پاس غلام کانا ہو گیا اور اُس کے پاس اُس نے کوئی جنایت کی ہے پس اگر بعد جانیت کے کانا ہوا ہو اور مولیٰ نے دینا اختیار کیا تو ولی جنایت کو کانا دے دے گا پھر غاصب سے اُس کی تندرست صحیح سالم کی قیمت واپس لے گا اور جب اُس نے تندرست کی قیمت لے لی تو ولی جنایت مولیٰ سے اُس کی نصف قیمت واپس لے لے گا پھر مولیٰ نے یہ نصف قیمت دوبارہ غاصب سے لے لے گا تا کہ اُس کے پاس غلام کی پوری قیمت پہنچ جائے اور اگر جنایت سے پہلے کانا ہو گیا اور مولیٰ نے دینا اختیار کیا تو کانا غلام دے دے گا پھر غاصب سے اُس کی صحیح سالم کی قیمت لے لے گا اور یہ سب قیمت مولیٰ کو مسلم ملے گی اور ولی جنایت اس میں سے کچھ نہیں لے سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک شخص نے دوسرے کا غلام غصب کیا اور اُس نے خطا سے اپنے مولیٰ کو یا اپنے مولیٰ کے غلام کو قتل کیا حالانکہ غلام مقتول کی قیمت قاتل سے زائد ہے یا اپنے مولیٰ کا مال تلف کر دیا تو غاصب غلام مغصوب کی قیمت اُس کے مولیٰ کو دے دے گا اور یہ[1] امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور اگر غلام مغصوب نے غاصب پر یا اُس کے مال پر جنایت کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک ہدر[2] ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک معتبر ہے کہ مالک غلام سے کہا جائے گا کہ تو یہ غلام غاصب کو اگر وہ زندہ ہے یا اُس کے وارثوں کو دے دے یا اُس کی دیت فدیہ دے اگر غاصب کو قتل کیا ہو یا اُس کے مال کی قیمت دے اگر مال تلف کیا ہو یہ حاوی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے ایک غلام و ایک باندی کسی شخص سے غصب کر لی اور ہر ایک نے اس میں سے غاصب کے پاس کسی کو قتل کیا پھر غلام مذکور نے باندی مذکور کو قتل کیا پھر غاصب نے وہ غلام مولیٰ کو واپس کر دیا اور مولیٰ نے اُس کا فدیہ دے دینا اختیار کیا تو اس میں وارثان مقتول غلام بقدر دیت کے اور وارثان مقتول باندی بقدر قیمت باندی کے شریک کئے جائیں گے پھر مولیٰ غاصب سے غلام کی قیمت اور باندی کی قیمت لے لے گا پھر مقتول غلام کے وارث اُس کی قیمت میں اس قدر لے لیں گے کہ جو کچھ اُن کے پاس اُس کے ساتھ ملا کر غلام کی پوری قیمت ہو جائے اور جس قدر انہوں نے اپنا حق پورا کرنے کے واسطے مولیٰ سے غلام کی قیمت میں سے لے لیا ہے اس قدر مولیٰ غاصب سے پھر واپس لے گا اور نیز وارثان مقتول باندی بھی باندی کی قیمت سے اپنا حق بقدر اُس کی قیمت کے پورا کر لیں گے اور اس قدر کو بھی مولیٰ غاصب سے واپس لے گا اور اگر مولیٰ نے فدیہ دینا اختیار کیا تو غلام کے مقتول کی دیت دے دے گا اور مقتول باندی کے وارث کو باندی کی قیمت دے دے گا پھر غاصب سے غلام و باندی کی قیمت واپس لے گا اور جو حکم اس مسئلہ میں مذکور ہے اِس کی تاویل یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ غاصب تنگدست یا غائب ہو اور اگر حاضر ہو اور مولیٰ اُس سے باندی کی قیمت لے سکتا ہو تو مسئلہ کی

[1] یعنی غلام کے ساتھ اُس کی قیمت بھی دے دے گا اور یہ مراد نہیں ہے کہ فقط مغصوب ہی کی قیمت دے دے گا ۱۲

[2] یعنی رائیگاں و مفت ہے اُس کا عوض نہ دلایا جائے گا ۱۲

تخریج دوسرے طور پر ہے جیسا کہ اس کے بعد ذکر فرمایا ہے اور یہ مسئلہ ابوحفصؒ کے نسخہ میں ہے اور ابوسلیمان کے نسخہ میں مسئلہ طویلہ مذکور ہے اور حکم میں تفصیل ہے چنانچہ فرمایا کہ اگر ایک شخص نے ایک غلام و باندی جس میں سے ہر ایک کی قیمت ہزار درم ہی غصب کی اور ہر ایک نے غاصب کے پاس ایک ایک شخص کو قتل کیا پھر غلام نے باندی کو قتل کیا پھر غاصب نے غلام کو واپس کر دیا تو غاصب اُس غلام کے ساتھ باندی کی قیمت بھی واپس دے گا پھر مولیٰ یہ قیمت مقتول باندی کے وارث کو دے دے گا پھر غاصب سے دوبارہ یہ قیمت واپس لے گا اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر اُس نے فدیہ دینا اختیار کیا تو دیت مقتول غلام اُس کے وارث کو دے دے گا اور غلام کی قیمت غاصب سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر اُس نے دینا اختیار کیا تو غلام کو اُس کے مقتول کے وارث اور غاصب کو دے گا جس میں سے گیارہ حصوں میں سے دس حصے وارث مقتول غلام کو اور ایک حصہ غاصب کا ہوگا پھر غاصب سے غلام کی قیمت اُس کا مولیٰ لے لے گا جس میں سے گیارہ حصوں میں سے ایک حصہ وارث مقتول غلام کو دے دے گا پھر غاصب سے یہ حصہ بھی واپس لے گا اور اگر غاصب تنگدست ہو اور اُس سے باندی کی قیمت لینی ممکن نہ ہو سکے اور مولیٰ نے دینا اختیار کیا پس اگر مقتول باندی کے وارث نے کہا کہ میں غلام میں بقدر قیمت باندی کے شرکت نہیں کروں گا بلکہ انتظار کروں گا پھر جب باندی کی قیمت وصول ہو جائے گی تو اُس کو لے لوں گا تو اُس کو یہ اختیار ہوگا۔

مسئلہ مذکورہ کی بابت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ☆

بقیاس قول امام ابوحنیفہؒ کے پورا غلام مقتول غلام کے وارث کو دے دے گا اور بعد دینے کی غاصب سے غلام کی قیمت اور باندی کی قیمت لے لے گا پھر باندی کی قیمت اس کے مقتول کے وارث کو دے دے گا پھر غاصب سے بھی قیمت دوبارہ لے لے گا پس اُس کے قبضہ میں دو قیمتیں آئیں گی اور بقیاس قول امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے غلام میں سے گیارہ حصوں میں سے دس حصے اُس کے مقتول کے وارث کو دے گا اور ایک حصہ اپنے پاس رکھے گا یہاں تک کہ جب باندی کی قیمت وصول ہو تو مولیٰ اُس کو لے کر اُس کے مقتول کے وارث کو دے دے گا پھر اس قیمت کو غاصب سے واپس لے گا پھر مولیٰ سے کہا جائے گا کہ یہ جزو غاصب کو دے دے یا باندی کی قیمت اس کا فدیہ دے پس اگر یہ جزو دے دیا تو اُس سے غلام کی قیمت لے لے گا پھر اس قیمت میں سے گیارہ جزوں سے ایک جزو وارث مقتول غلام کو بعوض اس جزو غلام کے جو وارث مذکور کو نہیں دیا گیا ہے دے دے گا اور پھر اس جزو قیمت کو غاصب سے واپس لے گا اور اگر اُس کا فدیہ دیا تو باندی کی قیمت اُس کا فدیہ دے لیکن غلام کی قیمت اس صورت میں بھی غاصب سے لے لے گا لیکن چونکہ دونوں قیمتیں برابر ہیں اس واسطے ایک دوسرے کا قصاص ہو جائے گی اور وارث مقتول غلام کو بجائے اس جزو کے اُس کی قیمت کا گیارھواں حصہ دے دے گا پھر اُس کی قیمت غاصب سے واپس لے گا اور اگر مقتول باندی کے وارث نے کہا کہ میں بقدر قیمت باندی کے غلام میں شریک ہو جاؤں گا تو غلام مذکور دونوں کو دیا جائے گا جس میں سے وارث مقتول غلام بقدر دیت کے اور وارث مقتول باندی بقدر قیمت باندی کے حصہ دار ہوگا پس دونوں میں گیارہ حصوں پر تقسیم ہوگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے پھر جب غاصب پر قابو پایا یا وہ خوشحال ہو گیا تو مولیٰ کو غلام اور باندی سے قیمت ادا کرے گا پھر غلام کی قیمت میں سے گیارھواں حصہ وارث مقتول غلام کو بجائے اُس حصہ غلام کے جو اُس کو نہیں ملا ہے دے دے اور پھر غاصب سے اس قدر حصہ واپس لے گا اور مقتول باندی کے وارث کو سوائے اُس کے جو کچھ اُس کو اس میں سے مل چکا ہے باندی کی قیمت میں سے کچھ نہ ملے گا اور اس سے پہلے ایک چھوٹے مسئلہ میں بیان فرمایا ہے کہ باندی کی قیمت میں سے اُس کے مقتول کے وارث کو اس قدر دے دیا جائے گا کہ جو کچھ اُس کو ملا کر باندی

کی پوری قیمت ہو جائے پس اس حکم میں دو روایتیں ہیں اور اگر مولیٰ نے فدیہ دینا اختیار کیا تو غلام کے دس ہزار درم فدیہ اور باندی کی قیمت دے گا پھر غاصب سے غلام کی قیمت لے گا اور باندی کی دو قیمتیں لے لے گا جس میں سے ایک قیمت بجائے اُس قیمت کے ہو گی جو اُس نے باندی کے مقتول کے وارث کو دی ہے اور دوسری قیمت بوجہ غصب کے ہو گی جو مولیٰ کو بجائے باندی کے مسلم ملے گی اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے۔

بقیاس قول صاحبینؒ کے جب غاصب نے غلام کی قیمت اور دونوں قیمتیں باندی کی ادا کر دیں تو ایسا ہو گیا کہ گویا باندی اُس کی ہو گئی بسبب اس کے کہ اُس پر ضمان مستقر رہوئی ہے پس مولیٰ سے کہا جائے گا کہ غلام کے گیارہ جزوں میں سے ایک جزو غاصب کو ملا ہے یا اُس کا فدیہ دے اور فدیہ باندی کی قیمت ہے اور جو کچھ اُس نے کیا بہر حال غاصب سے کچھ واپس نہ لے گا۔ بدیں وجہ کہ جو ہر ایک کو دوسرے سے پانا ہے اُس میں مقاصہ واقعہ ہو گا جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے یہ مبسوط میں ہے۔

غصب کیے گئے غلام کو فریق ثالث کے قتل کا حکم دیا اور اُس نے عمل بھی کر ڈالا تو ایسی حالتوں میں قصاص کی کچھ صورتوں کا بیان ☆

اگر ایک غلام غصب کیا پھر اُس کو حکم کیا کہ اس شخص کو قتل کر دے اُس نے قتل کر دیا پھر غاصب نے اُس کے مولیٰ کو واپس کر دیا پھر اُس کے پاس غلام نے خطا سے دوسرے آدمی کو قتل کر دیا پھر مقتول اوّل کے ولی نے خون معاف کیا تو مولیٰ پر واجب ہو گا کہ نصف غلام ولی مقتول دیگر کو دے دے یا دیت اُس کا فدیہ دے اور غاصب سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر عفو سے پہلے دونوں فریق وارثوں کو دے دے یا دیت اُس کا فدیہ دے اور غاصب سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر عفو سے پہلے دونوں فریق وارثوں کو دے دیا پھر ولی اوّل نے اُس کو عفو کیا تو مولیٰ غاصب سے نصف قیمت واپس لے گا پھر ولی اوّل کو اس نصف قیمت کے لینے کی کوئی راہ نہ ہو گی اس واسطے کہ اُس نے عفو کر دیا پس یہ قیمت مولیٰ کو مسلم رہے گی اور دوبارہ غاصب سے کچھ نہیں لے سکتا ہے یہ حاوی میں ہے۔

اگر زید نے عمرو کا غلام غصب کیا اور عمرو نے زید کے پاس اپنی ایک باندی ودیعت رکھی پھر غلام نے زید کے پاس کسی کو قتل کیا پھر غلام کو باندی نے قتل کیا تو غاصب پر اُس کے پاس غلام کے مر جانے سے غلام کی قیمت واجب ہو گی پھر جب مولیٰ کا اُس کو وصول کر لے تو یہ قیمت وارثان مقتول کو دے دے گا پھر غاصب دوبارہ اُس کی قیمت مولائے غلام کو دے دے گا تا کہ بجائے غلام کے اُس کے پاس مسلم رہے پھر مولا سے کہا جائے گا کہ اپنی ودیعت[1] کی باندی غاصب کو دے دے یا غلام کی قیمت اُس کا فدیہ دے دے۔ اور اگر اس مسئلہ میں غلام نے باندی کو قتل کیا ہو باوجود یکہ آزاد کو قتل کیا ہے اور مولیٰ نے غلام دینا اختیار کیا تو یہ غلام مقتول کی دیت اور باندی کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا یہ امام اعظمؒ کا قول ہے پس وارثان مقتول اس میں سے جس قدر مقابلہ دیت کے پڑے وہ لیں گے اور جس قدر باندی کی قیمت کے پرتے میں پڑے وہ مولیٰ لے لے گا پھر غاصب مولائے کنیز کو باندی کی پوری قیمت دے دے گا اور نیز مولیٰ اس سے اُسکے مثل جو وارثان مقتول نے غلام میں سے لیا ہے غلام کی قیمت میں سے لے لیگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے قول پر غلام میں مولیٰ اپنی باندی کی قیمت کے قدر بالکل شریک نہ کیا جائیگا بلکہ پورا غلام وارثان مقتول کو دیدیا گیا اور اُس کی قیمت غاصب سے واپس لے گا اور اگر ایک باندی غصب کی اُس نے غاصب کے پاس سے کسی کو قتل کیا پھر ایک بچہ جنی اور بچہ نے

[1] یعنی سپردشدہ بجائے غلام ملک مولیٰ میں رہے ۱۲

اس کو قتل کیا تو غاصب پر واجب ہوگا کہ بچہ اور باندی کی قیمت مولیٰ کو واپس کر دے پھر مولیٰ سے کہا جائے گا کہ یہ قیمت وارثان مقتول کو دے دے پھر غاصب سے اسی قدر واپس لے کہ وہ تیری ہوگی پھر اُس سے کہا جائے گا کہ یہ بچہ غاصب کو دے دے یا باندی کی قیمت اُس کا فدیہ دے یہ مبسوط میں ہے۔ غلام مرہون نے اگر راہن پر جنایت کی یا راہن کے مملوک یا مال پر جنایت کی تو آیا اُس کی جنایت معتبر ہوگی سو مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ کتاب الرہن میں مذکور ہے اور یہ حکم مذکور ہے کہ جنایت ہدر ہوگی اور اس میں کوئی اختلاف مذکور نہیں ہے لیکن مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ ہدر ہونے کا جو حکم کتاب الرہن میں مذکور ہے امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کی جنایت راہن پر بقدر قرضہ کے معتبر ہوگی اس واسطے کہ وہ بقدر قرضہ کے مضمون ہے حاصل آنکہ مرتہن کا قرضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر اُس نے مرتہن پر جنایت کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ جنایت بقدر قرضہ کے معتبر نہ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ معتبر ہوگی یہ محیط میں ہے۔

فصل دوم ☆

ام[1] الولد و مدبر کی جنایت کے بیان میں

اگر مدبر یا ام ولد نے جنایت کی تو مولیٰ اُس کی قیمت (۱) وارش جنایت سے کم مقدار کا ضامن ہوگا اور یہ ام ولد میں اُس کی تہائی قیمت ہے اور مدبر کی صورت میں دو تہائی ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ دو آدمیوں کے مشترک مدبر نے جنایت کی تو دونوں مولیٰ میں سے ہر ایک پر اُس کی قیمت کا اس قدر حصہ واجب ہوگا جتنی اس میں سے ہر ایک کی ملک ہے اور اگر دونوں میں سے ایک نے اُس کو مدبر کیا اور اُس نے جنایت کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک دونوں پر اُس کی قیمت واجب ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک مدبر کرنے والا ضمان دے کر اپنے شریک کے حصہ کا مالک ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور مدبر کی جنایت اِس کے مولیٰ کے مال میں فی الحال واجب ہوگی اُس کی (۲) مددگار برادری پر نہ ہوگی اور یہی حکم ام ولد کا ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور اگر مدبر کی قیمت کثیر ہو تو مولیٰ پر دس ہزار درم سے دس کم کے سوائے زیادہ واجب نہ ہوگی اور مدبر کی جنایت جان تلف کرنے کی ہو یا اس سے کم ہو یکساں حکم ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر ایک زمانہ کے بعد ولی جنایت اور مولیٰ نے باہم اُس کی قیمت میں اختلاف کیا اور ولی جنایت نے کہا کہ جس دن اُس نے جنایت کی ہے اُس کی قیمت ہزار درم تھی اور مولیٰ نے کہا کہ پانچ سو درم تھی تو قسم سے مولیٰ کا قول قبول ہوگا اور امام ابو یوسفؒ نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر بذریعہ جنایت کرنے کے فوراً بلا فصل مرگیا تو مولیٰ کے ذمہ سے قیمت ساقط نہ ہوگی اسی طرح اگر وہ اندھا ہو جائے تو بھی مولیٰ پر پوری قیمت واجب ہوگی یہ حاوی میں ہے۔ اور اگر اُس کے مرنے کے بعد دونوں نے اس کی قیمت میں اختلاف کیا تو مولیٰ کا قول قبول ہوگا اور ولی جنایت پر واجب ہوگا کہ جو اُس نے دعویٰ کیا ہے اُس کو گواہوں سے ثابت کرے یہ مبسوط میں ہے۔ اور ام ولد کی قیمت کا ایک ہی مرتبہ ضامن ہوگا چنانچہ اگر اُن سے ایک مرتبہ جنایت کی پھر اُس کے بعد جنایت کی تو دوسری جنایت کا وارث پہلے کے ساتھ شریک ہو جائے گا خواہ دوسری جنایت قبل اُس کے کہ اول کے واسطے قیمت کی ڈگری ہو پائی گئی ہو یا اس کے بعد پائی گئی ہو یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مدبر نے چند جنایتیں کیں تو اُس کی قیمت سب جنایات کے وارثوں کے درمیان مشترک ہوگی خواہ باہم جنایات کے درمیان تھوڑی مدت ہو یا مدت دراز ہو اگر

[1] ام ولد وہ باندی جس کو مولیٰ نے اپنے تصرف میں رکھا اور وہ اس سے بچہ جنی اور مدبر وہ مملوک جس کو اُس کے مولیٰ نے یوں کہا کہ تو میرے مرنے پر یا اتنی مدت کے بعد آزاد ہے ۱۲ (۱) یعنی ہر ایک کی قیمت ۱۲ (۲) اس واسطے کہ حق اُس کے نزدیک اُس کی تخریج نہیں ہوتا ہے ۱۲

مدبر نے ایک کو خطا سے قتل کیا اور دوسرے کی آنکھ پھوڑ دی تو مولیٰ پر دونوں جنایت والوں کے واسطے اُس کی قیمت واحدہ واجب ہوگی جو تین تہائی تقسیم ہوگی یعنی دو تہائی مقتول کے وارث کو اور ایک تہائی آنکھ والے کو ملے گی اور اگر مدبر مذکور کو کچھ مال ہبہ کیا گیا یا اُس نے کچھ مال کمایا تو صاحبان جنایت کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر زید نے دو آدمیوں کو قتل کیا ایک کو عمداً اور دوسرے کو خطاءً تو مولیٰ پر واجب ہوگا کہ اُس کی قیمت مقتول بخطا کے وارث کو دے دے پس اگر مقتول عمد کے دو وارثوں میں سے ایک نے اُس کو عفو کیا تو قیمت مذکور بقول امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے ہر دو فریق میں چار حصے ہو کر تقسیم ہوگی اور بقول امام اعظمؒ کے تین حصہ ہو کر تقسیم ہوگی یہ حاوی میں ہے۔ اور ہر صاحب جنایت کے واسطے مدبر کی وہ قیمت معتبر ہوگی جو اُس کی قیمت جنایت کرنے کے روز تھی اور مدبر کئے جانے کے روز کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا پس اگر اُس نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا اور روز قتل کے اُس کی قیمت ہزار درم تھی پھر اُس کی قیمت بڑھ گئی اور ڈیڑھ ہزار درم ہو گئی پھر اُس نے دوسرے شخص کو خطا سے قتل کیا تو دوسرے جنایت کا وارث مولیٰ سے پانچ سو درم لے لے گا یعنی جس قدر پہلی قیمت کی بہ نسبت زیادتی ہو گئی ہے پھر باقی یعنی ہزار درم دونوں جنایتوں کے وارثوں میں انتالیس حصے ہو کر تقسیم ہوگی پس ہر پانچ سو درم کا ایک حصہ قرار دیا جائے گا پس جنایت اوّل کے وارث کو بیس حصے اور دوسرے جنایت کے وارث کو انیس حصے چاہئے ہیں پس اسی حساب سے ہزار درم باہم تقسیم کر لیں گے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر مدبر نے ایک شخص کو قتل کیا درحالیکہ مدبر کی قیمت ہزار درم تھی پھر ایک شخص نے مدبر کی آنکھ پھوڑ دی پس اُس نے پانچ سو درم تاوان دیئے پھر مدبر مذکور نے دوسرے شخص کو قتل کیا تو آنکھ کا ارش خاص مولیٰ کا ہوگا وارثان جنایت کا اُس میں کچھ نہ ہوگا اور مولیٰ پر اُس کی قیمت کے ہزار درم جو مقتول اوّل کے قتل کرنے کے روز تھی واجب ہوں گے اُس میں سے پانچ سو درم خاص کر مقتول اوّل کے وارث کو ملیں گے اور باقی پانچ سو درم میں دونوں شریک ہوں گے جس میں دوسرا پانچ سو درم کم پوری دیت کے حساب سے شریک کیا جائے گا اور اگر آنکھ پھوڑنے والا غلام ہو اور وہ جنایت میں دیا گیا تو وہ بھی مولیٰ کا ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر مدبر[1] نے کسی کو خطا سے قتل کیا درحالیکہ اُس کی قیمت ہزار درم تھی پھر اس کی قیمت بڑھ کر دو ہزار درم ہو گئی پھر اُس نے دوسرے کو خطا سے قتل کیا یا پھر اُس کی قیمت گھٹ کر پانچ سو درم رہ گئی پھر اُس نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا تو مولیٰ پر دو ہزار درم کی ڈگری کی جائے گی پس دوسرے مقتول کا وارث اس میں سے ہزار درم لے لے گا اور باقی ہزار درم میں سے پانچ سو درم میں حق اوّل و دوم جمع ہوا اور حق اوّل دس ہزار کا اور حق دوم نو ہزار کا ہے پس پانچ سو درم دونوں میں تین حصوں پر تقسیم ہوں گے جس میں سے دس حصے اوّل کو اور نو حصے دوم کو ملیں گے اور باقی پانچ سو درم میں سب تینوں کا حق جمع ہوا پس وہ سب میں بقدر ہر ایک کے حق کے تقسیم ہوں گے پس تیسرا اُس میں بحساب دس ہزار درم اور دوسرا بھی بقدر دس ہزار کے سوائے اُس قدر کے جس کو دو مرتبہ لے چکا ہے اور اوّل بقدر دس ہزار کے سوائے اس قدر کے جس کو ایک مرتبہ لے چکا ہے شریک کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر مولیٰ نے اُس کی قیمت ولی جنایت کو دے دی اور اس میں کچھ عیب نہیں پیدا ہوا ہے پھر اُس نے دوسرے شخص کو خطا سے قتل کیا پس اگر یہ قیمت اوّل کو بحکم قاضی دی ہے تو دوسرے کو مولیٰ سے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی لیکن اوّل کا دامنگیر ہو کر اُس سے نصف قیمت لے لے گا اور اگر اوّل کی قیمت بغیر حکم قاضی دی ہے تو بھی امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے قول پر یہی حکم ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک دوسرے کو خیار ہوگا چاہے اوّل سے نصف قیمت لے لے اور چاہے مولیٰ سے لے اور اگر اُس نے مولیٰ سے نصف قیمت لے لی تو مولیٰ اس کو اوّل سے واپس کرے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اسی طرح اگر مولیٰ کی بلا اجازت مدبر نے عام مسلمانوں کی راہ میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی آدمی گر گیا اور مر گیا پھر مولیٰ

[1] اس کی توضیح بار بار مکرر سہ کرر گذر چکی ۱۲

نے اُس کی قیمت ولی جنایت کو بغیر حکم قاضی دے دی پھر اُس میں دوسرا آدمی گر گیا پس آیا دوسرے کے وارث کو مولیٰ کے دامنگیر ہونے کا اختیار ہے یا نہیں ہے سو اس مسئلہ میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے جو مذکور ہوا اور اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کنواں کھودنے والا غلام محض[1] ہو اور مولیٰ نے وہ غلام وارث مقتول کو دے دیا پھر اس میں دوسرا گر گیا اور مر گیا تو دوسرا مولیٰ سے کچھ نہیں لے سکتا ہے خواہ مولیٰ نے غلام مذکور اوّل کو بحکم قاضی دیا ہو یا بغیر حکم قاضی دیا ہو اور اُس پر بھی اجماع ہے کہ اگر مولیٰ نے مقتول اوّل کے وارث کو مدبر کی قیمت نہ دی یہاں تک کہ دوسرا آدمی کنویں میں گر کر مر گیا پھر مولیٰ نے اُس کی قیمت بغیر حکم قاضی کے اوّل کو دے دی تو مقتول دوم کے وارث کو اختیار ہوگا کہ مولیٰ کا دامن گیر ہو کر اُس سے مدبر کی نصف قیمت لے لے پھر مولیٰ اُس کو وارث اوّل سے واپس لے گا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر مدبر نے راہ میں پتھر رکھ دیا یا پانی بہا دیا یا جانور اس طرح ہانکا کہ کوئی تلف ہوا تو یہ بمنزلۂ کنواں کھودنے کے ہے یہ محیط سرخسی میں ہے مدبر نے اگر خطا سے جنایت کی اور اُس کی قیمت بلا حکم قاضی دی گئی پھر وہ مکاتب کر دیا گیا پھر اُس نے جنایت کی اور قیمت دینے کا حکم دیا گیا اور پھر نہ دے گئی پس اُس نے دوسری جنایت کی پھر مکاتب سو درم چھوڑ کر مر گیا تو سو درم دوسرے مقتول کے وارث کو ملیں گے اور تیسرے کو اختیار ہوگا چاہے اوّل کے ساتھ شریک ہو جائے یا مولیٰ کا دامنگیر ہو یہ کافی میں ہے۔

ایک غلام تاجر کا جس پر قرضہ ہے اپنے مولیٰ کو خطا سے قتل کیا☆

اگر مدبر نے کسی کو خطا سے قتل کیا اور اُس کی قیمت اس وقت ہزار درم ہے پس بحکم قاضی مولیٰ نے قیمت[(۱)] اُس کو دے دی پھر اُس کی قیمت پانچ سو درم رہ گئی پھر اُس نے دوسرے کو قتل کیا تو ہزار درم جو اوّل نے وصول کئے ہیں اُس میں سے پانچ سو درم خاص اوّل کے ہوں گے اور پانچ سو درم باقی میں دونوں شریک ہوں گے پس اوّل پانچ سو درم کم دس ہزار کے حساب سے اور دوسرے مقتول کا ولی پورے دس ہزار کے حساب سے شریک کیا جائے گا پس یہ دراہم دونوں میں انتالیس حصوں پر ہر پانچ سو درم کا ایک حصہ قرار دے کر تقسیم ہوں گے پس انیس حصہ اوّل کو اور بیس حصے دوم کو ملیں گے یہ مبسوط میں ہے اصل میں فرمایا کہ اگر مدبر نے اپنے مولیٰ کو خطا سے قتل کیا تو اُس کی جنایت ہدر ہوگی اور اُس پر واجب ہوگا کہ اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے بسبب رد وصیت کے اور اگر مدبر نے اپنے مولیٰ کو عمداً قتل کیا تو اُس پر اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرنا واجب ہوگا اور قصاص واجب ہوگا اور جب سعایت و قصاص دونوں واجب ہوئے تو وارثوں کو اختیار ہوگا چاہیں اُس کی قیمت کے واسطے اُس سے سعایت کرا کر پھر اُس کو قتل کریں یا فی الحال اُس کو قتل کر دیں اور اپنا حق سعایت باطل کر دیں۔ اور اگر مولیٰ کے دو بیٹے ہوں کہ اُن کے سوائے اُس کا کوئی وارث نہ ہو پس ایک نے اُس کو عفو کیا تو مدبر پر واجب ہوگا کہ اپنی پوری قیمت اور اپنی نصف قیمت کے واسطے سعایت کرے پس پوری قیمت میں بوجہ رد وصیت کے سعایت کرے گا کہ وہ دونوں میں برابر تقسیم ہوگی اور نصف قیمت خاص اُس وارث کے واسطے جس نے عفو نہیں کیا ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک غلام تاجر نے جس پر قرضہ ہے اپنے مولیٰ کو خطا سے قتل کیا تو اُس پر اپنی قیمت کے واسطے جو قرض خواہوں کو ملے گی سعی کرنی واجب ہے پھر اگر اس قیمت کے بعد بھی قرضہ رہ جائے تو بحالہ باقی رہے گا۔ اسی طرح اگر غلام ماذون نے جس پر قرضہ ہے اپنے مولیٰ کو مجروح کیا کہ وہ چارپائی پر پڑ گیا اور برابر بیمار پڑا رہا یہاں تک کہ مر گیا حالانکہ اُس نے بیماری میں اس غلام کو آزاد کر دیا ہے اور اس غلام کے سوائے اُس کا کچھ مال نہیں ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر اُس نے ایسی حالت میں آزاد کیا کہ جب چلتا پھرتا تھا پس اگر کچھ مال چھوڑا ہو تو قرض خواہوں کو اختیار ہوگا چاہیں مولیٰ کے ترکہ سے اُس کی قیمت وصول کریں اور باقی قرضہ کو غلام سے لیں یا پورا قرضہ غلام سے وصول کریں اور غلام پر وارثان مولیٰ کے واسطے سعایت واجب نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے اور اگر اُس کو مولیٰ نے

---

[1] غلام محض یعنی مدبر و یا مکاتب دیا معتق البعض نہ ہو ۱۲ (۱) یعنی ولی جنایت کو ۱۲

اپنے مرض میں آزاد کیا اور اس کے سوائے اس کا کچھ مال نہیں ہے پھر اُس نے اپنے مولیٰ کو خطا سے قتل کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک دو قیمتوں کے واسطے سعایت کرے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک قیمت کے واسطے سعایت کرے گا اور مولیٰ کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر مولیٰ کا مال ہو اور یہ غلام اُس کی تہائی سے نکل سکتا ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر مدبر نے اپنے مولیٰ کو عمداً قتل کیا اور اُس کے دو ولی ہیں ایک مدبر کا بیٹا ہے تو مدبر پر دو قیمتوں کے واسطے سعایت کرنی واجب ہوگی ایک قیمت بسبب رد وصیت کے اور دوسری بسبب جنایت کے یہ مبسوط میں ہے۔

مدبرہ باندی نے جو حاملہ ہے اپنے مولیٰ کو خطا سے قتل کیا پھر مولیٰ کی موت کے بعد اُس کے بچہ پیدا ہوا تو بچہ کچھ سعایت نہ کرے گا اور اگر اُس نے مولیٰ کو مجروح کیا پھر بچہ جنی پھر مولیٰ اُس زخم سے مر گیا تو مدبرہ اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے گی اور بچہ مولیٰ کے تہائی مال سے آزاد ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر مدبر دو آدمیوں میں مشترک ہو اور اس نے ایک مولیٰ کو قتل کیا اور ایک اجنبی کو خطا سے قتل کیا تو مولیٰ سے پہلے اجنبی کے خون کا تصفیہ کیا جائے گا پس زندہ مولیٰ پر اُس کی نصف قیمت واجب ہوگی اور مولائے مقتول کے مال سے نصف قیمت واجب ہوگی پھر اس پوری قیمت میں سے مولائے مقتول کے وارث کو چوتھائی حصہ ملے گا اور اجنبی کے وارث کو تین چوتھائی۔ اس وجہ سے کہ مولائے مقتول نے جو کچھ تاوان دیا ہے اس میں اُس کا کچھ حق نہیں ہے کیونکہ خطا سے مدبر کی جنایت اپنے مولیٰ پر ہدر ہوتی ہے پس نصف قیمت وارث اجنبی کو مسلم رہے گی پھر دوسرے نصف میں وارث مقتول وارث اجنبی کے ساتھ شریک ہوگا پس پانچ ہزار کے حساب سے یہ اور پانچ ہزار کے حساب سے وہ اس نصف قیمت میں شریک ہوں گے پس دونوں میں نصفا نصف ہوگی پھر مدبر پر واجب ہوگا کہ اپنی پوری قیمت کے واسطے سعایت کرے جس میں سے نصف وارثان مولائے مقتول کو اور نصف مولائے زندہ کو ملے گی اور اگر اس نے مولیٰ کو عمداً قتل کیا ہو اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو مولائے مقتول کے مال سے اور مولائے زندہ سے اُس کی پوری قیمت وارث مقتول اجنبی کو دلائی جائے گی پھر مدبر اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے گا کہ وہ دونوں مولاؤں میں نصفا نصف ہوگی اور غلام مذکور قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اگر مقتول عمد کے دو وارثوں میں سے ایک نے عفو کیا تو جس نے عفو نہیں کیا ہے اُس کے واسطے نصف قیمت کی سعایت کرے گا اور قصاص ساقط ہوگا۔ اور اگر مدبر نے کسی کو عمداً قتل کیا اور اُس کے دو ولی ہیں پس دونوں میں سے ایک نے عفو کیا پھر ہر دو مولیٰ میں سے ایک کو خطا سے قتل کیا تو زندہ مولیٰ پر اُس کی نصف قیمت واجب ہوگی پس اس نصف کے دو حصہ ہو کر ایک حصہ وارث مولای مقتول کو اور ایک حصہ میں سے آدھا وارث مولائے مقتول کو اور آدھا وارثان عمد کے اُس وارث کو جس نے عفو نہیں کیا ہے ملے گا اور مال قتیل سے چوتھائی قیمت مدبر اُس وارث عمد کو دلائی جائے گی جس نے عفو نہیں کیا ہے پھر مدبر اپنی پوری قیمت کے واسطے سعایت کرے گا جو مولائے زندہ اور وارثان مولائے مقتول کی درمیان مشترک ہوگی اور اگر مدبر نے اپنے دونوں مولاؤں کو خطا سے قتل کیا تو رد وصیت کی وجہ سے اپنی پوری قیمت کے واسطے دونوں کے وارثوں کے لیے سعایت کرے گا اور ہر دو فریق وارث میں سے ایک کا دوسرے پر کچھ نہ ہوگا ایک شخص مر گیا اور اُس نے ایک مدبر چھوڑا اور سوائے اس کے اس کا کچھ مال نہیں ہے پھر مدبر نے کوئی جنایت کی تو اُس پر واجب ہوگا کہ جنایت اور اپنی قیمت دونوں میں سے کم مقدار کے واسطے سعایت کرے اور امام اعظمؒ کے نزدیک مدبر اپنی دو تہائی قیمت کے واسطے سعایت کرے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ مدبر گویا آزاد و قرض دار ہے پس جرمانہ اُس کی مددگار برادری پر ہوگا اور اگر میت کا کچھ مال ہو جس میں سے تہائی مال سے یہ غلام برآمد ہوتا تو بالاتفاق جرمانہ مددگار برادری پر ہوگا اسی طرح اگر اپنے مرض[1] میں کسی غلام کو آزاد کیا تو ایسی

[1] مرض سے وہ مرض معتبر ہوگا جس سے اُس کو صحت نہ ہوئی بلکہ اُسی مرض میں مبتلا رہا یہاں تک کہ موت آ گئی ۱۲

صورت میں مدبر اور ایسے غلام دونوں کا حکم یکساں ہیں لیکن مولیٰ پر جنایت کرنے میں دونوں کے حکم میں فرق ہے تو مدبر خطا سے اپنے مولیٰ پر جنایت کرنے سے سعایت نہ کرے گا اور دوسرا امام اعظمؒ کے نزدیک مکاتب ہے کہ جس نے اپنے مولیٰ پر جنایت کی ہے اور مکاتب اپنے مولیٰ پر خطا سے جنایت کرنے سے سعایت کرتا ہے پس اگر سعایت کرنے سے پہلے مر گیا اور مال چھوڑا اور وہ تہائی مال سے برآمد نہ ہوا تو اُس کے مال میں سے اُس کی قیمت اور ارش جنایت سے کم مقدار دلائے جانے کا حکم ہوگا اور اگر اُس نے کوئی بچہ چھوڑا ہو تو وہ اس سب کے واسطے یعنی قرضہ و جنایت وحق وارثان سب کے واسطے سعایت کرے گا اور اگر اُس نے حصہ وارثان کے واسطے سعایت کی اور ہنوز حصہ جنایت کے واسطے سعایت نہ کی تھی کہ مر گیا اور ایک بچہ چھوڑا تو اس کے بچہ پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور اگر اپنے غلام کے آزاد کرنے کی وصیت کی اور مر گیا پھر غلام نے جنایت کی تو وارثان کو اختیار ہے چاہیں بعوض جنایت کے دے دیں پس عتق[۱] باطل ہو جائے گا اور چاہے بطور احسان[(۱)] کے اُس کا فدیہ دے دیں پھر اُس کو آزاد کر دیں خواہ تہائی مال میت سے نکلتا ہو یا نہیں پس اگر تہائی مال سے نہ نکلتا ہو تو اپنی قیمت کی دو تہائی کے واسطے وارثوں کے لیے سعایت کرے گا اور اگر اُس کو جنایت میں دینے یا اُس کا فدیہ دینے سے پہلے وارثوں نے اُس کو میت کی طرف سے آزاد کر دیا تو اس کا امام محمدؒ نے ذکر نہیں کیا ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ جب انہوں نے جنایت کا حال معلوم کیا تو دے فدیہ اختیار کرنے والے ہو گئے اور اگر نہ جانتے تھے تو ارش جنایت اور اس کی قیمت سے کم مقدار کے ضامن ہوں گے یہ محیط سرخسی میں ہے ایک مدبرہ کے ایک بچہ پیدا ہوا اور ہر ایک کی قیمت تین سو درم ہے پھر مدبرہ نے ایسی جنایت کی جس نے اُس کی گردن[(۲)] کو گھیر لیا اور اُس کا مولیٰ مر گیا اور سوائے ان دونوں کے کچھ مال نہ چھوڑا تو دونوں صاحب جنایت اور وارثوں کے واسطے دو تہائی قیمت یعنی دو سو درم کی سعایت کریں گے اور ایک تہائی[(۳)] یعنی سو درم اُنہیں کو مسلم رہیں گے یہ کافی میں ہے۔

اگر مدبر نے کسی کو خطا سے قتل کیا اور مال تلف کر دیا تو مولیٰ پر وارثان مقتول کی واسطے اُس کی قیمت واجب ہوگی اور مدبر پر واجب ہوگا کہ جو مال اُس نے تلف کیا ہے وہ سعایت کر کے ادا کرے اور کوئی فریق حقدار دوسرے کے ساتھ جو اُس نے لیا ہے شریک ہوگا اور اگر ان میں سے کسی مقدمہ کی بابت حکم ہونے سے پہلے مولیٰ مر گیا اور سوائے اس مدبر کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے تو مدبر اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے گا اور اصحاب جنایت اس قیمت کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ قرض خواہوں کو جن کا مال تلف کیا ہے اس مال کے لینے کی ترجیح ہوگی اور اگر مال قرضہ بہ نسبت قیمت کے زائد ہو تو وہ زیادتی کے واسطے بھی سعایت کرے گا اور اگر قیمت کی بہ نسبت قرضہ کم ہو تو قرضہ سے جس قدر زائد ہے وہ وارثان جنایت کو ملے گا اور اس سے زیادہ وارثان جنایت کا اُس پر کچھ حق نہ ہوگا اسی طرح اگر مولیٰ پر قاضی نے وارثان جنایت کے واسطے اُس کی قیمت کی ڈگری کی اور مدبر پر مال کے واسطے سعایت کرنے کا حکم کیا ہو اور ہنوز مولیٰ زندہ ہے تو بھی حکم یہی ہے اور ام ولد اصحاب جنایت کے واسطے کچھ سعایت نہ کرے گی یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر مدبر نے دو آدمیوں کا مال تلف کیا اور ایک کے نام مدبر پر سعایت قیمت کا حکم دیا[(۴)] گیا تو دوسرا حق دار بھی اس میں شریک ہو جائے گا اور اگر سعایت کرنے سے پہلے مدبر مر گیا تو باطل ہو گیا اور اگر اُس کو مال ہبہ کیا گیا تو بہ نسبت مولیٰ کے اُس کے قرض خواہ اس کے حقدار ہوں گے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مدبر نے ہزار درم کسی کا مال تلف کر دیا پھر اُس کو مولیٰ نے آزاد کر دیا تو صاحب قرض کے[(۵)] واسطے کچھ ضامن نہ ہوگا اور اگر مولیٰ نے اُس کو آزاد نہ کیا بلکہ مدبر کو کسی شخص نے قتل کر ڈالا اور اُس کی قیمت تاوان ادا کر دی

---

۱ یعنی غلام مذکور کو آزاد کرے ۱۲ (۱) یعنی بعد آزادی کے غلام مذکور سے واپس نہیں لے سکتے ہیں ۱۲ (۲) یعنی اس کا ارش نہیں معلوم ہے ۱۲
(۳) یعنی تہائی میت ۱۲ (۴) اور زیادہ ہو تو اُس کے اوپر زیادہ کے واسطے بھی حکم ہوگا ۱۲ (۵) یعنی اُن کو مباح ہوگی ۱۲

حالانکہ مدبر نے بھی اپنی زندگی میں جنایت کی تھی پھر مولیٰ مر گیا اور اُس کا مال سوائے اِس قیمت کے نہیں ہے۔ تو قرض خواہ کو بہ نسبت صاحب جنایت کے قیمت پانے میں ترجیح ہے یہ شرح مبسوط میں ہے۔ اور اگر مدبر کو کسی نے غصب کر لیا اور اُس نے غاصب کے پاس جنایت کی تو مولیٰ اُس کی قیمت اور ارش دونوں میں سے کم مقدار کا ضامن ہوگا اور اُس کو غاصب[1] سے واپس لے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر کسی مدبر کو غصب کیا اور اس کے پاس مدبر نے ایک شخص کو عمداً قتل کرنے کا اقرار کیا اور کہا کہ یہ قتل مولیٰ کے پاس ہوا ہے تو مولیٰ کے پاس یہ قتل ہونا یا غاصب کے پاس ہونا دونوں طرح کا اقرار یکساں ہے اور جب مولیٰ کے پاس واپس دیئے جانے کے بعد وہ قصاص میں قتل کیا جائے تو غاصب پر اُس کی قیمت واجب ہوگی اور اگر دو ولی عمد میں سے ایک نے عفو کیا تو دوسرے کو کچھ نہ ملے گا اور اگر اُس نے غاصب کے پاس چوری کا اقرار کیا یا اسلام سے مرتد ہو گیا پھر مولیٰ کو واپس دینے کے بعد وہ ردت پر قتل کیا گیا تو غاصب پر اُس کی قیمت واجب ہوگی یا اگر ہاتھ کاٹا گیا تو غاصب پر نصف قیمت واجب ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص نے ایک مدبر کو غصب کیا اور اُس نے غاصب کے اس جنایت کی پھر اُس نے مولیٰ کو واپس دیا پھر دوبارہ غصب کیا پھر اُس نے غاصب کے پاس دوسری جنایت کی تو مولیٰ پر اُس کی قیمت واجب ہوگی جو دونوں اصحاب جنایت کے درمیان نصفا نصف ہوگی پھر غاصب سے اُس کی قیمت لے کر نصف قیمت اوّل کو دے گا پھر اُس کو دوبارہ غاصب سے واپس لے گا اور وہ مولیٰ کو مسلم رہے گی کذا فی شرح الجامع الصغیر للصدر الحسام رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اگر ایک شخص نے ایک مدبر غصب کیا اُس نے غاصب کے پاس جنایت کی پھر مولیٰ کو واپس دیا پھر اُس نے مولیٰ کے پاس دوسری جنایت کی تو مولیٰ پر اُس کی قیمت دونوں فریق جنایت کے واسطے نصفا نصف واجب ہوگی پھر مولیٰ اس کی قیمت کو ادا کرنے کے بعد نصف قیمت غاصب سے لے کر ولی اوّل کو دے دے گا پھر اُس کو دوبارہ غاصب سے واپس لے گا یہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نصف قیمت غاصب سے لے لے گا اور وہ مولیٰ کو مسلم رہے گی اور اگر اُس نے پہلے مولیٰ کے پاس جنایت کی ہو پھر غاصب کے پاس جنایت کی تو مولیٰ اُس کی قیمت ہر دو فریق وارثان جنایت کے درمیان نصفا نصف دے دے گا پھر غاصب سے نصف قیمت واپس لے کر ولی اوّل کو دے گا پھر بالاتفاق اُس کو غاصب سے واپس نہ لے گا یہ کافی میں ہے۔

اگر مدبر یا غلام غصب کیا اور اُس نے غاصب کے پاس مال تلف کیا ☆

اگر مدبر نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا پھر اُس کو ایک شخص نے غصب کر لیا اور غاصب کے پاس اُس نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا پھر اُس نے مولیٰ کو واپس کیا تو وہ غلام قصاص میں قتل کیا جائے گا اور مولیٰ پر واجب ہوگا کہ جو جنایت خطا سے اُس نے مولیٰ کے پاس کی تھی اُس کے عوض اُس کی قیمت مقتول کے وارث کو دے پھر غاصب سے اُس کی قیمت واپس لے گا اور اگر دو وارثان عمد میں سے ایک نے خون معاف کیا تو ایک وارث عمد و وارث خطا کے درمیان اُس کی قیمت چار حصے ہو کر تقسیم ہوگی یہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک تین تہائی تقسیم ہوگی پھر جس قدر وارث عمد نے اُس سے لیا ہے اُس کو غاصب سے لے کر وارث خطا کو دے دے گا۔ اور اگر اُس نے پہلے غاصب کے پاس عمداً قتل کیا پھر غاصب نے مولیٰ کو واپس دیا اور مولیٰ کے پاس اُس نے خطا سے ایک آدمی قتل کیا بعد ازانکہ ہر دو وارث عمد میں سے ایک وارث کو اُس کو خون معاف کر چکا ہے تو مولیٰ پر دو فریق کے مستحق وارثوں کے درمیان اُس کی قیمت اُسی حساب سے واجب ہوگی جیسے ہم نے بیان کی ہے پھر غاصب سے اُس قدر قیمت جو وارث عمد نے جس نے معاف نہیں کیا ہے وصول کی ہے مولیٰ لے کر اُسی وارث کو جس نے معاف نہیں کیا ہے آدھی قیمت غلام پوری کر دے گا پھر جس قدر میں نصف قیمت پوری کر دی ہے اُس کے مثل غاصب سے دوبارہ واپس لے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر مدبر نے غاصب کے پاس

[1] یعنی جس قدر مال اُس نے از راہ تاوان دیا ہے اس قدر غاصب سے واپس لے گا ۱۲

کسی کو قتل کیا اور مولیٰ نے اُس کی قیمت تاوان دے دی اور اُس کو غاصب سے لے لیا پھر اُس کو دوسرے غاصب نے غصب کیا اور اُس کے پاس بھی اُس نے کسی کو قتل کیا تو اُس کو وارث بھی اُسی قیمت میں جس کو پہلے نے وصول کیا ہے شریک ہو جائے گا پھر مولیٰ دوسرے غاصب سے نصف قیمت لے کر ولی مقتول اوّل کو دے دے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر مدبر نے غاصب کے پاس کسی شخص کو خطا سے قتل کیا اور اور مال تباہ کر دیا پھر اس کو کسی آدمی نے خطا سے قتل کیا تو قاتل کی مددگار برادری پر واجب ہوگا کہ اس کی قیمت اس شخص کو جس کا مال تباہ کیا ہے دے دے اور مولیٰ پر واجب ہوگا کہ بسبب جنایت کے اُس کی قیمت وارث جنایت کو دے دے پھر اس کو سب کو غاصب سے واپس لے گا اور اگر مدبر یا غلام غصب کیا اور اُس نے غاصب کے پاس مال تلف کیا پھر اُس نے مولیٰ کو واپس کیا اور وہ مر گیا تو جس کا مال تلف کیا ہے اُس کو کچھ نہ ملے گا اس واسطے کہ اُس کے حق کا محل فوت (۱) ہو گیا ہے اور محل حق کمائی ہوتی ہے یا رقبہ کی مالیت اور مولیٰ کا بھی غاصب پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر واپس دینے سے پہلے وہ غاصب کے پاس مر گیا تو غاصب پر اُس کی قیمت واجب ہوگی پھر جب مولیٰ اُس کو وصول کر لے تو قرض خواہوں کو دے دے گا پھر اُس کے مثل مولیٰ دوبارہ غاصب سے واپس لے گا اور اگر وہ مولیٰ ؎۱ کے پاس خطا سے قتل کیا گیا تو قاتل کی مددگار برادری پر قرض خواہوں کے واسطے اُس کی قیمت واجب ہوگی جس کو مولیٰ وصول کر کے قرض خواہوں کو دے دے گا پھر اس قیمت کو غاصب سے واپس لے گا اور اگر مدبر نے مولیٰ کے پاس مال تلف کر دیا پھر اُس کو غاصب نے غصب کر لیا اور اُس کے پاس مدبر نے راہ میں کنواں کھودا پھر اُس نے مولیٰ کو واپس کر دیا پھر اُس کو کسی شخص نے خطا سے قتل کیا اور اُس کی قیمت مولیٰ کو تاوان دے دی اور اس قیمت کو قرض خواہوں نے لے لیا پھر کنویں میں ایک چوپایہ گر کر مر گیا تو اُس کا مالک صاحب قرض کے ساتھ جس نے وصول کی ہے قیمت میں حصہ رسد شریک ہو جائے گا پھر مولیٰ اس کو غاصب سے واپس لے کر اُس کو صاحب قرضہ کو دے دے گا پھر اگر دوسرا آدمی کنویں میں گر کر مر گیا تو مولیٰ پر مدبر کی قیمت واجب ہوگی اور اُس کو غاصب سے واپس لے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر مدبر نے غاصب کو یا اُس کے مملوک کو یا ایسے شخص کو جس کا غاصب وارث ہو سکتا ہے قتل کیا تو خون ہدر ؎۲ ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر مدبر کے دو مولاؤں میں سے ایک نے اس کو غصب کر لیا اور اُس کے پاس مدبر نے کسی کو خطا سے قتل کیا پھر اُس کو واپس کر دیا پھر اُس نے کسی شخص کو عمداً کیا اور مقتول کے دو وارث ہیں اُن میں سے ایک نے خون معاف کیا تو دونوں پر اُس کی پوری قیمت واجب ہوگی جس میں سے تین چوتھائی وارث مقتول خطا کو اور ایک چوتھائی اُس وارث عمد کو جس نے خون معاف نہیں کیا ہے ملے گی پھر جس مولیٰ نے غصب نہیں کیا ہے۔ وہ غصب کرنے والے سے تین چوتھائی قیمت مدبر کا نصف لے لے گا یعنی جس قدر اُس نے وارث مقتول خطا کو تاوان دیا ہے لے لے گا پھر اس میں سے وارث خطا کو آٹھواں حصہ غلام کی قیمت کا دے دے گا اور پھر مولائے غاصب سے ' ر کو واپس لے گا یہ شرح مبسوط میں ہے۔ اور ذمی کا مدبر غلام ان سب احکام میں مثل مدبر غلام مسلمان کے ہے اور ذمی کے غلام مدبر کی جنایت اُس کے مولیٰ پر ہوگی لیکن مولیٰ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے مدبر ذمی مذکور پر سعایت کا حکم دیا جائے گا حتیٰ کہ اُس کا حکم مثل حکم مکاتب کے ہوگا اسی طرح حربی مستامن کے مدبر کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن اگر حربی مذکور نے اُس کو دارالاسلام میں مدبر کیا پھر وہ دارالحرب میں واپس گیا اور وہاں مسلمانوں نے ملک فتح کر کے اُس کو قید کیا تو مدبر آزاد ہو جائے گا اور وہ فئے مسلمان ہو گا اور مدبر نے جو جنایت اُس کی قید ہو جانے کے بعد کی ہے اُس کا وہ ضامن نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر ام ولد نے عمداً اپنے

؎۱ مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک غاصب کی جگہ ولی کا لفظ صحیح ہے ۱۲ ؎۲ رائیگاں و مفت ہے یعنی قصاص و دیت کچھ واجب نہ ہوگا ۱۲

(۱) یعنی غلام یا مدبر ۱۲

مولیٰ کو قتل کیا پس اگر مولیٰ کا اُس سے کوئی بچہ نہ ہو تو ام ولد مذکورہ پر قصاص واجب ہوگا اور اُس پر سعایت واجب نہ ہوگی بسبب اس کے کہ وہ آزاد ہوگئی ہے اور اگر مولیٰ کی اُس سے اولاد ہو تو اُس پر قصاص واجب نہ ہوگا پھر وہ اپنی پوری قیمت کے واسطے سعایت کرے گی یہ محیط میں ہے اور اگر مولیٰ کو اس کے ام ولد نے عمداً قتل کیا اور وہ مولیٰ سے حاملہ ہے اور اُس کا کوئی بچہ نہیں ہے تو اُسپر قصاص واجب نہ ہوگا پس اگر ام ولد پیٹ کے بچہ کو زندہ جنی تو تمام وارثوں کے واسطے ام ولد مذکورہ پر اُس کی قیمت واجب ہوگی اور اگر مردہ بچہ جنی تو اُسپر قصاص واجب ہوگا اور اگر کسی شخص نے اُس کے پیٹ میں صدمہ پہنچایا کہ وہ بچہ مردہ ساقط ہوا تو مارنے والے پر غرہ واجب ہوگا اور ام ولد کو اس غرہ میں سے میراث ملے گی اور وہ لوگ اُس کی میراث سے محروم نہ ہوں گے اس واسطے کہ انہوں نے اس کو حق پر قتل کیا(۱) ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر ام ولد نے اپنے مولیٰ کو اور ایک اجنبی کو عمداً قتل کیا اور مولیٰ سے اُس کے کوئی اولاد نہیں ہے پھر مولیٰ کے دو وارثوں میں سے ایک نے اور اجنبی کے دو وارثوں میں سے ایک نے اُس ام ولد کو ساتھ ہی خون معاف کیا تو ام ولد پر اُس کی نصف قیمت ہر دو وارثان باقی کے واسطے واجب ہوگی اور یہ قیمت اسی کے مال سے واجب ہوگی مولیٰ پر واجب نہ ہوگی اور اگر دونوں معاف کرنے والوں نے آگے پیچھے معاف کیا تو بالاتفاق اپنی تین چوتھائی قیمت کے واسطے سعایت کرے گی پھر امام اعظمؒ کے نزدیک یہ تین چوتھائی قیمت بطریق عول و مضاربت کے تقسیم ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک بر سبیل منازعت کے تقسیم ہوگی اور واضح ہو کہ بر سبیل منازعت کے اس مسئلہ کی تخریج اس طرح پر ہے کہ دو ولی مولیٰ میں سے ایک ولی کے واسطے جو نصف قیمت واجب ہے اس میں سے چوتھائی قیمت پر دو ولی اجنبی میں سے ایک ولی کے تعلق سے فارغ ہے پس وہ ولی مولیٰ کو بلا منازعت دے دی جائے گی اور چوتھائی(۲) قیمت جو نصف واجب سے زائد ہے وہ مستحق ولی اجنبی کو بلا منازعت دے دی جائے گی اور باقی رہی ایک چوتھائی قیمت اس میں دونوں منازعت یکساں ہیں پس دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہوگی پس ہر دو مستحق میں سے ہر ایک کا حصہ قیمت کا تین(۳) آٹھواں حصہ ہوا اور بطریق عول و مضاربت کے اس کی تخریج اس طرح ہے کہ نصف قیمت جو اوّل کے واسطے واجب ہوئی اُس میں دو حق مجتمع ہوئے ایک حق مولیٰ اُس کے پورے کے حساب سے اور حق دیگر اُس کے نصف کے حساب سے پس اس میں ہر ایک بمقدار اپنے حق کے شریک کیا جائے گا پس اُس کے تین حصے ہو کر دو حصہ اوّل کو اور ایک حصہ دوسرے کو ملے گا اور پھر وہ چوتھائی قیمت کا مستحق ہوا ہے اور یہ چھٹا حصہ اور چھٹے کا نصف ہے پھر اس کو پہلے حصہ کی طرف ملانے سے اُس کے واسطے دو تہائی قیمت[1] اور بارھواں حصہ قیمت ہوگیا اور اگر ام ولد نے اپنے مولیٰ کو قتل کیا اور مولیٰ کا اُس سے کوئی بچہ ہے اور ایک اجنبی کو بھی قتل کیا اور اُس کے دو وارث ہیں پس ایک نے اُس کو عفو کیا تو ام ولد مذکور اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے گی جس میں سے دو تہائی وارثان مولیٰ کو ملے گی اور ایک تہائی اجنبی کے وارث کو جس نے عفو نہیں کیا ہے ملے گی یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تین چوتھائی وارثان مولیٰ کو ملے گی اور اجنبی کے وارث کے عفو کرنے سے پہلے وارثان مولیٰ نے قیمت بحکم قاضی لے لی تو وارثان اجنبی کو اُس میں شرکت کرنے کا اختیار ہے اور ام ولد مذکورہ کے دامنگیر نہ ہوں گے اس واسطے کہ جو کچھ اُس پر واجب تھا اُس نے ادا کر دیا اور اسی طرح اگر

---

[1] قال المترجم قیمت سے مراد وہ مقدار ہے جو واجب ہے یعنی تین چوتھائی میں سے دو تہائی اور بارھواں حصہ کل قیمت کا مراد ہے پس بیان میں ایک نوع اغلاق ہے کما لایخفیٰ اور مفصل یہ ہے کہ فرض کرو کہ (۱۲) کل قیمت ہے اُس میں تین چوتھائی یعنی (۹) کل واجب ہے پس نصف قیمت (۹) ہیں دونوں وارثان مستحق کی منازعت ہے اور بنابر بیان کتاب کے اوّل کو دو تہائی اور دوم کو ایک دیا جائے گا کہ اوّل کے (۴) اور دو کے (۲) وئے مگر بنابر بیان کتاب کے وہ چوتھائی قیمت کا بھی مستحق ہے یعنی (۲) کا پس اس قدر اُس کے حصہ میں ملایا گیا تو (۴) اور (۳) ملا کر (۷) ہوئے پس یہ دو تہائی قیمت اور نصف مسدس ہے یعنی واجبہ قیمت (۹ کی دو تہائی (۶) ہے اور باقی رہا ایک سو کل قیمت کا چھٹا حصہ (۲) ہے اُس کا نصف ایک ہے یعنی کل قیمت کا بارھواں حصہ ہے ہذا ۱۲ منہ

مترجم ۱۲ (۱) ناحق نہیں قتل کیا ہے ۱۲ (۲) یعنی کل قیمت کی چوتھائی یعنی نصف کی آدھی ۱۲ (۳) اور مجموعہ میں چوتھائی ہوا اور یہی واجب تھی ۱۲

بغیر حکم قاضی لے لی ہو تو بھی صاحبینؒ کے نزدیک یہی حکم ہے مگر امام اعظمؒ کے نزدیک اُن کو اختیار ہوگا اور اگر اجنبی کے وارث کے عفو کرنے کے بعد انہوں نے لے لی ہو تو صحیح یہ ہے کہ وارث اجنبی کو اختیار (۱) ہوگا چاہے وارثان مولیٰ نے بحکم قاضی لی ہو یا بدون حکم قاضی وصول کر لی ہو یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے بحکم قاضی لینے کی صورت اور بغیر حکم قاضی لینے کی صورت دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر مدبر و مکاتب وام ولد و غلام سب نے متفق ہو کر ایک شخص کو قتل کیا پس ہر ایک نے چوتھائی جان تلف کی ہے پس مولائے غلام سے کہا جائے گا کہ اس کو دے دیا یا چوتھائی دیت اس کا فدیہ دے اور مکاتب اپنی قیمت اور چوتھائی دیت دونوں میں سے کم مقدار کے واسطے سعی کرے گا اور مولائے مدبر وام ولد پر ہر ایک کی قیمت اور چوتھائی دیت میں سے کم مقدار کے واسطے سعی کرے گا اور مولائے مدبر وام والد پر ہر ایک کی قیمت چوتھائی دیت میں سے کم مقدار واجب ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

فصل سوم ☆

مکاتب کی جنایت و جنایت کا اقرار کرنے کے بیان میں

مکاتب نے اگر ایسی جنایت کی جس سے مال واجب ہوتا ہے تو جو مال مکاتب ہی پر ہوگا اُس کے مولیٰ پر نہ ہوگا یہ بالا جماع ہے ہمارے علماء میں اس میں اختلاف نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر مکاتب نے خطا سے جنایت کی تو اُس پر واجب ہے کہ اپنی قیمت جو جنایت کے روز تھی اور مقدار ارش جنایت میں سے جو کم مقدار ہو ادا کرے یہ شرح مبسوط میں ہے۔ اگر مکاتب نے جس کی قیمت دس ہزار درم یا زیادہ ہے کسی شخص کو قتل کیا تو دس درم کم دس ہزار درم کے واسطے سعایت کرے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر وارث جنایت اور مکاتب نے مکاتب کے روز جنایت کی قیمت میں اختلاف کیا تو مکاتب کا قول قبول ہوگا یہ حاوی میں ہے۔ اسی طرح اگر مکاتب کی آنکھ پھوڑی گئی پس مکاتب نے کہا کہ میری آنکھ پھوڑی جانے کے بعد میں نے جنایت کی ہے تو قول اُسی کا قبول ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر حاکم نے جنایت کے عوض مال کا حکم دیا تو مکاتب کے ذمہ بطور قرضہ ہو جائے گا ☆

مکاتب کے نفس جنایت کرنے سے امام اعظمؒ و امام محمدؒ و دوم قول امام ابو یوسفؒ کے موافق یہی واجب ہوتا ہے کہ وہ دے دیا جائے اور اس واجب کی تحویل مال کی جانب تین باتوں میں سے ایک بات کے پائے جانے سے ہوتی ہے یا تو قاضی نے مال کا حکم دیا ہو یا مال پر صلح ہو گئی ہو یا بسبب عتق ے یا وفائے کتاب کے لائق مال چھوڑ کر مکاتب کے مرنے سے اس کے دیئے جانے سے یاس[1] ہو جائے پس اگر مکاتب نے جنایت کی اور عاجز ہو کر پھر رقیق[2] ہو گیا پس اگر قاضی کے مال کا حکم دینے سے یا مال پر باہمی صلح ہونے سے پہلے وہ عاجز ہو گیا ہو تو مولیٰ سے کہا جائے گا کہ اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے اگر بعد قاضی کے مال کا حکم دینے یا باہمی مال پر صلح کرنے کے وہ عاجز ہوا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ و دوم قول امام ابو یوسفؒ کے موافق وہ اس مال کے واسطے فروخت کیا جائے گا اور خود دیا نہ جائے گا یہ محیط میں ہے اور اگر حاکم نے جنایت کے عوض مال کا حکم دیا تو مکاتب کے ذمہ بطور قرضہ ہو جائے گا اور اُس کی

---

[1] یاس بمعنی ناامیدی ۱۲ [2] یعنی جس قدر مال اس کے ذمہ بدل کتاب قرار پایا تھا اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو کر مملوک ہو گیا ۱۲

(۱) یا تو مولیٰ کے وارثوں کے ساتھ شریک ہو جائیں یا ام ولد سے وصول کریں پھر ام ولد ان کا حصہ جو اس نے ادا کر دیا ہے وارثان مولیٰ سے واپس کرے ۱۲ن

گردن پر سے ساقط ہو جائے گا اور قتل ایسے حکم کے اُس کی (۱) گردن پر ہوگا یہ حاوی میں ہے۔ اور اگر مکاتب نے چند جنایتیں کیں پھر اس کے مالک نے اُس کو آزاد کر دیا تو مکاتب پر اُس کی قیمت وارش جنایت سے کم مقدار اُس کے ذمہ قرضہ ہو جائے گی۔ اور اگر اُس پر اس مال کا حکم دیا گیا اور اُس نے بعض کا حق ادا کیا تو جو اُسے کیا ہے وہ جائز ہوگا اور دوسرے والیان جنایت اُس کے اس مال میں شریک نہ ہوں گے اور اگر اُس پر جنایت کی ڈگری نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ عاجز ہو گیا پھر مولیٰ نے اُس کو آزاد کر دیا پس اگر جنایت سے آگاہ ہو کر آزاد کیا تو وہ فدیہ اختیار کرنے والا ہوا اور اگر آگاہ نہ تھا تو اُس نے اُس کے رقبہ کو تلف کیا اس واسطے اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر مکاتب نے ایک شخص کو قتل کیا اور ہنوز اُس پر کچھ ڈگری نہ کی گئی یہاں تک کہ وہ عاجز ہو گیا اور اُس پر قرضہ ہے اور مولیٰ نے اُس کو جنایت میں دے دیا تو قرض خواہ اُس کو قرضہ میں فروخت کرا سکتا ہے اور اگر مولیٰ نے اُس کا فدیہ دے دیا تو قرضہ میں فروخت کیا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مکاتب نے خطا سے دوسری جنایت کی پس اگر قاضی نے دوسری جنایت کرنے سے پہلے اُس پر اُس کی قیمت وارش جنایت میں سے کم مقدار کا حکم دیا ہو تو اُس پر دوسرے مقتول کے وارث کے واسطے بھی اُسی قدر واجب ہوگا جس قدر پہلے کے واسطے واجب ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اسی طرح جو جنایت پہلی جنایت کے واسطے حکم ہو جانے کے بعد اُس سے صادر ہو اُس کا یہی حکم ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر قاضی نے اُس پر جنایت اوّل کی واسطے حکم نہ دیا ہو یہاں تک کہ اُس نے دوسری جنایت کی تو اُس پر واجب ہوگا کہ دونوں کے واسطے اپنی قیمت اور ہر دو جنایت کے ارش سے کم مقدار کے واسطے سعایت کرے اور یہ قیمت دونوں میں مشترک ہوگی اور یہ امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ و دوم قول امام ابو یوسفؒ کا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

ہر جنایت میں مکاتب کے روز جنایت کی قیمت کی طرف لحاظ کیا جائے گا اور بعد جنایت کے اگر اُس کی قیمت زیادہ ہو جائے تو اُس کا لحاظ و اعتبار نہ ہوگا اور اگر مکاتب نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا اور راہ میں ایک کنواں کھودا اور راہ میں کوئی مرنا جائز پیدا کر دیا پھر کنویں میں ایک آدمی گر کر مر گیا پھر قاضی نے اُس پر کنویں میں گرنے (۲) والے اور مقتول کے واسطے اس کی قیمت کی ڈگری کی اور دونوں کے واسطے اُس نے سعایت[1] کی پھر جو اُس نے راہ میں پیدا کر دیا ہے اُس سے کوئی آدمی تلف ہوا تو وہ بھی پہلے والوں کے ساتھ اِس قیمت میں شریک ہو جائے گا اور اسی طرح اگر کنویں میں دوسرا آدمی گر کر مر گیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر اُس نے دوسرا کنواں کھودا اور اس میں کوئی آدمی گر کر مر گیا تو قاضی اُس پر دوسری قیمت کی ڈگری کرے گا اور اگر پہلے کنویں میں کوئی گھوڑا گر کر مر گیا تو اُس پر اُس کی قیمت واجب ہوگی وہ اُس کے ذمہ قرضہ رہے گی کہ اُس کے واسطے وہ سعایت کرے گا چاہے جس قدر ہو اور اصحاب جنایات اس کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے ہیں یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر مکاتب نے کسی کو خطا سے قتل کیا اور اس وقت اُس کی قیمت ہزار درم تھی اور ہنوز اُس پر کچھ حکم نہ دیا گیا تھا کہ اُس نے دوسرے کو خطا سے قتل کیا اور اُس وقت اُس کی قیمت دو ہزار درم تھی پھر قاضی کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو وہ مکاتب پر حکم کرے گا کہ دو ہزار درم کے واسطے سعایت کرے جس میں سے ایک ہزار درم جو قیمت میں بڑھ گئے ہیں خاصۃً مقتول ثانی کے وارث کے ہوں گے اور ایک ہزار درم جنایت اولیٰ کے وقت کی قیمت میں اوّل وثانی دونوں کے ولی بقدر اپنے حق کے شریک ہوں گے اور ولی مقتول ثانی کا حق نو ہزار درم ہوگا اس واسطے کہ ایک ہزار درم اس کو مل چکے ہیں اور ولی اوّل کا حق پورا دس ہزار درم کا ہوگا پس ہزار درم کے انیس حصے کئے جائیں گے جس میں سے دس حصے اوّل کو اور نو حصے دوم کو ملیں گے پس سعایت سے جو کچھ حاصل ہوگا نصف خاصۃً دوسرے کا ہوگا اور باقی ایک نصف میں انیس حصے ہو کر اوّل و دوم بقدر اپنے اپنے حق کے لے لیں گے یہ محیط میں ہے۔ مکاتب نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا اُس وقت اُس کی قیمت دو ہزار درم تھی پھر کانا ہو گیا پھر

---

[1] یعنی مشقت کر کے اس قدر مال جو اُس پر واجب تھا حاصل کر دیا ۱۲ (۱) یعنی مکاتب اس میں دیا جائے گا ۱۲ (۲) یعنی دونوں کے وارثوں کے واسطے ۱۲

اُس نے دوسرے کو خطا سے قتل کیا اُس وقت اُس کی قیمت ہزار درم تھی تو اُس پر دو ہزار درم کی ڈگری ہوگی جن میں سے ایک ہزار درم خاصۃً اوّل کے ہوں گے اور باقی ہزار درم دونوں میں اپنے اپنے حق کے موافق مشترک ہوں گے اور اوّل کا حق بحساب نو ہزار درم کے اور دوسرے کا بحساب دس ہزار درم کے ہوگا پس ہزار درم دونوں میں انیس حصے ہوکر تقسیم ہوں گے جس میں سے دس حصے دوسرے کے اور نو حصے اوّل کے ہوں گے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ مکاتب نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا پھر دوسرے کو خطا سے قتل کیا پھر پر اُس ایک جنایت کے مقدمہ میں حکم دیا گیا پھر اُس نے تیسرے کو خطا سے قتل کیا تو جس کے نام ڈگری ہوئی ہی اُس کے واسطے نصف قیمت جس کی ڈگری ہوئی ہے ہوگی پھر تیسرے کے واسطے غلام کی نصف قیمت کی ڈگری ہوگی وہ خاصۃً اس کی ہوگی پھر جس کے نام کچھ ڈگری نہیں ہوئی ہے اس کے نام نصف قیمت کی ڈگری اس طرح ہوگی کہ وہ اُس کے اور تیسرے کے درمیان تین تہائی ہو کہ جس میں سے دو تہائی دوسرے کو اور ایک تہائی تیسرے کو ملے گی یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر مکاتب نے دو آدمیوں کو خطا سے قتل کیا پس ایک کے واسطے نصف قیمت کی ڈگری کی گئی اور دوسرا غائب ہے۔ پھر مکاتب نے تیسرے کو خطا سے قتل کیا پھر عاجز ہوکر رقیق کر دیا گیا تو مولیٰ کو اختیار دیا جائے گا چاہے اُس کو دے دے یا اُس کا فدیہ دے دے پس اگر اس نے دینا اختیار کیا تو مذکور ہے کہ نصف ولی مقتول ثالث کو دے دے گا پھر یہ نصف بعوض اُس نصف قیمت کے جس کی ڈگری ولی مقتول اوّل کے نام ہوئی فروخت کیا جائے گا اور دوسرا آدھا قتیل ثالث اور ثانی کے وارثوں کے درمیان بقدر اُن دونوں کے حقوق کے تقسیم ہوگا اور دوسرے کا حق بحساب دس ہزار کے ہے اور تیسرے کا بحساب پانچ ہزار کے ہے۔ پس دوسرا نصف ان دونوں میں تہائی ہوگا کہ نصف کا دو تہائی دوسرے کے وارث کو اور ایک تہائی تیسرے کے وارث کو ملے گا اور اگر اُس نے فدیہ دینا اختیار کیا تو دوسرے کو دس ہزار درم اور تیسرے کو بھی دس ہزار درم فدیہ دے گا اور غلام مذکور دوم وسوم کے حق سے پاک ہو جائے گا اور اوّل کے واسطے غلام کی نصف قیمت غلام پر قرضہ رہے گی پس مولیٰ سے کہا جائے گا کہ یا تو اس کا قرضہ ادا کر دے یا غلام تیری طرف سے فروخت کیا جائے گا پھر جب مولیٰ نے قرضہ ادا نہ کیا حتیٰ کہ بیع کرنا واجب ہوا تو مشائخ نے فرمایا ہے کہ پورا غلام اُس کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا نہ آدھا بخلاف اس کے اگر دوسرے کے واسطے نصف قیمت کا حکم دیا گیا اور مولیٰ نے باقی دونوں کو فدیہ دے دیا کہ اس صورت میں اگر مولیٰ نے قرضہ غلام ادا نہ کیا حتیٰ کہ قرضہ کے عوض غلام کا فروخت کرنا لازم آیا تو نصف غلام فروخت کیا جائے گا پورا نہیں فروخت کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر مکاتب نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا اور اُس کے دو وارث ہیں پس اُس پر قاضی نے ایک کے واسطے نصف قیمت کی ڈگری کر دی اور دوسرے کے واسطے کچھ حکم نہ کیا پھر اُس نے دوسرے کو قتل کیا اور دوسرے نے آکر قاضی سے نالش کی اور مکاتب ہنوز مکاتب ہے تو اس کے واسطے تین چوتھائی قیمت کی ڈگری کر لے گا پھر اگر مکاتب عاجز[1] ہوگیا اور درمیانی شخص آیا تو مولےٰ اس کو چوتھائی غلام دے دے گا اور نصف دیت اس کا فدیہ دے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر مکاتب نے جنایت کی پھر مر گیا پس اگر اُس پر جنایت کا حکم ہونے سے پہلے عاجز ہوکر مرا ہے اور سو درم چھوڑے ہیں حالانکہ کتابت کا مال اس سے زیادہ ہے تو جنایت باطل ہوگی اور سو درم جو اُس نے چھوڑے ہیں وہ مولیٰ کو ملیں گے اور اگر اُس پر جنایت کا حکم ہو جانے کے بعد مرا ہے تو جس قدر اُس نے چھوڑا ہے اُس میں سے جنایت کا حق ادا کیا جائے گا۔ اور اگر اُس پر جنایت کا حکم ہو جانے کے بعد مال اس سے پہلے وہ اس قدر مال چھوڑ مرا جس سے کتابت ادا ہو جائے تو جنایت باطل نہ ہوگی بلکہ پہلے اس مال سے جنایت پھر کتابت ادا کی جائے گی پھر اگر کچھ مال باقی رہا تو وارثان مکاتب کو ملے گا۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ مکاتب پر سوائے جنایت کے اور قرضہ نہ ہو اور اگر سوائے جنایت کے اُس پر اور قرضہ

[1] یعنی اس قدر مال ادا کرنے سے جو اُس پر واجب الادا تھا ۱۲

ہو اور اُس نے اس قدر چھوڑا ہے کہ جس سے قرض و جنایت و کتابت ادا ہو سکتی ہے پس اگر اُس پر جنایت کا حکم ہو جانے کے بعد مرا ہے تو ولی جنایت قرض خواہوں کی راہ پر ان کا شریک ہوگا اور قرضے جنایت پر مقدم نہ ہوں گے پس پہلے سب قرضے مع جنایت ادا کیے جائیں گے پھر اگر کچھ باقی رہا تو وارثان مکاتب کا ہوگا اور اگر قاضی نے اُس پر جنایت کا حکم نہ کیا ہو یہاں تک کہ وہ مر گیا تو جنایت پر قرضے مقدم ہوں گے اور یہ سب اس وقت ہے کہ جب مکاتب نے اس قدر چھوڑا ہو کہ جس سے قرض و جنایت و کتابت سب ادا ہو سکتے ہیں اور اگر کتابت ادا نہ ہو سکے بلکہ فقط قرضے اور جنایت ادا ہو سکتی ہے پس اگر مکاتب کی موت سے پہلے قاضی نے اُس پر جنایت کا حکم دے دیا ہو تو جنایت باطل نہ ہوگی اور اس کی کمائی سے قرضے و جنایت سب ادا کیے جائیں گے اور اگر قاضی نے اُس پر قبل موت کے جنایت کا حکم نہ دیا ہو تو باطل ہو جائے گی اور اُس کی کمائی سے قرضہ ادا کیے جائیں گے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر مکاتب مر گیا اور اُس نے ایسی اولاد چھوڑی جو کتابت کی حالت میں اُس کی باندی سے پیدا ہوئی ہے اور اُس پر قرضہ ہے اور جنایت ہے خواہ جنایت کا حکم قاضی نے دے دیا ہے یا نہیں دیا ہے تو اس کا فرزند قرضہ و جنایت و کتابت سب کے واسطے سعایت کرے گا اور ان میں سے کسی کے اولاً ادا کرنے کی بابت اُس پر جبر نہ کیا جائے گا اور اگر اُس پر جنایت کا حکم ہو جانے کے بعد اُسکا فرزند عاجز ہو گیا اور رقیق کر دیا گیا تو فروخت کیا جائے گا اور اُس کا ثمن قرض خواہوں و اولیاء جنایت کے درمیان حصہ رسد تقسیم ہوگا اگر جنایت کا حکم ہونے سے پہلے عاجز ہو گیا تو جنایت باطل ہو جائے گی پھر قرضہ کے واسطے فروخت کیا جائے گا اور اگر مکاتب کی موت کے وقت اُس کی ام ولد زندہ ہو اور مکاتب پر قرضہ نہ ہو اور اُس پر جنایت کا حکم ہو گیا ہے یا نہیں ہوا ہے تو ماں و بچہ دونوں پر مکاتب کی قیمت وارش جنایت مع بدل کتابت میں سے جو کم مقدار ہو اُس کے واسطے سعایت واجب ہوگی اور اگر دونوں پر اِس کا حکم دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو حتیٰ کہ ان میں سے کسی نے خطا سے کسی کو قتل کیا تو اس جنایت کرنے والی پر وارث مقتول کے واسطے اُس کی قیمت کا حکم ہوگا سوائے اُس مال کے جو دونوں پر جنایت مکاتب کے ولی کا واجب ہے پھر اس کے بعد اگر دونوں عاجز ہو گئے تو ہر ایک اپنی جنایت کے واسطے خاصۃً فروخت کیا جائے گا پھر اگر اُس کے ثمن میں سے اُس کی جنایت کے ولی کو دے کر کچھ باقی رہا تو مکاتب کی جنایت کے ولی کو ملے گا یہ مبسوط میں ہے۔

ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہے پھر ایک نے اُس کو بدون اجازت دوسرے شریک کے مکاتب کر دیا ☆

ایک مکاتبہ نے جنایت کی پھر اس کے بچہ پیدا ہوا پھر وہ عاجز ہو گئی اور ہنوز اُس پر جنایت کا حکم نہیں کیا گیا ہے تو وہ اکیلی دے دی جائے گی اور اگر مکاتبہ پر ڈگری کی گئی ہو پھر اُس کے بچہ پیدا ہوا ہو تو وہ فروخت کی جائے گی پس اگر اُس کے ثمن میں جنایت کا پورا پڑا تو خیر ورنہ اُس کا بچہ بھی فروخت کیا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مکاتبہ مر گئی اور اُس نے سو درم اور ایک بیٹا جس کو وہ حالت کتابت میں جنی ہے چھوڑا اور مکاتبہ پر قرضہ ہے اور اُس نے خطا سے کسی کو قتل کیا ہے خواہ جنایت کا حکم اُس پر ہو چکا ہے یا نہیں ہوا ہے تو اُس کے بیٹے پر حکم دیا جائے گا کہ جنایت اور کتابت کے واسطے سعایت کرے پھر یہ سو درم اہل جنایت و اہل قرضہ کے درمیان حصہ رسد تقسیم ہوں گے اور اگر بیٹے نے کچھ قرضہ لیا اور کوئی جنایت کی اور اُس پر اس کا مع اُس کے جو اُس پر اُس کی ماں کی جنایت و قرضہ کا حکم دیا گیا ہے حکم کیا گیا تو اس پر واجب ہوگا کہ اس سب کے واسطے سعایت کرے پھر اگر وہ عاجز[1] ہو گیا تو خاصۃً اپنے قرضہ و جنایت کے واسطے فروخت کیا جائے گا پھر اگر اُس کے ثمن سے کچھ بچ رہا تو اُس کی ماں کے قرضہ و جنایت میں حصہ رسد دیا جائے گا اور اگر اُس پر اُس کے جنایت کا حکم ہونے سے پہلے وہ عاجز ہو گیا تو اُس کا مولیٰ اس جنایت کے عوض اُس کو دے دے گا یا اُس کا فدیہ دے دے گا اور اگر اُس کو دے دیا تو فقط اُس کے قرض خواہ پیچھا کر کے اُس کو فروخت کرا دیں گے اور اُس کی ماں کے قرض

[1] یعنی ادائے بدل کتابت سے ۱۲

خواہ واہل جنایت اُس کا پیچھا نہیں کر سکتے ہیں پھر اُس کے ثمن میں سے کچھ باقی رہا تو اُس کی ماں کے قرض خواہ واہل جنایت کو اُس کے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور اگر مولیٰ نے اُس کے فدیہ دے دیا تو وہ جنایت سے پاک ہو گیا پس اپنے قرضہ کے واسطے فروخت کیا جائے گا پھر اگر اُس کے ثمن میں سے کچھ باقی رہا تو اُس کی ماں کے قرضہ و جنایت میں دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔ ایک مکاتب نے تین آدمیوں کو خطا سے قتل کیا پھر ایک کے وارث نے اُس کو اپناہ حصہ ہبہ کیا پھر وہ عاجز ہوا تو تہائی غلام مولیٰ کو دیا جائے گا اور دو تہائی غلام کو چاہے مولیٰ دے دے یا اُس کا فدیہ دے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مکاتب نے ایک شخص کو عمداً قتل کیا اور اُس کے دو وارث ہیں پس ایک نے اُس کو معاف کر دیا تو دوسرے کے واسطے نصف قیمت کے لئے سعایت کرے گا یہ مبسوط میں ہی۔ ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہے پھر ایک نے اُس کو بدون اجازت دوسرے شریک کے مکاتب کر دیا پھر اُس نے جنایت کی تو اپنے نصف کے واسطے سعایت کرے گا اور شریک اُس کے نصف اور نصف ارش سے کم مقدار کا ضامن ہوگا اگر اُس نے کتابت ادا نہ کی ہو یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر غلام دو شخصوں میں مشترک ہو پھر ایک نے اپنا حصہ بدون اجازت دوسرے کے مکاتب کر دیا پھر اُس نے جنایت کی پھر ادا کر کے آزاد ہو گیا تو مکاتب پر اُس کی نصف قیمت و نصف ارش میں سے کم مقدار کا حکم دیا جائے گا اور جس شریک نے اُس کو مکاتب نہیں کیا ہے وہ مکاتب کی کمائی سے جو اُس نے مکاتب کرنے والے شریک کو دی ہے نصف لے لے گا پھر مکاتب کرنے والا اس قدر مکاتب سے واپس لے گا پھر جس نے مکاتب نہیں کیا ہے اُس کو اختیار ہے آزاد کر دے اور چاہے غلام سے سعایت کرا دے اور چاہے شریک سے ضمان لے (۱) اور ان صورتوں میں سے جو اُس نے اختیار کی اور قبضہ کیا تو وہ مکاتب کی نصف قیمت اور نصف ارش جنایت میں سے کم مقدار کا ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر اُس نے شریک کی اجازت سے مکاتب کیا ہو تو بھی یہی حکم ہے لیکن اس صورت میں شریک مکاتب کنندہ پر ضمان نہیں ہو سکتی ہے یہ امام اعظمؒ کا قول ہے۔ اور اگر مکاتب نے قبل اُس کے آزاد ہو جانے کے جنایت کی خصومت کی گئی اور اُس پر نصف ارش جنایت کا حکم دیا گیا پھر وہ کتابت سے عاجز ہوا تو جس قدر مال کی اُس پر ڈگری ہوئی ہے اُس کے واسطے اُس کا نصف فروخت کیا جائے گا اور وہ نصف اُس کا حصہ ہے جس نے مکاتب کیا ہے اور جس نے مکاتب نہیں کیا ہے اُس سے کہا جائے گا کہ اتنا حصہ جرمانہ جنایت میں دے دے یا نصف ارش اُس کا فدیہ دے یہ حاوی میں ہے۔ اور اگر ہر دو شریک میں سے ایک نے بقدر اپنے حصہ کے مکاتب کیا پھر مکاتب نے ایک غلام خریدا پھر غلام نے کوئی جنایت کی پھر مکاتب نے مال کتابت ادا کر دیا اور آزاد ہو گیا تو مکاتب خرید کرنے والے اور جس نے مکاتب نہیں ہے دونوں کو اختیار دیا جائے گا چاہیں اُس کو دے دیں اور چاہیں اُس کے فدیہ میں دیت دیں اور اگر یہ غلام مجرم مکاتب کا بیٹا ہو یا اُس کی باندی سے اُس کے پاس پیدا ہوا ہو تو مجرم مذکور پر واجب ہوگا کہ اپنی نصف قیمت اور نصف ارش جنایت میں سے کم مقدار کے واسطے سعایت کرے اور جس شریک نے مکاتب نہیں کیا ہے اُس پر جب تک آزاد نہ کرے یا سعایت کرا کے وصول نہ کر لے تب تک کچھ واجب نہ ہوگا ہاں بعد اُس کے اُس پر واجب ہوگا کہ اس کی نصف قیمت اور نصف ارش جنایت میں سے کم مقدار کی ضمان دے اور اگر اس بیٹے نے اپنے باپ پر جنایت کی ہو اور پھر باپ ادا کر کے آزاد ہو گیا تو بیٹے پر نصف قیمت واجب ہوگی پس اس کے واسطے جس نے مکاتب نہیں کیا ہے سعایت کرے گا اور مکاتب کرنے والے پر اس کی ضمان نہ ہوگی بخلاف ماں کے کہ مکاتب کرنے والا اُس کی نصف قیمت کا جس نے مکاتب نہیں کیا ہے اس کے واسطے ضامن ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر مشترک باندی کو بدون اجازت اپنے شریک کے مکاتب کیا پھر اُس کے بچہ پیدا ہوا

(۱) بشرطیکہ وہ خوشحال ہو ۱۲

پھر دوسرے نے اپنا حصہ ولد مکاتب کیا پھر فرزند نے ماں پر یا ماں نے اُس پر جنایت کی یعنی قتل کیا تو ہر ایک پر دونوں میں سے مقتول کی تین چوتھائی قیمت امام اعظمؒ کے نزدیک واجب ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر دو شخصوں کے درمیان ایک باندی مشترک ہو اُس میں سے ایک نے اپنا حصہ مکاتب کر دیا پھر اُس کے بچہ پیدا ہوا پھر اُس میں ایسی کوئی بات پیدا ہوگئی جس سے قیمت بڑھ جاتی ہے یا کسی عیب سے اُس میں نقصان ہو کر پھر زیادتی ہوگئی پھر وہ آزاد ہوگئی پھر شریک نے مکاتب کرنے والے سے ضمان لینا اختیار کیا تو جس روز آزاد ہوئی ہے اُس کی اس روز کی نصف قیمت تاوان لے گا اور شریک مذکور کو جس نے مکاتب نہیں کیا ہے یہ اختیار ہوگا کہ بچہ سے اُس کی نصف قیمت کے واسطے سعایت کرائے اور اگر ایک نے اُس باندی میں سے اپنا حصہ مکاتب کر دیا پھر اُس کے بچہ پیدا ہوا پھر دوسرے نے بچہ میں سے اپنا حصہ مکاتب کر دیا پھر بچہ نے اپنی ماں پر یا ماں نے بچہ پر ایسی جنایت کی جو قتل نفس سے کم ہے پھر دونوں مال کتابت ادا کر کے آزاد ہو گئے اور دونوں مولیٰ خوشحال[1] ہیں تو جس شریک نے بچہ کو مکاتب کیا ہے اُس کو اختیار ہوگا کہ جس نے ماں کو مکاتب کیا ہے اُس سے ماں کی نصف قیمت ضمان لے اور چاہے اُس سے سعایت کرائے اور چاہے اُس کو آزاد کر دے اور جس نے ماں کو مکاتب کیا ہے اُس کو بچہ کے مکاتب کرنے والے سے بچہ کی بابت ضمان لینے کا کچھ استحقاق نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔ زید و عمرو میں ایک غلام مشترک ہے اُس نے دونوں میں سے ایک کی آنکھ پھوڑ دی مثلاً زید کی آنکھ پھوڑ دی پھر زید نے اُس میں سے اپنا حصہ مکاتب کیا پھر غلام نے زید کو زخمی کیا کہ جس سے زید مر گیا تو مکاتب مذکور اپنی نصف قیمت و چوتھائی دیت میں سے کم مقدار کے واسطے سعایت کرے گا اور عمرو جس نے مکاتب نہیں کیا ہے وہ غلام کی نصف قیمت وارثان مقتول یعنی زید کو تاوان دے گا لیکن اگر غلام مذکور مال کتابت ادا کر کے آزاد ہو گیا ہو تو عمرو پر یہ نصف قیمت اُس وقت تک دینی واجب نہ ہوگی جب تک وہ اپنے حصہ کا مال بطور تاوان کے یا غلام کی سعایت سے حاصل نہ کرے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور اُس نے دونوں میں سے ایک کی آنکھ پھوڑ دی یا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر دوسرے نے اپنا آدھا حصہ اپنے شریک کے ہاتھ فروخت کیا حالانکہ وہ اس جنایت سے آگاہ ہے پھر غلام نے اُس پر جنایت کی پھر جس نے اپنا آدھا حصہ فروخت کیا ہے اُس نے یہ حصہ خرید لیا پھر جس پر جنایت کی ہے اُس نے اپنا آدھا حصہ مکاتب کر دیا پھر غلام نے اُس پر کوئی جنایت کی پھر غلام ادا کر کے آزاد ہو گیا پھر مکاتب کرنے والا مولیٰ اُس کی سب جنایتوں سے مر گیا تو مکاتب پر اپنی نصف قیمت اور چوتھائی دیت سے کم مقدار واجب ہوگی اور جس نے مکاتب نہیں کیا ہے اُس پر اپنے شریک کی دیت کا چھٹا حصہ اور چھٹے کا چوتھائی حصہ واجب ہوگا اور غلام کی نصف قیمت اور چھٹے حصہ دیت و چھٹے کی چوتھائی حصہ دیت میں سے جو کم مقدار ہو واجب ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ زید و عمرو کے درمیان ایک غلام مشترک ہے اُس نے عمرو پر جنایت کی پھر عمرو نے جنایت سے آگاہ ہونے کے باوجود اُس کو مکاتب کر دیا پھر غلام نے اُس پر دوبارہ جنایت کی پھر زید نے اُس کو مکاتب کا پھر غلام نے عمرو پر جنایت کی پھر وہ ان سب جنایتوں سے مر گیا تو ہم کہتے ہیں کہ غلام کے دو حصے ہیں اور ہر نصف حصہ نے نصف نفس کو حقیقۃً تین جنایتوں سے اور حکماً دو جنایتوں سے تلف کیا پس عمرو کے حصے نے نصف نفس کو ایک جنایت سے قبل کتابت کے تلف کیا اور وہ ہدر[2] ہے اور دو جنایتوں سے بعد کتابت کے تلف کیا اور دونوں کا جرمانہ ایک ہے یعنی مکاتب پر اپنی نصف قیمت اور چوتھائی دیت سے کم مقدار واجب ہے اور رہا زید کا نصف حصہ کہ اُسنے بھی قبل کتابت کے آدھے نفس کو دو جنایتوں سے تلف کیا اور ان کا حکم یہ ہے کہ ان کا جرمانہ مولیٰ پر واجب ہے پس زید کے ذمہ

---

[1] یعنی مفلس و مسکین نہیں ہیں بلکہ دونوں مالدار و تونگر ہوں ۱۲

[2] یعنی اُس کا معاوضہ کچھ نہیں ہے نہ قصاص اور نہ دیت ۱۲

غلام مذکور کی نصف قیمت و چوتھائی دیت میں کم مقدار واجب ہوگی اور بعد کتابت کے جو اُس نے ایک جنایت کی ہے وہ مثل اوّل کے مکاتب کی گردن پر ہوگی۔ اور اگر غلام مذکور نے کسی اجنبی پر جنایت کی پھر زید یا عمرو میں سے کسی نے اُس کو مکاتب کیا حالانکہ وہ جنایت سے واقف ہے پھر اُس نے اجنبی پر جنایت کی پھر دوسرے شریک نے اُس کو مکاتب کیا حالانکہ وہ جنایت سے واقف ہے پھر غلام نے اجنبی پر جنایت کی اور وہ ان سب جنایتوں سے مر گیا پس شریک اوّل کے نصف حصہ میں نصف اجنبی کو تین جنایتوں سے تلف کیا اور یہ تین جنایتیں حکماً دو جنایتیں ہیں پس پہلی جنابت کے واسطے شریک اوّل بسبب مکاتب کرنے کے چوتھائی دیت کا اختیار کرنے والا ہو گیا اور باقی جنایت کی جز امکاتب کی گردن پر ہے یعنی چوتھائی دیت اور نصف قیمت سے کم مقدار کا ضامن ہوگا اور دوسرے شریک کے نصف حصہ نے کتابت سے پہلے دو جنایتیں کیں کہ جن کا حکم ایک ہے یعنی ایک جنایت کے حکم میں ہے پس حکم یہ ہے کہ ان کا جرمانہ مولیٰ پر واجب ہے کہ چوتھائی دیت اور نصف قیمت غلام میں سے کم مقدار کا ضامن ہوگا اور رہی تیسری جنایت سو وہ مکاتب کی گردن پر ہے کہ اُس کے جرمانہ میں اپنی نصف قیمت اور چوتھائی دیت میں سے کم مقدار کا ضامن ہوگا۔ اور اگر ہر دو مولیٰ کتابت کے وقت غلام کی جنایت سے واقف نہ ہوئے ہوں تو دونوں اُس کی قیمت اور نصف دیت میں سے کم مقدار کے ضامن ہوں گے اور مکاتب بھی اپنی قیمت اور نصف دیت میں سے کم مقدار کا ضامن ہوگا یہ کافی میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی نصف باندی کو مکاتب کیا پھر اُس کے ایک بچہ پیدا ہوا پھر بچہ نے کوئی جنایت کی تو وہ اپنی نصف جنایت کے واسطے سعایت کرے گا اور نصف جنایت باقی مولیٰ کے ذمہ ہوگی اس واسطے کہ اس کا دے دینا[1] بدیں وجہ متعذر ہے کہ عقد کتابت اس جنایت سے پہلے واقع ہو گیا ہے پس اُس پر نصف قیمت واجب ہوگی پھر اگر مولیٰ نے ماں کو بعد بچہ کی جنایت کرنے کے آزاد کر دیا تو آدھا بچہ آزاد ہو جائے گا اور اپنی نصف قیمت کے واسطے مولیٰ کے لئے سعایت کرے گا اور نصف جنایت اُس بچہ پر ہوگی اور نیز اگر مولیٰ نے بچہ کو آزاد کر دیا تو بھی حکم جنایت ایسا ہی ہے لیکن اس صورت میں بچہ پر سعایت لازم نہ ہوگی اور اگر دونوں میں سے کوئی آزاد نہ کیا گیا اور نہ دونوں نے کسی اجنبی پر جنایت کی بلکہ ایک نے دوسرے پر جنایت کی تو ہر ایک پر اجنبی جنایت کی وجہ سے اپنی قیمت اور نصف جنایت دونوں سے کم مقدار واجب ہوگی کہ باعتبار آنکہ کتابت نصف میں ہے اور نصف اس کا مولیٰ پر ہوگا بدیں وجہ کہ نصف حصہ اُس کی ملک ہے اور اُس نے کتابت سابقہ سے اس کو تلف[2] کر دیا ہے اور نیز اس کا نصف مولیٰ کے واسطے جنایت کرنے والے پر ہوگا اس واسطے کہ جس پر اُس نے جنایت کی ہے اُس میں سے آدھا مولیٰ کی ملک ہے وہ مکاتب نہیں ہے پس بعض بعض کا قصاص ہو جائے گا اور اگر باندی مذکورہ نے جنایت کی اور قبل اس کے کہ اس پر اس جنایت کی بابت حکم دیا جائے گا وہ مر گئی اور کوئی چیز نہ چھوڑی تو اُس کا بچہ بمنزلہ اُس کے ہوگا اور جنایت اور مکاتبت کے واسطے سعایت کرے گا اور مولیٰ پر نصف جنایت واجب ہوگی خواہ اُس پر جنایت کا حکم دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو پھر اگر اس کے بعد بچہ نے بھی جنایت کی پھر عاجز ہو[3] ہو گیا حالانکہ اُس پر ماں کی جنایت کی ڈگری ہو چکی ہے تو جس قدر ماں کی جنایت کی بابت اُس پر ڈگری ہو چکی ہے وہ اس کے نصف پر قرضہ ہوگا لیکن مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ اُس کی جنایت کے بدلے میں اُس کو دے دے پس مولیٰ کو اختیار ہوا چاہے اُس کی جنایت میں اُسی کو دے دے یا اُس کا فدیہ دے دے پس اگر فدیہ دیا تو اُس کا نصف حصہ اُس کی ماں کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور اگر اُسی کو دیا تو اس قرضہ میں اُس کا نصف فروخت نہ کیا جائے گا یہ شرح مبسوط میں ہے۔ اور اگر مکاتب نے کسی جنایت کے عمداً یا خطاءً اُس سے صادر ہونے کا اقرار کیا تو اُس کے ذمہ لازم ہوگی اور اگر خطا سے جنایت صادر ہوئی اور اُس پر اُس جنایت کی ڈگری ہو گئی پھر وہ عاجز ہو گیا تو یہ جنایت امام اعظمؒ کے نزدیک ہدر ہوگی اس بنا پر کہ اگر

(۱) یعنی جنایت میں دے دینا ۱۲ (۲) یعنی تلف نہیں رہا ہے ۱۲ (۳) ادا سے کتابت سے ۱۲

مکاتب نے ایسی جنایت کا جو موجب مال ہے اقرار کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک بعد عاجز ہونے کے وہ اس جنایت کی بابت ماخوذ نہ ہوگا خواہ اُس پر اس جنایت کا مال قرضہ ہو گیا ہو یا نہ ہوا ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک اُس کے واسطے ماخوذ ہوگا اور فروخت کیا جائے گا جب کہ ڈگری ہونے سے اُس کے ذمہ قرضہ ہو گیا ہو اور اگر وہ آزاد کر دیا جائے تو ماخوذ ہوگا خواہ اُس پر اس مال جنایت کی ڈگری ہو گئی ہو یا نہ ہوئی ہو یہ محیط میں ہے۔ اور اگر وہ عاجز نہ ہوا بلکہ کتابت کا مال ادا کر کے آزاد ہو گیا تو یہ مال اُس پر قرضہ ہو جائے گا یہ حاوی میں ہے۔ اور اگر مکاتب نے کسی کو عمداً قتل کیا پھر اپنے نفس سے کسی قدر مال پر صلح کر لی تو جائز ہے اور مال اُس پر لازم ہوگا جب تک کہ عاجز نہ ہو جائے اور اگر ادائے مال سے پہلے عاجز ہو گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ مال اُس کے ذمہ سے باطل ہو جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک لازم رہے گا کہ اُس کے واسطے فروخت کیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے اور اگر مکاتبہ نے اپنے بچہ پر کچھ اقرار کیا تو اُس کے ذمہ لازم نہ ہوگا خواہ بچہ آزاد ہو جائے یا عاجز[1] ہو جائے اور اگر وہ بچہ مر گیا اور ادائے مکاتبت کے لائق مال چھوڑ مرا تو اُس کے مال میں قیمت اور ارش دونوں میں سے کم مقدار کی ڈگری کی جائے گی اور اگر بچہ نے اپنی ماں پر جنایت کا اقرار کیا تو ثابت نہ ہوگا پھر اگر ماں مر گئی تو اُس کے ذمہ قیمت اور ارش سے کم مقدار اور کتابت لازم ہوگی پھر اگر اس کے بعد عاجز ہو گیا تو اُس کے ذمہ کچھ لازم نہ ہوگا اور اگر اُس نے مقرلہ کو ادا کر دیا پھر عاجز ہو گیا تو مقرلہ سے وہ مال واپس نہ لیا جائے گا اور اگر ماں نے اپنے بچہ پر جنایت کا اقرار کیا پھر بچہ خطا سے قتل ہوا اور اس کی قیمت لے لی گئی تو قیمت میں سے وہ مقدار کہ جس کا ماں نے اقرار کیا ہے لے لی جائے گی اسی طرح اگر ماں نے اپنے بیٹے پر قرضہ کا اقرار کیا اور بیٹے کے قبضہ میں مال ہے اور اُس پر قرضہ نہیں ہے تو ماں کا اقرار اُس کے بیٹے کے مال میں سے جائز ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔

ایسا زخمی کرنا جس سے سر پھٹ جائے ☆

اگر مکاتب کے بیٹے نے کسی کو خطا سے قتل کیا پھر مکاتب نے اپنے اس بیٹے کو قتل کیا اور وہ غلام ہے اور ایک شخص اجنبی کو خطا سے قتل کیا تو مکاتب پر اُس کی قیمت واجب ہوگی جس میں اجنبی کے وارث بقدر دیت اور بیٹے کے وارث بقدر بیٹے کی قیمت کے حصہ رسد شریک کئے جائیں گے یہ مبسوط میں ہے۔ خطا سے مولیٰ کا مکاتب پر جنایت کرنا یا مکاتب کا مولیٰ پر جنایت کرنا بمنزلۂ جنایت اجنبی کے ہے اور عمداً قتل کرنے میں اگر مولیٰ نے کیا ہو تو اُس پر قصاص واجب نہ ہوگا بلکہ مکاتب کی قیمت واجب ہوگی اور اگر مکاتب نے عمداً مولیٰ کو قتل کیا تو اُس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر مولیٰ نے مکاتب کے مملوک یا مال پر یا مکاتب نے مولیٰ کے مملوک یا مال پر جنایت کی تو دونوں میں سے ہر ایک پر وہی حکم ہوگا جو اجنبی پر ہوتا ہے یہ حاوی میں ہے۔ اور جو شخص مکاتب کی کتابت پر مکاتب ہوگا تو وہ جنایت کے حکم میں بمنزلۂ مکاتب کے ہی کہ اسی طرح اُس پر سعایت لازم آئے گی اسی طرح اگر اُس کی ام ولد جو اُس سے جنی[2] ہے اُس کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ مبسوط میں ہے اور مکاتب کے غلام کی جنایت مثل آزاد کے غلام کی جنایت کے ہے لیکن اگر مکاتب نے اُس کا فدیہ دینا چاہا حالانکہ فدیہ بہ نسبت اُس کی قیمت کے حد سے زائد ہے یا مکاتب نے اُس کو دینا چاہا حالانکہ اُس کی قیمت بہ نسبت ارش جنایت کے حد سے زائد ہے تو امام اعظمؒ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکاتب کا ایسا تصرف صحیح ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مکاتب مر گیا اور اُس پر قرضہ ہے اور اُس نے ایک غلام ماذون التجارۃ چھوڑا اور اُس پر بھی دوسرا قرضہ ہے تو یہ غلام خاص اپنے قرضہ کے واسطے فروخت کیا جائے گا پھر اگر اِس کے ثمن میں سے کچھ بچ رہا تو وہ مکاتب کے قرضہ میں دیا جائے گا اور اگر اس غلام پر قرضہ نہ ہو مگر اُس نے کوئی جنایت کی ہو جس کا جرمانہ واجب ہوا اور مکاتب کا سوائے اس کے کچھ مال نہ ہو تو

[1] یعنی حالت مکاتبت سے بوجہ عاجزی کے پھر غلامی میں آ جائے ۱۲ [2] یعنی اولاد ہوئی ہے ۱۲

مولیٰ کو اختیار دیا جائے گا چاہے مولیٰ اور اُس کے تمام قرض خواہ اُس کو خوشی سے وارث جنایت کو دے دیں پھر اُس میں قرض خواہوں کا کچھ استحقاق نہ رہے گا جب کہ ان کی رضامندی سے اُس کو دے دیا ہے اور اگر یہ لوگ چاہیں اُس کا فدیہ دے دیں یعنی وارث مقتول[1] کو دیت دے دیں تو پھر وہ غلام ان کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور اگر اس غلام پر بھی قرضہ ہو تو مولیٰ کو اختیار دیا جائے گا چاہے اس غلام کو دے دے پھر جو قرضہ اُس پر ہے وہ اُس کے پیچھے ہوگا کہ وارث جنایت کے پاس سے قرض خواہ اُس کو فروخت کرا کر اپنا قرضہ لے لے گا اور قرض خواہان مکاتب کو کچھ نہ ملے گا اور اگر چاہے تو اُس کا فدیہ دے دے پھر وہ غلام اپنے خاص قرضہ کے واسطے فروخت کیا جائے گا پھر اگر کچھ باقی رہا تو وہ مکاتب کے قرضہ میں دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے ایک غلام نے ایک آزاد کو شجہ[2] موضحہ سے زخمی کیا پھر اس کے مولیٰ نے اُس کو مدبر کر دیا پھر غلام مذکور نے دوسرے موضحہ زخم سے زخمی کیا پھر مولیٰ نے اُس کو مکاتب کر دیا پھر اُس کو شجہ سے زخمی کیا پھر وہ ادا کر کے آزاد ہو گیا پھر اُس نے اُس زخمی کو اور شجہ سے زخمی کیا اور ایک اجنبی نے بھی شجہ سے اُس کو زخمی کیا پس وہ زخمی مر گیا اور مولیٰ ان سب جنایتوں سے واقف تھا تو اجنبی کی مددگار برادری پر نصف دیت واجب ہوگی اور باقی نصف کو غلام نے چار جنایتوں سے تلف کیا ہے اور ان جنایتوں کے احکام مختلف ہیں اور جنایات میں اعتبار احکام کا ہے پس اوّل جنایت کا حکم یہ ہے کہ مولیٰ اُس کو دے دے یا فدیہ دے اور دوم کا حکم یہ ہے کہ مولیٰ پر قیمت واجب ہے اور سوم کا حکم یہ ہے کہ مکاتب پر قیمت واجب ہے اور چہارم کا حکم یہ ہے کہ مددگار برادری پر قیمت (۱) واجب ہے پس اس نصف کے چار حصے ہوئے پس کل کے آٹھ حصے ہوئے جن میں سے چار کو اجنبی نے تلف کیا اور چار کو غلام نے تلف کیا پس غلام کے چار حصوں میں سے اوّل کی بابت بسبب اس کے کہ مولیٰ نے جنایت سے واقف ہو کر اُس کو مدبر کیا ہے مولیٰ دیت کا اختیار کرنے والا ہو گیا پس دیت کا آٹھواں حصہ مولیٰ پر لازم آیا اور حصہ دوم میں چونکہ جنایت سے پہلے ایسا فعل واقع ہوا جس سے غلام کا دینا ممتنع ہو گیا ہے اس واسطے مولیٰ کے حق میں یہ ثابت نہ ہوا کہ وہ دیت کا اختیار کرنے والا ہو گیا ہے پس مولیٰ پر قیمت غلام کا آٹھواں حصہ واجب ہوا لیکن اگر دیت کا آٹھواں حصہ اس سے کم ہوگا تو وہی واجب ہوگا اور سوم مکاتب سے صادر ہوئی ہے اس واسطے اسی پر اُس کی قیمت اور آٹھواں حصہ دیت دونوں میں سے کم مقدار واجب ہوگی اور چہارم اس وقت واقع ہوئی کہ جب مکاتب آزاد ہو گیا ہے پس دیت اُس کی مددگار برادری پر ہوگی۔ اور اگر غلام مذکور مدبر نہ کیا گیا ہو اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو نصف دیت اجنبی کی مددگار برادری پر ہوگی اور باقی نصف غلام کی تین جنایتوں سے تلف ہوا پس اس نصف کے تین حصہ ہوئے پس کل کے چھ حصہ ہوئے جس میں سے تین حصہ اجنبی کے فعل سے تلف ہوئے اور تین بسبب جنایت غلام کے تلف ہوئے پس اوّل حصے کی بابت مولیٰ پر چھٹا حصہ دیت کا واجب ہوگا اور دوم کی بابت مکاتب پر چھٹے حصے کی دیت اور چھٹا حصہ قیمت میں سے کم مقدار واجب ہوگی اور سوم کی بابت اُس کی مددگار برادری پر چھٹا حصہ دیت واجب ہوگا یہ کافی میں ہے۔

چودھواں حصہ ☆

ممالیک غیر پر جنایت کرنے کے بیان میں

اگر ایک شخص نے ایک غلام کو خطا سے قتل کیا تو اُس پر اُس کی قیمت واجب ہوگی پس اگر اُس کی قیمت دس ہزار درم یا زیادہ ہو تو قاتل پر دس کم دس ہزار درم دینے کا حکم کیا جائے گا اور یہ مال قاتل کی مددگار برادری پر تین سال میں دینا واجب ہوگا اور یہ امام

---

[1] خواہ قتل ہو یا کہ دیت ہو یا اس سے کم جرم کہ ارش ہو ۱۲ منہ [2] یعنی وہ زخم سر جس سے ہڈی کھل گئی ۱۲ (۱) یعنی مکاتب کی مددگار برادری پر ۱۲

ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور اگر بجائے غلام کے باندی ہو اور اُس کی قیمت بہ نسبت دیت کے زائد ہو تو قاتل پر پانچ درم کم پانچ ہزار درم واجب ہوں گے اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ دس درم کم پانچ ہزار درم واجب ہوں گے اور یہی ظاہر الروایہ ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر بیس ہزار درم قیمت کا غلام غصب کیا اور وہ غاصب کے پاس مر گیا تو اُس کی قیمت واجب ہوگی چاہے جس قدر ہو جائے یہ بالاجماع ہے یہ ہدایہ میں ہے اور اگر غلام ماذون(۱) کو خطا سے قتل کیا تو مالک کو فقط ایک قیمت تاوان دے گا پھر اگر وہ ماذون قرض دار ہو تو مولیٰ یہ قیمت اُس کے قرض خواہوں کو دے دے گا یہ کافی میں ہے۔ نوادر بن سماعہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو غلام پر بدون مولیٰ کی اجازت کے ایک گون لادی اور دوسرے شخص نے بھی اسی طرح دو گونیں لادیں پھر وہ غلام اس سب بار گراں سے مر گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک ایک گون والے پر تہائی قیمت اور دو گون والے پر دو تہائی قیمت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور ممالیک پر جس نے خطا سے سوائے قتل نفس کے جو جنایت کی اُس کی ضامن مددگار برادری نہیں ہوتی ہے اگرچہ جنایت کرنے والا مرد آزاد ہو اور جب جنایت قتل نفس تک پہنچ جائے تو مددگار برادری تین سال میں دیت کی ضامن ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اطراف (۱) غلام پر جو جنایت ہو اُس کی نسبت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ آزاد کے جس عضو میں دیت واجب ہوتی ہے غلام کے اُس عضو میں قیمت واجب ہوگی اور آزاد کے جس عضو میں نصف دیت واجب ہوتی ہے غلام کے اس عضو میں نصف قیمت واجب ہوگی لیکن اگر غلام کی قیمت دس ہزار یا زیادہ ہو تو امام کے نزدیک دس ہزار میں سے دس درم یا پانچ درم کم کئے جائیں (۲) گے اور صاحبینؒ کے نزدیک غلام صحیح سالم کی قیمت اندازہ کی جائے اور جنایت سے عیب دار ناقص کی قیمت اندازہ کی جائے جس قدر دونوں قیمتوں میں فرق ہو وہ واجب ہوگا اور یہی امام ابو یوسفؒ نے امام اعظمؒ سے بھی روایت کی ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب اُس عضو کے زائل ہونے سے منفعت مقصودہ زائل ہو جائے جیسے آنکھ و ہاتھ وغیرہ اور اگر ایسا عضو ہو جس سے زینت و جمال مقصود ہوتا ہے جیسے گوش و ابرو وغیرہ تو امام اعظمؒ کے پہلے قول کے موافق یہی حکم ہے اور دوسرے قول کے موافق یہ نہ ہوگا بلکہ مجرم قدر نقصان قیمت کا ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور غلام کے ہاتھ کے واسطے نصف قیمت غلام واجب ہوگی مگر پانچ درم کم پانچ ہزار سے زائد نہ کی جائے گی کذا فی الہدایہ۔

قال المترجم ☆

اور ایک مقام پر ہدایہ میں لکھا ہے کہ دس درم کم اور یہی ظاہر الروایہ ہے اس واسطے کفایہ میں فرمایا کہ یہ خلاف ظاہر الروایہ ہے اور مبسوط میں لکھا ہے کہ صحیح حکم کے موافق اُس کی نصف قیمت واجب ہوگی چاہے جس قدر ہو اور یہی نہایہ و کافی میں ہے۔ اور جس جنایت کی بابت آزاد کے حق میں کوئی ارش مقرر نہیں ہے اُس میں غلام میں نقصان قیمت واجب ہوگا یہ سراجیہ میں ہے۔ اور ہشام کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ اگر مملوک کی پلکیں کسی آدمی نے نوچ ڈالیں تو امام محمدؒ نے مجھے خبر دی کہ امام اعظمؒ فرماتے تھے کہ مملوک کی پلکوں و بھوؤں اور کانوں کے واسطے بقدر نقصان کے واجب ہوگا اور یہی میرا قول ہے اور یہی امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ داڑھی کے حق میں امام ابو حنیفہؒ کا کوئی قول مجھے یاد نہیں ہے لیکن سر کے بالوں کا یاد ہے کہ اُس کو مولیٰ کو اختیار ہے چاہے غلام کو دے دے اور مجرم سے اُس کی قیمت لے لے اور چاہے نہ دے اور مجرم سے نقصان قیمت لے لے اور اصل میں لکھا ہے کہ غلام کے بالوں و داڑھی کے حق میں حکومت عدل(۲) واجب ہے اور شاید یہ امام اعظمؒ کا دوسرا قول ہے جیسا کہ قدوری نے ذکر کیا ہے اور حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی کہ غلام کے کان و ناک و داڑھی کی بابت اگر وہ نہ جمے تو نقصان قیمت ہے جیسا کہ امام محمدؒ نے

(۱) جس کو اُس کے آقا نے تجارت وغیرہ تصرفات کی اجازت دی ہو ۱۲ (۲) یعنی شخص عادل جس قدر تجویز کر دے اُسی قدر واجب ہوگا ۱۲

(۱) ہاتھ پاؤں وغیرہ ۱۲ (۲) بنابر دو روایت کے ۱۲

بیان کیا ہے بنابر ذکر شیخ ابوالحسن قدوریؒ کے اور مختلفات میں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ سے ان صورتوں میں نقصان قیمت کا حکم مذکور ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور مجرد میں لکھا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر کسی شخص کے غلام کے گھونگھر والے بال مونڈ ڈالے اور بجائے اُن کے سپید بال جمے تو اُس پر نقصان لازم ہوگا اور اس صورت میں نقصان پہنچانے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ مسجد سے عام غلام گھونگھر والے بال کی قیمت اندازہ کی جائے اور غلام بے گھونگھر والے مال کی قیمت اندازہ کی جائے بلکہ یہ طریقہ ہے کہ غلام کو مع سیاہ بالوں کے اندازہ کی جائے اور غلام کو مع سپید بالوں کے اندازہ کیا جائے پس جو فرق ہے اُسی قدر نقصان کا ضامن ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں تو مولیٰ کو اختیار ہے چاہے مجرم کو دے کر اُس کی قیمت لے لے اور چاہے رکھ لے اور اُس کو کچھ نقصان نہ ملے گا یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ چاہے رکھ لے اور نقصان لے لے اور چاہے غلام دے کر پوری قیمت لے لے یہ ہدایہ میں ہے۔ امام اعظمؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے غلام کی آنکھ پھوڑ دی پس وہ مر گیا مگر اُس آنکھ کے صدمہ سے نہیں مرا تو آنکھ پھوڑنے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر نہیں مرا بلکہ اُس کو کسی آدمی نے قتل کر دیا تو آنکھ پھوڑنے والے پر بھی نقصان قیمت لازم آئے[1] گا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں نقصان قیمت کا ضامن ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر زید نے غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں اور عمرو نے اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا تو زید پر بقدر نقصان قیمت کے لازم ہوگا اور عمرو پر ہر دو آنکھ پھوٹے ہوئے کی قیمت آدھی واجب ہوگی اور امام ابو یوسفؒ نے روایت کی یہ بنابر قول امام اعظمؒ کے استحسان ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ فتاویٰ میں اہل سمرقند میں ہے کہ دو آدمیوں نے ساتھ ہی ایک غلام کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے ایک نے دایاں ہاتھ اور دوسرے نے بایاں کاٹا تو دونوں میں سے ہر ایک پر اُس کی نصف قیمت اس حساب سے واجب ہوگی کہ غلام ایسی حالت میں ہے کہ اُس کا ہاتھ کاٹا جائے گا پس ایسا غلام جس قیمت میں خریدا جائے اُس کا نصف واجب ہوگا اور یہ مسئلہ دوسرے مسئلہ میں حجت ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام کی طرف تیر مارا اور ہنوز تیر نہ پہنچا تھا کہ اُس کو ایک شخص نے قتل کیا تو قاتل پر غلام کی قیمت اس حساب سے واجب ہوگی کہ ایسا غلام جس کی طرف تیر لگایا گیا ہے اور ہنوز نہیں پہنچا ہے کیا قیمت ہے پس جو قیمت اندازہ کی جائے وہی واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ ایک غلام کا ہاتھ کٹا ہوا ہے پس زید نے اُسی طرح کا پاؤں جس طرف کا ہاتھ کٹا ہوا ہے کاٹ ڈالا تو ہاتھ کٹے ہوئے غلام کی قیمت میں زید کے فعل سے جو نقصان آیا اُس کا ضامن ہوگا اور اگر دوسری طرف کا پاؤں کاٹ ڈالا تو ہاتھ کٹے ہوئے غلام کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور علیٰ ہذا اگر بائع نے غلام مبیع[2] کا ہاتھ کاٹا تو نصف ثمن ساقط ہوگا اور اگر غلام ہاتھ کٹا ہوا ہو اور اُس نے دوسرا کاٹ ڈالا تو نقصان کا اعتبار کیا جائے گا اور بقدر نقصان کے مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط ہوگا حتیٰ کہ اگر تہائی قیمت کا نقصان ہو تو تہائی ثمن ساقط ہوگا اسی طرح اگر بجائے ہاتھ کاٹنے کے آنکھ پھوڑتا ہو تو بھی یہی حکم ہوگا یہ تمرتاشی میں ہے۔ اور اگر غلام ہاتھ کٹا ہوا اور ایک آدمی نے اُس کا دوسرا ہاتھ کاٹ ڈالا تو اُس پر ہاتھ کٹے ہوئے کی قیمت میں جو نقصان آ گیا ہے وہ واجب ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ منتقی میں امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ زید نے ایک شخص کے غلام کا بایاں ہاتھ کاٹ ڈالا اور عمرو نے اُس کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا اور وہ ان دونوں زخموں سے مر گیا تو اوّل پر نصف قیمت اور دوسرے پر بقدر نقصان کے واجب ہوگا اور جس قدر باقی رہی یعنی پوری قیمت میں سے جو کچھ باقی رہ گیا وہ دونوں پر آدھا آدھا واجب ہوگا اور یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر زید نے ایک غلام کا ہاتھ کاٹا جس کی قیمت ہزار درم ہے پھر کاٹنے کے بعد ہنوز اچھا نہ ہوا تھا کہ اُس کی قیمت ہزار

---

[1] گویا اوّل میں قول امام و استحسان ہے ۱۲ [2] فروخت شدہ بیع ۱۲

درم ہوگئی جیسے کاٹنے سے پہلے تھی پھر عمرو نے دوسری جانب کا اُس کا پاؤں کاٹ ڈالا پھر وہ ان دونوں زخموں سے مرگیا تو زید چھ سو پچیس درم کا ضامن ہوگا اور عمرو سات سو پچاس درم کا ضامن ہوگا اور اگر ہاتھ کٹا ہوا اور دو ہزار درم کا ہوگیا تو زید پر چھ سو پچیس درم اور عمرو پر ایک ہزار پانچ سو درم واجب ہوں گے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ انوادر بن رشید میں ہے کہ زید نے عمرو کے غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر سال بھر تک کچھ جھگڑا نہ ہوا پھر زید و عمرو نے اختلاف کیا زید نے کہا کہ جس روز میں نے اُس کا ہاتھ کاٹا ہے اُس دن اُس کی قیمت ہزار درم تھی پس مجھ پر پانچ سو درم واجب ہیں اور عمرو نے کہا کہ دو ہزار درم تھی اور جس دن جھگڑا ہوا ہے اُس دن غلام کی قیمت ہزار درم تھی اور اگر ہاتھ درست ہوتا تو دو ہزار درم ہوتی تو زید کا قول قبول ہوگا پھر اگر زید نے تاوان دیا ہو یا نہ دیا ہو حتیٰ کہ اُس کا ہاتھ پھوٹ نکلا اور وہ زخم مذکور سے مرگیا تو زید کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی پس ہاتھ کا ارش وہی ہوگا جو زید کہتا ہے اور تلف نفس میں دونوں میں سے کسی کے قول کی تصدیق نہ ہوگی پس جس روز جان تلف ہوئی ہے اُس کی اُس دن کی قیمت کا زید ضامن ہوگا پس مددگار برادری پر ایک ہزار پانچ سو درم واجب ہوں گے جس میں سے پانچ سو درم ہاتھ کا ارش ہے یہ محیط میں ہے۔ اور غلام کے زخم موضحہ میں اُس کی قیمت کے دسویں حصے کا آدھا واجب ہوگا لیکن اگر آزاد کے زخم موضحہ کے ارش سے یہ مال زائد ہوتا ہو تو زیادہ نہ دیا جائے گا بلکہ آدھا درم اُس سے کم کر دیا جائے گا یہ مضمرات میں ہے۔

نوادر بن سماعہ میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر زید نے عمرو کے غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالا یا اس کے غلام کو شجہ سے زخم کیا پھر عمرو نے اُس کو فروخت کر دیا پھر بسبب عیب کے بحکم قاضی اُس کو واپس دیا گیا یا عمرو نے اُس کو ایک شخص کو ہبہ کر دیا پھر بحکم قاضی یا بدون حکم قاضی اپنے ہبہ کو واپس لے لیا پھر وہ غلام زخم مذکور سے مرگیا تو عمرو اُس کی پوری قیمت زید سے لے لے گا۔ نوادر بشرؒ میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر باندی کا ہاتھ خطا سے کاٹا گیا اور مولیٰ نے اُس کو فروخت کر دیا بدین شرط کہ بائع کو خیار ہے یا مشتری کو خیار ہے پھر بسبب خیار کے بیع توڑ دی گئی اور باندی بائع کو واپس ملی اور زخم مذکور سے بائع کے پاس مرگئی تو کاٹنے والے پر اُس کی پوری قیمت واجب ہوگی اور اگر عمداً ہاتھ کاٹ ڈالا ہو تو استحساناً قصاص ساقط کروں گا یہ محیط میں ہے۔ اگر زید نے اپنے دو غلاموں سے کہا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے پھر دونوں زخم شجہ[1] سے زخمی کئے گئے پھر زید نے اپنے بیان سے ظاہر کیا کہ فلاں غلام کا عتق میری مراد ہے تو دونوں کا ارش مولیٰ کو ملے گا اور شجہ کے حق میں دونوں مملوک اعتبار کئے جائیں گے اور اگر ایک ہی وقت میں ایک ساتھ دونوں کو ایک شخص نے قتل کیا تو قاتل پر آزاد کی دیت اور غلام کی قیمت واجب ہوگی پس یہ سب مولیٰ اور آزاد شدہ کے وارثوں کے درمیان نصفا نصف ہوگی اور اگر دونوں کی قیمت مختلف ہو تو قاتل پر ہر ایک کی نصف قیمت اور آزاد کی پوری دیت ہوگی اور وہ بھی پہلی صورت کے موافق تقسیم ہوگی اور اگر اُس نے دونوں کو آگے پیچھے قتل کیا تو قاتل پر پہلے کی قیمت اس کے مولیٰ کے واسطے اور دوسرے[(1)] کے دیت اُس کے وارثوں کے واسطے واجب ہوگی اور اگر ہر ایک کو ایک ایک شخص نے ساتھ ہی قتل کیا تو دونوں مملوکوں کی قیمت واجب ہوگی اور یہ سب مولیٰ اور غلام کے وارثوں کے درمیان نصفا نصف ہوگی پس مولیٰ ہر ایک کی قیمت کا آدھا لے لے گا اور آدھا وارثوں کے واسطے چھوڑ دے گا اور اگر دونوں کو آگے پیچھے قتل کیا ہو تو قاتل اوّل پر اُس کی قیمت اُس کے مولیٰ کے واسطے واجب ہوگی اور قاتل ثانی پر اُس کی دیت اُس کے وارثوں کے واسطے واجب ہوگی اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ دونوں میں سے پہلے کون قتل کیا گیا تو ہر ایک قاتل پر اُس کے مقتول کی قیمت واجب ہوگی اور ہر ایک قیمت میں سے مولیٰ کو نصف ملے گا یہ تبیین میں ہے۔ ایک شخص نے ایک غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں اور دوسرے شخص نے اُس کا ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالا اور دونوں نے ایک ساتھ اپنا فعل کیا پھر وہ غلام اچھا ہوگیا تو

---

1 جو زخم سر میں پہنچا اُس کو بولتے ہیں ۱۲ (۱) کیونکہ دوسرا آزادی کے لیے معین ہوگیا تھا ۱۲

دونوں پر اُس کی قیمت تین تہائی واجب ہوگی اور دونوں اُس غلام کو لے لیں گے اور وہ دونوں میں اسی مقدار کے حساب سے مشترک ہوگا اسی طرح جو جراحت دو آدمیوں سے ایک ساتھ واقع ہو کہ ایک آدمی اس عضو کو مجروح کرے اور دوسرا آدمی دوسرے عضو کو مجروح کرے کہ یہ سب زخم اُس کی سب قیمت کو گھیر لیں تو مولیٰ اُس غلام مجروح کو دونوں خطا کاروں کو دے دے گا اور دونوں میں سے ہر ایک بقدر اپنی خطا کے اُس کے ارش[1] کا ضامن ہوگا اور غلام اسی حساب سے اُن میں مشترک ہوگا اور اگر غلام ان دونوں جراحتوں سے مر گیا اور جراحت[2] خطا سے واقع ہوئی تھی تو ہر ایک پر اپنی اپنی جراحت کا ارش علیحدہ علیحدہ غلام تندرست کی قیمت میں واجب ہوگا اور جس قدر قیمت ارش جراحت کا حساب کر کے باقی رہ جائے وہ دونوں پر نصفا نصف ہوگی اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ایک جراحت دوسرے سے پہلے واقع ہوئی ہے تو اوّل زخمی کرنے والے پر غلام تندرست کی قیمت میں سے بقدر ارش جراحت کے واجب ہوگی اور دوم پر غلام مجروح بزخم اوّل کی قیمت میں سے بقدر اُس کے ارش جراحت کے واجب ہوگی اور جو کچھ قیمت باقی رہ گئی وہ دونوں پر نصفا نصف ہوگی۔ اور اگر دونوں زخموں سے اچھا ہو گیا اور جراحت دوم ایسی ہے کہ غلام کی تمام قیمت کو گھیرے ہوئے ہے یعنی اُس کا ارش اس قدر ہے کہ غلام کی تمام قیمت ہے اور اوّل جراحت تمام قیمت کو محیط نہیں ہے تو شخص اوّل پر اُس کی جراحت کا ارش واجب ہوگا اور دوم پر غلام مجروح بجرح اوّل کی قیمت واجب ہے اور مولیٰ یہ غلام اُس کو دے دے گا اور اگر جراحت اوّل اُس کی قیمت کو محیط ہو تو دوسرے شخص پر اپنی جراحت کا ارش واجب ہوگا اور اوّل پر اپنی جراحت کا ارش واجب ہوگا اس واسطے غلام مذکور اُس کو نہیں دے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر آزاد نے کسی مدبر پر جنایت کی تو اُس کا حکم مثل محض مملوک پر جنایت کرنے کے ہے حتیٰ کہ اگر اس کو کسی آزاد نے قتل کیا تو اُس کی مددگار برادری پر قیمت واجب ہوگی اور اگر اُس کا ہاتھ کاٹا تو اُس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا لیکن دونوں میں ایک بات میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ آزاد نے اگر مدبر کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کاٹ ڈالے یا آنکھیں پھوڑ دیں تو بقدر نقصان کے ضامن ہوگا اور اگر قن یعنی محض مملوک کے ساتھ ایسا کیا تو پوری دیت واجب ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے مدبر کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور اُس کی قیمت ہزار درم ہے اور وہ اچھا ہو گیا پھر اُس کی قیمت بڑھ گئی یہاں تک کہ دو ہزار درم ہو گئی پھر دوسرے شخص نے آنکھ پھوڑ دی پھر اُس کا زخم اچھا ہو گیا تھا پھوٹ گیا اور مدبر مذکور ان دونوں زخموں سے مر گیا حالانکہ مدبر دو آدمیوں میں مشترک ہے پھر دونوں میں سے ایک نے ہاتھ کی جنایت کو عفو کر دیا اور جو نتیجہ اُس سے پیدا ہوا اُس کو بھی عفو کیا اور دوسرے نے آنکھ کے زخم سے اور جو اُس سے نتیجہ پیدا ہوا ہے معاف کر دیا تو جس نے ہاتھ کے زخم سے عفو کیا ہے اُس کے واسطے آنکھ پھوڑنے والے پر سات سو پچاس درم اُس کی مددگار برادری پر واجب ہوں گے بشرطیکہ یہ زخم خطا سے ہو اور اگر عمداً ہو تو زخمی کرنے والے کے مال سے واجب ہوں گے اور جس نے آنکھ کا زخم عفو کیا ہے اُس کے واسطے ہاتھ کاٹنے والے پر تین سو بارہ درم و آدھا درم اُس کے مال سے واجب ہوں گے اگر زخم عمداً ہو اور اگر خطا سے ہو تو اُس کی مددگار برادری پر واجب ہوں گے یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کے غلام کو زخم شجہ سے زخمی کیا پھر اُس کے مالک نے اُس کو مدبر کیا پھر زخمی کرنے والے نے اُس کو دوبارہ دوسرے زخم شجہ سے زخمی کیا پھر مالک نے اُس کو مکاتب کر دیا پھر اُس نے تیسرے زخم سے اُس کو زخمی کیا پھر مکاتب مال کتابت ادا کر کے آزاد ہو گیا پھر زخمی کرنے والے نے اُس کو چوتھے زخم شجہ سے زخمی کیا پھر وہ سب زخموں سے مر گیا تو پہلے شجہ کے واسطے اُس کے تندرست کی قیمت کے بیسویں حصہ کا ضامن ہوگا اور دوسری جنایت کرنے تک اس اوّل شجہ کے نقصان کا بھی ضامن ہوگا اور دوسرے شجہ کے واسطے زخمی بشجۂ واحد[3] مدبر کی قیمت کے

---

[1] وہ جرمانہ جو بعوض کسی زخم یا قطع عضو کے لازم ہو۱۲ [2] زخم و گھاؤ کو کہتے ہیں ۱۲ [3] یعنی ایسا مدبر جس کے ایک زخم شجہ ہے ۱۲

بیسویں حصہ کا ضامن ہوگا اور اُس کے نقصان کا بھی تا وقت مکاتب کئے جائیں گے ضامن ہوگا اور تیسرے شجہ کے واسطے مدبر مکاتب زخمی شجتین[1] کی قیمت کے بیسویں حصہ اور وقت آزادی تک نقصان کا ضامن ہوگا اور تہائی قیمت ابتدائے موت تک کا ضامن ہوگا اور چوتھے شجہ کے عوض تہائی دیت کا ضامن ہوگا اور بعد آزادی کے جو زخم شجہ ہے اُس کے ارش اور نقصان کا ضامن نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اور اصل میں یہ ہے کہ جنایت کے بعد اگر مدبر کیا جائے تو مدبر کرنا زخم جنایت کے سرایت کرنے سے جو نقصان پیدا ہوا اُس کو ہدر نہیں کرتا ہے بلکہ اس سرایت سے جو نقصان پیدا ہوا اس کا ضامن جانیت کرنے والا ہوتا ہے اور جنایت کے بعد اگر عتق یا کتابت واقع ہو تو یہ سرایت کو باطل کرتی ہے حتی کہ جنایت کرنے والے پر سرایت زخم کی ضمان واجب نہیں ہوتی ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

پندرھواں باب ☆

قسامۃ کے بیان میں

یہ قسمیں ہیں کہ اُن اہل محلّہ سے لی جاتی ہیں جن میں مقتول پایا جائے کذا فی الکافی اور اس کا سبب قتیل پایا جانا محلّہ میں یا جو محلّہ کے معنی میں ہے جیسے دار و دہ موضع متصل شہر جہاں سے آواز سنائی دے یہ نہایہ میں ہے۔ اگر ایک قوم کے محلّہ میں ایک قتیل پایا گیا اور ولی قتیل نے اہل محلّہ پر دعویٰ کیا کہ انہیں سب نے اُس کو خطا سے یا عمداً قتل کیا ہے اور اہل محلّہ نے انکار کیا تو ان میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لے گا ہر واحد قسم کھائے گا کہ واللہ میں نے اُس کو قتل نہیں کیا ہے اور نہ میں اُس کے قاتل کو جانتا ہوں اور اس طرح قسم نہ لی جائے گی کہ واللہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے پس اگر اہل محلّہ پچاس سے زائد ہوں تو ولی مقتول کو اختیار ہے کہ ان میں سے پچاس آدمی جن کو چاہے چھانٹ لے چھانٹنے کو اختیار اُسی کا ہوگا اور اگر کم ہوں تو اختیار ہوگا کہ بعض سے مکرر قسم لے کہ قسمیں پچاس ہو جائیں پس اگر ان لوگوں نے قسم کھائی تو دیت کے ضامن ہوں گے اور اگر انکار کیا تو قید کئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ قسم کھائیں اور مدعی سے یہ قسم نہ لی جائے گی کہ میرے مورث کو انہیں اہل محلّہ نے قتل کیا ہے خواہ ظاہر حال مدعی کے واسطے شاہد ہو کہ اُس کے مورث اور اہل محلّہ کے درمیان عداوت ظاہر ہو یا شاید نہ ہو کہ اُس کے وارث و اہل محلّہ کے درمیان عداوت ظاہرہ نہ ہو پھر مال دیت اہل محلّہ کی مددگار برادری پر تین سال میں واجب ہوگا اور اگر مدعی نے بعض اہل محلّہ غیر معین پر دعویٰ کیا کہ بعض لوگوں نے ان میں سے قتل کیا ہے تو بھی یہی حکم ہے کہ قسامت اور دیت اہل محلّہ پر واجب ہوگی اور اگر اُس نے اہل محلّہ میں سے بعض معین پر دعویٰ کیا تو بھی استحساناً یہی حکم ہے۔ اور اگر اُس نے غیر اہل محلّہ میں سے ایک شخص پر قتل کرنے کا دعویٰ کیا تو اہل محلّہ پر قسامت و دیت کچھ واجب نہ ہوگی پھر مدعی سے کہا جائے گا کہ تیرے پاس تیرے دعویٰ کے گواہ ہیں پس اگر اُس نے کہا کہ تو اہل محلّہ پر قسامت و دیت کچھ واجب نہ ہوگی پھر مدعی سے کہا جائے گا کہ تیرے پاس تیرے دعویٰ کے گواہ ہیں پس اگر اُس نے کہا کہ ہاں تو گواہ قائم کرے گا اور گواہوں سے اُس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور اگر گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے ایک قسم لی جائے گی اور پچاس قسمیں نہ لی جائیں گے۔ اور وارثان مقتول کو اختیار ہوگا کہ جن میں مقتول پایا گیا ہے وہاں محلّہ سے یا شہر سے یا قرابت وارثان سے پرہیزگار لوگ قسم کے واسطے معین کرلے اور قرابت[(1)] داروں میں سے پرہیزگاروں کو چن لینا یہ استحسان ہے پس اگر محلّہ میں پچاس آدمی پرہیزگار نہ پائے جائیں اور وارث مقتول نے چاہا کہ جس قدر پائے گئے ہیں اُنہیں سے مکرر قسم لے یہاں تک کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں آیا اُس کو یہ اختیار ہے یا قرابت داروں میں سے فاسق لوگ ملا کر پچاس آدمی پورے کرے گا سو اس صورت کو امام محمدؒ نے کتاب میں ذکر نہیں فرمایا ہے اور غیر روایۃ

---

[1] شجتین تثنیہ شجہ کا ہے اور شجہ بمعنی زخم سر پس شجتین کے معنی دو زخم جو سر میں پہنچیں ۱۲

(1) جہاں سے پایا گیا ہو ۱۲

الاصول میں مروی ہے کہ ولی مقتول کو یہ اختیار نہیں ہے لیکن باقی اہل محلّہ میں سے چھانٹ کر پچاس پورے کر لے یہ محیط میں ہے۔ اور اُس کو اختیار ہے چاہے اُن میں سے نوجوان و فاسقوں کو اختیار کرے اور چاہے بڈھوں اور پرہیزگاروں کو چھانٹ لے کذا فی الکافی اور یہ اختیار وارث مقتول کو ہے امام کو نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور قسامت میں لڑکا اور مجنون داخل نہیں ہوتا ہے اور اندھا و محدود القذف[1] و کافر داخل ہو سکتا ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور قسامۃ میں عورتیں اور مملوک مثل مکاتب وغیرہ کے داخل نہیں ہوتے ہیں اور معتق البعض امام اعظمؒ کے نزدیک مثل مکاتب کے ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور مقتول وہ ہے جس میں قتل کا اثر موجود ہو اور میت وہ ہے جس میں قتل کا اثر نہ ہو یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر کوئی میت پائی گئی کہ جس میں قتل کا کوئی اثر نہیں ہے تو قسامت و دیت کچھ واجب نہ ہوگی اور اثر یہ ہے کہ جراحت ہو یا چوٹ کا نشان ہو یا گلا گھوٹے جانے کا نشان ہو یا آنکھ یا کان سے خون نکلا ہو یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اگر منہ سے خون بہا ہو پس اگر پیٹ سے آیا ہو تو وہ قتیل ہوگا اور اگر سر کی طرف سے آیا ہو تو قتیل نہیں ہوگا یہ محیط میں ہے اور اگر اس کے دبر یا ذکر سے خون بہا ہو تو وہ مقتول نہیں ہے یہ اختیار شرح مختار میں ہے۔ اور اگر کسی محلّہ میں مقتول کا بدن یا نصف بدن سے زائد یا نصف بدن مع سر کے پایا گیا تو اہل محلّہ پر قسامت و دیت واجب ہوگی اور اگر طول میں آدھا چرا ہوا یا نصف سے کم مع سر کے یا اُس کا ہاتھ یا سر پایا گیا تو اس میں اہل محلّہ پر کچھ نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر محلّہ میں جنین یا ساقط شدہ بچہ جس میں ضرب کا کچھ اثر نہیں ہے پایا گیا تو اہل محلّہ پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر اُس میں چوٹ کا اثر ہو حالانکہ اُس کی خلقت[(1)] پوری ہو تو اہل محلّہ پر قسامت و دیت واجب ہوگی اور اگر خلقت ناقص ہو تو اُن پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔

اُجاڑ جگہ سے لاش پائی تو قریب و جوار کی آبادیوں میں قصاص کی بابت تحقیق ☆

اگر غلام یا مکاتب یا مدبر یا ام ولد یا ایسا مملوک ہو اپنی تھوڑی قیمت کے واسطے سعایت کر رہا ہے کسی محلّہ میں مقتول پایا گیا تو ان پر قسامت واجب ہوگی اور اہل محلّہ کی مددگار برادری پر تین سال میں مقتول کی قیمت ادا کرنی واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر بہائم یا سواری کے چوپاؤں میں سے کوئی مقتول پایا گیا تو اُس میں کچھ نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور کرایہ وغیرہ پر رہنے والے مالکوں[2] کے ساتھ امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک قسامت میں داخل نہ ہوں گے یہ تبیین میں ہے۔ اور یہ قسامت اُن لوگوں پر واجب ہوگی جن کو وہ زمین اوّل فتح کے وقت عطا ہوئی ہے اگر ان میں سے کوئی باقی رہا ہو اور جنہوں نے اُن سے خریدی ہے اُن پر واجب نہ ہوگی یہ امام اعظمؒ و امام محمدؒ کا قول ہی اور اگر ان میں سے کوئی باقی نہ رہا ہو چنانچہ سب نے فروخت کر دی تو یہ قسامت اُس کے خریدنے والے مالکوں پر واجب ہوگی اور جو لوگ وہاں کرایہ وغیرہ پر رہتے ہیں اُن پر واجب نہ ہوگی یہ امام اعظمؒ و امام محمدؒ کا قول ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر ایک محلّہ میں جو اُجاڑ و خراب ہو گیا ہے ایک شخص مقتول پایا گیا اور اُس محلّہ میں کوئی نہیں ہے اور اس محلّہ سے قریب ایک محلّہ آباد ہے اُس میں بہت لوگ ہیں تو آباد محلّہ کے لوگوں پر دیت و قسامت واجب ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر چند لوگ تلوار باندھے ہوئے باہم ملاقی ہوئے پھر جب وہ لوگ جدا ہو گئے تو ایک مقتول وہاں پایا گیا تو اُس کی قسامت وغیرہ اہل محلّہ پر ہوگی لیکن اگر وارثان مقتول نے ان لوگوں پر جو تلوار باندھے تھے یا ان میں سے کسی خاص آدمی پر اُس کے قتل کا دعویٰ کیا پس اگر اُن کے پاس گواہ ہوں تو گواہوں سے ثابت کرے اور اہل محلّہ پر کچھ واجب نہ ہوگا اور جب تک گواہ قائم نہ کریں تب تک ان لوگوں پر بھی کچھ واجب نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر کسی شخص کے دار میں ایک مقتول پایا گیا تو دیت اُس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور قسامت

[1] وہ شخص جس نے کسی پاکدامن کو تہمت زنا کی لگائی اور اس کو ثابت نہ کرے گا جس کی وجہ سے خود اُسی پر حد ماری گئی ۱۲ [2] یعنی مالکان مکانات و اراضی محلہ ۱۲ (۱) یعنی تمام اعضاء موجود ہوں ۱۲

اُس پر اور اُس کی قوم پر واجب ہوگی اور اگر وہ لوگ حاضر ہوں اور اگر دے لوگ نہ ہوں بلکہ غائب ہوں تو قسامت اُسی شخص پر جو مالک دار ہے واجب ہوگی کہ مکرر اس سے قسمیں لی جائیں گی یہ امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ہے یہ ہدایہ میں ہے اور اگر مشتریوں میں سے کسی کے دار میں مقتول پایا گیا تو اُسی پر قسامت اور اُس کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی جیسے کہ محلہ میں ایسے لوگ ہوں جن کو اول فتح میں وہ زمین عطا ہوئی ہے اور اُن میں سے کسی کے دار میں کوئی مقتول پایا گیا تو قسامت سے مالک دار پر ہوگی اور دیت اسی کی مددگار برادری پر ہوگی اور باقی ایسے لوگ جن کو اول فتح میں یہ ملک ملی ہے اس قسامت سے بری ہوں گے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر ولی مقتول نے محلہ میں سے کسی خاص شخص پر قتل کا دعویٰ کیا پھر محلہ کے دو آدمیوں نے مدعا علیہ پر دعویٰ مدعی کی گواہی دی تو بالاجماع اُن[1] کی گواہی مقبول نہ ہوگی یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر ایک محلہ میں ایک شخص مقتول پایا گیا اور وارث مقتول نے غیر اہل محلہ میں سے کسی شخص پر دعویٰ کیا اور اس محلہ کے لوگوں کے سوائے دوسرے دو گواہوں نے دعویٰ مدعی کی گواہی دی تو اُن کی گواہی مقبول ہوگی اور اہل محلہ قسامت اور دیت سے بری ہو جائیں گے اور اگر اس محلہ کے دو آدمیوں نے جن میں مقتول پایا گیا ہے دعویٰ مدعی کی گواہی دی تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اُن کی گواہی مقبول نہ ہوگی لیکن اہل محلہ قسامت و دیت سے بری ہو جائیں گے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ مدعا علیہ پر قاتل ہونے کا حکم ہونے (۱) کے واسطے دونوں کی گواہی قبول ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔

پھر امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر ولی مقتول نے اُن میں سے جن سے قسم لینا ہے دو گواہ اختیار کئے تو دونوں سے فقط یہ قسم لے گا کہ ہم نے اُس کو قتل نہیں کیا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں اس طرح قسم کھائیں کہ ہم نے اُس کو قتل نہیں کیا اور نہ ہم نے اُس کا کوئی قاتل سوائے فلاں شخص کے جانا ہے یہ کافی میں ہے۔ نوادر میں مذکور ہے کہ اگر کسی محلہ میں ایک شخص مقتول پایا گیا اور اہل محلہ نے زعم کیا کہ ہم میں سے ایک شخص نے اُس کو قتل کیا ہے اور ولی مقتول نے اُن میں سے کسی خاص شخص پر دعویٰ نہیں کیا تو قسامت و دیت سب اہل محلہ پر واجب ہوگی پھر امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک قسم کی کیفیت یوں ہوگی کہ اس طرح قسم لی جائے گی کہ واللہ ہم نے نہیں قتل کیا اور نہ اُس کا کوئی قاتل سوائے فلاں شخص کے ہم نے جانا ہے۔ اور یہی احوط ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر محلہ میں کوئی مقتول پایا گیا اور اہل محلہ نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص نے سوائے ہمارے اس کو قتل کیا ہے اور اس امر پر سوائے اپنے محلہ کے غیر لوگوں کو گواہ کر کے پیش کیا تو ان کی گواہی جائز ہوگی اور اہل محلہ قسامت و دیت سے بری ہوگے خواہ ولی مقتول نے یہ دعویٰ کیا ہو یا نہ کیا ہو یہ ذخیرہ میں ہے۔ نوادر ہشام میں ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ اگر ایک محلہ میں ایک مقتول پایا گیا اور اولیائے مقتول نے ان لوگوں پر دعویٰ کیا اور اہل محلہ نے گواہ پیش کئے کہ فلاں شخص نے جو اُن کے محلہ کا نہیں ہے اِس کو قتل کیا ہے یا یہ شخص مجروح اس محلہ میں ایا اور گر کر مر گیا تو فرمایا کہ اہل محلہ دیت سے بری ہو جائیں گے اور اگر اولیاء مقتول نے کسی خاص شخص پر قتل کا دعویٰ کیا اور اُس پر گواہ قائم کئے اور مدعا علیہ نے گواہ دیئے کہ فلاں شخص (۲) نے اس کو قتل کیا ہے۔ تو فرمایا کہ میں اس گواہی کو قبول نہ کروں گا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص ایک قبیلہ میں مجروح (۳) کیا گیا اور وہاں سے اپنے لوگوں میں اُٹھایا گیا پھر اس زخم سے مر گیا پس اگر چارپائی پر بیمار رہا یہاں تک کہ مر گیا تو قسامت و دیت اُس قبیلہ پر واجب ہوگی اور اگر صاحب فراش نہ رہا تو اس میں قسامت و دیت کچھ نہ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں قسامت و دیت نہیں ہے اور علیٰ ہذا اگر ایک شخص کی پشت پر مجروح پایا گیا کہ وہ اُس کو اُس کے گھر کی طرف اُٹھائے لئے جاتا تھا پھر وہ ایک دو روز کے بعد مر گیا پس اگر وہ چارپائی پر بیمار پڑا رہا

---

[1] اس واسطے کہ وے لوگ اپنے اوپر سے قسامت و دیت دفع کرنا چاہتے ہیں ۱۲ (۱) یعنی مدعا علیہ نے قتل کیا ہے ۱۲

(۲) یعنی ایک دوسرے شخص کو بتلایا ۱۲ (۳) نہیں معلوم کس نے مجروح کیا ہے ۱۲

یہاں تک کہ مر گیا تو اُس کا جرم اُس پر ہوگا جو اُس کو پیٹھ پر لادے ہوئے تھا جیسا کہ اگر اُس کی پیٹھ پر مر جانے کی صورت میں حکم ہے اور اگر وہ چلتا پھرتا تھا تو لادنے والے پر کچھ نہ ہوگا اور اس میں بھی امام ابو یوسفؒ کا خلاف ہے یہ کافی میں ہے۔ اگر کسی محلّہ یا قبیلہ میں مجروح کیا گیا اور وہاں سے مجروح اُٹھایا گیا اور اسی زخم سے دوسرے محلّہ میں آ کر مر گیا تو قسامت و دیت اُسی محلّہ والوں پر ہوگی جس میں مجروح کیا گیا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ جامع میں فرمایا کہ محلّہ یا مسجد تین قبیلوں نے اوّل فتح میں پایا ہے ایک قبیلہ بکر بن وائل اور وے بیس آدمی میں دو بنو قیس اور وے تیس آدمی ہیں اور سوم بنو تمیم اور وے پچاس آدمی ہیں پھر اس محلّہ یا مسجد میں کوئی مقتول پایا گیا تو اُس کی دیت تینوں قبیلوں پر تین تہائی واجب ہوگی یعنی ہر قبیلہ پر ایک تہائی واجب ہوگی اسی طرح اگر ایک قبیلہ میں صرف ایک ہی شخص ہو تو بھی تہائی دیت اُس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور اگر یہ شخص ہر دو قبائل میں سے نہ ہو بلکہ غیروں میں سے ہو لیکن ان دونوں قبیلوں میں سے ایک کا حلیف[1] ہو تو دیت ان دونوں قبیلوں پر نصفا نصف ہوگی اور حلیف قبیلہ پر کچھ نہ ہوگا اور نیز جامع میں فرمایا کہ ایک محلّہ کو اوّل فتح میں تین قبیلوں نے عطیہ پایا اور اُس میں انہوں نے ایک مسجد بنائی پھر ایک شخص نے جو ان تین قبیلوں کے سوائے غیر قبیلہ کا ہے ان تین قبیلوں میں سے ایک قبیلہ کے سب گھر خرید لئے یہاں تک کہ اس قبیلہ بائع میں سے کوئی نہ رہا پھر اس محلّہ یا مسجد میں کوئی مقتول پایا گیا تو دیت تین تہائی ہوگی جس میں سے ایک تہائی مشتری کی مددگار برادری پر اور دو تہائی باقی دونوں قبیلوں پر ہوگی اور اگر قبیلہ بائع کے مکانات خریدنے والا ہر دو قبیلہ باقیہ میں سے کوئی شخص ہو تو دیت ہر دو قبیلہ باقیہ پر نصفا نصف ہوگی اور اگر ان تینوں قبیلوں کے سوائے غیر قبیلہ میں سے ایک شخص نے دو قبیلوں کے تمام گھر خرید لئے اور باقی مسئلہ بحالہ ہے تو دیت میں سے نصف مشتری کی مددگار برادری پر ہوگی اور نصف باقی ایک قبیلہ کی مددگار برادری پر ہوگی اور اگر مشتری نے جو ان تینوں قبیلوں میں سے نہیں ہیں تینوں قبیلوں کے مکانات سب خرید لئے پھر اُس نے ایک قبیلہ کے سب مکانات اقوام متفرقہ کے ہاتھ فروخت کئے تو مقتول کی دیت مشتری اوّل پر ہوگی جب تک ان مکانوں میں سے اُس کی کچھ جگہ باقی رہے اور اگر سب گھر خریدنے والے نے ایک قبیلہ کے گھر اُنہیں لوگوں کے ہاتھ فروخت کئے جن کے سابق میں یہ گھر تھے یا اُن کے ساتھ بیع واقالہ کر لیا یا بغیر حکم قاضی کے بسبب عیب کے اُن کو واپس کر دیئے پھر محلّہ یا مسجد میں کوئی مقتول پایا گیا تو اُس کی دیت مشتری کی مددگار برادری پر ہوگی اور اگر اُس نے بسبب عیب کے بحکم قاضی واپس کئے ہوں تو مشتری کی مددگار برادری پر نصف دیت اور جن لوگوں کو گھر واپس کئے ہیں اُن کی مددگار برادری پر نصف دیت ہوگی یہ محیط میں ہے۔

اگر بازار یا جماعت کی مسجد میں کوئی مقتول پایا گیا تو اُس کی دیت بیت المال پر ہوگی بشرطیکہ یہ بازار عام ہو یا سلطانی ہو اور اگر کسی قوم خاص کی مملوک ہو تو قسامت و دیت اُنہیں پر واجب ہوگی اور واضح ہو کہ مسجد سے جامع مسجد مراد ہے یا ایسی مسجد جماعت جو بازار میں عام مسلمانوں کی ہو اور اگر مسجد محلّہ میں پایا جائے تو دیت و قسامت اہل محلّہ پر ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر شارع اعظم یعنی بڑے عام راستہ پر کوئی مقتول پایا گیا تو اُس میں قسامت کسی پر نہیں ہے اور اُس کی بیت المال پر ہوگی یہ کافی میں ہے۔ اور اگر مسجد الحرام میں بدون اس کے کہ لوگوں کا مسجد میں اژدحام ہو یا عرفہ میں یا غیر عرفہ میں کوئی مقتول پایا گیا تو بغیر قسامت کے اُس کی دیت بیت المال پر ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر زمین یا دار وقف میں جو چند معلوم لوگوں پر وقف ہے کوئی مقتول پایا گیا تو قسامت و دیت انہیں معلوم لوگوں پر واجب ہوگی اور اگر یہ زمین یا دار اخراجات مسجد کے واسطے وقف ہو تو ایسا ہے جیسے مسجد میں مقتول پایا گیا کہ اہل محلّہ پر قسامت و دیت واجب ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مسجد[2] کے وقف میں کوئی مقتول پایا گیا تو دیت بیت المال پر ہوگی یہ محیط

---

[1] وہ قوم یا وہ شخص جو کسی شخص خاص یا قوم خاص کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد پر باہم عہد و پیمان ہو ۱۲ [2] ظاہراً مسجد سے عام مسجد مراد ہے واللہ اعلم ۱۲

میں ہے۔اور اگر گاؤں میں ایک مقتول پایا گیا اور اصل وہ گاؤں اقوام متفرقہ کی ملک ہے اُس میں مسلمان و کافر دونوں مذہب کے مالک ہیں تو گاؤں والوں پر قسامت ہوگی مسلمان و کافر سب برابر ہیں پھر اُن پر دیت واجب ہوگی سو جس قدر مسلمانوں کے حصہ میں پڑے وہ ان کی مددگار برادری پر ہوگی اور جس قدر ذمیوں کے حصہ میں پڑے پس اگر اہل ذمہ کی مددگار برادری ہو تو اُس پر ورنہ ذمیوں کے ذاتی مالوں سے وصول کی جائے گی یہ مبسوط میں ہے۔اور اگر مسلمانوں کے محلہ میں کوئی مقتول پایا گیا اور اُن کے یہاں کوئی ذمی اُترا ہوا تھا تو ذمی مذکور سے قسم نہ لی جائے گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔اور اگر دو گاؤں یا دو کوچوں کے بیچ میں کوئی مقتول پایا گیا تو مقتول سے جو قریہ دکوچہ زیادہ قریب ہو اُسی کے لوگوں پر قسامت و دیت واجب ہوگی اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جہاں مقتول پایا گیا ہے وہاں دونوں گاؤں یا دونوں کوچوں کی آواز پہنچتی ہو اور اگر نہ پہنچتی ہو تو کسی گاؤں والے پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ اگر دو گاؤں کے بیچ میں مقتول پایا گیا کہ دونوں کی زمین اور دونوں کا راستہ ایک قوم کی ملک ہے کہ اپنی زمین وراستہ فروخت کرتے ہیں تو دیت عدد روس پر تقسیم[1] ہوگی اور فرمایا کہ یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور نیز منتقی میں ہے کہ اگر ایک گاؤں کی زمین میں ایک مقتول پایا گیا حالانکہ وہ دوسرے گاؤں کی آبادی کے گھر سے قریب تر ہے پس اگر وہ زمین جس میں قتیل[2] پایا گیا ہے مملوک ہو تو مالک ماخوذ ہوگا اور اگر مملوک نہ ہو تو جو گاؤں مقتول سے بہت قریب ہو اُس سے مؤاخذہ ہوگا اور نیز منتقی میں ہے کہ امام محمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک مقتول دو گاؤں کے بیچ میں پایا گیا پس آیا اُس کا مؤاخذہ اُس گاؤں والوں سے ہوگا جس کی آبادی مکانات سے زیادہ قریب ہے یا زمین سے قریب والوں سے مواخذہ ہوگا تو فرمایا کہ اگر اراضی اُن کی ملک نہ ہو بلکہ صحرا کے مثل اُس گاؤں کی طرف منسوب ہو تو جس کی آبادی سے قریب تر ہے اُس سے مؤاخذہ کیا جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔اگر دو گاؤں کے بیچ میں کوئی مقتول پایا گیا اور وہ دونوں گاؤں کے ٹھیک بیچ میں ہے کہ دونوں طرف فاصلہ برابر ہے اور گاؤں میں ہزار آدمی ہیں اور دوسرے میں اُس سے کم ہیں تو بالاتفاق اُس کی دیت دونوں گاؤں پر نصفا نصف ہوگی اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ایک مقتول تین دار کے ٹھیک بیچ میں کہ سب سے اُس کا فاصلہ برابر ہے پایا گیا اور ایک دار تمیمی کا اور دو دار ہمدانیوں کے ہیں تو دیت دونوں پر نصفا نصف ہوگی پس قریب کا اعتبار نہ کیا یا بلکہ قبیلہ کا اعتبار کیا یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے دار میں مقتول پایا گیا اور اس دار میں اُس کے خادم و غلام لوگ و آزاد لوگ ہیں تو قسامت و دیت فقط مالک دار پر واجب ہوگی ☆

اگر ایک شخص نے ایک دار خریدا اور ہنوز قبضہ نہیں ہوا ہے کہ اُس میں مقتول پایا گیا اور بیع میں کسی کے واسطے خیار نہیں ہے تو بائع کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اگر بیع میں خیار ہو تو قابض کی مددگار برادری پر ہوگی اور یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر بیع میں خیار نہ ہو تو مشتری کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اگر خیار ہو تو انجام کار وہ دار جس کا ہو جائے گا اُسی کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی یہ کافی میں ہے۔اور اگر ایک شخص کے قبضہ میں دار ہو اور اُس میں ایک مقتول پایا گیا تو مددگار برادری اس وقت تک دیت کی ضامن نہ ہوگی کہ جب تک گواہ یہ گواہی نہ دیں کہ یہ دار اس کی ملک ہے اور جب گواہوں سے یہ بات ثابت ہو جائے تو ضامن ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ایک شخص نے دار میں مقتول پایا گیا اور اس دار میں اُس کے خادم و غلام لوگ و آزاد لوگ ہیں تو قسامت و دیت فقط مالک دار پر واجب ہوگی اُن لوگوں پر کچھ نہ ہوگا یہ اسیجابی سے تاتارخانیہ میں منقول

---

[1] یعنی جتنے لوگ مالک ہیں اُن کی تعداد پر ۱۲

[2] قتیل بروزن فعیل بمعنی مفعول لینے مقتول جس کے معنی مارا ہوا ۱۲

ہے اور اگر ملک مشترک میں مقتول پایا گیا تو مالکوں پر قسامت واُن کی مددگار برادری پر بحساب رؤس مالکوں کے دیت واجب ہوگی یعنی جو تعداد مالکوں کی ہے دیت کے اُسی قدر برابر حصے ہوں گے بعدد ادحصہ واجب نہ ہوگی چنانچہ اگر ایک شخص کا حصہ تہائی دار ہو اور دوسرے کا دو تہائی ہو تو دیت ہر ایک کی مددگار برادری پر آدھی آدھی واجب ہوگی اسی طرح اگر چند اقوام کے درمیان ایک نہر مشترک ہو اور اُس میں کوئی مقتول پایا جائے تو اُس میں بھی یہی حکم ہے یہ ذخیرہ میں ہے جامع میں فرمایا کہ ایک دار گیارہ آدمیوں میں مشترک ہے جن میں سے دس ہزار آدمی قبیلہ بکر بن وائل کے ہیں اور ایک آدمی بنو قیس میں سے ہے پس اس میں ایک شخص مقتول پایا گیا تو اُس کی دیت کے گیارہ جزو ہوں گے اس میں سے دس جزو بنی بکر بن وائل کی مددگار برادری پر ہوں گے اور ایک جزو بنو قیس کی مددگار برادری پر ہوگا اسی طرح اگر ایک بنی بکر کا ہو اور دو بنی قیس کے ہوں اور دار ان سب میں تین تہائی ہو تو دیت تین تہائی ہو کر اُن کی مددگار برادری پر واجب ہوگی یہ امام محمدؒ کا قول ہے جس کو امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ سے اُس کے برخلاف روایت کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ ایک دار ایک تمیمی اور دو ہمدانیوں میں مشترک ہے اُس میں ایک مقتول پایا گیا تو نصف دیت تمیمی پر اور نصف دیت دونوں ہمدانیوں پر واجب ہوگی اور فرمایا کہ یہ حکم عدد قبائل پر ہے جس قدر قبائل ہوں دیت کے اُسی قدر حصے مساوی کئے جائیں گے اور بمنزلہ دو گاؤں کے بیچ میں جہاں سے دونوں گاؤں کا فاصلہ برابر ہے ایک مقتول پایا گیا تو ہر گاؤں والوں پر نصف دیت واجب ہوگی اور گاؤں والوں کی تعداد پر لحاظ نہ کیا جائے گا اور ایسا ہی اگر ایک دار ایک تمیمی اور چار ہمدانیوں میں مشترک ہو اور اُس میں کوئی مقتول پایا گیا تو امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ دیت دونوں پر نصفا نصف ہوگی اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دیت کے پانچ حصے ہوں گے یہ محیط میں ہے۔

منتقی میں ہے کہ امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی کہ ایک دار میں دو آدمی تھے کہ اُن کے سوائے تیسرا نہ تھا پھر ان میں سے ایک مقتول پایا گیا تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دوسرا اُس کی دیت کا ضامن ہوگا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ میں اُس کو دیت کا ضامن نہ کروں گا اس واسطے کہ شاید مقتول نے اپنے آپ کو خود قتل کر ڈالا ہو یہ خلاصہ میں ہے۔ ایک دار تین نفر میں مشترک ہے اس میں ایک مقتول پایا گیا تو دیت ان سب کی مددگار برادری پر تین تہائی ہوگی اور قسامت بھی ان سب کے گروہ پر ہوگی پس ہر ایک کے گروہ مددگار برادری کے سولہ سولہ آدمی ہوئے اور رہے پچاس کی کسر میں دو آدمی سو ولی مقتول کو اختیار ہے چاہے جس کی مددگار برادری میں سے چھانٹ لے اور یہ اُس کو اختیار نہیں ہے کہ سب پچاس کسی ایک نفر کی مددگار برادری سے چھانٹ لے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص اپنے دار میں مقتول پایا گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کی مددگار برادری پر اُس کی دیت اُس کے وارثوں کے واسطے واجب ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مددگار برادری پر کچھ واجب نہ ہوگا اور بنابر قول امام اعظمؒ کے قسامت واجب ہونے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے یہ اختیار کیا ہے کہ ایسی صورت میں قسامت نہ ہوگی یہ کافی میں ہے اور اگر مکاتب اپنے دار میں مقتول پایا گیا تو یہ بالاجماع ہدر ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور اگر مکاتب اپنے مولیٰ کے دار میں مقتول پایا گیا تو اُس کی قیمت اُس کے مولیٰ پر تین سال میں ادا کرنی واجب ہوگی اس میں سے اُس کی کتابت کا مال ادا کیا جائے گا اور اُس کی آزادی کا حکم دیا جائے گا اور جو کچھ باقی رہے گا وہ اُس کے وارثوں کو اُس کی میراث ملے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر مکاتب کے دار میں کوئی مقتول پایا گیا تو اُس پر واجب ہوگا کہ اُس کی دیت اور اپنی قیمت دونوں میں سے کم مقدار کے واسطے سعایت کر کے تین سال میں ادا کرے اور اُس کو اُس کی مددگار برادری نہ اُٹھائے گی یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور آیا مکاتب پر قسامت واجب ہوگی سو یہ کتاب میں مذکور نہیں ہے اور کچھ شک نہیں ہے کہ بنابر قول امام اعظمؒ وامام محمدؒ کے قسامت واجب ہوگی اور بنابر قول امام ابو یوسفؒ کے مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض

نے فرمایا کہ ان کے دوسرے قول پر قسامت واجب نہ ہوگی اور بعض نے فرمایا کہ واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔اگر مکاتب کے دار میں اُس کا مولیٰ مقتول پایا گیا تو مکاتب پر واجب ہوگا کہ اپنی قیمت اور مولیٰ کی دیت دونوں میں سے کم مقدار کے واسطے سعایت کرے یہ سراج الوہاج میں ہے اور اگر غلام اپنے مولیٰ کے دار میں مقتول پایا گیا تو اس میں کچھ واجب نہ ہوگا اور مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب غلام پر قرضہ نہ ہو اور اگر غلام پر قرضہ ہو تو مولیٰ اُس کی قیمت اور مقدار قرضہ میں سے کم مقدار کا ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔اسی طرح اگر غلام نے کسی پر کوئی جنایت کی پھر اپنے مولیٰ کے دار میں مقتول پایا گیا تو بھی یہی حکم ہے کہ مولیٰ بطریق مذکور ضامن[1] ہوگا یہ ظہیر یہ میں ہے۔اگر غلام ماذون التجارۃ کے دار میں کوئی مقتول پایا گیا تو شیخ الاسلام نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اگر اُس پر قرضہ نہ ہو تو قسامت اُس کے مولیٰ پر اور دیت مولیٰ کی مددگار برادری پر واجب ہوگی یہ حکم قیاساً و استحساناً ہے اور اگر اُس پر قرضہ ہو تو بھی صاحبینؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور استحساناً امام اعظمؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔اور اگر غلام ماذون کے دار میں اُس کا مولیٰ مقتول پایا گیا تو قسامت[2] و دیت مولیٰ کی مددگار برادری پر واجب ہوگی خواہ غلام پر قرضہ ہو یا نہ ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔اور اگر دار راہن یا مرتہن میں غلام مرہون مقتول پایا گیا تو اُس کی قیمت مالک دار پر واجب ہوگی نہ مددگار برادری پر یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔اگر کوئی شخص ایسے قرابت دار کے گھر میں مقتول پایا گیا جس کی گواہی مقتول کے حق میں مقبول نہیں ہو سکتی ہے یا عورت اپنے شوہر کے دار میں مقتول پائی گئی تو اس میں قسامت و دیت لازم ہے اور میراث سے محروم نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔اگر شہر میں ایک عورت کے مکان میں کوئی شخص مقتول پایا گیا حالانکہ اس گھر میں اُس کے قرابت داروں میں سے کوئی نہیں ہے تو عورت مذکور سے مکرر پچاس قسمیں لی جائیں گی پھر جو قبیلہ اس کی قرابت میں سے سب سے قریب ہو اُس پر مقتول کی دیت واجب ہوگی اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور یہی قول امام محمدؒ کا اور اوّل قول امام ابو یوسفؒ کا ہے یہ شرح مبسوط میں ہے۔

اگر اُس کے عشیرہ میں سے یعنی خویش دیگانوں میں سے وہاں حاضر ہوں تو قسامت میں اُس کے ساتھ شریک کئے جائیں گے یہ کفایہ میں ہے۔اور اگر عورت کے گاؤں میں کوئی مقتول پایا گیا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اُس عورت پر قسامت واجب ہوگی مکرر اُس سے قسمیں لی جائیں گی اور اُس کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور اُس کی مددگار برادری وہ قبیلہ ہوگا جو نسب میں سب سے زیادہ اُس کا قریب ہو اور ہمارے متاخرین اصحاب نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں دیت اُٹھانے میں مددگار برادری کے ساتھ یہ عورت بھی شریک ہوگی یہ کافی میں ہے۔اور اگر نابالغ کے دار میں کوئی شخص مقتول پایا گیا تو بالا جماع یہ حکم ہے کہ اُس پر قسامت واجب نہ ہوگی بلکہ قسامت و دیت اُس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور مجنون کے دار میں بھی بالا جماع یہی حکم ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔اگر یتیموں کے دار یا قریہ میں کوئی مقتول پایا گیا پس اگر ان میں کوئی بالغ ہو تو اُس پر قسامت واجب ہوگی اور دیت ان سب کی مددگار برادری پر ہوگی اور اگر بالغ نہ ہو تو قسامت و دیت ان سب کی مددگار برادری پر ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔اگر ذمی کے دار میں کوئی مقتول پایا گیا تو اُس پر قسامت واجب ہوگی کہ اُس سے مکرر پچاس قسمیں لی جائیں گی پھر جب اُس نے قسم کھالی پس اگر اُس کی مددگار برادری ہو کہ باہم ایسے معاملات میں مددگاری کرتے ہوں دیت اُس کی مددگار برادری پر ہوگی ورنہ اُس کے مال سے واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔اگر ایک شخص اپنے بیٹی و بیٹا کے دار میں جو دونوں میں نصفا نصف مشترک ہے مقتول پایا گیا پھر ہر ایک نے دوسرے پر اُس کے قتل کا دعویٰ کیا تو پسر کے واسطے تہائی دیت دختر کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور دختر کی مددگار برادری پسر کی مددگار برادری ہوگی اور دختر کے واسطے اپنے بھائی کی مددگار برادری پر چھٹا حصہ دیت واجب ہوگا اور اگر پسر نے اپنی بہن کے شوہر

---

1. یعنی ارش جنایت اور قیمت میں سے کم مقدار کا ۱۲ 2. در بار خون قسم لینا ۱۲

پر باپ کے قتل کا دعویٰ کیا تو پسر کے واسطے کچھ واجب نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ مجموع النوازل میں ہے کہ اگر ایک شخص اپنے پسر کے گھر میں مقتول پایا گیا حالانکہ اُس نے اپنے مجروح ہونے کی حالت میں موت سے پہلے یہ کہا کہ مجھے فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو اُس نے پسر کی مددگار برادری کو دیت سے بری کر دیا لیکن اس سے جو اُس کے پسر پر لازم آیا ہے وہ باطل نہ ہوگا اگر اہل عطا میں سے ہے تو پانچ درم یا اس سے کم اور نیز مجموع النوازل میں ہے کہ اگر مہمان اپنے دار کے گھر میں مقتول پایا گیا تو اُس کا مواخذہ مالک مکان سے ہوگا یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر وہ علیحدہ کوٹھری میں اُترا ہوا ہو تو دیت و قسامت کچھ نہ ہوگی اور اگر مختلط ہو تو مالک مکان پر دیت و قسامت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر اپنے وارث کے مکان میں مقتول پایا گیا اور اُس کے سوائے اُس کا کوئی وارث نہیں تو اس وارث کے واسطے مددگار برادری دیت نہ بھرے گی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر ایک شخص ایک نہر میں جس میں پانی بہتا ہے مقتول پایا گیا پس اگر نہر عظیم جیسے فرات وغیرہ پس اگر پانی اُس مقتول کو بہائے لاتا ہو اور اس دریا کا نکاس دار الحرب سے ہو تو مقتول کا خون ہدر[1] ہوگا خواہ وہ بیچ دھار میں بہتا یا کنارے بہتا ہو اور اگر دریا کا نکاس دار الاسلام سے ہو تو دیت بیت المال سے واجب ہوگی اور اگر مقتول مذکور بہتا نہ ہو بلکہ کسی کنارے لگا ہوا ہو تو اُس کی دیت وہاں سے جو گاؤں سب سے زیادہ نزدیک ہو اُس پر واجب ہوگی اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جو گاؤں سب سے زیادہ قریب ہو وہاں کی آواز یہاں تک پہنچتی ہو اور اگر آواز نہ پہنچتی ہو تو ان پر بھی کچھ واجب نہ ہوگا بلکہ فقط بیت المال پر اُس کی دیت واجب ہوگی اور اگر نہر صغیر اقوام معروف کی ہو تو اصحاب نہر پر قسامت اور ان کی مددگار برادریوں پر اس کی دیت واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور نہر صغیر و کبیر میں یہ فرق ہے کہ جس نہر سے استحقاق شفعہ ثابت ہوتا ہے وہ صغیر ہے جس سے استحقاق شفعہ ثابت نہ ہو وہ کبیر ہے جیسے فرات وغیرہ جیسا کہ کتاب الشفعہ میں معلوم ہو چکا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر کشتی میں کوئی مقتول پایا گیا تو کشتی کے سوار لوگ و ملاح لوگ جو اُس میں ہیں سب پر قسامت واجب ہوگی۔ اور یہ لفظ ارباب کشتی کو بھی شامل ہے حتیٰ کہ جو ارباب اُس میں موجود ہیں سب پر قسامت واجب ہوگی اور سکان پر اور جو اُس کو کھینچتے ہیں اُن پر واجب ہوگی اور اُس میں مالک و غیر مالک سب یکساں ہیں اور اگر دون کا بھی یہی حکم ہے یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر ایک سواری کے چوپایہ پر ایک شخص مقتول پایا گیا اور جانور مذکور کے ساتھ سائق یا قائد یا راکب ہے تو مقتول کی دیت اُسی کی مددگار برادری پر ہوگی اہل محلہ پر نہ ہوگی اور اگر سائق و قائد و راکب سب اس جانور کے ساتھ ہوں تو سبھی پر دیت واجب ہوگی اور یہ شرط نہیں ہے کہ یہ لوگ جانور مذکور کے مالک ہوں بخلاف دار کے کہ دار میں یہ شرط ہے۔ اور اگر جانور سواری کے ساتھ کوئی نہ ہو صرف اُس پر مقتول پایا گیا تو جس محلہ میں چوپایہ پر وہ مقتول پایا گیا ہے اُس محلہ والوں پر دیت و قسامت واجب ہوگی یہ تبیین میں ہے۔ اگر ایک سواری کا جانور مقتول کو لادے ہوئے دو گاؤں کے بیچ میں ہو کر گذرا تو جو گاؤں وہاں سے بہت قریب ہو اُس پر دیت و قسامت واجب ہوگی اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم اُس صورت میں ہے کہ جب اس سب سے قریب والے گاؤں والوں کو آواز یہاں کی پہنچتی ہو اور اگر اتنا فاصلہ ہو کر یہاں کی آواز وہاں والوں کو نہ سنائی دیتی ہو تو اُن پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر بیابان میں کوئی مقتول پایا گیا پس اگر وہ زمین کسی کی مالک ہو تو مالک پر قسامت و دیت اُس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور اگر کسی کی ملک نہ ہو پس اگر کسی آبادی تک وہاں کی آواز سنائی دیتی ہو تو اُنہیں پر قسامت واجب ہوگی اور اگر وہاں کی آواز کہیں نہ سنائی دیتی ہو پس اگر اُس جنگل سے مسلمانوں کو جلانے کی لکڑیاں یا ہری یا سوکھی گھاس کی منفعت ہو تو دیت بیت المال سے واجب ہوگی اور اگر اُس سے مسلمانوں کی منفعت بھی

---

[1] کیونکہ احتمال ہے کہ حربیوں نے اُس کو مار کر دریا میں ڈال دیا ہو ۱۲

منقطع ہو تو مقتول کا خون ہدر ہوگا اسی طرح جس میدان جنگل میں جس کے قریب آبادی نہ ہو مقتول پایا جائے اُس کا بھی یہی حکم ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور منتقی میں ہے کہ اگر چھوٹے یا بڑے پل پر کوئی مقتول پایا گیا تو بیت المال پر اُس کی دیت ہوگی اور نیز منتقی میں ہے کہ اگر مثل شہر ابو جعفر کے خندق میں کوئی مقتول پایا گیا تو یہ بمنزلہ بڑے راستہ کے ہے کہ جو محلہ وہاں سب سے زیادہ قریب ہوگا اُسی پر قسامت و دیت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر لشکر گاہ میں کوئی مقتول پایا گیا حالانکہ یہ لوگ ایک جنگل بیابان میں اُترے ہیں جو مباح ہے کسی کی ملک نہیں ہے پس اگر چھوٹی چھولداری یا بڑے خیمہ میں پایا گیا تو قسامت و دیت اُسی پر واجب ہوگی جو اُس میں رہتا ہے اور اگر اُس سے باہر پایا گیا اور یہ لوگ ہر ہر قبیلہ جدا جدا اُترے ہیں تو اُس قبیلہ پر واجب ہوگی جس میں وہ مقتول پایا گیا ہے اور اگر دو قبیلوں کے بیچ میں پایا گیا تو جو مقتول سے نزدیک ہو اُس پر واجب ہوگی اور اگر فاصلہ برابر ہو تو دونوں قبیلوں پر واجب ہوگی یہ تبیین میں ہے اور اگر ایک جگہ سب مجتمع مختلط اُترے ہوں پس اگر کسی شخص کے خیمہ یا بڑے خیمہ میں پایا گیا تو خیمہ والے پر دیت و قسامت واجب ہوگی اور اگر خیموں سے باہر پایا گیا تو تمام اہل لشکر پر واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔

اگر لشکر کسی شخص کی زمین مملوکہ میں ہو تو اُسی پر قسامت و دیت واجب ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر اہل لشکر اپنے کافروں دشمنوں سے ملاقی ہوئے ہوں پھر جب جدا ہوئے تو ایک مسلمان مقتول پایا گیا تو مقتول کے واسطے قسامت و دیت کچھ واجب نہ ہوگی اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ اُس کو کسی نے قتل کیا ہے اسی طرح اگر دونوں گروہ مسلمان ہوں لیکن ایک گروہ باغی ہو اور دوسرا عادل ہو اور اہل عدل میں سے ایک شخص اُن کے جدا ہونے کے بعد مقتول نظر آیا اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اُس کو کس نے قتل کیا ہے تو اُس کے واسطے دیت و قسامت واجب نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر قید خانہ میں مقتول نظر آیا تو دیت بیت المال پر واجب ہوگی اور بنا بر قول امام ابو یوسفؒ کے دیت و قسامت قید خانہ والوں پر واجب ہوگی یہ ہدایہ میں ہے۔ اور اگر خالی گھر میں قفل لگا ہوا ہو پھر اُس میں کوئی مقتول پایا گیا تو قسامت و دیت مالک مکان کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور یہ امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ سب کا قول ہے کذا فی المحیط۔

سولھواں باب☆

معاقل کے بیان میں

معاقل جمع معاقلہ بمعنی دیت ہے کذا فی الہدایہ۔ عاقلہ اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو دیت ادا کرتے ہیں اور دیت کو عقل و معقل اس وجہ سے کہتے ہیں وہ خونریزی سے روکتی ہے یہ کافی میں ہے۔ ہر شخص کے عاقلہ ہمارے نزدیک اُس کے اہل دیوان ہوتے ہیں کذا فی المحیط اور اہل دیوان اہل رایات ہیں یعنی وہ لشکری لوگ جن کے نام دیوان میں لکھے ہیں یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر قاتل اہل دیوان میں سے ہو پس اگر غازی ہو اور اُس کا دیوان ہو کہ وہاں سے لڑائی کے واسطے روزینہ پاتا ہو تو اُس کے عاقلہ وہ لوگ ہوں گے جو غازیوں میں سے اُس کے دیوان میں درج ہیں اور اگر وہ مکاتب ہو اور اُس کا دیوان ہو کہ اُس میں سے روزینہ پاتا ہے تو اُس کے عاقلہ وہ لوگ ہوں گے جو دیوان کتابت سے روزینہ پاتے ہیں بشرطیکہ باہم ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہوں اور اگر اُس کا دیوان نہ ہو تو اُس کے مددگار لوگ اُس کے عاقلہ ہوں گے پس اگر اُس کی مدد از جانب محلات و دریبات ہو تو دیت اُن پر ڈالی جائے گی اور اگر قاتل گاؤں کا رہنے والا ہو اور اُس کی مدد اہل دیہ سے ہو تو دیت اُنہیں پر ڈالی جائے گی یہ محیط میں ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ اس معاملہ میں اعتبار باہمی مددگاری کا اور بعض کا بعض کے کام آنے کا ہے پس اگر اہل محلہ و اہل بازار و اہل دیہ و خویشاں دے گانگان باہم

ایسے ہوں گے کہ اگر ایک پر کچھ مصیبت پڑے تو سب اُس کی مددگاری و کفایت کار میں شریک ہو جاتے ہوں تو وے لوگ عاقلہ ہوں گے ورنہ اگر اُس کے مددگار اہل دیوان اور خویشاں دیگانگاں اور اہل محلہ و اہل بازار ہوں تو اہل دیوان کو ترجیح ہوگی پس اگر اہل دیوان نہ ہوں تو خویشان دیگانگاں اولیٰ ہیں پھر اس کے بعد اہل محلہ و اہل بازار مددگار قرار دیئے جائیں گے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر بعض مددگار بعض نہ ہوں تو اُس کے عاقلہ و خویش و یگانہ ہوں گے جو اُس کے باپ کی طرف کے رشتہ دار ہیں کذا فی المحیط اور دیت ان لوگوں پر تین سال میں پھیلائی جائے گی کہ ہر واحد سے ہر سال میں سوائے ایک درم کے یا ایک درم و تہائی درم کے نہ لیا جائے گا اور پوری دیت میں سے تین سال میں ہر واحد پر تین درم یا چار درم سے زیادہ[1] نہ کیا جائے گا اور اگر پورے قبیلہ میں پھیلانے سے یہ پڑتا نہ پڑتا ہو یعنی اس قدر گنجائش نہ ہو تو اس قبیلہ کے ساتھ اُس کے کسی قبائل میں سے جو سب سے قریب ہو وہ ملایا جائے گا پھر بھی اگر پورا نہ پڑے تو دوسرا جو باقی سب سے قریب ہے وہ ملایا جائے گا اسی طرح عصبات کی ترتیب[!] سے قریب بقریب ملائے جائیں گے کہ پہلے بھائی پر اُن کی اولاد پھر چچا پھر اُن کی اولاد ملائے چلے جائیں گے اور رہے آباء و ابناء یعنی باپ و دادا و پردادا وغیرہ و بیٹا و پوتا و پرپوتا وغیرہ سو بعض نے فرمایا کہ یہ لوگ داخل کئے جائیں گے اور بعض نے فرمایا کہ نہیں داخل کئے جائیں گے یہ کافی میں ہے۔ خاوند اپنی بیوی کا عاقلہ نہیں ہوتا ہے اسی طرح بیوی بھی خاوند کی عاقلہ نہیں ہوتی ہے اور بیٹا اپنی ماں کا عاقلہ نہیں ہوتا ہے۔ الا اُسی صورت میں ہوتا ہے کہ جب اُس کی ماں کا شوہر یعنی اس کا باپ اُس کی ماں کے باپ کی طرف سے نسبی رشتہ داروں میں سے ہو یہ محیط میں ہے۔

پھر قاتل بھی ایک عاقلہ میں سے ہوتا ہے کہ جو ہر ایک پر عاقلہ میں سے لازم آتا ہے وہی اُس پر بھی لازم آئے گا[۲] یہ ہمارے نزدیک ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اور عورتوں و ذریات میں سے جس کے نام عطیہ دیوان میں لکھا ہو اُس پر عقل لازم نہیں ہے اور علیٰ ہذا اگر قاتل کوئی لڑکا نابالغ یا عورت ہو تو ان دونوں پر دیت میں سے کچھ واجب نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اور مجنون و غلاموں و باندیوں سے کچھ نہ لیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر عاقلہ قلیل ہوں یہاں تک کہ ہر ایک کے حصہ میں تین سال میں چار درم سے زیادہ آتے ہوں تو دوسرے دیوان میں سے جو اقرب ہوں وہ ملائے جائیں گے اور اس شہر کے دیوان میں سے جو اقرب ہوں وہ بہ نسبت ابعد کے اولیٰ ہیں یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور قاتل کے دیوان سے اقرب وہ دیوان ہوگا جو قائد اس دیوان کا ہو۔ اُس دیوان کے قائد کے ہاتھ سے جس میں قاتل کا نام درج ہے۔ پھر اگر اس شہر کے اقرب دیوان کو قاتل کے دیوان سے ملانے سے کافی نہ ہوا تو اس شہر کے ابعد دیوان کو دیوان قاتل و اقرب کے ساتھ ملا دیں گے اور دیوان ابعد وہ ہے جس کا قائد اُس قائد کے ہاتھ سے نہ ہو جس میں قاتل کا نام درج ہے بلکہ اُس کا قائد والی ملک کے ہاتھ سے ہو پھر اگر ابعد دیوان کے ملانے سے بھی کافی نہ ہوا تو اُس کے خویش جو باپ کی طرف سے ہیں ملائے جائیں گے اور اگر اس شہر کے دیوانوں میں سے ایک دیوان اقرب بدیوان قاتل ہو لیکن یہ لوگ اجنبی ہوں اور ایک دیوان ابعد از دیوان قاتل ہو لیکن وے لوگ اُس کے خویش ہیں اور باپ کی جانب سے خویش ہیں تو دیوان قاتل کے ساتھ اقرب دیوان کے لوگ ملائے جائیں گے اگر چہ وہ لوگ اجنبی ہوں یہ محیط میں ہے۔ اور اگر دو دیوان از راہ قرب کے برابر ہوں اور ایک دیوان قاتل کے باپ کی جانب سے خویش ہیں اور دوسرے ماں کی جانب سے خویش ہیں تو اُس کے ساتھ اُس کے خویشوں کا

! مثلاً اول بیٹا پھر پوتا پھر پرپوتا اگر چہ کتنے ہی نیچے درجہ کا ہو پھر اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو باپ اور پھر اگر وہ بھی نہ ہو تو دادا اسی طرح پردادا اگر چہ کتنے ہی اوپر درجہ میں ہو بعد دیگر عصبات بترتیب قرابت ۱۲

(۱) یعنی تین سال ہیں تین درہم دے یا چار درہم ہو جائیں ۱۲

(۲) یعنی تین یا چار درم تین یا تین سال ہیں ۱۲

دیوان ملایا جائے گا اور نسب کی راہ سے ترجیح کا اعتبار ہو گا اور ترجیح پہلے تو قربت دیوان کی راہ سے معتبر ہو گی اور جب اس قرب میں برابر ہوں تو نسب کی راہ سے ترجیح[1] معتبر ہو گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور شیخ ابو جعفر سے منقول ہے کہ اگر قاتل ایسا شخص ہو جس کا نام دیوان میں درج ہے اور اُس کے اقرباء کے بھی دیوان ہوں تو اُس کی مددگار دیت ادا کرنے میں اُس کے اُن خویشوں پر ہو گی جو اُس کے دیوان میں ہیں پس اگر یہ کافی نہ ہوں تو اُس کے سب اقرباؤں پر ہو گی خواہ اُس کے دیوان میں سے ہوں یا غیر دیوان میں سے ہوں۔ اور اگر قاتل کا نام دیوان میں درج نہ ہو لیکن اُس کے اقرباء کا نام دیوان میں درج ہو تو اُس کی دیت ادا کرنے کی مددگاری اُس کے اُن اقرباء دیوانیان پر ہو گی جن کا رشتہ قاتل سے بہت قریب ہے پس اگر کافی نہ ہوں تو اُس کے سب اقرباء پر ہو گی اور اگر قاتل کا نام دیوان میں درج نہ ہو لیکن اُس کے بعض اقارب کا نام دیوان شہر میں درج ہو اور بعض کا نام درج نہ ہو اور وہ لوگ دیہات میں رہتے ہوں تو دیکھا جائے گا کہ اگر قاتل بھی دیہ میں رہتا ہو تو اُس کی مددگاری ان اقاربوں پر ہو گی جو دیہات میں رہتے ہیں اور اگر یہ لوگ کافی نہ ہوں تو اُس کی مددگاری میں اُس کے خویشاں دیہاتی بھی و شہری جن کا نام دیوان میں درج ہے شامل کئے جائیں گے پھر اگر کچھ مال زائد رہے تو خاص قاتل کے مال سے دیا جائے گا اور اگر قاتل شہر میں رہتا ہو تو اُس کی مددگاری میں وہ لوگ لئے جائیں گے جو شہر میں ہیں کہ ان کا نام دیوان میں درج ہے پھر اگر کفایت نہ کرے تو باقی خاص اُس کے مال سے دی جائے گی اور اُس کے ان قرابت داروں پر جو دیہات میں رہتے ہیں کہ ان کا نام دیوان میں درج نہیں ہے کچھ دیت کا حصہ واجب نہ ہو گا۔ اور اگر اُس کا اُس کے قرابت داروں کا دیوان نہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ اہل حرفہ سے مدد لیتا ہے تو اُس کی مددگاری اہل حرفہ پر واجب ہو گی اور جو کچھ زائد ہے وہ خاص اُس کے مال سے دلائی جائے گی اور اگر اہل محلہ سے مددگاری لیتا ہے تو اُس کے جرم کی دیت کی مددگاری اہل محلہ پر ہو گی اور باقی اپنے مال سے دے گا اور اگر اہل شہر سے مدد لیتا ہے تو اُس کی مددگار اہل شہر پر ہو گی یہ محیط میں ہے۔

جن لوگوں کا نام دیوان میں درج نہیں ہے جیسے شہر سے باہر دیہاتی لوگ وغیرہ تو ان کی باہمی مددگاری باعتبار نسب کے ہو گی اگرچہ اُن کے رہنے کے ٹھکانے اور دور و دراز اور دیہات مختلف ہوں یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر دیہاتی آدمی شہر میں اُترا اور اُس کا گھر شہر میں نہیں ہے تو اہل مصر جن کو دیوان سے عطیہ ملتا ہے وہ اُس کی مددگاری میں دیت ادا نہ کریں گے جیسے کہ شہری لوگوں میں سے اگر کوئی شخص دیہات میں گیا ہو تو دیہاتی لوگ اُس کی مددگاری ادائے دیت میں نہ کریں گے یہ کافی میں ہے۔ اور جس شخص کے قرابت دار نہ ہوں اور نہ اُس کا نام دیوان میں درج ہو تو امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ اُس کی دیت اُس کے مال سے دی جائے گی اور اسی کو عصامؒ نے اختیار کیا ہے ظاہر الروایہ کے موافق بیت المال پر واجب ہو گی اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اُس کو صدر الشہید حسام الدینؒ نے ذکر کیا ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ اور کتاب الولاء میں ذکر فرمایا کہ بیت المال ایسے شخص کی طرف سے دیت نہیں ادا کرتا ہے جس کے خویش موجود ہوں یا وارث ہو خواہ وارث مذکور مستحق میراث ہو مثلاً آزاد مسلمان ہو یا نہ ہو مثلاً کافر یا غلام ہو حتیٰ کہ فرمایا اگر حرابی مستامن[2] نے ایک مسلمان غلام خریدا پھر اُس کو آزاد کر دیا پھر مستامن مذکور دار الحرب کو لوٹ گیا پھر وہاں مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو کر دار الاسلام میں لایا گیا پھر غلام آزاد کردہ شدہ مر گیا تو اُس کی میراث بیت المال میں رہے گی اس واسطے کہ اُس کا آزاد کرنے والا رقیق ہے اور اگر اس غلام آزاد شدہ نے جنایت کی تو ادائے دیت میں اُس کی مددگاری اُسی پر ہو گی بیت المال پر نہ ہو گی کذا فی الحیط۔ اور یہی صحیح ہے یہ نہایہ میں ہے۔ اور شمس الائمہ حلوائی نے ذکر کیا کہ متاخرین نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ سوائے عرب کے باقی ملک عجم کے

---

[1] یعنی وہ لوگ مقدم ہوں گے ۱۲ [2] وہ کافر دار الحرب کا رہنے والا جو دار الاسلام میں امان لے کر داخل ہوا ۱۲

واسطے عاقلہ نہیں ہے اور یہی قول فقیہ ابو بکر بلخی اور ابو جعفر ہندوانی کا ہے اس واسطے کہ عجم نے اپنے انساب کی حفاظت نہیں رکھی ہے اور نہ باہم ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں اور نہ اس کے واسطے دیوان ہے اور دیت کا بار دوسرے غیر پر ڈالنا عرب کے حق میں برخلاف قیاس ثابت ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے نسبوں کو ضائع نہیں کیا ہے اور باہم ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں پس عجم لوگ اُن کے ساتھ نہیں ملائے جائیں گے اور بعض نے فرمایا کہ عجم کے واسطے بھی عاقلہ ہے وقت باہمی مدد کی ضرورت کے اور کسی کے ساتھ لڑائی کرنے کے شریک ہوتے ہیں جیسے مرد کے موزہ دوز اور کشمیرے اور بخارا کے دریہ وکلاباد کے بڑھئی پس اگر ان میں سے کسی نے خطا سے قتل کیا اور دیت واجب ہوئی تو اُس کے اہل محلہ دیہاتی عزیز اُس کے عاقلہ ہوں گے اور یہی حال طالب علموں کا ہے اور اسی کو شمس الائمہ حلوائی نے اور بہت سے مشائخ نے اختیار کیا ہے اور امام ظہیر الدین مرغینانی فقیہ ابو جعفر کا قول اختیار کرتے تھے اس واسطے کہ باہمی مددگاری برادرانہ کا اعتبار ہے اور موزہ دوزوں و طالب علموں وغیرہ کا جمع ہو جانا کچھ اس واسطے نہیں ہے پس ان پر یہ واجب نہ ہوگا کہ غیر کا بار اپنے ذمہ برداشت کریں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک شہر کے لوگ دوسرے شہر کے لوگوں کی دیت ادا کرنے میں مددگاری نہ کریں گے جب کہ ہر اہل شہر کے واسطے علیحدہ دیوان ہو اور اگر ان میں باہمی مددگاری باعتبار نزدیکی سکونت کے ہو تو دوسرے شہر کے بہ نسبت اہل شہر زیادہ قریب ہیں کذا فی الہدایہ اور اگر اس کے دو بھائی ایک ماں و باپ سے ہوں اور ایک کا دیوان کوفہ میں اور دوسرے کا بصرہ میں ہے تو ایک بھائی دوسرے کا عاقلہ نہ ہوگا بلکہ اُس کے عاقلہ اُس کے وارثوں کے لوگ ہوں گے یہ مبسوط میں ہے۔ اور ہر شہر والے کے عاقلہ اُس کے اہل سواد و دیہاتی ہوں گے اور جس کا گھر بصرہ میں ہو اور اُس کا نام کوفہ کے دیوان میں درج ہو تو اہل کوفہ اُس کے عاقلہ[1] ہوں گے یہ کافی میں ہے اور اگر ایک شخص نے خطا سے قتل کیا اور اُس کا مرافعہ برسوں قاضی کے سامنے نہ ہوا پھر قاضی کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو قاضی قاتل کی مددگار برادری پر تین سال میں دیت ادا کرنے کا حکم دے گا کہ جس روز سے قضیہ فیصل ہوا ہے اُس دن سے تین سال میں ادا کی جائے پس اگر اُس کے عاقلہ اُس کے اہل دیوان ہوں تو اُن کے عطیات میں مال دیت دینے کا حکم جاری کرے گا اور ایک تہائی ان کے اول عطاء میں قرار دے گا کہ جو اول عطاء بعد اس حکم کے ہو اُس میں سے ایک تہائی دیت وہ لوگ ادا کریں اگرچہ قتل اور اُس کا قضیہ فیصل ہونے میں اور ان کے عطیات ملنے میں فقط ایک مہینہ یا اُس سے بھی کم ہو۔ اور دوسری تہائی کے واسطے حکم دے گا کہ جب دوسرا عطیہ وصول ہو خواہ سال گذر جانے اور دیر ہو جانے کے بعد وصول ہو یا سال سے پہلے وصول ہو جائے اور اسی طرح تیسری تہائی کے واسطے بھی یوں ہی حکم کرے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر بعد فیصلہ مقدمہ قتل کے قاتل کے اہل دیوان کو اُن کا عطیہ تین سال کا پیشگی ایک بارگی عطا کیا گیا تو پوری دیت اس سب عطیہ میں سے فی الحال وصول کر لی جائے گی۔ اور اگر عاقلہ کا عطیہ جو حکم دیت جاری ہونے سے پہلے کا تھا بعد فیصلہ مقدمہ کے عطا ہو تو اُس میں سے کچھ دیت نہ لی جائے گی بلکہ بعد حکم دیت کے جو عطایا واجب ہوں جب وہ وصول ہوں تو اُس میں سے دیت لی جائے گی اور اگر ہر شش ماہی میں عطیہ ملتا ہے تو اُس میں چھٹا حصہ دیت واجب ہوگا اور اگر ہر چہار ماہ کے بعد ملتا ہے تو اُس میں نواں حصہ دیت واجب ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر قاتل کے عاقلہ مددگار برادری اہل رزق ہوں جن کو روزینہ ماہوری ملتا ہے تو اُن کے روزینہ میں سے دیت ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا پس اگر دیت ادا کرنے کا حکم ہونے سے پہلے مہینوں کا روزینہ وصول ہوا تو اُس میں سے کچھ نہ لیا جائے گا اور اگر حکم دیت ہونے کے بعد مہینوں کا روزینہ وصول ہوا تو اُس میں سے بقدر حصہ کے دیت لی جائے گی پس دیکھا جائے گا کہ اگر اُن کو ماہوری روزینہ ماہ بماہ وصول ہوتا ہے تو ہر مہینہ کے روزینہ میں سے

---

[1] مددگار اشخاص یعنی مددگار برادری ۱۲

چھتیسواں حصہ لیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔اور اگر قاضی کے حکم دینے کے ایک یا دو روز کے بعد روزینہ وصول ہوا تو اس مہینہ کے روزینہ کے بقدر ایک ماہ کے حصہ کی دیت لی جائے گی اور اگر اُس کی مددگار برادری کے واسطے ماہوری روزینہ اور سالانہ عطیہ مقرر ہو تو اُن کے عطیات میں سے دیت دینا لازم کیا جائے گا روزینہ میں سے دینا لازم نہ کیا جائے گا یہ کافی میں ہے۔اور رزق وعطاء میں فرق یہ ہی کہ رزق وہ ہے جو لوگوں کے واسطے بقدر حاجت وکفایت کے کہ اُس کو روزانہ مہینہ میں کافی ہو بیت المال سے مقرر کیا جاتا ہے اور عطیہ وہ ہے کہ سالانہ مقرر کیا جاتا ہے بلحاظ تنگی وتکلیف در باب قرضہ کے نہ بلحاظ حاجت وکفایت کے یہ محیط سرخسی میں ہے۔اور اگر قاتل اہل کوفہ میں سے ہو اور وہاں اُس کا عطیہ تھا مگر اُس پر دیت کی ڈگری نہ ہوئی یہاں تک کہ اُس کا دیوان بصرہ میں بدل گیا تو اہل بصرہ میں سے اُس کے عاقلہ پر دیت ادا کرنے کی مددگاری واجب ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

اگر اُس کے عاقلہ کوفہ پر تین سال میں دیت ادا کرنے کا حکم ہو گیا اور اُس سے تہائی دیت لی گئی ہو یا نہ لی گئی ہو پھر اُس کا نام بدل کر اہل بصرہ کے دیوان میں داخل کیا گیا تو دیت ادا کرنے کی مددگاری اہل کوفہ پر رہے گی اور اہل بصرہ کی طرف تحویل نہ کی جائے گی لیکن بصرہ کے قاتل کے عطیہ سے اُس کا حصہ دیت لے لیا جائے گا یہ محیط میں ہے اور اگر اُس کا مسکن کوفہ میں ہو اور اُس کا کچھ عطیہ نہ ہو اور اُس نے خطا سے کسی کو قتل کیا اور ہنوز اُس پر قاضی کا حکم نہیں ہوا تھا کہ اس نے کوفہ چھوڑ کر بصرہ میں وطن اختیار کیا تو اُس کے عاقلہ بصرہ پر دیت کا حکم دیا جائے گا اور اگر اُس کے عاقلہ کوفہ پر دیت کا حکم ہو گیا ہو پھر اُس نے کوفہ چھوڑ کر بصرہ میں وطن اختیار کیا تو عاقلہ کوفہ سے دیت منتقل نہ ہوگی اسی طرح اگر دیہاتی نے قتل کیا اور حکم دیت ہونے سے پہلے وہ شہر میں رہنے لگا اور اُس کا نام دیوان میں درج ہو گیا تو اہل دیوان اُس کے عاقلہ ہو کر دیت میں مددگار ہوں گے اور اگر اُس کے دیہاتی عاقلہ پر دیت کا حکم ہو جانے کے بعد وہ شہر میں آکر دیوان میں درج ہوا تو عاقلہ دیہات سے دیت منتقل نہ ہوگی یہ کافی میں ہے اگر بدوی نے کسی شہری کو خطا سے قتل کر ڈالا تو اُس کے خویش وبرادری میں سے وہیں سو اونٹ جو اُس پر واجب ہوئے ہیں جمع کئے جائیں گے اور اُس کے شناسا لوگ اس کو جمع کریں گے پھر ولی مقتول کو حکم دیا جائے گا کہ اُنہیں کے مقامات سکونت میں جا کر اُن سے یہ مقدار دیت وصول کر لے یہ محیط میں ہے اور اگر کسی بدوی نے کوئی جنایت کی اور ہنوز اُس کی بابت حکم نہیں ہوا تھا کہ امام المسلمین نے اُس کو و اُس کی قوم کو بادیہ سے منتقل کرا کے شہر میں بسایا اور اُن کا عطیہ دینا مقرر کئے پھر مقدمہ جنایت قاضی کے پاس پیش ہوا تو قاضی اُن پر دیت میں دینار دینے کا حکم دے گا اونٹوں کا حکم نہ دے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔اور اگر اُن پر سو اونٹ کا حکم ہو گیا پھر امام المسلمین نے اُسکو اور اُس کی قوم کو منتقل کرا کے اُن کا عطیہ دینار مقرر کئے تو اُن سے اونٹوں یا اُن کی قیمت کا مواخذہ کیا جائے گا اور اگر سوائے عطیہ کے اُس کا کچھ مال نہ ہو تو اونٹوں کی قیمت اُن کے عطیات سے لے لی جائے گی خواہ قیمت کم ہو یا زیادہ ہو یہ شرح مبسوط میں ہے۔اور اگر کوفہ کے اہل عطا میں سے ایک شخص نے جنایت کی اور اُس کی مددگار برادری پر جنایت کی دیت کا حکم ہو گیا پھر اُس کی قوم میں ایک قوم دیہاتی یا شہری جن کا عطیہ مقرر نہیں ہے مل گئی تو اُس کی قوم کے ساتھ یہ لوگ بھی مددگاری میں داخل کئے جائیں گے اور جس قدر ادا کیا ہے اور جس قدر باقی ہے سب میں شامل کئے جائیں گے اور اس معاملہ سے پہلے اگر کوئی دیت انہوں نے ادا کی ہو تو اُس میں یہ لوگ جو شامل ہیں شامل نہ کئے جائیں گے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر کسی نے قتل بخطا کا اقرار کیا اور قاضی کے پاس مرافعہ[1] نہ کیا گیا الا بعد چند سال کے تو قاضی اُس کے مال سے روز حکم سے تین سال میں دیت ادا کرنے کا حکم دے گا اور اگر قاتل و وارث مقتول دونوں نے باتفاق بیان کیا کہ فلاں شہر کے قاضی نے گواہوں کی گواہی پر اس کے کوفہ کے مددگار برادری پر دیت کا حکم دیا تھا اور مددگار برادری نے

[1] مدعی کا قاضی کے روبرو دعویٰ پیش کرنا وغیرہ ۱۲

اِن دونوں کے قول کی تکذیب کی تو مددگار برادری پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اُس کے آل میں سے اُن کا کچھ نہ ہوگا الا اُس صورت میں کہ اس کا عطیہ اُن کے ساتھ ہو تو اُس پر بقدر اس کے حصہ کے لازم ہوگا یہ کافی میں ہے اور معاقل میں ذکر فرمایا کہ ایسے قتل کے گواہ جس سے مددگار برادری پر دیت واجب ہوتی ہے مددگار برادری کی غیبت میں مقبول نہ ہوں گے یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص نے قاضی کے سامنے اقرار کیا کہ اُس نے فلاں شخص کو خطا سے قتل کیا ہے پھر وارث مقتول نے گواہ قائم کئے کہ مدعا علیہ نے اُس کو قتل کیا ہے تو یہ گواہی مقبول ہوگی اور مددگار برادری پر دیت کا حکم دیا جائے گا اور مدعا علیہ کا اقرار قتل ایسی گواہی کے قبول کئے جانے سے مانع نہیں ہے اس واسطے کہ گواہی سے وہ بات ثابت ہوتی ہے جو باقرار مدعا علیہ ثابت نہ تھی اور اس کے نظائر بہت ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

دیت میں باپ کی مددگار برادری پر دیت کن صورتوں میں واجب ہوگی؟

اگر ولی مقتول نے بعد اقرار مدعا علیہ کے بیان کیا کہ میں کوئی گواہ نہیں جانتا ہوں پس میرے واسطے دیت کا حکم قاتل کے مال سے جاری کر دے پس قاضی نے مال مقر سے دیت دینے کا حکم دے دیا پھر وارث مقتول نے گواہ پائے اور چاہا کہ دیت کو عاقلہ پر منتقل کرا دے تو اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا۔ اور اگر ولی نے کہا کہ ابھی حاکم دیت کا مال قاتل پر حکم نہ دے شاید مجھے گواہ دستیاب ہو جائیں پس قاضی نے حکم میں تاخیر کی پھر وارث مذکور نے گواہ پائے تو قاضی ان کی گواہی پر مددگار برادری پر دیت کا حکم دے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور مملوک آزاد شدہ کا عاقلہ اُس کے مولیٰ کی مددگار برادری ہے اور مولیٰ[۱] نے الموالات کی مددگار برادری اُس کا مولیٰ اور مولیٰ کا قبیلہ ہے یہ کافی میں ہے اور اگر ایک عورت آزاد ہو اور وہ بنی تمیم کی موالات ہو اور اُس کا خاوند اہل ہمدان میں سے ایک شخص کا غلام ہو پھر اُس کے ایک لڑکا پیدا ہوا تو اُس لڑکے کے عاقلہ اُس کے ماں کے عاقلہ ہیں اور اگر لڑکے نے کوئی جنایت کی اور ہنوز قاضی نے اُس کی دیت کا حکم نہیں دیا ہے کہ اُس کا باپ بھی آزاد کیا گیا تو قاضی اُس کی ولاء اُس کے باپ کے موالی کی طرف منتقل کر دے گا پھر جو جنایت اُس نے کی ہے اُس کی دیت کا حکم اُس کی ماں کی مددگار برادری پر جاری کرے گا اُس کی ماں کی مددگار برادری سے اُس کو منتقل نہ کرے گا۔ اسی طرح اگر باپ کے آزاد ہونے سے پہلے اُس نے کنواں کھودا اور باپ کے آزاد ہونے کے بعد اُس میں کوئی شخص گر کر مر گیا تو دیت کا حکم ہونے کے وقت اس کی مدعا علیہ اُس کی ماں کی مددگار برادری ہوگی بشرطیکہ جنایت (۱) کرنے والا بالغ ہو اور اگر نابالغ ہو تو اُس کا باپ (۲) ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے سے موالات پیدا کی پھر کسی شخص کو خطا سے قتل کیا۔ پھر دیت ادا کرنے سے پہلے اُس کے موالات کو چھوڑ کر دوسرے شخص سے موالات پیدا کی تو دوسرا اُس کا عاقلہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک حربی مسلمان ہو گیا اور اُس نے دار الاسلام میں ایک مسلمان سے موالات کر لی پھر اُس نے کوئی جنایت کی تو جس سے موالات پیدا کی ہے اُس کی مددگار برادری اس کے دیت کے واسطے عاقلہ ہوگی پھر بعد مددگاری ادائے دیت کے اِس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جس سے موالات کی اُس کے موالات کو چھوڑ دے اور اگر ان لوگوں نے اُس کی طرف سے مددگاری کر کے دیت ادا کی یا ہنوز قاضی نے ادائے دیت کا حکم نہیں کیا ہے کہ دار الحرب سے اس کا باپ قید کر کے دار السلام میں لایا گیا اور اُس کو ایک شخص نے خرید کر کے آزاد کر دیا تو وہ اپنے بیٹے کی ولاء اپنی جانب کھینچ لے جائے گا پھر جس سے موالات پیدا کی تھی اُس کی مددگار برادری اِس کے

---

[۱] مولی الموالات وہ شخص اجنبی جس کو کسی اجنبی نے کہا کہ تو میرا مولی ہے پس اگر میں مروں تو تو میرا وارث ہے اور اگر مجھ سے کوئی ایسا جرم ہو جائے جس سے مال لازم آئے تو اُس کو میری طرف سے تو ادا کرے اور وہ شخص اُس کو قبول کرے ۱۲ (۱) کنواں کھودنے والا ۱۲ (۲) یعنی باپ کی مددگار برادری پر دیت ہوگا ۱۲

باپ کے آزاد کرنے والوں کی مددگار برادری سے کچھ واپس[1] نہیں لے سکتے ہیں۔اسی طرح اگر اپنے باپ کے قید کئے جانے سے پہلے کنواں کھودا پھر اُس کے باپ کے آزاد کئے جانے کے بعد اُس کے کنویں میں کوئی آدمی گر کر مر گیا تو اُس کی دیت اُس شخص کی مددگار برادری پر ہوگی اس نے اُس سے موالات[2] کی تھی اُس کے باپ کی مددگار برادری پر نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ایک ذمی مسلمان ہوگیا اور اُس نے کسی سے موالات نہ کیا یہاں تک کہ خطا سے کسی کو قتل کیا اور ہنوز اُس پر کوئی حکم نہ دیا گیا تھا کہ اُس نے بنی تمیم میں سے ایک شخص سے موالات کی پھر دوسری جنایت کی تو دونوں جنایتوں کا حکم بیت المال پر ہوگا اور اُس کی موالات باطل ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر کنواں کھودا پھر کسی شخص سے موالات پیدا کی پھر کنواں میں ایک آدمی گر کر مر گیا تو اُس کی دیت اُس کے مال سے واجب ہوگی اور بیت المال اُس کی طرف سے دیت ادا نہ کرے گا بخلاف اِس کے اگر اُس نے تیر پھینکا یا پتھر پھینکا اور پہنچنے سے پہلے اُس نے ایک شخص سے موالات کر لی پھر تیر یا پتھر پہنچا اور اُس نے ایک شخص کو قتل کیا تو بیت المال پر اُس کی طرف سے دیت ادا کرنی واجب ہو گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔اگر ایک مسلمان عورت نے جو مولیٰ بنی تمیم کی ہے کوئی جنایت کی یا کنواں کھودا اور ہنوز جنایت کی بابت حکم نہیں ہوا تھا کہ عورت مذکورہ مرتد ہو کر دار الحرب میں چلی گئی پھر وہاں سے مسلمان لشکر کے جہاد میں اُس کو قید کیا پھر ہمدان کے ایک شخص نے اُس کو آزاد کر دیا پھر کنویں میں ایک آدمی گر کر مر گیا تو اُس کی دیت کا حکم بنی تمیم پر ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔اگر ایک بدوی نے راہ میں کنواں کھودا پھر امام نے بدویوں کو شہر میں بلا لیا اور شہر میں متفرق ہو کر صاحب عطیات ہو گئے پھر اس کنویں میں ایک شخص گر کر مر گیا تو دیت اُس کی اس روز کی مددگار برادری پر ہوگی جس دن وہ گرا ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔اور اگر اُس نے کنواں کھودا اور وہ صاحب عطیہ تھا پھر امام نے اُس کا عطیہ باطل کر دیا اور اُس کو اُس کے نسبی رشتہ داروں کی طرف واپس کر دیا کہ انہوں نے زمانہ دراز تک اُس کے ساتھ مددگاری کی پھر کنویں میں گر کر ایک آدمی مر گیا جس روز مال واجب ہوا ہے اُس روز کی اُس کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

ملاعنہ کے بیٹے کی مددگار برادری اُس کی ماں کی مددگار برادری ہوگی پس اگر ماں کی مددگار برادری نے اُس کی طرف سے دیت ادا کی ہو پھر باپ نے اپنی تکذیب کی اور دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو ماں کی مددگار برادری نے جس قدر مال ادا کیا ہے وہ باپ کی مددگار برادری سے واپس لیں گے اور تین سال میں جس روز سے قاضی باپ کی مددگار برادری پر حکم کرے کہ اس کی ماں کی مددگار برادری کو واپس دیویں واپس لیں گے اسی طرح اگر مکاتب ادائے کتابت کے لائق مال چھوڑ کر مر گیا اور اُس کا بیٹا آزاد ہے اور ہنوز مکاتب کی کتاب ادا نہ کی گئی تھی کہ اُس کے بیٹے نے جنایت کی اور بیٹا ایک آزاد عورت مولاۃ بنی تمیم کے پیٹ سے ہے اور مکاتب ایک شخص ہمدان کا مکاتب ہے پس ماں کی قوم نے اُس کی طرف سے دیت ادا کی پھر اُس کے باپ کی کتاب ادا کی گئی تو ماں کی مددگار برادری اس مال دیت کو باپ کی مددگار برادری سے واپس لے گی۔اسی طرح اگر ایک شخص نے ایک نابالغ کو حکم دیا کہ اس شخص کو قتل کر دے اُس نے قتل کر دیا پس لڑکے کی مددگار برادری نے دیت ادا کی تو حکم دہندہ کی مددگار برادری سے واپس لے گی بشرطیکہ حکم دینا گواہوں سے ثابت ہوا اور اگر حکم دینا اُس کے اقرار سے ثابت ہو تو مددگار برادری کے لوگ اس مال کو حکم دہندہ کے مال سے تین سال میں واپس لیں گے یعنی جس روز سے قاضی اُس پر حکم دے کہ واپس دے یا اُس کی مددگار[3] برادری پر واپس دینے کا حکم

[1] یعنی جو دیت اُس کے جرم کی ادا کریں ۱۲ منہ

[2] یعنی اس کو اپنا مولی الموالات بنایا ۱۲

[3] درصورت ہو کہ درصورت اُس کے اقرار کے بدون گواہوں کے مددگار برادری ضامن نہ ہوگی پس مراد یہ ہے کہ درصورت ثبوت گواہوں کے بھی جس روز قاضی واپس کرنے کا حکم دے اُس روز سے تین سال میں واپس لیں گے ۱۲ منہ

دے یہ کافی میں ہے اور اگر ابتدائے مقدمہ میں یہ سب مجتمع ہوئے ہوں تو قاضی وارثان مقتول کے واسطے لڑکے کی مددگار برادری پر اور لڑکے کی مددگار برادری کے واسطے حکم دہندہ کی مددگار برادری پر حکم دے گا پس جب وارث مقتول لڑکے کی مددگار برادری سے کچھ لے گا اُسی قدر لڑکے کی مددگار برادری حکم دہندہ کی مددگار برادری سے واپس لے گی اور اگر ملاعنہ کے بیٹے نے ایک شخص کو خطا سے قتل کیا اور قاضی نے ماں کی مددگار برادری پر دیت کا حکم دیا اور انہوں نے تہائی دیت ادا کر دی پھر باپ نے اُس لڑکے کے نسب کا دعویٰ کیا پس سب حاضر ہوئے تو ماں کی مددگار برادری کے واسطے باپ کی مددگار برادری پر تہائی دیت کا جو انہوں نے ادا کی ہے دینے کا حکم دے گا اور آئندہ سال میں پہلے ابتدا انہیں سے کی جائے گی کہ وارثان جنایت سے پہلے ان کو تہائی دیت جو انہوں نے ادا کی ہے ادا کر دی جائے گی پھر ماں کی مددگار برادری کے ذمہ سے باقی دیت باطل ہو جائے گی پھر باقی دو تہائی دیت دو سال میں بعد پہلے سال کے باپ کی مددگار برادری پر ادا کرنی واجب ہو گی اور وارثان جنایت نے جس قدر ماں کی مددگار برادری سے لیا ہے وہ واپس لیا جائے گا پھر پہلے سال میں ماں کی مددگار برادری کو ادا کر دینے کے بعد وارثان جنایت کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ باپ کی مددگار برادری سے کچھ وصول کریں اور مکاتب کے بیٹے کا بھی یہی حکم ہے یہ مبسوط میں ہے اور مسلمان کسی کافر کی طرف سے یا کافر کسی مسلمان کی طرف سے دیت ادا کرنے میں مددگار نہ ہو گا اور کفار باہم ایک دوسرے کی مددگار برادری ادائے دیت میں ہوں گے اگر انہوں نے تعاقل اور ادائے دیت کی مددگاری کا طریقہ اختیار کیا ہے اگرچہ اُن کی ملتیں مختلف ہوں یہ محیط میں ہے۔ اور مشائخ نے فرمایا کہ یہ اُس وقت ہے کہ باہم اُن میں عداوت ظاہر نہ ہو اور اگر عداوت ظاہر ہو جیسے یہود و نصاریٰ تو چاہئے کہ بعض کا بعض عاقلہ نہ ہوئے اور ایسا ہی امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے یہ کافی میں ہے۔ اور اگر وے لوگ باہم دیت ادا کرنے کی مددگاری کا طریقہ نہ اختیار کرتے ہوں تو جنایت کرنے والے کے مال سے دیت واجب ہو گی اور اگر ان میں تعاقل کا طریقہ ہو لیکن جنایت کرنے والے کی کوئی مددگار برادری نہ ہو تو جنایت کرنے والے مال سے دیت واجب ہو گی اور بیت المال سے واجب نہ ہو گی یہ محیط میں ہے۔

فصل ☆ ٹیلی گرام چینل: پاسبان حق 1

اگر خطا سے قتل[1] کرنے والے کی کوئی مددگار برادری نہ ہو تو دیت اُس کے مال سے واجب ہو گی اور محض قتل عمد میں جب دیت واجب ہوئے تو قاتل کے مال سے واجب ہو گی خواہ قتل نفس ہو یا اس سے کم جرم ہو اور خطاء کی صورت میں خواہ قتل نفس ہو یا اس سے کم ہو دونوں حالتوں میں عاقلہ پر واجب ہو گی اور شبہ عمد میں قتل نفس میں مددگار برادری پر دیت واجب ہو گی اور نفس سے کم میں جنایت کرنے والے پر واجب ہو گی اگرچہ جرمانہ بقدر پوری دیت کے ہو جائے یہ خلاصہ میں ہے۔ اور اگر دیت کے بیسویں حصہ سے کم ہو تو عاقلہ اُس کو ادا نہ کرے گی اور بیسواں حصہ یا اس سے زیادہ کے عاقلہ متحمل ہوں گے یہ کافی میں ہے۔ اور جس قتل عمد میں شبہ واقع ہو جائے اُس میں جو کچھ واجب ہو یا جنایت سے صلح کرنے میں مال واجب ہو یا اپنی ذات پر خطا سے قتل کرنے کے اقرار کرنے سے واجب ہو یا ارش موضحہ سے کم واجب ہو یا غلام کی جنایت سے واجب ہو تو وہ عاقلہ پر واجب نہ ہو گا بلکہ جنایت کرنے والے کے مال میں واجب ہو گا اور غلام کی جنایت کا مال مولیٰ پر واجب ہو گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور مولیٰ کی مددگار برادری پر اُس کے غلام یا مدبر یا ام ولد کی جنایت کی دیت وغیرہ میں سے کچھ واجب نہ ہو گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور جنایت کرنے والے کے خود ہی اقرار سے جو لازم آئے اُس کے عاقلہ متحمل نہ ہوں گے الا اُس صورت میں کہ اس کے اقرار کی تصدیق کریں یہ ہدایہ میں ہے۔ اور حکومت عدل

---

[1] وہ قتل ہے جو ایسے آلہ سے واقع ہو جو قتل کے واسطے موضوع نہیں ہے ۱۲

سے جو واجب ہو پس اگر ارش موضحہ سے کم یا برابر ہو تو مددگار برادری اُس کی متحمل نہ ہوگی اور اگر اس سے زیادہ ہو تو ہمارے اصحاب سے کوئی روایت نہیں ہے اور متاخرین نے اُس میں اختلاف کیا ہے اور شیخ الاسلام نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ مددگار برادری اُس کو اُٹھائے گی اور جوڑ بند کے ارش بلا خلاف نہ اٹھائے گی یہ محیط میں ہے۔ اور جو دیت بنفس قتل واجب ہوئی قتل خطا میں یا شبہ عمد میں یا عمد میں جس میں شبہہ واقع ہو گیا ہے تو جس پر واجب ہوئی اُس پر تین سال میں ادا کرنی واجب ہوگی کہ ہر سال میں ایک تہائی واجب ہوگی اسی طرح جس نے خطا سے قتل کرنے کا اقرار کیا اُس کے مال سے دیت تین سال میں واجب ہوگی اور اگر جنایت سے مال پر صلح کر لی تو وہ مال جنایت کرنے والے کے مال سے فی الحال واجب ہوگا الا اُس صورت میں کہ معیاد شرط کر لی تو موافق شرط کے میعاد پر واجب ہوگا اور امام قدوری نے فرمایا کہ جو جزو دیت مددگار برادری پر یا مال جنایت کنندہ میں سے واجب ہوا وہ جزو تین سال میں ادا کرنا واجب ہوگا چنانچہ اگر دس آدمیوں نے خطا سے ایک آدمی کو قتل کیا تو ہر ایک کی مددگار برادری پر دیت کا دسواں حصہ تین سال میں واجب ہوگا اسی طرح اگر انہوں نے عمداً قتل کیا لیکن ان دس میں سے ایک آدمی مقتول کا باپ ہے تو بھی ہر واحد کے مال سے دسواں حصہ دیت تین سال میں واجب ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر فعل مجرمانہ کی وجہ سے تہائی دیت نفس واجب ہو یا اس سے کم واجب ہو تو ایک سال میں ادا کرنی واجب ہوگی اور تہائی سے زائد دو تہائی تک جس قدر[1] ہو وہ دوسرے سال میں اور دو تہائی سے زائد جس قدر پوری دیت تک ہو وہ تیسرے سال میں واجب ہوگی کذا فی الہدایہ۔

سترہواں باب ☆

متفرقات کے بیان میں

نوادر ہشام میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص قتل کیا گیا اور دوسرے شخص نے آ کر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام تھا اور گواہ قائم کئے اور گواہوں نے گواہی دی کہ یہ شخص مقتول اس مدعی کا غلام تھا پھر مدعی نے اُس کو آزاد کر دیا اور وہ روز قتل کے آزاد تھا پس اگر مقتول کے وارث ہوں تو قتل عمد کی صورت میں اُس کے وارثوں کے واسطے قصاص کا حکم دیا جائے گا اور قتل خطا کی صورت میں دیت کا حکم ہوگا اور اگر اُس کا کوئی وارث نہ ہو تو مولیٰ کو عمد و خطا دونوں صورتوں میں اُس کی قیمت ملے گی یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص عمداً مجروح کیا گیا پھر مجروح نے اپنے اوپر گواہ کر دیئے کہ مجھے فلاں شخص نے مجروح نہیں کیا ہے پھر مجروح اس زخم سے مر گیا پس آیا ایسا اشہاد[2] صحیح ہے تو مشائخ نے فرمایا کہ اس میں دو صورتیں ہیں یا تو فلاں شخص کا مجروح کرنا لوگوں اور قاضی کو معلوم ہے یا نہیں معلوم ہے پس اگر معلوم ہو تو اس طرح گواہ کر لینا صحیح نہیں ہے اور اگر فلاں کا مجروح کرنا قاضی اور لوگوں کے نزدیک معلوم و معروف نہ ہو تو ایسا اشہاد صحیح ہوگا پھر اگر بعد اُس کے وارث نے فلاں شخص کے مقابلہ میں اُس کے مجروح کرنے کے گواہ قائم کئے تو مقبول نہ ہوں گے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص مجروح کیا گیا اور اُس نے کہا کہ مجھے زید نے قتل کیا ہے پھر مر گیا پھر اُس کے وارث نے زید کے سوائے دوسرے شخص پر قتل کرنے کے گواہ قائم کئے کہ اِس نے قتل کیا ہے تو ایسے گواہ قبول نہ ہوں گے ایک شخص مجروح کیا گیا پس کہا کہ مجھے فلاں شخص نے مجروح کیا ہے۔ پھر مر گیا پھر اُس کے بیٹے نے گواہ قائم کئے کہ مقتول کے اس دوسرے بیٹے نے اُس کو خطا سے مجروح کیا ہے تو گواہ مقبول ہوں گے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر دو سوار باہم ٹکرا گئے اور ہر ایک کے صدمہ سے دوسرا مر گیا پس اگر خطا

[1] مثلاً تہائی دیت سے ایک ہزار درم زائد ہیں تو تہائی دیت سال اول میں اور باقی سال دوم میں ہے ۱۲ [2] گواہ کر لینا یعنی اس قسم کی گواہی قائم کر لینا جیسا کہ مذکور ہوا ۱۲

سے واقع ہوا پس اگر دونوں آزاد ہوں تو ان میں سے ہر ایک کی مددگار برادری پر دوسرے کی دیت واجب ہوگی اور یہ استحسان ہے اور اگر دونوں غلام ہوں تو ہر ایک کے مولیٰ کے واسطے دوسرے کے مولیٰ پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر ایک آزاد اور دوسرا غلام ہو تو مقتول آزاد کی مددگار برادری پر غلام کی قیمت واجب ہوگی پس اُس کو وارثان آزاد لے لیں گے اور آزاد مقتول کی دیت جس قدر اس قیمت کی بہ نسبت زائد باقی رہے وہ باطل ہو جائے گی۔ اور اگر یہ فعل عمداً واقع ہوا پس اگر دونوں آزاد ہوں تو ہر ایک کی مددگار برادری پر نصف دیت واجب ہوگی اور اگر دونوں غلام ہوں تو جنایت ہدر[1] ہو جائے گی اور اگر ایک آزاد اور دوسرا غلام ہو تو آزاد کی مددگار برادری پر غلام کی نصف قیمت واجب ہوگی اور آزاد کی نصف دیت غلام کے رقبہ گردن پر واجب ہوگی پھر چونکہ غلام مر گیا اس واسطے یہ حق جاتا رہا مگر اپنے نصف کا بدل چھوڑ گیا ہے یعنی نصف قیمت جو آزاد کی مددگار برادری پر واجب ہے پس آزاد کا وارث آزاد کی مددگار برادری سے آزاد کی نصف دیت میں سے بقدر نصف قیمت غلام کے لے لے گا اور باقی اُس کا حق باطل ہو جائے گا اسی طرح اگر دونوں پیدل ہوں اور ٹکرا کر سر منہ کھا کر مر گئے تو بھی ایسے ہی تفصیل سے حکم ہے یہ محیط میں ہے۔

ایک آزاد کے پاس تلوار ہے اور ایک غلام کے پاس عصا ہے اور دونوں ملاقی ہوئے ☆

ایک سوار چلا جاتا ہے اُس کے پیچھے سے ایک سوار آیا اور اُس سے ٹکرایا اور ٹکرانے والا صدمہ کھا کر مر گیا تو جو سوار چلا جا رہا ہے اُس پر کچھ ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر سوار جو چلا جاتا تھا اس صدمہ سے مر گیا جو شخص پیچھے سے آیا اور ٹکرایا ہے اُس پر ضمان واجب ہوگی اور یہی حکم دو کشتیوں میں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک سوار کھڑا ہے اور دوسرا رواں ہے اور دونوں ٹکرائے یا ایک شخص پیدل جاتا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اور دونوں ٹکرائے تو سوار رواں پر و پیدل جاتے ہوئے پر کفارہ واجب ہوگا اور سوار یا پیادہ جو کھڑا ہے اُس پر کفارہ نہ ہوگا اور باہم وارث ہوں گے اگر استحقاق میراث ہو یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر دو کشتیاں ٹکرائیں پس اگر سوار یا ملاح کے فعل سے ہو تو وہی ضامن ہوگا اور نفوس کا ضامن نہ ہوگا اور مال کا ملاح ضامن ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اگر دو شخص ایک رسی کو کھینچتے تھے پس رسی ٹوٹی اور دونوں گر کر مر گئے تو فرمایا کہ اگر ہر ایک چت گرا ہے تو ہر ایک کا خون ہدر ہوگا اور اگر دونوں منہ کے بل گر کر مرے ہیں تو ہر ایک کی مددگار برادری پر دوسرے کی دیت واجب ہوگی اور اگر ایک چت گرا اور دوسرا منہ کے بل گرا ہے تو چت گرنے والے کا خون ہدر ہوگا اور منہ کے بل گرنے والے کی دیت چت گرنے والے کی مددگار برادری پر واجب ہوگی اور اگر کسی اجنبی نے آ کر رسی کو کاٹ دیا یہاں تک کہ دونوں گر کر مر گئے تو اجنبی کی مددگار برادری پر دونوں میں سے ہر ایک کی دیت واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ ابن سماعہ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ ایک آزاد کے پاس تلوار ہے اور ایک غلام کے پاس عصا ہے دونوں ملاقی ہوئے اور ہر ایک نے دوسرے کو مارا یہاں تک کہ دونوں مارے گئے اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ پہلے چوٹ کس نے ماری ہے تو وارثان آزاد پر مولائے غلام پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر غلام کے ہاتھ میں تلوار و آزاد کے ہاتھ میں عصا ہو تو آزاد کی مددگار برادری پر غلام کی نصف قیمت واجب ہوگی اور وارثان آزاد کے واسطے مولائے غلام پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر دونوں کے ہاتھ میں لاٹھی ہو اور ہر ایک نے دوسرے کو لاٹھی مار کر موضحہ زخم شجہ پہنچایا پھر دونوں مر گئے اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ کس نے پہلے چوٹ لگائی ہے تو آزاد کی مددگار برادری غلام صحیح سالم کی نصف قیمت اُس کے مولیٰ کو دے دے گی پھر مولیٰ سے کہا جائے گا کہ اس قیمت میں سے ارش شجہ وارثان آزاد کو دے دے اور یہ استحسان ہے یہ محیط میں ہے۔ زید نے عمرو کا ہاتھ پکڑا پس عمرو نے اپنا ہاتھ کھینچا اور اس کا ہاتھ اُکھڑ گیا پس اگر زید نے اُس کا ہاتھ مصافحہ کے واسطے پکڑا تھا تو زید پر ہاتھ کا کچھ ارش واجب نہ ہوگا اور اگر زید نے اُس کا ہاتھ دبایا اور

[1] یعنی اس کا عوض کچھ نہ ہوگا بلکہ وہ رائیگاں و مفت قرار دی جائے گی ۱۲

اُس نے اذیت پا کر ہاتھ کھینچا اور اُس کو یہ صدمہ پہنچا تو زید اُس کے ہاتھ کے ارش کا ضامن ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کا ہاتھ پکڑا اور عمرو نے اپنا ہاتھ کھینچا اور جھٹکے سے گر کر مر گیا تو میں دیکھوں گا کہ اگر زید نے مصافحہ کے واسطے پکڑا ہو تو اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر پکڑ کر دبایا تھا کہ عمرو نے اذیت پا کر ہاتھ کھینچا تو زید اُس کی دیت کا ضامن ہوگا اور اگر اس صورت میں زید کا ہاتھ ٹوٹ جائے تو عمرو ضامن نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور اگر زید نے عمرو کو پکڑا یہاں تک کہ بکر نے اُس کو قتل کر ڈالا تو جو قاتل ہے وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور زید برابر قید رکھا جائے گا اور اُس کو عذاب دیا جائے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کو پکڑ لیا یہاں تک کہ بکر نے آ کر اُس کے درم لے لئے تو ہمارے نزدیک درموں کا ضامن بکر ہوگا اور زید ضامن نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص دوسرے کے کپڑے پر بیٹھ گیا اور جان بوجھ کر نہیں بیٹھا ہے پھر کپڑے والا اُٹھا اور کپڑا دبا ہوا بیٹھنے والے کے نیچے دبنے سے پھٹ گیا تو وہ آدھے کپڑے کا ضامن ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

زید عمرو کے پاس گیا اور اُس نے زید کو ایک مسند پر بیٹھنے کی اجازت دی پس زید اُس پر بیٹھ گیا اور اُس کو پہلو میں ایک تیل بھری شیشی رکھی تھی زید کو معلوم نہ تھا پس وہ ٹوٹ گئی اور تیل بہہ گیا تو زید اُس تیل کا اور جس قدر مسند پھٹی اور خراب ہوئی ہے اُس کا ضامن ہوگا اور اگر قارورہ[1] کسی چادر کے نیچے ڈھکا ہوا ہو اور عمرو نے زید کو اس چادر پر بیٹھنے کی اجازت دی تو زید پر ضمان نہ ہوگی اور اگر زید کو ایک چھت پر بیٹھنے کی اجازت دی اور وہ چھت زید کو لے کر گری اور عمرو کا کوئی مملوک دب گیا تو زید ضامن ہوگا اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ مثل چادر کی صورت کے مسند پر بیٹھنے میں بھی ضمان واجب نہ ہوگی اور کہا کہ یہی اقرب الی القیاس ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہ ذخیرہ میں ہے۔

اجازت قدوری میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک قوم کو اپنے گھر میں بلایا پس وہ لوگ اُس کے فرش بچھے ہوئے پر چلے یا اُس کی مسند پر بیٹھے اور وہ پھٹ گئی تو ضامن نہ ہوں گے اور اگر انہوں نے کوئی برتن یا ایسا کپڑا جو بچھایا نہیں جاتا ہے روند کر پھاڑ ڈالا یا توڑ ڈالا تو ضامن ہوں گے اور اگر اُس کا کوئی برتن ہاتھوں ہاتھ ایک دوسرے کو اُٹھا دیا اور وہ ٹوٹ گیا تو ضامن نہ ہوں گے اور اگر کوئی شخص تلوار باندھے ہو اور تلوار سے بچھونا پھٹ گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ متفرقات میں فقیہ ابوجعفر نے لکھا ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے یہاں مہمان گیا اور میزبان نے اُس کو مسند پر بیٹھنے کی اجازت دی اور بچھونے کے نیچے میزبان کا ایک لڑکا چھوٹا تھا کہ وہ مہمان کے بیٹھنے سے دب کر مر گیا تو مہمان بیٹھنے والے پر اُس کی دیت واجب ہوگی اور اگر بچھونے کے نیچے مالک مکان کا کوئی مملوک نابالغ ہو تو ضامن[2] نہ ہوگا اسی طرح اگر بچھونے کے نیچے غیر شخص کا شیشہ کا برتن ہو تو اس میں بھی مثل مالک کے لڑکے کے حکم ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک سوتے ہوئے آدمی کی فصد کھول دی پس خون یہاں تک بہا کہ وہ مر گیا تو اُس پر قصاص واجب ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ منتقیٰ میں ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ میں نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے اور یہ بیان نہ کیا کہ عمداً یا خطاءً کس طرح قتل کیا ہے تو فرمایا کہ میں استحساناً یہ حکم دیتا ہوں کہ اُس کی دیت اقرار کرنے والے کے مال میں سے واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔

فتاویٰ میں خلفؒ سے روایت ہے کہ میں نے اسد بن عمرو سے پوچھا کہ ایک شخص نے دوسرے کو اپنے ہاتھ یا پاؤں سے مارا پس وہ مر گیا تو فرمایا کہ یہ شبہ عمد ہے اور حسن بن زیادؒ نے بھی یوں ہی فرمایا ہے جب کہ اُس نے مارنے میں اسرار و سختی کی ہو اور وہ مر گیا

---

[1] قارورہ شیشی کو کہتے ہیں جس میں روغن وغیرہ رکھتے ہیں ۱۲ [2] مترجم کہتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑکا مملوک اور مال صاحب دار کا نہیں ہے حتی کہ کہا جائے جب کہ وہ اُس کی اجازت سے تلف ہوا ہے تو اُس کا مال اُس کی اجازت سے تلف ہوا بلکہ وہ اپنے احکام میں مستقل ہے جیسا کہ شیشہ کی صورت میں ہے اور اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ مملوک کی صورت میں ضمان نہیں ہے ۱۲

تو یہی حکم ہے اور اگر اُس کو زجر کے طور پر مارا کہ ایسی مار سے مر جانے کا خوف نہیں ہوتا ہے اور باوجود اس کے وہ مر گیا تو یہ خطا ہے اور فقیہ ابواللیثؒ الکبیر نے فرمایا کہ میرے نزدیک اسدؒ کا قول پسندیدہ ہے یہ محیط میں ہے۔ منتقی میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو تلوار مارنے کا قصد کیا اور دوسرے نے تلوار پکڑ لی پس اُس نے تلوار دوسرے کے ہاتھ سے کھینچی پس تلوار سے اُس کی انگلیاں کاٹ گئی تو فرمایا کہ اگر جوڑوں پر سے نہ کٹی ہوں تو تلوار کھینچنے والے پر دیت واجب (۱) ہوگی اور اگر جوڑوں پر سے کٹ گئی ہوں تو اُس پر قصاص واجب ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ زید نے عمرو کا غلام عمداً قتل کیا پس عمرو نے کہا کہ میں نے اپنے غلام سے تجھے بری کیا[۱] تو زید اُس کی قیمت سے بری نہ ہوگا بلکہ زید پر اُس کی قیمت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے اگر زید نے اپنے دانت میں کسی قسم کے درد پیدا ہو جانے کی وجہ سے عمرو کو اُس کے اُکھاڑنے کا حکم دیا اور عمرو کو معین طور پر بتلا دیا کہ یہ دانت اُکھاڑے اور عمرو نے اس کے سوائے دوسرا دانت اُکھاڑا پھر دونوں نے اختلاف کیا تو زید کا قول قبول ہوگا مگر قسم کے ساتھ پس جب زید قسم کھا جائے کہ میں نے اُکھاڑے ہوئے دانت کے اُکھاڑنے کا نہیں بلکہ دوسرے دانت کے اُکھاڑنے کا حکم دیا تھا تو عمرو کے مال سے اُس کی دیت واجب ہوگی اس واسطے کہ عمرو نے عمداً ایسا کیا ہے مگر قصاص اس وجہ سے ساقط ہوا کہ شبہ پیدا ہو گیا ہے یہ قنیہ میں ہے۔ اگر کسی نے اپنے مکاتب پر جنایت کی تو جنایت کرنے والے کے مال پر دیت واجب ہوگی خواہ جنایت تلف نفس ہو یا اس سے کم ہو اور اگر غیر کے مکاتب پر جنایت کی پس اگر تلف نفس ہو تو جنایت کرنے والے کی مددگار برادری ہوگی اور اگر تلف نفس سے کم ہو تو جنایت کرنے والے کے مال پر واجب ہوگی جیسا کہ قن یعنی محض ملوک کی صورت میں ہے یہ محیط میں ہے۔

دو آدمیوں نے ایک شخص کا دانت خطا سے اُکھاڑ ڈالا تو دیت دونوں کے مال پر واجب ہوگی اس واسطے کہ جس قدر ہر ایک پر واجب ہوتا ہے وہ ارش[۲] موضحہ سے کم ہے یہ قنیہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی شخص کے مکاتب پر کوئی جنایت کی پھر مکاتب مال کتابت ادا کر کے آزاد ہو گیا تو زخم مذکور اگر سرایت کر کے مکاتب کو ہلاک کر لے تو سرایت ہدر نہ ہوگی مگر جنایت کرنے والے پر مکاتب کی قیمت واجب نہ ہوگی نہ دیت اگر چہ وہ آزاد ہو کر مرا ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے اپنے گھر میں آگ جلائی پھر اُس سے پڑوسی کا گھر جل گیا پس اگر اس طرح جلائی جاتی ہے تو ضامن نہ ہوگا۔ ایسا ہی شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے ذکر کیا کہ مطلقاً ضامن نہ ہوگا یہ فصول عمادیہ میں ہے۔

فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے کہ اگر اپنے تنور میں اس قدر لکڑیاں ڈال دیں کہ تنور ان کو برداشت نہیں کر سکتا ہے پس اُس کا خود گھر جل گیا اور آگ نے متعدی ہو کر غیروں کے گھر جلائے تو ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے اپنے پسر کو حکم دیا کہ میری زمین میں آگ جلائے اُس لئے ایسا ہی کیا اور آگ اُس کے پڑوسی کی زمین کی طرف متعدی ہوئی اور کسی چیز کو جلا کر تلف کیا تو باپ ضامن ہوگا اس واسطے کہ حکم صحیح ہوا پس لڑکے کا فعل باپ کی طرف منتقل ہوا پس ایسا ہو گیا کہ گویا باپ نے خود ایسا کیا ہے یہ قنیہ میں ہے۔

منتقی میں فرمایا کہ زید مدعی کے واسطے دو گواہوں نے عمرو پر یہ گواہی دی کہ عمرو نے اس مدعی کا فلاں بیٹا قتل کیا ہے اور دوسرے گواہوں نے بھی زید کے واسطے عمرو پر یہ گواہی دی کہ اس نے زید کا فلاں بیٹا ایک دوسرے بیٹے کا نام لیا سوائے اس کے جس

---

[۱] یعنی عمرو اس کلام سے قیمت سے بھی بری کرنے والا نہ ہوگا اس واسطے کہ یہ قصاص سے بریت ہے ۱۲ منہ [۲] جرمانہ و عوض ایسے زخم کا جس سے ہڈی کھل گئی ہے ۱۲ (۱) یعنی انگلیوں کا ارش ۱۲

کی بابت پہلے گواہوں نے گواہی دی ہے قتل کیا ہے پس پہلے گواہوں کی عدالت ثابت ہوئی اور دوسرے گواہوں کی ثابت نہ ہوئی پس عمرو اس مدعی یعنی زید کو دیا گیا کہ اس کو قصاص میں قتل کرے پس زید نے کہا کہ میں تجھ کو اپنے اُس بیٹے کے عوض قتل کرتا ہوں جس کے قتل کے گواہوں کی عدالت ثابت نہیں ہوئی اور جس کے گواہوں کی عدالت ثابت ہوئی ہے اُس کے عوض قتل نہیں کرتا ہوں پھر اُس کو قتل کیا تو اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر کہا کہ تو نے میرے اُس بیٹے کو نہیں قتل کیا ہے جس کے مقدمہ کے گواہوں کی عدالت ثابت ہوئی ہے کہ بلکہ تو نے میرے دوسرے بیٹے کو قتل کیا ہے پھر اُس کو نقصان میں قتل کر ڈالا تو استحساناً اُس پر دیت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور کنز الرؤس میں ہے کہ اگر کسی شخص نے گھر کے دروازہ سے جھانکا پس مالک مکان نے اُس کی آنکھ پھوڑ دی تو ضامن نہ ہوگا بشرطیکہ اُس کا دفع کرنا بدون آنکھ پھوڑنے کے ممکن نہ ہو اور اگر بدون اس کے ممکن ہو تو ضامن ہوگا اور اگر اُس اجنبی نے اپنا سر اندر کیا اور مالک مکان نے کچھ پھینک مارا اور اُس کی آنکھ پھوٹ گئی تو بالاجماع ضامن نہ ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ اور منتقی میں بروایت حسن بن مالک از امام ابو یوسفؒ از امام ابو حنیفہؒ مذکور ہے کہ ایک شخص کی اولاد دو بیٹے ہیں ان میں سے ایک نے ایک شخص پر دعویٰ کیا کہ اس نے میرے باپ کو فلاں سنہ میں بقرعید کے روز مکہ میں قتل کیا ہے اور دوسرے نے اسی شخص پر یا دوسرے شخص پر دعویٰ کیا کہ میں نے میرے باپ کو اُسی روز جو اوّل مدعی نے دعویٰ کیا ہے کہ کوفہ میں قتل کیا ہے اور دونوں نے اپنے اپنے گواہ قائم کئے تو ہر ایک کے واسطے نصف دیت کا حکم ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر چار آدمیوں نے ایک شخص کو گھونسے مارے اور اُن کے مارنے سے اُس شخص کا دانت گر گیا اور دوسرا دانت ٹوٹ گیا پس اگر یہ معلوم ہوا کہ آخر چوٹ مارنے والا کون ہے تو اُسی پر دیت واجب ہوگی ورنہ ان پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔

اگر ایک کپڑا ابل دے کر اس سے ایک شخص کے سر میں مارا اور موضحہ زخم پہنچایا تو قصاص واجب ہوگا ☆

منتقی میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ زید کی باندی نے عمرو کے پسر کو عمداً قتل کیا پس زید نے وہ باندی عمرو کو دے دی پس عمرو نے اس سے وطی کی اور اُس سے بچہ پیدا ہوا پس زید نے کہا کہ میں نے تجھ کو وہ باندی اس واسطے دی تھی کہ تو اُس کو قتل کر دے اور عمرو نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے مجھ سے اس باندی پر خون سے صلح کر لی ہے تو عمرو اُس باندی کو مع اُس کے عقر[1] کے واپس کر دے گا اور بچہ غلام ہوگا اور عمرو کو اُس باندی کی طرف کوئی راہ (۱) نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔

سبب میں قصاص ہونا اور مسبب میں نہ ہونا ☆

اگر ایک کپڑا ابل دے کر اس سے ایک شخص کے سر میں مارا اور موضحہ زخم پہنچایا تو قصاص واجب ہوگا اور اگر اس سے وہ مر گیا تو قصاص واجب نہ ہوگا اور یہ اُس صورت کی مثال ہے کہ سبب میں قصاص ہے اور مسبب میں نہیں ہے۔ اور اُس کے برعکس یعنی جس کے سبب میں قصاص نہیں ہے اور مسبب میں قصاص ہے اُس کی مثال یہ ہے کہ دھار دار چیز سے شکستہ کر دیا تو قصاص واجب نہ ہوگا اور اگر اس سے وہ مر گیا تو قصاص واجب ہوگا اور جس میں سبب و مسبب دونوں میں قصاص واجب ہوتا ہے اُس کی مثال یہ ہے کہ دھار دار چیز سے کسی کو موضحہ زخم پہنچایا تو قصاص واجب (۲) ہوگا اور اگر وہ اس زخم سے مر گیا تو بھی قصاص واجب ہوگا اور اس کے برعکس یعنی سبب و مسبب دونوں میں قصاص واجب نہیں ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ بڑی لکڑی سے کسی کو زخم پہنچایا تو قصاص نہیں ہے اور

[1] وہ مال جو بعوض وطی شبہہ کے واجب الادا ہوتا ہے ۱۲

(۱) یعنی نہ قتل کر سکتا ہے اور نہ لے سکتا ہے ۱۲ (۲) یعنی موضحہ زخم پہنچایا جائے گا ۱۲

اگر وہ اس سے مر گیا تو بھی قصاص نہیں ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے ایک نابالغ عاقل نے دوسرے کی بکریوں پر کتا للکار دیا کہ وہ بکریاں متنفر ہو کر بھاگ گئیں اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ کہاں گئیں تو وہ ضامن نہ ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ دو شخصوں نے ایک درخت کو کھینچا پس وہ ان دونوں پر گر پڑا اور دونوں مر گئے تو ہر ایک کی مددگار برادری پر دوسرے کی نصف دیت واجب ہوگی اور اگر ایک ہی مرا تو دوسرے کی مددگار برادری پر اُس کی نصف دیت واجب ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص کا چوپایہ دوسرے کی کھیتی میں گھس گیا کہ اُس کو تباہ کرتا ہے پس اگر یہ شخص اُس کو نکالنے جاتا ہے تو اس سے بھی کھیتی خراب ہوتی ہے لیکن بہ نسبت چوپایہ مذکور کے خراب کرنے کے کم خراب ہوتی ہے تو اُس پر واجب ہے کہ گھس کر اُس کو نکال دے اور جو کچھ نقصان ہوا اُس کا ضامن ہوگا اور اگر غیر کا چوپایہ ہو تو اس پر نکالنا واجب نہ ہوگا لیکن اگر نکال دیا اور وہ چوپایہ تلف ہو گیا ہو تو ضامن نہ ہوگا۔ ایک شخص نے اپنے گدھے کو دیکھا کہ دوسرے کے گیہوں کھاتا ہے پس اُس کو منع نہ کیا یہاں تک کہ اُس نے کھا لئے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ ضامن ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کے غلام کو بدون اجازت اُس کے مالک کے اپنے کام کے واسطے بھیج دیا پھر غلام نے لڑکوں کو کھیلتے دیکھا پس اُن کے پاس چلا گیا اور ایک کوٹھری کی چھت پر چڑھا اور وہاں سے گر پڑا تو بھیجنے والے پر ضمان واجب ہوگی اس واسطے کہ وہ غلام کو اپنے کام میں لگانے کی وجہ سے غاصب ہو گیا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر کسی نے دوسرے کے انثیین میں صدمہ ضرب پہنچایا پس ایک خصیہ یا دونوں پھول گئے تو اس میں حکومت عدل واجب ہے یہ قنیہ میں ہے۔ جامع اصغر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا مربط غصب کر کے اس میں اپنے چوپایہ باندھے پس ان کو مالک مربط نے نکال دیا تو ضامن ہوگا اور عیون میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے کے گدھے یا خچر کو اُس کا ہاتھ کاٹ کر یا ذبح کر کے تلف کر دیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے یہ ناقص جانور اُس کو دے کر اُس سے تاوان لے یا اس کو اپنے پاس رکھے اور کچھ تاوان نہیں لے سکتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ فصول عمادیہ میں ہے۔

اضافہ جدیدہ

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الجنایات کی نسبت چند صفحات میں اُن چیزوں کا اضافہ کر دیا جائے جو اگر چہ اس میں بکھری ہوئی ہیں لیکن اگر اُن کو یکجا کر دیا جائے تو کافی مفید مطلب ہو سکتی ہیں۔

خلاصۃ الکتاب ☆

گزشتہ صفحات میں جنایات کے احکام مذکور ہیں۔ احکام جنایت نفوس کی حفاظت کے لئے ہیں اور مال حفاظت جان کا ذریعہ ہے اس لئے وسیلہ کو مقدم کیا گیا ہے جنایات جنایت کی جمع ہے جو دراصل مصدر ہے اور اسم مفعول کے معنی میں مستعمل ہے لغت میں جنایت کہتے ہیں ہر برا کام کرنے کو اور شرعاً جنایت اس فعل حرام کو کہتے ہیں جس کا اثر جان یا مال پر پڑے (یعنی کتاب الجنایات میں جنایت سے مراد یہی ہے) اور نہ جنایات حج آدمی کے نفس سے متعلق نہیں ہیں اس کے باوجود بھی ان کو جنایات کہا جاتا ہے۔ مجمع الانہر ص: ۵۸۸ ج ۵ پر وجہ مناسبت پر تفصیلی گفتگو ہے۔

قتل عمد کی بابت تفصیل مزید ☆

قتل عمد میں کفارہ کے متعلق

۱) قتل عمد میں کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ تو امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ واجب ہے اور ہمارے نزدیک واجب نہیں ہے امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ جب قتل خطا میں کفارہ واجب ہے تو قتل عمد میں بدرجہ اولیٰ کفارہ واجب ہونا چاہئے۔

۲) ہماری دلیل (۱) قتل عمد گناہ کبیرہ ہے اور بہت سخت ہے اور کفارہ میں عبارت کے معنی ہیں تو وہ کفارہ جو عبادت ہے اس کا سبب ایسا کبیرہ گناہ کیسے بنے گا کفارہ اپنی رائے سے واجب نہیں ہوتا بلکہ شریعت کے متعین کرنے سے واجب ہوتا ہے اور شریعت نے کفارہ کو اس گناہ کو دور کرنے کے لئے متعین کیا ہے جو قتل خطاء میں ہے اور یہ گناہ ہلکا ہے تو اپنی قیاسی تک بندیوں سے کفارہ کو اس گناہ کو دور کرنے کے لئے متعین نہیں کیا جا سکتا جو قتل عمد میں ہے اور یہ گناہ بہت بھاری ہے۔

قتل عمد کا حکم یہ ہے کہ قاتل کو میراث نہیں ملے گی کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ قاتل کو میراث نہیں ملے گی یعنی قتل مانع ارث ہے۔

قتل خطاء کی تعریف اور اقسام و احکام

قتل خطاء کا موجب کفارہ اور دیت ہے اور دیت عاقلہ پر ہوگی اور اس کی ادائیگی تین سال میں ہوگی جس کی دلیل فتاوی عالمگیری میں قبل ازیں گذر چکی۔

اور خطا کی دو قسمیں ہیں ایک ارادہ کی خطاء اور دوسرے فعل کی خطاء اول کی مثال جیسے مار رہا تھا ہرن کو مگر وہ آدمی نکلا یا مار رہا تھا حربی کو وہ مسلمان نکلا یہ ارادہ کی خطاء ہے۔

ثانی کی مثال جیسے کسی نشانہ پر تیر مار اگر وہاں نہیں لگا بلکہ کسی آدمی کو لگ گیا یہ فعل کی خطاء ہے بہر حال حکم دونوں کا ایک ہے کہ کفارہ اور دیت واجب ہے۔

عورت کے بدلہ مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے گا

جب مساوات کا مدار اسلام اور دار الاسلام پر رکھا ہے تو جب یہ مدار پایا جائے وہیں قصاص لیا جائے گا خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو یا اس کے برعکس اور خواہ بالغ نے بچہ کو قتل کیا ہے اور خواہ تندرست آدمی نے اندھے اور اپاہج کو قتل کیا ہو اور خواہ سالم الاعضاء نے ناقص الاعضاء کو قتل کیا ہو اور خواہ سالم الدماغ نے مجنون کو قتل کیا ہو کیونکہ نصوص میں عموم ہے اور اگر عصمت کے علاوہ دیگر چیزوں میں مساوات کا اعتبار کیا جائے تو پھر تو قصاص کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا اور جب قصاص نہیں لیا جائے گا تو پھر آپس میں جنگ و جدال اور قتل کا دروازہ کھلے گا اور آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کرے گا۔ (اشرف الہدایہ)

حرفِ اعتزار[1]

اِس کے ماسوا بھی ہمیں کئی چیزیں تحریر کرنے کی تحریک ہے لیکن خوف طوالت آڑے آ رہا ہے اور ویسے بھی مقصد فقط یہ ہے کہ مذکورہ بالا مسائل کی نسبت تفہیم آسان ہو جائے ورگرنہ ہمیں احساس ہے کہ ابھی کافی مواد قابل تشریح ہے۔

[1] ص: ۴۱۵و۴۱۶ ادارہ کی طرف سے اضافہ جات ہیں یہ فتاویٰ عالمگیری کا حصہ نہیں بلکہ بحث کو سمیٹنے کے لئے تحریر کئے گئے ہیں۔

کتاب الوصایا

اس میں دس ابواب ہیں

باب اوّل ☆

وصیت کی تفسیر و شروط جواز و حکم کے بیان میں جس کے واسطے وصیت جائز ہے اور جس کے واسطے ناجائز ہے اور جو امر وصیت سے رجوع کرنا نہیں ہوتا ہے اُس کے بیان میں

قال المترجم ☆

الایصاء وصیت کرنا' وصیت معروف ہے موصی بہ جس چیز کی وصیت کی ہے۔ موصی وصیت کرنے والا اور جس کے حق میں وصیت کی ہو اُس کو موصی لہ کہتے ہیں اور وصی وہ ہوتا ہے جو میّت کے قائم مقام اُس کا خلیفہ ہو۔ قال فی الکتاب شرع میں ایصاء ایسی تملیک کو کہتے ہیں جو مرنے کے بعد کی طرف مضاف ہو اور مراد اس سے تملیک بطریق تبرع ہے یعنی بطور احسان کر مرنے کے بعد مالک کر دینا اور جس چیز کا مالک کرتا ہے خواہ وہ عین ہو یا منفعت ہو کذا فی التبیین اور رکن اس کا یہ قول ہے کہ اوصیت بکذا لفلان و اوصیت لی فلانی عنی یوں کہنا کہ میں نے اس چیز کو فلاں شخص کے واسطے وصیت کی یا فلاں شخص کے لیے اس چیز کی وصیت کی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور وصیت[1] مستحب ایسی صورت میں ہے کہ جب اس پر اللہ تعالیٰ کا کوئی حق واجب نہ ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی حق واجب ہو جیسے زکوٰۃ و روزے رمضان کے[2] اور حج و نماز فریضہ جن کو اُس نے ترک کیا ہے تو ایسی حالت میں وصیت واجب ہو گی یہ تبیین میں ہے۔ اور وصیت میں موصی لہ کا صریحاً یا دلالۃً قبول کرنا شرط ہے اور دلالۃ قبول کرنے کی یہ صورت ہے کہ موصی لہ صریح قبول کر لے یا رد کرنے سے پہلے مر جائے تو اُس کا مرنا وصیت کا قبول کرنا ہے پس اُس کے وارث اس وصیت سے میراث پائیں گے یہ وجیز کردری میں ہے۔ واضح ہو کہ قبول وصیت موصی کے مرنے کے بعد ہی ہوتا ہے پس اگر موصی کی زندگی میں اُس نے وصیت قبول کی یا رد کی تو یہ باطل ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے حتیٰ کہ موصی کے مرنے کے بعد اُس کو قبول کر لینے کا اختیار ہو گا یہ سراجیہ میں ہے۔ بالفعل قبول کرنا جیسے وصیت نافذ کرنا وارثوں کے واسطے کوئی چیز خریدنا یا ادائے قرضہ کرنا مثل بقول قبول کرنے کے ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور شرط وصیت یہ ہے کہ موصی تملیک یعنی مالک کر دینے کی اہلیت رکھتا ہو اور موصی لہ تملک یعنی مالک ہو جانے کی اہلیت رکھتا ہو اور بعد موصی کے موصی بہ ایسا مال ہو[1] جو قابل تملیک ہے۔ اور حکم وصیت یہ ہے کہ موصی لہ موصی بہ کا مثل ہبہ کے بملک جدید مالک ہو جاتا ہے یہ کفاری میں ہے۔ اور یہ مستحب[2] ہے کہ آدمی اپنے مال سے اگر وصیت[3] کرے تو تہائی سے کم کی وصیت کرے خواہ اُس کے وارث غنی

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ یہ بنا بر تغلیب و کثرت کے ہے ۱۲ [2] مترجم کہتا ہے کہ وصیت مستحب میں اگر ایسی شے کے ساتھ وصیت نہ کی جو محفوظ ہر ہے تو وہ مجھ کو محبوب تر ہے لیکن وصیت یعنی کسی کو قرض ٹھہرانا ہر حال میں مستحب ہے ۱۲ [3] مترجم کہتا ہے کہ یہ قید رفع توہم کے واسطے زیادہ کی ہے ظاہر عبارت سے پیدا ہوتا ہے یعنی وصیت تہائی مال سے کم کے ساتھ مستحب ہے حالانکہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے میں نے بیان کئے وہی معنی مراد ہیں ۱۲

(۱) پس دینے کی وصیت کرے ۱۲ (۲) کفارہ دینے کی وصیت کرے ۱۲

ہوں یا فقیر ہوں یہ ہدایہ میں ہے اور جس کے پاس مال قلیل ہو تو افضل یہ ہے کہ وہ بالکل وصیت نہ کرے بشرطیکہ اس کے وارث موجود ہوں اور جس کے پاس مال کثیر ہو تو افضل یہ ہے کہ درصورتیکہ وصیت میں کوئی معصیت نہ ہوئے تاہم تہائی مال سے تجاوز [(۱)] نہ کرے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور موصی بہ قبول کرنے سے مالک ہو جاتا ہے پس اگر موصی مرنے کے بعد موصی لہ نے وصیت [(۲)] قبول کی تو موصی بہ میں اُس کی ملک ثابت ہو جائے گی خواہ اُس پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر موصی لہ نے وصیت رد کر دی تو ہمارے نزدیک اُس کے رد کرنے سے وصیت رد ہو جائے گی یہ کافی میں ہے۔ پھر واضح ہو کہ اجنبی کے واسطے وصیت بدون اجازت وارثوں کے صحیح ہو جاتی ہے کذا فی التبیین لیکن تہائی سے جس قدر زائد کی وصیت کی ہے وہ جائز نہ ہوگی الا اُس صورت میں کہ وارث اُس کی موت کے بعد اجازت دے دیں اور وہ بالغ ہوں اور اُس کی زندگی میں وارثوں کی اجازت دینے کا کچھ اعتبار نہیں ہے یہ ہدایہ میں ہے۔ اور اگر اپنے پورے مال کی وصیت کر دی اور اُس کا کوئی وارث نہیں ہے تو وصیت نافذ ہو جائے گی اور بیت المال کے اجازت دینے کی کچھ حاجت نہ ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور ہمارے نزدیک وارث کے واسطے وصیت نہیں جائز ہے الا درصورتیکہ وارث اجازت دے دیں اور اگر اُس نے وارث و اجنبی دونوں کے واسطے ایک چیز کی وصیت کی تو اجنبی کے حصہ میں صحیح ہوگی اور وارث کے حصہ میں دوسرے وارثوں کی اجازت پر موقوف رہے گی پس اگر انہوں نے اجازت دے دی تو جائز ہو جائے گی اور اگر اجازت نہ دی تو باطل ہو جائے گی اور موصی کی زندگی میں وارثوں کی اجازت دینے کا کچھ اعتبار نہیں ہے حتیٰ کہ بعد موت موصی کے اُن کو اپنی اجازت سے رجوع کر لینے کا اختیار ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

موصی لہ کے وارث یا غیر وارث ہو جانے کا اعتبار موصی کی موت کے وقت ہے نہ وقت وصیت کے حتیٰ کہ اگر اپنے بھائی کے واسطے وصیت کی اور وقت وصیت کے وہ وارث تھا پھر موصی کے ایک لڑکا پیدا ہوا تو بھائی کے واسطے جو وصیت کی ہے وہ صحیح ہوگی اور اگر بھائی کے واسطے وصیت کی درحالیکہ موصی کا فقط ایک لڑکا موجود ہے پھر موصی کی موت سے پہلے وہ لڑکا مر گیا تو بھائی کے حق میں جو وصیت ہے وہ باطل ہو جائے گی یہ تبیین میں ہے۔ ہرگاہ وارث کی اجازت سے وصیت جائز ہوئی ہے تو جس کے حق میں اجازت پائی گئی ہے وہ موصی بہ کا ہمارے نزدیک موصی کی طرف سے مالک ہو جائے گا حتیٰ کہ ملکیت بغیر قبضہ تمام ہو جائے گی اور موصی بہ میں شیوع ہونا صحت اجازت سے مانع نہیں ہے اور پھر وارث کے یہ اختیار نہ رہے گا کہ اجازت سے رجوع کر لے یہ کافی میں ہے اور اگر اجازت دینے والا مریض ہو حالانکہ وہ بالغ ہے پس اگر اس مرض سے اچھا ہو گیا تو اجازت صحیح ہو جائے گی اور اگر اس مرض سے مر گیا تو اس مریض کا اجازت دینا بمنزلہ ابتدائے وصیت کے ہوگا حتیٰ کہ اگر موصی لہ اس کا وارث ہو تو اجازت جائز نہ ہوگی الا اُس صورت میں کہ مریض کے وارث اجازت دے دیں اور اگر موصی لہ وارث نہ ہو بلکہ مریض کا اجنبی ہو تو جائز [(۳)] ہو جائے گی مگر مریض[۱] کے چوتھائی مال سے معتبر ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے اجازت نہ دی تو بقدر حصہ اجازت دینے والے کے جائز ہوگی اور اجازت نہ دینے والے کے حصہ میں باطل ہوگی یہ کافی میں ہے۔ اور جس صورت میں اجازت کی ضرورت ہوتی ہے تو اجازت جبھی جائز ہوگی جب اجازت دہندہ اس کی اہلیت رکھتا ہو جیسے اُس نے بالغ و عاقل و تندرست ہونے کی حالت میں اجازت دی یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر اپنے وارث کے مکاتب یا وارث کے غلام کے واسطے وصیت کی تو باطل ہے[۲] یہ مبسوط میں ہے۔ اور

---

۱ یعنی جس قدر مال کی مریض نے اجازت دے دی ہے دیکھا جائے گا کہ وہ مریض کا تہائی مال ہے تو جائز ہے اور اگر زائد میں جائز نہ ہوگی ۱۲

۲ کیونکہ یہ وصیت گویا وارث ہی کے واسطے وصیت ہے ۱۲ (۱) اقول لو اوصی ازید من الثلث لغینی تعدم النفاذ فلیتامل ۱۲

(۲) اگرچہ تہائی سے زائد نہ ہوگی الا باجازت وارثان اا اس کا خود وصیت نہ کرنا بھی افضل ہے ۱۲ (۳) یعنی وصیت جو باجازت جائز ہے ۱۲

قاتل کے واسطے خواہ عمداً قتل کیا ہو یا خطا سے جب کہ خود مباشر قتل ہو تو وصیت نہیں جائز ہے یہ ہدایہ میں ہے۔ خواہ اس کے مجروح کرنے سے پہلے وصیت کی ہو یا اُس کے بعد اور اگر وارثوں نے قاتل کے حق میں جو وصیت ہے اُس کی اجازت دے دی تو امام اعظمؒ وامام محمدؒ کے نزدیک جائز ہو جائے گی یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر قاتل لڑکا یا مجنون ہو تو اُس کے حق میں وصیت جائز ہو گی اگر وارث اجازت نہ دیں اور اگر اپنے قاتل کے واسطے وصیت کی اور اُس کا سوائے قاتل کے کوئی وارث نہیں ہے تو امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک وصیت جائز ہے اور اگر قاتل کے مکاتب یا مدبر یا ام ولد کے واسطے وصیت کی تو بدون وارثوں کی اجازت کے جائز نہ ہو گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

عورت کا کسی مرد کو زخمی کرنے کے معاً بعد نکاح کرنا' صورتِ مذکورہ میں قصاص کا مسئلہ ☆

اگر عورت نے کسی مرد کو دھار دار یا بغیر دھار دار چیز سے زخمی کیا پھر مرد نے اُس کے حق میں کچھ وصیت کی پھر اُس سے نکاح[1] کر لیا تو عورت مذکور کو نہ میراث ملے گی اور نہ وصیت بلکہ اُس کو فقط مہر مقررہ کی مقدار سے بقدر مہر المثل کے ملے گا اور جو کچھ اس سے زیادہ ہو جو بمعنی وصیت کے رہا وہ بسبب قتل کرنے کے باطل ہو جائے گا۔ اگر ایک شخص کے قتل میں دس آدمی شریک ہوئے اُن میں سے ایک آدمی اُس کا غلام ہے اور اُس نے بعد جنایت کے بعض کے واسطے وصیت کی اور اپنے غلام کو آزاد کر دیا تو وصیت باطل ہو گی لیکن عتق بعد نافذ ہونے کے اُس کا دور کرنا ممکن نہیں ہے پس اُس کا رد کرنا اس طرح ہو گا کہ غلام مذکور پر اُس کی قیمت کے واسطے سعایت واجب کر دی جائے گی اور قتل عمد میں قاتل کو عفو کرنا جائز ہے اور اگر قتل بخطا ہو اور اُس نے عفو کیا تو یہ فعل اُس کے عاقلہ کے واسطے اُس کی طرف سے وصیت ہو گی پس تہائی مال میں جائز ہو گی اور اگر اپنے غلام کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی تو وصیت صحیح ہو گی پھر اگر غلام نے اُس کو قتل کیا تو وصیت باطل ہو جائے گی لیکن غلام آزاد ہو کر اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے گا اور علیٰ ہذا مدبر نے بھی اگر اپنے مولیٰ کو عمداً یا خطاءً قتل کیا تو وصیت رد ہو جانے کی وجہ سے اُس پر واجب ہو گا کہ اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے اور قتل عمد میں اُس پر قصاص واجب ہو گا۔ اور اگر کسی شخص کے واسطے وصیت کی پھر گواہ قائم ہونے کے یہ قاتل ہے اور بعض ورثوں نے اُن کی تصدیق کی اور بعض نے تکذیب کی تو جنہوں نے گواہوں کی تکذیب کی ہے اُن کے حصہ دیت سے مدعا علیہ بری ہو جائے گا اور اُن کے حصہ میں اُس کی وصیت تہائی سے جائز ہو گی اور جنہوں نے گواہوں کی تصدیق کی ہے اُن کا حصہ دیت مدعا علیہ پر لازم ہو گا اور تہائی سے اُن کے حصہ سے اُن کی وصیت باطل ہو جائے گی اور اگر زید نے عمرو و بکر دو آدمیوں کے واسطے وصیت کی اور زید کے خالد و شعیب دو وارثوں میں سے ہر ایک نے ایک ایک موصی لہما[1] پر گواہ قائم کئے کہ اس نے ہمارے مورث کو خطا سے قتل کیا ہے تو عمرو و بکر ہر ایک پر پانچ پانچ ہزار درم دیت کے اپنے اپنے مدعی کے واسطے واجب ہوں گے اور ہر مدعا علیہ کا حق وصیت اپنے مدعی کے حصہ میں جس نے اُس پر قتل کے گواہ قائم کئے ہیں کچھ نہ ہو گا اور دوسرے کے حصہ میں سے حساب سے ہو گا۔ اگر زید نے عمرو و بکر دونوں میں سے ہر ایک کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی اور خالد کے واسطے ایک غلام کی وصیت کی پھر عمرو و بکر سے جن میں سے ہر ایک کے واسطے تہائی مال کی وصیت ہے خالد پر یہ گواہی دی کہ اس نے زید کو قتل کیا ہے تو دونوں کی گواہی باطل ہے۔ اسی طرح اگر دونوں نے کسی وارث یا اجنبی پر یہ گواہی دی کہ اس نے خطا سے قتل کیا ہے تو بھی باطل ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنے مرض میں ایک غلام صغیر کو آزاد کیا اور اس کے سوائے اُس کا کچھ مال نہیں ہے پھر اس نابالغ نے اپنے مولیٰ کو عمداً قتل کیا تو اُس پر واجب ہو گا کہ اپنی دو قیمتوں کے واسطے سعایت کرے جس میں سے ایک تہائی بطور وصیت رفع کی جائے گی اور باقی کے واسطے سعایت کریں اور اگر بالغ ہو اور اُس نے مولیٰ

---

[1] موصی لہ ایک شخص اور موصی لہما دو شخص جس کے واسطے موصی نے وصیت کی ۱۲

(۱) پھر وہ مرد اس زخم سے ... ۱۲

کو خطا سے قتل کیا تو وارثوں کے واسطے اپنی دو قیمت کے لیے سعایت کرے گا اور آس کو وصیت میں کچھ نہ ملے گا اور یہ سب امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک وصیت کی وجہ سے اُس پر سعایت لازم آئے گی اور دیت اُس کی مددگار برادری پر ہو گی یہ مبسوط میں ہے اور اگر اپنے وارث کے بیٹے کے واسطے وصیت کی تو جائز ہے اسی طرح اگر اپنے مکاتب یا مدبر کے واسطے وصیت کی تو بھی سب استحساناً جائز ہے اور اپنے قاتل کے باپ کے واسطے وصیت جائز ہے اگرچہ آبائی رشتہ کتنا ہی اونچا(۱) ہو اسی طرح اپنے قاتل کے بیٹے کے واسطے وصیت کی تو بھی جائز ہے اگرچہ فرزندی رشتہ کتنا ہی نیچا ہو جیسے پوتا پرپوتا وغیرہ اور نیز اُن کے مکاتب و مدبر و غلاموں کے واسطے بھی وصیت جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر کسی شخص کے غلام کے واسطے یوں وصیت کی کہ ہر مہینہ اس کو دس درم نفقہ دیا جائے تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ و ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ وصیت غلام کے واسطے ہو گی کہ جہاں وہ جائے گا اس کے ساتھ جائے گا خواہ فروخت کر دیا جائے یا آزاد کر دیا جائے اور اگر اس پر اس کے مولیٰ نے صلح کر لی اور غلام نے اجازت دے دی تو جائز ہے اور اگر غلام آزاد کیا گیا پھر اُس نے اجازت دی تو اجازت باطل ہے اور اگر ایک شخص کے گھوڑے کے واسطے یہ وصیت کی کہ اُس کو ماہواری دس ہزار نفقہ دیا جائے تو یہ مالک اسپ کے واسطے وصیت ہو گی پس اگر وہ مر گیا یا مالک[۱] نے اُس کو فروخت کر دیا تو وصیت باطل ہو جائے گی یہ ظہیریہ میں ہے۔ مسلم نے اگر ذمی کے واسطے وصیت کی یا اس کے برعکس تو جائز ہے یہ کافی میں ہے۔ اگر ذمی نے کسی حربی غیر مستامن کے واسطے وصیت کی تو صحیح نہیں ہے یہ بدائع میں ہے۔ اور اگر مسلمان نے کسی حربی کے واسطے جو دارالحرب میں ہے وصیت کی تو باطل ہے اگرچہ وارث لوگ اجازت دے دیں پھر اگر وہ حربی موصی لہ اپنے دارالحرب سے امان لے کر دارالاسلام میں وصیت کا مال لینے کے واسطے آیا تو اُس کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا اگرچہ وارث لوگ اجازت دے دیں یہ سب اس وقت ہے کہ موصی دارالاسلام میں ہو اور موصی لہ حربی دارالحرب میں ہو اور اگر موصی بھی دارالحرب میں ہو تو اس میں مشائخؒ نے اختلاف کیا ہے اور اگر حربی دارالاسلام میں امان لے کر آیا ہو اور اُس کے واسطے وصیت کی تو مذکور ہے کہ تہائی مال کی وصیت بدون اجازت وارثوں کے جائز ہو گی اور تہائی سے زائد میں اجازت وارثان کی ضرورت ہے اور اسی طرح اگر اُس کو کچھ ہبہ کیا یا نفل(۲) صدقات میں سے اُس کو صدقہ دیا تو ظاہر الروایۃ کے موافق یہی حکم ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر مسلمان نے مرتد کے واسطے وصیت کی تو نہیں جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایسے شخص نے وصیت کی جس پر اس قدر قرضہ ہے جو اُس کے تمام مال کو گھیرے ہوئے ہے تو وصیت جائز نہ ہو گی الا اُس صورت میں کہ قرض خواہ لوگ اپنا قرضہ معاف کر دیں کذافی الہدایہ۔ اور وصیت فقط ایسے ہی شخص کی طرف سے صحیح ہوتی ہے جس کی طرف سے تبرع و احسان صحیح ہوتا ہے پس مجنون یا مکاتب یا ماذون کی وصیت صحیح نہیں ہے اسی طرح اگر مجنون نے وصیت کی پھر بعد افاقہ کے مر گیا تو صحیح نہیں ہے کیونکہ حالت مباشرہ وصیت میں وہ اہلیت نہیں رکھتا تھا یہ اختیار شرح مختار میں ہے۔ اور مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے اگرچہ ادائے کتابت کے واسطے کافی مال چھوڑا ہو یہ ہدایہ میں ہے۔ مکاتب کی وصیت تین قسم کی ہوتی ہے ایک قسم بالاجماع باطل ہے وہ ایسی وصیت ہے کہ اپنے اعیان مال میں سے کسی مال عین کی وصیت کرے اور ایک قسم بالاجماع جائز ہے وہ یہ کہ وصیت کی اضافت ایسے مال کی طرف کرے جس کا وہ بعد آزادی کے مالک ہو مثلاً یوں کہے کہ جب میں آزاد ہو جاؤں تو فلاں شخص کے لیے میرے تہائی مال کی وصیت ہے پس اگر قبل موت کے بدل کتابت ادا کر کے یا اور طور پر آزاد ہو گیا پھر مر گیا تو موصی لہ کو تہائی مال ملے گا اور ایک قسم مختلف فیہ ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً مکاتب نے کہا کہ میں نے اپنے تہائی مال کی فلاں شخص کے واسطے وصیت کی پھر وہ آزاد ہو گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک وصیت

۱؎ لا یخفی انہ لو مات الطلب البقیۃ ایضاً ۱۲ ۲؎ یعنی یہی حکم ہے اور یہ سب ظاہر الروایۃ کے موافق ہے ۱۲ منہ (۱) دادا پردادا ۱۲

(۲) فرض نہ ہو جیسے زکوٰۃ ۱۲

باطل ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے یہ تبیین میں ہے اور لڑکے کی وصیت اگر وہ مراہق نہ ہو یعنی قریب بلوغ نہ ہو تو ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اور نیز اگر مراہق ہو تو بھی ناجائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ خواہ لڑکا ماذون التجارۃ ہو یا مجور ہو کذا فی البدائع خواہ وہ بعد بالغ ہونے کے مرا ہو یا قبل بالغ ہونے کے مرگیا ہو کذا فی الکافی۔ اور اسی طرح اگر اُس نے کہا کہ اگر میں بالغ مر جاؤں تو میرا تہائی مال فلاں شخص کے واسطے وصیت ہے تو نہیں صحیح ہے اس واسطے کہ وہ اہلیت نہیں رکھتا ہے پس تنجیز و تعلیق کچھ ممکن نہیں ہے اور غلام و مکاتب نے اگر وصیت کی اضافت اپنے آزاد ہو جانے کے بعد کی طرف کی تو صحیح ہو جائے گی یہ اختیار شرح مختار میں ہے اور جس نے بطور ہزل کے یا بسبب اکراہ کے یا خطا سے وصیت کی اُس کی وصیت صحیح نہ ہوگی یہ بدائع میں ہے۔ آزاد عاقل کی وصیت خواہ مرد ہو یا عورت ہو جائز ہے اور نابالغ مجور کی وصیت جو بالغ ہو کر بے راہ[1] رہا قیاساً نہیں جائز ہے اور استحساناً جائز ہے اور ابن السبیل کی وصیت جو اپنے مال سے دور ہے جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر نابالغ یا مکاتب نے وصیت کی پھر وہ بالغ آزاد ہوا یا آزاد کیا گیا پھر اُس نے اجازت دی تو از سر نو وصیت ہو کر صحیح ہو جائے گی اور حمل کے واسطے وصیت جائز ہے اور نیز حمل کی وصیت کسی کے واسطے کر دینا کہ یہ باندی بچہ جنے تو فلاں کے واسطے وصیت ہے تو جائز ہے بشرطیکہ وقت وصیت سے چھ مہینہ سے کم میں بچہ جنے اور اگر کسی نے دوسرے کے واسطے باندی کی سوائے اُس کے حمل کی وصیت اور استثناء دونوں صحیح ہیں یہ کافی میں ہے۔ اور اگر ایک عورت کے پیٹ میں جو ہے اُس کے واسطے وصیت کی پھر ایک مہینہ وصیت کے بعد اور موصی کی موت کے بعد وہ عورت مردہ بچہ جنی تو اُس کے واسطے کچھ وصیت نہ ہوگی اور اگر زندہ بچہ جنی پھر وہ مر گیا تو تہائی سے وصیت جائز ہوگی اور یہ مال اس بچہ کے وارثوں کے درمیان میراث تقسیم نہ ہوگا اور اگر دو بچہ جنی ایک زندہ اور دوسرا مردہ تو مال وصیت زندہ کے واسطے ہوگا اور اگر دونوں زندہ جنی پھر ایک مر گیا تو مال وصیت دونوں کے واسطے نصفا نصف ہوگا اور جو مر گیا ہے اُس کا حصہ اُس کے وارثوں کے واسطے میراث ہوگا جیسا کہ میراث میں ہے اور اگر اس طرح وصیت کی کہ اگر فلاں عورت کے پیٹ میں لڑکی ہو تو اُس کے واسطے ہزار درم کی وصیت ہے اور اگر لڑکا ہو تو دو ہزار درم کی وصیت ہے پھر وہ عورت وقت وصیت سے ایک دن کم چھ مہینے میں ایک لڑکی جنی اور اس سے دو یا تین روز بعد ایک لڑکا جنی تو مال وصیت تہائی میں سے دونوں کو ملے گا اور اس صورت میں اور دوسری صورت جو مذکور ہوتی ہے دونوں میں فرق ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی عورت سے کہا کہ جو کچھ تیرے پیٹ میں ہے اگر وہ لڑکا ہو تو اُس کے لیے دو ہزار درم کی وصیت ہے اور اگر لڑکی ہو تو اس کے لیے ہزار درم کی وصیت تھی پھر اس عورت نے ایک ہی پیٹ سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنی اور موصی کے وقت موت سے چھ مہینہ کم میں جنی تو دونوں بچوں میں سے کسی کے واسطے وصیت میں سے کچھ نہ ملے گا۔ پھر مسئلہ اولیٰ میں اگر عورت مذکور چھ مہینے سے کم میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں جنی تو وارثان موصی کو اختیار ہوگا کہ دونوں لڑکوں اور دونوں لڑکیوں میں سے جس ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو چاہیں مال وصیت دے دیں یہ محیط میں ہے۔ موصی کا اپنے وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے پھر رجوع کبھی صریحاً ثابت ہوتا ہے اور کبھی دلالۃً ثابت ہوتا ہے پس اول کی یہ مثال ہے کہ مثلاً موصی کہے کہ میں نے رجوع کیا یا اس کے مثل کوئی لفظ کہے اور دوم اس طرح ہے کہ کوئی ایسا فعل کرے جو رجوع کرنے پر دلالت کرتا ہے پھر جو فعل ایسا ہے کہ اگر انسان اُس کو دوسرے کی ملک کے ساتھ کرے تو مالک سے مالک کا حق منقطع ہو جائے پس جب ایسا فعل موصی کرے گا تو یہ رجوع کرنا ہوگا اور نیز جو فعل موصی بہ میں زیادتی کا موجب ہوا اور بدون اس زیادت کے تسلیم[2] ممکن نہیں ہے پس جب

[1] یعنی اس نے باوجود بالغ ہونے کے وصیت کی مگر چونکہ درستی معاملات میں وہ نالائق ہے اس واسطے وصیت جائز نہیں ہے وقال المترجم کان ہذا اعلیٰ تو ہما واللہ اعلم ۱۲ [2] تسلیم سپرد کرنا جسے ہمارے عرف میں سونپنا بولتے ہیں ۱۲

ایسا فعل موصی کرے گا تو یہ رجوع پر دلالت کرے گا اور رجوع ثابت ہوگا اسی طرح جو فعل موجب زوال ملک موصی ہو وہ رجوع ہے اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے واسطے ایک کپڑے کی وصیت کی پھر اُس کو قطع کر کے سلایایا روئی کی وصیت کی اور اُس کو کاتایا سوت کی وصیت کی اور اُس کو بنایا لوہے کی وصیت کی پھر اُس کا کوئی ظرف بنوایا تو یہ رجوع ہے۔اور اگر ستو کی وصیت کی پھر اُن کو مسکہ میں ملا دیا یا احاطہ کی وصیت کی اور پھر اُس میں عمارت بنوائی یا روئی کی وصیت کی پھر اُس کو بھرا لیا یا استر کی وصیت پھر قبا میں اُس کا استر لگایا یا ابرہ کی وصیت کی پھر اُس کا ابرہ لگایا تو وصیت باطل ہو جائے گی یہ کافی میں ہے۔وصیت چار صورتوں پر ہے ایک صورت میں قول و فعل دونوں سے فسخ ہو سکتی ہے اور ایک صورت میں قول سے فسخ ہو سکتی ہے نہ فعل سے اور ایک صورت میں فعل سے فسخ نہ ہو سکتی ہے نہ قول سے اور ایک صورت میں دونوں سے فسخ نہیں ہو سکتی ہے پس اوّل کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے واسطے مال عین کی وصیت کی پس قول سے اُس کا فسخ یہ ہے کہ کہے میں نے وصیت فسخ کر دی یا میں نے رجوع کر لیا اور فعل سے اُس کا فسخ یوں ہے کہ اس کو فروخت کر دے یا آزاد کر دے یا ایسے سبب سے اُس کو اپنی ملک سے نکال دے جو فسخ نہیں ہو سکتا ہے چنانچہ مطلقاً مدبر کر دے اور دوم کی صورت یہ ہے کہ اپنے تہائی یا چوتھائی مال کی وصیت کرے پس اگر اس سے بقول رجوع کرے تو صحیح ہے اور اگر اس کو اپنی ملک سے خارج کر دیا تو وصیت باطل نہ ہوگی بلکہ دوسرے ثلث سے نافذ ہو جائے گی اور سوم کی صورت یہ ہے کہ غلام کو مدبر کرے مگر بتقیید [(۱)] پس اگر بقول رجوع کرے تو صحیح نہیں ہے اور اگر بفعل رجوع کرے مثلاً اُس کو فروخت کر دے تو صحیح ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر چاندی کے پتر کی کسی کے واسطے وصیت کی پھر اُس کو ڈھال کر کنگن یا انگوٹھی یا اس کے مانند کوئی چیز بنوائی تو وصیت سے رجوع ہے اور یہ حکم امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے قول پر ظاہر ہے اور بنا بر قول امام اعظمؒ کے واجب ہے کہ رجوع نہ ہو اور یہی صحیح ہے یہ محیط میں ہے۔

مال عین کی وصیت کا بیان ☆

اگر مال عین کی وصیت کی پھر اُس کو فروخت کر دیا پھر اُس کو خرید لیا یا بائع کو ہبہ کی گئی پھر اس کی وصیت سے رجوع کر لیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور جس بکری کے دینے کی وصیت کی تھی اگر ذبح کیا تو رجوع ہے اور جس کپڑے کی وصیت کر دی ہے اگر اُس کو دھلایا تو رجوع نہیں ہے اور اگر کسی نے وصیت سے انکار کیا تو یہ رجوع نہیں ہے یہ جامع کبیر میں مذکور ہے۔اور مبسوط میں لکھا ہے کہ رجوع ہے اور بعض نے فرمایا کہ جو حکم جامع کبیر میں لکھا ہے وہ ایسی صورت پر محمول ہے کہ جب موصی لہ کی غیبت میں اُس نے انکار کیا ہو اور ایسا انکار سب روایتوں کے موافق رجوع نہیں ہے اور جو مبسوط میں ہے وہ ایسی صورت پر محمول ہے کہ جب موصی لہ کے حضور میں اُس نے انکار کیا اور اُس کے سامنے انکار کرنا وصیت سے رجوع کرنا ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔اور بعض نے فرمایا کہ جو حکم جامع میں مذکور ہے وہ امام محمدؒ کا قول ہے اور جو مبسوط میں لکھا ہے وہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور یہی قول اصح ہے اور اگر کہا کہ ہر چیز جس کی وصیت فلاں شخص کے واسطے ہے وہ حرام یا ربوا ہے تو یہ قول رجوع نہ ہوگا بخلاف اس کے اگر کہا کہ وہ باطل ہے تو رجوع ہو سکتا ہے یہ کافی میں ہے۔اگر ایک شخص کے واسطے کچھ وصیت کی پس اُس سے کہا گیا تو اچھا ہو جائے گا وصیت میں تاخیر [۱] کر دے پس اُس نے کہا کہ میں نے وصیت کی تاخیر کر دی تو یہ رجوع نہیں ہے اور اگر کہا گیا کہ یہ وصیت کو ترک کر دے پس اُس نے کہا کہ میں نے ترک کر دی تو یہ رجوع ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر کہا کہ جس غلام دے دینے کی میں نے وصیت کی تھی وہ

[۱] قولہ تاخیر کر دے ہمارے عرف میں اس کے معنی یہ ہیں کہ فی الحال وصیت مت کر اور جب جس نے یہی کیا تو رجوع ہوگا پس اس حکم میں اشکال ہے یعنی اگر لفظ کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے تو البتہ تاخیر سے رجوع نہ ہوگا (۱) یعنی علی الاطلاق کرے بلکہ کسی قید کے ساتھ مدبر کرے ۱۲

فلاں کے واسطے ہے تو یہ رجوع ہے اور اسی طرح اگر کہا کہ وہ میرے وارث کے واسطے ہے تو یہ رجوع ہے پہلی وصیت سے اور دوبارہ[1] وارث کے واسطے وصیت ہے پس دیگر وارثوں کو اختیار ہوگا چاہیں اُس کی اجازت دیں یا رد کر دیں اور اگر دوسری وصیت کے وقت دوسرا شخص جس کے واسطے دوسری وصیت کی ہے مر گیا تو پہلی وصیت اپنے حال پر باقی رہے گی اور اگر دوسری وصیت کے وقت دوسرا موصی لہٗ زندہ ہو مگر موصی کی موت سے پہلے مر گیا تو غلام مذکور وارثوں کا ہوگا اس وجہ سے کہ دونوں وصیتیں باطل ہو گئی ہیں یہ کافی میں ہے۔ اور اگر کسی کے واسطے اپنے غلام کی وصیت کی پھر اُس کو رہن کیا تو یہ رجوع ہے اور اگر اُس کو اجارہ پر دیا یا باندی تھی کہ اُس سے وطی[1] کر لی تو یہ رجوع نہیں ہے اور اگر لوہا ہو کہ اُس کے دینے کی وصیت کی پھر اُس کی تلوار یا زرہ بنالی تو یہ رجوع ہے اور اگر اپنا غلام دینے کی کسی کے واسطے وصیت کی پھر اس کو مکاتب یا مدبر کر دیا یا کسی وجہ سے اُس کو اپنی ملک سے نکال دیا تو یہ وصیت سے رجوع ہے حتیٰ کہ اگر وہ غلام پھر اس کی ملک میں عود کرے تو وہ وصیت کی چیز نہ رہے گی یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر کہا کہ جس غلام کی میں نے فلاں شخص کے واسطے وصیت کی تھی اور بھی اُس کی وصیت فلاں دوسرے شخص کے واسطے کی تو وہ غلام دونوں میں نصفا نصف ہوگا اسی طرح اگر کہا کہ اور بھی اُس کی نصف کی وصیت فلاں دوسرے کے واسطے کر دی تو بھی وہ غلام دونوں میں مشترک ہوگا اور اگر تہائی غلام کی وصیت زید کے واسطے کر دی پھر کہا کہ وہ تہائی غلام کی جس کی وصیت میں نے زید کے واسطے کی ہے اُس تہائی کی نصف وصیت عمرو کے واسطے کر دی یا کہا کہ اُس کے آدھے کی وصیت عمرو کے واسطے کر دی تو یہ قول تہائی میں سے نصف سے جو زید کے واسطے وصیت تھا رجوع نہیں ہے بلکہ تہائی غلام دونوں میں مشترک ہوگا اور اگر کہا کہ وہ تہائی جس کی وصیت زید کے واسطے میں نے کر دی تھی اور بھی اُس کی نصف کی وصیت عمرو کے واسطے کر دی تو زید کو اس تہائی کا تہائی ملے گا۔ اور اگر زید کے واسطے ایک چیز کی وصیت کی پھر کہا کہ جو کچھ میں نے زید کے واسطے وصیت کی تھی اُس کی نصف کی وصیت عمرو کے واسطے کر دی تو وہ غلام دونوں میں مشترک ہو جائے گا پس آدھے غلام سے رجوع ثابت ہوگا اور اگر ایک شخص کے واسطے ایک باندی کی وصیت کر دی پھر اُس باندی کو ام ولد بنایا تو یہ وصیت سے رجوع ہے اسی طرح اگر گیہوں کی وصیت کی پھر اُن کو پیسا یا آٹے کی وصیت کی پھر اُس کی روٹیاں پکوائیں تو یہ رجوع ہے اور اگر ایک شخص سے کہا گیا کہ تو نے اپنے فلاں غلام کی فلاں شخص کے واسطے وصیت کی ہے پس اُس نے کہا کہ نہیں بلکہ اُس شخص کے واسطے میں نے اپنی فلاں باندی کی وصیت کی ہے تو یہ غلام کی وصیت سے رجوع ہے اور اگر اپنے دار کی فلاں شخص کے واسطے وصیت کی پھر اُس پر گچ کرائی اس کو منہدم کیا تو یہ رجوع نہیں ہے اور اگر اس نے کہگل کرائی یا تو رجوع ہے بشرطیکہ دار کبیر ہو اور اگر زمین کی وصیت کی پھر اس میں رطبہ[2] بویا تو یہ رجوع نہیں ہے اور اگر درخت انگور جمائے یا اور درخت لگائے تو یہ رجوع ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر اُس کے درخت خرما میں جو کفری لگے ہیں اُن کی وصیت کی پھر موصی کے مرنے سے پہلے وہ بسر ہو گئیں یا بسر کی وصیت کی اور وہ رطب ہو گئیں اور ہنوز موصی نہیں مرا ہے یا تازہ انگوروں کی وصیت کی اور وہ موصی کی موت سے پہلے زبیب ہو گئی یا سنبل کی وصیت کی اور وہ گیہوں ہو گئے یعنی بالیوں میں سے گیہوں پختہ ہو کر نکال لئے گئے یا چاندی کی وصیت کی اور وہ انگوٹھی ہو گئی یا انڈے کی وصیت کی اور وہ بچہ ہو گیا یعنی انڈے سے بچہ نکل آیا اور یہ سب موصی کی موت سے پہلے ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اس واسطے کہ

---

[1] اور اگر وطی سے ام ولد بنالیا تو وصیت ٹوٹ گئی ۱۲ منہ [2] الحاصل ایسی صورت جس سے نفس مال میں تغیر ہو یا اُس کی صفت بدل جائے تو اس میں حکم رجوع دیا جائے گا ۱۲ [3] وہ چیزیں جو زیادہ دنوں تک زمین میں نہیں لگی رہتی ہیں بلکہ تھوڑی مدت کے بعد ختم ہو جاتی ہیں از قسم ساگ و ترکاری وغیرہ ۱۲

(۱) سوائے موصی لہ کے دوسرے کو بیان کیا ۱۲

جس چیز کی وصیت کی تھی وہ متغیر ہو کر دوسری چیز ہوگئی ہے اور اگر موصی کے مرنے کے بعد وہ متغیر ہوگئی تو وصیت نافذ ہو جائے گی اور اگر بسر کی وصیت کی پھر اُس میں بعض رطب ہو گئے تو جس قدر رطب ہو گئے ہیں اُن کی وصیت باطل ہو جائے گی اور جو بسر میں ان میں باقی رہے گی اعتباراً للبعض بالکل کہ بعض قائم مقام کل کے ہوں گے اور اگر رطب کی وصیت پھر موصی کی موت سے پہلے وہ تمر یعنی چھوہارے ہو گئے یا بھڑی کے بچہ کی وصیت کی اور وہ کبش ہو گیا تو استحساناً وصیت باطل نہ ہو گی یہ کافی میں ہے اور اگر غیر کے مال سے ہزار درم کی کسی کے واسطے وصیت کی یا اس کے غلام اس کے کپڑے کی کسی کے واسطے وصیت کر دی پھر اس غیر شخص نے موصی کے مرنے سے پہلے یا اُس کے مرنے کے بعد اس کی اجازت دے دی تو غیر شخص کو اختیار ہو گا کہ جب تک اُس نے مال وصیت موصی لہٗ کو نہیں دیا ہے تب تک اس سے رجوع کر لے اور جب اُس کو دے دیا تو جائز ہے اس واسطے کہ مال غیر سے وصیت کرنا بمنزلہٗ مال غیر ہبہ کرنے کے ہے گویا اُس نے غیر کا مال ہبہ کر دیا پس بدون تسلیم و قبضہ کے صحیح نہ ہو گا یہ مبسوط میں ہے۔

دوسرا باب ☆

اُن الفاظ کے بیان میں جو وصیت ہوتے ہیں اور جو نہیں ہوتے اور جو وصیت جائز ہے اور جو نہیں جائز ہے

ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو میری موت کے بعد وکیل ہے تو وہ وصی ہو گا اور اگر کہا کہ تو میری حیات میں میرا وصی ہے تو وکیل ہو گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تیرے واسطے سو درم اجرت اس شرط پر ہے کہ تو میرا وصی ہو تو شرط باطل ہے اور سو درم اُس کے واسطے وصیت جائز ہوں گے اور بنابر قول مختار کے وہ شخص وصی ہو گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ابن سماعہ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ اگر ایک شخص نے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے فلاں شخص کے واسطے ہزار درم کی وصیت کی اور وصیت کی کہ فلاں شخص کے واسطے میرے مال میں ہزار درم ہیں تو پہلے ہزار درم وصیت ہیں اور دوسرے اقرار ہیں اور اصل میں ہے کہ اگر وصیت میں کہا کہ میرا تہائی دار واسطے فلاں شخص کے ہے پس میں اس کی اجازت دیتا ہوں تو وصیت ہے اور اگر کہا کہ چھٹا حصہ میرے دار میں واسطے فلاں شخص کے ہے تو یہ اقرار ہے یعنی فلاں کا اس قدر اس دار میں استحقاق ہے اور علیٰ ہذا اگر کہا کہ فلاں شخص کے واسطے میرے مال سے ہزار درم ہیں تو یہ استحساناً وصیت ہے اگر وصیت کے تذکرہ میں کہا ہو اور اگر کہا کہ میرے مال میں تو یہ اقرار ہو گا اور اگر کہا کہ میرا یہ غلام واسطے فلاں کے ہے اور میرا یہ دار واسطے فلاں کے ہے اور یہ نہ کہا کہ وصیت ہے اور نہ وصیت کے تذکرہ میں ایسا کہا اور نہ یہ کہا کہ یہ میری موت کے بعد تو یہ قیاساً و استحساناً ہبہ ہے پس اگر فلاں مذکور نے اُس کی زندگی میں قبضہ کر لیا تو صحیح ہو گا اور اگر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو باطل ہے اور اگر وصیت کے تذکرہ میں ایسا کیا تو شیخ امام زاہد احمد طواویسی نے شرح وصایا الاصل میں ذکر کیا کہ قیاس یہ ہے کہ یہ وصیت ہو مگر استحساناً وصیت نہ ہو گی یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے دوسرے سے اپنے مرض میں فارسی میں کہا کہ (تیمار دار فرزندان مرا پس من) یعنی میرے مرنے کے پیچھے میرے فرزندوں کی تیمارداری کر تو اُس کو اپنے ترکہ کا وصی قرار دیا اسی طرح اگر کہا کہ اُن کا تعہد کر یا اُن کے کام کی خبر گیری کر یا جو اس کے معنی میں بولے جاتے ہیں اور اگر مریض نے دوسرے سے کہا کہ (غم کار (۱) من و آن فرزندان من بعد از وفات من بخورم) یا کہا

(۱) میرے کام اور میرے فرزندوں کی ملک کے بعد میری غم خواری کر۱۲

(فرزندان(۱) مرا ضائع مماں) تو فرمایا کہ وصی ہو جائے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر اپنے بھائی سے کہا کہ فلاں شخص کو اجارہ پر مقرر کر حتی کہ میری وصیت نافذ ہو تو بھائی وصی ہو جائے گا اگر اس کو قبول کر لے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور اگر کہا کہ میں نے یہ وصیت کی کہ میری موت کے بعد میرا تہائی دار فلاں شخص کو ہبہ کیا جائے تو یہ وصیت ہے اور موصی کی زندگی میں اُس کا قبضہ کرنا شرط نہ ہوگا اور اگر کہا کہ میری تہائی واسطے فلاں کے ہے یا میری چوتھائی یا میرا چھٹا حصہ واسطے فلاں کے ہے پھر قبل اس کے کہ فلاں قبضہ کر لے وہ مر گیا تو قیاساً باطل ہے اور استحساناً یہ وصیت جائز ہوگی اور اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ وصیت کے تذکرہ میں ایسا کلام کیا ہو اس کو امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کی روایت سے امام اعظمؒ سے روایت کیا ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک مریض نے دوسرے سے کہا کہ میرے قرضے[1] ادا کر دے تو وہ وصی ہو جائے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک شخص نے اپنے مرض یا اپنے صحت میں کہا کہ اگر میرے اوپر کوئی حادثہ حادث ہو تو فلاں کے واسطے اس قدر ہے تو یہ وصیت ہے اور حادثہ[2] ہمارے نزدیک موت ہے اس طرح اگر کہا کہ میری تہائی سے فلاں کے واسطے ہزار درم ہیں تو یہ وصیت ہے اگرچہ اس میں موت کا ذکر نہیں کیا ہے اور اگر کہا کہ فلاں شخص کے واسطے ہزار درم میرے مال سے ہیں یا کہا میرے نصف مال سے یا کہا کہ میرے چوتھائی مال سے ہیں تو یہ باطل ہے الا اُس صورت میں کہ وصیت کے تذکرہ میں ایسا کلام ہو تو یہ وصیت ہوگی یہ محیط میں ہے اور اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ جو میرے باپ کی وصیت لکھی ہوئی پائی جائے اور میں نے اُس کو نافذ نہ کیا ہو تو اُس کو نافذ کر دینا یا اپنی ذات پر اپنے مرض میں ایسا اقرار کیا تو مشائخ نے فرمایا کہ یہ وصیت ہے اگر وارثوں نے اُس کی تصدیق کی تو اُن کی تصدیق صحیح ہوگی اگر اُس کی تکذیب کی تو یہ تہائی مال سے قرار دی جائے گی یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر ایک مریض نے کہا کہ تم لوگ ہزار میرے مال سے نکالو یا ہزار درم نکالو اور اس سے زیادہ نہ کہا اور مر گیا تو فقیہ ابو بکر نے فرمایا کہ اگر یہ کلام تذکرہ وصیت میں کیا ہو تو جائز ہے اور فقراء کو دیئے جائیں گے اور اگر کسی مریض سے کہا گیا کہ کوئی چیز وصیت کر دے اُس نے کہا کہ میرا تہائی مال اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو فقیہ ابو بکر نے فرمایا کہ اگر یہ کلام سوال کے پیچھے لگا ہوا کہا تو اُس کا تہائی مال فقیروں پر صرف کیا جائے گا اور محمد بن سلمہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جواب مطلقاً چھوڑا اُس کی تفصیل نہیں فرمائی اور کہا کہ اُس کا مال فقیروں میں صرف کیا جائے گا اور محمد بن مقاتل سے مروی ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ لوگوں کو ہزار درم دیئے جائیں تو فرمایا کہ یہ وصیت باطل ہے اور اگر کہا یہ تم لوگ ہزار درصدقہ کر دینا تو جائز ہے اور فقیروں کو صدقہ کئے جائیں گے ایک مریض نے فارسی میں کہا (صد درم از من بخشش کنید) سو درم میری طرف سے بخشش کر دینا تو شیخ ابو بکر محمد بن الفضلؒ نے فرمایا کہ یہ باطل ہے اس واسطے کہ یہ فقیروں و تونگروں سب کے واسطے ہوگی اور اگر کہا کہ (صد درم از من رواں کنید) تو فرمایا کہ یہ وصیت جائز ہوگی اس واسطے کہ اس لفظ سے قربت مراد ہوتی ہے اور قاضی ابو الحسن علی بن الحسین السغدی نے فرمایا کہ قولہ (روان کنید) ہماری زبان کا محاورہ نہیں ہے ہم اس کو نہیں ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں اپنے اس سفر میں مر جاؤں تو فلاں کے واسطے مجھ پر ہزار درم قرضہ ہیں تو یہ تہائی مال سے وصیت ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر یہ وصیت کی کہ میں بعد موت کے فلاں مقام پر لے جایا جاؤں اور وہیں دفن کیا جاؤں اور وہاں ایک رباط(۲) میرے تہائی مال سے بنایا جائے پھر مر گیا اور اُس مقام پر اُٹھا کر نہیں لے جایا

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ اُس کا مرض ایسا قرینہ ہے جو اُس کی مراد یعنی وصی کرنے پر دلالت کرتا ہے فافہم ۱۲ [2] قال المترجم قولہ ان حدث بی الاحدث الفلان کذا اس قول میں عربی استعمال کے موافق حدث سے موت مراد ہے اور ہماری زبان میں ایک مراد مفہوم ہونے میں تامل ہے ۱۲

(۱) میری فرزندوں کو ضائع مت چھوڑ دے ۱۲ (۲) لنگر خانہ ۱۲

گیا تو ابوالقاسمؒ نے فرمایا کہ رباط کی وصیت جائز ہے اور اُٹھالی جائے جانے کی وصیت باطل ہے اور اگر وصی اُس کو اس مقام پر اُٹھوا کر لے گیا تو جو کچھ اُس کے اٹھوا کر لے جانے میں خرچ ہوا ہے وصی اُس کا خود ضامن ہوگا اگر اُس نے بدون اجازت وارثوں کے ایسا کیا اور اگر وارثوں کی اجازت سے ایسا کیا تو ضامن نہ ہوگا اور میّت کے نیچے قبر میں مضربہ کے مانند کوئی چیز نہیں بچھائی جائے گی اور شیخ ابونصر نے فرمایا کہ اُس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ مثل کفن میں زیادتی کرنے کے ہے اور بعض مشائخ نے اس سے انکار فرمایا ہے یعنی ممنوع جانا ہے۔ اور اگر زینت کے واسطے اپنی قبر کی عمارت کی وصیت کی تو یہ باطل ہے اور اگر اپنی موت کے بعد ماتم[1] کے واسطے کھانے پکانے کی وصیت کی کہ جو لوگ تعزیت کے واسطے آئیں اُن کو کھلایا جائے تو فقیہ ابوجعفرؒ نے فرمایا کہ یہ تہائی مال سے جائز ہے اور جو لوگ یہاں دیر تک قیام کریں یا دور سے آئیں اُن کو کھلانا حلال ہے اُس میں تو انگر و فقیر سب برابر ہیں اور جس شخص کا قیام دیر تک نہ ہو اور نہ وہ بہت دور سے آیا ہو تو اُس کو حلال نہیں ہے پس اگر کھانے میں سے بہت بچ جائے تو وصی ضامن ہوگا اور اگر تھوڑا بچے تو ضامن نہ ہوگا اور شیخ امام ابوبکر بلخی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میری موت کے بعد تین روز تک لوگوں کے واسطے کھانا پکوایا جائے تو مشائخ نے فرمایا ہے کہ ایسی وصیت باطل ہے اور شیخ ابوالقاسم سے روایت ہے کہ اہل مصیبت کے یہاں کھانا لے جانا اور ان کے ساتھ کھانا کیا ہے فرمایا کہ ابتدائی حال میں کھانا لے جانا مکروہ نہیں ہے اس واسطے کہ اہل میّت اُس کی تجہیز وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں۔

قال المترجم ☆

بلکہ یہ سنت ہے اور رہا تیسرے روز کھانا لے جانا سو یہ نہیں مستحب ہے اس واسطے کہ تیسرے روز رونے والی عورتیں جمع ہوتی ہیں پس اس روز کا اُن کا کھلانا گناہ کرنے پر مدد دینا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور واقعات ناطفی میں ہے کہ اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ ہزار دینار کے کفن میں کفنایا جائے یا دس ہزار کے کفن میں کفنایا جائے تو یہ شخص درمیانی کفن سے کفنایا جائے گا جس میں نہ اسراف[2] ہو اور نہ تقتیر اور تضییق ہو اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ وہ شخص اپنی زندگی میں جیسے کپڑے پہن کر جمعہ کی نماز اور عیدین کی نماز اور شادی کی دعوت ولیمہ میں جاتا تھا اُن کو دیکھا جائے گا پس برابر درمیانی کفن دیا جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک عورت نے اپنے شوہر کو وصیت کی کہ شوہر اُس کو اُس مہر سے جو عورت کا اس پر آتا ہے کفن دے تو فرمایا کہ کفن کے باب میں عورت کی امر و نہی سب باطل ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص نے وصیت کی کہ اپنے دار میں دفن کیا جائے تو اُس کی وصیت باطل ہے الا یہ کہ یہ وصیت کرے کہ میرا دار مسلمان کا مقبرہ بنایا جائے اور خلاصہ میں ہے کہ اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ اپنے بیت میں دفن کیا جائے تو صحیح نہیں ہے اور مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کیا جائے گا اور اگر یہ وصیت کی کہ مجھ پر فلاں شخص نماز پڑھے تو عیون میں لکھا ہے کہ یہ وصیت باطل ہے اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ یہ نہیں صحیح ہے۔

قال المترجم ☆

مراد یہ ہے کہ اس کی تعمیل مثل وصیت کے لازم نہیں ہے ورنہ جس کو پرہیزگار جانے اُس سے نماز پڑھانے کو کہا جائے تو اولیٰ و انسب ہے نوادر ابن سماعہ میں امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا تہائی مال مسلمان مردوں کے کفن میں یا مسلمان مردوں کی قبر کھودنے میں یا مسلمانوں کو پانی پلانے میں خرچ کیا جائے تو فرمایا کہ یہ باطل ہے اور اگر یہ وصیت کی کہ میرا تہائی مال فقیر مسلمانوں کے کفن دینے میں یا اُن کی قبریں کھودنے میں خرچ کیا جائے تو جائز ہے اور اگر وصیت کی کہ میرا دار مقبرہ کر

[1] عورتیں جو جمع ہوتی ہیں اور ظاہر مرد یہاں مطلق ہے خواہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں ۱۲ منہ [2] اسراف فضول خرچی و صرف بیجا تقتیر نقصان تضییق تنگی ۱۲

دیا جائے پھر اُس کا وارث (۱) مرا تو اِس کا دفن کرنا اس مقبرہ میں جائز ہے۔ اور فتاویٰ فضلی میں ہے کہ اگر یہ وصیت کی کہ میرا دار کارواں سرائے کر دیا جائے کہ اس میں لوگ اترا کریں تو نہیں صحیح ہے اور اسی قول پر اعتماد ہے بخلاف اُس کے اگر یہ وصیت کر دی کہ سقایہ کر دیا جائے تو یہ صحیح ہے اور وارث [۱] اس میں سے پانی نہیں پی سکتا ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی زندگی میں ٹاٹ خریدا تھا پس وصیت کی کہ میں اس ٹاٹ میں کفنا دیا جاؤں اور میرے پاؤں میں بیڑیاں اور گردن میں طوق ڈالا جائے تو یہ غیر مشروع چیز کے ساتھ وصیت ہے پس باطل ہوگی اور اُس کو کفن مثل دیا جائے گا (یعنی جیسا وہ پہنتا تھا روز جمعہ و ایام [۲] خوشی میں پس اُس کا درمیانی دیا جائے گا یا جیسا ایسے لوگوں کو دیا جاتا ہے) اور جس طرح لوگ دفن کئے جاتے ہیں اسی طرح دفن کیا جائے گا۔ اگر یہ وصیت کی کہ اُس کی قبر پر کہگل کی جائے یا اُس پر قبہ بنایا جائے تو وصیت باطل ہے الاّ اُس صورت میں جائز ہو سکتی ہے کہ وہاں درندوں وغیرہ کے خوف سے کہگل لگانے کی ضرورت ہو اور شیخ ابو القاسم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی دختر کو اپنے مرض میں پچاس درم دیئے اور کہا کہ میں مر جاؤں تو میری قبر پر عمارت بنوانا اور مجاورت کرنا اور پانچ درم تیرے واسطے ہیں اور باقی کے گیہوں خرید کر صدقہ کر دینا تو فرمایا کہ اسے کے واسطے پانچ درم نہیں جائز ہیں اور جس قبر کی عمارت کا حکم دیا ہے اُس کو دیکھا جائے گا اگر محافظت کے واسطے عمارت کی ضرورت ہو نہ بغرض زینت کے تو بقدر حفاظت کے بنوائی جائے اور باقی درم فقیروں کو دے دیئے جائیں گے اور اگر حاجت ضروری سے علاوہ عمارت کا حکم دیا ہے یعنی عمارت کی وہاں کوئی حاجت نہیں ہے تو وصیت باطل ہوگی اور اگر وصیت کی کہ کسی شخص کو میرے مال سے اس قدر دیا جائے تا کہ میری قبر پر قرآن پڑھے تو ایسی وصیت باطل ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اگر قاری یعنی پڑھنے والا کوئی معین ہو تو چاہئے کہ وصیت بطور صلہ کے جائز ہو نہ بطور اُجرت کے اور بعض نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے اگرچہ قاری معین ہو اور ایسا ہی شخص ابو نصر نے فرمایا ہے شیخ ابو القاسم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ دس قبریں کھودی جائیں تو فرمایا کہ اگر مقبرہ معین کر دیا کہ اُس میں مردے دفن کئے جاتے ہیں تو وصیت جائز ہے اور اگر کھودنا بغرض ابناء سبیل [۳] فقیروں کے دفن کے ہے بدون اس کے کہ کوئی جگہ معین کرے تو وصیت باطل ہے اور واقعات امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر وصیت کی کہ سو قبریں کھودی جائیں تو میں استحساناً اس کے محلہ میں [۴] رکھتا ہوں اور کبیر و صغیر پر ہوں گی اور ہمارے بعض مشائخ نے قبور کے مسئلہ میں یہ اختیار کیا ہے کہ اگر اُس نے مقبرہ معین نہ کیا تو نہیں جائز ہے اور اگر وصیت کی کہ اُس کی کتابیں دفن کر دی جائیں تو نہیں جائز ہے الاّ اُس صورت میں کہ اُن کتابوں میں ایسی بات لکھی ہو جس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے یا اس میں کوئی فساد کی بات ہو تو ان کو دفن کر دینا چاہئے یہ محیط میں ہے۔

اگر بیت المقدس کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کر دی تو جائز ہے اور بیت المقدس کی تعمیر اور اُس کے چراغ وغیرہ میں خرچ کئے جائیں گے اور مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اس امر کی دلیل ہے کہ وقف مسجد سے اُس کی قندیل و چراغ میں خرچ کرنا اور مضامین میں قندیلوں کے واسطے لفظ [۵] و روغن زیتون خریدنا جائز ہے اور اگر وصیت کی کہ میرا غلام مسجد کی خدمت کرے اور اس میں اذان دے تو جائز ہے اور اُس کی کمائی وارث [۶] کی ہوگی اور اگر وصیت کی کہ میری طرف سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرایا جائے تو ایک شخص کا خرچہ و جہاد دیا جائے گا جو اُس کو اپنی آمد و رفت میں خرچ کرے اور جب تک سرحد ملک کفار میں مقیم رہے تب تک خرچ

---

[۱] قولہ وارث کیونکہ حدیث میں ہے کہ وصیت وارث کے واسطے نہیں ہے ۱۲ [۲] یعنی عیدین کے روز یا لوگوں کی ملاقات و عروسی وغیرہ میں پہنتا تھا ۱۲

[۳] وہ لوگ جو مسافر و پردیسی ہوں ۱۲ [۴] ان قبروں کا مقام اس کا محلہ ہوگا اور چھوٹی بڑی سو قبریں کھودی جائیں گی ۱۲ [۵] مٹی کا تیل اور احتمال ہے کہ قندیلوں کے ملمع کا مصالحہ مراد ہو مانند قیر وغیرہ ۱۲ [۶] یعنی موصی کے جو وارث ہوں گے ان کو استحقاق اُس کے پانے کا ہوگا ۱۲

(۱) یعنی بعد موت موصی کے ۱۲

کرے اور اس میں سے اپنے اہل وعیال کے خرچ میں کچھ نہ لائے پھر اگر کچھ باقی رہ جائے تو وہ وارثوں کو واپس کر دے اور چاہئے کہ جہاد کرنے والے کے گھر کے واسطے نکلے یعنی اسی مقام سے خرچہ معتبر ہوگا اور یہ مثل حج کے لیے وصیت کرنے کے ہے اور اگر وہ شخص جوان کی طرف سے جہاد کرتا ہے تو انگر ہو تو بھی جائز ہے اور غیر وصی کو اختیار ہے کہ اُس کی طرف سے خود جہاد کرے اور نیز موصی کے پسر کو بھی اختیار ہے اور مسلمان کو جائز ہے کہ نصرانی فقیروں کے واسطے وصیت کرے اس واسطے کہ نصرانی فقیروں کے واسطے وصیت کرنا گناہ نہیں ہے بخلاف اُن کی بیعہ تعمیر کرانے کی وصیت کے کہ یہ معصیت ہے پس جو شخص اُس کی تعمیر میں مدد کرے گا وہ گنہگار ہوگا اور اگر وصیت کی کہ مسجد میں خرچ کیا جائے تو جائز ہے اور مسجد کی عمارت و چراغ میں خرچ کیا جائے گا اور اگر چراغ مسجد کی وصیت کی تو نہیں جائز ہے یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور اگر کہ ہے کہ اس میں چراغ جلایا کرے تو یہ جائز ہے اور اگر وصیت کی کہ میرا غلام فروخت کیا جائے اور کسی مشتری کو معین نہ کیا تو یہ جائز نہیں (۱) ہے الا یہ کہ کہے اور اُس کا ثمن صدقہ کر دو یا اُس کو اُدھار فروخت کر دیا مشتری کے ذمہ سے تہائی ثمن کم کر دو۔ اسی طرح اگر وصیت کی کہ میری باندی ایسے مشتری کے ہاتھ فروخت کرو جو اُس کو ام ولد بنائے یا اُس کو مدبر کر دے تو بھی جائز ہے۔ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت ایک قوم سے جو اُس کے پاس حاضر تھی کہا کہ دیکھو کل وہ جو مجھے جائز ہے کہ میں اُس کی وصیت کروں اُس کو فقیروں کو دے دو تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ وصیت جائز ہے اور یہ تہائی مال پر ہوگی اور کہا کہ جو مجھے جائز ہے کہ میں اُس کی وصیت کروں تو بھی جائز ہے اور اس کا اختیار وارثوں کو ہوگا جو چیز فقیر کو دے دیں جائز ہو جائے گی خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو بخلاف اُس کے قول اوّل کے کہ (کل وہ مجھے جائز ہے کہ میں اُس کی وصیت کروں) کہ اس صورت میں پوری تہائی پر وصیت ہوگی۔ اور اگر اپنے غلام کی کسی شخص کے واسطے وصیت کر دی اور غلام پر قرضہ ہے پھر موصی مر گیا پھر غلام کے قرض خواہ نے کہا کہ میں وصیت کی اجازت نہیں دیتا ہوں تو اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا ہاں اُس کا قرضہ غلام کی گردن پر ہے ایک زمین میں کھیتی ہے پس مالک زمین نے زمین کی بدون کھیتی کے وصیت کر دی تو یہ جائز ہے اور کھیتی اُس زمین میں اجر المثل پر چھوڑ دی جائے گی یہاں تک کہ کھیتی کاٹی جائے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں مصاحف مجید کی وصیت کی بابت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ و امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں وجہ اختلاف ☆

امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے گھوڑے پر راہ خدا میں میری طرف سے جہاد کیا جائے تو وصیت صحیح ہے اور اُس کی طرف سے جہاد کیا جائے گا خواہ تونگر جہاد کرے یا فقیر پھر جب غازی واپس آئے تو وارث کو وہ گھوڑا واپس دے پھر وارث لوگ برابر ہمیشہ اُس گھوڑے کو دیا کریں گے کہ اُس پر موصی کی طرف سے جہاد ہوا کرے گا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر کہا کہ میرا گھوڑا اور میرے ہتھیار کی راہ میں ہیں یعنی صدقہ ہیں تو اس میں تملیک ہے۔ پس ایک مرد فقیر کو بطور تملیک (۲) دیئے جائیں۔ اسی طرح اگر کہا کہ میرا تہائی مال جہاد میں فی سبیل اللہ تعالیٰ ہے تو اُس کا بھی فقیروں کو مالک کر دینا چاہئے اور میرے نزدیک پسندیدہ یہی ہے کہ وارث لوگ ایسے مرد کو دیں جو جہاد کرتا ہے۔ ایک شخص نے اپنا گھوڑا راہ جہاد میں کر دیا تو فرمایا کہ سبیل اللہ تعالیٰ کسی فقیر کو دیا جائے اور جب فقیر اُس کا مالک ہو جائے تو جو چاہے کرے اور اگر اُس نے کہا کہ میں نے یہ گھوڑا اللہ تعالیٰ کی راہ میں محبوس کر دیا تو فرمایا کہ رباط ؂ میں باندھا جائے کہ اُس پر لوگ جہاد کیا کریں پھر اگر اس کی اجازت نہ رہے تو امام المسلمین اُس کو بقدر اُس کے چارہ کے کرایہ پر دیا کرے گا اور اگر کوئی اُس کو کرایہ پر نہ لے تو امام اُس کو فروخت کر کے اُس کا ثمن روک رکھے حتیٰ کہ جب مجاہدین کو کسی

ؒ رباط ملک اسلام کی سرحد پر جو کفرستان سے ملحق ہے مانند سرائے کے مکان بناتے ہیں جس میں جہاد کرنے والے لوگ اُترتے ہیں اور گھوڑے باندھتے ہیں ۱۲ (۱) اس واسطے کہ لغو ہے ۱۲ (۲) مالک کر دیا جائے ۱۲

سواری کی ضرورت ہو تو امام اُس کے ثمن سے سواری کا گھوڑا خرید کر دے کہ اُس پر جہاد کیا جائے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر اُس نے مصاحف مجید کی وصیت کی کہ مسجد میں وقف کیے جائیں کہ لوگ اُن سے تلاوت کیا کریں تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ وصیت جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ وصیت باطل ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر وصیت کی کہ میری زمین مساکین کا مقبرہ بنائی جائے یا وصیت کی کہ یہ زمین مسافروں کے واسطے سرائے بنائی جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ باطل ہے اور اگر وصیت کی کہ میری یہ زمین پر مسجد بنائی جائے تو بلا خلاف جائز ہے اور اگر وصیت کی کہ میرا تہائی مال اللہ تعالیٰ کی راہ ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وصیت باطل ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ وصیت جائز ہے اور نیک کاموں میں خرچ کیا جائے گا اور فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے اور وہ فقیروں پر خرچ کیا جائے گا اور اگر اپنے تہائی مال کی وصیت فی سبیل اللہ تعالیٰ کو تو امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ فی سبیل اللہ تعالیٰ جہاد ہے پھر امام ابویوسفؒ سے کہا گیا کہ اور حج ہے تو فرمایا کہ فی سبیل اللہ تعالیٰ جہاد ہی ہے یعنی حج نہیں ہے جہاد ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی حاجی[1] منقطع کو دیا گیا تو جائز ہے مگر میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ جہاد میں دیا جائے اور فتویٰ امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے اور اگر اعمال غیر کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو فتاویٰ ابواللیثؒ میں مذکور ہے کہ جس میں تملیک نہ ہو وہ اعمال خیر میں سے ہے حتیٰ کہ مسجد کی عمارت و اُس کے چراغ میں صرف کرنا جائز ہے مسجد کی زینت میں خرچ نہ کیا جائے گا اور قید خانہ بنانے میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور قید خانہ قاضی و قید خانہ سلطان کی کوئی تفصیل نہیں فرمائی کذا فی المحیط۔ اور فتاویٰ خلاصہ میں ہے کہ اگر نیک کاموں میں اپنا تہائی مال صرف کرنے کی وصیت کی تو پل باندھنے یا مسجد بنانے میں یا طالب علموں کی کفالت میں خرچ کیا جائے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر رباط[2] کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی حالانکہ رباط میں کچھ لوگ مقیم ہیں پس اگر وصیت کے وقت کوئی قرینہ ایسا موجود ہو جس سے ثابت ہو کہ اس وصیت (۱) سے اُس نے رباط کے مقیم لوگ مراد لئے تو انہیں پر خرچ کیا جائے گا اور رباط کی عمارت میں خرچ نہ کیا جائے گا اور فتاویٰ فصلی میں ہے کہ اگر وصیت کی کہ میرا تہائی مال گاؤں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے تو یہ باطل ہے اور فتاویٰ ابواللیثؒ میں ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے سو درم کی واسطے فلاں مسجد یا فلاں پل کی وصیت کی تو امام محمدؒ نے صریح فرمایا کہ یہ جائز ہے پس اُس کی مرمت و اصلاح میں خرچ کیے جائیں گے اور اسی کو ابن مقاتل نے اختیار کیا ہے اور حسن بن زیاد نے کہا کہ اگر اُس نے مرمت یا اصلاح کو بیان نہ کیا تو وصیت باطل ہے اور یہی ہمارے اکثر اصحاب سے روایت (۲) ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ عیون میں امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر کہا کہ میرا تہائی مال واسطے کعبہ معظمہ کے ہے تو جائز ہے اور مساکین مکہ معظمہ کو دیا جائے گا اور کہا کہ واسطے ثغور[3] فلاں کے ہے تو قیاس یہ ہے کہ یہ باطل ہو اور استحساناً جائز ہے یہ محیط میں ہے۔

---

[1] حاجی منقطع وہ شخص جو باراوّل حج گھر سے بازاد و راحلہ چلا اور اثناء راہ میں ایسا واقعہ ہوا جس کے باعث سے اُس کے پاس خرچ نہ رہا ۱۲

[2] ظاہر از رباط معین مراد ہے ورنہ امام اعظمؒ قول پر باطل ہونا چاہئے واللہ اعلم ۱۲ [3] ثغور وہ راہ جہاں سے کافروں کے دارالاسلام میں گھس آنے و حملہ کرنے کا احتمال ہو ۱۲ (۱) یعنی لفظ رباط سے ۱۲ (۲) والاصل قول ابی حنیفہؒ

نبسرا باب ☆

تہائی مال یا اُس کے مانند کسی حصہ کی وصیت کرنے اور اپنے پسر یا دختر کے حصہ کے برابر مال کی وصیت کرنے اور اس سے کم یا زیادہ کی وصیت کرنے میں کہ بعد موت کے وارث لوگ اُس کی اجازت دیں یا نہ دیں یا بعض بعض اجازت دیں ان سب کے احکام کے بیان میں

اگر زید کے واسطے اپنے چوتھائی مال کی اور عمرو کے واسطے نصف مال کی وصیت کی پس اگر وارثوں نے اُس کی اجازت دے دی تو نصف مال عمرو کو اور چوتھائی مال زید کو دیا جائے گا اور باقی تمام وارثوں میں موافق فرض خدائے تعالیٰ کے تقسیم ہوگا اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو تہائی مال سے دونوں کو سات حصے ہو کر اس طرح ملیں گے کہ عمرو کو چار حصے اور زید کو تین حصے دیئے جائیں گے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اور یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اُن میں تین حصے ہو کر تقسیم ہوں گے جن میں سے دو حصے عمرو کو اور ایک حصہ زید کو ملے گا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سات حصے ہو کر اس وجہ سے تقسیم ہوگا کہ امام کا مذہب یہ ہے کہ عمرو جس کے واسطے نصف کی وصیت ہے وہ فقط تہائی کے حساب سے حصہ دار کیا جائے گا اور زید جس کے واسطے چوتھائی کی وصیت ہے وہ پوری چوتھائی کا حصہ دار کیا جائے گا پس حصص میں ایسے[1] عدد کی حاجت ہوئی جس کی تہائی و چوتھائی پوری نکلے اور وہ بارہ ہے جس کی تہائی چار ہے اور چوتھائی تین ہے پس زید و عمرو کی وصیت سات ہوئی اور یہ تہائی مال ہے اور دو تہائی مال چودہ ہے پس تمام مال اکیس ہے جس میں سے زید و عمرو کو سات حصے بایں طور کہ چار حصے عمرو کو اور تین حصے زید کو دیئے جائیں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک تہائی کے تین حصے ہوں گے اس واسطے کہ عمرو نصف کا موصی لہ صاحبینؒ کے نزدیک پورے حصہ کا شریک کیا جائے گا اور زید چوتھائی کا پوری چوتھائی کا شریک کیا جائے گا اور چوتھائی آدھا نصف کا ہے پس ہر چوتھائی ایک سہم قرار دیا گیا پس نصف کے دو سہم ہوئے اور چوتھائی کا ایک سہم ہوا پس تین سہم ہوئے پس تہائی مال کے تین حصے کئے جائیں جس میں سے وہ دو حصہ عمرو کو اور ایک حصہ زید کو دیا جائے اور اصل امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ جس شخص کے واسطے تہائی سے زائد کی وصیت ہو وہ تہائی سے زائد کا شریک نہ کیا جائے گا الا تین وصیتوں میں وصیت بعتق و محاباۃ و دراہم مرسلہ اور وصیت بعتق کی تفسیر یہ ہے کہ اگر دو غلاموں معین کے آزاد کرنے کی وصیت کی اور ایک کی قیمت ہزار درم اور دوسرے کی دو ہزار درم ہے اور سوائے ان دو غلاموں کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے پس اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو دونوں ساتھ ہی آزاد ہو جائیں گے اور اگر اجازت نہ دی تو دونوں تہائی مال سے آزاد ہوں گے اور اُس کا تہائی مال ایک ہزار درم ہیں پس ہزار درم دونوں بحساب اُن کی وصیت کے ہوں گے کہ ہزار درم کی دو تہائی اُس غلام کے واسطے جس کی قیمت دو ہزار درم ہے اور باقی کے واسطے وہ سعایت کرے گا اور ایک تہائی اس غلام کے واسطے جس کی قیمت ہزار درم ہے اور وہ باقی کے واسطے سعایت کرے گا اور یہی حکم محاباۃ میں ہے کہ اگر اُس کے دو غلام ہوں ایک کی قیمت ایک ہزار ایک سو درم اور دوسرے کی قیمت چھ سو درم ہوں پس وصیت کی کہ ایک غلام زید کے ہاتھ سو درم کو اور دوسرا عمرو کے ہاتھ سو درم کو فروخت کیا جائے تو اس صورت میں ایک مشتری کے واسطے ہزار درم کی محاباۃ اور دوسرے کے واسطے پانچ سو درم کی محاباۃ حاصل ہوئی اور یہ سب وصیت

[1] وہ عدد جس سے بغیر کسر کے ہر کسی کا صحیح عدد برآمد ہو ۱۲

ہے اس واسطے کہ حالت مرض میں واقع ہوئی ہے پس اگر یہ تہائی مال سے برآمد ہو تو جائز ہوگی اور اگر تہائی مال سے برآمد نہ ہوئی اور نہ وارثوں نے اجازت دی تو دونوں کی محاباۃ بقدر تہائی کے جائز ہوگی اور یہ تہائی دونوں میں بقدر ہر ایک کی محاباۃ کے تقسیم ہوگی یعنی ایک شخص بقدر ہزار درم کے اور دوسرا بقدر پانچ سو درم کے شریک کیا جائے گا اور اسی طرح دراہم مرسلہ میں ہے چنانچہ اگر ایک کے واسطے ہزار درم کی اور دوسرے کے لئے دو ہزار درم کی وصیت کی اور اُس کا تہائی مال ہزار درم ہے پس یہ تہائی دونوں میں تین تہائی ہو کر تقسیم ہوگی کہ ہر ایک دونوں میں سے اپنے پورے حصہ کی مقدار پر شریک کیا جائے گا اور موصی لہ ان صورتوں میں اپنی پوری وصیت کی مقدار پر اسی وجہ سے شریک کیا جاتا ہے کہ وصیت اپنے مخرج پر صحیح ہے بسبب اس کے کہ جائز ہے کہ موصی کا کوئی دوسرا مال ہو جس کی تہائی اس قدر ہو۔ اسی طرح اگر ایک کے واسطے نصف مال کی اور دوسرے کے واسطے تہائی مال کی یا پورے مال کی وصیت کی تو بھی یہی حکم ہے یہ شرح طحاوی میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ کی ایک صورت جس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصفا نصف تقسیم ہوگی ☆

ایک کے واسطے تہائی مال کی اور دوسرے کے واسطے چھٹے حصہ کی وصیت کی تو اُس کا ایک تہائی مال دونوں میں تہائی تقسیم ہوگا یہ ہدایہ میں ہے۔ اور اگر کہا کہ میرا تہائی مال فلاں وفلاں کے واسطے ہے کہ ایک کے واسطے سو درم اور دوسرے کے واسطے پچاس درم ہیں اور اُس کا تہائی مال تین سو درم نکلا تو ہر ایک کے واسطے کہ اس قدر ہوگا جو بیان کر دیا ہے اور جو باقی رہا وہ دونوں میں نصفا نصف ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ اُس کا پورا مال زید کو دیا جائے اور عمرو کو تہائی مال دینے کی وصیت کی پس اگر اُس کے وارث نہ ہوں یا وارثوں نے اجازت دے دی تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کا مال دونوں میں بطریق منازعت کے تقسیم ہوگا پس تہائی سے جس قدر زائد ہے یعنی دو تہائی وہ زید کو بلا منازعت دیا جائے گا اور باقی ایک تہائی میں دونوں کی منازعت برابر ہے پس دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک بطریق عدل کی دونوں میں تقسیم ہوگا کہ ہر ایک اپنی پوری وصیت کی مقدار پر اُس میں شریک کیا جائے گا پس عمرو اپنی تہائی کی مقدار پر حساب ایک حصہ قرار دیا جائے گا اور زید اپنے پورے مقدار مال پر جس کے تین حصے قرار دیئے جائیں گے پس پورا مال دونوں میں چار حصے ہو کر تقسیم ہوگا یہ اُس وقت ہے کہ وارث لوگ اجازت دے دیں اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو تہائی مال سے وصیت جائز ہوگی پس تہائی مال دونوں میں امام اعظمؒ کے نزدیک نصفا نصف تقسیم ہوگا بدیں وجہ کہ جس شخص کے واسطے تہائی سے زائد کی وصیت ہے وہ صرف بقدر تہائی کے شریک کیا جائے گا (اور دوسرا تہائی کا موصی لہ ہے وہ پورے حق کے واسطے شریک کیا جائے گا پس دونوں مساوی ہوئے پس مال نصفا نصف ہوا) اور صاحبینؒ کے نزدیک ہر ایک اپنے پورے حق کی مقدار پر شریک کیا جائے گا اس وجہ سے تہائی کے چار حصے ہوں گے یہ شرح طحاوی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے زید کے واسطے تہائی مال کی اور عمرو کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی اور وارثوں نے اجازت نہ دی تو ایک تہائی دونوں میں برابر تقسیم ہو گی یہ کافی میں ہے۔ اگر کہا کہ میں نے اپنے تہائی مال کی زید و عمرو کے واسطے وصیت کی زید کے واسطے پچاس درم کی اور عمرو کے واسطے سو درم کی اور اس کا مال تین سو درم ہے تو تہائی زید و عمرو کے واسطے تین حصے ہو کر تقسیم ہوگی اور دوسرے کو کچھ نہ ملے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اس پر اجماع ہے کہ اگر وصیتوں میں سے کوئی وصیت ایک تہائی سے زائد نہ ہو مثلاً ایک کے واسطے تہائی کی وصیت اور دوسرے کے واسطے چوتھائی مال کی وصیت کی اور وارثوں نے اس سب کی اجازت نہ دی تو ایک تہائی میں ہر واحد اپنی پوری مقدار وصیت کے حساب سے شریک کیا جائے گا چاہے جس قدر ہو اور ایک تہائی اُن میں اسی حساب سے برابر تقسیم ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کے واسطے اس طرح وصیت کی کہ حظ از مال من۔ یا شی از مال من۔ یا نصیب از مال من۔ یا بعض از مال من دیا

جائے تو جب تک موصی زندہ ہے اس وقت تک بیان مقدار اُس کے بیان پر ہے اور جب وہ مر گیا تو وارثوں کے بیان پر ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ اور اگر کسی کے واسطے مبہم از مال خود وصیت کی یا بجزو از مال خود وصیت کی تو وارثوں سے کہا جائے گا کہ جس قدر تمہارا جی چاہے اس کو دے دو اور یہ جو ہم نے بیان کیا ہے اس کو مشائخ ؒ نے اختیار کیا ہے بنابریں کہ ہمارے عرف میں سہم مثل جزو کے ہے اور اصل روایت اس کے برخلاف ہے چنانچہ یہ مبسوط میں مذکور ہے کہ اگر کسی کے واسطے اپنے مال سے ایک سہم کی وصیت کی تو اس کو وارثوں میں سے جس کا حصہ سب سے کم ہو اُس کے برابر دیا جائے گا لیکن اگر یہ مقدار[1] ششم حصہ سے کم ہو تو اس صورت میں اُس کو چھٹا حصہ پورا دیا جائے گا لیکن موافق روایت اصل کی امام ابوحنیفہؒ نے چھٹے سے کم کو جائز رکھا ہے اور چھٹے حصے سے زائد کو جائز نہیں رکھا ہے اور موافق روایت جامع صغیر کے چھٹے حصے سے زائد کو جائز رکھا ہے اور چھٹے حصے سے کم کو جائز نہیں رکھا ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ موصی لہ کو وارثوں میں سے سب سے کم جس کا حصہ ہے اُس کے برابر دیا جائے گا لیکن اگر یہ مقدار ایک تہائی مال سے بڑھ جاتی ہو تو اُس کو فقط ایک تہائی دیا جائے گا یہ کافی میں ہے اور اگر ایک شخص کے واسطے اپنے مال سے ایک سہم کی وصیت کی پھر مر گیا اور اُس کا کوئی[2] وارث نہیں ہے تو اُس کو نصف ملے گا اس واسطے کہ بیت المال بمنزلہٗ پسر کے ہے ایسا ہو گیا کہ گویا اُس کے دو بیٹے ہیں پس دونوں میں نصفا نصف ہو گا یہ محیط سرخسی میں ہی۔

اگر وصیت میں استثناء کیا مثلاً وصیت کی کہ اُس کو میرے مال سے دی جائے تہائی الا قلیل یا تہائی الا چیزے یا تہائی الا یسیر۔ یا اس طرح وصیت کی نہ رہا الف یا بعامۃ ہزہ الالف یا بجل ہذہ الالف۔ یا بعظم[3] ہذہ الالف اور یہ مقدار اُس کی تہائی مال ہے تو اُس کو اس میں سے نصف دیا جائے گا اور جس قدر نصف سے زائد ہے وہ وارثوں کو اختیار ہو گی جس قدر اُس کو چاہیں دے دیں اس واسطے کہ اُس میں اُس سے زیادہ بات نہیں ہے کہ مستثنیٰ مجہول ہے اور اُس کی جہالت مستثنیٰ منہ کے جہالت کی موجب ہے لیکن مجہول کی وصیت صحیح ہوتی ہے کذا فی المبسوط اور یہ جو ذکر فرمایا کہ نصف سے زائد وارثوں کو اختیار ہے جو چاہیں دے دیں اس اختیار سے یہ مراد ہے کہ چاہیں دیں یا نہ دیں یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر کسی شخص کے واسطے وصیت کی کہ میرے پسر کے حصہ کے برابر دیا جائے تو اس میں کئی صورتیں نکلتی ہیں اگر اُس نے اس طرح وصیت کی کہ میرے پسر یا دختر کے حصہ کے مثل دیا جائے خواہ اس کا بیٹا ہو یا نہ ہو یا پسر یا دختر کا حصہ دیا جائے یا دختر کے حصہ کے مثل دیا جائے یا پسر کا حصہ دیا جائے اگر پسر ہوتا اگر کوئی دختر ہوتی یعنی بالفرض پس اگر پسر یا دختر کے حصہ کی وصیت کی اور اُس کا بیٹا یا بیٹی موجود ہے تو وصیت صحیح نہ ہو گی اور اگر پسر یا دختر کے حصہ کی وصیت کی اور اس کا بیٹا یا بیٹی نہیں ہے تو وصیت جائز ہو گی اور اپنے پسر یا دختر کے حصہ کے مثل کی وصیت کی اور اُس کا بیٹا یا بیٹی موجود ہے تو جائز ہے کیونکہ مثل کسی چیز کا اُس کا غیر ہوتا ہے عین نہیں ہوتا ہے پس ترکہ میں سے پہلے پسر کا حصہ جدا کیا جائے گا پھر اُس کے مثل موصی لہ کو دیا جائے گا پس اگر وہ تہائی سے زائد ہو تو وارثوں کے اجازت کی ضرورت ہو گی اور اگر تہائی یا اس سے کم ہو تو بلا اجازت جائز ہے مثلاً اپنے پسر کے حصہ کے مثل وصیت کی اور اُس کا ایک بیٹا ہے تو موصی لہ کے واسطے نصف مال ہو گا بشرطیکہ بیٹا اجازت دے دے اور اگر اُس نے اجازت نہ دی تو فقط تہائی ملے گا اور اگر اُس کے دو بیٹے ہوں تو مال ان سب میں تین تہائی ہو گا پھر بیٹوں کے اجازت کی حاجت نہ ہو گی اور اگر مثل حصہ دختر کے وصیت کی اور اُس کے ایک دختر ہے تو موصی لہ کے واسطے نصف مال ہو گا لیکن اگر دختر نے اجازت نہ دی تو فقط

---

[1] مثلاً عصبہ کو سب سے کم ملا اور سہم کم سے کم چھٹا حصہ مفروض ہے اس واسطے سہم کے لفظ سے چھٹا حصہ رکھا جائے گا ۱۲ منہ

[2] مترجم کہتا ہے کہ یہ اُس کو نصف دینے کی علت ہے اور ممکن ہے کہ اس طور پر علت بیان کی جائے کہ جب سہام میں سے کمتر نہیں پایا جاتا کیونکہ اُس کا کوئی وارث نہیں ہے پس نصف ہی اُس کا سہم ہے کہ اُس سے اوپر کوئی سہم نہیں ہے پس اُس کو یہی دیا جائے گا اور اس میں تطبیر ہے کیونکہ اس وقت میں کمتر ہے یعنی ہے اور وہ سدس ہے اُس بنا پر جو اصول میں مقرر ہو چکا اور اسی وجہ سے اُس کو معطل کیا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ۱۲ [3] یعنی اس ہزار کے بڑے حصہ کے ساتھ ۱۲

اُس کو تہائی مال ملے گا اور اگر دو بیٹیاں ہوں اور مسئلہ یہی ہے تو موصی[1] لہ کو تہائی مال ملے گا اور اجازت کی کچھ ضرورت نہیں ہے اور اگر وصیت کی کہ پسر کا حصہ دیا جائے گا اگر پسر ہوتا تو اس کا حکم وہی ہے جو مثل حصہ پسر کے دینے کی وصیت میں مذکور ہوا ہے کہ اُس کو نصف مال دیا جائے گا بشرطیکہ وارث اجازت دے دیں اور اگر وصیت کی کہ اُس کو مثل نصیب الابن دیا جائے اگر بیٹا ہوتا تو وصی لہ کو تہائی مال دیا جائے گا یہ شرح طحاوی میں ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک شخص مرگیا اور اُس نے ماں و پسر چھوڑا اور ایک شخص کے واسطے نصیب دختر کی اگر ہوتی وصیت کی تو مال کے سترہ سہام کئے جائیں گے جس میں سے پانچ حصے موصی لہ کو اور دس حصے پسر کو اور دو حصے ماں کو دیئے جائیں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بالفرض وصیت نہ ہوتی تو ہم کہتے ہیں کہ اصل مسئلہ چھ سے ہوتا جس میں سے ایک سہم ماں کو اور پانچ سہم پسر کو ملتے اور چونکہ اس میں نصیب دختر کی اگر ہوتی وصیت ہے تو اس میں نصیب دختر یعنی نصف نصیب پسر یعنی ڈھائی بڑھائے جائیں گے پس کل ساڑھے آٹھ ہوئے اور چونکہ کسر آ گئی ہے اس واسطے دو چند کر دیئے گئے جو سترہ ہوئے پس سہام ہر ایک کے بھی دو چند ہو گئے پس پہلے اس میں سے پانچ سہم موصی لہ کو دیئے جائیں گے اس واسطے کہ اس کی وصیت تہائی سے کم ثابت ہوئی پس میراث سے وصیت مقدم ہو گئی اور باقی رہے بارہ سہام اُس میں سے دو ماں کو دیئے جائیں گے اور باقی رہی دس سہام وہ پسر کا حصہ ہے اور جانچ کرنے سے معلوم ہوا کہ ہم نے موصی لہ کو حصہ دختر اگر ہوتی اسی قدر دیا ہے کہ وہ پسر کے حصہ سے نصف ہے پس تخریج ٹھیک ثابت ہوئی اور فرمایا کہ اگر اُس نے بی بی اور ایک بیٹا چھوڑا اور دوسرے پسر کے حصہ کی اگر ہوتا وصیت کر دی اور وارثوں نے وصیت کی اجازت دے دی تو مسئلہ (۱۵) سے ہوگا جس میں سے سات سہام موصی لہ کو اور ایک سہم بی بی کو اور سات سہام پسر کو دیئے جائیں گے اور صورت وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے کہ اولاً ہم نے تخریج مسئلہ کی اس طرح کی کہ فرض کیا کہ وصیت نہیں ہے پس ہم کہتے ہیں کہ اگر وصیت نہ ہوتی تو مسئلہ آٹھ سے ہوتا جس میں سے ایک سہم بی بی کو اور سات سہم پسر کو ملتے اور چونکہ اُس نے دوسرے پسر کے حصہ کی اگر ہوتا وصیت کر دی تو مسئلہ مفروضہ پر ایک پسر کا حصہ بڑھا دیا گیا یعنی سات ملائے گئے تو کل پندرہ ہو گئے اور اس مسئلہ میں وارثوں کا وصیت کی اجازت دینا شرط کیا گیا اس واسطے کہ وصیت ایک تہائی سے زائد ہوتی ہے اور ایسی صورت میں وارثوں کے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اُس نے مثل نصیب دختر کے وصیت کی تو بھی جواب اسی طرح ہوگا جیسا ہم نے بیان کیا ہے اس واسطے کہ مثل شے اُس کا غیر ہوتا ہے پس یہ صورت اور جب نصیب پسر کی اگر ہوتا وصیت کی ہے دونوں یکساں ہیں اور اگر ایک شخص مرگیا اور اُس نے دختر و بھائی چھوڑا اور ایک شخص کے واسطے نصیب پسر کی اگر ہوتا وصیت کی اور دونوں وارثوں نے اس کی وصیت کی اجازت دے دی تو موصی لہ دو تہائی مال ملے گا اور ایک تہائی مال دختر و بھائی کے درمیان نصفا نصف تقسیم ہوگا یہ اس وقت ہے کہ دونوں وارثوں نے اجازت دے دی اور اگر اجازت نہ دی تو موصی لہ کو تہائی مال اور دو تہائی دختر و برادر کے درمیان نصفا نصف ہوگا اور اگر مثل نصیب پسر کے اگر ہوتا وصیت کر دی اور باقی مسئلہ بحالہ ہے تو موصی لہ کو دو پانچویں حصہ مال ملے گا بشرطیکہ دونوں وارث اجازت دے دیں اور فرمایا کہ اگر ایک شخص مرگیا اور اُس نے بھائی و بہن چھوڑے اور ایک شخص کے واسطے نصیب پسر کی اگر ہوتا وصیت کر دی اور دونوں نے اجازت دے دی تو موصی لہ کو پورا مال ملے گا اور بھائی و بہن کو کچھ نہ ملے گا اور اگر مثل نصیب پسر کے اگر ہوتا وصیت کر دی تو موصی لہ کو نصف مال ملے گا بشرطیکہ دونوں اجازت دے دیں اور باقی نصف بھائی و بہن کے درمیان تین تہائی تقسیم ہوگا اور اگر دونوں نے اجازت دے دی تو تہائی مال ملے گا اور دو تہائی بھائی و بہن کے درمیان تین تہائی تقسیم (۱) ہوگا۔ اور اگر دختر بہن چھوڑی اور ایک شخص کے واسطے نصیب (۲) دختر کی اگر ہوتی وصیت کر دی تو موصی لہ کو تہائی مال ملے گا خواہ دونوں وارث

---

[1] جس کے حق میں وصیت واقع ہوئی ہے ۱۲ (۱) یعنی ایک تہائی بہن کو اور دو تہائی بھائی کو ۱۲ (۲) یعنی دوسری دختر کی ۱۲

اجازت دے یا نہ دیں اور اگر مثل نصف دختر کے اگر ہوتی وصیت کر دی تو موصی لہ کو چوتھائی مال ملے گا خواہ دونوں اجازت دیں یا نہ دیں۔ فرمایا کہ اگر ایک شخص مر گیا اور اُس نے بیٹا و باپ چھوڑا اور ایک شخص کے واسطے مثل نصیب دختر کے اگر ہوتی یا مثل نصیب پسر کے اگر ہوتا وصیت کر دی تو موصی لہ کو دو صورتیکہ دونوں اجازت دے دیں گیارہ حصوں میں سے پانچ حصے ملیں گے اور پسر کو پانچ حصے اور باپ کو ایک حصہ ملے گا اور اگر دونوں نے اجازت نہ دی تو موصی لہ کو تہائی مال ملے گا اور باقی باپ اور پسر کے درمیان چھ حصوں پر تقسیم ہوگا پس ایسے عدد کی ضرورت ہوگی جس کا تہائی نکلے اور اُس کی دو تہائی کا چھٹا حصہ نکلے اور کم سے کم ایسا عدد نو ہے پس مال کے نو حصے کر کے اُس میں سے تین یعنی ایک تہائی موصی لہ کو دی جائے گی اور باقی چھ میں سے ایک باپ کو اور پانچ بیٹے کو ملیں گے اور اگر ایک نے اجازت دی دوسرے نے اجازت نہ دی تو کتاب میں مذکور ہے کہ حال اجازت و حال عدم اجازت کی طرف لحاظ کیا جائے پس اجازت کی صورت میں مسئلہ گیارہ سے ہے جس میں سے موصی لہ کے پانچ سہم ہیں اور عدم اجازت کے واسطے مسئلہ نو سے ہے جس میں سے موصی لہ کے تین سہم ہیں پس[1] اوّل مفروض کو دوم میں ضرب دیا جائے پس ننانوے ہوئے پس عدم اجازت کے وقت تین موصی لہ کی تہائی یعنی تینتیس سہم ہوئے اور باپ کے واسطے باقی کا چھٹا حصہ یعنی گیارہ ہوئے اور بیٹے کے واسطے باقی یعنی پچپن ہوئے اور اجازت کے وقت[2] موصی لہ کو گیارہ میں سے پانچ مضروب نو میں یعنی پینتالیس ہوئے اور باپ کے واسطے ایک نو میں یعنی (نو) ہوئے اور بیٹے کے واسطے پینتالیس ہوئے ہر دو حالت میں موصی لہ کے حق میں بارہ کا فرق ہے جس میں سے (۲) سہم باپ کی طرف سے ہیں یعنی (۹) سے گیارہ تک اور (۱۰) بیٹے کے حصہ میں سے ہیں یعنی پینتالیس سے پچپن تک جب یہ معلوم ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر دونوں میں سے فقط ایک نے اجازت دی تو اس کی اجازت اُسی کے حق میں مؤثر ہوگی دوسرے کے حق میں مؤثر نہ ہوگی پس اگر فقط باپ نے اجازت دی تو اُس کے حصہ میں سے دو حصہ موصی لہ کے تہائی میں ملائے جائیں گے پس تینتیس اور دو پینتیس ہو جائیں گے اور اگر اجازت دینے والا فقط بیٹا ہو تو بیٹے کے حصہ میں سے دس سہم موصی لہ کے حصہ میں ملائے جائیں گے پس موصی لہ تینتالیس ہو جائیں گے اور فرمایا کہ اگر ایک شخص مر گیا اور اُس نے دو بیٹے چھوڑے اور زید کے واسطے اپنے تہائی مال کی اور عمرو کے واسطے مثل نصیب ایک بیٹے کے دونوں میں سے یا مثل نصیب تیسرے بیٹے کے اگر ہوتا وصیت کر دی پس دونوں بیٹوں نے دونوں وصیتوں کی اجازت دے دی تو زید کو تہائی مال ملے گا اور باقی ہر دو پسر اور عمرو کے درمیان تین تہائی تقسیم ہوگا اور حساب نو سے ہوگا پس اس میں سے زید کو (۲) ملیں گے اور باقی چھ پر ہر دو پسر اور عمرو کے درمیان تین تہائی برابر حصہ پر رہے پس ہر پسر کو دو دو اور نیز عمرو کو (۲) ملیں گے۔ کہ وہ ایک پسر موجود کے حصہ کے برابر ہے اور اگر دونوں پسر نے اجازت نہ دی تو ایک تہائی مال ہر دونوں موصی لہما یعنی زید و عمرو کے درمیان نصفا نصف تقسیم ہوگا اور اگر دونوں بیٹوں نے عمرو کے وصیت کی اجازت دے دی اور زید کے وصیت کی اجازت نہ دی تو زید کو تہائی مال میں سے نصف ملے گا یعنی چھٹا حصہ جیسا کہ دونوں وصیتوں کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں مذکور ہوا ہے اور عمرو کے واسطے مابقی تہائی ہوگی اس واسطے کہ اُس کے حق میں اجازت صحیح ہوگئی ہے پس ہم کو ایسے عدد کی ضرورت ہوئی کہ اگر اُس میں سے اُس کا چھٹا حصہ نکال ڈالا جائے تو باقی پورے تین حصوں پر تقسیم ہو جائے اور کم سے کم ایسا عدد اٹھارہ ہے پس اُس میں سے زید کو چھٹا حصہ یعنی تین سہم دے دیے جائیں گے اور باقی پندرہ سہام تینوں میں یعنی ہر دو پسر و عمرو کے درمیان حصہ رسد تین تہائی تقسیم ہوں گے پس ہر ایک کے حصہ میں پانچ سہام آئیں گے اور اگر ہر دو پسر میں سے ایک نے فقط عمرو کے وصیت کی اجازت دے دی اور وصیت زید کی اجازت نہ دی اور دوسرے بیٹے نے دونوں وصیتوں کی اجازت نہ دی تو ہم کہتے ہیں کہ اگر دونوں بیٹے اجازت نہ دیتے تو عمرو کو

---

[1] خواہ دوم کو اوّل میں بہر حال حاصل واحد ہے ۱۲ [2] اور بطریق دیگر (۹۹) سے بدین حساب کہ ۱۲ تین ۵۱ ہیں تو ننانوے میں سے ۵۴ ہوں گے اس واسطے کہ (۹۹) گیارہ سے ۹ گونہ ہے علی ہذا القیاس

اٹھارہ سہام میں سے تین سہام ملتے اور اگر دونوں اجازت دیتے تو اٹھارہ سہام میں سے عمرو کو پانچ سہام ملتے پس ان دونوں میں تفاوت دو سہام کا ہے پس ہر ایک بیٹے کے حصہ میں سے ایک ایک سہام ہے پس جب دونوں میں سے ایک نے اجازت دی ہے تو خاص اُسی کے حصہ میں اجازت صحیح رہی پس عمرو کے واسطے چہار سہام ہو گئے اور زید کے واسطے تین سہام رہے اور جس بیٹے نے اجازت دی ہے اُس کے پانچ سہام رہے اور جس نے اجازت نہیں دی ہے اُس کے چھ سہام ہوں گے یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص کے پانچ پسر ہوں اور اُس نے عمرو کے واسطے مثل نصیب ایک کے ان پانچوں میں سے وصیت کی اور ماتھی ایک تہائی میں سے ایک تہائی زید کے واسطے وصیت کر دی تو اس صورت میں مسئلہ کے سہام اکیاون ہوں گے اُس میں سے عمرو کو آٹھ سہام اور زید کو تین اور ہر ایک بیٹے کو آٹھ آٹھ سہام ملیں گے اور مسئلہ کی تخریج بطور کتاب کے اس طرح ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ بیٹوں کی تعداد لی جائے یعنی پانچ سہم اور ایک سہم اور اس پر بڑھایا جائے اس واسطے کہ میت نے مثل نصیب واحد کے وصیت کی ہے اور مثل شے اس کا غیر ہوتا ہے پس چھ ہوئے پھر اس کو تین میں سے ضرب دیا جائے اس واسطے کہ اس نے ماتھی ایک تہائی میں سے تہائی کی وصیت کی ہے پس اٹھارہ ہوئے پھر اس میں وہ حصہ جو زیادہ کیا گیا ہے نکال ڈالا جائے پس سترہ رہے پس یہ ایک ثلث ہے اور دو ثلث اس سے دو چند ہوں گے پس کل مال اس سے سہ چند یعنی اکیاون (۵۱) سہم ہے اور ہم نے سہم[1] زائد کو اس واسطے دے دیا تا کہ مقدار تہائی و دو تہائی کی ظاہر ہو جائے اور دو تہائی میں وصیت نہیں ہے پس اُس میں حصہ زائد کا اختیار کرنا ممکن نہیں ہے اُسی واسطے ہم نے اُس کو طرح دے دیا پھر جب معلوم ہو گیا کہ تہائی مال سترہ سہام ہے تو اس میں سے حصہ پہچاننے کا یہ طریقہ ہے کہ تو ایک حصہ لے اور وہ واحد ہے پھر اس کو تین میں ضرب دے پھر اُس کو تین میں ضرب دے پس نو ہوئے پھر اس میں سے ایک طرح دے دے جیسے تو نے ابتدا میں طرح دیا تھا پس آٹھ باقی رہے اور یہی حصہ ہے پس جب اِس کو سترہ میں سے طرح دیا تو (۹) باقی رہے پس اس میں سے زید[2] کے واسطے تہائی کی وصیت ہے پس تین اُس کے ہوئے اور چھ باقی رہے پس ان کو دو تہائی کے ساتھ ملا دیا اور دو تہائی چونتیس ہے پس سب چالیس ہوئے پس یہ پانچ پسر کے درمیان برابر تقسیم ہو کر ہر ایک کے حصہ میں آٹھ آٹھ سہام[3] آئیں گے اور یہ مثل حصہ عمرو کے ہے پس تخریج جانچ پر ٹھیک اُتری اور اگر عمرو کے واسطے مثل نصیب واحد کے اُن پانچوں میں سے اور زید کے واسطے تہائی سے ماتھی کے چوتھائی کی وصیت کی تو انہتر (۶۹) سہام کئے جائیں گے جس میں سے عمرو کے گیارہ سہام اور زید کے واسطے تین سہام اور ہر ایک پسر کے واسطے گیارہ گیارہ سہام ہوں گے اور اس کا بیان بطریق کتاب کے یہ ہے کہ تو تعداد پسران کو لے کہ وہ پانچ ہیں اور اُس پر ایک سہم اور بڑھائے جو نصیب مثل کے وصیت کا ہے۔ پھر اس کو چار میں ضرب دے دے بوجہ اس کے کہ ماتھی کی چوتھائی کی وصیت ہے پس چوبیس ہوئے پھر اس میں سے ایک طرح دے دے تو تینتیس باقی رہے یہ تہائی ہے اور دو تہائی اُس کا دو چند ہے پس کل مجموعہ انہتر ہوئے یہ پورا مال ہے اور تہائی تیس ہے اور نصیب یعنی حصہ ہر واحد پہچاننے کا طریقہ ہے کہ نصیب یعنی واحد کو لے اور اُس کو چار میں ضرب دے پھر تین میں ضرب دے پس بارہ ہوئے اُس میں سے ایک طرح دے دے پس گیارہ رہے یہی نصیب ہے پس جب تیس میں سے گیارہ نکال ڈالے تو بارہ باقی رہے اس میں سے چوتھائی کی زید کے واسطے وصیت ہے وہ تین ہوئے پس تین نکالنے کے بعد نو باقی رہے اِن کو دو تہائی مال میں جو چھیالیس ہے ملایا تو پچپن ہوئے جو پانچ بیٹوں میں مساوی مشترک ہے پس ہر واحد کے واسطے گیارہ ہوئے اور اگر اُس نے عمرو کے واسطے پانچ بیٹوں میں سے ایک کے نصیب کے مثل کی وصیت کی اور زید کے واسطے تہائی کے ماتھی کی پانچویں حصہ کے وصیت کر دی تو ستاسی سہام کل مال کے ہوں گے جن میں سے عمرو کو چودہ اور زید کو تین اور ہر ایک بیٹے کو چودہ چودہ دیئے جائیں گے اور اس کی تخریج بطریق کتاب کے اس طرح ہے کہ تعداد پسران پر ایک زیادہ کر دے کیونکہ مثل نصیب کے وصیت ہے پس چھ

[1] موصی لہما کا اطلاق اُن دو شخصوں پر ہوتا ہے جس کے واسطے وصیت کی گئی جیسے موصی لہ واحد کے واسطے ہے ۱۲

[2] یعنی ایک تہائی سے بعد دینے وصیت عمرو کے جو باقی رہے اُس کی تہائی کی زید کے واسطے وصیت کر دی ۱۲ منہ [3] سہام جمع سہم بمعنی حصہ ۱۲

ہوئے اُس کو پانچ میں ضرب دے کیونکہ ماتھی کے پانچویں حصہ کی وصیت ہے پس تمیں ہوئے پھر زائد کردہ کو طرح دے دے پس انتیس باقی رہے یہ ایک تہائی ہے اور دو تہائی اُس کا دو چند یعنی اٹھاون ہوئے پس تمام مال ستاسی ہوا اور نصیب پہچاننے کا یہ طریقہ ہے کہ تو نصیب مفروض لے لے اور وہ ایک ہے اور اُس کو پانچ میں ضرب کر پھر تین میں ضرب دے پس (پندرہ) ہوں گے اُس میں سے ایک طرح دے دے تو جو چودہ باقی رہیں گے یہی نصیب ہے پس جب اُس کو انتیس ایک تہائی سے خارج کیا تو (پندرہ) باقی رہے اور زید کے واسطے اس ماتھی کے پنجم کی وصیت ہے پس پنجم تین ہے پھر باقی رہے بارہ اس کو دو تہائی مال یعنی اٹھاون میں جمع کیا تو ستر ہوئے اور یہ پانچ بیٹوں میں مشترک ہے ہر ایک کے چودہ چودہ سہام ہوئے جس قدر عمرو کا حصہ ہے اور اگر عمرو کے واسطے مثل نصیب[1] کے از انہا سوائے تہائی ماتھی[2] از حصہ سوم کی وصیت کی تو مسئلہ میں کل مال کے ستاون حصہ ہوں گے جس میں نصیب ہر ایک کا دس ہوگا اور استثناء تین ہوگا اور ہر بیٹے کو دس دس ملیں گے اور اس کی تخریج بطریق بیان کتاب کے اس طرح ہے کہ بیٹوں کی تعداد پانچ لے کر اُس پر ایک یعنی جو عمرو کے واسطے ایک نصیب کی وصیت ہے وہ زیادہ کیا جائے پھر یہ تین سے ضرب دیا جائے پس اٹھارہ ہوئے پھر اس میں ایک سہم زیادہ کیا جائے جیسا اوّل میں زیادہ کیا گیا ہے پس انیس ہوئے پس یہ تہائی مال ہے اور دو تہائی اڑتمیں ہے پس مجموعہ کل مال ستاون ہے اور نصیب پہچاننے کا یہ طریقہ ہے کہ نصیب مفروض کو لے کر تین میں ضرب کیا جائے اور نصیب مفروض واحد ہے پس تین ہوئے پھر تین میں ضرب کیا جائے تو نو ہو پھر اس میں ایک زیادہ کیا جائے جیسا اصل میں کیا گیا ہے تو دس ہو پس یہی نصیب کامل ہے اور جب اس کو انیس سے دور کیا تو نو باقی رہے پھر نصیب کامل یعنی دس میں سے ماتھی نو کی تہائی مستثنیٰ ہو کر اس نو میں ملے تو بارہ ہوئے پھر یہ دو تہائی مال اڑتمیں میں ملائے گئے تو کل پچاس ہوئے جو پانچ بیٹوں پر تقسیم ہوئے اور ہر ایک کے حصہ میں دس دس مثل نصیب کامل کے پڑے اگر ایک شخص مر گیا اور اُس نے دو دختر اور ماں اور بیوی اور عصبہ چھوڑا اور عمرو کے واسطے مثل نصیب ایک بیٹی کے اور زید کے واسطے تہائی کے ماتھی کی تہائی کی وصیت کی تو کل مال کے چھیاسٹھ سہام ہوں گے اور نصیب سولہ ہوگا اور ثلث ماتھی دور ہوگا اور تخریج مسئلہ کی اس طور سے ہوگی کہ پہلا فریضہ بدون وصیت کے تصحیح کیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ اصل مسئلہ چھ سے ہوگا جس میں سے دو بیٹیوں کو دو تہائی چار ملیں گے اور ماں کو چھٹا حصہ ایک ملے گا اور باقی ایک رہا اُس میں سے بیوی کو آٹھواں حصہ تین چوتھائی ملے گا اور ایک چوتھائی باقی عصبہ کو ملے گا پس بیوی کے حصہ میں کسر آ جانے کی وجہ سے تقسیم چوبیس سے ہوگی لیکن چونکہ بیوی کا نصیب معلوم کرنے میں اس کی حاجت نہیں پڑے گی اس واسطے اصل مسئلہ چھ سے رکھا جائے گا اور اس پر ایک لڑکی کے حصہ کے برابر (۲) بڑھائے جائیں گے اس واسطے کہ عمرو کے واسطے وصیت ہے پس آٹھ ہوئے پھر اس کو تین میں ضرب[3] دیا جائے پس چوبیس ہوئے پھر اس میں سے قدر زائد کردہ یعنی دو کم کر دیئے جائیں تو بائیس رہے اور یہی تہائی ہے پس (۱) دو تہائی چوالیس ہوئے پس کل مال کا مجموعہ چھیاسٹھ ہوا۔ اور نصیب کی پہچان اس طور سے ہوگی کہ نصیب یعنی دو کو لے کر تین میں ضرب کیا جائے پھر تین میں ضرب کیا جائے پس اٹھارہ ہوئے پھر اس میں سے دو طرح دیئے جائیں تو سولہ رہے یہی نصیب ہے اور جب اُس کو بائیس تہائی میں سے دور کیا تو چھ باقی رہے پس اس میں سے زید کے واسطے تہائی دور ہو اور چار باقی رہے اُن کو دو تہائی مال چوالیس میں ملایا اڑتالیس ہوئے جس میں سے دو دختر کی دو تہائی (۳۲) ہوئے کہ ہر ایک کے واسطے (۱۶) ہوئے جو مثل نصیب کے ہیں اور ماں کو چھٹا حصہ ہوئے اور بیوی کو آٹھواں حصہ چھ ہو اور باقی (۲) سہم عصبہ کے

---

۱ یعنی پانچ بیٹوں میں سے ایک بیٹے کے حصہ کے برابر عمرو کے واسطے وصیت کی مگر اُس میں سے تہائی سے ماتھی کو تہائی کو استثناء کیا ۱۲

۲ ماتھی از حصہ سوم اوّل حصہ سوم کے ماتھی سے یہ مراد ہے کہ تہائی میں نصیب واحد نکالنے کے بعد جو باقی رہے اُس باقی کو تہائی استثناء کرے ۱۲ منہ

۳ تا کہ ماتھی تہائی کی نکل آئے ۱۲ (۱) یعنی کل جس قدر حصے خام مال کے لیے جائیں اُس کی تہائی (۲۲) ہونی چاہیے ہے ۱۲

واسطے ہوئے اور اگر عمرو کے واسطے مثل نصیب ایک دختر کے سوائے تہائی کے ماتھی کی تہائی کی وصیت کی تو کل مال کے چھ سو چوبیر حصہ ہوں گے اور نصیب کی مقدار (۱۶۰) ہوگی اور باقی کی تہائی (۱۶) ہوگی پس امام محمدؒ نے اس مسئلہ میں حساب کو بہت طول دے دیا بدین غرض کہ بیوی کی میراث پوری پوری نکل آئے حالانکہ ہم کو معرفت وصیت میں اس کی حاجت نہیں ہے اور مسئلہ کی تخریج اس سے کم پر ہو سکتی ہے۔ بنابراُس قاعدے کے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ فرض مسئلہ (۶) سے کیا جائے پھر عمرو کے واسطے مثل نصیب دختر کے وصیت ہے پس (۲) اس پر زیادہ کئے جائیں جو ایک دختر کا حصہ ہے پس (۸) ہوئے پھر اس کو تین میں ضرب کیا جائے پس (۲۴) ہوئے پھر اس پر (۲) بڑھائے جائیں جیسا مسائل استثناء میں اصل ہے پس (۲۶) ہوئے اور یہی تہائی مال ہے اور دو تہائی اس کا دو چند ہے یعنی (۵۲) ہے پس تمام مال (۷۸) ہوا اور نصیب کی پہچان اس طور سے ہے کہ نصیب مفروض (۲) کو لے کر تین میں ضرب کیا جائے (۶) ہوں پھر (۳) میں ضرب کیا جائے (۱۸) ہوئے پھر اس پر (۲) بڑھائے جائیں (۲۰) ہوئے یہی نصیب کامل ہے پس جب اس کو تہائی (۲۶) سے دور کیا تو (۶) رہے اور بسبب استثناء کے باقی کی تہائی (۲) مستثنیٰ ہو کر اس میں مل گئی (۸) ہو گئے ان کو دو تہائی (۵۲) میں ملایا جائے تو (۶۰) ہوئے یہ وارثوں میں مشترک ہوں گے جس میں سے دونوں بیٹوں کو دو تہائی یعنی چالیس ملے ہر ایک کے واسطے بیس ہوئے جو کامل نصیب عمرو کے مثل ہے اور ماں کو چھٹا حصہ (۱۰) ملے اور بیوی کے واسطے آٹھواں حصہ ہے لیکن (۶۰) کا آٹھواں حصہ صحیح نہیں نکل سکتا ہے اسی واسطے امام محمدؒ نے اصل حساب (۷۸) کو (۸) میں ضرب دیا کہ (۶۲۴) ہو گئے اور اُس سے سب حصص پورے پورے نکالے گئے اور اگر عمرو کے واسطے مثل نصیب بیوی کے اور زید کے واسطے تہائی کی باقی میں سے تہائی کی وصیت کی ہو تو تمام مال کے (۲۳۴) حصہ ہوں گے اور نصیب (۲۴) ہوگا اور تہائی کی باقی کی تہائی (۱۸) ہوگی اور اس کی تخریج بنابر طریقہ کتاب کے اس طور سے ہے کہ صورت مسئلہ (۲۴) فرض کیا جائے اس واسطے کہ اُس نے حصہ بیوی کے برابر کی وصیت کی ہے پس بیوی کا پورا حصہ معلوم کرنا ضرور ہے اس واسطے (۲۴) سے مسئلہ فرض کیا گیا پس دونوں دختر کی دو تہائی (۱۶) ہوئے اور ماں کا چھٹا حصہ (۴) ہوئے اور بیوی کا آٹھواں حصہ (۳) ہوئے اور باقی ایک سہم عصبہ کا ہے پھر اس پر بیوی کے حصہ کے کی برابر (۳) زیادہ کئے جائیں گے کیونکہ اُس کے حصہ کے برابر حصہ کی وصیت ہے پس (۲۷) ہوئے اس کو تین میں ضرب کیا جائے اس واسطے کی ماتھی تہائی میں سے تہائی کی وصیت ہے تو (۸۱) ہوئے پھر جس قدر زیادہ کیا ہے دو طرح دیا جائے پس تین نکال ڈالے تو (۷۸) باقی رہے پس یہی تہائی مال ہے اور دو تہائی اس کا دو چند (۱۵۶) ہے پس تمام مال (۲۳۴) ہوئے اور نصیب معلوم کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ نصیب مفروض (۳) کو لے کر تین میں ضرب دیا جائے (۹) ہوئے پھر تین میں ضرب دیا جائے (۲۷) ہوئے پھر تین طرح دیئے جائیں تو (۲۴) رہے پس یہی نصیب ہے اور جب اس کو تہائی مال (۷۸) سے دور کر دیا تو (۵۴) رہے پھر زید کے واسطے اس میں سے تہائی (۱۸) ملیں گے پس (۳۶) باقی رہے وہ دو تہائی مال (۱۵۶) میں ملائے گئے تو (۱۹۲) ہوئے جس میں سے عورت کا آٹھواں حصہ (۲۴) ہوئے جو مثل نصیب عمرو کے ہے اور باقی کی تقسیم وارثوں کے درمیان جس طرح ہم نے بیان کر دی ہے معلوم ہے اور اگر ایک شخص کے پانچ پسر ہوں پس اُس نے ایک پسر کے واسطے وصیت کی کہ اس کے حصہ میں اس قدر بطور وصیت کے دیا جائے کہ اس کا حصہ مل کر چوتھائی مال ہو جائے اور تہائی میں سے باقی کے تہائی کی زید کے واسطے وصیت کر دی پھر وارثوں نے ایک پسر کے حق میں جو وصیت ہے اُس کی اجازت دے دی تو تمام مال کے بارہ حصے ہوں گے اور نصیب (۲) ہوگا اور چوتھائی پوری کرنی ایک سے ہوگی اور ماتھی تہائی میں سے تہائی ایک ہوگا اور تخریج مسئلہ کی بطریق کتاب کے اس طرح کہ ہم کہتے ہیں کہ اگر وصیت نہ ہوتی تو مسئلہ (۵) سے ہوتا ہے کہ ہر ایک بیٹے کو ایک دیا جاتا پس جب اُس نے یہ وصیت کی کہ فلاں بیٹے کے حصہ کو پورا کر کے چوتھائی مال کر دیا جائے تو یہ

وصیت وارث کے حق میں ہے پس بدون اجازت باقی وارثوں کے جائز نہ ہوگی اور جب انہوں نے اجازت دے دی تو طریقہ یہ ہوگا کہ مفروض میں سے جو بیٹا موصی لہ ہے اُس کا حصہ طرح دیا جائے وہ ایک ہے تو چار رہے پھر اس کو تین میں ضرب دیا جائے کیونکہ زید کے واسطے تہائی باقی میں سے تہائی کی وصیت ہے پس (۱۲) ہوئے اس میں سے تہائی (۴) ہے اور چوتھائی (۳) ہے اور نصیب کے معلوم کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ نصیب مفروض (۱) لے کر (۳) میں ضرب کیا جائے پس (۲) ہوئے اس میں سے ایک طرح دیا جائے (۱۲) رہے یہی نصیب ہے جب پسر موصی لہ کے حصہ کو چوتھائی سے پورا کیا گیا تو اُس میں سے ایک ملایا گیا تا کہ (۲) میں (۱) مل کر (۳) ہوئے یہی چوتھائی ہے اور ایک واپس رہا تو ہم نے جان لیا کہ چوتھائی کی تکمیل ایک سے ہوئی پھر جب اس سہم کو جس سے تکمیل ہوئی ہے تہائی مال یعنی (۴) سے دور کیا تو (۳) رہے اُس کی تہائی (۱) ہے یہ زید کو دی جائے گی پس (دو) باقی رہے ان کو دو تہائی مال (۸) میں ملایا (۱۰) ہوئے جو پانچوں بیٹوں کے درمیان تقسیم ہوں گے ہر ایک کے واسطے (۲) ہوں گے جو نصیب کے برابر ہیں پھر جب پسر موصی لہ کے ان (۲) سہم میں وہ سہم ملایا گیا جو اُس کو بوصیت حاصل ہوا ہے تو تین ہو گئے پس یہی اُس کے حصہ میں مل کر تمام مال کی چوتھائی ہوگئی یہ مبسوط میں ہے اور اگر کسی شخص کے واسطے بمثل نصیب پسر خود الا[1] نصیب پسر دیگر کی وصیت یا الا مثل نصیب پسر دیگر کی وصیت یا الا نصیب پسر دیگر کے اگر ہوتا یا مثل نصیب پسر دیگر کے اگر ہوتا وصیت کی اور ایک بیٹا چھوڑا تو موصی لہ کو تہائی مال ملے گا اور پسر کو دو تہائی ملے گا اس واسطے کہ ایک ہی بیٹا ہونے کی وجہ سے تمام مال ایک سہم قرار دیا جائے گا اور اس پر ایک سہم بوجہ وصیت کے زیادہ کیا جائے گا۔ پس دو سہم ہوئے پھر نصیب پسر دو سہم قرار دیا جائے گا۔ اس واسطے کہ ہم کو پسر دیگر کا نصیب دریافت کرنا ضروری ہے اور جب اُس کا نصیب (۲) سہم ہوا تو موصی لہا کا نصیب بھی (۲) ہوا اس واسطے کہ اُس کے مثل ہے پس ظاہر ہوا کہ نصیب پسر دیگر ایک سہم ہے اگر پسر دیگر ہوتا پس یہ سہم جو نصیب پسر دیگر قرار دیا گیا ہے طرح دیا جائے گا پس مال کے تین سہم ہے جس میں سے موصی لہ کے دو سہم اور پسر کا ایک سہم رہا پھر بسبب استثناء کے موصی لہ کے نصیب (۲) میں سے ایک سہم نصیب پسر دیگر مستثنیٰ ہو گیا تو موصی لہ کے لیے ایک سہم باقی رہا اور تین سہم میں سے (۲) سہم پسر کے واسطے رہے اور اگر اس مسئلہ میں بمثل نصیب پسر خود الا نصیب پسر ثالث کی اگر ہوتا وصیت کی تو موصی لہ کو مال کا دو پانچواں حصہ ملے گا بشرطیکہ سب وارث اجازت دے دیں ورنہ اُس کو تہائی مال ملے گا اور بیان اس کا یہ ہے کہ ایک بیٹا ہونے کی وجہ سے تمام مال ایک سہم ہوا پس وصیت کی وجہ سے ایک سہم زیادہ کیا گیا تو (۲) ہوئے پھر نصیب پسر (۳) کر دیا جائے گا کیونکہ نصیب پسر ثالث دریافت کرنے کی ضرورت ہے تو موصی لہ کا نصیب بھی (۳) ہو جائے گا کیونکہ اس کے مثل ہے پھر نصیب پسر میں سے ایک سہم طرح دیا گیا تو مال کے پانچ سہم رہے پھر نصیب موصی لہ (۳) میں سے ایک سہم مستثنیٰ ہو کر پسر کے نصیب میں آ جائے گا پس موصی لہ کے پاس دو سہم یعنی دو پانچواں حصہ مال اور پسر کے پاس تین سہم رہ جائیں گے اور اگر ایک شخص نے (۳) پسر چھوڑے اور عمرو کے واسطے بمثل نصیب ہمہ پسران خود الا نصیب یکی از پسران کی وصیت کی یا الا مثل نصیب یکی از پسران کی وصیت کی تو موصی لہ کو دو پانچواں حصہ مال اور تینوں بیٹوں کو تین سہم ملیں گے اس واسطے کہ تین بیٹے ہیں اور اُس پر (۳) بڑھائے جائیں گے اس واسطے کہ سب کے نصیب کے مثل کی وصیت کی ہے تو (۶) ہوئے جس میں سے ہر ایک پسر کے واسطے ایک سہم ہے اور موصی لہ کے واسطے (۳) سہام ہیں پھر اس میں سے ایک پسر کا نصیب طرح دیا گیا ہے وہ ایک سہم ہے پس مال کے مال کے پانچ سہام رہے۔ جس میں سے موصی لہ کے (۳) اور بیٹوں کے (۲) ہیں پھر موصی لہ کے نصیب میں سے ایک سہم مستثنیٰ ہو کر بیٹوں کے نصیب میں آ ملا تو موصی لہ کے واسطے

---

[1] یعنی مقدار نصیب پسر خود میں سے استثناء کیا بایں طور کہ الا نصیب پسر دیگر یا الا مثل نصیب پسر دیگر اور دونوں استثناء اور صورت وجود پسر دیگر میں یا الا نصیب پسر دیگر کے اگر ہوتا الخ یہ دونوں بفرض وجود پسر دیگر ہیں ۱۲

(۲) رہے اور بیٹوں کے واسطے (۳) سہام رہے۔

قال المترجم☆

اور اس میں بھی اجازت وارثان کی ضرورت ہے اور اگر اُس نے دو پسر چھوڑے اور عمرو کے واسطے بمثل نصیب یکے از پسران الانصیب پسر ثالث کی یا الامثل نصیب پسر ثالث کے وصیت کی تو موصی لہ کو سات سہام میں سے ایک سہم ملے گا اور ہر پسر کو (۳) سہام ملیں گے اس واسطے کہ ہر دو پسر کا نصیب (۲) لیا جائے گا اور اُس پر ایک سہم وصیت کا بڑھایا گیا پس مال کے (۳) سہم ہوئی جس میں سے ایک سہم موصی لہ کا اور دو سہم ہر دو پسر کے پھر ہر دو پسر کے نصیب کو تین پر تقسیم کیا جائے گا تا کہ پسر ثالث کا حصہ ظاہر ہو اور چونکہ (۲) کی تقسیم (۳) پر مستقیم نہیں ہے اس واسطے اُس کو تین میں ضرب دیا گیا (۱) ہوئے اور موصی لہ کا نصیب جو واحد ہے وہ بھی اس میں ضرب دیا گیا تو سب (۹) ہوئے پھر اس میں سے نصیب پسر ثالث (۲) طرح دینے کی بعد سات باقی رہے جس میں سے موصی لہ کے (۳) اور وارثوں کے (۴) ہیں پھر موصی لہ کے نصیب میں سے نصیب پسر ثالث (۲) مستثنیٰ ہو کر ہر دو پسر کے نصیب میں آیا تو نصیب پسران (٦) ہوا اور موصی لہ کے واسطے ایک سہم باقی رہا اور اگر اُس نے ایک پسر چھوڑا اور عمرو کے واسطے بمثل نصیب پسر خود الامثل نصیب پسر[(۱)] خود کے وصیت کی تو وصیت صحیح ہے اور موصی لہ کو نصیب مال ملے گا اور یہ مثل نصیب پسر واحد ہے بشرطیکہ وارث اس کی اجازت دے دے اور اگر اُس نے اجازت نہ دی تو موصی لہ کو تہائی مال ملے گا اور اگر ایک بیٹا چھوڑا اور عمرو کے واسطے نصف مال کی الامثل نصیب پسر خود کے وصیت کی تو وصیت باطل اور استثناء صحیح ہے اور اگر عمرو کے واسطے بمثل نصیب پسر خود الا نصف مال خود کے وصیت کی اور ایک بیٹا چھوڑا ہے تو وصیت و استثناء دونوں صحیح ہیں اور موصی لہ کو چوتھائی مال ملے گا اس واسطے کہ ایک لڑکا ہونے سے مال ایک سہم ہوگا اور اس کے مثل وصیت ہونے سے ایک اس پر زیادہ لیا جائے گا اور ہر سہم دو چند کیا جائے گا اس واسطے ہم کو نصف مال دریافت کرنے کی ضرورت ہے پس کل مال (۴) سہم ہوا پس اس میں سے موصی لہ کو (۲) سہم دے دے اس واسطے[۱] کہ جب اُس نے موصی لہ کے حق میں نصف المال کا استثناء کیا تو ضرور ہے کہ اُس کا حصہ نصف مال سے زائد ہوگا پھر اس میں سے نصف مال مستثنیٰ ہو کر پسر کے ساتھ ملے گا تو موصی لہ کے واسطے ایک سہم یعنی چوتھائی مال باقی رہا اور پسر کے واسطے (۳) سہام ہو گئے اور اگر اُس نے چار پسر چھوڑے اور عمرو کے واسطے اپنے نصف مال الا نصف یکی از پسران کی وصیت کی تو موصی لہ کو تہائی مال یعنی چھ سہام میں سے دو سہام ملیں گے اور اگر اُس نے دو پسر چھوڑے اور عمرو کے واسطے بمثل نصیب یکی از پسران الانصیب پسر ثالث کی وصیت کی اور زید کے واسطے تہائی سے وصیت اوّل نکالنے کے بعد باقی کے تہائی کی وصیت کی تو پندرہ میں سے عمرو کو (۲) سہم اور زید کو (۱) سہم اور ہر ایک پسر کو (٦) سہم ملیں گے اس واسطے کہ مخرج اوّل دو پسر کی تعداد پر (۲) لے کر اُس پر عمرو کا ایک سہم بڑھایا جائے گا پس (۲) ہوئے پھر نصیب ہر دو پسر (۳) میں ضرب کیا جائے تا کہ نصیب پسر ثالث دریافت ہو پس (٦) ہوئے اور نصیب موصی لہ (۳) ہوا کہ وہ بھی ضرب ہوا ہے پھر نصیب ہر دو پسر سے نصیب پسر ثالث (۲) طرح دیا گیا تو (۴) رہے پھر نصیب عمرو (۳) سے بقدر (۲) نصیب پسر ثالث مستثنیٰ ہو کر نصیب ہر دو پسر میں مل گیا تو (٦) ہوئے ہر ایک پسر کے واسطے (۳) ہوئے اور کل مال سات سہام ہوئے پھر مفروض

۱؎ مترجم کہتا ہے کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے تو نصف پر زیادتی در ہم کے ساتھ صحیح کیونکہ جائز نہ ہوگی علاوہ ازیں کہ اُس کو تین ربع مال دیا جائے گا اور اگر یہ مراد ہو کہ استثناء باعتبار حصص کے ہے تو بھی اسی کو حق میں اس کے مثل کی جانب رجوع کیا جائے گا مثلاً کل مال کے سولہ حصے کر کے اس کو اس میں سے نو حصہ دے دیئے جائیں یا اس میں سے کم کر دیا جائے بایں طور کہ مال کے بتیس حصہ کئے جائیں یا چونسٹھ یا اس سے زائد اور ان میں سے ایک سہم کی زیادتی کے ساتھ دیا جائے پس مقام تامل ہے ۱۲

(۱) اور اس صورت میں اجازت وارثان کی ضرورت نہیں ہے ۱۲

اوّل (۷) دو چند کیا گیا (۴) ہوئے اور وصیت دوم کا ایک بڑھایا گیا تو (۱۵) ہوئے اور نصیب کامل (۳) تھا وہ بھی دو چند ہو کر (۶) ہو گیا اور اگر یہ مسئلہ بحالہ رہے مگر استثناء میں یوں ہو جائے الا نصیب پسر چہارم تو عمرو کو (۲۱) سہام میں سے (۴) اور زید کو (۱) اور ہر ایک پسر کو (۸) ملیں گے اس واسطے کہ مفروض اوّل جعد اد پسران (۲) ہو گا پھر (۱) بسبب وصیت کے زیادہ کیا گیا پس وصیت ہر دو پسر بغرض دریافت نصیب پسر چہارم کے (۴) میں ضرب دیا جائے پس (۸) ہوئے اور موصی لہ کا نصیب بھی (۴) ہو گیا پھر ہم نے نصیب پسر ہر دو پسر میں سے نصیب پسر چہارم (۲) طرح دیا تا کہ نصیب سے استثناء ممکن ہو پس مال دس سہام ہوا اور نصیب چار ہے اور مستثنیٰ (۲) ہے اور جب دوسری وصیت نکالنی منظور ہوئی تو مفروض اوّل دو چند کیا گیا تو (۲۰) ہوئے پھر اُس پر (۱) زائد کیا گیا تو (۲۱) ہوئے یہی کل مال ہے اور نصیب (۴) بعد دو چند کرنے کے (۸) ہو گیا اور اگر اُس نے کہا کہ الا نصیب پسر پنجم اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو عمرو کو (۲۷) سہام میں سے (۶) اور زید کو (۱) اور ہر پسر کو دس دس ملیں گے اس واسطے کہ نصیب ہر دو پسر (۲) پنج گونہ کیا جائے گا پس (۱۰) ہوئے اور نصیب موصی لہ کو ایک بھی پنج گونہ ہو کر پانچ ہو گیا اور نصیب ہر دو پسر میں سے نصیب پسر پنجم (۲) طرح دیا گیا تا کہ استرجاع از نصیب ممکن ہو تو (۱۵) میں سے (۲) طرح ہو کر (۱۳) باقی رہے جس میں نصیب (۵) ہے اور مستثنیٰ (۲) ہے پس جب دوسری وصیت ملائی گئی تو مفروضہ دو چند کر کے ایک ملایا گیا تو (۲۶) میں ایک ملانے سے (۲۷) ہو گئے اور بعد دو چند کرنے کے نصیب بھی دو چند ہو کر (۱۰) ہو گیا اور وصیت اوّل (۶) ہو گئی اور اسی قاعدہ پر اگر استثناء میں زیادتی ہوتی جائے مثلاً کہے الا نصیب پسر ششم یا الا نصیب پسر ہفتم یا ہشتم یا نہم یا دہم وغیرہ سب نکل آئیں گے اور اگر ایک بیٹا چھوڑا اور عمرو کے واسطے بمثل نصیب پسر خود الا نصیب پسر دیگر کی والا حصہ[1] سوم از باقی حصہ سوم یا حصہ چہارم از باقی حصہ سوم کی وصیت کی تو استثناء دوم باطل ہے اس واسطے کہ وصیت اوّل نکالنے کے بعد تہائی سے کچھ باقی نہ رہے گا پس ثلث باقی کا استثناء کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے اور اسی طرح اگر بجائے استثناء دوم کے باقی از حصہ سوم میں سے چوتھائی وغیرہ کی وصیت ہو تو بھی دوسری وصیت باطل ہو گی اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی ہے اور اگر دو پسر چھوڑے اور عمرو کے واسطے بمثل نصیب یکی از دو پسران الا نصیب پسر ثالث کی وصیت کی اور زید کے واسطے حصہ سوم میں سے وصیت اوّل نکالنے کے بعد باقی کی تہائی کی وصیت کی تو دونوں صحیح ہیں اسی طرح اگر نصیب نکالنے کے بعد کہا یہ استثناء میں پسر چہارم کہا تو بھی دونوں صحیح ہوں گے یہ متفرقات کافی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے کہا کہ میرا چھٹا حصہ مال واسطے فلاں شخص کے ہے پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا کہ اُس کے واسطے میرا تہائی مال ہے اور وارثوں نے اجازت دے دی تو اُس کو فقط تہائی مال ملے گا اس میں چھٹا حصہ آ جائے گا یہ ہدایہ میں ہے۔

موصی لہ کو کس صورت میں تہائی ''پوری'' ملے گی؟

اگر ایک شخص نے دراہم میں سے تہائی کی یا غنم میں سے تہائی کی وصیت کی پھر اس مال کی دو تہائی تلف ہو گئی اور ایک تہائی باقی رہی اور یہ ایک تہائی باقی اُس کے باقی مال کی تہائی ہے تو موصی لہ کو یہ تہائی پوری ملے گی اور اگر اُس نے تین رقیق (۱) میں سے تہائی کی وصیت کی پھر اُن میں سے دو مر گئے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کو باقی کی فقط تہائی ملے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک اُس کو پورا باقی غلام مل جائے گا اور اگر اپنے کپڑوں میں سے تہائی کی وصیت کی پھر ان میں سے دو تہائی تلف ہو گئی اور تہائی باقی رہی حالانکہ باقی اُس کا تہائی مال ہی تو وہ ان کپڑوں باقی میں سے فقط تہائی کا مستحق ہو گا اور مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب کپڑے اجناس مختلفہ سے ہوں اور اگر سب کپڑے ایک جنس کے ہوں تو وہ بمنزلۂ دراہم کے ہیں اور اسی طرح کمبل و موزہ بھی بمنزلۂ دراہم کے

---

[1] یہ دوسرا استثناء ہے یعنی اس کلام میں موصی کے حصہ سے دو دفعہ استثناء ہے اور ممکن ہے کہ کہا جائے کہ استثناء بالعطف واحد ہے والمال بھی واحد ہے لیکن اس صورت میں تامل ہے ۱۲ (۱) محض مملوک خواہ غلام یا باندی ۱۲ منہ

ہیں اور دو مختلفہ امام اعظمؒ کے نزدیک مثل مختلف کپڑوں کے ہیں یہ کافی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے ہزار درم کی وصیت کی اور میت کا مال عین بھی اور دین بھی ہے۔ پس اگر ہزار درم اس کے مال عین کی تہائی ہو تو موصی لہ کو ہزار درم دیئے جائیں گے اور اگر مال عین کی تہائی نہ ہو تو اُس کو بقدر تہائی مال عین کے دیے جائیں گے پھر قرضہ میں سے جو کچھ وصول ہوتا جائے اُس میں سے تہائی لیتا جائے گا یہاں تک کہ ہزار درم پورے ہو جائیں یہ ہدایہ میں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے اپنے تہائی[1] مال کی واسطے زید و بکر کے وصیت کی حالانکہ بکر مر چکا ہے اور موصی یہ بات جانتا ہے یا نہیں جانتا ہے یا واسطے زید و بکر کے اگر زندہ ہو لیکن وہ مر چکا تھا یا واسطے زید کے اور اُس شخص کے جو اس بیت میں ہے حالانکہ بیت مذکور میں کوئی نہ تھا یا واسطے زید کے اور اُس شخص کے جو اُس کے عقب میں رہ جائے بیٹا و پوتا وغیرہ یا اُس کے واسطے اور واسطے فرزند بکر کے مگر بکر کا فرزند موصی کی موت سے پہلے مر گیا یا واسطے زید کے اور زید کی فقیر اولاد کے یا جو اس کی اولاد فقیر ہو جائے پھر موصی کی موت کے وقت یہ شرط جاتی رہی یعنی اُس کی اولاد کوئی فقیر نہ رہی تو ان صورتوں میں سب مال وصیت واسطے زید کے ہوگا اس واسطے کہ معدوم و میت استحقاق کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے پس زید کا مزاحم ثابت نہ ہوا اور ایسا ہوا کہ گویا یہ کہا کہ واسطے زید و دیوار کے اور اسی طرح عقب کا بھی یہی حکم ہے اس واسطے کہ عقب وہ ہے جو اُس کی موت کے بعد رہ جائے پس فی الحال وہ معدوم ہوگا اور اگر کہا کہ میرا تہائی مال درمیان زید و بکر کے وصیت ہے حالانکہ بکر میت ہے یا درمیان زید و بکر کے اگر میں مر گیا حالانکہ وہ زندہ موجود ہے یا درمیان زید و فقیر کے پھر موصی مر گیا درحالیکہ فقیر مذکور مر چکا تھا یا زندہ تھا مگر غنی تھا یا کہا کہ درمیان زید و بکر کے اگر بکر اس بیت میں ہو حالانکہ اُس میں نہ تھا اور درمیان زید و فرزند بکر کے پھر بکر کا فرزند پیدا ہوا یا موجود تھا مگر موصی کی وفات سے پہلے مر گیا پھر دوسرا پیدا ہوا یا کہا کہ درمیان زید و اولاد فلاں کے اگر اولاد فلاں فقیر ہو جائیں مگر دے فقیر نہ ہوئے یہاں تک کہ موصی مر گیا یا کہا کہ درمیان زید و میرے وارث کے یا درمیان زید و دو پسر کے حالانکہ زید کا ایک ہی بیٹا ہے تو ان سب صورتوں میں زید کو تہائی کا نصف ملے گا اور اگر کہا کہ میرا تہائی مال درمیان بنی زید و بنی بکر کے وصیت ہے حالانکہ ان میں سے ایک کے کوئی اولاد نہیں ہے تو پوری تہائی دوسرے کی اولاد کو ملے گی یہ کافی میں ہے۔ اور اگر واسطے زید و واسطے عمرو کے تہائی مال کی وصیت کی یا کہا کہ درمیان زید و عمرو کے وصیت ہے پھر موصی مر گیا پھر ایک موصی لہ مر گیا تو تہائی کا نصف زندہ موصی لہ کو اور نصف دیگر موصی لہ مردہ کے وارثوں کو ملے گا اسی طرح اگر موصی کے مرنے کے بعد قبول وصیت سے پہلے ایک موصی لہ مر گیا پھر زندہ کی قبول کی تو موصی بہ کے دونوں مالک ہو جائیں گے اور اگر موصی کے مرنے سے پہلے ایک موصی لہ مر گیا تو اُس کا حصہ موصی کی طرف واپس ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر کہا کہ میرا تہائی مال واسطے فلاں کے و واسطے ہر اُس شخص کے جو اولاد عبداللہ میں سے فقیر ہو جائے پھر موصی مر گیا اور اولاد عبداللہ سب تو انگر تھی تو پوری تہائی فلاں شخص کو مل جائے گی اور اگر عبداللہ کی بعض اولاد فقیر ہو گئی پھر موصی مر گیا تو تہائی مال درمیان فلاں کے اور درمیان اُن لوگوں کے جو اولاد عبداللہ میں سے فقیر ہوئے ہیں بہ تعداد[2] اور روس تقسیم ہوگا اور اگر اولاد عبداللہ جب سے پیدا ہوئے ہوں برابر فقیر چلے آئے یہاں تک کہ موصی مر گیا تو ظاہر لفظ جو کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اُن کو تہائی میں سے کچھ نہ ملے گا پوری تہائی فلاں کی ہوگی اور اگر اولاد عبداللہ بیوی وصیت کے موجود تھی مر گئی پھر اُس کے اولاد پیدا ہوئی اور وہ سب غنی ہوئے پھر موصی کی موت سے پہلے فقیر ہو گئے تو تہائی مال وصیت فلاں اور ان کے درمیان سب کی تعداد پر تقسیم ہوگا اسی

---

[1] اور اگر سب باقی رہتے تو سب میں سے تہائی تہائی ملتی علیٰ قول الاعظم بشرطیکہ مجموعہ تہائی مال سے زائد نہ ہوتا یا وارث اجازت دیتے ۱۲

[2] یعنی فلاں کے ساتھ جو لوگ اولاد عبداللہ میں سے فقیر ہوئے ہیں شمار کئے جائیں مثلاً چار فقیر ہوئے اور ایک فلاں ہے پانچ آدمیوں پر وہ تہائی مال تقسیم ہوگا ۱۲

طرح اگر کہا کہ میرا تہائی مال واسطے فلاں و واسطے ولد عبداللہ کے ہے پھر عبداللہ کا ولد مر گیا اور دوسرا ولد اُس کے پیدا ہوا اور ہنوز موصی نہیں مرا ہے تو تہائی مال درمیان فلاں و ولد عبداللہ کے تقسیم ہوگا اور اگر کہا کہ میرا تہائی مال واسطے فلاں اور واسطے ان اولاد عبداللہ کے ہے اگر یہ لوگ فقیر ہو جائیں مگر وہ لوگ فقیر نہ ہوئے یہاں تک کہ موصی مر گیا تو سب کی تعداد پر تقسیم ہو کر جو فلاں حصہ کو پہنچے وہ اس کو ملے گا یہ محیط میں ہے۔ ایک عورت اپنا شوہر چھوڑ کر مر گئی اور اپنے نصف مال کی کسی اجنبی کے واسطے وصیت کی تو جائز ہے اور شوہر کو تہائی مال ملے گا اور موصی کو نصف ملے گا اور چھٹا حصہ باقی واسطے بیت المال کے ہوگا اس واسطے کہ تہائی مال وصیت اجنبی کی واسطے میراث مقدم ہوگا پس باقی رہا دو تہائی اُس میں نصف شوہر کو ملے گا جو کل مال کا تہائی ہوا اور باقی رہا تہائی مال سو اُس کا کوئی وارث مستحق نہیں ہے پس اُس میں سے باقی وصیت نافذ ہوگی اور باقی چھٹا حصہ ہے پس موصی کو نصف پورا کر دینے کے بعد چھٹا حصہ باقی رہا جس میں نہ وصیت ہے اور نہ اُس کا کوئی وارث ہے پس بیت المال میں داخل ہوگا اسی طرح اگر مرد مر گیا اور اپنی بیوی چھوڑی اور اپنے پورے مال کی کسی اجنبی کے واسطے وصیت کی مگر بیوی نے اجازت نہ دی پس عورت کو چھٹا حصہ ملے گا اور پانچ چھٹے حصے اجنبی کو ملیں گے اس واسطے کہ تہائی مال تو وصیت میں بلا نزاع ہو جائے گا اور باقی دو تہائی میں شرکت رہی پس اس میں سے عورت کا چوتھائی حصہ ہے اور باقی پھر موصی لہ کو ملے گا اس واسطے کہ بیت المال سے وصیت مقدم ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اصل میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے تہائی مال کی اولاد زید کے واسطے وصیت کی حالانکہ روز وصیت کے زید کا کوئی لڑکا نہ تھا پھر موصی کی موت سے پہلے اُس کے اولاد ہوئی پھر موصی مر گیا تو تہائی مال اولاد زید کو ملے گا اور اگر روز وصیت کے زید کی اولاد موجود ہو مگر موصی نے نہ اُن کا نام لیا کہ احمد و عمرو و بکر وغیرہ اور نہ اُن کی طرف اشارہ کیا کہ ان لوگوں کے واسطے تو یہ وصیت اُس کی ان اولاد کے واسطے ہوگی جو موصی کی موت کے روز موجود ہوں حتیٰ کہ اگر یہ اولاد موجود مر جائے اور دوسری اولاد پیدا ہو اور وہ موصی کی وفات تک زندہ موجود رہے تو ان کو تہائی مال ملے گا اور اگر موصی نے اُس کی اولاد نام بنام بیان کر دی ہو یا ان کی طرف اشارہ کر دیا ہو تو وہ وصیت خاصتہً انہیں تک رہے گی حتیٰ کہ اگر وہ مر جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی اور جب کہ اُن کا نام لے لیا یا اُن کی طرف اشارہ کر دیا تو موصی لہ متعین ہوگا پس روز وصیت کے صحت ایجاب معتبر ہوگی یہ محیط میں ہے۔

اگر کہا کہ میرا تہائی مال واسطے عبداللہ و زید و عمرو کے ہے عمرو کے واسطے اُس میں سے سو درم ہیں پھر معلوم ہوا کہ تہائی کل سو درم ہیں تو یہ سب عمرو کو ملیں گے اور اگر تہائی مال ڈیڑھ سو درم ہوں تو اُس میں سے سو درم عمرو کو اور باقی پچاس زید و عبداللہ کے درمیان نصفا نصف ہوں گے یہ محیط سرخسی میں ہے اگر اپنے تہائی مال کی کسی شخص کے واسطے وصیت کی حالانکہ وقت وصیت کے اُس کا کچھ مال نہ تھا تو موصی لہ کو اس مال سے تہائی ملے گی جس کا وقت موت کے مالک ہو خواہ اُس کو بعد وصیت کے کمایا ہو یا اُس سے پہلے مگر شرط یہ ہے کہ موصی بہ مال عین یا نوع معین نہ ہو۔ اور اگر مال عین یا نوع معین کی اپنے سے مثل تہائی اپنی بکریوں کے وصیت کی پھر وہ قبل اُس کی موت کے تلف ہوئی تو وصیت باطل ہو جائے گی حتیٰ کہ اگر اس کے بعد اُس نے دوسری بکریاں یا دوسرا مال عین کمایا تو موصی لہ کا حق اس سے متعلق نہ ہوگا اور اگر وصیت کے وقت بکریاں موجود نہ ہوں پھر ان کو حاصل کیا پھر مر گیا تو صحیح یہ ہے کہ وصیت صحیح ہوگی اور اگر کہا کہ میرے مال سے ایک بکری وصیت (۱) ہے حالانکہ اُس کے پاس بکریاں نہیں ہیں تو موصی لہ کو ایک بکری کی قیمت دی جائے گی اور اگر ایک بکری کی وصیت کی اور اپنے مال کی طرف اضافت نہ کی یعنی یہ نہ کہا کہ میرے مال سے ایک بکری وصیت ہے حالانکہ اُن کے پاس بکریاں نہیں ہیں تو بعض نے فرمایا کہ وصیت نہیں صحیح ہے اور بعض نے فرمایا کہ صحیح ہے۔ اور اگر کہا کہ میری بکریوں میں سے ایک

(۱) یعنی فلاں کے واسطے ۱۲

بکری حالانکہ اُس کے پاس بکریاں نہیں ہیں تو وصیت باطل ہے ہذا القیاس انواع[1] مال سے ہر نوع میں مثل اونٹ و گائے وغیرہ کے یہی حکم ہے یہ تبیین میں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال سے تہائی مال صدقہ کر دے پھر ایک شخص نے وصی سے یہ مال غصب کر کے تلف کر ڈالا پھر وصی نے چاہا کہ یہ مال اس پر صدقہ قرار دے دے اور غاصب اس کا مقر ہے تو میں اس کو جائز قرار دوں گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تیرے واسطے اپنے مال سے ایک بکری کی وصیت کی تو جو بکری روز وصیت اُس کے مال میں ہو اُس سے موصی لہ کا حق متعلق نہ ہوگا بلکہ اس بکری سے متعلق ہوگا جو روز موت کے اُس کے مال میں موجود ہو پھر جبکہ وصیت صحیح ہوئی اور انصراف وصیت اس بکری کی طرف ہوا جو موت کے روز موصی کے مال میں موجود ہو تو ہم کہتے ہیں کہ اگر موصی اُس کے بعد مر گیا اور اُس نے مال چھوڑا پس اگر مال میں بکری ہو تو وارثوں کو اختیار ہوگا چاہیں موصی لہ کو یہ بکری دے دیں یا بکری کی قیمت دے دیں پھر کتاب میں یہ مذکور نہیں ہے کہ بکری میں سے اعلیٰ یا ادنیٰ یا اوسط کسی بکری کی قیمت دیں گے یا جس بکری کی قیمت چاہیں دے دیں تو حسن (۱) بن زیاد نے ہمارے اصحاب سے روایت کیا ہے کہ وارثوں کو اختیار ہے چاہیں درمیانی بکری دیں یا درمیانی بکری کی قیمت دے دیں[2] یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے گائے واسطے فلاں کے وصیت کی تو شیخ ابونصر نے فرمایا وارثوں کو قیمت دینے کا اختیار نہ ہوگا ☆

ایک شخص نے کہا کہ میرا برذون اشقر واسطے فلاں کے وصیت ہے تو یہ وصیت اُسی برذون پر رہے گی جس کا وہ فی الحال مالک ہو نہ اُس پر جس کا وہ آئندہ مالک ہو اسی طرح اگر کہا کہ میرا اندھا غلام یا سندھی یا حبشی غلام واسطے فلاں کے وصیت ہے تو بھی جس کا اس وقت مالک ہے اُسی پر وصیت رہے گی نہ اُس پر جس کا آئندہ مالک ہو اور اگر کہا کہ میرا غلام واسطے فلاں کے اور میرا برذون واسطے فلاں کے ہے اور اُسکی نسبت کسی طرف نہ کی یعنی کوئی اُس کا وصف وغیرہ بیان نہ کیا تو وصیت میں جو برذون و غلام اس وقت موجود ہو وہ داخل ہوگا اور نیز وقت موت تک جس کا مالک ہو جائے وہ بھی داخل ہوگا۔ اگر ایک شخص نے کہا کہ یہ گائے واسطے فلاں کے وصیت ہے تو شیخ ابونصر نے فرمایا کہ وارثوں کو اُس کی قیمت دینے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر کہا کہ یہ گائے واسطے مساکین کے ہے تو وارثوں کو اُس کی قیمت صدقہ کر دینے کا اختیار ہوگا اور اسی کو فقیہ ابواللیثؒ نے اختیار کیا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنی تین ام ولد باندیوں اور فقراء و مساکین کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی تو ام ولد باندیوں کو پانچ حصوں میں سے تین حصے اور ایک حصہ فقیروں کو اور ایک حصہ مسکینوں کو دیا جائے گا۔ اور یہ امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کا قول ہے یہ کافی میں ہے۔ اور اگر تہائی مال کے واسطے فلاں و واسطے مساکین کے وصیت کی تو نصف فلاں کو اور نصف مساکین کو دیا جائے گا یہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے تہائی مال کی مسکینوں کے واسطے وصیت کی تو وصی کو اختیار ہے کہ پوری تہائی ایک مسکین کو دے دے یہ صاحبینؒ کے نزدیک ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک دو مسکینوں سے کم کو نہیں دے سکتا ہے اور اگر ایک شخص کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی پھر دوسرے شخص سے کہا کہ میں نے تجھے شریک کر دیا یا اُس کے ساتھ تجھے داخل کر دیا تو تہائی مال دونوں میں تقسیم ہوگا اور اگر ایک شخص کے واسطے سو درم کی اور دوسرے کے واسطے سو درم کی وصیت کی پھر تیسرے سے کہا کہ میں نے تجھ کو ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو اس کو ہر سینکڑے میں سے تہائی ملے گی اور اگر ایک شخص کے واسطے چار سو درم کی اور دوسرے کے واسطے دو سو درم کی وصیت کی پھر تیسرے سے کہا کہ میں نے تجھ کو ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو اُس کو نصف مال ہر ایک کا ملے گا۔ اگر ایک شخص نے

[1] مثلاً میری گایوں میں سے ایک گائے فلاں کو دی جائے یا اونٹوں میں سے ایک اونٹ حالانکہ اونٹ یا گائے اُس کے پاس نہیں ہے تو وصیت باطل ہے ۱۲ منہ [2] مترجم کہتا ہے کہ اس حکم میں تامل ہے ۱۲ (۱) اشارہ ہے کہ ایسی بکری کی قیمت بھی ضروری نہیں ہے بلکہ درمیانی کسی بکری کی قیمت ہو ۱۲

موت کے وقت وارثوں سے کہا کہ فلاں شخص کا مجھ پر قرضہ ہے پس وارثوں نے اُس کے قول کی تصدیق کی پھر وہ مر گیا تو تہائی مال تک اُس کے قول کی تصدیق کی جائے گی یعنی اگر قرض خواہ نے تہائی سے زیادہ کا دعویٰ کیا اور وارثان نے تکذیب کی تو تہائی مال تک پا سکتا ہے اور یہ استحسان ہے اور اگر باوجود اس کے اُس نے وصیتیں کی ہوں تو صاحبان وصیت کے واسطے تہائی مال نکال دیا جائے گا اور دو تہائی مال وارثوں کو ملے گا کذافی الکافی۔ پھر جب صاحبان وصیت کو تہائی مال جدا کر کے دے دیا گیا تو اصحاب وصیت سے کہا جائے گا کہ تم لوگ اس قدر چاہو میّت کی تصدیق کرو اور وارثوں سے کہا جائے گا کہ جس قدر چاہو تصدیق کرو پس اگر ہر فریق نے کسی قدر مال کی تصدیق کی تو ظاہر ہوگا کہ قرضہ تمام ترکہ کے ہر دو حصے میں شائع[1] ہے پس صاحبان وصیت کی تہائی میں سے تہائی اقراری کی لے لی جائے گی اور وارثوں سے اُن کے اقرار کی مقدار کی دو تہائی سے لے لی جائے گی اور ہر فریق کا اقرار اُس کے مقدار حق میں نافذ[2] ہو گا اور دونوں میں سے ہر فریق سے اُن کے علم پر قسم لی جائے گی اگر مقرلہ[(2)] نے اس سے زیادہ کا دعویٰ کیا یہ ہدایہ میں ہے اور اگر اجنبی و وارث دونوں کے واسطے وصیت کی تو نصف وصیت اجنبی کو ملے گی اور وارث کے حق کی وصیت باطل ہو جائے گی اور علیٰ ہذا اگر قاتل اور اجنبی کے واسطے وصیت کی تو قاتل کا حق نصف وصیت باطل ہوگی اور یہ حکم بخلاف اس صورت کے ہے کہ جب کسی مال عین یا دین کا اجنبی و وارث دونوں کے واسطے اقرار کیا تو اس صورت میں اجنبی کے واسطے بھی اقرار صحیح نہ ہوگا یہ تبیین میں ہے اور امام تمرتاشی نے فرمایا کہ یہ اقرار باطل ہونے کا حکم جو ذکر فرمایا ہے ایسی صورت میں کہ جب دونوں نے دونوں کے واسطے شرکت ہونے کی تصدیق کی اور اگر اجنبی نے شرکت وارث ہونے سے انکار کیا یا وارث نے شرکت اجنبی سے انکار کیا تو وارث کے حق میں اقرار باطل ہے اور فرمایا کہ اجنبی کے حصہ میں اقرار صحیح ہوگا یہ نہایہ میں ہے۔

اگر کسی کے حق میں چوپایہ سواری کا یا کپڑے کی وصیت کی تو وارثوں کو اختیار ہوگا کہ موصی لہ کو جو جانور سواری یا جو کپڑا چاہیں دے دیں یہ محیط میں ہے۔ اور اگر ایک شخص کے تین کپڑے اعلیٰ و اوسط و ادنیٰ ہوں پس اُس نے تین شخصوں میں سے ہر ایک شخص کے واسطے ایک ایک کپڑے کی وصیت کی پھر ایک کپڑا ضائع ہو گیا اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ کس کا کپڑا تلف ہوا ہے اور وارث لوگ انکار کرتے ہیں تو وصیت باطل ہو جائے گی اور وارثوں کے انکار کے یہ معنی ہیں کہ وارث ہر ایک موصی لہ معین سے یہ کہتا ہے کہ جو کپڑا تیرا حق تھا وہی ضائع ہو گیا ہے پس مستحق مجہول ہے اور اس کا مجہول ہونا صحت حکم قضاء و تحصیل مقصود سے مانع ہے پس وصیت باطل ہو جائے گی الا یہ کہ وارث لوگ دونوں باقی کپڑوں کو تسلیم کریں پس اگر انہوں نے تسلیم کیا تو مانع یعنی انکار زائل ہو گیا پس مستحق اعلیٰ[3] کو اعلیٰ کپڑے کی دو تہائی ملے گی اور مستحق اوسط کو اعلیٰ میں ایک تہائی اور ادنیٰ میں سے ایک تہائی اور مستحق ادنیٰ کو ادنیٰ میں سے دو تہائی دی جائے گی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہو پھر دونوں میں سے ایک شریک نے اُس میں سے ایک بیت معین کی زید کے واسطے وصیت کر دی تو دار مذکور تقسیم کیا جائے گا پس اگر وہ بیت معین موصی کے حصے میں پڑا تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پورا بیت موصی لہ کو دے دیا جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک اُس کا نصف دیا جائے گا اور اگر دوسرے شریک کے حصہ میں آیا تو موصی لہ کو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیت مذکور کے گزوں کی پیمائش کے برابر موصی کے حصہ میں سے ناپ دیا جائے گا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نصف بیت کے گزوں کی پیمائش کے برابر ناپ دیا جائے گا۔ اور اگر زید نے غیر کے مال سے ہزار درم معین کی کسی شخص کے واسطے وصیت کر دی پھر موصی کی موت کے بعد مالک مال نے اجازت دے دی اور موصی لہ کو دراہم مذکورہ دے

---

[1] یعنی شامل ہے ۱۲ [2] جاری ہونے والا ۱۲ [3] قولہ اعلیٰ مراد یہ کہ موجودہ میں سے اعلیٰ ہے نہ فی نفسہ ۱۲م (۱) قرض خواہ ۱۲

(۲) وصیت نہیں کی ۱۲

دیئے تو جائز ہے اور مالک اوّل کو بعد اجازت کے بھی دے دینے سے انکار کر جانے کا اختیار باقی ہے بخلاف اس کے اگر موصی نے اپنے مال میں سے تہائی سے زائد کی وصیت کی یا قاتل یا وارث کے واسطے وصیت کی پھر وارثوں نے اجازت دے دی اس صورت میں وارثوں کو بعد اجازت دینے کے سپرد کرنے سے انکار کرنے کا اختیار نہیں ہے یہ تبیین میں ہے۔

اگر وارث نے اقرار کیا کہ میرے باپ نے زید کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی ہے اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس کے باپ نے عمرو کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو گواہوں کی گواہی پر اعتبار کر کے عمرو کو دیا جائے گا اور جس کے واسطے وارث نے اقرار کیا ہے اُس کو کچھ نہ ملے گا فرمایا کہ اگر وارث نے اقرار کیا کہ میرے باپ نے تہائی مال کی زید کے واسطے وصیت کی ہے پھر اس کے بعد کہا کہ نہیں بلکہ عمرو کے واسطے تہائی کی وصیت کی ہے یا کہا کہ تہائی کی وصیت کی ہے واسطے زید کے نہیں بلکہ واسطے عمرو کے تو مال مذکور دونوں صورتوں میں اوّل کو ملے گا دوسرے کو کچھ نہ ملے گا فرمایا کہ اگر وارث نے باقرار متصل اقرار کیا کہ تہائی کی وصیت واسطے زید کے ہے اور اس کی وصیت واسطے عمرو کے کی ہے تو میں تہائی مال دونوں میں مشترک برابر کروں گا۔

فرمایا کہ اگر وارث نے اقرار کیا کہ میرے باپ نے تہائی کی وصیت واسطے زید کے کی ہے اور اس نے زید کو دے دیا پھر کہا کہ نہیں بلکہ واسطے عمرو کے کی ہے تو وہ عمرو کے واسطے ضامن ہو گا حتی کہ اُس کے مثل عمرو کو دے گا اور اوّل یعنی زید کے حق میں اُس کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اگر اُس نے اوّل کو بحکم قاضی دیا ہو تو دوسرے کے واسطے ضامن نہ ہو گا اور اگر وارث نے زید کے واسطے ہزار درم معین کی وصیت کا اقرار کیا اور یہ تہائی مال ہے پھر اس کے بعد عمرو کے واسطے تہائی مال کی وصیت ہونے کا اقرار کیا پھر مقدمہ قاضی کے سامنے پیش ہوا تو قاضی اس ہزار مذکور کی وصیت واسطے اوّل کے نافذ کرے گا اور دوسرے کا وارث پر کچھ نہ ہو گا۔ اور فرمایا کہ اگر دو وارثوں نے گواہی دی کہ میّت نے واسطے زید کے تہائی کی وصیت کی ہے پھر زید کو دونوں نے اس قدر مال دیا پھر دونوں نے گواہی دی کہ میّت نے اس مال کی فقط عمرو کے واسطے وصیت کی تھی اور دونوں نے کہا کہ ہمیں سے غلطی واقع ہوئی ہے تو زید کے حق میں دونوں کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اور دونوں اس قدر مال کے مثل کے عمرو کے واسطے ضامن ہوں گے پس عمرو کو اس قدر مال دیں گے اور اگر دونوں نے زید کو کچھ دیا نہ ہو تو عمرو کے حق میں دونوں کی گواہی کو جائز رکھوں گا اور اوّل کے حق میں وصیت باطل کروں گا یعنی حکم دوں گا کہ اوّل کے حق میں وصیت باطل ہے۔

فرمایا کہ اگر وارث تین ہوں اور مال تین ہزار درم ہوں پھر ہر وارث نے ایک ہزار درم لئے پھر ان میں سے ایک نے اقرار کیا کہ ہمارے باپ نے تہائی مال کی زید کے واسطے وصیت کی تھی اور باقی دونوں نے اس سے انکار کیا تو اقرار کرنے والا استحساناً اپنے مقبوضہ کی تہائی زید کو دے دے گا اسی طرح اگر دو وارث ہوں اور مال دو ہزار درم ہو اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو بھی وارث مقر اپنے مقبوضہ میں استحساناً ایک تہائی زید کو دے گا اور اگر ترکہ ایک ہزار مال عین ہو اور ایک ہزار دونوں وارثوں میں سے ایک پر قرضہ ہو پھر جس پر قرضہ نہیں ہے اُس نے اقرار کیا کہ ہمارے باپ نے اس شخص زید کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو زید اس ہزار درم (۱) عین میں سے تہائی لے لے گا اور باقی دو تہائی اقرار کرنے والے کی ہو گی۔ فرمایا کہ اگر ایک شخص نے (۲) بیٹے اور (۲۰) درم چھوڑے پس دونوں نے آدھے آدھے بانٹ لئے پھر دونوں میں سے ایک وارث غائب ہو گیا اور حاضر پر ایک شخص نے گواہ قائم کئے کہ میرے حق میں تہائی کی وصیت ہے تو وہ حاضر مقبوضہ میں سے نصف لے لے گا اس واسطے کہ اُس نے گواہوں سے یہ بات ثابت کر دی

(۱) درصورتیکہ دوسرے قرض دار نے انداز کیا ہو ۱۲

کہ دونوں کا حق ترکہ میں برابر ہے پس اس مقام پر موافق حکم قیاس کے اختیار کیا ہے بخلاف مسئلہ اقرار کے واسطے (۱) کہ اس مقام پر مشہود لہ کی وصیت حاضر و غائب دونوں کے حق میں ثابت (۲) ہوتی ہے کہ جب غائب آئے گا تو ان دونوں کو اختیار ہو گا کہ غائب نے جو کچھ اپنے حق سے زائد لیا ہے اس سے واپس لیں پس وہ مع اپنے مقبوضہ کے کالمعدوم قرار نہ دیا جائے گا بخلاف مسئلہ اقرار کے وہاں اقرار فقط اُس کی ذات پر حجت ہے دوسرے پر نہیں ہے کذا فی المبسوط بتوضیح من المترجم۔ موصی بہ میں بعد موت موصی کے قبل اس کے کہ موصی لہ وصیت کو قبول کرے جو جو زیادتی پیدا ہو جائے جیسے بچہ یا کرایہ یا کمائی یا ارش تو وہ بھی موصی بہ ہو جائے گی حتی کہ اس کا اعتبار بھی تہائی سے ہو گا اور اگر موصی لہ کے قبول کرنے کے بعد تقسیم سے پہلے حادث ہو تو اس کو امام محمدؒ نے ذکر نہیں کیا ہے اور قدوری نے ذکر فرمایا کہ وہ موصی بہ نہ ہو گی کہ وہ موصی لہ کو تمام مال سے اعتبار[۱] کر کے ملے گی گویا کہ بعد تقسیم کے حادث ہوئی ہے اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ وہ بھی موصی بہ ہو جائے گی حتی کہ اعتبار کیا جائے گا کہ یہ تہائی مال ہوتا ہے یا زائد ہوتا ہے پس تہائی مال تک معتبر رہے گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر ایک شخص نے زید کے واسطے ایک باندی کی وصیت کی اور وہ موصی کی موت کے بعد تقسیم سے پہلے بچہ جنی اور دونوں تہائی مال ہوتے ہیں تو دونوں موصی لہ کو ملیں گے اور اگر دونوں تہائی مال میں نہ آئے ہوں تو پہلے اُس کی وصیت باندی میں نافذ (۳) ہو گی۔ پھر بچہ میں نافذ ہو گی اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں میں (۴) برابر نافذ ہو گی اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس چھ سو درم ہیں اور ایک باندی تین سو درم کی ہے پس اُس نے ایک شخص کے واسطے باندی کی وصیت کی پھر مر گیا پھر تقسیم سے پہلے باندی ایک بچہ جنی جو تین سو درم قیمت کا ہے تو امامؒ کے نزدیک موصی لہ کو باندی اور دو تہائی بچہ[۲] ملے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک تہائی باندی اور دو تہائی بچہ کو ملے گا۔ اور یہ سب اُس وقت ہے کہ جب بٹوارہ سے پہلے اور موصی لہ کے قبول (۵) کرنے سے پہلے وہ بچہ جنی اور اگر بعد قبول کے اور بعد تقسیم کے جنی تو بچہ بالاتفاق موصی لہ کا ہو گا اور اگر بعد قبول کے تقسیم سے پہلے جنی تو قدوری نے ذکر کیا کہ بچہ موصی بہ (۶) نہ ہو گا۔ اور تہائی سے اُس کا برآمد ہونا اعتبار نہ کیا جائے گا اور پورے مال سے وصی لہ کا ہو گا یعنی اعتبار کیا جائے گا کہ پورے مال کا تہائی ہے جیسا کہ بعد تقسیم کے پیدا ہونے کا حکم ہے کہ وہ موصی لہ کا ہو گا اور موصی بہ ہو کر تہائی سے معتبر نہ ہو گا اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ موصی بہ وہ جائے گا حتی کہ اس کا تہائی سے برآمد ہونا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ قبل قبول کے پیدا ہونے میں حکم ہیا اور اگر موصی کی موت سے پہلے بچہ جنی ہو تو بچہ وصیت میں داخل نہ ہو گا اور میت کے ملک کے احکام میں باقی رہے گا اس واسطے کہ قصداً و صراحۃً وہ وصیت میں داخل نہیں ہوا اور اگر موصی بہ نے کچھ مال کمایا تو سب صورتوں میں مثل بچہ کے تفصیل وار اُس کا بھی حکم ہے یہ کافی میں ہے۔ ایک شخص کی باندی تین سو درم قیمت کی ہے اور سوائے اُس کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے پس مالک نے زید کے واسطے اس کی وصیت کر دی پھر مر گیا پھر اُس کے وارث خالد نے بدون حاضری زید کے اُس کو بکر کے ہاتھ فروخت کر دیا پھر بکر کے پاس وہ باندی تین سو درم قیمت کا بچہ جنی پھر زید آیا اور اُس نے بیع کی اجازت نہ دی تو مشتری کو دو تہائی باندی اور دو تہائی بچہ دیا جائے گا اور تہائی باندی اور

[۱] قولہ اعتبار یعنی یہ اعتبار نہ ہو گا کہ میت کا حق اس کے تہائی مال میں رہا پس اسی سے وہ نا چاہئے بلکہ سب مال سے اختیار ہو گا ۱۲
[۲] قولہ دو تہائی بچہ مترجم کہتا ہے کہ ایسا ہی نسخہ موجودہ میں ہے اور میرا گمان غالب یہ ہے کہ یہ غلطی کاتب کی ہے اور صحیح دونوں مقام پر ثلث یعنی ایک تہائی بچہ ملے گا ۱۲ منہ (۱) کہ اس میں استحسان کو اختیار کیا ہے ۱۲ (۲) اس واسطے کہ گواہی ہے ۱۲ (۳) یعنی باندی دے دی جائے گی ۱۲
(۴) پس جملہ تہائی پوری کی جائے گی ۱۲ (۵) یعنی وصیت قبول کرنے سے پہلے ۱۲ (۶) یعنی ضمن استحقاق موصی بہ میں وہ دیا جائے گا ۱۲

نواں حصہ بچہ زید کو ملے گا اور دونویں حصہ بچہ کے وارثوں کو واپس ملیں گے اور اگر باندی کے بدن میں زیادتی ہو گئی یا اُس کی قیمت[۲] بڑھ کر چھ سو درم ہو گئی تو دو تہائی باندی مشترک کو مسلم دی جائے گی اور ایک تہائی وارثوں کو ملے گی اور اگر باندی میں نقصان آ گیا جس سے اُس کی قیمت سو درم رہ گئی تو موصی لہ اُس میں سے تہائی لے لے گا اور وارثوں سے اس کی قیمت میں سے (۴۴) درم اور چار نویں حصے درم کے یعنی پوری تہائی کر کے لے لے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔

چوتھا باب ☆

بیٹے کا اپنے مرض میں اپنے باپ کی وصیت کی اجازت دینے اور اپنے اوپر یا اپنے باپ پر قرضہ کا اقرار کرنے کے بیان میں اور جس کی تقدیم اُس کے ترکہ میں کی جائے گی اُس کے بیان میں

اگر ایک شخص ایک بیٹا اور تین ہزار درم چھوڑ کر مرا اور اُس نے زید کے واسطے ان درموں میں سے دو ہزار درم کی وصیت کر دی ہے پھر بیٹے نے اپنے مرض میں اس وصیت کی اجازت دی پھر مر گیا اور اُس کا اس کے سوائے کچھ مال نہیں ہے تو موصی لہ کو ایک ہزار درم بلا اجازت (۱) ملیں گے اور دو ہزار درم کی تہائی بھی بلا اجازت ملے گی جو بیٹے کا مال (۲) ہے اور اگر بیٹے نے باوجود اجازت کے اقرار کیا کہ میرے باپ نے عمرو کے واسطے بھی تہائی مال کی وصیت کی ہے تو دو ہزار درم کی ایک تہائی امام اعظمؒ کے نزدیک زید و عمرو دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہو گی اور صاحبینؒ کے نزدیک پانچ حصے ہو کر اس طرح تقسیم ہو گی کہ زید کو تین پانچویں حصے اور عمرو کو دو پانچویں حصے ملیں گے اور اگر بیٹے کی وصیت اپنے مرض میں خود کسی مملوک کا آزاد کرنا ہے تو باپ کی وصیت کی اجازت پر اس کے آزاد کرنے کی وصیت کو ترجیح ہو گی اسی طرح اگر اپنے اوپر یا اپنے باپ پر قرضہ کا اقرار کیا تو قرضہ مقدم ہو گا اس واسطے کہ وارث کا اجازت دینا بمنزلۂ وصیت کے ہے اور مرض میں آزاد کرنا بھی وصیت ہے اور دو وصیتیں ہر گاہ مجتمع ہوں اور دونوں میں سے ایک عتق کی وصیت ہو تو عتق کی وصیت کو ترجیح ہو گی اور قرضہ بہ نسبت وصیت کے مقدم ہوتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر وارث نے اپنی صحت میں اپنے باپ کی وصیت کی اجازت دی ہو تو عتق[۳] اور اقرار قرضہ و وصیت مذکورہ سب سے مقدم ہو گی اسی طرح اگر اُس نے باپ کی وصیت کی اجازت اور باپ پر قرضہ کا اقرار دونوں اپنی صحت میں کیا تو پہلے وصیت ادا کی جائے گی پھر اگر کچھ باقی رہا تو قرض خواہوں کو ملے گا پس اگر ان کا قرضہ پورا ادا ہو گیا تو وارث کچھ ضامن نہ ہو گا اور اگر پورا ادا نہ ہوا تو جس قدر اُس نے اجازت میں ضائع کیا ہے اُس کے مثل ضامن ہو گا اور اگر زید نے وارث کے باپ پر قرضہ کا دعویٰ کیا اور موصی لہ نے یہ دعویٰ کیا کہ اس وارث کے باپ نے اپنے باپ کی وصیت جو میرے حق میں ہے اس کی اجازت دے دی ہے پس وارث نے دونوں کی تصدیق کی اور ساتھ ہی تصدیق کی تو قرض خواہ کا قرضہ مقدم ہو گا پھر اگر موصی لہ کے واسطے کچھ نہ بچا تو وارث اُس کے واسطے کچھ ضامن نہ ہو گا خواہ اُس نے حالت مرض میں دونوں کی تصدیق کی ہو یا حالت صحت میں اور فرمایا کہ اگر وارث نے اپنے باپ کی وصیت کی اجازت دے دی پھر اپنے اوپر قرضہ کا اقرار کیا تو قرضہ مقدم ہو گا پھر اس کے بعد اگر کچھ باقی رہا پس اگر وارث میت کے وارثوں نے اس اجازت کو تمام منظور نہ کیا تو

۱؎ قولہ زیادتی جس سے اس کی قیمت بڑھی ۱۲ ۲؎ قولہ یا اس کی قیمت ظاہراً حرف واؤ ہے لیکن نسخہ میں یہی ہے ۱۲ ۳؎ یعنی آزاد کرنا غلام و باندی کو ۱۲ امنہ (۱) یعنی وارثوں کے اجازت کی ضرورت نہیں ہے ۱۲ (۲) یعنی دو ہزار درم جو بیٹے کا مال ہے اس کی تہائی بھی بلا اجازت ملے گی ۱۲

موصی لہ کو اس باقی میں سے فقط ایک تہائی ملے گی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر مرض میں اُس نے وصیت پدر کی اجازت دی پھر اپنے باپ پر اور اپنے اوپر قرضہ کا اقرار کیا تو پہلے اُس کے باپ کا قرضہ دیا جائے گا پھر اُس پر قرضہ پھر وصیت جس کی اجازت دی ہے وہ نافذ کی جائے گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ زید کا ایک غلام ہے اس غلام کے سوائے اُس کا کچھ مال نہیں ہے اُس نے اپنے مرض الموت میں اس کو آزاد کیا اور ایک وارث عمرو چھوڑ کر مر گیا اور اس وارث کا بھی ایک غلام ہے جس کی قیمت غلام اوّل کی قیمت کے برابر ہے اور اس کے سوائے اُس کا کچھ مال نہیں ہے پھر عمرو نے اپنے مورث کی وصیت کی اجازت دے دی اور اپنے مرض الموت میں اپنا غلام آزاد کر دیا تو اس کے وارث کی بلا اجازت اوّل غلام میں سے تہائی آزاد ہو جائے گا بدون اس کے کہ اُس پر سعایت لازم آئے اور یہ ظاہر ہے کہ پھر دو تہائی غلام اوّل اور پورا غلام دوم دونوں غلاموں میں سے پانچ حصے ہو کر تقسیم ہو گا جس میں سے تین حصے غلام اوّل کو اور دو حصے غلام دوم کو ملیں گے ایک مریض کے دو ہزار درم ہیں اس کے سوائے اُس کا کچھ مال نہیں ہے پھر اُس کا موت کا وقت آیا اور اُس نے موت کے وقت درموں میں سے ایک ہزار درم کی زید کے لیے وصیت کر دی اور عمرو کے واسطے باقی ہزار درم کی وصیت کر دی پھر مر گیا پھر اُس کے بیٹے نے دونوں وصیتوں کی آگے پیچھے اجازت دے دی مگر اجازت حالت مرض میں دی اور سوائے اس میراث کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے تو دو ہزار درم کی تہائی دونوں زید و عمرو کے درمیان میت اوّل کی وصیت پر تقسیم ہو گی ایک شخص کے پاس ہزار درم ملک ہیں اُس نے ان درموں کی زید کے واسطے وصیت کی پھر مر گیا اور عمرو اُس کا وارث ہوا اور عمرو کے پاس بھی ہزار درم ملک ہیں پس عمرو نے اپنے ذاتی درموں کی اور اور جس کا وارث ہوا ہے سب کی خالد کے واسطے وصیت کر دی پھر عمرو مر گیا اور اگر اُس نے بکر وارث چھوڑا پھر بکر نے اپنے مرض الموت میں اپنے باپ دادا دونوں کے وصیتوں کی اجازت دے دی پھر مر گیا اور سوائے مال میراث کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے تو پہلے موصی لہ کو اوّل ہزار درم میں سے تہائی بلا اجازت ملے گی پھر اوّل ہزار کی باقی دو تہائی دوسرے ہزار میں ملا لی جائے گی پھر اس میں سے ایک تہائی دوسرے موصی لہ کو بلا اجازت ملے گی پھر تیسرے میت کی مال کی تہائی لے کر موصی لہ اوّل اور موصی لہ دوم کے درمیان بحساب ہر ایک کے حق کے جو اُس کا اجازت کے بعد باقی رہ گیا ہے تقسیم کی جائے گی یہ محیط میں ہے۔

فصل ☆

حالة الوصیة کے اعتبار کے بیان میں

اگر ایک مرد مریض نے ایک عورت کے واسطے قرضہ کا اقرار کیا یا اُس کے واسطے وصیت کی یا اُس کو کچھ ہبہ کیا پھر اُس سے نکاح کر لیا پھر (۱) مر گیا تو ہمارے نزدیک اُس کا اقرار جائز ہو گا اور وصیت و ہبہ باطل ہوں گے اور اگر مریض نے اپنے کافر یا رقیق (۲) کے واسطے وصیت کی یا اُس کو کچھ ہبہ کر کے سپرد کر دیا یا اُس کے واسطے قرضہ کا اقرار کیا پھر اُس کی موت سے پہلے بیٹا آزاد کر دیا گیا یا مسلمان ہو گیا تو یہ سب باطل ہو گیا۔ اسی طرح اگر بیٹا مکاتب ہو تو بھی یہی (۳) حکم ہے یہ کافی میں ہے۔ ایک مریض نے وصیت کی حالانکہ وہ ضعف کی وجہ سے بول نہیں سکتا ہے پس سر سے اشارہ کیا اور اُس کی حالت سے معلوم ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرا اشارہ سمجھا جائے گا تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور یہ اس وقت ہے کہ جب وہ بولنے پر قادر ہونے سے پہلے مر جائے کیونکہ ایسی ہی صورت میں یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اُس کے کلام کرنے سے یاس (ناامیدی) ہو چکی تھی پس مثل گونگے کے ہو گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور جو شخص پاؤں سے لنجا یا ہاتھ سے لنجا یعنی اُس کا ہاتھ خشک ہو گیا ہو یا جاتا رہا ہو اور جو شخص مفلوج ہو یعنی فالج نے مارا ہو یا اُس کو سل کی بیماری ہو پس اگر

(۱) یعنی مرض مذکور سے مر گیا ۱۲ (۲) مریض محض ۱۲ (۳) یعنی آزاد ہو گیا قبل موت موصی کے ۱۲

ایسے مریض کو زمانہ دراز گذرا اور حالت ایسی ہوئی کہ اُس کے موت کا خوف[1] نہ رہا تو وہ مثل صحیح آدمی کے ہے حتیٰ کہ اگر اُس نے پورا مال ہبہ کر دیا تو صحیح ہے پھر اگر اس کے بعد وہ چار پائی سے لگ گیا تو یہ بمنزلہ مرض جدید پیدا ہو جانے کے ہے اور اگر ابتدائے حال میں جب اُس کو مرض پیدا ہوا ہے انہیں ایام میں مر گیا حالانکہ چار پائی سے لگ گیا تھا تو وہ ایسا مریض ہے جس کی ہلاکت کا خوف ہے اسی وجہ سے اُس کی دوا کی جاتی ہے پس وہ مریض مرض الموت کا مریض ہے کہ اُس کے ہبہ کا اعتبار[2] تہائی مال سے ہوگا یہ کافی میں ہے۔ایک شخص نے وصیت کی پھر مجنون ہو گیا پس اگر جنون منطبق ہو گیا تو یہ قاضی کی رائے پر ہے اگر اُس نے اجازت دے دی تو جائز ہوگی ورنہ باطل ہو جائے گی اور اگر کچھ مدت مقرر کرنے کی ضرورت پیش آئی تو فتویٰ اس بات پر ہے کہ تصرفات کے حق میں جنون مطابق کی میعاد[3] ایک سال ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر ایک شخص قید خانہ میں قصاص یا رجم کے واسطے قید ہو تو اُس کا حکم مثل مریض کے نہیں ہے اور جب قتل کے واسطے نکالا گیا تو اس حالت میں اُس کا حکم مثل مریض کے ہے اور اگر صف قتال میں ہو تو مثل صحیح کے ہے اور جب[4] لڑائی کے واسطے نکلا تو اس حالت میں مثل مریض کے ہے اور اگر کشتی میں ہو تو حکم اُس کا مثل صحیح کے ہے اور جب موجیں شورش کریں اس حالت میں اُس کا حکم مثل مریض کے ہے۔اور اگر دوبارہ قید خانہ میں لوٹایا گیا قتل نہ کیا گیا یا لڑائی کے بیچ میدان سے لوٹ کر صف میں آ گیا یا موجیں ٹھہر گئیں تو اُس کا حکم ایسے مریض کے مانند ہے جو مرض سے اچھا ہو گیا کہ اُس کے تمام تصرفات اُس کے پورے مال سے نافذ ہوں گے یہ شرح طحاوی میں ہے۔

اگر عورت کے (مرض الموت میں) دردِ زہ شروع ہوا تو جو فعل وہ اس حالت میں کرے اُس کے تہائی مال سے معتبر ہوگا ☆

مجذوم اور چوتھیا بخارا اور باری بیچ دے کر بخار والا اگر چار پائی سے لگ گیا تو اُس کا حکم مرض الموت کے مریض کے مانند ہے یہ عینی شرح ہدایہ میں ہے۔ایک شخص کو فالج نے مارا اُس کی زبان جاتی رہی یا کوئی مرض ایسا پیدا ہوا پس اس میں گویائی کی طاقت نہ رہی پھر اُس نے (وصیت میں) کسی شے کی طرف اشارہ کیا یا کسی چیز کی وصیت لکھ دی حالانکہ اس حالت پر اُس کا زمانہ دراز ہو گیا (اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایک سال گذر گیا) تو یہ بمنزلہ گونگے کے ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔اگر عورت کے دردِ زہ شروع ہوا تو جو فعل وہ اس حالت میں کرے اُس کے تہائی مال سے معتبر ہوگا اور اگر وہ اس سے بچ گئی تو اُس کا یہ فعل اُس کے پورے مال سے جائز ہوگا یہ شرح طحاوی میں ہے۔

پانچواں باب ☆

مرض الموت میں عتق ومحاباۃ وہبہ کے بیان میں

اپنا غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تو آزاد نہ ہوگا الا اُس صورت میں ہے کہ وارث لوگ اُس کو آزاد کر دیں اور اُس کو اختیار رہے گا کہ اس وصیت سے بقول یا بفعل رجوع کرے جیسا کہ اور وصایا میں حکم ہے اس واسطے کہ یہ حکم باعتاق(۱) ہے تو جب تک آزاد کیا نہ جائے تب تک فقط حکم دینے سے وہ آزاد نہ ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔اگر ایک شخص نے اپنے مرض میں آزاد کیا یا بیع

[1] یعنی اس مرض سے ایسا خوف نہ رہا جیسا مرض الموت کے مریض سے غالباً علی الاتقال خوف ہوتا ہے کہ وہ چار پائی سے لگ جاتا ہے ۱۲

[2] یعنی اگر کل مال ہبہ کیا تو تہائی مل سکتی ہے بلا اجازت اور باقی دو تہائی واپس کی جائے گی ۱۲ منہ [3] اور عینی شرح متون نے تصریح فرمائی ہے کہ مراد سال سے سال شمسی مراد ہے ۱۲ [4] اس زمانہ میں جب تک لڑائی شروع نہ ہو تب تک صف قتال میں مثل مریض کے ہونا چاہیے ۱۲ منہ

(۱) آزاد کرنا ۱۲

بمحابات کی یا ہبہ کیا تو یہ سب جائز ہے اور اس کا اعتبار تہائی مال سے ہوگا اور صاحبان وصیت[1] کے ساتھ شریک کیا جائے گا۔ اسی طرح مثل کفالت وضمان کے جو مریض نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہو وہ بھی وصیت کے حکم میں ہے اور اگر مشتری کے ہاتھ محاباۃ سے فروخت کیا پھر آزاد کیا حالانکہ تہائی مال میں قدر محاباۃ وعتق دونوں کی گنجائش نہیں ہے یعنی تہائی اس سے کم ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک محاباۃ اولیٰ ہوگی اور اگر آزاد کیا پھر محاباۃ کی تو بھی یہی حکم ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں مسئلوں میں عتق اولیٰ ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر محاباۃ کی پھر آزاد کیا پھر محابات کی تو تہائی مال دونوں محابات میں بسبب دونوں کے برابر ہونے کی نصفا نصف تقسیم کر دیا جائے گا پھر جو کچھ محابات اخیرہ کے حصہ میں آیا ہے وہ دونوں محاباتوں اور عتق کے درمیان حصہ رسد تقسیم ہوگا اور اگر آزاد کیا پھر محابات کی پھر آزاد کیا تو تہائی مال درمیان محابات اور عتق اول کے تقسیم ہوگا پھر جو عتق کے حصہ میں آیا ہے وہ عتق اول اور عتق ثانی کے درمیان تقسیم ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک ہر حال میں عتق اولیٰ ہے کذا فی الہدایہ اور محاباۃ کی صورت یہ ہے کہ مریض نے سو درم کی چیز پچاس درم میں فروخت کر دی یا پچاس درم کی چیز سو درم میں خریدی تو جس قدر مال صورت خرید میں زائد دیا ہے یا بیع میں کم لیا ہے وہ محابات ہے۔ یہ شرح مختار میں ہے۔

اگر وصیت کی کہ میرا غلام میری موت کے بعد آزاد کیا جائے یا کہا کہ تم لوگ اُس کو آزاد کر دو یا کہا کہ میری موت سے ایک روز بعد وہ آزاد ہے اور ایک شخص کے واسطے ہزار درم کی وصیت کی تو دونوں تہائی مال میں حصہ[2] دار ہوں گے اور یہ ایسا عتق نہیں ہے جو تہائی مال سے اوّلاً شروع کیا جائے پھر اگر بچے تو موصی لہ وغیرہ کا ہو بلکہ اولاً جب شروع کیا جائے گا کہ جب اُس نے یوں کہا کہ وہ غلام میری موت کے بعد آزاد ہے بطور مبہم (دونوک نہ کہا) کہا یا اُس کو اپنے مرض میں قطعاً آزاد کر دیا یا کہا کہ اگر اس مرض میں مجھے موت آئے تو یہ آزاد ہے تو ایسے کے حق میں یہ حکم ہے کہ وصیت سے پہلے اُس کے ساتھ ابتدا کی جائے گی اسی طرح اگر جو عتق بعد موت کے بلاقید وقت واقع ہو اُس کی ابتدا وصیت سے پہلے ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

اگر اپنی باندی کو اپنے مرض میں آزاد کیا' بعد آزاد ہونے کے قبل موت مریض کے یا بعد موت مریض کے بچہ جنی ☆

اگر کہا کہ وہ میری موت کے ایک روز یا ایک مہینہ بعد آزاد ہے پھر مدت گذر گئی تو امام محمدؒ سے ابن سماع کی روایت کے موافق یہ حکم ہے کہ بدون اعتاق وارثان یا وصی کے وہ آزاد نہ ہوگا[3] یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر اپنی باندی کو اپنے مرض میں آزاد[(1)] کر دیا اور بعد آزاد ہونے کے قبل موت مریض کے یا بعد موت مریض کے بچہ جنی تو اُس کا بچہ وصیت میں داخل نہ ہوگا اور اگر اپنے ایک غلام کو مدبر کیا اور دوسرے سے کہا کہ مجھے اس مرض میں موت آ جائے تو تو آزاد ہے پھر اس مرض میں مر گیا تو دونوں تہائی میں حصہ دار ہوں گے اس واسطے کہ بعد موت کے استحقاق مساوی ہیں بدیں معنی کہ دونوں کے حق میں اُس نے مرض الموت میں کہا ہے (پس دونوں موصی لہ ہوئے پس تہائی مال میں حصہ دار ہوں گے اور اگر اپنے غلام کے واسطے کسی قدر دراہم معلومہ کی یا کسی چیز کی وصیت کی تو جائز نہیں ہے اور فرمایا کہ اگر اُس کے واسطے کسی قدر اُس کے رقبہ کی وصیت (یعنی مثلاً تیرا چوتھائی تیرے واسطے وصیت ہے) تو اس قدر آزاد ہو جائے گا اور باقی کے واسطے سعایت کرے گا یہ امام اعظمؒ کا قول ہے یہ بمنزلہ ایسی صورت کے ہے کہ اپنی زندگی

---

[1] قال یعنی مثلاً بمحابات فروخت کیا کہ ہزار درم کا مال پانچ سو درم میں دیدیا تو جس قدر نفع ہے یعنی پانچ سو درم اُس میں سے تہائی مال سے وصیت معتبر ہوگی اور باقی مشتری ادا کرے گا یعنی پانچ سو درم تو مشتری دے چکا ہے اور پانچ سو درم باقی میں قرض کر دو سو درم میت بائع کا تہائی مال ہے وہ مشتری کو بطور میت دیئے جائیں گے لیکن اگر اور بھی وصیتیں ہوں تو حصہ رسد مشتری اس دو سو درم میں شریک کیا جائے گا ۱۲ [2] یعنی تہائی مال جس قدر غلام کے حصہ میں آئے وہ اُس سے معاف ہو کر باقی قیمت کے لیے وارثوں کے واسطے سعایت کرے گا ۱۲ [3] یہ سعایت مبسوط کے خلاف ہے ۱۲

(1) اور آزادی بطور وصیت ہے ۱۲

میں اُس کو اس کے رقبہ میں سے کسی قدر ہبہ کر دیا اور اگر اُس کے واسطے پورے رقبہ کی وصیت کی تو تہائی مال سے آزاد ہوگا اسی طرح اگر اُس کو اُس کا رقبہ ہبہ کیا یا سر صدقہ کر دیا اور یہ اپنے مرض میں کیا تو بھی باقی سے آزاد ہوگا یہ مبسوط میں ہے اور اگر اپنے غلام کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو وصیت جائز ہے اور تہائی غلام بعد موت کے آزاد ہو جائے گا پھر دیکھا جائے گا اگر اُس کا مال درم یا دینار ہوں تو غلام کی دو تہائی قیمت اگر اسی قدر ہو جس قدر اُس کے باقی مال سے واجب ہوا ہے تو قصاص ہو جائے گا یعنی بدلا برابر ہو کر پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر مال میں اُس کا حق زائد ہو تو بقدر زائد اس کو دے دیا جائے گا اور اگر غلام کی دو تہائی قیمت میں زیادتی ہو تو بقدر زائد وارثوں کو دے دے گا اگر تر کہ عروض ہو تو بدلا برابر نہیں ہو سکتا ہے جب تک وارثوں و غلام میں باہمی رضامندی نہ ہو جائے اس واسطے کہ جنس مختلف ہے اور بعد رضامندی باہمی کے قصاص ہو جائے گا پس اگر رضامندی نہ ہوئی تو اُس پر لازم ہوگا کہ اپنی دو تہائی قیمت سعایت کر کے ادا کرے اور غلام کے واسطے اُس کے باقی مال سے تہائی ملے گی اور وارثوں کو اختیار ہوگا کہ باقی مالوں میں سے تہائی فروخت نہ کریں یہاں تک کہ اُن کو سعایت کا مال حاصل ہو اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک پورا غلام مدبر ہو جائے گا اور جب مریض مر جائے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور عتق باقی تمام وصیتوں سے مقدم رہے گا پس اگر تہائی مال اُس کی مقدار قیمت سے زائد ہو تو وارثوں پر واجب ہوگا کہ زیادتی اُس غلام کو دے دیں اور اگر اُس کی قیمت زائد ہو تو زیادتی کے واسطے اُس پر سعایت کرنی واجب ہوگی یہ بدائع میں ہے اور اگر اپنے غلام کی کسی شخص کے واسطے وصیت کی پھر اس غلام کو آزاد کرنے یا مدبر کرنے کی وصیت کی تو یہ وصیت اوّل سے رجوع ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر اپنے مرض میں اپنے ایک غلام سے اور ایک مدبر سے جن دونوں کی قیمت برابر ہے یہ کہا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے پھر بیان کرنے سے پہلے مر گیا تو تہائی مال دونوں میں تین حصے ہوگا جس میں سے ایک حصہ غلام کے واسطے اور دو حصہ مدبر کے واسطے ہوں گے اور اگر وصیت کی کہ میرے غلام سے اس قدر درم لے لئے جائیں پھر آزاد کر دیا[1] جائے تو جس قدر مریض نے اُس کے ذمہ سے گھٹائے ہیں وہ اُس کو تہائی مال سے بطور وصیت ملیں گے پس اگر وہ مقدار جو مریض نے غلام کے ذمہ سے گھٹائی ہے مریض کا تہائی مال ہو تو غلام پر سعایت واجب[ا] نہ ہوگی اور اگر تہائی سے زائد گھٹائے ہوں تو زیادتی کے واسطے سعایت کرے گا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر اُس نے کہا کہ ہر مملوک جو میری صحبت میں قدیم سے ہی اُس کو آزاد کر دو یعنی وصیت کی تو مملوک ایک سال سے اُس کے پاس ہو وہ آزاد کیا جائے گا اور یہی مختار ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے پسر کا غلام خرید کر کے میری طرف سے آزاد کیا جائے پھر مر گیا تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ وصیت باطل ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وصیت صحیح ہے پس بقدر قیمت غلام کے دیگر خرید کر کے آزاد کر دیا جائے گا اور اگر وارث نے اُس کو موصی کی موت کے بعد کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ وصیت باطل ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا وہ غلام مذکور کی قیمت دے کر خرید کر کے آزاد کیا جائے گا ایک شخص نے کہا کہ یہ میرا غلام آزاد ہے میں نے یہ وصیت کی تو فرمایا کہ یہ آزاد کرنے کی وصیت ہے پس بعد موت مولیٰ کے آزاد کیا جائے گا۔ اور اگر وصیت کی کہ فلاں شخص کا غلام خریدا جائے تو فرمایا وہ جس قدر اُس کی قیمت ہے اُس کے عوض خریدا جائے گا اُس سے زیادہ درموں کو نہیں خریدا جائے گا پھر اگر فلاں شخص نے جس کا غلام ہے اپنا غلام فروخت کرنے سے انکار کیا تو وصی اُس کا ثمن وارثوں کو واپس دے گا اور اگر اُس نے کہا کہ فلاں کا غلام خرید کر کے اُس کو آزاد کر دینا اور اُس کے مولیٰ نے اُس کے فروخت کرنے سے انکار کیا تو وصی اُس کا ثمن روک رکھے گا یہاں تک کہ غلام مذکور خریدنے سے مایوسی ہو جائے کہ وہ غلام مر جائے یا آزاد کر دیا جائے

[ا] یعنی خاص اُس مقدار کے واسطے ورنہ جو درم اس سے لینا لازم کئے ہیں ان کے واسطے ماخوذ ہوگا ۱۲ منہ (۱) بمنزلہ برج مکاتبت کے ہے ۱۲

یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر اپنے غلام کی زید کے واسطے وصیت کی پھر وصیت کی کہ یہ غلام عمرو کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور ثمن بتلا دیا مگر ثمن میں اس قدر کمی رکھی کہ یہ نسبت قیمت کے تہائی مال کا نقصان ہے اور مولیٰ کا سوائے اس غلام کے کچھ مال نہیں ہے تو عمرو کو اختیار ہوگا چاہے غلام کا پانچ چھٹا حصہ اُس کی دو تہائی قیمت کے عوض لے لے یا ترک کر دے اس واسطے کہ محابات کی وصیت بمنزلہ باقی وصیتوں کے ہوتی ہے اور اس مقام پر دونوں وصیتیں برابر ہیں کہ ایک وصیت تہائی مال کو حاوی ہے پس تہائی دونوں میں نصفا نصف ہوگی کہ عمرو کو نصف تہائی یعنی چھٹا حصہ ملے گا اور زید کو بھی چھٹا حصہ اسی قدر ملے گا پس باقی غلام میں سے فقط پانچ چھٹے حصے عمرو کے ہاتھ دو تہائی قیمت میں فروخت کئے جائیں گے اور زید کے واسطے اُس کا چھٹا حصہ ہے وہ زید کو دیا جائے گا اور اگر عمرو نے اس کے خریدنے سے انکار کیا تو زید کو پوری تہائی غلام کی ملے گی یہ مبسوط میں ہے اور اگر فقط ایک غلام چھوڑا اور اُس کی قیمت ہزار درم ہے اور وصیت کی کہ زید کے ہاتھ ہزار درم کو فروخت کیا جائے پھر اُس غلام کی وصیت کر دی تو اس میں تین صورتیں ہیں یا تو عین غلام کی وصیت کی یا مال کی تہائی کی۔ پس اگر وصیت اوّل[1] کے بعد یا اُس سے پہلے عین غلام کی وصیت کی اور وارثوں نے اجازت نہ دی یا اجازت دی مگر زید نے اجازت نہ دی تو دوسرے موصی لہ کو چھٹا حصہ غلام کا ملے گا اور باقی پانچ چھٹے حصے زید کے ہاتھ بعوض ہزار درم کے پانچ چھٹے کے فروخت کیا جائے گا اور یہ وارثوں کو ملے گا اور بعض نے فرمایا یہ صاحبینؒ کا قول ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک دوسرے موصی لہ کو غلام کا بارہواں حصہ ملے گا اور زید کے ہاتھ گیارہ حصے اس کی قیمت کے عوض فروخت کئے جائیں گے اور وہ قیمت وارثوں کو ملے گی۔ اور اگر وارثوں نے اجازت دے دی اور زید بھی راضی ہوگیا تو پھر موصی لہ اُس میں اپنی پوری وصیت کے حساب سے شریک کیا جائے گا پس وہ غلام دونوں موصی لہ میں نصفا نصف ہوگا کہ نصف غلام دوسرے موصی لہ کو ملے گا اور باقی نصف زید کے ہاتھ فروخت کیا جائے گا اور اُس کا ثمن وارثوں میں تقسیم ہوگا اور وجہ دوم یہ ہے کہ اُس نے وصیت کی کہ غلام اُس کا زید کے ہاتھ ہزار درم کو فروخت کیا جائے اور عمرو کے واسطے اپنے پورے مال کی وصیت کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ مثل مسئلہ اوّل کے ہے مگر فرق یہ ہے کہ عمرو اس صورت میں وارثوں سے ہزار درم ثمن میں سے اُس کا چھٹا حصہ لے لے گا اور مسئلہ اوّل میں اُس کو ثمن میں سے کچھ نہیں مل سکتا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں موصی نے اُس کے واسطے مال کی وصیت کی ہے اور ثمن بھی مال ہے جیسے رقبہ تو ثمن سے اُس کی وصیت کا نفاذ ممکن ہے اور مسئلہ اوّل میں عین کی وصیت کی ہے وہ رقبہ ہے اور ثمن سوائے عین کے دوسری چیز ہے پس ثمن سے اس کی وصیت کی تکمیل نہیں ہو سکتی ہے اور وجہ سوم یہ کہ زید کے ہاتھ ہزار درم کو فروخت کرنے کی اور عمرو کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو اِس صورت میں امام محمدؒ کا قول مثل قول امام ابو حنیفہؒ کے ہے کہ عمرو اُس غلام کے بارہ حصوں میں سے ایک حصہ لے لے گا اور باقی گیارہ حصے غلام کے زید کے ہاتھ ہزار درم کو فروخت کئے جائیں گے لیکن اس صورت میں عمرو وارثوں سے ثمن میں سے لے کر اپنی تہائی پوری کر لے گا اس وجہ سے کہ اس کے واسطے تہائی مال کی وصیت ہے اور ثمن مال ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پورا غلام زید کے ہاتھ فروخت کیا جائے گا اور ثمن میں سے تہائی عمرو کو دی جائے گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر وصیت کی کہ ان ہزار درموں سے میری طرف سے ایک غلام آزاد کیا جائے پھر ان میں سے ایک درم ضائع ہوگیا تو باقی سے امام اعظمؒ کے نزدیک غلام خرید کر کے آزاد نہ کیا جائے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ باقی سے غلام خرید کر کے آزاد کیا جائے گا اور اگر وصیت کی کہ میرے تمام مال سے غلام خرید کر کے میری طرف سے آزاد کیا جائے مگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو امام اعظمؒ کے نزدیک وصیت باطل ہو جائے گی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تہائی مال سے غلام خرید کر کے آزاد کیا جائے گا اور اگر وصیت کی کہ میری

[1] اس کی توضیح اکثر مقام پر گذر چکی ۱۲

طرف سے ایک غلام ہزار درم کے عوض خرید کر کے آزاد کیا جائے مگر ہزار درم اُس کے تہائی مال سے زائد ہیں تو امام اعظمؒ کے نزدیک وصیت باطل ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تہائی مال سے غلام خرید کر کے آزاد کیا جائے گا اور اگر وصیت کی کہ میری طرف سے اِن سو درم سے حج کیا جائے پھر ان میں سے ایک درم تلف ہو تو جہاں سے باقی درموں سے پہنچ سکے وہاں سے حج کرایا جائے گا اور اگر کچھ تلف نہ ہوا تو ان سے حج کیا جائے گا پھر اگر ان میں سے کچھ باقی رہا تو حاجی وارثوں کو واپس کر دے گا اگر وصیت کی کہ میرے تہائی مال سے میری طرف سے حج کیا جائے پھر اُس سے کہا گیا کہ تیرا تہائی اِس کام کے واسطے کافی نہ ہوگا پس اُس نے کہا کہ اس سے حاجی کی مدد کرو تو محتاج حاجیوں کی مددگاری کی جائے گی اور اگر اپنے غلام آزاد کئے جانے کی وصیت کی اور مر گیا پھر غلام نے کوئی جنایت کی جس کے جرم میں دے دیا گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اگر وارثوں نے اُس کا فدیہ دیا تو فدیہ مال وارثوں سے ہوگا اور غلام میں وصیت نافذ کریں گے اگر اپنے تہائی مال کی زید کے واسطے وصیت کی پھر مر گیا اور ایک غلام و مال و وارث چھوڑا پھر موصی لہ نے کہا کہ میت نے اُس کو اپنی صحت میں آزاد کیا ہے اور وارث نے کہا کہ اپنے مرض میں آزاد کیا ہے تو وارث کا قول قبول ہوگا اور موصی کو کچھ نہ ملے گا الا اِس صورت میں کہ تہائی میں سے کچھ بچ جائے یا اس امر کے گواہ قائم ہوں کہ میت نے اس کو صحت میں آزاد کیا تھا اور اگر ایک شخص مر گیا اور ایک بیٹا اور غلام چھوڑا پس زید نے وارث پر دعویٰ کیا کہ تیرے باپ پر میرے ہزار درم قرضہ ہیں اور غلام نے دعویٰ کیا کہ تیرے باپ نے مجھے اپنی صحت میں آزاد کیا ہے پس وارث مذکور نے جواب دیا کہ تم دونوں سچے ہو تو غلام مذکور اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے گا اور یہ قیمت قرض خواہ کو دے دی(۱) جائے گی۔ اور یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ کچھ بھی سعایت نہ کرے گا اور علیٰ ہذا الخلاف اگر ایک شخص مر گیا اور ایک بیٹا اور ہزار درم چھوڑے پس زید نے دعویٰ کیا کہ تیرے باپ(۲) پر میرے ہزار درم قرضہ ہیں اور عمرو نے دعویٰ کیا کہ یہ ہزار درم جو تیرے باپ نے چھوڑے ہیں میری ودیعت[۱] ہیں اور وارث نے کہا کہ تم دونوں سچے ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک ہزار درم متروکہ دونوں میں نصفا نصف ہوں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک ودیعت اولیٰ ہے یعنی فقط عمرو لے لے گا یہ کافی میں ہے۔ اگر دو بیٹے اور سو درم قیمت کا غلام چھوڑا حالانکہ اس کو اپنے مرض میں آزاد کر چکا ہے اور وارثوں نے اس کی اجازت دے دی تو وہ سعایت کرے گا یہ ہدایہ میں ہے۔

فرمایا کہ اگر ایک شخص نے اپنے مرض میں اپنا بیٹا ہزار درم کو خریدا اور یہی اُس کی قیمت ہے اور سوائے اُس کے اُس کے پاس ہزار درم تھے تو اُس کا بیٹا خرید کردہ آزاد ہوگا اور اس پر سعایت واجب نہ ہوگی اور وارث ہوگا یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہزار درم اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے گا مگر اُس کی میراث سے قصاص(۳) ہو جائے گا اور اگر پانچ سو درم قیمت کا اپنا بیٹا ہزار درم میں خریدا اور پانچ سو درم قیمت کا اپنا غلام آزاد کر دیا اور سوائے ان دونوں کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک محابات مقدم ہوگی اس واسطے کہ اُس نے محابات کو پہلے کیا ہے اور ثلث مال اُس میں مستغرق ہو گیا پس دونوں غلاموں میں سے ہر ایک پر اپنی قیمت کے واسطے سعایت لازم ہوگی اور بیٹا کچھ وارث نہ ہوگا اس واسطے کہ اُس پر سعایت واجب ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک عتق[۲] مقدم ہے لیکن بیٹا چونکہ وارث ہوا اس واسطے اُس کے لیے وصیت نہ ہوگی لیکن دوسرا غلام مفت آزاد ہو جائے گا اور بیٹا اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے گا اور بائع سے مطالبہ کیا جائے گا کہ جس قدر اُس کے ثمن میں قیمت سے زائد ہے اُس کو واپس کر

[۱] جس کو ہمارے عرف میں امانت اور دھروہر کہتے ہیں ۱۲ [۲] عتق آزادی و آزاد کرنا کسی غلام یا باندی کو ۱۲ (۱) یعنی بقدر قرضہ ۱۲
(۲) اور قرضہ کا مال وارث اپنے پاس سے دے دے ۱۲ (۳) یعنی جس قدر اُس کی میراث ملتی اُس کا بدلا ہو کر اتر جائے گا ۱۲

دے پس یہ مال موافق فرائض کے وارثوں میں میراث ہوگا اور اگر ہزار درم قیمت کا بیٹا ہزار درم میں خریدا اور ہزار درم کا دوسرا غلام آزاد کر دیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک تہائی مال میں دونوں حصہ دار ہو جائیں گے اور حصہ سے زائد جس قدر قیمت پسر رہے اُس کے واسطے بیٹا سعایت کرے گا اور اُس کو میراث نہ ملے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک بیٹا وارث ہوگا مگر اُس کے واسطے وصیت نہ ہوگی پس اُس پر واجب نہ ہوگا کہ اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے اور میراث کے حصہ سے جو اس پر سعایت قیمت واجب ہے اُس کا بدلا ہو جائے گا فرمایا کہ اگر ایک شخص نے اپنی باندی کو آزاد کیا پھر اُس سے نکاح کر لیا حالانکہ وہ مریض تھا پھر اُس باندی کے ساتھ دخول کیا اور باندی کی قیمت ہزار درم تھی اور اُس کا مہر مثل سو درم ہے پس اگر اُس کی قیمت اور مہر المثل تہائی مال سے برآمد ہو سکتا ہے تو میں اُس کے واسطے میراث قرار دوں گا اور مہر دلاؤں گا اور نکاح جائز قرار دوں گا اور اگر اُس کی قیمت و مہر تہائی سے برآمد نہ ہو تو اُس کو اُس کا مہر المثل دیا جائے گا اور بعد مہر نکالنے کے جو باقی ہے اُس کی تہائی دی جائے گی پھر باقی قیمت کے واسطے سعایت کرے گی اور اُس کو میراث نہ ملے گی اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ نکاح جائز ہے ہر حال میں اس واسطے کہ جس پر سعایت واجب ہے وہ صاحبینؒ کے نزدیک ایسی حرہ ہوتی ہے جس پر قرضہ ہے پس اُس کو اُس کا مہر المثل ملے گا اور میراث ملے گی اور اُس پر واجب ہوگا کہ اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے اور اگر ہزار درم قیمت کی اپنی باندی آزاد کر دی پھر اس سے سو درم قرض لئے پھر اُس سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول نہ کیا یہاں تک کہ مر گیا اور سوائے اس کے دو ہزار درم چھوڑے تو صاحبینؒ کے نزدیک یہ دونوں صورتیں یکساں ہیں اور نکاح جائز ہے اور وہ وارث ہوگی اور اُس کو مہر المثل ملے گا بسبب اُس کے کہ موت سے نکاح کی انتہا ہو گئی اور اُس کا قرضہ جو میت نے لیا ہے وہ ملے گا اس واسطے کہ اُس کا سبب معائنہ ہے اور اُس پر اپنی قیمت کے واسطے سعایت واجب ہوگی اور اُس کے واسطے وصیت نہ ہوگی اور امام اعظمؒ کے نزدیک نکاح باطل ہے اور وہ مال متروکہ میں سے اپنا قرضہ وصول کر لے گی پھر تہائی باقی مال کی بطریق وصیت کے اُس کو ملے گی اور چونکہ اُس کی قیمت و مہر المثل تہائی مال سے زائد ہے اس واسطے نکاح باطل ہوا اور اگر اُس باندی کو آزاد کر دیا اور سوائے اس کے اس کا کچھ مال نہیں ہے پھر اُس سے نکاح کیا پھر اُس سے دو سو درم قرض لئے اور اُن کو اپنی ذات پر خرچ کر ڈالا اور یہ اپنے مرض میں کیا ہے پھر مر گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک نکاح باطل ہے اور باندی مذکور کو میراث نہ ملے گی اور اگر اُس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو تو اس کو مہر بھی نہ ملے گا اور قرضہ کے بعد باقی کی تہائی کے واسطے اُس پر سعایت واجب ہوگی اور اگر اپنے مرض میں آزاد کیا پھر اس سے نکاح کیا اور سوائے اس کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے پھر اس قدر مال کمایا کہ یہ باندی اور اس کا مہر اس کی تہائی سے برآمد ہوتا ہے تو نکاح جائز ہے اور اُس کو مہر و میراث ملے گی اور اُس پر سعایت واجب نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ایک رقبہ کے آزاد کرنے کی وصیت کی اور تہائی مال سے اُس کو اس قدر مال دینے کی وصیت کی پس اگر باندی معینہ ہو تو اُس کے واسطے عتق و مال دونوں جائز ہوں گے اور معینہ نہ ہو تو عتق جائز ہوگا اور وصیت مال جائز نہ ہوگی الا اُس صورت میں کہ میت نے یہ کہا ہو کہ میں نے یہ وصی کی رائے پر چھوڑ دیا اگر وہ چاہے تو باندی کو مال دے دے تو جائز ہے مثل اس قول کے کہ میرا مال جہاں تیرا جی چاہے صرف کر اور اگر یہ وصیت کی کہ اس قدر گیہوں یا درموں سے ایک غلام خرید کر کے میری طرف سے آزاد کیا جائے اور اُس کا ایک غلام ہے تو یہ جائز نہیں ہے کہ اُس کا وہ غلام جو اُس کے پاس ہے آزاد کیا جائے بخلاف اس کے اگر یہ وصیت کی کہ اس قدر درموں وغیرہ سے اس قدر گیہوں خریدے جائیں اور مسکینوں کو تقسیم کر دیئے جائیں حالانکہ اُس کے پاس گیہوں موجود ہیں تو جائز ہے کہ ان گیہوں سے جو اُس کے پاس موجود ہوں مسکینوں پر تقسیم کئے جائیں اور اگر کہا کہ میری طرف سے ایک غلام آزاد کرنا تو وصی

سے کہا جائے گا کہ میت کے پاس وقت موت کے جو غلام موجود تھا وہ آزاد کر دیا اور اگر اُس نے یہ غلام فروخت کیا ہو پھر اُس کو خرید کر کے آزاد کیا تو جائز ہے اور بعض نے فرمایا ہے جو غلام موت کے وقت اُس کی ملک میں ہو اُس کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور اُس کے اس قول میں کہ میری طرف سے ایک غلام آزاد کرنا اور اس قول میں کہ میرے واسطے ایک غلام خرید کر کے اُس کو آزاد کرو کچھ فرق نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر وصیت کی کہ میرا غلام آزاد کیا جائے اور غلام نے اُس کے قبول سے انکار کیا تو وہ تہائی مال سے آزاد ہوگا یہ مبسوط میں ہے اور اگر تین غلام مساوی قیمت کے اور ایک بیٹا چھوڑ کر مر گیا پھر ایک غلام نے دعویٰ کیا کہ مریض نے اپنے مرض میں مجھے آزاد کر دیا ہے پھر پسر وارث سے قسم [(۱)] لی گئی اور اُس نے قسم کھانے سے انکار کیا تو بلاسعایت اُس کے عتق کا حکم دیا جائے گا اور اگر دوسرے نے بھی ایسا ہی دعویٰ کیا اور وارث نے قسم سے انکار کیا تو وہ آزاد کیا جائے گا اور اپنی قیمت کے واسطے سعایت کرے گا اور اسی طرح تیسرے نے اگر ایسا کیا تو اُس کا بھی یہی حکم ہے اور اگر اوّل نے سوائے قاضی کے کسی کے سامنے جو دونوں نے قرار دیا تھا مقدمہ پیش کر کے عتق کا حکم حاصل کیا ہو تو دوسرا غلام درحالیکہ مسئلہ بحالہ ہے بلاسعایت آزاد ہو جائے گا اسی طرح اگر تیسرے نے دعویٰ عتق ایک حکم کے پاس کیا جس کو دونوں نے برضامندی مقرر کیا ہے تو اُس میں بھی یہی حکم ہوگا اور اگر اوّل نے ایک حکم کے پاس جس کو دونوں نے برضامندی مقرر کیا ہے مقدمہ اپنا پیش کیا اور حکم نے بسبب نکول مدعا علیہ کے اُس کی آزادی کا حکم دیا پھر دوسرا غلام وارث کو قاضی کے پاس لے گیا اور وارث نے قسم سے انکار کیا تو دوسرا بھی بلاسعایت آزاد ہو جائے گا پھر اگر تیسرا غلام بھی وارث کو قاضی کے پاس یا کسی حکم کے پاس جس کو دونوں نے برضامندی مقرر کیا ہے اپنا ایسا ہی دعویٰ پیش کیا اور وارث نے قسم سے انکار کیا تو وہ بھی بلاسعایت آزاد ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ اگر دوسرے کا آزادی کا حکم قاضی کی طرف سے ہو تو تیسرا غلام اپنی پوری قیمت رقبہ کے واسطے سعایت کرے گا اور جو حکم اوپر مذکور ہوا ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ حکم اس وقت ہے کہ جب ثانی غلام کے مرافعہ سے پہلے غلام ثالث نے مرافعہ [ا] کیا ہو یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک غلام کے آزاد کئے جانے کی وصیت کی اور دوسرے غلام کی فلاں شخص کے ہاتھ اس قدر ثمن پر فروخت کرنے کی وصیت کی حالانکہ بہ نسبت قیمت کے ثمن میں سے اس قدر کم کیا ہے کہ اُس کا تہائی مال ہوتا ہے تو یہ تہائی دونوں میں نصفا نصف [(۲)] ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

اگر دو غلام چھوڑے اور دو وارث چھوڑے اور دونوں غلام اُس کے تہائی مال سے برآمد ہوتے ہیں اور وصیت کی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک غلام زید کو دے دیا جائے تو دونوں وارثوں پر جبر کیا جائے گا کہ دونوں غلاموں میں سے کسی ایک پر وصیت ہونے کے واسطے اتفاق کریں اور اگر موصی لہ نے دونوں غلاموں کو آزاد کر دیا پھر وارثوں نے کسی ایک پر اتفاق کیا تو وہی آزاد ہو جائے گا اور اگر موصی لہ نے کسی معین کو آزاد کیا پھر وارثوں نے بھی اُسی پر اتفاق کیا تو وہ آزاد نہ ہوگا اور اگر میّت نے ان دونوں میں سے ایک آزاد کئے جانے کی وصیت کی پھر دونوں وارثوں کے ساتھ یا آگے پیچھے ایک ایک کو اختیار کیا تو دونوں پر جبر کیا جائے گا کہ ایک ہی غلام پر اتفاق کریں اور اگر دونوں میں سے ایک نے دونوں غلاموں میں سے ایک کو میّت کی طرف سے آزاد کیا پھر دوسرے کو تو دوسرا میّت کی طرف سے ہوگا اور پہلا خود وارث کی طرف سے ہوگا پس اگر خوشحال ہو تو اپنے شریک [۲] کے حصہ کا ضامن ہوگا اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے ایک ساتھ کہا کہ میں نے یہ غلام میّت کی طرف سے آزاد کیا تو دونوں پر جبر کیا جائے گا کہ دونوں ایک ہی غلام پر اتفاق کریں پس جب دونوں نے ایک پر اتفاق کیا تو دوسرا غلام اُسکے آزاد کرنے والے کی طرف سے ہوا پس اپنے شریک کے حصہ کا

ا مترجم کہتا ہے کہ اُس میں جو بعد یعنی مقصود سے دوری ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے ۱۲ ۲ یا شریک اپنا حصہ آزاد کر لے یا غلام نصف قیمت کے واسطے سعایت کرے گا ۱۲ منہ (۱) یعنی علمی قسم کہ جانتا ہے کہ اُس نے آزاد کیا ہے ۱۲ (۲) یعنی غلام اوّل مشتری ۱۲

ضامن ہوگا بشرطیکہ خوشحال ہو اور اگر دونوں نے آزاد نہ کیا بلکہ دونوں نے ایک غلام پر اتفاق کیا کہ اِس کو میت کی طرف سے آزاد کردیں پھر دونوں نے رجوع کر کے دوسرے کو اس واسطے معین کیا تو دونوں کو رجوع کا اختیار نہ ہوگا اور اوّل ہی میت کی طرف سے آزاد کیا جائے گا پس اگر دونوں میں سے ایک وارث نے اوّل غلام جس کو دونوں نے معین کیا ہے آزاد کر دیا تو میت کی طرف سے اُس کا آزاد کرنا صحیح ہے اسی طرح دونوں کے باتفاق معین کرنے کے بعد اُس کو وصی نے آزاد کر دیا تو بھی صحیح ہے اور اگر اپنے غلام آزاد کرنے کی وصیت کی اور وہ اُس کے تہائی مال سے برآمد ہوتا ہے تو وارث[1] کی جانب سے قرابت ہونے کی وجہ سے وصی آزاد نہ ہوگا۔ اور نہ وصی کی جانب سے بسبب قرابت کے آزاد ہوگا اور دونوں میں سے جس نے اُس کو آزاد کیا میت کی طرف سے آزاد ہو جائیگا۔ اور اگر وصی نے اُس کے عتق کی تعلیق شرط یا اضافت کے ساتھ یا وقت آئندہ کے ساتھ کی تو آزاد نہ ہوگا اور وارث کی طرف سے ایسی تعلیق میں آزاد ہو جائے گا جب کہ شرط پائی جائے اور یہ میت کی طرف سے آزادی ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر یہ وصیت کی کہ میرا غلام فروخت کیا جائے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا یا وصیت کی کہ غلام اپنی قیمت سے فروخت کیا جائے تو یہ باطل ہے کیونکہ اس وصیت میں کوئی معنی قربت نہیں ہے تا کہ موصی کے حق کے واسطے اُس کی تنفیذ واجب ہو یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر اپنی بیٹی کا نکاح اپنے غلام کے ساتھ برضامندی دختر کر دیا اور غلام مذکور کی وصیت کسی شخص کے واسطے کر دی اور وہ تہائی مال سے برآمد ہوتا ہے پھر مر گیا تو نکاح فاسد نہ ہوگا اور اگر غلام مذکور موصی لہ کا قریبی رشتہ دار ہو تو جب تک موصی لہ وصیت کو قبول نہ کرے یا وصیت سے پہلے مر نہ جائے تب تک اُس کے پاس سے آزاد نہ ہو جائے گا اور اگر میت کے عصبہ کا قریب ہو پس اگر موصی لہ نے وصیت کو رد کیا تو اُن کے پاس سے آزاد ہو جائے گا اس واسطے کہ اُن کی ملک میں داخل ہوا ہے۔ اور اگر غلام مذکور تہائی مال سے برآمد نہ ہوتا ہو تو نکاح فاسد ہو جائے گا اس واسطے کہ دختر مذکور کو اُس کے کسی قدر رقبہ کی ملک ہوئی ہے اور اگر غلام مذکور کے عتق کی وصیت کی اور میت کا اس کے سوائے کچھ مال نہیں ہے تو نکاح فاسد نہ ہوگا اور جب وارثوں نے اُس کو آزاد کر دیا تو اُن کے حصہ کے واسطے اپنی قیمت میں سے سعایت کرے گا اور اگر آزاد کرنے سے پہلے وہ غلام مر گیا تو وصیت باطل ہوگئی کیونکہ محل عتق فوت ہو گیا ہے اور اگر دختر نے اپنا مہر نہ لیا ہو تو اُس کو اختیار ہوگا کہ وصیت باطل کر دے اور غلام اُس کے مہر کے واسطے فروخت کیا جائے گا اور نکاح فاسد نہ ہوگا اور مہر دینے کے بعد ثمن غلام میں سے جو کچھ باقی رہے وہ میراث ہوگا اور اگر غلام پر دختر کا مہر بلکہ میت پر اُس کی قیمت کے برابر یا زیادہ قرضہ ہو تو قرضہ کے واسطے فروخت کیا جائے گا اور نکاح فاسد نہ ہوگا پھر اگر مشتری نے بسبب عیب کے بحکم قاضی واپس کر دیا تو حال جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا اور اگر بغیر حکم قاضی واپس کیا اور کسی وجہ سے میت کا قرضہ ساقط ہو گیا تو وصیت غلام باطل ہو جائے گی اور نکاح فاسد ہو جائے گا اس واسطے کہ یہ بیع جدید[(1)] ہوگی بحق ثالث اور اسی طرح اگر میت پر قرضہ نہ ہو بلکہ غلام نے کوئی جنایت کی جس میں وہ دے دیا گیا یا وارثوں نے اُس کا فدیہ دے دیا تو بھی نکاح فاسد نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر

[1] یعنی اگر وہ غلام تہائی مال میت سے برآمد ہو تو خاصۃً میت کی ملک ہوگا پس اگر وہ وارث کا ذی رحم محرم ہو یا موصی کا ذی رحم محرم ہو تو اُس کی جانب سے خواہ مخواہ آزاد نہ ہو جائے گا جیسا کہ ذی رحم ملک سے آزاد ہوتا ہے بقول علیہ السلام من ملک ذا رحم محرم عتق علیہ بدینی وجہ کہ لا عتق لابن آدم فیما لا یملکہ اخرجہ الطحاوی وغیرہ ہاں اگر میت کی طرف سے وارث یا وصی جس نے آزاد کیا تو آزاد ہو جائے گا اور خروج از قیمت کی قید اس واسطے ہے کہ اگر وارث نے تسلیم نہ کیا تو اُس کا مالک ہوا پس آزاد ہو جائے گا اور اگر وصی ضامن ہوا تو اُس کی ضمانت سے آزاد ہو جائے گا ۱۲ منہ

(1) یعنی بغیر حکم قاضی واپس کرنا اقالہ ہے بائع و مشتری کے حق میں بیع جدید ثالث کے حق میں ۱۲

وصیت کی کہ ایک آدمی فروخت کیا جائے تو وصیت صحیح ہوگی پھر جس طرح وصیت کی ہے اُس کے موافق فروخت کیا جائے گا اور اُس کے ثمن میں سے مقدار تہائی کے کم کی جائے گی اگر ایسا کوئی شخص خریدار بنایا جائے جو وارثوں کو اس سے زیادہ دے اور اگر وصیت کی کہ زید کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور ثمن بیان نہ کیا تو اُس کی قیمت کے عوض زید کے ہاتھ فروخت کیا جائے گا قیمت میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا چاہے زید اُس کو خریدے یا نہ خریدے یہ مبسوط میں ہے اور اگر مساوی قیمت کے تین غلام اور ایک وارث چھوڑ کر مر گیا پھر وارث نے ایک غلام سے کہا کہ تجھے میت نے آزاد نہیں کیا پھر کہا کہ نہیں بلکہ آزاد کیا ہے پھر دوسرے و تیسرے نے یوں ہی کہا تو سب کے سب آزاد ہو جائیں گے اور کسی پر سعایت واجب نہ ہوگی اسی طرح اگر اُس نے میت کی طرف سے آزاد کرنے کا اقرار کیا پھر انکار کیا تو بھی یہی حکم ہے اس واسطے کہ اقرار کے بعد انکار واقع ہونے سے اقرار باطل نہیں ہوتا ہے اور اگر اُن سے کہا کہ سب تم کو آزاد نہیں کیا ہے پھر کہا کہ نہیں بلکہ تم کو آزاد کیا ہے پھر کہا کہ سب کو تو استحساناً اپنی دو تہائی قیمت کے واسطے سعایت[1] کریں گے اسی طرح اگر کہا کہ تم کو میت نے آزاد کیا ہے پھر کہا کہ تم میں سے کسی کو آزاد نہیں کیا ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر کہا کہ تم کو آزاد کیا ہے پھر کہا کہ اُس کو نہیں آزاد کیا ہے تو یہ دو تہائی قیمت کے واسطے سعایت کرے گا اور دونوں باقیوں میں سے ہر ایک نصف قیمت کے واسطے سعایت کرے گا اور اگر اس کے بعد دوسرے سے کہا کہ تجھے آزاد نہیں کیا ہے تو تیسرا بلا سعایت آزاد ہو جائے گا اور اوّل (۱) و دوم کی سعایت بحال باقی رہے گی۔ اور اگر کہا کہ تم کو آزاد کیا ہے۔ پھر کہا کہ اس کو آزاد نہیں کیا ہے اور نہ اس کو اور نہ اس کو تو سب آزاد ہو جائیں گے اور ہر ایک اپنی دو تہائی قیمت کی سعایت کرے گا اور اگر کہا کہ اے فلانے تجھے میت نے آزاد نہیں کیا ہے اور سکوت کیا پھر دونوں باقیوں سے بھی اسی طرح کہا کہ تم کہ آزاد کیا ہے تو سب آزاد ہو جائیں گے اور ہر ایک اپنی دو تہائی قیمت کے واسطے سعایت کرے گا اگر چہ ایک بعد دوسرے کے سب کے عتق سے انکار کیا ہے اور اگر ایک کے واسطے کہا کہ تجھ کو آزاد کیا ہے پھر سکوت کیا پھر دوم وسوم سے بھی اسی طرح کہا تو سب اوّل اور نصف دوم اور حصہ سوم از سوم آزاد ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر وصیت کی کہ میری طرف سے ایک آدمی آزاد کیا جائے اور زید کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی تو اُس کا تہائی مال مقدار تہائی اور مقدار ادنیٰ قیمت غلام پر تقسیم کیا جائے گا پس جس قدر تہائی کے پرتے میں آئے وہ زید کو ملے گا اور جس قدر ادنیٰ قیمت غلام کے پرتے میں آئے اُس سے غلام خرید کر آزاد کیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر یہ وصیت کی کہ میری طرف سے ایک آدمی تین سو درم کے آزاد کیا جائے حالانکہ اُس کا تہائی مال سو درم سے کم ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کی طرف سے کچھ آزاد نہ کیا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اُس کے تہائی مال سے خرید کر کے آزاد کیا جائے گا اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ اگر اپنی طرف سے تہائی مال سے ایک آدمی آزاد کرنے کی وصیت کی اور وصی نے اس کی تعمیل کی پھر اس قدر قرضہ لاحق (۲) ہوا جو باقی دو تہائی کو گھیرے ہوئے ہے تو عتق مذکور موصی کی طرف سے ہوگا اسی طرح اگر ایسا وصی ہو جس کو قاضی نے مقرر کیا ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر قاضی یا امین قاضی نے ایسا کیا پھر قرضہ ظاہر ہوا تو عتق باطل ہوگا اور قاضی یا اُس کا امین اپنی ذات کے واسطے خریدنے والا نہ ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر وصیت کی کہ زید کا غلام خرید کر کے میری طرف سے ایک آدمی آزاد کیا جائے تو وہ غلام تہائی مال سے خریدا جائے گا اور اگر تہائی مال کے عوض زید نے اپنا غلام فروخت کرنے سے انکار کیا تو

---

[1] یعنی بذریعہ مشقت کے جو کچھ حاصل ہوگا وہ بعوض دو تہائی کے ادا کرے گا ۱۲

(۱) اوّل دو تہائی کے واسطے دوم نصف کے لیے جیسا مذکور ہے ہوا ہے ۱۲

(۲) یعنی ظاہر ہوا ہے ۱۲

تہائی مال روک رکھا جائے گا یہاں تک کہ زید اس کے عوض فروخت کرے اور اگر غلام مذکور مر گیا تو اس میت کے نفاذ کا محل فوت ہو گیا پس امید نفاذ نہ رہی پس یہ تہائی وارث کو مال واپس دیا جائے گا یہ اُس وقت ہے کہ جس کے عوض خرید اجائے اُس کو تہائی بیان کر دیا ہو اور اگر ایک شخص کو وصیت کی کہ ان سو درموں معین سے ایک مملوک خرید کر کے تہائی سے میری طرف سے آزاد کر دے پس وصی نے ان دراہم کے عوض خرید کر کے میت کی طرف سے آزاد کر دیا پھر ایک مدعی نے ان سو درموں پر یا ان میں سے بعض پر اپنا استحقاق ثابت کیا یا میت کے مال پر اس قدر قرضہ ثابت ہوا جس کی تہائی سے سو درم زائد ہوتے ہیں تو وصی ان سو درم کا ضامن ہوگا پھر اگر میت کا کچھ مال عین یا دین ظاہر ہوا جو معلوم نہ تھا اور مملوک آزاد کردہ شدہ کا ثمن اس کا تہائی ہوتا ہے تو وصی ضمان سے بری ہو جائے گا یہ مبسوط میں ہی۔ اگر وصیت کی کہ میرا غلام نسمہ میرے واسطے فروخت کیا جائے اور اُس کے ثمن سے دوسرا غلام خرید کر کے میری طرف سے آزاد کیا جائے پس وصی نے اُس کو فروخت کر کے اُس کے ثمن سے دوسرا خرید کر کے آزاد کر دیا پھر مشتری نے غلام اوّل میں کوئی عیب پا کر وصی کو واپس دیا تو وصی اُس کے ثمن کا ضامن ہوگا پھر اگر اس کو دوبارہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا پس اگر مثل ثمن اوّل کے فروخت کیا تو عتق میت کے واسطے جائز ہوگا اور اگر کم یا زیادہ کے عوض فروخت کیا تو عتق وصی کی طرف سے ہوگا اور میت کی طرف سے اسی ثمن سے دوسرا غلام خرید کر کے آزاد کیا جائے گا اور یہ حکم اُس وقت ہے کہ جب مشتری نے وصی کو بحکم قاضی واپس دیا ہو کہ اس صورت میں سب کے حق میں بیع فسخ ہو گی پس غلام مذکور میت کی قدیمی ملک میں عود کرے گا اور اگر رد باہمی رضامندی سے ہو تو ایسا نہیں ہے اس واسطے باہمی رضامندی سے جو واپسی ہو وہ متعاقدین کے سوائے تیسرے کے حق میں بیع جدید ہوتی ہے پس ایسا ہوگا کہ گویا وصی نے اُس کو نئی خرید پر اپنے واسطے خرید ا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر غلام مذکور سبب عیب کے واپس نہ دیا گیا بلکہ استحقاق میں لے لیا گیا تو مشتری اپنا ثمن وصی سے واپس لے گا پھر وصی وارثوں کے حصہ میں سے کچھ نہیں لے سکتا ہے اور اگر وصیت کی کہ میرے تہائی مال سے ایک آدمی خرید کر کے میری طرف سے آزاد کیا جائے اور اُس کا مال تین سو درم ہے پس وصی نے سو درم میں ایک غلام خرید کر کے آزاد کیا اور باقی دو سو درم وارثوں کو دے دیئے پھر وہ غلام استحقاق میں لے لیا گیا اور رقیق کر دیا گیا اور وصی نے بائع سے سو درم لے لئے تا کہ اُن سے دوسرا غلام خرید کرے پس وہ سو درم تلف ہو گئے تو وصی وارثوں سے جو کچھ انہوں نے لیا ہے اُس کا تہائی لے لے گا تا کہ اُس سے دوسرا غلام خریدے یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور پہلے اس سے جو مقاسمہ ہو گیا ہے وہ جب تک وصی کا مقصود حاصل نہ ہو تب تک باطل ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک وصی نے وارثوں کے ساتھ جو حصہ بانٹ کر لیا ہے وہ جائز نہ رہے گا اور جو کچھ وارثوں کو پہنچا ہے اس میں سے وصی پھر کچھ نہیں لے سکتا ہے اور وصیت باطل ہو گئی اور اگر وصیت کی کہ میرے واسطے فلاں مملوک خرید کر کے میری طرف سے آزاد کیا جائے پس وصی نے اُس کو خرید اپھر وہ مر گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اسی طرح آزاد ہونے سے پہلے اگر اس نے کوئی ایسی جنایت کی جس کے جرم میں دے دیا گیا تو بھی وصیت باطل ہوئی اور اگر وارثوں نے اُس کا فدیہ دے دیا تو فدیہ دینے میں متطوع ہوں گے اور وہ میت کی طرف سے آزاد کیا جائے گا اور اگر ایک باندی کے آزاد کرنے کی وصیت کی اور وہ اُس کے تہائی مال سے برآمد نہیں ہوتی ہے تو اُس کا حال بھی ایسا ہوگا۔ اور اگر باندی نسمہ[1] قبل آزاد کئے جانے کے بچہ جنی تو بچہ وارثوں کا مملوک ہوگا اور باندی[(1)] ہر دو حال میں وارثوں کی قرابت دار نسبی ہو تو اس وجہ سے آزاد نہ ہو جائے گی بلکہ میت کی طرف سے آزاد کرنے سے آزاد ہو گی اور اگر بعض وارثوں نے اُس کو اپنی

---

[1] یعنی جس صورت میں آدمی کے آزاد کرنے کی وصیت ہے اور جب وہ بچہ جنے گی تو خواہ مخواہ باندی ہو گی ۱۲ منہ

(۱) یہ سب اس صورت میں ہے کہ باندی کی میت کے تہائی مال سے برآمد ہوتی ہے ۱۲

طرف سے آزاد کیا تو اُس کی طرف سے آزاد نہ ہوگی بلکہ میت کی طرف سے آزاد ہو جائے گی اسی طرح اگر وارث نے کہا کہ تو آزاد ہے اگر تو دار میں داخل ہو یا کہا تو آزاد ہے بعد میری موت کے تو وہ مدبر نہ ہوگی بلکہ اگر دار میں داخل ہو یا وارث مذکور مر جائے تو وہ میت کی طرف سے آزاد ہو جائے گی اور اگر وارث نے اُس سے کہا کہ تو ہزار درم پر آزاد ہے اگر تو قبول کرلے پس اُس نے قبول کیا تو مفت آزاد ہو جائے گی اور اگر وصیت کی کہ میری طرف سے ایک رقبہ آزاد کیا جائے کسی حق واجب کی وجہ سے جیسے ظہار و کفارہ وغیرہ تو مثل تطوعات کے اُس کے تہائی مال سے آزاد کیا جائے گا اور حج و زکوٰۃ کا بھی یہی حکم ہے اگر اپنی (۱) طرف سے ایک آدمی آزاد کئے جانے کی وصیت کی اور وہ اُس کے لیے خرید اگیا یا اپنی مملوکہ ایک باندی آزاد کئے جانے کی وصیت کی اور وہ اُس کا تہائی مال ہے پھر اس رقیق پر کسی نے کوئی جنایت کی تو اُس کا ارش وارثوں کو ملے گا اور اگر وارثوں نے اُس کا نکاح کر دیا تو جائز نہیں ہے۔ اور اگر ایک شخص کو وصیت کی کہ میرا یہ غلام فروخت کر کے اُس کا ثمن مسکینوں کو صدقہ کر دے پس وصی نے اُس کو فروخت کر کے اُس کا ثمن وصول کیا اور وہ وصی کے پاس تلف ہو گیا پھر غلام مذکور مشتری کے پاس سے استحقاق میں لے لیا گیا تو فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ پہلے فرماتے تھے کہ وصی ثمن مشتری کا ضامن ہوگا اور کسی سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے پھر اس سے رجوع کیا اور فرمایا کہ وصی ثمن کا ضامن ہوگا اور اُس کو مال میت سے واپس لے گا اور یہی صاحبین کا قول ہے یہ مبسوط میں ہے۔

فصل ☆

اگر چند وصیتیں مجتمع ہو جائیں تو تہائی مال میں یا تو کل وصیتوں کی گنجائش ہوگی یا سب کی گنجائش نہ ہوگی پس اگر سب کی گنجائش ہو تو سب وصیتیں تہائی مال سے نافذ کی جائیں گی خواہ یہ وصیتیں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوں مثلاً وصیت نماز جیسے حج فرض، زکوٰۃ، روزہ، نماز، کفارہ، نذر، صدقہ، فطر و قربانی، حج تطوع، روزہ، نفل، بنائے مسجد، اعتاق مملوک اور ذبح بدنہ وغیرہ یا بندوں کے واسطے ہوں جیسے زید و بکر و خالد وغیرہ کے واسطے اور اسی طرح اگر تہائی مال میں اس قدر گنجائش نہ ہو لیکن وارثوں نے اجازت دے دی کہ تمام مال سے نافذ کی جائیں اور اگر تہائی میں گنجائش نہ ہو اور وارثوں نے اجازت بھی نہ دی پس یا تو سب وصیتیں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوں گی یعنی وصایائے تقرب ہوں یا بعض اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوں بعض بندوں کے واسطے ہوں گی۔ یا سب وصیتیں بندوں کے واسطے ہوں گی پس اگر سب وصیتیں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوں پس یا تو سب وصیتیں فرائض ہوں گی یا سب واجبات ہوں گی یا سب نوافل ہوں گی یا وصیتوں میں فرائض واجبات و نوافل میں سے سب قسم کی جمع ہوں گی پس اگر سب فرائض برابر ہوں تو پہلے وہ وصیت نافذ کی جائے گی جس کو موصی نے مقدم لیا ہے یہ بدائع میں ہے۔

ولیٰ چیز وصیت میں ہمیشہ مقدم رہے گی ☆

اگر حج و زکوٰۃ کی وصیت کی تو حج مقدم ہوگا اگرچہ موصی نے لفظاً اُس کو مؤخر کیا ہو اور کفارۂ قتل و کفارۂ قسم میں جس کو میت نے مقدم کیا ہے وہی مقدم کیا جائے گا اور کفارہ (۲) فطر اور کفارۂ قتل بخطا میں پہلے کفارۂ قتل ادا کیا جائے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ور مشائخؒ نے فرمایا کہ حج و زکوٰۃ دونوں کفارات پر مقدم کی جائیں گی اور کفارات سب کے سب صدقۂ فطر پر مقدم ہیں اور صدقۂ فطر قربانی پر مقدم ہے اگرچہ ہمارے نزدیک قربانی بھی واجب ہے لیکن صدقۂ فطر کے واجب ہونے پر اتفاق ہے اور قربانی کا واجب ہونا محل اجتہاد ہے پس جس پر اتفاق ہے اُس کی تقدیم بسبب اُس کے اقوی ہونے کے اولیٰ ہے اسی طرح صدقہ فطر ایسے روزہ کے کفارہ

۱) یعنی ایسے حق کی وجہ سے جو اُس پر واجب ہے ۱۲ (۲) روزہ توڑ ڈالا تھا ۱۲

سے جو رمضان میں نہیں رکھا ہے مقدم ہے اور مشائخ نے فرمایا کہ صدقہ فطر بہ نسبت نذر کے مقدم کیا جائے گا اور نذر بہ نسبت قربانی کے مقدم ہے اور قربانی بہ نسبت نوافل کے مقدم ہے اور یہ سب جو ہم نے ذکر کیا ہے اُس وقت ہے کہ جب وصیتوں میں کوئی اعتاق[1] منجز نہ ہو اور اعتاق (۱) مرض الموت نہ ہو اور اعتاق معلق بموت یعنی مدبر نہ کیا ہو اور اگر ہوگا تو پہلے وہی مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ اعتاق منجز و اعتاق معلق بموت قابل فسخ نہیں ہوتا ہے پس بسبب اقویٰ ہونے کے ایک شخص نے حج و قربت کے کاموں اور ایک مسجد معین کے سامان درستی کی وصیت کی اور اقوام معین کے واسطے اور بھی وصیتیں کیں اور تہائی مال میں ان تمام وصیتوں کے تنفیذ کی گنجائش نہیں ہے تو تہائی مال تمام وصیتوں میں تنفیذ کیا جائے گا پس جس قدر اقوام معین کے حصہ میں آیا اُس میں سے ہر ایک اپنا اپنا حصہ رسد لے لے گا اور جس قدر کار ہائے ثواب کے پرتے میں پڑا اور اس میں سے سوائے حج کے کوئی قربت واجب نہیں ہے تو پہلے حج کی تقدیم کی جائے گی پس اگر سب مال حج میں تصرف ہو گیا تو باقی کار ہائے ثواب کی وصیتیں باطل ہو جائیں گی اور اگر حج میں سے کچھ باقی رہا تو نوافل میں سے جس کو میت نے مقدم کیا ہے اُسی سے ابتدا کی جائے گی پھر اُس کے بعد جس کو میت نے مقدم بیان کیا ہو علیٰ ہذا القیاس اور اگر میت نے نوافل میں سے کسی کی تقدیم نہ کی ہو تو باقی سب پر حصہ رسد تقسیم کیا جائے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

آزاد کئے جانے کی وصیت میں اگر عتاق کسی کفارہ کا واجب ہو تو اُس کا حکم مثل حکم کفارات کے ہے اور ہم اس کو بیان کر چکے ہیں اور اگر واجب نہ ہو تو اُس کا حکم مثل نفل وصیتوں کے ہے جیسے فقیروں پر صدقہ کر دینا اور مسجد بنانا اور نفل حج کرانا وغیرہ اور اگر وصیتوں میں سے بعض اللہ تعالیٰ ہوں اور بعض بندوں کے واسطے ہوں پس اگر اُس نے اقوام معین کے واسطے وصیت کی ہو تو وہ لوگ بقدر اپنی اپنی وصیتوں کے تہائی مال میں حصہ دار کئے جائیں گے پھر جس قدر بندوں کے حصہ میں پڑا وہ اُن میں یکساں رہے گا بعض کو بعض پر تقدیم نہ ہوگی اور جو اللہ تعالیٰ وصیتوں کے پرتے میں پڑا ہے وہ جمع کر کے پہلے اُس سے فرائض ادا کی جائیں گی پھر واجبات اور پھر نوافل اور اگر اللہ تعالیٰ وصیتوں کے ساتھ بندوں میں سے ایک شخص معین کے واسطے وصیت ہے تو قربت کی وصیتوں کے ساتھ وہ شخص بھی اپنی وصیت کی مقدار پر شریک کیا جائے گا اور ہر جہت قربت ایک علیحدہ شریک قرار دی جائے گی پس اگر اُس نے کہا کہ میرا تہائی مال حج و زکوٰۃ و کفارات و زید کے واسطے ہے تو تہائی مال چار حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے ایک حصہ زید کو ملے گا اور ایک حصہ حج کے واسطے اور ایک حصہ زکوٰۃ کے واسطے ہے اور ایک حصہ کفارات کے واسطے ہوگا یہ بدائع میں ہے۔

اگر یہ وصیت کی کہ میرے تہائی مال سے ہر سال سو درم سے حج کیا جائے تو ایک سال اُس کی طرف سے حج کر دیا جائے گا اسی طرح ثواب کی نظر سے کسی آدمی کا آزاد کرنا اور فقیروں کو صدقہ دینا بھی یہی حکم رکھتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر سب وصیتیں بندوں کے واسطے ہوں تو سب سے قوی مقدم ہوگی پھر اُس سے نیچے جو سب سے قوی ہو علیٰ ہذا القیاس اور یہ نہ ہوگا کہ جس کو میت نے مقدم کیا ہے وہی مقدم ہو حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ اگر وصایا میں عتق[2] منجز ہو تو باقی وصیتوں پر مقدم ہوگا اور اگر سب وصیتیں قوت میں برابر ہوں تو صاحبان وصیت باہم حصہ رسد بانٹ لیں گے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ سب لوگ اپنے اپنے حق کے واسطے تہائی مال میں بقدر حقوق شریک ہو جائیں گے اور یہ نہ ہوگا کہ جس کی میت نے تقدیم کی ہے وہ مقدم کیا جائے اور اگر سب وصیتیں نوافل ہوں اور اُن میں سے کوئی معین نہ ہو مثلاً یوں وصیت کی کہ میری طرف سے نفل حج کیا جائے اور وصیت کی کہ میری طرف سے ایک آدمی آزاد کیا جائے یعنی نفل طور پر اور اُس کو معین کیا اور اسی طرح وصیت کی کہ میری طرف سے فقیروں کو صدقہ دیا جائے اور اُن کو معین نہ کیا تو ایسی صورت میں جس سے میت نے شروع کیا ہے اُسی سے شروع کیا جائے گا ظاہر الروایہ میں امام محمدؒ نے اُس کو صریح بیان فرمایا ہے۔

---

[1] غلام و باندی کو آزاد کرنا ۱۲ [2] وہ آزادی جو فی الحال واقع ہوتی ہے ۱۲ (۱) فی الحال نافذ ہو جائے ۱۲

اسی طرح از راہ ثواب ایک غیر معین مملوک آزاد کر دینا ایسی وصیت کی صحت اللہ تعالیٰ ہے اور واسطے بندے (۲) کے نہیں صحیح ہے یہ محیط میں ہے یہی ایک شخص نے وصیت کی کہ سو درم فقیروں کو دیئے جائیں اور سو درم اقرباؤں کو دیئے جائیں اور میری قضا نمازوں کے واسطے فقیروں کو کھانا دیا جائے پھر مر گیا اور اُس پر ایک مہینہ کی نمازیں قضا ہیں اور اُس کا تہائی مال ان سب وصیتوں کے واسطے کافی نہیں ہے تو شیخ ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ تہائی مال میں تین حصے کئے جائیں سو درم فقیروں کا حصہ اور سو درم اقرباء کا اور ہر نماز کے واسطے ایک سیر گیہوں کے حساب سے جس قدر گیہوں ہوں اُن کی قیمت کا ایک حصہ قرار دے کر تہائی مال اِن سب پر حصہ رسد تقسیم کیا جائے گا پس جس قدر اقرباء کے حصہ میں پڑے وہ اُن کو دے دیا جائے گا اور جس قدر فقیروں و طعام کے حصہ میں آئے اُس میں طعام پہلے دیا جائے گا اور جب طعام پورا ہو جائے تو باقی فقیروں کو دیا جائے گا یعنی نقصان فقیروں کے حصہ میں رکھا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر کسی نے حجۃ الاسلام کی وصیت کی تو اُس کی طرف سے اُس کے شہر سے ایک شخص کو سوار کر کے حج کرا دیں گے پس اگر نفقہ وصیت یہاں سے پورا نہ پڑتا ہو تو جہاں پورا پڑے وہاں سے حج کرا دیں گے اگر ایک شخص اپنے شہر سے حج کے واسطے نکلا اور راہ میں مر گیا اور وصیت کر گیا کہ میری طرف سے حج کرا دیا جائے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کے شہر سے حج کرایا جائے گا اور یہی قول زفرؒ کا ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک جہاں تک پہنچ گیا ہے استحساناً وہاں سے حج کرایا جائے گا اسی طرح اگر غیر کی طرف سے حج کرنے والا راہ میں مر گیا تو بھی ایسا ہی اختلاف ہے یہ کافی میں ہے۔

چھٹا باب ☆

اقارب، اہل بیت، پڑوسیوں، بنی فلاں اور یتیموں و موالی و شیعہ و اہل علم و حدیث وغیرہ کے حق میں وصیت کرنے کے بیان میں

امام ابو حنیفہؒ نے ایسی وصیت کے استحقاق میں چار شرطوں کا اعتبار کیا ہے ایک یہ کہ مستحق دو یا زیادہ ہوں دوم یہ کہ امام اقرب کا اعتبار کرتے ہیں چنانچہ اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد مجوب[1] ہوگا جیسا کہ میراث میں ہوتا ہے سوم یہ کہ موصی کا ذی رحم محرم ہو حتی کہ چچا کا بیٹا ایسی وصیت کا مستحق نہیں ہے اور چہارم یہ کہ ایسا نہ ہو کہ جو موصی کا وارث ہو سکے اور اس میں عورتیں و مرد سب یکساں ہیں کذا فی المحیط السرخسی اور نیز اس میں مسلمان و کافر مذکر و مونث و آزاد و غلام و صغیر و کبیر سب برابر ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک اُس کا ہر رشتہ دار برادری جو ماں باپ کی طرف سے اُس کی جانب منسوب ہے اس وصیت میں داخل ہوگا اور انتہا اِس کی اُس دادا یا نانا تک ہوگی جو اسلام میں اُس کا جد اعلیٰ ہے اور حق وصیت میں اقرب و ابعد و واحد و جماعت و کافر و مسلمان سب برابر ہوں گے پھر آیا جد[2] اعلیٰ کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے تو بعض نے فرمایا کہ شرط ہے اور بعض نے فرمایا نہیں شرط ہے لیکن یہ شرط ہے کہ اُس نے اسلام کا زمانہ پایا ہو اور بعد اسلام کے معروف ہو حتی کہ علوی نے اگر اپنے اہل قرابت کے واسطے وصیت کی تو جس نے اسلام کی شرط لگائی ہے وہ مال وصیت فقط اولاد علی رضی اللہ عنہ کی طرف صرف کرے گا اور اولاد ابو طالب کی طرف صرف نہ کرے گا اور جس نے اسلام کی شرط نہیں لگائی ہے وہ اولاد ابو طالب کی طرف بھی صرف کرے گا اُس میں اولاد عقیل و جعفر داخل ہوں گے اور اولاد عبد المطلب بالاجماع داخل نہ ہوں گے اس واسطے کہ عبد المطلب نے زمانہ اسلام نہیں پایا ہے اور نیز وارث بھی بالاجماع داخل نہ ہوگا یہ شرح زیادات عتابی میں

---

[1] مجب حرمان کی صورت میں نہ بجہت حرمان اور نہ بجہت نقصان ۱۲ [2] مثلاً اُس کا پرنانا و پردادا اسلام میں تھے تو اس وقت سے جس قدر اولاد و اولاد اولاد ہوتی ہیں سب داخل ہوں گی ۱۲ (۱) اگر وہ غلام معین کر دیا تو بندے کے واسطے بھی ہوگی ۱۲

ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک اگر قریب ایک ہو تو وہ نصف وصیت کا مستحق ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور جب ایسی وصیت میں والد و ولد داخل نہ ہوئے پس آیا دادا و نانا و پوتا و نانی وغیرہ داخل ہوں گے تو زیادات میں مذکور ہے کہ داخل ہوں گے اور اُس میں کوئی اختلاف ذکر نہیں فرمایا اور حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ یہ داخل نہ ہوں گے اور ایسا ہی امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے اور یہی صحیح ہے اور اگر ایک شخص نے دو چچا اور دو ماموں چھوڑے اور یہ لوگ اُس کے وارث نہیں ہیں مثلاً اُن کے ساتھ میت کا بیٹا بھی ہے تو مال وصیت ہر دو چچا کو ملے گا و دونوں ماموں محروم رہیں گے یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مال وصیت ہر دو چچا و ہر دو ماموں کے درمیان چار حصہ ہو کر تقسیم ہوگا اور اگر اُس کا ایک چچا ہو اور دو ماموں ہوں تو چچا کو تہائی کا نصف ملے گا اور باقی نصف ہر دو ماموں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک پوری تہائی ان سب میں تین حصہ ہو کر برابر تقسیم ہوگی اور اگر اُس کا ایک چچا ہو اور سوائے اُس کے اُس کا کوئی ذی رحم محرم نہ ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک تہائی کا نصف اُس کے چچا کو ملے گا اور نصف باقی وارثان موصی کو واپس دیا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک نصف باقی اُس کے ذی رحم غیر محرم کی طرف صرف کیا جائے گا یہ بدائع میں ہے اور اگر اُس نے ایک چچا و پھوپھی و ایک ماموں و خالہ چھوڑی تو مال وصیت چچا و پھوپھی کے درمیان برابر تقسیم ہوگا اس وجہ سے وہ دونوں کی قرابت یکساں ہیں یہ ہدایہ میں ہے اور اگر اُس نے اپنے ایک ذی قرابت یا ایک ذی رحم کے واسطے وصیت کی تو ایک ہی تمام مال کا مستحق ہوگا حتیٰ کہ اگر اُس نے چچا و ماموں چھوڑا تو چچا امام اعظمؒ کے نزدیک کل مال کا مستحق ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر وصیت واسطے قرابت کے ہو اور اہل قرابت اس قدر ہوں کہ شمار سے باہر ہوں تو مشائخؒ نے اس کے جواز میں اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ وصیت باطل ہے اور محمد بن سلمہؒ نے فرمایا کہ وصیت جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر اہل بیت کے واسطے وصیت کی تو جو شخص اُس کے باپ کی طرف سے اُس کی طرف منسوب ہو داخل ہوگا اور اعلیٰ باپ وہ قرار دیا جائے گا جو زمانہ اسلام میں ہو پس اُس باپ تک جتنے لوگ خاص باپ کی طرف سے اُس کی جانب منسوب ہوں سب داخل ہوں گے حتیٰ کہ اگر موصی علوی ہو تو اُس کی ایسی وصیت میں کل اولاد علی رضی اللہ عنہ جو باپ کی طرف سے اُس کی جانب منسوب ہو داخل ہوگی اور اگر عباسی ہو تو کل اولاد عباس جو باپ کی طرف سے منسوب ہو داخل ہوں گے خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث ہوں بشرطیکہ اُن کی نسبت باپ کی جانب سے ہو اور جس کی نسبت ماں کی جانب سے ہو ان میں سے کوئی داخل نہ ہوگا اسی طرح اگر اُس نے اپنے نسب یا اپنے حسب کے واسطے وصیت کی تو یہ وصیت بھی اُس کے اہل قرابت کے واسطے جو اسلام کے زمانہ میں انتہائی پدر کی طرف سے اُس کی جانب منسوب ہوں ہوگی حتیٰ کہ اگر اُس کے آباؤ اجداد اُس کے دین کے برخلاف غیر دین پر ہوں تو وہ بھی داخل ہوں گے اس واسطے کہ نسب وہ ہے کہ جو باپ کی طرف سے اُس کی جانب منسوب ہو نہ ماں کی طرف سے اور یہی حال حسب کا ہے چنانچہ اگر ہاشمی نے اپنی باندی سے نکاح کیا اور اُس سے اولاد ہوئی تو وہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوگی نہ ماں کی طرف و حسب اُس کے باپ کے اہل بیت ہیں نہ ماں کے پس ثابت ہوا کہ حسب و نسب باپ کے ساتھ مختص ہیں ان کا دخل نہیں ہے اسی طرح اگر جنس فلاں کے واسطے وصیت کی تو باپ کی اولاد مراد ہوگی اور اسی طرح حی فلاں سے بھی باپ کی اولاد مثل جنس کے مراد ہوگی اسی طرح آل فلاں کے واسطے وصیت کرنی بھی بمنزلہ اہل بیت فلاں کے ہے اور ایسی صورت میں اہل قرابت مادری میں سے کوئی داخل نہ ہوگا یہ بدائع میں ہے اور اگر عورت نے اپنی جنس یا اہل بیت کے واسطے وصیت کی تو اُس کا ولد داخل نہ ہوگا اس واسطے کہ اُس کا ولد اپنے باپ کی طرف منسوب ہے۔ نہ ماں کی طرف الا اُس صورت میں داخل ہو سکتا ہے کہ جب اُس کا شوہر اُس کے اہل قرابت میں سے ہو یہ شرح زیادات عتابی

میں ہے اور اگر اپنے تہائی مال کے واسطے اپنے اہل یا اہل فلاں کے وصیت کی تو یہ وصیت خاصۃً اُس کی زوجہ کے واسطے ہوگی اور کسی کے واسطے نہ ہوگی یہ قیاس ہے لیکن ہم نے استحساناً یہ حکم دیا ہے کہ اس وصیت میں وہ شخص داخل ہوگا جو اُس کے گھر میں رہتا ہے جس کا نفقہ اُس پر ہے اور اس کے ساتھ پرورش پاتا ہے لیکن اس وصیت میں اُس کے مملوک داخل نہ ہوں گے اور اگر دو شہروں یا دو بیتوں میں اُس کے اہل ہوں تو بسبب عموم لفظ کے سب داخل ہو جائیں گے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر اُس نے اپنے متفرق تین بھائیوں کے واسطے وصیت کی اور اُس کا ایک بیٹا موجود ہے تو بھائیوں کے واسطے وصیت جائز ہوگی اور تین حصہ برابر ہو کر تقسیم ہوگی اس واسطے کہ وہ لوگ بیٹے کے ہوتے ہوئے وارث نہ ہوں گے اور اگر دختر ہو تو فقط باپ کی طرف یا فقط ماں کی طرف [1] کے بھائی کے واسطے وصیت جائز ہوگی اور ماں و باپ دونوں کی طرف سے جو بھائی ہے اُس کے حق میں جائز نہ ہوگی اس واسطے کہ وہ دختر کے ساتھ بطور عصبہ وارث ہوگا اور اگر اُس کا بیٹا یا بیٹی نہ ہو تو پوری وصیت باپ کی طرف کے بھائی کے واسطے ہوگی اس واسطے کہ وہ وارث نہ ہوگا اور حقیقی و اخیائی بھائی کے حق میں باطل ہو جائے گی اس واسطے کہ یہ دونوں اُس کے وارث ہوں گے اور اگر عورت مرگئی اور اُس نے ایک شوہر چھوڑا اور ایک اجنبی کے واسطے نصف مال کی وصیت کی تو اجنبی کے واسطے اُس کا نصف مال ہوگا اور تہائی مال شوہر کو ملے گا اور چھٹا حصہ بیت المال میں داخل ہوگا اس واسطے کہ اجنبی پہلے تہائی مال بلا منازعت لے لے گا پھر دو تہائی مال جو باقی رہا اُس میں سے آدھا شوہر لے لے گا اور باقی رہا تہائی مال سو اُس میں سے اجنبی کی تمام وصیت پوری کر دی جائے گی پس چھٹا حصہ دے دیا جائے گا اور باقی ایک چھٹا حصہ بلا مستحق و وارث رہ گیا وہ بیت المال میں داخل ہوگا اور اگر عورت نے مال و شوہر چھوڑا اور اپنے قاتل کے واسطے نصف مال کی وصیت کی تو شوہر اُس کا نصف مال لے لے گا اس واسطے کہ قاتل کے حق میں جو وصیت ہوئی ہے اُس سے میراث مقدم ہے پھر باقی نصف مال کو قاتل موصی لہ سے لے گا اور بیت المال میں کچھ داخل نہ کیا جائے گا اور اگر عورت نے اپنے شوہر کے واسطے نصف مال کی وصیت کی اور دوسری کوئی وصیت نہیں کی ہے تو شوہر اُس کا سب مال لے لے گا یعنی نصف مال بحکم میراث اور نصف مال بحکم وصیت لے لے گا اور اگر ایک شخص مرگیا اور اُس نے اپنی بیوی چھوڑی کہ اُس کے سوائے اُس کا کوئی وارث نہیں ہے اور ایک اجنبی کے واسطے اپنے پورے مال کی وصیت کی اور اپنی بیوی کے واسطے اپنے تمام مال کی وصیت کی تو اجنبی تہائی مال کو بلا منازعت [2] لے لے گا اور بیوی کو باقی کی چوتھائی میراث ملے گی یعنی چھٹا حصہ کل مال کا پھر نصف مال باقی میں دونوں برابر شریک ہوں گے اور اگر کوئی عورت مرگئی اور اپنے پورے مال کی اپنے شوہر کے واسطے وصیت کی اور سوائے شوہر کے اُس کا کوئی وارث نہیں ہے اور ایک اجنبی کے واسطے بھی اپنے پورے مال کی وصیت کی یا دونوں میں سے ایک کے واسطے نصف مال کی وصیت کی تو پہلے اجنبی تہائی مال بلا منازعت لے لے گا باقی دو تہائی میں سے نصف مال یعنی ایک تہائی شوہر کو ملے گا اس واسطے کہ اجنبی کے واسطے وصیت بقدر تہائی کے میراث سے مقدم ہوتی ہے پھر باقی ایک تہائی مال تین حصے کیا جائے گا جس میں سے ایک حصہ اجنبی کو اور دو حصہ شوہر کو دے دیئے جائیں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنے تہائی مال کے واسطے اپنے اہل قرابت کے وغیر اہل قرابت کے وصیت کی تو فرمایا کہ یہ سب اہل قرابت کو دیا جائے گا اس میں سے وارثوں کو کچھ واپس نہ دیا جائے گا گویا اُس نے یوں کہا کہ واسطے اپنے اہل قرابت کے و بنی آدم کے وصیت کی اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اپنے برادروں کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی تو برادر میں وہ لوگ ہوں گے جو اُس کے برادران معروف ہیں اور اُس کی طرف منسوب ہیں اور اگر اپنے تہائی مال کی واسطے اپنے حشم کے وصیت کی تو حشم وہ لوگ

---

[1] یعنی ایک سگا بھائی دوسرا باپ کی طرف سے علاتی اور تیسرا فقط ماں کی طرف سے اخیافی ۱۲

[2] یعنی اُس میں کسی دوسرے کو جھگڑا کرنے کا موقع نہ ہوگا ۱۲

ہیں جن کی وہ شخص پرورش کرتا ہے اُس کے عیال میں ہیں اور اُن کو نفقہ دیتا ہے پس اس وصیت میں اُس کا ولد و والد و زوجہ اُس کی ام ولد باندیاں و مدبر و رقیق داخل نہ ہوں گے اور باقی اہل قرابت داخل ہوں گے۔ یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر اپنی قوم و عترت کے واسطے وصیت کی تو نہیں جائز ہے الّا اُس صورت میں کہ یوں کہے فقراء قرم یا فقراء عترت اور اس صورت میں بھی اُن کے مملوک داخل نہ ہوں گے اور اگر اپنے قدیمی لوگوں کے واسطے وصیت کی تو وہ لوگ ہوں گے جو تین سال سے اُس کے ساتھ ہیں کذا فی محیط السرخسی۔

قال المترجم ☆

خزانۃ المفتین میں ایک سال پر فتویٰ ہے اور فرمایا کہ اگر بنی فلاں کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو فلاں جس کا نام لیا ہے وہ ایک قبیلہ کا پدر اعلیٰ ہوگا جیسے بنی تمیم کا تمیم اور بنی اسد کا اسد ہے یا یہ فلاں شخص فقط پدر خاص ہوگا یعنی جماعت کثیر کا باپ نہ ہوگا اور واضح رہے کہ اس بات میں جو سب سے اوّل ہوتا ہے وہ شعب ہے بفتح شین معجمہ پھر قبیلہ ہے پھر عمارہ ہے پھر بطن ہے پھر فخذ ہے پھر نصب لہ ہے چنانچہ قریش کے واسطے مضر شعب ہے اور کنانہ قبیلہ ہے اور قریش عمارہ ہے اور قصی بطن ہے اور ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پردادا فخذ ہے اور عباس فصیل ہیں ایسا ہی شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے اور ان سب کا بیان ہے اس طرح ہے کہ اگر اُس نے بنی کنانہ کے واسطے وصیت کی حالانکہ کنانہ ایک قبیلہ کا پدر ہے تو اس وصیت میں اولاد مضر داخل نہ ہوں گے اور اولاد کنانہ فصیلہ تک داخل ہو جائیں گے بشرطیکہ وہ شمار میں ہوں اور اگر بنی قریش کے واسطے جو پدر عمارہ ہے وصیت کی تو وصیت میں اولاد کنانہ و مضر داخل نہ ہوں گی اور اولاد قریش و قصی و اولاد قصی ہاشم و عباس و اولاد ہاشم و عباس و اولاد عباس سب داخل ہو جائیں گی اور اگر اولاد قصی کے واسطے جو قریش میں سے ایک بطن ہے وصیت کی تو اولاد مضر و کنانہ و قریش سب داخل نہ ہوں گی اور جو ان سے نیچے ہیں وہ سب داخل ہوں گی اور اگر بنی ہاشم کے واسطے جو فخذ ہے وصیت کی تو جو ان سے اُوپر ہیں وہ داخل نہ ہوں گی اور جو ان سے نیچے ہیں مع اولاد فصیلہ سب داخل ہوں گی اور اگر بنی فصیلہ کے واسطے وصیت کی تو وصیت میں اولاد عباس و اولاد ابو طالب و اولاد علی کرم اللہ وجہہ داخل ہوں گی اور جو ان سے اوپر ہیں وہ داخل نہ ہوں گی اور جب یہ سب معلوم ہو چکا تو ہم اُس مسئلہ کی طرف جو ہم نے اوپر ذکر کر کے چھوڑا ہے توجہ کرتے ہیں یعنی جب کہ ایک شخص نے بنی فلاں کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی اور فلاں ایک قبیلہ کا پدر ہے اور اُس کی اولاد مذکر و مؤنث سب ہیں تو بالاجماع اُس کا تہائی مال ذکر و مؤنث سب اولاد میں برابر تقسیم ہوگا بشرطیکہ سب شمار میں داخل ہوں اور اگر اولاد سب مؤنث ہوں تو یہ صورت کتاب میں مذکور نہیں ہے اور مشائخ نے فرمایا کہ چاہئے کہ تہائی مال ان سب عورتوں کے واسطے ہو اور اگر سب مذکر ہوں تو سب تہائی مال کے مستحق ہوں گے اور اگر فلاں شخص پدر خاص ہو اور اُس کے اولاد ہو اور سب اولاد مذکر ہوں تو مال وصیت ان سبھی کا ہوگا اور اگر اولاد سب مؤنث ہوں تو اُن کو کچھ نہ ملے گا اور اگر اُس کی اولاد میں مذکر و مؤنث دونوں ہوں تو اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مال وصیت فقط اُس کی اولاد مذکر کو ملے گا مؤنث کو نہ ملے گا اور اگر فلاں مذکور کی اولاد صلبی نہ ہوں بلکہ اُس کی اولاد کی اولاد ہوں پس اگر اُس کی دختر کی اولاد ہوں تو وہ اس وصیت میں داخل نہ ہوں گے۔ اور یہ حکم اس وقت ہے کہ اُس نے بنی فلاں کے واسطے وصیت کی ہو اور اگر ولد فلاں کے واسطے وصیت کی ہو اور فلاں مذکور کی فقط لڑکیاں ہیں تو وصیت میں داخل ہو جائیں گی اور اگر فلاں کے لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو بالاجماع یہ سب مال وصیت کے مستحق ہوں گے اور مال وصیت ان سب کو برابر تقسیم کر دیا جائے گا مذکر کو مؤنث پر کچھ تفصیل نہ ہوگی اور فرمایا کہ اگر فلاں مذکور کی کوئی بیوی حاملہ ہو تو جو کچھ اُس کے پیٹ میں حمل ہے وہ بھی وصیت میں داخل ہو جائے گا اور اس وصیت میں اولاد کی اولاد شامل

نہ ہوگی اور یہ اس وقت ہے کہ فلاں مذکور پھر خاص ہو اور اگر پدر فخذ ہو تو اُس کے پشت کی اولاد ہوتے ہوئے بھی اُس کی اولاد کی اولاد شامل ہو جائے گی اور اگر فلاں مذکور کے فقط ایک ہی ولد ہو تو پورا مال وصیت اُسی کا ہوگا بخلاف اس کے اگر اولاد فلاں کے واسطے وصیت کی حالانکہ فلاں کا فقط ایک ولد ہے تو وہ نصف وصیت کا مستحق ہوگا اور اگر اولاد فلاں کے واسطے وصیت کی حالانکہ فلاں کی اولاد صلبی موجود نہیں ہے تو اُس کے پسرون کی اولاد اس وصیت میں شامل ہوگی اور دختروں کی اولاد کے شامل ہونے میں دو روایتیں مختلف ہیں یہ محیط میں ہے اور اگر وارثان فلاں کے واسطے وصیت کی تو مال وصیت ان سب میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ مذکر کو دو حصہ اور مؤنث کو ایک حصہ کے حساب سے دیا جائے[1] گا یہ ہدایہ میں ہے اور اگر وارثان فلاں کے واسطے وصیت کی تو اس وصیت میں لڑکوں کی اولاد داخل ہوگی اور لڑکیوں کی اولاد شامل ہونے میں دو روایتیں ہیں اور بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ اختلاف روایت بھی لڑکیوں کی مذکر اولاد کے شامل ہونے میں ہے اور لڑکیوں کی مؤنث اولاد کے باب میں ایک روایت واحدہ ہے کہ لڑکیوں کی لڑکیاں شامل نہ ہوں گی یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر بنات فلاں کے واسطے وصیت کی حالانکہ فلاں کے لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہیں تو وصیت خاصۃً لڑکیوں کے واسطے ہوگی اور اگر فلاں کے لڑکے ہوں اور لڑکوں کی اولاد لڑکیاں ہوں تو وصیت خاصۃً لڑکوں کی لڑکیوں کے واسطے ہوگی۔ اور اگر فلاں کی اولاد میں فقط لڑکیوں کی لڑکیاں ہوں تو وصیت میں شامل نہ ہوگی اور عامہ مشائخؒ کے نزدیک یہ حکم دو روایت مختلف میں سے ایک روایت کے موافق ہے اور بعض مشائخؒ کے نزدیک اس حکم میں ایک ہی روایت ہے یعنی اس پر اتفاق ہے کہ لڑکیوں کی لڑکیاں داخل نہ ہوں گی اور اگر موصی نے وصیت کے ساتھ کوئی ایسی بات بیان کی ہو جس سے معلوم ہو کہ اُس نے لڑکیوں کی لڑکیاں مراد لی ہیں مثلاً یوں کہا کہ فلاں شخص کے لڑکیاں ہیں اور اُن کی مائیں مرگئی ہیں پس میں نے اُس کی لڑکیوں کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی تو باتفاق الروایات لڑکیوں کی لڑکیاں شامل ہو جائیں گی اس میں مشائخؒ کے درمیان کچھ اختلاف نہیں ہے۔ اگر آبائے فلاں وفلاں کے واسطے وصیت کی حالانکہ اُن کے آباء و امہات موجود ہیں تو سب وصیت میں شامل ہوں گے اور اگر اُن کے آباء و امہات[2] نہ ہوں بلکہ فقط اجداد و جدات ہوں تو وہ وصیت میں داخل نہ ہوں گے اور اگر اکابر ولد فلاں کے واسطے وصیت کی اور فلاں شخص کے دو پسر ہیں ایک دس برس کا اور دوسرا بارہ برس کا ہے تو یہ منجملہ اکابر کے ہوگا اور اگر بنی فلاں کے واسطے وصیت کی اور فلاں پدر فخذ ہے یا بطن ہے یا قبیلہ ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں یا بنی فلاں شمار میں داخل ہوں گے یا بے شمار ہوں گے پس اگر شمار میں داخل ہوں تو وصیت صحیح ہوگی خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر ہوں اور اگر بے شمار ہوں پس اگر سب فقیر ہوں تو وصیت جائز ہوگی اور اگر غنی وفقیر دونوں ہوں اور ان میں سے جتنی غنی ہیں وہ بے شمار ہوں پہچان میں نہ آتے ہوں تو ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ وصیت باطل ہوگی یہ محیط میں ہے اور اگر کہا کہ میں نے اپنے تہائی مال کے واسطے بنی فلاں کے وصیت کی اور وہ پانچ ہیں۔ پھر ظاہر ہوا کہ وہ تین یا دو ہیں تو تہائی ان سب کو ملے گی اور اگر کہا کہ واسطے ہر دو پسر فلاں کے حالانکہ فقط فلاں کا ایک لڑکا ہے تو اُس کو تہائی میں سے نصف ملے گا اور اگر کہا کہ واسطے زید وعمرو دو پسر فلاں کے پھر ظاہر ہوا کہ اُس کا فقط ایک لڑکا ہے تو اُس کو تہائی مال پورا ملے گا اور اگر کہا کہ میں نے تہائی مال کے واسطے بنی فلاں کے اور وہ تین ہیں وصیت کی پھر معلوم ہوا کہ وہ پانچ ہیں تو وصیت ان میں سے تین کے واسطے ہوگی اور ان میں سے تین کے چھانٹنے کا اختیار وارثان موصی کو ہوگا اور اگر ان کے ساتھ کسی اجنبی دیگر کے واسطے وصیت کی ہو تو چوتھائی اُس کو ملے گی۔ اور اگر کہا کہ میں نے واسطے

---

[1] کیونکہ اصل وارث ذوی الفروض وعصبہ ہوتے ہیں پس یہی صورت اقویٰ ہوگی ۱۲ [2] آبا، جمع اب بمعنی باپ وامہات جمع ام بمعنی ماں اور اجداد جمع جد بمعنی دادا و نانا وجدات جمع جدہ بمعنی دادی و نانی ۱۲

بنی فلاں کے تہائی مال کی وصیت کی اور وہ پانچ ہیں اور واسطے زید کے تہائی مال کی وصیت کی پھر معلوم ہوا کہ فلاں شخص کے فقط تین لڑکے ہیں تو زید ان سب کے ساتھ حصہ چہارم کا شریک ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے زید کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور موصی کو خبر دی گی کہ اُس کا تہائی مال ہزار درم ہے یا اُس نے خود کہا کہ وہ یہ ہے پھر اُس کا تہائی مال اس سے زیادہ نکلا تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ زید کو اُس کے پورے مال سے تہائی ملے گی اور جو تعداد بیان کی گئی ہے وہ باطل ہے اور اُس کا غلطی کرنا مقدار وصیت میں نقصان نہ پیدا کرے گا کہ اُس نے حساب میں غلطی کی ہے اور یہ وصیت سے رجوع نہ ہوگا اور یہی امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور اگر کہا کہ میں نے اپنی تمام بکریوں کی وصیت کی اور وہ سو بکریاں ہیں پھر ظاہر ہوا کہ بکریاں زیادہ ہیں اور سب اُس کے مال سے برآمد ہوئی ہیں تو پوری بکریوں میں وصیت جائز ہوگی اور اگر کہا کہ میں نے زید کے واسطے اپنی بکریوں کی وصیت کی اور وہ یہ ہیں حالانکہ اُس کے پاس ان بکریوں کے سوائے اور بھی بکریاں ہیں تو قیاساً یہ بھی مثل اوّل کے ہے لیکن میں اس مقام پر قیاس کو ترک کرتا ہوں اور یہ حکم دیتا ہوں کہ موصی لہ کو انہیں بیان کردہ بکریوں میں سے بقدر تہائی مال کے ملیں گی۔ اور اگر کہا کہ میں نے زید کے واسطے اپنے رقیقوں کی وصیت کی اور وہ تین ہیں پھر ظاہر ہوا کہ وہ پانچ ہیں تو پانچوں تہائی مال سے وصیت قرار دیئے جائیں گے یہ بدائع میں ہے۔ ایک شخص نے اپنے تہائی مال کے واسطے شیعہ و محبین آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فلاں شہر میں مقیم ہیں وصیت کی تو شیخ ابو القاسم نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ بے شمار ہوں تو قیاساً وصیت باطل ہے لیکن استحساناً جائز ہے اور اُن میں سے جس قدر فقیر ہیں اُنہیں کے واسطے ہوگی یہ یتیموں پر قیاس ہے اور فرمایا کہ شیعہ وہ لوگ ہیں جو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف میلان رکھنے کے ساتھ معروف ہیں اور وہی اس نام سے موسوم ہیں نہ غیر اور یہی وہم موصی میں واقع ہوگا ایک شخص نے اپنے پڑوسیوں پر تہائی مال کی وصیت کی تو بعض نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ شمار میں داخل ہوں تو مال وصیت اُن میں سے فقیروں و تونگروں سب پر تقسیم کیا جائے گا اسی طرح اگر اہل مسجد فلاں کے واسطے وصیت کی تو بھی یہی حکم ہے اور اگر وصیت کی کہ میرا تہائی مال مجاوران مکہ کے واسطے نکالا جائے تو امام ابو نصیرؒ نے فرمایا کہ وصیت جائز ہے پس اگر وہ لوگ بے شمار ہوں تو اُن میں سے محتاجوں پر تقسیم کیا جائے گا اور اگر شمار میں ہوں تو سب افراد پر تقسیم ہوگا اور شمار کی تعریف امام ابو یوسفؒ سے اس طرح مروی ہے کہ اگر وہ لوگ بدون حساب و تحریر کے شمار نہ کئے جائیں تو بے شمار ہیں اور بشرؒ نے فرمایا کہ اس کے واسطے وقت نہیں ہے اور بعض نے فرمایا کہ اگر شمار کرنے والا ان کے شمار سے فارغ نہ ہونے پائے کہ اُن میں کوئی بچہ پیدا ہو جائے یا کوئی مردہ مر جائے تو وہ بے شمار کہلائیں گے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر وہ سو سے زیادہ ہوں تو بے شمار ہیں اور بعض نے فرمایا کہ یہ قاضی کی رائے پر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور آسان وہ قول ہے جو امام محمدؒ نے فرمایا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر یتیمان بنی فلاں کے واسطے وصیت کی اور یتاماں بنی فلاں شمار میں داخل ہیں تو وصیت صحیح ہوگی اور مال وصیت سب کو دیا جائے گا جیسے کہ اگر یتیماں این کوچہ یا یتیماں ابن دار کے واسطے وصیت کرنے کی صورت میں ہے اور اس میں غنی و فقیر سب برابر ہیں اور اگر یتیمانِ بنی فلاں بے شمار ہوں تو بھی وصیت جائز ہے مگر ان میں سے محتاجوں کو مال وصیت دیا جائے گا اور اگر اپنے تہائی مال کے واسطے ارامل[1] بنی فلاں کے وصیت کی اور ارامل بنی فلاں شمار میں ہیں یا بے شمار ہیں تو وصیت جائز ہے اور جب بہر حال وصیت جائز ہے پس اگر وہ شمار میں ہوں تو مال وصیت اُن سب افراد کو دیا جائے گا اور اگر بے شمار ہوں تو جہاں تک دسترس ہو اور معلوم ہو جائیں اُن کو تقسیم کیا جائے گا اور ادنیٰ مقدار امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک دو ہیں اور اگر واسطے اپنے پڑوسیوں یا فلاں کے پڑوسیوں کے وصیت کی حالانکہ پڑوسی داخل شمار نہیں ہیں تو وصیت باطل ہے۔

[1] ارامل جمع ارملہ بمعنی زن شوہر مردہ جس کو ہمارے عرف میں بیوہ و رانڈ بولتے ہیں ۱۲

اسی طرح اگر واسطے فلاں مسجد والوں یا فلاں قید خانہ والوں کے وصیت کی تو بھی یہی حکم ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر اپنی بیٹیوں کے شوہروں کے واسطے وصیت کی تو یہ شامل ہے کہ جب بیٹی اُس کی وقت موت کے زوجہ ہو اور نیز جو طلاق سے عدت میں ہو اور بائن کے شوہر کو شامل نہیں ہے اور یتیموں کے واسطے وصیت کرنے میں غنی و فقیر سب شامل ہیں بشرطیکہ داخل شمار ہوں ورنہ خاصۃً فقیر یتیموں کو تقسیم کیا جائے گا اور نیز اندھوں و لنجوں اور قرضداروں اور مسافروں کے واسطے جو راہ میں محتاج ہو گیا ہے اور قیدیوں و غازیوں و ارامل کے واسطے وصیت میں بھی اگر یہ لوگ داخل شمار ہوں تو غنی و فقیر سب کو شامل ہیں اور اگر بے شمار ہوں تو فقیروں کو تقسیم ہوگا قال ارامل جمع ارملہ وہ عورت ہے کہ بالغ ہو جانے کے بعد اُس سے مجامعت کی گئی ہو مگر اُس کا شوہر نہیں ہے۔ شباب وقتی پندرہ برس سے تیس یا چالیس برس تک ہے اِلّا اس صورت پر نہ ہوگا کہ اس سے پہلے اُس پر بڑھاپا غالب ہو جائے اور کہل تیس سے یا چالیس سے (۶۰) برس تک اِلّا صورت میں پہلے ہوگا کہ اس سے پہلے اُس پر بڑھاپا غالب ہو جائے اور شیخ پچاس برس سے ہوتا ہے غلام یعنی لڑکا پندرہ برس سے کم ہوتا ہے الا یہ کہ وہ اس سے پہلے محتلم ہو جائے تو بالغ ہو جائے گا اور عصب وہ ہوتا ہے جو اپنے باپ کی موت کے بعد باقی رہے اور نیز ورثہ بھی عقب ہیں یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر اپنے پڑوسیوں کے واسطے وصیت کی تو امام اعظمؒ و امام زفرؒ کے نزدیک بنا بر قیاس کے وہ لوگ ہیں جو موصی کے دار سے ملاصق ہوں اور استحسان کے موافق ہے اور یہی قول صاحبینؒ کا ہے کہ وصیت امام اُن لوگوں کو شامل ہوگی جو موصی کے محلہ میں رہتے ہیں اور مسجد محلہ اُن کا محل اجتماع ہو خواہ وہ مالک ہو یا کرایہ پر رہتا ہو مذکر ہو یا مؤنث ہو مسلمان ہو یا ذمی ہو صغیر ہو یا کبیر ہو سب برابر ہیں مگر غلاموں و باندیوں و مدبروں و ام ولدوں کو شامل نہیں ہے اور مکاتب اس وصیت میں داخل ہے ایسا ہی محیط و زیادات میں بلا ذکر اختلاف مذکور ہے یہ کافی میں ہے۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے ایک پڑوسی کے واسطے سو درم کی وصیت کی پھر اپنے پڑوسیوں کے واسطے تمام مال کی وصیت کی تو دیکھا جائے گا کہ جس قدر اس خاص پڑوسی کے حصہ میں پڑوسیوں کی وصیت میں آتا ہے پس اگر سو درم سے کم ہو تو اُس کو سو درم دیئے جائیں گے زیادہ کچھ نہ دیا جائے گا یعنی کمترا کثر کے ضمن میں داخل کیا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر بنی فلاں کے اندھوں کے واسطے وصیت کی یا لنجوں بنی فلاں کے واسطے وصیت کی پس اگر وہ لوگ داخل شمار ہوں تو وصیت مذکورہ اُن میں سے غنی و فقیر و مذکر و مؤنث سب کو شامل ہوگی اور اگر داخل شمار نہ ہوں تو شمار وصیت خاصۃً اُن میں سے فقیر محتاجوں کے واسطے ہوگی اور اگر شاہان بنی فلاں یا ایامی بنی فلاں یا ثیبات بنی فلاں یا ابکار بنی فلاں کے واسطے وصیت کی پس اگر یہ لوگ داخل شمار ہوں تو وصیت جائز ہوگی ورنہ نہیں اور اگر اپنے آزاد کئے ہوؤں کے وصیت کی تو وصیت باطل ہے اِلّا اس صورت میں جائز ہوگی کہ جب اپنی حیات میں ان کو بیان کر دے اور آزاد کئے ہوؤں کی وصیت میں جن کو اپنی صحت میں اور جن کو مرض میں آزاد کیا ہے سب داخل ہوں گے اور اُس کے مدبر و امہات اولاد داخل نہ ہوگی اور اگر اپنے غلام سے کہا ہو کہ اگر میں تجھے نہ ماروں تو تو آزاد ہے پھر اُس کے مارنے سے پہلے خود مر گیا تو وہ بھی وصیت میں داخل ہوگا اور اگر موصی ایک شخص عرب کا ہو اور اس نے اپنے موالی کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی تو وصیت صحیح ہوگی اور اس میں اسفل مع اپنی اولاد کے داخل ہوگا اور موالی موالات[!] و معتق (۱) المعتق اس میں داخل نہ ہوں گے اور اگر اُس کے موالی اور اولاد موالی نہ ہوں تو تہائی مال مذکور اُس کے موالی الموالی کو ملے گی یہ کافی میں ہے اور اگر اُس کے موالی میں سے جن کو اُس نے آزاد کیا ہے یا ان کی اولاد میں سے دو یا زیادہ رہے ہوں اور اُس کے آزاد کئے ہوؤں کے آزاد کئے ہوئے ہوں تو مال وصیت

! مولیٰ الموالات وہ شخص معروف النسب جس کو کسی مجہول النسب نے اپنا مولیٰ بنایا ہو بایں طور کہ کہا اگر میں مروں تو میری میراث تو لے اور اگر مجھ سے کوئی ایسی جنایت ہو جائے جس سے دیت لازم آئے تو اُس کو میری طرف سے تو ادا کرے اور وہ شخص قبول کرے ۱۲ (۱) یعنی آزاد کئے ہوئے کا آزاد کیا ہوا ۱۲

اوّل کے دونوں یا زیادہ کو ملے گا اور اگر موالی کے واسطے بلفظ جمع وصیت کی ہو حالانکہ اُس کے موالی یا اُس کی اولاد موالی میں سے کوئی نہ رہا ہو سوائے ایک کے تو اُس کو تہائی کا نصف ملے گا اور نصف دیگر وارثوں کو واپس کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اور اگر اس واسطے بنی فلاں کے مولاؤں کی وصیت کی اور فلاں پدر فخذ ہے اور موالی مذکور داخل شمار ہیں تو اُس میں آزاد کیا ہوا اور آزاد کئے ہوئے کا آزاد کیا ہوا اور جس کا عتق نہ مارنے پر معلق کیا ہے سب داخل ہوں گے اور مدبر وام ولد داخل نہ ہوں گے یہ کافی میں ہے فتاویٰ فضلی میں ہے کہ اگر اپنے موالی کے واسطے وصیت کی اور اس موصی کی ایک باندی تھی اُس کو اُس نے آزاد کر دیا تھا اور وہ ایک بچہ جنی تھی تو بچہ بھی وصیت میں داخل ہوگا بشرطیکہ اس بچہ کا باپ سوائے موصی کے دوسرے کا آزاد کردہ شدہ نہ ہو اور اگر بچہ کا باپ سوائے موصی کے دوسرے شخص عربی کا آزاد کیا ہوا ہو تو بچہ بلا خلاف وصیت میں شامل نہ ہوگا اور اگر بچہ کا باپ سوائے عرب کے کسی قوم کا آزاد کیا ہوا ہو تو امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک یہ بچہ مولایاں مادر کا آزاد کردہ شدہ قرار دیا جائے گا اور اس میں امام ابویوسفؒ نے اختلاف کیا ہے۔ اور اگر ایک شخص نے اپنے موالی کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی حالانکہ اُس کا کوئی مولیٰ آزاد کیا ہوا نہیں ہے اور نہ اس کے آزاد کئے ہوئے کی اولاد ہے اور نہ اس کے آزاد کئے ہوئے کے آزاد کئے ہوئے ہیں بلکہ اس کے باپ یا بیٹے کے موالی (۱) ہیں تو ان کو وصیت میں سے کچھ نہ ملے گا اور اگر موصی کا کوئی مولیٰ نہ ہو سوائے ایسے موالی کے جو اُس کے یا اُس کے باپ کے ہاتھ پر اسلام لائے ہوں تو تہائی مال وصیت اُنہیں کو ملے گا اور اگر ان کے ساتھ موصی کے آزاد کئے ہوں یا اُن کی اولاد ہوں تو قیاساً یہ دونوں فریق یکساں ہونے چاہئیں مگر استحساناً انہیں کو ملے گا مولی الموالات کو کچھ نہ ملے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اصہار (خسر) کے واسطے وصیت کرنا ☆

نوادر بشر میں امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی امہات اولاد کے واسطے وصیت کی اور اُس کے بعض امہات اولاد ایسے ہیں جو اُس کی زندگی میں آزاد ہو گئے ہیں اور بعض امہات اولاد ایسے ہیں جو اُس کی موت پر آزاد ہوئے ہیں تو وصیت خاصۃً انہیں امہات اولاد کے واسطے ہوگی جو اُس کے مرنے پر آزاد ہوئے ہیں اور اگر امہات اولاد وہی ہوں جو اُس کی زندگی میں آزاد ہو گئے ہیں تو مال وصیت اُن کو ملے گا اور اگر اُس نے اپنی امہات اولاد کے واسطے ہزار درم کی وصیت کی اور اپنی موالیات (۲) کے واسطے ہزار درم کی وصیت کی اور اُس کی امہات اولاد ایسی ہیں کہ اُس کی زندگی میں آزاد ہو گئی ہیں اور ان کے سوائے دوسری آزاد کی ہوئی باندیاں ہیں تو ہر فریق علیحدہ علیحدہ معتبر ہوں گے یہ محیط میں ہے اور اگر ایک شخص نے اپنے اصہار (۳) کے واسطے وصیت کی تو اُس کی بیوی کا جو شخص ذی رحم محرم ہو اس کے واسطے وصیت ہوگی اور نیز وصیت میں ہر وہ شخص داخل ہوگا جو اس کے باپ کی زوجہ یا ہر اُس کے ذی رحم محرم کی زوجہ کا ذی رحم محرم ہو اس واسطے کہ یہ سب اصہار ہیں اور وصیت میں وہی داخل ہوگا جو موصی کی موت کے روز اُس کا صہر[۱] ہو مثلاً اُس کی فوت کے وقت اُس کی بیوی منکوحہ ہو یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو اس واسطے کہ حالت موت کا اعتبار ہے حتی کہ اگر موصی مرا اور بیوی اس کے نکاح میں ہے یا طلاق رجعی کی عدت میں ہے تو صہر مستحق وصیت ہوگا اور اگر طلاق بائین یا تین طلاقوں کی عدت میں ہو تو صہر مستحق وصیت نہ ہوگا اور اگر اپنے اختان (۴) کے واسطے وصیت کی تو جو عورت موصی کی ذات رحم محرم ہو ہر ایک کے شوہر کو شامل ہے چنانچہ بیٹیوں و بہنوں و خالاؤں و پھوپھیوں کے شوہروں کو شامل ہے اور نیز ان کے ازواج میں سے ہر ذی رحم محرم کو شامل ہے ایسا ہی امام محمدؒ نے ذکر کیا ہے اس واسطے کہ ہر ختن کہلاتا ہے یہ کافی میں ہے اور ہمارے

۱؎ یعنی قرابت مصاہرت رکھتا ہے جس کو ہمارے عرف میں سرالی رشتہ بولتے ہیں ۱۲ (۱) آزاد کردہ شدگان ۱۲

(۲) باندیاں آزاد کردہ شدہ ۱۲ (۳) جمع صہر بمعنی خسر مراد ہے کہ جو کتاب میں مذکور ہے ۱۲ (۴) جمع ختن بمعنی داماد ۱۲

مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ بنابر عرف اہل کوفہ کے ہے اور باقی شہروں میں یہ عرف ہے کہ ختن اُس کو کہتے ہیں جو دختر یا ذی رحم محرم کا شوہر ہو اور ازواج میں سے ذی رحم محرم پر اطلاق نہیں کیا جاتا ہے اور حکم کا اعتبار عرف پر ہے۔ یہ محیط میں ہے اور موصی کی عورتوں کی طرف سے ختن نہ ہوگا مراد یہ ہے کہ اگر موصی کی بیوی کے دوسرے شوہر سے کوئی لڑکی ہو تو اُس کا شوہر موصی کا ختن نہ ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر اپنے تہائی مال کی فقراء بنی فلاں کے واسطے وصیت کی حالانکہ وہ لوگ داخل شمار نہیں ہے تو اُن کو موالی (۱) اور موالی (۲) اموالی اور موالے (۳) الموالات و خلفا و عدید (۴) سب شامل ہو جائیں گے پس جہاں تک ممکن ہوگا اور قابو پائے گا اُن سب پر برابر تقسیم کر دے گا۔ حلیف وہ ہے جس نے کسی قوم سے موالات کی اور کہا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں اور اس پر قسم کھائی اور وہ لوگ اُس کے واسطے اموالات پر قسم کھائیں۔ عدید وہ ہے جو بلا قسم آن میں شمار ہو جائے اور اگر سب مال ان میں سے ایک ہی کو دے دیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دو یا زیادہ کو دے گا اور اگر فلاں مذکور پدر خاص ہو پدر قبیلہ یا فخذ نہ ہو تو تہائی مال مذکور اُس کے پشت کے لڑکوں کو ملے گا اور مولیٰ داخل نہ ہوگا اور نیز خلیف بھی وصیت میں داخل نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور شیخ ابو جعفرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے وصیت کی تو ذکر فرمایا کہ ابو نصیر بن یحییٰؒ فرماتے تھے کہ یہ وصیت امام حسن و امام حسین علیہما السلام کی اولاد کے واسطے ہوئی ان دونوں کے سوائے دوسرے کے واسطے نہ ہوگی اور رہے عمری سو داخل وصیت ہوں گے یا نہیں پس فرمایا کہ دیکھا جائے کہ جو حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہو اور ان دونوں سے متصل ہو وہ اس وصیت میں داخل ہوگا اور جو ان دونوں کی طرف منسوب نہ ہو اور نہ متصل ہو اس وصیت میں داخل نہ ہوگا اور اگر علویہ کے واسطے وصیت کی تو فقیہ ابو جعفر سے منقول ہے کہ نہیں جائز ہے اس واسطے کہ وہ بے شمار ہیں اور اس امر میں ایسی کوئی دلالت نہیں ہے جو فقط فقر و حاجت پر واقع ہو یعنی فقراء علویہ محتاجین کے واسطے وصیت ہو حتیٰ کہ جائز ہو جائے اور اگر فقراء علویہ کے واسطے وصیت کی تو جائز ہے علیٰ ہذا القیاس اگر فقہاء کے واسطے وصیت کی تو جائز نہیں ہے اور فقیر فقہاء کے واسطے وصیت کی تو جائز ہے یہ اسی طرح اگر طالب علموں کے واسطے وصیت کی تو نہیں جائز ہے اور اگر محتاج طالب علموں کے واسطے وصیت کی تو جائز ہے اور امام شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ قاضی امام فرماتے تھے کہ علیٰ ہذا القیاس اگر طالبعلمان شہر فلاں کے واسطے یا طالبعلمان علم فلاں کے واسطے وصیت کی تو جائز ہے اور اگر وصی نے فقیر طالبعلموں یا علمویوں میں سے ایک کو دے دیا تو جائز ہے یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جب تک دو یا زیادہ کو نہ دے جائز نہیں ہے اور اگر دو یا زیادہ کو دے تو جائز ہے۔ اور اگر فقیر فقہاء کے واسطے وصیت کی تو فقیہ ابو جعفرؒ سے منقول ہے کہ ہمارے نزدیک فقیہ وہ ہے کہ فقہ میں انتہا درجہ تک پہنچ گیا ہو اور فقہ سیکھنے والا فقیہ نہیں ہے اور اُس کو وصیت میں سے حصہ نہ ملے گا اور اگر شہر فلاں کے اہل علم کے واسطے وصیت کی تو اس میں اہل فقہ و اہل حدیث سب داخل ہوں گے اور جو شخص فلسفہ کی باتیں بیان کرتا ہے وہ داخل نہ ہوگا اور آیا متکلمین داخل ہوں گے یا نہیں سو اس مسئلہ کا صریح ذکر کتابوں میں نہیں ہے اور شیخ ابو القاسم سے مروی ہے کہ کتب (۵) کلام کتب علم نہیں ہے یعنی عرف میں ان کو کتب علم نہیں بولتے ہیں اور فہم کی طرف متبادر نہیں ہے پس مطلق کتابوں کی تحت میں داخل نہ ہوں گی اور اس مسئلہ کے قیاس پر مسئلہ وصیت میں متکلمین داخل نہ ہوں گے اور اگر اپنے تہائی مال کے واسطے طالبان علم حدیث کے فلاں شہر میں ایسے مدرسہ میں جو مدرسہ حدیث مشہور ہے علم فقہ سیکھنے کو جاتے ہیں اُن میں سے محتاجوں کے لیے

(۱) آزاد کردہ ۱۲ (۲) آزاد کردہ کا آزاد کردہ ۱۲ (۳) ایمان لا کر موالات کی ہے ۱۲ (۴) بلا سوگند جو کسی میں شمار ہو ۱۲

(۵) یعنی کتابوں کا حکم مذکور ہے اور اسی سے نکاح کا حکم ہے ۱۲ منہ

وصیت کی تو یہ وصیت شافعی مذہب والوں کے واسطے جو فقہ سیکھنے کو ایسے مدرسہ میں جاتے ہیں جو اُن کی طرف منسوب ہے کچھ مفید نہیں ہے جب کہ وہ لوگ منجملہ اصحاب حدیث کے نہ ہوں تو یہ وصیت خواہ مخواہ شافعی مذہب[1] والوں کو شامل نہ ہوگی بلکہ ہر ایسے شخص کو شامل ہوگی جو احادیث پڑھتا ہے اور احادیث کی سماعت کرتا ہے اور اسی کی طلب میں سرگرم ہے خواہ وہ شافعی ہو یا حنفی ہو یا کوئی دوسرا ہو اور جو شافعی مذہب ہو لیکن وہ احادیث نہ پڑھتا ہو اور نہ سنتا ہو اور اُس کی طلب میں ہو تو اصحاب حدیث کا لفظ اُس کو فقط شافعی مذہب ہونے کی وجہ سے شامل نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے واسطے فلاں و واسطے بنی تمیم کے وصیت کی تو فرمایا کہ کل مال فلاں کو ملے گا اور بنی تمیم کے واسطے کچھ نہ ہوگا جب کہ وہ لوگ بے شمار ہوں اس واسطے کہ یہ ایسا ہو گیا کہ گویا اُس نے کہا کہ واسطے فلاں کے اور واسطے موتی[(1)] کے حالانکہ موتی کے واسطے وصیت باطل ہے اور اگر کہا کہ میرا تہائی واسطے فلاں کے و واسطے ایک مرد کے مسلمانوں میں سے وصیت ہے تو تہائی سے فقط نصف اُس فلاں کو ملے گا اور باقی وارثوں کو واپس دیا جائے گا اسی طرح اگر کہا کہ واسطے فلاں کے اور واسطے دس مسلمانوں کے تو بھی گیارہ جزوں میں سے ایک جزو فلاں شخص کو دیا جائے گا اور مسلمانوں کو کچھ نہ دیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ساتواں باب ☆

سکنیٰ و خدمت و ثمر و کرایہ غلامان و حاصلات باغات و زمین وغیرہ اور جانورانِ سواری کی سواری وغیرہ کی وصیت کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ خدمت رقیق و سکنیٰ دار و کرایہ غلامان مکانات و حاصلات اراضی و باغات کی وصیت ہمارے علماء کے قول کے موافق جائز ہے اور جب خدمت رقیق کی وصیت جائز ہوئی تو ہم کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے زید کے واسطے اپنے غلام کی ایک سال تک خدمت کرنے کی وصیت کی اور سوائے اس کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو سال معین ہوگا مثلاً کہا کہ میں نے سال (۴۷۰ھ) اس غلام کے خدمت کی زید کے واسطے وصیت کی یا غیر معین ہوگا مثلاً سال کی تعیین نہ کی کہ فلاں سال پھر ہر ایک صورت میں دو صورتیں ہیں کہ یہ غلام یا تو موصی کے تہائی مال سے برآمد ہوتا ہوگا یا نہ ہوتا ہوگا پس اگر زید کے واسطے غلام مذکور کے خدمت کی سال معین میں وصیت کی پس اگر موصی کی موت سے پہلے یہ سال معین گذر گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اگر موصی[2] کے مرنے کے وقت میں اِس سال میں سے کسی قدر گذر گیا تھا مثلاً چھ مہینہ گذرے تھے اور چھ مہینے باقی تھے یا موصی اس سال سے پہلے مر گیا پھر اُس کے مرنے کے بعد یہ سال آیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر یہ غلام اُس کے تہائی مال سے برآمد ہوتا ہو یا برآمد نہ ہوتا ہو لیکن وارثوں نے اجازت دے دی تو غلام مذکور موصی لہ کو دیا جائے گا تا کہ وہ اپنی وصیت پوری حاصل کر لے لیکن اگر سال میں سے چھ مہینے باقی رہے ہوں تو فقط چھ مہینہ تک خدمت لے گا کہ وہی اُس کی پوری وصیت ہے اور اگر موصی اس سال معین سے پہلے مر گیا ہو تو موصی لہ اُس سے پورا سال بھر خدمت لے گا اور اگر غلام مذکور اُس کے تہائی مال سے برآمد نہ ہوتا ہو اور نہ وارثوں نے اجازت دی تو غلام مذکور اس تمام سال معین تک ایک روز موصی لہ کی خدمت کرے گا اور دو روز وارثوں کی خدمت کرے گا یہاں تک کہ جب سال معین گذر جائے تو غلام مذکور وارثوں کے سپرد کیا جائے گا۔ یہ اس وقت ہے کہ سال معین ہو اور اگر سال غیر معین ہو پس اگر غلام مذکور اُس کے تہائی مال سے برآمد ہوتا ہو یا برآمد نہ ہوتا ہو تو لیکن وارثوں نے اجازت دے دی تو غلام مذکور موصی لہ کو دیا جائے گا کہ وہ ایک سال کامل

[1] یہ دفع داخل اس واسطے ہے کہ عرف میں شافعی لوگ اصحاب حدیث مشہور ہیں ۱۲ [2] وصیت کرنے والا شخص (۱) موتی جمع میت یعنی مردگان ۱۲

اُس سے خدمت لے کر وارثوں کو واپس دے گا اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی اور غلام موصی کے تہائی مال سے برآمد نہیں ہوتا ہے تو غلام مذکور تین سال تک ایک روز موصی لہ کی خدمت کرے گا اور دو روز تک وارثوں کی خدمت کرے گا پھر جب تین سال پورے ہو جائیں تو وصیت خدمت پوری ہو جائے گی اور واجب یہ ہے کہ جس سال موصی مرا ہے اُسی سال سے اس طرح وصیت کا حساب شروع ہو اور جو حکم ایک سال تک غلام کی خدمت کی وصیت میں معلوم ہوا ہے اسی طرح ایک سال کے کرایہ یا سکونت دار کی وصیت میں بھی حکم ہے کہ سال معین ہو گا یا نہ ہو گا آخر تک اُسی تفصیل سے جو خدمت میں بیان ہوئی ہے یہ محیط میں ہے اور اگر زید کے واسطے اپنے غلام کی خدمت کی اور عمرو کے واسطے اُس کے رقبہ[1] کی وصیت کی اور غلام مذکور اُس کا تہائی مال ہے تو اُس کا رقبہ عمرو کا ہو گا اور زید کے واسطے اُس پر خدمت واجب ہو گی یہ ہدایہ میں ہے۔

اگر وصیت کی کہ میری طرف سے ایام حج میں ایک مہینہ تک فی سبیل اللہ پانی پلایا جائے ☆

اگر وصیت خدمت مطلقہ ہو یعنی وقت کی مقدار سال یا دو سال وغیرہ کچھ بیان نہ کی ہو تو خدمت موصی لہ کے واسطے موصی لہ کی موت تک اس منفعت کا استحقاق ثابت ہو گا پھر اگر غلام کے رقبہ کی کسی شخص کے واسطے وصیت ہو تو بعد موت موصی لہ بخدمت کے وہ غلام موصی لہ برقبہ کو دیا جائے گا اور اگر نہ ہو تو وارثوں کی طرف واپس ہو گا اور اگر زید کے واسطے کرایہ دار یا غلام کی وصیت کی پھر زید نے چاہا کہ میں خود اس دار میں رہوں یا خود غلام سے خدمت لیا کروں پس آیا اُس کو یہ اختیار ہے یا نہیں سو اس مسئلہ کو اصل میں ذکر نہیں فرمایا ہے اور مشائخ نے اُس میں اختلاف کیا ہے ابوبکر اعمش نے فرمایا کہ اُس کو یہ اختیار نہیں ہے اور یہی صحیح ہے یہ بدائع میں ہے۔ اور اگر زید کے واسطے ایک سال تک اپنے دار کی سکونت کی وصیت کی اور سوائے اس دار کے موصی کا کچھ مال نہیں ہے تو زید اس میں سے تہائی دار میں رہے گا اور وارث لوگ دو تہائی میں رہیں گے اور وارثوں کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ دو تہائی دار جو اُن کے قبضہ میں ہے اُس کو فروخت کر دیں اور جس شخص کے واسطے سکونت دار یا خدمت غلام کی وصیت ہو اُس کو ہمارے نزدیک یہ اختیار نہ ہو گا کہ ان دونوں کو کرایہ پر چلائے اور اُس کو یہ بھی اختیار نہ ہو گا کہ غلام کو کوفہ میں سے باہر لے جائے لیکن اگر موصی لہ کے اہل و عیال کوفہ کے سوائے بغداد وغیرہ دوسرے شہر میں ہوں تو خدمت کے واسطے غلام مذکور کو باہر لے جائے گا بشرطیکہ غلام مذکور موصی کا تہائی مال ہو یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر موصی لہ و وارثوں نے دار کو بطور محایات زمانی کے تقسیم کر لیا تو بھی جائز ہے اس واسطے کہ حق اُنہیں کا ہے لیکن طریقہ اوّل اولیٰ ہے اس واسطے کہ اُس میں انصاف زیادہ ہے یہ کافی میں ہے ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا بیت فلاں شخص کو عاریت دیا جائے تو یہ باطل ہے اسی طرح اگر یہ وصیت کی کہ میری طرف سے ایام حج میں ایک مہینہ تک فی سبیل اللہ پانی پلایا جائے تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک باطل ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں نے فلاں کے چوپاؤں کے واسطے اس بھوسہ کی وصیت کی تو باطل ہے اور اگر کہا کہ یہ فلاں شخص کے چوپاؤں کو کھلایا جائے تو وصیت جائز ہو گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ منتقی میں بروایت معلیٰؒ از امام ابو یوسفؒ مروی ہے کہ اگر ایک شخص کے واسطے اپنے دار کے سکونت کی وصیت کی اور اس کا کچھ وقت مقرر نہیں کیا تو جب تک موصی لہ زندہ رہے تب تک کے واسطے ہو گا اور امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ اگر زید کے واسطے اپنے اس غلام کے کرایہ کی وصیت کی اور مدت مقرر نہ کی تو اگر غلام مذکور اُس کا تہائی مال ہے تو موصی لہ کو اپنی زندگی تک اس کا کرایہ ملے گا اگرچہ مقدار تہائی مال سے زائد ہو جائے اسی طرح حاصلات باغ و سکونت دار و خدمت غلام کی وصیت میں بھی ایسی صورت میں یہی حکم ہے اور یہی امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور نوادر بشر میں امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر زید کے واسطے اپنے غلام کی خدمت یا دار کی سکونت کی وصیت کی تو جائز ہے

[1] یعنی اُس کی ذات کی ملکیت کی وصیت کی ۱۲ (۱) یعنی مثلاً دو ماہ موصی لہ چار ماہ وارث رہیں ۱۲

اور غلام موصی لہ اُس سے خدمت لے گا اُس کا مولیٰ نہیں لے سکتا ہے اور غلام موصی لہ اُس دار میں رہے گا اُس کا مولیٰ نہیں رہ سکتا ہے پھر اگر غلام موصی لہ مر گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اگر فروخت کیا گیا یا آزاد کیا گیا تو اس کی وصیت اُس کے ساتھ جائے گی۔ نوادر بن سماعہ میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا غلام زید کی خدمت کرے یہاں تک کہ زید مستغنیٰ ہو جائے پس اگر زید صغیر ہو تو غلام مذکور اُس کی خدمت کرے گا یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور اگر بالغ فقیر ہو تو یہاں تک خدمت کرے گا کہ وہ ایک خادم کا ثمن پا جائے جو اُس کی خدمت کرے اور اگر بالغ غنی ہو تو وصیت باطل ہے یہ محیط میں ہے اور جس شخص کے واسطے سکونت دار و خدمت غلام کی وصیت ہے اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دار و غلام کو کرایہ پر چلائے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر زید کے واسطے اپنے باغ کے غلہ کی وصیت کی تو زید کو جو غلہ اس وقت موجود ہے وہ ملے گا اور جو آئندہ[1] پیدا ہو وہ ملے گا[2] یہ کافی میں ہے اور اگر زید کے واسطے اپنے باغ کے پھلوں کی وصیت کی تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو کہا کہ ہمیشہ کے واسطے یا یہ نہ کہا پس اگر یہ لفظ نہ کہا ہو تو اس میں پھر دو صورتیں ہیں اگر موصی کی موت کے وقت اُس میں پھل موجود ہوں تو موصی لہ کو یہ پھل اُس کے تہائی مال سے ملیں گے اور آئندہ موصی لہ کی موت تک جو پھل پیدا ہوں وہ موصی لہ کو نہ ملیں گے بشرطیکہ باغ اُس کا تہائی مال ہو یہ اُس وقت ہے کہ موصی کی موت کے وقت اُس میں پھل موجود ہوں اور اگر نہ ہوں تو قیاس یہ ہے کہ وصیت باطل ہو جائے اور جو پھل بعد موت کے پیدا ہوں اُن کی طرف وصیت منصرف نہ ہو لیکن استحساناً یہ حکم ہے کہ وصیت باطل نہ ہوگی بلکہ بعد موت موصی کے جو پھل باغ میں موصی لہ کی موت تک پیدا ہوں سب موصی لہ کے ہوں گے بشرطیکہ باغ اُس کا تہائی مال ہو اور یہ اس وقت ہے کہ موصی نے ہمیشہ کے واسطے صریح بیان نہ کیا ہو اور اگر یوں کہا کہ میں نے زید کے واسطے ہمیشہ کے لیے اپنے باغ کے پھلوں کی وصیت کی تو باغ میں جو پھل بعد موت موصی کے موجود ہوں اور جو اس کے بعد پیدا ہوں سب موصی لہ کو ملیں گے اور منتقی میں ہے کہ اگر ایک شخص کے واسطے ہمیشہ کے لیے اپنے باغ کے حاصلات کی وصیت کی پھر باغ مذکور میں درخت خرما کی جڑ پھوٹی اور ایک درخت ہو گیا اور اس میں پھل آئے تو اُس کی پیداوار بھی وصیت میں داخل ہوگی اور اگر کسی شخص کے واسطے اپنے باغ کی تہائی حاصلات کی ہمیشہ کے واسطے وصیت کر دی حالانکہ موصی کا اس کے سوائے کچھ مال نہیں ہے تو جائز ہے اور اگر موصی لہ نے وارثوں کے ساتھ بٹائی کر لی پھر جو درخت موصی لہ کے حصہ میں پڑے اُن میں پھل آئے اور جو وارثوں کے حصہ میں پڑے ہیں ان میں پھل نہ آئے یا درخت وارثوں کے حصہ میں پڑے ہیں اُن میں پھل آئے اور جو موصی لہ کے حصہ میں پڑے ہیں اُن میں پھل نہ آئے تو موصی لہ پیداوار میں وارثوں کا شریک ہو جائے گا اور وارث لوگ بھی اس کے شریک ہو سکتے ہیں اور فرمایا کہ وارثوں کو اختیار ہے کہ اپنا دو تہائی حق فروخت کر دیں پس مشتری موصی لہ کا شریک ہو جائے گا بخلاف اُس کے اگر وارثوں نے سب باغ فروخت کیا تو تہائی کی بیع جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر کرایہ دار کی وصیت ہو تو موصی لہ کو تہائی کرایہ ملتا رہے گا اور وارثوں کو اختیار نہ ہوگا کہ موصی لہ سے بٹائی کر لیں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ شاید بٹائی کرنے کے بعد وہ کرایہ پر نہ اُٹھے پس اُس کو کچھ نہ ملے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وارثوں کو اختیار ہے کہ بٹائی کر لیں پس موصی لہ کے واسطے تہائی الگ کر دیا جائے گا پس اگر اس میں سے کرایہ آیا تو موصی لہ کا ہوگا اور اگر نہ آیا تو اُس کو کچھ نہ ملے گا۔ اور وارثان کو اختیار ہے کہ اپنا دو تہائی حق تقسیم سے پہلے یا اُس کے بعد فروخت کر دیں اور اگر ایک شخص نے دوسرے کے واسطے اپنے زمین کے حاصلات کی وصیت کی حالانکہ اُس زمین درخت و درختان خرما کچھ نہیں ہیں اور اس کے سوائے اُس کا کچھ مال نہیں ہے تو وہ زمین کرایہ پر دی جائے گی پس موصی لہ کو تہائی کرایہ دے دیا جائے گا اور اگر اُس میں درختان خرما و اشجار ہوں تو موصی لہ

(۱) جب تک کے واسطے وصیت ہو ۱۲ (۲) بشرطیکہ اُس کا باغ تہائی مال ہو ۱۲

کو درختان خرما و اشجار کی تہائی حاصلات دی جائے گی اور وہ زمین آدھی یا تہائی کی بٹائی پر نہ دی جائے گی اگرچہ کاشتکار و عامل کی طرف سے بیج ہونے کی صورت میں یہ بھی اجارہ ہوتا ہے اور اگر وصیت کی کہ میری زمین شروع فلاں سال سے اتنے برسوں کے واسطے ہر سال ایک کُر گیہوں کے عوض اُجرت پر دی جائے[1] اور یہی زمین اُس کا مال ہے تو اُس کی اجرت کو دیکھا جائے گا اگر اُس کی اُجرت مثل اسی قدر ہو جس قدر اُس نے پوتہ مقرر کیا ہے تو اُس وصیت کی تنفیذ واجب ہوگی اور اگر پوتہ مقررہ اُس کے اجرالمثل[1] سے کم ہو پس کمی کو دیکھا جائے گا اگر مقدار کمی جو محابات ہے اُس کے تہائی مال سے برآمد ہوتی ہو تو بھی یہ وصیت نافذ کی جائے گی اور اگر مقدار محابات اُس کے تہائی مال سے برآمد نہ ہوتی ہو تو موصی لہ سے کہا جائے گا کہ اگر تو اس زمین کو کرایہ پر لینا چاہتا ہے تو دو تہائی اجرالمثل پورا کر دے پس اگر وہ پورا کرنے پر راضی ہوا تو زمین اُس کو کرایہ پر دی جائے گی اور اگر اُس نے پورا نہ کیا تو نہ دی جائے گی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے زید کے واسطے ہمیشہ کے لیے اپنی بکریوں کے بال کی یا بکریوں کے بچوں کی یا بکریوں کے دودھ کی وصیت کی پھر مر گیا تو جس دن موصی مرا ہے اُس دن جس قدر صوف ان بکریوں پر ہو یا جس قدر دودھ اُن کے تھنوں میں ہو یا جو بچہ اُن کے پیٹوں میں ہوں سب موصی لہ کے ہوں گے خواہ موصی نے ہمیشہ کے واسطے کہا ہو یا نہ کہا ہو یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے زید کے واسطے اپنے باغ کے حاصلات کی وصیت کی پھر زید نے وارثان میت سے وہ باغ خرید لیا تو جائز ہے اور وصیت باطل ہو جائے گی اسی طرح اگر وارثوں نے فروخت نہ کیا بلکہ اس بات پر باہم رضامند ہوئے کہ موصی لہ کو اس قدر دے دیں بدین شرط کہ وہ حاصلات وصیت ہم کو دے دے اور اُس سے بالکل لادعویٰ ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے اسی طرح سکونت دار و خدمت غلام کی وصیت سے بھی صلح کر لینا جائز ہے اگرچہ ان حقوق کی بیع جائز نہیں ہے اور اگر اپنے دار کے کرایہ کی یا غلام کی کمائی کی مسکینوں کو دینے کے واسطے وصیت کی تو اُس کے تہائی مال سے جائز ہے اور اگر اپنے دار کی سکونت یا اپنے غلام کی خدمت یا اپنے جانوران سواری کی مسکینوں کے واسطے وصیت کی تو وصیت جائز نہیں ہے لیکن اُس صورت میں جائز ہوگی جب موصی لہ کو معلوم ہو یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا باغ انگور تین سال تک مسکینوں کے واسطے چھوڑ دیا جائے پھر مر گیا اور اس وقت سے تین سال تک اُس کے باغ مذکور میں کچھ پیداوار نہیں ہوئی تو بعض نے فرمایا کہ وصیت باطل ہو جائے گی اور بعض نے فرمایا کہ اگر یہ باغ اُس کے تہائی مال سے برآمد ہوتا ہو تو جب تک تین سال تک اس کا غلہ صدقہ نہ کیا جائے تب تک موقوف رکھا جائے گا اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ یہ قول ہمارے اصحاب کے قول کے موافق ہے۔ اگر اپنے باغ انگور کے حاصلات کی کسی شخص کے واسطے وصیت کی تو حاصلات میں قوائم و اوراق و ایندھن و پھل سب داخل ہیں یہ محیط سرخسی میں ہے۔

ایک شخص نے اپنے تن کے کپڑوں کی کسی شخص کے واسطے وصیت کی تو جائز ہے اور موصی لہ کو اُس کے جبہ و قمیص و چادریں کندھے کی و پائجامہ و اکسہ[2] سب ملیں گی اور ٹوپیاں و موزے اور جوارب نہ ملیں گی اس واسطے کہ یہ جامہائے[2] بدن نہیں ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ تم لوگ اس کپڑے کو صدقہ کر دینا تو وارثوں کو اختیار ہے چاہیں اس کو فروخت کر کے اُس کا ثمن صدقہ کریں یا اُس کی قیمت صدقہ کر دیں اور کپڑا رہنے دیں۔ زید نے اپنے وصی سے کہا کہ (دہ یتیم را جامہ کن) یعنی دس یتیم کو کپڑے بنوا دینا پس وصی نے ہر یتیم کو کپڑا اس قدر دے دیا کہ جس سے وہ ایک جامہ بنوا سکتا ہے پس اگر کپڑے کے ساتھ درزی کی سلائی دے دی تو جائز ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور عیون میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے زید کے واسطے اپنے درختوں کے پھل

---

[1] یعنی جو ایسے شخص کی مزدوری ملتی ہو اُس کے مثل ۱۲ [2] قال المترجم یہ ان کا عرف ہے اور ہماری زبان میں خلاف ہونا چاہئے واللہ اعلم ۱۲

(۱) یعنی فلاں شخص معین کو ۱۲ (۲) چادر اوڑھنے کی ۱۲

کی جو پختہ ہو گئے ہیں یا کھیتی کی جو تیار ہو گئی ہے مگر کاٹی نہیں گئی ہے وصیت کی تو اُس کا خراج موصی لہ پر ہوگا اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ اگر اپنے درختوں کے پھلوں کی جو درخت پر لگے ہیں اور پختہ ہیں یا کھیتی کی جو پکی کھڑی ہے وصیت کی تو اُس کا خراج موصی لہ پر ہوگا اور اگر پھل توڑ لئے گئے یا کھیتی کاٹ لی گئی پھر زید کے واسطے اُس کی وصیت کر دی تو خراج موصی پر ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر اس جراب[1] ہروی کی وصیت کی تو موصی لہ کو جراب مع اُس کے جو اُس میں ہے ملے گی اور اسی طرح زنبیل خرما بھی یہی حکم ہے اور اگر گون کے گیہوؤں کی کسی کے واسطے وصیت کی تو موصی لہ کو گون نہ ملے گی اور اگر زید کے واسطے سیلہ (۱) زعفران کی وصیت کی تو وصیت میں زعفران داخل ہوگی نہ سبلہ اور شہد و گھی و روغن زیتون کی وصیت میں مشک جس میں بھرے ہیں وہ داخل نہ ہوں گے اور یہ چیزیں داخل ہوں گی یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر کسی کے واسطے تلوار کی وصیت کی تو اُس کو تلوار مع نیام و پرتلے کے ملے گی اور اگر کسی کے واسطے زین کی وصیت کی تو موصی لہ کو زین مع توابع کے ملے گی یعنی نمدہ و زیادہ[2] دومچی اور کابین و دوال[3] یہ ظاہر الروایہ کے موافق ہے اور اگر زید کے واسطے مصحف کی وصیت کی اور مصحف کا غلاف ہے تو امام ابو یوسفؒ کے قول کے موافق اُس کو فقط مصحف ملے گا نہ غلاف اور یہی امام اعظمؒ کا قول ہے ایسا ہی قدوری نے ذکر کیا ہے اور اگر اُس کے واسطے قبہ کی وصیت کی تو قبہ مع اُس کی لکڑیوں کے ملے گا اور اگر اُس کے واسطے قبہ ترکی کی وصیت کی جس کو فارسی میں خرگاہ کہتے ہیں تو اُس کو قبہ مع نمدون کے ملے گا اور اگر حجلہ کی وصیت کی تو اُس کو اُس کا کپڑا ملے گا اور لکڑیاں نہ ملیں گی یہ بدائع میں ہے۔

وصیت کی کہ میری باندی فلاں شخص کے ہاتھ ہزار درم کو فروخت کی جائے پھر وہ بعد موصی کے بچہ جنی ☆

اگر ایک مقلہ سرکہ کی وصیت کی تو مقلہ مع سرکہ کے ملے گا اور اگر دار چار پایاں کی وصیت کی تو دار کی وصیت ہوگی نہ دواب کی اسی طرح اگر کہا کہ اناج کی کشتی تو اناج کی وصیت ہے نہ کشتی کی یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر زید کے واسطے ترازو کی وصیت کی تو یہ عمود ہر دو پلہ و دو پریوں کی وصیت ہے اور اس میں بانٹ اور علاق داخل نہ ہوں گے اور یہ اس وقت ہے کہ ترازو وغیرہ معین ہو اور اگر معین ہو تو یہ بھی داخل ہو جائیں گے ابراہیمؒ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص مر گیا اور اپنا غلام آزاد کیا اور کہا کہ میرا لباس اس کے واسطے ہے تو فرمایا کہ اُس کو میت کے دونوں موزے اور ٹوپی اور قمیص و ازار و پائجامہ ملے گا اور اس وصیت میں اُس کی تلوار اور پیٹی داخل نہ ہوگی اور اگر کہا ہو کہ میری متاع اس کے واسطے ہے تو یہ بھی داخل ہوگی اور نوادر بشر میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے زید کے واسطے اپنی بکریوں میں سے ایک بکری کی وصیت کی اور یہ نہ کہا کہ میری ان بکریوں میں سے پھر وارثوں نے موصی لہ کو ایسی بکری دی جو موصی کے مرنے کے بعد بچہ جنی ہے تو فرمایا کہ اُس کی بکری کا بچہ اُس کے ساتھ نہ دیا جائے گا اور اگر کہا کہ میں نے زید کے واسطے اپنی ان بکریوں میں سے ایک بکری کی وصیت کی پھر وارثوں نے اُس کو ایسی بکری دی جو بعد موت موصی کے بچہ جنی ہے تو فرمایا کہ اُس کا بچہ اُس کے تابع ہوگا یعنی بچہ بھی دیا جائے گا اور اگر وارث نے اُس بچہ کو قبل اس کے کہ اُس کی ماں کو موصی لہ کے دینے کے واسطے معین کرے تلف کیا ہو تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اسی طرح اگر زید کے واسطے ایک درخت خرما کی مع اُس کی جڑ کے وصیت کی اور یہ نہ کہا کہ میرے ان درختان خرما میں سے تو اس کا حکم بھی مثل بکری کے ہے جس کی وصیت (۲) کی تھی پس وارثوں کو اختیار ہوگا کہ جو درخت خرما چاہیں بدون اُس کے ان پھلوں کے جو بعد وفات موصی کے اُس درخت پر آتے ہیں دے دیں اور اگر وارثوں نے ان پھلوں کو تلف کر دیا ہو تو ضامن نہ ہوں گے۔ اور اگر وصیت کی کہ میری موت کے بعد میری یہ باندی آزاد کی جائے پھر

[1] جراب ہروی ہرات کے کپڑوں کی گٹھری ۱۲ منہ [2] نکتہ وغیرہ جو لوازمات میں سے ہے ۱۲ [3] جس کو ہمارے طرف میں تسمہ کہتے ہیں ۱۲

(۱) ظرف جس میں ایسی چیز رکھتے ہیں ۱۲ (۲) یعنی بدون اُس کے ہے کہ ان بکریوں میں سے ایک بکری ۱۲

مر گیا پس قبل اس کے کہ وہ آزاد کی جائے بچہ جنی اور وہ باندی مع بچہ کے اُس کے تہائی مال سے برآمد ہوتی ہے تو باندی آزاد کی جائے گی اور بچہ آزاد نہ کیا جائے گا اسی طرح اگر وصیت کی کہ میری یہ باندی مکاتب کی جائے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر یہ وصیت کی کہ میری موت کے بعد یہ باندی اسی کے ہاتھ فروخت کی جائے یا مال لے کر آزاد کی جائے پھر بعد موت موصی کے وہ بچہ جنی تو بچہ میں وصیت نافذ نہ کی جائے گی اور اگر یہ وصیت کی کہ میری یہ باندی مسکینوں کو صدقہ کر دی جائے یا فلاں شخص کو صدقہ میں دی جائے یا فلاں شخص کو ہبہ کی جائے پھر بعد موت موصی کے وہ بچہ جنی تو مثل باندی کے بچہ میں بھی وصیت نافذ کی جائے گی۔ اور اگر وصیت کی کہ میری باندی فلاں شخص کے ہاتھ ہزار درم کو فروخت کی جائے پھر وہ بعد موصی کے بچہ جنی تو باندی مذکور فروخت کی جائے گی اور اُس کا بچہ فروخت نہ کیا جائے گا اور اگر یہ وصیت کی کہ میری یہ باندی فروخت کر کے اِس کا ثمن مسکینوں کو یا فلاں شخص کو صدقہ دیا جائے پھر اُس کی موت کے بعد باندی مذکور بچہ جنی تو بچہ میں بھی وصیت نافذ کی جائے گی اور اگر وصیت کی کہ میری یہ باندی فلاں شخص کے ہاتھ ہزار درم میں فروخت کی جائے پھر ایک غلام نے اُس کو قتل کیا اور اس جرم کے عوض قاتل دے دیا گیا یا باندی مذکور کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور اس کے جرم میں دے دیا گیا یا کسی وطی کرنے والے نے اُس سے شبہہ سے وطی کی حتیٰ کہ اس کا عقر تاوان دیا تو غلام مدفوع مال ارش یا عقر فروخت نہ کیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا کہ اگر وہ باندی قتل ہوئی ہے تو محل وصیت فوت ہونے کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی اور اگر اس کا ہاتھ کاٹا گیا ہو تو موصی لہ کے ہاتھ اگر وہ چاہے تو نصف ثمن کے عوض فروخت کی جائے گی اور اگر اُس کے ساتھ وطی کی گئی حالانکہ وہ باکرہ تھی تو بھی ثمن میں سے بقدر نقصان بکارت کے کم کیا جائے گا اور اگر اُس سے وطی کی گئی حالانکہ وہ ثیبہ تھی کہ وطی سے اُس میں کچھ نقصان نہ آیا تو ثمن میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا اسی طرح اگر اُس کی آنکھ یا ہاتھ کسی آسمانی آفت سے جاتا رہا تو بھی پورے ثمن کے عوض اگر موصی لہ چاہے تو فروخت کی جائے گی اور اگر وصیت کی کہ میری یہ باندی ہزار درم کے عوض فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کی جائے اور اُس کا ثمن مسکینوں کو صدقہ کر دیا جائے پھر فلاں شخص نے خریدنے سے انکار کیا تو دونوں وصیتیں باطل ہو جائیں گی اسی طرح اگر موصی کی موت کے بعد باندی قتل کی گئی اور قاتل نے اُس کی قیمت تاوان دی تو بھی دونوں وصیتیں باطل ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر وصیت کی کہ میری یہ باندی بعد میرے مکاتب کی جائے اور اُس کا بدل کتابت صدقہ کیا جائے یا باندی خود اُسی کے ہاتھ فروخت کی جائے اور اُس کا ثمن صدقہ کیا جائے پس باندی نے کتابت کی وصیت یا بیع کی وصیت قبول کرنے کو رد کیا تو دونوں وصیتیں باطل ہو جائیں گی اور اگر وصیت کی کہ میری باندی نسمہ[1] فروخت کی جائے اور اُس کا ثمن مسکینوں پر صدقہ کر دیا جائے پھر بعد موت موصی کے وہ بچہ جنی تو خالی باندی نسمہ فروخت کی جائے گی اس کے ساتھ اُس کا بچہ فروخت نہ کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر زید کے واسطے اپنے غلام کی ایک سال خدمت کی اور عمرو کے واسطے دو برس تک اُس کی خدمت کی وصیت کی اور وارثوں نے اجازت نہ دی تو وارثوں کے واسطے چھ روز تک خدمت کرے گا اور تین روز تک دونوں موصی لہ کے واسطے کہ ایک روز زید کے واسطے اور دو روز عمرو کے واسطے خدمت کرے گا یہاں تک کہ نو برس گذر جائیں اور اگر موصی لہ نے سال معین کر دیا ہو کہ زید کے واسطے فلاں سنہ سال اور عمرو کے فلاں فلاں سال تو پہلے سال میں چار روز وارثوں کے واسطے اور دو روز دونوں موصی لہ کے واسطے خدمت کرے گا اور دوسرے سال میں وارثوں کے واسطے دو روز اور عمرو کے واسطے ایک روز خدمت کرے گا اور اگر کہا کہ میں نے زید کے واسطے اس باندی کی اور عمرو کے واسطے اس کے حمل کی وصیت کی یا اس دار کی زید کے واسطے اور اس کی عمارت کی عمرو کے واسطے وصیت کی یا اس انگوٹھی کی زید کے واسطے اور اُس کے نگینہ کی عمرو کے واسطے وصیت کی یا اس زنبیل کی زید کے واسطے اور جو اُس میں خرمے ہیں

[1] ذات شخص پر اطلاق اُس کا ہوتا ہے۱۲

اُن کی عمرو کے واسطے وصیت کی پس اگر بکلام متصل دونوں کے واسطے وصیت کی تو ہر ایک کو وہ چیز ملے گی جس کی اُس کے واسطے وصیت کی ہے اور اگر بکلام منفصل بیان کیا تو بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں جزوں میں سے جو اصل ہے اُس کی وصیت جس کے نام ہے وہ خاصۃً اس اصل کو لے لے گا اور جو چیز تابع ہے اُس میں دونوں شریک ہوں گے یہ کافی میں ہے اور اگر اس غلام کی زید کے واسطے اور اُس کی خدمت کی عمرو کے واسطے یا اس دار کی فلاں کے واسطے اور اُس کی سکونت کی عمرو کے واسطے یا اس شجر کی فلاں کے واسطے اور اُس کے ثمر کی عمرو کے واسطے یا اس بکری کی زید کے واسطے اور اُس کے صوف کی عمرو کے واسطے وصیت کی تو دونوں میں سے ہر ایک کو وہ چیز ـ گی جس کی اُس کے واسطے وصیت کی ہے اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے خواہ بکلام موصول وصیت کی ہو یا بکلام فضول وصیت کی ہو اور اگر ان مسائل میں پہلے توابع کی وصیت کی پھر اصول کی وصیت کی بایں طور کہ خدمت غلام کی زید کے واسطے پھر غلام کی عمرو کے واسطے یا سکونت دار کی زید کے واسطے پھر دار کی عمرو کے واسطے یا پھلوں کی زید کے واسطے پھر درخت کی عمرو کے واسطے وصیت کی پس اگر بکلام موصول وصیت کی تو دونوں میں سے ہر ایک کو وہ چیز ملے گی جس کی اُن کے واسطے وصیت کی ہے اور اگر بکلام مفصول وصیت کی تو اصل اُس کو جس کے واسطے اصل کی وصیت کی ہے اور تابع میں دونوں مساوی شریک ہوں گے اور اگر غلام کی زید کے واسطے پھر اُس کی خدمـ ـی عمرو کے واسطے پھر عمرو کے واسطے بعد غلام کی خدمت کی غلام کی وصیت کی یا اپنی انگوٹھی کی زید کے واسطے پھر اُس کے نگینہ کی عمرو کے واسطے پھر عمرو کے واسطے بعد نگینہ کی وصیت کے انگوٹھی کی وصیت کی یا باندی کی زید کے واسطے پھر اُس کے بچہ کی عمرو کے واسطے پھر عمرو کے واسطے بعد بچہ کی وصیت کے باندی کی وصیت کی تو اصل و تابع دونوں میں نصفا نصف ہوں گے یعنی نصف غلام زید کا اور نصف عمرو کا ہوگا اور غلام کی نصف خدمت واسطے زید کے اور نصف خدمت واسطے عمرو کے ہوگی اسی طرح باندی مع بچہ اور انگوٹھی مع نگینہ میں بھی یہی حکم ہے اور اگر ان مسائل میں عمرو کے واسطے نصف غلام کی وصیت کی ہو تو غلام تین حصہ ہو کر دو حصے زید کو اور ایک حصہ عمرو کو دیا جائے گا اور عمرو کو اُس کی نصف خدمت ملے گی اور ابن سماعہ نے ذکر کیا کہ امام ابو یوسفؒ نے اس سے رجوع کیا ہے اور فرمایا کہ اگر ایک شخص نے زید کے واسطے اپنے غلام کی اور عمرو کے واسطے اُس کی خدمت کی وصیت کی پھر عمرو کے واسطے غلام کی وصیت کی تو غلام دونوں میں نصفا نصف ہوگا اور اُس کی پوری خدمت فقط عمرو کے واسطے ہوگی اور فرمایا کہ اگر زید کے واسطے باندی کی جو اُس کا تہائی مال ہے وصیت کی اور عمرو کے واسطے جو اُس کے پیٹ میں ہے اُس کی وصیت کی پھر عمرو کے واسطے باندی کی بھی وصیت کی تو باندی دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہوگی اور بچہ پورا عمرو کا ہوگا اُس میں زید شریک نہ ہوگا اور اگر اپنے دار کی زید کے واسطے اور اس میں سے ایک بیت معین کی عمرو کے واسطے وصیت کی تو بیت مذکور دونوں میں حصہ رسد تقسیم ہوگا اسی طرح اگر ہزار درم معین کی زید کے واسطے اور اس میں سے سو درم کی عمرو کے واسطے وصیت کی تو نو سو درم زید کے ہوں گے اور سو درم میں دونوں نصفا نصف کے شریک ہوں گے اور اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ اختلاف کیفیت تقسیم میں ہے پس امام اعظمؒ کے نزدیک بطریق منازعت[1] تقسیم ہوں گے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بطریق مضاربت تقسیم ہوں گے اور اگر دار کے بیت معین کی زید کے واسطے اور عمارت دار کی عمرو کے واسطے وصیت کی تو عمارت دونوں میں حصہ رسد تقسیم ہوگی یہ بدائع میں ہے۔ اگر ایسے غلام نے جس کی خدمت کی زید کے واسطے اور اُس کے رقبہ کی عمرو کے واسطے وصیت کی گئی ہے کوئی جنایت کی تو اُس کا فدیہ زید کی

---

[1] قال المترجم یعنی نو سو درم میں کچھ نزاع نہیں ہے وہ زید کو دیئے جائیں گے اور سو درم میں زید و عمرو کا منازعہ ہے اور منازعت برابر ہے پس برابر تقسیم ہوں گے اور مضاربت کی یہ صورت ہے کہ ہر ایک اپنے پورے حق کے واسطے محل نزاع میں شریک کیا جائے گا چنانچہ نو سو درم میں زید اپنے باقی حق کے واسطے یعنی ہزار درم میں سے نو سو کم کر کے باقی سو درم کے واسطے اور عمرو اپنے پورے حق سو درم کے واسطے شریک کیا جائے گا اور چونکہ دونوں کا حق برابر ہے اس واسطے باقی سو درم دونوں میں برابر تقسیم ہوں گے اُن کا مال واحد ہے اور کیفیت تقسیم میں اختلاف ہے ۱۲

طرف ہوگا پس اگر فدیہ دے دیا تو موافق وصیت کے اُس سے خدمت لے گا اس لئے کہ زید نے اُس کو جنایت سے پاک کرلیا اور اگر زید مر گیا تو وصیت ٹوٹ جائے گی پھر عمرو سے کہا جائے گا کہ وارثان زید کو یہ فدیہ دے دے تاکہ وہ وارث جنایت کو ادا کرے پس اگر عمرو نے اس سے انکار کیا تو غلام اس کے واسطے واجب کیا جائے گا اور یہ مال غلام کی گردن پر بمنزلہ قرضہ کے ہوگا اور اگر زید نے ابتدا سے فدیہ دینے سے انکار کیا تو اُس پر مجبور نہ کیا جائے گا اور عمرو سے کہا جائے گا کہ اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے اور دونوں باتوں میں سے جو بات اُس نے اختیار کر کے پوری کی تو زید کے واسطے جو وصیت ہے وہ باطل ہو جائے گی اور اگر غلام نے جنایت نہ کی بلکہ اُس کو کسی شخص نے قتل کیا تو قاتل کی مددگار برادری پر اُس کی قیمت واجب ہوگی جس کے عوض دوسرا غلام خرید کیا جائے گا جس سے زید اپنی خدمت لے گا اور اگر قاتل نے اس کو عمداً قتل کیا تو قصاص نہ ہوگا الا اُس صورت میں کہ زید و عمرو دونوں قصاص لینے پر اتفاق کریں اور اگر دونوں نے اختلاف کیا تو قصاص لینا متعذر ہو جائے گا پس مال قاتل سے قیمت واجب ہوگی جس کے عوض غلام دیگر خرید کیا جائے گا جو بجائے مقتول کے زید کی خدمت کرے گا اور اگر کسی نے اُس کی آنکھیں پھوڑ دیں یا دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے تو یہ غلام اُس مجرم کو دیا جائے گا اور اُس سے غلام تندرست کی قیمت لے لی جائے گی اور اُس کے عوض دوسرا غلام بجائے اُس کے خریدا جائے گا اور اگر اُس کی آنکھ پھوڑ دی یا ہاتھ کاٹا گیا یا موضحہ زخم پہنچایا گیا اور قاطع مجرم نے اس کا ارش ادا کیا پس اگر اس جنایت سے خدمت میں نقصان آتا ہو تو ارش کے عوض دوسرا غلام خریدا جائے گا جو اوّل کے ساتھ زید کی خدمت کرے گا یا غلام فروخت کر کے اُس کا ثمن اس ارش میں ملا کر دوسرا غلام خریدا جائے گا تاکہ اوّل کے قائم مقام ہو لیکن یہ اس وقت ہوگا جب دونوں اس پر اتفاق کریں اور اگر دونوں نے اختلاف کیا تو فروخت نہ کیا جائے گا بلکہ ارش کے عوض دوسرا غلام خریدا جائے گا اور اگر ارش کے عوض کوئی غلام نہ ملتا ہو تو ارش متوقف رکھا جائے گا یہاں تک کہ دونوں باہم صلح و اتفاق کریں پس اگر دونوں نے اس امر پر صلح کی کہ ارش کو نصفا نصف بانٹ لیں تو میں اجازت دوں گا کہ دونوں میں تقسیم کیا جائے اور اگر جنایت سے خدمت میں کچھ نقصان نہ آتا ہو تو اُس کا ارش عمرو کا ہوگا اور جو غلام کو ہبہ کیا جائے یا صدقہ دیا جائے یا وہ خود کمائے وہ سب عمرو کا ہوگا اور اگر بجائے غلام کے باندی ہو تو باندی جو اولاد جنی وہ عمرو کی ہوگی اور غلام کا کھانا و کپڑا زید کے ذمہ ہوگا۔ اور اگر غلام صغیر کی خدمت کی زید کے واسطے اور رقبہ غلام مذکور کی عمرو کے واسطے وصیت کی حالانکہ غلام مذکور اُس کا تہائی مال ہے تو جب تک وہ بالغ ہو کر لائق خدمت نہ ہو تب تک اُس کو نفقہ عمرو پر ہوگا اور جب سے وہ خدمت کے لائق ہو جائے تب سے اُس کا نفقہ زید پر ہوگا اور اگر عمرو کے واسطے اپنے جانور سواری کی وصیت کا اور اُس کا سواری و منفعت حاصل کرنے کی زید کے واسطے وصیت کی تو یہ بھی مثل غلام کے ہے کیونکہ فی المعنی دونوں یکساں ہیں یہ مبسوط میں ہے۔

ایک شخص کا کل مال تین غلام ہیں پس اُس نے ایک غلام کی زید کے واسطے وصیت کی اور قیمت اُس کی تین سو درم ہیں اور دوسرے کی خدمت کی عمرو کے واسطے وصیت کی اور اُس کی قیمت پانچ سو درم ہیں اور تیسرے غلام کی قیمت ہزار درم ہیں تو ہر ایک کے واسطے تین چوتھائی وصیت جائز ہوگی چنانچہ زید کو اُس کی وصیت کا غلام تین چوتھائی دیا جائے گا اور عمرو کے واسطے تین روز اُس کا غلام خدمت کرے گا اور دو[1] روز وارثوں[(1)] کی خدمت کرے گا اس وجہ سے کہ وصیتیں تہائی سے تجاوز کر گئیں کیونکہ تہائی فقط چھ سو درم ہیں اور وصیت کے آٹھ سو درم ہوتے ہیں پس تہائی مال وصیتوں کا تین چوتھائی ہوا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر خدمت کا موصیٰ لہ مر گیا تو جس کے واسطے رقبہ غلام کی وصیت ہے وہ غلام پورا لے لے گا اسی طرح اگر وہ غلام مر گیا جو خدمت کرتا تھا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر

مترجم کہتا ہے کہ اصل نسخہ میں یوں ہی ہے اور میرے نزدیک صحیح ایک روز ہے ۱۲ (۱) مترجم کے نزدیک ایک روز صحیح ہے ۱۲

غلاموں کی قیمت برابر[1] ہو تو خدمت کے موصی لہ کو نصف خدمت اور صاحب رقبہ کو دوسرے غلام کا نصف رقبہ ملے گا اور اگر اُس نے زید کے واسطے سب غلاموں کے رقبہ کی وصیت کی اور عمرو کے واسطے ان میں سے ایک غلام کی خدمت کی وصیت کی تو زید فقط ایک غلام کے قیمت کی مقدار پر شریک کیا جائے گا اور عمرو بحساب دوسرے کی قیمت کے شریک کیا جائے گا پس یہ صورت مثل اوّل کے ہو جائے گی یہ امام اعظمؒ کا قول ہے بنابریں کہ وصیت بمال عین جب تہائی سے زائد ہو جائے تو در صورت وارثوں کی اجازت نہ دینے کے از راہ شرکت واز راہ استحقاق دونوں راہ سے باطل ہوتی ہے اور اگر یہ سب غلام موصی کے تہائی مال سے برآمد ہوتے ہوں تو زید کو سب غلام جن کے رقبہ کی اُس کے لیے وصیت کی ہے ملیں گے اور عمرو کو اس کی وصیت ملے گی کیونکہ محل وصیت میں گنجائش ہے اور ایک غلام میں زید کے واسطے وصیت رقبہ اور عمرو کے واسطے خدمت مجتمع ہو جائے گی پھر جب عمرو مر جائے تو وہ زید کی طرف (۱) رجوع کرے گا اور موصی کا کچھ مال سوائے ان غلاموں کے نہ ہو پھر اُس نے ہر ایک غلام کے تہائی کی زید کے واسطے وصیت کی اور ایک معین غلام کی عمرو کے واسطے وصیت کی تو تہائی دونوں میں پانچ حصے ہو کر تقسیم ہو گی پس عمرو کو تہائی کے پانچ حصوں میں سے تین حصے ملیں گے پس غلام مذکور تین روز عمرو کی خدمت کرے گا اور دو روز وارثوں کی خدمت کرے گا پس زید کے واسطے باقی دو غلاموں سے دو پانچویں حصے یعنی ہر غلام میں سے پانچواں حصہ رقبہ ملے گا اور اگر اُس نے زید کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور غلاموں میں سے ایک غلام معین کی عمرو کے واسطے وصیت کی اور سوائے ان غلاموں کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے تو تہائی دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہو گی اور اگر زید کے واسطے اپنے غلام کی خدمت کی اور عمرو کے واسطے اُس کی کمائی کی وصیت کی اور وہ غلام تہائی مال سے برآمد ہوتا ہے تو وہ غلام ایک مہینہ زید کی خدمت کرے گا اور اُس کا کھانا زید پر ہو گا اور ایک مہینہ عمرو کے واسطے کمائی کرے گا اور اُس کا کھانا عمرو پر ہو گا اور اُس کا کپڑا دونوں پر نصفا نصف ہو گا اور اگر اُس غلام نے کوئی جنایت کی تو دونوں سے کہا جائے گا کہ دونوں اس کا فدیہ دو پس اگر دونوں نے اُس کا فدیہ دیا بدستور سابق حالت باقی رہے گی اور اگر دونوں نے فدیہ سے انکار کیا اور وارثوں نے اُس کا فدیہ دیا تو دونوں کی وصیت باطل ہو جائے گی یہ مبسوط میں ہے۔

اور اگر زید کے واسطے اپنے غلام کی کمائی میں سے ماہواری ایک درم کی وصیت کی اور عمرو کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی حالانکہ سوائے اس غلام کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک تہائی غلام دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہو گا اور اُس کا کرایہ رکھ چھوڑا جائے گا جس میں سے ماہواری ایک درم موافق وصیت کے زید کو دیا جائے گا اور رقبہ کے چار سہام وارثوں کو دیئے جائیں گے پھر اگر زید مر گیا اور کرایہ میں سے کچھ باقی ہے تو وہ عمرو کو دے دیا جائے گا اسی طرح جس قدر کرایہ غلام محبوس رکھا گیا ہے وہ بھی عمرو کو دے دیا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک تہائی کے چار حصے ہوں گے جس میں سے زید پورے کے تین سہام کا اور عمرو تہائی کے ایک سہام کا شریک کیا جائے گا اور اگر زید کے واسطے اپنے دار کے کرایہ کی اور عمرو کے واسطے اپنے غلام کی اور بکر کے واسطے کپڑے کی وصیت کی تو اس مسئلہ (۲) میں دو صورتیں ہیں کہ یا یہ چیزیں سب اُس کے تہائی مال سے برآمد ہوں گی یا نہ ہوں گی پس اگر تہائی سے برآمد ہوں تو ہر موصی لہ کے واسطے جس چیز کی وصیت کی وہ اُس کو لے لے گا اور اگر تہائی مال سے برآمد نہ ہوں لیکن وارثوں نے اجازت دے دی تو بھی یہی حکم ہے اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو ہر موصی لہ بقدر اپنے حق کے شریک کیا جائے گا لیکن اگر کسی کی وصیت تہائی سے زائد ہو تو تہائی کے مقدار سے زائد کے حساب سے شریک نہ کیا جائے گا یہ امام اعظمؒ کا قول (۳) ہے اور

---

[1] مراد یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کی قیمت چار سو درم ہو اور یہ مراد نہیں ہے کہ جو قیمت ہو مساوی ہو ۱۲ منہ

(۱) یعنی اس کا رقبہ ہے اسی کی خدمت بھی کرے گا ۱۲ (۲) پس سب چار حصے ہوئے اوّل کو ایک درم کو تین ۱۲ منہ

(۳) اور صاحبینؒ کے نزدیک پورے حق کے حساب سے شریک کیا جائے گا اگرچہ تہائی سے زائد ہو ۱۲ منہ

جب زید مر جائے تو اُس کی وصیت باطل ہو جائے گی اور تہائی مال باقیوں میں تقسیم ہوگا اور اگر اپنے دار کے کرایہ کی زید کے واسطے اور اُس کے سکونت کی عمرو کے واسطے اور اس کے رقبہ کی بکر کے واسطے وصیت کی حالانکہ وہ اُس کا تہائی مال ہے پھر موصی کی موت کے بعد اُس کو کسی نے منہدم کر دیا تو جو کچھ منہدم کیا ہے اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا پھر اُس میں جیسی عمارت تھی ویسے ہی بنائی جائے گی پھر وہ کرایہ پر دیا جائے گا پس زید اُس کا کرایہ لے گا اور عمرو اُس میں سکونت رکھے گا اسی طرح اگر باغ کے حاصلات کی زید کے واسطے اور رقبہ باغ کی عمرو کے واسطے وصیت کی پھر ایک شخص نے اس میں سے درخت خرما یا کوئی درخت کاٹ ڈالا تو وہ قیمت کا ضامن ہوگا اور اس قیمت سے درختان مقطوعہ[1] کے مثل درخت خرید کر لگائے جائیں گے اور اگر زید کے واسطے تہائی مال کی اور عمرو کے واسطے اپنے کرایہ دار کی وصیت کی اور قیمت دار ہزار درم ہیں اور موصی کا مال اس کے سوائے دو ہزار درم ہے تو عمرو کو کرایہ مکان میں سے نصف کرایہ ملے گا اور زید کو باقی مال و دار میں سے چھٹا حصہ ملے گا جس میں سے دار میں سے پانچواں حصہ اور مال میں سے چار پانچویں حصہ ملیں گے اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ کے قول پر دراز مذکور بطریق عول[2] و مضاربت تقسیم ہوگا پس زید بحساب تہائی کے ایک سہم کے اور عمرو بحساب کل کے تین سہام کے شریک کیا جائے گا اور اگر عمرو مر گیا تو زید کو تہائی دار و مال ملے گی اور اگر دار کو استحقاق میں لے لیا گیا تو عمرو کی وصیت باطل ہوگئی اور زید باقی مال میں سے تہائی لے لے گا اور اگر دار مذکور استحقاق میں نہ لیا گیا بلکہ منہدم ہو گیا تو عمرو سے کہا جائے گا کہ اپنا حصہ بنائے اور زید اپنا حصہ بنا دے گا اور وارث لوگ اپنا حصہ بنا دیں گے اور اُن میں سے جس نے بنانے سے انکار کیا کہ اُس پر جبر نہ کیا جائے گا اور جس دوسرے نے اپنا حصہ بنانا چاہا اُس کو ممانعت نہ کی جائے گی اور چاہے کرایہ پر دے اور چاہے اُس میں رہے یہ بدائع میں ہے۔

اگر زید کے واسطے اپنے باغ کے حاصلات کی وصیت کی اور عمرو کے واسطے اُس کے رقبہ کی وصیت کی اور باغ مذکور اُس کا تہائی مال ہے تو باغ مذکور عمرو کا ہوگا اور اُس کی حاصلات زید کے واسطے ہوگی اور رہا سینچنا اور خراج اور اُس کی درستی کی چیزیں اور اُس کے درستی کی چیزوں کی مرمت زید پر ہوگی اور اگر کسی کے واسطے اپنی بکریوں کے صوف کی یا اُن کے دودھ کی یا مسکہ کی یا بچوں کی ہمیشہ کے واسطے وصیت کی تو نہیں جائز ہے الا اس قدر کے حق میں جائز ہوگی جو موصی کی موت کے روز اُن بکریوں کی پیٹھ پر بال ہیں یا تھنوں میں دودھ ہے یا تھنوں کے دودھ میں مسکہ ہے یا جو بچہ پیٹ میں ہے۔ اور پھر اس کے بعد جو کچھ ان چیزوں میں سے نئی پیدا ہوں تو اُس میں حق وصیت کچھ نہ ہوگا اور اگر اپنے درختان خرما کے حاصلات کی زید کے واسطے ہمیشہ کے لیے وصیت کر دی اور اُس کے رقبہ کی عمرو کے واسطے وصیت کی اور ہنوز وہ درخت پھل آنے کے قابل نہیں ہوئے ہیں اور پھل نہیں آئے ہیں تو اُن کے سینچنے و پرداخت کرنے کا خرچہ عمرو پر ہوگا پھر جب اُن میں پھل آئیں تو اُس کا خرچہ زید پر ہوگا اور اگر ایک سال اُس میں پھل لگے پھر بیچ خالی (۱) دیا اور کچھ پھل نہیں آئے تو اُس کا خرچہ زید پر ہوگا اور یہ نظیر غلام خدمت کی ہے کہ جس غلام کے خدمت کی وصیت ہے اُس غلام کا نفقہ رات و دن سب کا موصی لہ پر ہوتا ہے اگر غلام مذکور رات میں اُس کی خدمت نہیں کرتا ہے بلکہ سوتا رہتا ہے اور اگر زید نے جس کے واسطے حاصلات کی وصیت ہے ان ایام کا خرچہ نہ اُٹھایا اور عمرو نے جس کے واسطے رقبہ کی وصیت ہے اُس نے خرچہ اُٹھایا پھر اُن میں پھل آئے تو عمرو اس حاصلات سے اپنا خرچہ سب وصول کر لے گا یہ مبسوط میں ہے اور اگر زید کے واسطے اپنی روٹی کی اور عمرو کے واسطے بنولوں کی وصیت کی یا بکری معین کے گوشت کی زید کے واسطے اور اُس کے کھال کی عمرو کے وصیت کی یا زید کے واسطے گیہوؤں

---

[1] قطع کردہ شدہ یعنی کاٹے ہوئے ۱۲ [2] یعنی جس صورت میں مخرج تنگ ہو اور سہام اکثر تو مخرج بڑھانے کے مدل بولتے ہیں ۱۲

(۱) جیسی اکثر انبہ وغیرہ کے درختوں میں ہوتا ہے بیچ کی فصل خالی جاتی ہے ۱۲

کی جو بالیوں کے اندر ہیں وصیت کی اور عمرو کے واسطے اُس کے بھوسہ کی وصیت کی تو دونوں کے واسطے وصیت جائز ہے اور زید و عمرو دونوں پر واجب ہوگا کہ کھلیان کو روند وادیں اور بکری کو مسلوخ[1] کرادیں۔ اور اگر گدے کی وصیت زید کے واسطے اور اُس کے اندر کی روئی کی وصیت عمرو کے واسطے کی تو بالاتفاق گدے سے روئی نکلوانا عمرو پر لازم ہے اور اگر ان تلوں کے تیل کی زید کے واسطے اور اُس کے کھلی کی عمرو کے واسطے وصیت کی تو زید پر تیل نکلوانے کا خرچہ[2] پڑے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر زید کے واسطے معین بکری کی وصیت کی اور عمرو کے واسطے اُس کے پاؤں کی وصیت کی تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر یہ بکری تہائی مال سے برآمد ہو تو زید کو ملے گی اور عمرو کو کچھ نہ ملے گا اور اگر باوجود اُس کے بکر کے واسطے اُس کے ہاتھ کی اور خالد کے واسطے اُس کے کھال کی وصیت بھی کی ہو تو فرمایا کہ بکری ذبح کی جائے گی اور عمرو کو پاؤں اور بکر کو ہاتھ اور خالد کو کھال دے دی جائے گی اور باقی زید کے واسطے ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر وصیت کی کہ اس ڈھینڈی میں سے مسکہ زید کے واسطے اور اُس کا مٹھا عمرو کے واسطے ہے تو مسکہ نکالنا زید کے ذمہ ہوگا اور اگر حلقہ انگشتری کی زید کے واسطے اور اُس کے نگینہ کی عمرو کے واسطے وصیت کی تو وصیت دونوں کے حق میں جائز ہوگی پھر اگر نگینہ جدا کرنے میں ضرر ہو تو دیکھا جائے گا اور اگر نگینہ کی بہ نسبت حلقہ کی قیمت زائد ہے تو زید سے کہا جائے گا کہ اس کو نگینہ کی قیمت دے دے اور نگینہ تیز ہو جائے گا اور اگر نگینہ بیش قیمت ہو تو عمرو سے کہا جائے گا کہ زید کو اُس کے حلقہ کی قیمت دے دے اور یہ مسئلہ مثل اس کے ہے کہ ایک شخص کی مرغی نے دوسرے کا موتی نگل لیا تو اُس میں بھی ایسا ہی حکم ہے اور اگر ایک شخص کی زمین میں انگور وغیرہ کے درخت لگے ہیں پس اُس نے زمین کی وصیت زید کے واسطے اور درختاں انگور و پودوں وغیرہ درختوں کی وصیت عمرو کے واسطے کی پھر عمرو نے اپنے درخت کٹوائے اور زمین میں گڈھے ہو گئے اور زید نے اُس سے مطالبہ کیا کہ زمین جیسی تھی ویسی برابر[3] کر دے تو عمرو پر اُس کا برابر[4] کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر اپنے غلام کی زید کے واسطے اور اس کی خدمت کی عمرو کے واسطے وصیت کی تو غلام کا نفقہ عمرو پر ہوگا پھر اگر غلام کو کوئی مرض عاجز کنندہ لاحق ہوا یا بسبب لنجے پن وغیرہ کے وہ خدمت سے عاجز ہے تو اُس کا نفقہ زید پر ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنے باغ کے حاصلات پھل وغیرہ کی جو اُس میں موجود ہیں زید کے واسطے وصیت کی اور نیز زید کے واسطے ہمیشہ کے لیے اُس کے حاصلات کی وصیت کر دی پھر مر گیا اور سوائے اس باغ کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے اور باغ میں سو درم کا غلہ یعنی پیداوار موجود ہے اور باغ تین سو درم کا ہے تو موصی لہ کو موجودہ پیداوار کی تہائی ملے گی اور آئندہ ہمیشہ تک جو حاصلات ہوا کرے اُس کی تہائی ملا کرے گی اور اگر زید کے واسطے اپنے کرایہ غلام سے بیس درم سالانہ کی وصیت کی پھر کسی سال کرایہ زیادہ آیا اور کسی سال کم آیا تو زید کے واسطے ہر سال کا تہائی کرایہ روک رکھا جائے گا اس میں سے بیس درم زید کو جب تک زندہ رہے خرچ دیئے جائیں گے جیسا کہ موصی نے وصیت کی تھی اور بسا اوقات بعض سال میں کرایہ نہیں حاصل ہوتا ہے اس واسطے تہائی کرایہ اُس کے حق کا روک رکھا جائے گا اسی طرح اگر یہ وصیت کی کہ زید کو میرے مال سے پانچ درم ماہواری نفقہ دیا جائے تو بھی پوری تہائی رکھ چھوڑی جائے گی تاکہ موافق وصیت موصی کے اس میں سے پانچ درم ماہواری اُس کو نفقہ دیا جائے اور تہائی روک رکھنے کے حق میں خواہ وہ ایک درم ماہواری کی وصیت کرے یا دس درم[5] ماہواری کی سب برابر ہیں یہ مبسوط میں ہے۔ ہشام نے فرمایا کہ میں نے امام محمدؒ سے دریافت کیا کہ ایک شخص نے دو شخصوں کے واسطے وصیت کی کہ ہر ایک کو ماہواری اس اس قدر خرچہ دیا جائے اور تہائی مال دونوں

---

(۱) کھال کھینچ کر صاف کرنا ۱۲ (۲) یعنی اپنا تیل جدا کر لے ۱۲ (۳) جیسی تھی اسی طرح پر ۱۲ (۴) یعنی چاہے جس قدر وصیت کرے (۵) یعنی وصیت سے بری ہو جائے ۱۲

کے واسطے روک رکھا گیا پھر موصی لہ میں سے ایک کے ساتھ وارثوں نے صلح کر لی اس طرح کہ اُس کو کچھ مال بدین شرط دیا کہ وہ اپنی وصیت سے لا دعویٰ ہو جائے تو فرمایا کہ تہائی مال دونوں کے وارثوں کے واسطے رُکا رہے گا اور جس نے صلح کر لی ہے اُس کا حصہ وارثوں کو نہ دیا جائے گا یہ محیط میں ہے اور اگر وصیت کی کہ میرا اور زید کے ہاتھ ہزار درم کو فروخت کیا جائے اور عمرو کو ہزار درم سال بھر کے واسطے قرضہ دیئے جائیں اور وارثوں نے عین مال سوائے دار کے تلف کر دیا پھر وہ دار ہزار درم کے عوض جو اُس کی قیمت ہے فروخت کیا گیا تو یہ دراہم عمرو کو قرضہ دیئے جائیں گے پھر سال کے بعد وارثوں کے ہوں گے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

امام محمدؒ نے جامع میں فرمایا کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال سے زید کو جب تک زندہ رہے پانچ درم ماہواری دیئے جائیں اور عمرو کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور وارثوں نے اجازت دے دی تو مال کے چھ حصے کئے جائیں گے جس میں سے عمرو کو ایک حصہ دیا جائے گا اور باقی پانچ حصے روک رکھے جائیں گے اور اُس میں سے موافق وصیت کے پانچ درم ماہواری زید کو دیئے جائیں گے اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ مال کے چار حصے کئے جائیں گے پھر کتاب میں فرمایا کہ اور جس قدر زید کے حصے میں پڑا ہے وہ اُس کے سپرد نہ کیا جائے گا اور کتاب میں قلیل و کثیر کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ یہ حکم قلیل میں ہے اور اگر مال کثیر ہو تو جس مقدار سے زیادہ زید کی زندگی کی توقع نہ ہو یعنی معلوم ہو کہ غالباً اس سے زیادہ زندہ نہ رہے گا تو اُس سے زیادہ مال نہ روکا جائے گا بلکہ وارثوں کو دے دیا جائے گا لیکن جو کتاب میں مذکور ہے وہی اصح ہے اور اگر تمام مال جو زید کے واسطے[1] روکا گیا ہے اُس کے خرچ ہو جانے سے پہلے زید مر گیا تو عمرو کی وصیت حصہ سوم پوری کر دی جائے گی اور مال کی وہ تہائی معتبر ہوگی جو موصی کی موت کے روز تھی اور وہ تہائی معتبر نہ ہوگی جو زید کی موت کے روز ہے اس واسطے کہ حق عمرو اُس تمام مال کی تہائی سے متعلق تھا جو مرگ موصی کے روز تھا لیکن زید کی مزاحمت[1] کی وجہ سے اُس کے حق میں نقصان ہو گیا تھا پھر جب مزاحمت جاتی رہی تو اُس کو پورے مال کی تہائی پوری کر دی جائے گی لیکن اگر دو تہائی مال سے زائد خرچ ہو چکا ہو تو ایسی حالت میں اُس کو نفقہ دیا جائے گا اور تہائی پوری نہ کی جائے گی اس واسطے کہ مال میں سے اس قدر باقی نہیں رہا ہے جس سے تہائی پوری کی جائے گی پھر جب عمرو کا حق پورا کر دیا گیا تو جس قدر باقی رہے وہ وارثان موصی کو دیا جائے گا اور وارثان زید کو نہ دیا جائے گا یہ سب اس وقت ہے کہ وارثوں نے وصیتوں کی اجازت دے دی اور اگر اجازت نہ دی تو امام اعظمؒ کے نزدیک تہائی مال زید و عمرو کے درمیان نصفا نصف تقسیم ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک چار حصے ہو کر تقسیم ہوگا پھر بنا بر قول امام اعظمؒ کے تہائی کا نصف عمرو کو دیا جائے گا اور نصف باقی روک رکھا جائے گا کہ زید کو ماہواری نفقہ دیا جائے پھر اگر زید اس مال کے سب خرچ ہونے سے پہلے مر گیا تو جس قدر باقی رہا ہے وہ عمرو کو دے دیا جائے گا اور اگر زید و عمرو دو شخصوں کے واسطے وصیت کی جب تک زندہ رہیں اِن کو ماہواری دس درم دیئے جائیں اور بکر کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو وارثوں کی اجازت دینے کی صورت میں امام اعظمؒ کے نزدیک تمام مال کے چھ حصے کئے جائیں گے اور عدم اجازت کی صورت میں دو حصے کئے جائیں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک چار حصے کئے جائیں گے پھر اگر زید و عمرو میں سے ایک مر گیا تو بکر کو مال موقوف میں سے کچھ نہ دیا جائے گا بلکہ جو کچھ دونوں کے واسطے روک رکھا گیا تھا وہ ویسا ہی سب کا سب رُکا رہے گا اور دونوں میں سے جو زندہ باقی ہے اُس کو نفقہ دیا جایا کرے گا اور اگر موصی نے آخر وصیت میں یہ لفظ کہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کو پانچ درم نفقہ دیئے جائیں تو اُس کے مطلق ایجاب سے جو امر واجب ہو گیا تھا یہ اُس کا بیان ہو جائے گا پس اس سے حکم مختلف نہ ہوگا اور اگر میت نے عمرو کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی اور زید کے واسطے جب تک زندہ رہے پانچ درم

---

[1] ہمارے عرف میں جس کو روک ٹوک کہتے ہیں ۱۲

ماہواری دیئے جانے کی وصیت کی اور بکر کے واسطے جب تک زندہ رہے پانچ درم ماہواری اور نفقہ دیئے جانے کی وصیت کی پس اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو امام اعظمؒ کے نزدیک نو حصے کئے جائیں گے جن میں سے عمرو کو ایک حصہ دیا جائے گا اور باقی آٹھ سہام میں سے زید و بکر کے واسطے چار چار سہام روک رکھے جائیں گے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک مال کے سات حصے کئے جائیں گے جن میں سے ایک حصہ عمرو کو دیا جائے گا اور باقی چھ حصص میں سے تین تین حصے زید و بکر کے واسطے روک رکھے جائیں گے۔ یہ سب اُس وقت ہے کہ وارثوں نے اجازت دے دی اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو بھی صاحبینؒ کے نزدیک تہائی مال کے سات حصے کئے جائیں گے اور امام اعظمؒ کے نزدیک تہائی سے زائد استحقاق و اُس کی مقدار پر شریک کیا جانا باطل ہو گیا پس گویا وہ سب ایک تہائی کے مستحق ہیں پس امام کے نزدیک تہائی مال ان سب میں برابر تین تہائی تقسیم ہوگا اور اس صورت میں اگر زید و بکر اپنا نفقہ پورا کر لینے سے پہلے مر گئے تو باقی مال عمرو کو دیا جائے گا اور اگر زید و بکر میں سے ایک مر گیا اور ہنوز اُس مال میں سے جو دونوں پر وقف ہے باقی ہے تو اُس میں سے نصف مال عمرو کو دے دیا جائے گا اور باقی نصف مال دوسرے زندہ کے واسطے وقف رہے گا یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس میں سے ایک چوتھائی عمرو کو ملے گی اور تین چوتھائی دوسرے زندہ کے واسطے وقف رہے گی اور اگر وصیت کی کہ میرے مال سے پانچ درم ماہواری زید کو جب تک زندہ رہے نفقہ دیا جائے اور عمرو و بکر کو دس درم ماہواری جب تک دونوں زندہ رہیں نفقہ دیا جائے خواہ یہ لفظ بھی کہا کہ ہر ایک کو پانچ درم ماہواری یا یہ نہ کہا پھر وارثوں نیا جازت دے دی تو تمام مال زید کے و عمرو و بکر کے درمیان برابر نصفا نصف تقسیم ہوگا پس نصف مال زید کے واسطے موقوف رکھا جائے گا اور نصف مال عمرو و بکر کے درمیان رکھا جائے گا اس واسطے کہ زید کے حق میں خود پورے مال کی تنہا وصیت ہے اور عمرو و بکر دونوں کے واسطے پورے مال کی تنہا وصیت ہے پس گویا موصی نے زید کے واسطے پورے مال کی وصیت کی اور عمرو و بکر دونوں کے واسطے پورے مال کی وصیت کی ہے پس بالاتفاق ان میں تمام مال نصفا نصف تقسیم ہوگا پھر اگر زید مر گیا تو اُس کے حصہ کے مال میں سے جس قدر باقی رہا ہو وہ عمرو و بکر پر وقف کر دیا جائے گا اور دونوں کو دس درم ماہواری دیئے جائیں گے اور اگر عمرو و بکر دونوں میں سے ایک مر گیا اور زید زندہ باقی رہا تو میّت کا باقی حصہ اُس کے شریک پر وقف کیا جائے گا اور شریک کو پانچ درم ماہواری دیئے جائیں گے اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو تہائی مال دو حصوں پر برابر تقسیم ہوگا اُس میں سے نصف زید کے واسطے ہوگا اور نصف عمرو و بکر کے واسطے ہوگا اس میں بھی اماموں کا اتفاق (۱) ہے اس واسطے کہ زید تمام مال کا موصی لہ ہے اور عمرو و بکر دونوں تمام مال کے موصی لہ ہیں تو وارث کی اجازت نہ دینے کی صورت میں تہائی مال میں زید بقدر تہائی کے اور عمرو و بکر بھی بقدر تہائی کے شریک کئے جائیں گے یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے پس برابر کے شریک ہوئے اور صاحبینؒ کے نزدیک زید پورے مال کے حساب سے اور عمرو و بکر بھی پورے مال کے حساب شریک کئے جائیں گے پس صاحبینؒ کے نزدیک بھی برابر کے شریک ہوئے پس بالاتفاق تہائی مال کے برابر دو حصے ہوں گے اور اگر وصیت کی کہ میرے مال سے عمرو کو جب تک زندہ رہے پانچ درم ماہواری نفقہ دیا جائے اور بکر کو جب تک زندہ رہے پانچ درم ماہواری نفقہ دیا جائے پس اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو باوجود اختلاف تخریجین [۱] کے سب کے نزدیک تمام مال میں تین حصوں پر تقسیم ہوگا (۲) اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو تہائی مال ان سب کے واسطے برابر تین حصے ہو کر وقف رکھا جائے گا یہ بھی بالاتفاق ہے اگرچہ امام اور صاحبینؒ کی تخریج میں اختلاف ہے۔ پھر اگر ان میں سے ایک مر گیا تو باقی اُس کے ساتھی پر وقف کیا جائے گا اور اگر

---

[۱] قولہ تخریجین یعنی تخریج امام بطریق منازعت و تخریج صاحبین بطریق مضاربت علی ما مر فی الحاشیہ ۱۲

(۱) یعنی مال کا ر دونوں کا ایک ہے ورنہ اصل میں اختلاف ہے ۱۲ (۲) یعنی مساوی تین حصوں میں ۱۲

وصیت کی کہ میرے تہائی مال سے چار درم ماہواری زید کو نفقہ دیا جائے جب تک زید زندہ رہے اور وصیت کی کہ عمرو و بکر کو دس درم ماہواری جب تک زندہ رہیں میرے تہائی مال سے نفقہ دیا جائے پس اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو تہائی مال زید پر وقف کیا جائے گا اور دوسری تہائی عمرو و بکر پر وقف کی جائے گی پھر اگر زید اپنے حصہ وصیت کا مال پورا لینے سے پہلے مرگیا تو باقی مال وارثوں موصی کو دیا جائے گا اور اگر عمرو و بکر میں سے کوئی مرگیا تو اُس کے حصہ کا باقی اُس کے شریک کے واسطے وقف کیا جائے گا پھر اگر اُس کے بعد دوسرا بھی مرگیا تو باقی مال وارثان موصی کو واپس دیا جائے گا اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو تہائی مال کے دو حصہ کئے جائیں گے جن میں سے نصف تہائی زید کے واسطے اور نصف تہائی عمرو و بکر کے واسطے سب اماموں کے نزدیک باوجود اختلاف تخریجین[1] کے وقف کی جائے گی۔ نیز امام محمدؒ نے جامع میں فرمایا کہ ایک شخص نے کہا کہ میں نے زید کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی وہ وقف کیا جائے اس میں سے زید کو جب تک زندہ رہے چار درم تا ماہواری دیئے جائیں اور میں نے عمرو و بکر کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی وہ وقف کیا جائے اور اُس میں سے دونوں کو دس درم ماہواری جب تک زندہ رہیں نفقہ دیا جائے پس اگر وارثوں نے اجازت دی تو زید کو پوری تہائی دے دی جائے گی اُس کو جو چاہے کرے اور عمرو و بکر کو بھی دوسری تہائی دی جائے گی جو چاہیں کریں اور وہ دونوں میں نصفا نصف نہ ہوگی اور قلیل و کثیر کچھ وقف نہ کیا جائے گا اور جو کوئی ان زید و عمرو و بکر میں سے مرگیا اُس کا حصہ اُس کے وارثوں کا ہوگا اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو ایک تہائی میں سے نصف فقط زید کو اور نصف باقی عمرو و بکر کو نصف نصف دے دی جائے گی اور اسی طرح اگر کہا کہ میں نے اپنے تہائی مال کی زید کے واسطے وصیت کی اُس میں سے اُس کو چار درم ماہواری نفقہ دیا جائے اور عمرو و بکر کے واسطے تہائی کی وصیت کی عمرو کو پانچ درم ماہواری اُس میں سے نفقہ دیا جائے اور بکر کو تین درم ماہواری دیا جائے پس اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو زید کو تہائی مال دے دیا جائے گا اور عمرو و بکر کو دوسری تہائی دے دی جائے گی جو دونوں میں نصفا نصف ہوگی پس زید و عمرو و بکر اپنے اپنے مال سے جو چاہیں کریں اُن کو اختیار ہوگا اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو ایک تہائی میں سے نصف زید کو اور باقی نصف عمرو و بکر کے درمیان برابر تقسیم ہوگا اور ان میں جو مر جائے اُس کا حصہ اُس کے وارثوں کے واسطے میراث ہوگا یہ محیط میں ہے۔

باغ کے غلہ کی وصیت کی پھر موصی کے مرنے سے پہلے کئی سال تک باغ مذکور کا غلہ آیا پھر موصی مرگیا تو موصی لہ کو اس غلہ میں سے کچھ نہ ملے گا ☆

اگر وصیت کی کہ میرے مال سے زید کو چار درم ماہواری نفقہ دیا جائے اور عمرو کو میرے باغ سے پانچ درم ماہواری نفقہ دیا جائے تو تہائی باغ میں دونوں کا نصفا نصف استحقاق ہوگا پس ہر ایک کے واسطے چھٹا حصہ باغ کا غلہ فروخت کر کے اُس کا ثمن وصی کے پاس اگر وصی نہ ہو تو کسی عادل آدمی کے پاس موقوف رکھا جائے گا اور ہر ایک کو اُس کے حصہ سے جس قدر ماہواری اُس کے واسطے بیان کی ہے دی جائے گی اور اگر دونوں مر گئے اور اس میں سے کچھ باقی رہا تو وارثان موصی کو واپس دیا جائے گا اس وجہ سے کہ دونوں کی وصیت بسبب موت کے باطل ہوگئی ہے۔ اسی طرح اگر کہا کہ زید چار درم ماہواری اور عمرو و بکر کو پانچ درم ماہواری نفقہ دیا جائے تو چھٹا حصہ فقط زید کے واسطے اور چھٹا حصہ عمرو و بکر دونوں کے واسطے موقوف رکھا جائے گا اور اگر زید کے واسطے اپنے باغ کے حاصلات کی اور عمرو کے واسطے نصف حاصلات باغ کی وصیت کی اور اُس کا مال کل یہی باغ ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک تہائی غلہ ہر سال دونوں پر نصفا نصف تقسیم کیا جائے گا اور اگر اُس کا مال زائد ہو کہ یہ باغ اُس کی تہائی ہو تو زید کو سال کی حاصلات باغ کا تین چوتھائی حصہ اور

[1] قولہ تخریجین یعنی تخریج امام بطریق منازعت و تخریج صاحبینؒ بطریق مضاربت علی ما مر فی الحاشیہ ۱۲

عمرو کو ایک چوتھائی ملے گا اور تقسیم امام کے نزدیک اُن کے اصول کے موافق بطریق منازعت ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک چونکہ تقسیم بطریق عول ومضاربت ہے لہٰذا اگر باغ مذکور کے سوائے اُس کا کچھ مال نہ ہو تو تہائی حاصلات دونوں کو تین تہائی[۱] تقسیم کر دی جائے گی اور اگر مال ہو کہ باغ اس کا تہائی ہوسکتا ہے تو عام حاصلات دونوں میں تین تہائی تقسیم ہوگی اور اگر زید کے واسطے اپنے باغ کے حاصلات کی وصیت کی اور اُس کی قیمت ہزار درم ہے اور عمرو کے واسطے اپنے غلام کی کمائی کی وصیت کی اور اُس کی قیمت تین سو درم ہے اور موصی کا مال تین سو درم سوائے اُس کے اور بھی ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک ایک تہائی دونوں میں گیارہ حصے ہو کر تقسیم ہوگی جس میں سے زید کو حاصلات باغ سے چھ حصے اور عمرو کو کرایہ غلام سے پانچ حصے ملیں گے اور اگر زید کے واسطے اپنی زمین کے حاصلات غلہ کی وصیت کی اور عمرو کے واسطے اُس زمین کے رقبہ کی وصیت کی حالانکہ زمین مذکور اُس کا تہائی مال ہے پھر عمرو نے اُس کو فروخت کیا اور زید نے اُس کے بیع کی اجازت دے دی تو جائز ہے اور زید کی وصیت باطل ہوگئی اور ثمن میں زید کا کچھ استحقاق نہ ہوگا اور اگر زید کے واسطے اپنے باغ کے غلہ کی وصیت کی پھر موصی کے مرنے سے پہلے کئی سال تک باغ مذکور کا غلہ آیا پھر موصی مر گیا تو موصی لہ کو اس غلہ میں سے کچھ نہ ملے گا لیکن موت موصی کے وقت باغ میں جو غلہ یعنی پھل وغیرہ موجود ہیں یا جو آئندہ پیدا ہوں سب ملیں گے یہ محیط میں ہے۔

اگر کہا کہ میں نے زید کے واسطے اس ہزار درم کی وصیت کی اور عمرو کے واسطے اس ہزار درم میں سے سو درم کی وصیت کی تو یہ قول وصیت اوّل سے رجوع نہیں ہے بلکہ وہ سو درم زید کو ملیں گے پھر سو درم میں سے نصف زید کو اور نصف عمرو کو ملیں گے اور کہا کہ اس ہزار درم کی زید کے واسطے الاّ اس میں سے سو درم کی عمرو کے واسطے وصیت کی تو سو درم عمرو کو اور نو سو درم زید کو ملیں گے اور اگر زید کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی پھر کہا کہ میں نے عمرو و بکر کے واسطے اُس قدر کی وصیت کی جس قدر زید پسند کرے تو فرمایا کہ زید جس قدر پسند کر کے اختیار کرے اُسی قدر کے واسطے تہائی مال میں عمرو و بکر حصہ دار کیے جائیں گے پس اگر زید نے پوری تہائی کو پسند کیا تو تہائی میں سے نصف زید کا اور نصف دوسرے موصی لہما کا ہوگا اور اگر پوری تہائی میں سے سوائے ایک درم کے پسند کی تو تہائی میں سے ایک درم کم کی مقدار پر شریک کیے جائیں گے اور اگر کہا کہ میں نے زید و عمرو کے واسطے ہزار درم کے لئے کہ اُس میں سے زید کو سو درم اور عمرو کو دو سو درم دیئے جائیں وصیت کی تو فرمایا کہ میں ہزار درم میں سے جس قدر جس کے واسطے بیان کر دیا ہے دے کر باقی وارثوں کو واپس دوں گا اور اگر ہزار درم میں سے فقط ایک کے واسطے کوئی مقدار بیان کی ہو تو اس مقدار اُس کو دے کر باقی کا استحقاق دوسرے کے واسطے قرار دوں گا۔ اور اگر کہا کہ میرا تہائی مال زید و عمرو کے واسطے ہے کہ اُس میں سے زید کے واسطے سو درم ہیں پھر اُس کا تہائی مال ستر درم نکلا تو یہ سب زید ہی کو جس کے واسطے سو درم کی مقدار بیان کی ہے دے دیا جائے گا اور اگر کہا کہ میرا تہائی مال بکر و زید و عمرو کے واسطے کہ زید کے واسطے پچاس درم اور عمرو کے واسطے سو درم ہیں اور اُس کا کل مال تین سو درم ہے تو تہائی سو درم

[۱] اقول صاحبینؒ کے نزدیک اگر مال ہو یا باغ کے سوائے مال نہ ہو ہر دو صورت میں ہر ایک موصی لہ اپنے پورے حق کے واسطے شریک کیا جائے گا اور چونکہ زید و عمرو کے حقوق میں ۲۔۱ کی نسبت ہے اس واسطے اگر مال نہ ہو تو تہائی کے ۲/۳۔۱ حصہ ہوں گے اور اگر ہو تو بھی یہی حکم ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک درصورت باغ کے سوائے مال نہ ہونے کی تہائی میں دونوں برابر شریک ہوں گے اس وجہ سے کہ زید کی تہائی سے زائد وصیت اور عمرو کی بھی تہائی سے زائد وصیت باطل ہوگئی باقی رہی تہائی کی وصیت ہر ایک کے واسطے پس دونوں برابر مستحق ہوئے اور صورتیکہ باغ اُس کے تہائی مال سے برآمد ہو تو امام کے نزدیک نصف حاصلات زید کو بلا منازعت دی جائے گی اور باقی رہی نصف حاصلات اُس میں عمرو اُس کے ساتھ مزاحم ہے اور مزاحمت دونوں کی یکساں ہیں پس نصف دونوں میں برابر تقسیم ہوا تو نصف کا نصف یعنی چوتھائی کل کی عمرو کو ملی اور چوتھائی اور نصف اوّل مجموعہ میں سے چوتھائی زید کو ملی فافہم وقد مہینا ذلک مرارا ثم لا نیدہ فیما بعد ۱۲ [۲] قال المترجم یہ موافق اصل امام اعظمؒ کے ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک ہزار کے گیارہ حصوں میں سے ایک حصہ عمرو کو اور دس حصہ زید کو ملیں گے ۱۲ منہ

دونوں کے واسطے جن کے لئے مقدار بیان کی ہو تین تہائی تقسیم ہوگا اور دوسرے کو کچھ نہ ملے گا اور اگر تہائی مال تین سو درم ہو تو زید کو پچاس اور عمرو کو سو درم اور باقی ڈیڑھ سو درم بکر کو ملیں گے جس کے واسطے کوئی مقدار بیان نہیں کی ہے اور اگر کہا کہ تہائی کی واسطے زید و عمرو کے ہے زید کے واسطے سو درم اور عمرو کے واسطے پچاس درم اور تہائی مال تین سو درم ہے تو ہر ایک کو اس قدر ملے گا جس قدر اُس کے واسطے بیان کر دیا ہے اور باقی دونوں میں نصفا نصف ہوگا اور اگر ہزار درم کی زید و عمرو کے واسطے بایں طور وصیت کی کہ واسطے زید کے اس میں سے سو درم ہیں تو موافق اُس کے کہنے کے سو درم زید کو دیئے جائیں گے اور باقی نو سو درم عمرو کو ملیں گے اور اگر ان میں سے تھوڑے درم تلف ہو گئے تو باقی کے بھی دس حصے کئے جائیں گے اور اگر اُس نے بکر کے واسطے دوسرے ہزار درم کی وصیت بھی کی ہو حالانکہ اُس کا تہائی مال ہزار درم ہے تو پانچ سو درم بکر کو ملیں گے اور پانچ سو درم میں زید و عمرو کے واسطے دس حصے کئے جائیں گے جن میں سے ایک حصہ زید کو اور نو حصے عمرو کو دیئے جائیں گے اور اگر کہا کہ یہ ہزار درم زید و عمرو کے واسطے ہیں زید کے واسطے اُس میں سے سو درم ہیں اور باقی عمرو کے واسطے ہیں تو زید کو سو درم کو ملیں گے اور اگر سوائے سو درم کے باقی سب تلف ہو گئے تو یہ سو درم زید کو ملیں گے اور عمرو کے واسطے وہی ہوگا جو بعد سو درم کے باقی رہے اور اگر باوجود اس کے اُس نے بکر کے واسطے ہزار درم دوسرے کی وصیت کی حالانکہ اُس کا تہائی مال ہزار درم ہے تو درمیانی کو کچھ نہ ملے گا اور ہزار درم باقی دونوں میں گیارہ حصے ہو کر تقسیم ہوں گے جن میں سے دس حصے ہزار درم کی وصیت والے کو ملیں گے اور ایک حصہ سو درم کی وصیت والے کو ملے گا اور اگر کہا کہ میں نے اپنے تہائی مال کی زید و عمرو کے واسطے وصیت کی اُس میں سے سو درم زید کے ہیں اور اُس کا تہائی مال ہزار درم ہے مگر تقسیم کے روز تلف ہو کر پانچ سو درم رہ گیا ہے تو اُس میں سے زید کو پورے سو درم ملیں گے اور باقی عمرو کو ملیں گے اور اگر باوجود اِس کے بکر کے واسطے اپنے تہائی مال کی بھی وصیت کی ہو اور مال میں کچھ نقصان نہیں آیا تو ہزار کا نصف بکر کو ملے گا اور باقی نصف کے دس حصے ہو کر اُس میں سے ایک حصہ زید کو ملے گا اور (نو) حصے عمرو کو دیئے جائیں گے اور اگر کہا کہ میں نے زید کے واسطے اپنے تہائی مال سے سو درم کی اور عمرو کے واسطے باقی مال کی وصیت کی اور بکر کے واسطے ہزار درم کی وصیت کی اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو عمرو کو کچھ نہ ملے گا اور ہزار درم اُس کا تہائی مال درمیان زید بکر کے گیارہ حصے ہو کر تقسیم ہوگا جس میں سے زید کو ایک اور بکر کو (نو) حصے ملیں گے اگر ایک شخص کے پاس تین ہزار درم ہوں اور ہر ہزار درم ایک خاص تھیلی میں ہوں پس اُس نے زید سے کہا کہ میں نے تیرے واسطے جو کچھ اس تھیلی میں سے باقی رہ جائے اُس کی وصیت کی تو اُس کو پورے ہزار درم ملیں گے اور یہ وصیت باقی تمام وصیتوں سے موخر ہوگی حتیٰ کہ اگر اُس نے عمرو کے واسطے دوسرے ہزار درم کی وصیت کی تو اوّل کو کچھ نہ ملے گا اور اگر کہا کہ میں نے ان ہزار درموں کی زید و عمرو کے واسطے وصیت کی زید کے واسطے سات سو درم کی اور عمرو کے واسطے چھ سو درم کی تو یہ ہزار درم ان دونوں میں تیرہ حصہ ہو کر تقسیم ہوں گے اور اگر کہا کہ میں نے ان ہزار درموں کی زید و عمرو کے واسطے وصیت کی ان میں سے ہزار درم زید کے واسطے ہیں تو پوری ہزار درم فقط زید کو مل جائیں گے اور اگر کہا کہ ان میں سے ہزار درم زید کے واسطے اور ہزار درم عمرو کے واسطے ہیں تو ہزار درم معین دونوں میں نصفا[1] نصف تقسیم ہوں گے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر کہا کہ میں نے زید و عمرو کے واسطے ان ہزار درموں کی وصیت کی اس میں سے زید کے واسطے ہزار درم ہیں او رعمرو کے واسطے ان ہزار درم میں سے جس کی میں نے زید کے واسطے وصیت کی ہے ہزار درم ہیں یا کہا کہ میں نے اپنے تہائی مال کی زید و عمرو کے واسطے وصیت کی اس میں سے ہزار درم زید کے ہیں اور ان ہزار درم میں سے عمرو کے واسطے ہزار درم ہیں حالانکہ اُس کا تہائی مال ہزار درم ہے تو ہر دو صورت میں پورے ہزار درم عمرو کو ملیں گے۔ اگر ایک شخص نے ایک قوم کے واسطے چند وصیتیں علیحدہ

---

[1] جس طرح ہمارے عرف میں آدھوں آدھ بولتے ہیں ۱۲

علیحدہ کیں پھر صاحبان وصیت میں سے کوئی حاضر ہوا اور اُس نے گواہ قائم کر کے اپنا حق وصیت لینا چاہا تو فرمایا کہ اُس کا حصہ دے کر باقیوں کا حصہ روک رکھوں گا پھر اگر ماقی ضائع ہو گیا تو جس نے جو کچھ لیا ہے اُس کے لئے ہوئے میں حصہ رسد شریک ہو جائیں گے اور جس کو اس کا حصہ وصیت دیا گیا ہے اُس کے دینے میں تقسیم بحق ماقی لازم نہ آئے گی یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے وصیت کی کہ فلاں شخص کو ہزار درم دیئے جائیں کہ وہ قیدیوں کو خرید ے یعنی کفار مقید اسلام یا مسلمانان اسیر بدست کفار کو خریدے پس اگر یہ شخص قبل اس کے مر گیا تو یہ مقدمہ حاکم کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ کسی شخص کو اس کام کے واسطے مقرر کر دے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

ایک مریض نے کہا کہ میرے مال سے بیس ہزار درم نکالو تو اُس میں سے فلاں کو اس قدر دو اور فلاں کو اس قدر دو حتیٰ کہ اُس نے اسی طور سے گیارہ ہزار کا حساب بتلایا پھر کہا کہ باقی فقیروں کے واسطے ہے پھر مر گیا پھر ظاہر ہوا کہ اُس کا تہائی مال فقط نو ہزار درم ہیں تو فقیہ ابوبکر بلخی نے فرمایا کہ ہر ایک کی وصیت کے بیس حصے کر کے اُس میں سے اُس کو نو حصے دیئے جائیں گے اور گیارہ حصے باطل ہو جائیں گے اور قولہ ماقی واسطے فقیروں کے ہے اس میں گویا اُس نے نو ہزار درم فقیروں کے واسطے بیان کر دیئے اس واسطے کہ جب اُس نے ابتداء میں تمام مال بیان کیا تو باقی اسی قدر ہوا جو ہم کہتے ہیں بخلاف اُس کے اگر اُس نے یہ کہا کہ میرے تہائی مال سے فلاں کو اس قدر اور فلاں کو اس قدر دو حتیٰ کہ اُس نے کہا کہ باقی فقیروں کو دو تو ایسی صورت میں فقیروں کو کچھ نہ ملے گا اور صاحبان وصیت میں سے ہر ایک کو وصیت کے گیارہ جزوں میں نو جز ولیں گے اور دو جز و باطل ہو جائیں گے ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا دار فروخت کیا جائے اور اُس کے ثمن سے دس گون گیہوں خریدے جائیں اور ہزار روٹیاں خریدی جائیں اور اُس نے دوسری کچھ وصیت بھی کی ہے پھر اُس کا دار فروخت کیا گیا اور اُس کے ثمن میں اس قدر گنجائش بھی نہ ہوئی جس سے اس قدر گیہوں و روٹیاں خریدی جائیں اور میت کا اُس کے سوائے اور مال بھی ہے تو شیخ ابوالقاسم نے فرمایا کہ اگر اُس کے تہائی مال میں اس وصیت اور دوسری وصیتوں کے پورا کرنے کی گنجائش ہو تو تہائی مال سے سب پوری کی جائیں اور ایسا ہوگا کہ گویا اُس نے یہ وصیت کی کہ میرے مال سے دس گون گیہوں اور ہزار روٹیاں خریدو اور اُس کا ثمن میرے مکان کے ثمن سے قرار دو مگر وارثوں نے اُس کو دوسرے مال سے قرار دیا ہے یہ امر وارثوں کے حق میں مضر نہ ہوگا لیکن اگر میت نے جو مال تجویز کیا ہے اُس میں کوئی دلیل پائی جائے جس سے اُس کا برقرار رکھنا ضروری ہو مثلاً معلوم ہو کہ اُس کا تھوڑا مال پاک و حلال ہے اور باقی پلید و حرام ہے تو وصیتیں اسی مال حلال سے نافذ کی جائیں گی ایک شخص نے چند وصیتیں کیں پھر اُس کے فرزندوں کو خبر پہنچی کہ ہمارے باپ نے چند وصیتیں کی ہیں اور اُن کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کیا وصیتیں کی ہیں پس انہوں نے کہا کہ جس کی ہمارے باپ نے وصیت کی ہے ہم نے اُس کی اجازت دے دی تو منتقی میں مذکور ہے کہ اُن کی اجازت صحیح نہ ہوگی اور اجازت جبھی صحیح ہوگی کہ جب بعد واقف ہونے کے اجازت دیں۔ ایک شخص نے زید کے واسطے مال کی وصیت کی اور فقیروں کے واسطے مال کی وصیت کی حالانکہ زید بھی محتاج ہے پس آیا اُس کو حصہ فقراء میں سے دیا جائے گا تو علماء نے اُس میں اختلاف کیا ہے اور محمد بن مقاتل و خلف اور شدادؒ نے فرمایا کہ دیا جائے گا اور ابراہیم نخعی و حسن بن مطیع نے فرمایا کہ نہ دیا جائے گا اور اول اصح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ نوازل میں ہے کہ اگر وصیتیں کیں اور فقیروں کے واسطے وصیت کی اور اپنے آزاد کردہ شدہ کے واسطے سو درم کی وصیت کی پھر اُس کا آزاد کیا ہوا اس کی موت کے بعد مر گیا پس اگر اُس نے ہر وصیت کے واسطے کوئی مقدار بیان کر دی ہو اور باقی فقیروں کے واسطے کہا ہو تو اُس کے آزاد کردہ شدہ کے سو درم فقیروں پر صرف کر دیئے جائیں گے اور اگر اُس نے ہر ایک وصیت کے واسطے کوئی مقدار بیان کی ہو اور فقیروں کے واسطے بھی مقدار بیان کی ہو تو آزاد کردہ شدہ کے سو درم وارثان موصی کو دیئے جائیں

گے اور علی ہذا اگر چند وصیتیں کیں پھر کہا کہ باقی فقیروں پر تقسیم کر دیا جائے پھر بعض وصیتوں سے رجوع کر لیا یا بعض موصی لہ قبل موت موصی کے مر گئے تو باقی فقیروں کو تقسیم کی جائے گی اگر اُس سے رجوع نہ کیا ہو یہ محیط میں ہے۔

آٹھواں باب ☆

ذمی[1] و حربی کی وصیت کے بیان میں

ذمی[1] کی وصیت اگر از جنس معاملات ہو تو بالاجماع صحیح ہے اور اگر جنس معاملات نہ ہو تو اس میں چار اقسام ہیں اوّل آنکہ وہ فعل ہمارے اور اُن کے نزدیک قربت ہو پس ایسی وصیت بھی صحیح ہے خواہ واسطے قوم معین کے ہو یا غیر معین کے دوم آنکہ ہمارے اور اُن کے دونوں کے نزدیک معصیت ہو پس اگر ایسی وصیت قوم معین کے واسطے ہو تو صحیح ہے اور یہ اعتبار کیا جائے گا کہ موصی نے اُن لوگوں کو مالک کر دیا ہے پس اس میں کوئی وجہ قربت اللہ تعالیٰ کی شرط نہ ہوگی اور اگر قوم غیر معین کے واسطے ہو تو باطل ہے۔ سوم آنکہ ہمارے نزدیک قربت اور اُن کے نزدیک معصیت ہو پس اگر یہ قوم معین کے واسطے ہو تو صحیح ہے اور اُن کے واسطے تملیک شمار کی جائے گی پس اُس میں موصی کی طرف تقرب شرط نہ ہوگا اور اگر قوم غیر معین کے واسطے ہو تو صحیح ہے چہارم آنکہ ہمارے نزدیک معصیت اور اُن کے نزدیک قربت ہو تو ایسی وصیت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہے خواہ قوم معین کے واسطے ہو یا غیر معین کے واسطے اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر قوم معین کے واسطے ہو تو خیر ورنہ باطل ہے فرمایا کہ اگر ذمی نے وصیت کی کہ میرے تہائی مال سے رقبات یعنی مملوک لوگ خواہ معین (۱) یا غیر معین خریدے جائیں اور میری طرف سے آزاد کئے جائیں یا یہ وصیت کی کہ میرا تہائی مال فقیروں و مسکینوں کو صدقہ میں دیا جائے یا اُس سے بیت المقدس میں چراغ جلائے جائیں یا اُس میں عمارت بنائی جائے یا تہائی مال سے ترک و دیلم پر جہاد کیا جائے اور موصی نصرانی ہے تو وصیت صحیح ہے اور اگر تہائی مال کی گانے والیوں یا رونے والیوں کے واسطے وصیت کی پس یہ عورتیں معین کر دی ہوں تو صحیح ہوگی اور یہ شمار کیا جائے گا کہ اُس نے ان عورتوں کو تہائی مذکور کا مالک کر دیا ہے اور اگر غیر معین ہوں تو باطل ہے اور اگر یہ وصیت کی کہ میرے تہائی مال سے ایک قوم مسلمان کو حج کرایا جائے یا اُس میں سے مسلمانوں کی مسجد بنائی جائے پس اگر قوم معین کے واسطے ہو تو وصیت صحیح ہوگی اور اگر اُن لوگوں کے حق میں تملیک قرار دی جائے گی اور موصی کے وارث لوگ مختار ہوں گے چاہیں حج کرا دیں و مسجد بنا دیں اور چاہیں ایسا نہ کریں اور اگر قوم غیر معین کے واسطے ہو تو وصیت باطل ہوگی اور اگر وصیت کی کہ میرے تہائی مال سے بیعہ یا کنیسہ بنایا جائے یا میرا دار بیعہ یا کنیسہ کر دیا جائے تو صاحبینؒ کے نزدیک وصیت مذکور باطل ہے الا جب کہ یہ وصیت قوم معین کے واسطے ہو تو یہ اُن کے حق میں تملیک قرار دی جائے گی اور امام اعظمؒ کے نزدیک ہر حال میں وصیت صحیح ہے اور یہ حکم اختلافی بقیاس مسئلہ مختلف فیہا ہے اور ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ امام اعظمؒ کے قول پر یہ حکم گاؤں میں ہے اور اگر شہر میں ایسی وصیت کی تو اُس کی وصیت نافذ نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔ حربی مستامن نے اگر مسلمان و ذمی کے واسطے وصیت کی تو سب صحیح ہے لیکن اگر اُس کے ساتھ اُس کا وارث دارالاسلام میں آیا ہو اور حربی مستامن نے تہائی سے زائد کی وصیت کی تو تہائی سے زائد کی حق میں اُس کے وارث کی اجازت کی ضرورت ہوگی اور اگر اُس کا کوئی وارث ہی نہ ہو تو تمام مال سے وصیت صحیح ہوگی جیسا کہ مسلمان و ذمی کے حق میں اسی طرح اگر وارث ہو لیکن دارالحرب میں ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اصل میں مذکور ہے کہ اگر حربی نے دارالحرب میں وصیت کی پھر دارالحرب کے لوگ مسلمان ہو گئے یا سب ذمی ہو گئے پھر دونوں نے اس وصیت کی بابت قاضی کے پاس نالش کی پس اگر چیز وصیت

---

[1] وہ کافر جو دارالاسلام میں بشرط جزیہ امان لے کر قیام و بود و باش رکھتا ہو ۱۲

(۱) یعنی خواہ معین رقبات کے بیان کئے یا غیر معین بیان کیے ۱۲

بعینہٖ قائم ہو تو قاضی اُس کو نافذ کرے گا اور اگر مسلمان ہونے سے پہلے وہ تلف ہو گئی تو قاضی اُس کو باطل کر دے گا یہ بدائع میں ہے۔ حربی مستامن نے اگر ذمی کے واسطے اپنے بعض مال کی وصیت کی تو باقی اُس کے وارثان اہل الحرب کو دیا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر دارالاسلام میں مستامن (۱) نے اپنے غلام کو عندالموت آزاد کیا یا مدبر کیا تو صحیح ہو گا بدون اُس کے کہ اُس کے تہائی مال سے اعتبار کیا جائے اور اگر ذمی نے تہائی سے زائد کی یا بعض وارثوں کے واسطے وصیت کی تو مثل مسلمان کے صحیح نہیں ہے اور اگر اپنے برخلاف (۲) ملت کے واسطے وصیت کی تو مثل ارث کے صحیح ہے اور اگر حربی غیر مستامن (۳) کے واسطے وصیت کی تو نہیں صحیح ہے یہ کافی میں ہے اور اگر ذمی نے حربی مستامن کے واسطے وصیت کی تو جائز ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر کوئی مسلمان نعوذ باللہ مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی یا مجوسی وہ گیا پھر اُس نے وصیتوں میں سے کوئی وصیت کی تو امام اعظمؒ کے قول پر اُس کی وصیتوں میں سے جو ایسی وصیتیں ہیں کہ مسلمان کی طرف سے صحیح ہوتی ہیں موقوف (۴) رہیں گی اور جو مسلمان کی طرف سے صحیح نہیں ہوتی ہیں وہ باطل ہوں گی اور صاحبینؒ کے نزدیک تصرفات مرتد فی الحال نافذ ہوتے ہیں پس جس قوم کی طرف مرتد ہو گیا ہے جو وصیتیں اُس قوم کی طرف جمع ہو سکتی ہیں ویسی وصیتیں اُس کی صحیح ہوں گی حتیٰ کہ اگر اُس نے ایسی وصیت کی جو اُس قوم کے نزدیک کار ثواب اور ہمارے نزدیک معصیت ہے اور یہ وصیت ایک قوم غیر معین کے واسطے واقع ہوئی تو صاحبینؒ کے نزدیک صحیح نہ ہو گی اور رہی مرتدہ عورت سو وہ جس قوم کی طرف مرتد ہو گئی ہے جو اُس قوم سے صحیح ہو سکتی ہے وہ اس عورت مرتدہ کی وصیتیں بھی صحیح ہوں گی اور کتاب میں فرمایا کہ سوائے ایک صورت کے وہ یہ ہے کہ ایسی وصیت کی کہ اُن کے نزدیک کار ثواب ہے اور ہمارے نزدیک معصیت ہے مثلاً کنیسہ یا بیعہ کی تعمیر کی وصیت کی اس کے مانند کوئی وصیت کی اور یہ وصیت ایک قوم غیر معین کے واسطے واقع ہوئی تو میں اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ سے کوئی حکم یاد (۵) نہیں رکھتا ہوں اور مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ صحیح ہے اور بعض نے فرمایا کہ نہیں صحیح ہے یہ محیط میں ہے اور مبتدع اگر اُس کی تکفیر کا حکم نہ ہو تو حق وصیت میں بمنزلہ مسلمان کے ہے اس واسطے کہ بظاہر وہ اسلام کا دعویٰ کرتا ہے اور اگر اُس کی تکفیر کا حکم ہو تو وہ بمنزلہ مرتد کے ہے پس اُس کے تصرفات میں امام اعظمؒ و صاحبینؒ کے درمیان وہی اختلاف ہو گا جو مرتد کے حق میں معروف ہے یہ کافی میں ہے۔

اگر یہودی یا نصرانی نے اپنی صحت میں کنیسہ یا بیعہ بنایا پھر مر گیا تو وہ میراث ہو گا یہ بدایہ مسائل شتی میں ہے۔ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں کوئی وصیت نہ کروں گا پھر اُس نے مرض الموت میں چیز ہبہ کی یا اپنا بیٹا خرید اجو آزاد[1] ہو گیا تو وہ شخص حانث نہ ہو گا اور اگر اپنے وارث کو کچھ ہبہ کیا حالانکہ مرض الموت کا مریض ہے یا وارث کے واسطے کسی چیز کی وصیت کی اور اس کے نافذ کرنے کا حکم کیا تو امام ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ دونوں باطل ہیں اور اگر باقی وارثوں نے اس طرح اجازت دی کہ میت نے جس چیز کا حکم کیا ہے ہم نے اُس کی اجازت دی تو یہ وصیت کی طرف راجع ہو گی اس واسطے کہ وصیت ہی کا حکم دیا ہے ہبہ کی طرف راجع نہ ہو گی اور اگر وارثوں نے اس طرح اجازت دی کہ ہم نے فعل میت کی اجازت دی تو ہبہ و وصیت دونوں کے حق میں اجازت صحیح ہو گی۔ ایک مریض نے کچھ وصیتیں کیں پھر وہ اس مرض سے اچھا ہو گیا اور برسوں زندہ رہا پھر بیمار ہوا تو اُس کی وصیتیں باقی رہیں گی بشرطیکہ اُس نے ان وصیتوں کے وقت یہ نہ کہا ہو کہ اگر میں اس مرض سے مر جاؤں تو یا اگر میں اس مرض سے اچھا نہ ہوں تو میں نے یہ وصیت کی یا فارسی میں

---

[1] یعنی باپ کے مالک ہوتے ہی آزاد ہو گیا بدیں وجہ کہ جو ذی رحم محرم کا مالک ہوتا ہے وہ اُس کی طرف سے آزاد ہو جاتا ہے ۱۲

(۱) یا مسلمان کے لیے ۱۲ (۲) اس واسطے کہ کفر کت واحدہ ہے ۱۲ (۳) اور یہ مسئلہ مفصل پہلے گذر چکا ہے ۱۲ (۴) یہاں تک کہ اُس کا انجام کار معلوم ہو ۱۲ (۵) جیسے رافضی و خارجی وغیرہ ۱۲

کہا (مرا ازیں بیماری اگر مرگ آید یا اگر ازیں بیماری بمیرم) اور اگر اُس نے یہ شرط لگائی ہو تو اچھے ہو جانے کی صورت میں یہ وصیتیں باطل ہو جائیں گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے وصیت کی اور کہا کہ اگر میں اپنے اس مرض سے مر جاؤں تو میرے غلام آزاد ہیں اور غلام کو میرے مال سے اس قدر دیا جائے اور میری طرف سے حج کیا جائے پھر وہ اس مرض سے اچھا ہو گیا پھر دوبارہ بیمار ہوا اور جن لوگوں کو پہلی بیماری میں وصیت پر گواہ کیا تھا اُنہیں سے یا دوسرے گواہوں سے کہا کہ تم گواہ رہو کہ میں اپنی پہلی وصیت پر ہوں تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ قیاساً یہ باطل ہے کیونکہ وہ جب مرض اوّل سے اچھا ہوا جبھی یہ وصیتیں باطل ہو چکی ہیں لیکن میں اس مسئلہ میں استحسان کو لیتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ یہ سب جائز ہے اور سب وصیتوں کا حصہ تہائی مال سے لگایا جائے گا اور یہ قیاس واستحسان ایسی صورت میں ہے کہ مریض نے کہا کہ میں نے عبداللہ کے واسطے سو درم کی وصیت کی اور مساکین کے واسطے سو درم کی وصیت کی پھر کہا کہ میں اگر اس مرض سے مر جاؤں تو میرے غلام آزاد ہیں پھر اچھا ہو گیا اور پھر دوبارہ بیمار ہوا یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے کچھ وصیتیں کیں اور اُس کا وصیت نامہ لکھ دیا پھر اس کے بعد بیمار رہا اور پھر بھی کچھ وصیتیں کیں اور وصیت نامہ لکھ دیا پس اگر وصیت نامہ ثانی میں یہ تحریر نہ کیا کہ میں نے وصیت اوّل سے رجوع کیا ہے تو دونوں وصیتوں کی تعمیل کی جائے گی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک شخص نے کچھ وصیت کی پھر اُس کو وسواس[1] نے گھیرا جس سے وہ معتوہ ہو گیا اور ایک مدت ایسا ہی رہا پھر اس کے بعد مر گیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ وصیت باطل ہے۔ ایک مریض نے بسبب ضعف کے گفتگو کرنے پر قادر نہیں ہے لیکن اُس کی عقل موجود ہے پس اُس نے سر سے کسی وصیت کا اشارہ کیا تو محمد بن مقاتل نے فرمایا کہ اشارہ سے اُس کی وصیت جائز ہے اور ہمارے اصحاب نے اس وصیت کو جائز نہیں رکھا ہے اور ناطفی نے فرمایا کہ کیسانیات میں مذکور ہے کہ ایک شخص کو فالج نے مارا پس اُس کی زبان جاتی رہی اور گفتگو سے عاجز ہو گیا پس اُس نے اشارہ سے وصیت کی یا لکھ دیا پھر ایک مدت تک یہی حال رہا اور زمانہ[2] دراز گذر گیا تو اُس کا حکم مثل گونگے (۱) کے ہے اور حسن بن زیاد سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو ہزار درم دیئے اور کہا کہ یہ ہزار درم زید کے واسطے ہیں اگر میں مر جاؤں تو تو اُس کو دے دینا پھر مر گیا تو ماموز زید کو موافق حکم میت کے دے دے گا اور اگر یہ نہ کہا کہ یہ واسطے فلاں کے ہیں بلکہ یہ کہا کہ زید کو یہ درم دے دینا پھر مر گیا تو ماموز درم زید کو نہ دے گا۔ شیخ ابو نصر الدبوسی سے روایت ہے کہ مریض نے ایک شخص کو دراہم دیئے اور کہا کہ ان کو زید کو دینا یا کہا کہ میرے بیٹے کو دینا پھر مر گیا حالانکہ میت پر قرضے ہیں تو فرمایا کہ اگر اُس نے فقط یہی کہا کہ میرے بھائی یا بیٹے کو دے دینا اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو ماموران دراہم کو قرض خواہان میت کو دے دے گا اور شیخ نصیرؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ تم لوگ یہ دراہم یا یہ کپڑے زید کو دے دینا اور یہ نہ کہا کہ یہ اُس کے واسطے ہیں اور یہ بھی نہ کہا کہ یہ اُس کے واسطے وصیت ہیں تو فرمایا کہ یہ باطل ہے۔ اس واسطے کہ یہ نہ اقرار ہے اور نہ وصیت ہے۔ ایک شخص نے وصیتیں کیں اور اُس کے پیچھے لوگوں نے اُس کی وصیتوں کو زیوف وردی درموں سے نافذ کیا تو اس میں مشائخؒ نے اختلاف کیا ہی شیخ ابو بکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ اگر وصیت کسی قوم معین کے واسطے ہو اور وہ لوگ باوجود علم اس بات کے ایسے درموں پر راضی ہو گئے تو جائز ہے اور اگر غیر معین فقیروں کے واسطے کی تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ ایک شخص نے وصایائے نقدی کی وصیت کی حالانکہ نقود مختلف رائج ہیں تو خرید فروخت میں جو نقد سب سے زیادہ رائج ہو اُسی سے اُس کی وصیتیں نافذ کی جائیں گی ایک

[1] یعنی خلاف عقل کے اوہام فاسدہ اس کے دماغ پر غالب ہو گئے ۱۲ [2] قال المترجم زمانہ دراز سے ایک سال مراد ہے کذا صرح بہ بعضہم ۱۲

(۱) یعنی وصیت جائز ہے ۱۲

مریض نے ہزار درم شکستہ کی وصیت کی حالانکہ اُس کے دراہم ثابت ہیں تو اُس کے ثابت درموں سے کوئی چیز خرید کر پھر یہ چیز شکستہ درموں سے فروخت کر کے اُس کی وصیت نافذ کی جائے گی۔ ایک مریض سے لوگوں نے کہا کہ تو وصیت کیوں نہیں کرتا ہے اُس نے کہا کہ میں نے وصیت کی کہ میرا تہائی مال سے نکالا جائے پس ہزار درم مسکینوں کو صدقہ دیئے جائیں اور اس سے زیادہ کچھ نہ کیا جائے یہاں تک کہ مر گیا پھر ظاہر ہوا کہ اُس کا تہائی دو ہزار درم ہے تو شیخ امام ابوالقاسم نے فرمایا کہ فقط ہزار درم صدقہ کئے جائیں اور اگر مریض نے کہا کہ میں نے وصیت کی کہ میرے تہائی مال سے نکالا جائے اور کچھ زیادہ نہ کہا تو اس کا پورا تہائی مال فقیروں کو صدقہ دیا جائے گا اور حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ ایک مریض نے کہا کہ میں نے فلاں کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور وہ ہزار درم ہیں پس ظاہر ہوا کہ تہائی مال اس سے زیادہ ہے تو احسن نے فرمایا کہ تہائی پوری وصیت میں دی جائے گی چاہے جس قدر ہو اسی طرح اگر کہا کہ میں نے اس دار میں سے اپنے حصہ کی وصیت کی اور وہ تہائی ہے پھر ظاہر ہوا کہ اُس کا حصہ نصف ہے تو بھی فرمایا کہ پورا تہائی مال جو نصف دار ہے دیا جائے گا اور اگر کہا کہ میں نے ہزار درم کی وصیت کی اور وہ میرا دسواں حصہ مال ہے تو موصی لہ کو فقط ہزار درم ملیں گے خواہ دسواں حصہ اس سے زیادہ ہو یا کم ہو اور اگر کہا کہ میں نے زید کے واسطے تمام اُس مال کی جو اس تھیلی میں ہے وصیت کی اور وہ ہزار درم ہیں پھر ظاہر ہوا کہ اس میں دو ہزار درم ہیں تو زید کو جو کچھ اُس تھیلی میں ہے سب ملے گا بشرطیکہ اُس کے تہائی مال سے زائد نہ ہو اسی طرح اگر تھیلی میں بجائے درم کے دینار و جواہر وغیرہ کوئی چیز پائی گئی تو بھی زید کو ملے گی اور اگر کہا کہ میں نے زید کے واسطے ہزار درم کی وصیت کی اور وہ پورا وہ مال ہے جو اس تھیلی میں ہے تو زید کو فقط ہزار درم ملیں گے اور اگر کہا کہ میں نے زید کے واسطے اُس مال کی جو اُس تھیلی میں ہے ہزار درم کی وصیت کی حالانکہ ہزار درم اس تھیلی کے مال کا نصف ہے یا تھیلی میں تین ہزار درم ہیں تو زید کو فقط ہزار درم ملیں گے اور اگر تھیلی میں ہزار درم ہوں تو زید کو ملیں گے اور اگر تھیلی میں فقط پانچ سو درم ہوں تو اُس کو پانچ سو درم ملیں گے اور کچھ نہ ملے گا اور اگر تھیلی میں دینار یا جواہر وغیرہ ہوں تو زید کو کچھ نہ ملے گا فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ بنا بر قیاس امام اعظمؒ کے چاہئے کہ موصی لہ کو اس میں سے بقدر ہزار درم کے دیئے جائیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر کہا کہ میں نے تمام اُس چیز کی جو اس بیت میں ہے وصیت کی وہ ایک کُر گیہوں ہیں پھر معلوم ہوا اس میں کہ کئی کُر گیہوں ہیں یا گیہوں و جو ہیں تو سب موصی لہ کو ملیں گے بشرطیکہ اُس کے تہائی مال سے برآمد ہوں یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

اگر کہا کہ میں نے زید کے واسطے اس تھیلی میں سے ہزار درم کی وصیت کی اور اس دوسری تھیلی میں سے زید کے واسطے ہزار درم کی وصیت کی تو دونوں تھیلیوں سے اس کو ملیں گے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے وصیت کی کہ میری طرف سے ہزار درم صدقہ کئے جائیں پھر وارثوں نے اُس کی طرف سے گیہوں صدقہ کئے یا اس کے برعکس واقع ہوا تو ابن (۱) مقاتل نے فرمایا کہ یہ جائز ہے۔ اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اُس نے یوں وصیت کی کہ میری طرف سے ہزار درم گیہوں دے کر صدقہ کئے جائیں لیکن یہ لفظ سوال میں سے ساقط ہو گیا ہے پھر ابن مقاتل سے دریافت کیا گیا کہ اگر گیہوں موجود ہوں الا وارثوں نے گیہوں کی قیمت دے دی تو فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یہ بھی جائز ہو گا اور اگر ایک شخص نے درموں کی وصیت کی ہو مگر لوگوں نے گیہوں دیئے تو نہیں جائز ہے اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ بعض مشائخؒ نے کہا کہ یہ جائز ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اگر اُس نے وصیت کی کہ یہ غلام فروخت کر کے اُس کا ثمن مساکین کو صدقہ کیا جائے تو وارثوں کو روا ہے کہ نفس غلام صدقہ میں دے دیں[1] اور اگر وصی سے کہا کہ دس

---

[1] کیونکہ اس صورت میں بھی اُس کا مقصد حاصل ہے ۱۲ (۱) ابن مقاتل سے دریافت کیا گیا ۱۲

کپڑے خرید کر اُن کو صدقہ کرنا پھر وصی نے دس کپڑے خریدے تو اُس کو اختیار ہوگا کہ کپڑوں کو فروخت کر کے اُس کا ثمن صدقہ کر دے اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر معین ہزار درم کے صدقہ کرنے کی وصیت کر دی پھر وصی نے بجائے ان درموں کے مال میت سے صدقہ کر دیا تو جائز ہے اور اگر دراہم وصیت قبل اس کے کہ وصی صدقہ کرے تلف ہو گئے تو مثل اُن کے وارثوں کے واسطے تاوان دے گا اور نیز امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر ایک شخص نے ہزار درم معین اپنی طرف سے صدقہ کرنے کی وصیت کی پھر یہ درم تلف ہو گئے تو وصیت باطل ہو جائے گی ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال سے کسی قدر محتاج حاجیوں کو صدقہ میں دیا جائے تو کیا سوائے محتاج حاجیوں کے دوسرے فقیروں کو دینا روا ہے یا نہیں ہے تو امام ابو نصرؒ نے فرمایا کہ یہ جائز ہے کیونکہ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ فقراء مکہ معظمہ کو صدقہ دیا جائے تو فرمایا کہ سوائے فقراء[1] کے غیروں کو بھی صدقہ دینا جائز ہے۔ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا تہائی مال صدقہ کر دیا جائے پھر ایک شخص نے وصی سے مال غصب کر کے تلف کر دیا پس وصی نے چاہا کہ یہ مال اسی غاصب کو صدقہ دیا ہوا اقرار دے حالانکہ غاصب تنگدست ہے تو شیخ ابو القاسم نے فرمایا کہ یہ جائز ہے ایک شخص نے مال حرام پایا اور مرتے وقت وصیت کی کہ یہ مال اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے تو فرمایا کہ اُس کا مالک معلوم ہو تو یہ مال اُس کو واپس دیا جائے اور اگر معلوم نہ ہو تو صدقہ کیا جائے اور اگر وارثوں نے اس اقرار میں اپنے مورث کی تکذیب کی تو فرمایا کہ اس میں سے بقدر ایک تہائی کے صدقہ کی جائے ایک عورت نے اپنی وصیت میں کہا کہ (خویشان مرا یادگار ہست از مال من) یعنی میرے مال میں میرے اقربا کے واسطے بھی یادگار ہے تو فرمایا کہ مال میں سے اُس کے رشتہ دار بسی کو دیا جائے گا جو اُس کا وارث نہیں ہے اور اس مال کی مقدار مقرر کرنے میں اُس شخص کو اختیار رہوگا جس سے عورت نے اِس وصیت کا خطاب کیا ہے پس عورت مذکور کے مال سے جس قدر چاہے دے دے اور ادنیٰ مقدار کہلائے گی جس پر یادگاری کا اطلاق ہو سکے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر اپنے افضل غلامان یا خیر غلامان کی مساکین کے واسطے وصیت کی اور یہ وصیت کی کہ فروخت کر کے اُس کا ثمن مسکینوں میں خرچ کیا جائے تو غلاموں میں جو از راہ قیمت افضل و بہتر ہو وہ لیا جائے گا۔ اور اگر کہا کہ میں نے اپنے غلاموں میں سے بہتر یا افضل کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو ذہن کی راہ سے جو غلام سب سے افضل ہو اُس کو دیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے اپنے تہائی مال کی واسطے مساکین کے وصیت کی حالانکہ اُس کا وطن دوسرے شہر میں ہے اور فی الحال وہ ایک غیر وطن میں موجود ہے تو فرمایا کہ اگر اُس کے ساتھ کچھ مال ہو تو وہ اس شہر کے فقیروں کو دے دیا جائے گا اور جو اُس کے وطن میں ہو وہ اُس کے وطن کے مسکینوں کو دیا جائے گا اور اگر وصیت کی کہ میرا تہائی مال فقراء بلخ کو دیا جائے تو افضل یہی ہے کہ اُنہیں فقیروں کو دیا جائے اور اگر غیروں کو دیا گیا تو بھی جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ سوائے فقراء بلخ کے غیر فقیروں کو دینا روا نہیں ہے اور اگر وصیت کی کہ دس روز میں یہ صدقہ کیا جائے پس وصی نے ایک ہی روز میں صدقہ کر دیا تو نوازل میں لکھا ہے کہ جائز ہے اور نیز نوازل میں لکھا ہے کہ اگر وصیت کی کہ ہر فقیر کو ایک درم دیا جائے پس وصی نے اُس کو نصف درم دیا اور پھر دوسرا نصف دیا حالانکہ فقیر اوّل نصف کو خرچ کر چکا ہے تو مجھے امید ہے کہ وصی ضامن نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے۔ اور اگر وصیت کی کہ میرے کفارہ کے واسطے دس مسکین کھلائے جائیں پس وصی نے دس مسکینوں کو صبح کا کھانا کھلایا پھر وہ سب مر گئے تو وصی ضامن نہ ہوگا اور دوسرے دس مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلائے اور اگر کہا کہ میری طرف سے دس مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلایا جائے اور کفارہ کا نام نہ لیا پس وصی نے دس مسکینوں کو صبح کا کھانا کھلایا پھر وہ مر گئے تو دوسرے دس مسکینوں کو شام کا کھانا کھلائے اور بعض نے

---

(۱) یعنی مکہ کے سوا دوسری جگہ کے محتاج کو دے دے ۱۲

دوسری صورت میں فرمایا ہے کہ استحساناً وصی ضامن نہ ہوگا اور سوائے اُن کے دوسرے دس مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلائے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر وصیت کی کہ میری وفات کے بعد تین سومن گیہوں فقیروں کو صدقہ دیئے جائیں پس وصی نے موصی کی حیات میں دو سومن بانٹ دیئے تو شیخ ابونصر نے فرمایا کہ جس قدر اُس نے موصی کی حیات میں بانٹے ہیں اُن کا ضامن ہوگا اور فرمایا کہ موصی کی وفات کے بعد بحکم حاکم تقسیم کرے تا کہ ضمان سے بری ہو جائے اور اگر بعد وفات موصی کے اُس نے بغیر حکم حاکم تقسیم کیے تو ضمان سے بری نہ ہوگا پس شیخ موصوف سے دریافت کیا گیا کہ اگر اُس نے بعد وفات موصی کے بحکم وارثان تقسیم کیے تو فرمایا کہ اگر وارثوں میں کوئی نابالغ بھی ہو تو وارثوں کا حکم ناجائز ہے اور اگر نابالغ نہ ہو تو اُن کا حکم جائز ہوگا اور جب اُس نے تقسیم کر دیا تو ضمان سے خارج ہو جائے گا اور شیخ[1] کہتے ہیں کہ بالغوں کا حکم و اجازت بقدر اُن کے حصہ کے صحیح ہے اور نابالغوں کے حصہ میں صحیح نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک شخص نے اپنے مرض میں وصیت کی کہ میں نے رمضان میں روزہ رکھ کر دن میں اپنی زوجہ سے وطی کی تھی پس تم لوگ فقیہوں سے دریافت کرنا جو کچھ مجھ پر واجب ہو اُس کو ادا کرنا پس اگر مملوک کی قیمت اُس کی باقی وصیتوں کے ساتھ اُس کے تہائی مال سے برآمد ہوتی ہو تو اُس ہی کی طرف سے ایک مملوک آزاد کیا جائے گا اور نیز اُس کی طرف سے نصف صاع گیہوں کھانے میں دیئے جائیں گے اور اگر مملوک کی قیمت اُس کے تہائی مال سے برآمد نہ ہوتی ہو تو وارثوں نے زیادہ میں سے اجازت نہ دی تو اُس کی طرف سے ساٹھ مسکین کھلائے جائیں گے ہر ایک کے واسطے دو گیہوں ہوں گے اور دو زیادہ ایک مسکین کے واسطے ہوں گے بشرطیکہ اُس کے تہائی مال سے برآمد ہو یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر وصیت کی کہ گیہوں و روٹی خرید کر مسکینوں کو صدقہ دی جائے تو جو لوگ گیہوں و روٹی لائیں گے ان حمالوں کی اجرت کس پر واجب ہوگی تو مشائخؒ نے فرمایا کہ اگر میت نے اس کی حمالی کی وصیت نہ کی ہو کہ کس مقام تک اُٹھوا کر لائی جائے تو موصی کو چاہئے کہ جو شخص بلا مزدوری اُٹھا لائے اُس سے مدد لے کر اُٹھوا لے اور بطور صدقہ کے اُس کو اس میں سے دے دے اور اگر میت نے مساجد تک اٹھانے کی وصیت کی ہو تو اُس کی مزدوری مال میت سے ہوگی۔ ایک شخص کو وصیت کی یعنی وصی مقرر کیا کہ میرا تہائی مال صدقہ کر دے پس اگر اُس نے اپنے واسطے رکھ لیا تو نہیں جائز ہے اگر اپنے بالغ بیٹے کو یا نابالغ کو جو قبضہ کو سمجھتا ہے دے دیا تو جائز ہے اور اگر صغیر مذکور قبضہ کو نہ سمجھتا ہو تو نہیں جائز ہے اور فتاویٰ میں لکھا ہے کہ عامل سلطان نے وصیت کی کہ میرے مال سے اس قدر مال فقیروں کو دیا جائے تو شیخ ابوالقاسمؒ نے فرمایا کہ اگر یہ بات معلوم ہو کہ یہ غیر کا مال ہے تو اُس کا لینا حلال نہیں ہے اور اگر معلوم ہو کہ یہ اُس کے مال میں مخلط[2] ہے تو لینا جائز ہے اور اگر معلوم نہ ہو تو جائز ہے یہاں تک کہ یہ ظاہر ہو کہ یہ غیر کا مال ہے فقیہؒ نے فرمایا کہ اگر مخلط ہو تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک وہ مال اپنے مالک کی ملک باقی ہے تو اُس کا لینا جائز نہ ہوگا اور سوائے مالک کو واپس دینے کے کوئی راہ نہیں ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک خلط کرنے سے غاصب اُس کا مالک ہو گیا پس اس کا لینا جائز ہے بشرطیکہ مال میت میں اس قدر رہو کہ جس سے اُس کے خصوم راضی ہو سکتے ہیں اور جامع میں لکھا ہے کہ اگر اپنے تہائی مال کی مسکینوں کے واسطے وصیت کی کہ اُس میں سے ہر سال آٹھ درم صدقہ کیے جائیں یا کہا کہ میں نے اپنے تہائی مال سے ہر سال سو درم صدقہ کرنے کی وصیت کی کہ تو اُسی پوری تہائی کو سال اوّل میں صدقہ کر دے گا اور اُس کو کئی سالوں پر متفرق نہ کرے گا۔ ایک شخص نے موت کے وقت وصیت کی کہ میرے قاتل کو عفو کیا جائے حالانکہ قتل عمد ہے تو بقیاس اوّل امام اعظمؒ کے باطل ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر زید کے واسطے اپنے چھٹے حصہ مال کی وصیت کی پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں زید ہی کے واسطے چھٹے حصے کی

[1] حسن بن منصور قاضی خان ۱۲ [2] غلط ملط جس کو ہمارے عرب میں گندبڈ اور ملا بلا بولتے ہیں ۱۲

وصیت کی اور ایک وصیت کے دو گواہ کر لئے یا نہیں کئے تو بالا جماع زید کو فقط ایک چھٹا حصہ ملے گا لیکن اگر وصیت زائد ہو یا ہر دو وصیت میں سے ایک زائد ہو تو ایسی صورت میں زیادہ میں کم داخل ہو جائے گی اور موصی لہ کو زیادہ دی جائے گی اور باقی کا حکم ساقط ہو جائے گا یہ شرح طحاوی میں ہے۔ شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنے تہائی مال کی فقیروں کے واسطے وصیت کی پس وصی نے تو انگروں کو دیا حالانکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ تو انگر ہیں تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ کافی نہ ہوگا اور فقیروں کے واسطے بالاتفاق وصی ضامن ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے زید کے واسطے تہائی مال دین کی وصیت کی اور عمرو کے واسطے تہائی مال عین کی وصیت کی اور دین سو درم ہے تو سو درم مال عین کی تہائی دونوں نصفا نصف تقسیم کر لیں گے پھر اگر قرضہ میں سے پچاس درم حاصل ہوئے تو وہ مال عین میں ملائے جائیں گے اور اس سب کی تہائی دونوں میں پانچ حصہ ہو کر تقسیم ہوگی اور اگر تہائی مال عین کی زید کے واسطے اور تہائی مال عین و دین کی عمرو کے واسطے وصیت کی اور قرضہ میں سے کچھ حاصل نہ ہوا تو تہائی مال عین کو دونوں نصفا نصف تقسیم کر لیں گے پھر اگر قرضہ میں سے پچاس درم حاصل ہوئے تو یہ مال عین میں ملائے جائیں گے پس صاحبینؒ کے نزدیک اس کے تہائی یعنی پچاس درم دونوں میں تین حصے ہو کر اس طرح تقسیم ہوں گے کہ اس میں سے ایک تہائی زید کو اور دو حصے عمرو کو ملیں گے اور امام اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی پچاس درم دونوں میں پانچ حصے ہو کر تقسیم ہوں گے اور اگر ایک شخص کے پاس سو درم عین ہوں اور سو درم کسی اجنبی پر دین ہوں پس اُس نے زید کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی تو وہ مال عین تہائی لے لے گا یہ ظہیریہ میں ہے اور فتاویٰ فضلی میں مذکور ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنے قرضہ کی نسبت جو دوسرے شخص پر آتا ہے یہ وصیت کی کہ وہ کارہائے خیر میں صرف کیا جائے تو وصیت قرضہ مذکور سے متعلق ہوگی پھر اگر اس کے بعد کسی قدر قرضہ قرض دار کو ہبہ کر دیا تو اسی قدر سے وصیت بھی باطل ہو جائے گی گویا اُس نے وصیت سے اس قدر میں رجوع کر لیا اور بقالی نے فرمایا کہ گیہوں دین میں داخل ہیں اور فرمایا کہ وصیت دین میں درم و دینار داخل ہوتے ہیں یہ محیط میں ہے۔

فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے کہ اگر متاع بدن خویش کی وصیت کی تو وصیت میں ٹوپی و موزہ و لحاف داؤپر کے کپڑے اور بچھونا سب داخل ہوں گے اور سیر میں لکھا ہے کہ متاع کا لفظ عرف و عادت میں اوڑھنے بچھونے پر اطلاق کیا جاتا ہے پس علی ہذا متاع کی وصیت میں جامہائے پوشیدنی و بچھونے و قمیص و فرش و پردہ سب داخل ہوں گے اور آیا ظروف بھی داخل ہوں گے یا نہیں سو اس میں مشائخؒ نے اختلاف کیا ہے اور امام محمدؒ نے سیر میں اشارہ کیا ہے کہ داخل ہوں گے۔ اگر ایک شخص نے اپنے گھوڑے مع سلاح کی وصیت کی تو امام ابو یوسفؒ سے دریافت کیا گیا کہ آیا یہ وصیت گھوڑے کے مال پر ہوگی یا موصی کے سلاح پر ہوگی تو فرمایا کہ موصی کے ہتھیاروں پر ہوگی اور بقالی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ ادنیٰ سلاح میں ڈھال، تلوار، نیزہ و کمان ہے اور اگر ایک شخص کے واسطے سونے یا چاندی کی وصیت کی اور موصی کی ایک تلوار سونے یا چاندی سے محلے ہے تو حلیہ موصی لہ کا ہوگا پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ اگر حلیہ الگ کرنے سے ضرر فاحش[1] نہ ہو تو تلوار سے الگ کر کے دیا جائے گا اور اگر اُس کے الگ کرنے میں ضرر فاحش ہو تو تلوار کی قیمت اور حلیہ کی قیمت کو دیکھا جائے گا پس اگر تلوار کی قیمت زیادہ ہو تو وارثوں کو اختیار ہوگا چاہیں موصی لہ کو حلیہ کی قیمت دوسری[(1)] جنس سے دے دیں پس تلوار حلیہ اُن کی ہو جائے گی اور اگر حلیہ کی قیمت زائد ہو تو موصی لہ کو اختیار ہوگا چاہے تلوار کی قیمت دے کر پس تلوار بھی اسی کی ہو جائے گی اور چاہے چھوڑ دے اور اگر دونوں کی قیمت برابر ہو تو وارثوں کو اختیار ہوگا اور اگر ایک شخص کے واسطے قز کی وصیت کی اور موصی کا ایک جبہ یا قبا ہے جس میں قز بھرا ہوا ہے تو موصی لہ کو کچھ نہ ملے گا اور اگر ایک شخص کے واسطے جامہ قز کی

---

[1] یعنی ایسا ضرر جو کھلا ہوا ہو کہ اس کو عام طور پر لوگ سمجھ سکتے ہوں ۱۲ (۱) یعنی اگر حلیہ چاندی ہے تو سونے سے قیمت دیں یا برعکس ۱۲ منہ

وصیت کی اور موصی کا ایک جبہ ہے جس کا استر قز ہے اور ابرہ دوسرا کپڑا ہے تو استر موصی لہ کا ہوگا اور دوسرا وارثوں کا ہوگا اور اگر ایک شخص کے لیے جبہ حریر کی وصیت کی اور موصی کا ایک جبہ ہے جس کا ابرہ حریر ہے اور استر بھی حریر ہے تو پورا جبہ وصیت میں داخل ہوگا اور اگر ابرہ حریر ہو اور استر دوسرا کپڑا ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر استر حریر ہو تو اُس کو کچھ نہ ملے گا اور اگر کسی کے واسطے زیور کی وصیت کی تو جن پر زیور کا اطلاق کیا جاتا ہے وہ سب وصیت میں داخل ہوں گی خواہ زمرد یا قوت سے جڑاؤ ہوں یا نہ ہوں اور یہ سب موصی لہ کو ملیں گے اور اگر کسی کے واسطے سونے کی وصیت کی اور موصی کا ایک کپڑا دیباج[1] کا ہے جس میں تار سونے کے ہیں پس اگر تار سونے کا ہے مثل سوت کے تو اُس کو کچھ نہ ملے گا اور اگر اس میں سونا ایسا ہو کہ دکھلائی دیتا ہو تو وہ موصی لہ کا ہوگا اور اُس کے سوائے وارثوں کا ہوگا پس کپڑا فروخت کیا جائے گا اور اُس کا ثمن اس سونے پر وباقی کپڑے پر تقسیم کیا جائے گا پس جس قدر سونے کے حصہ میں پڑے وہ موصی لہ کا ہوگا اور اگر زیور کی وصیت کی تو وصیت کی تو وصیت میں چاندی کی انگوٹھی داخل ہو جائے گی پس اگر انگوٹھیاں ہوں جن کو عورتیں پہنتی ہیں مرد نہیں پہنتے تو وصیت میں چاندی کی انگوٹھی داخل ہو جائے گی پس اگر ایسی انگوٹھیاں ہوں جن کو عورتیں پہنتی ہیں مرد نہیں پہنتے ہیں تو وہ وصیت میں موتی و زمرد و یاقوت داخل ہوں گے یا نہیں پس اگر یہ جواہرات سونے یا چاندی میں جڑاؤ ہوں تو بالاتفاق داخل ہو جائیں گے اور اگر جڑاؤ نہ ہوں تو امام اعظمؒ کے نزدیک داخل نہ ہوں گے اس واسطے کہ یہ زیور نہیں ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک زیور ہیں پس داخل ہوں گے یہ محیط میں ہے۔

نواں باب ☆

وصی اور اُس کے اختیارات کے بیان میں

کسی شخص کو نہ چاہئے کہ وصیت قبول کرے یعنی وصی ہونا قبول نہ کرے کیونکہ امام ابو یوسفؒ سے روایت کی گئی ہے کہ فرمایا کہ وصی ہونا اوّل مرتبہ غلطی[(۱)] ہے اور دوسری مرتبہ جنایت ہے اور تیسری مرتبہ چوری ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ وصی تین طرح کے ہوتے ہیں ایک امین کہ جس بات کی اُس کو وصیت کی گئی ہے اُس کے انجام دینے پر قادر ہو تو ایسا وصی مقرر رہے گا اور قاضی اُس کو معزول نہیں کر سکتا ہے دوم امین کہ انجام دہی سے عاجز ہو تو قاضی اُس کے ساتھ اُس کا مددگار مقرر کر دے گا۔ سوم فاسق یا کافر یا غلام ہے پس اس کا معزول کرنا و بجائے اس کے دوسرا مقرر کرنا واجب ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو روبرو وصی مقرر کیا اُس نے جواب دیا کہ میں وصیت نہیں قبول کرتا ہوں تو اُس کا رد کرنا صحیح ہے اور وہ وصی نہ ہوگا پھر اگر موصی نے اُس سے کہا کہ مجھے تجھ سے یہ امید نہ تھی کہ تو میری وصیت قبول نہ کرے پس موصی الیہ نے کہا کہ میں نے قبول کر لی تو جائز ہے اور اگر موصی کی زندگی میں اُس نے سکوت کیا موصی مر گیا تو اُس کو اختیار رہے گا چاہے وصیت قبول کرے یا رد کر دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر زید کو وصی مقرر کیا حالانکہ زید غائب ہے پھر موصی کی موت کے بعد زید کو یہ خبر پہنچی پس اُس نے کہا کہ میں نہیں قبول کرتا ہوں پھر کہا کہ میں نے قبول کر لی تو یہ جائز ہے تاوقتیکہ اُس کے قبول کرنے سے پہلے سلطان نے اُس کو خارج نہ کیا ہو یہ سراج الوہاج میں ہے۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ ایک شخص نے زید کو وصی مقرر کیا اُس نے موصی کی زندگی میں وصی ہونا قبول کر لیا تو یہ لازم ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر اُس نے موصی کی موت کے بعد اس سے الگ ہونا چاہا تو اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا اور اگر اُس نے موصی کی زندگی میں اُس کو رد کر دیا پس اگر اس طرح رد کیا کہ موصی کو معلوم ہو گیا تو رد کرنا صحیح ہے اور اگر اس طرح رد کیا کہ اُس کو معلوم نہ ہوا تو رد کرنا صحیح نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ زید کو ایک شخص نے وصی مقرر کیا اور اختیار دیا کہ جب چاہے وصی ہونے سے نکل جائے تو یہ جائز ہے اور

[1] ایک قسم کا ریشمی کپڑا بیش قیمت ہوتا ہے ۱۲ (۱) دوسری بار قبول کرے تو خائن ہے۔

اُس کو اختیار ہوگا کہ جب اور جس وقت چاہے وصی ہونے سے الگ ہو جائے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک شخص کو وصیت کی اُس نے کہا کہ میں قبول نہیں کرتا ہوں پھر موصی خاموش رہا یہاں تک کہ مر گیا پھر موصی الیہ[1] نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو قبول صحیح نہیں ہے۔ اور اگر وصی نے اُس کے منہ پر یہ نہ کہا کہ میں نہیں قبول کرتا ہوں بلکہ سکوت کیا پھر موصی کی زندگی میں اُس کے پیٹھ پیچھے یا اُس کی موت کے بعد ایک جماعت کے سامنے یہ کہا کہ میں نے قبول کیا تو یہ جائز ہے اور وہ وصی ہو جائے گا خواہ یہ قاضی کے سامنے کہا یا قاضی کے سامنے نہ ہوا اور اگر اُس کے اس کہنے کے وقت کہ میں قبول نہیں کرتا ہوں اُس کو خارج کر دیا ہو پھر اُس نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو قبول صحیح نہ ہوگا اور اگر اُس نے موصی کی پیٹھ پیچھے کہا کہ میں نہیں قبول کرتا ہوں اور اس پیغام کے واسطے ایک ایلچی بھیج دیا یا خط بھیج دیا حتیٰ کہ موصی کو اس کی خبر پہنچ گئی پھر اُس نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو قول صحیح نہ ہوگا اور اگر وصی نے موصی کے روبرو وصیت قبول کی پھر جب وصی غائب ہو گیا تو موصی نے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اُس کو وصی ہونے سے خارج کر دیا تو حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ اُس کا نکال دینا صحیح ہے اور اگر وصی نے موصی کی پیٹھ پیچھے یعنی بغیر اُس کی آگاہی کے وصایت رد کر دی تو ہمارے نزدیک اُس کا رد کرنا باطل ہے اور اگر زید نے عمرو کو وصی مقرر کیا اور عمرو کو یہ حال معلوم نہ ہوا پھر عمرو نے زید کی موت کے بعد اُس کے ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کی تو اُس کی بیع جائز ہوگی اور وصی ہونا اُس کو لازم ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک شخص نے زید و عمرو دونوں کو وصی کیا پس زید نے وصایت قبول کی اور عمرو نے سکوت کیا پھر موصی کی موت کے بعد قبول کرنے والے نے ساکت سے کہا کہ میت کے واسطے کفن خرید کر اُس نے کہا کہ اچھا تو یہ قبول وصیت ہے۔ اسی طرح اگر سکوت کرنے والا قبول کرنے والے کا خادم ہو لیکن وہ آزاد ہو اُس کے پاس کام کیا کرتا ہو اور قبول کرنے والے نے اُس سے کہا کہ میت کے واسطے کفن خرید کر اُس نے کہا کہ اچھا یا خرید کیا تو یہ قبول وصایت ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ کرخی نے فرمایا کہ اگر وصی نے وصایت قبول کی یا بعد موت کے تصرف کیا پھر چاہا کہ اپنے آپ کو وصی ہونے سے خارج کرے تو جائز نہیں ہے الّا حاکم کے نزدیک جا کر اُس کے حکم سے خارج ہو سکتا ہے اور مشائخؒ نے فرمایا ہے کہ جب وصی نے التزام کر لیا پھر قاضی کے پاس حاضر ہو کر اپنے آپ کو خارج کرنا چاہا تو حاکم اُس کے حال کو دیکھے گا اگر وہ امین و انجام دہی کار پر قادر ہو تو خارج نہ کرے گا اور اگر حاکم کو اُس کا عجز[2] و کفالت اشغال و کم فرصتی ثابت ہو تو خارج کرے گا یہ سراج الوہاج میں ہے فرمایا کہ اگر کسی نے اپنے غلام کو یا غیر کے غلام کو وصی کیا تو اس میں تین صورتیں ہیں اوّل آنکہ سب وارث بالغ ہوں دوم آنکہ بالغ و نابالغ دونوں ہوں سوم آنکہ سب نابالغ ہوں پس اگر اوّل و دوم صورت ہو تو وصیت باطل ہے ایسا ہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر و اصل میں ذکر کیا ہے اور باطل کہنے سے یہ مراد ہے کہ عنقریب وہ باطل کر دی جائے گی حتیٰ کہ اگر باطل کیے جانے سے پہلے اُس نے ترکہ میں مانند بیع وغیرہ کے کوئی تصرف کیا تو اُس کا تصرف نافذ ہوگا اور اُس کا عہدہ وارثوں کے ذمہ ہوگا اور اگر تیسری صورت ہو پس اگر غیر کے غلام کو وصی کیا ہو تو وصیت باطل ہے اور اگر اپنے غلام کو وصی کیا ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک وصیت جائز ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ باطل ہے اور باطل سے وہی مراد ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے اور امام محمدؒ کا قول اس مسئلہ میں مضطرب ہے بعض روایات میں وہ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ مذکور ہیں اور بعض امام ابو یوسفؒ کے ساتھ مذکور ہیں یہ محیط میں ہے۔

اگر اپنے مکاتب کو وصی مقرر کیا تو جائز ہے خواہ وارث بالغ ہوں یا نابالغ ہوں پس اگر مکاتب مذکور مال کتابت ادا کر کے

---

[1] وہ شخص جس کی جانب موصی نے وصیت پیش کی تھی ۱۲   [2] مجبور و لاچار ہونا ۱۲

آزاد ہو گیا تو برابر وصی رہے گا اور اگر عاجز ہو کر رقیق ہو گیا تو اُس کا حکم وہی ہے جو غلام مذکور ہوا ہے اور اگر ایسے غلام کو وصی مقرر کیا جو سعایت[1] کرتا ہے تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی جائز ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور اگر فاسق کو وصی مقرر کیا جس کی طرف سے موصی کے مال تباہ کرنے کا خوف ہے تو اصل میں مذکور ہے کہ وصیت باطل ہے یعنی قاضی اُس کو وصی ہونے سے خارج کر دے گا اور حسن نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ اگر فاسق کو وصی مقرر کیا تو قاضی کو چاہئے کہ اُس کو خارج کر کے بجائے اُس کے دوسرا وصی مقرر کر دے درحالیکہ فاسق ایسا شخص ہو جو وصی ہونے کے لائق نہیں ہے اور اگر قاضی نے وصیت کو نافذ کیا اور اس وصی نے قرضہ میت ادا کیا اور اُس کا ترکہ اس طرح فروخت کیا جیسا وصی لوگ فروخت کرتے ہیں قبل اس کے کہ قاضی اُس کو وصی ہونے سے خارج کرے تو جو کچھ اُس نے کیا ہے سب جائز ہوگا اور اگر قاضی نے اُس کو خارج نہ کیا یہاں تک کہ اُس نے فسق سے توبہ کر لی اور صالح ہو گیا تو قاضی اُس کو بر حال خود وصی چھوڑ دے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر قاضی کو معلوم نہ ہوا کہ میت کا کوئی وصی ہے پس اُس نے وصی کے سامنے دوسرا وصی مقرر کیا پس وصی اوّل نے کام میں مداخلت کی تو اُس کو اختیار رہوگا اور قاضی کا یہ فعل اُس کو وصیت سے خارج کرنا شمار نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے اور اگر قاضی کو میت کا وصی مقرر کرنا معلوم نہ ہوا پس اُس نے موصی کی غیبت میں دوسرا آدمی وصی مقرر کیا تو وصی وہی میت کا وصی ہوگا نہ وصی قاضی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مسلمان نے کسی حربی مستامن[2] یا غیر مستامن کو وصی مقرر کیا تو یہ باطل ہے یعنی قاضی اُس کے وصی ہونے کو باطل کر دے گا اس واسطے کہ اگر مسلمان نے ذمی کو وصی مقرر کیا تو قاضی اُس کو باطل کرے گا تو یہ بدرجہ اولیٰ باطل کرنے کے لائق ہے۔ اور اگر ذمی نے حربی کو وصی مقرر کیا تو نہیں جائز ہے اس واسطے کہ ذمی کی نسبت حربی کی طرف اس معاملہ میں ویسی ہی ہے جیسے مسلمان کی ذمی کی طرف اور مسلمان نے اگر ذمی کو وصی کیا تو باطل ہی اسی طرح ذمی کا حربی کو وصی مقرر کرنا بھی باطل ہے اور اگر حربی ایسا شخص ہو جس کی طرف سے مال تلف کر ڈالنے کا خوف ہو تو قاضی اُس کو وصی ہونے سے خارج کر دے گا اور بجائے اُس کے دوسرا شخص عادل مقرر کرے گا اور اگر ذمی نے دوسرے ذمی کو وصی مقرر کیا تو جائز ہے اور قاضی اُس کو وصی ہونے سے خارج نہ کرے گا اور اگر حربی دارالاسلام میں امان لے کر آیا اور اُس نے کسی مسلمان کو وصی مقرر کیا تو جائز ہے اور وہ خارج نہ کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر مسلمان نے کسی حربی کو وصی مقرر کیا پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اپنے حال پر وصی رہے گا اسی طرح اگر کسی مرتد کو وصی مقرر کیا پھر وہ مسلمان ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ایک عاقل کو مقرر کیا پھر وہ مجنون ہو گیا اور اُس کا جنون مطبق ہے تو قاضی کو چاہئے کہ اُس کی جگہ دوسرا شخص وصی مقرر کر دے اور اگر ہنوز قاضی نے ایسا نہ کیا یہاں تک کہ وہ اچھا ہو گیا تو بر حال خود وصی رہے گا اور اگر طفل یا معتوہ کو یا ایسے مجنون کو جس کا جنون مطبق ہے وصی مقرر کیا تو جائز نہیں ہے خواہ مجنون مذکور کو اس کے بعد افاقہ ہو جائے یا نہ ہو۔ اور اگر مرتد نے اپنے فرزند نابالغ مسلمان کا مال فروخت کیا پھر مرتد مذکور مسلمان ہو گیا تو ابن رستم نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ اس کی بیع جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر کسی مرد نے عورت یا اندھے کو وصی مقرر کیا تو جائز ہے اسی طرح اگر ایسے شخص کو جو تہمت لگانے میں شرعی حد مارا گیا ہے وصی کیا تو بھی جائز ہے اور اگر طفل کو وصی مقرر کیا تو قاضی اُس کو خارج کر دے گا اور بجائے اس کے دوسرا وصی مقرر کر دے گا ایسا ہی خصافؒ نے ذکر فرمایا ہے اور آیا طفل کے تصرفات قبل اُس کے خارج کئے جانے کے مثل غلام و ذمی کے تصرفات کے نافذ ہوں گے یا نہیں سو اس میں مشائخؒ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ نافذ ہوں گے اور بعض نے فرمایا کہ

---

[1] یعنی سعایت کرتا ہے تا کہ کمائی دے کر آزاد ہو جائے یعنی جس پر سعایت لازم ہے در واقع وہ آزاد ہے علی اختلاف فی ذلک فافہم ۱۲ منہ

[2] وہ کافر حربی جو دار الحرب سے دار الاسلام میں امان لے کر ایک مدت معینہ کے واسطے داخل ہو ۱۲

نہیں نافذ ہوں گے اور یہی صحیح ہے اور فرمایا کہ اگر طفل غلام و ذمی کو قاضی نے ہنوز وصایت سے خارج نہ کیا ہو کہ طفل بالغ ہو گیا اور غلام آزاد کیا گیا و ذمی مسلمان ہو گیا تو ذمی و غلام وصی باقی رہیں گے اور پھر قاضی اُن کو وصی ہونے سے خارج نہ کرے گا اور رہا طفل تو اُس کے حق میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ وصی نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وصی ہوگا اور امام محمدؒ کا قول مثل قول ابو یوسفؒ کے ہے اور نوادر ابراہیم میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر زید کو وصی مقرر کیا اور کہا کہ اگر تو مر جائے تو تیرے بعد عمرو وصی ہو گا پس زید کو جنون مطبق ہو گیا تو قاضی بجائے اُس کے دوسرا وصی مقرر کرے گا یہاں تک کہ مجنون مذکور مر جائے پھر عمرو وصی ہو جائے گا۔ اور ابن سماعہ نے اپنی نوادر میں امام محمدؒ سے روایت کی کہ اگر ایک شخص نے اپنے طفل نابالغ کو وصی مقرر کیا تو فرمایا کہ قاضی بجائے اُس کے دوسرا وصی مقرر کرے گا مگر حکم میت جائز ہے لہٰذا جب وہ طفل بالغ ہو جائے گا تو جائز ہوگا کہ قاضی اپنے مقرر کردہ وصی کو خارج کر دے اور بدون اخراج قاضی کے وہ خارج نہ ہو جائے گا یہ محیط میں ہے اور اگر ایسے شخص کو وصی مقرر کیا جو کارہائے وصیت کے انجام دینے سے عاجز ہے تو قاضی اُس کے ساتھ دوسرا مددگار مقرر کر دے گا اور اگر وصی نے قاضی کے پاس جا کر اپنی عاجزی کی شکایت کی تو قاضی اُس کی درخواست کو منظور نہ کرے گا جب تک کہ تحقیق کر کے اس حال کو معلوم نہ کرے پھر اگر قاضی کے نزدیک ثابت ہوا کہ وہ بالکل عاجز ہے تو اُس کو موقوف کر کے دوسرا وصی مقرر کر دے گا اور اگر وہ شخص کارہائے وصیت کی انجام دہی پر قادر ہو اور مرد امین ہو تو قاضی کو اس کے موقوف کرنے کا اختیار نہیں ہے اسی طرح اگر وارثوں نے یا بعض وارثوں نے قاضی کے پاس وصی کی شکایت کی تو بھی قاضی کو اُس کا موقوف کرنا نہ چاہئے یہاں تک کہ قاضی کو اُس کی کوئی خیانت ثابت ہو جائے پھر اگر اُس کی کوئی خیانت ثابت ہو تو اُس کو معزول کر دے یہ کافی میں ہے۔

قاضی کے نزدیک اگر وصی متہم ہوا تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ قاضی اُس کو موقوف نہ کرے گا بلکہ اُس کے ساتھ دوسرا آدمی مقرر کر دے گا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ معزول کر دے گا اور یہی ظاہر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ فتاویٰ فضلی میں ہے کہ ایک شخص جو مال وقف یا ترکہ میت کے واسطے وصی مقرر ہے کارہائے ترکہ میت یا امورات وقف کے انجام دینے سے عاجز ہوا پس حاکم نے دوسرا وصی مقرر کیا پھر وصی اوّل نے بعد چند روز کے کہا کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا تھا اب میں اُس کی انجام دہی پر قادر ہو گیا ہوں پس آیا قاضی اُس کو دوبارہ اپنی حالت سابق پر پہنچائے گا فرمایا کہ وہ اپنی حالت پر بدستور وصی ہے اُس کو قاضی کی طرف سے دوبارہ مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے دو آدمیوں کو وصی مقرر کیا تو امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں میں سے ایک وصی تنہا تصرف نہیں کر سکتا ہے اور اگر تصرف کیا تو بدون اجازت دوسرے کے نافذ نہ ہوگا لیکن چند چیزوں میں تنہا ایک کا تصرف نافذ ہوگا از انجملہ تجہیز و تکفین میت و ادائے قرضہ میت بشرطیکہ ترکہ از جنس قرضہ ہو اور مال عین کی وصیت میت کا نافذ کرنا جب کہ وصیت بعین ہو اور ثواب کی راہ سے بردہ آزاد کرنا اور سالہائے مغصوبہ و ودائع کا واپس دینا اور میت کا قرضہ دوسرے سے وصول کرنا یا میت کی ودیعت سے کسی سے وصول کرنا ان میں تنہا ایک وصی قبضہ نہیں کر سکتا ہے اس واسطے کہ یہ از باب امانت ہے اور میت کے حقوق جو لوگوں پاس یا اُن پر ہیں اُن کی نالش تنہا ایک وصی کر سکتا ہے اور تنہا ایک وصی کو اختیار ہے کہ صغیر کی طرف سے اُس کا ہبہ قبول کر لے یا کیلی وزنی چیز تقسیم کر لے یا صغیر کو کسی کام کی اجازت دے دے اور نیز ایسی چیز کہ جس کے تباہ و تلف ہو جانے کا خوف ہے وہ ذخیرہ نہیں رکھی جاتی ہے تنہا فروخت کر سکتا ہے جیسے ساگ پات وغیرہ۔ اور اگر میت نے وصیت کی کہ میرے مال سے اس اس قدر صدقہ کر دیا جائے اور کسی فقیر کو معین نہ کیا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک تنہا ایک وصی اس کو نہیں کر سکتا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کر سکتا ہے اور اگر کسی فقیر کو معین کر دیا ہو تو بالاتفاق تنہا اس کو ایک وصی نافذ کر سکتا ہے اور اگر

مساکین کے واسطے کسی چیز کی وصیت کی اور مساکین کو معین نہ کیا تو بھی ایسا ہی اختلاف ہے کہ امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک تنہا نہیں دے سکتا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تنہا دے سکتا ہے اور اگر مسکین کو معین کر دیا تو بالاتفاق تنہا دے سکتا ہے۔ یہ سب اُس صورت میں ہے کہ ایک ہی کلام میں ایک ساتھ دونوں کو وصی مقرر کیا ہو اور اگر ایک کو پہلے مقرر کیا پھر دوسرے کو مقرر کیا تو شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ ایسی صورت میں ہر ایک تنہا تصرف کا مختار ہے اور بعض نے فرمایا کہ امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک بہر حال ایک کو تنہا تصرف کا اختیار نہیں ہے اور اسی کو شمس الائمہ سرخسی نے اختیار کیا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر دو آدمیوں کو وصی مقرر کیا اور کہا کہ ہر ایک ان دونوں میں سے پورا وصی ہے تو ہر ایک کو تنہا تصرف کا اختیار ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے ایک شخص نے ایک کو خاص ایک شے کا وصی مقرر کیا مثلاً اُس کو اپنے قرضہ کے تصرفات کا جو لوگوں پر آتا ہے وصی مقرر کیا اور دوسرے کو دوسرے نوع کا وصی کیا مثلاً کہا کہ جو مجھ پر قرضہ ہے اُس کے ادا کرنے کا تو وصی ہے اور تیسرے سے کہا کہ میں نے تجھ کو اپنے مال کے کاموں کی پرداخت کا وصی مقرر کیا یا ایک سے کہا کہ میں نے تجھے اپنے قرضہ کے تقاضے کا وصی مقرر کیا اور اُس کے سوائے اُس کو کچھ وصیت نہیں کی اور فلاں دوسرے کو اپنے تمام مال کی پرداخت کا وصی مقرر کیا تو ہر ایک وصی امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تمام انواع کے واسطے وہ وصی ہو جائے گا گویا اُس نے دونوں کو وصی مقرر کر دیا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جس کو میں امر کی وصیت کی ہے اُسی کے کام کے واسطے وہ وصی ہو گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ امام ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ اگر زید کو اپنے ایک پسر پر وصی مقرر کیا اور عمرو کو دوسرے پسر پر وصی مقرر کیا یا ایک کو اپنے مال حاضر پر وصی کیا اور دوسرے کو مال غائب پر وصی کیا پس اگر شرط لگا دی کہ جس کام کے واسطے ایک وصی ہے اُس میں دوسرے کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ تو بالاتفاق اُس کی شرط کے موافق حکم ہو گا اور اگر ایسی شرط نہ لگائی ہو تو مسئلہ میں اختلاف مذکور جاری ہو گا اور فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو وصی[1] مقرر کیا پھر ایک مر گیا تو بنا بر قول امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے زندہ کو اُس کے مال میں تصرف کا اختیار نہ ہو گا پس یہ مقدمہ قاضی کے پاس پیش کیا جائے گا پس اگر قاضی کی رائے میں آیا کہ اس کو تنہا وصی کر کے تمام اختیار دے دے تو ایسا کرے گا اور اگر بجائے میت کے اس کے ساتھ دوسرا آدمی مقرر کرنا مصلحت معلوم ہوا تو ایسا کرے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جس طرح اُس کی زندگی میں دوسرے کو تنہا تصرف کا اختیار تھا اُسی طرح اُس کے مر جانے کے بعد بھی دوسرے کو تنہا تصرف کا اختیار رہے گا اور یہاں تین مسائل ہیں ایک تو یہی ہے اور دوسرا یہ کہ ایک شخص نے دو آدمیوں کو وصی مقرر کیا پھر مر گیا پھر دونوں میں سے ایک نے وصیت قبول کی دوسرے نے قبول نہ کی یا موصی کی موت سے پہلے ایک وصی مر گیا اور دوسرے نے وصی ہونا قبول کیا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک قبول کرنے والے کو تنہا تصرف کا اختیار نہ ہو گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہو گا سوم آنکہ دو شخصوں کو وصی مقرر کیا پھر ان میں سے ایک فاسق ہو گیا تو قاضی کو اختیار ہے چاہے دوسرے کو تمام مختار کر دے اور چاہے فاسق کے بجائے دوسرا عادل مقرر کر کے اُس کے ساتھ کر دے پھر قبل حکم قاضی کے جو وصی صالح رہا اُس کو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک تنہا تصرف کا اختیار نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تنہا تصرف کا اختیار ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص ایک قوم کے ساتھ سفر میں مر گیا تو فرمایا کہ استحساناً وہ لوگ اُس کی متاع و کپڑوں کو فروخت کر دیں اور اُس کے رفیقوں کو فروخت نہ کریں اور ان رفیقوں کے نفقہ میں مال میت خرچ نہ کریں لیکن اگر رفیقوں کے پاس اُن کے مولیٰ کا اناج ہو یا وہ مولیٰ کے دراہم لیتا ہو تو رفیق خود ہی کھائے یہ نہ ہو کہ یہ لوگ اُس کو دے دیں اسی طرح اگر دراہم ہوں تو رفیق خود ہی لے کر کھائے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص مر گیا اور لوگوں پر اُس

[1] یعنی بجائے اپنے پس از مرگ کار پرداز مقرر کیے ۱۲

کے قرضے ہیں اور اُس پر لوگوں کے بھی قرضہ ہیں اور اُس نے بہت مال اور وارث چھوڑے پھر ایک شخص نے دو گواہ قائم کئے کہ میت نے مجھے اور فلاں غائب کو وصی مقرر کیا ہے تو قاضی اِس کی گواہی قبول کرے گا اس واسطے کہ اس شخص نے اپنے حق پر گواہ قائم کئے ہیں اور اُس کا حق متصل بحق غائب ہے پس وہ غائب کی طرف سے خصم ہو سکتا ہے پس دونوں وصی ہو جائیں گے پھر امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک جب تک غائب حاضر نہ ہو تب تک سوائے ان تصرفات کے جن کو تنہا ایک وصی کر سکتا ہے باقی تصرفات میں اس کو تنہا تصرف کا اختیار نہ ہوگا۔ پھر اگر اُس کے بعد غائب حاضر ہوا اور اُس نے حاضر کی تصدیق کی اور دعویٰ کیا کہ میت نے ہم دونوں کو وصی مقرر کیا تھا تو اُس کو دوبارہ گواہ لانے کی کوئی حاجت نہ ہوگی اور دونوں وصی ہو جائیں گے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غائب جو حاضر ہوا ہے جب تک دوبارہ گواہ پیش نہ کرے تب تک وصی نہ ہوگا اور اگر غائب نے حاضر ہو کر اپنے وصی مقرر کئے جانے سے انکار کیا تو قاضی کو اختیار ہے کہ اوّل کو تنہا وصی کر دے یا اُس کے ساتھ دوسرا مقرر کر دے ایک شخص نے دو آدمیوں کو وصی مقرر کیا تو دونوں میں سے کسی کو اختیار نہیں ہے کہ مال یتیم میں سے کوئی چیز دوسرے وصی سے خرید کرے اسی طرح اگر دونوں دو یتیموں کے وصی ہوں تو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایک یتیم کے مال سے کوئی چیز دوسرے یتیم کے واسطے دوسرے وصی سے خریدے۔ ایک شخص مر گیا اور اُسے دو آدمیوں کو وصی مقرر کیا پھر زید نے آ کر میت پر اپنے قرضہ کا دعویٰ پس دونوں وصیوں نے بلا حجت اس کا قرضہ ادا کو دیا پھر دونوں نے قاضی کے پاس زید کے قرضہ کی گواہی دی تو قاضی اِن کی گواہی قبول نہ کرے گا اور جو کچھ دونوں نے زید کو دیا ہے قرض خواہان میت کے لیے دونوں اس کے ضامن ہوں گے اور اگر پہلے دونوں نے زید کے واسطے اُس کے قرضہ کی گواہی دی پھر قاضی نے دونوں کو قرضہ ادا کرنے کے واسطے حکم دیا تو اُن پر پھر ضمان واجب نہ ہوگی اسی طرح اگر دو وارثوں نے میت پر قرضہ کی گواہی دی تو قبل اس کے کہ دونوں وارث اُس کے ترکہ سے قرضہ ادا کریں دونوں کی گواہی جائز ہوگی اور اگر قرضہ دے کر پھر گواہی دی تو مقبول نہ ہوگی میت کے وصی نے اگر قرضہ میت بعد گواہوں کے گواہی دینے کے ادا کیا ہے تو جائز ہے اور کوئی اس سے تاوان نہیں لے سکتا ہے اور اگر بغیر حکم قاضی کے کسی کا قرضہ میت کی طرف سے اُس کو دے دیا تو قرض خواہان میت کے واسطے اُس کا ضامن ہوگا اور بحکم قاضی بعض کا قرضہ دے دیا تو ضامن نہ ہوگا اور دوسرا قرض خواہ اوّل کے مقبوضہ میں شریک کیا جائے گا۔ ایک شخص نے زید و عمرو کو وصی مقرر کیا پھر زید مر گیا اور اُس نے عمرو کو اپنی طرف سے وصیت کر دی تو یہ جائز ہے اور عمرو کو اختیار ہوگا کہ تنہا تصرف کرے اس واسطے کہ اگر تنہا ایک باجازت دوسرے کے اُس کی زندگی میں تصرف کرتا تو جائز تھا۔ اسی طرح بعد موت کے بھی اُس کی اجازت سے تنہا تصرف جائز ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ نہیں جائز ہے مگر اوّل ہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

وصی کو اپنی موت کے وقت اختیار ہے کہ دوسرے کو بجائے خویش وصی مقرر کر دے اگرچہ موصی نے اُس کو اختیار نہ دیا ہو کہ دوسرا وصی مقرر کرے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے وصی مقرر کیا پھر مر گیا اور اُس کے پاس ایک شخص کی ودیعتیں ہیں پھر میت کے گھر میں سے ایک وصی نے بدون اجازت دوسرے وصی کے یا کسی وارث نے بدون اجازت وارثوں کے ان ودیعتوں پر قبضہ کر لیا اور یہ مال اُس کے پاس تلف ہو گیا تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر میت پر قرضہ نہ ہوا اور دونوں وصی میں سے ایک نے اُس کے ترکہ پر قبضہ کیا اور اُس کے پاس تلف ہو گیا تو کچھ ضامن نہ ہوگا اور اگر کسی وارث نے قبضہ کیا ہو تو باقی وارثوں کے حصہ کا ضامن ہوگا لیکن اگر مال ترکہ ایسے موقع پر پڑا ہو جہاں سے تلف ہو جانے کا خوف ہو اور وارث نے اُس کو قبضہ میں کر لیا تو تلف ہو جانے سے استحساناً ضامن نہ ہوگا اور اگر میت پر قرضہ محیط ہو اور کسی شخص کے پاس اُس کی ودیعت ہو اور مستودع [1] نے مال ودیعت اُس کے

[1] وہ شخص جس کے پاس مال امانت رکھا گیا ہو ۱۲

وارث کو دیا اور وہ وارث کے پاس تلف ہو گیا تو قرض خواہ کو اختیار ہو گا چاہے مستودع سے ضمان لے یا وارث سے اور یہ مثل میت کے گھر سے اُس کا ترکہ لے لینے کے نہیں ہے اور اگر میت کا مال غاصب کے قبضہ میں ہو تو ہر دو وصی اُس کو مستودع و غاصب سے نہیں لے سکتے ہیں لیکن اگر وارثوں میں سے کوئی شخص ثقہ ہو تو غصب کی صورت میں غاصب سے قاضی لے کر وارث کو دے دے گا اور ودیعت کی صورت میں مستودع کے پاس چھوڑ دیا جائے گا۔ دونوں وصی میں سے ایک نے میت کا جنازہ قبر تک لے جانے کے واسطے دو مزدور کئے اور دوسرا حاضر ہے مگر خاموش ہے یا وارثوں میں سے کسی نے ہر دو وصی کے سامنے ایسا کیا اور دونوں وصی خاموش رہے تو یہ جائز ہے اور یہ بھی خرچہ تمام ترکہ سے ہو گا اور یہ بمنزلہ خرید کفن کے ہے اور اگر میت نے وصیت کی ہو کہ جنازہ اُٹھانے سے پہلے فقیروں پر گیہوں تصدق کئے جائیں اور اس کو ایک وصی (۱) نے کہا کہ تو فقیہ ابوبکر نے فرمایا کہ اگر گیہوں ترکہ میں موجود ہوں تو دینا جائز ہو گا اور دوسرے وصی کو اس سے ممانعت کا اختیار نہ ہو گا اور اگر گیہوں ترکہ میں نہ ہوں پھر ایک وصی نے گیہوں خرید کر صدقہ کئے تو یہ صدقہ اُسی کی طرف سے ہو گا اور فقیہ ابوبکرؒ نے فرمایا کہ میں اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کا قول اختیار کرتا ہوں اور ناطقی نے ذکر کیا کہ اگر ترکہ میں کھانا و کپڑا ہو اور ایک وصی نے اِس کو یتیم کو دے دیا تو جائز ہے اور اگر ترکہ میں نہ ہو تو کوئی وصی بدون دوسرے وصی حاضر کی اجازت کے تنہا نہیں خرید سکتا ہے اور اگر میت نے دو آدمیوں کو وصی مقرر کیا اور میت نے اپنی زندگی میں کوئی غلام فروخت کیا تھا پھر مشتری نے اُس میں عیب پا کر ہر دو وصی کو واپس دیا تو دونوں میں سے ایک کو یہ اختیار ہو گا کہ اُس کا ثمن اُس کو واپس دے دے اور دونوں میں سے ایک کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ تنہا مبیع کو مشتری سے لے کر قبضہ کرے اور جس وصی کے [۱]قبضہ میں جو کچھ ترکہ میت سے آیا ہے اُس کو تنہا یہ اختیار ہے کہ کسی کے پاس ودیعت رکھے اور اگر میت نے ایک غلام خرید کر آزاد کرنے کی وصیت کی تو تنہا ایک کو غلام خریدنے کا اختیار نہیں ہے اور بعد دونوں کے خریدنے کے تنہا ایک اُس کو آزاد کر سکتا ہے ایک شخص نے دو آدمیوں کو وصی مقرر کیا اور کہا کہ تم دونوں میرا تہائی مال جہاں چاہو اور جس پر چاہو خرچ کر دینا پھر ایک وصی مر گیا تو ابن مقاتل نے فرمایا کہ وصیت باطل ہو جائے گی اور تہائی مذکور وارثوں کو واپس ملے گی اور اگر کہا کہ میرا تہائی مال واسطے مساکین کے ہے۔ پھر دونوں وصیتوں سے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے کہا پھر ایک وصی مر گیا تو فرمایا کہ قاضی دوسرا وصی مقرر کرے گا اور اگر چاہے تو دونوں میں سے باقی کو حکم دے دے کہ تنہا تقسیم کر دے اور امام ابو یوسفؒ کے دوسرے قول میں باقی کو تنہا تقسیم کا اختیار ہے۔ ایک دیوار دو نابالغوں کے درمیان مشترک ہے اور دونوں کا اُس پر دھنیاں وغیرہ بار لدا ہوا ہے۔ جس سے اُس کے گر جانے کا خوف ہے اور ہر نابالغ کا ایک وصی ہے پھر دونوں وصیتوں میں سے ایک وصی نے دیوار کی مرمت کا مطالبہ کیا اور دوسرے نے انکار کیا تو امام ابوبکرؒ نے فرمایا کہ قاضی اپنے امین کو بھیج کر دریافت کرے گا اگر معلوم ہوا کہ چھوڑ رکھنے میں دونوں کا ضرر ہے تو انکار کرنے والے پر جبر کیا جائے گا کہ دوسرے کے ساتھ مرمت کرا دے۔ ایک شخص نے دو آدمیوں کو وصی مقرر کر کے کہا کہ میرے تہائی مال سے ایک غلام اس قدر درموں کو خرید کرو اور ہر دو وصی میں سے ایک کے پاس ایک غلام ہے۔ جس کی قیمت اس مقدار سے جو موصی نے بیان کی ہے زائد ہے پھر دوسرے وصی نے چاہا کہ میّت نے جو مقدار بیان کی ہے اُتنے کو یہ غلام خریدے تو شیخ ابو القاسمؒ نے فرمایا کہ اگر موصی نے ہر ایک وصی کو یہ کام تفویض کر دیا ہو تو اس وصی کا دوسرے وصی سے یہ غلام خریدنا جائز ہو گا اور اگر ایسا نہ کرے بلکہ وصی نے کسی دوسرے کے ہاتھ یہ غلام فروخت کر کے اُس مشتری اجنبی کے سپرد کر دیا پھر دونوں اُس اجنبی سے میت کے واسطے خرید لیں تو یہ اصوب ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک

۱ قولہ وصی کے قبضہ میں مترجم کہتا ہے کہ اس مقام پر یوں ہی مذکور ہے اور حق یہ کہ ان دونوں میں ایک کو دوسرے سے ایداع جائز ہے ۱۲ منہ

(۱) کہ ایک بھی اس کو کر سکتا ہے دوسرے کے اجازت کی ضرورت نہیں ہے ۱۲

شخص نے وصی مقرر کر کے کہا کہ میرا انتہائی مال جہاں تجھے اچھا معلوم ہو خرچ کر دینا تو اُس کو اختیار ہوگا چاہے اپنی ذات کے واسطے رکھ لے اسی طرح اگر موصی نے صریح بیان کر دیا کہ اپنے واسطے خرچ کرے تو بھی جائز ہے اور اگر کہا کہ جس کو تیرا جی چاہے عطا کرنا تو اپنے آپ کو نہیں عطا کر سکتا ہے اس واسطے کہ عطا کرنا متحقق نہیں ہوتا ہے بدون اُس کے کہ کوئی اُس کو لے لے پس[1] لینا و دینا ایک ہی آدمی سے متحقق نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو وصی کیا اور کہا کہ فلاں شخص کی آگاہی کے ساتھ کام کرنا تو وصی کو اختیار ہوگا کہ بدون آگاہی فلاں کے کام کرے اور اگر کہا کہ بدون آگاہی فلاں کے کام نہ کرنا تو اُس کو بدون آگاہی فلاں کے کام کرنا روا نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اگر ایک شخص کو وصی کر کے کہا کہ فلاں شخص کی رائے پر کام کرنا تو اس صورت میں وصی وہی ہے جس کو وصی کیا ہے اور اگر کہا کہ بدون رائے فلاں کے کام نہ کرنا تو مختار مذہب کے واسطے دونوں وصی ہو جائیں گے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ شیخ ابونصر نے فرمایا کہ اگر موصی نے کہا کہ اس میں فلاں کے حکم سے کام کرنا تو وصی وہی رہے گا جس کو وصی کیا ہے اور اگر کہا کہ بدون حکم فلاں کے کام نہ کرنا تو وہ دونوں وصی ہو جائیں گے اور یہی ہمارے اصحاب کے قول کے ساتھ اشبہ ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے اپنے وارث کو وصی کیا تو جائز ہے پھر اگر یہ وصی اپنے مورث کی موت کے بعد مر گیا اور زید کو وصی مقرر کیا پس اگر یوں کہا کہ میں نے تجھ کو اپنے مال کا اور مال میت اوّل کا جس کا میں وصی ہوں وصی مقرر کیا تو زید دونوں ترکوں کا وصی ہو جائے گا اور اگر اُس نے زید سے فقط یہ کہا کہ میں نے تجھ کو وصی مقرر کیا تو بھی ہمارے نزدیک زید دونوں ترکوں کا وصی ہوگا اور اگر اس نے زید سے کہا کہ میں نے تجھ کو دونوں ترکوں کا وصی مقرر کیا تو امام اعظمؒ سے روایت ہے کہ دونوں ترکوں کا وصی ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ فقط میت دوم کے ترکہ کا وصی ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کو وصی مقرر کیا پھر بکر نے زید کو وصی مقرر کیا پھر بکر مر گیا تو زید اُس کا وصی ہوگا پھر اگر زید مرا اور اُس نے دوسری وصیت نہ کی تو عمرو ان دونوں یعنی زید و بکر کا وصی ہوگا یہ شرح طحاوی میں ہے۔ ایک شخص نے ایک جماعت کو خطاب کر کے فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد ایسا کرو پس اگر سب نے قبول کیا تو سب وصی ہو جائیں گے۔ اور اگر سب خاموش رہے یہاں تک کہ موصی مر گیا پھر بعض نے قبول کیا پس اگر دو یا تین نے قبول کیا تو وصی ہو جائیں گے اور اُن کے تصرفات نافذ ہوں گے اور اگر ایک نے قبول کیا تو وہ بھی وصی ہو جائے گا لیکن اُس کا تصرف نافذ نہ ہوگا یہاں تک کہ حاکم کی طرف رجوع کیا جائے گا پس حاکم کو اختیار ہوگا چاہے اُس کے ساتھ دوسرا شخص مقرر کر دے یا اُسی کو بالکل اختیار دے دے۔ ایک شخص نے زید کو وصی کیا اور عمرو کو اس کا مشرف قرار دیا تو مال کا قابض وہی زید ہوگا اور عمرو وصی نہ ہوگا لیکن عمرو کے مشرف ہونے کا حاصل یہ ہوگا کہ زید کا کوئی تصرف بدون علم عمرو کے جائز نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

اگر دو وصیوں نے باہم اختلاف کیا کہ مال کس کے پاس رہے گا پس اگر مال قابل تقسیم ہو تو دونوں تقسیم کر لیں گے اور ہر ایک کے پاس نصف مال رہے گا اور اگر مال قابل تقسیم نہ ہو تو مہابات[2] کر لیں گے اور اگر دونوں اس امر پر راضی ہوئے کہ ایک شخص کے پاس سب مال ودیعت رکھیں یا دونوں میں سے ایک کے پاس رکھیں تو جائز ہے اور اگر دونوں آدمی یتیموں کے وصی ہوں اور ایک نے مقاسمہ کر لیا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے الا اُس صورت میں کہ دونوں حاضر ہوں یا ایک حاضر نے غائب کی اجازت سے ایسا کیا ہو اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور اگر دو وصیتوں میں سے ایک نے صغیر کے مال میں سے کوئی چیز فروخت کی تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ہر حال میں جائز ہے اجور یہی حکم بٹائی کر لینے کا ہے اور اگر ایک عورت نے اپنے باپ اور اپنے شوہر کو اپنا وصی مقرر کیا اور آزاد کرنے اور صلہ وغیرہ کی چند وصیتیں کیں اور اُس نے زمین اور کپڑے اور زیور اور دودھ پیتے ہوئے بچے چھوڑے پس شوہر نے کاہ کہ میں اس کی وصیتیں اپنے خالص مال سے نافذ کئے دیتا ہوں اور کپڑے و زیور فروخت نہیں کروں گا

---

[1] یعنی خود ہی لینے والا خود ہی دینے والا ہو یہ نہیں ہوتا ہے ۱۲ [2] جس کو ہمارے عرف میں باہم سمجھوتا بولتے ہیں ۱۲

پس اگر شوہر نے دوسرے وصی یعنی باپ کی اجازت سے ان وصیتوں کو نافذ کیا پس جو وصیتیں صلہ ہوں یا ایسی ہوں کہ جن میں کسی چیز کے خریدنے کی صورت ہے اور شوہر نے اس شرط سے اُس کا نفاذ کیا کہ میں ترکہ سے واپس لوں گا تو یہ مال ترکہ پر قرضہ ہو جائے گا اور اگر اس شرط سے کیا کہ ترکہ سے واپس نہ لوں گا یہ فعل وصیت کا نفاذ نہ ہوگا اور وصیت ادا نہ ہوگی اور جس وصیت صدقہ میں خرید کی ضرورت نہ ہو تو اُس میں کسی وجہ سے وصیت جاری نہ ہوگی پس اگر شوہر نے پسند کیا کہ یہ مال عین اپنی اولاد کے واسطے باقی رکھے اور وصیت اپنے مال سے نافذ کر دے تو نابالغوں کو کچھ مال ہبہ کر دے پھر دونوں وصی اس مال میں سے بقدر وصیت کے کسی کے ہاتھ فروخت کر دیں گے پھر باپ ان نابالغوں کے واسطے اس مشتری سے بعد اُس کے سپرد کرنے کے برابر یا زیادہ ثمن پر اس کو خرید کرے گا پھر یہ مال بائع کو دے کر دونوں وصی ثمن زمین وصول کر کے اُس سے وصیت کو نافذ کریں گے یہ محیط میں ہے۔ ایک وصی نے عقار کو بدین غرض فروخت کیا کہ اُس سے میت کا قرضہ ادا کرے حالانکہ اُس کے قبضہ میں اس قدر مال ہے جس سے ادائے قرضہ ہو سکتا ہے تو بھی یہ بیع جائز ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ باپ کا وصی نابالغ کے مال کا بٹوارہ کر سکتا ہے چاہئے جو مال ہو خواہ مال منقول ہو یا عقار ہو اگرچہ تقسیم میں خفیف خسارہ ہو اور اگر تقسیم میں خسارہ بہت[۱] ہو تو اُس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایسے خسارہ کے ساتھ بٹائی کرا دے اور ایسے مسائل میں اصل یہ ہے کہ جس کو کسی چیز کے فروخت کا اختیار ہے اُس کو اُس کے تقسیم کرانے کا بھی اختیار[(۱)] ہے یہ محیط میں ہے اور وصی کو اختیار ہے کہ موصی لہ کے ساتھ مشترک مال وصیت میں بٹوارہ کرا لے بشرطیکہ یہ مال عقار نہ ہو پھر جس قدر حصہ نابالغوں کے پرتے میں آئے وہ اپنے قبضہ میں رکھے گا اگرچہ وارثوں میں کوئی بالغ و غائب ہو اور اگر وصی نے وارثوں کے واسطے بٹائی کرائی اور ترکہ میں کسی شخص کے واسطے وصیت ہے اور موصی لہ غائب ہے تو وصی کی تقسیم موصی لہ غائب کے حق میں جائز نہ ہوگی اور موصی لہ کو اختیار ہوگا کہ وارثوں کے ساتھ شریک ہو جائے اور اگر سب وارث نابالغ ہوں اور وصی نے موصی لہ کے ساتھ بٹائی کر کے اُس کو تہائی دے دی اور دو تہائی وارثوں کے واسطے رکھ چھوڑی تو جائز ہے حتیٰ کہ جو کچھ وصی کے قبضہ میں وارثوں کا مال ہے اگر وہ تلف ہو گیا تو وارث لوگ موصی لہ سے کچھ واپس نہیں لے سکتے ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر قاضی نے یتیم کے واسطے ہر شے کا مختار وصی مقرر کیا اور اُس نے یتیم کے واسطے حصہ بانٹ کرا لیا خواہ عروض[۲] کا یا عقار کا تو جائز ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ ہر شے کا وصی کیا ہو اور اگر نفقہ کا یا کسی شے معین کی حفاظت کا وصی کیا ہو تو اُس کی تقسیم جائز نہ ہوگی اور اگر وصی نے تہائی مال کے وصی لہ سے حصہ بانٹ کرا لیا اور وارث لوگ نابالغ ہیں پس تہائی موصی لہ کو دے دی اور دو تہائی وارثوں کے واسطے لے لی تو صحیح ہے حتیٰ کہ اگر وارثوں کا حصہ وصی کے پاس تلف ہو جائے تو اس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر وارث سب بالغ ہوں یا بعض بالغ ہوں اور بالغ حاضر ہوں تو وصی کی تقسیم از جانب وارث بالغ خواہ عقار میں ہو یا منقول میں ہو باطل ہے لیکن اگر نصیب وارث بالغ وصی کے پاس تلف ہو گیا تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی لیکن موصی لہ سے جو اُس نے لیا ہے اُس کا دو تہائی واپس لیں گے بشرطیکہ جو کچھ موصی لہ نے لیا ہے وہ اُس کے پاس موجود ہو اور اگر جو کچھ موصی لہ نے لیا ہے وہ تلف ہو گیا ہو تو وارث بالغ کو اختیار ہوگا چاہے وصی سے ضمان لے یا موصی لہ سے اور اگر وارث بالغ ہوں مگر غائب ہوں اور موصی لہ کے ساتھ وصی نے بٹائی کر لی تو غیر منقول کی تقسیم باطل ہے اور اختلافات زفرؒ و امام ابو یوسفؒ میں مذکور ہے کہ اس صورت میں اختلاف ہے کہ بنابر قول امام ابو حنیفہؒ و زفرؒ کے تقسیم جائز نہیں ہے اور بنابر قول امام ابو یوسفؒ کے جائز ہے اور مال منقول میں موصی لہ کے ساتھ اُس کی تقسیم جائز ہے اور اگر

---

[۱] قولہ خسارہ بہت کہا گیا ہے کہ ایک درم خسارہ کثیر ہے ۱۲ [۲] سامان و اسباب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ۱۲

(۱) اس واسطے کہ تقسیم میں بھی معنی بیع ہوتے ہیں ۱۲

وصی نے موصی لہ کے واسطے وارثوں سے تقسیم کی و وارث لوگ بالغ ہیں اور حاضر ہیں اور موصی لہ غائب ہے تو وصی کی تقسیم غیر منقول و منقول دونوں میں باطل ہے اور اختلافات زفر و امام ابو یوسفؒ میں اس مسئلہ میں بھی اختلاف مذکور ہے کہ امام زفر و امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تقسیم نہیں جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے پس اگر موصی لہ کا حصہ وصی کے پاس تلف ہو گیا اور وارثوں کے حصے باقی رہے تو موصی لہ کو اختیار ہوگا کہ وارثوں کے پاس جو باقی ہے اُس میں سے تہائی لے لے اور اگر وصی کے پاس موصی لہ کا حصہ اور وارثوں کے پاس وارثوں کا حصہ بھی تلف ہو گیا تو جس قدر حصہ موصی لہ وصی کے پاس تلف ہوا ہے اُس کا ضامن نہ ہوگا اور جس قدر وارثوں کے پاس موصی لہ کا حصہ تلف ہوا ہے اُس کی بابت اُس کو اختیار ہوگا چاہے وصی سے اُس کا تاوان لے یا وارثوں سے یہ محیط میں ہے۔اور اگر ایک شخص نے ہزار درم کی تہائی کی وصیت کی اور وارثوں نے یہ درم قاضی کو دے دیئے اُس نے حصہ بانٹ دیا حالانکہ موصی لہ غائب ہے تو قاضی کی تقسیم صحیح ہے حتیٰ کہ اگر موصی لہ کا حصہ مقبوضہ تلف ہو گیا پھر موصی لہ حاضر ہوا تو اُس کو وارثوں سے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی یہ کافی میں ہے۔ایک وصی کے پاس دو یتیموں کے دو ہزار درم ہیں پھر دونوں بالغ ہوئے پھر ایک کو وصی نے ہزار درم دیئے اور دوسرا ابھی حاضر ہے پھر جس کو دیئے اُس نے وصول پانے سے انکار کیا تو وصی پانچ سو درم کا دونوں کے واسطے ضامن ہوگا اور اگر غائب ہو تو وصی کی تقسیم اُس پر جائز ہوگی پس ایک کو اُس کا حصہ دینے سے ضامن نہ ہوگا اور اگر وصول پانے والا مقر رہو تو دوسرے کو اختیار ہوگا کہ اُس سے پانچ سو درم لے لے اور اگر چاہے تو وصی سے ضمان لے اور وصی اُس کو دوسرے سے واپس لے گا ایک وصی دو یتیموں کا ہے اُس نے دونوں کے بالغ ہونے کے بعد دونوں سے کہا کہ میں نے تم دونوں کو ہزار درم دیئے ہیں پس ایک نے اُس کی تصدیق کی اور دوسرے نے تکذیب کی تو منکر اپنے بھائی سے دو سو پچاس درم واپس لے گا اور اگر دونوں نے انکار کیا تو دونوں کا وصی پر کچھ نہ ہوگا۔اور اگر وصی نے کہا کہ میں نے تم میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ سو درم علیحدہ دیئے ہیں پھر ایک نے تصدیق اور دوسرے نے تکذیب کی تو انکار کرنے والا وصی سے دو سو پچاس درم واپس لے گا اور اگر دونوں غائب ہوں تو وصی کی تقسیم دونوں کے حق میں جائز نہ ہوگی۔ایک شخص مر گیا اور اس نے دو نابالغ بیٹے چھوڑے پھر جب دونوں بالغ ہوئے تو دونوں نے اپنے باپ کی میراث طلب کی پس وصی نے کہا کہ تمہارے باپ کا سب ترکہ ہزار درم تھا جس میں سے تم دونوں میں سے ہر ایک پر میں نے پانچ سو درم خرچ کئے ہیں پس ایک نے تصدیق کی اور دوسرے نے تکذیب کی تو منکر اپنے بھائی سے دو سو پچاس درم واپس لے گا اور اس صورت میں امام زفرؒ کے نزدیک وصی سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے اور یہی امام اعظمؒ سے مروی ہے اور ابن ابی مالک نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی کہ وصی سے واپس لے سکتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

وصی مادر کو اختیار ہے کہ مادر کے نابالغ بچہ کے واسطے اُس کے مال منقولہ کو جو اُس نے اپنی ماں کی میراث میں پایا ہے تقسیم کرا لے بشرطیکہ باپ زندہ نہ ہو اور نہ باپ کا وصی ہو اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ہو تو وصی مادر کو اختیار قیمت نہ ہوگا اور مال غیر منقولہ[1] کی تقسیم کا کسی حال میں اُس کو اختیار نہیں ہے اور نابالغ مذکور نے سوائے ماں کی میراث کے اور کسی میراث سے جو کچھ پایا ہے اُس کی بٹائی کا ماں کے وصی کو اختیار نہیں ہے خواہ میراث مال منقول ہو یا غیر منقول ہو یا مخلوط ہو اور جو حکم کہ ماں کے وصی کا ہے وہی بھائی و چچا کے وصی کا ہے اور اگر وصی نے وارثوں میں میراث تقسیم کی اور ہر وارث کا حصہ الگ کر دیا تو اس میں پانچ صورتیں ہیں اوّل آنکہ وارثوں میں کوئی بالغ نہ ہو بلکہ سب نابالغ ہوں تو ایسی صورت میں اُس کی تقسیم بالکل جائز نہیں ہے اور یہ بخلاف حکم پدر کے ہے کہ اگر باپ نے اپنی نابالغ اولاد کا مال تقسیم کیا حالانکہ ان میں کوئی بالغ نہیں ہے تو یہ جائز ہے اور مشائخؒ نے فرمایا کہ وصی کے واسطے اس

[1] وہ جائیداد جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کر سکتے جیسے مکان وغیرہ ۱۲

صورت میں حیلہ یہ ہے کہ اگر مثلاً دو نابالغ ہوں تو وصی دونوں میں سے ایک کا حصہ غیر مقسوم کسی مشتری کے ہاتھ فروخت کرے پھر مشتری سے حصہ بانٹ کرا لے پھر جس کا حصہ فروخت کیا ہے اُس کا حصہ پھر مشتری سے خرید لے پس ایک کا حصہ دوسرے سے جدا ہو جائے گا اور دوسرا حیلہ یہ ہے کہ دونوں کا حصہ کسی مشتری کے ہاتھ فروخت کرے پھر اُسی مشتری سے دونوں کا حصہ علیحدہ علیحدہ بٹا ہوا خریدے دوم آنکہ سب وارث بالغ ہوں جن میں سے بعض حاضر اور بعض غائب ہوں پس جو وارث حاضر ہیں اُن کے ساتھ وصی نے بٹائی کر کے اُن کا حصہ الگ کر دیا تو یہ جائز ہے اور مراد یہ ہے کہ عروض کی تقسیم جائز ہے اور عقار میں وصی کی تقسیم بالغوں پر جائز نہ ہوگی سوم آنکہ وارث لوگ صغیر و کبیر دونوں ہوں اور کبیر سب غائب ہوں تو وصی کا حصہ بانٹ کر جائز نہ ہوگا چہارم آنکہ وارثوں میں صغیر و کبیر دونوں ہیں پس اُس نے بالغوں کا حصہ جدا کر کے اُن کو دے دیا اور سب وارثان بالغ حاضر موجود ہیں اور نابالغوں کا سب کا حصہ مجموعہ جدا کر لیا اور ہر ایک صغیر کا حصہ الگ الگ نہ کیا تو یہ جائز ہے پنجم آنکہ وصی نے کبیروں و صغیروں میں سے ہر ایک کا حصہ جدا کیا اور سب کو تقسیم کر دیا تو پوری تقسیم فاسد ہے اور اگر اُس نے بالغوں کو اُن کا حصہ دے دیا اور نابالغوں کا حصہ مجموعہ رکھ لیا پھر نابالغوں کا حصہ باہم تقسیم کر دیا تو بالغوں و نابالغوں سب کے حق میں تقسیم صحیح ہوگی اور اگر بعض وارث بالغ ہوں اور بعض نابالغ ہوں اور بالغوں میں سے ایک شخص نابالغوں کا وصی ہے اور اُس سے تقسیم کی درخواست کی تو امام زاہد ابو حفص الکبیرؒ سے منقول ہے کہ وصی بالغوں کے درمیان تقسیم کر دے گا اور نابالغوں کا حصہ الگ کرے گا اور اپنا حصہ نابالغوں کے حصہ میں رکھے گا پھر اپنا حصہ کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کرے گا پھر اجنبی مشتری اور نابالغوں کے درمیان حصہ بانٹ کرائے گا پھر مشتری مذکور سے اپنا حصہ خرید لے گا پس اس طور سے سب میں تقسیم محقق ہو جائے گی یہ محیط میں ہے۔

نابالغ کا مال عقار فروخت کرنا جبھی جائز ہے کہ جب میّت پر اس قدر قرضہ ہو کہ بدون عقار کے فروخت کئے ادا نہ ہو سکے ☆

اگر وصی نے باپ کے ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کی تو اس میں دو صورتیں ہیں اوّل آنکہ میّت پر قرضہ نہ ہو اور نہ اُس نے کچھ وصیت کی ہو تو دوم آنکہ اُس نے کچھ وصیت کی ہو یا اُس پر قرضہ ہو پس صورت اوّل کے واسطے کتاب میں فرمایا کہ وصی کو اختیار ہے کہ جب وارث لوگ نابالغ ہوں تو ترکہ کی متاع و عروض و عقار میں سے ہر چیز فروخت کرے سوما سوائے عقار کے بیع اس وجہ سے جائز ہے کہ اُس میں حفاظت کی ضرورت ہے اور دور نہیں ہے کہ ثمن کی حفاظت کرنا اُس کے نزدیک زیادہ آسان ہو اور بیع عقار میں بھی موافق جواب کتاب کے جواز کا حکم ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ جو حکم کتاب میں مذکور ہے یہی سلف کا قول ہے کذا فی فتاویٰ قاضی خان اور متاخرین کے نزدیک نابالغ کا مال عقار فروخت کرنا جبھی جائز ہے کہ جب میّت پر اس قدر قرضہ ہو کہ بدون عقار کے فروخت کرنے اور اُس کے ثمن سے ادا کرنے کے ادا نہ ہو سکے یا صغیر کو ایسی ضرورت ہو کہ بغیر ثمن عقار کے حاجت رفع نہ ہو یا مشتری کو اس عقار کی جانب ایسی رغبت ہو کہ دو چند قیمت دے کر خریدتا ہو اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی الکافی اور یا ترکہ میں وصیت مرسلہ ہے کہ اُس کے پورے کرنے کے واسطے ثمن عقار کی طرف حاجت ہو یا عقار کا فروخت کرنا یتیم کے حق میں بہتر ہو مثلاً اُس کا خراج و خرچہ اُس کے حاصلات سے زیادہ ہوتا ہو یا عقار ایسی دوکان یا دار ہو جو گرا پڑتا ہو یا خراب و برباد ہوا چاہتا ہو پس اگر یتیم کو اُس کے ادائے خراج کی ضرورت پیش آئے پس اگر ترکہ میں عقار کے سوائے عروض بھی ہو تو سوائے عقار کے باقی میں سے فروخت کیا جائے اور اگر بدون عقار کے باقی سے حاجت رفع نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں عقار کو اُس کی برابر قیمت پر یا خفیف نقصان پر فروخت کرے اور اس قدر نقصان کے ساتھ جو لوگ اپنے اندازہ میں نہیں اُٹھاتے ہیں وصی کو فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اسی طرح اگر وصی نے اس قدر نقصان کے ساتھ جو لوگ اپنے اندازہ میں نہیں اُٹھاتے ہیں یتیم کے واسطے کوئی چیز خریدی تو بھی جائز نہیں ہے یہ سب اُس

وقت ہے کہ سب وارث نابالغ ہوں اور اگر سب بالغ ہوں اور حاضر ہوں تو ترکہ میں سے وصی کا کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے لا وارثان مذکور کی اجازت سے اور اگر وارثان بالغ غائب ہوں تو وصی کا عقار فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور ماسوائے عقار کے فروخت کرنا جائز ہے اور سب کا اجارہ پر دینا جائز ہے اور وجہ یہ ہے کہ مال غائب کی حفاظت کا وصی کو اختیار ہے اور عروض کا فروخت کر دینا حفاظت میں شمار ہے اور عقارات[1] خود ہی محفوظ ہوتے ہیں لیکن اگر عقار ایسا ہو کہ اگر فروخت نہ کیا جائے تو تلف ہو جائے گا تو ایسی صورت میں عقار بھی بمنزلہ عروض کے ہو جائے گا اور اگر سب وارث بالغ ہوں مگر بعض غائب ہوں اور باقی حاضر ہوں تو غائب کے حصہ میں سوائے عقار کے دوسری چیز کی بیع کا بغرض حفاظت کے وصی کو اختیار ہے اور اس میں اتفاق ہے اور جب غائب کے حصہ کی بیع بالاتفاق وصی کی طرف سے جائز ہوئی ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک وصی کی طرف سے حاضر کے حصہ کی بیع بھی جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک حاضر کے حصہ کی بیع کا وصی کو اختیار نہیں ہے یہ سب اُس وقت ہے کہ ترکہ پر قرضہ نہ ہو کذا فی فتاویٰ قاضی خان اور اگر میت پر قرضہ ہو پس اگر اس قدر قرضہ ہو کہ تمام ترکہ کو محیط ہو تو بالاجماع تمام ترکہ فروخت کیا جائے گا اور اگر محیط نہ ہو تو بقدر قرضہ کے فروخت کیا جائے گا اور قرضہ سے زائد میں امام اعظمؒ کے نزدیک وصی باقی کو بھی فروخت کر سکتا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں کذا فی الکافی اگر ترکہ میں وصیت مرسلہ ہو تو بالاتفاق سب کے نزدیک وصی کو یہ اختیار ہے کہ ترکہ میں اس قدر فروخت کرے جس سے وصیت نافذ ہو جائے اور جب تھوڑے ترکہ کی بیع کا مختار ہوا تو امام اعظمؒ کے نزدیک باقی کی بیع کا بھی مختار ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک نہ ہوگا اور اگر وارثوں میں ایک صغیر ہو اور باقی کبیر ہوں اور ترکہ پر قرضہ نہیں ہے اور نہ وصیت ہے اور ترکہ مال منقول ہے تو بالاتفاق وصی کو حصۂ نابالغ کی بیع کا اختیار ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک باقی کی بیع کا بھی اختیار ہے پس اگر اُس نے سب ترکہ فروخت کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک کل کی بیع جائز ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک بقدر حصہ بالغوں کے جائز نہ ہوگی اور اصل امام اعظمؒ کے نزدیک یہ قرار پائی ہے کہ اگر وصی کو بعض ترکہ کی بیع کا اختیار حاصل ہوا تو اُس کو پورے ترکہ کی بیع کا اختیار ہوگا اور باپ کا وصی بمنزلۂ باپ کے ہوتا ہے اسی طرح سگے دادا کا وصی بھی بمنزلۂ وصی پدر کے ہوتا ہے اور سگے دادا کے وصی کا وصی بھی بمنزلۂ سگے دادا کے وصی کے ہے اور قاضی کے وصی کا حکم بمنزلۂ وصی[(1)] قاضی کے ہے بشرطیکہ اُس کو عام اختیار ہو اور ماں کا وصی یا بھائی کا وصی سوا ایسا نہیں ہے چنانچہ اگر ماں مرگئی اور اُس نے ایک بچہ نابالغ چھوڑا کسی شخص کو وصی کر دیا یا ایک مرد مر گیا اور ایک نابالغ بھائی چھوڑا اور ایک شخص کو وصی مقرر کر دیا تو اس وصی کو اختیار ہے کہ اس میت کے ترکہ میں سے ماسوائے عقار کے فروخت کر دے اور عقار کی بیع نہیں کر سکتا ہے اور اس موصی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ صغیر کے واسطے کوئی چیز خریدے سوائے کھانے و کپڑے کے اس واسطے کہ یہ چیزیں خریدنا منجملہ حفاظت صغیر کے ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور ماں کے وصی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ صغیر نے جو مال اپنے باپ کے ترکہ میں پایا ہے اُس میں سے کچھ فروخت کرے خواہ عقار غیر منقول ہو یا مال منقول ہو خواہ قرضہ میں پھنسا ہو یا خالی از قرضہ ہو اور جو مال صغیر کو ماں کے ترکے میں ملا ہے اگر وہ قرضہ و وصیت سے خالی ہو تو منقول کو فروخت کر سکتا ہے اور غیر منقول کو اُس میں سے فروخت نہیں کر سکتا ہے اور اگر ترکہ قرضہ میں یا وصیت میں پھنسا ہوا ہو پس اگر قرضہ مستغرق[2] ہو تو وصی مذکور کو کل ترکہ کے فروخت کا اختیار ہے اور غیر منقول بھی اس میں آ گیا اور اگر قرضہ محیط نہ ہو تو بقدر قرضہ کے فروخت کر سکتا ہے اور قرضہ سے زائد کے فروخت کرنے میں ویسا ہی اختلاف امام اور صاحبینؒ کے درمیان ہے جیسا ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور جو حکم وصی مادر کے حق میں معلوم ہوا وہی وصی برادر و چچا میں ہے

[1] یعنی وہ جائیداد مراد جس کا نقل کرنا دوسری جگہ ممکن نہ ہو تو وہ بذات خود محفوظ شمار ہوتی ہے ۱۲

(۱) یعنی قاضی مقرر کیا ہوا وصی ۱۲

اور اگر سب وارث بالغ ہوں پس اگر حاضر ہوں اور ترکہ قرضہ کے پھنساؤ سے خالی ہے تو ماں کا وصی اُس کے ترکہ میں سے کچھ فروخت نہیں کرسکتا ہے اور اگر ترکہ پر قرضہ ہو تو جو حکم باپ کے وصی کی صورت میں مذکور ہوا ہے وہی حکم ماں کے وصی کا ہے جس میں اتفاق ہے اُس میں اتفاق ہے اور جس میں اختلاف ہے اُس میں یہاں بھی اختلاف ہے اور اگر وارثوں میں صغیر وکبیر دونوں ہوں اور کبیر وارث غائب ہوں پس اگر ترکہ قرضہ سے خالی ہو تو وصی کو ماں کے ترکہ میں سے مال منقول میں سے نابالغوں و بالغوں سب کے حصہ کے فروخت کا اختیار اور مال غیر منقول سے نابالغ و بالغ کسی کا حصہ فروخت نہیں کرسکتا ہے اور اگر ترکہ پر قرضہ ہو تو وصی مادر کا وہی حکم ہے جو وصی پدر کا مذکور ہوا ہے اور اگر وارثان بالغ حاضر ہوں اور ترکہ قرضہ سے خالی ہو تو نابالغوں کا ماں کے ترکہ میں سے مال منقول کا حصہ فروخت کرسکتا ہے اور مال منقول میں سے بالغوں کا حصہ فروخت کرنے میں اختلاف[1] ہے اور مال غیر منقول میں سے کسی کا حصہ فروخت نہیں کرسکتا ہے اور اگر ترکہ پر قرضہ یا وصیت ہو پس اگر قرضہ مستغرق ہو تو وصی کو مال منقول و غیر منقول سب کے فروخت کا اختیار ہے۔ اور اگر غیر محیط ہو تو منقول سب فروخت کرسکتا ہے اور مال غیر منقول میں سے بقدر قرضہ کے بالا جماع فروخت کرسکتا ہے اور قرضہ سے زائد کے فروخت کرنے میں اختلاف مشائخ ہے یہ محیط میں ہے۔

اصل یہ ہے کہ وصی کی ولایت اُسی قدر رہوتی ہے جس قدر موصی کی ولایت ہے اور ولایت حفاظت تصرف کی تابع ہے۔ ایک باندی دو شخصوں میں مشترک ہے اُس کے ایک بچہ پیدا ہوا اور دونوں نے معاً اُس کے نسب کا دعویٰ کیا حتی کہ اُس کا نسب دونوں سے ثابت ہو گیا پھر باندی مذکورہ آزاد کی گئی پھر وہ مرگئی اور کچھ مال چھوڑا اور ایک شخص کو وصی مقرر کیا تو اُس کے بچہ و بچہ کے مال کی ولایت اُس کے دونوں باپ کو حاصل ہے باندی مذکور کے موصی کو حاصل نہ ہوگی اس واسطے کہ ماں کا وصی مثل ماں کے ہے حالانکہ باندی مذکور کو ولایت تصرف حاصل نہ تھی پس ایسا ہی حکم اُس کے وصی کا ہے اور اُس کے وصی کو ولایت حفاظت بھی حاصل نہ ہوگی اس واسطے کہ وہ ولایت تصرف کی تابع ہے حتی کہ اگر دونوں باپ اُس کے غائب ہو جائیں تو ماں کے وصی کو ولایت حفاظت حاصل ہوگی پس وہ مال منقول کی بیع کا مختار ہوگا اس واسطے کہ منقول کی بیع حفاظت میں داخل ہی کذا فی الکافی لیکن وصی مذکور اُسی مال میں ولایت حاصل ہوگی جو صغیر نے اپنی ماں کے ترکہ میں پایا ہے یا ماں کی موت سے پہلے صغیر کا ہے نہ ایسے مال میں جو اُس کے بعد صغیر مذکور کی ملک میں آیا ہے جس طرح اُس کو ولایت حفاظت حاصل ہوگی اُسی طرح جو تصرف از باب حفاظت ہے اُس کا اختیار بھی حاصل ہوگا جیسے مال منقول کا فروخت کرنا یا ایسی چیز کا فروخت کرنا جس میں جلد خرابی آ جانے والی ہے اور وہ چیز جلد بگڑ جانے والی ہے اور اگر دونوں باپ میں سے ایک غائب ہو اور دوسرا حاضر ہے تو بھی امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور اگر صغیر مذکور کی ماں مر جانے کے بعد اُس کے دونوں باپ میں سے بھی ایک مرگیا اور سوائے اس صغیر کے کوئی وارث نہیں چھوڑا اور ایک شخص کو وصی مقرر کیا اور دوسرا باپ زندہ حاضر ہے تو اُس کی سب میراث اس صغیر کو ملے گی اور دونوں ترکوں میں ولایت تصرف اُس کے دوسرے باپ کو حاصل ہوگی اور پدر مردہ کے وصی کو حاصل نہ ہوگی اور نہ ماں کے وصی کو حاصل ہوگی اور فرمایا کہ جو باپ زندہ ہے اُس کے ساتھ قاضی دوسرا شخص وصی مقرر نہ کرے گا تا کہ اُس کے ساتھ تصرف کرے اور اگر دوسرا باپ غائب ہو تو ماں کے وصی کو جس قدر ماں کا ترکہ ہے اُس کی حفاظت کا اختیار ہوگا اور جو اس قبیل سے ہے اور باپ میت کے وصی کو اُس کے ترکہ میں تصرف کا اختیار حاصل ہوگا اور نیز جو امر از باب حفاظت ہے اُس کا اختیار ہوگا پھر اگر اس کے بعد دوسرا والد بھی مرگیا اور ایک شخص کو وصی مقرر کیا تو اس کے وصی کو ماں کے وصی سے اور اُس باپ کے وصی سے جو پہلے مرگیا تھا ترجیح[2] ہوگی اور اگر اس باپ کا جو پہلے مرگیا تھا باپ موجود ہو یعنی صغیر کا دادا اور باقی

[1] امام کے نزدیک جائز اور صاحبینؒ کے نزدیک ناجائز ہے ۱۲ [2] یعنی اسی کو غلبہ ہوگا اور وہی مقدم کیا جائے گا ۱۲

مسئلہ بحالہ رہے تو بھی جو باپ اخیر میں مرا ہے اُس کے وصی کو تصرف مال میں ترجیح (۱) ہو گی اسی طرح اگر دوسرا باپ کا جو اخیر میں مرا ہے باپ یعنی صغیر کا دادا موجود ہو تو بھی بہ نسبت اُس کے باپ کے اُس کے وصی کو تصرف مال صغیر میں ترجیح ہو گی اور اگر اس باپ کا وصی جو اخیر میں مرا ہے مر گیا اور دوسرے شخص کو اُس نے وصی مقرر کیا تو یہ وصی بھی بہ نسبت اُن لوگوں کے جن کو ہم نے بیان کیا ہے اولیٰ ہو گا یعنی یہی مختار ہو گا اور اگر اس باپ کا وصی جو اخیر میں مرا ہے مر گیا اور کسی کو وصی مقرر کیا یا جو باپ اخیر میں مرا ہے اُس نے کسی کو وصی مقرر نہیں کیا۔ اور حالت یہ ہے کہ جو باپ پہلے مرا ہے وہ اپنا وصی اور اپنا باپ یعنی صغیر کا دادا چھوڑ گیا ہے پس یہ دادا بہ نسبت اُس کے وصی کے اولیٰ ہو گا اور اگر دونوں باپ ایک دوسرے کے بعد مر گئے اور ہر ایک نے اپنا باپ (۲) چھوڑا اور ہر ایک نے ایک ایک آدمی کو وصی بھی مقرر کیا ہے پس اگر یہ ثابت نہ ہو کہ کون پہلے مرا ہے اور کون پیچھے تو ولایت تصرف ہر دو وصی کو حاصل ہو گی کیونکہ جب پہلا مرنے والا اور پچھلا مرنے والا ثابت و ظاہر نہ ہوا تو ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا دونوں ساتھ ہی مرے ہیں اور اگر دونوں ساتھ ہی مریں تو ماں میں تصرف کرنے کی ولایت دونوں وصی کو حاصل ہو گی اور اگر پہلا مرنے والا و پچھلا مرنے والا معلوم ہو گیا تو مال صغیر میں تصرف کا اختیار پچھلے مرنے والے کے وصی کو ہو گا اور اگر پچھلا مرنے والا باپ مر گیا اور اُس نے کسی کو وصی نہ کیا یا وصی کیا اور اُس کا وصی مر گیا اور کسی کو وصی نہ کیا اور باقی مسئلہ بحالہ ہے تو تصرف کی ولایت دونوں دادا کو حاصل ہے کسی ایک کو تنہا حاصل نہ ہو گی یہ محیط میں ہے۔

میّت کے وصی نے اگر ادائے قرضہ کے واسطے ترکہ فروخت کیا ☆

اگر ایک شخص مر گیا اور اولاد صغیر اور ایک باپ چھوڑا اور کسی کو وصیت نہ کی تو باپ بمنزلہ وصی کے ہو گا کہ ترکہ کی حفاظت کرے گا اور اُس میں ہر طرح کا تصرف کرے گا اور اگر میّت پر قرضہ کثیر ہو تو اُس کا باپ یعنی نابالغوں کا دادا یہ اختیار نہیں رکھتا ہے کہ ادائے قرضہ کے واسطے ترکہ فروخت کرے اسی طرح اگر ایک شخص نے اپنے نابالغ مراہق [1] پسر کو جو بیع و شراء سمجھتا ہے تجارت کی اجازت دی اور پسر مذکور نے تصرف کیا اور اُس پر بہت قرضے ہو گئے پھر یہ پسر مر گیا اور باپ چھوڑا تو اُس کے قرضہ ادا کرنے کے واسطے باپ کو اُس کے ترکہ میں تصرف کا اختیار نہیں ہے۔ میّت کے وصی نے اگر ادائے قرضہ کے واسطے ترکہ فروخت کیا اور قرضہ محیط نہیں ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے اور اگر ترکہ پر قرضہ نہ ہو لیکن وارثوں میں کوئی نابالغ ہو اور قاضی نے پورا ترکہ فروخت کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اُس کی بیع نافذ ہو گی اور امام ابو حنیفہؒ نے وصی میّت اور پدر میّت میں فرق کیا ہے کہ وصیت میّت کو اختیار ہے کہ ادائے قرضہ و تنفیذ [2] وصیت کے واسطے ترکہ فروخت کرے اور پدر میّت یعنی نابالغوں کے دادا کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے پسر کے واسطے نابالغوں پر ترکہ فروخت کرے اور یہ اختیار نہیں ہے کہ قرضہ میّت ادا کرنے کی غرض سے اولاد صغیر کا ترکہ فروخت کرے اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ یہ امام خصافؒ نے افادہ فرمایا ہے اور امام محمدؒ نے دادا کو بجائے باپ کے قائم کیا ہے۔ کتاب میں فرمایا کہ اگر ایک شخص مر گیا اور ایک وصی اور باپ چھوڑا تو وصی بہ نسبت باپ کے اولیٰ ہو گا اور اگر اُس کا کوئی وصی نہ ہو تو باپ اولیٰ ہے علیٰ ہذا القیاس دادا وغیرہ یہاں تک کہ فرمایا کہ پھر دادا کا وصی پھر قاضی کا وصی اولیٰ ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ ہم امام خصاف کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں ایک صغیر کو مال میراث ملا اور اس کا باپ مرد مسرف و مبذر مستحق حجر [3] ہے تو جس امام کے نزدیک ایسے شخص کا مجور کرنا روا ہے اُس کے نزدیک پدر مذکور کو مال صغیر میں ولایت تصرف حاصل نہ ہو گی اور شمس الائمہ حلوائی نے شرح ادب القاضی میں ذکر کیا کہ اگر قاضی نے یتیم کے واسطے ایک وصی مقرر کیا جس کے باپ کا وصی نہیں ہے تو وصی

---

[1] وہ طفل جو قریب بلوغ ہو ۱۲ [2] نافذ و جاری کرنا ۱۲ [3] لائق ممانعت از تصرف ۱۲ (۱) یعنی وہی مقطر رہے گا ۱۲ (۲) یعنی صغیر کا دادا ۱۲

قاضی بمنزلہ وصی پدر کے ہوگا بشرطیکہ قاضی نے اُس کو عام اجازت دے دی ہو کہ تمام انواع تصرف کا وصی ہے اور اگر کسی نوع خاص کے تصرف کا مختار کیا تو اسی نوع خاص کا وصی رہے گا بخلاف وصی پدر کے کہ وہ قابل تخصیص نہیں ہے چنانچہ اگر باپ نے کسی شخص کو ایک نوع خاص میں وصی مقرر کیا تو وہ تمام انواع تصرف میں وصی ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر وصی نے ترکہ میت میں سے کچھ مال اُدھار فروخت کیا پس اگر اس میں یتیم کے حق میں ضرر ہو مثلاً مشتری کی طرف سے یہ خوف ہو کہ وہ میعاد آنے پر منکر ہو جائے گا یا نہ دے گا تو نہیں جائز ہے اور اگر ضرر نہ ہو تو جائز ہے۔ ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے کوئی مال یتیم بعوض ہزار درم کے خریدنا چاہا اور دوسرے نے بعوض ایک ہزار ایک سو درم کے خریدنا چاہا اور شخص اول بہ نسبت دوسرے کے تو انگر ہے تو وصی کو چاہئے کہ اوّل کے ہاتھ فروخت کرے جس سے ثمن طلب کرنے کے وقت انکار یا نادہندگی کا خوف نہیں ہے اسی طرح اگر یتیم کا ایک دار ہو جس کو ایک شخص آٹھ درم ماہواری کے عوض کرایہ پر مانگتا ہے اور دوسرا دس درم ماہواری پر مانگتا ہے مگر اوّل بہ نسبت دوسرے کے تو انگر ہے تو اوّل کو کرایہ پر دینا چاہئے اور علیٰ ہذا جو شخص متولی جو قف ہو اُس کا بھی یہی حکم ہے و نیز سب لوگوں کو جو مالہائے وقف کے امین قرار دیئے جائیں ایسا ہی کرنا چاہئے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک وصی نے یتیم کی زمین ایک مفلس کے ہاتھ فروخت کی جس کو جانتا ہے کہ یہ ادائے ثمن پر قادر نہ ہوگا تو شیخ ابوالقاسم نے فرمایا کہ اگر بیع برغبت ہو تو قاضی تین روز تک مشتری کو مہلت دے گا پس اگر اُس نے اس عرصہ میں ادا کر دیا تو بیع[1] توڑ دی جائے گی اس واسطے کہ وصی کا ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا مال کا تلف کرنا ہے لیکن اگر اُس نے بیع ٹوٹنے کا حکم دینے سے پہلے ثمن ادا کر دیا تو بیع صحیح ہوگی شیخؒ نے فرمایا کہ درصورتیکہ یہ بات معلوم ہو کہ مشتری ادائے ثمن پر قادر نہ ہوگا تو چاہئے کہ قاضی کی بیع بھی جائز نہ ہو اس واسطے کہ قاضی سب کے واسطے خصوصاً نابالغوں کے واسطے درستی و اصلاح کی نظر کرنے پر مقرر ہے اور پوری نظر اصلاح اسی میں ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ وصی نے مال یتیم میں سے کوئی چیز فروخت کی پھر ایک شخص نے وصی سے جس قدر ثمن کو فروخت کی ہے اس سے زیادہ کے عوض لینے کی درخواست کی تو قاضی اہل بصارت و امانت کی طرف رجوع کرے گا پس اگر اہل بصارت و امانت میں سے دو آدمیوں نے قاضی کو خبر دی کہ وصی نے اُس کو پوری قیمت پر فروخت کیا ہے اور اُس کی قیمت اس قدر ہے جو شخص زیادہ دینا چاہتا ہے اُس کی طرف التفات نہ کرے گا اور اگر بطریق بیع مزائد کے زیادہ ثمن کو فروخت ہوتی ہے اور بازار میں اس سے کم کو فروخت ہوئی تو ایسی زیادتی کے واسطے وصی کی بیع نہ ٹوٹے گی بلکہ اہل بصارت و امانت کی طرف رجوع کرے گا پس اگر ان میں سے دو آدمی اس بات پر متفق ہوئے کہ یہ قیمت ہے تو وصی کے مشتری سے وہی قیمت لے لی جائے گی اور یہ امام محمدؒ کا قول ہے کہ دو آدمی اتفاق کریں اور امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ رحمہم اللہ کے قول پر ایک ہی عادل کافی ہے جیسا کہ ترکہ وغیرہ میں ہے اور علیٰ ہذا متولی وقف نے اگر وقف سے جو چیز کرایہ پر چلتی ہے کسی کو کرایہ پر دی پھر دوسرے شخص نے آ کر اس سے زیادہ کرا لینی چاہی تو اُس میں بھی یہی حکم ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک وصی نے میت کے ترکہ میں سے کوئی چیز واسطے تنفیذ[2] وصیت کے فروخت کی پھر مشتری بیع سے منکر ہو گیا یعنی کہا کہ میں نے نہیں خریدی ہے اور وصی اُس کو قاضی کے پاس لایا اور قسم طلب کی اُس نے قسم کھا لی حالانکہ وصی جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے تو قاضی وصی سے کہے گا کہ اگر تو سچا ہے تو میں نے تم دونوں کے درمیان سے بیع فسخ کر دی تو ایسا فسخ جائز ہے اگرچہ بخاطرہ ہے اور فسخ حاکم کی

---

[1] یعنی دوسرا ایسا نہیں ہے ۱۲ [2] مترجم کہتا ہے ایسا ہی ایک نسخہ میں ہے یعنی بیع توڑ دی جائے گی اور بنابر اس کے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی کو نقض بیع کا اختیار نہیں ہے اور ظاہر یہ کہ اگر اسے ادا کر دیا اُس پر قبضہ وصی کا ہو گیا تو صحیح ہے ورنہ قاضی بیع توڑ دے گا ۱۲ منہ

[2] وصیت پوری کر دینا اور یہ قید واسطے جواز بیع کے بالاتفاق ہے ۱۲ منہ

ضرورت اس واسطے ہے کہ اگر بعد انکار مشتری کے وصی اُس کے ساتھ خصومت ترک کرنے کا عزم کر لے تو یہ امر بمنزلہ اقالہ کے ہوگا مثل حقیقۃً اقالہ کرنے کے مبیع وصی کے ذمہ لازم ہوگی جب قاضی نے بیع کو فسخ کیا تو اُس کے ذمہ لازم نہ ہوگی بلکہ مبیع ملک میت میں عود کرے گی یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ فتاویٰ ابواللیثؒ میں ہے کہ ایک شخص مرگیا اور اُس نے تہائی مال کی وصیت کی ہے اور اقسام عقارات ترکہ چھوڑا اور وصی کسی صنف کو وصیت کے واسطے فروخت کرتا ہے تو وارث کو اختیار ہے کہ راضی نہ ہو لیکن اگر اُس نے ہر چیز کی تہائی جس میں سے تہائی فروخت ہو سکتی ہے فروخت کرنی چاہی تو ایسا اختیار نہ ہوگا اور شیخ ابوبکر اسکاف سے دریافت کیا گیا کہ ایک عورت نے وصیت کی کہ اُس کی زمین فروکت کر کے اُس کا تہائی ثمن فقیروں کو صدقہ دیا جائے پھر وہ مرگئی اور بالغ وارث چھوڑے پھر وصی نے تمام زمین فروخت کرنی چاہی اور وارثوں نے قدر وصیت سے زائد فروخت سے منع کیا تو فرمایا کہ اگر فقط تہائی زمین گھٹے داموں بکتی ہو جس سے وارثوں و اہل وصیت کو ضرر پہنچتا ہو تو وصی کو کل فروخت کرنے کا اختیار ہوگا ورنہ فقط بقدر وصیت فروخت کرے گا اور شیخ ابونصر الدبوسی عدم ضرر کی صورت میں صاحبینؒ کا قول پر اور ضرر کی صورت میں امام اعظمؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے یہ ذخیرہ میں ہے فرمایا کہ وصی کو مال یتیم سے تجارت کرنے کا اختیار ہے یہ مبسوط میں ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ یتیم کے مال سے اپنے واسطے یا میت کے مال سے اپنے واسطے تجارت کرے اور اگر کرے گا اور نفع کمائے گا اور راس المال کا ضامن ہوگا اور نفع کو صدقہ کرنا پڑے گا یہ امام اعظمؒ و امام محمدؒ کا قول ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ وصی کو اختیار ہے کہ مال یتیم مضاربت پر دے دے یا دوسرے سے اس مال سے شرکت کرے یا بضاعت[1] پر دے دے یہ محیط میں ہے۔

ایک وصی نے بعض مال ترکہ کو اجارۂ طویلہ پر بدین غرض دیا کہ میت کا قرضہ ادا ہو جائے تو نہیں جائز ہے۔ ایک شخص نے وصی مقرر کیا و مرگیا اور وصی غائب ہو گیا پس بعض وارثوں نے قصداً بعض ترکہ کو فروخت کر کے میت کا قرضہ ادا کیا اور اُس کی وصیتیں نافذ کر دیں تو بیع فاسد ہے لاً اُس صورت میں کہ قاضی نے اجازت دے دی ہو یہ حکم اُس صورت میں ہے کہ تمام ترکہ قرضہ میں مستغرق ہو اور اگر مستغرق نہ ہو تو وارث کا تصرف اُس کے حصہ میں جائز ہوگا لاً اُس صورت میں کہ مبیع دار میں سے ایک بیت معین ہو وارث بالغ نے ترکہ میت میں سے کوئی چیز یا عقار میں سے کوئی عقار فروخت کیا اور ہنوز میت پر قرضہ یا وصیت باقی ہے اور وصی نے اُس کی بیع رد کرنی چاہی پس اگر وصی کے پاس اس قدر مال ہو جس سے[2] فروخت کرنے کے بعد قرضہ و وصیت پوری کر سکتا ہے تو وارث کی بیع رد نہ کرے گا ایک عورت اپنا شوہر و دختر و بھائی چھوڑ کر مرگئی اور بھائی کو وصی کر دیا اور اُس نے وصیت قبول کی پھر قبل ازانکہ اُس کی وصیت و قرضہ ادا کرے شوہر سے اُس کا حصہ اسباب و عقار میں سے خرید لیا اور بائع کو اپنے حصہ کی مقدار معلوم نہیں ہے اور مشتری کو معلوم ہے پس اگر اُس نے وصایا کو قبل نالش کرنے کے نافذ کر دیا تو بیع جائز ہوگی اور اگر اُس نے نافذ نہ کیں یہاں تک کہ اُنہوں نے قاضی کے پاس نالش کی تو قاضی اس بیع کو باطل کر دے گا اور پہلے قرضہ میت و اُس کی وصیتیں نافذ کر دے گا پھر میراث کا حکم دے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک قرض دار نے چند وصیتیں کیں جو بعد ادائے قرضہ کے اُس کے تہائی مال سے برآمد ہوتی ہیں اور ایک دار چھوڑا اور وصی کو بدون ثمن دار کے اُس کی وصیتیں و قرضہ ادا کرنے کی قدرت نہیں ہے اور وارث پورے دار کی بیع پر راضی نہیں ہوتا ہے پس اگر قرضہ پورے دار تک یا اکثر دار تک پہنچتا ہو کہ اس میں سے خفیف باقی رہ جاتا ہو پس اگر اس کو معلوم ہو کہ درصورتیکہ فروخت نہ کیا جائے تو قرضہ میت پر زمانہ دراز تک رہے گا تو اُس کو فروخت کرنے کا اختیار ہے جب کہ اور گنجائش نہ ہو

[1] اور کہا گیا کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اُس کو نفع لینا جائز ہوگا ۱۲

[2] یعنی کسی تاجر کو دے تاکہ اُس سے نفع حاصل کر کے خود بھی لے اور اُس کو بھی دے ۱۲

اور اہل وصیت وارث کے شریک ہوں گے اور اگر وصی نے سوائے اپنے غیر کو مال یتیم قرض دینا چاہا تو باتفاق روایات اُس کو اختیار نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ اور اگر اُس نے قرض دے دیا تو ضامن ہوگا اور قاضی کو بھی قرض دینے کا اختیار نہیں ہے اور باپ میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے کہ امام اعظمؒ سے روایات مختلف ہیں اور صحیح یہ ہے کہ باپ بمنزلۂ وصی کے ہے نہ بمنزلۂ قاضی کے اور اگر وصی یا باپ نے اپنے ذاتی قرضہ میں مال یتیم رہن کیا تو قیاساً نہیں جائز ہے اور استحساناً جائز ہے اور اگر وصی نے اپنا قرضہ مال یتیم سے ادا کیا تو نہیں جائز ہے اور اگر باپ نے ادا کیا تو جائز ہے۔ وصی نے قرض دار یتیم سے دوسرے پر حوالہ قبول کیا پس اگر وہ دوسرا بہ نسبت قرض دار کے تو انگر ہو تو جائز ہے اور اگر برابر ہو تو نہیں جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ وصی نے اگر مال یتیم اپنے قرض خواہ کے ہاتھ بعوض اُس قدر ثمن کے جس قدر اُس پر قرضہ ہے فروخت کر دیا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے اور ثمن اُس کے قرضہ کا قصاص ہو جائے گا اور خود صغیر کے واسطے ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔

وصی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے تئیں یتیم کو مزدوری پر دے دے ☆

اگر وصی نے مال یتیم ایسے قرضہ کے عوض جس کو اُس نے صغیر کے واسطے لیا ہے رہن کیا اور مرتہن نے اُس پر قبضہ کر لیا پھر وصی نے اُس کو مرتہن سے صغیر کی حاجت کے واسطے مستعار لیا اور وہ وصی کے پاس تلف ہو گیا تو یتیم کا مال گیا اور قرضہ مرتہن بحالہ باقی رہے گا کہ وصی سے اُس کا مطالبہ ہوگا اور اگر وصی نے مرتہن[1] سے مال مرہون غصب کر لیا اور صغیر کی ضرورت میں استعمال کیا اور وہ تلف ہو گیا تو مرتہن کے حق کے واسطے اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا حق یتیم کے واسطے ضامن نہ ہوگا اور اگر بعد غصب کے اپنی ضرورت میں استعمال کیا اور وہ تلف ہوا تو دونوں کے حق کے واسطے ضامن ہوگا چنانچہ صورت اوّل میں اگر قرضۂ مرتہن ادا کیا یعنی ضمان دے کر تو اُس کو مال یتیم سے واپس لے گا اور دوسری صورت میں واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر وصی نے غیر کا غلام غصب کر کے صغیر کی ضرورت میں استعمال کیا پھر تلف ہونے پر اُس کی قیمت مالک کو تاوان دے دی پس آیا مال صغیر سے واپس لے گا سو اس کی کوئی روایت ہمارے اصحاب سے نہیں ہے اور ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ چاہئے کہ واپس نہ لے سکے اور اگر وصی نے یتیم کو کارہائے خیر میں سے کسی کام میں اُجرت پر دیا تو جائز ہے اسی طرح اگر صغیر کا غلام یا اور اُس کا مال ایسے کام میں اُجرت پر دیا تو بھی جائز ہے پھر اگر صغیر مذکور بالغ ہو گیا تو اُس کو اختیار ہو گیا کہ جو اجارہ وصی نے اُس کی ذات پر معقود[2] کیا ہے اُس کو فسخ کر دے اور جو اُس کے مال پر معقود کیا ہے اُس کو فسخ نہیں کر سکتا ہے۔ وصی نے اگر یتیم کے واسطے ایک شخص مزدور کیا اس قدر اُجرت پر کہ لوگ اجر المثل سے زائد اس قدر اجرت دے کر ایسا نقصان اندازہ میں نہیں اُٹھاتے ہیں تو رکن الاسلام علی سغدی نے شرح السیر میں فرمایا کہ وصی اپنے واسطے مزدور کرنے والا قرار دیا جائے گا اور پوری اُجرت اُس کے مال سے واجب ہوگی اور شیخ الاسلام نے اپنی شرح میں فرمایا کہ اجارہ صغیر کے واسطے واقع ہوگا لیکن مزدور کے کام کرنے پر اجر المثل واجب ہوگا اور جس قدر زیادہ ٹھہرا کر دیا ہے وہ صغیر کو واپس دیا جائے گا وصی نے اگر صغیر کی حویلی اجر المثل سے کم کرایہ پر دے دی پس آیا مستاجر پر اجر المثل واجب ہوگا وہ مسکن کا غاصب قرار دیا جائے گا کہ اُس پر سکونت کی وجہ سے اجرت واجب نہ ہوگی تو امام فضلی نے اپنے فتاویٰ میں ذکر فرمایا کہ ہمارے اصحاب کے اصول پر تو یہ لازم آتا ہے وہ غاصب قرار دیا جائے اور اُس پر کرایہ واجب نہ ہو اور مضاف نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا کہ مستاجر غاصب نہ ہوگا اور اُس پر اجر المثل واجب ہوگا پس امام فضلی سے کہا گیا کہ آپ امام خصاف کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں فرمایا کہ ہاں اور میں نے دوسرے نسخہ میں دیکھا کہ پورا اجر المثل واجب ہوگا اور اگر کرایہ میں مقدار بیان کر دی گئی ہو تو مقدار بیان کردہ واجب ہوگی اُس سے زیادہ نہ کیا جائے گا اور

[1] وہ شخص جس کے پاس مال رہن کیا گیا یعنی صاحب رہن ۱۲ [2] یعنی ٹھہرایا ۱۲

ہمارے بعض مشائخ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اجر المثل واجب ہوگا لیکن اگر کمی میں یتیم کے حق میں بہتری ہو تو ایسی صورت میں ناقص واجب ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ وصی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے تئیں یتیم کو مزدوری پر دے دے بخلاف باپ کے اگر باپ نے اپنے تئیں صغیر کو مزدوری پر دیا تو جائز ہے یہ قدوری میں ہے اور ایسا ہی امام فضلیؒ نے جواب دیا ہے کہ اگر وصی نے اپنے تئیں یا اپنی کسی چیز کو یتیم کے پاس مزدوری پر اُس کے کام میں لگایا تو نہیں جائز ہے اور امام علی سغدی نے فرمایا کہ اگر وصی یا باپ نے اپنے آپ کو یتیم کو مزدوری پر دیا تو بالاتفاق جائز ہے مگر فتویٰ اُسی قول پر ہے جو قدوری نے ذکر کیا ہے یہ کبریٰ میں ہے اور اگر وصی نے خود یتیم کو مزدوری پر لیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہونا چاہئے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور وصی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مال یتیم بعوض یا بلاعوض کسی کو ہبہ کرے اور یہی حکم باپ کا ہے اور اگر کسی نے صغیر کو مال ہبہ کیا اور باپ نے اُس کا عوض مال صغیر سے دیا تو نہیں جائز ہے اور واہب کو حق رجوع باقی رہے گا اسی طرح اگر وصی نے مال یتیم سے عوض دیا تو نہیں جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ نوادر ہشام میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ وصی نے غلام یتیم ہزار درم کو فروخت کیا اور اُس کی قیمت بھی ہزار درم ہے بدین شرط کہ وصی کو اختیار باقی ہے پھر مدت خیار میں اُس کی قیمت بڑھ کر دو ہزار درم ہوگئی تو وصی کو بیع نافذ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ یہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور نیز امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایک وصی نے غلام صغیر بدین شرط کہ وی کو تین روز تک خیار[1] ہے فروخت کیا پھر صغیر تین روز کے اندر بالغ ہوگیا پھر تین روز گذر گئے تو بیع تمام ہوگئی اور اگر وصی تین روز خود اجازت دے دی یا مرگیا تو جائز نہ ہو جائے گی یہاں تک کہ صغیر مذکور خود اجازت دے دے اور اگر وصی یتیم نے غلام یتیم بشرط خیار سہ روز فروخت کیا پھر مدت خیار میں یتیم مرگیا تو بیع جائز ہوگی اور یہی حکم والد کا ہے اور اس کی وجہ بدین طور بیان فرمائی کہ عقد بیع صغیر کے واسطے واقع ہوا تھا اور اگر وصی نے اپنے واسطے تین روز خیار کی شرط کر کے یتیم کا غلام فروخت کیا پھر مدت خیار میں یتیم بالغ ہوگیا تو بیع تمام ہوگئی اور خیار باطل ہوگیا اور اگر وصی نے صغیر کے واسطے باندی خریدی پھر صغیر بالغ ہوگیا پھر وصی اس کے کسی عیب پر واقف ہو کر راضی ہوگیا قبل اس کے کہ یتیم اُس کو تصرف سے منع کرے یا تصرف کے منع کرنے کے بعد راضی ہوا تو وہ ان صورتوں میں مثل وکیل کے ہے اور اگر وصی نے صغیر کے واسطے ہزار درم کو ایک غلام اپنے واسطے تین روز کے خیار کی شرط کر کے خریدا پھر تین روز میں یتیم بالغ ہوگیا پھر وصی نے بیع کی اجازت دے دی تو یتیم کو اختیار ہے چاہے راضی ہو جائے اور چاہے وصی کے ذمے لازم کرے اور اگر اُس نے کچھ اختیار نہ کیا یہاں تک کہ وصی بعد بیع پر راضی ہو جانے کے یا اس سے پہلے مرگیا تو یتیم اپنے خیار پر رہے گا اور اگر وصی نہ مرا اور مدت خیار کے اندر یا بعد گذرنے کے وصی کے پاس غلام مرگیا یا مدت خیار کے اندر وصی کی بیع پر راضی ہو جانے سے پہلے یا بعد اس کے یتیم مرگیا تو خرید مذکور بذمہ یتیم لازم ہوگی یہ محیط میں ہے۔

وصی نے مال یتیم سے کوئی چیز فروخت کی پھر وہ بالغ ہوگیا اور مشتری کو ثمن سے بری کر دیا ہے بعض نے فرمایا کہ اگر صلح غیر مفسد ہو اور کہا کہ تو اُس چیز سے جس سے تجھ کو میرے قاضی نے میرے مال سے بری کر دیا ہے بری ہے تو جائز ہے اور اگر کہا کہ تو اس مال سے جو تجھ پر ہے بری ہے تو بری نہ ہوگا اور فقیہؒ نے فرمایا کہ یہ ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہے ہم اُس کو نہیں لیتے ہیں بلکہ طفل مذکور کے بالغ ہو کر بری کرنے کے بعد مشتری بری ہو جائے گا یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے اور اگر وصی نے مال یتیم اپنے ہاتھ یا اپنا مال یتیم کے ہاتھ فروخت کیا تو ہر دو روایت میں امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت کے موافق و قول امام اعظمؒ کے موافق اگر اُس میں یتیم کے واسطے منفعت ظاہرہ ہو تو جائز ہے اور اگر یتیم کے واسطے منفعت ظاہرہ نہ ہو تو نہیں جائز ہے اور بقول امام محمدؒ کے موافق اظہر الروایت

---

[1] یعنی اختیار حاصل ہے چاہے رکھ لے اور چاہے رد کر دے ۱۲

کے امام ابو یوسفؒ سے یہ حکم ہے کہ ہر حال میں نہیں جائز ہے اور بنا بر قول امام اعظمؒ کے منفعت ظاہرہ کی تفسیر میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ اپنا ہزار درم کا مال طفل کے ہاتھ آٹھ سو درم کو فروخت کرے اور طفل کا آٹھ سو درم کا مال خود ہزار درم کو خریدے اور بعض نے فرمایا کہ اپنا ہزار درم کا مال طفل کے ہاتھ پانچ سو درم کو بیچے اور اُس کا پانچ سو درم کا مال ہزار درم کو خریدے۔ اور موافق قول امام اعظمؒ کے ہر گاہ وصی کا اپنے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہوا پس آیا میں نے خریدا یا میں نے فروخت کیا پر اکتفا کرے جیسا کہ باپ کے حق میں حکم ہے یا رکنین عقد کی ضرورت ہے پس یہ صورت اس مقام پر ذکر نہیں فرمائی اور ناطفی نے اپنے واقعات میں ذکر کیا کہ وصی کو ہر دو رکن کی حاجت ہے بخلاف باپ کے اور اگر دو یتیموں کے ایک وصی نے ایک کا مال دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا تو نہیں جائز ہے۔ اسی طرح اگر وصی نے دونوں کو تجارت کی اجازت دی اور ایک نے دوسرے کے ہاتھ اپنا مال فروخت کیا تو نہیں جائز ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اسی طرح اگر دو یتیموں کے دو غلاموں کو اجازت دی اور ایک نے دوسرے کے ہاتھ اپنا مال فروخت کیا تو نہیں جائز ہے یہ محیط میں ہے۔ باپ یا وصی نے اگر صغیر یا اُس کے غلام کو تجارت کی اجازت دی تو صحیح ہے اور اگر دونوں نے خرید و فروخت کرتے دیکھ کر سکوت کیا تو یہ اجازت میں شمار ہے اور اگر صغیر کے بالغ ہونے سے پہلے باپ یا وصی مر گیا تو اجازت باطل ہو جائے گی اور اگر صغیر کے بالغ ہو جانے کے بعد باپ یا وصی مرا تو اجازت باطل نہ ہوگی اور اگر باپ یا وصی نے صغیر کا مال فروخت کرنے یا اُس کے لیے خریدنے کے واسطے وکیل کیا پھر باپ مر گیا یا صغیر بالغ ہو گیا تو وکیل معزول ہو جائے گا۔ قاضی نے اگر صغیر یا معتوہ[1] کو یا دونوں کے غلام کو تجارت کی اجازت دی تو صحیح ہے اسی طرح اگر معتوہ کے غلام کو مجور کیا تو صحیح ہے اور اگر قاضی نے معتوہ کے غلام کو خرید فروخت کرتے دیکھ کر سکوت کیا تو یہ قاضی کی طرف سے اجازت نہ ہوگی اگر قاضی کی رائے میں صغیر یا اس کے غلام کو تجارت کی اجازت دینا مصلحت معلوم ہو اور باپ یا وصی نے انکار کیا تو دونوں کا انکار کرنا باطل ہے اور اگر قاضی کی اجازت دینے کے بعد باپ نے یا وصی نے اُس کو مجور کر دیا تو دونوں کا مجور کرنا صحیح نہ ہوگا اسی طرح اگر یہ قاضی مر گیا تو وہ مجور نہ ہوگا الا اس صورت میں کہ یہ مقدمہ دوسرے قاضی کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ مجور کر دے تو مجور ہو جائے گا اس واسطے کہ اس قاضی کی ولایت مثل ولایت قاضی اوّل کے ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر اس طفل نے وصی کے ہاتھ کوئی چیز بیچی یا اس سے خریدی تو بقول امام محمدؒ کے بالکل نہیں جائز ہے جیسا کہ وصی خود اپنے ہاتھ فروخت کرے اور بقول امام اعظمؒ کے بنا بر روایت جامع و زیادات کے اور بعض روایت کتاب الماذون کے اگر اُس میں صغیر کے واسطے نفع ظاہر ہو تو صحیح ہے اور اگر صغیر کے واسطے نفع ظاہر نہ ہو تو نہیں صحیح ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ وصی نے اگر یتیم کی زمین مزارعت پر لی تو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ مطلقاً جائز ہے جیسے دوسرے کو دینا جائز ہے اور بعض نے فرمایا کہ اگر بیج یتیم کی طرف سے ہوں تو نہیں جائز ہے اور اگر وصی کی طرف سے ہوں تو جائز ہے اور عامہ مشائخؒ نے نزدیک اگر اجر المثل یا تاوان نقصان لینا یتیم کے واسطے بہتر ہو گا بہ نسبت اس حاصلات کے جو یتیم کے حصہ میں پڑتی ہے تو مزارعت جائز نہ ہوگی اور اگر حاصلات اُس کے حق میں بہتر ہو تو مزارعت جائز ہوگی یہ محیط میں ہے اور اگر یتیم مالدار ہو تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وصی کو اختیار ہو گا کہ اُس کی طرف سے قربانی اُس کے مال سے کر دے یا اُس کا صدقہ فطر ادا کر دے اور وصی کو اختیار نہیں ہے کہ قرض دار میت کو بری کر دے یا اُس کے ذمہ سے کچھ ساقط کر دے یا اُس کو مہلت دے دے بشرطیکہ جو قرضہ واجب ہے وہ وصی کے عقد سے واجب نہ ہوا ہو اور اگر وصی کے عقد سے واجب ہوا ہو تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک کچھ ساقط کرنا و مہلت دینا و بری کر دینا سب جائز ہے لیکن وصی

[1] وہ شخص جو اپنے ہوش و حواس میں نہیں ۱۲

ضامن ہوگا اور اگر وصی نے کسی قرض دار میت کے ساتھ قرضہ سے صلح کر لی پس اگر میت کے گواہ اس قرضہ کے ہوں یا قرض دار مقر ہو یا قاضی کو اس کا حال معلوم ہو تو وصی کی صلح جائز نہ ہوگی اور اگر حق کے گواہ غیر نہ ہوں تو صلح وصی جائز ہے۔ اگر میت پر قرضہ سے صلح کی یا یتیم پر قرضہ سے صلح کی پس اگر مدعی کے پاس اپنے حق کے گواہ ہوں یا قاضی نے اُس کے حق کی ڈگری کر دی ہو تو وصی کی صلح جائز ہوگی اور اگر مدعی کے پاس اپنے حق کے گواہ نہ ہوں اور نہ قاضی نے اُس کے نام ڈگری کی ہو تو وصی کی صلح جائز نہ ہوگی اس واسطے کہ یہ اُس کے ال کا تلف کرنا ہے اور یہ نظیر اس مسئلہ کی ہے کہ سلطان ظالم یا زبردست نے مال یتیم میں طمع کی اور وصی کو پکڑ کر دھمکایا تا کہ یتیم کا کچھ مال لے تو شیخ نصیرؒ نے فرمایا کہ وصی کو نہ دینا چاہئے اور اگر وصی دے دے گا تو ضامن ہوگا اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ اگر وصی کو اپنے جان پر قتل کا یا کسی عضو کے تلف کرنے کا خوف ہو یا تمام مال یتیم کے چھین لینے کا خوف ہو تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اُسے اپنی ذات پر قید کئے جانے یا بیڑیاں ڈالی جانے کا خوف ہو یا یہ جانے کہ ظالم مذکور وصی کا کچھ مال لے لے گا اور اُس کے پاس اس قدر رہ جائے گا جو اُس کو کافی ہے تو اُس کو یہ گنجائش نہ ہوگی کہ مال یتیم دے دے اور اگر دے دے گا تو ضامن ہوگا اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وصی خود اُس کو مال دے اور اگر سلطان یا حاکم زبردست نے خود اپنے ہاتھ سے مال لے لیا تو وصی ضامن نہ ہوگا یہ فتویٰ اُسی قول پر ہے جس کو فقیہ ابواللیثؒ نے اختیار کیا ہے ایک وصی مال یتیم لے کر ایک ظالم کی طرف گذرا اور اُس کو خوف ہوا کہ اگر اس کو کچھ نہ دوں گا تو سب مال میرے ہاتھ سے چھین لے گا پس اُس نے مال یتیم میں سے کچھ مال دیا تو بعض نے فرمایا کہ اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اسی طرح اگر مضارب مال مضاربت لے کر گذرا تو بھی یہی حکم ہے اور شیخ ابوبکر اسکاف نے فرمایا کہ یہ ہمارے اصحاب کا قول نہیں ہے بلکہ یہ محمد بن سلمہ کا قول بطریق استحسان ہے اور فقیہ ابواللیث سے منقول ہے کہ امام ابو یوسفؒ وصی لوگوں کے واسطے مصانعت[1] کو اموال یتیمان میں جائز رکھتے تھے پس جو امر سلمہؒ نے اختیار کیا ہے وہ موافق قول امام ابو یوسفؒ کے ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے گا ایک وصی نے قاضی کی کچہری میں مال یتیم خرچ کیا اور بطریق اجرت دیا تو ضامن نہ ہوگا اور شیخ ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ بقدر اجر المثل اور غبن یسیر کے ضامن نہ ہوگا اور جو بطور رشوت کے دیا ہے اُس کا ضامن ہوگا اور مشائخؒ نے فرمایا ہے کہ اپنے اوپر سے یا اپنے مال سے ظلم دفع کرنے کے واسطے مال دینا اس دینے والے کے حق میں رشوت نہیں ہے اور اپنا حق جو دوسرے پر آتا ہے اُس کے برآمد کرانے کے واسطے مال دینا رشوت ہے۔ ایک شخص مر گیا اور اپنی بیوی کو وصی مقرر کیا اور نابالغ وارث چھوڑے پھر سلطان اُس کے دار میں اُترا پس عورت مذکورہ سے کہا گیا کہ اگر تو اس کو کچھ تواضع نہ کرے گی تو دار و عقار سب چھین لے گا پس عورت مذکورہ نے عقار میں سے کچھ اُس کو دیا تو مشائخؒ نے فرمایا کہ اُس کی مصانعت جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

مسائل میراث فتاویٰ نسفی میں ہے کہ اگر وصی سے دار یتیم کی جبایت[2] طلب کی گئی اور حالت یہ ہے کہ اگر انکار کیا جائے تو مؤنت[3] زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ پس وصی نے ترکہ میں سے اُس کے دار کی جبایت ادا کی تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور مثل مصالفہ کے قرار دیا جائے گا اور فقیہ ابوجعفر سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص مر گیا اور دو دختر و عصبہ چھوڑا پس سلطان نے ترکہ طلب کیا اور وصی نے ترکہ میں سے کچھ درم دے کر اُس کو ٹالا کہ سلطان نے تعرض ترک کیا پس جو کچھ وصی نے دیا ہے وہ مخصوص حصہ عصبہ میں سے ہوگا یا تمام مال میں سے ہوگا فرمایا کہ اگر وصی کو بدون اس فعل کے حفاظت ترکہ کی قدرت نہ ہو تو تمام ترکہ میں سے محسوب ہوگا یہ محیط میں ہے۔ وصی نے مال یتیم میں سے اُس کی تعلیم قرآن شریف و ادب میں خرچ کیا پس اگر طفل اس لائق (1) ہو تو جائز ہے اور وصی کو ثواب

[1] مصانعت رشوت دینا مدارا کرنا یختی میں ۱۲ [2] جس کو ہندی میں پر جوٹ وغیرہ بولتے ہیں ۱۲ [3] مشقت و زیر باری وغیرہ ۱۲

(۱) یعنی اُس کی صلاحیت رکھتا ہو ۱۲

ملے گا اور اگر طفل اُس کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو وصی کو ضرور ہے کہ اس قدر تعلیم قرآن میں تکلیف اُٹھائے جس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اور وصی کو چاہئے کہ یتیم کو وسعت کے ساتھ نفقہ دے اُس میں نہ اسراف ہو اور نہ تنگی ہو اور یہ امر بلحاظ قلت و کثرت مال طفل کے متفاوت ہو گا اور نیز بنظر اختلاف حال تفاوت ہو گا پس اُس کے مال وحال پر لحاظ کر کے اُس کے لائق اُس پر خرچ کرے ایک وصی کار یتیم کے واسطے سفر کو جاتا ہے اور مال یتیم سے سواری کرایہ پر لیتا ہے اور اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے تو اُس میں سے بقدر ضروری صرف کرنے کا استحساناً اُس کو اختیار ہے اور شیخ نصیر سے روایت ہے کہ وصی کو اختیار ہے کہ مال یتیم میں سے کھائے اور اُس کی سواری پر سوار ہو بشرطیکہ اُس کے کام کے واسطے جائے اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ یہ حکم اُس وقت ہے کہ وصی محتاج ہو اور بعض نے فرمایا کہ وصی کو اُس کے مال سے کھانا اور اُس کی سواری پر سوار ہونا نہیں جائز ہے اور یہ قیاس ہے اور استحساناً اُس کو بقدر معروف کھائے اگر محتاج ہو جس قدر اس کے مال میں سعی و کوشش کرتا ہے ایک وصی نے مال میت میں سے کوئی چیز اپنے واسطے خریدی پس اگر میت کا کوئی وارث صغیر و کبیر نہ ہو تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک شخص مر گیا اور اُس کے پاس اقوام متفرقہ کی ودیعتیں ہیں ☆

واقعات ناطفی میں ہے کہ فرمایا کہ اگر وصی نے مال یتیم لے کر اپنے واسطے خرچ کیا پھر جس قدر لیا ہے اُس کے مثل رکھ دیا تو ضمان سے بری نہ ہو گا الا اُس صورت میں کہ یتیم بالغ ہو جائے اور وصی اُس کو دے دے یا یتیم کے واسطے کوئی چیز خرید کر گواہوں سے کہ یتیم کا مجھ پر اس قدر آتا ہے اور میں اُس کے واسطے یہ چیز خریدتا ہوں پس ثمن سے قصاص ہو جائے گا اور وصی بری ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے وصیت کی کہ میرا غلام فروخت کیا جائے اور اُس کا ثمن مسکینوں کو صدقہ دے دیا جائے پس وصی نے غلام کو فروخت کر کے اُس کا ثمن وصول کیا اور ثمن اُس کے پاس تلف ہو گیا پھر مشتری کے پاس سے وہ غلام استحقاق امیں لے لیا گیا تو وصی اس ثمن کا مشتری کے واسطے ضامن ہو گا پھر وصی تمام ترکہ میت سے مال تاوان واپس لے گا اسی طرح یہ مسئلہ جامع صغیر میں مذکور ہے اور یہی ظاہر الروایہ کا حکم ہے اور اگر ترکہ سب تلف ہو گیا تو کسی سے واپس نہیں لے سکتا ہے نہ وارثوں سے اور نہ مساکین سے جب کہ مساکین کو صدقہ دے دیا ہو اور اگر وصی نے ترکہ تقسیم کیا پھر وارثوں میں سے کسی صغیر کے حصہ میں غلام آیا اور اُس کو وصی نے فروخت کیا اور ثمن وصول کیا اور اُس کے پاس تلف ہو گیا پھر غلام مذکور مشتری سے استحقاق میں لے لیا گیا تو مشتری اپنا ثمن وصی سے واپس لے گا اور وصی مال صغیر سے واپس لے گا اس واسطے کہ وصی نے اُسی کے لیے فروخت کیا تھا اور صغیر بحساب[2] اس قدر حصہ کے دوسرے وارثوں سے واپس لے گا اس واسطے کہ تقسیم باطل ہو گئی ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص مر گیا اور اُس کے پاس اقوام متفرقہ کی ودیعتیں ہیں اور اُس نے اموال ترکہ چھوڑے اور اُس پر اس قدر قرضہ ہے کہ اُس کے تمام مال کو محیط ہے پھر وصی نے میت کے گھر سے ودیعتوں کو لے کر قبضہ کیا کہ صاحبان ودائع کو دے دے یا مال میت پر قبضہ کیا تا کہ اُس سے میت کا قرضہ ادا کرے پس مقبوضہ وصی کے پاس تلف ہو گیا تو اُس پر ضمان واجب نہ ہو گی اسی طرح اگر میت پر قرضہ نہ ہو اور وصی نے اُس کے گھر سے اُس کا مال لے کر قبضہ کیا اور اُس کے پاس تلف ہو گیا تو بھی اُس پر ضمان واجب نہ ہو گی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر وصی نے ایسے شخص کو جس کے پاس میت کی ودیعت ہے یہ حکم کیا کہ مال ودیعت ہبہ کر دے یا صدقہ کر دے یا قرضہ دے دے پس اگر مستودع نے ایسا کیا تو ضامن ہو گا اور اگر اُس کو حکم دیا کہ فلاں کو دے دے اُس نے ایسا کیا تو ضامن نہ ہو گا اسی طرح اگر اس کو حکم دیا کہ فلاں کو

---

[1] یعنی کسی دوسرے نے اس پر اپنے استحقاق کا ثبوت پہنچا کر اس کو لے لیا ۱۲ [2] قولہ بحساب کیونکہ جب ظاہر ہوا غلام مذکور ملک میت نہ تھا تو باقی ترکہ میں بمقابلہ غلام کے جس قدر حصہ صغیر دوسروں کے پاس گیا ہے وہ واپس لے گا ۱۲

مضاربت پر دے دے یا خود مضاربت پر اس مال سے تجارت کرتو اُس پر ضمان نہ ہوگی یہ تاتارخانیہ میں ہے اگر وصی نے وارثان نابالغ کو ترکہ میں سے نفقہ دیا یہاں تک کہ تمام ترکہ خرچ ہوگیا اُس میں سے کچھ باقی نہ رہا پھر ایک نے آکر گواہوں سے میت پر اپنا قرضہ ثابت کیا اور قاضی نے اُس کے نام ڈگری کردی پس آیا قرض خواہ مذکور کو وصی سے ضمان لینے کا اختیار ہے تو اِس کا ذکر کتاب میں نہیں ہے اور چاہئے کہ جواب میں تفصیل ہو یعنی اگر وصی نے وارثان مذکور کو حکم قاضی نفقہ دیا ہے تو اُس پر ضمان نہیں ہو سکتی ہے اور اگر بے حکم قاضی نفقہ دیا ہے تو ضامن ہوگا۔ اور اگر میت پر کوئی قرضہ بقضائے قاضی واجب ہوا اور وصی نے اُس کو ادا کردیا پھر اس کے بعد میت پر دوسرا قرضہ لاحق ہوا بایں طور کہ اُس نے اپنی زندگی میں کنواں کھودا تھا پھر اب اُس میں کوئی جانور گرا حتیٰ کہ اُس کا تاوان بذمہ میت بطور قرضہ ہوگیا یا زندگی میں اُس نے کوئی اسباب فروخت کر کے اُس کا ثمن لیا تھا پھر بعد وفات کے مشتری نے اُس میں عیب پا کر وصی کو واپس دیا اور اُس کا ثمن ترکہ میت پر قرضہ ہوا پس آیا وصی دوسرے قرض خواہ کے واسطے کچھ ضامن ہوگا تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو وصی نے اوّل کو جو کچھ دیا ہے بحکم قاضی دیا ہوگا یا بغیر حکم قاضی پس اگر بحکم قاضی دیا ہو تو اُس پر ضمان نہ ہوگی اور نہ قاضی پر ضمان ہوگی لیکن دوسرا حق دار پہلے کا دامنگیر ہو کر اس کے مقبوضہ میں سے حصہ رسد لے لے اگر مال مقبوضہ اُس کے پاس قائم ہو اور اگر تلف ہوگیا ہو تو بقدر اُس کے حصہ کے ضامن ہوگا اور وصی دوسرے کے واسطے ضامن نہ ہوگا اگرچہ یہ ظاہر ہوا کہ اُس نے دوسرے کا کسی قدر حق بدون اُس کی اجازت کے اوّل کو دے دیا ہے بدلیل وجہ کہ وہ اس دینے میں قاضی کے حکم سے مجبور تھا اور اگر وصی نے بغیر حکم قاضی کے اوّل کو دیا ہو تو دوسرے کو اختیار ہوگا چاہے وصی سے بقدر اپنے حصہ کے تاوان لے یا قابض کے مقبوضہ میں سے یا غیر مقبوضہ سے بطریق تاوان لے پھر اگر وصی کے زعم میں یہ بات ہو کہ دوسرا اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور گواہ جھوٹے ہیں تو درصورتیکہ وصی سے اُس نے ضمان لی تو وصی مال تاوان کو اوّل سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر وصی کے زعم میں ہو کہ دوسرے کا دعویٰ سچا ہے تو واپس لے گا یہ سب اُس وقت ہے کہ قرض خواہ نے بگواہی قاضی کے نزدیک اپنا قرضہ ثابت کیا ہو اور اگر میت نے وصی کے سامنے اقرار کیا ہو کہ زید کا مجھ پر اس قدر قرضہ ہے یا وصی کے پیش نظر قرضہ ثابت ہوا ہو مثلاً وصی نے دیکھا ہو کہ میت نے اپنی زندگی میں کسی کا مال تلف کردیا یا اُس کے پاس سے لے لیا ہے پس آیا وصی اُس کو ادا کر سکتا ہے درحالیکہ وارث لوگ منکر ہیں تو کتاب میں اُس کی کوئی روایت نہیں ہے اور اس میں مشائخؒ نے اختلاف کیا ہے بعض نے کہا کہ ادا کر سکتا ہے اور بعض نے کہا کہ چاہئے کہ اُس کو ادا کرنے کا اختیار نہ ہو یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کے پاس مال ودیعت رکھا اور کہا کہ اگر میں مرجاؤں تو میرے بیٹے کو دے دینا حالانکہ میت کا اس کے سوائے دوسرا وارث بھی ہے تو بقدر حصہ وارث دیگر کے ضامن ہوگا اور وہ شخص اتنی بات سے وصی نہیں ہو سکتا ہے اور اگر اُس نے کہا کہ میرے بعد فلاں شخص کو جو وارث نہیں ہے دے دینا تو اُس کو دینے سے ضامن ہوگا ایک مریض کے پاس اہل قرابت جمع ہوئے کہ اُس کے مال سے کھاتے پیتے تھے تو شیخ ابوالقاسم صفار نے فرمایا کہ اگر باجازت مریض کھاتے ہیں تو جو ان میں سے وارث ہے وہ ضامن ہوگا اور جو وارث نہیں ہے اُس کی خوراک مریض کی تہائی سے محسوب ہوگی اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ اگر مریض کو اپنی تیمارداری میں ان لوگوں کی حاجت ہو پس اُنہوں نے اُس کے اور اُس کے عیال کے ساتھ کھایا پیا حالانکہ بدون اسراف کے کھایا تو اُس پر استحساناً ضمان نہ ہوگی۔ ایک شخص مرگیا اور اُس پر قرضہ ہے پس اُس کے وصی نے قرض خواہوں کے واسطے اُس کے غلاموں کو فروخت کیا اور اُن کا ثمن وصی کے پاس تلف ہوگیا یا مشتری کو غلام مذکور دینے سے پہلے بعض غلام وصی کے پاس مرگئے تو مشتری اپنا ثمن وصی سے واپس لے گا اور پھر وصی قرض خواہوں سے واپس لے گا اور اگر غلام مذکور استحقاق میں لے لئے گئے تو مشتری اپنا ثمن وصی سے واپس لے گا اور وصی اس کو قرض خواہوں سے واپس نہیں لے سکتا ہے الا اُس صورت میں لے سکتا ہے کہ قرض خواہوں کے حکم سے اُس کو

فروخت کیا ہو اسی طرح اگر قرض خواہوں نے اس سے یوں کہا ہو کہ ان میت کا غلام فروخت کر کے ہمارا قرضہ ادا کر دے تو وصی اُن سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر قرض خواہوں نے کہا کہ فلاں کا یہ غلام فروخت کر دے تو اُن سے ثمن واپس لے گا اس واسطے کہ انہوں نے اُس کو دھوکا دیا ہے لیکن اگر ثمن بہ نسبت قرضہ کے زائد ہو تو بقدر قرضہ کے واپس لے سکتا ہے۔ اُس سے زائد نہیں لے سکتا ہے اور اگر انہوں نے کہا کہ یہ غلام فروخت کر کہ یہ فلاں کا ہے اور وصی نے کہا کہ میں اُس کو نہیں فروخت کروں گا پھر اُس کو فروخت کیا پھر وہ استحقاق میں لے لیا گیا اور ثمن ضائع ہو گیا تو وصی اُس کو قرض خواہ سے واپس لے گا اور اگر میت پر قرضہ نہ ہو لیکن وصی نے وارثان بالغ کے واسطے غلام فروخت کیا تو وارثان بالغ ان سب صورتوں میں بمنزلۂ قرض خواہوں کے ہیں اور اگر وارثان صغیر ہوں تو استحساناً اُن سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر قاضی نے رقیق میت کو قرض خواہوں کے واسطے فروخت کیا اور ثمن قاضی کے پاس ضائع ہو گیا پھر رقیق مذکور مشتری کے پاس سے استحقاق میں لے لیا گیا تو مشتری اپنا ثمن قرض خواہ سے واپس لے گا نہ قاضی سے۔ ایک شخص اپنے غلام کے آزاد کرنے کی وصیت کی پھر غلام نے بعد موت موصی کے کوئی جنایت کی اور وصی نے جنایت سے واقف ہو کر اُس کو آزاد کر دیا تو فدیہ کا ضامن ہو گا اور اگر نہ جانتا ہو تو قیمت کا ضامن ہو گا اور اس فدیہ یا قیمت کو وارثوں سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر یتیموں کے غلام نے کوئی جنایت کی تو اُن کے وصی کو اختیار ہو گا کہ اُن کے واسطے غلام کا رکھ لینا اختیار کرے اور اُن کے مال سے ارش جنایت ادا کر دے لیکن اگر ارش جنایت و قیمت غلام میں بہت بڑا فرق ہو تو ایسا نہیں کر سکتا ہے اور اگر وصی نے قاضی کے پاس کہا کہ میں نے غلام رکھ لینا اختیار کیا یا اس بات پر گواہ کر لئے تو اُس کو یہ اختیار نہ رہے گا کہ اس سے رجوع کر کے غلام کا دے دینا اختیار کرے پھر اگر یتیموں کا کچھ مال سوائے اس غلام کے نہ ہو تو اُس پر واجب ہو گا کہ غلام فروخت کر کے اُس کے ثمن سے ارش جنایت ادا کرے اور اگر قبل فروخت کرنے کے غلام مر گیا حالانکہ وہ غلام رکھ لینا اختیار کر چکا ہے تو ارش جنایت بذمہ یتیمان قرضہ لازم ہے یہاں تک کہ اُس کو ادا کریں یہ محیط سرخسی میں ہے۔ امام محمدؒ نے جامع کبیر میں فرمایا کہ ایک شخص نے ہزار درم کو غلام خرید کر اُس پر قبضہ کر لیا اور ثمن نہ دیا یہاں تک کہ مر گیا اور اُس پر دوسرے شخص کے ہزار درم بھی قرضہ ہیں اور سوائے اس غلام کے اُس کا کچھ مال نہیں ہے پھر وصی نے غلام مذکور میں کوئی عیب پا کر بسبب عیب کے بغیر حکم قاضی کے بائع کو واپس دیا تو یہ جائز ہے اور قرض خواہ دوم اُس کو نہیں توڑ سکتا ہے پھر وصی مذکور بائع سے نصف ثمن واپس لے کر دوسرے قرض خواہ کو دے دے گا اور اگر بائع پر ثمن ڈوب گیا تو وصی ضامن نہ ہو گا اس واسطے کہ یہ واپسی ہر گاہ حق قرض خواہ دوم میں بیع جدید شمار کی گئی تو ایسا ہوا کہ گویا وصی نے غلام کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور ثمن اُس پر ڈوب گیا وصول نہ ہوا اور اس صورت میں ضامن نہیں ہوتا ہے پس صورت مذکورہ میں بھی ضامن نہ ہو گا اور اس صورت میں اور صورت ذیل میں فرق ہے کہ جب وصی نے ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر کے ثمن وصول کر کے بائع کو سب دے دیا تو اس صورت میں دوسرے قرض خواہ کے واسطے ضامن ہو گا اور اگر یہ ہے کہ جب وصی نے سوائے بائع کے دوسرے مشتری کے ہاتھ فروخت کیا اور ثمن وصول کیا تو ثمن سے دونوں قرض خواہوں کا حق متعلق ہوا پس وصی نے جب ایک ہی کو دے دیا تو اُس نے دوسرے کا حق تلف کیا پس ضامن ہو گا اور صورت مذکورۂ بالا میں وصی نے کچھ وصول نہیں کیا ہے فقط عیب کی وجہ سے واپس کیا ہے اور یہ امر حق قرض خواہ دوم میں بیع جدید ہے اور وصی کو بیع کا اختیار ہے پس کوئی ایسی بات نہیں پائی گئی جو موجب ضمان ہو اور ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ جب وصی نے میت کا قرضہ ادا کیا اور اُس کو خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ میت پر دوسرا قرضہ ظاہر ہو اور وصی کو ضامن ہونا پڑے تو اُس کے واسطے یہی حیلہ ہے کہ قرض خواہ میت کے ہاتھ اُس کے قرضہ کے عوض میت کی کوئی چیز فروخت کرے پھر اگر میت پر دوسرا قرضہ ظاہر ہو گا تو وصی ضامن نہ ہو گا اور اگر ایسا ہوا کہ جب وصی نے بسبب عیب کے بائع کو واپس دینا چاہا تو اُس نے انکار کیا یہاں

تک کہ مقدمہ قاضی کے پاس پیش ہوا پس اگر قاضی کو دوسرے قرض خواہ کے قرضہ کا حال معلوم ہو تو غلام کو بسبب عیب کے واپس نہ دے گا بلکہ فروخت کر کے اُس کا ثمن دونوں کو تقسیم کر دے گا اور بائع کے ذمہ سے نقصان ساقط ہو جائے گا کہ قاضی کی بیع سے پہلے یا اُس کے بعد نقصان عیب کا ضامن نہ ہوگا اور اگر قاضی کو دوسرے قرض خواہ کا حال معلوم نہ ہوا تو بائع کو واپس کر دے گا اور بائع کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جائے گا پھر اس کے بعد اگر دوسرے قرض خواہ نے گواہ قائم کئے تو قاضی کو اختیار ہے چاہے واپسی کو باقی رکھے اور قرض خواہ دوم کو نصف ثمن تاوان دلائے اور چاہے واپسی کو توڑ کر غلام مذکور دونوں کے قرضہ میں فروخت کرے یہ محیط میں ہے۔

ایک قوم نے میت پر قرضہ کا دعویٰ کیا اور ان کے پاس گواہ نہیں ہیں لیکن وصی کو اُن کے قرضہ کا حال معلوم ہے تو شیخ نصیرؒ نے فرمایا کہ وصی مال ترکہ کو قرض خواہ کے ہاتھ فروخت کرے پھر قرض خواہ ثمن سے منکر ہو جائے پس بدلا ہو جائے گا اور اگر ترکہ درم و دینار ہوں تو قرض خواہ کے پاس بقدر قرضہ کے ودیعت رکھے پھر وہ ودیعت سے منکر ہو جائے پس قصاص ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر گواہان عادل نے وصی کے سامنے گواہی دی کہ فلاں شخص کا میت پر قرضہ ہے اور قاضی کے سامنے یہ گواہی نہیں دیتے پس آیا وصی کو در حالیکہ وارث لوگ منکر ہوں ایسا قرضہ ادا کرنے کا اختیار ہے سو اس کی کوئی روایت نہیں ہے اور مشائخؒ نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ ادا کر سکتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ادا کر سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر میت نے وصی کے سامنے قرضہ کا اقرار کیا اور وصی نے چاہا کہ اُس کا قرضہ ادا کرے اور اُس پر ضمان لازم نہ آئے تو اس میں مشائخ کے پانچ اقوال مختلف ہیں بعض نے فرمایا کہ قاضی کے پاس جائے اور اُس سے کہے کہ آپ میراث کو وارثوں میں تقسیم کر دیں تاکہ اگر بہ ثبوت گواہان میت پر کوئی قرضہ ظاہر ہو تو قرض خواہ مجھ سے خصومت نہ کر سکے اور نہ مجھ سے تاوان لے سکے اور بعض نے فرمایا کہ قرض خواہ مقرلہ کو بقدر اُس کے قرضہ کے خفیہ دے دے تاکہ وارث لوگ واقف نہ ہوں کہ اُس سے ضمان لیں اور بعض نے فرمایا کہ ترکہ میں سے بقدر قرضہ کے ایک تھیلی میں بھر کر رکھے اور قرض خواہ کے پاس ایک آدمی بھیج کر بلائے پس قرض خواہ آ کر خفیہ و ظاہر لے لے اور وصی اُس سے تغافل کر جائے پس اگر وارثوں کو معلوم ہو جائے تو وارثوں سے کہے کہ تم لوگ خود خصومت کر دیا بجائے میرے دوسرے کو خصومت کے واسطے مقرر کرو اور بعض نے فرمایا کہ جنس قرضہ سے بقدر قرضہ کے ترکہ میں سے ایک تھیلی بھر کر قرض خواہ کو ودیعت دے دے پھر قرض خواہ مذکور ودیعت سے منکر ہو جائے پس قصاص ہو جائے گا اور وصی ضامن نہ ہوگا کیونکہ اُس کو ودیعت رکھنے کا اختیار ہے اور بعض نے فرمایا کہ جس وقت میت نے وصی کے سامنے قرضہ کا اقرار کیا ہے اُس وقت وصی کو چاہئے کہ میت سے کہے کہ دو گواہ بلا کر شاہد کر دے یا میرے سوائے دوسرے آدمی کو بلا کر گواہ کر دے تاکہ اگر پیچھے قرض خواہ آئے تو دونوں گواہ یا وصی مع ایک گواہ کے گواہی دیں پس وصی اُس کا قرضہ ادا کرے گا اور ضامن نہ ہوگا اور اگر وارثوں نے وصی پر دعویٰ کیا کہ تو نے ترکہ میں سے میت کی طرف سے ایسا قرضہ ادا کیا ہے جو اُس پر واجب نہ تھا تو ضامن ہوا اور وصی نے ضمان سے انکار کیا اور وارثوں نے اُس سے قسم طلب کی تو قاضی وصی سے اُس کے حق کی رعایت کر کے یہ قسم نہ لے گا کہ واللہ میں نے ادا نہیں کیا ہے بلکہ یوں قسم لے گا کہ واللہ ان لوگوں کا جو میری جانب مجھ پر ضمان واجب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص مر گیا اور اُس پر علاوہ قرضوں کے زید کا بھی قرضہ تھا پس زید نے کہا کہ میں نے اپنے ہزار درم میت سے اُس کی صحت میں وصول کئے ہیں اور قرض خواہان میت نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے اُس کے مرض میں جس میں وہ مرا ہے وصول کئے ہیں پس ہم کو تیرے ساتھ تیرے مقبوضہ میں حق شرکت حاصل ہے مشائخ نے فرمایا کہ اگر ہزار درم مقبوضہ قائم ہوں اُس میں شریک ہو جائیں گے اس واسطے کہ وصول کرنا امر حادث

ہے پس اقرب اوقات کی طرف جو حالت مرض ہے راجع کیا جائے گا اور اگر مقبوضہ دراہم تلف ہو گئے ہوں تو قرض خواہان میّت کے واسطے زید پر کچھ واجب نہ ہو گا اس واسطے اقرب اوقات کی طرف راجع کرنا نبوع ظاہر ہے اور ظاہر واسطے دفعیہ کے صالح ہے موجب ضمان ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے پس درصورتیکہ مقبوضہ قائم ہے زید اپنے واسطے ان سب کے مسلم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور قرض خواہ لوگ اس سے منکر ہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ یہ مقبوضہ ملکیت میّت تھا پس ظاہر زید کے واسطے شاہد نہیں ہے اور بعد مقبوضہ تلف ہونے کے قرض خواہوں کو موجب ضمان کی حاجت ہے اور ظاہر اُن کے واسطے شاہد نہیں ہے ایک وصی پر میّت کا قرضہ ہے اور میّت نے چند وصیتیں کی ہیں پس وصی نے چاہا کہ جو کچھ اُس کے ذمہ ہے اُس کی ذمہ داری سے خارج ہو جائے تو مشائخ ؒ نے فرمایا کہ میّت کی وصیتیں یا قرضے اپنے ذاتی مال سے ادا کر دے پس یہ اُس قرضہ کا جو وصی پر ہے قصاص ہو جائے گا لیکن یہ چاہئے کہ ادا کرنے کے وقت قصاص کی نیّت کرے اور کہے کہ مال میّت سے ادا کرتا ہوں تاکہ قصاص ہو جائے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر وصی نے وصایت سے خارج ہونے کے بعد یتیم کا قرضہ وصول کیا پس اگر یہ قرضہ یتیم کے واسطے موروثی ہو یا وصی کے ایسے عقد سے واجب ہوا ہو جس کے حقوق بجانب عاقد[1] راجع نہیں ہوتے ہیں تو قبضہ نہیں صحیح ہے اور قرض دار بری نہ ہو گا اور اگر وصی کے ایسے عقد سے واجب ہوا ہو جس کے حقوق بجانب عاقد راجع ہوتے ہیں تو اُس کا قبضہ صحیح ہے اور قرض دار بری ہو جائے گا یہ محیط میں ہے۔ ایک وصی نے میّت پر قرضہ کا دعویٰ کیا تو مشائخ ؒ نے اختلاف کیا ہے کہ قاضی آیا اُس کے قبضہ سے مال نکال لے گا یا نہیں سو بعض نے فرمایا کہ نہیں نکالے گا اور اگر وصی نے کسی مال عین پر اپنی ملک ہونے کا دعویٰ کیا تو قاضی اُس کو اُس کے قبضہ سے نکال لے گا اور بعض نے فرمایا کہ اگر اُس کے پاس اُس کے دعویٰ کے گواہ نہ ہوں تو قاضی اُس کو وصایت سے خارج کر دے گا اور فقیہ ابواللیث ؒ نے کہا کہ یوں کہے کہ یا تو میّت کو اپنے اس دعویٰ سے بری کر دے یا اپنے دعویٰ کے گواہ قائم کرتا کہ قرضہ وصول کر لے ورنہ میں نے تجھ کو وصایت سے خارج کر دیا پس اگر اُس نے گواہ قائم نہ کئے تو اُس کو وصایت سے خارج کر دے گا اور محمد بن سلمہ سے روایت ہے کہ اگر وصی نے میّت پر اپنے قرضہ کا دعویٰ کیا اور اُس کے پاس گواہ نہیں ہیں تو قاضی اُس کو وصایت سے معزول کر دے گا اور اگر گواہ ہوں تو قاضی میّت کی طرف سے وصی مقرر کرے گا تاکہ مدعی اُس کے مقابلہ میں گواہ قائم کرے پھر اُس کے بعد قاضی کو اختیار ہے چاہے دوسرے کو وصی رکھے پس اوّل وصایت سے خارج ہو گیا اور چاہے اوّل کا قرضہ ادا کرنے کے بعد اوّل کو پھر وصی مقرر کر دے اور خصاف ؒ نے ذکر فرمایا کہ قاضی میّت کی طرف سے دوسرا وصی اُسی قدر کے واسطے مقرر کرے گا جس قدر مدعی کا قرضہ ہے اور وہ مدعی کو پوری وصایت سے خارج نہ کرے گا اور اسی کو مشائخ ؒ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

میّت کا ایک شخص پر قرضہ ہے اور اُس کا وصی اور پسر وارث ہے پھر پسر بالغ ہو گیا پھر وصی نے قرضہ میّت وصول کیا تو اُس کا قبضہ جائز ہے اور اگر پسر نے وقت بالغ ہونے کے اُس کو قبضہ سے منع کر دیا ہو تو قبضہ صحیح نہ ہو گا ایک شخص مر گیا اور اُس پر زید کے ہزار درم قرضہ ہیں اور میّت کے عمرو پر ہزار درم قرضہ ہیں پس عمرو نے میّت کا قرضہ اُس کے قرض خواہ زید کو ادا کرنا چاہا تو اصل میں مذکور ہے کہ اگر عمرو ادا کر دے تو میّت کے قرضہ سے بری ہو جائے گا اگرچہ بغیر حکم وصی و وارث کے ادا کیا ہو اور ادا کرنے کی کیفیت امام محمد ؒ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ قاضی کے سامنے عمرو میّت کے قرض خواہ زید سے یوں کہے کہ یہ ہزار درم جو مجھ پر میّت فلاں کے تھے تجھ کو ان ہزار درم کے عوض دیتا ہوں جو تیرے میّت مذکور پر قرضہ تھے پس یہ جائز ہو گا اور اگر اُس نے یہ کہا کہ بلکہ میّت کی طرف سے زید کو

---

[1] یعنی مدعی ہے کہ یہ مقبوضہ ہزار درم سب مجھے مسلم اور میرے ہی واسطے ہیں ۱۲ منہ

ہزار درم ادا کر دے تو متبرع ہوگا اور اُس میت کا قرضہ بحالہ باقی رہے گا اور اگر مستودع نے مال ودیعت میں سے مورع کا قرضہ ادا کر دیا تو مودع کو اختیار ہوگا چاہے اس کے ادا کرنے کی اجازت دے دے اور چاہے مستودع سے تاوان لے پھر قابض نے جو کچھ وصول کیا ہے وہ اُس کو مسلم دیا جائے گا۔ میت نے اپنی بیوی کو وصی کیا اور مال چھوڑا اور بیوی کا اُس پر مہر باقی ہے پس اگر میت نے درم یا دینار چھوڑے ہوں تو چونکہ عورت مذکور نے اپنی جنس حق پر قابو پایا ہے اُس میں سے بقدر دین مہر کے لے لے اور اگر درم و دینار نہ چھوڑے ہوں تو اُس کو اختیار ہوگا کہ جو مال فروخت کرنے کے لائق ہے اُس کو فروخت کر کے ثمن سے اپنا قرضہ مہر وصول کر لے۔

ایک قرض دار مر گیا اور قرض خواہ اُس کا وارث یا وصی ہو تو اُس کو اختیار نہ ہوگا کہ بدون علم وارثوں کے بقدر اپنے حق کے لے لے۔

ایک شخص نابالغ اولاد چھوڑ کر مر گیا اور کسی کو وصی نہیں کیا پھر قاضی نے اُس کا وصی مقرر کیا کہ ترکہ کی حفاظت کرے پھر کسی مدعی نے میت پر قرضہ یا ودیعت کا دعویٰ کیا اور اُس کی بیوی نے مہر کا دعویٰ کیا تو مشائخؒ نے فرمایا کہ قرضہ و ودیعت جب تک کہ گواہوں سے ثابت نہ کئے جائیں ادا نہ کئے جائیں گے اور مہر اگر بنکاح معروف ہے یعنی لوگوں میں اس عورت سے نکاح معروف ہو تو مہر مثل تک عورت کا قول قبول ہوگا کہ بقدر مہر مثل اُس کو دے دیا جائے گا اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ اگر یہ امر قبل اُس کے ہو کہ عورت نے اپنے آپ کو مرد مذکور کے قابو میں دیا ہے تو یہی حکم ہے اگر عورت اپنے آپ کو مرد کے قابو میں دے چکی ہو تو جس قدر مہر معجّل قبل قابو دینے کے ادا کرنے کی عادت جاری ہے وہ بھی عورت کو نہ دیا جائے گا اس واسطے کہ ظاہر یہ ہے کہ اُس نے بدون وصول قدر معجّل کے اپنے آپ کو مرد کے قابو میں نہ دیا ہوگا۔ مؤلفؒ نے فرمایا کہ اس میں ایک گونہ[(1)] نظر ہے اس واسطے کہ کل مہر بنکاح واجب ہوا ہے پس بحکم ظاہر اُس میں سے کسی مقدار کے ساقط ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا کیونکہ ظاہر ایسی چیز کے باطل کرنے کے واسطے جو ثابت ہو حجت صالحہ نہیں ہے یہ فتویٰ قاضی خان میں ہے۔

امام محمدؒ نے جامع میں فرمایا کہ ایک شخص مر گیا اور ایک وارث و مال چھوڑا پھر ایک شخص نے گواہ قائم کئے کہ میت پر میرے ہزار درم قرضہ ہیں اور قاضی نے اُس کے نام حکم دیا اور وارث نے ہزار درم ادا کر دیئے پھر غائب ہوگیا پھر دوسرا شخص آیا اور اُس نے گواہ قرضہ قائم کرنے چاہے تو قرض خواہ اوّل اُس کا خصم ہوگا اور اگر قرضخواہ اوّل غائب ہوگیا ہو تو وارث اُسکا خصم ہوگا پس اگر دوسرے کے واسطے بھی وارث پر قاضی نے حکم دیا حالانکہ جو کچھ وارث نے وصول کیا ہے وہ سب تلف ہوگیا ہے تو دوسرا قرض خواہ پہلے قرض خواہ کا دامنگیر ہو کر جو کچھ اُس نے وصول کیا ہے اس میں سے حصہ رسد لے لے گا پھر دونوں اپنے باقی حق کے واسطے وارث کے دامنگیر ہوں گے اور اگر اوّل قرض خواہ نہ ہو بلکہ تہائی کا موصی لہ ہو پس اُس نے مال وصیت وصول کر لیا پھر وارث غائب ہوگیا پھر دوسرے نے گواہ قائم کرنے چاہے کہ میت پر میرا اس قدر قرضہ ہے تو موصی لہ اُس کا خصم نہ ہوگا اسی طرح اگر اوّل قرض خواہ ہو اور دوسرا موصی لہ مدعی ہو تو قرض خواہ اُس کا خصم نہ ہوگا اور نوازل میں مذکور ہے کہ ایک شخص مر گیا اور اس پر اس قدر قرضہ ہے کہ تمام ترکہ کو محیط ہے پس قرض خواہ اپنے ساتھ وارث میت کو لایا تو بعض نے فرمایا کہ وارث اُس کا خصم نہ ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ خصم ہوگا اور

لہ مترجم کہتا ہے کہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ فقیہ ابواللیثؒ قدر ثابت کے اسقاط کے قائل نہیں ہیں بلکہ ادائے قدر معجّل کی ممانعت کے بھی قائل ہیں پس اس میں اعتراض ہرگز نہیں وارد ہوگا اور حاصل اس کا یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنی ذات کے واسطے دعویٰ کیا کہ اُس کو مہر المثل دیا جائے اور ظاہر حال اُس کے واسطے اُس مہر سے قدر معجّل کا شاہد نہیں ہے جب کہ اُس نے اپنے نفس کو سپرد کر دیا پھر یہ واقعہ پیش آیا اور فقیہ سے کسی کو یہ فضل نہیں ہے جو کہہ دے کہ وہ غیر ثابت ہے جیسا کہ مہر مثل پر زیادتی کی صورت میں ہے کیونکہ اُس کے واسطے ایسا مہر مسمّی ہو جو اُس کے مہر مثل سے زائد ہو پس اُس وقت اُس کے واسطے مہر مسمّی واجب ہوگا نہ مہر مثل پس جیسے اُس کو اُس کے قول پر سوائے مہر مثل کے دیا گیا پس اسی طرح اُس کو مہر مثل سے بقدر معجّل بھی نہ دیا جائے گا بنابر آنکہ اُس پر ظاہر حال شاہد نہیں ہے جیسا کہ مذکور ہوا ۱۲ منہ (۱) یعنی اعتراض ہے ۱۲ منہ

حق خصومت میں میت کا قائم مقام ہوگا اور اسی کو فقیہ ابو اللیثؒ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اگر ترکہ تمام قرض خواہوں کے قرضہ میں مستغرق ہو پھر ایک شخص نے آ کر میت پر ہزار درم قرضہ کا دعویٰ کیا اور گواہ قائم کرنے سے عاجز ہو کر وارثوں و قرض خواہوں سے قسم طلب کی تو قرض خواہوں پر بالکل قسم عائد نہ ہوگی اسی طرح جب کہ پورا ترکہ قرضہ میں مستغرق[۱] ہے تو وارثوں پر قسم عائد نہ ہوگی اور اگر اُس کے پاس گواہ ہوں تو وصی فقط اُس کا خصم ہوگا اور اگر میت کا کوئی وصی یا وارث نہ ہو تو قاضی اُس کا وصی مقرر کر دے گا اور اگر قرضہ کی بہ نسبت ترکہ زائد ہو تو وارث سے قسم لی جائے گی اور ہم نے کتاب ادب القاضی میں ذکر کیا ہے کہ جب وارث کو ترکہ کچھ نہ ملا تو موافق اختیار فقیہ ابو اللیثؒ ابو جعفر کے مدعی کے گواہوں کی سماعت کرنے کے واسطے وارث خصم قرار دیا جائے گا لیکن قبل اس کے کہ میت کا کچھ مال ظاہر ہو وارث سے قسم نہیں لی جائے گی ایک شخص نے میت پر قرضہ کا دعویٰ کیا اور اُس کا وصی بغیبت[۲] منقطعہ غائب ہو گیا ہے تو قاضی میت کی طرف سے ایک وصی کھڑا کرے گا تاکہ مدعی کی جوابدہی کرے اسی طرح اگر وصی حاضر ہوا اور اُس نے مدعی کے قرضہ کا اقرار کیا تو قاضی میت کی طرف سے خصم مقرر کرے گا ایسا ہی امام فضلیؒ نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے اور اقرار واقعات میں لکھا ہے کہ اگر وصی میت نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں میت کا ہر قرضہ جو لوگوں پر تھا وصول کیا پھر میت کا ایک قرض دار آیا اور اُس نے وصی سے کہا کہ میں نے تجھ کو اس قدر دیا ہے اور وصی نے کہا کہ میں نے تجھ سے کچھ وصول نہیں کیا اور نہ مجھے معلوم تھا کہ میت کا تجھ پر قرضہ ہے تو قسم سے وصی کا قول قبول ہوگا اور اگر اصل قرضہ پر گواہ قائم ہوئے تو اس سے وصی پر کچھ لازم نہ آئے گا اسی طرح اگر وصی نے کہا کہ میں نے میت کا کوفہ کا قرضہ وصول کر لیا یا کسی دوسرے شہر یا سواد کی طرف نسبت کی تو بھی یہی حکم ہے اور جو شخص قرضہ و دیعت و مضاربت وصول کرنے کا وکیل ہو اُس کا بھی ان سب صورتوں میں یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے۔

ایک وصی نے وصیت میت اپنے مال سے نافذ کر دی تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر یہ وصی وارث ہو تو ترکہ میں سے واپس لے گا اور نہ واپس نہیں لے سکتا ہے اور بعض نے کہا کہ اگر وصیت بندوں کے واسطے ہو تو واپس لے گا اس واسطے کہ اُس کا مطالبہ از جانب بندہ ہے اور اگر وصیت[۳] اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو تو واپس نہیں لے سکتا ہے اور بعض نے فرمایا کہ ہر حال میں واپس لے سکتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح اگر وصی نے صغیر کے واسطے کھانا یا کپڑا اپنے مال سے خریدا تو بھی واپس لے سکتا ہے اسی طرح اگر بغیر اجازت وارث کے قرضہ میت اپنے مال سے ادا کیا اور گواہ کر لئے تو بھی واپس لے سکتا ہے اسی طرح اگر وارث بالغ نے وارثان نابالغ کے واسطے کھانا یا کپڑا اپنے مال سے خریدا تو مال میت و ترکہ سے واپس لے گا اسی طرح اگر وصی نے تیمم کا خراج وارث اپنے مال سے ادا کیا تو واپس لے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ کسی وارث نے اگر قرضہ میت اپنے مال سے ادا کیا حتی کہ اس کو واپس لینے کا اختیار حاصل ہوا پھر قبل واپس لینے کے جو قرضہ ادا کیا ہے وہ مال دوسری میت سے سبھوں نے میراث پایا تو ادا کرنے والے کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دوسری میت کے ترکہ سے وہ مال جو اُس نے قرضہ میں دیا تھا واپس کے لے یہ ذخیرہ میں ہے۔ وارث کو اختیار ہے کہ بدون حکم وارثان میت کے اُس کا قرضہ ادا کرے اور اُس کو کفن دے اور اُس کو اختیار ہوگا کہ مال میت سے اُس کو واپس لے اور اگر وارث یا وصی نے میت کے واسطے کفن خریدا پھر بعد دفن میت کے کفن کے عیب پر واقف ہوا تو وارث یا وصی کو نقصان عیب واپس لینے کا اختیار ہوگا اور اگر اجنبی نے میت کے لیے کفن خریدا اور بعد دفن کے عیب کفن پر وقف ہوا تو ناطفی نے ذکر کیا کہ اجنبی نقصان عیب واپس نہیں

---

۱ یعنی سارا مال متروکہ قرضہ میں ڈوبا ہوا ہے اور اُس سے کچھ فاضل نہیں ہے ۱۲ ۲ یعنی اس طور پر غائب ہو گیا کہ اُس کے مرنے جینے کا حال معلوم کرنے کے ذرائع منقطع ہو گئے ۱۲ ۳ یعنی کار خیر مثل حج وغیرہ ۱۲

لے سکتا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ واپس لے سکتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ[1] اجنبی واپس نہیں لے سکتا ہے۔ایک مسافر ایک شخص کے مکان میں اُترا پھر مر گیا اور کوئی وصی مقرر نہیں کیا اور دراہم چھوڑے تو شیخ ابوالقاسم نے فرمایا کہ مقدمہ حاکم کے پاس پیش کرے پس حاکم کے حکم سے اُس کو اوسط درجہ کا کفن دے اور اگر اُس نے کسی حاکم کو نہ پایا تو اوسط درجہ کا کفن دے دے اور اگر میت مذکور پر قرضہ ہو تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ قرضہ ادا کرنے کے واسطے اُس کا مال فروخت کرے اسی طرح اگر کوئی باندی چھوڑی ہو تو اُس کو فروخت نہیں کر سکتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔اگر اہل کوچہ میں سے کسی نے مال یتیم میں خرید و فروخت کا تصرف کیا اور میت کا کوئی وصی نہیں ہے اور وہ شخص جانتا ہے کہ اگر حاکم کے پاس یہ مقدمہ پیش کیا جائے تا کہ وہ وصی مقرر کر دے تب تک یہ مال لے کر برباد کر دے گا تو قاضی دبوسیؒ نے فتویٰ دیا کہ بضرورت اُس کا تصرف جائز ہے اور امام قاضی خان نے فرمایا کہ یہ استحسان ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔

بشر بن الولید سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کسی گاؤں میں مر گیا اُس کا وارث آیا اور کہا کہ میرا باپ مر گیا اور اُس نے کئی قسم کا مال چھوڑا ہے اور کسی کو وصی نہیں کیا اور اُس پر قرضہ ہے اور وارث مذکور اس وجہ سے گواہ قائم نہ کر سکا کہ گواہ گاؤں کے لوگ تھے اور قاضی کو اُن کی عدالت کا حال معلوم نہ تھا پس آیا قاضی کو اختیار ہے کہ اُس سے کہے کہ اگر تو سچا ہے تو مال فروخت کر یہاں تک کہ قرضہ ادا کر دے تو فرمایا کہ اگر قاضی نے ایسا کیا تو اچھا ہے اور شیخ ابونصر سے مروی ہے کہ ایک شخص مر گیا اور اُس کے وارثوں و قرض خواہوں نے کہا کہ فلاں مر گیا اور کسی کو وصی نہیں کیا اور حاکم کو اُس میں سے کچھ معلوم نہیں ہے پس آیا حاکم اُن سے کہہ سکتا ہے کہ اگر تم لوگ سچے ہو تو میں نے اس کو وصی کیا تو فرمایا کہ اگر حاکم نے ایسا کیا تو مجھے امید ہے کہ وہ ایسا کر سکتا ہے اور وہ شخص وصی ہو جائے گا بشرطیکہ یہ لوگ سچے ہوں ایک عورت نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور ایک مرد کو وصی مقرر کیا پس وصی نے اُس کی مقدار وصیت میں سے بعض وصیتیں نافذ کیں اور کچھ مال وارثوں کے پاس باقی رہ گیا آیا وصی اُس باقی کو وارثوں کے پاس چھوڑ سکتا ہے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر وصی کو وارثوں کی دیانت سے معلوم ہو کہ باقی بھی وصیت میں دے دیں گے تو چھوڑ سکتا ہے اور اگر اس کے برخلاف جانتا ہو پس اگر اُس کو یہ قدرت ہو کہ وارثوں کے قبضہ سے باقی تہائی نکال لے تو نہیں چھوڑ سکتا ہے ایک شخص نے اپنے ولد صغیر کے واسطے کوئی چیز خریدی اور اپنے مال سے ثمن ادا کیا بدین نیت کہ صغیر کے مال سے واپس لے گا تو نوادر میں مذکور ہے اگر ادائے ثمن کے وقت اُس نے اس بات کے گواہ نہ کئے ہوں کہ میں اپنے مال سے اس طور سے ادا کرتا ہوں کہ صغیر کے مال سے واپس لوں گا تو واپس نہیں لے سکتا ہے بخلاف وصی کے کہ اگر وصی نے اپنے مال سے ادا کیا تو اُس کو گواہ کر لینے کی ضرورت نہیں ہے اور فرق یہ ہے کہ والدین کی اکثر عادت یہ ہوتی ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ صلہ و نکوئی کا قصد رکھتے ہیں پس اُس کے حق میں گواہ کر لینے کی ضرورت ہے اسی طرح اگر باپ نے اپنے پسر کی بیوی کا مہر اپنے پاس سے ادا کیا تو گواہ کر لے ورنہ واپس نہیں لے سکتا ہے اسی طرح اگر ماں وصیہ ہو تو وہ بھی بمنزلہ باپ کے ہے کہ اگر اُس نے ادائے ثمن کے وقت گواہ نہ کر لئے ہوں تو واپس نہیں لے سکتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر وصی نے یتیم سے کہا کہ میں نے اتنے برس تجھ پر تیرے مال سے تیرے نفقہ میں خرچ کیا ہے تو اتنی مدت میں یتیم مذکور کے نفقہ مثل میں وصی کے قول کی تصدیق کی جائے گی اور نفقہ مثل سے زائد کے حق میں تصدیق نہ کی جائے گی پھر نفقہ مثل ہوتا ہے جس میں اسراف نہ ہو تنگی نہ ہو یہ محیط میں ہے۔

اور اگر وصی نے کہا کہ تیرا باپ دس برس ہوئے کہ مرا ہے اور یتیم نے کہا کہ میرے باپ کو مرے ہوئے فقط پانچ برس ہوئے ہیں تو کتاب میں مذکور ہے کہ یتیم کا قول قبول ہوگا اور مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ کتاب میں امام

---

[1] مثلاً گاؤں میں ہو۱۲

محمدؒ کا قول مذکور ہے اور بقول امام ابو یوسفؒ کے وصی کا قول قبول ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر وصی نے کہا کہ تیرے باپ نے غلام چھوڑے تھے میں نے ان کو تیرے مال سے اس قدر درم نفقہ دیئے پھر وہ سب مر گئے یا بھاگ گئے اور یہ نفقہ جو دیا ہے نفقہ مثل ہے اور یتیم اُس کے قول کی تکذیب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے باپ نے کوئی رقیق نہیں چھوڑا تھا تو وصی کا قول قبول ہوگا اور خانیہ میں ہے کہ امام محمدؒ و حسن بن زیاد کے نزدیک یتیم کا قول قبول ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وصی کا قول قبول ہوگا اور اگر غلامان مذکور زندہ موجود ہوں تو بالا جماع وصی کا قول قبول ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر وصی نے دعویٰ کیا کہ یتیم کا غلام بھاگ گیا تھا اُس کو ایک شخص پکڑ لایا پس میں نے اُس کو چالیس درم جعل[۱] دیئے ہیں اور یتیم اُس کے بھاگنے سے انکار کرتا ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وصی کا قول قبول ہوگا اور امام محمد و حسن بن زیاد کے نزدیک یتیم کا قول قبول ہوگا لیکن اگر وصی اپنے گواہ لائے تو اُس کے گواہ مقبول ہوں گے کذا فی فتاویٰ قاضی خان اور اسی طرح اگر وصی نے کہا کہ تیرے باپ نے کوئی رقیق نہیں چھوڑا تھا مگر میں نے تیرے واسطے مال سے غلام خریدے اور تیرے مال سے اُن کا ثمن ادا کیا اور تیرے مال سے اُن کا نفقہ دیا تو ان سب باتوں میں اُس کے قول کی تصدیق کی جائے گی اور جب قول اُسی کا اقرار دیا جائے گا تو اس سے قسم لی جائے گی یہ کتاب میں مذکور ہے لیکن ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ جب وصی کی کوئی خیانت ظاہر نہیں ہوئی تو ہمارے نزدیک اُس سے قسم لینا مستحسن نہیں ہے۔ نوادر ہشام میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر وصی نے دعویٰ کیا کہ والد صغیر نے اس قدر غلام چھوڑے تھے اور میں نے ان کو اس قدر نفقہ دیا ہے پھر وہ سب مر گئے پس اگر ایسے میت کے اس قدر غلام ہوتے ہوں تو وصی کا قول قبول ہوگا اور اگر یہ بات فقط وصی کے قول سے ثابت ہوتی ہو اور ایسے شخص کے اُس قدر غلام نہ ہوئے ہوں تو میں اُس کے قول کی تصدیق نہ کروں گا۔ اور اگر وصی نے کہا کہ میں نے یتیم کو مہینے میں سو درم دیئے اُس نے ضائع کر دیئے حالانکہ وہ فریضہ زکوٰۃ تھے پھر میں نے اُس کو سو درم اسی مہینہ میں دوبارہ دیئے تو میں اُس کے قول کی تصدیق کروں گا تاوقتیکہ ایسی بات بیان نہ کرے جو کھلی مستبعد ہو مثلاً بیان کرے کہ میں نے اُس کو اسی مہینہ میں بہت مرتبہ دیئے اور اُس نے ضائع کر دیئے۔ ایک شخص کے پاس ایک غلام ہے وہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میرا ہے اور وصی نے یتیم سے کہا کہ میں نے یہ غلام اس سے تیرے مال سے ہزار درم کو تیرے لیے خریدا تھا اور قبضہ کر کے ثمن ادا کر دیا تھا اور اس کو اتنے عرصہ تک اس قدر نفقہ دیا پھر یہ قابض مجھ پر غالب آیا اور مجھ سے یہ غلام لے لیا اور یتیم و قابض دونوں اُس کی تکذیب کرتے ہیں تو وصی مذکور کو اُس کے حق میں ضمان سے بری ہونے کے واسطے تصدیق کی جائے گی مگر قابض کے حق میں غلام اُس کے قبضہ سے نکال لئے جانے کے واسطے تصدیق نہ ہوگی اس وجہ سے کہ قابض کے حق میں وہ مدعی ہے یا گواہ ہے پس مدعی کے دعویٰ پر یا ایک گواہ پر حکم نہیں دیا جاتا ہے اور اپنے حق میں وہ منکر ضمان ہے پس قسم سے اُس کا قول قبول ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر وصی نے کہا کہ قابض نے تیرے اس بھائی لنجے کے واسطے تیرے مال سے اس قدر ماہواری نفقہ[۱] مقرر کر دیا تھا پس میں دس برس سے اس کو اس قدر ماہواری تیرے مال سے دیتا ہوں اور یتیم نے اُس کی تکذیب کی تو بالا جماع وصی کا قول قبول نہ ہوگا اور وہ ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر وصی نے کہا کہ تیرا باپ مر گیا اور یہ زمین تیرے واسطے میراث چھوڑی اور یہ زمین خراجی ہے پس میں نے دس برس سے اس قدر سالانہ اس کا خراج سلطان کو ادا کیا ہے اور وارث نے کہا کہ میرے باپ کو مرے ہوئے فقط دو برس ہوئے تو اس میں ویسا ہی اختلاف ہے جو جعل (۱) میں مذکور ہوا اسی طرح اگر باپ کے مرنے کی مدت دس برس ہونے پر دونوں نے اتفاق کیا لیکن زمین مذکور میں جس میں پانی بھرا ہوا ہے جس کی وجہ سے زراعت ممکن نہیں ہے اختلاف کیا پس وارث نے کہا کہ یہ

[۱] یعنی سلوک و نفع رسانی بوجہ قرابت و رشتہ داری ۱۲ (۱) غلام واپس لانے کی مزدوری دینے میں ۱۲ منہ

زمین برابر اس وقت سے ایسی ہی ہے اس کا خراج واجب نہیں ہوا ہے اور وصی نے کہا کہ اس میں فی الحال پانی آ گیا ہے اور میں نے دس برس تک اس کا خراج ادا کیا ہے تو اس میں بھی وہی اختلاف[1] ہے جو جعل میں مذکور ہے۔ اور اگر وقت خصومت کے زمین مذکور قابل زراعت ہو اس میں پانی نہ ہو اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو بالاجماع قسم سے وصی کا قول قبول ہوگا نوازل میں ہے کہ اگر وصی نے یتیم سے کہا کہ تو نے صغرسنی میں اس شخص کا اس قدر مال تلف کر دیا تھا پس میں نے تیری طرف سے اُس کو ادا کر دیا اور یتیم نے اس سب سے انکار کیا تو یتیم کا قول قبول ہوگا اور بالاجماع وصی ضامن ہوگا۔ اور اگر وصی نے یتیم سے کہا کہ تیرا یہ غلام شام کی طرف بھاگا تھا پس میں نے ایک شخص کو اجرت پر مقرر کیا جو اُس کو شام سے پکڑ لایا اور سو درم اُجرت پر مقرر کیا تھا پس میں نے اُس کو سو درم دے دیئے اور یتیم نے اس سے انکار کیا تو بالاجماع وصی کا قول قبول ہوگا اور اگر وصی نے اس سب میں یہ کہا کہ میں نے اپنے مال سے ادا کیا تا کہ تجھ سے واپس لوں اور یتیم نے انکار کیا تو بالاجماع بدون گواہوں کے وصی کے قول کی تصدیق نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اور اگر وصی ایک شخص کو قاضی کے پاس لایا اور کہا کہ یہ شخص صغیر کے غلام کو جو بھاگ گیا تھا واپس لایا ہے۔ پس اس کے واسطے مال واجب ہوا پس میں نے اس کو مال صغیر سے جو میرے پاس ہے اس کا حق دے دیا پس آیا قاضی اُس کے قول کی تصدیق کرے گا سو بعض نے فرمایا کہ اس میں بھی اختلاف ہے اور بعض نے فرمایا کہ بالاتفاق تصدیق نہ کرے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ کی ایک صورت جس میں باوجودیکہ اقرار کے مال پر قبضہ کرنے کے واسطے خصم نہ ہوگا ☆

منتقی میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر میت کا زید پر مال ہو اور میت کے وصی نے اقرار کیا کہ میت نے یہ مال وصول کر لیا ہے تو اس کے بعد وصی مذکور اس مال پر قبضہ کرنے کے واسطے خصم نہ ہوگا بلکہ قاضی از جانب میت ایک شخص اُس کے وصول کرنے کے واسطے مقرر کرے گا اور امام محمدؒ نے اقرار الاصل میں فرمایا کہ اگر وصی نے اقرار کیا کہ میں نے میت کا سب مال جو فلاں بن فلاں پر تھا وصول کر لیا اور یہ بیان نہ کیا کہ کس قدر تھا پھر کہا کہ میں نے اُس سے فقط سو درم وصول کئے ہیں اور قرض دار نے کہا کہ میت کے مجھ پر ہزار درم تھے تو نے سب وصول کر لئے ہیں تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو یہ مال وصی کے قرضہ کر دینے سے قرض دار پر واجب ہوا ہوگا یا خود میت کے معاملہ سے واجب ہوا ہوگا اور دونوں صورتوں میں سے ہر ایک میں ضرور ہے کہ قرضدار بے قرضہ کا اقرار یا تو وصی کے اقرار کے بعد کہ میں نے سب وصول پایا ہے واقع ہوا ہوگا یا وصی کے اقرار سے پہلے واقع ہوا ہوگا اور ہر ایک میں دونوں صورتوں میں سے یا تو وصی نے یہ اقرار کہ وہ سو درم ہیں اپنے اس اقرار سے کہ میں نے سب وصول پایا ہے ملا کر کہا ہوگا یا الگ کہا ہوگا پس در صورتیکہ قرض دار پر قرضہ میت کے معاملہ سے واجب ہوا اور وصی نے پہلے پورا قرضہ وصول پانے کا اقرار کیا پھر جدا کہا کہ وہ سو درم ہیں بعد ازاں قرض دار نے اقرار کیا کہ اُس پر ہزار درم قرضہ ہے اور وصی نے اُس سے ہزار درم وصول کر لئے ہیں تو امام محمدؒ نے ذکر فرمایا کہ قرض دار ہزار درم سے بری ہو جائے گا اور وصی کو اُس سے کچھ زیادہ لینے کا اختیار نہ ہوگا اور اس بات میں کہ وصی نے سو درم پر قبضہ کیا ہے قسم کے ساتھ وصی کا قول قبول ہوگا اور قرض دار کے قول کی وصی کے حق میں تصدیق نہ کی جائے گی حتیٰ کہ انکار وارثان کی وجہ سے وصی نو سو درم کا ضامن نہ ہوگا پھر اگر میت کی طرف سے گواہ قائم ہوں مثلاً میت کا وارث یا اُس کا قرض خواہ گواہ قائم

[1] قال المترجم یعنی امام محمد و حسن بن زیاد کے نزدیک یتیم کا قول اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وصی کا قول قبول ہوگا اور مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک اصح قول ابی یوسفؒ ہے کیونکہ وصی امین مقرر کیا گیا ہے پس ظاہر حال اگرچہ اُس کے واسطے شاہد نہیں لیکن وہ وارث کے حق میں نافع نہیں بلکہ ضمان کا موجب ہے اور وہ پایا نہ گیا پس قول وصی کا اپنے حال پر باقی رہا مگر آنکہ وارث گواہ پیش کرے پس اُس وقت ہمارے جانب ہی مستحسن ہے کہ ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ قبول ہوں ۱۲

کرے کہ قرض دار مذکور پر میت کے ہزار درم تھے تو قرض دار ہزار درم سے بری ہوگا حتی کہ وصی کو اُس سے تو سو درم واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا مگر وصی وارثوں کے واسطے نوسو درم کا ضامن ہوگا۔ اور اگر پہلے قرض دار نے اقرار کیا کہ قرضہ ہزار درم ہے پھر وصی نے سب قرضہ وصول پانے کا اقرار کیا پھر جدا اقرار کیا کہ وہ سو درم تھے تو اُس کا حکم ویسا ہے جیسا کہ گواہ قائم ہو کر ہزار درم قرضہ ثابت ہونے کی صورت میں مذکور ہوا کہ قرض دار بسبب اقرار وصی کے بری ہوگا اور وصی تو سو درم کا وارثوں کے واسطے ضامن ہوگا اور یہ حکم اُس وقت ہے کہ وصی نے اپنے اقرار تمام وصول سے جدا کر کے اقرار کیا کہ وہ سو درم ہیں اور اگر متصل اقرار کیا کہ میں نے تمام قرضہ میت جو فلاں پر تھا وصول پایا اور وہ سو درم تھے اور قرض دار نے کہا کہ نہیں بلکہ ہزار درم تھے تو ذکر فرمایا کہ اس اقرار میں وصی کے قول کی تصدیق ہوگی حتی کہ وصی کو اختیار ہوگا کہ قرض دار مذکور سے نوسو درم کا مطالبہ کر کے وصول کرے یہ اُس وقت ہے کہ پہلے وصی نے تمام وصول یابی کا اقرار کیا ہو اور اگر قرض دار نے پہلے قرضہ کا اقرار کیا پھر وصی نے کہا کہ میں نے جو کچھ اُس پر تھا سب وصول پایا پھر جدا اقرار کیا کہ وہ سو درم تھے تو اس کا حکم وہی ہے جو درصورتیکہ میت کے معاملہ سے قرضہ واجب ہونے کی صورت میں مذکور ہوا ہے کہ قرض دار تمام اُس مال سے جو اُس پر تھا بری ہوگا بسبب اقرار وصی کے اور وصی نوسو درم کا وارثوں کے واسطے ضامن ہوگا یہ سب اُس صورت میں ہے کہ وصی نے یہ اقرار کہ وہ سو درم تھے جدا کر کے بیان کیا ہو اور اگر متصل بیان کیا مثلاً کہا کہ میں نے سب جو اُس پر تھا وصول کیا اور وہ سو درم تھے پھر قرض دار نے کہا کہ مجھ پر ہزار درم قرضہ تھا اور تو نے سب وصول کیا ہے تو قرض دار پورے قرضہ سے جو اُس پر تھا بری ہوگا حتی کہ وصی کو اُس سے کچھ مطالبہ کا اختیار نہ ہوگا اور وارثوں کے واسطے وصی فقط اُسی قدر کا ضامن ہوگا جس قدر اُس نے پہلے وصول پانے کا اقرار کیا ہے اور اگر قرض دار نے پہلے ہزار درم کا اقرار کیا پھر وصی نے کہا کہ میں نے سب جو اُس پر تھا وصول پایا اور وہ سو درم ہیں تو قرض دار پورے ہزار درم سے بری ہوگا اور وصی وارثوں کے واسطے نوسو درم کا ضامن ہوگا اور فرمایا کہ اگر وصی نے وارثوں کے واسطے کوئی خادم فروخت کیا اور گواہ کئے کہ میں نے تمام ثمن وصول پایا ہے اور وہ سو درم ہیں اور مشتری نے کہا کہ نہیں بلکہ ایک سو پچاس درم ہیں تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو وصی نے یہ قول کہ وہ سو درم ہیں اپنے اقرار سے متصل بیان کیا یا منفصل پس اگر متصل بیان کیا تو یہ بیان صحیح نہیں ہے اور مشتری پورے ثمن ڈیڑھ سو درم سے باقرار وصی کہ اُس نے سب جو کچھ مشتری پر تھا وصول پایا ہے بری ہو جائے گا اور وصی کی مقبوضہ مقدار میں وصی کا قول قبول ہوگا اور اگر مالک نے خود فروخت کیا اور جو کچھ مشتری پر تھا سب وصول پانے کا اقرار کیا پھر متصل[1] یا منفصل بیان کیا کہ وہ سو درم تھے تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو وصی کی صورت میں بیان ہوا ہے۔ اور اگر وصی نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں مشتری سے سو درم وصول پائے اور وہ پورا ثمن ہے پس مشتری نے کہا کہ نہیں بلکہ پورا ثمن ایک سو پچاس درم ہیں تو وصی کو اختیار ہوگا کہ مشتری سے پچاس درم اور لے۔ اور اگر وصی نے اقرار کیا کہ میں نے سب جو کچھ فلاں شخص یعنی مثلاً زید کا عمرو پر تھا وصول پایا اور وہ سو درم تھے اور وارثوں یا قرض خواہ میت نے گواہ قائم کئے کہ وہ دو سو درم تھے حتی کہ یہ گواہی قبول کی گئی ہو تو قرض دار سے باقی سو درم بھی وصول کئے جائیں گے اور وصی سوائے ان سو درم کے جن کو اُس نے وصول کیا ہے کچھ ضامن نہ ہوگا اور یہ حکم بخلاف ایسی صورت کے ہے کہ جب وصی نے جدا کر کے بیان کیا کہ وہ سو درم تھے پھر گواہ بطور مذکور قائم ہوئے کہ قرض دار پر سو درم تھے تو ایسی صورت میں وصی دو سو درم کا ضامن ہوگا اور فرمایا کہ اگر وصی نے اقرار کیا کہ میں نے جو کچھ میت کا فلاں شخص کے پاس از قسم ودیعت یا مضاربت یا شرکت یا بضاعت یا عاریت کے تھا وصول پایا پھر اس کے بعد کہا میں نے اُس سے سو درم وصول پائے ہیں اور مطلوب نے اقرار کیا کہ میرے پاس میت کے ہزار درم تھے تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو وصی نے اوّل

---

[1] متصل ملا ہوا منفصل جدا و علیحدہ ۱۲ء

وصول پانے کا اقرار کیا پھر مطلوب نے ہزار درم ہونے کا اقرار کیا یا مطلوب نے اولاً ہزار درم ہونے کا اقرار کیا پھر وصی نے جو کچھ اُس کے پاس تھا سب وصول پانے کا اقرار کیا پھر یہ قول اُس کا کہ وہ سو درم تھے یا متصل باقرار سابق ہے یا اُس نے الگ بیان کیا ہے پس اگر وصی نے اولاً استیفاء کا اقرار کیا ہے پھر اُس کے بعد کہا کہ میں نے سو درم وصول کئے ہیں اور مطلوب نے کہا کہ وہ ہزار درم تھے اور تو نے سب وصول پائے ہیں تو وصی جس قدر اقرار کرتا ہے اُس سے زیادہ کا ضامن نہ ہوگا اور مطلوب تمام مطالبہ سے بری ہوگا جیسا کہ قرض دار کی صورت میں ہے اور اگر گواہ قائم ہوئے کہ مطلوب کے پاس ہزار درم تھے تو وصی ان سب کا ضامن ہوگا یہ اُس وقت ہے کہ وصی نے جدا کر کے بیان کیا ہو پھر مطلوب نے اقرار کیا کہ میرے پاس ہزار درم تھے تو وصی کا قول قبول ہوگا کہ اُس نے سو درم وصول پائے ہیں اور مطلوب سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے بخلاف اس کے اگر قرضہ کی صورت میں یہ بات ہو تو وہ باقی کے واسطے مطلوب کا دامنگیر ہوگا یہ سب اُس صورت میں ہے کہ وصی نے اولاً استیفاء کا اقرار کیا ہو اور اگر اولاً مطلوب نے اقرار کیا کہ میرے پاس امانت کے ہزار درم میت کے ہیں پھر وصی نے اقرار کیا کہ میں نے سب جو کچھ اُس کے پاس تھا وصول پایا اور بیان کیا کہ وہ سو درم تھے خواہ متصل بیان کیا یا منفصل کر کے بیان کیا تو اس کا[1] حکم وہی ہے جو در صورت گواہ قائم ہونے کے کہ مطلوب کے پاس ہزار درم تھے بیان ہوا ہے لیکن وہ مطلوب سے کچھ نہیں لے سکتا ہے اور فرمایا کہ اگر وصی میت نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں میت کا ہر قرضہ جو لوگوں پر تھا وصول پایا پھر میت کا ایک قرض دار آیا اور اُس نے وصی سے کہا کہ میں نے تجھ کو اس قدر ادا کر دیا ہے اور وصی نے کہا کہ میں نے تجھ سے کچھ نہیں وصول پایا اور نہ مجھے معلوم ہوا کہ میت کا تجھ پر کچھ ہے تو وصی کا قول قبول ہوگا اور وصی کے ایسے اقرار سے قرض داران میت کی براءت نہ ہوگی اسی طرح جو وکیل بقبضہ قرضہ و ودیعت و مضاربت ہو اُس کے اقرار کا بھی یہی حکم ہے اور اگر وصی نے اقرار کیا کہ میت کا جو کچھ قرضہ زید پر تھا میں نے وصول پایا پس قرض دار نے کہا کہ مجھ پر اُس کے ہزار درم تھے اور وصی نے کہا کہ تجھ پر اُس کے ہزار درم تھے لیکن تو نے اس میں سے پانچ سو درم اُس کی زندگی میں اُس کو دے دیئے تھے اور باقی پانچ سو درم اُس کی موت کے بعد مجھے دے دیئے اور قرض دار نے کہا کہ نہیں بلکہ میں نے سب تجھے دیئے ہیں تو اس کا جواب وہی ہے جو مسئلہ اول میں بیان کیا گیا ہے کہ وصی ہزار درم کا ضامن ہوگا لیکن وارثوں سے اُس کے دعویٰ پر قسم لی جائے گی اور اگر وصی نے اقرار کیا کہ جو کچھ لوگوں پر فلاں میت کا از جنس قرضہ تھا میں نے وصول پایا میں نے اُس کو فلاں بن فلاں سے بھر پایا پھر گواہ قائم ہوئے کہ میت کے اس شخص پر ہزار درم تھے پس وصی نے کہا کہ میرے مقبوضہ یہ نہیں ہے تو یہ وصی کے لازم ہوں گے اور تمام قرض داران میت وصی کے ایسے اقرار سے بری ہو جائیں گے بخلاف اس کے کہ اگر اقرار کیا کہ میں نے سب جو کچھ میت کا قرضہ لوگوں پر تھا وصول پایا اور یہ نہ کہا کہ اس شخص سے تو ایسے اقرار سے قرض داران میت کی بریت نہ ہوگی اور اگر وصی نے اقرار کیا کہ میں نے میت کی متاع و میراث سب اُس کے مکان سے لے کر اُس پر قبضہ کر لیا پھر اس کے بعد کہا کہ وہ سو درم اور پانچ کپڑے تھے اور وارث نے دعویٰ کیا کہ وہ اس سے زیادہ مال تھا اور گواہ قائم کئے کہ میت کی موت کے روز اُس کے مکان میں ہزار درم اور سو کپڑے تھے تو وصی کے ذمہ سوائے اُس قدر کے جس کا اُس نے اپنے قبضہ کرنے میں اقرار کیا ہے کچھ لازم نہ ہوگا اگر چہ اُس نے بیان اقرار کہ وہ سو درم و پانچ کپڑے تھے الگ کر کے بیان کیا ہو یہ محیط میں ہے اور اگر وصی (۱) نے میت پر قرضہ کا اقرار کیا تو اُس کا اقرار صحیح نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ یہی صدر حسام کے واقعات میں مذکور ہے پھر ظاہر ہوا کہ جو کچھ صدر حسامؒ نے ذکر کیا وہ امام محمدؒ کے قول سے ہے ۱۲

(۱) بخلاف وکیل خصومت مطلق کے ۱۲

دسواں باب ☆

وصیت پر گواہی دینے کے بیان میں

مسئلہ مذکورہ میں اگر وارث لوگ مدعی ہوں تو گواہی مقبول نہ ہوگی ☆

اگر زید وعمرو دو وصیوں نے گواہی دی کہ میت نے ہمارے ساتھ بکر کو بھی وصی کیا ہے اور بکر نے دعویٰ کیا ہے تو استحساناً جائز ہے یہ فتاویٰ قیاساً یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر بکر مدعی نہ ہو تو استحساناً و قیاساً دونوں کی گواہی مقبول نہ ہوگی جب کہ وارث لوگ اس کے مدعی ہوں اور بکر منکر ہو اور اگر وارث لوگ زید وعمرو کے ساتھ تیسرے کے وصی ہونے کے مدعی نہ ہوں تو ہر دو وصی کی گواہی قیاساً و استحساناً مقبول نہ ہوگی اصل میں فرمایا کہ اگر مشہود علیہ مثلاً بکر نے دونوں گواہوں کی تکذیب کی تو میں دونوں وصیتوں کے ساتھ سوائے بکر کے کسی تیسرے کو وصی کر کے داخل کر دوں گا اور بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ تیسرے آدمی کو مقرر کر کے داخل کرنے کا حکم جو مذکور ہے امام اعظمؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور بعض نے فرمایا کہ نہیں بلکہ یہ حکم سب کے نزدیک بالاتفاق ہے اور یہی ظاہر ہے کیونکہ امام محمدؒ نے اس میں کوئی اختلاف ذکر نہیں فرمایا اور اگر دو لڑکوں نے گواہی دی کہ ہمارے باپ نے زید کو وصی کیا ہے اور زید مدعی ہے تو قیاساً اُن کی گواہی قبول نہ ہونی چاہئے مگر استحساناً مقبول ہوگی اور اگر اس مسئلہ میں زید منکر ہو اور باقی وارث بھی مدعی نہ ہوں تو قیاساً و استحساناً دونوں کی گواہی قبول نہ ہوگی اور اگر باقی وارث دعویٰ کرتے ہوں اور زید منکر ہو تو استحساناً و قیاساً! مقبول نہ ہوگی اگر دو قرض خواہان میت نے گواہی دی کہ میت نے زید کو اپنا وصی مقرر کیا اور زید نے قبول کر لیا ہے اور زید اس کا مدعی ہے تو قیاساً ایسی گواہی قبول نہ ہونی چاہئے اور استحساناً قبول ہوگی یہ اس وقت ہے کہ زید اس کا مدعی ہو اور اگر مدعی نہ ہو اور ہر دو گواہان کے سوائے باقی قرض خواہان میت اس کے مدعی ہوں تو قیاساً دونوں کی گواہی قبول نہ ہوگی اسی طرح اگر میت کے دو قرض داروں نے گواہی دی کہ اُس نے زید کو وصی کیا ہے اور زید اُس کا مدعی ہے تو بھی مسئلہ میں قیاس و استحسان جاری ہے اور اگر زید اس کا مدعی نہ ہو پس اگر وارث لوگ اس کے مدعی ہوں تو گواہی قیاساً و استحساناً قبول نہ ہوگی اور اگر وارث لوگ منکر ہوں اور اس کا دعویٰ نہ کرتے ہوں تو قیاساً و استحساناً قبول نہ ہوگی اور اگر پسران وصی نے گواہی دی کہ فلاں میت نے ہمارے باپ کو وصی کیا ہے اور وصی اس کا مدعی ہے اور وارث لوگ مدعی نہیں ہیں تو قیاساً و استحساناً یہ گواہی قبول نہ ہوگی اور قاضی کو اختیار نہیں ہے کہ ایسے شخص کو جو وصی ہونا طلب کرتا ہے بدون گواہی کے اُس کی درخواست پر وصی مقرر کر دے اگرچہ وصی ہونے میں رغبت کرنے والا اپنے بیٹوں کی گواہی سے مقرر نہ ہوگا۔

مسئلہ مذکورہ میں شریکین متفاوضین یا غیر متفاوضین میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے حق میں جائز ہے ☆

اگر وصی انکار کرتا ہو اور وارث لوگ دعویٰ کرتے ہوں تو ایسی گواہی مقبول ہوگی اور اگر وارث لوگ دعویٰ نہ کرتے ہوں تو ایسی گواہی قبول نہ ہوگی اور بھائی کی گواہی ایسے معاملہ میں مقبول ہے اور شریکین متفاوضین یا غیر متفاوضین میں سے ایک کی

گواہی دوسرے کے حق میں ایسے معاملہ میں جائز ہے اور اگر زید و عمرو دونوں میں سے ایک کے دو بیٹوں نے گواہی دی کہ فلاں میت نے ہمارے باپ و فلاں دوسرے کو ساتھ ہی وصی مقرر کیا ہے پس اگر ان کا باپ مدعی ہو تو ایسی گواہی قبول نہ ہو گی نہ باپ کے حق میں اور نہ دوسرے کے حق میں اور اگر باپ مدعی نہ ہو اور وارثان میت مدعی ہوں تو گواہی مقبول ہو گی اور اگر باپ و دوسرا وارث کوئی مدعی نہ ہو تو بسبب عدم دعویٰ کے ایسی گواہی مقبول نہ ہو گی فرمایا کہ اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ میت نے اس زید کو وصی مقرر کیا تھا پھر اس سے رجوع کر کے اس عمرو کو وصی مقرر کیا تو دونوں کی گواہی جائز ہے۔ اور اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ میت نے اس زید کو وصی مقرر کیا پھر زید کے دو بیٹوں نے گواہی دی کہ میت نے ہمارے باپ کو وصیت سے معزول کر دیا ہے اور فلاں شخص کو مقرر کیا ہے تو دونوں کی گواہی جائز ہو گی اور فرمایا کہ اگر دو بیٹوں نے گواہی دی کہ میت نے ہمارے باپ کو وصی کیا تھا پھر اُس کو معزول کر کے اس عمرو کو وصی مقرر کیا ہے تو دونوں کی گواہی جائز ہے۔ اور فرمایا کہ اگر فلاں شخص کے وصی ہونے پر میت کے دو بیٹوں نے جو میت کے قرض دار ہیں یا قرض خواہ ہیں ایسی گواہی دی اور فلاں اس کا مدعی ہے تو مسئلہ میں موافق قیاس کے عدم جواز کا اور موافق استحسان کے جواز کا حکم ہے اور اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شخص نے اس زید کو اپنے تمام ترکہ کا اپنی موت کے بعد وکیل کیا ہے تو میں اُس کو وصی قرار دوں گا اور اگر کسی نے کہا کہ میں نے زید کو وصی گردانا تو یہ کہنا اور قولہ اوصیت الیہ یعنی اُس کو وصیت کر دی۔ دونوں یکساں ہیں پس زید وصی ہو جائے گا۔ اور اگر دو گواہوں میں سے ایک نے گواہی دی کہ میت نے اس کو جمعرات کے روز وصی کیا ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ میت نے اس کو جمعہ کے روز وصی کیا ہے تو ایسی گواہی مقبول ہو گی یہ محیط میں ہے۔

اگر دو گواہوں نے عمرو و زید کے واسطے میّت پر ہزار درم قرضہ کی گواہی دی ☆

اگر دو وصیتوں نے وارث کے واسطے جو صغیر ہے مال میت یا غیر میت میں سے کسی چیز کی گواہی دی تو دونوں کی گواہی باطل ہے اور اگر بالغ وارث کے واسطے مال میت میں سے کسی چیز کی گواہی دی تو نہیں جائز ہے اور اگر میت کے سوائے دوسرے کے مال میں سے کسی چیز کی گواہی دی تو جائز ہے اور یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر وارث بالغ کے واسطے دونوں نے گواہی دی تو دونوں (۱) صورتوں میں جائز ہے یہ ہدایہ میں ہے اور اگر موصیٰ لہ معلوم ہو مگر جس چیز کی اُس کے واسطے وصیت کی ہے وہ مجہول ہو پس گواہوں نے گواہی دی کہ میت نے اس موصیٰ لہ کے واسطے وصیت کا اقرار کیا ہے تو ایسی گواہی مقبول ہو گی اور موصیٰ بہ[ا] کے بیان کے واسطے وارثان موصی کی طرف رجوع (۲) کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر دو گواہوں نے عمرو و زید کے واسطے میت پر ہزار درم قرضہ کی گواہی دی پھر زید و عمرو نے اپنے دونوں گواہوں کے واسطے میت پر ہزار درم قرض کی گواہی دی تو دونوں فریق گواہوں کی گواہی جائز ہے اور اگر ہر دو فریق گواہوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے واسطے ہزار درم وصیت کی گواہی دی تو نہیں جائز ہے اور اگر زید نے گواہی دی کہ میں نے ان دونوں کے واسطے اپنی باندی دینے کی وصیت کی ہے پھر جن دونوں کے واسطے اُس نے گواہی دی ہے انہوں نے گواہی دی کہ میت نے اس کے بعد زید کے واسطے اس کی وصیت کر دی ہے تو یہ گواہی بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر زید و عمرو نے بکر و خالد کے واسطے گواہی دی کہ میت نے ان دونوں کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی ہے پھر بکر و خالد نے

ا وہ چیز جس کی وصیت کنندہ نے وصیت کی ۱۲ (۱) خواہ مال میت سے یا غیر سے ۱۲ (۲) پس جس قدر چاہیں اقرار کریں ۱۲

گواہی دی کہ میّت نے زید و عمرو کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو گواہی باطل ہے۔ اسی طرح اگر زید و عمرو نے گواہی دی کہ میّت نے بکر و خالد کے واسطے اپنے غلام کی وصیت کی ہے اور بکر و خالد نے گواہی دی کہ میّت نے زید و عمرو کے واسطے اپنے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو بھی باطل ہے اس واسطے کہ اس مقدمہ میں گواہی مثبت شرکت ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ میّت نے ان دونوں کے واسطے دراہم کی وصیت کی ہے پھر دوسرے گواہوں نے گواہی دی کہ میّت نے ان دونوں کے واسطے دراہم کی وصیت کی ہے تو دونوں کی گواہی باطل ہے اور اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ میّت نے اس کے دینار کی وصیت کی ہے اور دوسروں نے دراہم کی گواہی دی یا دو گواہوں نے غلام کے وصیت کی گواہی دی اور دوسروں نے دراہم دینے کے وصیت کی گواہی دی تو گواہی جائز ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص نے ایک قوم کو وصیت پر گواہ کر لیا حالانکہ وصیت نامہ اُن کو پڑھ کر نہیں سنایا اور نہ اُن کے سامنے تحریر کیا اور اس وصیت نامہ میں اعتاق و اقرار بقرضہ دو وصیتیں ہیں تو اشہاد صحیح نہیں ہے کذا فی المحیط۔